مختصر فہرست کتب مکتبہ توعیہ اسلامیہ

کتاب	قیمت
تفسیر ابن کثیر اُردو مکمل مجلد	۴۹۰/=
تفسیر ترجمان القرآن ۴ جلدیں (ابوالکلام آزاد)	۳۰۰/=
تفسیر سورہ فاتحہ (اُم الکتاب) (ابوالکلام آزاد)	۴۰/=
تفہیم القرآن مکمل (ابوالاعلیٰ مودودی)	۴۶۰/=
مختصر تفہیم القرآن	۱۶۰/=
تفسیر ثنائی (ثناء اللہ امرتسری)	۹۵/=
صحیح بخاری شریف مترجم (محمد داؤد راز)	۶۵۰/=
" " مجلد ۱۰ جلدیں	۷۸۰/=
تیسیر الباری شرح صحیح بخاری مجلد ۹ جلدیں عربی مع ترجمہ اردو (وحید الزماں)	۱۰۵۰/=
صحیح بخاری شریف مترجم مجلد (وحید الزماں)	۴۹۰/=
صحیح مسلم شریف مترجم مجلد (وحید الزماں)	۲۹۰/=
جامع ترمذی شریف مترجم مجلد (بدیع الزماں)	۲۶۰/=
سُنن نسائی مترجم مجلد (وحید الزماں)	۲۹۰/=
سُنن ابی داؤد مترجم مجلد (وحید الزماں)	۲۹۰/=
سُنن ابن ماجہ مترجم مجلد (اختر شاہجہاں پوری)	۱۹۰/=
مشکوٰۃ شریف مترجم مجلد (عبدالحکیم خاں)	۲۵۰/=

کتاب	قیمت
مؤطا امام مالک مترجم مجلد (وحید الزماں)	۱۱۰/=
مؤطا امام محمد مترجم مجلد	۹۰/=
مسند امام اعظم	۶۰/=
سیرت النبی (سیرت ابن ہشام) اُردو مکمل	۲۲۵/=
رسول رحمت (ابوالکلام آزاد)	۱۲۵/=
رحمۃ للعالمین (سلیمان منصور پوری)	۱۲۵/=
الرحیق المختوم اُردو (صفی الرحمٰن)	۱۰۰/=
سید الکونین (محمد صادق سیالکوٹی)	۲۷/=
ریاض الصالحین مترجم	۱۵۰/=
مقدمہ ابن خلدون مترجم مجلد	۱۵۰/=
تاریخ اسلام مکمل (اکبر شاہ نجیب آبادی)	۱۵۰/=
تاریخ اسلام والمسلمین مکمل (مسعود احمد)	۱۵۰/=
فتاویٰ نذیریہ مکمل (نذیر حسین محدث دہلوی)	۳۰۰/=
فتاویٰ علماء حدیث اوّل	۱۲/=
" " " سوم	۲۰/=
" " " چہارم	۴۰/=
طب نبوی اُردو (علامہ ابن قیم)	۶۰/=
سوار الطریق (عبدالعزیز رحیم آبادی)	۴۰/=
اسلامی خطبات (عبدالسلام بستوی) اوّل	۶۰/=
" " " دوم	۶۰/=
" " " سوم	۳۰/=
خطبات التوحید - جمعہ کے خطبے	۳۸/=
خطبات نبوی (محمد داؤد راز)	۲۵/=
صلوٰۃ الرسول (محمد صادق سیالکوٹی)	۲۵/=

کتاب	قیمت
صلوٰۃ المسلمین (مسعود احمد)	۲۰/=
نماز مقبول (محمد صادق سیالکوٹی)	۳/=
نماز نبوی (عبدالتواب ملتانی)	۳/=
نماز (البانی)	۱/۵۰
نماز جنازہ (محمد صادق سیالکوٹی)	۴/=
تذکرہ (ابوالکلام آزاد)	۷۵/=
اصحاب کہف " "	۱۲/=
اسلام کا نظریۂ جنگ " "	۲۰/=
انسانیت موت کے دروازے پر "	۲۵/=
آزاد کی تقریریں "	۲۵/=
توحید و شہادت "	۱۰/=
حقیقت صلوٰۃ "	۱۰/=
حقیقت زکوٰۃ "	۸/=
شہادت حسین "	۱۰/=
صدائے حق "	۷/۵۰
طنزیات آزاد "	۲۵/=
عیدین "	۶/=
عزیمت و دعوت "	۱۲/=
قرآن کا قانون عروج و زوال "	۱۵/=
قول فیصل "	۱۲/=
مسلمان عورت "	۲۵/=
مسئلہ خلافت "	[illegible]/=
مضامین البلاغ "	۲۰/=
ولادت نبوی "	۹/=
ہجر و وصال "	۱۵/=
نقوش ابوالکلام (عبدالمجید سوہدرہ)	[illegible]/=
سیرت ثنائی " "	۶۵/=

مندرجہ بالا کتب اور جو کتابیں بھی آپ کو مطلوب ہوں، اس مکتبہ سے طلب فرمائیں۔

مکتبہ توعیہ اسلامیہ ۳ - ۱۶۱/C جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ (الحاقہ ۱۲)

ماہنامہ **التوعیۃ** نئی دہلی

جنوری وفروری ۱۹۹۶ء مطابق شعبان ورمضان ۱۴۱۶ھ

ایڈیٹر

جلد ۸ — رفیق احمد سلفی — شمارہ ۹،۱۰

بدل اشتراک

خصوصی ممبر	(سالانہ)	۱۵۰۰ — ۰۰ روپے
ہمدرد	(سالانہ)	۵۰۰ — ۰۰ روپے
عام بدل اشتراک	(سالانہ)	۱۰۰ — ۰۰ روپے
ششماہی		۵۵ — ۰۰ روپے

پاکستان وبنگلہ دیش

عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۲۵ — ۰۰ روپے

غیر ممالک سے

۳۵ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی

خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی

۳-C/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

AL-TAUIYAH Monthly

161/C-3 JogaBai

NewDelhi 110025

پرنٹر پبلشر محمد الیاس سلفی نے جید پریس بلیماران سے چھپوا کر ماہنامہ "التوعیہ" ۳-C/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

ترتیب

فکر ونظر

مقالات

نظم

متفرقات

فکرونظر

ابن احمد نقوی

مغرب اور اسلام

مسیحیت اور اسلام کی کشمکش اتنی ہی پرانی ہے جتنا اسلام کا وجود۔ اسلام کو سب سے پہلے عرب کے بت پرستوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا یہ مخالفت فتح مکہ کے بعد عملاً ختم ہو گئی۔ مدینہ میں اسلام کو منافقوں اور یہودیوں کی مشترکہ مخالفت سے دوچار ہونا پڑا عیسائیت کی کھلی مخالفت سے ابتداء میں واسطہ نہیں پڑا کیونکہ مکہ یا مدینہ میں عیسائیوں کا زور نہیں تھا اور چونکہ پہلی ہجرت جو حبش کی جانب ہوئی اس میں شاہ حبش نجاشی کا مستحسن کردار رہا اور اللہ تعالیٰ نے اس شہیار کو ایمان کی توفیق عطا فرمائی اس لئے مسلمانوں کا میلان عیسائیوں کی طرف دوستانہ انداز کا تھا خصوصاً مشرکوں، منافقوں اور یہودیوں کے مقابلے میں مسیحیوں کی بڑی حد تک غیر جانب داری مسلمانوں کے لئے بڑا جذباتی سہارا تھا۔ اسی لئے خود قرآن مجید میں بھی نصرانیوں کی اس دوستانہ روش کی ستائش کی گئی۔

وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (المائدة: ٨٢)

وہ لوگ جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں ایمان والوں (مسلمانوں) سے محبت رکھتے ہیں ان میں وہ عالم اور دنیا سے کنارہ کرنے والے (رہبان) لوگ شامل ہیں جو تکبر نہیں کرتے۔

مسلمانوں کے لئے نصرانیوں کی دوستی کی یہ ابدی شہادت قرآن مجید نے دی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابتدائے اسلام میں نصرانیوں کا رویہ مسلمانوں کے تئیں ایسا ہی دوستانہ تھا۔ قیصر روم ہرقل نے بھی جب مسلمانوں کے بارے میں ابو سفیان سے معلومات حاصل کیں تو بھی اس مسیحی شہنشاہ نے اسلام کے بارے میں بڑی معقول اور دانشمندانہ رائے کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت تک مسلمان نصرانیوں سے متصادم نہیں ہوئے تھے۔ لیکن جب رومیوں اور مسلمانوں کا مقابلہ شروع ہوا اور مسلمانوں نے شام اور پھر بازنطینی سلطنت کا شیرازہ بکھیر دیا تو مسلمان اور مسیحی اقتدار کی کشمکش میں ایک دوسرے کے حریف بن گئے مسیحیوں کو مسلمانوں کی طاقت کے مقابل پسپا ہونا پڑا اور اسقف اعظم کو قسطنطنیہ چھوڑ کر روما (اٹلی) میں پناہ لینی پڑی۔ دوسری صدی ہجری میں جب عبد الرحمان اول نے اندلس میں اموی ریاست قائم کی تو مسلمانوں اور عیسائیوں کا یورپ کے قلب میں مستقل رابطہ قائم ہوا یہاں مسلمان حکمراں تھے اور مسیحی اقوام محکوم اس میں حاکم و محکوم کی خفیہ و علانیہ کشمکش اور تصادم برابر جاری رہا۔ مسلمان چونکہ زندہ قوم تھے اس لئے انہوں نے یونانی علوم و حکمت سے بھرپور استفادہ کیا اسلامی اندلس بھی علم و دانش کا گہوارہ تھا اور خود مسیحی طلباء اسلامی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس صدیوں طویل اسلامی غلبہ نے اسپین کو یورپ کا عروس البلاد بنا دیا تھا۔ مسیحیت کے دور ظلمت میں اگر یورپ میں کہیں علم و تہذیب کی روشنی تھی تو وہ اسلامی اندلس (اسپین) میں تھی۔ یہیں سے روشنی کی شعاعیں یورپ کے عہد جاہلیت کی تاریکی کو آہستہ آہستہ مٹا رہی تھیں۔ اندلس میں بنی امیہ کی سلطنت سے قبل بھی طارق اور موسیٰ بن نصیر کی فتوحات نے مسلمانوں کے قدم ہسپانیہ میں پہنچا دئے تھے اور وہ بڑھتے بڑھتے جنوبی فرانس تک پہنچ گئے تھے۔ مسلمانوں کی فتوحات نے سارے فرانس میں کھلبلی مچا دی تھی انہوں نے متحد ہو کر چارلس مارٹل کی قیادت میں مسلمانوں کا مقابلہ کیا ۷۳۲ء میں فرانس اور پرتگال کی متحدہ فوجوں نے مسلمانوں کے بڑھتے قدم روک دئے اور عرب فوجیں پسپا ہو گئیں۔ یورپ کے مورخین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اگر فرانس میں مسلمانوں کو شکست نہ ہوتی تو وہ سارے مغربی یورپ پر قابض ہو جاتے اور یورپ کی تاریخ کا رخ بدل جاتا۔ کچھ مورخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر مسلمان فرانس کے راستے

یورپ میں در آتے تو آج آکسفورڈ اور کیمبرج میں مسیحی فلسفہ کی جگہ اسلامی فقہ کی تعلیم کا زور ہوتا۔

بہر حال یہ تو مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان سیاسی اقتدار اور فتوحات کے معرکے تھے لیکن ان دونوں کے درمیان اصل کشمکش حروب صلیبیہ کے دور سے شروع ہوئی۔ صلیبیوں نے یروشلم پر قبضہ کرنے کے لئے فلسطین پر یلغار کی فلسطین عربوں کا علاقہ تھا مسلم سلطنت کا حصہ لیکن صلیبیوں پر "مولد مسیح" کو آزاد کرانے کا جنون سوار ہوا پوپ نے مسیحی دنیا کو اس کے لئے ورغلایا اور سارا یورپ جو مسیحیت کا نہیں سینٹ پال کے تراشیدہ عقیدۂ تثلیث کا پیرو تھا مذہبی جنون سے ابلنے لگا ہر طرف صلیبی مجاہدوں کی یلغار تھی ہر شہر و قریہ میں صلیبیوں کو جہاد کے لئے ورغلایا جارہا تھا کہتے ہیں کہ انگریزی کا معروف و مقبول نعرہ "ہپ ہپ ہرا" بھی اسی دور کی یادگار ہے جس کے ذریعے صلیبیوں کو یروشلم پر یلغار کے لئے جوش دلایا جاتا تھا۔ ان خونی لڑائیوں میں صلیبیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑی پہلے انہوں نے یروشلم پر قبضہ کرکے مسلمانوں کا قتل عام کیا سارے فلسطین کو تاراج کیا پھر جب اللہ تعالیٰ نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں فلسطین میں دوبارہ اسلامی پرچم بلند کیا تو صلیبیوں کو اپنی تمام تر طاقت کے باوجود عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا اور رچرڈ شیر دل کی بہادری کے اساطیری افسانے بھی یادر ہوا ہوگئے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں ہزیمت کے بعد یورپ میں صلیبیوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت و تعصب کو اپنی قومی شناخت بنالیا۔ ہزاروں قسم کے لغو اور فضول افسانے تراشے گئے ہر غلط بات کو مسلمانوں سے منسوب کیا گیا۔ ایک یوروپین مصنف نے لکھا ہے کہ انگریزی زبان میں ابھی تک ایسے الفاظ موجود ہیں جو مسلمانوں کے خلاف ان کے تعصب اور نفرت کے پس منظر میں وضع کئے گئے تھے اس نے انگریزی کے ایک لفظ ممیری (Mummery) کا حوالہ دیا ہے جس کے معنی مسخرہ یا احمق کے ہوتے ہیں جو اسی دور اور پس منظر کی یادگار ہے۔ اسی طرح ایک اور لغو روایت یا حکایت تراشی گئی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور پہاڑ کے نام سے مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا کہ میں پہاڑ (احد) کو اپنے پاس بلا سکتا ہوں۔ لوگوں نے کہا ٹھیک ہے بلائیے آپ نے پہاڑ کو آواز دی لیکن پہاڑ اپنی جگہ سے نہیں ہلا اس پر آپ خود پہاڑ کی طرف چل پڑے اور کہا اگر پہاڑ محمد کے پاس نہیں آسکتا تو محمد خود پہاڑ کے پاس جاسکتا ہے۔ یہ لغو اور دلآزار لطیفہ اب بھی مغربی صلیبیوں میں مقبول ہے۔ میدان جنگ میں ہزیمت کا بدلہ سفید صلیبیوں نے اس طرح لیا کہ جب انہوں نے استعمار کے پاؤں پھیلائے تو جہاں گئے وہیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے بغض اور تعصب کا مظاہرہ کیا پرتگالیوں نے گوا میں مسلمان قوم پر جو سفاکیاں روا رکھیں اس کی تفصیل کتابوں میں مل سکتی ہے ہندوستان میں انگریزوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے بنگال میں، مسلمانوں کی اکثریت تھی "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے منحوس قدم پہلے اسی سرزمین پر پہنچے انہوں نے بہار بنگال اڑیسہ میں جو ستم رانیاں کی ہیں وہ آج بھی وہاں کے لوگوں کو یاد ہیں۔ انگریزوں کے اقتصادی اور صنعتی عروج کا دور بنگال پر ان کے قبضے سے شروع ہوا انہوں نے ہندوستان کے اس عظیم اور خوش حال خطہ کی دولت لوٹ کر اسے بنگال سے کنگال بنادیا اس دولت سے لندن کی تاریکیاں اجالوں میں تبدیل ہوگئیں۔ اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر انگریز "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے پردے میں ہندوستان پر قبضہ نہ کرتے اور اس سے قوت حاصل کرکے ایشیا اور افریقہ کے دیگر ممالک پر قبضہ نہ جماتے تو آج وہ اقتصادی، صنعتی، سائنسی اور ٹکنالوجی ترقی میں اتنے آگے نہ ہوتے مغرب کی ساری ترقی ایشیا اور افریقہ کے خون کی آبیاری سے ہوئی ہے۔ اپنی استعماری سیاست کو مستحکم کرنے کے لئے انہوں نے تاریخ کو مسخ کیا ہندوستان میں انہوں نے مسلمانوں کے دور اقتدار کی ساری تاریخ میں تحریف کی تاکہ ان دونوں قوموں کے درمیان ایک ابدی نفرت کی خلیج پیدا ہوجائے دونوں فرقے اپنے وطنی اور تہذیبی روابط کی یکسانیت کو بھول کر صلیبی اقتدار کو دور سعادت سمجھنے لگیں اور اس طرح افرنگی استعمار کی عمر طویل تر ہوجائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے محمود غزنوی اور اورنگ زیب کو خاص طور سے نشانہ بنایا۔ محمود غزنوی نے

سومنات کا مندر مسمار کر کے وہاں چھپائی گئی خطیر دولت پر قبضہ کر لیا۔ اورنگ زیب نے اپنے پیشروؤں کی روایات سے انحراف کر کے اپنی غیر مسلم رعایا پر جزیہ نافذ کر دیا۔ ظاہر ہے ان بادشاہوں کے افعال اور اقدامات کا تعلق اسلامی تعلیمات سے نہیں تھا یہ ان کی اپنی مصلحتیں اور سیاسی رویے تھے اورنگ زیب سے قبل اکبر نے "صلح کل" کی پالیسی اپنائی ہندو مسلمان اور مسیحی سب کو یکساں حقوق عطا کئے۔ بابر جس نے ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھی اس نے اپنی وصیت میں اپنے بیٹے اور ولی عہد ہمایوں کو تاکید کی تھی کہ سب کے ساتھ انصاف کرنا اور اپنی سلطنت میں گاؤ کشی کی اجازت مت دینا تاکہ ہندوستان کے ہندوؤں کو مذہبی اذیت نہ ہو۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دیکھا جائے تو بابر کی وصیت مسلمانوں کے اصول حکمرانی کی بڑی سچی تصویر پیش کرتی ہے لیکن صلیبی مورخوں کی نظر اس پر نہیں پڑی یا اگر پڑی تو انہوں نے اسے درخور اعتنا نہیں سمجھا کیونکہ یہ ان کی منصوبہ بند پالیسی کے بالکل برعکس تھی انہیں دلچسپی علاء الدین اور پدمنی کے اساطیری واقعہ میں تھی جس سے ہندو مسلمانوں میں نفرت کی دیوار بلند تر ہو اور اورنگ زیب کے جزیہ کو انہوں نے اسلام کی غیر رواداری کی مثال کے طور پر پیش کیا کہ اسلام غیر مسلموں سے مذہبی تفریق کرتا ہے اور ان پر تعزیری ٹیکس (جزیہ) عائد کرتا ہے۔ حالانکہ اگر جزیہ کے بارے میں اسلامی روایت دیکھتے تو انہیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ حکم دکھائی دیتا جو ایک ضعیف غیر مسلم کو دست سوال دراز کرتے دیکھ کر اسلام کے اس عالی مرتبت امیر نے نہ صرف اس پر سے جزیہ کی ادائیگی معاف کر دی بلکہ بیت المال سے اس کی کفالت کے لئے وظیفہ بھی جاری کر دیا۔ یا پھر انہیں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کا وہ تاریخی قول کتابوں میں ملتا جب انہوں نے نو مسلموں پر عائد کئے جانے والا جزیہ منسوخ کر دیا اور سخت حکم جاری کیا کہ جو مسلمان ہو جائے اس سے جزیہ نہ لیا جائے خلیفۂ راشد کے اس فرمان سے ہزارہا غیر مسلم مسلمان ہو گئے۔ صوبہ کے عمال نے خلیفہ کو لکھا کہ اس قدر غیر مسلم اسلام قبول کر رہے ہیں کہ جزیہ سے ہونے والی آمدنی تقریباً ختم ہو گئی ہے اور حکومت کو مالیہ کا نقصان ہو رہا ہے۔ حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ اللہ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہادی بنا کر بھیجا تھا محصل (جزیہ وصول کرنے والا) بنا کر نہیں بھیجا تھا اللہ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں اس عظمت مآب خلیفہ پر کہ اس کے ایک قول نے غیر مسلموں کے بارے میں اسلام کی تعلیم کا چراغ رہتی دنیا تک کے لئے روشن کر دیا۔ ہم اپنے اس امیر کا یہ تاریخ ساز قول فخر کے ساتھ صلیبیوں، فسطائیوں اور صیہونیوں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں کہ دیکھو اسلام کی صحیح اور سچی تعلیم یہ ہے۔ معلوم نہیں اورنگ زیب کے سامنے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ فرمان تھا یا نہیں اگر مغل اعظم اس قول کی افادیت و اہمیت کو سمجھ سکتے تو بلاشبہ آج ہندوستان کی تاریخ بدلی ہوئی ہوتی یا کم از کم آج وہ رد عمل تو نہ ہوتا جو اس آخری مغل حکمراں کے اس اقدام سے ہوا اور ہم اس کی قیمت ادا کرنے پر مجبور ہیں۔

بہر کیف صلیبیوں نے ہمیشہ اسلام کو غلط رنگ میں دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی مستشرقین نے تحقیق کے پردے میں تلبیس کی مورخوں نے تاریخ کے نام پر تحریف کی ایلیٹ اینڈ ڈاوسن نے ہندوستان کی تاریخ کو جس انداز سے پیش کیا ہے وہ اسی کی ایک مثال ہے۔

اسپین سے مغرب نے علم کی روشنی، طب و جراحت کا فن یونانی فلسفہ و حکمت، سائنس اور ٹیکنالوجی کے مبادیات سیکھے آج یورپ اور مغرب جو کچھ ہے وہ سب مسلمانوں کے ذہنی کمالات کی دین ہے لیکن صلیبی مغرب نے مسلمانوں کے اس احسان کا معاوضہ ان سے دشمنی کر کے دیا اپنی استعماری بھوک مٹانے کے لئے انہوں نے عربوں میں قوم پرستی کا بیج بویا اور انہیں عثمانی ترکوں سے لڑوایا۔ عربوں کا ترکوں کی سیادت سے آزاد ہونا کوئی عیب یا عجوبۂ روزگار چیز نہیں تھی ہر قوم اور نسل اپنی شناخت اپنے سیاسی اقتدار اور آزادی کے لئے لڑتی ہے عرب محض اس لئے خلافت عثمانیہ کے ماتحت تو نہیں رہ سکتے تھے کہ ترک مسلمان ہیں لیکن صلیبیوں نے عربوں میں قوم پرستی کو فروغ اس لئے نہیں دیا کہ وہ آزاد ہو جائیں بلکہ اس لئے یہ شوشہ چھوڑا تاکہ سلطنت عثمانیہ کو منتشر کر کے مسلمانوں کی متحدہ طاقت کو ختم کر دیا جائے اور پھر

عربوں کو مختلف علاقائی ریاستوں میں تقسیم کر کے انہیں اپنا حکم بردار بنالیا جائے جب عربوں نے عثمانی اقتدار کا جوا اتار پھینکا اس کے بعد انہوں نے اس تلخ حقیقت کا احساس کیا کہ وہ عثمانیوں کے اقتدار سے آزاد ہو کر افرنگیوں کے غلام بن گئے ہیں مغرب کے سامراجیوں نے عراق سے لے کر مراکش تک سارے عالم اسلام کو اپنا غلام بنالیا برطانیہ فرانس اٹلی سب نے مل کر ایشیا اور افریقہ کے مسلمانوں کو اپنے استعمار کے شکنجہ میں جکڑ لیا اور جب یہ شکنجے ڈھیلے بھی کئے تو اس طرح کہ خود پس پردہ چلے گئے اور اقتدار اپنی کٹھ پتلیوں کے حوالے کردیا تاکہ ان کی انگلیوں کے اشاروں پر ناچتے رہیں۔ لبنان اور فلسطین میں انہوں نے جو کچھ کیا اس کی داستان سنانے کی کیا ضرورت ہے آج بھی یہ دونوں علاقے آگ اور خون میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

یہ تو ماضی بعید اور ماضی قریب کی داستانیں ہیں۔ موجودہ دور میں بھی مغرب نے اپنی اسلام دشمنی کے عملی مظاہروں میں کوئی کمی نہیں کی ہے یورپ کا ایک ملک ہی نہیں ساری اقوام کم و بیش ہر ایسے متنازعہ فیہ مسئلہ پر متحد ہو جاتی ہیں جس سے مسلمانوں کی دلآزاری اور اسلام کو نقصان پہنچتا ہو سلمان رشدی کی کتاب "شیطانی آیات" پر پوری صلیبی دنیا کا مسلمانوں کے خلاف موقف اختیار کرنا اور بوسنیا میں پوری مسلم قوم کو سربی اور کروشی بھیڑیوں کے آگے بے دست وپا کر کے ڈالدینا مغرب کے اسی متحدہ اسلام دشمن موقف کو ظاہر کرتا ہے۔ رشدی نے شعوری طور پر مسلمانوں کو اذیت پہنچانے اور اسلام کو دنیا کی نگاہوں میں رسوا کرنے کی مذموم حرکت کی مسلمانوں کا احتجاج جائز تھا لیکن برطانیہ کی صلیبی سرکار کھل کر رشدی کی حمایت میں آگئی حالانکہ ہندوستان اور دیگر مشرقی ممالک کی طرح اس کتاب کو ناپسندیدہ قرار دے کر ضبط کر لیا جاتا تو یہ عین انصاف کی بات ہوتی۔ سارے مغربی سیاست داں' دانشور 'حقوق انسانی کے علمبردار' "آزادیٔ اظہار" کا پرچم لے کر کھڑے ہو گئے اس لئے نہیں کہ انہیں رشدی سے ہمدردی ہے بلکہ محض اس لئے کہ رشدی نے اسلام اور مسلمانوں کی اذیت رسانی کا جو کارنامہ انجام دیا ہے اس نے ان سارے صلیبیوں کے کلیجے میں ٹھنڈک ڈال دی ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ ان کے "لخت جگر" رشدی پر انگلی اٹھائی جائے جب صلیبیوں کے اس انتہا پسندانہ موقف کے جواب میں ایران نے رشدی کے قتل کا فتویٰ جاری کردیا تو سارے صلیبی تڑپ اٹھے کہ ایک دانشور کے خلاف یہ بربریت ہے اور اسلام میں آزادیٔ اظہار نہیں ہے اور مسلمان آج بھی بنیاد پرست ہیں ان میں سے کسی دانشور یا سیاست داں نے رشدی کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ تم اپنی کتاب واپس لے لو اس کے مندرجات سے بے تعلقی کا اظہار کر کے اسکے حقوق اشاعت منسوخ کردو ہاں ساری دنیا ایران پر دباؤ ڈال رہی ہے کہ قتل کا فتویٰ واپس لے لو اب رشدی کلنٹن کے دربار میں بھی حاضری دے چکا ہے گویا اپنی جان بخشی کے لئے صلیبی بت خانے کے سب سے بڑے پجاری کے آستانے پر بھی سر جھکا دیا ہے سوال یہ ہے کہ اگر مغرب کا رویہ اسلام دشمنی اور مسلم آزاری نہیں ہے تو رشدی کی اندھی حمایت کا کیا جواز ہے اور اس کی فضول کتاب کے تمام یورپی زبانوں میں ترجمے اور زیادہ سے زیادہ اشاعت سے سوائے صلیبیوں کی مسلم دشمنی کی آگ پر پٹرول چھڑکنے کے سوا اور کیا مقصد حاصل کرنا ہے۔ چونکہ اس کتاب سے اسلام کی عظمت مجروح ہوتی ہے لہٰذا وہ مغربی ادب کا شاہکار بن گئی۔ اسلام دیگر مذاہب یا اس کے ماننے والوں کی دلآزاری کی اجازت نہیں دیتا اسلام بتوں کو برا کہنے سے بھی روکتا ہے تاکہ بتوں سے عقیدت رکھنے والے اشتعال میں آکر خدائے بزرگ و برتر کی شان میں گستاخی نہ کریں اسلام حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی صداقت کی گواہی دیتا ہے۔ پیغمبروں کے درمیان درجہ بندی کی بھی اجازت نہیں دیتا لا نفرق بین احد من رسلہ اس لئے کوئی مسلمان رشدی جیسی لغو حرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مسلمان تو حضرت مسیح کے حواریوں کا بھی احترام کرتے ہیں کیونکہ وہ حق پرست اور اللہ کے پیغمبر کے حواری اور اللہ کے انصار تھے قال الحواریون نحن انصار اللہ اسلام کی اس فراخدلانہ روش کے باوجود مسیحی دنیا اسلام دشمنی کو اپنی ریاست 'سیاست اور معاشرت کا جزو اعظم بنائے ہوئے ہے اور صدیوں پرانی ذہنیت کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ بوسنیا میں بھی جو کچھ ہو رہا ہے وہ بدترین اسلام دشمنی کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

یورپ نسلی برتری کے غرور میں مبتلا ہے اور ہر جگہ گوری قوم کو سرافراز دیکھنا چاہتا ہے اس میں اس نے صیہونیوں کو بھی شامل کرلیا ہے کیونکہ وہ بھی بیشتر گوری نسل کے ہیں اور یہی نسلی اتحاد مغرب اور صیہونیت کی قربت کی اہم وجہ بھی ہے لیکن جب یہی نسلی قربت مسلمانوں کے معاملے میں ظاہر ہوتی ہے تو صورت حال یکسر بدل جاتی ہے بوسنیا ہرزے گووینا مشرقی یورپ کا علاقہ ہے سربی ،کروشی ،صلیبی اور بوسنیائی مسلمان سب ہی گوری نسل کے ہیں۔ یہودیوں کے معاملے میں تو صلیبیوں نے نسلی یکجہتی کا اصول تسلیم کرلیا لیکن مسلمانوں کے معاملے میں وہی اسلام دشمنی کا پرانا مرض عود کر آیا ترکی بھی اپنے آپ کو یوروپین نسل ظاہر کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے تاکہ مغرب کے نسلی غرور میں حصہ دار بن سکے اتاترک نے اپنی قوم کو یوروپین ثابت کرنے کے لئے مغربی لباس پہننا،رومن رسم الخط اختیار کرنا،پردہ کو جرم قرار دینا جیسے بچکانہ اور احمقانہ اقدامات بھی جبراً نافذ کئے تاکہ صلیبی یقین کرلیں کہ ترک واقعی مغرب کا ہی حصہ ہیں لیکن وائے ناکامی کہ ترکی آج بھی یوروپین برادری میں منبوذی (اچھوت) بنا ہوا ہے۔ وہ اپنے سیاسی اور دفاعی مقاصد کے لئے اسے ناٹو میں تو شامل کرسکتے ہیں روس کے سر پر مسلط رہنے کے معاوضہ میں چند کروڑ ڈالر بھی جھولی میں ڈال سکتے ہیں لیکن اسے اپنے برابر کا نہیں مان سکتے۔ یوروپین برادری میں ابھی تک سرتوڑ کوشش کے باوجود ترکی کو داخلہ نہیں مل سکا عذر یہ تراشا گیا کہ ترکی نے قبرص میں جارحیت کا جرم کیا ہے جب تک ترکی فوجیں قبرص میں قابض رہیں گی اسے برادری میں شامل نہیں کیا جائے گا لیکن آئرلینڈ اور برطانیہ کے درمیان جو علاقائی تنازعہ ہے اور برطانیہ نے آئرلینڈ کے ایک حصہ پر قبضہ کر رکھا ہے اس سے برطانیہ کی یوروپین برادری کی رکنیت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ بوسنیا کے بارے میں جان میجر کے خفیہ خط سے صرف برطانیہ کی اپنی انسانیت سوز اور مسلم دشمن پالیسی کا اندازہ نہیں ہوتا کم وبیش سارے مغرب کا یہی انداز ہے کوئی کم کوئی زیادہ فرانس کے صدر نے بوسنیا کا دورہ بھی کیا اور شروع میں کافی حوصلہ افزائیاں بھی کیں جرمن چانسلر کوہل بھی سربوں کی جارحیت سے بیزار تھے امریکہ اب بھی بوسنیا میں فوجی مداخلت کی بات کرتا ہے لیکن قول وعمل کا یہ تضاد ساری دنیا دیکھ رہی ہے سب جانتے ہیں کہ بوسنیا میں مسلمانوں پر کھلی جارحیت اور دہشت گردی ہو رہی ہے لیکن اس دنیا میں سارے اختیارات صلیبی سیکورٹی کونسل کے پنجے میں ہیں کوئی بول کر کیا حاصل کرسکتا ہے۔ اس سیکورٹی کونسل نے بوسنیا میں ہتھیاروں پر پابندی لگادی ہے دنیا کو باور یہ کرایا جارہا ہے کہ اس پابندی کا مقصد یہ ہے کہ اس خطہ میں ہتھیار پہنچنے سے مزید خون خرابہ ہوگا لیکن اصل مقصد اور ذہنیت جو اس کے پیچھے کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہتھیار نہ پہنچ سکیں ورنہ وہ اپنی روایتی سرفروشی اور جذبۂ جہاد سے سرشار ہوکر سربوں اور کروشیوں کے صلیبی عزائم کو خاک میں ملادیں گے۔ روس سربوں کا حلیف ہے صلیبی یورپ کا ایک عذر لنگ یہ ہے کہ اگر سیکورٹی کونسل کوئی قدم اٹھائے تو روس اسے ویٹو کردے گا یہ بھی محض ایک بہانہ ہے روس جیسے بھوکے فقیر کے لئے جو ہر دم کشکول لئے مغرب کے دروازے پر صدا لگاتا رہتا ہے کسی متحدہ مغربی قدم کی مخالفت آسان نہیں ہے اور روس بوسنیا میں کسی جائز اور قیام امن کے لئے کئے گئے کسی قدم کی مخالفت میں کیا دلیل لائے گا۔ کیا مغرب نے کویت کے سوال پر صدام حسین یا ان کے ہم نواؤں کے کسی اعتراض کو اہمیت دی تھی پھر بوسنیا میں ہی یہ سارے خدشات کیوں ابھارے جارہے ہیں اس کا سوائے اس کے اور کیا جواب ہے کہ صلیبی مغرب بوسنیا میں آزاد مسلم اقتدار دیکھنا نہیں چاہتا۔

فرانس کے اسکولوں میں مسلم بچیوں کے سرڈھانکنے پر پابندی عائد کردی گئی۔ جب ان بچیوں کے سرپرستوں نے شرعی حکم کا حوالہ دیا اور اسکول کا حکم ماننے سے انکار کردیا تو موزیہ، فاطمہ اور کئی اور مسلمان بچیوں کو اسکول سے خارج کردیا گیا۔ جب کہ فرانس اور یورپ و امریکہ میں مسیحی راہبائیں (نن) مستقل طور سے سرڈھانکے رکھتی ہیں اور اسکولوں و کالجوں میں تعلیم بھی حاصل کرتی ہیں ان کے لئے مذہبی بنیاد پر رعایت ہوسکتی ہے لیکن مسلم بچیوں کے لئے نہیں۔ الجزائر میں خونریزی پر اظہار تشویش کرتے ہوئے فرانس کے صدر متراں نے ایک

بیان میں کہا کہ اسلام ایک روادار مذہب ہے مسلمانوں کو اسی رواداری کا مظاہرہ کرنا چاہئے سعودی گزٹ نے اس پر بڑا معقول سوال کیا ہے کہ اسلام کی رواداری کو تسلیم کرنے والے صدر اپنے ملک میں مسلمان طلباء کے ساتھ رواداری کا سلوک کیوں نہیں کرسکتے۔

روس میں اشتراکیت کا زوال صلیبی مغرب کی اس صدی کی سب سے بڑی فتح ہے اس کے بعد مغرب کے سامنے نہ تو ایٹمی خطرہ باقی ہے نہ اس کی برتری کو کوئی چیلنج کرنے والا ہے۔ زیرینوفسکی کی ایٹمی جنگ کی دھمکیاں محض اپنا قائدانہ قد اونچا کرنے کی بچکانہ حرکتیں ہیں بلکہ مغرب نے ابھی سے زیرینوفسکی کے روس میں برسراقتدار آنے کا ہوا دکھلانا شروع کردیا ہے بالکل اسی طرح جیسے ایران میں خمینی کے انقلاب کے بعد مغرب نے مسلم بنیاد پرستی کا کابوس سفید صلیبیوں کو دکھایا تھا تاکہ سارے صلیبی ایک بار پھر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو جائیں اس میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ مغرب ہمیشہ اسلام کے خلاف صف آرا رہے گا۔ مغرب صدیوں سے صلیبی عقیدہ کا پابند ہے۔ صدیوں کی دشمنی کے بعد صلیبی مغرب نے صیہونیت سے مفاہمت کرلی ہے مغرب کا مالیاتی نظام سودی نظریہ پر قائم ہے۔ جو صدہا سال سے یہودیوں کا پسندیدہ نظام رہا ہے۔ ساری دنیا اسی نظام کے تابع ہے اور ایک طرح صلیبی مغرب نے اپنے مالیاتی نظام کے ذریعہ دنیا کے اعصاب پر قبضہ کر رکھا ہے خود مغرب میں اس نظام کی کلید یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے بڑے بڑے یہودی اور صلیبی مل کر اس نظام پر قابض ہیں مسلمانوں کی ساری دولت انہیں کے تصرف میں ہے عربوں کے پٹروڈالر کا بیشتر منافع اور سرمایہ لوٹ پھر کر انہیں مغربی بنکوں میں پہنچ جاتا ہے۔ دنیا میں اس وقت جو بڑے مذاہب ہیں ہندو دھرم یا بدھ دھرم ان کے پاس اس مغربی نظام کا کوئی متبادل نہیں ہے انہوں نے بخوشی اسی صیہونی صلیبی نظام کو قبول کرلیا ہے اس لئے ان کا اور مغرب کے مالیاتی نظام کا کوئی تصادم نہیں ہے عقیدہ کے اعتبار سے بھی یہ مذاہب صلیبی عقیدے کے مزاحم نہیں ہیں انہیں اس سے غرض نہیں کہ مسیح اصل میں کیا تھے۔ کفارۂ مسیح کے عقیدہ کی اصل کیا ہے تثلیث اور توحید میں تصادم کیوں ہے؟ ان کا اپنا قومی مذہب ہے صلیبی مسیح و مریم کے بتوں کو پوجتے ہیں یہ اپنے دیوی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں تصادم اور ٹکراؤ کی کوئی بات نہیں دونوں اپنی اپنی راہ پر جارہے ہیں صلیبی مطمئن ہیں کہ انہوں نے اپنا مالیاتی نظام ان قوموں پر مسلط کردیا ہے یہ اقوام بھی خوش ہیں کہ ہم نے مغرب کا جدید مالیاتی نظام اپنالیا ہے لیکن مسلمانوں کے ساتھ معاملہ بالکل برعکس ہے اسلام کا اپنا مالیاتی نظام ہے اپنی فکر اور فلسفہ ہے اپنا دینی عقیدہ ہے اسلام کے مالیاتی نظام میں سود کی کوئی گنجائش نہیں ہے جبکہ مغربی مالیات کا سارا نظام سود کے محور پر گردش کرتا ہے مسلمان جہاں بھی ہیں سود سے بچنا چاہتے ہیں جو ہنرمند اور مالیاتی نظام سے واقف ہیں وہ مغرب کے سودی نظام کی جگہ اسلام کے غیر سودی مالیاتی نظام کو فروغ دینے کی جدوجہد کررہے ہیں ظاہر ہے اسلام کا نظام مغرب کے نظام سے بہتر ہے اور اگر اسے کام کرنے کا موقع دیا جائے تو صیہونی صلیبی نظام اس کے آگے فیل ہو جائے گا اس لئے کہ وہ طبقہ جو بنکوں سے بھاری شرح سود پر قرض لینے پر مجبور ہے جب اسلامی نظام کے تحت بہتر اور آسان شرائط پر غیر سودی قرضہ حاصل کرے گا تو وہ موجودہ نظام کو ٹھکرا دے گا مغرب اس صورت حال سے باخبر ہے اس لئے وہ کوئی ایسا موقع نہیں آنے دینا چاہتا جس میں اسلامی نظام کی کامیابی کا مظاہرہ ہو اس کے لئے اس نے نفسیاتی حربہ یہ استعمال کیا ہے کہ براہ راست اسلام پر چوٹ کی جائے اسے رجعت پسند، ظلمت پرست عورتوں کی آزادی کا دشمن، غیر مسلموں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ کرنے والا مرد و زن کے اختلاط پر عبرتناک سزا دینے والا، شراب نوشی پر کوڑے مارنے والا، چوری پر ہاتھ کاٹ ڈالنے والا، جزیہ لگانے والا، دیگر مذاہب کی عبادت گاہیں مسمار کرنے والا، غرض ایک ایسا بے رحم اور بے لچک سفاک نظام ثابت کیا جائے کہ لوگ اس کے نام سے ہی چونکنے لگیں۔ سعودی عرب کی ایک شہزادی کو اخلاقی بنیاد پر موت کی سزا دی گئی کسی سے اس کے ناجائز تعلقات تھے۔ مغرب نے اس خبر کو اتنا اچھالا کہ سارے صلیبی دہشت زدہ ہو گئے ایک فلم بنائی گئی جس میں شہزادی کی مظلومیت دکھائی گئی تھی صلیبی مغرب میں مرد و زن کا اختلاط اور ناجائز

تعلقات کوئی معیوب بات نہیں ہے انہوں نے جب دیکھا کہ عرب شہزادی کو محض اس لئے سزائے موت دے دی گئی کہ اس کے کسی دوسرے مرد سے تعلقات تھے تو وہ دہل گئے کہ اسلام میں عورتوں کے ساتھ کس قدر زیادتی کی جاتی ہے اور اس طرح مغرب کا فریب خوردہ معاشرہ اسلام کے نام سے ہی خوف کھانے لگا یوں ایک فلم سے صلیبیوں نے اپنا اسلام دشمنی کا ایک نشانہ پورا کرلیا۔ مسلمانوں کا ایک بینک تھا بی سی سی آئی یہ بنک ایک پاکستانی مسلمان نے قائم کیا تھا اس کی شاخیں بہت سے ملکوں میں پھیل گئی تھیں اور کاروباری لحاظ سے مغربی بنکوں کے مقابل آگیا تھا چنانچہ اس پر دہشت گردوں کو رقوم فراہم کرنے ' دھوکہ دینے' مالیاتی ضابطوں کی خلاف ورزی کرنے جیسے درجنوں الزامات لگا کر اسے اپنا کاروبار بند کرنے پر مجبور کردیا گیا حالانکہ بہت سے ملکوں نے برملا اس بات کا اعتراف کیا کہ بنک پر لگائے گئے اکثر الزامات بے بنیاد تھے لیکن چوں کہ صلیبی مغرب ایک مسلم ادارے کو اپنے مقابل پھولتا پھلتا نہیں دیکھ سکتا تھا اس لئے جبراً اسے بند کرادیا گیا۔ آج ہندوستان میں ہرشد مہتہ کے اربوں روپیوں کے اسکنڈل میں سب سے بڑا ہاتھ مغربی بنکوں کا بتایا گیا ہے لیکن کون ہے جو کہہ سکے کہ بی سی سی آئی کی طرح ان بنکوں کو بھی فراڈ کے جرم میں اپنا کاروبار بند کرنے پر مجبور کیا جائے۔ ظاہر ہے یہ بنک صلیبی مغرب کے ہیں کسی مسلمان کی ملکیت نہیں ہیں۔

یہ تو مالیاتی اور معاشرتی محاذ کی بات تھی۔ عقیدہ کے میدان میں اسلام مسیحیت کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہے۔ تثلیث کا سارا نظریہ اسلام کے عقیدۂ توحید کے سامنے تار عنکبوت کی طرح لرزنے لگتا ہے صلیبی جانتے ہیں کہ وہ عقیدہ کے میدان میں اسلام کے آگے نہیں ٹھہر سکتے۔ مغرب میں ہزاروں ہوشمند انسان جنہیں اسلام کے عقیدۂ توحید کا علم ہوتا ہے اسلام قبول کرلیتے ہیں کیونکہ ابنیت مسیح اور کفارہ مسیح کا نظریہ ان کی عقل کو مطمئن نہیں کرپاتا۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان عقیدۂ توحید سے غیر مطمئن ہو کر تثلیث کا عقیدہ قبول کرلے کچھ مسلمان جو مسیحیت قبول کرلیتے ہیں وہ مسیحی عقیدے سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ اکثر مادی آسائشیں مغرب میں ملازمت یا تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں ملنے یا آزاد اختلاط کی رنگینیوں کی کشش کے سبب اس طرف جاتے ہیں جبکہ مسیحی اپنی روحانی اور عقلی تسکین کے لئے دامن توحید میں پناہ لیتے ہیں۔ صلیبی چونکہ اس محاذ پر بھی کمزور ہیں اس لئے وہ اقتصادی ترقی فلاحی کاموں اور تعلیمی اداروں جیسے معاملات میں اپنی برتری کا سہارا لیتے ہیں اور مسلمانوں کی پسماندگی کو اسلام کے سر تھوپ دیتے ہیں تاکہ ناواقف لوگ سمجھیں کہ مسیحیت ترقی کی راہ دکھاتی ہے جیساکہ صلیبی مغرب ہے اور اسلام پستی و پسماندگی کی طرف لے جاتا ہے جیساکہ تمام مسلم ممالک میں صورت حال ہے۔ ظاہر ہے فریب و تلبیس سے ہمیشہ کامیابی ممکن نہیں ہے۔ صلیبی مغرب کا یہ طلسم اب ٹوٹتا جارہا ہے خود مغرب میں اسلام کے متعلق غلط فہمیاں کسی حد تک کم ہورہی ہیں شہزادہ چارلس جیسے بالغ نظر اور انصاف پسند سچی بات کہنے کا حوصلہ کرنے لگے ہیں۔ اسلامی سنٹر میں ولی عہد برطانیہ کی اسلام کے بارے میں مغرب کی نارواروش پر کھلی تنقید تاریخی اہمیت کی چیز ہے اگر مغرب کا ضمیر زندہ ہے تو یہ عدیم النظیر خطبہ اپنے اثرات دکھائے گا اور مغرب کو اسلام کے تئیں اپنا حروب صلیبیہ والا نظریہ بدلنا ہوگا۔ مصر کے نابینا عالم شیخ عبد الرحمان کی گرفتاری ٹریڈ سنٹر پر حملے میں مسلمانوں کو ملوث کرنا' برطانوی فرانسیسی جہازوں کی تباہی پر مسلمانوں کو مجرم قرار دینا ہر باشعور مسلمان کو بنیاد پرست سمجھنا' اسلام کو مغرب کا دشمن درجہ اول سمجھنا اس سے نفرت اور اشتعال تو پیدا کیا جاسکتا ہے لیکن تعاون و توازن کا ماحول پیدا نہیں ہوتا۔ مغرب کا سیاسی مفاد اس بات کا متقاضی ہے کہ اپنے عوام کو خوف کی نفسیات میں مبتلا رکھے تاکہ اس کے اسلحہ کے کارخانے چلتے رہیں اسلام اس کے لئے سب سے آسان نشانہ ہے۔ راجیو گاندھی نے اپنے مرنے سے ایک سال قبل مغرب اور اشتراکیت کی جنگ کے بارے میں کہا تھا کہ یہ جنگ مسیحیت کی اشتراکیت پر فتح ہے مغرب بنیادی طور پر مسیحی ہے سیکولر نہیں ہے۔ اس جنگ کے بعد مسیحی مغرب کا مقابلہ اسلامی بنیاد پرستی سے ہوگا۔ حالات بتا رہے ہیں کہ راجیو گاندھی کی پیشگوئی پوری ہوگی۔

آہ عارف نقوی

قارئین التوعیہ کے لئے یہ خبر انتہائی رنج و غم کا باعث ہوگی کہ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی کے معزز رکن اور اسلامک ریسرچ اکیڈمی کے صدر محترم سید عبدالقدوس نقوی جو صحافتی حلقوں میں اپنے قلمی نام ابن احمد نقوی سے معروف ہیں کے بڑے صاحبزادہ عزیزی عارف نقوی مورخہ ۶؍ فروری ۱۹۹۳ء دوپہر کو ۲ بجکر ۵۰ منٹ پر اپنے آفس سے گھر لوٹتے ہوئے اسکوٹر سے ایک ٹرک کے ٹکرا جانے کے حادثہ میں جاں بحق ہوگئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔

عزیزی عارف نقوی ایک سنجیدہ، صالح اور لائق نوجوان تھے مرکز اور اس کے خدام سے جذباتی تعلق رکھتے تھے خاندانی شرافت کے امین، انتہائی خلیق، ملنسار اور متواضع طبیعت کے مالک تھے اپنے اسٹاف اور حلقۂ احباب میں بے حد مقبول اور ہردلعزیز تھے۔

اس اندوہناک سانحہ سے ان کے والدین اور اعزہ و اقرباء ہی نہیں بلکہ ان کے تمام احباب، رفقاء کار، ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، اسلامک ریسرچ اکیڈمی اور ادارہ التوعیہ کے تمام اراکین و خدام سراپا غم والم کی تصویر بن گئے ہیں۔ بلاشبہ اس صالح، اطاعت کیش اور خاندانی روایات کا پاس رکھنے والے جواں سال لخت جگر کی ناگہانی جدائی کا سانحہ والدین کے لئے بڑا ہی جانکاہ سانحہ ہے لیکن ہم عاجز بندوں کے لئے رضا بالقضاء کے سوا چارۂ کار ہی کیا ہے ہم اس موقع پر وہی کلمات کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لخت جگر ابراہیم کی جدائی پر فرمائے تھے "إنا بفراقك لمحزونون يا إبراهيم ولا نقول إلاّ بما يرضى ربنا"

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، اسلامک ریسرچ اکیڈمی اور ادارہ التوعیہ کے تمام اراکین و خدام اور سنٹر کے دہلی و بیرون دہلی کے تمام تعلیمی و رفاہی اداروں کے جملہ کارکنان و متعلقین عارف نقوی رحمہ اللہ کے تمام پسماندگان، اعزہ و اقرباء بالخصوص ان کے والدین اور تمام بھائیوں اور بہنوں کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور ان سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔

بار الہا! تو اس عزیز کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق سے نواز۔ اللهم اغفرله وارحمه وأكرم نزله

بقیہ: ملاحظات آزاد

ہے کہ اپنی محض عقل و قیاس سے ان اعمال میں مدارج وجوب کی تفریق کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ عربی میں تکبیر کہی ہمیشہ فاتحہ پڑھا ہمیشہ عربی میں قرآن پڑھا اب اس کے سوا جو کچھ کیا جائے گا وہ ایک عقلمند انسان کی قرارداد نماز ہو سکتی ہے مگر محمد بن عبداللہ کی بتلائی ہوئی نماز نہیں ہے۔ رہا مسئلہ علل و اسرار عقلیہ کا تو ہم ثابت کرنے کے لئے تیار ہیں کہ ان الفاظ عربیہ مطہرہ و صور مقررہ میں سے ہر چیز عقلاً لازمی ہے۔
(ص۔ ۲۷۶)

۲۰۔ شبلی نے فقہ حنفی کو نہایت آسان اور وسیع قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ سہل ہونے کی بنا پر شعراء اور مصنفین اس کو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے تھے انوری نے جو ایک فحاش اور بدزبان شاعر تھا اگرچہ برے موقع پر اس کا استعمال کیا ہے اور کہا ہے۔ ع

چوں رخصتہائے بوحنیفہ

تاہم اس سے ثبوت ملتا ہے کہ فقہ حنفی آسان ہے۔ عبادات اور معاملات کا کوئی باب لے لیا جائے امام ابوحنیفہ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہیں جو شریعت کی شان ہے

مولانا آزاد۔ صرف چند مسائل کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہو گیا ہے ورنہ اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ فقہ حنفی کا آسان و سہل ہونا ایک طرف اکثر حالتوں میں کوئی متمدن و حیات دوست آبادی اس پر عمل کر کے زندہ ہی نہیں رہ سکتی　(ص۔ ۲۷۷)　(جاری)

نتائج ثلاثۂ صوم

قرآن مجید نے صوم کے تین نتائج کا ذکر فرمایا ہے:

(۱) لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
تاکہ تم متقی ہو۔

(۲) وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ
تاکہ تم اس عطائے ہدایت پر اللہ کی تکبیر و تقدیس کرو۔

(۳) وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ
تاکہ تم اس نزول خیر و برکت اور اس عطائے فرقان پر اللہ کا شکر بجالاؤ۔

اس سے ثابت ہوا کہ صوم کی حقیقت تین اجزا سے مرکب ہے اتقا، تکبیر و تقدیس اور حمد و شکر۔

رفیق احمد سلفی

رمضان، صوم رمضان اور عید الفطر

رمضان وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید کا نزول ہوا جو قیامت تک آنے والی ساری انسانیت کے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے ارشاد باری ہے

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور اس میں کھلی نشانیاں ہیں ہدایت کی اور حق کو ناحق سے الگ کرنے کی۔

صوم رمضان

اس مہینہ کا صوم اسلام کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة وصوم رمضان وحج البیت

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے اللہ ہی کے الٰہ ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کے رسول ہونے کی گواہی دینا، صلوٰۃ قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کا صوم رکھنا اور خانہ کعبہ کا حج کرنا۔

رمضان کے اس پورے مہینہ میں، ہر مسلمان، عاقل، بالغ، قادر اور مقیم پر فرض ہے کہ وہ ثواب اور تقرب کی نیت سے طلوع فجر سے غروب شمس تک تمام مفطرات صوم سے مکمل پرہیز و اجتناب کرے اس شرعی پابندی کا مقصد بندہ کے دل میں خوف اور خشیت الٰہی کی صفت پیدا کرنی ہے

ارشاد باری ہے

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

(البقرة : ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر صوم فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم اللہ سے ڈرنے والے ہو جاؤ۔

رویت ہلال

رمضان کے چاند کے ثبوت کے لیے ایک ثقہ اور موحد مسلمان کی شہادت کافی ہے کافر اور مشرک کی شہادت تسلیم نہیں کی جائے گی ۲۹ شعبان کو چاند دیکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے اگر فضا ابر آلود ہو اور چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے کرنے کے بعد صوم شروع کرنا چاہیے شک کے دن میں صوم کی سخت ممانعت آئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے شک والے دن میں صوم رکھا اس نے ابوالقاسم (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کی۔

(سنن ترمذی کتاب الصیام)

مسافت بعیدہ کی رویت کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ قرب و جوار ہی کی رویت کا اعتبار کیا جائے۔

نیت

صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے صوم کی نیت کرنی ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام له

(سنن ترمذی کتاب الصیام)

جس نے فجر سے پہلے صوم کی نیت نہیں کی اس کا صوم نہیں ہوگا۔

البتہ نفلی صوم کی نیت آفتاب کے ڈھلنے سے پہلے تک کی جاسکتی ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میرے پاس تشریف لائے اور پوچھا کھانے کے لیے کچھ ہے میں نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا تب میں صائم ہوں۔ (مسلم)

نیت دل کے ارادہ کا نام ہے مروجہ الفاظ کے زبان سے کہنے کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے نہیں۔

سحری

صائم کے لیے صبح صادق سے پہلے کچھ کھا لینا مسنون اور باعث برکت عمل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

تسحروا فان فی السحور برکۃ (بخاری و مسلم)

سحری کھایا کرو سحری کھانے میں برکت ہے

نیز آپ نے فرمایا

فصل ما بین صیامنا وصیام اھل الکتاب اکلۃ السحر (مسلم)

ہمارے اور اہل کتاب کے صوم میں فرق یہ ہے کہ ہم سحری کھاتے ہیں اور وہ نہیں کھاتے۔

سحری میں تاخیر اور افطار میں تعجیل مستحب ہے حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں

تسحرنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قام الی الصلوۃ قلت کم کان بین الاذان والسحور قال قدر خمسین آیۃ

ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی پھر آپ صلوۃ کے لیے کھڑے ہوئے راوی کہتے ہیں میں نے زید بن ثابت سے پوچھا کہ سحری اور اذان میں کتنا فاصلہ تھا تو انھوں نے کہا کہ پچاس آیتوں کے پڑھنے کے بقدر

افطار

سورج غروب ہوجانے کے بعد بغیر کسی تاخیر کے افطار کردینا چاہیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

لایزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر (بخاری و مسلم)

جب تک لوگ افطار میں جلدی کریں گے بھلائی میں رہیں گے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کھجور سے فرماتے اگر کھجور نہ ہوتی تو پانی سے افطار کرتے تھے۔

کسی صائم کو افطار کرانا بھی بڑے ثواب کا کام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی صائم کو افطار کرائے گا اسے اس کے برابر اجر ملے گا بغیر اس کے کہ صائم کے اجر میں کوئی کمی واقع ہو۔

افطار کی دعا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار فرماتے یہ دعا پڑھتے تھے

ذھب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء اللہ

پیاس جاتی رہی اور رگیں تر ہوگئیں اور اجر ثابت ہوگیا اگر اللہ نے چاہا۔

مفطرات صوم

وہ امور جن سے صوم ٹوٹ جاتا ہے درج ذیل ہیں

۱۔ رمضان میں دن میں جماع کرنا اس صورت میں قضا کے ساتھ کفارہ بھی ضروری ہے کفارہ ایک مسلمان غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے اگر اس کی قدرت نہ ہو تو پے در پے دو ماہ کا صوم رکھنا ہے اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

۲۔ حالت بیداری میں استمنا، مباشرت، بوسہ یا اسی قبیل کی دیگر چیزوں سے انزال منی ہونا۔

۳۔ قصداً کوئی چیز کھا پی لینا خواہ وہ مفید ہو یا مضر جیسے سگریٹ بیڑی اور پان تمباکو وغیرہ۔

۴۔ ایسے انجکشن لینا جو غذا کا کام دیتے ہوں البتہ دوسرے انجکشنوں سے جو غذا کا کام نہیں دیتے ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۵۔ قصداً قے کرنا خواہ تھوڑی مقدار میں ہو یا زیادہ۔

۶۔ حیض ونفاس کا آنا۔

۷۔ حقنۂ دم جیسے صائم کے جسم سے کسی سبب سے کثیر مقدار میں خون نکل جائے تو اس کمی کو پورا کرنے کے لیے عمل حقنہ کے ذریعہ جسم میں خون داخل کرنا۔

حجامت (سینگی) اور اسی قبیل کے دیگر طریقوں سے خون

نکالنا البتہ اگر خود سے خون نکل آئے جیسے نکسیر پھوٹ جانے سے یا دانت وغیرہ نکالنے سے خون نکل آتا ہے تو اس سے صوم نہیں ٹوٹتا۔
جماع کے علاوہ باقی دیگر صورتوں میں کفارہ واجب نہیں صرف قضا کافی ہے۔

فوائد

- بھول کر یا لاعلمی میں کھا پی لینے سے یا جبراً کوئی شخص منہ میں کوئی چیز ڈال دے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اسی طرح اگر کوئی یہ سمجھ لے کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے اور کچھ کھا پی لے تو یہ بھی مفطر صوم نہیں۔
- نیند میں احتلام سے صوم فاسد نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک غیر اختیاری عمل ہے۔

۳- جنابت کی حالت میں صوم کی نیت کرنا اور طلوع فجر کے بعد غسل کرنا جائز ہے۔

۴- اسی طرح صائم کے لیے مسواک کرنا، سرمہ لگانا، آنکھ اور کان میں دوا ڈالنا، خوشبو لگانا، سر یا بدن میں تیل ملنا، ڈاڑھ یا دانت اکھڑوانا، زخم پر دوا لگانا، ہانڈی کا نمک چکھنا، خشک ہونٹوں کو پانی سے تر کرنا اور بغیر غرارہ کے کلی کرنا بھی جائز ہے۔

۵- عورت اگر فجر سے پہلے حیض یا نفاس سے پاک ہو جائے تو اس پر صوم واجب ہو جاتا ہے اگرچہ غسل طلوع فجر کے بعد کرے۔

۶- صائم کے لیے واجبات و فرائض کی محافظت محرمات (کذب، غیبت، دھوکا دہی اور سود ی لین دین وغیرہ امور) سے کنارہ کشی اور پنجوقتہ صلوٰۃ کی وقت اور جماعت سے ادائیگی ضروری ہے۔

۷- کافر صوم نہیں رکھ سکتا اور اگر وہ اسلام قبول کر لے تو سابقہ صیام کی قضا واجب نہیں۔

۸- کوئی شخص سفر میں ہو یا بیمار ہو یا کوئی ایسی عورت ہو جو حمل سے ہو یا مرضعہ ہو اور صوم سے اسے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ان حالات میں شریعت کی جانب سے صوم نہ رکھنے کی رخصت ہے البتہ عذر زائل ہو جانے کے بعد ان کی قضا واجب و ضروری ہے۔

۹- کبر سنی کی وجہ سے جو شخص صوم رکھنے سے عاجز ہو جائے وہ ہر دن ایک مسکین کو دونوں وقت کا کھانا کھلائے گا۔

تراویح

رمضان کی راتوں میں صلوٰۃ تراویح اگرچہ فرض نہیں لیکن احادیث میں اس کی بڑی ترغیب آئی ہے عہد نبوی میں تو وہ جماعت سے چند ہی دن پڑھی گئی تھی لیکن عہد فاروقی سے باقاعدہ اس کی جماعت سے ادائیگی کا اہتمام جاری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ تراویح مع وتر کل گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے صحیحین میں ابو سلمہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام رمضان کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ آپ کا قیام رمضان اور غیر رمضان دونوں میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔

رہی ابن عباس کی بیس رکعت والی روایت تو وہ انتہائی کمزور ہے اس میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان ہیں جن کے ضعف پر تمام علماء متفق ہیں۔

تراویح کی رکعتوں کے درمیان پڑھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی خاص ذکر ثابت نہیں سبحان ذی الجبروت والملکوت والی دعاء کی کوئی اصل نہیں۔

اعتکاف

عبادت کی نیت سے مسجد میں گوشہ نشین ہونا شرعی اصطلاح میں اعتکاف کہلاتا ہے رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان کے آخری دہے میں اللہ کے رسول ہمیشہ اعتکاف فرمایا کرتے تھے تا آنکہ آپ وفات پا گئے۔

معتکف کو بیسویں رمضان کو غروب آفتاب سے قبل ہی مسجد میں پہنچ جانا چاہیے اور اکیسویں کی شب حالت اعتکاف میں گزارنا چاہیے۔

اعتکاف کی حالت میں بیوی سے بوس و کنار اور صحبت جائز نہیں کسی میت کا جنازہ اٹھانے یا صلوٰۃ جنازہ پڑھنے یا کسی مریض کی عیادت کرنے کے لیے مسجد سے باہر جانا معتکف کے لیے درست نہیں البتہ قضاء حاجت کے لیے جاتے یا واپس آتے وقت کسی بیمار سے حال چال دریافت کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لیلۃ القدر

لیلۃ القدر بڑی عزت وحرمت والی رات ہے جیسے فرمانِ نبوی کے مطابق رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنا چاہیے اس رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے اس میں تسبیح وتہلیل ذکر وعبادت تلاوت قرآن اور نفلی صلوٰۃ کے ذریعہ بندہ کو تقرب الٰہی کے لیے پوری سعی کرنی چاہیے اللہ کے رسول نے اس رات میں کثرت سے اللّٰھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی پڑھنے کی تعلیم دی ہے۔ اس رات میں وعظ وتقریر کا اہتمام، شبینے، صلوٰۃ التسبیح باجماعت، دعائے ختم قرآن اور شیرینی وغیرہ کی تقسیم کا ثبوت خیر القرون میں نہیں۔

صدقۂ فطر

شرعی اصطلاح میں ایک خاص قسم کے صدقہ کا نام ہے جو ہر امیر وغریب، غلام وآزاد، مرد، عورت، بالغ ونابالغ سب پر فرض ہے۔
اس صدقہ کا مقصد اس عیب ونقص کی تلافی ہے جو انسان کی لغو کلامی، بے ہودہ گوئی اور اسی قبیل کی دوسری لغزشوں سے صوم میں پیدا ہو جاتا ہے اس کا ایک مقصد غرباء ومساکین اور لاچار لوگوں کے لیے فراہمی خوراک بھی ہے تاکہ عید کے دن انھیں اپنی مجبوری ولاچاری کا احساس نہ ہونے پائے اور وہ عید کی خوشی اور مسرت سے ہم کنار ہو سکیں۔
صدقۂ فطر صلوٰۃ عید سے پہلے ادا کر دینا چاہیے اگر بعد میں ادا کیا گیا تو وہ ادا نہ ہوگا بلکہ وہ عام صدقہ وخیرات کے حکم میں ہوگا۔

مقدار صدقۂ فطر

صدقۂ فطر جو کھجور، پنیر، خشک انگور اور گیہوں وغیرہ تمام اجناس سے ایک صاع دینا چاہیے صاع چونکہ وزن کے بجائے ناپ کا پیمانہ ہے اس لیے قطعیت کے ساتھ کسی خاص وزن کی تعیین مشکل ہے مختلف اجناس کی مقدار صاع میں مختلف ہوگی۔
صدقۂ فطر میں غلہ کے بجائے قیمت دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے ثابت نہیں۔

عید الفطر

عید الفطر کی رات شرف وبزرگی کی رات ہے اس لیے اس رات کو تسبیح وتہلیل اور ذکر وقیام میں بسر کرنا چاہیے۔

پیدل عیدگاہ جانا راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہنا ایک راستے سے جانا اور دوسرے سے واپس آنا طاق کھجوریں یا چھوارے یا کوئی میٹھی چیز کھا کر عیدگاہ جانا مسنون ہے۔

صلوٰۃ العید

عید کی صلوٰۃ سنت مؤکدہ ہے اس کا وقت طلوع آفتاب کے بعد سے لے کر زوال کے کچھ پہلے تک رہتا ہے یہ بغیر اذان واقامت کے ادا کی جاتی ہے اس کی ادائیگی کا طریقہ عام صلوٰۃ کی طرح ہے البتہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد دعا ثناء سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں پانچ زائد تکبیریں کہی جاتی ہیں جنھیں تکبیر زوائد کہتے ہیں تکبیر زوائد کے ساتھ رفع الیدین کسی صحیح اور مرفوع روایت سے ثابت نہیں صلوٰۃ عید سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تھے جس میں آپ صدقہ وخیرات پر لوگوں کو ابھارتے تھے صلوٰۃ سے پہلے خطبہ یا وعظ کا کوئی ثبوت نہیں۔
عورتوں کو عیدگاہ لے جانا سنت ہے صحیح مسلم میں ام عطیہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول عورتوں کو عیدگاہ لے جانے کا حکم دیتے تھے۔

ایک اہم اعلان

ادارہ "التوحید" محدث عصر علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ کی سوانح حیات اور خدمات پر عنقریب ماہنامہ "التوحید" کا خاص نمبر شائع کرے گا جو اس عظیم المرتبت ہستی کی سوانح حیات علمی کارناموں اور جماعتی وملی خدمات پر ایک مستند دستاویز ہوگی انشاء اللہ!
اس سلسلے میں ہم ان کے تلامذہ، مستفیدین ومتوسلین اور جملہ عقیدت مندان سے گزارش کرتے ہیں کہ ان کے پاس علامہ مبارک پوری رحمہ اللہ کے جو مکاتیب فتوے اور تحریریں ہوں اصلی یا ان کی فوٹو کاپی ادارہ التوحید کو بھیج کر ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔ ادارہ اس علمی تعاون پر ان کا شکر گزار ہوگا۔
نوٹ : فوٹو، زیراکس اور ڈاک وغیرہ کے مصارف کی ادائیگی ادارہ التوحید کرے گا۔

مدیر "التوحید"
[illegible]
فون : ۷۳۲۳۰
فاکس : ۷۳۴۳۴۸

ابو صادق عاشق علی اثری

حقوقِ والدین

(۳)

والدین کو اُف کہنا باعث خسارہ ہے

قرآن پاک سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ والدین کو اُف کہنا یا ان کی نافرمانی کرنی اولاد کے لئے بڑے خسارے اور نقصان کا باعث ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَآ اَتَعِدَانِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ٥ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ ٥ وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَلِیُوَفِّیَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ٥ (الأحقاف:۱۷-۱۹)

اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا تم پر افسوس کیا تم مجھ کو یہ بتلاتے ہو کہ میں (قبر سے) زندہ ہو کر (پھر) نکالا جاؤں گا (اور حشر ہو گا) اور مجھ سے پہلے تو (ہزاروں) قومیں (دنیا میں) گزر چکیں۔ اور اس کے ماں باپ ہیں کہ اللہ سے فریاد کر رہے ہیں۔ (اور اپنی اولاد سے کہہ رہے ہیں) ارے تیرا ستیاناس ہو مسلمان ہو جا۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ وہ (پھر) یہی کہتا ہے یہ تو اگلے لوگوں کے (نرے) ڈھکوسلے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اگلے جنات اور آدمیوں کے ساتھ جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اللہ کا فرمودہ پورا ہوا (کہ میں دوزخ کو آدمیوں اور جنوں سے بھر دوں گا) بے شک وہ تباہ ہونے والے ہی تھے۔ اور ہر ایک کو اپنے اعمال کے موافق (اچھے یا برے) درجے ملیں گے۔ اور یہ اس لئے ہو گا کہ ان کے اعمال کا پورا بدلہ ان کو ملے اور ان پر (کسی طرح کا) ظلم نہ ہو گا۔

اس آیت کریمہ میں بے ادب' نافرمان اور نالائق اولاد کا ذکر فرمایا گیا ہے جو گستاخی اور نافرمانی میں اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ شفیق و مہربان' دین و دنیا کے بہی خواہ ماں باپ کی وعظ و نصیحت اور ایمان کی دعوت کو قبول کرنے کے بجائے حقارت (گستاخی) سے بات کرتی ہے۔ اور ان کی دعوت و نصیحت اور آخرت کی جوابدہی کے تصور کو پس پشت ڈال کر یہ کہتی ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی دھمکیوں سے میں نہیں ڈرتا۔ بھلا کتنی قومیں اور جماعتیں مجھ سے پہلے دنیا میں آئیں اور گزر گئیں ان میں سے کوئی شخص بھی اب تک دوبارہ زندہ ہو کر واپس آیا؟ پھر میں کیسے اس کا اعتبار کر لوں؟

اولاد کی اس گستاخی' بے ادبی اور نافرمانی کے باوجود ماں باپ ایک طرف اللہ تعالیٰ سے اس کی ہدایت کے لئے دعا کرتے ہیں اور دوسری طرف اسے سمجھاتے ہیں کہ کمبخت تیرا ستیاناس ہو اب بھی باز آجا۔ دیکھ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے۔ بعث بعد الموت کی جو خبر اس نے دی ہے وہ اپنے وقت پر ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ اس پر وہ یہ کہہ کر ماں باپ کی نصیحت کو ٹھکرا دیتی ہے کہ یہ سب پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ واقعہ اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح جنوں اور انسانوں کی بہت سی جماعتیں اس سے پہلے اپنے تمرد و سرکشی کی وجہ سے جہنم کی مستحق ہو چکی ہیں۔ یہ بدبخت بھی انہیں میں شامل ہیں۔ بھلا انکی اس سے بڑی بدبختی کیا ہو گی اور اس سے زیادہ نقصان اور خسارہ کیا ہو گا؟ کہ یہ اپنی تجارت میں بجائے نفع حاصل کرنے کے راس المال کو بھی اپنی غفلت و حماقت سے ضائع کر بیٹھے۔

یہ آیت عام ہے ہر اس شخص کے بارے میں جو اپنے والدین کو اف کہے اور ان کی نافرمانی کرے اور کسی بھی قسم کی انہیں تکلیف پہنچائے۔

بعض لوگ اس آیت کا مصداق عبد الرحمان بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مانتے ہیں۔ جو قطعاً غلط ہے کیوں کہ عبد الرحمان بن ابو بکر رضی اللہ عنہما اس آیت کے نزول کے بعد اسلام لائے اور ایک

اچھے مسلمان اور اپنے زمانے کے بہتر لوگوں میں سے ہوئے(۱)

درج ذیل روایت سے بھی اس خیال کی تردید ہوتی ہے:

عبداللہ بن مدینی کا بیان ہے کہ مروان نے مسجد میں خطبہ دیا اس میں میں بھی موجود تھا۔ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین (معاویہ رضی اللہ عنہ) کو یزید کے سلسلے میں ایک اچھی رائے سجھائی ہے کہ وہ یزید کو خلیفہ بنادیں۔ کیوں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تھا۔ اس پر عبدالرحمان بن ابو بکر رضی اللہ عنہما نے کہا یہ ہرقلیت (بادشاہوں کی رسم) ہے واللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی کسی اولاد کو یا اپنے گھر کے کسی فرد کو نہیں خلیفہ بنایا تھا۔ اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اپنے بیٹے کی محبت میں ایسا کیا ہے۔ مروان نے کہا آپ وہی تو ہیں۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا اس پر عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تو اس ملعون شخص کا بیٹا نہیں ہے جس کے باپ پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے؟ راوی کا بیان ہے کہ دونوں کی گفتگو عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنی تو فرمایا مروان! کیا تو نے عبدالرحمان کے بارے میں ایسا ایسا کہا ہے؟ تو جھوٹ کہہ رہا ہے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نہیں نازل ہوئی ہے بلکہ فلاں بن فلاں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ پھر وہ لیا کرتا ہوا مروان ممبر سے نیچے اتر آیا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ کے پاس آکر ان سے کچھ دیر گفتگو کی اور واپس گیا۔ (۲)

غیر مسلم والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک اور ان کے لیے دعاء خیر

قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے مطالعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر بدقسمتی سے ہمارے ماں باپ کافر و مشرک ہوں تب بھی ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہئے۔ جیسا کہ درج ذیل دلائل سے ثابت ہوتا ہے:

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (لقمان:۱۵)

یعنی اور اگر تیرے ماں باپ تجھ پر زور کریں کہ میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہرا جن کا تجھ کو علم نہیں تو تو (اس کام میں) ان کا کہنا مان اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح رہ۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ○ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ (الممتحنة:۸-۹)

جو لوگ (کافروں میں سے) دین پر تم سے نہیں لڑے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے انہوں نے نکالا ان سے بھلائی اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا ہے۔ کیوں کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تو تم کو ان لوگوں کی دوستی سے منع کرتا ہے جو دین پر تم سے لڑے (انہوں نے مذہبی جنگ کی) اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکال باہر کیا۔ اور تمہارے نکالنے پر (تمہارے دشمنوں کی) مدد کی۔ اور جو لوگ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں وہ ظالم ہیں۔

اس آیت کریمہ کے شان نزول کے سلسلہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قتیلہ اپنی بیٹی اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے پاس گوہوں، بیر کی پتیوں اور گھی کا ہدیہ لے کر آئیں۔ جبکہ وہ مشرکہ تھیں۔ تو اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کا ہدیہ قبول کرنے اور انہیں اپنے گھر کے اندر داخل ہونے سے منع کر دیا۔ اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی مشرکہ ماں کا ہدیہ قبول کرنے اور انہیں اپنے گھر میں رکھنے کی اجازت دی۔ (۳)

ایک روایت میں مزید صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء رضی اللہ عنہا کو اپنی مشرکہ ماں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے چنانچہ وہ کہتی ہیں:

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۳/۱۳۷

(۲) تفسیر ابن کثیر ۴/۱۵۸ بحوالہ ابن ابی حاتم جس کے بعد کہا بخاری کی ایک دوسری سند سے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ [illegible]

(۳) تفسیر ابن کثیر ۴/۳۴۹

إن أمي قدمت علي وهي مشركة في عهد قريش إذ عاهدهم فاستفتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم: قدمت علي أمي وهي راغبة أفأصل أمي؟ قال: نعم صلي أمك (۱)

میری ماں میرے پاس آئیں اس حال میں کہ وہ مشرکہ تھیں' اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ قریش سے حدیبیہ کی صلح ہو چکی تھی۔ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ماں میرے پاس آئی ہوئی ہیں گو وہ اسلام سے بیزار ہیں یا میرے مال کی خواہشمند ہیں تو کیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں! ان کے ساتھ اچھا سلوک و برتاؤ کرو۔

عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی جوڑا فروخت ہوتے ہوئے دیکھا تو کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اسے خرید لیجئے اور جمعہ کے روز اور وفود کی آمد پر اسے زیب تن فرمایا کیجئے۔ آپ نے فرمایا إنما يلبس هذه من لا خلاق له یعنی یہ وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں ہے۔ پھر ان میں سے کچھ جوڑے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے تو آپ نے ایک جوڑا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے کہا کہ اسے میں کیسے پہن سکتا ہوں؟ جب کہ آپ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ اسے وہ لوگ پہنتے ہیں کہ جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے تجھ کو اس لئے نہیں دیا تھا کہ تو پہنے بلکہ اس لئے دیا تھا کہ اسے فروخت کر دے یا اپنی عورتوں کو پہنا دے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ایک بھائی کے پاس جو ابھی اسلام نہیں لایا تھا بھیج دیا۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے اپنے باپ کے ساتھ نصح اور خیر خواہی کا ذکر یوں فرمایا ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۝ (مریم: ۴۱-۴۵)

اور (اے پیغمبر) قرآن میں ابراہیم کا ذکر کرو وہ بڑا سچا پیغمبر تھا۔ جب اس نے اپنے باپ (آزر) سے کہا اے میرے باپ آپ اس کو کیوں پوجتے ہیں؟ جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتا ہے۔ اے میرے باپ! مجھ کو وہ علم آچکا ہے جو آپ کو نہیں آیا۔ (گو میں عمر میں آپ سے چھوٹا ہوں) آپ میرے کہنے پر چلیے میں آپ کو سیدھا راستہ بتا دوں گا (توحید اور ایمان کا راستہ) اے میرے باپ! شیطان کو مت پوجئے (اس کا کہا مت مانئے) کیوں کہ شیطان اللہ تعالیٰ کا مخالف اور نافرمان ہے۔ اے میرے باپ! میں ڈرتا ہوں کہیں آپ کے شرک اور کفر کی وجہ سے) اللہ کی طرف سے کوئی عذاب آپ کو لگ جائے پھر آپ (دوزخ میں) شیطان کا رفیق بن جائیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اپنی ماں کو دعوت اسلام دیتا تھا جب کہ وہ مشرکہ تھیں۔ ایک روز میں نے انہیں دعوت دی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مجھے ایسی بات کہی' جس سے مجھے تکلیف ہوئی میں روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور عرض کیا' یا رسول اللہ! میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا تھا تو وہ انکار کر جاتی تھیں لیکن آج میں نے انہیں دعوت دی تو انہوں نے آپ کے بارے میں مجھے تکلیف دہ بات سنائی۔ آپ دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ ابو ہریرہ کی (میری) ماں کو ہدایت دے۔ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللهم اهد أم أبي هريرة" اے اللہ! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے خوش ہو کر وہاں سے نکلا۔ اور گھر کے پاس پہنچا تو دیکھا دروازہ بند ہے۔ میری ماں نے میرے پیروں کی آہٹ سنی تو کہا۔ ابو ہریرہ! اپنی جگہ پر رکے رہو۔ اور میں نے پانی کی آواز سنی وہ غسل سے فارغ ہو گئیں اپنا کرتا زیب تن کیا۔ اور جلدی سے اپنا دوپٹہ اوڑھا اور دروازہ کھولا۔ پھر کہا ابو ہریرہ أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندہ اور رسول ہیں۔

(بقیہ ص ۳۲ پر)

(۱) صحیح بخاری کتاب الہبہ باب الهدية للمشركين ج ۲ ص ۳۳۰ و کتاب الادب باب صلة الوالد المشرك ج ۲ ص ۸۸۵' کتاب الجزیہ باب ... ص ۲۸۳' صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ... ص ۳۰۳

(۲) صحیح الادب المفرد باب بر الوالد المشرک ص ۱۳ ح ۲۶

ابن احمد نقوی

ملاحظات آزاد

(۲)

نام کتاب : تحفۂ گولڑویہ
از : مرزا غلام احمد قادیانی

تعارف میں جناب مسیح الحسن رضوی فرماتے ہیں۔ مرزا نے یہ رسالہ پیر مہر علی گولڑوی کے جواب میں لکھا تھا مرزا غلام احمد قادیانی نے بے شمار دلائل و براہین کے ذریعہ خود کو مسیح موعود ثابت کرنے کی کوشش کی ہے سب سے پہلے یہ ثابت کیا ہے کہ مسیح دوبارہ نازل ہوں گے اپنے دلائل کو قوی بنانے کی غرض سے متعدد عیسائی مصنفوں کی انگریزی کتابوں کے اقتباسات پیش کئے ہیں ان مصنفین نے اتفاق سے مرزا صاحب کے دور ہی میں عیسیٰ کے دوبارہ آنے کی علامات کا ذکر کیا ہے چنانچہ ان کے بیانات کو اپنے اوپر صادق قرار دے کر مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس سلسلے میں مرزا صاحب نے ایلیا نبی کے دوبارہ وارد ہونے کے طویل مباحث چھیڑے ہیں اور انجیل کے حوالوں سے شہادتیں پیش کی ہیں کہ خود مسیح نے ایلیا نبی کے دوبارہ آنے کی پیش گوئی کی تھی لیکن انہوں نے ایلیا کے دوبارہ آنے کی تاویل کلیسا کی تاویل کے مشابہ نہیں کی یوحنا نے اپنے آپ کو ایلیا ہونے سے انکار کر دیا تھا لیکن مرزا صاحب کی دلیل یہ ہے کہ حضرت مسیح نے حضرت یوحنا یعنی یحییٰ نبی کو مجازی طور پر ایلیا نبی قرار دیا تھا مگر یوحنا نے حقیقی طور پر مد نظر رکھ کر ایلیا ہونے سے انکار کر دیا تاہم مسیح کے نزدیک دوبارہ آمدن کے وہی معنی ہیں جو مسیح نے انجیل میں خود بیان کر دئے ہیں یعنی خود اپنی آمد ثانی کو ایلیا نبی کی آمد ثانی کی نسبت صرف یہ فرمایا کہ یوحنا کو ہی ایلیا سمجھ لو۔

مولانا آزاد کا تبصرہ : صرف ایک یورپین عیسائی کے قول سے مرزا صاحب کا یہ نتیجہ نکالنا کہ تمام عیسائیوں کا یہی خیال ہے ایک بڑی غلطی ہے۔ سائنس کی روشنی نے مسیح کی وہ عظمت یورپ سے بالکل محو کر دی ہے جو ایک عیسائی دماغ روایت تعظیم و ادب سے رکھتا ہے اس لئے جہاں مسیح کی وقعت اور انجیل مقدس کی عظمت ہی سرے سے مفقود ہو وہاں مسیح کے دوبارہ آنے کی بحث جو بالکل خلاف عقل ہے ہرگز نہیں ہو سکتی اور کبھی موجودہ مسیحیت مسیح کا انتظار نہیں کر سکتی۔ ہاں ایک خوش عقیدہ مصنف کا لکھ دینا اور مفہوم رکھتا ہے اور اس سے استدلال کبھی نہیں ہو سکتا مرزا صاحب کی بڑی غلطی ہے۔ ہاں ایلیا نبی کے انتظار سے استدلال واقعی مرزا صاحب کی بڑی قوی دلیل ہے اور مثیل مسیح ہونے کا امکان پیش کرتی ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اس ممکن امر کا وقوع بھی ضروری ہے امکان کے لئے وقوع شرط نہیں ہے وقوع کی دلیلیں اقوی ہونی چاہئیں اس کے بعد یہ بحث ہوگی کہ واقعی مرزا صاحب ہی مثیل ہیں یا نہیں۔ افسوس ہے کہ علماء نے بہت بے ڈھنگے طریقہ سے بحث کی ہے ورنہ نتیجہ بہت ہی جلد نکل جاتا۔ علماء نے اس زمانے میں اور کون سا معرکہ مناظرہ کیا ہے؟ (ص ۱۳۲)۔

نام کتاب: تاریخ مذاہب الاسلام از محمد نجم الغنی خاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں منقسم ہو جائے گی۔ اس قول کی روشنی میں مصنف اسلامی فرقوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن حزم کی کتاب "الملل والنحل" کا حوالہ دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ اصل اسلام کے پانچ فرقے ہیں

مولانا آزاد فرماتے ہیں: ابن حزم پانچ فرقوں میں انحصار کرتا ہے برخلاف رازی کے جو آٹھ قرار دیتا ہے رکذا فی الشہرستانی (ص ۱۳۳)

نام کتاب : دبستان المذاہب

یہ کتاب فارسی میں ہے۔ مصنف کا نام درج نہیں کیا گیا۔ اس میں مذاہب کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے شہر مکہ کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی گئی ہے۔ کعبہ میں جو بت تھے ان میں پیکر ماہ (چاند کا بت) بہت خوبصورت تھا اس لئے اس مقام کو مہ گاہ کہنے لگے جو کثرت استعمال سے مہ گہ اور پھر مکہ ہو گیا (ص ۱۳۶)

کتاب میں رائے منوہر کچھواہا کا ایک شعر نقل کیا گیا ہے

مسلمانی اگر کعبہ پرستیت
پرستاران بت را طعنہ از چیست
(اگر مسلمان کعبہ کی پرستش کرتے ہیں تو پھر بتوں کی پرستش کرنے والوں پر طعنہ زنی کا کیا جواز ہے)

مولانا آزاد نے حاشیہ میں یہ جوابی شعر درج کیا ہے

غلط گفتی کہ من کعبہ پرستم
پرستار صنم ہر جا کہ ہستم
(ص ۱۴۷)

ہو کیوں ان بیراگی کا حال لکھا ہے کہ اس نے ایک مؤذن کو دیکھا کہ منار پر چڑھ کر اذان دے رہا ہے جب اذان سے فارغ ہو کر مؤذن نیچے اترا تو بیراگی نے پوچھا کہ کیا جواب ملا؟ مؤذن نے پوچھا کس سے؟ بیراگی نے کہا اس سے جسے تم پکارنے گئے تھے۔

مولانا لکھتے ہیں اذان برائے پاسخ یافتن نیست بلکہ برائے جمع آمدن مسلمانان جہت نماز است

اسی طرح بیراگی نے ایک حاجی سے پوچھا۔ کہاں سے آرہے ہو؟ کہا مکا نزد خدا سے کہا خدا کو دیکھا؟ حاجی نے کہا نہیں۔ بیراگی نے کہا کیا (خدا) گھر میں نہیں تھا؟

مولانا حاشیہ میں لکھتے ہیں خود نزد مسلمانان کعبہ جائے پرستیدن خدا ست نہ جائے سکونت پس ایں اعتراض غلط است (۱۴۸)

اذان سے متعلق ایسا ہی ایک لغو اعتراض سنت کبیر نے بھی کیا ہے

کنکر پتھر جوڑ کے مسجد لئی بنائے
تا چڑھ ملاّ بانگ دے کیا بہرا ہوا خدائے

سنتوں اور بیراگیوں کے اس قسم کے اعتراضات سے واضح ہوتا ہے کہ ماضی میں مسلمانوں نے دوسروں کو اسلامی تعلیمات اور شعائر سے آشنا نہیں کیا اور یہی بلا واقفیت اس قسم کے احمقانہ اعتراضات کا سبب بنی۔

کتاب کا نام ۔ انجیل یہی ہے

از ہاس بارٹن

کتاب انگریزی میں ہے اس کا ایک اقتباس ہے حضرت موسیٰ نے طور پر جا کر خدا تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل کیا اور عرض کیا۔ اب میں بنی اسرائیل کے پاس جاؤں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ مجھے خدا نے تمہاری طرف بھیجا ہے تو وہ پوچھیں گے کہ اس (خدا) کا کیا نام ہے؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟ خدا تعالیٰ نے جواب دیا میرا نام یہوئی (جیہوا) ہے

مولانا حاشیہ میں لکھتے ہیں یہوی بھی دراصل یا ھو ہے (۱۸۹)

کتاب کا نام: لائف آف جیسس (حیات مسیح) مصنف ارنسٹ رینان

کتاب میں مصنف نے حضرت مسیح کے حالات بیان کئے ہیں ایک پیراگراف کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

یروشلم کی مغربی وادی کا نام جہنا تھا۔ یہاں مختلف مواقع پر آگ کی پرستش کی جاتی تھی یہ جگہ گندگی اور کیچڑ سے پُر رہتی تھی۔ اس لئے مسیح کے ذہن میں جہنا کا تصور ایک ہولناک گندگی اور آگ سے بھری ہوئی جگہ کا تھا۔

مولانا آزاد حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں جہنا۔ "جہنم"
(ص ۱۹۳)

کتاب کا نام رسائل شبلی۔ از شبلی نعمانی

شبلی نے اپنے مضمون اسلامی مدارس اور دارالعلوم کے تحت ترکی کے مدارس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہاں کے تعلیم یافتہ طلباء کو باقاعدہ ملکی عہدے دئے جاتے تھے جس کی وجہ سے سیاسی پلّہ تو بھاری ہو گیا لیکن علمی وزن کم ہو تا گیا یہی وجہ ہے کہ چھ برسوں کی مدت میں ان مدرسوں سے بہت کم باکمال اور محقق نکلے علامہ ابن خلدون نے تو کلیۃً نفی کی ہے۔

مولانا نے اس پر گرفت فرمائی ہے۔ ابن خلدون کا ذکر تعجب انگیز ہے عثمانی عروج کا زمانہ ابن خلدون سے بہت بعد شروع ہوتا ہے۔ (ص ۲۱۹)

۲۔ اسپین میں علمی مدارس کے فقدان پر اظہار افسوس کیا گیا ہے لکھتے ہیں کہ زیب و زینت سے معمور عمارتیں، قصر و محلات تھے لیکن اس عام وسعت میں کسی کالج یا اسکول کا نشان ہم کو نہیں ملتا۔

مولانا فرماتے ہیں:۔ تمام مساجد جوامع العلوم تھیں۔ کذالک فی الہند (ص ۲۱۷)

۳۔ مذہبی اور عقلی علوم کی تعلیم گاہوں اور مدرسوں کے بعد شبلی نے صنعتی مدرسوں کا ذکر کیا ہے نیز لکھا ہے کہ حربی تعلیم گاہیں نہ

ہونے کے برابر تھیں۔ بجز عبد المومن سلطان مراکو کے مدرسہ حربیہ کے دیگر حربی تعلیم گاہوں سے شبلی مرحوم ناواقفیت کا اعتراف کرتے ہیں۔

مولانا وضاحت فرماتے ہیں :۔ مصنف نے قاہرہ اور قسطنطنیہ کے مدارس حربیہ کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ تعجب ہے کہ عہد وسطیٰ کے مدارس حربیہ کا ذکر تو خود بہ تفصیل مقریزی نے کیا ہے۔(ص ۲۲۷)

علامہ ابن خلدون کا ایک قول نقل کیا ہے ان العلماء من بین البشر ابعد الامم من السیاستہ یعنی نوع بشر میں عالم لوگ انتظامات ملکی سے بہت دور ہیں۔

مولانا حاشیہ میں لکھتے ہیں —— ترجمہ غلط ہے۔(ص ۲۱۷)

نام کتاب —— قاطع برہان ورفش کاویانی از مرزا اسد اللہ خاں غالب

یہ غالب کی فارسی تصنیف ہے یہ ایک قسم کا لغت ہے جس میں فارسی الفاظ کی ساخت (اشتقاق) اور معانی پر بحث کی گئی ہے۔ غالب کی یہ کتاب بڑی متنازعہ فیہ رہی اور اس کے جواب میں متعدد کتابیں لکھی گئیں اور طویل مدت تک ہنگامہ آرائی اور تلخ گفتاری ہوتی رہی۔

کتاب میں ایک جگہ غالب نے آفتاب کے بارے میں بحث کی ہے۔ مولانا آزاد اپنے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ در لغت دری (قدیم فارسی) اپ بہ بائے فارسی بمعنی شمس بود۔ در فارسی جدید اف شد ور آفتاب پدید آمد۔ (قدیم فارسی زبان دری میں اپ شمس (سورج) کو کہتے تھے جدید فارسی میں (عربی کے اثر سے) اپ اف ہو گیا اور اس سے آفتاب بنا)(ص ۲۳۷)

کتاب کا نام —— حیات شبلی —— مولف سید سلیمان ندوی

۱۔ شبلی کے تعلیمی مدارج کے بیان میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ شبلی نے درسیات کی تکمیل مولانا فاروق ہی سے کرلی تھی تاہم ان کے ذوق علمی نے انہیں دوسرے فرقوں کی خوشہ چینی پر آمادہ کیا۔ سب سے پہلے مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی کی شہرت کمال ان کو لکھنؤ لے گئی لیکن فطری جودت طبع اور کچھ فیض فاروقی کی بدولت علامہ تقلید جامد کے خوگر نہ تھے اس لئے زانوئے ادب تہہ کرنے سے پہلے لکھنؤ سے قدم اٹھ گئے اور رامپور کا رخ کیا جہاں مولانا ارشاد حسین کے شرف تلمذ پر اکتفا کی۔ علامہ مرحوم کو مولانا ارشاد حسین کی وسعت نظر اصابت رائے اور مجتہدانہ ژرف نگاہی کا اعتراف ہمیشہ رہا۔ مولانا ارشاد حسین نہایت متشدد حنفی تھے مولانا نذیر حسین کی ایثار الحق کے جواب میں انتصار الحق ان ہی نے لکھی ہے۔

مولانا آزاد گرفت فرماتے ہیں۔

اگر اس زمانہ میں مولوی شبلی کو مجتہدانہ نظر و فکر کی جستجو ہوتی تو مولوی عبد الحیٔ کو ترجیح دیتے جو حنفیت کے مقلدانہ جمود سے باہر آچکے تھے لیکن انہوں نے مولوی ارشاد حسین کا انتخاب کیا جو مقلد اعمی تھے

مولوی نذیر حسین کی کتاب "ایثار الحق" نہیں "معیار الحق" ہے مولوی ارشاد حسین کی معلومات کا یہ حال تھا کہ انتصار الحق میں "بلوغ المرام" کو شاہ ولی اللہ کی تصنیف بتاتے ہیں۔ ان کی تعریف میں مجتہدانہ ژرف نگاہی لکھنا کس قدر بے معنی بات ہے۔(ص ۲۵۸)

۲۔ جس طرح شبلی نے دوسرے علوم کی تحصیل کے لئے ان ہی اساتذہ کا انتخاب کیا جو اس فن میں یگانہ تھے اسی طرح حدیث کے لئے بھی انہوں نے اس زمانے کے سب سے نامور محدث احمد علی سہارنپوری کا انتخاب کیا۔

مولانا آزاد :۔ اس انتخاب میں بھی وہی حنفیت کا جمود تھا۔ دراصل اس پھندے سے وہ اس وقت تک نہ نکل سکے جب تک کہ سرسید کی صحبت نہ ملی (ص ۲۵۹)

۳۔ شبلی نے سرسید کی تعریف میں ایک قصیدہ عربی زبان میں کہا تھا۔ اس صفحہ پر درج پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں لفظ "قومنا" استعمال کیا گیا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں :۔ یہاں قوم بمعنی ملت و امت استعمال کر کے انہوں نے وہی غلطی کی جو حالی وغیرہ کر چکے ہیں بعد کو اس غلطی کا انہیں احساس ہو گیا تھا۔(ص ۲۵۹)

۴۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں اس میں شک نہیں کہ سرسید کی صحبت میں مولانا میں جو پہلے ہی سے علوم عقلیہ میں دلچسپی رکھتے تھے مذہبی عقل پسندی آگئی تھی اور عقل و نقل کی تطبیق کا ذوق پیدا ہو گیا تھا اور اشاعرہ کے بہت سے مسائل کی غلطیاں یا خامیاں ان کو نظر آنے لگی تھیں مگر یہ قطعاً غلط ہے کہ وہ معتزلی بن گئے تھے۔

مولانا کے معارکس ملاحظہ ہوں۔۔۔ یہ صحیح نہیں ہے مولانا شبلی کی ساری عالی تربیت سرسید کی بدولت ہوئی۔ (ص ۲۳)

۵۔ سابقہ بحث ہی پر اظہار خیال کرتے ہوئے سید صاحب لکھتے ہیں۔ مولانا شبلی سرسید کی ان تاویلات کو پسند نہیں کرتے تھے جو انہوں نے اپنی تفسیر میں کیں اس لئے مولانا نے ان کو آہستہ آہستہ عقل پسندی کی آزاد شاہراہ سے ہٹا کر امام غزالی رازی ابن سینا اور قاضی ابن رشد کی تصنیفات سے آشنا اور معتزلہ کے خیالات سے باخبر کیا۔

مولانا تبصرہ۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ مولانا شبلی نے انہیں غزالی وغیرہ سے آشنا کیا۔ (ص ۲۳)

۶۔ سید صاحب مزید لکھتے ہیں :۔ مولانا شبلی کے ذریعہ غزالی وغیرہ کے خیالات سے باخبر ہونے کا یہ فائدہ یہ ہوا کہ سرسید کی آزاد خیالی جس کی وسعت کی کوئی حد نہ تھی آخر میں حکماء متکلمین اسلام کے خیالات تک محدود ہو کر رہ گئی۔

مولانا آزاد گرفت فرماتے ہیں ـــــ یہ قطعاً غلط ہے۔ سرسید نے امام غزالی کے رسائل "تنفرقہ" وغیرہ پر "النظر" کے نام سے جو ریویو لکھا تھا اس میں مولانا شبلی کی رائے کا کوئی دخل نہ تھا۔ (ص ۲۳)

۷۔ ندوۃ العلماء کی تاسیس کے سلسلہ میں سید صاحب لکھتے ہیں "باہمی مشورہ سے علماء کی ایک مجلس قائم کی جائے اور آئندہ سال مدرسہ فیض عام کے جلسے میں تمام ہندوستان کے علماء کو اس کے لئے عام دعوت دی جائے اس مجلس کا نام "ندوۃ العلماء" قرار پایا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ پہلے ندیۃ العلماء قرار پایا پھر ندوہ ہوا

نام کتاب ـــــ سیرت النعمان از شبلی نعمانی

۱۔ علامہ شبلی نے مجتہد اور محدث کے فرق پر تفصیلی بحث کی ہے لکھتے ہیں کہ مجتہدین جس چیز پر فخر کرسکتے ہیں وہ دقت نظر، قوت استنباط و استخراج مسائل اور تفریع احکام ہے لیکن محدثین کے گروہ کے نزدیک یہی باتیں عیب و نقص میں داخل ہیں علامہ ابو جعفر محمد ابن جریر طبری قاضی ابو یوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اہل حدیث میں سے ایک گروہ نے ان کی روایت سے اس بناء پر احتراز کیا ہے کہ ان پر رائے غالب تھی۔ اور فروع احکام کی تفریع کرتے تھے ان باتوں کے ساتھ بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے اور منصب قضا پر مامور تھے "اگر فروع اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بے شبہ امام ابو حنیفہ قاضی ابو یوسف سے زیادہ مجرم نہیں۔

مولانا آزاد حاشیہ میں لکھتے ہیں :۔ مصنف کی یہ پوری بحث یکسر مغالطہ ہے اس سے بڑھ کر کذب علی وجہ الارض اور کیا ہو سکتا ہے کہ ائمہ حدیث کی نسبت یہ کہا جائے کہ دقت نظر، قوت استنباط، استخراج، مسائل روایت و تفکر ان کے نزدیک نقص رہا جس شخص نے صرف تراجم ابواب تبیہ بخاری وغیرہ پر نظر ڈالی ہے وہ کیوں کر اس خیال کا تصور بھی کر سکتا ہے اور پھر جس شخص نے تصنیفات ابن حزم، ابن عقیل ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ کو دیکھا ہے تو وہ اس خیال کی تکذیب پر حلف شرعی اٹھا سکتا ہے اصل یہ ہے کہ اس تمام معاملے کے (یعنی امام ابو حنیفہ اور محدثین کے مابین) اسباب ہی اور ہیں اور ان کو صاحب "حجۃ اللہ" نے واشگاف لکھ دیا ہے۔ مولف کی اس پر نظر ہے مگر افسوس کہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے اگر مصنف نے اسی جملہ پر غور کیا ہوتا کہ فروع احکام کی تفریع کرتے تھے تو اصل عقدہ حل ہو جاتا یعنی بنیاد اپنے قرار دادہ یا ائمہ کوفہ کے کلیات پر رکھتے نہ کہ احادیث پر (ص ۳۶۸)

۲۔ شبلی کے خیال میں جو لوگ علم حدیث کی درس و تدریس میں مشغول تھے ان میں دو فرقے قائم ہو گئے تھے ایک وہ جن کا کام صرف حدیثوں اور روایتوں کا جمع کرنا تھا وہ حدیث سے صرف من حیث الروایت بحث کرتے تھے یہاں تک کہ ان کو ناسخ و منسوخ سے بھی کچھ سروکار نہ تھا دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباط احکام اور استخراج مسائل کے لحاظ سے دیکھتا تھا اگر کوئی نص صریح نہیں ملتی تھی تو قیاس سے کام لیتا تھا اگرچہ یہ دونوں حیثیتیں دونوں فرقوں میں کسی قدر مشترک تھیں لیکن وصف غالب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز تھا۔

پہلا فرقہ اہل الروایہ اور اہل حدیث اور دوسرا فرقہ مجتہد اور اہل الرائے کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں :۔ یہ بالکل غلط ہے اصل اختلاف وہ ہے جو صاحب "حجۃ اللہ" نے باب "سبب الاختلاف" میں لکھا ہے یعنی ایک گروہ نے اساس کار کلیات متخرجہ پر رکھا اور عندالحاجۃ اس پر تفریع کرنے لگے ہر جزئی کے لئے احادیث کے چنداں متلاشی نہ ہوئے

دوسرے گروہ نے بنیاد روایت پر رکھی پہلا گروہ اہل الرائے ہے اور جہاں کہیں محدّثین بہ بنائے تفریع تصنیف کرتے ہیں اس سے مقصود یہی ہے نہ کہ استنباط (ص ۲۶۸)

۳۔ علاّمہ ابن خلدون کی رائے کے بموجب حدیث میں امام ابو حنیفہ کا کبار مجتہدین میں ہونا اس سے ثابت ہے کہ ان کا مذہب محدّثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے اور اس سے بحث کی جاتی ہے

مولانا آزاد :۔ سبحان اللہ کیا عجیب توثیق ہے۔ یعنی ابن خلدون کے نزدیک امام ابو حنیفہ کے لئے بڑا شرف یہ ہے کہ محدّثین نے ان کو کم از کم لائق خطاب و ردّ تو تسلیم کیا (ص ۲۶۹)

۴۔ شبلی کی ایک تفصیلی بحث اس امر پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر ابو حنیفہ کے دور تک مختلف ادوار میں کس طرح احادیث یکجا کی گئیں اور کیسے کیسے وہ مرتب ہوئیں اور کس طرح ان کی تدوین میں حالات زمانہ کے موافق دلچسپی لی گئی اور کیا کیا شبہات پیدا ہوئے۔

مولانا آزاد :۔ حاصل اس تمام بحث کا یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے سلسلۂ روایات و احادیث کو ناقابل احتجاج سمجھا اور اس کے احکام کے متعلق شرعیات کے لحاظ سے صرف قرآن پر انحصار کیا اور باقی قیاس پر اور اسی لئے قرآن کے عموم کی احادیث سے بہت کم تخصیص کی اور یہ سچ ہے اور محدّثین بھی اسی بنا پر متأسف ہیں امام ابو حنیفہ کے لئے اس بارے میں یقیناً مجبوریاں اور مشکلات تھیں لیکن وہ موانع بعد کو رفع ہو گئے اور بیسیوں مسائل میں حصول نصوص کے بعد قیاس کی حاجت نہ رہی (ص ۲۶۹)

۵۔ امام ابو حنیفہ نے درایت کے چند اصول بتائے تھے مثلاً جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں یہ وہ قاعدہ ہے جس کو ابن جوزی نے تمام اصول درایت پر مقدم رکھا ہے ابن جوزی چھٹی صدی میں گزرے ہیں اس وقت تک علوم اسلامی اوجِ کمال تک پہنچ گئے تھے اور فلسفیانہ خیال کا اثر زیادہ عام ہو گیا تھا لیکن امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک مذہب میں عقل کا نام لینا ایک جرم عظیم تھا۔

مولانا آزاد فرماتے ہیں :۔ جب امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ عہد صحابہ میں تو اس سے بھی بڑھ کر جرم ہوگا اور عہد نبوت کا حال تو پوچھنا ہی نہیں چاہئے پس اس سے معلوم ہوا کہ عقل سے بڑھ کر اسلام میں کوئی شے بری نہیں کیونکہ جس قدر عہد نبوت سے بُعد ہوتا گیا عقل کا اعتراف بڑھتا گیا تعجب ہے کہ مولف نے کیوں کر اس جملہ کو لکھا اور کیونکر ایک شخص یہ جملہ زبان سے نکال سکتا ہے جس کو اسلام کے دین فطرت ہونے کا یقین ہو (ص ۲۷۰)

۶۔ شروع میں عقل کے خلاف کسی حدیث پر جب امام ابو حنیفہ نے بے اعتباری ظاہر کی تو لوگوں نے سخت مخالفت کی اس قسم کی حدیثیں جن میں ناممکن واقعات بیان کئے گئے ہیں جب امام صاحب کے سامنے پیش کی جاتیں تو وہ ان سے انکار کرتے تھے

مولانا آزاد :۔ اس طرح کے انکار کا ایک واقعہ بھی کہیں منقول نہیں (ص ۲۷۰)

۷۔ شبلی نے "تلک الغرانیق العلیٰ" کی حدیث کا ذکر کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سورۂ نجم کی تلاوت کرتے وقت بتوں کی تعریف میں الفاظ ادا ہوئے یہ الفاظ شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ڈال دیے تھے۔ چنانچہ تلاوت کے بعد جبرئیل آئے اور انہوں نے یہ شکایت کی کہ میں نے تو یہ الفاظ آپ کو نہیں سکھائے آپ نے کہاں سے پڑھ دیے اس حدیث کو امام صاحب کے اصول کے موافق بعض محدّثین مثلاً قاضی عیاض و ابو بکر بیہقی وغیرہ نے غلط کہا لیکن محدّثین کا ایک بڑا گروہ اس کو اب بھی صحیح تسلیم کرتا ہے

مولانا آزاد :۔ سب سے پہلے اس اصل کو امام صاحب کا قرار دادہ کسی مستند حوالہ و تخریج فقہ و حدیث سے ثابت کیا جائے پھر اس پر بحث کی جائے کہ یہ امام صاحب کے کمالات میں سے ہے یا نہیں روایت الغرانیق کو محض مخالف عقل ہونے کی بنا پر محدّثین نے ردّ نہیں کیا بلکہ اصول روایت کی بنا پر عقل و درایت کا جو مطلب باقتضائی وقت مولف ثابت کرنا چاہتے ہیں حاشا کہ سلف میں سے کسی محدّث یا کسی فقیہ نے اس کا یہ مطلب قرار دیا ہو (ص ۲۷۰)

۸۔ بیع مصرّاۃ کی حدیث کو امام ابو حنیفہ نے قیاس کی بنا پر رد نہیں کیا تھا بلکہ اس کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے۔

مولانا آزاد :۔ دعویٰ نسخ اس سے بڑھ کر باطل ہے جب ناسخ کوئی پیش نہیں کی اصل یہ ہے کہ حنفیہ کے پاس آخری حربہ نسخ ہے جب کسی طرح اختلاف احادیث کو مذہب کے مطابق نہیں کیا جا سکتا تو نسخ

کا دعویٰ کر دیتے ہیں جیسا کہ رفع الیدین جیسا مسئلہ میں حنفیہ نے کیا ہے منسوخ بجز ان حدیثوں کے ثابت نہیں اور ان میں بھی لامحدود گنجائش رہ جاتی ہیں۔ (ص ۲۷۱)

۹۔ اگرچہ امام ابو حنیفہ نے قیاس فقہی کو حدیث پر مقدم نہیں کیا تاہم ان کے زمانہ تک قیاس کا لفظ نہایت وسیع معنوں میں مستعمل تھا اور ان معنوں کے لحاظ سے امام صاحب نے قیاس کو حدیثوں میں دخل دیا ہے احکام شرعیہ سے متعلق اسلام میں شروع سے ہی دو فرقے تھے ایک گروہ راوی کو ثقہ پاکر حدیث کو قبول کر لیتا تھا لیکن دوسرا گروہ حسن و قبح اصل کا قائل تھا اور اسباب و وجوہ پر غور کر کے اصل حقیقت کا پتہ لگاتا تھا امام ابو حنیفہ کا بھی یہی مسلک تھا۔

مولانا آزاد ——— اعمال و عبادات کہ ارکان جوارح سے تعلق رکھتے ہیں ان میں راوی کی فقاہت کی کوئی ضرورت نہیں پھر ان احادیث کے مخالف قیاس کرنے کی کیا تاویل ہو سکتی ہے الا یہ کہ عدم حصول سر (ص ۲۷۱)

۱۰۔ شریعت کے احکام اور مسائل اور ان کے اسرار و مصالح کے تتبع اور استقراء سے ایسا ذوق حاصل ہو سکتا ہے جس سے یہ تمیز ہو سکے کہ رسول اللہ نے یہ حکم دیا ہو گا یا نہیں لیکن ان اسرار و مصالح کا تتبع محدث کا فرض نہیں وہ مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب ان دقیق وجوہ کے لحاظ سے امام ابو حنیفہ نے بعض حدیثوں کو معطل قرار دیا تو ارباب ظاہر نے مخالفت کی۔

مولانا آزاد ——— محدث اور مجتہد کی تفریق خود باطل ہے۔ محدث غیر مجتہد کا وجود نہیں محدثین کا مقصود فقہ و سیرۃ و اجتہاد کے جمع احادیث سے اور کچھ نہ تھا۔ (ص ۲۷۲)

۱۱۔ شاہ ولی اللہ کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کے حوالے سے شبلی نے امام شافعی اور امام محمد کے مناظرات کا بیان کیا ہے جو قرآن میں وارثوں کے حق میں وصیت کے سلسلے میں ہوئے یہ روایت بیہقی کی کتاب مناقب الشافعی سے لی ہے جس میں اور بھی بہت سی بے سروپا روایتیں مذکور ہیں اس سے قبل صفحہ ۲۴۴ پر نضر بن یحییٰ اور امام احمد ابن حنبل کے مکالمہ کا بھی ذکر ہے جو "عقود الجمان" کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے۔ اس مکالمہ کو شبلی صحیح خیال کرتے ہیں۔

مولانا آزاد ——— سبحان اللہ امام احمد اور نضر کا مکالمہ محض بوجہ روایت عقود الجمان صحیح ہے اور بیہقی کی روایت بے سروپا منطقی مبہم۔

۱۲۔ حجۃ اللہ البالغہ میں امام شافعی اور امام محمد کے مناظرہ کا ذکر کیا گیا ہے امام شافعی نے امام محمد سے کہا کہ کیا آپ کے نزدیک خبر واحد سے قرآن پر زیادتی نہیں ہو سکتی امام محمد نے کہا کہ ہاں! امام شافعی نے کہا قرآن مجید میں وارثوں کے حق میں وصیت کا حکم ہے آپ اس حدیث کی بنا پر "لا وصیۃ لوارث" وصیت کو ناجائز کیوں قرار دیتے ہیں شبلی نے اس روایت کو بر بنائے سند بیہقی رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک وارثوں کے حق میں وراثت کا حکم کسی حدیث سے منسوخ نہیں ہوا ہے۔ بلکہ قرآن مجید کی اس آیت سے جس میں توریث کے احکام ہیں۔ یہ صرف حنفیوں کی رائے ہی نہیں بلکہ تمام مفسرین کا یہی قول ہے۔

مولانا آزاد ——— افسوس مؤلف نے یہاں کس قدر سخت غلطی کی ہے اور صاحب حجۃ اللہ البالغہ کو بلاوجہ الزام دیا ہے۔ قرآن مجید میں وارثوں کے لئے وصیت کا بھی حکم ہے اور ان لوگوں کے پسماندگان کے لئے جو بلا وصیت مر جائیں حصص بھی بتلا دئے ہیں دونوں اپنی جگہ قائم ہیں۔ نسخ کسی طرح ثابت نہیں اب نسخ کا دعویٰ جو کیا گیا ہے تو صرف بنائے حدیث کہ لا وصیۃ لوارث اس لئے امام شافعی نے کہا کہ یہ زیادتی قرآن پر ہوئی یا نہیں؟ (ص: ۲۷۳)

۱۳۔ پہلے بہ تفصیل فقہ کی تاریخ بیان کی ہے اس کے بعد فقہ حنفی پر روشنی ڈالی ہے بعد ازاں لکھا ہے کہ عرب میں ان کے مسائل کو اس لئے رواج نہ ہو سکا کہ مدینہ میں امام مالک اور مکہ میں دوسرے ائمہ ان کے حریف موجود تھے لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی میں فقہ حنفی کو رواج ہوا۔

مولانا آزاد ——— اصل حقیقت یہ ہے کہ جب تک حکومت عربوں کے ہاتھ میں رہی جو علوم اسلامیہ سے براہ راست واقف ہوتے تھے اس وقت تک فقہ حنفی کو عروج نہیں ہوا۔ جب عربی حکومت کا تنزل شروع ہوا اور ترکوں کا دور شروع ہوا جو محض جاہل و وحشی تھے اس وقت سے فقہ حنفی عموماً سلاطین کا مذہب قرار دیا گیا اور اسی وقت سے تعین مذہب و تعصب و جدال و خلاف کی بنیاد پڑی مؤلف نے اس حقیقت کو چھپانا چاہا ہے۔ (ص۔ ۲۷۳)

۱۴۔ بعضوں کا خیال ہے اور خاص کر ابن حزم کا کہ حنفی مذہب کو قاضی ابو یوسف کے قاضی القضاۃ ہونے کی وجہ سے عروج ہوا حالانکہ قاضی ابو یوسف کے عروج سے پہلے پچاس سال تک مذہب حنفی فروغ پا تا پاتا تھا اور اس دور میں ان کے سینکڑوں شاگرد قضا کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے۔

مولانا آزاد ـــــــ اسکا کیا ثبوت ہے؟ (ص۔ ۲۷۴)

۱۵۔ شبلی کے خیال میں گو حسنِ قبول اور عام اثر کے لئے جو اسباب درکار ہیں وہ بالکل موجود نہ تھے تاہم فقہ حنفی کا تمام ممالک اسلامیہ میں اس وسعت اور ترقی کے ساتھ رواج پانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا طریقہ فقہ انسانی ضرورتوں کے لئے نہایت موزوں اور مناسب ہے۔

مولانا آزاد ـــــــ ظلمات بعضہا فوق بعض پہلے فقہ حنفی کی تمام ممالک اسلامیہ میں وسعت ثابت کردی جائے پھر اس پر تفریعات ہوں شام، مصر، حجاز، یمن، نجد، عراق، اندلس کہیں بھی فقہ حنفی کو مقبولیت نہ ہوئی البتہ عربی خلافت کے خاتمہ کے بعد ترکی عہد میں (ص۔ ۲۷۴)

۱۶۔ فقہ کے دوسرے حصہ میں جس کا تعلق قانون سے ہے امام ابو حنیفہ تمام مجتہدین سے ممتاز ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اسلام میں اگر کوئی شخص واضع قانون گزرا ہے تو وہ صرف امام ابو حنیفہ ہیں مذہبی لوگوں میں جو اوصاف نہایت قابل قدر سمجھے جاتے ہیں وہ ہیں دنیاوی امور سے علاحدگی کم آمیزی 'معاملات میں سختی' عام واقعات سے بے خبری مغیر مذہب والوں سے تنفر یہ تمام اوصاف ہیں جو تمدن کے مخالف ہیں۔

مولانا آزاد ـــــــ مؤلف نے کس بے دردی سے تمام ائمہ اسلام کی تحقیر کی ہے علی الخصوص محدثین کی جو تمام امت میں اعقل وافہم گروہ تھا اور حکمت نبوی سے مالامال۔ اگر یہ گروہ تمدن کا ساتھ نہیں دے سکتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کو تمدن سے کوئی تعلق نہیں۔
(ص۔ ۲۷۵)

۱۷۔ شبلی نے ان خصوصیات کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے حنفی فقہ کو دوسری فقہوں پر ترجیح ہے ان میں سب سے بمقدم اور قابل قدر خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے وہ مسائل کا اسرار اور مصالح پر مبنی ہونا ہے۔

مولانا آزاد ـــــــ یہ محض مؤلف کی اختراع ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ تا قابل انکار دلائل سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ فقہ حنفی جس قدر اسرار شریعت کے خلاف ہے کوئی فقہ نہیں۔
(ص۔ ۲۷۰)

۱۸۔ علامہ شبلی کا دعویٰ ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب عقل کے موافق ہے امام طحاوی نے جو مجتہد اور محدث دونوں تھے اس بحث میں ایک کتاب لکھی ہے جو شرح معانی الآثار کے نام سے مشہور ہے اور جس کا موضوع یہ ہے کہ مسائل فقہ کو نصوص اور طریق سے ثابت کیا جائے اس دعویٰ سے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب عقل کے موافق ہے شافعیہ وغیرہ کو بھی انکار نہیں اور وہ انکار کیوں کرتے ان کے نزدیک احکام شرعیہ خصوصاً عبادات جس قدر عقل سے بعید ہوں اسی قدر ان کی خوبی ہے۔

مولانا نے آخری جملہ "عبادات جس قدر عقل سے بعید ہوں اسی قدر ان کی خوبی ہے" کے نیچے لکیر کھینچ دی ہے حاشیہ میں لکھتے ہیں "یہ جملہ کس قدر صریح غلط اور تہمت محض ہے۔ مؤلف کا پورا مبحث بھی محض مغالطہ ہے۔ فقہ حنفی اور مذہب محدثین وائمہ کے اختلاف کو احکام شریعت کے مطابق عقل وعلل ہونے نہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں اور نہ طحاوی کی تصنیف کا یہ مقصد ہے اور نہ نظر و درایت سے ان کا یہ مقصود ہے جو مؤلف نے بتلایا ہے" (ص۔ ۲۷۵)

۱۹۔ فرض وواجب اور سنت کی بحث میں مختلف مدارج کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے ائمہ و محدثین کے مقابل میں امام ابو حنیفہ کی تصریحات کو ترجیح دی ہے اور ان کا مرجح بلند قرار دیا ہے۔ ارکان نماز امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی فرض اور لازمی ہیں اور خود شارع نے ان کے لازمی ہونے کی طرف اشارے کئے ہیں لیکن دوسرے ائمہ نے ان ارکان کی خصوصیات کو بھی فرض قرار دیدیا حالانکہ وہ خصوصیتیں لازمی نہ تھیں اس لیے امام ابو حنیفہ ان کی فرضیت کے قائل نہیں مثلاً امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کے سوا اور الفاظ سے بھی ادا ہو سکتی ہے جو اس کے ہم معنی ہوں امام شافعی کے نزدیک ایسا نہیں ہو سکتا امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان میں کہی جائے تب بھی جائز ہے امام شافعی کے نزدیک اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

مولانا آزاد ـــــــ کس قدر سخت مغالطہ ہے شارع نے اپنی تمام زندگی میں بلا استثناء ایک خاص شکل و صورت اور ارکان سے نماز ادا کی اور مسلمانوں سے کہا کہ اس کا نام نماز ہے اب کسی کو کیا حق

ابن احمد نقوی

فلسطین ــ حقائق اور جذبات

ماہنامہ "التوعیہ" اسلامک ریسرچ اکیڈمی نئی دہلی کا ترجمان ہے۔ تحریک اہلحدیث کی خدمت عقیدہ و منہج سلف صالح کی نشر و اشاعت اور اسلام اور اسکی تعلیمات کا دفاع اس کا بنیادی مقصد ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام اس وقت دور غربت سے گزر رہا ہے اور شرک و بدعت، فتنہ و فساد اور اتباع ہوی و ہوس کے اس دور میں اسلام کی تجدید اور اس کی نشأۃ ثانیہ کی صلاحیت صرف تحریک اہلحدیث میں ہے اس کے علاوہ جو تحریکیں اصلاح و تجدید کے عنوان سے وجود پذیر ہوئی ہیں چونکہ وہ خود جزوی یا کلی طور پر گمراہی کا شکار ہیں اس لئے وہ امت کی اصلاح کے بجائے اس کے افساد اور تجدید کے بجائے ابتداع اور تضلیل کا سبب بن رہی ہیں۔

"التوعیہ" نے اپنی عمر کے پچھلے ساڑھے سات سال کے دوران ہر ممکن کوشش کی ہے کہ وہ اپنے بنیادی مقصد سے انحراف نہ کرے۔

ہم اپنے مولیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اس نے اس پرچہ کی محبت نہ صرف اہلحدیث اعیان و افراد کے دلوں میں پیدا کی ہے بلکہ اس کے منہج و فکر کے مخالفین نے بھی اس کا وزن محسوس کیا ہے۔

"التوعیہ" نہ صرف برصغیر ہند و پاک، بنگلہ دیش اور نیپال میں انتہائی شوق سے پڑھا جاتا ہے بلکہ بلاد خلیج، مشرق و جنوب ایشیا، مصر و افریقہ، برطانیہ، جرمنی اور امریکہ کے مختلف مقامات میں بھی اسے مقبولیت حاصل ہے۔ عربی مدارس و جامعات، عصری یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اساتذہ و طلباء شدت سے اس کا انتظار کرتے ہیں اور ہماری کوتاہی یا ڈاک کی خرابی کے نتیجہ میں جب اس کی اشاعت یا اس کے بروقت پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی ہے تو اس کے شیدائیوں کی شکایتوں کا اسلوب انتہائی شدید ہوتا ہے۔ بحمد اللہ یہ التوعیہ کے اسلوب اور معیار کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

ہمیں اس بات کے اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ ہم "التوعیہ" کے معیار، اسلوب اور کتابت و طباعت نیز کاغذ اور گیٹ اپ کے لئے اب تک اتنی محنت نہیں کر سکے ہیں جتنی مطلوب ہے اور اس کی وجہ وسائل کی کمی، مضمون نگاروں کی قلت، حسب ضرورت اسٹاف نہ ہونا اور سب سے بڑھ کر ہمارے اندر استعداد اور صلاحیت کا نقص ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود جماعت کے باذوق افراد اسے غنیمت قرار دیتے ہیں۔

"التوعیہ" میں اہلحدیث شخصیات پر جو مقالات اور مختلف مقالات پر جو نوٹ شائع ہوتے ہیں انہیں شوق اور دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جماعت علم کی کس قدر پیاسی ہے اور جماعت میں لکھنے پڑھنے والوں کی کتنی کمی ہے کہ وہ ان مختصر اور برجستہ لکھے ہوئے کلمات و تعلیقات کو بھی امرت دھارا سمجھتی ہے۔

"التوعیہ" میں جناب ابن احمد کے لکھے ہوئے اداریوں نے صحافت کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا ہے اس کا اعتراف بڑے بڑے صحافیوں، اصحاب فکر، عظیم شعراء اور بڑے بڑے مشائخ نے کیا ہے۔ ایک مرتبہ اسلامک ریسرچ اکیڈمی اور مرکز کے ایک ذمہ دار شخص نے محدث عصر علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ سے چند سال قبل ان کے دولت کدہ پر ملاقات کی تو شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے انتہائی والہانہ انداز میں "التوعیہ" کے ابن احمد کے لکھے ہوئے اداریوں اور جماعتی حمیت و غیرت پر مشتمل تعلیقات و کلمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ملی، ملکی اور بین الاقوامی حالات سے واقفیت کے لئے میں "التوعیہ" کا اداریہ پڑھ لیا کرتا ہوں اس کے علاوہ کوئی اور چیز اپنی صحت کی کمزوری کی وجہ سے نہیں پڑھ پاتا اور نہ کسی اور چیز کے پڑھنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

انجمن ترقی اردو، ترقی اردو بورڈ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، کشمیر یونیورسٹی، عثمانیہ یونیورسٹی اور جامعہ ہمدرد کے اساتذہ و طلباء ان اداریوں کو برابر خراج تحسین پیش کرتے رہتے ہیں۔

یہ تو ہوا ایک پہلو لیکن معاملہ کا دوسرا پہلو بھی خاصا دلچسپ ہے۔ کئی جماعتی اور غیر جماعتی پرچے اور جریدے اور کچھ جوشیلے لوگ جو ابھی فکری اور عقلی طور پر سن بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں اسی طرح جماعت میں دراندازہونے والے نسلی غرور کے شکار احساس کمتری کے مارے ہوئے حق کی حمیت اور غیرت کے علاوہ ہر تعصب اور حمیت سے پاک جماعت اہلحدیث میں عنصریت اور نسلی تفریق کا بیج بو کر اپنی دوکان چمکانے والے چند شاذ قسم کے بے تکے، بے سمجھ جوان اور کچھ ایسے بزرگ جو خود پسندی کے ضرورت سے زیادہ شکار ہیں اور اپنے کمزور مزاج کی وجہ سے نہ وہ اپنے آقاؤں میں مقبولیت حاصل کرپاتے ہیں اور نہ ان کی بد مزاجی اور ان کا استبداد انہیں اپنے رفقاء کار اور ماتحتوں میں مقبول ہونے دیتا ہے۔

انگلیوں پر گنے جانے والے ایسے چند افراد ہیں جو "التوعیہ" کو بالعموم اور اس کے اداریوں اور اس کی تعلیقات کو بالخصوص نجی مجلسوں میں اور کبھی کبھار اپنی بچکانہ اور ناعاقبت اندیشانہ تحریروں میں نشانہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ حاسد تو ایسے بھی ہیں جو حسد کی آگ میں جل جل کر غیر جماعتی شخصیات اور اداروں کو فائدہ پہنچانے اور تحریک و جماعت کو کھلم کھلا نقصان پہنچانے میں بھی دریغ نہیں محسوس کرتے۔

"التوعیہ" اور اس کے مشمولات کو ہم تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے، نہ اس کے اسلوب و انداز کو ہم بہت زیادہ معیاری ہی سمجھتے ہیں۔ ہمیں اپنی نو آموزی اپنی کوششوں میں کوتاہی اور اپنی ناتجربہ کاریوں کا مکمل اعتراف ہے، لیکن یہ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ اس کے بے لوث پختہ کار، بابصیرت نرم و گرم چشیدہ اداریہ نگار کی ذات کو سالہا سال سے کچھ بالشتیے نشانہ بنانے کی کوشش کررہے ہیں۔

ابن احمد کا درج ذیل مضمون جماعت کے ایک جوشیلے جوان کی ایک جذباتی تحریر کا عاقلانہ تجزیہ ہے۔ جس کا پس منظر یہ ہے کہ اکتوبر ۱۹۹۳ء کے التوعیہ میں یاسر عرفات اور اسحاق رابین کے درمیان مصالحتی فارمولہ پر ابن احمد صاحب کے قلم سے جو اداریہ شائع ہوا تھا التوعیہ کے دوسرے مشمولات کی طرح اس سے بھی اختلاف و اتفاق کا حق ہر صاحب فکر کو حاصل تھا اور ہے خود "التوعیہ" کے خدام کو بھی کچھ نکات میں اس کے مشمولات سے اختلاف ہے۔

"التوعیہ" نے تقریظ و تائید سے زیادہ تنقید کو خوش آمدید کہا ہے۔ لیکن اختلاف فکر و نظر کے اظہار کے لئے اسلوب بہرحال گوارا ہونا چاہئے نقوی صاحب نے اپنے اداریوں میں کسی پر ظلم نہیں کیا کہ لا یحب اللہ الجہر بالسوء من القول الا من ظلم کی بنیاد پر ان کے خلاف "جہر بالسوء" کیا جائے۔ ہمیں افسوس ہے کہ تنقید نگار کا اسلوب جذباتی اور غیر علمی ہے اور مضمون اس قابل نہیں کہ "التوعیہ" میں اس کی اشاعت ہوسکے۔ ادارہ نے نقوی صاحب کو وہ مضمون بھی دیا اور مرکز کے فارغ ایک ہونہار طالب علم کا جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے "کلیۃ القرآن الکریم" میں پڑھ رہے ہیں خط بھی۔ نقوی صاحب نے خوردی و بزرگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس مضمون کا تجزیہ کیا ہے جسے ہم ان کے شکریہ کے ساتھ اس شمارہ میں شائع کررہے ہیں۔ رب العالمین ہم سب کو حق کہنے اور حق کے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (ا۔ع۔ن)

اکتوبر ۱۹۹۳ء کے التوعیہ میں فلسطین میں محدود خود مختاری پر پی ایل او اور اسرائیل کے درمیان معاہدہ پر اظہار خیال کیا گیا تھا اور سے وقت کا ایک اہم واقعہ بھی قرار دیا گیا تھا۔ ہندوستان میں جہاں مسلمان تقسیم ملک کے نتائج آج بھی بھگت رہے ہیں یہ معاہدہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہر باشعور شخص کا رد عمل یہی تھا کہ اس معاہدہ سے خوں ریزی بند ہونے میں مدد ملے گی اور دونوں متحارب فریق امن و خوشحالی کی راہ پر قدم بڑھا سکیں گے ہم مسلمانوں کا ہی نہیں ساری دنیا کا یہی تاثر تھا اور اسی تاثر کے تحت یاسر عرفات کو اس تاریخی معاہدہ کے تناظر میں ۱۹۹۳ء کی اہم ترین شخصیت قرار دیا گیا جس نے اپنے تدبر سے تاریخ کے ایک المناک ترین دور کو ختم کرنے کی راہ پیدا کی خود عربوں میں بھی معاہدہ پر اطمینان کا اظہار کیا گیا حالانکہ یاسر عرفات اور رابن نے اوسلو (ناروے) میں خفیہ مذاکرات کے بعد اس معاہدہ کی شرائط طے کی تھیں امریکن یہودیوں کو رابن کی اور شاہ حسین والیٔ اردن اور شام کے حافظ الاسد کو فلسطینیوں کی اس "سرتابی" پر اعتراض تھا کہ انہوں نے ان سے مشورہ کئے بغیر یہ اقدام کیا تاہم ان میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ سعودی عرب کو یاسر عرفات کے خلیجی جنگ کے کردار سے سخت بیزاری ہے اور ابھی تک ان کے تعلقات بحال نہیں ہوئے ہیں تاہم سعودی عرب نے بھی فلسطین اسرائیل معاہدہ کی تائید کی اور فلسطین کی تعمیر نو کے لئے مالی تعاون کا وعدہ بھی کیا۔ اس میں دو رائے نہیں ہے کہ یہ معاہدہ کسی کی فتح نہیں ہے دونوں فریق اپنے اپنے موقف سے پسپا ہوئے ہیں یہودیوں نے عظیم تر اسرائیل کے خواب کو ترک کردیا ہے کل تک وہ جودیہ اور سماریہ (مغربی کنارہ) کو اسرائیل کا لازمی حصہ

(ہی کل پارٹ) قرار دیتے تھے قرآن مجید سے استدلال کرتے تھے کہ یہ علاقے بنی اسرائیل کے ہیں اور یہودیوں کے یہاں سے ہٹنے کا سوال ہی نہیں ہے لیکن آج وہ اس حقیقت کو ماننے پر مجبور ہوئے کہ جذباتی دلیلوں سے حقائق کو جھٹلایا نہیں جا سکتا فلسطینیوں کو ان کا حق دینا ہی ہوگا۔ دوسری طرف یاسر عرفات اور ان کی تنظیمیں اسرائیل کو نیست و نابود کرنے اور فلسطین کو آزاد کرانے کا نعرہ لگاتی تھیں عربوں کے ایک نمائندے یو این او میں تھے احمد الشکیری وہ نیویارک میں اعلان کرتے تھے کہ ہم یہودیوں کو سمندر میں پھینک دیں گے۔ لیکن کئی دہائیوں کی خونی جدوجہد کے بعد آخر کار فلسطینی قیادت کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ نہ یہودیوں کو سمندر میں پھینکا جا سکتا ہے نہ فلسطین (اسرائیلی حصہ) کو آزاد کرایا جا سکتا ہے۔

جذبات کے جنوں خیز طوفان سے دامن بچا کر حقائق کی سنگلاخ وادی میں اترنا آسان نہیں ہوتا جب تک جذبات وجود پر طاری رہتے ہیں آدمی جوش سے ابلتا رہتا ہے۔ کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا لیکن جب حقائق کا سامنا کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو بڑے صبر آزما حالات سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ حقائق صبر و سکون کے ساتھ غیر جذباتی انداز میں اپنے اور حریف کے مفاد نیز مستقبل پر مرتب ہونے والے اثرات پر غور کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ متعدد نازک اور جذباتی پہلوؤں پر نہ چاہتے ہوئے بھی پسپائی قبول کرنا پڑتی ہے۔ دل تڑپ اٹھتا ہے کہ ہم دشمن کے آگے جھک رہے ہیں اپنے موقف سے پیچھے ہٹ رہے ہیں جذبات ملامت کرتے ہیں' جوش پھر ابھارتا ہے کہ حقائق سے منہ موڑ کر پھر خون خرابے کے لئے میدان میں اتر آؤ بہت سے ساتھی جو ان روح فرسا حالات میں سہارا بن سکتے تھے جذبات سے مغلوب ہو کر حقائق بینی سے انکار کر دیتے ہیں اور ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ جس قوم یا گروہ کے لئے یہ سب کیا جا رہا ہے۔ وہ بھی جب اپنے خوابوں کو بکھرتا دیکھتی ہے تو اپنے رہنماؤں کو سپر اندازی اور پسپائی کا طعنہ دیتی ہے۔ ایسا نازک مرحلہ ہوتا ہے کہ اچھے اچھوں کے قدم لرزنے لگتے ہیں لیکن یہی وہ موقعہ ہوتا ہے جب ثبات قدم درکار ہوتا ہے ایک دفعہ جذبات سے پیچھا چھڑانے کے بعد حقائق سے آنکھ ملانے کا جو حوصلہ ملتا ہے اگر اسے مرجھانے دیا جائے تو قوم کبھی جذبات کے بھنور سے نہیں نکل سکتی۔ یاسر عرفات نے اس جذباتی ہیجان پر قابو پانے کی کوشش کی ہے رابن نے بھی خوابوں کو چھوڑ کر حقائق کو دیکھنے کی جرأت کی ہے دونوں فریق ایک راہ سے پسپا ہوئے ہیں اور ایک نئی راہ پر مقدم ہونے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں ان دونوں کی قوموں نے حقائق کو سمجھنے کی کوشش بھی کی ہے مگر کچھ ایسے بھی ہیں جو جذباتی جوش اور خوابوں کے اندھیروں سے نکلنا نہیں چاہتے ان کے کچھ جذبات پرست (دوست) بھی انہیں حقائق کی شاہراہ پر آنے سے روکنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں یہ لوگ لندن واشنگٹن نیویارک میں بھی ہیں عمان قاہرہ دمشق میں بھی اور سب سے زیادہ وہ جذباتی نوجوان جنھوں نے چند کتابیں پڑھ کر یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ "عقل کل" ہیں اور دوسری قوموں کے بارے میں فیصلے کرنا ان قوموں کے رہنماؤں کا کام نہیں بلکہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ یاسر عرفات کو بتائیں کہ یہودیوں کے بارے میں ابن تیمیہ نے کیا لکھا ابن قیم نے کیا کہا ہے اور ابن حزم کا قول کیا ہے اور یاسر عرفات کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ ان کے فرمان واجب الاذعان کی روشنی میں اپنی پالیسی اور لائحۂ عمل طے کریں ورنہ وہ ذہنی طور پر یتیم سمجھے جائیں گے۔

اس تمہید کا پس منظر وہ مضمون ہے جو "جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ" کے ایک فاضل مبتدی طالب علم نے ہمیں بھیجا ہے التوعیہ کے مدیر محترم نے یہ مضمون پڑھا اس کے بعد اس کی نقل لے کر راقم الحروف کے پاس آئے تو ان کے چہرے پر شرمساری کا گہرا رنگ تھا جیسے کوئی شریف باپ اپنے نالائق بیٹے کی کسی نازیبا حرکت پر نادم ہو مضمون پڑھنے کے بعد ہنسی بھی آئی اور افسوس بھی ہوا کہ جب انسان جذبات کو اپنے وجود پر طاری کر لے تو اسے نہ اپنے حواس پر قابو رہتا ہے نہ گفتار پر۔ زیر نظر مضمون میں فاضل معترض نے جو انداز اختیار کیا ہے اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

——— اداریہ نگار کی دراز نفسی کوئی نئی بات نہیں ہے وہ اس کے پرانے عادی ہیں۔

——— مجھے معلوم نہیں کہ آپ کو قرآن و حدیث کا کتنا علم ہے مگر آپ کی تحریر جو بتاتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس سلسلہ میں یتیم ہیں اور اس یتیمی کے باوجود ایک اہلحدیث ماہنامہ کا مستقل اداریہ لکھتے ہیں حیرت انگیز ہے۔

——— آپ یہ پسند فرمائیں گے کہ آپ کے بیٹوں پر ظلم و ستم روا رکھا جائے اور آپ اسے نہایت صبر و برداشت کے ساتھ گوارا کریں تاکہ

مستقبل میں آپ کے پوتوں پڑپوتوں کو اس کا تاوان ادا کر دیا جائے۔
——— ذلیل سوچ کی بھی ایک حد ہوتی ہے آدمی کو اتنی پستی میں نہیں اترنا چاہیے۔
——— آپ نے اپنے اداریہ میں قبلۂ اول "بیت المقدس" کا نام نہیں لیا ہے۔۔۔ پتہ نہیں لاعلمی کی بنا پر یا۔۔۔؟
——— موصوف نے یہودی مزاج کو مسلم مزاج سے بہتر قرار دینے کی ناروا کوشش کی ہے یعنی آپ کی نظر میں یہودی نہایت مہذب قوم ہے اور مسلمان بد تہذیب العیاذ باللہ۔
——— آپ نے لکھا ہے دنیا کے حالات تیزی سے بدل رہے ہیں کل کے مظلوم آج تاوان مانگ رہے ہیں۔۔ میں کہتا ہوں یہ بات بھی مفاہمت کے دور کی طرح سراسر کذب بیانی پر مبنی ہے۔
——— آپ نے یہودیوں کے جرمنی سے تاوان 'مانگنے کی بات کہی ہے ذلیل یہودیوں سے ایسا بعید نہیں مگر مسلمان ایک باعزت قوم ہے۔ وہ تاوان مانگتی نہیں بلکہ تاوان وصول کرتی ہے۔
——— موصوف نے تو یہ لکھا ہے کہ ہر آدمی سکون سے زندگی کی چند سانسیں گزارنا چاہتا ہے وہ بالکل غلط ہے ایسا صرف یہودی اور مشرک چاہتے ہیں۔

فاضل مضمون نگار اپنا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں میں ایک طالب علم ہوں اور درس کے خارج سرگرمیوں کا ایک محدود دائرہ ہے اس کے لئے زیادہ وقت نہیں نکال سکتا۔ (پھر بھی ۲۴ صفحہ کا اعتراضیہ لکھا ہے۔ دراز نفسی کے مقابل دراز دستی)
آخر میں فرماتے ہیں یہ چند گزارشات ہیں جو نہایت اختصار کے ساتھ پیش کردی گئی ہیں میری شدید خواہش کے باوجود کہ یہ گفتگو طویل نہ ہو کافی طویل ہوگئی جب کہ ابھی بعض مباحث تشنہ رہ گئے اور بہت ساری باتوں کو جو قابل مناقشہ ہو سکتی تھیں پس انداز کر دیا گیا۔
میں ایک مبتدی طالب علم ہوں نیز نہایت ہی عجلت میں اس کو ترتیب دیا ہے۔

گل افشانیٔ گفتار کے اس مجموعہ کو پڑھنے کے بعد ہم نے مدیر محترم سے معلوم کیا کہ فاضل معترض کا تعارف کیا ہے؟ کتنی عمر ہے؟ تو معلوم ہوا کہ ۲۳، ۲۴ سال کے "نونہال" ہیں۔ طبیعت کو سکون ہوا کہ کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے جس کے عقل و شعور کا ماتم کیا جائے۔ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے جب ہوش سے زیادہ جوش اور عقل سے زیادہ جذبات کی حکمرانی ہوتی ہے۔ آدمی چند کتابیں پڑھ کر اپنے آپ کو "پیکر دانش" گردانتا ہے یعنی ساری دنیا کو "یتیم" اور اپنے آپ کو "دریتیم" سمجھتا ہے کیونکہ صرف کرم کتابی ہوتا ہے عقل و فہم، تجربہ، ہوشمندی، شعور کی پختگی عقل و ذہن کی بلوغت اس میں نہیں ہوتی اس لئے ہر بات کو جذبات کی ترازو میں تولتا ہے اور اپنے ناقص زاویہ کی عینک سے دیکھتا ہے وہ منزل جب انسان علم اور عقل میں توازن پیدا کرنے کا اہل ہو جاتا ہے اور اپنے جذبات کو حقائق کے تابع کر سکنے کی صلاحیت حاصل کرتا ہے زمانے کی حوصلہ شکن ٹھوکریں کھا کر اور ہزاروں تلخ تجربوں سے گزر کر ہی حاصل ہوتی ہے۔

فاضل مضمون نگار ہندوستانی مسلمانوں کی اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جس نے ہمیشہ جذبات کی رو میں زندگی گزاری جب ترکی میں انقلابی ترکوں کا دور آیا تو ان مسلمانوں نے ہندوستان میں "تحفظ خلافت" کی تحریک کا پرچم بلند کیا پورا ملک اس طوفان میں غوطے کھانے لگا معلوم ہوتا تھا کہ خلافت عثمانیہ کی بقا و فنا کا فیصلہ صرف مسلمانان ہند کے نعروں کی روشنی میں ہی ہوگا لاکھوں روپیہ چندہ کر کے ترکی بھیجا گیا لیکن جب اتاترک نے خلافت ختم کردی تو سارے مسلمان ہکا بکا حیران و ششدر رہ گئے وہ یہاں انگریزوں سے الجھتے رہے اور وہاں ترکوں نے اپنے یہاں جو کرنا تھا وہ کر لیا کسی نے ہندوستانی مسلمانوں سے نہیں پوچھا کہ تم جو برسوں سے ہمارے لیے تڑپ رہے تھے بولو تم کیا چاہتے ہو آج ترکی میں کوئی جانتا بھی نہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں نے جنگ عظیم اول کے دور میں ترکوں اور ان کی خلافت کے لئے کیسی کیسی قربانیاں دی ہیں۔

پھر جب نجد و حجاز میں آل سعود کا اقتدار قائم ہوا تو بھی ہندوستانی مسلمان "تحفظ دین" کا علم لے کر کھڑے ہو گئے آل سعود نے شرک و بدعات کا خاتمہ کرنے کے لئے بہت سے مزارات اور قبے گرادئے تھے۔ شاید ہمارے بعض سجادہ نشین حضرات یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ شاہ عبدالعزیز فتح کا جشن منائیں گے تو "عرس شریف" کا اہتمام کریں گے "قل شریف" میں شرکت کے لئے ہمیں بلائیں گے اور ہم "چادر شریف" کا جلوس لے کر وہاں حاضری دیں گے جب یہ سب کچھ نہ ہوا تو مطالبہ ہونے لگا کہ آل سعود مقامات مقدسہ کا انتظام مسلمانوں کے حوالے کردیں۔ مرحوم شاہ عبدالعزیز بہت سادہ دل اور

حلیم الطبع انسان تھے دین کا سچا درد رکھتے تھے اس لئے ہندوستانی مسلمانوں کے مضحکہ خیز مطالبوں اور ان کی بچکانی دلیلوں کو بھی خندہ روئی سے سن لیا کرتے تھے کوئی دوسرا ہوتا تو سوال کر سکتا تھا کہ ملک ہم نے فتح کیا ہے اس کے لئے قربانیاں ہم نے دی ہیں یہاں کے باشندے ہم ہیں اور یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام ہے کہ یہاں کا نظم و انصرام کیا ہو اور کیسا ہو؟ تم جو خود صلیبی استعمار کے غلام ہو ہمیں نظم حکومت کا سبق پڑھانے آئے ہو؟ اور اپنی تیموری شریعت ارض مقدس میں نافذ کرنا چاہتے ہو؟ اس دور میں ہندوستان کے صحیح العقیدہ مسلمانوں (سلفیوں) نے ان جذبات پرستوں کا مقابلہ کیا اور آل سعود کی بھرپور تائید و حمایت کی جس کا اعتراف ملک عبدالعزیز مرحوم برملا کرتے تھے۔

دوسروں کے معاملات میں بے وجہ دخل دینے کی یہی ذہنیت آج بھی ہم مسلمانوں کے جذباتی طبقہ میں موجود ہے دوسرا کوئی ہمیں گھاس ڈالے یا نہ ڈالے ہم ضرور اپنے آپ کو پانچواں سوار سمجھ کر اس میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں ایران عراق جنگ میں ہمارے یہاں اچھا خاصا شیعہ سنی محاذ بن گیا تھا۔ صدام حسین کی کویت پر فوج کشی کے بعد معلوم ہوتا تھا کہ اصل مقابلہ یہیں ہو رہا ہے پھر جب صدام حسین نے اپنی جارحیت پر پردہ ڈالنے کے لئے اسرائیل پر چند اسکڈ میزائیل داغ دئے تو وہ ہندوستانی مسلمانوں کیلئے صلاح الدین ایوبی کا "اوتار" بن گئے روزناموں اور ہفت روزہ بریدوں میں صرف انہیں کا نام ہوتا تھا ہم فدا تھے صدام حسین کی "یہود دشمنی" پر۔ پھر جب امریکی جھنڈے کے تحت کثیر قومی افواج نے صدام کو شکست دی اور کویت کو آزاد کرالیا تو ہماری جذبات فروشیوں کا سارا طوفان سرد پڑ گیا۔ اب یاسر عرفات نے یہودیوں سے مصالحت کے لئے ہاتھ بڑھایا تو ہندوستان سے زیادہ یہاں سے باہر رہنے والے بعض ہندوستانی طالب علموں کے جذبات میں ہیجان پیدا ہو گیا "ذلیل یہودیوں" سے فلسطینی مسلمان کیسے مصالحت کر سکتے ہیں یہودی "مغضوب علیہم" ہیں ان سے دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ یہ معاہدہ "معاہدہ ساز" نہیں "ذلیل ترین" ہے اس قسم کی بے شعوری کی باتیں بہت سے کچے دماغوں میں طوفان مچا رہی ہیں اور چونکہ فرض کر لیا گیا ہے کہ فلسطینی "جہاد" کر رہے ہیں لہٰذا ان کے ہر فعل کا قرآن مجید اور احادیث نبوی اور ائمہ کرام کے ملفوظات کی روشنی میں جائزہ لیا جا رہا ہے حالانکہ بنیادی بات یہ ہے کہ فلسطینیوں نے اسے جہاد نہیں کہا بلکہ اپنے وطن کی بازیابی کی جدوجہد کہا ہے ان کی صفوں میں مسلمان بھی ہیں عیسائی بھی ہیں۔ جارج حباش فلسطینیوں کے ایسے انقلابی لیڈر ہیں جو یہودیوں سے کسی حال میں مصالحت پر آمادہ نہیں ہیں حنان عشراوی جو واشنگٹن میں فلسطینی مصالحتی ٹیم کی ترجمان ہیں وہ بھی مسیحی ہیں خود یاسر عرفات کی اہلیہ سلمہا مسیحی ہیں' سینیٹر کینڈی کو قتل کرنے والا بشر نام کا فلسطینی نوجوان بھی صلیبی تھا۔ یاسر عرفات جب تک اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتے تھے تو وہ اعلان کرتے تھے کہ آزاد فلسطین ایک سیکولر مملکت ہو گا جس میں مسلمان یہودی اور عیسائی مساوی حقوق کے ساتھ رہیں گے۔ انہوں نے کسی ملک سے بھی اسلام کے رشتے سے امداد کی اپیل نہیں کی اور نہ اپنی جدجہد کو کبھی جہاد سے تعبیر کیا وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی ساری بساط الٹ جائے گی صلیبی مغرب ہی نہیں خود وہ عرب ممالک جو ان کے ہمدرد اور پشت پناہ ہیں ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے مصر' اردن' شام سارے ہی انہیں بنیاد پرست قرار دے کر پیچھے ہٹ جائیں گے۔ آج ساری دنیا یاسر عرفات کو فلسطین کا واحد رہنما اور ترجمان سمجھتی ہے اگر اسے جہاد کہا گیا تو عیسائی فلسطینی تحریک سے الگ ہو جائیں گے تنظیم میں پھوٹ پڑ جائے گی اور خود فلسطینی مسلمان ہی ان کے دشمن ہو جائیں گے کہ انہوں نے "جہاد" کا نام لے کر فلسطینیوں کی قومی تحریک کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ ایک جذباتی مسلمان یہی کہے گا کہ یاسر عرفات کو دنیا کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے حق کی راہ میں کسی کی حمایت یا مخالفت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر وعظ کہا جائے تو یہ دلائل جذبات کو تسکین دیتے ہیں لیکن میدان عمل میں حقائق کو سامنے رکھ کر قدم اٹھانا پڑتا ہے اس وقت یاسر عرفات کی پوزیشن یہ ہے کہ پی ایل او عملاً دیوالیہ ہو چکی ہے تیونس کے ہیڈ کوارٹر میں ٹیلی فون کا بل ادا نہ کرنے پر بہت سے کنکشن کاٹ دئے گئے۔ ملازمین اور مجاہدین کی تنخواہیں کم کر دی گئی ہیں اور بر وقت ادائیگی بھی مشکل ہو رہی ہے خلیج کی جنگ کے بعد مالی بحران کا یہ سنگین ترین دور ہے۔ اگر انہیں جنگ لڑنی ہے تو اسلحہ چاہئے اسلحہ کے لئے سرمایہ چاہئے مجاہدین اور گوریلہ دستوں کے لئے خوراک و رسد چاہئے غزہ اور غرب اردن میں انتفاضہ کو زندہ رکھنے کے لئے بھی سرمایہ' رسد' اسلحہ چاہئے کہاں سے آئے کون دے گا۔ اسلحہ' رسد' خوراک کے بغیر جدوجہد' جہاد' انتفاضہ کتنی دیر جاری رہ سکے گا جذباتی مسلمان تو نعرہ

۔ئے گاکہ ع

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

لیکن جو فلسطینی مسلح اسرائیلی فوجی کے سامنے کھڑا ہے اسے یہ نعرہ سہارا نہیں دے گا اسے لڑنے کے لئے جذباتی نعرہ کے ساتھ اسلحہ بھی ہیئے ورنہ وہ میدان میں ٹھہر نہیں سکے گا۔ یا سر عرفات کے سامنے یہی سنگین صورتحال اور سنگلاخ حقائق تھے جس نے انہیں اپنا موقف بدلنے ر مجبور کردیا فلسطینیوں نے جس طرح اس معاہدہ کا خیر مقدم کیا ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اکثر فلسطینی اپنے قائد کی طرح ہی حقائق سے سمجھوتہ کرنے کے خواہشمند ہیں جب یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ نہ یہودی فلسطینیوں کو کچل سکتے ہیں اور نہ فلسطینی یہودیوں کو بھگا سکتے ہیں تو اس کے علاوہ چارۂ کار کیا ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کا وجود تسلیم کرلیں اور ساتھ رہنا سیکھیں یہودی اپنی ارض موعود کی بازیابی کا نعرہ گاتے رہیں اور فلسطینی آزاد فلسطین کی بات پر اڑے رہیں تو انجام کیا ہوگا کوئی جیت نہیں سکے گا لوگ مرتے رہیں گے خون بہتا رہے گا اور مسئلہ جوں کا توں رہے گا۔ ایسے حالات میں عقل و شعور سے کام لے کر حالات سے سمجھوتہ کرلینا ہی دانشمندی ہوتی ہے۔

یہ کہنا کہ یہودی ذلیل ہیں مغضوب ہیں لہٰذا مسلمانوں کو ان سے مصالحت اور قربت کا خیال بھی نہیں کرنا چاہئے بچکانہ جذباتیت ہے مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے یہودیوں کو کبھی اچھوت نہیں سمجھا۔ خلفاء عباسیہ کے دربار میں یہودی طبیب اور حکماء اعزاز اور مرتبہ پاتے تھے اندلس کی یونیورسیٹوں میں یہودی اور مسیحی طلباء مسلم اساتذہ اور علماء سے علم حاصل کرتے تھے۔ عہد وسطیٰ میں جب یورپ میں یہودیوں پر ستم رانیاں ہوتی تھیں انہیں نفرت و حقارت کا نشانہ بنایا جاتا تھا اس وقت بھی یہودی اسلامی حکومتوں میں عزت اور امن و سکون سے رہتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ جب پہلے مسلمان یہودیوں کے ساتھ یکجہتی کے ساتھ رہ سکتے تھے تو آج بھی حالات کی مجبوری یا حقائق سے نباہ کرنے کے لئے ایسا کیوں نہیں کرسکتے۔ جو لوگ فلسطینیوں کو لڑتے مرتے رہنے کا مشورہ دیتے ہیں کیا ان میں اتنا حوصلہ ہے کہ خود پتھر لے کر اسرائیلی فوجیوں کا مقابلہ کریں اپنے سینے پر گولی کھائیں اور جان دے کر بتائیں کہ "جہاد" اس طرح کیا جاتا ہے۔ ورنہ اپنے ایر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھ کر اور تر لقمے حلق سے اتارتے ہوئے بھوکے اور نہتے فلسطینیوں کو "ذلیل یہودیوں" کی گولیوں سے مرتے رہنے کا مشورہ دینا سفاک جذباتیت کے سوا اور کچھ نہیں ہے یہ کہنا کہ انسان اپنی زندگی کی چند سانسیں سکون سے گزارنا چاہتا ہے یہودیوں کا نظریہ ہے انسانی فطرت سے مکمل ناواقفیت اور مضحکہ خیز طرز استدلال ہے فاضل معترض نے ابھی صرف کتابیں ہی پڑھی ہیں شاید کسی کرفیو زدہ ماحول 'فساد' بدامنی، قتل و غارت گری کے ہنگامہ میں پھنسنے کا شرف حاصل نہیں ہوا ہے ورنہ انہیں پتہ چلتا کہ زندہ رہنے کی خواہش کتنی تیز ہوتی ہے اور انسان اپنی جان بچانے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا۔ یہودی ہو یا مسلمان ہندو ہو یا عیسائی جسے بھی اللہ نے زندگی عطا فرمائی ہے اسے امن و سکون سے زندہ رہنے کا حق حاصل ہے حق کے لئے مرنا بھی مستحسن ہے لیکن حق کے لئے جینا اور جدوجہد کرتے رہنا بھی اتنا ہی ضروری اور مستحسن ہے مرجانا تو بہت آسان ہے لیکن زندہ رہ کر آلام و مصائب جھیل کر حق بات کہنا اپنے حق کے لئے لڑتے رہنا بڑا صبر آزما اور حوصلہ شکن ہوتا ہے وقت فلسطینیوں سے اپنے حق کے لئے زندہ رہنے اور مسلسل جدوجہد کرنے کا متقاضی ہے۔ خون وہ بہت بہا چکے لاشیں بھی بہت دفن کرچکے اب حقائق سے سمجھوتہ کرنے اور اپنی نئی اور آئندہ نسلوں کے لئے امن اور خوشحالی کے لئے لڑنے کی ضرورت ہے یہودی اور مسلمان مزاج کا فرق اس مسئلہ میں ہی نہیں ہر جگہ واضح ہوتا ہے فلسطین کی تقسیم سے اب تک اسرائیل میں کوئی سیاسی قتل نہیں ہوا جب کہ عرب اس عرصہ میں خود اپنی صف کے سیکڑوں افراد کو قتل کرچکے ہیں اور ایسے ایسے قتل کئے کہ عالم اسلام تڑپ اٹھا۔ شاہ فیصل کو قتل کرنے والے یہودی یا صلیبی نہیں تھے۔ انہیں کس نے قتل کیا؟ کیوں کیا؟ شاہ فیصل اس صدی میں عالم اسلام کی تمناؤں کا نشان بن گئے تھے وہ اسلام کی سطوت اور مسلمانوں کی عظمت کے امین تھے اللہ تعالیٰ نے اس ایک ذات میں دین و دنیا کی جو خوبیاں جمع کردی تھیں مدتوں ایسا عظیم المرتبت انسان عالم اسلام کو نہ مل سکے گا لیکن وہ صیہونی صلیبی اشارے پر اپنوں ہی کے ہاتھوں قتل کردئے گئے۔ جذباتی مسلمان پھر کہے گا کہ انہیں یہودیوں نے مروادیا اس لئے یہودیوں سے مصالحت ناجائز ہے سوال یہ ہے کہ یہودیوں کو آلۂ کار کہاں سے ملے مسلمانوں عربوں اور فلسطینیوں کی صف میں ایسے ضمیر فروش کیوں پیدا ہوتے ہیں کوئی عرب آج تک کسی یہودی کو آلۂ کار نہیں بنا سکا کہ وہ مناخم بیگن یا اسحاق شامیر کو قتل کردے لیکن

یہودیوں صلیبیوں کو خود شاہی محل میں ایسا شخص ہاتھ آگیا جو شاہ فیصل جیسی عہد ساز شخصیت کا قاتل بن گیا۔ پی ایل او اسرائیل معاہدہ کے بعد فلسطینیوں نے یاسر عرفات کے کئی سینئر ساتھیوں کو قتل کردیا یہ سب باصلاحیت افراد تھے زندہ رہتے تو فلسطینی ان کے تدبر اور صلاحیت سے فائدہ اٹھا سکتے تھے انہیں مار کر جذباتی جنونیوں نے اپنی آتش انتقام تو ٹھنڈی کرلی لیکن اپنی ملت کو کتنا نقصان پہنچایا اسے انہیں کون بتائے۔ یہودیوں نے معاہدہ سے پہلے یا معاہدہ کے بعد اپنے کسی معمولی فرد کو بھی قتل نہیں کیا حالانکہ لیکود پارٹی کے جنونی فلسطینی انقلابیوں سے زیادہ سفاک ہیں لیکن وہ اپنے اور پرائے کو پہچانتے ہیں وہ یاسر عرفات کو قتل کرسکتے ہیں لیکن رابن پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے فلسطینی مزاج یہ ہے کہ وہ یاسر عرفات کو قتل کردیں گے لیکن رابن تک پہنچنے کا حوصلہ نہیں کریں گے یہ قومی مزاج کا فرق نہیں تو اور کیا ہے۔ مسلمانوں کا مزاج افغانستان میں دیکھ لیجئے کل تک وہ روس سے لڑ رہے تھے اسلامی جہاد تھا دنیا کے سارے مسلمان ان کے ساتھ تھے کئی مسلم ممالک سے مجاہدین ان کے ساتھ شریک جنگ تھے روسی پسپا ہوگئے لیکن افغانستان میں خوں ریزی بند نہیں ہوئی کل وہ آزادی کے لئے خون بہا رہے تھے آج کرسی کے لئے لڑ رہے ہیں اور مارے جارہے ہیں غریب افغانی۔ اگر اس جہاد کا مقصود یہی تھا تو ایک عام افغانی کے لئے نجیب اللہ کی حکومت میں کیا برائی تھی آج کے مقابلہ میں نسبتاً زیادہ سکون اسے حاصل تھا پھر ان افغانی مجاہدین نے عظیم سلفی افغانی رہنما شیخ جمیل الرحمان کو قتل کردیا اس سلفی امیر کا قتل بھی کسی اشتراکی یہودی یا صلیبی نے نہیں کیا "مسلمان افغانیوں" نے کیا اس سلفی رہنما کا جرم یہی تو تھا کہ افغانیوں کی "معمولی شریعت" کا منکر تھا اور کتاب وسنت کی بات کرتا تھا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو افغانستان میں اسلام کو عظمت حاصل ہوتی شرک اور بدعات کی تاریکیاں مٹانے میں مدد ملتی "یہ مسلمانوں" کا کردار ہے وہ "ذلیل یہود یوں" کا ایک کے ہاتھ اپنے ہی خون سے تربہ تر ہیں دوسرا صرف اپنے دشمنوں پر وار کرتا ہے۔

اگر پی ایل او اور اسرائیل کا معاہدہ عہد آفریں نہیں بلکہ ذلیل ترین ہے تو پھر خادم حرمین شریفین نے اس کی تائید کیوں کی اور مستقبل میں فلسطین کی اقتصادی بحالی کے لئے مالی تعاون کا وعدہ کیوں کیا۔

کسی قوم یا جماعت کے بارے میں کوئی ابدی رائے قائم نہیں کی جاسکتی یہ دنیا عالم اسباب ہے قومیں ہمیشہ عروج وزوال سے گزرتی رہی ہیں ایک زمانہ میں مسلمان سطح ارض کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھے علوم وحکمت پر ان کی دسترس تھی یہودی اور صلیبی ان کے دست نگر تھے پھر حالات نے پلٹا کھایا عروج صلیبی اقوام کا ہم قدم ہوا اور زوال کی گھاٹیاں مسلمانوں کا نصیب بنیں۔ مغرب کی علمی اور صنعتی ترقی کے ساتھ یہودیوں نے بھی عروج حاصل کیا دولت ان کے پاس تھی علم وحکمت میں انہوں نے اپنی محنت سے کمال حاصل کیا آج سائنس اور ٹکنالوجی میں وہ بہت آگے ہیں۔ اسرائیل کے صحرائے نجیف کو انہوں نے گلزار بنادیا۔ ٹرنک پائپوں کے ذریعہ سمندر کا پانی اس صحرا تک پہنچایا اور آب پاشی سے ریگستان کو لہلہاتے ہوئے باغوں میں بدل دیا۔ ہندوستان یہودیوں کی اس مہارت کا فائدہ اٹھا کر راجستھان کے ریگستان کی صورت بدلنا چاہتا ہے اس کے لئے اسرائیلی ماہرین کو دعوت دی جارہی ہے کیا یہی مہارت غزہ اور غرب اردن میں کام نہیں آسکتی، سعودی عرب کے صحراؤں کو نخلستانوں اور سرسبز وشاداب کھیتوں اور باغوں میں تبدیل کرنے کیلئے یہودیوں کی اس مہارت سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔ محض یہ کہنا کہ یہودی ذلیل ہیں ان سے کوئی ربط نہیں ہوسکتا تاریخی بے بصیرتی ہے کل مسلمان عروج پر تھے تو یہودی اور عیسائی ان سے استفادہ کرتے تھے آج یہودی اور مسیحی عروج واقبال کی راہ پر ہیں تو مسلمانوں کو ان سے علم وحکمت سیکھنے میں شرم کیوں ہو علم وحکمت امن وخوشحالی آزادی اور اخوت بنی آدم کا مشترکہ ورثہ ہے نہ تقسیم کیا جاسکتا ہے نہ دوسروں کو اس سے محروم کیا جاسکتا ہے جب ارشاد ہوا تھا کہ "اطلبوا العلم ولو بالصين"[1] تو چین میں مسلمان نہیں تھے جن سے علم حاصل کرنے مومنین کی جماعت وہاں جاتی۔ اگر عرب مسلمان طلبا آکسفورڈ، کیمبرج، نیویارک اور دیگر مغربی یونیورسٹیوں میں عیسائی اور یہودی پروفیسروں سے علم حاصل کرسکتے ہیں تو فلسطینی اور عرب طلباء عبرانی یونیورسٹی میں تعلیم کیوں نہیں حاصل کرسکتے۔ اللہ نے ہر قوم کو ترقی کرنے کا موقع دیا ہے بشرطیکہ وہ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ کے

---

(۱) روایت باطل ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: "سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة للألباني" رقم الحديث ٤١٦، ١/ ٤١٣

دو۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ میں
دی المسلمون "نہیں کہا گیا ہے۔ صالحون سے مراد تقویٰ بھی ہے
صلاحیت (میرٹ) بھی۔ اللہ کے جو بندے میرٹ کی شرط پوری
ں گے وہی اس زمین پر عروج حاصل کریں گے جب مسلمان یہ شرط
ی کرتے تھے تو یہ یہودیوں عیسائیوں کے معلم اور حاکم تھے جب وہ اس
یت سے محروم ہو گئے تو اس منصب سے بھی معزول ہو گئے۔ اللہ
نے اس زمین پر ہر قوم کو اس کے حوصلہ کے مطابق عروج دیا ہے
ن آج بھی حوصلہ پیدا کریں تو عروج حاصل کر سکتے ہیں ذلیل یہودی
ن مانگتے ہیں مسلمان باعزت قوم ہے وہ تاوان مانگتی نہیں وصول کرتی
۔ یہ گھن گرج الفاظ کی حد تک ساتھ دے سکتی ہے عمل کی حد تک
۔ مسلمانوں میں کیا حوصلہ ہے ان کے سامنے بوسنیا میں ملت کا قتل
ورہا ہے آج اسے کتنے سال ہو گئے ایک ارب مسلمانوں کی امت
ے قریب آزاد ممالک پر حکمراں قوم ان کے لئے آج تک کیا کر سکی
عزت ہونے کی دلیل یہی ہے کہ امریکہ اور سیکورٹی کونسل کے
وں کے آگے گڑگڑاتے رہیں کہ بوسنیا میں کچھ کرو! یہ باعزت
ان بوسنیا کا تاوان کب وصول کریں گے؟

اگر ہمارا ایمان اللہ تعالیٰ پر ہے تو اس کی مصلحتوں پر بھی
ہونا چاہئے کس واقعہ میں کیا مصلحت پنہاں ہے اور حالات کے
و نتی رخ سے آئندہ کیا ظہور پذیر ہو گا اسے اللہ ہی جانتا ہے عسیٰ ان
واشیئا وہو شر لکم کا یہی مطلب ہے پھر کون کتنا صحیح ہے کتنا حق پر
س کا فیصلہ بھی اللہ کی مشیت و مصلحت ہی کر سکتی ہے ہم اپنا موقف
سمجھتے ہیں لیکن اللہ کی مشیت میں کچھ اور ہی ہو! ایسے پر علامہ
کی بہن کریم بی کی کسی سے مقدمہ بازی ہو رہی تھی انہوں نے اپنے
کو خط لکھا تو مقدمہ کا احوال بھی بیان کیا اور آخر میں لکھا کہ "اللہ
ے ساتھ انصاف کرے" علامہ نے اپنی بہن کو جواب میں لکھا
اللہ سے انصاف مت مانگو ہم اللہ کے انصاف کے متحمل نہیں
تہ یہ کہو کہ اللہ ہم پر رحم کرے" سوچئے تو اقبال کے اس جملے میں
وبصیرت اور موعظت کے ہزاروں پہلو ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ
مدد اور انصاف ہمارے مفاد اور مصلحتوں کا پابند ہے اور اللہ
ے علاوہ کسی دوسرے پر رحمت و عنایت کی نظر کر ہی نہیں سکتا کیوں
ی مغضوب ہے کوئی ضال "مومن اور مسلم ہیں تو صرف ہم" لیکن

خود ہم کیا ہیں ہمارا اسلام کیا ہے بقول حافظ

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد
وائے گر درپس امروز بود فردائے

فلسطینیوں اور یہودیوں کا تنازعہ کوئی نیا تنازعہ نہیں ہے۔ دنیا میں صدیوں
سے ایسا ہوتا آیا ہے ہندوستان میں آریہ باہر سے آئے اور یہاں کے
اصل باشندوں دراوڑ گونڈ بھیل وغیرہ کو مغلوب کر لیا عرب جزیرہ نمائے
عرب سے چلے اور مصر مراکش تیونس لیبیا وغیرہ میں پھیل گئے وہاں کے
اصل باشندے آہستہ آہستہ ان میں ضم ہو گئے یہ ماضی کی تاریخ ہے اس
لئے ہم نے اسے قبول کر لیا فلسطین کا حادثہ ہماری آنکھوں کے سامنے
ہے اس لئے ہم مشتعل اور مضطرب ہیں فلسطین اور اسرائیل تنازعہ
جیسا ہی تنازعہ پاکستان میں سندھ کے علاقے میں جاری ہے۔ یوپی اور
ہندوستان کے دیگر علاقوں سے مہاجرین پاکستان پہنچے اور انہوں نے
سندھ کے دو بڑے شہروں کراچی اور حیدر آباد میں عددی غلبہ حاصل کر لیا
اس سے وہاں کے اصل باشندوں یعنی سندھی مسلمانوں کے اقتصادی
اور ثقافتی حقوق پامال ہو رہے ہیں سندھی مسلمان برملا کہتے ہیں کہ
آزادی سے قبل ہم ہندو وڈیروں کے محکوم تھے اور پاکستان بننے کے بعد
پنجابی اور مہاجر مسلمان زمینداروں اور جاگیرداروں کی غلامی کرتے ہیں
ہمیں پاکستان بننے سے کیا ملا یہ جذبہ اور تنازعہ اتنا بڑھا کہ سندھیوں نے
جئے سندھ (آزاد سندھ) کی تحریک شروع کر دی ان کا مطالبہ ہے کہ
مہاجروں کو سندھ سے نکال دیا جائے اور سندھ کے اصل باشندوں کو ان
کے جائز حقوق دئے جائیں۔ ادھر مہاجروں کا کہنا ہے کہ پاکستان ہماری
ارض موعود ہے مسلم لیگ نے اس کا وعدہ کیا تھا ہم نے پاکستان کے لئے
قربانیاں دی ہیں ہم اب یہاں سے کہاں جا سکتے ہیں ہندوستان بھی اب
ہمیں واپس نہیں لے گا ہمیں تو یہیں جینا اور مرنا ہے ہماری دو نسلیں
یہاں پروان چڑھ چکی ہیں ان کے لئے پاکستان ہی اصل وطن ہے "سندھی
مسلمان اس دلیل کو نہیں مانتے اور مصر ہیں کہ مہاجرین سندھ سے نکل
جائیں ان کا موقع لگتا ہے تو گھات لگا کر پانچ دس مہاجروں کو مار ڈالتے ہیں
مہاجر انتقام کے لئے اٹھتے ہیں تو دس بیس سندھیوں کو ٹھنڈا کر دیتے ہیں
برسوں سے یہ کشمکش جاری ہے۔ کسی مسلمان سے پوچھئے تو وہ فوراً کہے گا
کہ دونوں کو مدینہ کے انصار اور مہاجر کی طرح رہنا چاہئے ظاہر ہے
حالات اور حقائق کا تقاضہ یہی ہے کہ آپس میں سمجھوتہ کر کے زندگی

چند سانسیں امن و سکون سے گزاریں اب اگر امن و سکون سے زندگی گزارنا یہودی نظریہ ہے تو سندھ کے مسلم اور مہاجر لڑتے رہیں جب تک اللہ کی مدد نہ آجائے؟ سندھ اور فلسطین کے مسائل کو دو الگ عینکوں سے بھی دیکھا جاسکتا ہے اور ان دونوں کو ایک انسانی مسئلہ سمجھ کر باہمی دوستی کی بنیاد پر حل بھی کیا جاسکتا ہے ایک سے امن حاصل ہوگا دوسرا کبھی ختم نہ ہونے والا تنازعہ بن جائے گا پہلے ہمارا خیال تھا کہ معترض کے مضمون کو "جذباتی ہیجان" سمجھ کر نظرانداز کردیا جائے لیکن اپنائے مرکز میں سے جناب شوکت علی کا مراسلہ موصول ہوا کہ اس اداریہ سے انہیں بھی کچھ غلط فہمیاں ہیں خاص طور پر یہودیوں کے ساتھ مل کر تثلیث کا مقابلہ کرنے والی بات: اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ یہودی عیسائیوں کے مقابل توحید سے قریب ہیں کلیساؤں میں مسیح و مریم کے بت ہوتے ہیں لیکن صومعات میں بت نہیں ہوتے مسیحیت تثلیث میں غرق ہوکر توحید کے تصور سے بالکل ناآشنا ہوچکی ہے جبکہ یہودیوں میں اس کا عکس موجود ہے بالکل اسی طرح جیسے سناتن دھرمی ہندو مورتی پوجا کرتے ہیں لیکن آریہ سماجی مورتی پوجا نہیں کرتے نہ اوتارواد کو مانتے ہیں اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ وہ توحید سے کسی حد تک قریب ہیں پھر اگر یہودیوں کو اس بارے میں آواز دینا غلط ہے تو قل یا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا کا کیا مطلب ہے اور یہودیوں کو دعوت دینا قرآن کی اس آیت کی تعبیر کے سوا اور کیا ہے۔ اور اگر يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى اولياء کا حکم پیش نظر ہے تو آج عالم اسلام میں کون سا ملک ہے جو صلیبی مغرب سے دوستی کا متمنی نہیں ہے۔ خلیجی جنگ مکمل طور پر نصاریٰ کے تعاون سے لڑی گئی اور عرب امارات کے امیر نے اسے اسلام کی خدمت کہا اس ساری گزارش کا ماحصل یہی ہے کہ آج دنیا کا ماحول اس طرح بدل چکا ہے کہ تاریخی نفرتوں ماضی کے تنازعات اور جذباتی کراہیت کے بل پر کوئی مسئلہ حل نہیں کیا جاسکتا۔ مغرب میں بھی مسلمانوں کے خلاف حروب صلیبیہ کے دور والے تعصب کو ختم کرنے اور اسلام کو اس کی اپنی تعلیمات کی روشنی میں اور مسلمانوں کو ان تاریخی حقائق کے تناظر میں دیکھنے اور سمجھنے پر زور دیا جارہا ہے۔ مسلمان بھی کوشش کررہے ہیں کہ صلیبی مغرب اور اسلام کے درمیان غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو ختم کیا جائے ولی عہد برطانیہ شہزادہ چارلس کی اسلام اور مغرب کے عنوان پر تاریخی تقریر اور سعودی عرب کے وزیر برائے اوقاف و امور مذہبی ڈاکٹر عبداللہ ترکی کی جانب سے اس سلسلے میں ۲۳ نکاتی پروگرام کی منظوری اسی کی طرف ایک قدم ہے۔ یہودیوں یا عیسائیوں کے بارے میں صدیوں پہلے لکھے گئے ابن تیمیہ، ابن قیم یا کسی اور امام کے خیالات و ملفوظات کتابی علم تک تو ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں لیکن آج کے مسائل کو سلجھانے کے لئے ہمیں یہودیوں اور عیسائیوں کے آج کے رویے اور آج کے حالات و حقائق کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ آج مخالف کو باغی کہہ کر قتل نہیں کیا جاتا بلکہ حزب مخالف کو حزب اقتدار جیسی ہی اہمیت حاصل ہے اب مخالف کو اپنی بات کہنے اور دوسروں تک پہنچانے کے جمہوری حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ فلسطین میں ہوگا وہی جو دونوں فریق یعنی فلسطینی اور یہودی چاہیں گے اور صلیبی مغرب کی تائید حاصل ہوگی ہمارے کسی جذباتی رد عمل کا کسی پر کوئی اثر ہونے والا نہیں ہے۔

آخر میں عبدالہادی علیم صاحب سے التماس ہے کہ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے وہ ایک مبتدی طالب علم ہیں لہٰذا انہیں اپنی توجہ تحصیل علم پر مرکوز کرنی چاہئے جب اس سے فارغ ہوجائیں گے تو علم اور عمر کے ساتھ ذہن میں پختگی آئے گی حالات کو سمجھنے کا شعور اور بات کرنے کا سلیقہ بھی پیدا ہوگا۔

بقیہ: حقوق والدین

پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ واپس آیا۔ اور میں خوشی سے رو رہا تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ خوش ہوجائیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ اور ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے دی۔ اس پر آپ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے آپ دعا فرمادیجئے کہ مجھ کو اور میری ماں کو اپنے مومن بندوں کے لئے محبوب بنادے اور انہیں ہمارے نزدیک محبوب بنادے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللهم حبب عبيدك هذا (يعنى اباهريرة) وامه الى عبادك المؤمنين" اے اللہ! اپنے اس بندہ (ابوہریرہ) کو اور اس کی ماں کو اپنے مومن بندوں کے نزدیک محبوب بنادے۔ اور مومنوں کو ان کے نزدیک محبوب بنادے۔ اس دعا کا نتیجہ یہ اثر ہوا کہ جو مومن بھی مجھ کو سن لیتا ہے اور دیکھتا نہیں ہے وہ ضرور مجھ سے محبت کرتا ہے(۱) (جاری)

(۱) صحیح مسلم کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب فی فضل ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ ص ۱۳۳۹

ابن احمد نقوی

سفر گزشت

سیر و سفر اور سیاحت کا ذوق بھی ایک خدا داد بات ہے یہ سعادت بزور بازو حاصل نہیں ہوتی ہر کوئی ابن بطوطہ فاهیان یا هیون سانگ نہیں بن سکتا اس جفا کشی اور جہاں گردی کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں۔ اپنا تو یہ حال ہے کہ بقول غالب ع

ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

اور اگر تھوڑی بہت ہو بھی تو وہ رحمانی صاحب جیسی ہنگامہ پرور اور طوفان آشنا شخصیت کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ عمر عزیز کا بیشتر حصہ ہم نے سرکاری کرسی پر بیٹھ کر فائلیں پڑھتے ہوئے گزارا ہے اور قدم سے زیادہ قلم سے کام لیا ہے۔ برسوں یہی حال رہا کہ گھر سے نکلے چند قدم چل کر بس میں بیٹھے اور دفتر پہنچ گئے دن بھر فائلیں پڑھیں ان پر نوٹ لکھے اور پھر شام کو بس پر لد کر گھر واپس پہنچ گئے اگر کبھی فیلڈ میں جانا بھی پڑا تو سرکاری جیپ یا انسپکٹر صاحب کا سکوٹر تیار۔ غرض زندگی بھر قدموں کو غیر ضروری حرکت سے آشنا ہی نہیں کیا۔ پھر بس میں سفر کے دوران کھڑکی کے پاس بیٹھ کر بھی ذوق تماش بینی سے محرومی ہی رہی۔ اکثر تو بس میں سیٹ ملتی ہی نہیں تھی اور اگر ملی بھی تو بیٹھنے کی عیش کوشی کے ساتھ ہی دماغ کسی فکری لاحیرہن میں غرق ہو جاتا تھا۔ بے خیالی کا یہ عالم کہ روزانہ آتے جاتے انڈیا گیٹ کے سامنے سے گزرنا ہوتا تھا لیکن اگر آپ ہم سے پوچھیں کہ انڈیا گیٹ کا دروازہ مشرق کو کھلتا ہے یا مغرب کو تو یقین فرمایئے کہ ہم صحیح جواب نہیں دے سکیں گے اب ایسے مجہول بے ذوق بلکہ بد ذوق آدمی سے اگر یہ کہا جائے کہ تمہیں ایک طویل اور طوفانی دورے پر جانا ہے تو یہ ستم ظریفی سے کم بات نہیں ہے۔ ہم نے اس ابتلا سے بچنے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے کئی شرعی اور غیر شرعی عذر بھی پیش کیے اپنی ناقص صحت اور عارضۂ قلب کی نزاکتیں بھی بیان کیں لیکن رحمانی صاحب کے اصرار کے آگے ایک نہ چلی اور ہمیں چار و ناچار آمادۂ سفر ہونا پڑا گویا بقول مرحوم اکبر الہ آبادی:

بدھو میاں بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں
گو مشت خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں ہماری مشت خاک دلی سے اڑ کر بمبئی کے ش[illegible] کروز ہوائی اڈہ پر پہنچ چکی تھی۔

اس طویل سفر کا مقصد "لاتور" اور "عثمان آباد" کے زلزلہ[illegible] علاقوں کا دورہ پھر احباب جماعت سے ملنا اور ملک کے مختلف حصوں[illegible] جماعتی اداروں کی سرگرمیوں سے واقفیت حاصل کرنا تھا۔ ر[illegible] صاحب اکثر جماعتی افراد سے ملاقات کے لئے جاتے رہتے ہیں اور ا[illegible] طرح جماعت میں حرکت و عمل اور تعمیری سرگرمیوں سے ذاتی طور[illegible] واقفیت حاصل کرنا ان کے چند اہم مشاغل میں سے ہے بمبئی ہندوستا[illegible] کا تجارتی دار الحکومت تو ہے ہی اسی کے ساتھ جماعت کی سرگرمیوں بھی بہت اہم مرکز ہے جماعت کی متعدد مساجد ہیں اور اہلحدیثوں[illegible] خاصی بڑی تعداد یہاں موجود ہے "مرکز ابو الکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیہ" کا بھی ایک مرکز برائے تبلیغ و تعلیم یہاں قائم ہے جس کے انچارج جناب مولانا یار محمد صاحب سلفی ہیں جنہوں نے اپنی محنت ا[illegible] حسن کارکردگی سے اسے بڑا پر کشش بنا دیا ہے [illegible] سلفی صاحب ایک اور صاحب کے ساتھ ہماری پذیرائی کے لئے [illegible] تھے ایک طویل مسافت طے کرکے بائیکلہ میں واقع مرکز میں پہنچے را[illegible] ہو چکی تھی۔ دہلی سے روانہ ہوئے تھے تو موسم شدید سردی کا تھا گر[illegible] کپڑوں میں بھی سردی کا احساس ہو رہا تھا لیکن بمبئی میں موسم کا[illegible] بالکل برعکس تھا لوگ موسم گرما کے لباس میں نظر آئے کسی کے جسم سوئٹر کوٹ یا سردی کا کوئی لباس نظر نہیں آیا۔ معلوم ہوا کہ ساحلی علا[illegible] ہونے کے سبب یہاں کا موسم ہمیشہ معتدل رہتا ہے نہ سردی کی شدت[illegible] گرمی کی حدت ہر موسم ایک خوشگوار اعتدال کے ساتھ گزرتا ہے صرف موسم برسات ہی پریشان کن ثابت ہوتا ہے ہم لوگ جو دلی سے

موسموں کی ستم گری کے ستائے ہوئے تھے ان کے لئے یہ بڑا خوشگوار اور دلنواز تجربہ تھا۔ مرکز میں پہنچ کر فوراً ہی لباس کے غیر ضروری بوجھ سے آزاد ہو گئے ایسا معلوم ہوا کہ دلی میں مارچ اپریل یا اکتوبر کے معتدل موسم میں وقت گزار رہے ہیں۔ مرکز تعلیم و تبلیغ (ٹیچنگ اینڈ پریچنگ سنٹر) مرکز ابوالکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیہ نئی دہلی کی شاخ ہے ایک خطیر رقم کے عوض عروس البلاد بمبئی کے اہم مسلم علاقہ بائیکلہ میں یہ جگہ حاصل کی گئی ہے۔ مولانا یار محمد سلفی کے حسن ذوق نے تزئین و آرائش کے ذریعہ اسے ایک چھوٹا سا تاج محلؒ بنادیا ہے۔ سنگ مرمر کے فرش وسقف اور درودیوار اور صفائی کے اہتمام کو دیکھ کر مولانا یار محمد کی محنت اور سلیقہ کی داد دینا پڑتی ہے۔ عمارت میں داخل ہوتے ہی سامنے شوکیس میں اردو' عربی اور انگریزی میں مرکز کی مطبوعات سلیقہ سے سجی ہوئی ہیں جو نووارد کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ تعلیم و تبلیغ کا مرکز ہے۔ مرکز کی عمارت خاصی وسیع ہے ایک ہال جسے فی الوقت مسجد کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے اوپری منزل پر بھی کئی وسیع کمرے ہیں نیچے بھی ہال کے ساتھ تین کمرے ہیں۔ بمبئی جیسے شہر میں جہاں اکثر خاندان ایک جھونپڑی یا کھولی میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں اتنی وسیع کشادہ اور مرکزی مقام پر عمارت کا دستیاب ہونا بجائے خود ایک کارنامہ ہے۔ پھر اسے سلیقہ سے رکھنا بھی ایک دشوار مرحلہ تھا جسے مولانا یار محمد نے کامیابی سے طے کیا رحمانی صاحب نے بتایا کہ گزشتہ سال بابری مسجد کے سانحہ کے بعد جب بمبئی آگ اور خون کے طوفان کی لپیٹ میں تھا تو اس بلڈنگ میں مقیم مسلمانوں کے تمام خاندان مرکز کی اسی عمارت میں پناہ گزیں ہوئے تھے خاص طور پر خواتین اور بچوں کے لئے یہ جگہ بڑی محفوظ تسلیم کی گئی۔ مولانا یار محمد صاحب نے بتایا کہ یہ سب خاندان اب بھی ہماری اس خدمت کا احسان مندی کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں اور ادارہ کے لئے احترام اور دوستی کے جذبات کا اظہار کرتے ہیں مرکز کے ذمہ داروں کی باتیں سن کر بہت خوشی ہوئی ملت کے ہر ادارے کو اسی خلوص اور لگن سے ملت کی خدمت کرنی چاہئے اللہ تعالیٰ انہیں اجر عطا فرمائے۔

رحمانی صاحب نے یہ بھی بتایا کہ یہاں بچوں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلباء کے لئے جدید عربی کی کلاسیں اور دینی تعلیم کے لئے شام کی کلاسیں جاری کرنے کا پروگرام ہے۔ اس طرح ملت کی نئی نسل جو کالج اور یونیورسٹی میں رہ کر دینیات سے دور ہو جاتی ہے اسے اپنے محور پر آنے کا راستہ ملے گا اور جدید عربی کے ذریعہ وہ اپنے معاشی مستقبل کے خاکے میں کامیابی کا رنگ بھر سکیں گے اس پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے کئی اسکیمیں زیر غور ہیں اس میں سب سے پہلے اسی بلڈنگ میں مقیم خاندانوں کے بچوں کو جمع کرکے مکتب کا آغاز کرنا اور پھر بتدریج دیگر منصوبوں کو شروع کرنا ہے۔ بمبئی اپنی وسعت اور آبادی کے لحاظ سے ایک شہر نہیں بلکہ ایک ملک ہے کردار کے اعتبار سے یہ ایک بین الاقوامی شہر (کاسموپولیٹن سٹی) ہے یہاں ہر قوم' مذہب' نسل اور فرقے کے لوگ موجود ہیں اور سب ہی اپنے افراد کے لئے رفاہی اور فلاحی اسکیمیں چلاتے ہیں اس کے باوجود یہ اسکیمیں آبادی کی کثرت کے مقابل بے حقیقت بن کر رہ جاتی ہیں خاص طور سے وہ طبقہ جو پسماندہ ہے اور جسے ان اسکیموں سے استفادہ حاصل کرنے کی اصل ضرورت ہے وہ محروم رہ جاتا ہے مسلمان بھی اسی غریب اور پسماندہ گروہ میں شامل ہیں اور ضرورت ہے کہ علم' تربیت' عملی ضابطہ اور صحیح دینی شعور کی آبیاری اسی میدان میں کی جائے تاکہ اس تنازعہ للبقا کے دور میں وہ اپنے وجود اور ثقافت کو برقرار رکھ سکیں یہ وہ اہم اور بنیادی کام ہے جسے آزادی کے بعد سے آج تک ہمارے سیاسی قائد اعظموں نے نظر انداز کیا ہے اور ملت کو جذباتی نعروں کے ذریعہ ہیجان اور خود فریبیوں میں مبتلا رکھا ہے۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے تو حکیم اجمل خاں صاحب بھی تشریف لے آئے معلوم ہوا کہ وہ گزشتہ کئی روز سے بمبئی آئے ہوئے ہیں اور مرکز میں ہی مقیم ہیں۔ حکیم صاحب بھی جہانیاں جہاں گشتؒ ہیں جب دیکھئے پابہ رکاب رہتے ہیں اور شاید اقبال کی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ؎

سفر ہے حقیقت حضر ہے مجاز

دوسرے دن بمبئی کی سیر کا پروگرام بنایا گیا اسی کے ساتھ شام کو احباب جماعت سے ایک میٹنگ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔

بمبئی بڑا خوبصورت شہر ہے برٹش دور کی کلاسک فن تعمیر کی پرشکوہ عمارتیں' جدید سربہ فلک مینار نما عمارات پرانے طرز کی پھیلی ہوئی افقی انداز کی حویلیاں اور کثیر منزلہ عمودی طرز کی بلڈنگیں' اس کے مقابل جھونپڑپٹی کے طویل سلسلے غلاظت اور تعفن سے مہکتے ہوئے'

ایک طرف دولت کی بے انتہا فراوانی دوسری طرف ایک وقت پیٹ بھرنے کے لئے جانوروں کی طرح مشقت آج کی زندگی کا یہ تضاد تو آزاد ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں ہر جگہ نمایاں ہے۔ یہاں انسان صرف دولت کی ہوس اور پیسے کی تلاش میں جیتا ہے۔ جس کے پاس دولت ہے وہ اس فکر میں دیوانہ ہے کہ کس طرح اس دولت کو ہزار چند کیا جائے بمبئی میں ایک ھرشد مہتہ نہیں اس جیسے نہ جانے کتنے ہونگے جو دن رات اسی جنون میں مبتلا ہیں۔ یہاں لوگ غربت و افلاس کے ہاتھوں ہی نہیں مرتے دولت کی فراوانی کے سبب اغوا قتل اور غارت گری میں بھی ہلاک ہوتے ہیں پھر بھی نہ چشم عبرت ہے نہ فکر و بصیرت۔

اک طرف قصر فلک رس' ایک جانب جھگیاں
دیکھ تو اے چشم عبرت زندگی کا یہ تضاد
ایک جانب زندگی کی نعمتیں آسائشیں
اک طرف ہے فقر وفاقہ ' خستگی وناکشاد
یہ نظام زر یہ دولت کی ہوس یہ کشت وخوں
حل نہ کر پایا اسے مغرب کا علمِ اقتصاد
جوڑ کر دولت اگر قارون بھی بن جائیے
ساتھ جائے گا کفن میں بس یہ جسمِ نامراد
ہے کہاں اب تاج وتختِ اکبر و اورنگ زیب
اب کہاں ہے خسروی؟ داریوش و کیقباد
ہائے یہ انساں کہ دولت کی پرستش اس کا دیں
گو یہ قوم کہ جو ہے کم سواد و بد نہاد
زندگی ہے وقف جہد رزق فرزندان و زن
بھول بیٹھا اس ہوس میں شورشِ یوم التناد

نگاہ عبرت سے بمبئی یعنی عروس البلاد کے یہ دونوں رخ دیکھتے ہوئے ہم گیٹ وے آف انڈیا پہنچے جو ساحل سمندر پر قیصر ہند شاہ برطانیہ کے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھنے کی یادگار کے طور پر بنایا گیا ہے اور آزاد ہندوستان میں آج بھی سر اٹھائے کھڑا ہے شو سینا اور سنگھ پریوار کے جنونیوں کو بابری مسجد کا وجود تو غلامی کی نشانی نظر آتا تھا لیکن شاید صلیبی سامراج کے یہ مظاہر انہیں آزادی کے ہراول دستے نظر آتے ہیں کیونکہ بہت سے فسطائیوں کی تھیوری کے مطابق انگریزوں کے اقتدار سے ہندوستان میں مسلمانوں کے عروج و اقتدار کا دور ختم ہوا اور انگریزوں کے جانے کے بعد اقتدار یہاں کے اصل باشندوں یعنی اکثریت کے ہاتھ لگا۔

بہرکیف "باب الہند" کی اس پر شکوہ ڈیوڑھی سے گزر کر ہم سمندر کے کنارے پہنچے یہاں کشتیاں تیار تھیں جو سمندر کی سیر کے لئے لے جاتی ہیں۔ ہم بھی ٹکٹ لے کر ایک کشتی پر سوار ہو گئے تھوڑی دیر میں یہ کشتی سیاحوں کی بھیڑ کو لے کر چلی اور دیکھتے ہی دیکھتے دور تک سمندر میں چلی گئی جہاں اوپر لاجوردی آسمان اور نیچے تاحدّ نگاہ پانی ہی پانی تھا۔ ایسی جگہ پہنچ کر انسان کو اپنی بے بسی کا احساس ہوتا ہے کہ اگر طوفان آجائے کشتی الٹ جائے تو اس کی ساری عیاری' اکڑ فوں' دانائی اور برتری حقیر و بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے اور کوئی سہارا ہوتا ہے تو صرف خالق سماوات والارض کی ذات جو اس ہیجان اور طوفان میں اسے سنبھال سکتی ہے ایسے ہی موقعوں پر انسان مجبور ہوتا ہے کہ صرف اسے پکارے اور اسے مانے قرآن نے اسے

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (لقمان: ۳۲)

سے تعبیر کیا ہے ہم اگرچہ سمندر میں بہت زیادہ دور تک نہیں گئے تھے اور تھوڑی ہی دیر میں ساحل کے کنارے کی بلند و بالا عمارتیں دھند میں لپٹی نظر آنے لگیں دور سے دھند میں لپٹی ہوئی عمارتوں کا منظر بھی عجیب دلکش ہوتا ہے۔ اسے "سواد منزل" کہتے ہیں یعنی دور سے منزل کی سیاہی نظر آنے لگتی ہے اقبال کو "سواد رومۃ الکبریٰ" میں دلی یاد آئی تھی "سواد بمبئی عظمیٰ" کو دیکھ کر ہماری جان میں جان آئی اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے ساحل پر اترے۔ یہاں سے روانہ ہو کر گھومتے پھرتے صابو صدیق مسافر خانے پہنچے یہ بمبئی میں مسلمانوں کا بڑا اہم مرکز ہے آس پاس کپڑے کی بہت سی دکانیں ہیں بالکل دلی کے چتلی قبر کا منظر نظر آتا ہے۔ ظہر کی نماز ہم نے مسافر خانے کی وسیع مسجد میں ادا کی۔ مسافر خانے کی عمارت بڑی پر شکوہ ہے لیکن اندر سے خستگی کے آثار نمایاں ہیں۔ اتنی بڑی محل نما عمارتوں کی دیکھ ریکھ بھی ایک بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ مرمت سفیدی صفائی وغیرہ کے لئے بھی کثیر رقم درکار ہوتی ہے اور چونکہ یہ ادارے ذاتی نگرانی یا ملکیت میں نہیں ہوتے اس لئے تولیت یا نگراں کمیٹیوں کے ذمہ دار مالی وسائل کی تنگی یا دیگر وجوہات کے سبب ان امور کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے پاتے اور بہت سی عمارتیں کھنڈر بن جاتی ہیں۔ جب ہم واپس مرکز پہنچے تو شام ہو رہی تھی عصر کی نماز مرکز میں ہی

آئی۔ مغرب سے پہلے ہی بمبئی کے احباب جماعت کی آمد شروع ہو گئی اور نماز میں اچھی خاصی تعداد موجود تھی بمبئی کی کاروباری مصروفیت والی زندگی میں اتنے افراد کا اتنے مختصر نوٹس پر جمع ہو جانا خود ایک اہم بات ہے۔ نماز کے بعد رحمانی صاحب نے جماعتی امور پر اظہار خیال کیا۔ صوبائی جمعیت اہلحدیث بمبئی کے صدر مولانا عبدالحق صاحب، حکیم اجمل خاں صاحب، مولانا عبدالحکیم صاحب، مولانا جلال الدین صاحب اور متعدد احباب مجلس میں موجود تھے سب کی متفقہ رائے تھی کہ جماعت کو عمل کے ذریعہ اپنی زندگی کا ثبوت دینا چاہئے اور اپنی شناخت اور وجود کو بہر حال برقرار رکھنا چاہئے ملی مسائل میں بھی اسے کسی بورڈ یا کونسل کا ضمیمہ بن کر نہیں رہ جانا چاہئے عصر اور مغرب کے درمیان ہم لوگ مولانا یار محمد سلفی اور مولانا جلال الدین کی معیت میں خیرانی روڈ پر واقع مسجد اہلحدیث دیکھنے گئے مولانا جلال الدین صاحب اسی مسجد میں خطیب ہیں یہ ایک نوجوان عالم ہیں حرکت و عمل کے جذبہ سے بھرپور اور جماعت کے لئے کچھ کرنے کی تمناؤں سے سرشار ہیں۔ بات چیت کے انداز سے ہی ان کی فراست اور علمیت کا اندازہ ہوتا ہے خاصے جری اور بیباک ہیں اور مسلکی حمیت کے معاملہ میں کسی مداہنت کو گوارا نہیں کرتے۔ ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی جماعت میں ایسے باحمیت علماء کی ضرورت ہے اور بفضلہ تعالیٰ ایسے مایہ ناز فرزندان جماعت کی کمی نہیں ہے ضرورت یہ ہے کہ ان کی صلاحیتوں اور عزائم کو صحیح ڈھنگ سے بروئے کار لایا جائے ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

طویل پر پیچ تعفن اور بھیڑ بھاڑ کے علاقوں سے گزرتے ہوئے ہم خیرانی روڈ پہنچے راستہ میں جھونپڑپٹی کی اس بستی سے بھی گزرے جسے ایشیا کا سب سے بڑا "سلم" کہا جاتا ہے معلوم ہوا کہ ان تمام علاقوں میں مسلم آبادی کی کثرت ہے یہ بھی بتایا گیا کہ بمبئی کی جھونپڑپٹی میں کم و بیش ہر جگہ ٹی وی، وی سی آر اور فریج موجود ہوتے ہیں یعنی اس غلیظ تنگ و تاریک اور متعفن جھونپڑی میں جملہ مادی آسائشیں فراہم ہوتی ہیں کیونکہ یہاں رہنے والے اکثر افراد کاروباری اعتبار سے خاصے کامیاب ہوتے ہیں کسی پوش علاقے میں فلیٹ حاصل کرنے کے متحمل تو نہیں ہوتے لیکن مالی اعتبار سے اتنے مضبوط ضرور ہوتے ہیں کہ کسی چھوٹے شہر میں ہوں تو متمول افراد میں شمار کئے جائیں۔ بد قسمتی سے ایسے افراد اپنی کھولیوں اور جھونپڑیوں میں ٹی وی اور فریج کا بندوبست کرنے پر تو توجہ دیتے ہیں لیکن ماحولیات پر توجہ نہیں دیتے جس آبادی میں رہتے ہیں وہاں سماجی سہولیات، حفظان صحت اور صفائی جیسی اہم اور بنیادی ضروریات پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتے۔ ہم ہندوستانیوں میں ایک عام ذہن یہ ہے کہ بستیوں میں صحت و صفائی جیسی بنیادی سہولتوں کی فراہمی کی ذمہ داری صرف سرکار کی ہے اس سلسلے میں ان کی کوئی ذمہ داری یا فرض نہیں ہے نہ تو وہ متحد اور متفق ہو کر ان سہولیات کی فراہمی کے لئے میونسپل حکام یا علاقے کے کونسلر یا کمشنر وغیرہ سے کوئی مؤثر مطالبہ کرتے ہیں نہ اس بات کو اہمیت دیتے ہیں کہ خود اجتماعی طور پر کچھ رقم جمع کر کے ان بنیادی سروسز کا بندوبست کر لیں ان بستیوں میں آباد ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد ایسے ہوتے ہیں جو اگر چاہیں تو تھوڑی سی رقم خرچ کر کے اپنے گرد و پیش ماحول کو صاف ستھرا رکھ سکتے ہیں اگر صرف ایک روپیہ روز اس مد میں خرچ کرنے کی زحمت گوارا کر سکیں تو تعفن اور گندگی کے اس جہنم کو اگر گلزار نہیں تو کم از کم انسانوں کے لئے قابل رہائش بستی بنا سکتے ہیں یہ حضرات قطعاً احساس نہیں کرتے کہ ان کی اور ان کے خاندان کی صحت کے لئے یہ گندگی تعفن کس طرح زہر قاتل ثابت ہوتا ہے اگر کسی سے گندگی یا غلاظت کے بارے میں بات کیجئے تو فوراً سرکار اور ذمہ داران بلدیہ کی بے حسی کا رونا روئے گا۔ اسلام نے صفائی و نظافت پر کس قدر زور دیا ہے لیکن مسلمان اس طرف سب سے کم توجہ دیتے ہیں کاش ہمارے علماء، سماجی کارکن اور دیگر ذمہ داران اس طرف توجہ فرمائیں اور مسلمانوں کو بتائیں کہ اسلام انہیں کیسی صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے۔ بہر حال جب ہم خیرانی روڈ کی مسجد میں پہنچے تو شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے رحمانی صاحب کا پروگرام یہ تھا کہ نماز مغرب واپسی میں مرکز میں ہی پڑھی جائے گی جہاں احباب جماعت کو مدعو کیا گیا تھا اس لئے بعجلت مسجد کا معائنہ کیا گیا مسجد بڑی وسیع اور کشادہ ہے اور کچھ حصہ زیر تعمیر بھی ہے اوپری منزل پر اسکول بھی چلایا جا رہا ہے جب ہم وہاں پہنچے تو کچھ اساتذہ بھی وہاں موجود تھے۔ خیرانی روڈ پر مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی ہے اور غالباً اہلحدیثوں کی اکثریت ہے۔ یہاں بھی عام مسلم علاقوں کی طرح گندگی ہر طرف نظر آئی وہی سماجی شعور کی کمی اور اپنی اور اپنے بچوں کی صحت نیز حفظان صحت سے بے خبری بلکہ بے نیازی کے سبب یہ صورت حال پیش

آتی ہے۔ کاش ان علاقوں کے بیدار مسلم نوجوان ہی اس طرف توجہ کریں تھوڑی سی محنت سے سڑکوں پر جھاڑو لگانے کا بندوبست ہو سکتا ہے گندی نالیاں صاف ہو سکتی ہیں ان بنیادی باتوں پر دھیان دینے سے ان علاقوں کی خواتین اور بچے ان بہت سی بیماریوں سے محفوظ ہو سکتے ہیں جو ماحولیاتی کثافت، گرد و پیش کی گندگی، گندے پانی کے ٹھہراؤ کے سبب مچھروں کی افزائش وغیرہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ خیرانی روڈ کی مسجد اہلحدیث کے پاس کافی جگہ ہے لیکن شاید وہاں کوئی ڈسپنسری نہیں ہے اگر مسجد کے ذمہ داران توجہ دیں تو وہاں ڈسپنسری قائم کرکے مدرسہ میں تعلیم پانے والے بچوں اور خود اہل علاقہ کے لئے بڑی راحت کا سامان مہیا کر سکتے ہیں مسلم معاشرہ میں مسجد بنانے کا جس قدر ذوق ہے اس کے ساتھ لائبریری یا ڈسپنسری قائم کرنے کا ولولہ نہیں ہے۔ حالانکہ یہ سب چیزیں اپنی افادیت کے لحاظ سے انتہائی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان سے خدمت خلق کا جو فریضہ ادا ہوتا ہے وہ اپنے اندر تبلیغ کا بڑا مؤثر انداز رکھتا ہے۔ تبشیری (صلیبی) اپنی تبلیغی مہم میں اسی لئے بے حد کامیاب رہتے ہیں کیونکہ وہ عام لوگوں کے دکھ درد کے مداوے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے مشن اسپتال جہاں بھی ہوں عوامی توجہ کا مرکز ہوتے ہیں اور اس سے مسیحیت کے لئے جو نرم گوشہ پیدا ہوتا ہے اس کے اثرات سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ہم مسلمان صرف گیارہویں شریف کی دیگیں پکوانے اور عید میلاد النبی کے جلوس نکالنے کو ہی دین حنیف کی خدمت سمجھتے ہیں۔

شولاپور

۲۱ دسمبر ۹۳ء کی رات بذریعہ ٹرین بمبئی سے شولاپور روانہ ہوئے۔ حسب پروگرام مولانا یار محمد سلفی شریک سفر تھے اس لئے سفر کی تمام بھاگ دوڑ انہیں کے ذمہ تھی۔ مولانا یار محمد سلفی بیحد نشیط (ڈائنمک) شخصیت ہیں انتظام، رابطہ عامہ، مہمان نوازی، خاکساری اور خود شکنی ان کے نمایاں اوصاف ہیں "مرکز ابوالکلام آزاد للتوعیہ الاسلامیہ" کے وہ سینئر ارکان میں سے ہیں اور سب کو ان کی صلاحیتوں کا احساس اور اعتراف ہے اور وہ بھی ادارہ کی خدمت کو اپنا مقصد حیات بنا چکے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں مزید عزم اور حوصلہ دے ایسے مہم جو ثابت قدم، جذبہ اور لگن رکھنے والے افراد کسی بھی ادارے کے لئے بیش بہا اثاثہ ہوتے ہیں۔ ان کے لئے ادارہ کی ترقی اور بقا ایک مقصد ہے اور اسی

دوپہر سے قبل جب ہم شولاپور کے پلیٹ فارم پر اترے تو احباب جماعت کی بڑی تعداد اور رحمانی صاحب کی پذیرائی کے لئے اسٹیشن پر موجود تھی مولانا یار محمد صاحب سلفی نے پہلے ہی ارباب جماعت کو اطلاع دے دی تھی اس لئے سارے شہر میں رحمانی صاحب کی آمد کی خبر عام ہو گئی تھی۔ اسٹیشن پر آنے والوں میں نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد تھی۔ شولاپور پہنچ کر اندازہ ہوا کہ یہاں نوجوانوں میں دینی جذبہ اور شعور بہت زیادہ ہے۔ اور وہ جماعت کو سرگرم عمل کرنے اور دین خالص کا پیغام ہر طرف پہنچانے کے لئے بے تاب ہیں مسئلہ وہی ہے کہ کوئی بڑھ کر تنظیم و ترتیب کا کام سنبھالے اور ان بکھرے موتیوں کو ایک سلسلہ میں پرو دے۔

شولاپور میں ہمارا قیام ایک گیسٹ ہاؤس میں تھا جمعہ کا دن تھا شولاپور کی قلعہ والی مسجد میں رحمانی صاحب کو جمعہ کا خطبہ دینا تھا اور شام کو اسی مسجد میں خطاب عام کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا۔ قلعہ والی مسجد بڑی وسیع و عریض ہے مسجد کے سامنے ہی کچھ فاصلے پر چاند بی بی کا قلعہ ہے اسی مناسبت سے یہ مسجد قلعہ والی مسجد کہلاتی ہے۔ نماز میں بہت بڑا مجمع تھا پوری مسجد دروازے تک نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ شولاپور ۱۰، ۱۲ لاکھ کی آبادی والا متوسط درجہ کا صاف ستھرا شہر ہے جو مرہٹہ واڑہ منطقہ میں پڑتا ہے یہاں مسلمانوں کی آبادی ۲۵ فیصد کے قریب ہے کاروباری اور مالی اعتبار سے اچھی پوزیشن میں ہیں تعلیمی ادارے بھی ہیں۔ میونسپل کارپوریشن میں بھی ان کے کئی نمائندے پہنچ جاتے ہیں۔ جناب عبدالرحمان چاماکورا علاقے کے بزرگ لیڈر ہیں آپ کارپوریشن میں اسٹینڈنگ کمیٹی، واٹر سپلائی میکل سپلائی کمیٹی کے چیرمین رہ چکے ہیں اب اگرچہ عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے ہیں تاہم سماجی امور میں دلچسپی لیتے ہیں۔ رحمانی صاحب کے استقبال کے لئے یہ بھی ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے۔ جناب مولانا طاہر بیگ صاحب ایک نوعمر عالم ہیں وطن شولاپور ہی ہے۔ ایک جامع مسجد میں خطیب ہیں بڑے پرجوش اور حرکی نوجوان ہیں رحمانی صاحب کے تمام پروگراموں کی ترتیب میں آگے آگے رہے۔ شولاپور کے سلفی نوجوانوں کے بیباک نمائندے ہیں ان کے جوش اور جذبے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شولاپور میں جوان سلفی خون میں کتنا والہانہ جذبہ اور بے پناہ حرارت ہے۔ ہماری

اور سادہ طبیعت نوجوان ہیں محکمہ آبپاشی (اریگیشن) میں انجینئر ہیں۔ ان کی دین داری شعائر اسلامی کی پابندی اور خاکساری سے طبیعت بڑی متأثر ہوئی۔ یقیناً ان کی نیکی، تدین اور صالح کرداری کے اثرات ان کی ملازمت پر بھی منعکس ہوتے ہوں گے اور ان کے محکمہ کے افراد بھی ان کی عظمت کردار کے معترف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ملت میں ایسے صالح افراد کو سربلند کرے کہ آج کے کرپٹ ماحول میں ان کے حسن کردار سے ہی ملت کو سرفرازی نصیب ہوتی ہے۔ جناب عبدالرزاق صاحب بھی ایک ایسے ہی پرجوش سلفی نوجوان ہیں۔ سٹی ٹرانسپورٹ آفس میں کام کرتے ہیں۔ التوعیہ کے مطالعہ کے شوقین ہیں ازراہ کرم ملاقات کے لئے تشریف لائے اثناء گفتگو کہنے لگے کہ یہاں کچھ اشتراکیت زدہ افراد لاتور کے زلزلہ کے تناظر میں یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانوروں اور حیوانوں کو زلزلہ کے اثرات سے پیشگی آگاہی دیدیتا ہے کہ وہ زلزلہ سے قبل ایک قسم کے اضطراب اور بے چینی کا اظہار کرنے لگتے ہیں گویا ان علاقوں سے بھاگ جانا چاہتے ہوں لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی حس یا صلاحیت عطا نہیں کی جس سے وہ زلزلہ کی آمد سے آگاہ ہوسکے اور اپنے بچاؤ کا سامان کرسکے گویا اللہ تعالیٰ انسان کو حیوانوں سے بھی کمتر درجہ دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو انسانوں جیسی عقل اور شعور سے نہیں نوازا ہے اس لئے انہیں خطرات کی پیش آگاہی کے لئے ذکی الحس بنادیا ہے لیکن انسان کو علم و عقل اور شعور کی دولت فراواں اسی لئے عطا کی گئی ہے کہ وہ ان قوتوں کو کام میں لاکر آفاتِ ارضی وسماوی سے حفاظت کا سامان کرے۔ اسی لئے انسان نے موسم کی پیشگوئی کے لئے علم موسمیات (میٹرولوجی) زلزلہ کے لئے سائزمولوجی، علم ارضیات (جیالوجی) وغیرہ کو فروغ دیا۔ جانور اپنی خداداد حس سے جس خطرے کا ادراک کرتے ہیں انسان اپنی عقل خداداد کے ذریعہ علم کی روشنی سے ان حوادث کا پتہ چلاتا ہے۔ دراصل اشتراکیت زدہ فریب خوردہ عقل (رشنلزم کے مدعی) افراد ہمیشہ اسی انداز کی تلبیس سے لوگوں کے دل ودماغ میں تشکیک کے جراثیم پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ لاتور کے ہیبت ناک زلزلہ نے انہیں پرسکون دماغوں کو ایک نئی کشمکش میں مبتلا کرنے کا موقع فراہم کردیا۔ جناب عبدالرزاق صاحب کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ مطالعہ کے بہت شوقین ہیں اور اپنی غیر علمی ملازمانہ مصروفیات کے باوجود مطالعہ کے لئے وقت نکال لیتے ہیں یہ بڑے حوصلہ کی بات ہے اور اس سے ان کی زندگی کے مثبت سمت سفر کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے پاس اہلحدیث امرتسر کی بہت پرانی جلدیں بھی محفوظ ہیں جنہیں وہ بڑا قیمتی اثاثہ سمجھتے ہیں اور واقعی یہ بڑا بیش قیمت علمی سرمایہ ہے جس کسی کے پاس بھی ہو اسے اس پر فخر کرنے کا حق ہے۔ رحمانی صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے عبدالرزاق صاحب سے درخواست کی کہ وہ یہ جلدیں مرکز کو مستعار دیدیں ان کی زیروکس کاپیاں کراکے اصل پرچے بحفاظت واپس کردئے جائیں گے۔ عبدالرزاق صاحب بخوشی اس پر تیار ہوگئے اور انہوں نے یہ بیش قیمت جلدیں مولانا یار محمد سلفی صاحب کے حوالے کردیں۔

رات کو بعد نماز مغرب اجتماع ہوا اس کا پہلے ہی اعلان ہوچکا تھا جماعت میں رحمانی صاحب کا جو احترام ہے ان کی ذات سے لوگوں کو جو عقیدت اور وابستگی ہے اس جلسہ سے اس کا بخوبی اندازہ ہو تا تھا پوری مسجد اندر سے باہر تک سامعین سے پُر تھی خواتین کی بھی بہت بڑی تعداد تھی رحمانی صاحب نے شاید اسی کا لحاظ کرتے ہوئے اسلام میں خواتین کے مقام کو موضوع وعظ بنایا۔ وعظ کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ ڈیڑھ گھنٹہ سے بھی زائد خطاب کی مدت میں سارا مجمع سراپا گوش تھا آخر میں جب رحمانی صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو سامعین پر رقت کا عالم طاری تھا اور کئی گوشوں سے لوگوں کے بچوں کی طرح بلکنے کی آوازیں آرہی تھیں اس کے بعد عشاء کی نماز ادا کی گئی نماز کے بعد جب رحمانی صاحب مسجد سے نکلے تو مصافحہ کرنے والوں کا ایک ہجوم تھا جس نے انہیں گھیر لیا۔ اگرچہ طویل خطاب کے بعد رحمانی صاحب کچھ تھک گئے تھے اور قیام گاہ جانا چاہتے تھے لیکن مجمع کے احترام وعقیدت نے گویا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ کافی دیر کے بعد مصافحہ کرنے والوں کی بھیڑ چھٹی اور ہم لوگ واپس ہوٹل پہنچے۔ دوسرے دن صبح کو اسی مسجد میں جماعتی امور پر غور کرنے کے لئے جماعت کے ارباب کار کی ایک غیر رسمی میٹنگ رکھی گئی تھی۔ صبح کو جب ہم لوگ نماز فجر پڑھ کر فارغ ہوئے تو چائے کی طلب ہوئی اس وقت تک گیسٹ ہاؤس کا عملہ ڈیوٹی پر نہیں آیا تھا۔ آس پاس بھی کسی چائے کی دکان کا پتہ نہیں تھا۔ رحمانی صاحب نے ریسپشن پر فون کیا وہاں سے یہی جواب ملا کہ ابھی اسٹاف ڈیوٹی پر نہیں آیا ہے۔ اسی اثناء میں ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوئے۔ اپنا تعارف کرایا بدقسمتی سے اس وقت ان کا نام ذہن میں نہیں رہا۔ بی ایس سی کے طالب

علم ہیں اور ساتھ میں ٹیوشن بھی کرتے ہیں۔ خاصے سرگرم نوجوان ہیں اور جماعتی امور میں بھی بہت دلچسپی رکھتے ہیں۔ تھوڑی دیر تک رات کے خطاب سے متعلق گفتگو کرتے رہے پھر جب انہیں پتہ چلا کہ ہم لوگ چائے کی طلب کا شکار ہیں تو کیتلی لے کر گئے اور نہ جانے کتنی دور سے صبح کے اس دھندلکے میں چائے بنوا کر لائے۔ ان کی اس زحمت فرمائی کے لئے ان کا شکریہ واجب ہے اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب و بامراد رکھے (آمین)

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اعلیٰ عصری تعلیم میں منہمک ہونے کے باوجود شولاپور کے نوجوانوں میں دینی شعور اور جماعتی ذہن پوری طرح بیدار ہے اور جو بات ہمارا ذہن کو متاثر کرتی ہے وہ سلفی نوجوانوں کا جذبہ اور کام کی دھن ہے۔

آٹھ بجے کے قریب ہم قلعہ والی مسجد پہنچ گئے وہاں پہلے سے کچھ افراد موجود تھے اور تھوڑی دیر میں اور بھی لوگ آگئے شولاپور میں جماعت کی سات (۷) مسجدیں ہیں اور ان سب کا انتظام انفرادی طور پر متولی صاحبان کے ہاتھ میں ہے۔ میٹنگ میں تقریباً سب ہی اہل حدیث مساجد کے متولی موجود تھے مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ شولاپور میں جماعت کی کوئی معیاری درس گاہ نہیں ہے جبکہ اس کی شدید ضرورت ہے۔ غالباً مسلمانوں کا ایک ہائی اسکول ہے ایک صاحب جناب شریف صاحب ریلوے کنٹرولر نے پیشکش کی کہ وہ اپنے مرحوم بھائی کی یاد میں ایک وسیع قطعہ آراضی اسکول بنانے کے لئے وقف کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے قطعہ آراضی حاصل ہونے کے بعد اس پر تعمیرات کا مرحلہ بھی آسان کام نہیں ہے معلوم ہوا کہ اہلحدیث مساجد میں کرایہ وغیرہ کی خاصی آمدنی ہے۔ کیا اچھا ہو اگر شولاپور کے متولی صاحبان ان مساجد کا ایک مشترکہ انتظامی بورڈ یا تولیتی کمیٹی تشکیل دے کر مساجد کی آمدنی کو کسی ضابطہ اور اسکیم کے تحت جماعت کے لئے رفاہی اور فلاحی امور میں صرف کریں۔ آج کل کا دور انفرادی کارکردگی کا نہیں اجتماعی اقدام سے ہی بہتر اور موثر نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

میٹنگ میں لاتور اور عثمان آباد کے زلزلہ زدہ علاقوں میں مسلمانوں کے لئے دینی تربیت اور مکاتب کے قیام کا سوال بھی زیر غور آیا۔ مرکز ابوالکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیہ "کی طرف سے جناب مولانا انعام اللہ صاحب قاسمی جناب مولانا یار محمد صاحب سلفی جناب مولانا عبدالحق امیر جمعیۃ اہلحدیث بمبئی اور جناب مولانا طاہر بیگ صاحب پر مشتمل جس ٹیم نے لاتور اور عثمان آباد کا دورہ کیا تھا ان کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ علاقہ کے مسلمانوں میں دینی شعور کا فقدان ہے وہاں عاشور خانے زیادہ ہیں جس رات زلزلہ آیا تھا اسی دن مسلمانوں نے گیارہویں شریف کے بکرے ذبح کئے تھے اور ہندوؤں نے گنپتی کا تہوار منایا تھا۔ اس بات پر سنجیدگی سے غور کیا گیا کہ ان علاقوں کے مسلمانوں کو بدعات اور شرک کی گمراہیوں سے بچایا جائے اور اس وقت جب کہ عذاب الٰہی نے انہیں آگھیرا ہے دین کی صحیح تعلیمات کی طرف راغب کیا جائے۔ اور وہاں عربی تعلیم کا بندوبست کیا جائے تاکہ نئی نسل دین کا تابندہ شعور لے کر اٹھے۔ اس مقصد کے لئے میٹنگ میں طے پایا کہ ایک وفد وہاں جاکر وہاں حالات کا تفصیلی جائزہ لے اور باقاعدہ ہر بستی کا سروے کیا جائے کہ وہاں عربی تعلیم شروع کرنے کے لئے کیا امکانات ہیں اور خود علاقے کے مسلمانوں کا اس بارے میں رد عمل معلوم کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے مولانا طاہر بیگ مولانا یار محمد سلفی اور جناب ابوخالد انجینئر پر مشتمل وفد کی تشکیل کی گئی۔ زلزلہ زدہ علاقے میں ریلیف کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ بیشتر حاضرین کا کہنا یہ تھا کہ وہاں سرکاری طور پر اس قدر ریلیف فراہم کی گئی ہے کہ اب مزید امداد کی ضرورت نہیں ہے اور جو رقم ریلیف کے لئے دی جاتی ہے اسے کسی مفید اور بہتر مصرف میں استعمال کیا جانا چاہئے یعنی مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کے اخراجات کی کفالت وغیرہ وغیرہ۔ میٹنگ ختم ہونے کے بعد ہم لوگ شولاپور کی اہلحدیث مساجد دیکھنے کے لئے گئے۔ یہ مساجد بیشتر قدیم طرز تعمیر کی ہیں چوڑے چوکور ستونوں اور نیچی محرابوں سے ان کی قدامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سب سادہ انداز کی ہیں آرائش و نقش و نگار سے عاری لیکن نفاست اور سادگی و پاکیزگی کا نمونہ مسجد اہلحدیث صدر بازار کی تعمیر نو کا پروگرام ہے اس کے آس پاس وسیع و عریض قطعہ اراضی موجود ہے جس پر فی الحال عارضی دکانیں بنی ہوئی ہیں عقب اور بغل میں بھی بہت سی زمین موجود ہے جو مسجد کی ملکیت ہے اگر بہتر منصوبہ بندی سے تعمیر کا کام کیا جائے تو مسجد کی توسیع اور تعمیر نو کے ساتھ اس میں اسکول، دینی مدرسہ، لائبریری دار المطالعہ اور ڈسپنسری بآسانی بنائے جاسکتے ہیں۔ مسجد کے متصل ہی ایک ہال میں اسکول چلایا جارہا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ جگہ پہلے [illegible] تھی لیکن اس کے مالک کو اللہ نے ہدایت دی وہ اہل

حدیث ہوگئے اور یہ جگہ دینی تعلیم کے لئے دے دی۔ متعدد دیگر مساجد بھی ہیں جن میں تعمیر و توسیع کا کام ہو چکا ہے یا ابھی اور ہونا باقی ہے۔

شولاپور خاصا پرامن شہر ہے مہاراشٹر کا علاقہ ہونے کے باوجود وہاں شیوسینا کی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ بی جے پی کی ترکتاز کا میدان وسطی و شمالی ہند ہے جنوب اور شمال جنوب میں اس کے قدم پہنچ تو گئے ہیں لیکن وہاں اتر پردیش مدھیہ پردیش اور گجرات جیسی گندی ذہنیت کو فروغ نہیں ہو سکا ہے اور یہ ان علاقوں کے باشندوں کی خوش نصیبی ہے کہ بڑی حد تک تعصب' فسادات' غارت گری اور خون فشانیوں کے ماحول سے مامون ہیں خدا کرے کہ یہ سب علاقے ان لعنتوں سے پاک رہیں تاکہ سب لوگ بلا تفریق مذہب و نسل پُر سکون اور خوشگوار زندگی گزار سکیں۔ شولا پور حیدر آباد سے زیادہ دوری پر نہیں ہے۔ ۴۸ء کے واقعات کا اثر وہاں بھی ہوا مسلمان اس دور میں اجڑ گئے تھے پولس ایکشن کے اثرات بھی تھے لیکن اس کے بعد مسلمانوں نے اپنے قدم مضبوطی سے جمالئے ہیں اور وہ شہر کی کاروباری سماجی' تعلیمی اور سیاسی زندگی میں مثبت انداز سے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں وہاں دہلی اور یوپی جیسی جذبات فروش سیاست بھی نہیں ہے بہت بڑا شہر نہیں ہے اس لئے کوئی "قائد اعظم" وہاں کے چکر نہیں لگاتا لہٰذا شولاپور کے مسلمان حتی سیاست کی تباہ کاریوں سے بھی نسبتاً محفوظ ہیں۔ ہمارے لئے سب سے پر کشش بات وہاں جماعت میں بیداری حرکت اور عمل اور سلفی نوجوانوں میں بے پناہ جماعتی حمیت رہی۔ وہاں سلفیت کی تاریخ بہت پرانی نہیں ہے حضرت مولانا عبد اللہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں مسلک کتاب و سنت کی آبیاری کی۔ ان کے شاگرد رشید مولانا اسماعیل صاحب اب بھی قلعہ والی مسجد میں امام ہیں بہت بزرگ اور نحیف ہیں ان کی ذات گرامی سلفیان شولاپور کے لئے باعث افتخار ہے۔

سلفیان شولاپور

ہر ایک رخ پہ دمکتا ہوا یقیں کا نور
نگاہ دل کو میسر ہوا نشاط و سرور
خوشا بصیرت واحساس کی فراوانی
خدا کی دین ہے یہ دولت نگاہ و شعور
جواں لہو میں حرارت ہمت ہے مسلک کی
خدا [illegible] کہ [illegible] ہو [illegible]
فغاں ' تغافل ارباب کار کے باعث
بنی حقیقت روشن حقیقت مستور
جہاں میں فرصت یک روز بھی غنیمت ہے
یہی ہے درس کتاب کلاری ولاتور
بہار گلشن ہستی کا کیا بھروسہ ہے
نہیں حقیقت دنیا بجز متاع غرور
پیام حق کا علم لے کے چار سو جاؤ
نہیں ہیں پرچم حق کے لئے حدود و ثغور
مثال شعلہ بڑھو سوئے خرمن باطل
قدم کو تیز کرو سلفیان شولا پور

(جاری)

اصحاب قلم سے گزارش

محدث عصر علامہ عبید اللہ رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ کی وفات عالم اسلام کے لئے بالعموم اور برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں کتاب و سنت کے شیدائیوں کے لئے بالخصوص ایک زبردست حادثہ ہے۔

آپ کی وفات سے مسند افتاء سونی اور بساط بزم حدیث خالی ہوگئی ہے۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ آپ کی شخصیت کے سارے پہلو نئی نسل کے سامنے آئیں تاکہ وہ ان سے رہنمائی حاصل کر سکے۔

اس مقصد کے لئے ادارہ التوعیہ عنقریب آپ کی حیات و خدمات پر مشتمل "التوعیہ" کا ایک خاص نمبر شائع کرنے جا رہا ہے۔ ہم اہل علم' اصحاب قلم اور شعراء حضرات سے بالخصوص علامہ مبارک پوری رحمہ اللہ کے تلامذہ' مستفیدین و متوسلین اور جملہ عقیدت مندان سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اس خاص نمبر کے لئے اپنے جامع اور گراں قدر مقالات اور اپنی معیاری شعری تخلیقات سے ہمیں ضرور نوازیں تاکہ یہ خاص نمبر اس عظیم المرتبت ہستی کی سوانح حیات علمی کارناموں اور جماعتی و ملی خدمات پر ایک مستند دستاویز بن سکے۔

مدیر التوعیہ

۱۱۶ر سی۔ جوگابائی نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
فون : ۶۸۳۲۴۳۰ — فاکس : ۶۸۳۹۵۳۸

محمد خلیل

علی بن عباس

موجودہ دور میں سائنس اپنی ترقی کی بلندیوں پر ہے اور ان ساری ترقی کا مرکز مغرب ہے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اس کی بنیادیں شرق میں ہی پڑیں لیکن مغرب کا بھی اس میں حصہ ہے کہ انہوں نے سائنسی علوم کو دوسروں سے حاصل کر کے اس بلندی تک پہنچایا۔ ان میں جن مسلمان سائنس دانوں نے یہ بنیادیں رکھیں مثلاً بو علی سینا، البیرونی، رازی، الخوارزمی اس سلسلے کے کچھ نام ہیں۔ لیکن ان بہت سے سائنسدانوں میں ایک سائنسداں علی بن عباس تھے جن سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔

دسویں صدی عیسوی میں بغداد کی مرکزی حکومت کے کمزور ہو جانے کے بعد اسلامی دنیا میں کئی آزاد سلطنتیں ابھر آئی تھیں ان میں بویہ سلطنت سب سے زیادہ اہمیت کی حامل رہی ہے اس دور میں سائنسی پھیلاؤ اور ترقی کے لئے بہت سے کام کئے گئے۔ حکومت کے توجہ دینے سے نتیجہ یہ ہوا کہ سائنسدانوں کی ایک بڑی تعداد بویہ دربار سے منسلک ہو گئی حکومت کا سب سے قابل بادشاہ عضد الدولہ نے جن مسلمان سائنسدانوں کو اپنی سربراہی میں رکھا ان میں ایک سائنس داں کا نام مجوسی، تھا جنہیں ہم علی بن عباس مجوسی کے نام سے جانتے ہیں وہ ایک نہایت قابل طبیب تھے۔ اور "ابن مجوسی" کے نام سے مشہور ہوئے۔ مجوسی نے تعلیم ایک ایرانی پروفیسر ابو ماہر موسیٰ بن سیار سے حاصل کی اور اپنے ذاتی شوق سے بھی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا۔ وہ ایران کے جنوب مشرقی علاقے کے قدیم شہر جندے شاہ پور کے قریب واقع اہواز میں پیدا ہوئے تھے۔ جندے شاہ پور کا مدرسہ طبیہ اس دور میں بڑی اہمیت کا حامل ادارہ تھا۔ مجوسی نے زیادہ کتابیں نہیں لکھیں۔ "الملکی" ایک واحد کتاب ہے جو ان کے نام سے منسوب ہے لیکن اس واحد کتاب کو اس دور میں اہمیت دی گئی اور شہرت ملی۔

ایک اور قلمی نسخے کا بھی ذکر ملتا ہے جس کو براکلمن نے مجوسی کے نام سے منسوب کیا۔ مجوسی کی کتاب "الملکی" کا اصل نام "کامل الصناعۃ" تھا لیکن اس کتاب کا انتساب عضد الدولہ نے لکھا تھا جو ملک کہلاتا تھا اس طرح اس کتاب کا نام "الملکی" پڑ گیا۔ مجوسی کی تخلیق "الملکی" صحیح معنوں میں ایک گراں قدر طبی خزانے کی حیثیت رکھتی ہے یہی وجہ تھی کہ اس دور میں لکھی گئی کتابوں میں اس کتاب کو بڑی شہرت ملی۔ اور اس کا مطالعہ لوگ بڑی گہرائی کے ساتھ کرتے تھے۔ لیکن بو علی سینا کی "قانون" نامی کتاب نے اس کتاب سے لوگوں کا لگاؤ کم کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کی نظریں "الملکی" سے ہٹ گئیں۔ اس کتاب میں مجوسی نے طب کے مختلف میدانوں پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

کتاب "الملکی" کا لاطینی ترجمہ مشہور فلسفی اسٹیفن نے کیا تھا۔ جو ۱۵۲۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کی عربی میں دو جلدیں ۱۸۷۷ء میں مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں شائع ہوئیں۔ الملکی دو جلدوں کی کتاب ہے اسے ضخیم کتابوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس میں بڑے ناپ کے بارہ سو صفحات موجود ہیں اس کا عربی متن تقریباً چار لاکھ الفاظ پر مشتمل ہے اور بیس مقالات ہیں ہر مقالے کو متعدد ابواب میں بانٹا گیا ہے۔ مثلاً پہلے مقالے کو لیجئے یہ طب کے جز نظری کے بارے میں ہے اور آخر کے دس عملی پہلوؤں کے بارے میں روشنی ڈالتے ہیں۔ "الملکی" کا تعارفی حصہ جو پہلے مقالے کے تین ابواب میں بیان کیا گیا ہے۔ نہایت دلچسپ انداز میں ہے۔ اس حصے میں مجوسی نے قدیم طبیبوں پر تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ یونانی طبیبوں میں بقراط، جالینوس، اور ربولیس پر یہاں خاص طور سے بحث کی گئی ہے۔ مجوسی کی رائے میں بقراط کی تحریریں نہایت

مختصر ہیں اور کہیں کہیں مبہم ہو جاتی ہیں۔ جالینوس کے یہاں الفاظ کی بہتات ہے بیاسیوس اور ریولیس کے بارے میں اس کی رائے میں انہوں نے علم تشریح، علم جراحت، طبیعیات، امراض اور علم اسباب امراض اختلاط کے مسائل نظرانداز کردیئے ہیں یا پھر ان پر جامع بحث نہیں کی۔ مجوسی نے شامی اور مسلمان سائنسدانوں میں اہرون، یوحنا اور رازی پر بھی تنقید کی ہے۔ زکریا رازی کی کتاب "حاوی" کے متعلق مجوسی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب قیمتی اور ضخیم ہے اس لئے اس کا عام لوگوں کے لئے مطالعہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس رائے کے بعد مجوسی نے اپنی کتاب "الملکی" کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ میں اعتدال کی راہ پر چلوں گا یعنی غیر ضروری طوالت سے کام لوں گا نہ بیجا اختصار سے اور اس پر مجوسی نے پوری طرح عمل کیا۔ مجوسی نے اپنے دور میں شائع ہونے والی کتابوں میں "اہرون" کو ملک کتاب قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں بھی ایک شکایت یہ درج کی ہے کہ عربی ترجمہ کی زبان خراب اور غیر واضح ہے۔

ابن مراقیون کے بارے میں مجوسی کی رائے یہ ہے کہ اس کی تالیفات میں ترتیب۔ بے ربط اور غلط ہے مجوسی نے تنقید کرتے ہوئے یہ ذکر کیا ہے کہ مراقیون نے بہت سے امراض کو نظرانداز کردیا ہے اور اس کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ علم جراحت پر کوئی بحث نہیں کی ہے۔

"الملکی" کا دوسرا اور تیسرا مقالہ علم تشریح (اناٹمی) کے بارے میں ہے۔ جس کو ڈاکٹر پی ڈی کینگ نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرکے اصل متن کے ساتھ لیڈن سے ۱۹۰۳ء میں شائع کیا۔ اس میں انسانی جسم کے ساری اندرونی اعضاء کی بناوٹ اور کام کرنے سے متعلق بتایا گیا ہے۔ اس کے بعد دوسرے کئی باب میں مختلف امراض کا ذکر ملتا ہے۔

مجوسی اپنی کتاب میں جب کسی بیماری کا ذکر کرتے ہیں تو پہلے اس مرض کی تعریف پھر اس کے اسباب کا جائزہ لیتے ہیں اس کے بعد اس کی خاص علامات کا ذکر موجود ہے۔ پھر مرض کی آئندہ حالت کے بارے میں ذکر ملتا ہے اور پھر آخر میں اس مرض کا علاج مجوسی نے تجویز کیا ہے۔

"المجوسی" کی کتاب "الملکی" کا انیسواں مقالہ علم جراحت کے بارے میں ہے اور اس کے ایک سو دس ابواب ہیں۔ اس کے علاوہ مجوسی نے بچے کے رحم مادر میں اسکی نشوونما اور تولید کے طریقوں پر بڑی تفصیل سے تبصرہ پیش کیا ہے۔ مجوسی کا خیال ہے کہ ولادت کے وقت بچہ ماں کے پیٹ سے خود سے باہر نہیں آتا بلکہ رحم کے عضلات کے سکڑنے کی وجہ سے بچہ پیٹ سے باہر آتا ہے۔ مجوسی نے نظام عروق شعریہ کا بھی ایک ہلکا سا خاکہ پیش کیا ہے جو بعد میں حکیموں کے لئے بے حد مددگار ثابت ہوا۔

اپنی کتاب کے آخیر میں مجوسی نے اسپتالوں میں باقاعدہ حاضری کے متعلق اپنی رائے دی ہے۔ جو اس طریقہ تعلیم پر روشنی ڈالتی ہے۔ جو آج کے طبی اداروں میں رائج ہے۔ یعنی پہلے "تھیوری" پڑھانا اور اس کے بعد پروفیسوں کے ساتھ اسپتالوں میں پہنچ کر امراض کا مطالعہ بہتر ہے۔ اس دور میں مجوسی کے ہی الفاظ میں اس کا ذکر قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

"ان امور میں جو اس فن کے طلباء کے لئے لازمی ہیں ایک امر یہ ہے کہ وہ برابر اسپتالوں میں حاضری دیں اور قابل ترین اساتذہ (یعنی پروفیسوں) کی معیت میں ان بیماریوں کے حالات اور کوائف پر توجہ اور غور کریں۔ مریضوں سے اکثر حالات اور عوارض معلوم کرتے رہیں جو ان میں ظاہر ہوں اور اپنے دماغ میں ان معلومات کو جمع رکھیں۔ جو انہوں نے ان تغیرات کے بارے میں اپنی کتابوں میں پڑھے ہیں"

اس طرح "الملکی" ہر طرح سے ایک مکمل کتاب تھی۔ اس کتاب کا ترجمہ یورپی زبانوں میں بھی ہوا اور مغربی سائنسداں بھی اس کتاب سے مستفیض ہوئے۔ المجوسی علی بن عباس جو یورپ میں "ہیلی عباس" کے نام سے مشہور ہوئے اپنے دور کے سب سے زیادہ قابل اور ذہین ترین طبیب تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں تحریری صلاحیت سے بھی نوازا تھا۔ مختصر طور پر یہ کہنا بجا ہوگا کہ اسلامی دور کی پوری سائنسی تاریخ کو اگر ہم سامنے رکھیں تو علی بن عباس مجوسی ان میں بہت نمایاں طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں یہ ان کی گراں قدر خدمات کا ہی نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر عاشق حسین ازہری
عابدین قاہرہ شارع جمہوریہ

مولانا عبدالنور ندویؒ

ازہر شریف ایک عظیم اور شہرہ آفاق اسلامی دانش گاہ ہے۔ یہ ۳۶۱ھ مطابق ۹۷۱ء میں فاطمی خلیفہ معزالدین اللہ کے سپہ سالار جوہر الصقلی کے ہاتھوں اپنے قیام کے بعد کوئی ایک ہزار برس سے دنیائے عرب و اسلام میں علم و ایمان کا مرکز بنی ہوئی ہے، علم و معرفت کے اس سر چشمہ سے فیضیاب ہو کر علمائے کرام دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کی نشر و شاعت کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ انقلاب جولائی ۱۹۵۲ء کے بعد نہ صرف یہ کہ اس علمی ادارے کے نظام تعلیم کو یورپی اور امریکی دانش گاہوں کے انداز پر از سر نو استوار کیا گیا بلکہ سائنس، طب اور انجینئرنگ جیسے جدید علوم بھی اس میں داخل کئے گئے جہاں تک اسلامی علوم کا تعلق ہے تو ان کی نشر و اشاعت اور تدریس کے لئے ہمارے یہاں بھی ایسے سیکڑوں ہزاروں ادارے موجود ہیں جو ایک طویل عرصے سے اس میدان میں سرگرم عمل ہیں، اور غیر معمولی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، لیکن ازہر شریف کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس میں زیر تعلیم غیر ملکی طلبہ کی عربی زبان کو جہاں استحکام حاصل ہوتا ہے، وہیں انہیں یورپی و امریکی جامعات میں رائج نظام تعلیم کے مطابق نئے انداز میں ریسرچ و تحقیق کا موقع بھی ملتا ہے، غالباً اسی چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے مولانا عبدالنور صاحب ۱۹۵۷ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء سے عرب جمہوریہ مصر تشریف لائے اور جامعۃ الازہر کے زبان عربی کالج (کلیۃ اللغۃ العربیہ) کے شعبۂ ادب ونقد میں داخلہ لیا، ماجستیر (ایم فل) کے دونوں تمہیدی تعلیمی سال بحسن وخوبی مکمل کیے، اس کے بعد ماجستیر کے رسالہ (تھیسز) کیلئے، اپنے کالج میں "الذوق الأدبی حقیقتہ ووسائل تربیتہ ودورہ فی النقد" کے نام سے موضوع درج کرایا، جو اپنی نوعیت کا ایک نیا اور اچھوتا موضوع تھا، اس لئے انہیں اس موضوع پر تھیسز تیار کرنے کے لئے کوئی چار پانچ برس تک برابر کام کرنا پڑا، اور اچھی خاصی محنت صرف کرنی پڑی۔ مولانا کا تعلیمی اسلوب محققانہ اور اسکالروں جیسا تھا کالج بند ہونے کے اوقات میں وہ وہاں ہوتے، علاوہ ازیں تفریح کے اوقات میں بھی ازہر کے اطراف اور ازبکیہ میں لگے بک اسٹالوں پر ان کی نظر ہوتی کوئی بھی ایسی کتاب یا رسالہ جس کا ان کے موضوع سے قریب یا بعید کا تعلق ہوتا، خرید کر بنظر غائر اسکا مطالعہ کرتے۔ اس طرح موضوع سے متعلق حاصل شدہ علمی مادوں کو اپنے رسالے میں استعمال کرتے، مولانا کا یہ معمول تھا کہ وہ تحقیق کاروں اور اسکالروں کی طرح اپنے موضوع پر ہمہ وقت غور کیا کرتے، جب بھی ان کے ذہن میں کوئی ایسا فکر یا تصور آتا جس کا تعلق ان کے ٹاپک سے ہوتا اسکو فوراً نوٹ کر لیا کرتے، ایک طرف یہ تمام کوششیں تھیں او دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا غیر معمولی ذہن، دار العلوم ندوۃ العلماء میں درس و تدریس کے فرائض کی انجام دہی کے نتیجے میں علمی پختگی، اور عرب جمہوریہ مصر میں طویل قیام کی وجہ سے عربی زبان پر کمل قدرت یہ تمام امور ایک ایسے بے نظیر رسالے کی تیاری میں معاون بنے، جس کے بارے میں، رسالہ پر مناقشہ کے دوران کمیٹی کے ایک رکن ڈاکٹر سعدی فرہود نے جو ان دنوں ازہر شریف کے معاون وائس چانسلر تھے مولانا کی علمی صلاحیت کی ستائش کرتے ہوئے کہا ہے کہ "یہ رسالہ محتاج مناقشہ نہیں ہے، ہم تو صرف، قانونی کاروائی پوری کر رہے ہیں" میں سمجھتا ہوں کہ مولانا ازہر کی تاریخ میں وہ واحد غیر عرب طالب علم تھے جس کے بارے میں ڈاکٹر فرہود جیسے جلیل القدر عالم نے جو آج مصر کی معدودے چند علمی شخصیات میں شمار کئے جاتے ہیں یہ بات کہی ہو، مولانا کی غیر معمولی علمی صلاحیت سے ازہر کے طلبہ بھی بے حد متاثر تھے، حتی کہ ایک انتہائی متعصب طالب علم جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ علمی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر، کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا، اسکو بار بار یہ کہتے سنا گیا کہ برصغیر کے طلبہ میں اگر کوئی عالم بننے اور کہلانے کا حقدار ہے تو وہ مولانا عبدالنور صاحب ہیں۔ مولانا نے اپنے قیام میں قاہرہ کے آخری ایام میں کوئی عرصہ چھ ماہ ریڈیو قاہرہ کے شعبۂ اردو میں

ں لیکچرر اور اناؤنسر کی حیثیت سے کام کیا' جہاں انہیں ان کی علمی
ت کی بنا پر احترام اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ کیونکہ مولانا
ردو زبان اور ترجمے پر بھی خاصا عبور تھا' ان کے نوک قلم سے نکلے
ے ترجمے آج بھی شعبۂ اردو کی فائلوں میں محفوظ ہیں اور اپنے راقم
یاقت اور صلاحیت کا ثبوت پیش کر رہے ہیں اسی طرح مولانا کے
ں قلم سے نکلا ہوا' حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی عربی کتاب
بوۃ والانبیاء فی ضوء القرآن الکریم "کا اردو ترجمہ بھی ہماری نظروں سے
زرا ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔

قاہرہ میں اپنے قیام کے دوران مولانا عبدالنور صاحب
اف کی روش پر مضبوطی سے قائم رہے' مصری مغرب زدہ تہذیب
روایات ان کے افعال و کردار پر اثر انداز نہیں ہوئیں' مولانا مرحوم
ماٰی اور علمی ہر اعتبار سے تنگ ذہنی اور تعصب سے کوسوں دور رہے'
ی وجہ ہے کہ انہوں نے ہر مکتب فکر کی تصنیفات کو زیر مطالعہ رکھا'
ر بغیر کسی نفرت کے ہر ایک سے راہ و رسم رکھی' آپ نے بڑی نرم اور
مداز طبیعت پائی تھی' مریضوں کی مزاج پرسی اور مشکلات اور الجھنوں
ے شکار افراد کی دلجوئی آپ کا اصول تھا' مولانا بڑے ملنسار اور خوش
لاق انسان تھے' لوگوں کے ساتھ تکلفات کی دیوار بہت جلد ختم کر دیا
رتے' لیکن شائستگی اور حفظ مراتب کا ہمیشہ خیال رکھتے' طنز و مزاح سے
پور مزاج پایا تھا' جس کے باعث آپ محفلوں کے روح رواں ہوتے'
بی اخبارات کا مطالعہ اور ریڈیو سے عربی پروگرامس سننا' آپ کے
معمول میں شامل تھا' بی بی سی کے عربی پروگرام روزانہ پابندی سے سنا
رتے' اسی طرح مصر کے معروف شاعر و ناقد' اور عمید عربی ڈاکٹر
سین کے شاگرد رشید فاروق شوشہ کا پروگرام لغتنا الجمیلۃ (ہماری حسین
ن) جو ریڈیو قاہرہ کے البرنامج العام (جنرل پروگرام) سے روزانہ شب
ے دس بجے نشر ہوتا' اس کو سننے کا اہتمام کرتے سیاسی و ثقافتی امور سے
ی دلچسپی رکھتے' سیاسی مسائل کی صحیح فہم' اور مقامی و عالمی' یا یوں کہیے
۔ ملکی اور غیر ملکی سیاسی حالات میں اتار چڑھاؤ کی گہری سوجھ بوجھ کے
ستے' ہر مسئلہ کا تنقیدی نگاہ سے جائزہ لیتے' اور بہت سوچ سمجھ کر
ں رائے کا اظہار کرتے جس کی وجہ سے ان کے اکثر خیالات درست
ثابت ہوتے۔ مولانا کی اکثر محفلیں علمی ہوا کرتیں' آپ کی ایک خوبی یہ
[illegible]

ہوتا' آپ انہیں حاصل کر کے ان کا گہرا مطالعہ کرتے' اور اپنی محفلوں
میں سیاسی موضوعات کے ساتھ ان کتابوں کو بھی موضوع سخن بناتے۔
"دارالعلوم ندوۃ العلماء" اور اس کی شخصیات سے آپ کو
گہرا لگاؤ تھا' اس کا اندازہ نجی محفلوں میں آپ کی گفتگو سے ہوتا' ندوہ کی
ایک اہم شخصیت مولانا محمد الحسنی کی وفات سے آپ کافی متاثر ہوئے
مولانا عبدالنور صاحب اور ان کے ساتھی مولانا نذر الحفیظ صاحب نے اس
موقع پر ازہر کے ہاسٹل " مدینۃ البعوث " میں تعزیتی جلسے کا اہتمام کیا'
جس میں جہاں دیگر احباب نے اس سانحے پر حزن و ملال اور رنج و غم
کا اظہار کیا وہیں ازہر کے ایک ہونہار فرزند ڈاکٹر حبیب اللہ ندوی نے
مرحوم کی زندگی اور ان کے کارہائے نمایاں پر روشنی ڈالی' اسی طرح
مصری معاشرے کی موثر علمی اور اسلامی شخصیتوں کے ساتھ آپ کے
تعلقات میں ندوے کو محوری حیثیت حاصل ہوتی۔ مولانا کی وفات کا
قاہرہ میں مقیم آپ کے ان ساتھیوں پر بڑا اثر ہوا جن سے آپ کا
گہرا تعلق تھا آپ کی وفات ہم سب کے لئے ایک روح فرسا سانحہ ہے
جس نے ہم سے ایک مخلص دوست اور علم پسند شخصیت کو جدا کر دیا'
آپ کی وفات عربی اور اسلامی دانشگاہوں کے لئے ایک بڑا خسارہ ہے'
اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ آپ کو' اپنے جوار رحمت میں جگہ
عطا فرمائے' اور آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین۔

بقیہ: خبرنامہ

بہت سی سرکاری عمارتوں کو جن میں اسکول بھی شامل ہیں نقصان پہنچایا
گیا' جالنہ اور پربھنی اضلاع میں ریلوے اسٹیشنوں اور سلیپرس کو خاکستر
کر دیا گیا' پرتشدد احتجاج کا یہ سلسلہ ۲۱ جنوری کو مہاراشٹر بند پر جا کر
ختم ہوا

چاند دیکھ کر صوم رکھو
اور
چاند دیکھ کر عید کرو
(بخاری و مسلم)

مجازؔ اعظمی

شیخ عرب و عجم کی رحلت

کیوں ہیں نجم و قمر اداس اداس خاور دیدہ ور اداس اداس
غنچہ و گل ستم رسیدۂ شب صبح دم چشم تر اداس اداس
صف بہ صف سرو اک جنازہ نما سبزہ زار و شجر اداس اداس
سطحِ دریا پہ ایک سناٹا اندروں ہر گہر اداس اداس
ہر نظر میں یہی سوال نہاں کیوں ہیں یہ بام و در اداس اداس

کل تھا ماحول کیا، اور اب کیا ہے؟
اس تغیر کا بھی سبب کیا ہے؟

ناگہاں دل میں آئی یہ آواز کائناتِ بسیط ہے اک ساز
مردِ مومن کا ایک ایک نفس سینۂ کائنات کا ہے راز
نقش ہوتا ہے لوحِ امکاں پر مردِ مومن کا حالِ سوز و گداز
اور وہ نقش بولتا ہے سدا گرچہ ہوتا ہے سازِ بے آواز
شیخِ عرب و عجم کی رحلت ہے کیوں نہ ہو کائنات نوحہ طراز

اس کی یہ منزلت شناسی ہے
اس لیے ہر طرف اداسی ہے

وہ امینِ علومِ قرآنی نکتہ دانِ حدیثِ لاثانی
ایسا اندازِ درس ہوں جیسے مسند آرا، امامِ حرّانی
حفظِ سنت میں بیہقیِ زماں شرح میں عسقلانیِ ثانی
یوں فتاویٰ میں جودتِ تنقیح دودھ سے جس طرح جدا پانی
اس کی لوحِ جبیں پہ دیکھا ہے ہم نے نورِ جمالِ فارانی

آؤ! ہم اکتسابِ نور کریں
اپنے ذرّوں کو رشکِ طور کریں

گوکہ ادراک تند و تیز رہا شہرتوں سے اسے گریز رہا
وقت کی بے عمل سیادت پر غمزدہ اور اشک ریز رہا
تھا بہت صلح جو، مگر تا عمر نفس سے محوِ رستخیز رہا
رہی نفرت زمانہ سازی سے زندگی بھر زماں ستیز رہا
کنج میں نافۂ ختن کی طرح شرق تا غرب مشک بیز رہا

اے خدا اس کو شاداں کر دے
شیخ کو خُلد آشیاں کر دے

تعارف و تبصرہ

نام کتاب: کیا اقلیم ہند میں اشاعت اسلام صوفیا کی مرہونِ منت ہے۔
مولف : ممتازی عزیر
ضخامت: صفحات ۱۹۸
ناشر : ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس

کتاب میں بعض مورخین کی اس رائے کو چیلنج کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ صوفیا کے ذریعہ ہوئی۔ مولف نے خاصے مناظرانہ انداز میں مورخین کے دعوؤں کا رد کیا ہے۔ محمود غزنوی کے بارے میں پروفیسر خلیق احمد نظامی اور یوسف حسین کی رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے مولف نے لکھا ہے"

"اس قسم کی تمام باتیں قطعی بے بنیاد، صریح تعصب پر مبنی لغو اور محتاج دلیل ہیں" (ص ۶۱)

پھر فرماتے ہیں

"اس بات پر مصر رہنا کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کا سہرا صوفیا کے سر ہے محض اندھی عقیدت اور تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی احمقانہ کوشش کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے (ص ۸۷)

ظاہر ہے اس قسم کا اسلوب نگارش ایک تاریخی اور تحقیقی موضوع کے لئے قطعی غیر مناسب بلکہ غیر سنجیدہ ہے۔ بدقسمتی سے مؤلف نے ان مورخین پر تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کا جو الزام عاید کیا ہے وہ خود بھی اس کے مرتکب ہوئے ہیں۔ انہوں نے صوفیا کی خدمات کا قطعی انکار کیا ہے

"اقلیم ہند میں اشاعت اسلام کا سہرا فقط محدثین اور علمائے حق کے سر ہے صوفیا کا اس میں قطعی کوئی حصہ نہیں" (ص ۱۸۵)

اول تو "فقط" کے اضافہ اور قطعی کے ساتھ انکار کا انداز ہی مولف کے انتہا پسندانہ موقف کو ظاہر کرتا ہے دوسرے اس دعا کے لئے انہوں نے محدثین وعلماء کی تبلیغی خدمات کا کوئی تاریخی ثبوت پیش نہیں کیا ہے صرف علماء ومحدثین کی تصنیفات وتالیفات کی گنتی کرا دی ہے یہ کہیں نہیں بتایا کہ فلاں عالم یا محدث کی تبلیغی مساعی سے اتنے غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔ صوفیا کی تبلیغی کوششوں کے اعتراف پر مجبور ہوئے تو بھی اس عذر کے ساتھ

"صوفیہ کے ذریعہ غیر مسلموں کے اسلام قبول کرنے کی ان حکایات کی صحت کو تسلیم کرنے کے باوجود اس سلسلے میں ان کی کسی عملی کوشش اور جدوجہد کے شواہد موجود نہ ہونے کے باعث شیخ محمد اکرام وغیرہ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہوئے (ص ۸۵)

اس انداز بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولف کے ذہن میں الجھاؤ ہے کہیں وہ کہتے ہیں کہ صوفیا کا اس میں قطعی کوئی حصہ نہیں، کہیں فرماتے ہیں کہ صوفیا کے ذریعہ غیر مسلموں کے اسلام قبول کرنے کی حکایات کی صحت کو تسلیم کرنے کے باوجود اب ان متضاد باتوں سے مولف کی تحقیق اور تاریخ دانی کی بابت کیا رائے قائم کی جائے ایک سوال یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں اسلام علماء اور محدثین کے ذریعہ پھیلا اور صوفیا کا اس میں قطعی کوئی ہاتھ نہیں ہے تو شمالی ہند کے مسلمان خانقاہی اسلام کے گرویدہ کیسے ہو گئے علماء اور محدثین نے انہیں صحیح اسلام سے روشناس کیوں نہیں کرایا، جنوبی ہند میں عرب مسلمانوں کی تبلیغی کوششوں کے بارے میں مولف کا یہ خیال ہے کہ "چونکہ ہندوستان کے ان علاقوں میں عرب مسلمانوں کی آمد بغرض جہاد نہ تھی اس لئے یہاں آنے والے بزرگوں کی تبلیغ و اشاعت اسلام کی رفتار سست رہی ہے (ص ۵۹)

یا تو مولف کو جنوبی ہند کی تاریخ کا علم نہیں ہے یا وہ تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی "احمقانہ کوشش" کر رہے ہیں جنوبی ہند میں کسی غزنوی یا غوری نے یلغار نہیں کی۔ وہاں عرب تاجروں کے ذریعہ اسلام ،

پھیلا اور ایسا پھیلا کہ آج ہندوستان میں مسلم اکثریت کے بیشتر علاقے جنوبی ہند میں ہیں۔ وہاں مسلمان خوشحال بھی ہیں اور باافتخار بھی۔ اس کے مقابلے میں شمال میں عجمی اسلام درۂ خیبر کے راستے بادشاہوں کے لشکر اور صوفیا کے ساتھ آیا۔ محمود غزنوی نے دولت حاصل کرنے کے لئے سومنات پر حملہ کیا پھر مندر اور بت توڑ کر "غازی" بھی بن گئے یہ عجمی اسلام کا نمونہ تھا۔ اسلام کی بچی تعلیم کا درس امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیا انہوں نے بطریق کی درخواست کے باوجود بیت المقدس کے کلیسا میں نماز ادا نہیں کی مبادا کل مسلمان یہ دعویٰ کریں کہ یہاں ہمارے امیر نے نماز ادا کی تھی لہٰذا اہم چرچ کو مسجد بنائیں گے۔ غزنوی اور غوری کے حملوں کو جہاد کہنا بھی درست نہیں ہے یہ کشور کشاؤں کی یلغار تھی۔ جہاد کے ضابطوں میں عبادت گاہوں کو نقصان نہ پہنچانا ان جگہوں پر مقیم عبادت گزاروں اور پناہ گزینوں سے تعرض نہ کرنا، بوڑھوں بچوں عورتوں کو قتل نہ کرنا کھیتوں کو تباہ نہ کرنا جیسے پاکیزہ اصول شامل ہیں کیا ان شہریاروں نے ان کی پابندی کی؟ سومنات مندر کے بارے میں مولف فرماتے ہیں

"یہ وہی تاریخی مندر ہے جسے محمود غزنوی کے سترھویں حملے کے بعد ہندوستان کے سیاسی قائدین نے آزادی ہند کے فوراً بعد ہندو رعایا کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی غرض سے از سرنو تعمیر کرادیا ہے" (ص ۴۰)

کیا ایک تاریخی اور تحقیقی انداز کی سنجیدہ بحث میں اس قسم کے بچکانہ جملوں کا جواز ہو سکتا ہے۔

مولف نے مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کو بھی صوفیا کے زمرہ میں شامل کیا ہے اور صوفیا کی مردم شماری کرتے ہوئے ان نفوس قدسیہ کو حاجی وارث علی اور احمد رضا خاں بریلوی کی صف میں کھڑا کردیا ہے جب کہ اسی کتاب میں شیخ سرہندی کا جو مکتوب انہوں نے نقل کیا ہے وہ شیخ کے مسلک سنت کو ظاہر کرتا ہے۔

کلام محمد عربی علیہ و آلہ الصلوٰۃ والتسلیم درکار است نہ کلام ابن عربی۔۔۔۔۔ مارا بہ نص کار است نہ بہ فص فتوحات مدنیہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است (۱۰۶)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ شمالی ہند میں پسماندہ ہندوؤں (اچھوتوں) میں اسلام صوفیا کی خانقاہوں سے ہی پھیلا۔ ہندو طبقہ کے ٹھکرائے ہوئے انسان جنہیں راجہ کے دربار یا بھگوان کے مندر تو کجا کسی اعلیٰ ذات کے ہندو کے قریب جانے کی اجازت بھی نہ تھی صوفیا کی خانقاہوں میں انہیں محبت، ہمدردی، مساوات اور اپنائیت کا ماحول ملا۔ وہاں انہیں اللہ کی مخلوق اور اولاد آدم سمجھا گیا ان کے ساتھ کوئی تفریق یا امتیاز نہیں کیا گیا۔ صدیوں کے ٹھکرائے ہوئے یہ محروم و مجبور انسان مسلمان صوفیا کی اس محبت اور ہمدردی سے مسحور ہو گئے اور اسلام میں انہیں نجات کا راستہ ملا۔ صوفیا بلاشبہ تبدیلی مذہب پر اصرار نہیں کرتے تھے لیکن ان کی محبت اور ہمدردی سے تبدیلی قلب ہو جاتی تھی یہ اچھوت جب مسلمان ہو جاتے تو ان صوفیا کے برابر کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے کہاں مندر میں گھسنے اور برہمن سے آشیرواد لینے پر بھی پابندی کہاں مرشد اور شرفاء و امراء کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر عبادت کرنے کا شرف۔ یہ تھی وہ اصل وجہ جس نے ہزارہا اچھوتوں کو دائرہ اسلام میں داخل کر لیا۔ مسلمان بادشاہوں نے تبلیغ اسلام کے لئے کچھ نہیں کیا علماء اور محدثین کی بیشتر توجہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف پر تھی ظاہر ہے اس دور میں کتابوں کے ذریعہ غیر مسلموں میں اشاعت اسلام سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ شاہ اسماعیل کی تحریک نے سب سے پہلے عوام میں اصلاح عقائد کا کام کیا اور مسلمانوں کو عجمی اسلام کے بجائے عربی اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کی دعوت دی۔ وہابی تحریک کو علماء کے عوامی رابطہ کی پہلی مربوط و منظم مہم کہا جا سکتا ہے۔ خود صوفیا اور علماء کے درمیان بھی کشمکش رہتی تھی۔ اقبال نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے "کئی صدیوں سے علماء اور صوفیا کے درمیان طاقت کے لئے جنگ رہی جس میں آخر کار صوفیا غالب آئے۔ یہاں تک کہ اب برائے نام جو علماء باقی ہیں وہ بھی جب تک کسی خانوادے میں بیعت نہ لیتے ہوں ہر دل عزیز نہیں ہو سکتے یہ روش گویا علماء کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے مجدد الف ثانی عالمگیر اور شاہ اسماعیل رحمہم اللہ نے اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش کی مگر صوفیا کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا (خطوط اقبال۔ التوعیہ نومبر ۱۹۹۳)

دراصل کتاب کا موضوع غیر جذباتی اور غیر جانبدارانہ تحقیق کا متقاضی

تھا جو شاید مولف کے مزاج کو راس نہیں آتا۔ بہتر ہوتا کہ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری جیسے معتبر عالم اس عنوان پر قلم اٹھاتے لیکن انہوں نے صرف تقریظ لکھنے پر ہی اکتفا کیا حالانکہ ضرورت تھی کہ مضمون کی تہذیب و تعدیل بھی کی جاتی مولف نے اپنے ابتدائیہ میں لکھا ہے کہ یہ مضمون آج سے چودہ سال قبل جناب حکیم اجمل خاں مدیر مجلّہ اہلحدیث کی فرمائش پر لکھا گیا تھا لیکن مجلّہ کی بد نظمی کے باعث کاغذات کی تہ میں دب گیا اور شائع نہیں ہو پایا۔ مضمون کا غیر معتدل انداز بیان دیکھ کر حکیم صاحب کے مجلّہ کی بد نظمی کی "حکمت" سمجھ میں آجاتی ہے۔

۲ ۔ نام کتاب :۔ تذکرۂ واجدی (شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبد الواجد عمری رحمانی کی حیات و خدمات)

مولف :۔ مولانا ثناء اللہ عمری

ضخامت : صفحات ۱۷۴

پتہ : جامعہ دار السلام عمر آباد ضلع شمالی امیڈ کرار کاٹ تامل ناڈو

جنوبی ہند میں جماعت اہلحدیث کی کثیر آبادی ہے اور بحمد اللہ وہاں کے سلفی بے حد حساس اور فعال ہیں ان کی روزمرہ کی زندگی پر بھی سلفیت کا نمایاں اثر ہے یہ نتیجہ ہے علماء کی مسلسل اور انتھک جدوجہد کا حضرت مولانا عبد الواجد عمری رحمانی بھی جنوبی ہند کے ایک ایسے ہی جلیل القدر سلفی عالم تھے انہوں نے ساٹھ سال کے قریب درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا اور اس علاقے میں تمسک بالکتاب والسنۃ کے عقیدہ کو راسخ کیا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ عقائد میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے مسلکی اختلاف کو تنازعہ کی شکل بھی نہیں دیتے تھے وہ اپنے علاقے میں مرجع خلائق تھے لیکن شان و شوکت سے بے نیاز سادگی اور وقار کا نمونہ۔ ان کے شاگردان گرامی نے مولانا کی وفات پر اپنے تاثرات ظاہر کئے ہیں انہیں اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے اس سے آں رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات کے مختلف گوشے سامنے آتے ہیں اور ان کی عالی وقار شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے بد قسمتی سے ہمارے ہاں علماء اہلحدیث کی حیات و خدمات کے بارے میں کوئی مربوط کام نہیں ہوا ہے۔ امام خاں نوشہروی مرحوم کی کتاب کے علاوہ کوئی مواد نہیں ہے ضرورت ہے کہ ہم اپنے جلیل القدر علماء کی خدمات کو فراموش نہ کریں اور آنیوالی نسلوں کے لئے ان کی خدمات اور کارناموں کو ضبط تحریر میں لائیں۔ (ع، ق، ن)

اہم خوشخبری

ہم یہ اعلان کرتے ہوئے انتہائی مسرت محسوس کر رہے ہیں کہ ابو الکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی نے اپنے تبلیغی و دعوتی مشن کو زیادہ موثر، مفید اور نتیجہ خیز بنانے کے لئے دعوت و تبلیغ کے شعبہ میں درج ذیل علاقوں کے لئے تین نئے فضلاء کی تقرریاں کی ہیں

۱۔ مولانا فضل الرحمان سلفی : مشرقی ہند بہار، بنگال اور اڑیسہ وغیرہ ریاستوں کے لئے۔

۲۔ مولانا اشیر الدین بن نور محمد : ہریانہ، پنجاب، راجستھان، مدھیہ پردیش اور مغربی یوپی کے لئے۔

۳۔ مولانا طاہر بیگ : جنوبی ہند بہار اشٹر، کرناٹک، آندھرا پردیش اور تامل ناڈو وغیرہ ریاستوں کے لئے

مذکورہ تینوں حضرات سنٹر کے مصارف پر اس کی نگرانی میں کتاب اللہ، سنت رسول اور سلف صالح کے مسلک و منہج کے مطابق دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کے فرائض انجام دیں گے مالی تعاون کی فراہمی کا کوئی کام ان کے ذمہ نہیں ہوگا۔

اس لئے ہم مذکورہ علاقوں کے مسلمانوں سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ ان فضلاء کے مواعظ، دروس اور خطابات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص اور حسن عمل اور اپنے دین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔

سکریٹری
ابو الکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر
سہر جوگا بائی نئی دہلی ۲۵
فون : ۶۸۳۲۴۳۰
فاکس : ۶۸۳۹۵۳۸

شکیل احمد اختر حسین

خبرنامہ

افغانستان

سال نو کے آغاز سے ہی صدر برہان الدین ربانی اور ان کے حریفوں وزیر اعظم گلبدن حکمت یار اور جنرل عبد الرشید دوستم کے مابین کابل پر قبضہ کرنے کے لئے بھیانک جنگ شروع ہو گئی ہے طرفین سے شدید گولہ باری اور ایک دوسرے کے ٹھکانوں پر فضائی حملے کئے جا رہے ہیں جس میں ابتک سیکڑوں افراد لقمۂ اجل بن چکے ہیں اور دار السلطنت کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا ہے ۴۵ فوجی کمانڈر جو موجودہ جنگ میں براہ راست شریک نہیں ہیں طرفین کے درمیان صلح کے لئے کوشش کر رہے ہیں لیکن کمانڈروں کے وفد کے ایک ترجمان کے مطابق فریقین سے ان کی اس سلسلہ میں تمام ملاقاتیں بے سود ثابت ہوئی ہیں اور کسی فریق نے اپنے موقف میں لچک پیدا نہیں کی ہے۔ وزیر اعظم حکمت یار کا اصرار ہے کہ جنگ بندی سے پہلے صدر ربانی کو اپنے عہدے سے ہٹنا پڑے گا صدر ربانی نے حکمت یار کے اس مطالبہ کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ حکمت یار پہلے جنرل دوستم سے اپنا اتحاد ختم کریں اس کے بعد ہی امن کے لئے بات چیت ہو سکتی ہے۔ واضح رہے کہ جنرل دوستم صدر ربانی کے اتحادی تھے لیکن اب وہ صدر سے اپنا اتحاد ختم کر کے وزیر اعظم حکمت یار سے آملے ہیں۔

بوسنیا ہرزے گوینا

۲۲ ماہ سے محصور سراجیوو پر ۵ر فروری کو سربیائی فوجوں کی جانب سے ابتک کا سب سے سنگین اور خونریز حملہ ہوا شہر کے وسطی بازار میں سربوں کی شدید گولہ باری کے نتیجہ میں کم سے کم ۶۸ افراد ہلاک اور دو سو سے زائد زخمی ہو گئے ترکی صدر سلیمان ڈیمرل نے اس واقعہ پر شدید رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے دنیا کی بڑی طاقتوں سے سربوں کے ٹھکانوں پر ہوائی حملے کا مطالبہ کیا، امریکی صدر بل کلنٹن نے سراجیوو میں اس قتل عام کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اقوام متحدہ کو فوری طور سے اس بات کی تحقیق کرنا چاہئے کہ اس بمباری کا ذمہ دار کون ہے۔ نیز امریکی حکومت نے سنگین طور پر زخمی افراد کو ہنگامی طبی علاج فراہم کرنے کے لئے اپنے امدادی طیارے سراجیوو بھیجنے کا حکم دیا

اسلامی ممالک کی تنظیم اسلامی کانفرنس نے مطالبہ کیا ہے کہ اقوام متحدہ کی فوری میٹنگ طلب کی جائے اور شمالی اوقیانوسی معاہداتی تنظیم (ناٹو) کو اختیار دیا جائے کہ وہ بوسنیا میں سربوں کے ٹھکانوں پر ہوائی حملے کر کے انہیں مسلمانوں کے خلاف جارحیت سے باز رکھے۔ دریں اثنا اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر بطروس غالی نے بھی ناٹو سے سراجیوو کے ارد گرد توپ بردار ٹھکانوں پر فضائی حملوں کی منظوری دینے کی اپیل کی ہے۔ یاد رہے کہ ناٹو نے بروسیلز کے حالیہ اجلاس میں سربیائی ٹھکانوں پر فضائی یلغار کرنے کی تجویز رکھی تھی تب مسٹر غالی نے یہ کہہ کر رکاوٹ کھڑی کردی تھی کہ جب تک بوسنیا میں تعینات اقوام متحدہ کا عملہ اس طرح کی فوجی مدد کی درخواست نہیں کرتا اس وقت تک ناٹو کو اپنے ارادے سے باز رہنا چاہئے۔ ایک اطلاع کے مطابق روس فضائی حملوں کا شدید مخالف ہے۔ ناٹو کے ذرائع نے بتایا ہے کہ پلان کے تحت سربوں کو اپنا توپ خانہ ہٹانے کے لئے دس دن کا موقع دیا جا سکتا ہے عدم تعمیل کی صورت میں انہیں ناٹو حلیفوں کی بمباری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ناٹو، امریکہ اور بڑی طاقتیں، روس کی مخالفت کے باوجود بوسنیائی مسلمانوں کے اس قتل عام کو روکنے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھائیں گی یا پھر بیان بازیوں ہی تک محدود رہیں گی۔

بوسینا ہرزے گوینا کے محصور دار الحکومت سراجیوو پر سربوں اور کروشیائی ملیشیا کی گولہ باری کی پرواہ کیے بغیر ۳ر فروری کو پاکستان کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اور ترکی کی

وزیر اعظم تانو سیلر بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کے تئیں اظہار ہمدردی ویک جہتی کے طور پر بوسنیائی دار الحکومت سراجیوو پہنچیں اور انہوں نے عالمی برادری سے اپیل کی کہ اس ملک کو تباہی سے بچایا جائے۔ جس وقت یہ دونوں وزراء اعظم صدارتی عمارت میں داخل ہوئیں اس وقت شہر کے اردگرد سربیائی فوجوں کی فائرنگ جاری تھی جس کی پرواہ کئے بغیر سو سے زائد باشندوں نے ان مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ دونوں وزراء اعظم نے ایک مشترکہ بیان میں کہا کہ انسانی تاریخ میں شاذ و نادر ہی کوئی ملک اس طرح کی بربریت کا شکار ہوا ہے۔ دونوں نے عالمی برادری سے بوسنیا کی تباہی کو روکنے کی اپیل کی' اور اقوام متحدہ پر زور دیا کہ ہتھیاروں کی سپلائی پر عائد پابندی سے بوسنیا کو مستثنیٰ کر دیا جائے۔ تاکہ حکومت بوسنیا سربوں و کروشیائی ملیشیا کے خلاف بہتر طور پر مدافعت کر سکے۔ اس سے قبل مسز بے نظیر نے کہا کہ وہ اور مسز سیلر وزراء اعظم کی حیثیت سے نہیں بلکہ ماؤں کی حیثیت سے جارہی ہیں ان کا مقصد بوسنیائی عوام کے مصائب کی جانب بین الاقوامی برادری کو توجہ دلانا اور وہاں لڑائی ختم کرانے میں مدد کرنا ہے۔

انڈونیشیا

کویت (فانا) انٹر نیشنل اسلامک نیوز ایجنسی کے مطابق انڈونیشیا میں جلد ہی ایک اسلامی ریڈیو اسٹیشن تجرباتی بنیاد پر اپنی نشریات شروع کر دے گا۔ اس ریڈیو اسٹیشن کے قیام کا مقصد اسلامی تعلیمات کو فروغ دینا اور عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ اس پروجیکٹ کے لئے سرمایہ کویتی شہریوں کی ایک انجمن "کویتی کمیٹی برائے ایشین مسلمز" نے فراہم کیا ہے جو جنوبی مشرقی ایشیا میں متعدد فلاحی سرگرمیاں چلا رہی ہے۔ انڈونیشیا دنیا کا سب سے بڑا مسلم ملک ہے جہاں مسلمانوں کا تناسب ۹۰ فیصد سے زائد ہے۔ یہاں عیسائی مشنریوں نے عیسائیت کی تبلیغ کے لئے کئی ریڈیو اسٹیشن قائم کئے ہیں۔

الجزائر

۱۹۹۱ء کے پارلیمانی انتخابات کے پہلے دور میں اسلامک سالویشن فرنٹ کو الجزائر کی سرکاری پارٹی کے مقابلے میں واضح اکثریت ملی' جب حکومت الجزائر کو اپنی کشتی ڈوبتی دکھائی دی تو اس نے جنوری ۱۹۹۲ء میں اسلامک سالویشن فرنٹ پر پابندی عائد کرکے انتخابات کو کالعدم قرار دے دیا۔ جس کے نتیجہ میں فرنٹ کے حامی مسلح ہو کر حکومت کے سامنے آگئے' اور انہوں نے فوجی اور سرکاری عہدہ داروں پر حملے شروع کر دئے 'سیاحوں کو بھی نشانہ بنایا گیا' آخر کار تنگ آکر حکومت نے ایک کل جماعتی میٹنگ بلانے کا فیصلہ کیا لیکن اسلام پسند گروپوں نے اس میٹنگ کا بائیکاٹ کر دیا اور کوئی اسلامی جماعت اس میں شریک نہیں ہوئی۔

اطلاعات کے مطابق الجزائر میں اسلام پسندوں کو کافی مقبولیت حاصل ہو رہی ہے شراب خانے بند کئے جارہے ہیں' عورتیں برقعہ پوش ہو کر باہر نکلتی ہیں' بیوٹی پارلر بند کر دئے گئے ہیں اور دوکانداروں نے میوزک کیسٹوں کی فروخت بھی بند کر دی ہے۔

سعودی عرب

مکہ مکرمہ میں حرم کے سامنے سعودی عرب کی بلند بالا عمارت ۳۵ منزلہ اسکائی اسکریپر اپنی تعمیر کے آخری مراحل میں ہے۔ اس پرشکوہ عمارت کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کے ہر اپارٹمنٹ سے حرم شریف کا نظارہ کیا جا سکتا ہے اس عمارت میں چار سو اپارٹمنٹس' پانچ سو دوکانیں اور ایک عالی شان ہوٹل ہے جس میں چھ سو کمرے ہیں۔ شاپنگ سنٹر تین منزلوں پر پھیلا ہوا ہے۔ صلاۃ کے لئے ایک خاص گوشہ مخصوص کیا گیا ہے جسمیں بیک وقت ۱۶ ہزار افراد صلاۃ ادا کر سکتے ہیں' اس حصہ کو حرم شریف ہی کی طرح آراستہ کیا گیا ہے' خواتین کے لئے صلاۃ کا الگ انتظام ہے۔ اس عمارت میں ایک کتب خانہ اور حفظ قرآن کے لئے کلاسیں بھی بنائی گئی ہیں' ۳۷۰ حمام اور وضو کے لئے چار سو نل ہیں اس عمارت میں صلاۃ وغیرہ کے انتظام سے زائرین کو موسم حج میں کافی آسانی ہو جائے گی۔

ہندوستان

بندے ماترم

بی جے پی کی دہلی حکومت نے اسکولوں کو ہدایت دی ہے کہ وہ

قومی گیت "جن گن من" کے بجائے "بندے ماترم" جیسے شرکیہ گیت سے اپنے ہر تعلیمی دن کا آغاز کریں، واضح رہے کہ تحریک آزادی کے دوران اگرچہ "بندے ماترم" گایا جاتا تھا لیکن وہ اب تک قومی گیت کا درجہ نہیں پاسکا ہے، اور آج اسکولوں میں صبح کو "جن گن من" ہی گایا جاتا ہے اور اسے ہی قومی گیت بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ بی جے پی کے اس غیر دانشمندانہ فیصلہ کا دفاع کرتے ہوئے ایک بھاجپائی ممبر پارلیمنٹ نے تو یہاں تک کہدیا کہ۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "بندے ماترم" سے ان کے جذبات مجروح ہوتے ہیں انہیں یہ ملک چھوڑ دینا چاہئے" ظاہر ہے ممبر پالیمنٹ کا یہ بیان مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

بابری مسجد

وشو ہندو پریشد اور دیگر ہندو تنظیموں نے جو کہ اس وقت ملک کے مختلف حصوں میں دھرم سنسد منعقد کر رہی ہیں فیصلہ کیا ہے کہ ملک میں کسی بھی جگہ بابری مسجد نہیں بننے دی جائے گی، یہ بیان وشو ہندو پریشد کے جوائنٹ جنرل سکریٹری آچاریہ گری راج کشور نے ناسک دھرم سنسد میں شرکت کر کے راجدھانی لوٹ آنے کے بعد دیا دھرم سنسد نے ملک کے مختلف حصوں میں ایکتایاترا نکالنے کا فیصلہ بھی کیا ہے۔ دریں اثنا وشو ہندو پریشد کے ذرائع نے کہا ہے کہ اگر حکومت نے اجودھیا میں تحویل شدہ زمین رام جنم بھومی نیاس کے حوالے نہیں کی تو اکتوبر میں دسہرہ کے بعد وہاں ایک عظیم الشان مندر کی تعمیر کسی وقت بھی شروع کر دی جائے گی۔

گاؤ کشی کے آرڈیننس میں بھینس کی شمولیت

حکومت گجرات نے "گاؤ کشی" پر پابندی کے آرڈیننس میں بھینس کو بھی شامل کر دیا ہے واضح رہے کہ چند ریاستوں کے علاوہ ہندوستان کی اکثر ریاستوں میں گائے کے ذبح پر پابندی ہے، انہیں ریاستوں میں سے ایک ریاست گجرات بھی ہے لیکن بھینس اور ناکارہ بیلوں کے ذبیحہ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ حکومت گجرات کے اس نئے اقدام سے بہت سے غریب لوگوں کو جن کی خوراک کا انحصار بھینس وغیرہ کا گوشت ہے اپنی خوراک کے حصول میں مشکلات سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے۔

فرقہ پرستوں کی ایک نئی مہم

انتخابات میں فرقہ پرست تنظیمیں "ہمیں مسلم ووٹوں کی ضرورت نہیں" کا راگ الاپ رہی تھیں، لیکن انتخابات کے بعد جب انہوں نے مسلم ووٹوں کی اہمیت دیکھ لی تو وہ بجائے اس کے کہ انتخابات کے نتائج سے سبق حاصل کرتیں اور اپنے انتہاپسندانہ موقف میں تبدیلی پیدا کرتیں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا بمبئی کے بھاجپائی لیڈر کی "سومنات سے اجودھیا تک"۔۔۔۔ نقلی سیکولرسٹوں کی طرف سے ۸ کروڑ مسلم ووٹ بنک کی خوشنودی کی خاطر ۴۵ سال کے دوران ۷۵ کروڑ ہندوؤں کی توہین" اور جی این جوگ کی "اسلامی خطرہ" نامی کتابیں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں جو برادران وطن کے مابین اخوت و محبت کے بجائے نفرت اور دشمنی ہی کو فروغ دیں گی۔

مراٹھواڑہ یونیورسٹی کے نام کی تبدیلی پر ہنگامہ

۲۷ جولائی ۱۹۷۸ء کو مہاراشٹر لیجسلیچر کے دونوں ایوانوں نے متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی تھی کہ اورنگ آباد کے مراٹھ واڑہ ودیا پیٹھ (یونیورسٹی) کا نام آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر قانون اور آئین ہند کے معمار ڈاکٹر باباصاحب بھیم راؤ امبیڈکر کے نام منسوب کر دیا جائے۔ ۱۵ برسوں سے زائد طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود اس قرارداد پر عمل در آمد نہیں ہوا۔ آخر کار ۱۴ جنوری ۱۹۹۴ء کو مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شرد پوار نے یہ اعلان کیا کہ گورنر نے فرمان جاری کیا ہے کہ مراٹھواڑہ ودیا پیٹھ (یونیورسٹی) کا نام ڈاکٹر باباصاحب امیبڈکر ودیا پیٹھ رکھا جارہا ہے۔ شیوسینا کے ممبران اس اقدام پر آپے سے باہر ہو گئے اور ۱۴ جنوری کی شام ساڑھے سات بجے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر یونیورسٹی کے نام میں توسیع کا اعلان سنتے ہی پر تشدد احتجاج پر اتر آئے کئی مقامات پر ایک مخصوص طبقہ کی جھونپڑیوں اور گھروں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کی بسوں پر شدید پتھراؤ کیا گیا، کئی بسیں جلادی گئیں

(بقیہ صہ ۴۴ پر)

از: امارات

صدر مرکز کا تعزیتی مکتوب

برادر محترم و مشفق سید عبدالقدوس نقوی　　أحسن الله عزائه ووفقه وأهله للصبر الجميل وأعظم أجره في مصابه الهائل ، آمين

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته —— ابھی ابھی مولانا عاشق علی اثری نے فون پر عزیزم عارف نقوی رحمہ اللہ کی وفات کے دلدوز حادثہ کی خبر دی ہے۔ حادثہ اس قدر ہولناک اور عظیم ہے کہ میں اب تک حواس باختہ سا ہوں

عزیزم عارف سے جو مجھے تعلق خاطر تھا اور میں نے جو امیدیں ان سے وابستہ کر رکھی تھیں اور کبھی کبھار آپ کی عدم موجودگی میں اس سنجیدہ صالح اور لائق باادب نوجوان سے اس کے خاندان کے اور مرکز کے مستقبل کے سلسلہ میں جو تعمیری گفتگو ہوتی تھی وہ مجھے ہمیشہ یاد آئے گی میں عارف کو ڈانٹتا ڈپٹتا بھی تھا' مرکز کے ساتھ وابستگی اور مستقبل میں اس کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو تیار کرتے رہنے کی تلقین بھی کرتا رہتا تھا' اس صالح اور باوقار نوجوان نے کبھی بھی میری بات کا برا نہ مانا نہ میری حوصلہ شکنی کی' نہ مجھے مایوس ہی کیا' لگتا تھا کہ وہ مجھے آپ کا حقیقی چھوٹا بھائی سمجھتا ہے رحمہ اللہ

آپ کے سارے بچوں میں ان کو خاندان کی شریفانہ اور اعلیٰ روایت واقدار کا جس قدر پاس تھا اسے ہر شخص بدیہی طور پر محسوس کرتا تھا۔ یہ حادثہ آپ کے ساتھ میری بھی کمر توڑ کر رکھ دے گا' اللہ ہم سب پر رحم فرمائے

اللہ تعالیٰ ہم سب کا خالق ہے اور اس کا کوئی بھی کام حکمت سے خالی ہو ہی نہیں سکتا ہم سب کی بہتری کس چیز میں ہے اس کا فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہے الخیر فیما اختارہ اللہ' ہمارے لئے رضا بالقضاء کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں' ہم اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "إنا بفراقك لمحزونون يا إبراهيم ولا نقول إلا بما يرضى ربنا" کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔

خبر اتنی غمناک اور حادثہ اتنا اندوہناک تھا کہ جی میں آیا فوراً میں واپس آجاؤں تاکہ کم از کم اس عزیز کا معصوم و محبوب چہرہ تو دیکھ لوں اور تجہیز و تکفین کے اجر میں تو شرکت کرلوں' لیکن وقت بہت کم تھا کوئی صورت بنتی نظر نہیں آئی۔

میرے مخلص و محترم دوست' اور ربع صدی کے رفیق و مخلص بھائی! آپ نے پوری زندگی بڑے صبر و ضبط کے ساتھ گذاری ہے۔ اور ہر حادثہ اور ہر غم والم کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا ہے۔ یہ حادثہ بلاشک وشبہ سارے حادثات میں سب سے زیادہ المناک ہے لیکن ایک مومن کا فرض یہ ہے کہ وہ تقدیر الٰہی پر ہر حال میں راضی ہو' مجھے آپ کی صابر وشاکر طبیعت سے پوری امید ہے کہ نہ صرف آپ خود صبر و ضبط سے کام لیں گے' بلکہ سب سے زیادہ مصیبت زدہ ہستی ام عارف اور اپنے سارے سوگوار بچوں اور بچیوں کا حوصلہ بھی برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے

دعا ہے کہ رب العالمین عارف رحمہ اللہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے' اور آپ بھائی اور میرے سارے بھتیجوں اور بھتیجیوں کو نیز والدہ محترمہ حفظہا اللہ کو اور ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق دے' آمین۔

شیخ عبداللہ خلف السبت' اور امارات کی پوری جماعت اہلحدیث اور ہندوستان کے یہاں رہنے والے فضلاء سب آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور عزیزم عارف رحمہ اللہ کے لئے جنت الفردوس کی اور آپ اور خاندان کے لئے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں' سب نے مجھے حکم دیا ہے کہ ان کے یہ جذبات میں آپ تک پہنچادوں۔

آپ کا چھوٹا بھائی' پرانا رفیق اور آپ کی مسرتوں اور غموں کا شریک

عبدالحمید رحمانی

۶/۱۲/۱۹۹۳ء، ۲۲/۶/۱۴۱۴ھ

مکتبہ الشیخ عبداللہ خلف السبت شارقہ امارات

شہر بستی میں ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی
کا
ایک اہم نیا تعلیمی پروگرام

جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی کے زیر انتظام ایک عربی درسگاہ (معہد متوسط) کا قیام

نیپال کے بارڈر پر ضلع بستی، مشرقی یوپی کا ایک اہم علاقہ ہے اپنے محل وقوع کے اعتبار سے یہ شہر اضلاع بستی، گونڈہ، سدھارتھ نگر، گورکھپور اور فیض آباد میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے ان اضلاع کے مواضعات میں افراد اہلحدیث کی غالب اکثریت ہے اور متعدد جگہ ان کے دینی و تعلیمی مراکز بھی قائم ہیں۔ لیکن خود شہر بستی میں نہ جماعت اہلحدیث کی کوئی شناخت ہے نہ انکا قابل ذکر وجود اور یہ بڑی عبرت کی بات ہے کہ دیہی علاقوں میں اتنی کثیر آبادی کے باوجود ضلعی اور شہری مراکز میں ان کے وجود اور سرگرمیوں کا کوئی مظہر نہیں اگرچہ "ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر" نئی دہلی کے تحت شہر بستی میں کئی سالوں سے مسلمان بچوں اور بچیوں کے لئے پرائمری سطح تک کی تعلیم کے لئے ایک انگلش میڈیم اسکول قائم ہے تاہم ان اضلاع اور ان کے متصل نیپال کے حساس افراد بستی شہر میں ان علاقوں کے علوم عربیہ و اسلامیہ کے شوقین غریب اور کم عمر طلباء کے لئے جو "معہد التعلیم الاسلامی" نئی دہلی میں تعلیم حاصل کرنے کی تڑپ رکھتے ہیں مگر دور دراز سفر کی صعوبت اور اخراجات برداشت نہیں کرسکتے ایک معیاری دینی سلفی درسگاہ کے قیام کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہے تھے اور ذمہ داران سنٹر سے سالہاسال سے اس کے قیام کا شدت سے تقاضہ کر رہے تھے اس سلسلہ میں "ابوالکلام آزاد اسکول بستی" میں ان علاقوں کے ذمہ دار افراد کی ایک میٹنگ میں ان کے شدید اصرار پر اس کا فیصلہ بہت پہلے کیا جاچکا تھا لیکن وسائل کی کمی اور مقصد کی تکمیل کے لئے مناسب بلڈنگ نہ ہونے کی وجہ سے فیصلہ کی تنفیذ میں تاخیر ہوئی اس دوران اس تعلیمی اور تربیتی اسکیم کو روبہ عمل لانے کے لئے درسگاہ اور دارالاقامہ کی بلڈنگ کی تعمیر کا کام شروع کروا دیا گیا تھا بحمد اللہ اب بلڈنگ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔

تنہا اللہ کے سہارے پر ہم یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہے ہیں کہ نئے تعلیمی سال شوال ۱۴۱۴ھ سے شہر بستی میں عربی تعلیم کا آغاز ہو جائے گا۔ یہ درسگاہ اقامتی ہوگی طلباء و اساتذہ کے قیام و طعام کا باقاعدہ نظم ہوگا۔ نصاب تعلیم نیز قواعد و ضوابط برائے مدرسین و طلباء و جملہ امور مرکز کی پہلی درسگاہ "معہد التعلیم الاسلامی" جوگابائی نئی دہلی کے قواعد و ضوابط کے مطابق ہوں گے۔

اس سال صرف ادنیٰ اور اولیٰ متوسطہ (جماعت ادنیٰ و اولیٰ) میں داخلہ ہوگا اور آئندہ درجہ بدرجہ مراحل تعلیم میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

ان شاء اللہ اس سال صرف ساٹھ طلباء کا داخلہ ہوگا۔

ہمدردان جماعت سے درخواست ہے کہ اس درسگاہ کی ترقی و استحکام کے لئے ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں تاکہ یہ پودا جو اس زمین میں لگایا ہے "شجرۂ طیبہ" کے مانند "اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء" کی مثال بن سکے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص اور حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

نوٹ :۔

(۱) مشرقی ہند (مشرقی یوپی، بہار، بنگال، اڑیسہ اور آسام) کے جماعت ہائے ادنیٰ و اولیٰ میں پڑھنے کے خواہشمند طلباء فارم داخلہ اور قواعد و ضوابط درج ذیل پتہ سے طلب کریں

(۲) مکمل طور پر فارم پر کرکے ۲۰؍رمضان تک ہر حال میں فارم ارسال کردیں۔

(۳) بچوں کا امتحان داخلہ ۷؍شوال ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۰؍مارچ ۱۹۹۴ء بروز اتوار شروع ہوگا اور ۱۰؍شوال ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۳؍مارچ ۱۹۹۴ء بروز بدھ شام کو ختم ہو جائے گا۔

(۴) ۱۳؍شوال ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۶؍مارچ ۱۹۹۴ء بروز سنیچر تعلیم شروع ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

سکریٹری ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر
۴؍جوگابائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

مرکز" ابوالکلام آزاد" للتوعیۃ الاسلامیہ، نئی دہلی
کے
ماتحت تعلیمی اداروں میں داخلے
برائے تعلیمی سال ۱۹۹۴-۱۹۹۵ء

جامعہ اسلامیہ ابوالفضل انکلیو۲- نئی دہلی

اس سال جامعہ میں اولیٰ ثانویہ سے عالیہ تک داخلہ ہوگا۔
ثانویہ اور عالیہ کے آخری سال (چھٹی اور آٹھویں) میں داخلہ نہیں ہوگا۔

معہد التعلیم الاسلامی- جوگا بائی، نئی دہلی

اس سال معہد میں اولیٰ متوسط (پہلی جماعت) سے ثالثہ متوسط (تیسری جماعت) تک داخلہ ہوگا۔

شرائط داخلہ:-

(۱) اولیٰ متوسط (پہلی جماعت) کے امیدوار کے لیے جماعت اولیٰ (عربی) یا درجہ ششم (پرائمری) کی لیاقت (قرآن پاک ناظرہ ختم، اردو لکھنے پڑھنے، ہندی انگریزی، حساب، اور معلومات عامہ وغیرہ) ضروری ہے۔

(۲) پہلی جماعت میں ۱۱، دوسری جماعت میں ۱۲، تیسری میں ۱۳، چوتھی میں ۱۴، پانچویں میں ۱۵، ساتویں میں ۱۷ سال سے زائد عمر کا طالب علم نہیں لیا جائے گا۔

(۳) کسی بھی درجہ میں داخلہ کے لیے ضروری ہے کہ طالب علم معہد کے نصاب تعلیم کے معیار پر پورا اترے۔

(۴) ہر امیدوار کو فارم داخلہ کے ساتھ اپنا خارجہ (T.C.) اور کیرکٹر سرٹیفکٹ سابق مدرسہ کے ناظم اور صدر مدرس کے دستخط کے ساتھ پیش کرنا ضروری ہے۔

(۵) امتحان داخلہ میں بیٹھنے کی اجازت صرف اس طالب علم کو ہوگی جو فارم داخلہ کی تکمیل اور صحیح خانہ پُری کر چکا ہو۔ تحقیق کے بعد اگر اندراجات کے خلاف کوئی بات معلوم ہوئی تو داخلہ کالعدم کیا جا سکتا ہے۔

(۶) درجہ کی تعیین اور داخلہ کا تعلق فیصلہ امتحانی بورڈ کی رپورٹ ہی پر ہوگا۔

(۷) داخلہ کے وقت ہر طالب علم کو مبلغ دو سو روپے زرضمانت اور ایک سو روپے نادی الطلبہ اور کھیل کی فیس جمع کرنا ہوگا۔

نوٹ:- امتحان داخلہ ۱۰ر شوال سے شروع ہوکر ۱۵ر شوال تک جاری رہے گا۔

معہد عثمان بن عفان لتحفیظ القرآن الکریم ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

شرائط داخلہ:-

(۱) اس مدرسہ میں وہی امیدوار لیا جا سکتا ہے جو قرآن مجید ناظرہ صحیح مخارج اور روانی کے ساتھ پڑھ سکے، اور عمر ۹ سال سے متجاوز نہ ہو۔

(۲) ہر امیدوار کو فارم داخلہ کے ساتھ اپنا خارجہ (T.C.) اور کیرکٹر سرٹیفکٹ سابق مدرسہ کے ناظم اور صدر مدرس کے دستخط کے ساتھ پیش کرنا ضروری ہے۔

(۳) امتحان داخلہ میں بیٹھنے کی اجازت صرف اس طالب علم کو ہوگی جو فارم داخلہ کی تکمیل اور صحیح خانہ پُری کر چکا ہو۔ تحقیق کے بعد اگر اندراجات کے خلاف کوئی بات معلوم ہوئی تو داخلہ کالعدم کیا جا سکتا ہے۔

(۴) داخلہ کے وقت ہر طالب علم کو مبلغ دو سو روپے زرضمانت اور ایک سو روپے نادی الطلبہ اور کھیل کی فیس جمع کرنا ہوگا۔

نوٹ:- امتحان داخلہ ۱۰ر شوال سے شروع ہوکر ۲۰ر شوال تک جاری رہے گا۔

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر
۱/۸ جوگا بائی، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

اپیـــل

رمضان ۱۴۰۰ھ/ جولائی ۱۹۸۰ء میں ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں "ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر" کے نام سے ایک دینی اور تعلیمی ادارہ قائم کیا گیا۔ اللہ کی توفیق ونصرت سے اب یہ ملک کا ایک نمایاں ادارہ بن چکا ہے اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلامی اور عربی علوم ومعارف کے ساتھ ہی اس میں عصری علوم وفنون کی تدریس وتعلیم بھی ہوتی ہے۔ یہاں نونہالان ملت کی دینی تربیت اور ان کی اخلاقی نشوونما پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ اللہ کا بے پایاں شکر واحسان ہے کہ اس وقت سنٹر کے ماتحت حسب ذیل ادارے دہلی اور دہلی کے باہر پورے ملک میں اپنی بساط بھر اسلام اور اس کی سچی تعلیمات کی نشر واشاعت کے لیے سرگرم عمل ہیں۔

مرکز کے موجودہ شعبہ جات :

دہلی میں : (۱) جامعہ اسلامیہ سنابل (۲) معہد التعلیم الاسلامی (۳) معہد عثمان بن عفان لتحفیظ القرآن الکریم (۴) ابوالکلام آزاد ہوائمز اسکول (۵) خدیجۃ الکبریٰ گرلس اسکول (۶) شعبۂ دعوت وتبلیغ (۷) مجمع البحوث العلمیۃ الاسلامیۃ (۸) جنرل لائبریری (۹) چیری ٹیبل ڈسپنسری (۱۰) اصلاح شئون المساجد (۱۱) ابوالکلام آزاد ریلیف کمیٹی

بیرون دہلی : (۱) ابوالکلام آزاد نرسری وپرائمری اسکول (بستی) (۲) ابوالکلام آزاد چیری ٹیبل ڈسپنسری (بستی) (۳) مدرسہ سلفیہ تندوا (سدھارتھ نگر) (۴) دارالعلوم محمدیہ گور (بستی) (۵) مدرسہ مصباح العلوم تلسٹری (سدھارتھ نگر) (۶) شعبۂ دعوت وتعلیم اور رفاہ عام (بمبئی) (۷) معہد التعلیم الاسلامی پورا کیٹھہار، بہار (۸) مدرسہ دارالسلام گوہانہ کوٹ کانوہ ہریانہ۔ (۹) مدرسۃ البنات الاسلامیہ کینٹری بازار، گونڈہ۔

مذکورہ بالا اداروں میں سو سے زائد افراد پوری دلچسپی اور لگن کے ساتھ کام کر رہے ہیں اور تقریباً ڈھائی ہزار بچے اور بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ ماضی کے خسارہ کی تکمیل اور آئندہ سال کے بجٹ کی فراہمی کے لئے رمضان کے مبارک مہینہ میں مرکز کے نمائندے ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ کریں گے۔ انشاء اللہ۔

امید کہ رمضان کے اس بابرکت مہینہ میں آپ اور دیگر ہمدردان ومخلصین جماعت توجہ بھرپور تعاون کریں گے، اور اپنے احباب ومتعارفین کو بھی مندرجہ بالا نمائندگان مرکز کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون پر آمادہ فرمائیں گے۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا (المزمل: ۲۰)

جو خیر تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں زیادہ پاؤ گے۔

اپیل کنندگان

۱۔ عبدالحمید رحمانی	صدر	۶۔ سید عبدالقدوس نقوی (دہلی)	ممبر	۱۱۔ سید عبدالسمیع مدنی (بہار)	ممبر
۲۔ محمد یونس (بنارس)	نائب صدر	۷۔ ڈاکٹر زاہد حسین خاں (دہلی)	ممبر	۱۲۔ عبدالستار رحمانی (مالدہ)	ممبر
۳۔ عاشق علی اثری	جنرل سکریٹری	۸۔ شیخ صلاح الدین مقبول احمد	ممبر	۱۳۔ فرید احمد (بستی)	ممبر
۴۔ عبداللطیف (بنارس)	نائب سکریٹری	۹۔ شیخ عمر بن احمد ملیباری	ممبر	۱۴۔ فصیح الدین خاں (گونڈہ)	ممبر
۵۔ شیخ عطاء الرحمن مدنی	خازن	۱۰۔ الحاج محمد عبیداللہ (مدراس)	ممبر	۱۵۔ عبدالکریم سلفی (دہلی)	ممبر

مرکز کا اکاؤنٹ نمبر اور بینک :

صرف درج ذیل نام ہی سے ڈرافٹ یا چیک بنوایا جائے۔

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر: اکاؤنٹ نمبر ۷۳۴
سنٹرل بینک آف انڈیا، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

اکاؤنٹ نمبر
ABUL KALAM AZAD ISLAMIC AWAKENING CENTRE
A/C No. 734 CENTRAL BANK OF INDIA, JAMIA NAGAR, NEW DELHI - 110025

دفتر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر ۸/۱ جوگابائی۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

ماہنامہ التوعیۃ نئی دہلی

مارچ ۱۹۹۴ء مطابق شوال ۱۴۱۴ھ

ایڈیٹر

رفیق احمد سلفی

جلد — شمارہ ۱۱

بدل اشتراک

خصوصی ممبر (سالانہ) ۱۵۰۰-۰۰ روپے

ہمدرد (سالانہ) ۵۰۰-۰۰ روپے

عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۰۰-۰۰ روپے

ششماہی ۵۵-۰۰ روپے

پاکستان و بنگلہ دیش

عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۲۵-۰۰ روپے

غیر ممالک سے

۳۵ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی

۳-C/۱۶۱ جوگابائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

AL-TAUIYAH Monthly

161/C-3 JogaBai

NewDelhi 110025

پرنٹر پبلشر محمد الیاس سلفی نے جید پریس بلیماران سے چھپواکر ماہنامہ "التوعیہ" ۳-C/۱۶۱ جوگابائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

ترتیب

فکرونظر

ابن احمد نقوی

نئی صف بندی

ہندوستان میں نئی سیاسی صف بندی کی باتیں آزادی کے بعد سے ہی شروع ہو گئی تھیں۔ آزادی سے قبل بھی خود کانگریس میں جوان انقلابیوں کا گروپ موجود تھا۔ جواہرلال نہرو خود سوشلسٹ تھے اور انقلابیوں کے سرپرست بھی۔ ڈاکٹر رام منوہر لوہیا اور ایسے ہی دوسرے انقلابی شروع سے ہی کانگریس کی بہت سی پالیسیوں سے متفق نہیں تھے کمیونسٹوں کی تنظیم تو الگ تھی ہی لیکن اشتراکی اثرات اس دور میں جتنے ہمہ گیر تھے اس سے بہت سے کانگریسی متاثر تھے اور چاہتے تھے کہ کانگریس بھی ترقی پسندانہ خیالات کو اپنائے آزادی کے نئے دور اور جواہر لال نہرو کی بھاری بھرکم شخصیت کے آگے اگرچہ انقلابیوں کا زور کم ہو گیا تھا اور چونکہ خود جواہرلال نہرو بھی ترقی پسند سمجھے جاتے تھے اس لئے اختلاف کی خلیج اتنی وسیع نہیں ہو سکی لیکن اندرا گاندھی کے دور میں پالیسی اختلافات وسیع تر ہو گئے چندر شیکھر جیسے ترقی پسند کانگریسی جو "جوان ترک" کہلاتے تھے بالآخر کانگریس سے علاحدہ ہونے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح نئی سیاسی صف بندی کی مانگ تیز ہو گئی اس سے قبل بھی کانگریس کے پرانے لیڈر جیسے اچاریہ کرپلانی اور راج گوپال اچاری کانگریس سے اختلافات کے سبب اپنی الگ سیاسی جماعتیں بنا چکے تھے اچاریہ کرپلانی کی کسان مزدور پرجا پارٹی اور راج گوپال اچاری کی "سوتنترا پارٹی" سیاسی میدان میں کافی سرگرم رہیں راجگوپال اچاریہ چونکہ بہت قد آور شخصیت تھے ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل رہ چکے تھے اس لئے انکی ذات کے اثر سے ان کی پارٹی بھی زیادہ فعال رہی اور اڑیسہ میں اس پارٹی کی سرکار بھی بنی۔ کمیونسٹوں نے بھی کیرالہ میں اپنی سرکار بنائی اور اس طرح کانگریس کے مقابل سیاسی صف بندی شروع ہوئی۔ جب اندرا گاندھی کا آمرانہ دور شروع ہوا تو نئی سیاسی صف بندی کی آوازیں بلند تر ہو گئیں اور جے پرکاش نرائن کی قیادت میں بہت سے غیر مطمئن سیاست داں کانگریس اور اندرا گاندھی کے خلاف متحد ہو گئے جن سنگھ یعنی ہندوتو کے علمبردار پہلے ہی شیاما پرشاد مکھرجی کی قیادت میں اکٹھے ہو چکے تھے انہوں نے بھی موقع غنیمت جانا اور جے پرکاش کے ساتھ شامل ہو گئے اور اس طرح جنتا پارٹی کا قیام عمل میں آیا یہ ہندوستان میں پہلی کامیاب سیاسی صف بندی تھی جو برسر اقتدار پارٹی کے مقابلہ میں عمل میں آئی اور پورے ہندوستان پر چھا گئی۔ ایمرجنسی کے بعد الیکشن میں جنتا پارٹی کی جیت ہوئی اور مرکز میں پہلی بار ایک غیر کانگریسی حکومت اقتدار میں آگئی لیکن جنتا پارٹی اقتدار میں آتے ہی سیاسی طالع آزمائیوں کا شکار ہو گئی اور چار بوڑھوں نے اپنی خود غرضیوں اور ہوس اقتدار کے لئے حکومت اور پارٹی دونوں کو ہی تباہ کردیا۔ جنتا پارٹی کا قیام اس وقت کی اہم ترین ضرورت تھا۔ کانگریس کی آمرانہ قیادت کو اس کے سوا چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن پارٹی عجلت میں بنائی گئی تھی اور اس میں ایسے مختلف بلکہ متضاد عناصر شامل ہو گئے تھے جو زیادہ عرصہ ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تھے چودھری چرن سنگھ اور مرارجی کی صف آرائی بجگجیون رام اور چودھری چرن سنگھ کی کشمکش راج نرائن کی طفلانہ حرکتیں ان سب نے ڈھائی سال میں ہی سارا کھیل ختم کردیا اور اندرا گاندھی دوبارہ برسراقتدار آگئیں۔ عوام چونکہ دیکھ چکے تھے کہ کانگریس کے مقابل ابھرنے والی جماعت کا کیسا عبرت ناک حشر ہوا اس لئے کچھ عرصہ تک مخالف کیمپ میں سناٹا سا چھایا رہا لیکن پھر آہستہ آہستہ نئی پارٹیاں ابھرنے لگیں جن سنگھی جن کا نظریاتی ٹکراؤ کے سبب جنتا پارٹی توڑنے میں بنیادی ہاتھ تھا اب بھارتیہ جنتا پارٹی کے نام سے اکٹھے ہوئے۔ جنتا دل کے مستقل صدر چندر شیکھر تھے اور وہ اپنی مفلوج پارٹی کو زندگی کے انجکشن دینے کی ترکیبیں سوچتے رہتے تھے۔ آپریشن بلیو اسٹار کے بعد اندرا گاندھی کا قتل ہوا اور نومبر ۱۹۸۴ء میں راجیو گاندھی نے نئی حکومت بنائی اس وقت ہندوستان میں ایک عجیب سراسیمگی کا عالم تھا آپریشن بلیو اسٹار سکھوں

کے ہاتھوں اندرا گاندھی کا قتل نومبر ۱۹۸۴ء کے سکھ مخالف فسادات غرض پورے ملک میں ایک اضطراب کا ماحول تھا راجیو گاندھی نوعمر سیاست داں تھے۔ سیاسی میدان سے بھی نہیں آئے تھے وہ ٹیکنو کریٹ تھے یعنی ہوائی جہاز کے پائلٹ تھے اس لئے سیاسی چالوں اور جوڑ توڑ سے کافی حد تک ناواقف تھے سنجیدہ طبیعت اور سادہ دل تھے قوم کو ان سے بڑی امیدیں تھیں۔ لیکن ان کے ساتھیوں نے انہیں گمراہ کیا خاص طور پر ارن نہرو اور ویر بہادر سنگھ نے بابری مسجد تنازعہ کو غلط انداز سے ابھار کر سارے ملک میں کشیدگی کا ماحول پیدا کردیا۔ ارن نہرو وزارت سے نکالے گئے عارف محمد خاں شاہ بانو کیس میں اختلاف کے سبب وزارت سے علاحدہ ہوئے پھر وی پی سنگھ بھی وزارت سے خارج کر دئے گئے اور اس طرح ان نکالے ہوئے لیڈروں نے اپنی صف بندی شروع کردی بوفورس توپوں کے سودے میں کمیشن کا مسئلہ اس کی بنیاد بنایا گیا اور راجیو گاندھی سے مقابلہ کرنے کے لئے قومی مورچہ قائم ہوا جس میں تیلگو دیشم کے این ٹی راما راؤ بھی شامل تھے ہریانہ کے دیوی لال بھی تھے کیمونسٹ بھی تھے اور وی پی سنگھ نے اپنی یلغار کو کامیاب کرنے کے لئے بی جے پی کو بھی اپنے ساتھ لے لیا اور اس طرح پھر مختلف متضاد عناصر سیاسی عزائم کے تحت ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے۔ الیکشن میں وی پی سنگھ جیت گئے یا یوں کہئے کہ کانگریس کے حکومت نہ بناسکنے کے سبب قرعہ فال ان کے نام نکالا گیا۔ چونکہ قومی مورچہ کو ایوان میں اکثریت حاصل نہیں تھی اور وی پی سنگھ نے بی جے پی سے انتخابی مفاہمت کے باوجود اس سے دوستی سے انکار کردیا تھا اس لئے اب مسئلہ یہ تھا کہ حکومت کیسے بنائی جائے اگر بی جے پی کے ساتھ مخلوط حکومت بناتے ہیں تو سیکولر شبیہ ختم ہوجائے گی اگر بی جے پی کا سہارا نہیں لیتے تو حکومت نہیں بنے گی۔ چودھری دیوی لال جیسے مہارتھی ساتھ تھے ہی چنانچہ سودے بازی ہوگئی کہ بی جے پی باہر سے قومی مورچہ سرکار کی حمایت کرے گی۔ اس طرح دائیں اور بائیں بازو کی بیساکھیوں کے سہارے مرکز میں دوسری بار غیر کانگریسی سرکار بنائی گئی لیکن جنتا پارٹی کی طرح یہ بھی بے سری منڈلی تھی۔ آغاز سے قبل ہی انجام نظر آنے لگا لیڈر کے انتخاب میں چودھری دیوی لال اور چندر شیکھر میں اختلاف ہوا چندر شیکھر نے کبھی وی پی سنگھ کو لیڈر تسلیم نہیں کیا ان کا کہنا تھا کہ وہ جے پرکاش نرائن اور مرارجی ڈیسائی جیسے سینئر لیڈروں کے ساتھ کام کرچکے ہیں وی پی سنگھ جیسے جونیئر کو وہ اپنا لیڈر کیسے تسلیم کرسکتے ہیں۔

لیکن چودھری دیوی لال نے نہایت شاطرانہ طریقے سے تاج راجہ وی پی سنگھ کے سر پر رکھ دیا اور سرکار بن گئی جس سرکار کا آغاز ہی اختلاف اور احتجاج سے ہوا اس کی زندگی کتنے دن کی ہوتی چنانچہ ایک سال کے اندر ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی چودھری دیوی لال کی چالوں نے وی پی سنگھ کو پریشان کیا وی پی سنگھ نے انہیں چت کرنے کے لئے منڈل کا سہارا لیا بی جے پی نے منڈل کا توڑ کرنے کے لئے اجودھیا کی آڑ لی اور اس افراتفری میں وی پی سرکار جاں بحق ہوگئی چندر شیکھر شروع سے ہی وزارت عظمیٰ کے مدعی تھے چونکہ وہ پارٹی کے صدر تھے جنتا پارٹی کی صدارت کے دور میں ان کا وزارت عظمیٰ کا دعویٰ اس لئے قابل قبول نہیں تھا کیوں کہ مرارجی ڈیسائی جیسے سینئر لیڈر موجود تھے جو شاستری کے بعد وزیراعظم بننے کے دعویدار تھے لیکن کامراج نے اپنا سارا زور اندرا گاندھی کی حمایت میں ڈالدیا اور مرارجی ناکام ہوگئے اب وی پی سنگھ کی معزولی کے بعد انہوں نے جنتا دل کے ۵۰ کے قریب ممبران کو توڑ کر اپنا گروپ بنالیا اور کانگریس کی حمایت سے وزیر اعظم بن گئے سوا پانچسو ممبوں کے ایوان میں ۵۰ ممبوں کی پارٹی کا حکومت بنالینا ایک عجوبہ تھا لیکن کانگریس وی پی سنگھ کو دکھانا چاہتی تھی کہ تم نے کانگریس سے ٹوٹ کر وزیر اعظم بننے کی جرأت کی تو اب ہم تمہاری ہی پارٹی کو توڑ کر تمہارے حریف کو تمہاری گدی پر بٹھانے کا تماشہ دکھاسکتے ہیں چندر شیکھر سرکار ظاہر ہے کانگریس کے رحم وکرم پر تھی۔ ادھر چودھری دیوی لال جنہیں وی پی سنگھ نے نکالا تھا اور چندر شیکھر بھی ان سے خار کھائے تھے وہ بھی اندر اندر اپنی چالوں میں مصروف تھے ان کے بلند اقبال صاحبزادے، اوم پرکاش چوٹالا چندر شیکھر کے قریبی دوست تھے۔ چوٹالہ نے راجیو گاندھی کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنے کے لئے ہریانہ کے چند پولس والے ان کی کوٹھی پر تعینات کردئے جب کانگریسیوں کو اس کا علم ہوا تو ہنگامہ ہوگیا اور اس تنازعہ میں کانگریس نے چندر شیکھر سرکار کی حمایت واپس لینے کا اعلان کردیا۔ چندر شیکھر کا ایوان میں اپنا کوئی وزن نہیں تھا چنانچہ انہوں نے ایوان سے باہر ہی وزارت عظمیٰ سے استعفا دے دیا اور مرکز میں دوسری غیر کانگریسی سرکار بھی منہ کے بل گر گئی اس طرح کانگریس کے مقابل سیاسی صف بندی کا دوسرا بڑا تجربہ بھی ناکام ہوگیا۔ ۱۹۹۱ء کے الیکشن میں مرکز میں پھر کوئی پارٹی واضح اکثریت حاصل نہیں کرسکی کانگریس اس بار بھی سب سے بڑی

پارٹی بن کر ابھری۔ اسی الیکشن کے ہنگامہ میں تامل ناڈو کے سری پیرم بدور میں تامل دہشت گردوں نے راجیو گاندھی کو قتل کردیا اور ہندوستان کا سارا سیاسی نقشہ بدل گیا۔

پارلیمنٹ میں بی جے پی ایک نئی طاقت بن کر ابھری یعنی اسی کے ۱۱۹ ممبران آگئے جب کہ پہلے اس کے ایک یا دو ممبران ہی ہوتے تھے اڈوانی نے سومنات سے اجودھیا تک کی رتھ یاترا کرکے اور رام جنم بھومی مندر بنانے اور بابری مسجد کو گرانے کا دعوا کرکے ہندوتو کی لہر پیدا کی اور پارلیمنٹ پر چھا گئے۔ اب سوال یہ تھا کہ مرکز میں سرکار کون بنائے راجیو گاندھی کے قتل سے کانگریس حواس باختہ ہو رہی تھی ادھر فسطائیوں کے اتنی زیادہ طاقت حاصل کرلینے سے سارے سیکولر رہنما بھی بدحواس ہوگئے تھے۔ دوسرا خدشہ یہ تھا کہ ایک معلق پارلیمنٹ میں اگر دوبارہ سرکار نہ بن سکی تو پھر الیکشن ہوں گے اور قوی اندیشہ تھا کہ بی جے پی ہندوتو کی لہر کو طوفانی انداز سے بھڑکا کر مرکز میں بر سر اقتدار آجائے گی اس نے یوپی مدھیہ پردیش راجستھان اور ہماچل پردیش میں حکومتیں بھی بنالی تھیں ان خدشات کے پیش نظر بائیں بازو کی پارٹیوں اور جنتادل نے فیصلہ کیا کہ اگر کانگریس مرکز میں سرکار بناتی ہے تو وہ اس کی مخالفت نہیں کریں گے۔ چنانچہ پی وی نرسمہا راؤ نے کانگریس کی اقلیتی سرکار بنائی اور ڈیڑھ سال بعد ہی پارلیمنٹ میں پھر کانگریس کو اقتدار حاصل ہوگیا جنتا پارٹی کے ۱۹۷۷ء کے انقلاب سے لے کر جنتادل (قومی مورچہ) کے ۱۹۸۹ء کے انقلاب تک یہ بات تو واضح ہوگئی کہ کوئی پارٹی یا اتحاد کانگریس کو پوری طرح پسپا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا اور مختلف نیز متضاد عناصر کے مجموعہ سے جو اتحاد یا گٹھ جوڑ عمل میں آئے گا وہ ناپائدار ہوگا۔ مرکز میں کانگریس سرکار بن جانے کے بعد بھی جنتادل میں پھوٹ کا سلسلہ جاری رہا۔ وی پی سنگھ کی شخصیت سدا ہی متنازعہ رہی ہے۔ چندر شیکھر اپنی سماجوادی جنتادل بناکر وی پی سنگھ سے پہلے ہی علاحدہ ہو چکے تھے اجیت سنگھ کی اپنی آرزوئیں اور عزائم تھے اس لئے وہ بھی وی پی سنگھ سے بیزار تھے اور پھر اپنا گروپ لے کر وہ جنتادل سے الگ ہوگئے اور اجیت گروپ پارلیمنٹ میں ایک الگ اکائی بن گیا مرکز میں اس سیاسی اتھل پتھل کے ساتھ یوپی میں بھی ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہی ملائم سنگھ یادو نے بابری مسجد کے معاملے میں خاصا بے لچک رویہ اختیار کیا انہوں نے فسطائیوں کی دہشت گردی کا پوری طرح مقابلہ کیا اور بابری مسجد کو منہدم کرنے کی کوشش کرنے والے جنونیوں پر پولس نے فائرنگ کی جس سے سولہ فسطائی مارے گئے اس طرح ملائم سنگھ یوپی میں سیکولرزم کی علامت بن گئے اور فسطائیوں کے لئے ملّا ملائم سنگھ ایک گالی قرار پائے۔ ہندوتو کی لہر نے یوپی میں بی جے پی کے قدم جمادئے اور کلیان سنگھ کی سربراہی میں یوپی میں فسطائی بر سر اقتدار آگئے پھر سپریم کورٹ کی سخت ہدایت کے باوجود بابری مسجد منہدم کردی گئی اور ملک کی سیاست ایک نئے طوفان سے آشنا ہوئی۔ مرکز نے اس کی پاداش میں چاروں ریاستوں یعنی یوپی، مدھیہ پردیش، راجستھان اور ہماچل پردیش میں فسطائی حکومتوں کو برخاست کردیا بابری مسجد کے توڑے جانے کی بعد ملک میں پھر ایک نئی سیاسی صف بندی کی ضرورت کا اظہار کیا جانے لگا ادھر منڈل کمیشن کی آڑ لے کر وی پی سنگھ نے اپنی قیادت کو ابھارنے کی جو مہم چلائی تھی اس نے ملک میں طبقاتی جنگ کا سا ماحول پیدا کردیا منڈل کمیشن کے خلاف احتجاج میں کئی جوانوں نے خودسوزی کرلی۔ لیکن ملک میں پسماندہ طبقات کے مسائل ہیں یہ وہ طبقہ ہے جو ہزاروں سالوں سے ہندو سماج میں اچھوت گردانا گیا گاندھی جی نے اسے ہندو سماج میں برابر کا درجہ دلانے کے لئے جدوجہد کی انہوں نے اچھوتوں کو ہریجن کا نام دیا ملک کے دستور میں انہیں شیڈولڈ کاسٹ یعنی درج فہرست اقوام کہا گیا ہے ملک کی آزادی کے بعد سے ہی پسماندہ طبقے کے لوگوں کی حالت سدھارنے اور انکی ہمہ جہت ترقی کے لئے اقدامات کئے گئے انہیں بیش بہا مراعات دی گئیں تعلیم اور روزگار کے میدان میں ان سے ترجیحی سلوک کیا گیا ان کی حالت مزید سدھارنے کے لئے منڈل کمیشن قائم کیا گیا جس نے اس سلسلے میں اپنی سفارسات سرکار کو پیش کی تھیں۔ سیاسی مصالح یا دیگر عوامل کے تحت کمیشن کی یہ سفارسات سرد خانے میں ڈال دی گئیں تھیں وی پی سنگھ نے دیوی لال کے کسان اندولن کا توڑ کرنے کے لئے ان سفارسات کو بروئے کار لانے کا فیصلہ کیا اور منڈل کمیشن قومی سیاست پر چھا گیا۔ اس سے پسماندہ طبقات میں بیداری کی ایک نئی لہر دوڑی اور چونکہ ملک میں عام فضاء منڈل کمیشن کی سفارسات کے خلاف ابھری تھی اس لئے پسماندہ طبقات بھی متحد ہوکر میدان میں آگئے اور ایک شدید طبقاتی کشمکش کا ماحول پورے ملک پر چھا گیا۔ سپریم کورٹ نے اپنے تاریخی فیصلہ میں شیڈولڈ کاسٹ اور دیگر پسماندہ طبقات کے لئے ملازمت اور روزگار و تعلیم کے میدان میں ریزرویشن کا تناسب مقرر

|اور مرکز کی کانگریس سرکار نے بھی اس پر عمل در آمد کا اعلان کردیا
طرح قومی سیاست میں ایک نئی صف بندی شروع ہوئی یعنی شیڈولڈ
ٹ اور دیگر پسماندہ طبقات (او بی سی) نے سیاسی گٹھ جوڑ کے ذریعہ
رکی شاہراہ پر قدم بڑھانے شروع کردئے اس کی ابتدا یو پی سے ہوئی
نشی رام کافی عرصہ سے بہوجن سماج پارٹی کے نام سے شیڈولڈ کاسٹ
ت کی سیاسی سرگرمیوں کے لئے میدان ہموار کررہے تھے اب ملائم
یادو نے بھی پس ماندہ طبقات کو اکٹھا کرنا شروع کردیا۔ انہوں نے وی پی
سے انحراف کرکے یو پی میں سماج وادی پارٹی کے نام سے اپنی علاحدہ
عت بنائی چونکہ مسلمانوں اور یادوؤں (جسے سپریم کورٹ نے دیگر
ماندہ طبقات میں شامل کیا ہے) میں ان کی جڑیں گہری تھیں اس لئے
ہیں وہ ایک اہم طاقت بن گئے۔

جب یو پی اور دیگر تین ریاستوں میں جہاں پہلے بی جے پی
رتھی اور بابری مسجد مسمار کئے جانے کے بعد انہیں برخاست کردیا گیا
دوبارہ الیکشن کا اعلان ہوا تو ملائم سنگھ اور کانشی رام نے انتخابی اتحاد کرلیا
بی جے پی کو اقتدار میں واپس نہ آنے دیا جائے۔ ادھر جنتا دل بھی
ان میں اتر ا اس کی اپنی حالت سقیم تھی اس لئے بعجلت فیصلہ کیا گیا
جنتا دل کے مختلف ٹکڑے یعنی چندر شیکھر اور اجیت گروپ یکجا ہوکر
پی میں الیکشن لڑیں۔ کوشش کی گئی کہ ملائم سنگھ کو بھی ساتھ لے لیا جائے
ن ملائم سنگھ وی پی سنگھ سے سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں تھے دوسری
ب کانشی رام بھی اس اتحاد کے حق میں نہیں تھے اس لئے کوشش
بل منڈھے نہیں چڑھ سکی۔ بی جے پی آخری لمحہ تک اسی
ی فہمی کا شکار تھی کہ بابری مسجد توڑ کر اس نے جو تاریخی کارنامہ انجام
ہے ہندو ووٹر اسے اس کا بھرپور معاوضہ دیں گے اور وہ پانچوں ریاستوں
دوبارہ برسر اقتدار آجائے گی اور پھر ۱۹۹۶ء کے الیکشن میں مرکز پر قبضہ
لے گی اس لئے اس نے الیکشن کا نعرہ ہی یہ مقرر کیا تھا کہ آج پانچ
کل سارا دیش لیکن جب نتیجہ نکلا تو سب سے مایوس کن بلکہ
وا کن حالت بی جے پی کی تھی وہ بمشکل راجستھان میں
ادامیدواروں کی مدد سے اپنی سرکار بنا سکی صرف دہلی میں ہی اسے
میابی حاصل ہوئی۔ الیکشن کے ان غیر متوقع نتائج نے جہاں بی جے پی
کے منصوبے خاک میں ملا دئے وہیں یو پی میں ایک نئی سیاسی صف بندی کا آغاز
ہوا اور کانگریس کی گرتی ہوئی ساکھ کسی حد تک بحال ہوگئی اس نے

ہماچل پردیش اور مدھیہ پردیش میں اقتدار حاصل کرلیا اور راجستھان میں
اپنی پوزیشن پہلے سے بہتر کرلی یو پی میں بی جے پی کو اقتدار حاصل نہیں
ہوسکا لیکن وہ سب سے بڑی پارٹی کے طور پر کامیاب رہی اس نے ملائم
سنگھ اور کانشی رام کی مشترکہ سیٹوں کے برابر نشستیں حاصل کیں اور
درپردہ کوشش کی کہ اگر اجیت سنگھ جنتا دل سے ٹوٹ کر وزارت بنانے
کے لئے جوڑ توڑ کریں تو وہ انہیں سہارا دے گی اس طرح وہ اپنے جانی
دشمن ملائم سنگھ کا راستہ کاٹنا چاہتی تھی لیکن اجیت سنگھ ایسا کچھ نہیں
کرسکے اور مایوس ہوکر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کانگریس میں شامل
ہوگئے یو پی میں سماجوادی پارٹی اور بہوجن سماج یعنی ملائم سنگھ اور کانشی
رام کا متحدہ محاذ برسراقتدار ہے جسے کانگریس اور جنتا دل کی پشت پناہی
حاصل ہے۔ ظاہر ہے یہ اتحاد بہت مستحکم نہیں ہے نہ کانگریس ملائم سنگھ
سے خوش ہے نہ جنتا دل ان سے مطمئن ہے خود کانشی رام اور ملائم سنگھ
کے درمیان شروع سے ہی اختلاف رائے چل رہا ہے کانشی رام نے
اعلان کردیا ہے کہ ملائم سنگھ سے ان کا اتحاد صرف یو پی تک محدود ہے
دراصل کانشی رام کے عزائم بہت بلند ہیں وہ اپنے آپ کو مستقبل کا وزیر
اعظم قرار دیتے ہیں بلکہ ان کا کہنا ہے کہ ۱۹۹۶ء کے عام انتخابات میں
بہوجن سماج پارٹی مرکز میں برسراقتدار آئے گی اس میں ادعا کتنا ہے اور
حقیقت پسندی کتنی ہے یہ تو وقت ہی بتائے گا تاہم اس سے اندازہ کیا
جاسکتا ہے کہ درج فہرست اقوام سیاسی اقتدار کے لئے کتنے طوفانی عزائم
کے ساتھ بیدار ہوئی ہیں۔ آج سے نہیں بلکہ کافی عرصہ سے ان اقوام
میں یہ جذبہ ابھر رہا ہے کہ پندرہ فیصد اعلیٰ ذات کے ہندو ۸۵ فیصد پسماندہ
طبقہ کے ہندوؤں پر حکومت کررہے ہیں وہ سب سے زیادہ برہمن واد پر
چوٹ کرتے ہیں جس نے انہیں ہزاروں سال سے اچھوت اور ملعون
قرار دے رکھا تھا اور آج بھی انہیں محکوم بنائے رکھنے کے لئے سیاسی
جوڑ توڑ میں لگے رہتے ہیں چونکہ جمہوریت میں ایک فرد ایک ووٹ کا
اصول ہے اس لئے وہ جانتے ہیں کہ ۱۵ ووٹوں کے مقابلے میں ان کے
پاس ۸۵ ووٹ ہیں لہٰذا حکومت کرنے کے اصل حقدار وہ ہیں اسی
ادراک اور احساس نے ان کے اندر خود اعتمادی 'طاقت بلکہ تمرد کا انداز
پیدا کردیا ہے کئی دہائیوں تک اقلیتیں اور پسماندہ طبقات حکمراں
جماعت یعنی کانگریس کے محفوظ حلقے سمجھے جاتے تھے لیکن سکھوں کو
آپریشن بلیو اسٹار نے کانگریس سے برگشتہ کیا اور مسلمان بابری مسجد کی

تباہی کے بعد کانگریس سے بیزار ہو گئے منڈل شفارسات اور سپریم کورٹ کے فیصلے نے اقوام مندرج فہرست اور پسماندہ طبقات کو اپنی قیادت کا علم خود اٹھانے کا احساس دلایا اور اس طرح ایک نئی سیاسی صف بندی کا عمل شروع ہو گیا۔ یوپی میں ملائم سنگھ یادو کو مسلمانوں کی حمایت حاصل ہے اگر پچھلے الیکشن میں جنتادل حائل نہ ہوتا تو ملائم سنگھ کی پارٹی ۳۰-۴۰ سیٹیں اور بھی حاصل کر سکتی تھی اس الیکشن سے جنتادل کا سیاسی وجود بھی تحلیل سا ہو گیا ہے اور اس کا مستقبل غیر یقینی لگ رہا ہے اب جنتادل کی صدارت سے بومئی کو ہٹا کر وی پی سنگھ کو صدر بنایا گیا ہے لیکن وہ کافی عرصے سے بیمار ہیں پچھلے الیکشن میں بھی اپنی بیماری کے سبب انتخابی مہم میں حصہ نہیں لے سکے تھے آج کل امریکہ میں زیر علاج ہیں کیا یہ بیمار مسیحا جنتادل کے مرتے ہوئے جسم میں نئی روح پھونک سکتا ہے اس سلسلے میں کوئی امید افزا بات نہیں کہی جا سکتی بہوجن سماج پارٹی کے فروغ سے جہاں نئی سیاسی صف بندی شروع ہو رہی ہے وہیں طبقاتی کشمکش کا خطرہ بھی بڑھتا جا رہا ہے منڈل شفارسات کے نافذ العمل ہونے کے بعد سورن ہندو یعنی اعلیٰ ذات کے برہمن اور ٹھاکر وغیرہ اب بی جے پی کے حصار عافیت میں پناہ تلاش کر رہے ہیں کانگریس سے انہیں زیادہ امیدیں نہیں ہیں بی جے پی چونکہ خود کو ہندوتو کا علمبردار اور ہندوؤں کا محافظ بنا کر پیش کرتی ہے اس لئے یہ طبقہ جسے ۸۵ فیصد پسماندہ ہندوؤں کے غلبہ کا خوف ہے فسطائیت کے زیر سایہ جا رہا ہے لیکن کیا اس پسپائی یا گوشۂ عافیت کی تلاش سے وہ اس تاریخی عمل کو روک سکیں گے جسے وقت نے شروع کیا ہے یہ لوگ وقت کی سوئیوں کو روکنا یا پیچھے دھکیلنا چاہتے ہیں ظاہر ہے وقت کی رفتار کو کس نے روکا ہے اور جس نے بھی ایسا کرنے کی حماقت کی ہے وقت نے اسے کچل ڈالا ہے۔ طبقاتی کشمکش کا یہ عمل کافی پیچیدہ، تکلیف دہ اور طوفان خیز ہو سکتا ہے کانشی رام یا ملائم سنگھ اپنی اپنی برادریوں کے بلا شرکت غیرے لیڈر نہیں ہیں اور نہ دوسری پارٹیاں ان کی چالوں اور عزائم سے بے خبر ہیں بی جے پی یوپی میں کافی طاقت ور ہے پسماندہ طبقات کے لوگ اس کے ساتھ بھی ہیں کلیان سنگھ اور بہت سے دوسرے اپنے سیاسی عزائم کے لئے بی جے پی کے مقدم ہو گئے ہیں پھر ہماری قومی سیاست میں آیا رام اور گیا رام کا کھیل بھی کھیلا جاتا ہے سرمایہ اور دھونس بھی اپنا کام کرتے ہیں جس معاشرہ میں ہزاروں سال سے طبقاتی نظام رائج ہے اسے چند دنوں یا چند برسوں میں ختم نہیں کیا جا سکتا اس کے لئے کشمکش طویل تر ہوگی جو تصادم میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے مگر بہر حال جیت اکثریتی گروپ یعنی پسماندہ طبقات کی ہی ہوگی یہ کیسی عبرتناک لیکن دلچسپ بات ہے کہ اعلیٰ ذات والوں کا پندرہ فیصد طبقہ جو خود کو اکثریت قرار دے کر آزادی سے اب تک اقتدار پر قابض تھا اور دوسروں کو اقلیت کہہ کر دبا تا تھا آج خود اقلیت میں آ گیا ہے اور اپنے حقوق اور بقا کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہے۔

اس نئی سیاسی صف بندی میں مسلمانوں کا کردار کیا ہوگا اس کا اندازہ یوپی کے حالات سے کیا جا سکتا ہے مسلمانوں نے کانشی رام اور ملائم سنگھ کی کھل کر حمایت کی بی جے پی کے سابق وزیر اعلیٰ کلیان سنگھ نے بھی فسطائی انداز میں اس کا شکوہ کیا ہے کہ یوپی میں ان کی پارٹی آئی ایس آئی کے ایجنٹوں (اب بی جے پی نے مسلمانوں کو یہی نیا نام دیا ہے) کی وجہ سے ہاری ہے یہ پہلی بار ہے کہ مسلمانوں نے ہوشمندی سے کام لے کر اپنے ووٹوں کو ضائع ہونے سے بچایا ہے اور پہلے ہی تجربہ میں انہوں نے فسطائیوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اگرچہ ملائم سنگھ کے مقابلے میں کانشی رام کے عزائم بہت بلند ہیں لیکن وہ مسلمانوں کے بارے میں خوش فہم نہیں ہیں بلکہ انہیں شکوہ ہے کہ مسلمانوں کی وجہ سے بی جے پی کو بہت سی سیٹیں جیتنے کا موقع مل گیا اس میں شبہ نہیں کہ جنتادل کے بیچ میں آ جانے کی وجہ سے مسلمانوں کے ووٹ تقسیم ہو کر ضائع ہو گئے اور بی جے پی نے اس تقسیم سے فائدہ اٹھایا لیکن اس بارے میں تلخی یا تنازعہ پیدا کرنے سے بہتر یہ ہے کہ آئندہ اس قسم کی تقسیم کو روکنے کے اقدامات کئے جائیں۔

پسماندہ طبقہ میں اپنی طاقت کے نئے احساس سے ایک فائدہ یہ ہوا ہے کہ اب وہ فسطائیوں کے آلہ کار بننے کو تیار نہیں ہیں پہلے فسطائیوں نے یہ وطیرہ اپنایا تھا کہ فرقہ وارانہ فسادات میں ہریجنوں کو آگے کر دیتے تھے۔ کئی جگہ ان لوگوں نے مسلمانوں کی جان و مال کی تباہی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن پھر ان کے لیڈروں نے انہیں سمجھایا کہ کس طرح فسطائی اپنے سیاسی اغراض کے لئے انہیں اقلیتوں کے مقابل لا رہے ہیں چنانچہ اب آہستہ آہستہ صورت حال تبدیل ہو رہی ہے گذشتہ دنوں کانپور کے ہنگاموں میں پھر بی جے پی نے یہی حربہ استعمال کرنا چاہا لیکن زیادہ کامیابی نہیں ملی ان حالات سے امید کی جا سکتی ہے کہ آئندہ فسطائی فرقہ وارانہ منافرت کا کھیل آسانی سے نہیں کھیل سکیں

گے کیوں کہ اب یہ احساس ابھر رہا ہے کہ ملک کے غریب عوام کے مسائل مسجد مندر نہیں ہیں اور نہ فرقہ وارانہ تصادم سے کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اصل مسئلہ یہ ہے کہ اعلیٰ ذات کے طبقہ کو استحصال کی اجازت نہ دی جائے اور فسطائیوں کا آلۂ کار نہ بنا جائے۔ ابھی اس احساس کے عام اور گہرا ہونے میں وقت لگے گا تاہم یہ بھی کیا کم ہے کہ بابری مسجد کے حادثہ نے ہندو اور مسلمان دونوں میں شعور کی ایک نئی لہر پیدا کی ہے مسلمان اپنی نام نہاد قیادت سے بیزار ہو گئے ہیں اور ہندو بھی فسطائیوں کی چالوں کی اصل غرض وغایت کو پہچاننے لگے ہیں۔ مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ ان میں اور اہل وطن میں مفاہمت کا جو نیا ماحول پیدا ہوا ہے اسے برقرار ہی نہ رکھا جائے بلکہ اسے وسعت دی جائے اور اسے اعتماد اور اعتبار میں بدلا جائے۔ انہیں اس سے بھی بے خبر نہیں رہنا چاہئے کہ فسطائی پسپائی کے بعد خاموش نہیں بیٹھے ہیں بلکہ پوری عیاری کے ساتھ حالات پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور کسی وقت بھی شب خون مار سکتے ہیں وہ سرتوڑ کوشش کریں گے کہ مسلمانوں اور پسماندہ طبقات کے درمیان جو سیاسی مفاہمت ہوئی ہے اسے سبوتاژ کردیں کوئی معمولی سا انفرادی واقعہ مثلاً گاؤ کشی ' اغوا ' آبروریزی وغیرہ اس چنگاری کو بھڑکانے کا کام کر سکتا ہے جبل پور میں ایک انفرادی واقعہ کو لے کر ہی فسطائیوں نے مسلمانوں کے خلاف قیامت برپا کی تھی یہ اگرچہ کئی دہائی قبل کی بات ہے تاہم عوامی نفسیات کے اس کمزور پہلو کو کبھی نظرانداز نہیں کیا جانا چاہئے پسماندہ طبقے کے لوگ صدیوں کی ستم رانی کے بعد طاقت کے غرور کے ساتھ بیدار ہوئے ہیں اس لئے ان میں تکبر اور تمرد کا جذبہ بھی بیدار ہوگا اور وہ اپنے مقابل آنے والی ہر طاقت سے طوفانی انداز سے ٹکرانے کی کوشش کریں گے فسطائیوں کا سارا زور اس پر ہوگا کہ کسی طرح اس تصادم کو فرقہ وارانہ رخ دے دیا جائے آسام میں اصل کشمکش آسامیوں ' بنگالیوں اور مارواڑیوں کے درمیان تھی تنازعہ فرقہ وارانہ نہیں تھا لیکن آر ایس ایس نے کمال ہوشیاری اور عیاری سے ہنگامہ کا علم اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے ہندو مسلم تنازعہ میں تبدیل کردیا اور مسئلہ کی ساری نوعیت ہی بدل گئی استحصال پسند مارواڑی تو محفوظ رہے لیکن بنگلہ دیشی کے نام پر آسامی مسلمانوں کے لئے زندگی حرام کردی گئی۔ اس لئے مسلمانوں کو اس سلسلے میں ہر وقت ہوشیار اور بیدار رہنا چاہئے انکے ہاں جذباتی قیادت کی پرانی لعنت موجود ہے مسلم لیگ نے جذباتیت کے جو سبز باغ لگائے تھے اس کے پیڑ پودے اب بھی اپنے سایے پھیلاتے رہتے ہیں اور بہت سے لوگ اس سایہ میں آرام کرنا پسند کرتے ہیں لیکن اب مسلمانوں کو جذبات کے سایہ کی نہیں بلکہ حقائق کی چلچلاتی دھوپ میں چلنا ہے ورنہ وہ اپنی منزل نہ پاسکیں گے۔ ان کے سامنے سب سے بڑا سوال اپنے ملی اور ثقافتی وجود کی بقا کا ہے۔ ان کی ثقافتی شناخت کو ختم کرنے کے لئے غیر محسوس طریقہ سے کوششیں جاری ہیں اردو کا مسئلہ مسلمانوں کی ثقافتی شناخت کی اہم بنیاد ہے اکثریت اس کی اہمیت کو سمجھتے نہیں یا سمجھ کر نظرانداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں ملائم سنگھ نے اردو کو مراعات دینے کا اعلان کیا ساتھ ہی دیوناگری لپی کا شوشہ بھی چھوڑ دیا۔ اس قسم کی باتوں سے بددل نہیں ہونا چاہئے بلکہ استقامت کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہ کر اپنے حقوق کے لئے جدجہد جاری رکھنی چاہئے۔ بابری مسجد کا تنازعہ بھی ابھی پوری طرح زندہ ہے فسطائی اس کی جذباتی اہمیت اور اس سے حاصل ہونے والی کامیابی کو دیکھ چکے ہیں وہ پھر اسے بھڑکانے کی کوشش کریں گے۔ سپریم کورٹ میں اس مسئلہ کی سماعت شروع ہو چکی ہے عدالت عظمیٰ کیا رائے دیتی ہے اس کا ردعمل کیا ہوتا ہے اس کا بھی آئندہ سیاست پر اثر پڑے گا مسلمانوں کے لئے پھر یہ امتحان کا موقع ہوگا اگر انہوں نے ماضی کی طرح پھر احتجاجی سیاست کا راستہ اپنایا اور اپنے جذبات فروش قائد اعظموں کے جال میں پھر پھنس گئے تو بمبئی جیسے حالات سے پھر گزرنا پڑے گا بدقسمتی سے ان قائد اعظموں کے پاس مسلمانوں کی تعلیمی اقتصادی اور سماجی ترقی اور تحفظ کے لئے کوئی پروگرام نہیں ہے ان کی دکانوں پر صرف جذبات کی جنس کاسد ہی بکتی ہے مسلمان کب تک نقد جان دے کر یہ بے مایہ چیز خریدتے رہیں گے انہیں احساس ہونا چاہئے کہ وقت کے ساتھ ہم قدم ہونا ہی قوموں کی زندگی کی دلیل ہوتی ہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے مسلمان جن حالات میں تھے وہ اس کے بعد نہیں رہے ۱۹۴۷ء سے قبل مسلمانوں کی جو کیفیت تھی وہ آزادی کی بعد نہیں رہی آج ۱۹۹۴ء میں جو صورت حال ہے وہ اکیسویں صدی میں نہیں رہے گی حالات بدلیں گے۔ سیاست بدلے گی دنیا کا نظام جس تیزی سے بدل رہا ہے ہم ابھی اندازہ نہیں کرسکتے کہ اکیسویں صدی کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا ہندوستان میں فسطائی بھی برسراقتدار آسکتے ہیں اس امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا یہ مسلمانوں کے لئے آزمائش کا ایک نیا دور ہوگا اگر وہ یہ

سمجھتے ہیں کہ یوپی میں ملائم سنگھ اور کانشی رام کے اتحاد سے بی جے پی کا دور ختم ہوگیا تو یہ حقیقت پسندی نہیں ہوگی فسطائیت کی طاقت ابھی برقرار ہے مسلمانوں کو یہ کوشش ضرور کرنی چاہئے کہ فسطائیت کے قدم بڑھنے نہ پائیں اس کے لئے انہیں جذباتی اور احتجاجی سیاست سے دامن بچانا ہوگا اگر مسلمان فیصلہ کرلیں کہ وہ اشتعال اور جذبات سے مغلوب ہوکر کوئی ہیجانی قدم نہیں اٹھائیں گے تو یہ فسطائیت کے خلاف ان کا سب سے بڑا جہاد ہوگا اب تک مسلمانوں کے جذباتی رد عمل کے طور پر ہی ہندو انتہاپسندی کو فروغ ہوا ہے اب مسلمانوں کو اسے مزید فروغ نہیں دینا چاہئے۔

قتل عام

ہیبرون کی مسجد ابراہیم میں صلوۃ فجر میں مشغول فلسطینیوں کا قتل رخصت ہوتی ہوئی عیسوی صدی کے چند المناک ترین واقعات میں شمار کیا جاسکتا ہے بدقسمتی سے مغرب کا ضمیر اس قسم کے واقعات پر کسی خاص اضطراب کا اظہار نہیں کرتا یہ وہ صلیبی ضمیر ہے جو کسی ایک گورے کی موت پر جو کسی مسلمان کے ہاتھ سے ہوئی ہو آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے اور اسلامی بنیاد پرستی عالمی خطرہ بن جاتی ہے حسب دستور سیکورٹی کونسل امریکہ یورپ اور ساری صلیبی دنیا نے اسے ایک معمولی تصادم سمجھا ہے اگرچہ صدر امریکہ نے اس پر اظہار افسوس کیا ہے اور فلسطینیوں اور اسرائیلیوں کو پھر مذاکرات کے لئے واشنگٹن بلایا ہے کرسٹوفر بھی بھاگ دوڑ کر رہے ہیں کہ کسی طرح دونوں فریقوں کو پھر ایک میز پر بٹھادیا جائے اور ٹوٹتی ہوئی بات کا رشتہ بالکل نہ ٹوٹ جائے لیکن یہودیوں کے خلاف کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا گیا ان کی ستم کیشی پر کسی نے لعنت نہیں کی۔ نہ امریکی یہودیوں نے کسی پشیمانی کا اظہار کیا جن کی دہشت گردی نے ہی اس قسم کے خونی مجرموں کو تربیت دی ہے۔ درحقیقت صیہونیت کے پودے کی اصل جڑیں امریکہ میں ہی ہیں یہودیوں نے صدیوں کی سازشوں کے بعد امریکہ اور یورپ کے اقتصادی اعصاب پر قبضہ کرلیا ہے وہی یہودی جو اب سے چند سو سال قبل مغربی معاشرہ میں انتہائی قابل نفرت سمجھے جاتے تھے آج وہ مغرب کے سیاسی دروبست پر قابض ہیں امریکہ میں عملاً ان کی حکمرانی ہے۔ کلنٹن صیہونیوں کی حمایت سے ہی صدر بنے ہیں اس لئے صیہونیوں کے حوصلے اور بھی زیادہ بڑھ گئے ہیں ہیبرون میں ۴۳ فلسطینی مسلمانوں کے المناک قتل کے پیچھے بھی اسی صیہونی دہشت گرد تحریک کا ہاتھ ہے جسے امریکہ کی سرکاری سرپرستی حاصل ہے صیہونیوں کو پتہ ہے کہ وہ کچھ بھی کریں کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہے سیکورٹی کونسل اگر کچھ کرسکتی ہے تو صرف قرارداد مذمت پاس کرسکتی ہے اول تو امریکہ اسے پاس نہیں ہونے دے گا گھنٹوں بلکہ ہفتوں قرارداد کے الفاظ پر اتفاق ہونے میں گذر جاتے ہیں اور جب ہلکی پھلکی بے ضرر سی قرارداد پاس بھی ہوتی ہے تو اس میں صیہونی دہشت گردوں کے ساتھ فلسطینی مظلوم بھی شامل کرلئے جاتے ہیں امریکہ اور اس کے حواریوں کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ اس طرح سیکورٹی کونسل کی قرارداد جانب دارانہ نہیں رہے گی گویا دونوں فریق کو فہمائش کرنے سے اقوام متحدہ اپنا اخلاقی فرض ادا کرتی ہے۔ ظاہر ہے ایسی ہزار مذمتی قراردادیں ہوں یہودیوں کی صحت پر کیا اثر پڑسکتا ہے۔ اگر یہودیوں کو معلوم ہو کہ ان کے ساتھ صدام حسین جیسا برتاؤ کیا جاسکتا ہے اور مقبوضہ فلسطین سے انہیں اسی طرح نکالا جاسکتا جیسے عراق کو کویت سے نکالا گیا تو ان کے سارے حوصلے پست ہوجائیں گے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا صلیبیوں نے ہمیشہ ہی مسلمانوں کے خلاف دوہرا معیار اپنایا ہے فرض کیجئے ہیبرون میں جو حادثہ پیش آیا اگر یہودیوں کے ساتھ ایسا ہوتا یعنی مارنے والے فلسطینی یا مسلمان ہوتے اور مرنے والے یہودی وہ ۴۳ کے بجائے صرف ۱۳ ہوتے تو بھی آج امریکہ اور یوروپ میں مسلمانوں کے خلاف طوفان برپا ہوتا اور امریکہ سیکورٹی کونسل میں مذمت کی نہیں سخت پابندیوں کے نفاذ کا مطالبہ کرتا بلکہ فوجی اقدامات کے امکانات کو بھی خارج از امکان قرار نہ دیتا۔ عراق میں شیعوں اور کردوں کی حفاظت کے لئے اتحادی ہوائی جہازوں نے کئی بار ہوائی حملے کئے شیعہ اور کرد عراقی شہری ہیں ان کی حفاظت عراق کی اپنی ذمہ داری ہے اور عالمی سیاسی ضابطہ اخلاق کے مطابق یہ عراق کا داخلی معاملہ ہے لیکن امریکہ اور اس کے حلیف عراق کے معاملہ میں اسے تسلیم نہیں کرتے سوال یہ ہے کہ فلسطین کے مقبوضہ علاقے اسرائیل کے ناجائز قبضہ میں ہیں اب اگر وہاں صیہونی حاکم فلسطینیوں کو تحفظ فراہم نہیں کرسکتے تو عراقی شیعوں اور کردوں کی طرح فلسطینیوں کے تحفظ کے لئے امریکہ فوجی اقدام کیوں نہیں کرسکتا۔

اس سلسلے میں عرب ممالک کا رد عمل بھی مایوس کن رہا ہے

سرکاری طور پر کسی خاص اضطراب کا اظہار کہیں نہیں ہوا۔ عرب لیگ نے اپنے اجلاس میں اس حادثہ کی مذمت کرکے امریکہ اور روس سے عاجزانہ اپیل کی اور اسرائیل پر زور دیا کہ وہ فلسطینیوں کو تحفظ فراہم کرے۔ اس قسم کی قراردادوں کی اہمیت کیا ہے جہاں سیکورٹی کونسل کی قراردادوں کی کوئی وقعت نہ ہو وہاں عرب لیگ کی فریاد نما مذمتی قراردادوں کو نگاہ غلط انداز سے بھی نہیں دیکھا جائے گا۔ سچ پوچھئے تو فلسطین کا سارا قضیہ ہی عرب سیاست کی بے حسی اور ضمیر فروشی سے پیش آیا ہے اگر عرب حکمراں کوشش کرتے اور ۱۹۴۸ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اپنی فوجوں کو خود ہی بے دست وپا نہ کردیتے تو فلسطینیوں کو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ شاہ فاروق شاہ عبد اللہ نوری السعید وغیرہ کے نام اس سلسلے میں لئے جاتے ہیں اور فلسطینی کاز سے غداری کے سبب ہی ان شاہوں اور سیاست دانوں کا عبرت ناک انجام ہوا۔ عالمی صیہونی سازش اور صلیبی دباؤ نے عربوں کو اپنے قومی اور ملی وقار کا سودہ کرنے پر مائل کرلیا یہ عرب تاریخ کے چند بدترین واقعات میں سے ہے ۱۹۶۷ء میں عرب علاقوں پر قبضہ کرکے صیہونیوں نے عالمی تاریخ میں جارحیت اور دہشت گردی کے ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ مغرب نے پھر حروب صلیبیہ کے دور ظلمت کی پالیسی اپنائی اور یہودیوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ عرب اپنے انتشار اور صلیبی مغرب کے اتحاد کے سبب اپنے کھوئے ہوئے علاقے بھی واپس نہ لے سکے انور سادات نے یہودیوں سے الگ معاہدہ کرکے سینائی کا علاقہ واپس لے لیا اب فلسطینی بھی تھک ہار کر محدود داخلی خود مختاری کے راستہ ہی اپنی باقی ماندہ زمین واپس لینے کا خواب دیکھ رہے تھے کہ ہیبرون کا قتل عام کیا گیا تاکہ فلسطینیوں کو بے حوصلہ کرکے بھگا دیا جائے اور معاہدہ کالعدم ہوجائے یہ عالمی سیاست کا المیہ ہے کہ ساری دنیا نے فلسطین کے مسئلہ پر صلیبی دھاندلی اور صیہونی دہشت گردی سے مصالحت کرلی ہے ہر ملک اور قوم اس کوشش میں بیتاب ہے کہ کسی طرح اسرائیل سے دوستی کرلی جائے تاکہ اس طرح امریکہ کی نظر عنایت کے حقدار بن سکیں۔ فلسطینی امن مذاکرات میں یہودی جس انداز سے تعویق وتاخیر سے کام لے رہے ہیں اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صیہونیت فلسطینیوں کو صرف سبز باغ دکھا کر ہی اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہے ایک طرف یہودی فلسطینیوں کو بات بات پر الجھا رہے ہیں دوسری طرف امریکہ عربوں پر زور دے رہا ہے کہ امن مذاکرات کے بعد وہ اسرائیل کا تجارتی بائیکاٹ ختم کردیں اسرائیل نے عرب مارکیٹ پر قبضہ کرنے کے لئے مغربی ایشیا کی کامن مارکیٹ کا تصور بھی پیش کیا ہے تاکہ یوروپی مشترکہ منڈی کے مقابل اپنی مصنوعات کے لئے عربوں کی وسیع منڈی پر اس کا قبضہ ہوجائے یہودیوں نے عرب لیگ کی ممبری کا مطالبہ بھی کیا ہے یعنی وہ فلسطینیوں کو چند موہوم مراعات دے کر عربوں کے اقتصادی اور سیاسی اعصاب پر قبضہ کرنا چاہتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے اس نے امریکہ میں صلیبیوں کو اپنی جھولی میں ڈال لیا ہے امریکہ اس کوشش میں صیہونیوں کا بھرپور ساتھ دے رہا ہے اور ہر قسم کا دباؤ بھی استعمال کررہا ہے عربوں میں شروع سے ہی دو گروپ رہے ہیں ایک مغرب نواز دوسرا مغرب بیزار اشتراکی روس کی موجودگی میں مغرب بیزار ممالک کا اپنا وزن تھا اور مغرب نواز ممالک کو اپنے موقف کا جواز پیش کرنے میں کافی محنت کرنی پڑتی تھی خلیج کی جنگ اور اشتراکی روس کے انتشار کے بعد اب مغرب بیزار گروپ بے دست وپا ہوکر رہ گیا ہے اور امریکہ مشرق وسطیٰ کا حاکم مطلق بن کر ابھرا ہے جس کے کندھے پر یہودی تسمہ پا سوار ہیں فلسطینی امن مذاکرات جہاں ایک طرف فلسطین کی مقبوضہ علاقوں کی بازیابی کی موہوم امید دلاتے ہیں وہیں پورے مشرق وسطیٰ پر صیہونی تجارتی استیلاء کا دروازہ کھولنے کا اشارہ بھی کرتے ہیں آج کی عالمی سیاست تجارتی تسلط کے محور پر گھوم رہی ہے مغربی ملکوں نے اپنی مشترکہ منڈی بنا کر اپنے تجارتی مفاد کا تحفظ کرنے کی کوشش کی ہے امریکہ ڈنکل تجاویز، حقوق املاک دانش اور سپر تین سو ایک کے ذریعہ ساری دنیا پر اپنی تجارتی اجارہ داری مسلط کرنے پر مصر ہے اس وقت امریکہ اور جاپان میں جو تجارتی جنگ جاری ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ امریکہ جاپان کی منڈی پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور جاپان جو دوسری جنگ عظیم میں شکست کھا کر امریکہ کا محکوم بن گیا تھا اپنے تجارتی مفادات کے تحفظ کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے امریکہ نے اپنے اقتصادی بحران پر قابو پانے کے لئے خلیجی جنگ عالمی پیمانے پر لڑی اور عربوں سے ایک کھرب کے قریب معاوضہ وصول کیا اپنا سارا فوجی ساز وسامان جو اسلحہ خانوں میں بے کار پڑا تھا اس جنگ میں سونے کے مول بیچا اور اس کے بعد جدید ہتھیاروں کی سپلائی کے نام پر عربوں سے پھر اربوں ڈالر کے سودے کرلئے امریکہ اور اس کے حلیف جب چاہتے ہیں ہتھیاروں کے سودے کے نام پر عرب حکمرانوں سے اربوں ڈالر وصول کرلیتے ہیں یہ

کہنا مشکل ہے کہ یہ حکمراں اپنی خوشی یا خوش دلی سے اس قسم کے معاہدے کرلیتے ہیں لیکن وہ مجبور ہیں انہیں پتہ ہے کہ امریکہ اور اس کے حلیف اپنی ہتھیاروں کی صنعت کو زندہ رکھنے کے لئے انہیں لوٹ رہے ہیں یہ ان کی بے بسی ہے کہ وہ اپنی قومی دولت مغرب کے ہاتھوں میں جانے سے نہیں روک سکتے خلیج کی جنگ کے معاوضہ کے طور پر امریکہ نے فلسطینی مسئلہ حل کرانے کا وعدہ کیا تھا لیکن اس نے اپنا وعدہ صحیح معنوں میں پورا نہیں کیا اس نے ہر مرحلہ پر صیہونیوں کی حمایت کی اور فلسطینیوں کو ہر ہر قدم پر دبایا اور آج تک صیہونی فلسطینیوں کو کوئی قابل ذکر رعایت دینے پر آمادہ نہیں ہیں اور عرب بے بسی سے سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ ان حالات میں اگر فلسطین میں حمس کے انقلابیوں کی سرگرمیوں کو فروغ ہوتا ہے یا مصر میں مسلم بنیاد پرست (مغربی اصطلاح کے مطابق) سرکاری عمال پر حملے تیز کرتے ہیں تو قصور کس کا ہے۔ جب جارح کو جارحیت کا انعام دیا جائے گا اور مظلوم کو مسلسل ہراساں کیا جائے گا تو انجام کیا ہوگا۔ مثل مشہور ہے کہ پاؤں کے نیچے دب جانے والی چیونٹی بھی کاٹ لیتی ہے فلسطینی اور عرب تو بہر حال انسان ہیں یہودی ۴۳ فلسطینی نہیں ۴۳ ہزار کو قتل کردیں لیکن وہ انکے جذبۂ آزادی کو مٹا یا دبا نہیں سکتے حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے کل مغرب میں یہودی ایسے ہی مظلوم اور حقیر تھے جیسے آج مقبوضہ فلسطین میں عرب ہیں لیکن وقت نے پلٹا کھایا تو یہودی صلیبیوں کے اعصاب پر سوار ہوگئے آج عرب مظلوم ہیں کل اسی طرح یہ نقشہ بدل سکتا ہے " وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ" صلیبی مغرب کا عروج بھی نصف النہار پر پہنچ چکا ہے اور بقول روسی انتہاپسند رہنما زیرینوفسکی امریکہ عروج کی اس چوٹی پر پہنچ چکا ہے جہاں سے زوال کی ڈھلان شروع ہوتی ہے کل برطانیہ عالمی طاقت تھا ملک معظم کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا آج برطانیہ کا سارا اقتدار انگلینڈ کے جزیرے میں محدود ہوگیا ہے اس پر بھی ایک حصہ پر آئرلینڈ کا دعویٰ ہے ابھی کل کی بات ہے سوویت یونین عالمی سپرپاور تھا آج روسی فیڈریشن سکڑ کر روس تک محدود ہوگئی ہے۔ برطانیہ عربوں کو ہتھیار بیچ کر اپنے بھوکوں کا پیٹ بھر رہا ہے۔ سعودی عرب نے ۲۰ ارب ڈالر کے ہتھیاروں کا آرڈر دیا تو برطانیہ کی اسلحہ ساز فیکٹری کے اٹھارہ ہزار ملازموں کی نوکری بحال ہوئی۔ روس کو اگر امریکہ اور یوروپ سے امداد کے نام پر بھیک نہ ملے تو شاید یلتسن کے دسترخوان پر بھی روٹی دکھائی نہ دے۔ یہودی شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا عروج لازوال ہے لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ وقت کسی کا ساتھ نہیں دیتا یہودی کل جس طرح حقیر اور بے وقعت تھے مستقبل قریب یا بعید میں اپنی سابقہ پوزیشن پر لوٹ سکتے ہیں ظلم کبھی ظالم کو اعزاز نہیں بخشتا بلکہ رسوائی کا موجب بنتا ہے مغرب نے عالمی حقوق انسانی کی میزان برپا کی ہوئی ہے لیکن اس میزان میں صیہونیوں کا کردار تولنے کی ہمت نہیں کی۔ اقوام متحدہ نے بھی کسی اقدام کا حوصلہ نہیں کیا۔ یہ داشتہ پیرا فرنگ صرف دوسروں کا احتساب کرتی ہے گورے صلیبیوں اور صیہونیوں کے گریبان تک نہ اس کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے نہ اس کی نگاہ اٹھ سکتی ہے، اقبال نے جمعیت اقوام کے بارے میں کہا تھا کہ

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

آج سیکورٹی کونسل بعینہ یہی کام کررہی ہے یہ سارے "گورے کفن چوروں" کے قبرستان کو آپس میں تقسیم کرچکے ہیں پورے عالم اسلام پر ان کی گرفت ہے صیہونی ان کے رفیق کار ہیں گزشتہ ایک صدی سے بھی زیادہ سے کفن چوروں کی یہ ٹولیاں سرگرم کار ہیں اور خدا جانے کب تک ان کی سفاک سازشیں اور سرگرمیاں جاری رہیں گی۔

ہیبرون کے قتل عام کے بعد حمس نے انتقام کا اعلان کیا ہے ظاہر ہے ظلم کا بدلہ لینے کا مظلوم کو حق ہے اس میں حمس پر الزام نہیں لگایا جاسکتا لیکن فلسطینیوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان کا ہر قدم مغرب کے صلیبیوں اور صیہونیوں کو ان کے خلاف نئی سازش کرنے اور ظلم وعدوان کا ایک نیا اور لرزہ خیز دور شروع کرنے کا موقع فراہم کردے گا۔ فلسطینی گذشتہ پون صدی سے قربانیاں دے رہے ہیں ان کی جدوجہد عالمی تاریخ کا خونچکاں باب ہے کسی قوم نے اتنے ستم نہیں سہے ہوں گے ایسے تاریک مستقبل سے واسطہ نہیں پڑا ہوگا یہ ان کا عزم اور بے پناہ حوصلہ ہے کہ آج بھی وہ ہمت نہیں ہارے ہیں اور نہتے فلسطینی پتھروں سے صیہونی ہتھیاروں کا مقابلہ کررہے ہیں دوسری طرف عالمی ضمیر ہے جو سب کچھ دیکھ کر بھی خاموش ہے پھر بھی عرب اور مسلمان دہشت گرد اور بنیاد پرست ہیں اور صیہونی ترقی پسند جمہوریت نواز اور آزادی کے پرستار ہیں ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

شاہراہ قرآن

تفسیر بالرائے

مولانا ابو الکلام آزاد

قرآن حکیم اپنی وضع، اپنے اسلوب، اپنے انداز بیان، اپنے طریق خطاب، اپنے طریق استدلال، غرض کہ اپنی ہر بات میں ہمارے وضعی اور صناعی طریقوں کا پابند نہیں ہے اور نہ اسے پابند ہونا چاہئے۔ وہ اپنی ہر بات میں اپنا بے میل فطری طریقہ رکھتا ہے اور یہی وہ بنیادی امتیاز ہے جو انبیائے کرام (علیہم السلام) کے طریق ہدایت کو علم و حکمت کے وضعی طریقوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔

قرآن جب نازل ہوا تو اس کے مخاطبوں کا پہلا گروہ بھی ایسا ہی تھا۔ تمدن کے وضعی اور صناعی سانچوں میں ابھی اس کا دماغ نہیں ڈھلا تھا۔ فطرت کی سیدھی سادی فکری حالت پر قانع تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اپنی شکل و معنی میں جیسا کہ واقع ہوا تھا ٹھیک ویسا ہی اس کے دلوں میں اتر گیا اور اسے قرآن کے فہم و فراست میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں ہوئی۔ صحابہ کرام پہلی مرتبہ قرآن کی کوئی آیت یا سورت سنتے تھے اور سنتے ہی اس کی حقیقت پا لیتے تھے۔

لیکن صدر اول کا دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ روم و ایران کے تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں اور پھر یونانی علوم کے تراجم نے علوم و فنون وضعیہ کا دور شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیت کا ذوق بڑھتا گیا قرآن کے فطری اسلوبوں سے طبیعتیں ناآشنا ہوتی گئیں۔

فطریت سے جب بُعد ہو جاتا ہے اور وضعیت کا استغراق طاری ہو جاتا ہے تو طبیعتیں اس پر راضی نہیں ہوتیں کہ کسی بات کو اس کی قدرتی سادگی میں دیکھیں۔ وہ سادگی کے بعد حسن و عظمت کا تصور نہیں کر سکتیں۔ وہ جب کسی بات کو بلند اور شاندار دکھانا چاہتی ہیں تو کوشش کرتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ وضعیت اور صناعیت کے پیچ و خم پیدا کر دیں۔ یہی معاملہ قرآن کے ساتھ پیش آیا۔ سلف کی طبیعتیں وضعی طریقوں میں نہیں ڈھلی تھیں، اس لئے وہ قرآن کی سیدھی سادی حقیقت بے ساختہ پہچان لیتے تھے۔ لیکن خلف کی طبیعتوں پر وہ بات شاق گزرنے لگی کہ قرآن اپنی سیدھی سادی شکل میں ہو۔ ان کی وضعیت پسندی اس پر قانع نہیں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے قرآن کی ہر بات کے لئے وضعیت کے جامے تیار کرنے شروع کر دئے اور چونکہ یہ جامہ اس پر راست نہیں آسکتا تھا، اس لئے بتکلف پہنانا چاہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حقیقت کی موزونیت باقی نہ رہی، ہر بات ناموزوں اور الجھی ہوئی بن کر رہ گئی۔

اس صورت حال کا سب سے زیادہ افسوس ناک نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کا طریق استدلال دور از کار دقیقہ سنجیوں میں گم ہو گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کے تمام بیانات کا محور و مرکز اس کا طریق استدلال ہی ہے۔ اس کے ارشادات و بصائر، اس کے قصص و امثال، اس کے مواعظ و حکم، اس کے مقاصد و مہمات سب اسی چیز سے کھلتے اور ابھرتے تھے۔ یہ ایک چیز کیا گم ہوئی گویا اس کا سب کچھ ہی گم ہو گیا۔

ہمیں ورق کہ سیہ گشتہ، مدعا ایں جاست

انبیاء کرام کا طریق استدلال یہ نہیں ہوتا کہ منطقی طریقہ پر نظری مقدمات ترتیب دیں، پھر ان کی بحثوں میں مخاطب کو الجھانا شروع کردیں۔ وہ براہ راست تلقین و ایذان کا فطری طریقہ اختیار کرتے ہیں اسے ہر دماغ وجدانی طور پر پالیتا ہے، ہر دل قدرتی طور پر قبول کر لیتا ہے لیکن ہمارے مفسروں کو فلسفہ و منطق کے انہماک نے اس قابل ہی نہ رکھا کہ کسی حقیقت کو اس کی سیدھی سادی شکل میں دیکھیں اور قبول کرلیں۔ انہوں نے انبیاء کرام کے لئے بڑی فضیلت اس میں سمجھی کہ انہیں منطقی بنادیں اور قرآن کی ساری عظمت اس میں نظر آئی کہ اس کی ہر بات ارسطو کے منطق کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی نکلے۔ اس سانچے میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی، نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے دلائل و براہین کی ساری خوبروئی اور دلنشینی طرح طرح کی بناوٹوں میں گم ہو گئی۔ حقیقت تو گم ہو ہی چکی تھی لیکن وہ بات بھی نہ بنی جو لوگ بنانی چاہتے تھے۔ شکوک و ایرادات کے بے شمار دروازے کھل گئے۔

یہ آفت صرف طریق استدلال ہی میں پیش نہیں آئی' بلکہ تمام گوشوں میں پہلی منطق و فلسفہ کے مباحث نے طرح طرح کی نئی اصطلاحات پیدا کردی تھیں۔ عربی لغت کے الفاظ ان مصطلحہ معانی میں مستعمل ہونے لگے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن کا موضوع فلسفہ یونانی نہیں ہے اور نہ نزول قرآن کے وقت عربی زبان ان مصطلحات سے آشنا ہوئی تھی۔ پس جہاں کہیں قرآن میں وہ الفاظ آئے ہیں ان کے مطالب وہ نہیں ہوسکتے جو وضع مصطلحات کے بعد قرار پائے۔ لیکن اب ان کے وہی مفہوم لئے جانے لگے اور اس کی بنا پر طرح طرح کی دور از کار بحثیں پیدا کردی گئیں چنانچہ خلود' احدیت' تثلیث' تفصیل' جز' برہان' تاویل وغیرہا نے وہ معانی پیدا کرلئے جن کا صدر اول میں کسی سامع قرآن کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔

اسی قسم کے یہ بھی برگ وبار ہیں کہ سمجھا گیا کہ قرآن کو وقت کی تحقیقات ملیہ کا ساتھ دینا چاہئے۔ چنانچہ کوشش کی گئی کہ نظام بطلیموسی اس پر چپکایا جائے' ٹھیک اسی طرح جس طرح آج کل کے دانش فروشوں کا طریق تفسیر یہ ہے کہ موجودہ علم ہیئت کے مسائل قرآن سے چپکائے جائیں۔

اشکال و موانع کا بڑا دروازہ تفسیر بالرائے سے کھل گیا جس کے اندیشے سے صحابہ وسلف کی روحیں لرزتی رہتی تھیں۔

تفسیر بالرائے کا مطلب سمجھنے میں لوگوں کو لغزشیں ہوئی ہیں۔ تفسیر بالرائے کی ممانعت سے مقصود یہ نہ تھا کہ قرآن کے مطالب میں عقل و بصیرت سے کام نہ لیا جائے۔ کیونکہ اگر یہ مطلب ہو تو پھر قرآن کا درس و مطالعہ ہی بے سود ہو جائے حالانکہ خود قرآن کا یہ حال ہے کہ اول سے لے کر آخر تک تعقل و تفکر کی دعوت ہے اور ہر جگہ مطالبہ کرتا ہے:

" أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ "

دراصل تفسیر بالرائے میں "رائے" لغوی معنی میں نہیں ہے بلکہ رائے مصطلحہ شارع ہے اور اس سے مقصود ایسی تفسیر ہے جو اس لئے نہ کی جائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے' بلکہ اس لئے کی جائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے اور کس طرح قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق کردیا جاسکتا ہے

مثلاً قرآن کے طریق استدلال کو منطقی جامہ پہنانا یا جہاں زمین و آسمان اور کواکب و نجوم کے الفاظ آگئے ہیں' یونانی علم ہیئت کے مسائل چپکانے لگنا یقیناً " تفسیر بالرائے ہے' یا مثلاً " آج کل ہندوستان اور مصر کے بعض مدعیان اجتہاد و نظر نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ زمانہ حال کے اصول علم و ترقی قرآن سے ثابت کئے جائیں یا جدید تحقیقات ملیہ کا اس سے استنباط کیا جائے گویا قرآن صرف اسی لئے نازل ہوا ہے کہ جو بات کوپرنیکس (Coperynicus) اور نیوٹن (Newton) نے یا ڈارون (Darwin) اور ویلیس نے بغیر کسی الہامی کتاب کی فلسفہ اندیشیوں کے دریافت کرلی اسے چند صدی پہلے معمول کی طرح دنیا کے کان میں پھونک دے اور پھر وہ بھی صدیوں تک دنیا کی سمجھ میں نہ آئیں۔ یہاں تک کہ موجودہ زمانے کے مفسر پیدا ہوں اور تیرہ سو برس پیشتر کے معمے حل فرمائیں۔ یقیناً " یہ طریق تفسیر بھی ٹھیک ٹھیک تفسیر بالرائے ہے۔

اصحاب قلم سے گزارش

محدث عصر علامہ عبید اللہ رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ کی وفات عالم اسلام کے لئے بالعموم اور برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں کتاب و سنت کے شیدائیوں کے لئے بالخصوص ایک زبردست حادثہ ہے۔

آپ کی وفات سے مسند افتاء سونی اور بساط بزم حدیث خالی ہوگئی ہے۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ آپ کی شخصیت کے سارے پہلو نئی نسل کے سامنے آئیں تاکہ وہ ان سے رہنمائی حاصل کرسکے۔

اس مقصد کے لئے ادارہ التوعیہ عنقریب آپ کی حیات و خدمات پر مشتمل "التوعیہ" کا ایک خاص نمبر شائع کرنے جارہا ہے۔ ہم اہل علم' اصحاب قلم اور شعراء حضرات سے بالخصوص علامہ مبارک پوری رحمہ اللہ کے تلامذہ' مستفیدین و متوسلین اور جملہ عقیدت مندان سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اس خاص نمبر کے لئے اپنے جامع اور گراں قدر مقالات اور اپنی معیاری شعری تخلیقات سے ہمیں ضرور نوازیں تاکہ یہ خاص نمبر اس عظیم المرتبت ہستی کی سوانح حیات' علمی کارناموں اور جماعتی و ملی خدمات پر ایک مستند دستاویز بن سکے۔

مدیر "التوعیہ"

۴۱۱ سی- جوگابائی نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
فون : ۶۸۴۲۴۷۰ - فاکس : ۶۸۴۹۵۳۸

ابو صادق عاشق علی اثری

حقوقِ والدین

(۴)

مشرک والدین کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں

اوپر کے بیان سے معلوم ہوا کہ مشرک اور کافر والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا' ان کے ساتھ نفع اور خیر خواہی کرنا اور دعائے خیر کرنا جائز ہے۔ البتہ ایسے والدین کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کو مشرکین کے لئے استغفار کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ خواہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ○ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ○ (التوبة:۱۱۳-۱۱٤)

پیغمبر اور ایمان والوں کو نہیں چاہئے کہ وہ مشرکوں کے لئے بخشش کی دعا مانگیں۔ گو وہ ان کے رشتے دار ہوں۔ جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ (یعنی مشرک) دوزخی ہیں۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) نے جو اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعا مانگی تھی تو وہ صرف ایک وعدہ (کی وجہ) سے جو انہوں نے اپنے باپ سے کیا تھا۔ پھر جب ابراہیم کو یہ کھل گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے الگ ہو گئے (بیزار ہو گئے محبت چھوڑ دی) بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل بردبار تھے۔

اس آیت کی شان نزول کے سلسلہ میں متعدد روایات ہیں:

سعید بن مسیب رحمہ اللہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ:

ابوطالب کی وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا ای عم قل لا الہ الا اللہ أحاج لك بها عند اللہ" چچا! آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے تاکہ میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کے بارے میں کچھ عرض کر سکوں۔ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ کہنے لگے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے منہ موڑ رہے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تلقین کرتے رہے اور کافر اپنی بات دہراتے رہے۔ آخر کار مرتے وقت ابوطالب "ھو علیٰ ملة عبدالمطلب" کہہ کر مر گئے۔ اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لأستغفرن لك مالم أنه عنك میں آپ کے لئے اس وقت تک مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (۱)

علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے مشرک والدین کے لیے مغفرت کی دعا کر رہا تھا۔ تو میں نے کہا کیا تو اپنے مشرک والدین کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کیا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعا نہیں کی تھی؟ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (۲)

اور بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جبکہ ایک ہزار صحابہ آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ ہمارے ساتھ ایک جگہ اترے' دو رکعت صلوۃ پڑھی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اٹھے

---

(۱) تفسیر فتح القدیر ۲/۴۱۱' تفسیر ابن کثیر ۲/۳۹۳ بحوالہ صحیحین

(۲) تفسیر فتح القدیر ۲/۴۱۱' تفسیر ابن کثیر ۲/۳۹۳

اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا:

إني سألت ربي عزّوجلّ فی الإستغفار لأمي فلم يأذن لي ,فدمعت عيناي رحمة لها من النار , وإني كنت نهيتكم عن ثلاث : نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها لتذكر زيارتها خيرا ,ونهيتكم عن لحو م الأضاحي بعد ثلاث فكلوا وأمسكوا ما شئتم ونهيتكم عن الأشربة في الأوعية فاشربوا في أي وعاء شئتم ولاتشربوا مسكرا (١)

میں نے اللہ عزوجل سے اپنی ماں کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کی اجازت مانگی مگر اللہ تعالے نے مجھے اجازت نہیں دی تو فرط غم سے میرے آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ اور میں نے تمہیں تین چیزوں سے منع کیا تھا:

۱ ۔ میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب قبروں کی زیارت کرو تاکہ اس کی زیارت تمہیں اچھی چیز (آخرت) کی یاد دلاتی رہے

۲ ۔ اور میں نے تمہیں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت روکنے سے منع کیا تھا۔ تو اب کھاؤ اور جب تک چاہو روکے رکھو۔

۳ ۔ اور میں نے تمہیں برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا۔ اب جس برتن میں چاہو پیو۔ مگر نشہ آور چیز کو مت پینا۔

علاوہ ازیں اور بھی روایات مذکور ہیں۔

بہرحال شان نزول کچھ بھی ہو۔ حکم یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے حق میں جن کا خاتمہ کفر و شرک پر ہو جائے مغفرت و بخشش کی دعا کرنا جائز نہیں ہے چاہے یہ اپنے ماں باپ ہوں یا چچا اور دوسرے اعزہ و اقرباء۔

اگر کوئی کافر رشتہ دار فوت ہو جائے تو مسلمان اس کی تجہیز و تکفین میں شریک ہو سکتا ہے مگر اس کے لئے دعائے مغفرت نہیں کر سکتا۔

عاصم بن عمر بن قتادہ کا بیان ہے کہ جب عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کو یہ خبر پہنچی کہ ان کے باپ عبداللہ بن ابی (جو منافقوں کا رئیس تھا) نے کہا ہے

" لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰی يَنْفَضُّوْا "

اور

" لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَی الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ "

یعنی تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں پر اپنا پیسہ اسوقت تک خرچ نہ کرو جب تک وہ ان کا ساتھ نہ چھوڑ دیں۔ اور اگر ہم (اس سفر سے) لوٹ کر مدینہ گئے تو عزیز ترین شخص (عبد اللہ بن ابی) مدینہ سے ذلیل ترین شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذباللہ!) کو ضرور نکال کر باہر کردے گا۔

تو عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی (میرے باپ کو) اس کے جرم کی پاداش میں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر واقعی آپ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیجئے میں اس کا سر قلم کرکے آپ کی خدمت میں لے آؤں گا۔ واللہ قبیلۂ خزرج کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مجھ سے زیادہ اپنے والد کا مطیع و فرماں بردار پورے خزرج میں کوئی نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ میرے علاوہ کسی اور کو میرے باپ کو قتل کرنے کا حکم دیں تو میں اپنے باپ کے قاتل کو زمین پر چلتا ہوا نہ دیکھ سکوں۔ اور اسے قتل کردوں تو ایک کافر کے بدلے ایک مومن کا قاتل بن جاؤں اور اس کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو جاؤں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بل نترفق به، ونحسن صحبته ما بقي معنا" جب تک وہ ہمارے ساتھ رہے گا ہم اس کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کرتے رہیں گے۔ (۲)

(جاری)

(۱) تفسیر ابن کثیر ۲/۴۳۱ ۴۳۲

(۲) تفسیر ابن کثیر نمبر ۳۹۳

دُعاء صحت

الٰہ آباد سے ایک مکتوب کے ذریعہ خبر ملی ہے کہ جماعت کے نامور طبیب اور تکمیل الطب کالج لکھنؤ کے سابق پرنسپل حکیم ضیاء الدین صاحب ضیاء فالج کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔ قارئین التوعیہ سے موصوف کے لئے دعائے صحت کی درخواست ہے۔ اللھم اشفہ شفاءً کاملاً عاجلاً۔

(ادارہ)

امین احمد نقوی

ملاحظات آزاد

(۳)

۲۱۔ امام ابو حنیفہ نے تمام مسائل میں اصول مساوات کو مرعی رکھا ہے۔ مثلاً امام ابو حنیفہ کے نزدیک نکاح و طلاق وغیرہ میں عورتوں کی شہادت مثل مردوں کے معتبر ہے۔ ان کی گواہی بھی معتبر ہے اور وہ منصب قضا پر بھی مامور کی جاسکتی ہیں لیکن دوسرے ائمہ ان سب باتوں کے خلاف ہیں۔

مولانا آزاد۔ یہ صریح غلط ہے امام صاحب مجرد مرضعہ کی شہادت معاملہ رضاع میں تسلیم نہیں کرتے حالانکہ احادیث صحیحہ سے یہ امر ثابت ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرد مرضعہ کے بیان پر فتویٰ دیا ہے اگر عورت اور مرد کی شہادت فقہ حنفی نے مساوی قرار دی ہے تو مرضعہ کی شہادت کیوں مردود ہے۔ (ص ۲۷۸)

۲۲۔ طلاق کے مسئلہ میں ابو حنیفہ کے احکام کی تشریح کرتے ہوئے شبلی لکھتے ہیں کہ امام صاحب نے مجبوری کی حالت میں طلاق کو جائز قرار دیا ہے لیکن طریقہ ایسا رکھا ہے کہ جس سے اصلاح اور رجعت کی امید منقطع نہ ہو یعنی تین بار کر کے طلاق دے اور ہر طلاق میں تین مہینہ کا فاصلہ ہو تاکہ اس دوران میں شوہر کو غور و فکر کر کے اپنے ارادے کو فیصل کرنے کا موقع مل جائے لیکن اگر کسی طرح فیصلہ نہ ہو تو مجبوراً طلاق ہو جانی چاہئے اس وقت شوہر کو مہر ادا کرنا چاہئے اور تین ماہ تک عورت کے خورد و نوش کی کفالت کرنی چاہئے اس سے مقصد یہ ہے کہ جب تک وہ دوسرا شوہر پیدا کر لے گزران اور بسر اوقات کے لئے اس کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔

مولانا آزاد۔ لیکن پھر مجلس واحد کی طلاق ثلاثہ کو کیوں موثر قرار دیا (ص ۲۷۸)

۲۳۔ نکاح اور طلاق کے سلسلے میں ابو حنیفہ اور دیگر ائمہ کے مسائل کا موازنہ کیا گیا ہے دوسرے نمبر پر امام ابو حنیفہ کا یہ طریقہ درج ہے کہ ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے اور اس کا مرتکب عاصی ہے۔

آزاد۔ اگر حرام ہے تو اس کا اجرا بھی نہ ہونا چاہئے (ص ۲۷۸)

۲۴۔ نمبر پانچ میں درج ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جسمانی بیماریاں مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہو سکتیں لیکن امام شافعی و مالک کے نزدیک ان کی وجہ سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔

مولانا آزاد۔ یعنی زوجین میں جس کو امراض متعدی ہوں فریق ثانی فسخ کر سکتا ہے اور یہ عین حکمت اور جلب مصلح پر مبنی ہے۔

۲۵۔ نمبر سات میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک طلاق رجعی کی حالت میں وطی حرام نہیں یعنی زوجیت کا تعلق کسی معمولی بیزاری سے منقطع نہیں ہوتا لیکن امام شافعی کے نزدیک حرام ہے گویا وہ بائنہ ہو چکی۔

مولانا آزاد۔ اور یہی صحیح ہے کیوں کہ مقصود طلاق علیحدگی اور مقصود رجعت اتحاد ہے پس ضرور ہے کہ بغیر رجعت صالحہ علاقہ نہ ہو۔ (ص ۲۷۹)

۲۶۔ نمبر آٹھ میں درج ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک رجعت کے لئے اظہار زبانی کی ضرورت نہیں ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو تو رجعت کے لئے کافی ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار کے رجعت ہو ہی نہیں سکتی۔

مولانا آزاد۔ تاکہ پھر کوئی شریر مرد انکار نہ کر سکے اور اتحاد محقق و مشتہر ہو جائے۔ (ص ۲۷۹)

۲۷۔ نمبر نو میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک رجعت پر گواہ مقرر کرنے کی کچھ ضرورت نہیں لیکن امام مالک کے نزدیک بغیر اشتہاد کے رجعت صحیح نہیں۔

مولانا آزاد۔ یہ صحیح نہیں ہے امام مالک کے مذہب کی تشریح مسوّیٰ میں دیکھنی تھی۔ (ص ۲۷۹)

امام ابوحنیفہ نے ذمیوں کے جو قواعد مقرر کئے ہیں وہ نہایت فیاضانہ ہیں۔

مولانا آزاد۔ خطیب لکھتا ہے یہ عجمیت کا اثر ہے۔ (۲۷۹)

۲۸۔ ذمیوں کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے احکام اور دوسرے ائمہ کے احکام کا تفصیلی مقابلہ و موازنہ کیا ہے امام ابوحنیفہ نے عموماً تمام معاملات میں ذمیوں کے حقوق مسلمانوں کے برابر رکھے ہیں۔ جزیہ، گواہی، حرم میں داخل ہونا، عبادت گاہیں بنوانا، اسلامی فوج میں شرکت غرض تمام امور میں ذمیوں کو فیاضی بخشی ہے برخلاف اس کے امام مالک اور شافعی کے احکامات سخت ہیں۔

مولانا آزاد۔ مالک و حنبل کا یہ ہرگز مذہب نہیں ہے غالباً کتب احناف سے یہ چیزیں لی گئی ہیں البتہ حرمین میں کوئی غیر مسلم داخل نہیں ہو سکتا اور اس کے نصوص صریحہ موجود ہیں جن کی امام ابوحنیفہ نے پروا نہ کی۔ (ص ۲۸۰)

۲۹۔ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جن میں ائمہ کا اختلاف ہے ان میں امام ابوحنیفہ کا پہلو عموماً نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے مزید یہ کہ نص کا لفظ قرآن و حدیث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ احکام بھی نصی کہے جاتے ہیں جو قرآن سے نہیں صرف حدیث سے ثابت ہیں لیکن اس موقع پر ہم ان سے بحث نہیں کر سکتے اور اس کی مختلف وجوہ ہیں اول تو یہ کہ یہ مسائل تفصیل چاہتے ہیں جو یہاں ممکن نہیں دوسرے مسائل کا فیصلہ مجتہدانہ نہیں ہو سکتا کیوں کہ بحث کے لئے ہمارے ملک میں مواد نہیں اور جو ہے وہ ناکافی ہے۔

مولانا آزاد۔ نہیں بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ ان مسائل میں جن کا زیادہ مدار احادیث پر ہے مصنف نے اپنا پہلو نہایت ضعیف دیکھا۔ ص (۲۸۱)

۳۰۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام موصوف نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی بعض انصاف پسند یہ سبب بتاتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک احادیث کا استقصاء نہیں کیا گیا تھا اس لئے بہت سی حدیثیں ان کو نہیں پہنچیں۔ شبلی کے خیال میں یہ نظریہ لغو ہے امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں لیکن جب جمع ہو چکیں تو اس وقت کے بڑے بڑے محدثین کیوں ان کے مسائل کو صحیح تسلیم کرتے رہے وکیع بن الجراح، یحیٰی بن سعید القطان، علامہ ماردینی، ابن الہمام وغیرہ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں۔

مولانا آزاد۔ یہ تمام بحث ان لوگوں کا جواب ہو سکتی ہے جن کا دعویٰ ہو کہ امام صاحب کے تمام مجتہدات خلاف حدیث ہیں حالانکہ ائمہ حدیث کا یہ خیال نہیں وہ ایک مخصوص تعداد کو پیش کرتے ہیں جن میں بوجہ عدم حصول روایات و احادیث یا بوجہ عدم اعتماد نفس حدیث و اسناد امام صاحب نے محض قیاس پر اعتماد کیا۔ (ص ۲۸۱)

۳۱۔ امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا امام شافعی اس کے مخالف ہیں اور استدلال میں ایک آیت پیش کرتے ہیں جس میں "أو لامستم النساء" کا ذکر آیا ہے پوری آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو، یا تم میں کوئی شخص غائط سے آئے یا تم نے عورت کو چھوا اور تم کو پانی نہ ملے تو تم تیمم کرو امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کو چھونے سے جماع و مقاربت مراد ہے اور یہ قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحاً تعبیر نہیں کرتا۔ لطف یہ ہے کہ اسی لفظ کا ہم معنی لفظ "مس" جس کے معنی چھونے کے ہیں خدا نے اس آیت میں "مالم تمسوهن" جماع کے معنی میں استعمال کیا ہے اور خود امام شافعی بھی تسلیم کرتے ہیں۔ شبلی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ملامسۃ کے ظاہری معنی لینے ایسی غلطی ہے جو ہرگز اہل زبان سے نہیں ہو سکتی۔

مولانا آزاد۔ مصنف نے یہاں سخت مغالطہ سے کام لیا ہے اگر لامستم النساء سے مس محض مراد لینا ایک ایسی غلطی ہے جو اہل زبان سے نہیں ہو سکتی ہے تو حضرت عمر اور ابن عباس کی نسبت کیا کہا جائے گا جن کا یہی مذہب تھا۔ (ص ۲۸۱)

۳۲۔ قاضی ابو یوسف کی شان و منزلت کا تذکرہ ہے۔ تدوین فقہ حنفی میں جو ان کا مقام ہے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ حنفی میں تصنیفیں کیں اور مختلف علوم پر کتابیں لکھیں ان کی مشہور تصنیف "کتاب الخراج" ہے خلیفہ ہارون رشید نے خراج جزیہ وغیرہ کے سلسلہ میں قاضی صاحب سے یادداشتیں طلب کی تھیں قاضی صاحب نے اس کے جواب میں چند تحریریں بھیجیں یہ

کتاب انہی تحریروں کا مجموعہ ہے۔ شبلی نے مزید لکھا ہے کہ ان کی جملہ خصوصیات کردار میں سے ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ بڑے بڑے جبار اور خود پرست بادشاہوں کے دربار میں اپنے فرائض بڑی جرأت اور آزادی کے ساتھ ادا کرتے تھے تاہم ایسا آزاد اور پاکیزہ نفس بھی دشمنوں کے حملوں سے نہیں بچا اور مخالفوں نے قاضی صاحب کو خوشامدی اور زمانہ ساز بتلایا اور اپنے خیالات کو تقویت دینے کے لئے چند روایتیں بھی گھڑلیں جو تاریخ الخلفاء میں منقول ہیں۔

مولانا آزاد۔ تاریخ الخلفاء پر موقوف، نہیں 'غزالی' سبط ابن الجوزی اور خود بعض اکابر حنفیہ مثلاً عینی نے قاضی صاحب کے وہ حیلے بیان کئے ہیں جو استحلال فروج محرمہ کے لئے انہوں نے تجویز کئے ہیں اور جن میں سے بعض کو سن کر امام ابو حنیفہ نے ان کے تفقہ کی داد دی اگرچہ ایسی روایتوں کی تضعیف ہی کرنی چاہئے۔(ص۔ ۲۸۲)

۳۳۔ بعض محدثین نے بھی قاضی ابو یوسف کی مخالفت کے جوش میں تحقیق کی پرواہ نہ کی۔ بیہقی نے امام شافعی کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اس میں ذکر ہے کہ امام شافعی جب ہارون رشید کے دربار میں گرفتار ہو کر آئے تو قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے ہارون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی رائے دی حالانکہ قاضی ابو یوسف اس زمانے سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے۔

مولانا آزاد۔ بیہقی نے اس واقعہ کی توثیق نہیں کی بلکہ محض نقل کیا ہے جیسا کہ توالی سے واضح ہوتا ہے۔(ص۔ ۲۸۳)

نام کتاب: منتخب التواریخ (فارسی)

از: ملا عبد القادر بدایونی۔

متعہ کے بارے میں بحث ہے اس سلسلے میں بدایونی کی عبارت اس طرح ہے

(ترجمہ) ایک شب قاضی یعقوب، شیخ ابو الفضل، حاجی ابراہیم اور چند دیگر حضرات ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے، شیخ ابو الفضل متعہ کی بابت بحث کر رہے تھے۔ انہوں نے وہ روایتیں جو ان کے والد نے جمع کی تھیں پیش کیں۔ اسی اثناء میں انہوں نے فقیر (بدایونی) کو طلب کیا اور پوچھا کہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے میں نے عرض کیا کہ تمام متفرق روایتیں اور فقہی مذاہب کا فیصلہ ایک بات میں ہو سکتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور شیعوں کے نزدیک متعہ باتفاق جائز ہے اور امام شافعی و امام اعظم کے نزدیک حرام ہے لیکن اگر مالکی مسلک کا قاضی حکم جاری کرے تو اس وقت امام اعظم کے نزدیک بھی مباح ہے۔

مولانا آزاد۔ (ترجمہ) یہ گویا کمال تحقیق تھا۔ حالانکہ مذہب مالکی میں متعہ اصلاً جائز نہیں ہے وقول ھدایہ قال مالک ھو جائز عند الشارحین غلط ہے کمانی الفتح والعینی۔(ص۔ ۳۴۳)

نام کتاب: الغزالی

از: شبلی نعمانی

امام غزالی کی روز افزوں مقبولیت و شہرت کی وجہ سے ان کے مخالفین کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا خصوصاً امام صاحب نے "احیاء العلوم" میں جس طرح تمام علماء اور مشائخ کی ریاکاریوں کی قلعی کھولی تھی اس نے ایک زمانے کو ان کا دشمن بنا دیا تھا نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک گروہ کثیر آپ کی مخالفت پر کھلے خزانے کمر بستہ ہو گیا۔ اس زمانے میں خراسان کا بادشاہ سنجر بن ملک شاہ سلجوقی تھا اس خاندان کو امام ابو حنیفہ سے نہایت عقیدت تھی۔ امام غزالی نے آغاز شباب میں ایک کتاب "منخول" اصول فقہ میں تصنیف کی تھی جس میں ایک مقام پر امام ابو حنیفہ پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کی تھی اور گستاخانہ الفاظ ان کی شان میں استعمال کئے تھے۔ امام غزالی کے مخالفین کتاب لے کر سنجر کے دربار میں گئے۔ اور اس پر مزید آب و رنگ چڑھا کر پیش کیا اور دعویٰ کیا کہ غزالی کے عقائد زندیقانہ اور ملحدانہ ہیں۔ مولانا شبلی نے فٹ نوٹ میں مزید اظہار خیال کیا ہے کہ منخول کا طرز تحریر علانیہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ وہ ابتدائی زمانہ کی تحریر ہے۔ مکاتبات میں بھی ہے کہ امام صاحب نے انکار کیا کہ میں نے امام ابو حنیفہ کی شان میں کبھی گستاخانہ الفاظ استعمال نہیں کئے اس لئے یا تو یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ اسقدر عبارت جو امام ابو حنیفہ کی تنقیص میں ہے الحاقی ہے یا یہ قرار دینا چاہئے کہ جو کتاب امام غزالی نے شباب میں تصنیف کی تھی وہ منخول نہیں بلکہ کوئی اور کتاب تھی اور امام صاحب نے بعد کو اسے اپنی تصنیفات سے خارج کر دیا

مولانا آزاد۔ منخول اب چھپ گئی ہے اور میں نے دیکھی ہے امام ابو حنیفہ کے متعلق کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ایک آزاد و مناظر و فقیہ کی شان سے بعید ہو یہ عجیب اصول ہے کہ امام ابو حنیفہ کا معترض کوئی اچھا آدمی نہیں ہو سکتا اور چونکہ امام غزالی ہمیں عزیز تھے اس لئے منخول ان

کی نہیں ہے۔(ص-۲۸۹)

نام کتاب مضامین عالمگیر

از شبلی نعمانی

۱۔ شیواجی کے متعلق علامہ شبلی لکھتے ہیں "شاہی افواج نے اس کے سارے علاقے فتح کر لئے تھے تاہم جب وہ اورنگ زیب کے دربار میں لایا گیا تو کما حقہ استقبال کیا گیا۔ پنج ہزاری امرا کی صف میں جگہ دی گئی بجو ور راجہ جے سنگھ کا منصب تھا۔ اس سے زیادہ کیا چاہتا تھا کیا شہنشاہ ہند ایک مفتوح کے لئے تخت سے اتر آتا۔ بے شک یورپ اس قسم کی جھوٹی اور مکارانہ خوشامد کی مثالیں پیش کر سکتا ہے لیکن اسلام سے اس کی توقع نہیں رکھنی چاہئے"۔

مولانا آزاد۔ گویا اعمال عالمگیر اعمال نفس اسلام تھے (ص-۳۴۸)

۲۔ سمبھا عالمگیر کے دربار میں حاضر کیا گیا اور کیونکہ اس نے ۔۔۔ عالمگیر کو سخت گالیاں دیں عالمگیر نے اس کی زبان کاٹنے کا حکم دیا۔ پھر آنکھیں نکلوا کر قتل کر دیا گیا۔ اس موقع پر یاد رکھنا چاہئے کہ اورنگ زیب کے پچاس برس کے دور حکومت کا صرف یہ ایک مستثنیٰ واقعہ ہے ورنہ اس نے کبھی بھی کسی کو اس قسم کی وحشیانہ سزا نہیں دی۔

مولانا آزاد۔ اگرچہ عرق پوست پلا پلا کر زندانیان گوالیار کو ہلاک کرتا رہا اسلام نے تو ہر حال میں مثلہ کو ناجائز بتایا ہے لیکن یہ مقدس ولی مغلوب و محکوم دشمن کی زبان کٹواتا ہے اور آنکھیں نکلواتا ہے۔ (ص-۳۴۹)

۳۔ اورنگ زیب نے میلوں ٹھیلوں کی ممانعت کردی تھی شبلی اس فیصلے کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان چیزوں سے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے اس لئے اورنگ زیب نے جہاں اور بہت سے عام رسومات میں تبدیلی کی وہاں بعض مذہبی رسموں پر بھی پابندی لگادی۔ اس نے شاعروں اور نجومیوں کو برطرف کر دیا زیارت اور درشن کی رسم بندی کردی۔ محرم میں تابوت نکالنا بند کرادیا۔ اس طرح ہندوؤں کے میلے ٹھیلے بھی موقوف کرادئے اس وجہ سے بدگمان مورخین نے اس کو متعصب قرار دے دیا۔

مولانا آزاد۔ ہندوؤں کے مذہبی میلوں کو بند کرنے کا شرعاً و قانوناً اس کو کوئی حق نہ تھا مذہبی اور اخلاقی اصلاح صرف مسلمانوں کے لئے تھی نہ کہ ذمیوں کے لئے۔(ص-۳۵۱)

۴۔ داراشکوہ کے بارے میں شبلی نے لکھا ہے۔

وہ اعلانیہ طور پر ہندوپن کا اظہار کرتا تھا۔ اپنشد کے ترجمے میں اس نے لکھا ہے کہ قرآن مجید اصل میں اپنشد میں ہے۔

اپنے دعویٰ کی تصدیق میں شبلی نے داراشکوہ کی فارسی عبارت کا اقتباس پیش کیا ہے۔

مولانا آزاد فرماتے ہیں۔ اس میں کیا الحاد ہے۔ اگر اپنشد سرچشمہ بحر توحید بقول داراشکوہ ہے اور مطالب قرآن سے ھو تو یقیناً "وما انزل من قبلک" میں داخل اور قرآن مثل توراۃ و انجیل اس کا مصدق۔(ص-۳۵۰)

۵۔ تخت نشینی کے لئے اورنگ زیب اور اس کے بھائیوں کے درمیان جدال و قتال کے سلسلے میں شبلی اورنگ زیب کی بابت لکھتے ہیں۔

اورنگ زیب نے اپنا مقصود حاصل کرنے کے لئے دونوں حربے استعمال کئے۔ شمشیر بھی اور تدبیر بھی اس نے مراد (اپنے ایک بھائی) کو تدبیر سے قابو میں کیا یہاں شمشیر سے کام لینا قرین مصلحت خیال نہ کیا شبلی کا خیال ہے کہ دوسری خونریزیوں کی طرح وہ اس کو بھی گوارا کرتا تاکہ بزور شمشیر مراد پر قابو پاتا اور اس کی مردانہ روش زیادہ قابل داد ہوتی لیکن یہاں اس نے سیاسی چال بازی سے کام لیا تاہم یہ بھی سچ ہے کہ عالمگیر نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خلیفہ منصور عباسی سے زیادہ تعریف کا مستحق ہے جس نے ابو مسلم اصفہانی بانی دولت عباسیہ کو دھوکے سے بلا کر قتل کردیا تھا۔

شبلی کے اس بیان پر مولانا آزاد گہرا طنز کرتے ہیں "جس شخص کی زبان پر ہمیشہ قال اللہ اور قال الرسول ہو اور شریعت اور حفظ دین کے دعووں سے تمام فرامین و مراسلات مملو اس کا دعویٰ منصور عباسی کے ہمتا ہونے کا یقیناً نہیں ہوگا بلکہ خلفائے راشدین کا"۔(ص-۳۵۹)

۶۔ اورنگ زیب کی "طاقت" غریبوں کی دادرسی اور انصاف پسندی کے چند واقعات پیش کئے گئے ہیں۔

مولانا آزاد۔ مخصی حکمرانوں کے اوصاف و مناقب میں ان کی سرکاری تاریخوں سے محض احکام کا نقل کردینا بے سود ہے اصل چیز واقعات اور عملاً و فعلاً انصاف ہے۔

۷۔ شبلی نے مآثر عالمگیری کے حوالے سے لکھا ہے کہ عالمگیر فن موسیقی کا ماہر تھا لیکن چونکہ مزامیر کے ساتھ گانا شرعاً ممنوع ہے اس لئے اس صیغہ کو بند کردیا۔

مولانا آزاد فرماتے ہیں۔ کس شریعت میں ممنوع ہے۔ اسلام میں تو نہیں۔ (ص۔ ۳۶۰)

نام کتاب: محاربات پلیونا

از نولیم ڈی ہربرٹ۔

ترجمہ: محمد انشاء اللہ خاں

ترکی کے طلباء کی تعریف کی گئی ہے اور انگلستان و جرمنی کے سرکاری مدارس کے طلباء کی بہ نسبت ان کو زیادہ بلند اخلاق قرار دیا ہے اس کا سبب یہ بتلایا ہے کہ مسلمان قرآن کریم کے احکام کی لفظی اور معنوی پیروی کرتے ہیں جبکہ عیسائی بائبل کی اتنی پرواہ نہیں کرتے۔

مولانا آزاد لکھتے ہیں۔ مصنف کو اس کا خیال نہیں کہ اگر خدانخواستہ عیسائی بائبل کی پوری پیروی کریں تو آج یورپ کی علمی ترقیاں جہان سے ناپید ہوجائیں اور وہ دنیا میں رہنے کے قابل ہی نہیں رہیں۔ خیریت ہے کہ بائبل پر پورا عمل نہیں کیا جاتا۔ (ص۔ ۳۶۱)

نام کتاب۔ اکبر اور جیسوٹ (اسپینی مسیحی پادری)

از: پیری جیرک ترجمہ سی ایچ پائنی

(اکبر کے دربار میں آنے والے صلیبی وفد کی سرگزشت)

(انگریزی میں)

۱۵۷۸ء میں فتح پور سیکری میں ایک پادری اکبر کے دربار میں حاضر ہوا اور اس کی بڑی آؤ بھگت ہوئی پھر اکبر کی فرمائش پر مسیحیت کی تعبیر و تشریح کے لئے پادریوں کی ایک جماعت فتح پور سیکری آئی یہ پادری پرتگالی تھے اور اکثر اپنے مستقر گوا سے آئے تھے۔ اکبر نے اپنے ایک لڑکے سلطان مراد کو ان صلیبیوں کے حوالے کردیا تاکہ اسے پرتگالی زبان سکھائیں اور مسیحیت سے آشنا کریں۔

فتح پور سیکری میں اکبر کے مشہور عبادت خانہ میں یہ مسیحی ابوالفضل اور دیگر علماء و امراء سے گفتگو کرتے تھے اور مذاہب کے تقابلی عقائد و مسائل پر بحث و مباحثہ ہوتا تھا اکبر ان مباحث میں بہت دلچسپی لیتا تھا۔

اکبر نے اسلام اور مسیحیت کی صداقت کو جانچنے کے لئے ایک عجیب و غریب تجویز پیش کی۔ مصنف لکھتا ہے۔

اکبر کو کوئی معجزہ دیکھنے کی بڑی تمنا تھی۔ اس نے کئی بار یہ تجویز پیش کی کہ مسیحی اور سارا سین (مسلمان) مذہب کی صداقت کو ثابت کرنے کی غرض مسیحی پادری اپنی انجیل لے کر اور علماء قرآن مجید لے کر جلتی آگ میں داخل ہوں اور جو جماعت اس آگ سے صحیح سلامت نکل آئے اسی کا مذہب سچا سمجھا جائے۔ لیکن پادریوں نے بادشاہ کو سمجھایا کہ ایسا کرنا مناسب نہیں یہ محض ایک مفروضہ ہوگا۔ اور خدا کی خصوصی مرحمت اور رخصت کے بغیر ایسا نہیں کیا جاسکتا۔ آخر کار اکبر ان لوگوں کے دلائل سے متفق ہوگیا اور اپنی اس عجیب و غریب تجویز کو چھوڑ دیا۔

مولانا آزاد تبصرہ فرماتے ہیں: ایں بیان بدایونی راتوثیق می کند و مخالف ابوالفضل است کہ انکار رابہ ملاہا نسبت داد۔ اس شہادت سے ملا عبدالقادر بدایونی کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے اور ابوالفضل کے اس بیان کی تردید بھی جس میں اس نے (آگ میں داخل ہونے سے انکار کو صلیبیوں کے بجائے) علماء کے سر تھوپ دیا ہے۔ (ص۔ ۵۵۱)

اکبر کو زہر دیا گیا اس کا شبہ جہانگیر کی طرف تھا کیونکہ اکبر جہانگیر کے بجائے اس کے بیٹے خسرو کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا۔ بہرحال جب اکبر کی موت کا وقت آیا تو امراء کی جانب سے جہانگیر کو اس شرط پر تخت سلطنت پر بٹھانے کا وعدہ کیا گیا کہ وہ قانون اسلام کی حمایت کے لئے قسم کھائے۔

مولانا آزاد کا تبصرہ: گویا جہانگیر از قانون اسلام منحرف بود۔ (ص ۵۵۳)

پادری فادر زیویر نے اکبر کو سنانے کے لئے انجیل کا فارسی میں ترجمہ کردیا تھا۔ اکبر مسیحیت کی کتابیں بڑے شوق سے سنتا تھا۔ مسیحیت کی تعلیم دینے اور پرتگالی زبان سکھانے کے لئے پادریوں نے ایک اسکول بھی قائم کیا تھا جس میں امراء و شہزادگان اور ان کے بچے تعلیم کے لئے آتے تھے اکبر حضرت عیسیٰ کا ذکر بڑے احترام سے کرتا تھا تاہم اس کا کہنا تھا کہ حضرت عیسیٰ کے معجزے نابیناؤں کو بینا کرنا یا مردوں کو زندہ کرنا دراصل ان کی حذاقت کے کرشمے تھے کیونکہ وہ اپنے وقت کے بہت بڑے اور ماہر طبیب تھے۔ اکبر کے دماغ میں یہ خیال سارا سین (مسلمانوں) نے پیدا کیا تھا۔

مولانا آزاد فرماتے ہیں: ایں مسکین رامعلوم نہ بود کہ عقیدہ

اہل اسلام وہابیاب معجزات مسیح از مسیحیاں مختلف نیست (ص۔ ۵۴۳)

کچھ اصطلاحات کی وضاحت: اکبر کے بیٹوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے: سب سے بڑا بیٹا جو اب اس کی جگہ تخت پر بیٹھا ہے اس وقت ۱۸ سال کا تھا۔ اس کا نام شیخو تھا۔ (جہانگیر کی پیدائش حضرت شیخ سلیم چشتی کی دعاؤں سے ہوئی تھی لہٰذا اکبر نے شیخ کے نام پر ہی شہزادے کا نام سلیم رکھا اور اسے شیخو (شیخ سلیم) کہتا تھا) لیکن اسے شیخو جیو کہا جاتا تھا یہ لفظ بطور تعظیم بولا جاتا ہے۔ جس طرح یورپ میں امراء اور صاحبان ثروت کے نام کے ساتھ لفظ ڈوم لکھا جاتا ہے۔ ان لوگوں کی زبان میں جیو کا مطلب ہے روح' پس شیخو جیو کا مطلب ہوا "صاحب روح"

مولانا صراحت فرماتے ہیں: در اصل جیو بود کہ از کثرت استعمال جی شد ترجمہ جیو درست کرد لیکن مناسبت نہ فہمید الحاق جیو دعائیہ بود یعنی زندہ باد (ص۔ ۵۵۰)

لفظ بنیا کی تشریح مصنف لکھتا ہے: گجرات میں بیوپاری کو وانیو (بنیا) کہا جاتا ہے یہ لفظ سنسکرت لفظ وانیج (تجارت) سے مشتق ہے

مولانا لکھتے ہیں: بنیا اصلاً وانیو بود۔ ماخوذ از سنسکرت وانج بنجارا نیز از وانیج اشتقاق نمودند۔ (ص۔ ۵۴۶)

نام کتاب: مسلمانان ہند (کیا ان کا ضمیر انہیں مکہ معظمہ کے خلاف بغاوت پر اکساتا ہے)

از ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر (انگریزی)

ہنٹر نے اس کتاب میں وہابی تحریک کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ مکہ میں مولانا سید احمد بریلوی پر جو سختیاں کی گئیں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

کیوں کہ سید احمد کے عقائد بدوؤں (نجدی تحریک) سے مماثلت رکھتے تھے جن کے سبب مکہ معظمہ کو بہت کچھ ناخوشگوار حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا اس لئے مکہ کے حکام سید احمد پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کی سر عام تحقیر کی گئی اور شہر سے نکال دیا گیا

مولانا اس پر گرفت کرتے ہیں: یہاں مصنف نے انتہائی ناواقفیت کا ثبوت دیا سید احمد کے ساتھ مکہ میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ اس طرح کے معاملات بعد کو بعض اہل حدیث علماء کو پیش آئے مثلاً مولوی مراد علی اور مولوی محمد سہارنپوری کو۔ (ص۔ ۵۷۰)

ہنٹر آگے لکھتا ہے۔ مکہ میں سید احمد پر جو سختیاں کی گئیں ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ ہندوستان واپس آئے تو ایک مذہبی مصلح نہیں تھے بلکہ عبدالوہاب نجدی کے ایک کٹر پیروکار اور معتقد تھے اب وہ سارے ہندوستان کو ہلالی پرچم کے تحت لانے اور صلیب کو فرنگی کافروں کی لاشوں تلے دفن کردینے کے خواب دیکھنے لگے۔ اب ان کی تحریک نے مکمل کر وہی جارحانہ انداز اختیار کرنا شروع کردیا جو عبدالوہاب کا تھا اور جس کے ذریعہ اس نے عرب میں ایک بڑی سلطنت قائم کرلی۔ سید احمد ہندوستان میں اس سے بھی وسیع اور مضبوط سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے۔

مولانا آزاد: ہنٹر کو شاہ ولی اللہ کی خبر نہیں ہے۔ بنگال کے بعض متعصب احناف سے اس نے جو کچھ سنا اسی پر قیاسات کی بنیاد ڈال دی۔ (ص ۵۷۱)

ہنٹر لکھتا ہے کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرب قیامت کے دور میں تمام دنیا میں جنگیں اور بغاوتیں ہونگی مہلک بیماریاں زلزلے اور قحط رونما ہوں گے۔ چھوٹی حیثیت کے لوگ بلند منصبوں پر پہنچ جائیں گے معاشرہ میں فساد پیدا ہوگا۔ تب پنجاب کے شمالی مغربی سرحدی علاقے میں امام مہدی پیدا ہوں گے جو حضور کے ہم نام اور ان کی اولاد میں سے ہوں گے۔ ان کا ابتدائی دور غیر معروف ہوگا لیکن وہ عرب کے بادشاہ بنیں گے اور قسطنطنیہ کو صلیبیوں کے اقتدار سے دوبارہ آزاد کرائیں گے۔ پھر دجال (اینٹی کرائسٹ) کا ظہور ہوگا وہ امام مہدی کے خلاف جنگ چھیڑے گا آخر میں دمشق کے مشرق میں سفید مینارہ پر حضرت عیسٰی کا نزول ہوگا وہ باطل قوتوں کا خاتمہ کریں گے اور تمام دنیا کو اسلام کے تحت لائیں گے۔

مولانا آزاد وضاحت فرماتے ہیں۔ مہدی کے متعلق عام عقیدہ یہ نہیں ہے یہ خیال تو مولوی ولایت علی نے مصلحتاً یا برنائے خوش اعتقادی پیدا کیا (ص ۵۷۳)

ہنٹر نے وہابی لٹریچر کی نشاندہی کرنے کے لئے کچھ کتابوں کی فہرست پیش کی ہے جن میں تقویۃ الایمان 'تاریخ قیصر روم 'تذکرۃ الاخوان 'نصیحۃ المسلمین ' ہدایۃ المسلمین از اولاد حسن پدر نواب صدیق حسن خاں 'عقد الجید شاہ ولی اللہ 'مولانا ولایت علی کی چہل

حدیث' جامع التفاسیر وغیرہ کے ساتھ شرح وقایہ کا نام بھی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں:۔ یہ عقلمند شرح وقایہ کو بھی وہابی لٹریچر میں سے تصور کرتا ہے۔(ص۔ ۵۷۴)

ہنٹر نے وہابی تحریک کے اہم افراد کا ذکر کیا ہے ان میں مولوی جعفر علی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ مولوی جعفر علی جلد ہی وہابی تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ پہلے وہ وکالت کرتے تھے اور اس پیشے میں بہت کامیاب تھے مگر چونکہ انہیں فرنگی عدالتوں میں حاضر ہونا پسند نہ تھا اس لئے وہ وہابی تحریک میں شامل ہو گئے اور اس طرح انہیں مذہبی اعتبار واحترام حاصل ہو گیا ان کا کام جہاد کے لئے سپاہی بھرتی کرنا اور سامان جنگ بہم پہنچانا تھا وہ کہتے تھے کہ میں یہ سب کچھ ایک خاص شخص کی ہدایت اور خفیہ مقاصد کے تحت کرتا ہوں۔

ہنٹر آگے لکھتا ہے: یہ خاص شخص پٹنہ کے مولوی یحییٰ علی تھے جو ہندوستان میں وہابی تحریک کے سربراہ تھے۔ وہ خفیہ مقصد جس کا جعفر علی ذکر کرتے تھے جہاد کے لئے سپاہی بھرتی کرنا اور محاذ پر جنگی سامان پہنچانا تھا۔

مولانا آزاد حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔ مولوی یحییٰ علی صادق پوری پدر مولوی محمد یوسف رنجور۔(ص ۵۷۶)

مولوی عبدالرحیم صادق پوری کا تذکرہ ہنٹر یوں کرتا ہے۔

ان آٹھ غداروں میں سے جن پر انبالہ میں بغاوت کے جرم میں مقدمہ چلا (مقدمہ انبالہ ۱۸۶۴ء) میں چار اہم مجرموں کا ذکر کروں گا۔ جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا۔

یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ملزم رحیم (مولوی عبدالرحیم صادق پوری) کے مکان میں ان باغیانہ کاروائیوں کی سازش تیار کی گئی۔ اس کے ہی مکان میں بنگالی ہلالی (انقلابی مسلمان) جمع ہوتے تھے اور وہیں قیام کرتے تھے۔

مولانا حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔ مولوی عبدالرحیم صادق پوری کہ در ۱۸۹۳ء انتقال نمود۔(ص ۵۷۷)

شیعہ اور سنی عقائد کے بارے میں ہنٹر لکھتا ہے۔

ہندوستان کے سنی اور شیعہ دونوں بالآخر اسلام کی فتح کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن ان میں کچھ اختلاف ہے سنیوں کا عقیدہ ہے کہ آخر میں ساری دنیا مسلمان ہو جائے گی اور پیغمبر کے احکامات کا نفاذ ہوگا اس کے برعکس شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ یہ آخری فتح دونوں عظیم مذاہب اسلام اور عیسائیت کے یکجا ہونے کے بعد واقع ہوگی۔

مولانا کا تبصرہ:۔ یہ ہرگز شیعہ اعتقاد نہیں ہے۔(ص ۵۷۸)

جہاد کی بابت شیعہ عقیدہ پیش کرنے کے لئے ہنٹر نے امیر علی کے ایک فارسی رسالہ کا حوالہ دیا ہے اس کے مطابق یہ دور سعادت شروع ہوگا تو سارے عیسائی شیعہ ہو جائیں گے ان سنیوں کو قتل کیا جائے گا جو پہلے مہدی آخرالزماں کی اطاعت نہیں کریں گے۔ امیر علی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ ہماری شریعت (محمڈن لاء) میں واضح طور پر لکھا ہے کہ جب امام مہدی کا ظہور ہوگا تو حضرت عیسیٰ چوتھے آسمان سے زمین پر اتریں گے اور ان دونوں عظیم ہستیوں کے درمیان عداوت نہیں بلکہ دوستی ہوگی۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں:۔ امیر علی نے یہاں عجیب فریب دیا ہے۔(ص ۵۷۹)

نام کتاب: مآثر الکرام (فارسی)

از: غلام علی آزاد بلگرامی

ا۔ شیخ محمد حیات السندی والمدنی کا تذکرہ ہے۔ شیخ نے مولف کتاب میر غلام علی آزاد بلگرامی کو خط لکھا اس میں میر آزاد کا نام بجائے سید غلام علی کے صرف سید علی تحریر کیا میر غلام علی کو اس پر شکایت ہوئی۔ شیخ نے جواب میں تحریر کیا۔

(ترجمہ) شیخ قدس سرہ نے فقیر کے نام ایک خط ارسال کیا تھا جس میں فقیر کا نام سید علی بلا اضافت غلام تحریر کیا گیا تھا کیوں کہ حدیث میں ہے کہ تمام مخلوق اللہ کی غلام ہے لہٰذا کسی مخلوق سے عبودیت کی نسبت جائز نہیں۔ فقیر نے جواب میں عرض کیا کہ مسلم میں ایک روایت ہے

"عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال : يقول أحدكم عبدي و أمتي كلكم عباد الله وكل نساءكم إماء الله ولكن يقل غلامي وجاريتي وفتائي وفتاتي "

و بخاری روایت می کند " لا يقل أحدكم عبدي و أمتي وليقل فتائي وفتاتي و غلامي "

نیز میں نے یہ بھی عرض کیا ہے کہ اگر غلام کے معنی عبد (بندے) کے ہیں تو اس کے معنی فرزند کے بھی ہیں اور واضح کا یہی ارادہ بھی ہوگا۔ پس "لکل امرءٍ مانوی" شیخ قدس سرہ نے یہ خط ملاحظہ کرکے میرا اعتراض تسلیم کیا اور اس کے بعد میرا نام غلام علی ہی تحریر کیا۔

مولانا آزاد: اس حدیث میں غلام عربی اصطلاح کے مطابق ہے نہ کہ فارسی کے جس کے معنیٰ ولد کے ہیں جب کہ فارسی میں غلام کے معنی عبد (بندے) کے ہوتے ہیں۔ اور غلام علی فارسی ترکیب ہے لہٰذا شیخ کا اعتراض غلط نہیں تھا۔ (ص۔ ۳۱۲)

۲۔ میر طفیل محمد بلگرامی کا تذکرہ ہے قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر کے سلسلے میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ فرمایا کہ جب ہم اور میر عبدالجلیل بلگرامی اکبر آباد گئے تو پہلی بار نواب فضائل خاں کی مجلس میں جانے کا اتفاق ہوا۔ نواب چند فضلاء کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے اور علمی بحث جاری تھی۔ اثنائے گفتگو نواب موصوف نے کہا کہ آیت کریمہ "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین" میں بعض مفسرین نے "لا" کو مضمر گردانا ہے میرے خیال میں آیا کہ لا کے بغیر آیت کے منفی معنی نکلیں گے یعنی -طیق باب افعال سے ہے ہمزہ افعال سلب (نفی) کے لئے بھی آتی ہے لہٰذا -طیقونہ سے مراد لا -طیقونہ ہے اس پر حاضرین نے نواب کی نکتہ آفرینی کی داد دی

مولانا آزاد:۔ بلاشبہ آیت کا صحیح مطلب یہی ہے با تفسیر ترجمان القرآن (ص۔ ۳۱۲)

چند اقتباسات

ہم عیسیٰ مسیح کی زندگی کی بابت بہت ہی کم جانتے ہیں تین سال کے مختصر سے عرصہ کے سوا ان تیس سال کے حالات سے کون پردہ اٹھائے گا جو اس سے قبل گزرے اس کے برعکس محمڈن ازم (اسلام) میں ہر چیز اس سے مختلف ہے یہاں کوئی بات مخفی یا پُراسرار نہیں ہے پوری واضح تاریخ موجود ہے ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی ہی تفصیل سے جانتے ہیں جیسا لوتھر اور ملٹن کے بارے میں۔ (محمد اینڈ محمڈن ازم۔ بوسورتھ اسمتھ)

بائبل اور قرآن کا تقابل کرتے ہوئے سمتھ ڈین اسٹینلے کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے۔

بائبل اور قرآن میں جو بے حد یکسانیت اور مماثلت ہے اور اسی کے ساتھ جو اختلاف ہے اس کی بابت ڈین اسٹینلے نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے میں اس کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا تاہم اس نے جو کچھ کہا ہے اس میں اسقدر اضافہ ضرور کرنا چاہوں گا کہ قرآن کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور خود قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس کا ہر جز لفظاً و معناً با ضابطہ الہامی ہے اس کے برعکس بائبل ایسا کوئی دعویٰ نہیں کرتی سوائے چند حصوں کے جو متنازعہ فیہ ہیں اور بیشتر عیسائی بائبل کے اکثر حصوں کو انسانی تالیف ہی مانتے ہیں۔

لیکن ڈین اسٹینلے فخریہ انداز میں (جس کا اسے حق بھی ہے) پوچھتا ہے کہ کیا قرآن میں کوئی ایک بھی ایسا الہامی جز ہے جو سنٹ پال کے اس جملہ سے زیادہ مؤثر ہو جس میں اس نے خیرات (چیرٹی) کی تعریف کی ہے۔ (ص۔۱۹۸)

صلیبیوں نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو غلط باتیں پھیلائیں ان کا ذکر مشہور بحری سیاح مارکو پولو جس نے اپنے بحری اسفار کے دوران وسط ایشیا اور چین وغیرہ میں ہر جگہ مسلمانوں سے ملاقات کی اور جسے بڑا معتبر خیال کیا جاتا ہے اس نے لکھا ہے کہ مسلمان ممٹ (محمد) کی پرستش کرتے ہیں۔ (ص۔۱۹۹)

انگریزی اور فرانسیسی صلیبیوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی بابت جو معاندانہ رویہ رہا ہے اس کی مثال دیتے ہوئے سمتھ لکھتا ہے کہ انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں آج تک دو الفاظ مہو میری (فرانسیسی میں) اور ممیری (انگریزی) رائج ہیں جو فضول اور غیر معقول شعائر کے معنوں میں استعمال کئے جاتے ہیں (ص۔۲۰۰)

اسلام تلوار کے زور سے پھیلا یہ صلیبیوں کا معروف موقف ہے سمتھ بھی صلیبی ہے اس کا استدلال دیکھئے۔

ایک اور سوال پر غور کرنا باقی ہے یعنی جہاد اور اسلام کا اس سے تعلق۔ اس میں شک نہیں کہ مدینہ ہجرت کرنے سے قبل اسلام میں تبلیغ کے لئے تلوار کا کہیں ذکر یا شائبہ بھی نہیں ملتا مدینہ آکر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طاقت کا اندازہ ہوا اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کہا گیا اس سے قبل خدا نے جو پیغمبر مبعوث کئے ان کی شخصیت میں خدا کی کسی نہ کسی صفت کا اظہار تھا اور وہ معجزوں کے ذریعہ اس کا اظہار بھی کرتے تھے لیکن ان کی قوم نے ان صفات اور معجزوں کو

(بقیہ صفحہ ۳۱ پر)

سفرگذشت

(۲)

لاتور

اسی دن تیسرے پہر یعنی ہفتہ مورخہ ۱۸ر دسمبر ۹۳ء کو ہمارا قافلہ عثمان آباد اور لاتور کے زلزلہ زدہ علاقہ کے دورے پر روانہ ہوا مولانا یار محمد سلفی، مولانا طاہر بیگ اور ابو خالد انجینئر ہم سفر تھے۔ سب سے پہلے ہم لوگ آسرا گھر گئے یہ لاتور اور عثمان آباد میں یتیم اور بے سہارا ہوجانے والے بچوں کے لئے ہوسٹل اور اسکول کے طور پر قائم کیا گیا ہے اس میں ۱۵۰ کے قریب بچے اور بچیاں ہیں ان میں بہت چھوٹے بچے اور بچیاں بھی ہیں اور ایسے بھی ہیں جو نویں دسویں کلاس میں تعلیم پا رہے ہیں ہم جب آسرا گھر پہنچے تو بچے دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے ان میں کچھ اتنے چھوٹے بھی تھے جو ابھی ماں باپ کی گود میں کھیلتے لیکن قضا وقدر نے ان سے شفقت کا یہ حصار چھین لیا اب بچے اپنی تقدیر پر شاکر نظر آتے ہیں انہیں یہاں رہتے اب دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو رہا ہے مولانا یار محمد صاحب نے بتایا کہ جب وہ ایک ماہ قبل لاتور عثمان آباد کے دورے کے بعد یہاں آئے تھے تو اس وقت بچے بہت گھبرائے ہوئے تھے اور روتے رہتے تھے لیکن اب آہستہ آہستہ ماحول سے مانوس ہوگئے ہیں۔ آسرا گھر کے ذمہ داروں میں ایک صاحب ریلوے کے ریٹائرڈ گارڈ ہیں ایک اور ریلوے ریٹائر گارڈ بچوں کو انگریزی اور حساب پڑھاتے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ان میں سے سب بچے یتیم اور بے آسرا نہیں ہیں کچھ ایسے بھی ہیں جن کے ماں باپ نے ان کی تعلیم جاری رکھنے یا پھر خاندان کی باز آباد کاری ہونے تک انہیں یہاں بھیج دیا ہے تاکہ وہ نسبتاً پر سکون ماحول میں رہ سکیں یہ آسرا گھر ملی کونسل کے زیر اہتمام قائم کیا گیا ہے عمارت تین ہزار روپیہ ماہانہ کرایہ پر لی گئی ہے ہمیں بتایا گیا کہ ملی کونسل کے بعض ذمہ داران آئندہ ہفتے یہاں آنے والے ہیں رحمانی صاحب نے آسرا گھر کے منیجر صاحب سے انتظامات وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کی نصاب تعلیم کے بارے میں تفصیل معلوم کی گئی۔ منیجر صاحب نے کچھ کاغذات بھی عطا کئے جنہیں مولانا یار محمد سلفی صاحب نے اپنی ڈائری کا جزو بنا لیا۔

اب ہماری گاڑی کا رخ لاتور اور عثمان آباد کی طرف تھا ایک طویل سیدھی سڑک پر گاڑی تیزی سے دوڑ رہی تھی کافی لمبا سفر طے کرکے بالآخر ہم لوگ اس علاقے میں پہنچ گئے جو اس صدی کے چند بھیانک ترین حادثات میں سے ایک کا شکار ہوا تھا گاڑی سے اتر کر ہمارا قافلہ پیادہ پا اس بستی میں داخل ہوا جو "فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ" کا منظر پیش کر رہی تھی۔ یہ تہ وبالا شدہ بستی پتھروں کا ڈھیر بنی عجب دہشت ناک نظر [illegible] تھی تا حد نگاہ پتھروں کے انبار، کھنڈر میں تبدیل ہوئے مکانات راستے میں بے ترتیبی سے پڑے ہوئے پتھر ہر طرف ہو کا عالم ہم جب وہاں پہنچے تو شام ہو رہی تھی غروب ہوتے سورج کے سایے پھیلتے جا رہے تھے مولانا یار محمد سلفی اور مولانا طاہر بیگ پہلے بھی یہاں آچکے تھے مولانا یار محمد نے ایک کھنڈر احاطے کی طرف اشارہ کیا کہ یہاں ملو کین کو جلایا گیا تھا زمین اور دیوار پر دھوئیں کی سیاہی اب بھی گہری تھی معلوم ہوتا تھا کہ بہت زیادہ آگ جلائی گئی ہوگی۔ ہمارے پیچھے ایک شخص اپنی سائیکل سنبھالے ہوئے آرہا تھا پتھروں سے بھرے راستہ میں سائیکل لے کر چلنا اس کے لئے کافی دشواری پیدا کر رہا تھا لیکن وہ اکھڑے قدموں سے برابر بڑھتا چلا آرہا تھا۔ کھنڈروں اور پتھروں کے بیچ ایک جگہ ہم لوگ کھڑے ہوگئے وہ سائیکل والا بھی وہیں آکر رک گیا اور نقصان کی تفصیل بیان کرنے لگا۔ اس نے ایک کھنڈر کی طرف اشارہ کرکے کہا وہ ہمارا گھر تھا میں نے پوچھا تمہارا جانی نقصان تو نہیں ہوا؟ اس نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالتے ہوئے سپاٹ سے لہجے میں کہا "سب چلے گئے" (یعنی گھر میں کوئی باقی نہیں رہا) اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے آواز میں لرزش بھی نہیں تھی لیکن لہجے میں جو کرب تھا اس ایک چھوٹے سے جملے میں

اذیت اور درد کی جو پوشیدہ لہر تھی اسے میں محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکا روتے روتے اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے اپنی تباہی پر وہ صبر کر چکا تھا اور پھر وہ روئے بھی تو اسے تسلی دینے والا کون تھا کون اس کے آنسو پونچھے گا سب ہی برباد ہوئے ہیں سب کو ہی کسی نہ کسی کا ماتم کرنا ہے جو چلے گئے وہ چلے گئے جو رہ گئے وہ رونے تڑپنے کے لئے رہ گئے کیا جن کے سب چلے گئے "اس زندگی میں ان کے لبوں پر تبسم کی لہر آسکے گی کیا زندگی کی رنگینیاں اور رعنائیاں ان کے لئے کوئی کشش پیدا کر سکیں گی آنکھیں خشک ہیں چہرے سپاٹ ہیں بظاہر پرسکون نظر آرہے ہیں لیکن دل میں جو اتھاہ غم ہے اسے کون دیکھے دل کے اندر کس نے جھانکا ہے

کوئی دل کا خلا بھرنے والا نہیں
کون دیکھے غم دل کی گہرائیاں

نگاہ عبرت سے یہ دہشت ناک مناظر دیکھتے ہوئے آگے بڑھے مارکیٹ میں جانے کا بلند دروازہ جو شاید شاہی دور کی یادگار ہے آج بھی اس علاقہ کی تباہی کا خاموش عینی شاہد ہے آس پاس کے سارے مکانات دکانیں زمیں بوس ہو گئیں لیکن اس بلند دروازے کی سربلندی آج بھی سرنگوں نہیں ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں نئی عمارتیں گر جائیں اور پرانی یوں ہی کھڑی رہیں۔وہاں سے روانہ ہو کر گرد و پیش تباہی اور بربادی کے بھیانک مناظر دیکھتے ہوئے ہم عثمان آباد کی طرف چلے۔ راستہ میں جگہ جگہ پتھروں کے ڈھیر میں تبدیل شدہ مکانات ملے کئی جگہ وہ عارضی کیمپ بھی دیکھے جو سرکار نے ان علاقوں کے لوگوں کی بازآبادکاری کے لئے بنائے ہیں کہیں امریکن خیموں میں کہیں ٹین کی چادروں سے بنے ہوئے کمروں میں یہ بدنصیب لوگ پڑے ہوئے تھے کل کیا تھے آج کیا ہو گئے کل کیا ہو گا ابھی اسکا کچھ پتہ نہیں ہماری گاڑی تیزی سے پُرپیچ راستے طے کرتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی اب شام گہری ہو چکی تھی تاریکی اپنے پر پھیلا رہی تھی جب ہم اس علاقے میں پہنچے تو جھٹپٹا ہو چکا تھا وہاں بھی وہی منظر تھا جیسے بمباری کی گئی ہو۔ تاحد نظر پتھروں کے ڈھیر بیچ میں کوئی دیوار نیم شکستہ اپنے ماضی کا ماتم کرتی ہوئی۔ ابھی کچھ دن پہلے یہاں زندگی کی چہل پہل تھی یہ سب مکانات پختہ اور آباد تھے آج یہاں زندگی نہیں چاروں طرف موت کا سناٹا ہے فضاؤں میں اب بھی مرنے والوں کی چیخیں گشت کر رہی ہیں گوش عبرت نیوش ہو تو ہر طرف عبرت کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں کل اس علاقہ کے لوگوں کو بابری مسجد مسمار کرنے کا جنون تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی علاقے میں مسجد توڑنے کی ریہرسل کی گئی۔ رام جنم بھومی مندر کی تعمیر کے لئے یہاں سے سونے کی اینٹ بھیجی گئی۔ یہ علاقہ بہت خوشحال تھا یہاں کے لوگ سونے چاندی کا کاروبار کرتے تھے دولت کی فراوانی تھی لیکن آج وہ سب کہاں ہیں بابری مسجد توڑ کر انہوں نے کیا حاصل کیا سنا ہے ان علاقوں کے کچھ ہوشمند مرد اور عورتیں برملا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ زلزلہ بابری مسجد توڑنے کے پاپ کی سزا ہے۔ بزرگ عورتیں آج بھی وہ دن یاد کرتی ہیں جب انہوں نے اپنے چھوٹوں کو سمجھایا تھا کہ مسجد توڑنے کا خیال چھوڑ دو انہوں نے ہماری بات نہیں مانی اور آج وہ ہوا جو سب کے سامنے ہے۔ آج کل [illegible] سائنس کے دور اور عبرت ناشناس مزاجوں کے لئے یہ باتیں قابل قبول نہیں ہوں گی وہ نہیں مانیں گے کہ یہ لاتور اور عثمان آباد بابری مسجد سانحہ کا ردعمل ہیں لیکن جو اللہ کا دستور جانتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ "وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ" کا یہی مطلب ہے کہ اللہ کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

انہیں پتھروں کے ڈھیر اور کھنڈروں کے درمیان ایک چھوٹی سی مسجد صحیح وسالم کھڑی تھی بہت سے عبادت خانے اور عاشورہ خانے زمیں بوس ہو گئے لیکن مسجد یعنی اللہ کا گھر سلامت رہا سوچئے تو اس میں بھی عبرت کے بہت سے سبق ہیں جو اللہ اس بھیانک زلزلے میں ایک معمولی طور پر تعمیر شدہ مسجد کو بچا سکتا ہے وہ بابری مسجد کو بھی بچا سکتا تھا لیکن بابری مسجد کے ٹھیکیداروں نے اس کے تحفظ کو اپنی جذبات فروش سیاست کا علم بنالیا اور مسلمان یہ یقین کر بیٹھے کہ ہمارے "قائد اعظم" بابری مسجد کو بچائیں گے کسی نے یہ نہیں سوچا کہ اصل طاقت اللہ کے ہاتھ میں ہے اگر مسلمان اپنے اللہ سے منہ موڑ کر اپنے "نامسلمان" قائدین پر تکیہ نہ کرتے تو عثمان آباد کی اس مسجد کی طرح بابری مسجد بھی صحیح وسالم اور سربلند اپنی جگہ پر موجود ہوتی اور کیا عجب عثمان آباد اور لاتور کا حادثہ ہی نہ ہوتا۔

اب رات ہو گئی تھی ہمیں یہاں سے حیدر آباد کے لئے روانہ ہونا تھا اس لئے اس ساری آبادی پر عبرت کی نگاہ ڈالتے ہوئے ہمارا قافلہ عمرکہ کی طرف روانہ ہوا جہاں سے حیدر آباد کے لئے بسیں جاتی ہیں راستہ میں ایک جگہ ہاٹ لگی ہوئی تھی لوگوں کی خاصی بھیڑ تھی اس عظیم تباہی کے بعد بھی یہاں زندگی اسی طرح رواں دواں تھی معلوم ہوتا تھا سب

گزرے ہوئے کل کو بھول گئے ہیں ع

جاوداں پیہم رواں ہردم جواں ہے زندگی

گلبرگہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ بس ابھی آئی نہیں ہے اور نہ معلوم کتنی دیر میں آئے گی۔ اس غیر یقینی صورت حال کے سبب یہی طے پایا کہ واپس شولا پور چلیں اور صبح کی ٹرین سے حیدر آباد کا سفر کریں۔ چنانچہ واپس آکر ایک گیسٹ ہاؤس میں قیام کیا نماز سے فارغ ہو کر مولانا یار محمد اور ابو خالد انجینئر صاحب کے ساتھ کھانا کھایا اور سو رہے۔

صبح فجر کی نماز سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ جناب شریف صاحب تشریف لے آئے یہ ریلوے کنٹرولر ہیں ان کی وجہ سے ٹکٹ خریدنے میں بڑی آسانی ہوئی ہمیں رخصت کرنے اسٹیشن تک آئے اور گاڑی روانہ ہونے تک ساتھ رہے ان کے ساتھ ان کے نوعمر صاحبزادے آصف بھی تھے بہت اسمارٹ اور ہونہار لیکن پتہ چلا کہ آنعزیز کو صرع (مرگی) کا مرض لاحق ہے کبھی کبھی دورے پڑتے رہتے ہیں یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا کہ ایک نامراد مرض نے ایک ہونہار اور اقبال مند بچے کی زندگی کو امید اور حوصلہ کی سرخوشی سے محروم کردیا ہے اور ماں باپ جن کے لئے ایک جوان بیٹا ڈھلتی عمر کا سہارا اور مستقبل کی امیدوں کا مرکز ہوتا ہے ایک جانکاہ خلش کا شکار ہیں رحمانی صاحب نے شریف صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ دلی آکر آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز میں بچے کو دکھائیں اور وعدہ کیا کہ اس سلسلے میں وہ ان کی پوری مدد کریں گے۔

جب ہم حیدر آباد پہنچے تو شام ہو رہی تھی حیدر آباد کا اسٹیشن نام پلی ہے اور ہماری ٹرین کا آخری اسٹیشن سکندر آباد تھا یہ نام پلی نہیں جاتی ہمیں ایک ساتھی مسافر نے مشورہ دیا کہ ہم اسٹیشن پر اتریں یہاں سے حیدر آباد شہر نسبتاً قریب پڑے گا چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا تھری وہیلر سے اس گیسٹ ہاؤس میں پہنچے جہاں ہمارے قیام کا پہلے ہی بندوبست کردیا گیا تھا۔ یہ ایک بہت معمولی قسم کا گیسٹ ہاؤس تھا یہاں کا قیام رحمانی صاحب کو پسند نہیں آیا اور دوسرے دن ایک دوسرے مگر بہتر قسم کے ہوٹل میں منتقل ہو گئے۔ حیدر آباد پہنچ کر رحمانی صاحب کے پاس لوگوں کی آمد شروع ہو گئی جناب نذیر صاحب جو رحمانی صاحب کے پرانے عقیدت مند اور بہت ہی خاکسار اور خدمت گزار نیک طینت انسان ہیں تھوڑی ہی دیر میں تشریف لے آئے یہ حیدر آباد کے ٹیلیگراف آفس میں ملازم ہیں نذیر صاحب حیدر آباد کے سفر کے دوران کم وبیش ہر وقت ہمارے ساتھ رہے اور بہت تندہی سے ہماری مہمان نوازی کی۔

ہماری آمد کے تھوڑی ہی دیر بعد جناب ڈاکٹر عبدالصمد صمدانی اور ڈاکٹر انصاری رحمانی صاحب سے ملنے کے لئے آئے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ہم نذیر صاحب کی معیت میں شہر دیکھنے کے لئے نکل پڑے۔ حیدر آباد بڑا خوبصورت شہر ہے قدم قدم پر عہد آصفیہ کی پرشکوہ عمارتیں دامن نظر کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ جدید طرز کی کثیر منزلہ عمارتوں کے پہلو بہ پہلو پرانی حویلیاں بھی ہیں۔ چار مینار حیدر آباد کا دل ہے جس طرح دلی میں قطب مینار کی کشش ہے کم وبیش ایسی ہی حیدر آباد میں چار مینار کی اہمیت ہے اس کے گرد وپیش بڑے بڑے بازار ہیں جن میں ہر وقت بھیڑ رہتی ہے ان سب کے درمیان چار مینار صدیوں سے سر اٹھائے کھڑا ہے اس عمارت نے کتنے انقلاب دیکھے عروج وزوال کی کتنی داستانیں یہ اپنے سینے میں دفن کئے ہوئے ہے۔ قطب شاہی دور کی یہ عظیم اور دلکش عمارت گولکنڈہ پر اورنگ زیب کی یلغار کی بھی شاہد ہے کہتے ہیں کہ گولکنڈہ فتح کرنے کے بعد مغل فوج نے چار مینار کے پاس ہی پڑاؤ ڈالا تھا۔ حیدر آباد دراصل قطب شاہی دارالسلطنت گولکنڈہ کی توسیع ہے۔ جب یہ شہر دولت آصفیہ کا دارالحکومت بنا تو اس کی رونق اور ترقی کا وہ عالم ہوا کہ ہندوستان کے مایہ ناز شہروں میں اس کا شمار ہونے لگا اس شہر کا نام حیدر آباد کیوں پڑا میں اس کی وجہ تسمیہ جناب نذیر صاحب سے دریافت کرنا چاہا لیکن دوسری باتوں میں یہ سوال پس منظر میں غائب ہو گیا لیکن میرے ذہن میں غالب کا یہ مصرع ضرور گونجتا رہا ع

مہر حیدر پیشہ دارم حیدر آباد خودم

گولکنڈہ کا قلعہ اور شاہی قبرستان بھی حیدر آباد کے قریب ہی واقع ہیں اور سیاحوں کی کشش کے مرکز ہیں اورنگ زیب نے پچاس سال سلطنت کی اور اس میں ۲۵ سال تک وہ دکن کی مہمات میں مصروف رہا اور یہیں اورنگ آباد میں اس کا انتقال بھی ہوا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ ۲۵ سال تک دارالسلطنت دہلی سے دور رہ کر اورنگ زیب نے بہت بڑی سیاسی غلطی کی۔ دکنی ریاستوں کو مغل سلطنت میں شامل کرنے سے اتنا فائدہ نہیں ہوا جس قدر بادشاہ کے دارالحکومت سے اتنی طویل مدت تک غیر حاضر رہنے سے مغل سلطنت کو ضعف اور نقصان پہنچا بلکہ بہت سے مورخین اورنگ زیب کی اسی غلطی کو مغل سلطنت کے زوال کا ذمہ

دار قرار دیتے ہیں۔ دکن کی یہ ریاستیں مرہٹوں کی شورش کا مقابلہ بھی کرتی رہتی تھیں ان کے ختم ہونے کے بعد مرہٹوں کو ان علاقوں پر تاخت و تاراج کا زیادہ موقع مل گیا کیوں کہ مغل سلطنت یا مغل فوج اس نئے علاقہ میں اتنی آسانی سے کنٹرول نہیں کر سکتی تھی جتنی کامیابی سے یہ علاقائی ریاستیں کر لیتی تھیں بہر حال حیدر آباد ہندوستان کے عہد وسطیٰ اور دور جدید کی سیاست میں بھی بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے آصف جاہی دور میں بھی ہندوستان کی علاقائی سیاست کا محور تھا اور ہندوستان کی سب سے بڑی نوابی ریاست تھا ٹیپو سلطان کی فرنگیوں کے ہاتھوں شکست میں آصف جاہی سیاست کا بھی دخل تھا پھر جب ہندوستان آزادی کے دروازے پر کھڑا تھا تو بھی حیدر آباد میں سیاست کا رخ دانشمندانہ نہیں تھا کچھ یہاں کے جذباتی سیاست دانوں کچھ درباری مفاد پرستیوں نے حیدر آباد اور دکن کے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ علامہ اقبال کو خیال ہوا کہ حیدر آباد کو ہندوستان میں ڈومینین حیثیت دلائی جائے چنانچہ جب وہ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گئے تو یہ مسئلہ اٹھانے لگے سر اکبر حیدری دیوان دکن بھی وہاں موجود تھے انہوں نے اس غیر منطقی اور جذباتی اقدام کی سختی سے مخالفت کی تو علامہ ان سے الجھ پڑے۔ معلوم نہیں علامہ کے دل میں یہ خیال کیسے جاں گزیں ہوا کہ حیدر آباد ایک آزاد ریاست کے طور پر ہندوستان میں رہ سکتا ہے شاید اس وقت سیاست کے جو نشیب و فراز تھے اس نے کچھ ریاستوں کے سربراہوں کو اسی غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ انگریز ہندوستانی ریاستوں کو آزادانہ حیثیت قائم رکھنے کا اختیار دے دیں گے جیسا کہ انہوں نے جنوبی افریقہ میں مقامی آبادی کا زور توڑنے کے لئے کیا تھا۔ آزادی کی اس ترنگ نے ایسا زور پکڑا کہ حیدر آباد میں رضاکاروں کی فوج تیار ہو گئی قاسم رضوی صاحب اس کے سالار تھے یہ صاحب لال قلعہ پر دولت آصفیہ کا جھنڈا لہرانے کا اعلان بھی کرتے تھے

اور جب ہندوستانی فوج نے پولس ایکشن کیا اس وقت بھی حیدر آباد نے ہوشمندی اور دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا ابراہیم جلیس نے لکھا ہے کہ نیم مسلح رضاکار ہندوستانی فوج کے ہاتھوں مارے جا رہے تھے اور حیدر آباد ریڈیو سے علامہ اقبال کا یہ نغمہ نشر ہو رہا تھا

کافر ہے تو شمشیر پہ رکھتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

قاسم رضوی کی جذبات فروشی اور آصف جاہی سیاست دانوں کی بے **بصیرتی کے سبب** دکن کے مسلمانوں کو کیسی کیسی قیامتوں سے دوچار ہونا پڑا اس کی داستان سنانے کی کس میں ہمت ہے۔ حیدر آباد کے مقابلے میں رامپور اور بھوپال کے حکمرانوں نے خاصی ہوشمندی کا ثبوت دیا اور اپنی رعایا کو تباہ نہیں ہونے دیا یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ہندوستان کی دو بڑی ریاستوں حیدر آباد اور کشمیر میں حکمرانوں اور رعایا کے مذہب بالکل جدا تھے دکن میں اکثریت غیر مسلم تھی اور حکمراں مسلمان کشمیر میں معاملہ اس کے برعکس تھا۔ دونوں ہی جگہ حکمرانوں کے عزائم اور تیور سرکشی لئے ہوئے تھے دونوں کو مسلم لیگ کی قیادت عظمیٰ نے جھانسا دیا اور یہ بے بصیرت حکمراں لیگ کے طالع آزما ٹھیکیداروں کے فریب میں آگئے۔ بہر کیف ہماری تاریخ اس قسم کی غلطیوں اور بے شعوریوں سے پُر ہے ریاست حیدر آباد کے ہندوستان میں ضم ہونے کے بعد میر عثمان علی خاں آصف سابع یعنی آخری نظام ریاست کے راج پرمکھ بنائے گئے کہتے ہیں ایک بار نظام نے مولانا آزاد کو جو اس وقت ہندوستان کے وزیر تعلیم تھے اپنے ہاں کھانے پر مدعو کرنے کے لئے رقعہ بھیجا مولانا حیدر آباد کے حکمراں کی سیاسی بے بصیرتی اور بے شعوری سے اتنے برافروختہ تھے کہ انہوں نے اسی رقعہ کی پشت پر ایک بہت سخت جملہ لکھ کر واپس کر دیا اور دعوت قبول نہیں کی۔ آج کا حیدر آباد پرانے حیدر آباد سے مختلف ہے اب یہ آندھرا پردیش کی راجدھانی ہے جس کی سرکاری زبان تیلگو ہے اور علاقائی پارٹی تیلگو دیشم کا مرکز ہے۔ نظام کے دور میں اردو حیدر آباد کی سرکاری زبان تھی جبکہ علاقائی طور پر تیلگو عوامی زبان تھی عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنا کر نظام شاہی ریاست نے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا تھا۔ اردو میں اعلیٰ معیار کے ترجمے ہوئے فلسفہ طب و سائنس جیسے اہم موضوعات پر اردو میں بیش بہا کتابیں مہیا تھیں۔ سقوط حیدر آباد کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی تو رہی لیکن اردو نہیں رہی۔ کہا جاتا ہے کہ اردو یہاں کی عوامی زبان نہیں ہے یہ درجہ صرف تیلگو کو دیا جا سکتا ہے چنانچہ اردو عملاً سرکار اور دربار سے خارج کر دی گئی اب بھی اگرچہ یہاں اردو کا چلن ہے سرکاری طور پر بھی اردو کو سہارا دیا جاتا ہے لیکن یہاں اس زبان کا مستقبل کیا ہے اس کے بارے میں کوئی حوصلہ افزا بات کہنا مشکل ہے۔

نذیر صاحب کی معیت میں ہم سب سے پہلے کتب خانہ محمدی

پہنچے یہ جناب مولانا ابو تمیم محمدی صاحب مرحوم کی قائم کردہ لائبریری ہے لیکن ان کے بعد بے توجہی کا شکار ہے کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ ہے لیکن اس سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد قلیل ہے رحمانی صاحب نے لائبریری کھلوا کر کتابوں کا رجسٹر دیکھا اور منتظمین کو مشورہ دیا کہ وہ کتب خانہ کو جماعت کیلئے زیادہ مفید بنانے کی کوشش کریں یہاں سے روانہ ہو کر جماعت کی ایک زیر تعمیر مسجد کو دیکھنے گئے جو غالباً نذیر صاحب کی زیر نگرانی بن رہی ہے مسجد وسیع اور خوبصورت ہے تعمیر مکمل ہونے کے بعد بڑی پرکشش عمارت ہوگی یہیں ہم نے مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی جماعت کے کچھ احباب بھی آگئے تھے ان سے تعارف ہوا کچھ باتیں بھی ہوئیں یہاں سے روانہ ہو کر نذیر صاحب کے مکان پر پہنچے جو مسجد سے تھوڑے فاصلے پر ہے اس وقت بجلی غائب تھی اور سارا علاقہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا بڑے شہروں میں زندگی کا سارا ہنگامہ بجلی پر انحصار کرتا ہے اگر بجلی نہ ہو تو دن میں بھی بہت سی سرگرمیاں معطل ہو جاتی ہیں بڑی عمارتوں میں دن میں بھی لائٹ کے بغیر کام کرنا ممکن نہیں ہوتا رات میں سڑکوں پر آمد و رفت بھی مشکل ہو جاتی ہے اگر گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس نہ ہوں تو رات کو سڑکوں پر شب دیجور کا ساں نظر آئے کچھ ایسی ہی کیفیت اس وقت اس علاقہ کی بھی تھی نذیر صاحب کا مکان بھی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا انہوں نے ہمارے لئے چراغ روشن کیا اور نیم تاریکی میں ہم لوگ گھر کے مرکزی کمرے میں بیٹھے تاریکی کے باوجود نذیر صاحب کے اہل خانہ نے چائے کا بندوبست کیا یہ ان کی مہمان نوازی اور کرم تھا کہ اس پریشانی اور تاریکی میں بھی سراپا اخلاق بنے ہوئے تھے ان کا گھر چھوٹا سا لیکن سلیقہ کا ہے دروازے پر بیل لٹک رہی تھی جو ان کے حسن ذوق کی آئینہ دار ہے شاید گھر میں گلدستے اور پھول پودے بھی ضرور ہوں گے ہم تاریکی کے سبب نہیں دیکھ سکے نذیر صاحب اردو کے ساتھ تیلگو کے بھی فاضل ہیں غالباً تقویۃ الایمان کا تیلگو میں ترجمہ بھی کر چکے ہیں جو ابھی طبع نہیں ہوا بڑی لگن اور کام کے آدمی ہیں حیدر آباد اور آندھرا میں بہت سے ناموں کے ساتھ "پلی" ہوتا ہے جیسے ریلوے اسٹیشن کا نام "نام پلی" ہے نذیر صاحب نے بتایا کہ پلی کے معنی قریہ کے ہوتے ہیں عظیم شاعر بھرتری ہری کے بارے میں بہت سی باتیں بتاتے رہے قدیم ہندوستان کا یہ راجہ اور شاعر بڑا عالی دماغ انسان تھا اقبال نے اسے زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے جاوید نامہ میں سیر افلاک میں بھی انہوں نے بھرتری ہری کا ذکر کیا ہے اور اپنے مجموعہ بال جبرئیل کا آغاز بھرتری ہری کے اس شعر کے ترجمہ سے کیا ہے

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

جاوید نامہ میں رومی کی زبان سے، بھرتری ہری کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں

آں نواپرداز ہندی را نگر
شبنم از فیضِ نگاہِ او گہر
نکتہ آرائے کہ نامش برتری ست
فطرتِ او چو سحاب آذری ست
پادشاہے بانوائے ارجمند
ہم بفقر اندر مقام او بلند
نقش خوبے بندد از فکر شگرف
یک جہان معنی اندر دو حرف
کار گاہ زندگی را محرم ست
او بمست و شعر او جام جم ست

میں نے جناب نذیر صاحب سے درخواست کی کہ اگر بھرتری ہری پر کوئی کتاب اردو یا انگریزی میں دستیاب ہو سکے تو براہ کرم میرے لئے حاصل کرنے کی کوشش کریں انہوں نے وعدہ تو کیا لیکن شاید اس میں کامیاب نہیں ہو سکے نذیر صاحب حیدر آباد کے روایتی مزاج کی طرح بہت سے معاملات میں جذباتی انداز سے سوچنے کے عادی ہیں انہوں نے بابری مسجد اور افغانستان کے بارے میں التوعیہ کے اداریوں پر اختلاف ظاہر کرتے ہوئے دوستانہ انداز میں شکوہ کیا کہ بابری مسجد والا مضمون ضرورت سے زیادہ مصالحتی انداز کا تھا اور افغانستان کے مجاہدین کے بارے میں جو رائے ظاہر کی گئی تھی وہ بھی غیر مناسب تھی اب جبکہ بابری مسجد فسطائی طاقتوں اور جذبات فروش قائد اعظموں کی جنگ میں شہید ہو چکی ہے اور افغانستان میں لادین اشتراکیت سے جہاد کے بعد اب مجاہدین اپنی کرسی کے لئے "ذاتی جہاد" میں مصروف ہیں اور ہزاروں بے گناہ افغانستانی برہان الدین، حکمت یار، رشید دوستم اور احمد شاہ مسعود کی ہوس اقتدار کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں میں نذیر صاحب جیسے مخلص اور معصوم مسلمان کو کیا جواب دیتا جن کا دل اب بھی ان کے دماغ سے زیادہ

فعال اور سرگرم ہے

حیدر آباد میں جماعت اہلحدیث کا بہت بڑا حلقہ ہے اور بڑی حد تک فعال اور حساس افراد ہیں ہم صبح کو وادی حدیث کا اہلحدیث مدرسہ دیکھنے گئے جس کی بلڈنگ بہت وسیع اور کشادہ ہے حال ہی میں تعمیر ہوئی ہے اور شاید کچھ تعمیراتی مرحلے ہنوز زیر تکمیل ہیں یہاں اساتذہ سے ملاقات ہوئی رحمانی صاحب نے طلبا، انتظامیہ، اساتذہ کی تعداد، نصاب تعلیم، قیام وطعام کے انتظامات، طلباء کے ہوسٹل اور اساتذہ کی قیام گاہ وغیرہ کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کیں۔ یہاں بھی جنوبی ہند کے دیگر مقامات کی طرح اہلحدیث اداروں پر جماعت اسلامی کی خفیہ و علانیہ یلغار ہوتی رہتی ہے یہ جماعت بیشتر ایک حریف تنظیم کے طور پر کام کرتی ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ سلفی افراد کو بے حوصلہ کیا جائے ان کے اداروں پر قبضہ کرکے یا ان کے مقابل اپنے ادارے قائم کرکے ملت میں اپنی اہمیت اور افادیت اور سلفیوں کی بے عملی یا بدنظمی کو اجاگر کیا جائے یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ خود سلفی برادری میں ایسے افراد مل جاتے ہیں جو اپنی جماعت کے مقابل اس برادری کے حلیف بن جاتے ہیں اس کا سبب خواہ جماعت میں ضبط و نظم اور حرکت و عمل کی کمی ہو یا خود ان حضرات کی جماعت اسلامی سے ذہنی مرعوبیت یہ بات بہر حال افسوسناک ہے اور تشویشناک بھی کہ ہمارے ذی علم اور ذہین افراد یوں اپنی جماعت سے بے گانہ ہو جائیں رحمانی صاحب کو اس سلسلے میں بہت تشویش رہتی ہے اور وہ مشتعل ہونے کی حد تک اس قسم کے لوگوں سے بازپرس کرتے ہیں جماعت اور مسلک کے بارے میں رحمانی صاحب کا رویہ ہمیشہ بے لچک رہتا ہے ان کے اندر جماعتی حمیت کا ایسا جذبہ ہے کہ اس بارے میں وہ کسی مصلحت یا مصالحت کے پابند نہیں ہو سکتے کسی نرمی یا مداہنت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کچھ لوگ ان کے اس غیر مصالحانہ موقف کو جارحیت شمار کرتے ہیں لیکن جن کے دل میں جماعتی حمیت زندہ ہے وہ رحمانی صاحب کے اس واضح اور غیرتمندانہ جماعتی جذبہ پر فدا ہیں۔ کئی لوگوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ آج کے دور میں جبکہ مصلحت اور مداہنت نے "مصالحت" کا نقاب اوڑھ رکھا ہے رحمانی صاحب کا دوٹوک اور بے لچک رویہ ہی جماعت کی بقا اور شناخت کا ضامن ہو سکتا ہے ہمارے اسلاف کی روایت یہی رہی ہے کہ کتاب وسنت کے مسئلہ اور عقیدۂ توحید کی تعبیر و تشریح کے معاملہ میں انہوں نے کبھی مبہم باتیں نہیں کیں اور نہ کسی سے مصالحت کی۔

رحمانی صاحب نے ایک صاحب پر جو جماعت اسلامی کے ادارے میں معلم ہیں کافی سخت گرفت کی کہ وہ اپنی جماعت کو چھوڑ کر غیر جماعتی اداروں سے وابستہ ہیں جماعت اسلامی کے ادارے وادی ہدیٰ کے تحت ایک ثانوی اسکول قائم ہے معلوم ہوا وہاں بھی کچھ جماعتی افراد موجود ہیں ملی اداروں میں ملازمت کرنا کوئی جرم نہیں ہے لیکن ایسی حالت میں جب کہ خود سلفی ادارے قحط الرجال کے سبب معطل ہو جانے کی حد تک سست رفتاری سے کام کرنے پر مجبور ہوں جماعت کے باصلاحیت افراد کا دوسری جگہ کام کرنا سلفی غیرت کے منافی معلوم ہوتا ہے افسوس یہ ہے کہ جماعتی تنظیم میں بھی ایسا کوئی رجحان نہیں پایا جاتا کہ وہ اپنے افراد کی "بازیافت" کے لئے کوئی پروگرام رکھتی ہے یا کوئی منصوبہ زیر غور ہے ان حالات میں الزام صرف ان افراد پر ہی نہیں عاید ہوتا جو اپنی صلاحیت کو دوسری جگہوں پر صرف کرنے پر مجبور ہیں سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ خود جماعت اور اس کی تنظیمیں ان افراد کو واپس لانے یا لینے میں کس حد تک سنجیدہ ہیں۔ تیسری دنیا کے ملکوں میں ایک مسئلہ برین ڈرین (عالی دماغ افراد کی غیر ملکوں کو روانگی) کا بھی ہے مدت سے یہ مسئلہ خاصا تشویشناک صورت اختیار کر چکا ہے ہندوستان اور اس جیسے ترقی پذیر ملکوں کے نوجوان اپنے وطن میں اعلیٰ سائنسی، تکنیکی اور طبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد امریکہ، یورپ یا خلیج کے ممالک میں نوکری کی تلاش میں چلے جاتے ہیں اور چونکہ اپنے وطن میں نہ تو انہیں اچھی تنخواہیں ملتی ہیں نہ ترقی کے مواقع ہیں نہ اپنا کام پُر منفعت انداز میں کرنے کی آسانیاں ہیں اس لئے اکثر نوجوان باہر چلے جاتے ہیں اور ملک ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہو جاتا ہے یہ لوگ تعلیم و تربیت اپنے ملک میں حاصل کرتے ہیں جہاں ان پر سرکاری رقم صرف ہوتی ہے لیکن جب ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار آنے کا وقت آتا ہے تو بہتر مواقع کی تلاش میں یہ لوگ ہجرت کر جاتے ہیں اور دوسرے ممالک ان کی ہنرمندی اور صلاحیت سے مستفید ہوتے ہیں گویا ان غریب ملکوں کو دوہرا نقصان ہوتا ہے۔ اس صورت حال کو بدلنے کے لئے ہندوستان اور دیگر ممالک نے اپنے یہاں ان افراد کو کھپانے اور باہر جانے سے روکنے کے لئے ملازمتوں کے بہتر مواقع، اچھی تنخواہوں، ترقی اور دیگر سہولیات کی فراہمی کے لئے اقدامات کئے ہیں اگرچہ یہ آسانیاں

اور مواقع ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے کی تو نہیں ہیں تاہم کچھ نہ کچھ بہتری ہوئی ہے اور ہنرمند و باصلاحیت افراد میں اپنے وطن میں ہی اپنی صلاحیتوں کو روبہ عمل لانے اور اہل وطن کی خدمت کا جذبہ بیدار کرنے میں اس سے مدد ملی ہے اگر ہماری جماعت اس کی تنظیمیں اور ادارے بھی اس انداز سے سوچیں اور اپنے باصلاحیت افراد کو "باہر" جانے سے روکنے کے لئے کوئی موثر منصوبہ تیار کریں تو جماعت اپنے ان جگر گوشوں کو "انحراف" سے روک سکتی ہے۔

۲۰ر دسمبر کو پیر کا دن تھا اور ہمارا پروگرام عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری جانے کا تھا جہاں رحمانی صاحب کو ایک مخطوطے کی تلاش تھی لیکن اس سے قبل شام کو آندھرا کے وزیر برائے اعلیٰ تعلیم کا انتقال ہو گیا اور سرکاری اداروں میں تعزیتی چھٹی کردی گئی اس لئے یونیورسٹی جانے کا ہمارا پروگروم بھی ملتوی ہو گیا بہرحال وادی حدیث سے واپس آئے تو ڈاکٹر احتشام انصاری صاحب آگئے جو اپنا ادارہ فکر آخرت رحمانی صاحب کو دکھانا چاہتے تھے ڈاکٹر انصاری میڈیسن میں ایم ڈی ہیں اور ان کا اپنا کلینک ہے اس کے علاوہ ان کے خاندان کی ایک بڑی کمپنی بھی حیدر آباد میں ہے جو بڑے پیانہ پر پتھر کٹی کا کاروبار کرتی ہے معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے والد مرحوم جو غالبًا انجینئر تھے سلفی مسلک سے وابستہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی توفیق دی کہ جی جان سے مسلک حق کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم ہو گئے ان کے بعد ان کے بلند اقبال صاحب زادگان نے یہ کام سنبھالا ڈاکٹر انصاری کی نگرانی میں بچوں بچیوں کا ایک مدرسہ جاری ہے اور آئندہ سال سے اس میں مزید توسیع کا پروگرام ہے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ فکر آخرت کے نام سے ایک جریدہ بھی شائع کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں رحمانی صاحب نے ان کے مدرسے کا معائنہ کیا مدرسہ کی عمارت ابھی صحیح طور سے نہیں بنی ہے کلاسیں منتشر ہیں اساتذہ سب مرد ہیں جبکہ زیر تعلیم طالبات کی بڑی تعداد ہے رحمانی صاحب نے اس پر خاص طور سے ڈاکٹر صاحب کو توجہ دلائی کہ نوخیز لڑکیوں کو جوان العمر اساتذہ آمنے سامنے بیٹھ کر تعلیم دیتے ہیں یہ طریقہ شرعی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے مخدوش ہے لڑکیوں کے لئے استانیاں ہونی چاہئیں اور ان کی تعلیم کا بندوبست بھی علاحدہ ہونا چاہئے دراصل یہ مدرسہ دینی جذبہ اور ولولہ کے تحت فوری طور پر قائم کیا گیا ہے ایک مدرسہ کے لئے پلاننگ، بلڈنگ، نصاب، اساتذہ کے انتخاب، بہتر تعلیمی ماحول جیسی بنیادی ضروریات پر کماحقہ توجہ نہیں دی جاسکی ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ آئندہ سال سے وہ مدرسے کے نظم اور کارکردگی میں بنیادی تبدیلیاں لائیں گے مدرسے سے روانہ ہو کر ڈاکٹر صاحب کے مکان پر پہنچے جو جدید طرز کا آراستہ پیراستہ خوبصورت بنگلہ ہے اس کی نفاست اور سلیقہ مندی دیکھ کر جی خوش ہوا جنوبی ہند کے مسلمانوں میں تمول کی ساتھ سلیقہ اور نفاست پسندی بھی ہے شمالی ہند کے مسلمانوں میں بھی یہ چلن عام ہوا ہے مکان پر ڈاکٹر صاحب کے بڑے بھائی صاحب سے ملاقات ہوئی رحمانی صاحب سے بڑے احترام اور عقیدت سے ملے اور کئی دینی مسائل پر سوالات کرتے رہے۔

یہاں سے ہمیں ڈاکٹر صاحب گولکنڈے کا قلعہ دکھانے لے گئے یہ جگہ ان کی رہائش سے بہت زیادہ فاصلے پر نہیں ہے تھوڑی ہی دیر میں ہم وہاں پہنچ گئے ڈاکٹر صاحب ازراہ کرم ٹکٹ بھی خود ہی لے آئے سب سے پہلے ہم گولکنڈہ کے شاہی قبرستان میں پہنچے جو آج بھی ہیبت وعبرت کا نمونہ پیش کرتا ہے نیم تاریک محرابوں کے درمیان یہاں وہ لوگ دفن ہیں جنہوں نے کبھی اس سرزمین پر حکومت کی ہے جو اپنی زندگی میں "ظلّ الہٰی" "جہاں پناہ" اور "عالم پناہ" کہلاتے تھے آج وہ دبدبہ، طنطنہ وہ جبروت وجلال کہاں ہے وہ قلعہ جہاں ان کی نوبت بجتی تھی آج کھنڈر بن چکا ہے وہ محلات جن میں کبھی پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا آج ساحوں کے لئے تماشاگاہ بن گئے ہیں نگاہ عبرت بیں کے لئے اس میں ہزاروں سبق پنہاں ہیں

پردہ داری می کند برقصر قیصر عنکبوت
چغد نوبت می زند بہر گنبد افراسیاب

ان کھنڈروں کو دیکھئے تو تخیل کچھ دیر کے لئے ماضی کی عظمتوں کے سنہری دور میں پہنچ جاتا ہے احساس ہوتا ہے کہ ع

کبھی ہم نے بھی کی ہے حکمرانی سارے عالم پر

اقبال نے گورستان شاہی میں دنیا کی اسی عبرت سامانی کی تصویر کھینچی ہے ان کے دل کا سارا سوز اور درد ان کی اس طویل نظم میں بھرا ہوا ہے آخری بند میں فرماتے ہیں

دل ہمارے یاد عہد رفتہ سے خالی نہیں
اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں

اشکباری کے بہانے ہیں یہ اجڑے بام ودر
گریۂ پیہم سے بینا ہے ہماری چشم تر
دہر کو دیتے ہیں موتی دیدۂ گریاں کے ہم
آخری بادل ہیں اک گزرے ہوئے طوفاں کے ہم
ہیں ابھی صدہا گہر اس ابر کی آغوش میں
برق ابھی باقی ہے اس کے سینۂ خاموش میں
وادیِ گل خاک صحرا کو بناسکتا ہے یہ
خواب سے امید دہقاں کو جگا سکتا ہے یہ
ہو چکا گو قوم کی شان جلالی کا ظہور
ہے ابھی باقی مگر شان جمالی کا ظہور

(گورستان شاہی) بانگ درا

اقبال نے یہ نظم آج سے تقریباً ۸۰، ۸۵ سال قبل لکھی تھی اس وقت ہندوستان پر برٹش سامراج کا سیاہ سورج ظلمت افشاں تھا کسے معلوم تھا کہ حالات ایسا رخ اختیار کریں گے کہ منفی سیاست ہندوستان میں نفرت ومغائرت کی فصل بوئے گی اور ہم (منقسم ہندوستان یعنی بھارت کے) مسلمان اس کے زہریلے اثرات کا شکار ہوں گے اس قوم کی شان جلالی کی حکایتیں تو اب تاریخ کی ان کتابوں میں دفن ہوگئیں جسے فسطائی ذہن نے نیا رنگ دے کر مرتب ومدون کیا ہے اب اس بدنصیب قوم کی شان جمالی کا ظہور کہاں ہوگا کم از کم اس سرزمین پر تو نہیں جہاں مسلم لیگ نے اپنی بے بصیرتی سے اسلام کے بڑھتے قدم روک دئے ہندو مسلم افتراق پیدا کیا ملک تقسیم کرایا بابری مسجد منہدم کی گئی اور اب مسلمانوں کو "محمدی ہندو" بنائے جانے کی مہم کی تیاری ہورہی ہے اللہ رحمت کرے ابوالکلام آزاد پر انہوں نے بڑے درد سے کہا تھا کہ سیاسی کشمکش نے نفرت کا جو ماحول پیدا کردیا ہے اس نے ملک میں دین کی تبلیغ واشاعت کے سارے امکانات مسدود کردئے ہیں کاش مسلمان اپنے عہد کے اس عظیم مفکر، سب سے بڑے عالم اور کتاب وسنت کی گہری بصیرت رکھنے والی نابغہ روزگار شخصیت کی بات سن لیتے جذبات فروشوں کے دام ہم رنگ زمیں میں نہ پھنستے تو بلاشبہ اس قوم کی شان جمالی کے ظہور کا یہی دور ہوتا اقبال کو جس مرد مومن اور انسان کامل کی تلاش تھی وہ مسلم لیگ کی بے بصیرت قیادت کی صفوں میں نہیں تھا اگر وہ پہچان سکتے تو ترجمان القرآن اور الہلال کی تحریروں میں انہیں اس کا پتہ مل جاتا کاش علامہ اسے دیکھ سکتے پہچان سکتے! یہ کیسی عبرت کی بات ہے کہ امت نے اس جلیل القدر عالم کی بات نہیں سنی جو قرآن وسنت کی بنیاد پر اتحاد واتفاق اور انسان دوستی کی بات کہتا تھا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگئی جو اپنی مکروہ خواہشات کی تکمیل کے لئے افتراق وانتشار کے نعرے لگاتے تھے اور جذبات فروشی کرتے تھے اب اگر امت قرآن وسنت کے درس کو نظر انداز کرنے کی سزا بھگت رہی ہے تو اس کا الزام اپنے سوا کسی اور کو کیسے دے سکتی ہے ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ۔

نذیر صاحب مجھے قلعہ دکھانے لے گئے رحمانی صاحب اور ڈاکٹر صاحب باہر ہی ٹھہرے قلعہ اتنی بلندی پر ہے کہ اس پر چڑھنا بھی ہمت کا کام ہے ہم تھوڑی دور تک اوپر گئے پھر ہمت نے جواب دے دیا نذیر صاحب نے بتایا کہ قلعہ میں ایسا انتظام تھا کہ اندرون قلعہ سے تالی بجائی جاتی تو اس کی بازگشت صدر دروازے پر اس طرح ہوتی تھی کہ درمیان میں کہیں اور اس کی آواز یا گونج سنائی نہیں دیتی تھی یہ دفاعی طرز کا طلسماتی اور پر اسرار سسٹم دشمنوں کے حملے سے آگاہی دینے کے لئے تیار کیا گیا تھا قلعہ کی اونچی فصیلوں پر نگہبان مامور رہتے تھے اور خطرے کے وقت قلعہ کے محافظوں کو اس پر اسرار تالی کے ذریعہ بروقت ہوشیار کردیتے تھے قلعہ اگرچہ اب صرف کھنڈر ہے تاہم اس کا شکوہ اور ہیبت اب بھی برقرار ہے کچھ عمارتیں ابھی تک صحیح وسالم ہیں اور اپنے دلکش نقش ونگار کا صدیوں کا ورثہ لئے کھڑی ہیں صدر دروازے پر شوکیس میں اس دور کے سکّے اور ہتھیاروں کے دستے وغیرہ رکھے ہوئے ہیں جنہیں ہر وقت سیاحوں کی بھیڑ گھیرے رہتی ہے یہاں سے واپسی پر ڈاکٹر صاحب عثمان ساگر دکھانے لے گئے اس کا پانی اہل حیدرآباد کی ضروریات کا کفیل ہے اس وقت یہ دریا کچھ پایاب سا دکھائی دیا۔

بعد نماز مغرب مسجد اہلحدیث اے سی گارڈس میں رحمانی صاحب کے خطاب کا اعلان ہوا تھا نماز مغرب وہیں پڑھی یہ جگہ دولت آصفیہ کے عرب سپاہیوں کی چھاؤنی تھی یہاں اب بھی بہت سے عرب خاندان آباد ہیں اگرچہ اب یہ چھاؤنی نہیں ہے لیکن عربی اثرات آج بھی موجود ہیں عرب سپاہیوں کی اولاد اپنے اجداد کے ورثہ کی کسی نہ کسی حد تک آج بھی پاسبانی کررہی ہے نماز مغرب میں نمازیوں کی بڑی تعداد

تھی رحمانی صاحب کے خطاب کے وقت پوری مسجد بھری ہوئی تھی انہوں نےدین سے مسلمانوں کی وابستگی' ان کے سماجی مسائل اوراسی کی ساتھ حیدر آباد میں غیرملکیوں کے ساتھ مسلمان لڑکیوں کی شادی سے متعلق پیدا ہونے والے اخباری اور قانونی تنازعات کا بھی تھوڑا سا حوالہ دیا تقریر ایک گھنٹہ کے قریب جاری رہی آخرمیں رحمانی صاحب نے ہاتھ اٹھاکردعا کی مسلمانوں کی عزت و آبرو' جان ومال اور ناموس کے تحفظ کے لئے اللہ سے عجز کے ساتھ دعا کی ساری مسجد آمین کی آواز سے گونج رہی تھی اور جذبات کا اضطراب ظاہر ہو رہا تھا جب تقریر ختم ہوئی تو عشاء کی اذان دی گئی اسی دوران چند نوجوانوں نے رحمانی صاحب سے سوال کیا کہ ہاتھ اٹھاکردعا مانگنے کا کیا ثبوت ہے؟ یہ نوجوان شاید کالج کے طالب علم تھے رحمانی صاحب نے انہیں بتایا کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعامانگنے کا ثبوت نہیں ہے لیکن اس کے علاوہ ہاتھ اٹھاکردعا مانگنے کے ثبوت موجود ہیں اور یہ اللہ کے حضور عجزو انکسار کا ایک طریقہ ہے۔(جاری)

بقیہ : ملاحظاتِ آزاد

کوئی اہمیت نہیں دی یہاں تک کہ موسیٰ اور عیسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی مخالفت اور انکار کی اذیت سے گذرے لہٰذا اب آخری پیغمبر کے لئے اس کے سوا اور کیا چارہ کار رہ گیا تھا کہ وہ آخری دلیل یعنی تلوار کا استعمال کرے۔(ص۔۲۰۶)

اسلام میں خدا کا جو تصور ہے اس کی بابت سمتھ لکھتا ہے۔

خدا کے بارے میں محمد کا جو تصور ہے وہ ایک ایسے خدا کا نہیں ہے جس سے خالق کائنات کی حیثیت سے مخلوق ایسی محبت کرے کہ وہ اس میں جذب اور فنا ہو جائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کو مانتے ہیں اس سے ڈرتے ہیں اس کی تعظیم اور اطاعت کرتے ہیں ' ایسی عبادت واطاعت جو شاید یہودیوں اور عیسائیوں نے کبھی کی ہو تاہم مسیحی یا یہودی اصطلاح میں محبت خداوندی کا جو مفہوم ہے وہ اس تک نہیں جاتے(ص۔۲۰۶)

مسلمانوں کی فتوحات کے بارے میں سمتھ اعتراف کرتا ہے

اگرچہ عرب نیم وحشی تھے تاہم جن ممالک کو انہوں نے فتح کیا وہاں کے باشندے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے کہ ان کے فاتحین ظالم اور سفاک نہیں تھے۔(ص۔۲۰۶)

تاریخ ہند

اکبر نے دین الٰہی ایجاد کیا اور بادشاہ کے لئے سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا گیا جہانگیر کے دور میں بھی یہ مذموم رسم جاری رہی۔ شاہی آداب (کورنش) کے تین طریقے تھے۔ تسلیم' سہ تسلیم' آئین سجدہ۔ شاہ جہاں نے تخت نشین ہو کر جو سب سے پہلا حکم صادر کیا وہ آئین سجدہ کو منسوخ کرنا تھا اس کے ساتھ زمین بوسی کی بھی ممانعت کردی گئی۔ اس کے بجائے تسلیم چہار گانہ کی رسم شروع ہوئی (مآثر الامراء صمام الدولہ شاہنواز خاں) حواشی (ص۔ ۳۷۴)

دارا شکوہ پسر شاہ جہاں کا منصب شصت ہزاری تھا اور اس کی تنخواہ ۲ کروڑ سات لاکھ پچاس ہزار روپیہ تھی۔(مآثر الامراء)

قاضی عبدالوہاب کے صاحبزادے شیخ الاسلام قاضی عسکر تھے ان سے حیدر آباد کی مہم کے بارے میں رائے (فتویٰ) طلب کی گئی انہوں نے بادشاہ کی مرضی کے خلاف جواب دیا کہ مسلمانوں سے جنگ جائز نہیں ہے۔(مآثر الامراء)

دکن میں صدر اعظم کے منصب کے لئے پیشوا کا لفظ استعمال ہوتا تھا مرہٹوں نے یہ اصطلاح اختیار کی اور مرہٹہ وزیر اعظم کو پیشوا کہا جانے لگا۔(مآثر الامراء)

ایک اہم اعلان

ادارہ "التوعیہ" محدثِ عصر علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ کی سوانح حیات اور خدمات پر عنقریب ماہنامہ "التوعیہ" کا خاص نمبر شائع کرے گا جو اس عظیم المرتبت ہستی کی سوانح حیات' علمی کارناموں اور جماعتی وملی خدمات پر ایک مستند دستاویز ہوگی انشاء اللہ!

اس سلسلے میں ہم ان کے تلامذہ' مستفیدین و متوسلین اور جملہ عقیدت مندان سے گزارش کرتے ہیں کہ ان کے پاس علامہ مبارک پوری رحمہ اللہ کے جو مکاتیب' فتوے اور تحریریں ہوں' اصلی یا ان کی فوٹو کاپی ادارہ التوعیہ کو بھیج کر ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔ ادارہ اس علمی تعاون پر ان کا شکر گزار ہوگا۔

نوٹ : فوٹو، زیراکس اور ڈاک وغیرہ کے مصارف کی ادائیگی ادارہ التوعیہ کرے گا۔

مدیر "التوعیہ"

۱۶۱۸ سی- سبجو گاباڑی نئی دہلی ۵ ۱۱۰۰۲۶

فون : ۶۸۳۲۷۴۰ - فاکس : ۶۸۳۹۵۳۸

ڈاکٹر رابرٹ ڈی کرین

امریکہ اور اسلام

ڈاکٹر رابرٹ ڈی کرین امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن کے مشیر برائے امور خارجہ کے عہدے پر فائز تھے۔ وہ صدر امریکہ کو مذہبی امور میں بھی مشورہ دیتے تھے اور امریکہ کی نیشنل سیکورٹی کونسل کے ڈپٹی ڈائرکٹر بھی تھے ڈاکٹر کرین نے ہارورڈ کے لاء اسکول سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں آج کل واشنگٹن میں "امریکن مسلم کونسل" کے ڈائرکٹر ہیں۔ انھوں نے ۱۹۸۰ء میں اسلام قبول کیا تھا اس وقت وہ بحرین میں تھے سعودی گزٹ کے نمائندہ جناب مقبول احمد سراج نے ڈاکٹر کرین سے انٹرویو لیا تھا جس کے اقتباسات مورخہ ۵ر نومبر ۱۹۹۳ء کو اس اخبار میں شائع کئے گئے ان کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے

سوال :۔ امریکہ میں مسلمانوں کے بارے میں عام تاثر کیا ہے؟

جواب :۔ مسلمانوں کو عام طور پر تشدد پسند سمجھا جاتا ہے۔ وہ قدامت پسند اور عورتوں پر زیادتی کرنے والے بھی سمجھے جاتے ہیں مسلم بنیاد پرست دوسروں پر اپنی رائے تھوپتے ہیں اور یہ غلط فہمی بھی ہے کہ اسلام میں مذہبی آزادی نہیں ہے۔ اگر کوئی مسلمان نہ رہنا چاہے (مرتد ہو جائے) تو اس کے لئے موت کی سزا ہے۔

سوال :۔ مسلمان کس طرح ان غلط فہمیوں کا ازالہ کر سکتے ہیں؟

جواب :۔ جزوی طور پر یہ مسئلہ اس طرح حل ہو سکتا ہے کہ مسلمان دیگر امریکیوں سے قریبی روابط رکھیں۔ انھیں اپنی الگ آبادیاں نہیں بنانی چاہئیں۔ مسلمان خواتین کو انگریزی زبان سیکھنی چاہئے وہ حجاب میں رہ کر بھی سماجی اور ملازمت کی ذمہ داریاں انجام دے سکتی ہیں۔

سوال :۔ مسلمانوں میں بیگانگی کی کیا علامتیں ہیں؟

جواب :۔ مسلمانوں میں مایوسی اور احساس کمتری ہے۔ غیر پاکستانی نسلی گروپ میں بیگانگی کا احساس زیادہ شدید ہے۔ مسلمانوں میں ذہنی الجھن کا ایک احساس یہ بھی ہے کہ دہشت گردی کے لئے مسلمانوں کو متہم کرنے کی سازشیں کی جاتی ہیں۔ ذرائع ابلاغ دہشت گردی کے اکا دکا واقعات کو ضرورت سے زیادہ اچھالتے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں میں بے چارگی کا احساس ابھرتا ہے اس مسئلے کا دوسرا رخ یہ ہے کہ مسلمانوں میں مذہبی طور پر احساس برتری کا جذبہ ہے۔ اس سے ان میں پندار اور غرور پیدا ہوتا ہے اس سے بھی ان میں بیگانگی پیدا ہوتی ہے۔

سوال :۔ امریکہ میں بنیاد پرستی کو دہشت گردی کے مترادف قرار دیا جاتا ہے اس کا عوام پر منفی اثر پڑتا ہے جبکہ بنیاد پرستی دوسروں کے مقابلے میں اپنے ہی فرقے کو زیادہ نقصان پہنچاتی ہے۔ ایسا کون کرتا ہے؟

جواب :۔ امریکہ میں میڈیا (ذرائع ابلاغ) کے کچھ عناصر اسلام کو بدنام کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ تاہم مسلمانوں کو کسی نے نہیں روکا کہ وہ مثبت انداز سے کام کر کے میڈیا کی ان نامسعود کوششوں کا جواب دیں۔ امریکہ میں قانون اس بارے میں زیادہ موثر نہیں ہے۔ ان کے پاس سائنسداں، انجینیئر اور ڈاکٹر ہیں۔ اس مقصد کے لئے انھیں ذرائع ابلاغ کے کارکنوں، عدالت اور قانون کے میدان میں کام کرنے والے افراد کی ضرورت ہے۔

سوال :۔ امریکی معاشرہ میں مسلمانوں کو کس قسم کے امتیازات کا شکار ہونا پڑتا ہے؟

جواب :۔ ہمیں حجاب میں رہنے والی ایک مسلم خاتون کے بارے میں شکایت ملی تھی۔ راہ گیر غنڈوں نے اس پر حملہ کیا اسے کتیا کہہ

کر گالی دی اور اسے کاٹ کھایا پولس بلائی گئی۔ وہ عورت پولس افسر سے انگریزی میں بات نہیں کر سکی۔ نو عمر غنڈوں نے اس پر حملہ کرنے کا الزام لگایا۔ پولس نے ان کی بات تسلیم کر لی اور اس عورت کو ہتھکڑی لگا کر لے گئے۔ اس کے علاوہ مذہبی اور نسلی تعصب بھی روزگار کے مساوی مواقع ملنے میں مشکلات پیدا کرتا ہے ایک مسلم امیدوار کو نوکری وغیرہ حاصل کرنے کے لئے دوسروں کے مقابلے میں دوگنی بہتر صلاحیت کا حامل ہونا پڑتا ہے۔ حجاب کی پابندی کرنے پر عورتوں کو اور داڑھی رکھنے پر مردوں کو ملازمت سے علیحدہ کرنے کی شکایات بھی ملتی ہیں۔ ایک خاتون نے اسلام قبول کرنے کے بعد جب حجاب اور ڈھیلا ڈھالا لباس اختیار کیا تو اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی سب نے سمجھا کہ وہ پیرس کے جدید ترین فیشن کو اپنا رہی ہے لیکن جب اس نے اعلان کیا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے تو اس پر مصیبتیں ٹوٹ پڑیں اور انجام کار اسے ملازمت سے علاحدہ کر دیا گیا۔

سوال :۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ میں مثالی اسلام کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے؟

جواب :۔ امریکہ میں مثالی اسلام پر عمل کرنا ممکن ہے معاشرہ میں فساد کے آثار ہیں۔ عیسائی شائستگی اور تہذیب کے بنیادی اصولوں کی بحالی کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ ادارے، ذرائع ابلاغ، عدالتیں اور تعلیمی ادارے سب سیکولر ہیں۔ ابتدا میں کچھ باتیں مثلاً شراب سے مکمل اجتناب، ضوابط اور شعائر کی دیگر شدید پابندیاں، امریکیوں کو اپنی طرف راغب نہیں کر پائیں گی اس لئے ان مسائل میں مرحلہ وار پیش رفت مناسب ہوگی لیکن جنت جہنم، سزا اور جزا کا عقیدہ امریکن عوام تسلیم کرتے ہیں۔ انہیں ایک بامقصد زندگی کی تلاش ہے

سوال :۔ کیا آپ موجودہ سسٹم سے بیزاری کی علامتیں پاتے ہیں؟

جواب :۔ اس سسٹم سے بیزاری کی سب سے نمایاں علامت یہ ہے کہ روس ہیروٹ (امریکہ کے سابق امیدوار صدارت جو کلنٹن کے مقابلے میں ہار گئے) صدر امریکہ مسٹر کلنٹن سے زیادہ مقبول ہیں پارٹی سسٹم کے خلاف بغاوت ہو رہی ہے لوگ اس سرمایہ داری سے بھی بیزار ہو رہے ہیں جس سے ایک لالچی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ سیاست اور سسٹم سے بھی عوام کا اعتماد اٹھتا جا رہا ہے۔

سوال :۔ آپ کو اسلام کی طرف کس چیز نے راغب کیا؟

جواب :۔ میں نے ۱۹۸۰ء میں کلمۂ شہادت پڑھا۔ اس وقت میں حکومت بحرین کا مشیر برائے بجٹ (بجٹ ایڈوائزر) تھا میں ۲۱ سال کی عمر سے اسلام کا مطالعہ کر رہا تھا۔ حکومت بحرین نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسلام کے بارے میں کتاب لکھوں۔ اس کے لئے میں نے اسلام کا مزید گہرائی سے مطالعہ کیا اور اسی کتاب کی تالیف کے دوران میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔

اعلامیہ بابت التوعیہ نئی دہلی
مطابق فارم نمبر ۴ رجسٹریشن و نیوز پیپر ایکٹ

نام رسالہ	: التوعیہ
زبان	: اردو
نوعیت	: ماہنامہ
مقام اشاعت	: ۴۱۶ سی۔ سجوگا بائی نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
پرنٹر پبلشر	: محمد الیاس سلفی
قومیت	: ہندوستانی
پتہ	: ۴۱۶ سی۔ سجوگا بائی نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
ایڈیٹر	: رفیق احمد سلفی
قومیت	: ہندوستانی
پتہ	: ۴۱۶ سی۔ سجوگا بائی نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
ملکیت	: اسلامک ریسرچ اکیڈمی

۴۱۶ سی۔ سجوگا بائی نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

میں محمد الیاس سلفی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا معلومات میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں۔

دستخط

محمد الیاس سلفی

دوہے

اطہر نقوی

مسجد توڑی ظلم سے ' دیپ دھرم کا دیا بجھائے　　کہت کبیر سنو بھئی سادھو یہ ہے گھور انیائے

مہا پرش اب سارے اٹھ گئے ' بیٹھ کے ان کو روئے　　صدیاں بیتیں تب کہیں اک گاندھی پیدا ہوئے

ہندو روئے، مسلم روئے، روئے سکھ، عیسائی　　کیسا دکھ کا سورج چمکا، کیسی چلی پروائی

دیش کی درگت دیکھ کے سوجھے نا تدبیر　　دکھ سے من کا پنچھی تڑپے نین بہائے نیر

ایسا گاہک چاہیۓ جو اونچے دام لگائے　　ستا کے بازار میں ہر کوئی بک جائے

کب تک سووے سیج پر ' کب تک یہ آرام　　بھور بھئی اب جاگ جا لے اللہ کا نام

ساری دنیا بیری ہوگئی ' اپنے ہوگئے غیر　　سچی باتیں کہنے والے، تیرے دم کی خیر

خون خرابہ دیکھ کے ہے من پہ ایسا بھار　　سانس چلے تو ایسا لاگے، جیسے لگے کٹار

نقوی جی کچھ تم بھی بولو چپ چپ کیوں ہو یار　　کیسے جیون کے دن بیتے کیسا لگا سنسار

ناری کی یہ عزت لوٹے بچوں کی مسکان　　کیسا پاپی کیسا نردئی یہ تیرا انسان

سمے کی دھارا سے بچھڑے تو ہوجاؤگے برباد　　وقت کے ساتھ بدلنا سیکھو ' کہہ گئے یہ آزاد

لوٹی مسجد سمرن کرکے کب تک بیٹھا روئے　　کہت کبیرا سن بھئی بندھو'اب روئے سے کیا ہوئے

بھلے کرم ہی کام آئیں گے،'نا یہ دھن نا پوت　　کہت محمد ہمرا آقا ' ہمرے رب کا دوت

روزی سب کو دیت ہے جگ کا پالنہار　　خالی ہاتھوں پھیر مت ' جو مانگے تیرے دوار

مایا کے اس موہ میں کیا بھاگے چاروں اور　　دھیان لگا کے سن ذرا' تجھے پکارے گور

جیوتی بجھ گئی نینا کی ' اور کیس بھئے کپاس　　اک دن وہ بھی آئے گا یہ ہاڈ رہے نا مانس

جیون کے اندھکار میں کاہے بیٹھا روئے　　دیپ جلا ایمان کا من اجیارا ہوئے

دشمن سے بھی کاہے جھگڑے،کاہے پیٹے ڈھول　　مانو کا من جیت لیں، پیار کے دو بول

دکھ سکھ تو ہیں دھوپ چھاؤں کیا ہانسے کیا روئے　　سکھ میں ہانسے'دکھ میں روئے'جیون اپنا کھوئے

ہری کرسی چھین لئی دیکھو اتیا چار　　سارے سادھو نیتا بن گئے نیتا کریں پکار

نیتا گھڑا بازار میں پوچھے سب کے نام　　جس کو ووٹر جان لے جُھک کے کرے سلام

باب الفتاویٰ

رفیق احمد سلفی

عیدین سے متعلق بعض استفسارات کے جوابات

عیدین کے خطبہ کی ابتدا

س :۔ بعض لوگ عیدین کے خطبہ کی ابتدا تکبیرات سے کرتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کرنا ثابت ہے اور کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے الحمدللہ کے علاوہ سے کسی خطبہ کی ابتدا کبھی کی ہے؟

ج :۔ کچھ لوگ عیدین کے خطبہ کی ابتدا تکبیرات سے کرتے ہیں لیکن اس کا کوئی شرعی ثبوت نہیں علامہ ابن قیم زادالمعاد میں فرماتے ہیں

"وکان یفتتح خطبه کلها بالحمد لله ولم یحفظ عنه فی حدیث واحد أنه کان یفتتح خطبتی العیدین بالتکبیر وإنما روی ابن ماجة فی سننه عن سعد القرظ مؤذن النبی صلی الله علیه وسلم أنه کان یکثرالتکبیر بین أضعاف الخطبة ویکثر التکبیر فی خطبتی العیدین وهذا لایدل علی أنه کان یفتتحهابه"

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سارے خطبے الحمدللہ سے شروع کرتے تھے آپ سے کسی حدیث میں یہ محفوظ نہیں کہ آپ عیدین کا خطبہ تکبیر سے شروع کرتے رہے ہوں ابن ماجہ نے اپنی سنن میں سعد القرظ سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن تھے روایت کیا ہے کہ آپ اثناء خطبہ میں بکثرت تکبیر کہتے تھے اور عیدین کے خطبہ میں بھی کثرت سے تکبیر کہتے لیکن آپ کا بکثرت تکبیر کہنا اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ آپ خطبہ کا آغاز بھی تکبیر سے فرماتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں

"ولیستفتح خطبتها بالحمد لله لأنه لم ینقل عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه افتتح خطبة بغیرها "

یعنی عید کا خطبہ الحمدللہ سے شروع کرنا چاہئے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے بغیر الحمدللہ کے کوئی خطبہ شروع کیا ہو۔

عیدین میں دو خطبہ

س :۔ کیا عیدین میں جمعہ کی طرح دو خطبہ دیا جانا چاہئے یا ایک خطبہ کافی ہوگا ابن ماجہ میں ایک روایت آئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

"خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم فطر أو أضحی فخطب قائما ثم قعد قعدة ثم قام "

اس روایت کی اسنادی حیثیت کیا ہے کیا اس روایت سے عیدین میں دو خطبہ پر استدلال صحیح ہے یا نہیں؟

ج :۔ بعض علماء جمعہ پر قیاس کرتے ہوئے عیدین میں بھی دو خطبہ کے قائل ہیں اس سلسلہ میں جتنی روایتیں آئی ہیں سب ضعیف ہیں۔

ابن ماجہ کی روایت درج ذیل سند سے مروی ہے

"حدثنا یحیی بن حکیم ثنا أبو بحر ثنا عبید الله بن عمرو الرقي ثنا إسماعیل بن مسلم الخولاني ثنا أبو الزبیر عن جابر "

اس سند میں دو راوی ابو بحر اور اسماعیل بن مسلم ضعیف ہیں نسائی نے بھی الصغریٰ میں اسے جابر سے روایت کیا ہے لیکن اس میں "یوم [illegible] أو أضحی" کا لفظ نہیں ہے۔

علامہ [illegible] روایت کے متعلق فرماتے ہیں۔

"منکر سندا ومتنا والمحفوظ أن ذالك في خطبة الجمعة ومن حدیث جابربن سمرة "

یعنی یہ روایت سند اور متن دونوں لحاظ سے منکر ہے محفوظ یہ ہے کہ یہ خطبہ جمعہ سے متعلق ہے اور جابر بن سمرہ سے مروی ہے خود ابن ماجہ نے اس کی تخریج "باب ماجاء فی الخطبۃ یوم الجمعۃ" میں کی ہے۔
(ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ رقم حدیث ۱۱۰۶)

لہٰذا اس روایت سے احتجاج صحیح نہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں
" لم يثبت في تكرير الخطبة شيئ"

یعنی عیدین میں دو خطبہ سے متعلق کوئی چیز صحیح سند سے ثابت نہیں۔

عید کی مبارکباد

س :۔ عیدین کی نماز کے بعد لوگ آپس میں ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد دیتے ہیں اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟

ج :۔ رسول اللہ علیہ وسلم سے عید کی مبارکبادی ثابت نہیں البتہ جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید کے دن جب صحابہ کرام آپس میں ملتے تو یہ الفاظ کہتے۔

"تقبل الله منا ومنك"

اللہ تعالیٰ ہم تم سب سے قبول فرمائے

حافظ نے فتح الباری میں اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ طبرانی نے کبیر میں حبیب بن عمر انصاری کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے حبیب کہتے ہیں میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے واثلہ سے عید کے دن ملاقات کیا تو میں نے " تقبل الله منا ومنك" کہہ کر انہیں عید کی مبارکبادی جواب میں انہوں نے بھی " تقبل الله منا ومنك " کہا ابن حبان نے حبیب کو ثقات میں ذکر کیا ہے لیکن ذہبی نے انہیں مجہول کہا ہے اور ہیثمی فرماتے ہیں

"و أبوه لم أعرفه"

یعنی ان کے باپ کو میں نہیں جانتا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے عید کی مبارکباد کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا

أما التهنئة يوم العيد يقول بعضهم لبعض إذا لقيه بعد صلاة العيد تقبل الله منا ومنكم وأحاله الله عليك ونحو ذالك فهذا قد روى عن طائفة من الصحابة أنهم كانوا يعملونه ورخص فيه الأئمة كأحمد وغيره

لكن قال أحمد أنا لا أبتدئ أحدا فإن ابتدأني أحد أجبته وذالك لأن جواب التحية واجب وأما الابتداء بالتهنئة فليس سنة مأمورا بها ولا هو أيضا مما نهي عنه فمن فعله فله قدوة ومن تركه فله قدوة- والله أعلم "

یعنی جہاں تک عید کے دن صلوٰۃ عید کے بعد " تقبل الله منا ومنكم وأحاله الله عليك " اور اس قبیل کے الفاظ کہہ کر ایک دوسرے کو مبارکباد دینے کی بات ہے تو صحابہ کی ایک جماعت کے متعلق یہ بات روایت کی جاتی ہے کہ وہ لوگ ایسا کرتے تھے احمد وغیرہ ائمہ نے بھی اس کی رخصت دی ہے لیکن احمد کا بیان ہے کہ میں کسی کو مبارکباد دینے میں پہل نہیں کرتا ہاں اگر کوئی پہل کرے تو میں جواب ضرور دیتا ہوں کیوں کہ تحیہ کا جواب واجب ہے البتہ مبارکبادی کی پہل کرنی کوئی ایسی سنت نہیں جو مامور بہا ہو اور نہ اس سے روکا ہی گیا ہے لہٰذا کوئی چاہے تو کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ واللہ اعلم۔

وفیات

قارئین کو انتہائی رنج والم کے ساتھ یہ خبر دی جارہی ہے کہ جمعیۃ اہل حدیث بھیلواڑہ کے سرگرم رکن محترم عبدالسلام صاحب سی ٹی آئی مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۹۴ء بروز اتوار شام کو ۶ بجے انتقال کرگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کی طبیعت سال ڈیڑھ سال سے مسلسل خراب چل رہی تھی ذیابیطس وغیرہ کئی امراض کے شکار تھے اپنی سروس کی آخری پوسٹ پر رتلام میں تھے وہیں انتقال ہوا۔

آپ کے پسماندگان میں آپ کے بڑے بھائی عبدالجبار صاحب کمپونڈر، آپ کی اہلیہ اور تین بچیاں ہیں موصوف کے انتقال سے جمعیۃ اہل حدیث راجستھان میں زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے قارئین سے نماز جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

غمزدہ
عبدالعزیز، امیر جمعیۃ اہل حدیث
غلہ منڈی بھیلواڑہ (راجستھان)

کھوٹے سکے

ابو عبدالرحمن

عیدین میں شب بیداری

من أحيا الليالي الأربع وجبت له الجنة ، ليلة التروية ، وليلة عرفة ، وليلة النحر ، وليلة الفطر۔

جو شخص چار راتیں بیدار رہ کر ذکر و عبادت میں گزارے گا جنت اس کے لئے واجب ہو جائے گی آٹھویں ذی الحجہ کی رات نویں ذی الحجہ کی رات دسویں ذی الحجہ کی رات اور عید الفطر کی رات۔

اس روایت کی تخریج نصر مقدسی نے جزء امالی (۱۸۶/۲) میں سوید بن سعید حدثنی عبدالرحیم بن زید العمی عن ابیہ عن وھب بن منبہ عن معاذ بن جبل کے طریق سے مرفوعاً کی ہے۔

سیوطی نے الجامع الصغیر میں اسے ابن عساکر کے طریق سے معاذ سے روایت کیا ہے۔ لیکن مناوی ان پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"قال ابن حجر في تخريج الأذكار : حديث غريب وعبد الرحيم بن زيد العمي أحد رواته متروك ، وسبقه ابن الجوزي فقال : حديث لا يصح وعبد الرحيم قال يحيى : كذاب ، والنسائي : متروك "

یعنی ابن حجر تخریج الأذکار میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کے رواۃ میں ایک شخص عبدالرحیم بن زید العمی ہے جو متروک ہے اور ان سے قبل ابن الجوزی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں عبدالرحیم کو یحییٰ نے کذاب اور نسائی نے متروک کہا ہے۔

علامہ البانی فرماتے ہیں

"وسويد بن سعيد أيضا ضعيف فالإسناد ظلمات بعضها فوق بعض "

یعنی اس کی سند میں سوید بن سعید بھی ضعیف ہے لہٰذا یہ سند "ظلمات بعضها فوق بعض" کے مصداق ہے۔

منذری نے ترغیب (۲/۱۰۰) میں جو روایت ذکر کی ہے اس میں پندرھویں شب کا بھی اضافہ ہے

طبرانی نے کبیر اور اوسط میں عبادۃ بن الصامت کے طریق سے ایک روایت ذکر کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

"من أحيا ليلة الفطر وليلة الأضحى لم يمت قلبه يوم تموت القلوب "

لیکن یہ روایت بھی موضوع ہے اس میں ایک راوی عمر بن ہارون بلخی ہے جسے ابن معین اور صالح جزرہ نے کذاب کہا ہے یہ روایت بقیہ بن الولید عن ثور بن یزید عن خالد بن معدان عن أبي أمامہ کے طریق سے بھی مرفوعاً وارد ہے جس کی تخریج ابن ماجہ (۵۴۲/۱) نے کی ہے یہ روایت بھی سخت ضعیف ہے۔

بقیہ سیئی التدلیس ہیں وہ کذابین سے اور وہ لوگ ثقات سے روایت کرتے ہیں اور پھر وہ کذابین کو ساقط کر دیتے ہیں۔

ابن قیم دسویں ذی الحجہ کی شب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"ثم نام حتى أصبح ولم يحي تلك الليلة ولا صح عنه في إحياء ليلتي العيدين شيئ "

یعنی پھر آپ سو گئے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور رات میں آپ نے شب بیداری نہیں کی اور آپ سے عیدین کی شب بیداری سے متعلق کوئی چیز صحیح نہیں۔

شکیل احمد اختر حسین

خبرنامہ

فلسطین

فلسطینیوں کا قتل عام

۲۵ر فروری ۱۹۹۴ء کو بروچ گولڈ اسٹین نامی ایک یہودی نے شہر ہیبرون کی مسجد ابراہیم میں صلاۃ فجر ادا کرتے ہوئے فلسطینیوں پر اپنی رائفل سے اندھا دھند فائرنگ کرکے ساٹھ سے زائد فلسطینیوں کو ہلاک اور متعدد کو زخمی کردیا قاتل امریکی نژاد نو آباد کار تھا جو گیارہ سال قبل یہاں آکر آباد ہوا تھا اور ربی میر کہانے کی دہشت پسند عرب مخالف تحریک "کاچ" کا سرگرم رکن تھا اطلاعات کے مطابق حادثہ کی رات مسلمانوں اور یہودیوں میں کچھ تکرار ہو گئی تھی جس کے بعد گولڈ اسٹین ایک پستول اور رائفل کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا اور عین صلاۃ کی حالت میں مصلیوں پر گولیاں چلا کر ان کے خون سے ہولی کھیلی عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ کچھ نمازیوں نے قاتل کو پکڑ لیا اور اسے پیٹ پیٹ کر ہلاک کردیا جب کہ فوج اس کی موت کو خودکشی قرار دے رہی ہے۔ فلسطینیوں کے اس قتل عام کی عالمی پیمانے پر شدید مذمت کی گئی ہے اور اسرائیل پر زور دیا گیا ہے کہ وہ فلسطینیوں کی حفاظت کے لئے موثر اقدامات کرے شام نے اس قتل عام کو امن مذاکرات میں رخنہ ڈالنے کی ایک سوچی سمجھی سازش قرار دیا ہے پی ایل او کے صدر یاسر عرفات نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ اسرائیلی فوج اس قتل عام میں پوری طرح ملوث ہے۔ جہاں ایک طرف اس وحشیانہ حرکت پر شدید رنج و غم کا اظہار کیا گیا وہیں دوسری طرف گولڈ اسٹین کے پڑوسی یہودیوں نے اس کی اس مذموم حرکت پر اظہار مسرت کیا اور فلسطینیوں کے خلاف نفرت و حقارت کے نعرے لگائے ایک یہودی طالب علم نے کہا کہ گولڈ اسٹین نے قابل ستائش و لائق عمل کارنامہ انجام دیا ہے۔

سعودی عرب

مقابلہ قراءت و حفظ قرآن

مکہ مکرمہ میں حفظ قرآن و تجوید کا تیرہواں بین الاقوامی مقابلہ منعقد ہوا اس مقابلۂ قراءت میں کل پانچ زمروں میں بارہ دنوں تک مقابلے ہوئے جن میں دنیا کے مختلف ممالک کے ۱۴۰ حفاظ و قراء نے حصہ لیا ایک پر شکوہ تقریب میں سعودی عرب کے مذہبی امور و اوقاف کے وزیر ڈاکٹر عبد اللہ عبد المحسن الترکی نے اپنے دست مبارک سے کامیاب ہونے والے حفاظ و قراء کے مابین انعامات تقسیم کئے تقسیم انعامات کی اس تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر ترکی نے قرآنی پیام کی ترویج و اشاعت کے لئے خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبد العزیز آل سعود کی گراں قدر خدمات کو بھرپور خراج تحسین پیش کیا ڈاکٹر ترکی نے اپنے خطاب میں یہ توقع بھی ظاہر کی کہ حفظ قرآن کے بین الاقوامی مقابلے صحیفہ آسمانی کے پیام ایمانی کو عام کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ تقریب میں اعلیٰ سعودی حکام علماء اور اسلامی ممالک کے سفراء نے شرکت کی۔

جنوبی افریقہ

قوم پرستوں و نسل پرستوں کی انتخابات میں شمولیت

جنوبی افریقہ کی قوم پرست سیاہ فام اور نسل پرست سفید فام تنظیمیں جو اپریل میں منعقد ہونے والے الیکشن کی مخالفت کر رہی تھیں انہوں نے اب اپنی مخالفت ترک کردی ہے اور انتخابات میں شرکت کرنے کے لئے خود کو الیکشن کمیشن سے رجسٹرڈ کرالیا ہے تاہم ان گروپوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ جنوبی افریقہ سے نسل پرستی کے خاتمہ کے بعد بھی اپنے لئے خود مختار یا آزاد ریاستوں کا اپنا مطالبہ بدستور جاری رکھیں گی۔ واضح رہے کہ اپریل میں ہونے والے عام انتخابات کے بعد جنوبی افریقہ سے نسل پرستی کا خاتمہ ہو جائے گا۔

بوسنیا ہرزیگوینا

بوسنیا و کروٹ معاہدہ

بوسنیا میں باہم متحارب تین گروپوں میں سے دو گروپ یعنی

بوسنیائی مسلمان اور کروشیائی ایک وفاق کے قیام پر رضامند ہوگئے ہیں اس معاہدہ پر بوسنیا کے وزیر اعظم کروشیا کے وزیر خارجہ اور بوسنیائی کروشیائی لیڈر نے دستخط کئے اس معاہدہ کی رو سے دونوں کی افواج ایک دوسرے میں ضم کردی جائیں گی ایک دو ایوانوں والی مجلس قانون ساز بنائی جائے گی جو بیرونی امور قومی دفاع اور تجارتی امور دیکھے گی اور صدر و نائب صدر کا انتخاب کرے گی نیز معاہدہ کے تحت دونوں گروپوں کے نمائندے باری باری صدر اور نائب صدر بنیں گے۔

صومالیہ

امریکی فوج کا انخلاء

امریکی محکمۂ دفاع نے اعلان کیا ہے کہ صومالیہ سے امریکی فوج کا انخلاء ۳۱ مارچ سے قبل ہی عمل میں آجائے گا البتہ محکمہ دفاع کے ایک ترجمان نے کہا ہے کہ سفارتی عملہ کی حفاظت کے لئے بحریہ کے تقریباً ۵۰ افراد اور اقوام متحدہ کی فورس سے تال میل قائم رکھنے کے لئے ۴۳ افسران صومالیہ میں ضرور رہیں گے واضح رہے کہ قحط اور خانہ جنگی کے شکار صومالیہ میں امریکی فوج ۹ دسمبر ۱۹۹۲ء کو داخل ہوئی تھی لیکن مقدیشو میں صومالی مسلح افراد سے ہوئی ایک لڑائی میں ۱۸ امریکی فوجیوں کی ہلاکت کے فوراً بعد امریکی صدر بل کلنٹن نے ۳۱ مارچ تک صومالیہ سے امریکی فوج کی واپسی کا اعلان کردیا تھا۔

برطانیہ

یورپی خواتین میں اسلام کی مقبولیت

یورپ میں بڑھتے ہوئے امتیازی برتاؤ اور جنسی بدسلوکی سے خواتین بہت دل برداشتہ ہیں اور روز بروز اسلام کی طرف ان کے میلان میں اضافہ ہورہا ہے اور واضح طور پر وہ یہ سمجھنے لگی ہیں کہ صرف مذہب اسلام ہی انہیں اس بحران اور بدسلوکی سے نجات دلا سکتا ہے اٹلی کی ایک خبر رساں ایجنسی نے اپنی ایک رپورٹ میں بتایا ہے کہ صرف گزشتہ دو سال میں بیس ہزار سے زائد تعلیم یافتہ برطانوی خواتین نے مغرب پر حاوی جنسی تفریق سے بیزار ہو کر اسلام قبول کرلیا ہے۔ لندن کے روزنامہ "ٹائمز" کے مطابق یورپی ممالک کی حالیہ مسلمان ہونے والی خواتین نے اسلام کے دین فطرت ہونے کو اپنے اسلام قبول کرنے کی وجہ بتائی ہے۔

یمن

ملک میں خانہ جنگی کا خطرہ

یمن میں شمالی اور جنوبی فوجوں کے درمیان لڑائی کی وجہ سے خانہ جنگی پھیلنے کا اندیشہ شدید تر ہوگیا ہے یہ لڑائی شمالی یمن کے لیڈر اور ملک کے موجودہ صدر علی عبداللہ صالح اور جنوبی یمن کے لیڈر اور ملک کے نائب صدر علی سالم البیض کی وفادار فوجوں کے درمیان ہو رہی ہے۔ مسٹر صالح کی قیادت والے مغرب نواز شمالی یمن نے ۱۹۹۰ء میں مسٹر البیض کے سوشلسٹ جنوبی یمن کے ساتھ خود کو ضم کرلیا تھا۔ اطلاعات کے مطابق یمن کے نائب صدر علی سالم البیض کی سوشلسٹ پارٹی نے متنبہ کیا ہے کہ اگر اردن میں ہوئے حالیہ سمجھوتے پر عمل درآمد نہیں ہوا تو دونوں خطوں کا یہ اتحاد ٹوٹ جائے گا اور ملک میں خانہ جنگی چھڑ سکتی ہے۔

ہندوستان

ایک اور رتھ یاترا

دوارکا پیٹھ کے جگت گورو شنکر آچاریہ سوامی سروپانند سرسوتی نے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں کہا ہے کہ وہ اجودھیا میں رام مندر کی تعمیر جلد شروع کرانے کے لئے ایک رتھ یاترا شروع کریں گے اس رتھ یاترا کا نام "دسرتھ کوشلیا یاترا" ہوگا اور جوناگڑھ سے اس کا آغاز ہوگا۔ یہ رتھ یاترا گجرات اور دیگر ریاستوں سے ہوتی ہوئی اجودھیا میں جاکر ختم ہوگی۔

پارلیمانی قرارداد

پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں جموں کشمیر میں دہشت گردوں کی سرگرمیوں اور علاحدگی پسند عناصر کی پاکستان کی جانب سے مسلسل حوصلہ افزائی اور امداد پر اپنا غم و غصہ ظاہر کرتے ہوئے پاکستان کے خلاف ایک قرارداد پیش کی گئی جسے تمام سیاسی پارٹیوں نے باتفاق رائے منظور کیا ہے اسپیکر شوراج پاٹل نے لوک سبھا میں اور کے آر نارائنن نے راجیہ سبھا میں یہ قراردادیں پیش کیں جن کا دونوں ایوانوں میں میزیں تھپتھپا کر خیر مقدم کیا گیا۔ قرارداد میں پاکستان سے دہشت گردی بند کرنے، ہندوستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے اور کشمیر کے ان علاقوں کو خالی کرنے کا جن پر اس نے قبضہ کر رکھا ہے مطالبہ کیا گیا ہے اس قرارداد میں ان اشتعال انگیز بیانوں سے گریز کرنے کا بھی مطالبہ کیا گیا ہے جنہیں پاکستان برابر جاری کرتا رہتا ہے اور خود پاکستان کے اندر حقوق انسانی کی جو پامالی ہو رہی ہے اس کا ذکر بھی اس قرارداد میں موجود ہے۔

ماہنامہ **التوعیة** نئی دہلی

اپریل ۱۹۹۴ء مطابق ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ

ایڈیٹر

جلد ۵ — رفیق احمد سلفی — شمارہ ۱۲

بدل اشتراک

خصوصی ممبر (سالانہ) ۰۰—۱۵۰ روپے

ہمدرد (سالانہ) ۰۰—۵۰۰ روپے

عام بدل اشتراک (سالانہ) ۰۰—۱۰۰ روپے

ششماہی ۰۰—۵۵ روپے

پاکستان و بنگلہ دیش

عام بدل اشتراک (سالانہ) ۰۰—۱۲۰ روپے

غیر ممالک سے

۳۵ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی

۳-C/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

AL-TAUIYAH Monthly

161/C-3 JogaBai

NewDelhi 110025

پرنٹر و پبلشر محمد الیاس سلفی نے جید پریس بلیماران سے چھپوا کر ماہنامہ "التوعیہ" ۳-C/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

فکر و نظر

ابن احمد نقوی

گاندھی جی اور دلت

گاندھی جی کو اگر ہم اپنی جدید تاریخ کی سب سے زیادہ مظلوم اور متنازعہ فیہ شخصیت کہیں تو بے جا نہیں ہوگا۔ یہ وہ شخصیت ہے جس نے اپنی زندگی کے لئے کچھ پاکیزہ اصول مرتب کئے اور تاعمران پر کمربستہ رہی۔ گاندھی جی کی عملی زندگی کا آغاز جنوبی افریقہ سے ہوا جہاں وہ ایک مسلمان سوداگر کے مقدمہ کی پیروی کرنے گئے تھے۔ جنوبی افریقہ اس وقت ہندوستان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں سب سے زیادہ گھناؤنے قوانین یعنی نسلی امتیاز کے شکنجہ میں جکڑا ہوا تھا۔ یوں تو گوری اقوام جہاں بھی اپنے استعماری قدم لے کر پہنچیں وہاں نسلی امتیاز کا ہی عمل دخل ہوا محکوم اور حکمراں کے درمیان کھلی تفریق اور امتیاز برتا جاتا تھا۔ خود ہندوستان میں بھی انگریزی دور میں بہت سے کلب اور دیگر مقامات تھے جن کے دروازوں پر نمایاں طور پر تختی لگی ہوئی تھی کہ "کتّے اور ہندوستانیوں کا داخلہ ممنوع ہے" کچھ علاقے اور سڑکیں بھی ایسی تھیں جہاں مقامی باشندوں (نیٹو) کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ گورے مجرموں پر مقدمات بھی گورے مجسٹریٹ کی عدالت میں ہی پیش ہوسکتے تھے ریل میں گوروں کے لئے ڈبے مخصوص ہوتے تھے جن میں کوئی معزز ہندوستانی بھی سفر نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن جنوبی افریقہ میں یہ امتیاز جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا گورے انگریز حاکم پاگل کتّوں کی طرح وہاں کے سیہ فام باشندوں اور دیگر رنگ دار شہریوں پر جھپٹتے تھے۔ گاندھی جی حال ہی میں انگلینڈ سے بیرسٹری کا امتحان دے کر آئے تھے۔ انہیں جب جنوبی افریقہ میں مقدمہ کی پیروی کی پیشکش کی گئی تو انہوں نے اسے ایک چیلنج سمجھ کر قبول کرلیا۔ جب وہ وہاں پہنچے تو زندگی کے تلخ ترین حقائق اور حوادث سے سابقہ پڑا اور انگریز قوم کا مسخ کردار انہوں نے وہیں دیکھا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو گھبرا کر بھاگ نکلتا۔ لیکن جواں العزم گاندھی نے وہاں کے ہندوستانیوں کو ان ستم رانیوں کے خلاف منظم کرنے کا بیڑا اٹھایا اور ایک طویل دشوار مگر امن پسندانہ و غیر متشدّدانہ جدوجہد کی داغ بیل ڈالی گئی وہاں ستیہ گرہ اور جدوجہد کامیاب ہوکر جب موہن داس کرم چند گاندھی ہندوستان لوٹے تو انہوں نے دیکھا کہ یہاں پہلے ہی سے انگریزی استعمار کے خلاف جدوجہد شروع ہوچکی ہے۔ بال گنگادھر تلک پہلے سے سوراج کا نعرہ لگا چکے تھے اور ملک کے بے تاج بادشاہ سمجھے جاتے تھے حسرت موہانی جیسے انقلابی بھی ان کی صفوں میں شامل تھے۔

گاندھی جی کے آنے پر تحریک آزادی کی قیادت کا پرچم ان کے ہاتھوں میں آگیا اور کچھ ہی عرصہ میں وہ ہندوستان کے "باپو" بن گئے انہوں نے شروع سے ہی اپنی تحریک کو "اہنسا" کی بنیاد پر چلایا یعنی تشدّد' خون خرابہ' فتنہ و فساد' بلکہ حکومت کے جبر کا مقابلہ کرنے کو بھی اپنی اہنسا وادی پالیسی سے خارج کردیا۔ پولس لاٹھیاں مارے تو خاموشی سے برداشت کرو نہ پولس کے ہاتھوں سے لاٹھیاں چھیننے کی کوشش کرو' نہ ان پر جوابی حملہ کرو' نہ ان کے آگے سے بھاگو۔ پسپائی اور فرار ان کے ہاں نہیں تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم عدم تشدّد (اہنسا) اور سچائی (ستّیہ) کی طاقت سے دشمن کو پسپا ہونے پر مجبور کردیں گے۔ ظلم و جور اور زیادتیاں برداشت سے باہر ہونے لگتیں تو ان کا برت شروع ہوجاتا تھا۔ احتجاج' جدوجہد اور لڑائی کا یہ نیا طریقہ تھا ایک عجیب و غریب تجربہ۔ گاندھی جی نے اپنی تحریک کو سیاست تک ہی محدود نہیں رکھا انہوں نے سیاست، معاشرت' مذہب' تعلیم اور ذات و کردار سب پر توجہ کی اور اصلاح و تطہیر کا ایک ہمہ جہتی عمل شروع کیا یہ سارے تجربے وہ اپنی ذات پر کرتے تھے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی شامل کرلیتے تھے۔ یعنی جب وہ برت رکھتے تو ان کے فدائی اور شیدائی بھی ان کے ساتھ ہوجاتے تھے۔

پدیا ترائیں خود کرتے تھے اور ساتھ میں ہزاروں رضاکار ان کے ساتھ ہوجاتے تھے۔ اہنسا کو انہوں نے اپنا عقیدہ بنالیا تھا بہت سے لوگ اس

سے متفق نہیں تھے خود جواہرلال نہرو بھی ان کی پالیسیوں سے اختلاف کرتے تھے کئی موقعے ایسے بھی آئے کہ سارے لیڈروں کے درمیان وہ تنہا رہ گئے کوئی ان کے موقف کی حمایت کرنے والا نہ ہوتا تھا لیکن وہ سب باتوں سے بے نیاز اپنے عقیدہ اور موقف پر اٹل رہتے تھے اور بالآخر سب کو ان کی بات کے آگے جھکنا پڑتا تھا۔ انہوں نے کھادی کو رواج دیا اور اس طرح برٹش استعمار کے اقتصادی غلبہ کو توڑنے کی کامیاب کوشش کی انہوں نے سماج کی اصلاح کے لئے قدم اٹھایا اور اچھوتوں کو اس گھناؤنے نسلی امتیاز سے بچانے کی جدوجہد کی جو اپنی سنگینی، سفاکی اور شدّت میں جنوبی افریقہ کے نسلی قوانین سے بھی ہزار گنا بڑھ کر تھا۔ اسے مذہبی تقدیس بھی عطا کردی گئی تھی اور کسی کو اس کے خلاف بولنے کا یارا نہیں تھا گاندھی جی نے برہمنی سماج کے اس ہزاروں سال پرانے دستور کو ختم کرنے کے لئے بھی برت رکھے انہوں نے اچھوتوں کو ہری جن یعنی خدا کے (محبوب) بندے کا لقب دیا اور پہلی بار ہندو سماج میں انسانوں کے درمیان تفریق ختم کرنے کی ایک منظّم تحریک شروع کی گئی اس سے پہلے بنگال میں راجہ رام موہن رائے نے بھی اصلاحی تحریک کے ذریعہ ہندو سماج کو سدھارنے کی جدوجہد کی تھی اور ان کی کوششوں کا عظیم الشان کارنامہ ستی کی ظالمانہ رسم کو قانوناً ممنوع قرار دیا جانا تھا۔ انہوں نے سماج سے چھوت چھات ختم کرنے کی کوشش بھی کی اور ہندو معاشرہ میں ایک نئی تنظیم "برہمو سماج" کے نام سے قائم کی جس میں بت پرستی، چھوا چھوت' اور ہندو سماج میں ہزاروں سال سے پھیلی بہت سی برائیوں سے اجتناب کیا جاتا تھا راجہ رام موہن رائے کی تحریک بنگال میں کامیابی سے چلی لیکن شمالی ہند میں اس کے اثرات بڑی حد تک موہوم ہی رہے یہاں برہمنیت کا شکنجہ پوری طرح جما ہوا تھا۔ ان حالات میں گاندھی جی کی اچھوتوں یعنی ہریجنوں کو ہندو سماج میں مساوات اور عزت کا مقام دلانے کی جدوجہد یقیناً ایک انقلابی قدم تھا۔ مگر ہزاروں سال کا قائم شدہ برہمنی نظام اتنی آسانی سے نہیں ٹوٹ سکتا تھا۔ خود گاندھی جی کے بہت سے پیروکار جن میں بڑی تعداد برہمنوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی تھی اس تحریک میں گاندھی جی کے مخالف تھے اور کسی طرح اپنی "مہان مقامی" سے دستبردار ہونے کو آمادہ نہیں تھے۔ گاندھی جی نے اس مسئلہ میں بھی اپنے آزمودہ حربے یعنی "برت" کا سہارا لیا کیوں کہ یہی ان کا آخری ہتھیار تھا۔ وہ ہر بات عدم تشدد کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتے تھے جبکہ بہت سے لوگوں کو یقین تھا کہ گاندھی کا فلسفہ عدم تشدد انسانی فطرت کے خلاف ہے اور ناکام ہو جائے گا۔ اقبال نے کہا۔

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

لیکن گاندھی جی نے اپنی جدوجہد ترک نہیں کی۔ وہ خود بھنگی کالونی میں جاکر مقیم ہوئے اور نسلی تفریق و امتیاز کو ختم کرنے کا عملی سبق دیا اس طرح وہ لوگ جو گاندھی وادی تھے اور انہیں اپنا سیاسی اور روحانی مرشد مانتے تھے مجبور ہوئے کہ اس بستی میں جائیں جہاں ان کے آباؤ اجداد جانے یا گذرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ گاندھی جی نے خود شکنی کا یہ انداز اس لئے اختیار کیا تاکہ نسلی برتری کے غرور اور پندار کو ختم کیا جاسکے۔ وہ خود چھوٹے سے چھوٹا کام کرتے تھے اور دوسروں سے بھی کرا لیتے تھے پنڈت بشمبھر ناتھ پانڈے سابق گورنر اڑیسہ جو گاندھی جی کے بہت قریب رہے اور آج ہندوستان کے معروف وسیع القلب اور بالغ نظر مورخین میں شمار ہوتے ہیں انہوں نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ وہ ۱۸، ۲۰ سال کی عمر کے تھے جب گاندھی جی کی خدمت میں ان کے آشرم میں پہنچے۔ گاندھی جی نے آشرم کے نگراں کو طلب کیا اور کہا دیکھو! یہ لڑکا برہمن ہے اسے آشرم کے بیت الخلا صاف کرنے کے کام پر لگادو۔ یہ آج سے کم وبیش ساٹھ سال پہلے کی بات ہے۔ آج صورت حال اس قدر بدل چکی ہے کہ ساٹھ سال قبل اس کا تصور بھی آسان نہیں تھا لیکن گاندھی جی نے ایک معزز برہمن خاندان کے چشم وچراغ کو اس کام پر لگادیا جس کے لئے ہندوؤں کے دوسرے پسماندہ طبقے بھی راضی نہ ہوتے خود شکنی کا یہی انداز تھا جس کے ذریعہ انہوں نے پندار کو توڑا اور انسانیت کو فروغ دیا۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ گاندھی جی اپنی اس تحریک میں اتنے کامیاب نہیں ہوئے جتنے ناکام رہے۔ ایسے لوگ سماج میں کم ہی رہے جو ورن آشرم (طبقاتی نظام) سے کھلی بغاوت کرسکیں آزادی کے بعد ہندو دھرم کا غلبہ بھی بڑھا سنتوں اور شنکر اچاریوں نے سیاسی میدان میں بھی اپنے پاؤں پھیلادئے اور جب سیاست دھرم اچاریوں کے زیر سایہ آئی تو پھر ورن آشرم کو بھی نیا وقار اور استحکام ملا۔ گاندھی جی کی اس میدان میں ناکامی کی ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ وہ اپنی تمام تر جدوجہد کے باوجود اچھوتوں کے لئے مندروں کے دروازے نہیں کھلوا سکے۔ تاہم ان کی کوششوں سے سماجی

زندگی میں نسلی امتیاز کا وہ زور اور غلبہ کافی حد تک کم ہوگیا جو اس سے پہلے ہندو معاشرہ پر چھایا ہوا تھا بہت سے پسماندہ طبقہ کے لیڈروں کو گاندھی جی کی تحریک کے اخلاص پر یقین نہیں ہے ان کا کہنا ہے کہ گاندھی جی نے نہایت عیاری سے اچھوتوں کو ہندوؤں کے ساتھ وابستہ رکھنے کے لئے یہ جدوجہد شروع کی تھی۔ اس وقت مسلم لیگ پاکستان کا نعرہ لگا رہی تھی۔ سکھوں میں خالصتان کی مانگ کی جا رہی تھی اور خود پسماندہ طبقہ کے لیڈر جن میں ڈاکٹر امبیڈکر بھی شامل تھے اپنے علیحدہ علاقے اچھوتستان کی بات کر رہے تھے اور مخصوص انتخابی اور سیاسی مراعات کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ اچھوت ہندو سماج کی ۸۵ فیصد آبادی ہیں گاندھی جی اس مطالبے کے سیاسی مضمرات سے بے خبر نہیں تھے لہٰذا انہوں نے ہندو سماج کو سیاسی انتشار اور ہزیمت سے بچانے کے لئے یہ سب کچھ کیا یہ احساس گاندھی جی کی زندگی میں ہی شروع ہو چکا تھا اور گاندھی جی کے مقابل پسماندہ طبقہ کی اپنی لیڈر شپ بھی وجود میں آ چکی تھی یعنی بابا صاحب ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر پسماندہ طبقہ کے مسیحا کے طور پر ابھر رہے تھے گاندھی جی چونکہ خود ہریجن نہیں تھے ان کا تعلق گجرات کی ویش برادری سے تھا اس لئے وہ اچھوتوں یعنی ہریجنوں سے ہمدردی کر کے بھی ان کے "اپنے" نہیں ہو سکتے تھے جس طرح راجہ وی پی سنگھ منڈل کا جھنڈا اٹھا کر اور پسماندہ طبقات کے لئے اپنا سیاسی جیون قربان کر دینے کے دعووں کے باوجود "راجہ" اور "سورن ہندو" ہی سمجھے جاتے ہیں اسی طرح گاندھی جی بھی ہریجنوں کے سب سے بڑے محسن تو تسلیم کئے گئے لیکن "اپنے" نہیں گردانے گئے۔ آزادی کے بعد گاندھی واد اور نہرو واد کا طلسم تو ٹوٹنے لگا مگر برہمن واد کا ابدی استیلا برقرار رہا اسی کے ساتھ یوپی اور ہریانہ میں چرن سنگھ کی سیاست نے "جاٹ واد" کو فروغ دیا اور اچھوتوں یعنی شیڈولڈ کاسٹ پر زیادتیاں جاری رہیں تو رفتہ رفتہ گاندھی کی پالیسی سے ہریجنوں کی بیزاری بھی بڑھنے لگی۔ ان کے لیڈروں نے انہیں یہ سمجھایا کہ اگر گاندھی جی پسماندہ ہندوؤں کو ہندو سماج سے جوڑے رکھنے کی تحریک نہ چلاتے تو مسلم لیگ کی طرح وہ بھی اپنا الگ علاقہ حاصل کر سکتے تھے جہاں وہ برہمنوں اور سورن ہندوؤں کے ستم سے آزاد رہ سکتے تھے۔ اس میں حقیقت کتنی ہے اور جذبات پرستی کتنی اس کا حال سب کو معلوم ہے لیکن ہریجن یا شیڈولڈ کاسٹ اپنے آپ کو ہندو سماج کا حصہ نہیں سمجھتے ان کا اصرار ہے کہ وہ ہندوستان کے اصل باشندے یعنی دراوڑ ہیں جبکہ برہمن اور دیگر اعلیٰ ذات کے ہندو آرین نسل اور مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسٹر وی ٹی راج شیکھر ایڈیٹر دلت وائس بنگلور اپنے خط مطبوعہ ہندوستان ٹائمز مورخہ ۴ ر جولائی ۱۹۹۳ء میں لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا تھا کہ "اچھوت ہندو نہیں ہیں اور نہ ماضی میں وہ ہندو تھے" اس کے بعد کہتے ہیں "پوری کے شنکر اچاریہ نے کہا تھا کہ شیڈولڈ کاسٹ (پسماندہ طبقے) ہندو نہیں ہیں لہٰذا انہیں مندروں میں داخل ہونے کا حق نہیں ہے"۔ چندر شیکھر آخر میں لکھتے ہیں "سناتن دھرم آریوں کا مذہب ہے جبکہ شیڈولڈ کاسٹ اور دیگر پسماندہ طبقے دراوڑ اور آدی دراوڑ یعنی ملک کے اصل باشندے ہیں۔"

اس کشمکش نے یہاں تک طول کھینچا کہ پسماندہ طبقات نے ہندو دھرم اور سماج سے مکمل علیحدگی کی تحریک شروع کی ڈاکٹر امبیڈکر اور ان کے ساتھ ہزاروں پسماندہ طبقے والوں نے بودھ دھرم قبول کر لیا اور اس طرح عملاً ہندو سماج اور ہندو مذہب سے لاتعلقی کا اعلان کیا۔ یہ سب باتیں گاندھی جی کی زندگی میں ہی ہوئیں لیکن چونکہ برہمنیت نے بودھ دھرم کو ہندوستان سے خارج کرنے اور پھر اسے ہندو دھرم میں ضم کر لینے کی غرض سے گوتم بودھ کو بھی ہندو دیوتاؤں میں شمار کر لیا تھا اور ویسے بھی بودھ دھرم دراصل ہندو دھرم کی اصلاح کی ہی ایک تحریک تھی اس لئے ہریجنوں کے بودھ دھرم قبول کرنے کے باوجود انہیں ملنے والی مراعات برقرار رکھی گئی جبکہ اگر کوئی ہریجن مسلمان یا عیسائی ہو جائے تو وہ ان مراعات سے محروم ہو جاتا ہے۔ ان تمام مراعات اور آسائشوں کے باوجود پسماندہ طبقات کو سماج میں مساوات واخوت کا مقام نہیں مل سکا سرکاری قوانین عوامی ذہن کو نہیں بدل سکے۔ شہروں کے مقابلے دیہات اور قصبات میں ان کے ساتھ وہی پرانا سلوک ہوتا رہا۔ سیاست نے اپنا ووٹ بینک بنانے کے لئے ان طبقوں کو اپنے اپنے دامن میں سمیٹنا چاہا اور اس طرح وہ اقتدار کے بازار کی جنس بن گئے لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا گیا اور ہندوتو کی لہر طوفانی شکل اختیار کرتی گئی پسماندہ طبقوں میں اپنی انفرادیت شناخت اور اہمیت کا احساس شدید تر ہوتا گیا۔ انہیں ذہنی طور پر بہت سے جذباتی جھٹکے لگے بھگوان رام پسماندہ طبقوں کے سب سے اہم لیڈر شمار کئے جاتے تھے اور برسوں وہ مرکزی سرکار میں ان طبقات کے نمائندے کے طور پر شامل رہے پھر جب جنتا پارٹی کی سرکار

بنی اور آوازیں اٹھیں کہ جگجیون رام جی کو وزیر اعظم بنایا جائے تب بھی اعلیٰ ذات کے ہندو اس کے خلاف متحد ہو گئے چودھری چرن سنگھ نے مرکزی حکومت ختم کردی لیکن جگجیون رام کو وزات عظمیٰ کی کرسی تک نہیں جانے دیا ایک بار جگجیون رام نے بنارس میں ہندو یونیورسٹی کے باہر مالویہ جی کے بت کی گل پوشی کی اس پر ہنگامہ برپا ہو گیا۔ تقریب کے بعد مورتی کو گنگا جل سے اشنان کرایا گیا تب جاکے اس کی پوترتا (پاکی) بحال ہوئی منڈل کمیشن کے سوال پر جس طرح ہنگامے ہوئے اس نے بھی پسماندہ طبقات کو چونکا دیا اور ان میں یک جہتی کا ایک نیا جذبہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد ہی بہوجن سماج پارٹی نے اقتدار کی راہوں پر پیش قدمی کا آغاز کیا۔ یوپی میں بہوجن اور سماج وادی پارٹیوں کے اتحاد نے کسی نہ کسی طرح بی جے پی کو اقتدار میں آنے سے روک دیا اور چونکہ بہوجن سماج یعنی شیڈولڈ کاسٹ طبقہ کو پہلی بار ملک کے سب سے بڑے صوبے میں عنان اقتدار سنبھالنے یا شریک اقتدار ہونے کا موقع ملا ہے اس لئے ان کے عزائم نے ایک نئی کروٹ لی ہے ان کے کردار اور گفتار میں بھی تبدیلی آئی ہے اس میں اعتماد بھی ہے پندار بھی اور تمرّد بھی۔ کانشی رام اب سے بہت پہلے بڑے بڑے نیتاؤں کی پگڑی اچھال چکے ہیں اب بہوجن سماج وادی کی قومی جنرل سکریٹری مس مایاوتی نے گاندھی کے خلاف دشنام طرازی شروع کی ہے اور پہلے ہی حملہ میں اتنا کچھ کہہ ڈالا کہ سارے ملک میں ہنگامہ بپا ہو گیا۔ مایاوتی جی کو اس پر اعتراض ہے کہ گاندھی جی نے صرف پسماندہ طبقات کو ہی ہریجن کیوں کہا خود اپنے کو یہ خطاب کیوں نہیں دیا کیا وہ اور دوسرے اعلیٰ ذات کے ہندو خدا کی نہیں شیطان کی مخلوق اور اولاد ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ گاندھی جی کی ساری باتیں سیاسی مفاد کے تابع تھیں وہ ہندو سماج کو انتشار سے بچانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے ہریجنوں کو ہندو معاشرہ سے الگ نہیں ہونے دیا۔ مایاوتی جی کے بعد ان کی پارٹی کے کئی اور لیڈروں نے بھی گاندھی جی کے کردار پر انگشت نمائی کی ہے اور اب صورت حال ایسی ہو گئی ہے جیسے گاندھی جی اور ڈاکٹر امبیڈکر کے درمیان مقابلہ ہو رہا ہو۔ پسماندہ طبقہ جسے گاندھی جی نے ہریجن کہا تھا اب اس نام سے بیزار ہے دستور میں اس طبقہ کو شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب یعنی اقوام و قبائل مندرج فہرست کا نام دیا گیا ہے۔ اس طبقہ کے زور دینے پر ۱۹۹۲ء میں پارلیمنٹ نے لفظ ہریجن کا سرکاری طور پر استعمال ترک کر دیا اب یہ سب ایس سی

ایس ٹی کہلاتے ہیں اور حالیہ سپریم کورٹ فیصلے کے بعد ان میں او بی سی (دیگر پسماندہ طبقات) کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اب ان سابق ہریجنوں کے لئے باباصاحب امبیڈکر کی ذات ہی قابل تعظیم ہے اور گاندھی واد کے مقابلے میں امبیڈکر واد کا دور شروع ہو رہا ہے۔ بہوجن سماج والے برملا کہتے ہیں کہ ہم گاندھی واد نہیں چاہتے امبیڈکر واد لانا ہماری پالیسی ہے۔ دوسری طرف شوسینا اور اسی قسم کے انتہاپسند امبیڈکر کے نام سے چڑتے ہیں۔ مرہٹہ واڑہ یونیورسٹی کا نام امبیڈکر یونیورسٹی رکھنے پر مہاراشٹر میں جو تشدد اور ہنگامہ آرائی ہوئی اس سے ان دونوں طبقوں کے درمیان بڑھتی خلیج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اب کہیں گاندھی جی کی مورتی پر سیاہی مل دی جاتی ہے تو کہیں امبیڈکر کے مجسمے کو نقصان پہنچایا جاتا ہے غرض وہ طبقہ واری کشمکش جو ہزاروں سال سے سرد و گرم انداز میں جاری تھی اب ایک ہمہ گیر تصادم میں بدلنے کا انداز اختیار کرتی جا رہی ہے اس کشمکش کو تیز تر کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ فسطائیوں کا ہے انہوں نے ہندوتو کی لہر کو بڑھانے کے لئے بابری مسجد کو منہدم کر دیا ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ ہندوؤں کو جذباتی ہیجان میں مبتلا کر کے ملک میں اپنا اقتدار قائم کر لیں گے لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔ مسجد توڑنے سے پسماندہ طبقہ میں سورن ہندوؤں کے جبر کا احساس اور بڑھ گیا خود اعلیٰ ذات کے ہندوؤں میں بھی اس حادثہ سے جذباتی انتشار پیدا ہوا آج اکیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑی دنیا مذہبی جنون میں بہت دیر تک مبتلا نہیں رہ سکتی بابری مسجد کی تباہی نے ہندوؤں کے ضمیر کو جھنجھوڑا اور رد عمل کے طور پر پسماندہ طبقہ ملائم سنگھ یادو اور کانشی رام کے علم کے نیچے تیزی سے آگیا اور اب بہوجن سماج والے گاندھی واد کو تلانجلی دے کر امبیڈکر واد کو لانے کا نعرہ لگا رہے ہیں بہت سے کانگریسی گاندھی جی کی توہین پر چراغ پا ہیں بی جے پی یعنی فسطائی بھی جنہوں نے گاندھی جی کا خون کیا وہ بھی سیاست کی گنگا میں ڈبکی لگانے کے لئے مایاوتی کے خلاف ہنگامہ آرائی کر رہے ہیں۔ سیاسی ریاکاری اور مفاد پرستی کی یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ فسطائیوں کا سارا کردار ایسی ہی شعبدہ بازیوں سے بھرا ہوا ہے۔ بہر حال مایاوتی کے خلاف عملاً کچھ نہیں ہوگا سنگھی سیاست نے ہمیشہ گاندھی جی کو ہدف ملامت بنائے رکھا ہندو مہاسبھا اور آر ایس ایس آزادی سے پہلے اور بعد بھی گاندھی جی کو گالیاں دیتے رہے گاندھی جی کا قتل بھی ان ہی کے پروردہ افراد نے کیا۔ قومی سطح پر گاندھی جی کی زندگی یا ان کے وقار

کو بچانے کی کبھی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی پٹیل کو گاندھی جی کی جان سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ مسلمانوں کی حمایت میں گاندھی جی کے برت سے ہندوؤں کا منہ کالا ہوگا۔ ملک میں گاندھی دشمن فسطائیت کا عروج کانگریس کے عظیم رہنماؤں کے دور میں ہوا۔ ابھی پچھلے سال ہی گاندھی جی کے قاتل ناتھورام گوڈسے کے بھائی گوپال گوڈسے نے جو قتل کی سازش میں ماخوذ ہوا تھا گاندھی جی کے قتل کو قابل فخر کارنامہ قرار دیا۔ کچھ دن تھوڑی بہت ہلچل رہی پھر سب خاموش ہو گئے کسی نے گوپال گوڈسے سے نہیں پوچھا کہ تیرے منہ میں کتنے دانت ہیں۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ گاندھی جی کو محض اس واسطے قتل کردیا گیا کہ وہ مظلوم مسلمانوں کی حمایت کرتے تھے ۔ وہ فسطائیوں کے ظلم کے خلاف برملا آواز اٹھاتے تھے۔ جب کانگریسی ان کے پاس فسادات کا حال سنانے پہنچے تو انہوں نے پوچھا تھا کہ مسلمانوں کو بچاتے ہوئے کتنے کانگریسی مارے گئے جب پٹیل نے انہیں باور کرانا چاہا کہ مسلمانوں پر ظلم نہیں ہو رہا ہے تو انہوں نے یہ بات سن کر خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ پٹیل سے کہا کہ میں چین میں نہیں بیٹھا ہوں اور نہ اندھا بہرا ہوں میں نے خود اپنی آنکھوں سے دہلی میں مسلمانوں کو قتل ہوتے دیکھا ہے۔ یہ ۱۹۴۸ء کے ابتدا کی بات ہے مسلم لیگ ملک کو تقسیم کرا کے اپنے قائداعظم کے ساتھ کراچی رخصت ہو چکی تھی اور مسلمان دلی میں بقول جواہرلال نہرو کتے بلیوں کی طرح مارے جا رہے تھے اور وہ خود وزیراعظم ہوتے ہوئے بھی ان کو بچانے سے معذور تھے ہاں اپنے ضمیر کی چبھن سے تڑپتے تھے۔ گاندھی جی کے کردار کی اس عظمت کو آج فسطائیت زدہ ہندوستان شاید بآسانی نہیں سمجھ سکے گا لیکن تاریخ نے عظمت کے یہ نقوش اپنے صحیفے پر ثبت کر لئے ہیں شاید آئندہ نسلیں گاندھی کی اصل عظمت کو پہچان سکیں۔ مایاوتی جی بھی گاندھی جی کو محض سیاسی مفاد کی عینک سے دیکھتی ہیں حالانکہ انہوں نے اچھوتوں کو ہندو سماج میں عزت اور وقار دلانے کے لئے جد وجہد کی۔ بلاشبہ اس میں سیاسی مصالح بھی شامل ہو سکتے ہیں وہ ہریجنوں کے ہی نہیں مسلمانوں کے بھی ہندوستان سے علیحدہ ہونے کے خلاف تھے اور اس حد تک جانے کو تیار تھے کہ اقتدار جناح صاحب کے حوالے کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں کو کوئی خدشہ یا خوف لاحق نہ رہے۔ گاندھی جی سیاستداں نہیں تھے۔ نیک نفس انسان تھے خود کسی کو دھوکا نہیں دیتے تھے اور دوسروں سے بھی یہی توقع کرتے تھے اب ان کے اقدام کے کوئی کیا معنی نکالتا ہے یہ اس کے اپنے مفاد اور مصلحت پر منحصر ہے۔ دلتوں کے لئے امبیڈکر کو اونچا اٹھانے کے لئے گاندھی کو نیچے گرانا اچھا نہیں ہوگا۔ گاندھی کی عظمت سیاسی مفاد کی ترازو میں نہیں تولی جانی چاہئے بلکہ ان کے کردار کو ان کی حق گوئی کے تناظر میں دیکھنا چاہئے گاندھی حق گو اور انسان دوست تھے۔ مظلوم کے ساتھی اور ظالم سے بیزار تھے اس میں اپنے اور غیر کا امتیاز نہیں تھا۔ آج اگر ہندوستان میں گاندھی واد کا اثر ہوتا تو بابری مسجد شہید نہیں ہو سکتی تھی۔ سکھوں کے سورن مندر پر یلغار بھی نہیں ہوتی گیا میں بودھ مندر پر قبضہ اور پانڈیچری میں چرچ پر دھاوا نہیں بولا جا سکتا تھا۔ گاندھی جی سب کے دوست اور سب مذاہب کا احترام کرنے والے تھے۔ انہوں نے ہندو تو کا طوفان نہیں اٹھایا لیکن ان کے کردار سے ہندوستان کو عظمت ملی اور ہندو معاشرہ کو وقار ملا۔ ہندوستان اور ہندو سماج کی بدنصیبی یہی ہے کہ نہ تو وہ کوئی دوسرا گاندھی پیدا کر سکے نہ گاندھی جی کی وارثت کو ہی زندہ رکھ سکے بلکہ ہندو دھرم کے ٹھیکیداروں نے اس عظیم انسان کی کردار کشی کی کوشش کی سچ پوچھئے تو گاندھی جی اس دور کے سب سے مظلوم انسانوں میں سے تھے سب نے ان کا نمائشی احترام کیا لیکن عملاً ساتھ نہیں دیا۔ اعلیٰ ذات کے ہندو ان سے برگشتہ تھے کہ وہ ہریجنوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ مسلم لیگ ان سے بیزار تھی کہ وہ مسلمانوں کی بات کرتے ہیں اب ہریجن بھی ان پر طعن کرنے لگے کہ وہ ہمارے دوست نہیں تھے۔ حالانکہ یہ سب چھوٹے ذہن کی باتیں ہیں۔ گاندھی جی کے کردار کو سمجھنے کے لئے ایسا ہی صاف ذہن اور سینہ بے کینہ چاہئے جیسا گاندھی جی کا تھا۔ کسی مفاد و مصلحت کا تابع نہ ہونا اور سچی بات کہہ دینا آج بھی مشکل ہے اس وقت کے بحرانی دور میں تو بہت ہی مشکل تھا۔ گاندھی اپنا کردار ادا کر کے چلے گئے اب ان پر کیچڑ اچھالنے سے ان کے کردار کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ ہمارے ہاں ایک ذہنیت یہ بھی ہے کہ بڑوں کے کردار پر انگلی اٹھانے والے کو پہچان کر ہی اس کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے۔ اگر اس سے اپنا مفاد وابستہ ہے یا آواز اٹھانے سے شہرت مل سکتی ہے تو ضرور آواز اٹھائیں گے ورنہ کوئی توجہ نہیں ہوگی۔ سلمان رشدی کی بدکلامی کے خلاف جب مسلمانوں نے احتجاج کیا تو بہت سے غیر مسلم صحافی اور دانشور مغرب کی تقلید میں آزادی اظہار کے علمبردار بن گئے کئی نام نہاد روشن خیال مسلمان بھی رشدی کی کتاب پر پابندی کے خلاف تھے ہر دانشور کو ڈر تھا کہ رشدی کی

مخالفت کے سبب اسے کہیں بنیاد پرست نہ قرار دیدیا جائے اب گذشتہ دنوں پاکستان میں ڈاکٹر صادق حسین نے ایک کتاب تحریک مجاہدین کے نام سے مرتب کی جس میں سکھ گوروؤں کے خلاف ناشائستہ انداز اختیار کیا گیا۔ سکھوں نے اس پر شدید احتجاج کیا اور اب حکومت پاکستان نے اس کتاب کو ضبط کر لیا ہم مسلمانوں نے جس طرح رشدی کی بدتمیزی کی مذمت کی اسی طرح ڈاکٹر صادق حسین کی بے ہودگی کی بھی مذمت کرتے ہیں ہر قوم اور فرقے کے پیشواؤں کا ذکر شائستہ انداز میں کیا جانا چاہئے تاکہ ان کے ماننے والوں کو کسی قسم کی تکلیف یا شکایت نہ ہو لیکن اس موقع پر آزادی اظہار کے علمبردار کہاں گئے جو رشدی کے حق میں آواز بلند کرتے تھے کیا ان میں حوصلہ ہے کہ ڈاکٹر صادق حسین کے حق میں بھی آزادی اظہار کا فتویٰ دیں یا مایاوتی کی حمایت میں دستخط شدہ بیانات جاری کریں۔ یہ ماوشما کا امتیاز ہماری سیاست ہی نہیں معاشرہ کا بھی ناسور بن چکا ہے اور ہمارے بہت سے مصائب و مشکلات کا سبب بھی یہی دورخا پن ہے۔

سگ لیلیٰ

ہمارے سیاستداں اور نیتا یہ بات کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ ان کی پالیسیاں اصولوں اور اخلاقیات پر مبنی ہیں اور انہوں نے ہمیشہ معاملات اور تنازعات کو اسی تناظر میں دیکھا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم مثال مسئلۂ فلسطین کی پیش کی جاتی ہے یہ تنازعہ اب تقریباً ایک صدی پرانا ہو رہا ہے اور جیسے جیسے دن گزر رہے ہیں اس کی سنگینی بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ یاسر رابن معاہدہ سے امن کی جو موہوم کرن ابھری تھی وہ بھی مسجد ابراہیم میں نمازیوں کے قتل عام کے بعد بجھ رہی ہے۔ اور بہت سے لوگوں کا یہ اندیشہ درست معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے قول اور فعل پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

فلسطین کے مسئلہ پر ہندوستانی رہنماؤں نے شروع سے ہی بڑا معقول موقف اختیار کیا تھا گاندھی جی ہر مسئلہ کو اس کے اصل تناظر میں دیکھتے تھے اور چونکہ وہ اخلاقی اعتبار سے ایک جری انسان تھے اس لئے کھری بات بلا خوف کہہ دیتے تھے۔

بالفور اعلان کے بعد جب فلسطین میں منظم طور پر غیر ملکی یہودیوں کو آباد کیا جا رہا تھا تو گاندھی جی نے اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا تھا کہ فلسطین بالکل اسی طرح عربوں کا ہے جس طرح انگلینڈ انگریزوں کا ہے۔ آزادی کے بعد بھی اس موقف کی پیروی کرتے ہوئے ہندوستان نے فلسطین کے مسئلہ پر عربوں کی تائید جاری رکھی اور فلسطینیوں کی جد وجہد آزادی کی بھرپور حمایت کی ہندوستان کی اسی ہمہ جہت اور ہمہ گیر حمایت سے متاثر ہو کر یاسر عرفات اندرا گاندھی کو اپنی بڑی بہن کہا کرتے تھے۔ ہندوستان نے فلسطین کے سوال پر کبھی امریکی دباؤ کو تسلیم نہیں کیا۔ اور بہت سی سفارتی مشکلات کو بھی عزم و حوصلہ سے برداشت کیا۔ دوسری طرف پاکستان نے کشمیر کے سوال کو لے کر عربوں کو ہندوستان کے خلاف ورغلایا اور کئی بار موتمر عالم اسلامی اور دیگر تنظیموں میں پاکستان کشمیر کے نام پر عربوں کو ہندوستان کے خلاف صف آرا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہندوستانی لیڈروں کا خیال تھا کہ چونکہ ہندوستان فلسطین کے تنازعہ میں شروع سے عربوں کا حامی رہا ہے اور اس سلسلے میں اس نے امریکہ جیسی سپر پاور کا دباؤ بھی نہیں مانا ہے لہٰذا کشمیر کے مسئلہ پر عربوں کو ہندوستان کا ساتھ دینا چاہئے جدید سیاست کی اصطلاحات کی رو سے دیکھئے تو یہ موقف صحیح معلوم ہوتا ہے کہ سیاست لین دین اور سودے بازی کا نام ہے لیکن اگر سیاست اخلاقیات اور اصولوں پر مبنی ہے تو سودے بازی کا سوال نہیں ہونا چاہئے' اصول اور اخلاق کا معاملہ لین دین کا نہیں ہوتا۔ جب گاندھی جی نے تحریک خلافت میں شرکت کا اعلان کیا تو مولانا محمد علی نے تجویز پیش کی کہ مسلمان ہندوؤں کی اس ہمدردی اور دوستی کا جواب اس طرح دیں کہ وہ گئوکشی ترک کرنے کا اعلان کردیں۔ گاندھی جی نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا اور کہا کہ وہ اس قسم کی سودے بازی کو ناپسند کرتے ہیں۔

بدقسمتی سے ہمارے سیاستدانوں نے فلسطین کے سوال کو کشمیر سے مشروط کردیا اور جب پاکستان نے موتمر عالم اسلامی میں ہندوستان کے خلاف قرارداد منظور کرانے میں کامیابی حاصل کرلی تو ہندوستان نے بعجلت اسرائیل سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کا اعلان کردیا۔

اب تو عالمی طور پر صورت حال بدل گئی ہے اور خود عرب بھی اسرائیل کا وجود تسلیم کرنے پر آمادہ ہیں لیکن شاید ہندوستان کے بعض سیاست داں اور سفارت کار یہودیوں کے معاملہ میں ضرورت سے زیادہ ہی گرمجوشی کا مظاہرہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں ۱۵ر مارچ ۱۹۹۴ء کو واشنگٹن میں ہندوستانی سفیر متعینہ امریکہ مسٹر سدھارتھ شنکر رائے نے امریکی

اسرائیلی عوامی امور کمیٹی (اے آئی پی اے سی) کے ۵۰ سویں اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے ہند اور اسرائیل کے درمیان گہرے اور قریبی روابط پر زور دیا۔ ہندوستان ٹائمز ۲۱؍ مارچ میں ان کی تقریر شائع ہوئی ہے۔ رائے صاحب نے تفصیل سے ہند اور یہودی تعلقات کی تاریخ بیان کی ہے مثلاً ہندوستان میں یہودیوں کی آمد قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے کوچین میں دنیا کا سب سے قدیم صومعہ ہے۔ ہندوستان کبھی سامی دشمنی میں ملوث نہیں رہا، ۷۰ ہزار ہندوستانی یہودی اسرائیل میں آباد ہیں جبکہ ۲۰ ہزار یہودی اب بھی ہندوستان میں رہتے ہیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں انہوں نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں دسمبر ۹۳ء سے اسرائیلی ایرلائن بمبئی سے اڑانیں شروع کرچکی ہے وغیرہ وغیرہ یہاں تک بات سمجھ میں آتی ہے کہ دونوں ملکوں کے تعلقات میں گرم جوشی لانے کے لئے بہت کچھ باتیں کہنی پڑتی ہیں لیکن اسی کے ساتھ رائے صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ ہندوستان کی طرح اسرائیل کو بھی دہشت گردی سے سابقہ پڑا ہے اور مذہبی بنیاد پرستی کے خطرات کا بھی سامنا ہے انہوں نے زور دے کر کہا کہ بنیاد پرست عناصر کی دہشت گردی اور مذہبی انتہا پسندی کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔

سدھارتھ شنکر رائے ہندوستانی سیاست کی بڑی معقول اور مقبول شخصیت ہیں وہ مرکزی وزیر تعلیم بھی رہ چکے ہیں۔ مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ بھی اور پنجاب کے گورنر بھی۔ ان حیثیتوں کے علاوہ ان کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ تعصب اور تنگ نظری سے پاک ہیں بطور وزیر اعلیٰ بنگال ان کا دور مختصر سہی لیکن اقلیتوں کے لئے بڑا خوشگوار تھا بابری مسجد تنازعہ میں بھی وہ مسلمانوں کی طرف سے الہ آباد ہائی کورٹ میں پیش ہوتے تھے اور غالباً فیس بھی نہیں لیتے تھے۔ اب وہ چند سال سے امریکہ میں ہندوستان کے سفیر ہیں اور مرکزی وزیر کے ہم منصب سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے وسیع سیاسی اور انتظامی امور کا تجربہ رکھنے والے بالغ نظر شخص سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کوئی بات کہتے وقت اس کے عواقب سے بے خبر ہو۔ اسرائیل کو جس دہشت گردی کا سامنا ہے وہ فلسطینیوں کی جدوجہد آزادی ہے فلسطینیوں کی سرگرمیوں کا دائرہ غزہ اور مغربی کنارہ ہیں جن پر یہودیوں نے ۱۹۶۷ء میں قبضہ کرلیا تھا ساری دنیا بلکہ خود یہودی بھی ان علاقوں کو مقبوضہ علاقہ مانتے ہیں اور اگر امریکہ اور یہودیوں کی دھاندلی نہ ہو تو چند دن بھی صیہونی اقتدار یہاں نہیں رہ سکتا۔ یہودی فلسطینی مجاہدوں کو دہشت گرد کہتے ہیں ظاہر ہے یہ ان کی اپنی لغت ہے انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو غدر کہا اور مجاہدین کو سرعام پھانسیاں دیں۔ دیوان آنند کمار بنگال کے ایک معزز فرد تھے انہیں برطانوی گورنر جنرل کی بداعمالیوں کا پردہ فاش کرنے کے جرم میں پھانسی دے دی گئی اور اسی طرح ہزارہا مجاہدین کو دہشت گرد قرار دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بھگت سنگھ بھی دہشت گرد تھے اور اشفاق اللہ بھی، سبھاش چندر بوس نے جب انڈین نیشنل آرمی (آئی این اے) بنائی اور انگریزی استعمار کے خلاف یلغار کی تو وہ بھی برٹش سرکار کی اصطلاح میں دہشت گرد ہی قرار دئے گئے اور لال قلعہ میں ان قوم پرست فوجی افسران پر مقدمہ بھی چلایا گیا۔ اب اگر اپنے وطن کی آزادی کے لئے لڑنے والے فلسطینی دہشت گرد ہیں جیسا کہ سدھارتھ شنکر رائے صاحب یہودیوں کو یقین دلا رہے ہیں تو پھر منگل پانڈے، جنرل بخت خاں تانتیا ٹوپے، رانی جھانسی، بھگت سنگھ، اشفاق اللہ اور نیتاجی سبھاش چندر بوس یہ سب بھی دہشت گرد ہی کہلائے جائیں گے اس لئے کہ ان سب کا کردار بھی وہی تھا جو آج فلسطینی دہشت گردوں کا ہے۔ اگر فلسطینیوں کے ہاتھوں پر یہودی استعماریوں کا خون ہے تو سکھدیو چندر شیکھر آزاد، بھگت سنگھ اور آئی این اے کے سپاہیوں کے ہاتھ بھی انگریز استعماریوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں بھگت سنگھ دہشت گرد تھے اہنسا وادی نہیں تھے سنٹرل اسمبلی پر بم پھینکنے اور انگریز پولس افسر سانڈرس کو قتل کرنے کے جرم میں انہیں پھانسی کی سزا دی گئی تو گاندھی جی نے خود اس کے خلاف وائسرائے سے احتجاج کیا تھا۔ سدھارتھ شنکر رائے صاحب اگر امریکہ کے بجائے برطانیہ میں سفارتی ذمہ داریوں پر مامور کردئے جائیں تو کیا وہ امپریل آرمی کے سابق فوجیوں کے سامنے یہ کہہ سکیں گے کہ برطانیہ کو ماضی میں ہندوستانی دہشت گردوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ کیونکہ جس طرح فلسطینی مجاہدین آزادی کو دہشت گرد کہہ کر انہوں نے صیہونیوں کو خوش کیا ہے سابق برطانوی فوجی بھی سبھاش چندر بوس کو دہشت گرد قرار دئے جانے پر خوش ہوں گے۔

شنکر رائے صاحب نے یہ حوصلہ نہیں کیا کہ دہشت گردی کا ذکر کرتے ہوئے مسجد ابراہیم میں فلسطینی نمازیوں کے قتل کی بھی مذمت کرتے یہ صیہونی دہشت گردی کا ایسا سفاکانہ مظاہرہ تھا کہ ساری دنیا تڑپ اٹھی خود یہودیوں کے ضمیر میں بھی اضطراب پیدا ہوا۔ وزیر

اعظم رابن نے اسرائیلی پارلیمنٹ میں یہودی قاتل گولڈ اسٹین پر لعنت بھیجی اور کہا کہ ہم تم پر تھوکتے ہیں تم صہیونی نہیں ہو تمہیں یہودی مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ معلوم نہیں سدھارتھ شنکر رائے صاحب کو ۲۵ر فروری کے قتل عام کا علم تھا یا نہیں اگر تھا تو ان میں اتنا اخلاقی حوصلہ کیوں نہیں ہوا کہ دہشت گردی کے اس بھیانک مظاہرے کا بھی ذکر کرتے اور کم از کم اظہار افسوس ہی کردیتے رابن کی طرح نمائشی انداز میں ہی سہی اس کی مذمت حکومت ہند بھی کرچکی ہے اسلئے پالیسی سے انحراف کا مسئلہ بھی نہیں تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عزت مآب سفیر ہند یہودیوں سے بھی زیادہ یہودیوں کے وفادار بن گئے ہیں۔ اس کا مقصد کیا ہے صرف یہ کہ یہودیوں، خصوصاً امریکن یہودیوں کی چاپلوسی کرکے امریکن انتظامیہ کو خوش کیا جائے تاکہ وہ ہندوستان پر مہربان ہو۔ وہ جو کہاوت ہے کہ لیلیٰ سے پیار ہے تو لیلیٰ کے کتے کو بھی پیار کرو۔ شاید ہمارے محترم سفیر اسی پر عمل کررہے ہیں ورنہ ہندوستان جیسے عظیم ملک کا سفارتی نمائندہ جو فکری اعتبار سے گاندھی وادی ہے اور کانگریس کے سینئر لیڈروں میں اس کا شمار ہوتا ہے مصلحت فروشی کی اتنی نیچی سطح پر کیسے اتر سکتا ہے اس کا ضمیر کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ وہ مجاہدین آزادی کو دہشت گرد کہے اور محض چند سیاسی سفارتی تجارتی اور اقتصادی مراعات کی موہوم امید میں اصول و اخلاق کی تمام قدروں کو نظر انداز کردے۔

رہی بنیاد پرستی اور مذہبی انتہا پسندی کی بات تو آج کل مسلم بنیاد پرستی پر اظہار تشویش کرنا فیشن بن گیا ہے۔ مغرب کو ایسی باتوں سے تسکین ملتی ہے۔ شنکر رائے صاحب سے پوچھا جاسکتا ہے کہ آپ نے جس مذہبی انتہا پسندی اور بنیاد پرستی کے خطرے کا ذکر کیا ہے یہودی تناظر میں تو وہ صرف عربوں اور مسلمانوں کے سر الزام ہے ورنہ یہودی مذہبی انتہا پسندی صلیبی مذہبی انتہا پسندی ہندوستان میں سنگھ پریوار کی بنیاد پرستی اور مذہبی دہشت گردی کیا یہ سب عالمی امن اور بقاء کے لئے خطرہ نہیں ہیں کیا صہیونی اور صلیبی دہشت گردی اور مذہبی انتہا پسندی مغربی ایشیا میں سارے فساد کی بنیاد نہیں ہے۔ اگر یہودی عرب علاقے واپس کردیں اور عرب حکمراں مغرب کا طوق دلبری اتار پھینکیں تو مسلم بنیاد پرستی اور دہشت گردی کیوں رہے گی اور جب تک مغرب عالم اسلام سے اپنا شکنجہ ڈھیلا نہیں کرتا اور صہیونی استعمار کو سہارا دیتا رہے گا مسلم بنیاد پرستی کی مذمت کرنے کا کیا اخلاقی جواز ہوگا۔

تشویش ناک

ہندوستان میں آزادی کی جدوجہد کم و بیش "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے استعماری عزائم واضح ہوتے ہی شروع ہوگئی تھی چونکہ "ایسٹ انڈیا کمپنی" نے اپنے منحوس قدم پہلے بنگال میں جمائے اس لئے آزادی کا یہ تصادم بھی وہیں سے شروع ہوا اور ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی ہوئی جس میں سراج الدولہ کو شکست ہوئی اور میر جعفر نے افرنگی استعمار کو فتح دلائی پھر میسور میں ٹیپو سلطان سے صلیبی استعمار کا ٹکراؤ ہوا' اور وہاں بھی صادق کی وطن فروشی نے شیر میسور کو شہید کرادیا اس طرح باہمی دشمنی شخصی اقتدار کے لالچ نے اس عظیم ملک کو بیرونی طاقتوں کا غلام بنادیا۔ پرتگیزی' ڈچ' فرانسیسی' برطانوی ساری ہی استعماری طاقتیں ہر طرف پھیلتی گئیں۔ پلاسی کی لڑائی کی ایک صدی کے بعد ۱۸۵۷ء کی عام بغاوت ہوئی جو آزادی کے لئے اہل وطن کا سب سے بڑا اقدام تھا اس میں عوام' امراء' تاجدار اور علماء سب ہی شریک تھے کچھ مورخین کا خیال ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کو آزادی کی لڑائی نہیں کہا جاسکتا وہ تو دراصل مقامی حکمرانوں کی اپنے اقتدار کو بچانے کی ایک ناکام کوشش تھی۔ بہادر شاہ ظفر' رانی جھانسی' ناناصاحب اور بہت سے دوسرے ریاستی حکمراں اپنے تخت و تاج کے لئے لڑرہے تھے۔ لیکن مورخین کا یہ فیصلہ یک طرفہ ہے یہ صحیح ہے کہ حکمراں اپنے اقتدار کے لئے لڑرہے تھے تاہم اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ مقامی حکمرانوں کو عوامی حمایت اور ہمدردیاں حاصل تھیں ان ریاستوں کے عوام ان کے ساتھ برطانوی سامراج سے لڑرہے تھے پھر علماء تھے جن کا اپنا کوئی مفاد یا غرض نہیں تھی وہ صرف صلیبی استعمار سے اپنے وطن کو بچانے کے لئے سیف و قلم کے ساتھ اٹھے تھے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی شاہ اسماعیل شہید کی وہابی تحریک ملک میں انگریزوں کے خلاف مسلم عوام اور علماء کو بیدار کرچکی تھی۔ سکھوں کے استبداد کے خلاف سرحدی علاقے میں ان کے معرکے گویا ہراول دستہ کی کاروائی تھی ان کا اصل مقصد ملک کو صلیبی غلبہ سے آزاد کرانا تھا اس کا اعتراف ہنٹر نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے یہاں ۱۸۵۷ء کی جدوجہد کی ناکامی کے اسباب کا تجزیہ مقصود نہیں ہے۔ اس تحریک کی ناکامی سے بہادر شاہ ظفر' رانی جھانسی' تانتیا ٹوپے وغیرہ ختم ہوگئے ان کا اقتدار بھی ختم ہوگیا۔ لیکن وہابی تحریک جو بالاکوٹ کے بعد محاذ سے پسپا ہوگئی تھی اسی طرح زندہ اور فعال رہی۔ پٹنہ

میں علماء صادق پور اس کے روح رواں تھے اور سارے ہندوستان میں خفیہ و علانیہ اس کے لئے کام ہو رہا تھا۔ حضرت مولانا ولایت علی' اور حضرت مولانا یحییٰ علی رحمھما اللہ کے نام اس سلسلے میں خاص طور سے لئے جاسکتے ہیں انہوں نے زبان سے بھی جہاد کیا اور تلوار سے بھی' ان جلیل القدر علماء اور مجاہدین کو صلیبی استعمار نے عبرتناک سزائیں دیں بغاوت کے مقدمے چلاکر پھانسی کی سزادی پھر کالے پانی بھیج دیا جو پھانسی سے بھی زیادہ اذیت ناک سزا تھی۔ حضرت مولانا یحییٰ علی انڈیمان میں قید کی سختیاں جھیل کر ۴۳ سال کی عمر میں وہیں وفات پاگئے۔ وہابی تحریک کے اثرات ملک میں اتنے ہمہ گیر تھے کہ بنگال کے انقلابی ہندو بھی اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ انہیں انگریزوں کے خلاف مسلح جدوجہد کی ترغیب وہابی تحریک سے ملی۔ خود مولانا ابوالکلام آزاد جنہوں نے بنگال میں ہوش سنبھالا اور وہیں سے اپنی تحریک حریت فکری و سیاسی کا آغاز کیا وہ بھی خانوادۂ صادق پور کے فیض یافتہ تھے حضرت مولانا یحییٰ علی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے علامہ محمد یوسف رنجور جو کلکتہ میں چیف مولوی بورڈ آف ایگزا منرس تھے انہوں نے نوعمر آزاد کو انگریزی پڑھائی اور اسی کے ساتھ دین خالص کی راہ بھی دکھائی اسی کے اثر سے مولانا اپنے آبائی مسلک خرافی سے بیزار ہوئے اور یقیناً اسی خاندان کی انقلابی تاریخ اور سرفروشی سے متاثر ہو کر وہ صلیبی استعمار کے خلاف نبرد آزما ہوئے مسلم لیگ کی بے بصیرت سیاست نے ملک کو دو قومی نظریہ کی بنیاد پر تقسیم کرادیا اور اس طرح ملک کی آزادی کے لئے مسلمانوں کی سرفروشانہ اور انقلابی خدمات تاریخ کے قبرستان میں دفن کردی گئیں آج برادران وطن تو کیا خود مسلمانوں کی غالب اکثریت اس بات سے ناواقف ہے کہ وہابیوں نے ہندوستان کی آزادی کے لئے کیسی کیسی قربانیاں دی ہیں۔ آج لوگ نہیں جانتے کہ صادق پور (پٹنہ) کی تاریخی' علمی' دینی عظمت کیا ہے۔ اور یہاں کے خاک نشینوں نے کبھی صلیبی استعمار کے دانت کھٹے کئے تھے۔ اسی ناواقفیت، مسلمانوں کے خلاف بدگمانی اور غلط فہمی کا نتیجہ تھا کہ دہلی اور بمبئی کے بم دھماکوں کے سلسلے میں پکڑے گئے چند افراد کو وہابی یعنی اہلحدیث مسلک سے جوڑ دیا گیا۔ پولس کے اس اعلان میں کتنی صداقت ہے کہ ان سب کا تعلق مسلک اہلحدیث سے ہے یہ تو عدالت میں بحث و تنقیح کے بعد ہی ثابت ہوسکے گا مگر ذرائع ابلاغ پولس اور سی بی آئی نے جس طرح پورے اہلحدیث فرقے کو اس میں ملوث کرنے کی کوشش کی ہے وہ نہ صرف حد درجہ افسوس ناک بلکہ تشویش ناک ہے اس سے پہلے کبھی یہ نہیں ہوا کہ جو ملزم پکڑے جائیں ان کے مسلک یا کسی خاص فرقہ سے تعلق کو اچھالا جائے پنجاب اور ملک کے مختلف علاقوں میں سکھ پکڑے گئے انہیں صرف سکھ دہشت گرد کہا گیا کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ مذہبی سکھ ہیں ، نامدھاری ہیں' اکالی ہیں یا نرنکاری ہیں' ہندو ملزم پکڑے جاتے ہیں کار سیوک بھی پکڑے گئے شیوسینا والے بھی' بجرنگ دل اور بی جے پی کے بھی کسی اخبار نے یہ نہیں لکھا کہ ان میں سناتن دھرمی اتنے تھے اور آریہ سماجی اتنے' مسلمانوں میں بھی حکومت یہ اعلان تو نہیں کرتی کہ جو مسلمان ماخوذ ہوئے ان میں شیعہ اتنے اور سنی اتنے ہیں۔ یہ ایک نئی بات ہوئی ہے کہ جو پکڑا جائے اس کے ساتھ یہ اعلان بھی کیا جائے کہ وہ اہلحدیث ہے، کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ابھی چند ماہ پہلے طلاق ثلاثہ کے فتوے پر پورے ملک میں جماعت اہلحدیث کو سرکاری طور پر متعارف کرایا گیا۔ ریڈیو' ٹی وی' اخبار ہر جگہ اہلحدیث کے فتوے کی تشہیر تھی۔ جنہوں نے کبھی جماعت اہلحدیث کا نام بھی نہیں سنا تھا انہیں بھی باور کرایا گیا کہ مسلمانوں کے اس فرقہ نے ایک انقلابی فتویٰ دیا ہے۔ ابھی اس تشہیر کی گونج زیادہ مدھم بھی نہیں ہوئی تھی کہ اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ نے اعلان شروع کردیا کہ اہلحدیث دہشت گردی میں ملوث ہیں اور آئی ایس آئی کے اشاروں پر کام کررہے ہیں کیا عجب کل یہ اعلان ہوجائے کہ داؤد ابراہیم اور میمن برادرس بھی اہلحدیث ہیں۔ کسی انفرادی جرم کے لئے پوری جماعت' مسلک اور فرقہ کو بدنام اور ماخوذ کرنے کی یہ سب سے مذموم حرکت ہے پھر افسوس کی بات یہ ہے کہ کوئی یہ کہنے والا نہیں ہے کہ کسی کو من حیث الجماعت ملوث کرنا یا کسی ملزم کی اس کے مسلک اور عقیدہ کی بنیاد پر شناخت کرنا سراسر دھاندلی ہے۔ ملک کا قانون اس کی اجازت نہیں دیتا۔ صلیبی استعمار نے ضرور ہندوستان میں "وہابی" کو "باغی" کے ہم معنی قرار دیا تھا لیکن آزاد ہندوستان میں انتظامیہ اور اس کی اٹلی جنس کو اس کا شعور ہونا چاہئے کہ مذہبی یا مسلکی بنیاد پر کسی کو ہراساں کرنا قانونی مساوات کے بنیادی اصولوں کے منافی ہے اور حقوق انسانی کی پامالی کا بدترین مظاہرہ ہے۔ سی بی آئی نے صادق پور (پٹنہ) میں مولانا عبدالسمیع صاحب حفظہ اللہ کے مکان پر چھاپا مارا سارے گھر کی تلاشی لی حضرت مولانا اور ان کے

(بقیہ ص ۳۷ پر)

ابو صادق عاشق علی اثری

حقوق والدین

(۵)

والدین کی قسم کھانا جائز نہیں:

والدین کا مقام و مرتبہ خواہ کتنا بلند سہی مگر اللہ رب العالمین کے آگے ہیچ ہے۔ اسی لئے اگر قسم کھانے کی ضرورت ہو تو صرف اللہ کی قسم کھانا چاہئے۔ والدین یا غیر اللہ کی قسم کھانا بالکل جائز نہیں ہے کیوں کہ کسی چیز کی قسم کھانا اس کی تعظیم کی متقضی ہوتی ہے اور عظمت و بڑائی صرف اللہ واحد کے لئے ہے۔ چونکہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے آباء و اجداد کی قسم کھاتے تھے۔ اس لئے شریعت اسلامیہ نے اس غلط طریقہ اور شرکیہ اور کفریہ کام سے منع کردیا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

● إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أدرك عمر بن الخطاب، وهو يسير في ركب يحلف بأبيه فقال "لا إن اللہ ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم. من كان حالف فليحلف باللہ أو ليصمت (۱)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک قافلہ کے ساتھ چلتے ہوئے پایا اور وہ اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے۔ تو آپ نے فرمایا، خبردار! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں آباء و اجداد کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ جسے قسم کھانی ہو اسے اللہ کی قسم کھانی چاہئے یا خاموش رہنا چاہئے۔

● سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً حلف بأبیہ فقال: لاتحلفوا بآبائكم. من حلف باللہ فليصدق، ومن حلف له باللہ فليرض، ومن لم يرض باللہ فليس من اللہ (۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے اپنے باپ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ اپنے باپ دادا کی قسم نہ کھاؤ۔ جو اللہ کی قسم کھائے اسے سچی بات پر قسم کھانی چاہئے۔ اور جس سے اللہ کی قسم کھائی جائے اسے تسلیم کرلینا چاہئے۔ اور جو اللہ سے راضی نہ ہو وہ اللہ کے حفظ و امان میں نہیں ہوگا

● عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتحلفوا بالطواغی ولا بآبائكم (۳)

بتوں کی اور اپنے باپ دادا کی قسم نہ کھاؤ۔

● اور آپ نے فرمایا:

لاتحلفوا بآبائكم ولا بأمهاتكم ولا بالأنداد، ولا تحلفوا إلا باللہ ولا تحلفوا إلا وأنتم صادقون (۴)

اپنے باپوں کی، اپنی ماؤں کی اور بتوں کی قسم نہ کھاؤ صرف اللہ کی قسم کھاؤ اور صرف اس صورت میں اللہ کی قسم کھاؤ جب کہ تم سچے ہو۔

● سعد بن عبیدہ کہتے ہیں:

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الأیمان والنذور ۸۳ باب لا تحلفوا بآبائکم ح ۶۶۴۶ کتاب الشہادات ۲۶ باب کیف یستحلف ح ۲۶۷۹ کتاب مناقب الأنصار ۲۶ باب أیام الجاہلیة ح ۳۸۳۶ کتاب الأدب ۷۸ باب من لم یر إکفار من قال ذلک متأولاً أو جاہلاً ح ۶۱۰۸ کتاب التوحید ۹۷ باب السؤال بأسماء اللہ تعالیٰ والاستعاذة بہا ح ۷۴۰۱ صحیح مسلم کتاب الأیمان ۲۷ باب النہی عن الحلف بغیر اللہ تعالیٰ ح ۱۶۴۶

(۲) صحیح سنن ابن ماجہ کتاب الکفارات ۱۱ باب من حلف لہ باللہ فلیرض ح ۲۱۰۱ بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما

(۳) صحیح مسلم کتاب الأیمان ۲۷ باب من حلف باللات والعزی فلیقل لا إلہ إلا اللہ ح ۱۶۴۸، صحیح سنن ابن ماجہ کتاب الکفارات ۱۱ باب النہی أن یحلف بغیر اللہ ح ۲۰۹۵

(۴) صحیح الجامع ۷۲۴۹ بحوالہ سنن أبی داؤد و سنن النسائی بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

ن ابن عمر سمع رجلا يقول: لا والكعبة، فقال: لا يحلف بغير الله، فإني سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من حلف بغير الله فقد كفر أو أشرك (۱)

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا "کعبہ کی قسم" بات ایسی نہیں ہے۔ تو انہوں نے کہا غیر اللہ کی قسم نہیں کھائی جاتی، کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن الله عزوجل ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم، قال عمر: فوالله ماحلفت بها منذ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها، ذاكراً ولا آثراً (۲)

بے شک اللہ عزوجل تمہیں باپ دادا کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے منع فرماتے ہوئے سنا اس وقت سے باپ دادا کی قسم نہیں کھائی۔ نہ اپنی طرف سے اور نہ دوسرے کے باپ دادا کی قسم نقل کرنے کے طور پر۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قسم کھانے والے شخص کے لئے صرف دو ہی صورتیں ہیں:

۱۔ یا تو وہ اللہ کی قسم کھائے۔

۲۔ یا پھر خاموش رہے اور غیر اللہ کی قسم نہ کھائے۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا لائق تعظیم کیوں نہ ہو۔ جیسے انبیاء ورسل، فرشتے اور کعبہ۔ لہٰذا کسی بھی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ نبی ورسول، جبرئیل، کعبہ، بیت اللہ، میری یا تیری زندگی یا فلاں کی زندگی یا ماں باپ کی قسم کھائے۔

(۱) جامع ترمذی کتاب الأیمان والنذور ۸ باب ماجاء فی کراہیۃ الحلف بغیر اللہ ۸ ح ۱۵۳۵
وقال حدیث حسن۔

(۲) صحیح مسلم کتاب الأیمان ۱ باب النہی عن الحلف بغیر اللہ تعالیٰ ح ۱۶۴۶

والدین کا پورا حق ادا نہیں ہو سکتا:

ماں باپ کا مقام و مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اولاد جس قدر بھی ان کی خدمت واطاعت اور فرمانبرداری کرے، صحیح معنی میں ان کا پورا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لايجزي ولد والدا، إلا أن يجده مملوكا فيشتريه فيعتقه (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی اولاد اپنے والدین کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتی، مگر یہ کہ اسے کسی کی ملکیت میں غلام پائے اور خرید کر آزاد کردے۔

(جاری)

(۳) صحیح مسلم کتاب العتق ۲۰ باب فی حق الولد الوالد ۶ ح ۱۵۱۰، صحیح سنن ابن ماجہ کتاب الأدب ۳۳ باب بر الوالدین ۱ ح ۲۹۵۳

بقیہ سفرگذشت

ریستوران، چائے خانے وغیرہ غرض وہ باتیں جو آج کل مسلم کلچر کی شناخت بن گئی ہیں وہ بنگلور میں بھی نظر آئیں۔ دراصل یہ مسئلہ فرقہ وارانہ انداز کا نہیں ہے بلکہ معاشی اور اقتصادی ہے جہاں مسلمان متمول اور تعلیم یافتہ ہیں وہاں ان کا طرز رہائش، کاروباری انداز اور مزاج اسی معیار کا ہے جہاں غریب طبقہ ہے اس کا وہی پسماندگی والا انداز ہے اس میں نہ ہندو کی تمیز ہے نہ مسلمان کی پسماندہ ہندو علاقہ میں بھی ایسے ہی تکلیف دہ اور ناگوار مناظر دکھائی دیں گے جیسے پسماندہ مسلم علاقے میں۔ علم اور دولت سے شعور بھی ملتا ہے اور سلیقہ بھی اور علم و دولت محنت اور جہد مسلسل سے ہاتھ آتے ہیں۔　(جاری)

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بے گانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند
اقبال

اسمٰعیل ضیاء
سابق رکن پنجاب اسمبلی پاکستان

مولانا ابوالکلام آزاد

زیر نظر مقالہ پاکستان کے سابق ممبر پارلیمنٹ جناب اسماعیل ضیاء صاحب کا تحریر کردہ ہے۔ جسے پاکستان کے بلند پایہ مصنف اور نامور صحافی جناب اسحاق بھٹی صاحب نے خاص التوعیہ کے لئے صدر مرکز مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی حفظہ اللہ کے نام اپنے ایک مکتوب کے ساتھ ارسال فرمایا ہے۔

مقالہ پڑھنے کے بعد رحمانی صاحب نے اس پر ایک وضاحتی نوٹ بھی تحریر فرمایا ہے۔ جس میں مولانا آزاد کی سیاسی بصیرت اور دینی عبقریت۔ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کے ناقدین وحاسدین کی بعض ناروا کوششوں کی جانب بھی اشارے کئے ہیں۔ اور مولانا کی عظیم شخصیت اور فکر کے بعض کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے ذیل میں بھٹی صاحب کے خط کے ساتھ اصل مقالہ اور اس کے بعد رحمانی صاحب کا نوٹ شائع کیا جارہا ہے۔

بھٹی صاحب نے اپنے خط میں "شیخ الاسلام علامہ امرتسریؒ اور مسلم لیگ" کے موضوع پر اپنے خیالات رقم فرما کر جلد بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ہمیں بھٹی صاحب کے اس وقیع مقالہ کا شدت سے انتظار ہے۔ (مدیر)

مکرمی ومحترمی مولانا عبدالحمید صاحب!　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

"التوعیہ" ادارہ ثقافت اسلامیہ میں باقاعدگی سے نہیں پہنچ رہا ہے، معلوم نہیں، راستے میں کہاں رہ جاتا ہے جو شمارہ آتا ہے۔ وہ نہایت توجہ اور دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔ زبان' انداز' مضامین ومندرجات کے اعتبار سے ماشاء اللہ بہت عمدہ رسالہ ہے۔ اس کے ذریعے آپ اپنے مسلک اور اسلام کی بڑی خدمت کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو مزید خدمت کے مواقع فراہم کرے۔ آمین۔

اپنے ایک عزیز دوست کا مضمون ارسال خدمت کر رہا ہوں' اگر اسے "التوعیہ" میں جگہ مل سکے تو شکر گزار ہوں گا۔

اپریل ۱۹۹۳ء کا "التوعیہ" میں نے سنبھال کر رکھا ہے' اس میں "شیخ الاسلام علامہ امرتسری رحمہ اللہ اور مسلم لیگ" کے عنوان سے محترم المقام جناب ابن احمد نقوی صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اس سلسلے میں راقم بھی کچھ عرض کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے یہ شمارہ محفوظ کرلیا تھا۔ اگرچہ تاخیر ہوگئی ہے تاہم ان شاء اللہ اس موضوع سے متعلق اختصار کے ساتھ اپنی معلومات قلم بند کرکے پیش خدمت کروں گا۔

ادارہ کے تمام معزز ارکان کی خدمت میں مؤدبانہ سلام۔

امید کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

مکرر! اپریل ۱۹۹۳ء کے "التوعیہ" میں میرے مرحوم دوست مولانا محمد اسحاق چیمہ کی خبر وفات بھی درج ہے۔

ان پر میں نے ایک طویل مضمون لکھا ہے جو ماہنامہ "تعلیم الاسلام" (ماموکانجن) میں شائع ہوگا۔

اخلاص کیش
محمد اسحاق بھٹی
۴/۳/۱۹۹۴ء

انیسویں صدی کے وسط میں مغلیہ سلطنت اپنے انتہائی زوال کو پہنچ چکی تھی اور فرنگی تسلط پوری طرح اپنے پنجے ہندوستان میں گاڑ چکا تھا۔ انگریز کے خلاف مزاحمتی تحریک کمزور پڑ چکی تھی تاہم اس خاکستر میں بھی کہیں کہیں کوئی چنگاری چمک اٹھتی۔ سید احمد شہید کی تحریک کی باقیات ملک کے مختلف علاقوں خصوصاً بنگال 'پٹنہ' پنجاب اور افغان سرحد کے قریب قبائلی علاقے میں اپنی سرگرمیاں تحریک مجاہدین کے نام سے جاری رکھے ہوئے تھیں۔ ملک کے مختلف علاقوں سے ان مجاہدین کے لئے مالی اعانت کی ترسیل کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دور میں مسلمان رہنما دو مختلف راستوں پر چل نکلے۔ ایک طرف سرسید احمد خاں اور ان کے ساتھی تھے جو حالات سے سمجھوتہ کر چکے تھے اور مسلمانوں کو آنے والے حالات کے مقابلے کے لئے انگریزی زبان اور جدید علوم وفنون کی تحصیل کے لئے راغب کر رہے تھے۔ دوسری طرف علمائے دین کا وہ گروہ تھا جو انگریز دشمنی میں اس حد تک آگے نکل گیا کہ ان کے نزدیک انگریزی زبان کی تحصیل اور سرسید احمد خاں کے ساتھ تعاون گناہ قرار پایا۔

انیسویں صدی کا نصف ثانی اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس دور میں تمام براعظم افریقہ اور ایشیا انگریزی 'فرانسیسی اور اطالوی استعمار کی مضبوط گرفت میں تھے۔ کرشمۂ قدرت دیکھئے کہ اسی عہد میں ہندوستان، مصر اور لیبیا میں ان شخصیات نے جنم لیا جن کی قیادت میں ان کے نہتے عوام نے بے مثال قربانیوں سے یورپی سامراج کو شکست دی اور اپنی گردنوں سے غیر ملکی آقاؤں کی غلامی کا طوق اتار پھینکا۔ اس سلسلے میں مصر میں مفتی محمد عبدہٗ 'رشید رضا' مصطفیٰ نحاس پاشا' لیبیا میں استاد عمر مختار اور برصغیر میں محمد علی جوہر' حسرت موہانی' عبدالقادر قصوری، داؤد غزنوی' محمود الحسن دیوبندی' عبیداللہ سندھی' قائد اعظم محمد علی جناح' حکیم اجمل خاں' ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور غیر مسلم رہنماؤں میں گاندھی جی، موتی لال اور جواہر لال نہرو کے نام تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔

ابوالکلام آزاد کے بغیر ان مشاہیر کی فہرست نامکمل معلوم ہوتی ہے۔ آزاد ۱۸۸۸ء میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد مولانا خیرالدین ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ہجرت کر گئے تھے۔ مولانا خیرالدین حنفی مسلک کے غالی مقلد تھے۔ آزاد کے لڑکپن کا زمانہ تھا جب خیرالدین وطن لوٹے اور کلکتے میں مقیم ہوئے' جہاں ان کے مریدوں کا وسیع حلقہ کاروباری حضرات پر مشتمل تھا۔ ابوالکلام کی تعلیم گھر پر ان کے والد کی سخت نگرانی میں شروع ہوئی۔ ان کے اتالیق بھی خاص مسلک کے مقرر کئے گئے کیوں کہ مولانا خیرالدین نہیں چاہتے تھے کہ انکے بیٹے کو ان علوم وفنون اور افکار کی ہوا بھی لگے جو ان کے خاص مقلدانہ عقائد سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ مگر ابوالکلام جو قدرت سے آزاد طبع لے کر آئے تھے کیوں کر تقلید کی چاردیواری میں قید رہتے۔ ان کی طبع آزاد نے ہر شعبۂ زندگی میں اپنی منزل خود متعین کی اور دوسروں کے نقوش پا پر چلنے کے بجائے دوسروں کے لئے اپنے نقش قدم چھوڑے۔ سولہ برس کی عمر میں درس نظامی کی تکمیل کی اور "لسان الصدق" کے نام سے ایک جریدہ جاری کیا۔ اسی دور میں سرسید کی عقلیت پسندی سے متاثر ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ خاندانی عقائد اور روایات سے باغی ہو چکے تھے۔ بقول ان کے وہ اس دور میں شدید ذہنی بحران کا شکار رہے۔ پرانے روایتی افکار ان کے لئے باعث تشفی نہ تھے۔ وہ نئی منزل اور نئی راہوں کے متلاشی تھے۔ اسی زمانے میں بنگال کے انقلابی دہشت پسندوں سے بھی ان کا رابطہ ہوا۔ اسی عمر میں آزاد سیاحت کی غرض سے مصر' شام اور ترکی گئے اور وہاں کے حریت پسند قائدین سے ملاقاتیں کیں۔

اس سفر سے واپس آکر آپ نے کلکتہ سے ہفتہ روزہ "الہلال" ۱۹۱۲ء میں جاری کیا۔ الہلال اپنی نوعیت کا پہلا اردو ہفتہ روزہ تھا جس کے قارئین میں جدید اور قدیم تعلیم یافتہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد تھی۔ اس کی اشاعت دو سال میں چھبیس ہزار تک جا پہنچی۔ اس

زمانے کی شرح تعلیم اورالہلال کے اعلیٰ علمی معیار کے پیش نظر قارئین کی یہ تعداد حیران کن تھی۔اسی دور میں محمد علی جوہر کا "ہمدرد" اردو میں اور "کامریڈ" انگریزی میں الہلال کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کا باعث ہوئے۔ الہلال باتصویر رسالہ تھا اور اردو ٹائپ خط نسخ میں شائع ہوتا تھا۔ابوالکلام کے قلمی معاونین میں سید سلیمان ندوی 'عبدالرزاق ملیح آبادی کے علاوہ دیگر اسی پائے کے لکھنے والے موجود تھے۔ الہلال کے قارئین میں ایسے اصحاب بھی تھے جن کے نزدیک تصویر کشی اور تصاویر کی اشاعت شرعاً ناجائز تھی۔ اسی گروہ کے ایک صاحب نے مولانا محمود الحسن دیوبندی کی زبان سے الہلال کی تعریف سن کران سے سوال کیا کہ الہلال میں تصاویر کی اشاعت کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے۔ مولانا محمود الحسن کا جواب تھا "ہم سب اپنا اصلی کام بھولے ہوئے تھے 'الہلال نے ہمیں یاد دلادیا"

ادھر انگریز حکومت بھی الہلال کی مقبولیت اور اس کے اثرات سے غافل نہ تھی۔چنانچہ الہلال سے ضمانت طلب کرلی گئی۔ اس پر بھی آزاد کی روش نہ بدلی تو ضمانت ضبط کرلی گئی۔ نوجوان ابوالکلام کے سینے میں حریّت اور آزادی کے شعلے پھر بھی ' سرد نہ ہوئے انہوں نے حصول مقصد کی خاطر "البلاغ" کے نام سے نیا ہفت روزہ جاری کردیا۔ بالآخر حکومت نے آزاد کا پریس ضبط کرلیا اور انہیں چار سال کے لئے رانچی میں نظربند کردیا۔ "خاموش تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا" کے مصداق ابوالکلام کب چین سے بیٹھنے والے تھے۔ انہوں نے رانچی میں درس قرآن کا سلسلہ جاری کردیا ان ہی دنوں سرحد سے کوئی صاحب قرآن حکیم کے بعض مطالب سمجھنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے چند روز قیام کیا اور پھر بغیر اطلاع واپس چلے گئے۔ ان صاحب کے پاس غالباً زادراہ بھی نہ تھا۔ آمدورفت کا تمام سفر خدا جانے کیسے طے کیا (بقول ابوالکلام اس لئے کہ انہیں گمان تھا کہ آزاد انہیں زادراہ پیش کریں گے جو قبول کرنا انہیں گوارا نہ تھا) آزاد نے قرآن پاک کی تفسیر ترجمان القرآن کا انتساب اسی نامعلوم طالب حق کے نام کیا ہے۔ اسی نظربندی کی مدت میں آپ نے "تذکرہ" لکھا جو علمائے حق اور علمائے سو کے بارے میں معلومات کا خزینہ ہے۔

چار سال کی نظربندی ختم ہوئی تو ملکی حالات یکسر بدل چکے تھے . پہلی عالمی جنگ جیت کر فرنگی فتح کے نشے میں چور تھے۔ سلطنت عثمانیہ کی شکست وریخت پر مسلمانوں میں شدید مایوسی اور ناراضی پائی جاتی تھی۔ جلیانوالہ باغ میں جنرل ڈائر کی بربریت اور وحشت کے مظاہرے نے ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد مستحکم کردی تھی۔ بغاوت کی جو چنگاریاں الہلال کے صفحات میں سلگتی تھیں شعلۂ جوالا بن چکی تھیں۔ جذبۂ آزادی کے جو بیج آزاد اور محمد علی جوہر کی تحریروں نے بوئے تھے ان کی فصل پک کر تیار ہو چکی تھی۔ اس دوران مسلمان زعماء اور علماء نے تحریک عدم تعاون یا نان کو آپریشن کا آغاز کردیا۔ علماء نے انگریز حکومت سے کسی قسم کے تعاون بالخصوص فوج اور پولیس کی ملازمت کے خلاف فتویٰ جاری کردیا۔ اور اس فتوے کی تشہیر کے لئے باقاعدہ مہم شروع کردی گئی۔ مولانا آزاد اس فتوے کے مصنفین میں شامل تھے وہ اس کی اشاعت کے لئے ملک بھر کے دورے پر چل نکلے۔ اس سے گھبرا کر مختلف صوبائی حکومتوں نے اپنی حدود میں مولانا کا داخلہ بند کردیا۔ مولانا گاندھی جی کے ہمراہ پنجاب کے دورے پر نکلے لاہور اور امرتسر میں حکومت پنجاب نے سیاسی تقاریر پر پابندی عائد کردی۔ اس پابندی کے پیش نظر گاندھی جی نے گوجرانوالہ میں تقریر کی۔ لیکن مولانا کی عزیمت نے انہیں پسپائی کی اجازت نہ دی چنانچہ مولانا نے امرتسر کی مسجد خیرالدین اور لاہور کی شاہی مسجد میں تقاریر کیں۔ واضح رہے کہ ہر دو مساجد میں مولانا نے خطبۂ جمعہ کے علاوہ نماز کی ادائیگی کے بعد مکرر تقریریں کیں تاکہ حکومت خطبۂ جمعہ کو مذہبی تقریر قرار دے کر ان کی گرفتاری سے گریز کا بہانہ نہ بنا سکے۔ آزاد کے ان جرأت مندانہ اقدام سے باغیانہ جذبات کو بڑھاوا ملا۔ لاہور کے انگریزی اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے اس پر صحن مسجد میں باغیانہ تقریر کے عنوان سے مقالہ لکھا اور حکومت کو مولانا کی گرفتاری کے لئے اکسایا۔ لیکن حکومت پنجاب نے مولانا کو گرفتار کرنے سے بہر حال گریز کیا۔ ملک کے تمام سرکردہ رہنما ترک تعاون کے فتوے کی اشاعت کے جرم میں گرفتار کر لئے گئے تھے علی برادران 'سیف الدین کچلو' حسین احمد مدنی' اور چند ہندو رہنما کراچی میں ترک تعاون کے حق میں تقریروں کے جرم میں ماخوذ ہوئے ان پر کراچی کے خالق دینا ہال میں مقدمہ چلایا گیا اور مختلف میعاد کی سزائیں سنائی گئیں۔

ابوالکلام قید کی کوٹھری میں جانے کے لئے مضطرب تھے۔ اس لئے کہ سب یاران تیزگام محمل تک پہنچ چکے تھے۔ آپ مختلف مقامات پر تقاریر کے ذریعے حکومت کو اپنی گرفتاری کے لئے للکارتے رہے۔

بالآخر وہ گھڑی بھی آگئی جس کا مولانا کو انتظار اور شوق تھا۔ ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو آپ کو کلکتہ میں گرفتار کرلیا گیا۔ جرم بغاوت یعنی دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت مقدمہ قائم ہوا۔ دوران مقدمہ مولانا نے جس جرأت، بے باکی اور عظمت کا مظاہرہ کیا اس کی مثال ملک بھر کے سیاسی مقدمات میں شاید ہی ملے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس مقدمے میں ملزم کا عدالتی بیان تاریخ عالم کے چند مشہور مقدمات میں شمار کئے جانے کے لائق ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے اس بیان کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

عدالت کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

"تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی حکمراں طاقتوں نے آزادی اور حق کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے ہیں تو عدالت گاہوں نے سب سے زیادہ آسان اور بے خطا ہتھیار کا کام دیا ہے۔ عدالت کا اختیار ایک طاقت ہے اور وہ انصاف اور ناانصافی دونوں کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔ منصف حکومت کے ہاتھ میں وہ عدل اور حق کا سب سے بہتر ذریعہ ہیں۔ لیکن جابر اور مستبد حکومتوں کے لئے اس سے بڑھ کر انتقام اور ناانصافی کا کوئی آلہ بھی نہیں۔"

تاریخ عالم کی سب سے بڑی ناانصافیاں میدان جنگ کے بعد عدالت کے ایوانوں ہی میں ہوئی ہیں۔ دنیا کے مقدس بانیان مذہب سے لے کر سائنس کے محققین اور مکتشفین تک کوئی پاک اور حق پسند جماعت نہیں جو مجرموں کی طرح عدالت کے سامنے کھڑی نہ کی گئی ہو۔ بلاشبہ زمانے کے انقلاب سے عہد قدیم کی بہت سی برائیاں مٹ گئیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اب دنیا میں دوسری صدی عیسوی کی خوفناک رومی عدالتیں اور ازمنۂ متوسط (Middle Ages) کی پُراسرار (Inquisition) وجود نہیں رکھتیں لیکن میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ جو جذبات ان عدالتوں میں کام کرتے تھے ان سے بھی ہمارے زمانے کو نجات مل گئی ہے۔ وہ عمارتیں ضرور گرادی گئیں جن کے اندر خوفناک اسرار بند تھے لیکن ان دلوں کو کون بدل سکتا ہے جو انسانی خودغرضی اور ناانصافی کے خوفناک رازوں کا دفینہ ہیں"

عدالت ایک عجیب مگر عظیم الشان جگہ :

"عدالت کی ناانصافیوں کی فہرست بڑی ہی طولانی ہے۔ تاریخ آج تک اس کے ماتم سے فارغ نہ ہوسکی۔ ہم اس میں حضرت مسیح جیسے پاک انسان کو دیکھتے ہیں جو اپنے عہد کی اجنبی عدالت کے سامنے چوروں کے ساتھ کھڑے کئے گئے۔ ہم کو اس میں سقراط نظر آتا ہے جس کو صرف اس لئے زہر کا پیالہ پینا پڑا کہ وہ اپنے ملک کا سب سے زیادہ سچا انسان تھا۔ ہم کو اس میں فلورنس کے فداکار حقیقت گیلیلو کا نام بھی ملتا ہے جو اپنی معلومات و مشاہدات کو اس لئے جھٹلا نہ سکا کہ وقت کی عدالت کے نزدیک ان کا اظہار جرم تھا۔ میں نے حضرت مسیح کو انسان کہا کیوں کہ میرے اعتقاد میں وہ ایک مقدس انسان تھے جو نیکی اور محبت کا آسمانی پیام لے کر آئے تھے لیکن کروڑوں انسانوں کے اعتقاد میں تو وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ تاہم یہ مجرموں کا کٹہرا کیسی عجیب مگر عظیم الشان جگہ ہے جہاں سب سے اچھے اور سب سے برے دونوں طرح کے انسان کھڑے کئے جاتے ہیں اس جگہ کی عظیم الشان اور عمیق تاریخ پر جب میں غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ اسی جگہ کھڑے ہونے کی عزت آج میرے حصے میں آئی ہے تو بے اختیار میری روح خدا کے لئے حمد و شکر میں ڈوب جاتی ہے اور صرف وہی جان سکتا ہے کہ میرے دل کے سرور و نشاط کا کیا عالم ہوتا ہے۔ میں مجرموں کے اس کٹہرے میں محسوس کرتا ہوں کہ بادشاہوں کے لئے قابل رشک ہوں۔ ان کو اپنی خواب گاہ عیش میں وہ

خوشی اور راحت کہاں نصیب۔ جس سے میرے دل کا
ایک ایک ریشہ معمور ہو رہا ہے۔ کاش غافل اور
نفس پرست انسان اس کی ایک جھلک ہی دیکھ پائے۔
اگر ایسا ہوتا تو میں سچ کہتا ہوں کہ لوگ اس جگہ کے
لئے دعائیں مانگتے"

میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے نہ صرف انہیں
دو موقعوں پر بلکہ گذشتہ دو سال کے اندر اپنی بے شمار
تقریروں میں یہ اور اسی مطلب کے اس سے زیادہ
واضح اور قطعی جملے کہے ہیں۔ ایسا کہنا میرے اعتقاد
میں میرا فرض ہے۔ میں فرض کی تعمیل سے اس لئے
باز نہیں رہ سکتا کہ دفعہ ۱۲۴۔الف کا جرم قرار دیا جائے
گا۔ میں اب بھی ایسا ہی کہنا چاہتا ہوں اور جب تک
بول سکتا ہوں ایسا ہی کہتا رہوں گا۔ اگر میں ایسا نہ
کہوں تو اپنے آپ کو خدا اور اس کے بندوں کے
آگے بدترین گناہ کا مرتکب سمجھوں"

اسلام اور بیورو کریسی

"میں مسلمان ہوں اور بحیثیت مسلمان
ہونے کے بھی میرا مذہبی فرض یہی ہے کہ اسلام کسی
ایسے اقتدار کو جائز تسلیم نہیں کرتا جو شخصی ہو یا چند
تنخواہ دار حاکموں کی بیورو کریسی ہو۔ وہ آزادی اور
جمہوریت کا مکمل نظام ہے، جو نوع انسانی کو اس کی
چھینی ہوئی آزادی واپس دلانے کے لئے آیا تھا۔ یہ
آزادی بادشاہوں، اجنبی حکومتوں، خود غرض مذہبی
پیشواؤں اور سوسائٹی کی طاقت ور جماعتوں نے
غصب کر رکھی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ حق طاقت اور
قبضہ ہے۔ لیکن اسلام نے ظاہر ہوتے ہی اعلان کیا
کہ حق طاقت نہیں بلکہ خود حق ہے۔ اور خدا کے
سوا کسی انسان کو سزاوار نہیں کہ بندگان خدا کو اپنا
محکوم اور غلام بنائے۔ اس نے امتیاز اور بالادستی کے
تمام قومی اور نسلی مراتب یک قلم مٹا دیئے۔ اور دنیا کو
بتلا دیا کہ سب انسان درجے میں برابر ہیں اور سب
کے حقوق مساوی ہیں۔ نسل، رنگ، قومیت معیار
فضیلت نہیں بلکہ صرف عمل ہے اور سب سے بڑا
وہی ہے جس کے سب کام اچھے ہیں"

اس مقدمے کے اختتام پر مولانا کو ایک سال قید با مشقت سنائی گئی جس پر
مولانا کا رد عمل یہ تھا۔

"صرف ایک سال میں جس سزا کا متوقع تھا اس سے تو یہ بہت کم ہے"

اس قید سے رہائی کے بعد مولانا کا شمار کانگریس کے اعلیٰ
رہنماؤں میں ہونے لگا۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء میں گاندھی، موتی لال نہرو، حکیم
اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، پنڈت مالوی، سیف الدین کچلو کی موجودگی میں
آپ کو دہلی میں منعقدہ سپیشل سیشن کا صدر منتخب کیا گیا اس وقت آپ کی
عمر ۳۵ سال تھی۔ کانگریس کی تاریخ میں آپ سب سے کم عمر صدر تھے۔
یہ بہت بڑا اعزاز تھا۔ ۱۹۴۰ء میں آپ کو دوبارہ اس منصب کے لئے چنا
گیا۔ آپ کو یہ انفرادیت بھی حاصل تھی کہ مسلسل چھ سال تک اس
منصب پر فائز رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کانگریس اور مسلم لیگ کا اختلاف
عروج پر تھا اور اس وجہ سے آپ کی شخصیت انتہائی متنازع بن چکی تھی۔
بالخصوص دو قومی نظریئے اور متحدہ قومیت کے بارے میں مسلمانوں کے
جذبات سخت مشتعل تھے اور آپ بہت مطعون تھے۔ اس پس منظر میں
آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں غیر مبہم اور واضح طور پر بڑے باوقار
طریقے سے اپنے خیالات اور نظریات کا اظہار کیا۔ ملاحظہ فرمایئے۔
اسلامی تہذیب و تمدن اور دین کے معاملے میں آپ کا انداز قطعاً غیر
معذرت خواہانہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

"میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ
محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں۔ اسلام کی تیرہ
سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثے میں آئی
ہیں میں تیار نہیں کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا
حصہ بھی ضائع ہونے دوں۔ اسلام کی تعلیم، اسلام کی
تاریخ، اسلام کے علوم و فنون، اسلام کی تہذیب میری
دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی
حفاظت کروں۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے میں
مذہبی اور کلچرل دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا
ہوں اور میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی

مداخلت کرے۔ لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے 'اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی۔ وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے۔ میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں۔ میں ہندوستان کی ایک اور ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں۔ میں اس متحدہ قومیت کا ایک ایسا اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے۔ میں اس کی تکوین کا ایک ناگزیر عامل ہوں میں اپنے اس دعوے سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا۔

تاریخ کی پوری گیارہ صدیاں اس واقعے پر گزر چکی ہیں۔ اب اسلام بھی اس سرزمین پر ویسا ہی دعویٰ رکھتا ہے جیسا دعویٰ ہندو مذہب کا ہے۔ اگر ہندو مذہب کئی ہزار برس سے اس سرزمین کے باشندوں کا مذہب رہا ہے تو اسلام بھی ایک ہزار برس سے اس کے باشندوں کا مذہب چلا آتا ہے۔ ہم اپنے ساتھ اپنا ذخیرہ لائے تھے یہ سرزمین بھی اپنے ذخیروں سے مالا مال تھی ہم نے اپنی دولت اس کے حوالے کردی اور اس نے اپنے خزانوں کے دروازے ہم پر کھول دیئے۔ ہم نے اسے اسلام کے ذخیرے کی وہ سب سے زیادہ قیمتی چیز دے دی جس کی اسے سب سے زیادہ احتیاج تھی۔ ہم نے اسے جمہوریت اور انسانی مساوات کا پیام پہنچادیا"

آپ کے اسی دور صدارت میں کانگریس اور برطانوی حکومت کے درمیان فیصلہ کن معرکہ ہوا۔ یہ دوسری عالمی جنگ کا زمانہ تھا۔ برطانیہ اور اس کے اتحادی محوری طاقتوں کے ہاتھوں مسلسل شکست پر شکست سے دوچار ہو رہے تھے۔ حکومت برطانیہ نے جنگی مساعی میں کانگریس کا تعاون حاصل کرنے کے لئے سر کرپس کو ہندوستان روانہ کیا۔ کانگریس اس شرط پر تعاون کے لئے تیار تھی کہ برطانوی حکومت جنگ کے خاتمے پر ہندوستان کو مکمل آزادی دینے کا اعلان کرے۔ یہ گفتگو ناکام ہوئی اور کانگریس نے Quit India کا مطالبہ کرکے تحریک شروع کردی۔ اس کے مقابلے میں مسلم لیگ نے Divide and Quit کا نعرہ لگایا۔ مولانا آزاد دیگر کانگریسی رہنماؤں کے ساتھ بغیر مقدمہ چلائے قید کردئے گئے۔ تقریباً تین سال بعد جب برطانیہ جنگ جیت گیا تو مولانا اور ان کے ساتھیوں کو رہا کرکے ایک بار پھر ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں مذاکرات شروع کئے گئے۔

مولانا ابوالکلام کی ذات کے سلسلے میں یہ قید خاص اہمیت کی حامل تھی اس قید کے دوران مولانا کی اہلیہ زلیخا بیگم کا انتقال ہوا۔ مولانا آزاد کا مقام اسارت اخفا میں رکھا گیا تھا تاہم حکومت کی خواہش تھی کہ مولانا درخواست کریں تو انہیں بیگم کی بیماری کے دوران پیرول پر رہا کردیا جائے۔ مگر مولاناؔ کی طبع غیور نے حکومت سے ایسی درخواست کرنے سے انکار کردیا۔ جواہرلال جیسے قریبی ساتھی بھی آپ کو اس پر آمادہ نہ کرسکے۔ مردان حر کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔ اس تین سال کے عرصے میں آپ کی صحت بیماری اور بیگم کی رحلت کے صدمے کی وجہ سے بے حد متاثر ہوئی۔ اردو ادب کے شائقین کے لئے مولانا کی یہ قید ایک طرح باعث مسرت ثابت ہوئی جب انہیں "غبار خاطر" کی صورت میں اردو ادب وانشاء کا بیش بہا خزانہ ملا۔ ان دنوں خط وکتابت پر پابندی تھی۔ مگر مولانا کا معمول تھا کہ اپنے ایک دیرینہ دوست مولانا حبیب الرحمان خاں شیروانی کو صدیق مکرم کہہ کر کسی موضوع پر زبان قلم کے ذریعہ باتیں شروع کردیتے۔ مولانا نے اپنی تحریروں کو عقیدت مندوں کے اصرار پر "غبار خاطر" کے عنوان سے شائع کرنے کی اجازت دے دی۔ مولانا نے ان خطوط میں مذہب' سائنس' ہستی باری تعالیٰ' تاریخ' فلسفہ' موسیقی غرضیکہ بے شمار موضوعات پر قلم اٹھایا۔ موسیقی کے بارے میں مولانا کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ پڑھئے اور سر دھنئے۔ ایسا معلوم ہوگا کہ کسی ساحر نے آپ پر جادو کردیا ہو۔

"جس زمانے میں موسیقی کا اشتغال جاری تھا طبیعت کی خود رفتگی اور محویت کے بعض ناقابل فراموش احوال پیش آئے جو اگرچہ خود گذر گئے لیکن ہمیشہ کے لئے دامن زندگی پر اپنا رنگ چھوڑ گئے اسی زمانے کا ایک واقعہ ہے کہ آگرہ کے سفر کا اتفاق ہوا۔ اپریل کا مہینہ تھا۔ اور چاندنی کی ڈھلتی ہوئی راتیں تھیں۔ جب رات کی پچھلی پہر شروع ہونے کو ہوتی تو

چاند پردۂ شب ہٹا کر یکایک جھانکنے لگتا۔ میں نے خاص طور پر کوشش کر کے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ رات کو ستار لے کر تاج چلا جاتا اور اس کی چھت پر جمنا کے رخ بیٹھ جاتا۔ پھر جوں ہی چاندنی پھیلنے لگتی ستار پر کوئی گیت چھیڑ دیتا' اور اس میں محو ہو جاتا' کیا کہوں اور کس طرح کہوں کہ فریب تخیل کے کیسے جلوے انہیں آنکھوں کے آگے گذر چکے ہیں

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

رات کا سناٹا' تاروں کی چھاؤں' ڈھلتی ہوئی چاندنی اور اپریل کی بھیگی ہوگی ہوئی رات' چاروں طرف تاج کے منارے سر اٹھائے کھڑے تھے۔ برجیاں دم بخود بیٹھی تھیں۔ بیچ میں چاندنی سے ڈھلا ہوا مرمریں گنبد اپنی کرسی پر بے حس و حرکت متمکن تھا۔ نیچے جمنا کی روپہلی جدولیں بل کھا کھا کر دوڑ رہیں تھیں اور اوپر ستاروں کی ان گنت نگاہیں حیرت کے عالم میں تک رہیں تھیں۔ نور و ظلمت کی اس ملی جلی فضا میں اچانک پردہ ہائے ستار سے نالہ ہائے بے حرف اٹھتے اور ہوا کی لہروں پر بے روک تیرنے لگتے۔ آسمان سے تارے جھڑ رہے تھے اور میری انگلی کے زخموں سے نغمے

زخمہ بر تارِ رگ جاں می زنم
کس چہ داند تاچہ دستاں می زنم

کچھ دیر تک فضا تھمی رہتی گویا کان لگا کر خاموشی سے سن رہی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ ہر تماشائی حرکت میں آنے لگتا۔ چاند بڑھنے لگتا یہاں تک کہ سر پر آ کھڑا ہوتا۔ ستارے دیدے پھاڑ پھاڑ کر تکنے لگتے۔ درختوں کی ٹہنیاں کیفیت میں آ آ کر جھومنے لگتیں۔ رات کے سیاہ پردوں کے اندر عناصر کی سرگوشیاں صاف صاف سنائی دیتیں۔ بارہا تاج کی برجیاں اپنی جگہ سے ہل گئیں اور کتنے ہی بار ایسا ہوا کہ منارے اپنے کاندھوں کو جنبش سے نہ روک سکے۔ آپ باور کریں یا نہ کریں مگر یہ واقعہ ہے کہ اس عالم میں بارہا میں نے برجیوں سے باتیں کی ہیں اور جب کبھی تاج کے گنبد خاموش کی طرف نظر اٹھائی ہے تو اس کے لبوں کو ہلتا ہوا پایا ہے۔

تو مپندار کہ ایں قصہ زخود می گوئم
گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

مولانا آزاد اور پاکستان

خطابت' صحافت' ادب' فلسفہ' تاریخ' حدیث' تفسیر' سیاست کون سی اقلیم تھی جس کے آپ تاجدار عصر نہ تھے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ پاکستان میں آپ کو صرف سیاست کے حوالے سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ بھی صرف اس حد تک کہ آپ نے پاکستان کی مخالفت کی۔ بلاشبہ مذاکرات کی میز پر برطانوی ٹیم کے سامنے آپ نے برصغیر کی تقسیم کے خلاف دلائل دیئے۔ خود کانگریس کے اندر بھی وہ آخری رہنما تھے جنہوں نے تقسیم ہند کو ناگزیر جان کر قبول کیا۔ مگر پاکستان بن جانے کے بعد آپ ہمیشہ اس کے خیر خواہ رہے۔ غالباً ۱۹۵۱ء میں آپ یورپ کے سفر سے واپسی پر کراچی میں رکے۔ یہاں آپ کو حسب مرتبہ پروٹوکول نہ دیا گیا مگر آپ قائد اعظم کے مزار پر گئے اور ان کے لئے فاتحہ خوانی کی۔ اردو اور بنگالی زبان کے مسئلے پر جب پاکستان میں شدید اختلاف پیدا ہوئے اور دستور سازی میں منجملہ دوسرے مسائل کے قومی زبان کا مسئلہ بھی بہت بڑی رکاوٹ تھا اس وقت عبد الرب نشتر پنجاب کے گورنر تھے۔ مولانا غلام رسول مہر دہلی میں اپنے کسی تحقیقی کام کی غرض سے مولانا کے ہاں مقیم تھے۔ مولانا نے بطور خاص مہر صاحب کو لاہور بھیجا کہ سردار عبد الرب نشتر کو ان کی طرف سے پیغام دیں کہ بنگالی مسلمان زبان کے معاملے میں بڑے حساس واقع ہوئے ہیں۔ پاکستان کے اتحاد کی خاطر ان کے جذبات کو مجروح نہ کیا جائے۔

اس سلسلے میں پاکستان کے ریٹائرڈ سفارت کار ڈاکٹر افضل اقبال نے اپنی ایک کتاب (Diary of a Diplomat) میں دلچسپ مگر اہم واقعہ بیان کیا ہے ڈاکٹر افضل اقبال اس وقت پاکستانی ہائی کمیشن دہلی میں تھرڈ سیکریٹری تھے اور راجہ غضنفر علی ہائی کمشنر۔ پنڈت نہرو کشمیر میں رائے شماری سے منحرف ہو رہے تھے۔ راجہ صاحب اس بات سے سخت پریشان تھے۔ پنڈت نہرو کی دلیل تھی کہ پاکستان امریکہ سے اسلحہ حاصل کرنے کا معاہدہ کر کے سرد جنگ کو برصغیر میں لے آیا ہے۔ گورنر جنرل غلام محمد ہندوستان کے دورے پر گئے انہوں نے پنڈت نہرو سے اپنے وزراء سمیت ظہرانے پر پاکستانی ہائی کمیشن میں آنے کی درخواست کی۔ مولانا آزاد بھی تشریف لائے جو بالعموم سفارتی تقاریب میں نہیں جایا کرتے تھے۔ یہ وہ موقع تھا کہ یو۔این۔او۔ کی طرف سے کشمیر میں رائے شماری کے انتظامات کئے جا رہے تھے۔ امیر البحر نمٹز ناظم رائے شماری مقرر ہو چکا تھا' اور رائے شماری کے لئے تاریخ کے مسئلے پر بات چیت ہو رہی تھی۔ اسی دوران ایوب خاں نے بحیثیت

کمانڈرانچیف امریکہ سے اسلحہ حاصل کرنے کے معاہدے پر دستخط کردیئے اور ٹال مٹول کرنے لگے۔ بقول ڈاکٹر افضل اقبال مولانا نے ان سے کہا کہ "یہ آپ نے کیا کیا؟ کشمیر پکے ہوئے پھل کی طرح آپ کی گود میں گر رہا تھا"

خدا مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

مولانا ابوالکلام آزاد ۲۲ر فروری ۱۹۵۸ء کو اس دار فانی سے رحلت فرما کر اپنے ساتھ قبر میں نہ جانے علم و ادب کے کیا کیا خزینے لے گئے۔

ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ اپنے دور کے عظیم مفکّر، بے نظیر عالم، وسیع الظرف انسان، شریف النفس قائد، علوم قرآن وحدیث، فقہ وکلام اور دیگر اسلامی، عربی اور قدیم وجدید علوم ومعارف کے امام اور ایک عبقری انسان تھے۔

میں نے اپنے استاذ اور بین الاقوامی شخصیت کے مالک اور اپنے دور کے عربی بلکہ ساری سامی زبانوں کے ماہر، مشہور عالم وادیب اور داعی ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی رحمتہ اللہ علیہ سے ۱۹۶۸ء میں ان کے ساتھ انٹرویو کے اثناء میں جب مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں پوچھا تو ان کا برجستہ جواب تھا "کان نادرۃ العصر" اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بین الاقوامی سیاسیات بالخصوص برصغیر ہندوپاک کے سیاسی حالات کا اتنا بڑا دور اندیش، واقف کار ان کے دور میں کوئی اور نہیں ہوا۔ نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کے پوتے نواب شمس الحسن خاں جو تقسیم ملک سے قبل یوپی مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری تھے انہوں نے ۱۹۶۸ء میں مسجد نبوی میں ایک ملاقات کے اثناء میں سابق صدر پاکستان ایوب خان رحمہ اللہ کا یہ قول مجھ سے نقل کیا کہ "انڈیا ونس فریڈم" میں مولانا آزاد نے مستقبل کے سلسلہ میں پاکستان کی بابت جن خدشات کا تذکرہ کیا ہے وہ ایک ایک کرکے سامنے آتے جا رہے ہیں اور مجھے یہ تلخ حقیقت وجود میں آتی نظر آرہی ہے کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے الگ ہو جائے گا"۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اتنے غیر معمولی دل ودماغ کا آدمی ہر طرح کے فتنوں میں گھرے ہونے اور ایک غیر اسلامی ماحول میں پڑے رہنے کے باوجود اسلام کے کسی بنیادی عقیدہ یا بنیادی تعلیم بالفاظ دیگر نصوص کتاب وسنت اور عقیدہ و منہج سلف صالح سے باہر نہیں نکلا۔ اس کے بیشتر معاصر علماء جن کو کسی معنی میں بھی ابوالکلام آزاد کا معاصر قرار دیا جاسکتا ہو مختلف بنیادی گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے، کوئی عقلیت کے فتنہ میں مبتلا ہو گیا، کوئی تصوف کی جوہڑ میں گر گیا، کوئی تقلید شخصی اور جمود کا شکار ہو کر رہ گیا، کچھ تو ایسے تھے جو کئی کئی مہینے اجمیر میں "خواجہ کے دربار" میں پڑے رہنے ہی کو اپنی معراج سمجھتے تھے۔ بحمد اللہ ابوالکلام آزاد ان ضلالتوں سے محفوظ رہے لیکن تھے وہ بہرحال انسان ہی، معصوم نہیں تھے اس لئے ان سے مختلف چھوٹی بڑی اجتہادی غلطیاں سرزد ہوئیں جن میں درج ذیل غلطیاں ہماری نظر میں شدید گرفت کی مستحق ہیں۔

۱۔ اقامت توحید جو انسانی زندگی کی اصل غایت ہے اور مولانا آزاد کتاب وسنت کے گہرے اور ٹھوس مطالعہ کی وجہ سے اس کے سب سے بڑے واقف کاروں میں تھے، ساتھ ہی معارف ابن تیمیہ، شاہ اسماعیل اور میاں نذیر حسین محدّث دہلوی کی تحریک تجدید توحید وسنّت نیز خاندان سعادت صادق پور سے استفادہ نے حقیقت توحید کو ان کے دل ودماغ میں اچھی طرح نکھار دیا تھا لگتا ہے کہ ملک کے مخصوص سیاسی حالات سے تأثر کے نتیجہ میں اور اپنے انقلابی وسیاسی خیالات کے باعث بعد کے دور میں اقامت توحید کا یہ بنیادی مقصد ان کے یہاں بھی بہت سے دوسرے قائدین کی طرح دب دبا سا گیا اور متحدہ قومیت اور ملک کی آزادی ان کے یہاں دوسری چیزوں پر غالب آگئی، اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں وہ جمال الدین اسد آبادی اور مفتی محمد عبدہٗ وغیرہ سے کافی متاثر ہوئے، بنگال کی انقلابی تحریک کا بھی ان پر گہرا اثر پڑا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی زندگی پر اقامت توحید سے زیادہ انقلابیت غالب آگئی۔ البتہ وحدت ادیان کا ان پر الزام سراسر غلط ہے انہوں نے مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کے اس الزام کے سلسلہ میں مولانا غلام رسول مہر کے نام اپنے خط میں اپنا موقف بالکل واضح کردیا ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی ان پر یہ الزام لگاتا ہے تو وہ مفتری قرار پائے گا۔

۲۔ فوٹو (تصویر) کے جواز وعدم جواز کے موضوع پر وہ غیر یقینی صورت حال کے شکار رہے الہلال تو وہ مصوّر شائع کرتے تھے لیکن تذکرہ کی تصنیف کے وقت انہوں نے ذی روح کی تصویر کو ناجائز قرار دیا، ایک دور میں انہوں نے فوٹو اور اسٹیچو دونوں کی بابت یہ تصور پیش کیا کہ ان کا محرک اگر شرک وبت پرستی نہ ہو تو جائز ہے۔ بعد کے سیاسی حالات نے انہیں اس پر سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ بہرحال جاندار اشیاء کی تصویریں انہوں نے خود شائع کیں اور دوسروں کو شائع کرنے کا موقع دیا جبکہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات۔

"إن أشد الناس عذاباً يوم القيامة المصورون"

اور

"إن الذين يصنعون هذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم أحيوا ماخلقتم"

اور

"من صور صورة في الدنيا كلف أن ينفخ فيها الروح وليس بنافخ"

اور

"أشد الناس عذاباً عند الله يوم القيامة الذين يضاهئون بخلق الله"

کے سراسر خلاف ہے۔ اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور دوسرے علماء سلف نے جاندار کی تصویر کشی کو حرام قرار دیا ہے خواہ یہ تصویر مجسمہ کی شکل میں ہو، ہاتھ سے بنائی گئی ہو یا کیمرے سے کھینچی گئی ہو، خواہ سایہ دار ہو یا بغیر سایہ کے ہو، خواہ وہ کپڑوں میں ہو، دیواروں میں ہو، بستروں میں ہو، کاغذات میں ہو یا کسی اور جگہ۔ البتہ ایسی تصویر جس کی علاج کے سلسلہ میں یا مجرمین کی پہچان کی بابت یا جغرافیہ میں یا پاسپورٹ اور آئڈنٹی کارڈ وغیرہ میں ضرورت ہو تو شریعت میں اس کی گنجائش ہے۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ مغربی تہذیب اور یورپ سے مرعوبیت کے جو بُرے اثرات مسلمانوں اور عالم اسلام پر پڑے ہیں اس کا نتیجۂ بد یہ ہوا ہے کہ بڑے بڑے علماء، بڑے بڑے دینی اور سلفی ادارے اور ہم سب اس فتنہ کے شکار ہو گئے ہیں۔ اور اس میں لاکھوں روپے ضائع کرتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے تقاضوں سے دست کش ہونے کی ایک بدترین مثال یہ بھی ہے۔ اللہ ہم سب پر رحم فرمائے۔

۳۔ موسیقی کے سلسلہ میں مولانا آزاد، امام ابن حزم اور اہل ظاہر کی فکر سے متاثر تھے۔ وہ ایک بڑے ادیب تھے، انہوں نے شعر زیادہ تو نہیں کہے لیکن ان کی نثر شاعری پر بھاری تھی، ان کے والد اپنے دور کے بہت بڑے صوفی تھے۔ صوفیاء کے یہاں سماع، قوالی اور موسیقی وغیرہ کی جو لعنتیں ہیں وہ ان کے ہاں بھی تھیں، مولانا پر غیر شعوری طور پر اگر اس کے اثرات باقی رہ گئے ہوں تو تعجب کی بات نہیں۔ اہل ظاہر اور امام ابن حزم کے سامنے موجودہ دور کی موسیقی اور غنا کی موجودہ لعنتیں نہیں تھیں۔ شریعت میں تقریب شادی کے اعلان کے لئے آلات موسیقی میں سے صرف دف بجانا مسنون ہے۔ دف کے علاوہ کسی بھی آلۂ موسیقی کی اجازت نہیں ہے، اسی طرح عید، شادی یا دوسری خوشی کے اظہار کے لئے ایسے اشعار گانے کی اجازت ہے جن میں حسن و جمال کا تذکرہ نہ ہو اور فسق و فجور کی بو نہ ہو یا کوئی ایسی بات نہ ہو جس کی چوٹ اسلامی عقائد و تعلیمات پر پڑتی ہو، تعمیری نظمیں، حمد، شرک اور مبالغہ سے پاک نعت رسول، توحید باری تعالیٰ، حُبِّ رسول، فضائل و محاسن اسلام خاص طور پر رجز کے لئے اشعار پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن صوفیاء نے جس طرح ذکر کے وقت مختلف آوازیں نکالنے اور ڈفلے بجانے اور رقص و سرود کی مجلسیں منعقد کرنے کی رسم نکالی ہے شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

اسی طرح موجودہ دور میں میوزک، گیت اور قوالی کے نام سے جس فسق و فجور کی دعوت دی جارہی ہے اور جس طرح شرک کا کھلم کھلا اظہار کیا جارہا ہے یہ کبائر میں سے ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے یقیناً اپنی عملی زندگی میں اس پہلو سے ٹھوکر کھائی ہے، اگرچہ انہوں نے غنا و موسیقی کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے لیکن عملاً وہ اس کے مرتکب ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں سب کو معاف فرمائے۔

۴۔ جامع صحیح بخاری و مسلم کی بابت امت کا اجماع ہے کہ اس میں جتنی مرفوع احادیث ہیں سب صحیح ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور دوسرے ممتاز ائمہ نے کھل کر لکھا ہے کہ جو کوئی ان دونوں کتابوں کے مرتبہ و مقام کو گھٹانے کی کوشش کرے گا وہ بدعتی ہوگا اور اہل ایمان کے جادۂ حق سے منحرف گردانا جائے گا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب تو اپنی عقل پرستی اور علوم دین اور عقیدہ و منہج سلف کی بابت کم علمی کی وجہ سے جہاں بھی کوئی صحیح حدیث

نہیں سمجھ سکے ہیں انہوں نے اس پر اپنی بیمار عقل کے ہتھوڑے برسا کر اپنے اتباع وانصار کو صحیح احادیث بالخصوص احادیث صحیحین کی بابت تشکیک کے فتنہ میں مبتلا کیا ہے۔

ابو الکلام آزاد نے یہ تو نہیں کیا ہے، لیکن حیرت اس پر ہے کہ انہوں نے "کذبات ابراہیم" والی حدیث کے سلسلہ میں ٹھوکر کس طرح کھائی اور تضاد کا کس طرح شکار ہوئے۔ حدیث وسنت کی حجیت کے سلسلہ میں ان کا موقف بہت مضبوط اور قوی ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے خط کے جواب میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ اسلامی تشریع میں حدیث وسنت کو وہی مقام دیتے ہیں جو سلف صالح دیتے آئے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کا موقف نہایت واضح بلکہ سنت کے لئے غیرت وحمیت کا ہے مگر واقعات ابراہیمی کی تفسیر کے اثناء میں وہ ٹھوکر کھا گئے اللہ ہمیں اور انہیں سب کو معاف کرے۔

اپنی سگریٹ نوشی کے سلسلہ میں مولانا آزاد رحمہ اللہ نے قلعہ احمد نگر کے واقعات کے ضمن میں جو توجیہ کی ہے یہ ان کی ذہانت ہے سگریٹ اور تمباکو کی اشیاء میں سے کسی کا بھی جواز شریعت میں نہیں ہے اسی طرح کراچی میں محمد علی جناح کی قبر پر جا کر اگر مولانا آزاد نے پھول چڑھایا اگر یہ صحیح ہے تو خواہ سیاسی پروٹوکول کا بہانہ بنایا جائے یا کوئی اور حیلہ اختیار کیا جائے بہرحال یہ شرعی نقطۂ نظر سے غلط ہے۔

بات لمبی ہو گئی لیکن ہمیں اس لئے یہ باتیں عرض کرنا پڑیں کہ مولانا آزاد کے محبین انہیں معصوم بنا کر نہ پیش کریں۔ رہے ان کے ناقدین تو ان کی کئی قسمیں ہیں۔

۱۔ ان کی فکر اور ان کے خیالات اور نظریات سے علم وبرہان کی روشنی میں اختلاف رکھنے والے، خواہ یہ سیاسی مخالف ہوں یا اعتقادی وفکری۔

۲۔ ان کے وہ معاصرین جن کا چراغ ابو الکلام آزاد کے سورج کے سامنے ماند رہا۔

۳۔ ابو الکلام آزاد کے حاسدین۔

۴۔ جن لوگوں کا پس منظر قبر پرستی، مشائخ پرستی، تقلید شخصی اور تصوف کا ہے

ناقدین کی پہلی قسم قابل احترام ہے لیکن دوسری، تیسری اور چوتھی اقسام قابل رحم، اگرچہ ناقدین کی اکثریت مؤخر الذکر زمروں میں آتی ہے ان بے چاروں نے بغیر کسی دلیل وبرہان کے ابو الکلام آزاد کی نجی زندگی کو داغدار بنانے کی سعی نامسعود کی کہیں ان کے نسب ونسل میں کیڑے نکالے کہیں ان کے خاندان کی توہین کی کسی نے ترجمان القرآن کے انتساب اور ان کے اسفار تک کو فرضی ثابت کرنے کی کوشش کی، کسی نے ان کی جائے ولادت پر شبہے کئے، کسی نے ان کو شراب نوش، بے نمازی اور پتہ نہیں کیا کیا ثابت کرنے کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دیں۔ مولانا کے دو خاص معاصر جو خیر سے اپنے آخری دور میں تھانہ بھون کی چوکھٹ پر جبہہ سائی کر کے اپنے علمی، تحقیقی اور عقلی پس منظر کا جنازہ نکال چکے تھے دونوں نے اپنے آپسی مراسلات میں ایسی گھناؤنی حرکات مولانا آزاد کے سلسلہ میں کیں جنہیں پڑھ اور سن کر ایک بھٹیارا بھی شرما جائے۔

ایک "ماہرو" نے ایک نیم سیاسی تنظیم کے بانی وقائد کی عقیدت میں اندھا ہو کر بزعم خویش مولانا آزاد کی پردہ دری کو اپنا وطیرہ بنایا۔

پٹنہ کے ایک ادیب تھے ان بے چارے کو مولانا آزاد سے اللہ واسطے کا بیر تھا ماضی میں پاکستان میں چند مسلم لیگی ذہنیت کے حامل منچلوں نے اپنی گندی ذہنیت کے اظہار کے لئے متھائی جیسے بدتمیز، متعصب ہندو کی کتاب کی آڑلی دہلی میں ایک نیشنل یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے صدر اور عربی کے پروفیسر لیکن قبر پرستی اور وحدت الوجود کے داعی اور قبر پرستوں اور وحدۃ الوجودیوں کے یار غار اور ایک دوسرے صاحب جو اردو کے پروفیسر ہیں اور قبر پرستی کے پس منظر میں پلے بڑھے ہیں اور اب تک اس لعنت سے میرے علم کی حد تک نجات نہیں پا سکے ہیں یہ دونوں بیچارے اپنے ذاتی مفادات کے لئے مولانا آزاد کا نام بھی استعمال کرتے ہیں اور جب موقع ملتا ہے اپنے دل میں چھپے ہوئے شدید بغض وکینہ اور حسد کے اظہار سے بھی نہیں چوکتے۔ اللہ ہم سب کو معاف فرمائے۔

آزاد شناسوں میں غلام رسول مہر، محی الدین احمد قصوری، عبد الرزاق ملیح آبادی، عثمان فارقلیط، محمد حنیف ندوی، حکیم فضل الرحمان سواتی، سعید احمد اکبر آبادی، شعیب عمری اور شورش کاشمیری وغیرہم تو چل بسے لیکن اس وقت بھی ابو سلمان شاہجہاں پوری، ضیاء الحسن فاروقی، ابن

احمد نقوی، خلیق احمد نظامی، عبداللطیف اعظمی، اسحاق بھٹی، عبدالجبار جلالی اور جگن ناتھ آزاد جیسے لوگ موجود ہیں اور انہیں حق وفا ادا کرنا چاہئے۔

مولانا آزاد کی شخصیت کے جن اہم پہلوؤں پر کام کرنے کی ضرورت ہے ان میں ہندوستان کی تقسیم کے فتنہ کے خلاف ان کے موقف کی اصالت وصلابت اور اس کی اصابت ہے اور بین الاقوامی اسلام مخالف سازش کے تحت ملک جس طرح تقسیم ہوا اس کے جو منفی اثرات برصغیر ہند وپاک، بنگلہ دیش، نیپال، برما، سیلون وغیرہ کے مسلمانوں پر براہ راست اور عالم اسلام بالخصوص ایشیا کے مسلمانوں کی سیاسی زندگی پر پڑے ان کا تجزیہ اور ان اثرات سے ممکن حد تک بچانے اور پاکستان میں مہاجر مسلمانوں پر اور ہندوستان کی مسلم اقلیت پر جو ظلم ہو رہا ہے اس کی اصلاح پر مولانا آزاد مرحوم کے افکار وخیالات کے روشنی میں اچھی طرح غور وفکر، اسی طرح تقسیم ملک کے بعد ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی قلمدان وزارت بھی قبول کیا اور ڈپٹی پرائم منسٹر کی ذمہ داری بھی تاکہ وہ ہندوستان کے سارے صوبوں میں پھیلے ان مسلمانوں کو جو پاکستان نہیں گئے یا نہیں جاسکے اللہ کی توفیق ونصرت سے یہاں بغیر کسی مرعوبیت کے رہنے اور اپنے دین اور اپنے وطن کی خدمت کا حوصلہ دلا سکیں، اور یہ حقیقت ہے کہ مولانا نے اقلیتوں کے حقوق کے لئے بالعموم اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، دارالعلوم ندوۃ العلماء، دارالمصنفین اعظم گڑھ، عثمانیہ یونیورسٹی اور اردو کے لئے بالعموم جو جدوجہد فرمائی اور مسلمانوں کے شخصی مسائل حل کرنے اور مسلم اقلیت کے دشمنوں کو جواہرلال نہرو وغیرہ سے دور رکھنے میں جو اہم رول نہایت خاموشی لیکن مضبوط اور معقول حکمت عملی کے ساتھ ادا کیا اور ہندوستانی مسلمانوں کو عزت کے ساتھ رہنے کے سلسلہ میں جو عظیم الشان جہاد آپ نے کیا اس کی مثال برصغیر ہند وپاک وبنگلہ دیش میں ملنی انتہائی مشکل ہے۔

پاکستان کے ناعاقبت اندیش سیاست دانوں نے دنیا میں یہ غلط پروپیگنڈا کرکے کہ ہندوستان میں مسلمان بالکل بھی نہیں بچے ہندوستانی مسلمانوں پر ظلم کی انتہا کرنے کی کوشش کی مولانا آزاد نے عبدالرزاق ملیح آبادی کے ذریعہ اپنی وزارت کے تحت "ثقافۃ الہند" (عربی) جاری کرکے اس سفید جھوٹ ہی کا پردہ چاک نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے لئے میڈل ایسٹ میں تعلیم حاصل کرنے، روزگار حاصل کرنے اور ہندوستان میں اپنی زندگی از سرنو شروع کرنے کے مواقع فراہم کئے۔ جزاہ اللہ عن المسلمین أحسن الجزاء، رحمہ اللہ وغفرلہ۔

"ابوالکلام آزاد" "مظلوم جئے" "مظلوم مرے اور آج بھی ان کے اپنے اور پرائے ان پر ظلم کررہے ہیں، جو شخصیتیں ان سے دور سے دور کی خاندانی نسبت کا حوالہ دے کر حکومت میں پارلیمنٹ کی ممبری اور دوسرے اہم عہدے حاصل کرکے اللے تللے زندگی گزار رہی ہیں اسی طرح جو جمعیتیں، جو سوسائٹیاں، جو اکیڈمیاں مولانا کے نام سے قائم ہیں، جو ادارے ان کی کوششوں سے تباہی سے بچے اور ان کے احسانات کے سایہ میں پروان چڑھ رہے ہیں سب ان پر براہ راست یا بالواسطہ ظلم کررہے ہیں۔ والشکوی الی اللہ۔ (ع۔ ح۔ ر)

بقیہ نادی الطلبہ

معہد التعلیم الاسلامی بستی منعقد ہوا تلاوت کلام پاک، حمد، نعت اور تقریروں کے بعد اساتذہ کرام کی موجودگی میں نادی الطلبہ کے کاز کو آگے بڑھانے کے لئے درج ذیل عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا۔

مربی انجمن: مولانا عبدالحکیم صاحب سلفی

معتمد خطابت: فیضان احمد محمد رضا جماعت اولیٰ

نائب " : جاوید اختر محمد شریف " "

معتمد مکتبہ: حافظ مطیع اللہ " "

معاونین معتمد مکتبہ: (۱) عبدالنور عبدالقدوس ، جماعت اولیٰ

(۲) اسرار احمد حقیق اللہ " "

(۳) عزیز الرحمٰن عطاء اللہ جماعت اولیٰ

معتمد مالیات: حافظ زبیر احمد محمد اسرائیل جماعت اولیٰ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انجمن کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

المعلن۔ فیضان احمد محمد رضا

معتمد خطابت نادی الطلبہ معہد التعلیم الاسلامی بستی

> وہ قوم نہیں لائق ہنگامۂ فردا
> جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

سفرگذشت

ابن احمد نقوی

(۳)

نماز عشاء سے فارغ ہو کر ہم لوگ جناب علی بن احمد صاحب کے دولت خانہ پر گئے جو رحمانی صاحب کے پرانے دوست اور عقیدت مند ہیں یہ عرب خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جیساکہ ان کے نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے خوبصورت اور وسیع مکان کے برآمدہ میں دسترخوان بچھایا گیا اور بہت سے مہمانوں کے ساتھ ہم نے کھانا کھایا اس کے بعد فنجانوں میں قہوہ پیش کیا گیا اور اس طرح خالص عربی انداز کی دعوت رہی کھانے کے بعد مختلف جماعتی امور پر بات چیت ہوتی رہی ایک صاحب مدرسہ میں مسلم بچیوں کو بخاری کا درس دیتے ہیں رحمانی صاحب کو اس پر اعتراض تھا کہ بچیوں کو حدیث[1] کی ضخیم کتابیں پوری کی پوری پڑھائی جائیں ان کے خیال میں یہ بچیوں پر غیر ضروری بوجھ ہے اور بڑی حد تک بے مقصد بھی ہے بہتر طریقہ یہ ہے کہ امور خانہ داری اور معاشرتی امور کو مد نظر رکھتے ہوئے دینی مسائل اور عقیدۂ توحید پر احادیث کا ایک جامع انتخاب نصاب کے لئے رکھا جائے اور وہی بچیوں کو پڑھایا جائے جو ان کی خانگی زندگی بچوں کی تربیت اور روزمرہ کے مسائل میں ان کے کام آسکے۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہم ہوٹل واپس آئے جناب محمد نذیر صاحب اور جناب علی بن صالح بھی ہمارے ساتھ تھے چند اور حضرات بھی ملاقات کے لئے آئے تھوڑی دیر گفتگو رہی جناب علی بن صالح یمنی عرب خاندان سے ہیں کافی عرصہ سے حیدر آباد میں مقیم ہیں بی ایس سی، ایل ایل بی ہیں پہلے وکالت کرتے تھے اب کاروبار میں مصروف ہیں کنگ کوٹھی روڈ پر آپ کی کثیر منزلہ بلڈنگ ہے اس میں جیمز پبلک اسکول بھی قائم کیا ہے اس کے بانی بھی ہیں اور منیجر بھی۔ رحمانی صاحب کو اپنا اسکول دکھانا چاہتے تھے چنانچہ طے ہوا کہ صبح کو رحمانی صاحب اسکول کا معائنہ کریں گے۔

صبح حسب پروگرام جناب علی بن صالح تشریف لے آئے ان کے ساتھ ان کے جیمز پبلک اسکول گئے جناب علی نے اپنے اسکول سے متعلق تعارفی لٹریچر پیش کیا اور دیگر متعلقہ معلومات بھی بہم پہنچائیں اسکول صاف ستھرا اور ماڈرن اسکولوں کے نمونہ پر قائم کیا گیا ہے انہوں نے اسکول کی مختلف کلاسیں بھی دکھائیں کلاسوں میں تعلیم جاری تھی یہاں مخلوط تعلیم یعنی کو ایجوکیشن ہے۔ جناب علی بن صالح نے سائنس لیبارٹری خاص طور پر دکھائی اور بتایا کہ بیشتر اسکولوں میں اس سے بہتر اور آراستہ تجربہ گاہ نہیں ہے وہ چونکہ خود سائنس گریجویٹ ہیں اس لئے سائنسی تعلیم کی اہمیت اور سائنسی فکر و انداز سے کام کرنے کا سلیقہ بھی جانتے ہیں اور اسکول اسی انداز سے چلانے کی کوشش کر رہے ہیں دینی تعلیم کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ آٹھویں درجہ تک پارہ عمّ ناظرہ پڑھایا جاتا ہے اور نویں دسویں درجہ میں سورۂ بقرہ حفظ کرائی جاتی ہے ایک مولوی صاحب دینیات کی تعلیم کے لئے خصوصی طور پر رکھے گئے ہیں رحمانی صاحب نے دینیات کے اس طریقے سے اتفاق نہیں کیا اور اسے ایک طرح ناممکن قرار دیا کہ شروع کے آٹھ سال بچے صرف قرآن پاک ناظرہ پڑھیں اور نویں دسویں میں ناظرہ پڑھے بغیر وہ سورۂ بقرہ حفظ کرنے لگیں ان کا مشورہ تھا کہ قرآن مجید کی تعلیم سال بہ سال اس انداز سے نصاب میں رکھی جائے کہ نہ آٹھویں درجہ تک پہنچتے پہنچتے اتنی کم ہو کہ صرف پارہ عمّ پورا ہو اور نہ اتنی زیادہ کہ دو سال میں ڈھائی پارہ حفظ کرنے پڑیں۔ سورۂ بقرہ حفظ کرنے سے بہتر یہ ہو کہ قرآن مجید کی متفرق سورتیں حفظ کرائی جائیں اور ان کا ترجمہ و تفسیر بھی پڑھائی جائے تاکہ بچوں میں ناظرہ، حفظ اور ترجمہ تینوں پر دسترس ہو جائے جناب علی

---

[1] نحو و صرف اور عربی زبان نیز حدیث و مصطلح کی نصوص تعلیم کے بغیر جامع صحیح بخاری جیسی اہم کتاب پوری کی پوری پڑھائی جائے یہ صحیح بخاری پر بھی ظلم ہے اور ان بچیوں پر بھی ان صاحب کو اعتراف تھا کہ بچیوں کی ابتدائی عربی کی تعلیم بھی صحیح نہیں ہے اور وہ صحیح بخاری کے فنی اور علمی نکات کو نہیں سمجھ سکتیں اسی طرح اسلامی فقہ و احکام جن میں عورتوں کے مخصوص نیز جنسی مسائل ہوتے ہیں مردوں بالخصوص جوان مردوں کا جوان لڑکیوں کو یہ مسائل پڑھانا صحیح نہیں پھر جس مدرسہ میں یہ صاحب پڑھاتے ہیں وہ ایک ایسی تنظیم کا مدرسہ ہے جس کے بانی نے احادیث بالخصوص صحیح بخاری کی احادیث میں تشکیک کے فتنہ کو ہوا دینے میں اہم پارٹ ادا کیا تھا۔ (ع۔ح۔ر)

بن صالح نے اسکول کی توسیع و ترقی کے بارے میں اپنے عزائم اور پروگرام کے بارے میں بھی بتایا۔ ان کا یہ اسکول ان کی اپنی ہی بلڈنگ میں ہے اور کافی کشادہ جگہ ہے لیکن اسکول میں کھیل کے میدان کی گنجائش نہیں ہے اور شاید اسپورٹس کے لئے کوئی مخصوص پروگرام بھی نہیں ہے اسکول کی فرشی منزل میں ایک وسیع ہال ہے جسے فنکشن (فار ان ڈور گیمس کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن کھیلوں کے لئے کھلے اور وسیع میدان کا ہونا بے حد ضروری ہے معلوم نہیں حیدر آباد جیسے گھنی آبادی والے علاقہ میں آس پاس کوئی پارک یہاں موجود ہے یا نہیں اگر وہاں وقفہ وقفہ سے اسکول کی جانب سے کھیلوں کا انتظام کیا جائے تو بہتر ہوگا آج کل تعلیم کے ساتھ اسپورٹس کی بھی اتنی ہی اہمیت ہے بچوں کی جسمانی صحت اور ذہنی نشوونما کے لئے کھیلوں کی جو اہمیت ہے یقیناً جناب علی بن صالح اس سے واقف ہوں گے بدقسمتی سے ہم اس موضوع پر ان سے واقفیت حاصل نہ کرسکے بہرکیف امید ہے اس ماڈرن اسکول میں اسپورٹس کو نظرانداز نہیں کیا گیا ہوگا جناب علی بن صالح نے ازراہ مہمان نوازی ہم سب کے لئے ناشتہ کا بندوبست بھی کیا تھا کافی پرتکلف دسترخوان تھا جناب نذیر صاحب اور جناب علی کے بلند اقبال صاحب زادے بھی ہمارے ساتھ تھے۔ اسکول سے فارغ ہوکر ہم لوگ جناب علی بن صالح کی گاڑی میں حیدر آباد دیکھنے کے لئے روانہ ہوگئے حیدر آباد نہ صرف خوبصورت عمارتوں کا شہر ہے بلکہ زندہ دل لوگوں کا وطن بھی ہے زندہ دلان حیدر آباد سے کون واقف نہیں زندگی و زندہ دلی کی حسین ودلکش روایتیں حیدر آباد اور اہالیان حیدر آباد کے دم سے تازہ ہیں۔ حیدر آباد اپنے نوابی اور جاگیردارانہ ماضی کے لئے ہی مشہور نہیں ہے یہ سرفروشان آزادی کی جولانگاہ بھی رہا ہے بدقسمتی سے آج ہم حیدر آباد کو صرف نظام شاہی یا اس سے بھی پہلے قطب شاہی روایات کے ذریعہ ہی جانتے اور دیکھتے ہیں حالانکہ حیدر آباد نے قطب شاہی دور میں مغل یلغار کا بھی مقابلہ کیا اور افرنگی استعمار سے بھی نبرد آزمائی کی خود آصف جاہی خاندان میں نواب مبارز الدولہ بہادر نواب گوہر علی خاں جو آصف جاہ ثالث نواب سکندر جاہ بہادر کے چھوٹے صاحبزادے تھے انگریزوں کے خلاف زندگی بھر لڑتے رہے ان کا تعلق وہابی تحریک سے بھی بہت گہرا تھا جنوبی ہند میں اس تحریک کی بار آوری میں آصف جاہی خاندان کے اس "گل سرسبد" نے سرفروشانہ کوشش کی۔ اگرچہ انگریزی استبداد کے آگے مجاہدین کی تحریک عملاً کامیاب نہیں ہوسکی تاہم اس کے فکری اثرات ہر طرف نمایاں ہیں اور آج بھی حیدر آباد میں سلفیت کا جو گہرا رنگ ہے اور اہلحدیثوں میں مسلک کے لئے جو جذبہ اور حرارت ہے وہ اسی تابناک اور روح پرور ماضی کی دین ہے۔

نواب گوہر علی خاں ۱۸۰۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۵۴ء میں قلعہ گولکنڈہ میں نظربندی کے دوران ان کا انتقال ہوا حضرت مولانا ولایت علی جو وہابی تحریک کے سرخیل اور مجاہدین کے سپہ سالار تھے مولوی سلیم الدین کے ساتھ ۱۸۳۷ء میں حیدر آباد تشریف لائے تھے اور مبارز الدولہ بہادر کے ہاں قیام فرمایا تھا۔ سید احمد شہید نے آصف ثالث کو انگریزوں کے خلاف اپنی تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دی اور جہاد کے لئے آمادہ کرنا چاہا تھا لیکن درباری علماء کے مشورہ پر نظام اس تحریک سے الگ رہے مگر مبارز الدولہ نے نہ صرف وہابی تحریک کی جی جان سے حمایت کی بلکہ عملاً انگریزوں کے خلاف مجاہدوں کی سرپرستی بھی فرمائی نواب مبارز الدولہ گوہر علی خاں بہادر کا مختصر تذکرہ جناب محمد حسن جواد نے اپنے ایک مضمون (مطبوعہ قومی آواز ضمیمہ ۲۷ر۲ر۹۴) میں کیا ہے معلوم نہیں حیدر آباد کی جماعت اہلحدیث نے اپنے اسلاف کے ان سرفروشانہ اور وطن پرستانہ خدمات کی تاریخ مرتب کی ہے یا نہیں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ابنائے وطن اور سلفیوں کی نئی نسل کو ان کے بزرگوں کے کارناموں سے پوری طرح واقف کرایا جائے۔ تاکہ نوجوانوں میں اپنے مسلک وعقیدہ سے وابستگی میں اور شدت آئے نیز وطن عزیز کے لئے قربانی کے جذبے کو بھی فروغ ہو اگر جناب نذیر صاحب اس طرف توجہ فرمائیں تو وہ وہابی تحریک میں حیدر آباد کا حصہ اور سلفیان حیدر آباد کی گذشتہ وموجودہ خدمات اور سرگرمیوں کی تاریخ مرتب کرسکتے ہیں سلفیان حیدر آباد کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے یہ حیدر آباد کا ان پر قرض ہے جسے ادا ہونا چاہئے۔

ہماری گاڑی کنگ کوٹھی کی طویل فصیل کے ساتھ جارہی تھی کنگ کوٹھی اب خستہ وشکستہ عمارت ہے اس کا ایک حصہ ٹیکس واجبات کی وصولی میں ریاستی سرکار نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے اور اب اس حصہ میں اسپتال بنادیا گیا ہے۔ کبھی یہ عمارت یعنی کنگ کوٹھی حیدر آباد دکن کے درباری ماحول کا محور تھی لیکن آج نشان عبرت بنی ہوئی ہے جناب نذیر صاحب نے بتایا کہ یہ کوٹھی حیدر آباد کے ایک آصف جاہی

امیر کریم خاں نے تعمیر کرائی تھی جسے نظام نے خرید لیا کوٹھی کے در و دیوار
پر کوٹھی کے مالک کریم خاں کا نام خط طغرا میں "کے کے" (کریم
خاں) کندہ کیا گیا تھا شاہی ملکیت میں آنے کے بعد سوال پیدا ہوا کہ اس
طغرائی نام کو باقی رکھا جائے یا کھرچ دیا جائے کھرچ ڈالنے سے عمارت کے
بدنما ہونے کا خدشہ تھا اس لئے کسی بیدار مغز نے مشورہ دیا کہ عمارت کا
نام کنگ کوٹھی رکھا جائے تاکہ یہ طغرے جو کریم خاں کی یادگار ہیں اب
کنگ کوٹھی کی تعبیر بن جائیں۔ لہٰذا یہ وسیع و پُر شکوہ عمارت اپنے نئے
مالک کی نسبت سے "کنگ کوٹھی" کے نام سے معروف ہوئی۔ جناب نذیر
صاحب کو حیدر آباد کی تاریخ پر گہرا عبور ہے حیدر آباد ان کا وطن بھی ہے
اور نظام شاہی سے بھی ان کا واسطہ رہا ہے ان کے نانا مرحوم 'میر عثمان علی
خاں نظام کے مصحف بردار تھے یعنی جب نماز فجر کے بعد میر عثمان علی خاں
قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے تو ان کے سامنے قرآن مجید پیش کرنے کی
خدمت نذیر صاحب کے نانا کے سپرد تھی۔ ظاہر ہے ایسی خدمت ایک
عالم اور متقی کے ہی سپرد ہو سکتی تھی یہ بجائے خود ان کے نانا کے زہد
و تقویٰ کا اعتراف تھا۔

رحمانی صاحب کو کتب خانہ آصفیہ کی تلاش تھی جہاں سے
انہیں کچھ مخطوطات کی زیروکس کاپیاں لینی تھیں۔ معلومات کرنے پر پتہ
چلا کہ کتب خانہ آصفیہ کی کتب "اورئنٹل انسٹی ٹیوٹ" کو دے دی گئی
تھیں چنانچہ پتہ لگاتے ہوئے انسٹی ٹیوٹ پہنچے جو ایک بڑی عمارت کے
ایک حصہ میں ہے کچھ نیم تاریک کمروں سے گزرتے ہوئے "اورئنٹل
انسٹی ٹیوٹ" کے شعبۂ مشرقی میں پہنچے۔ یہاں اردو 'عربی اور فارسی کتب
کا بیش قیمت ذخیرہ موجود ہے اور عرب و عجم میں کتب خانہ آصفیہ کا نام
مشہور ہے دولت آصفیہ کے زوال کی بعد کتب خانہ آصفیہ بھی کس مپرسی
کا شکار ہے اور "اورئنٹل انسٹی ٹیوٹ" کا ایک حصہ بن کر رہ گیا ہے
جیسا کہ ہندوستان کی دیگر السنہ شرقیہ (یعنی عربی فارسی اردو) کا حال ہے یہ
ادارہ بھی اسی بے توجہی کا شکار ہے۔ موجودہ نگراں اور دیگر عملہ بہرحال
اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ اور اس علمی اثاثہ کی اہمیت سے باخبر ہے کچھ
تعارفی کام بھی ہوتا ہے لیکن یہ ادارہ جس اہمیت کا حامل ہونا چاہئے اور
اسے علمی و تحقیقی حلقوں میں جو وقار اور وقعت ملنی چاہئے وہ بدلے
ہوئے حالات میں اسے نہیں مل رہی ہے بدقسمتی یہ کہ وہ مسلمان جو
سیاسی مناصب پر فائز ہیں اور جن سے اس گرانقدر علمی و ثقافتی سرمایہ کی
سرپرستی یا نگہداشت کی توقع کی جا سکتی ہے وہ بھی نہیں ہو رہی ہے رحمانی
صاحب کو جن مخطوطات کی تلاش تھی ان میں سے چند ایک ہی کی
نشاندہی ہوئی اور ان کی نقول کے لئے مقررہ فارم کی خانہ پری بھی کر دی
گئی۔ خیال تھا کہ فوری طور پر نقول حاصل ہو جائیں گی اس کے لئے
زیادہ فیس ادا کرنے پر بھی رحمانی صاحب تیار تھے لیکن معلوم ہوا کہ
نقول دئے جانے کی منظوری ڈائرکٹر ہی دے سکتا ہے اور انسٹی ٹیوٹ میں
ایک عرصہ سے یہ منصب خالی ہے لہٰذا درخواست ہیڈ کوارٹرز (صدر دفتر)
برائے منظوری ارسال کی جائے گی وہاں سے منظوری ملنے پر ہی فیس
وصولی کے بعد نقول دی جا سکیں گی۔ چار و ناچار درخواست داخل کر کے
انسٹی ٹیوٹ سے بے نیل و مرام واپس آگئے یہاں سے روانہ ہو کر
حیدر آباد کے مشہور ادارہ "دائرۃ المعارف العثمانیہ" پہنچے یہ عثمانیہ
یونیورسٹی سے ملحق ایک علمی ادارہ ہے جہاں سے عربی کی کتابوں کی
تالیف و ترتیب اور طباعت کا کام ہوتا ہے۔ دائرۃ المعارف عثمانیہ
یونیورسٹی کے جامعہ نگر علاقہ میں واقع ہے اور اب بڑی حد تک ایک غیر
معروف ادارہ ہے اس ادار ہ کا قیام ۱۸۸۸ء میں عمل میں آیا تاکہ عربی
مخطوطات کی حصولی 'ان کا تحفظ اور طباعت کے لئے ایک مستقل ادارہ
کام کرتا رہے آصف جاہی حیدر آباد اور عربوں کے درمیان جو علمی و ثقافتی
روابط تھے ان کے تناظر میں یہ قدم اٹھایا گیا تھا عربی کتب و مخطوطات کی
اشاعت و طباعت میں اس ادارہ نے عالم عرب میں بڑی شہرت حاصل کی
ہے۔ وہاں دائرۃ المعارف العثمانیہ کی وقعت اور وقار ایسا ہے کہ چند سال
قبل جب عثمانیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر عرب ممالک کا دورہ کرنے
گئے تو انہوں نے وہاں اپنا تعارف دائرۃ المعارف العثمانیہ کے سربراہ کے
طور پر کرایا تھا دائرۃ المعارف پر محترمہ عائشہ سراج بنگلور کا ایک
مختصر مضمون ماہنامہ آندھرا پردیش بابت ماہ جون ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا ہے
دائرہ کے مخطوطات کے بارے میں فرماتی ہیں

"۱۹۸۸ء میں دائرۃ المعارف اپنی خدمات کی ایک صدی پوری
کر چکا ہے اس صدی کے دوران اس نے عربی کے ۷۰ مخطوطات (؟) جمع
کئے اور ان کی طباعت کا نظم کیا۔ مخطوطات انتہائی وسیع علوم و مضامین کا
احاطہ کئے ہوئے ہیں ان میں قرآن کی تفاسیر 'حدیث 'اصول حدیث 'فقہ'
حوالہ جاتی فہرستیں 'لغات 'تصوف 'تاریخ 'لسانیات 'فلسفہ 'مابعد الطبیعات
ریاضی 'علم الہیئت 'علم الأفلاک 'آب شناسی 'قیمتی پتھروں کی سائنس 'علم

لاؤزان' زراعت طب و تعلیم شامل ہیں۔

دائرہ کے کتب خانے میں آج ۴۰۰۰ تاریخی مخطوطات ہیں جن کے صفحات کی تعداد ۹ سے ہزار تک پہنچتی ہے اس کے علاوہ ۴۸ مخطوطات کی فوٹو کاپیاں اور ۱۰۵ نسخوں کی مائکرو فلمیں بھی ہیں جن کے صفحات کی تعداد بالترتیب ۳۰۰۰۰ اور ۱۸۴۰۰ ہے نادر کتب کی تعداد ۳۰۴۳ ہے جو اردو' عربی' فارسی' ترکی' انگریزی' جرمن اور فرنچ زبانوں میں ہیں "

اس عظیم دائرۃ المعارف کی حالت اس وقت بڑی عبرت ناک ہے کس مپرسی' لاچاری اور بے توجہی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ ادارہ کے سکالرز اور مؤلفین و مرتبین جو اس عظیم اکاڈمی کے روح رواں کہے جاسکتے ہیں اس کے تن مردہ میں جان ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں یہی افراد جو کسی زندہ اور باضمیر قوم کی سرپرستی میں کام کریں تو اکاڈیمشین در پروفیسر کہلائیں اس ادارہ کے ایک خستہ سے ہال میں پرانی میزوں پر دیڑویژن کلرکوں کی طرح بٹھادئے گئے ہیں چھوٹی چھوٹی میزوں پر کتابیں بے ترتیبی سے انبار کی شکل میں پڑی ہیں شاید کوئی چپراسی بھی میسر نہیں ہے جو میزوں کی صفائی یا کتابوں کو ترتیب سے لگانے کا کام کرسکے سارے شعبہ پر ایک عجیب بے چارگی طاری رہتی ہے کمپوزنگ سیکشن دیکھا شاید ۱۰۰سال قبل جب یہ ادارہ قائم کیا گیا تھا اس وقت جو مشینیں و آلات فراہم کئے گئے تھے انہی سے کام لیا جارہا ہے حیرت اور افسوس ہوا کہ ایسے عظیم اور اہم ادارہ میں جدید کاری کی ضرورت کا کسی کو احساس نہیں ہے نہ عملہ کے لئے سہولیات و مراعات کا خیال ہے نہ آلات و مشینری کی فراہمی پر کوئی توجہ۔ اس سے تو بہتر ہے کہ یہ ادارہ نجی شعبہ میں کسی پبلشر کے حوالے کردیا جائے اگر کوئی باذوق اور فہم جو شخصیت اس ادارہ کو مل جائے تو وہ نہ صرف اسے زندگی و حرکت کی توانائی عطا کردے گا بلکہ اسے ایک منافع بخش تجارتی مرکز بھی بنادے گا عثمانیہ یونیورسٹی کے ارباب بست وکشاد سے کون شکوہ کرے ظاہر ہے ان میں سے بیشتر مشرقی علوم یا ان کی اہمیت سے نا آشنا ہیں نہ ان کے نزدیک بدلے ہوئے حالات میں ایسے اداروں پر توجہ کی ضرورت ہے۔ یونین پبلک سروس کمیشن نے اپنے امتحانوں سے عربی وفارسی زبانوں کو ختم کردیا۔ دیر سویر بہت سی یونیورسٹیاں اپنے یہاں سے عربی وفارسی کو دیس نکالا دیں گی اور آئندہ صدی میں ان زبانوں کا وجود شاید مسلم یونیورسٹی تک محدود ہو جائے گا۔

یہ حالات سب کے سامنے ہیں ریاستی اسمبلیوں میں مسلمان ممبران بھی ہیں وزیر بھی ہیں مرکز میں مسلم ایم پی اور وزراء بھی موجود ہیں لیکن شاید سیاست کے ہنگاموں سے کسی کو فرصت نہیں کہ اپنے ماضی کے ان خزانوں کی حفاظت اور بقا کے لئے کوئی قدم یا آواز اٹھائے دائرۃ المعارف، کتب خانہ آصفیہ اور ایسے ہی نہ جانے کتنے ایسے " ہائے گرانمایہ ایک منصوبہ بند بے توجہی اور سفاک بے نیازی کا شکار ہیں کاش انڈیا آفس لائبریری کے مخطوطات کی طرح یہ سب علمی اثاثے بھی انگریز اپنے ساتھ لے جاتے کم از کم وہاں انکی نگہداشت اور پرداخت پر توجہ تو ہوتی۔ ہمارے سیاسی شعبدہ باز شواجی کی تلوار واپس لانے اور کوہ نور ہیرا دوبارہ حاصل کرنے جیسے تماشوں پر تو بین الاقوامی ڈرامے رچانے کو تیار رہتے ہیں لیکن خود اپنے ملک میں مٹی میں ملے ہوئے ان ہیروں کی بازیافت اور حفاظت پر توجہ دینے کے لئے ان کے پاس نہ وقت ہے نہ جذبہ

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

دائرۃ المعارف العثمانیہ کو دیکھ کر کتب خانہ آصفیہ کی کس مپرسی کا احساس کم ہو گیا لیکن طبیعت میں تکدر بے حد بڑھ گیا جب قومیں عروج و زوال کی منزلوں سے گزرتی ہیں یا تو ان میں زوال کی بے حسی غلبہ پالیتی ہے یا عروج کا پندار۔ جو زوال سے دوچار ہوتی ہے وہ زوال کی ڈھلانوں سے پھسلتی چلی جاتی ہے اپنی میراث اپنے ہاتھوں سے تباہ کرتی ہے جو عروج آشنا ہوتی ہے وہ اپنے سوا کسی اور طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتی اس کا احساس برتری اس میں تکبر اور تنگ نظری کا وہ انداز پیدا کردیتا ہے جو کسی زندہ قوم کے شایان شان نہیں ہوتا۔

اس سے پہلے ڈاکٹر انصاری کی معیت میں ہم حیدر آباد کی ایک اہم اور قابل قدر شخصیت جسٹس عبد المقتدر سے ملاقات کے لئے ان کی کوٹھی پر گئے تھے جسٹس مقتدر کی شہرت رمنیوبلی کمیشن کے سلسلے میں ہوئی۔ اب وہ ہائی کورٹ سے ریٹائر ہو چکے ہیں جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ علیل تھے۔ بلا تقرر اور پیشگی اطلاع کے بغیر ان سے ملاقات میں تھوڑی ہچکچاہٹ تھی کیونکہ سنا گیا کہ جسٹس موصوف اصول اور ضابطوں کے بارے میں کافی سخت واقع ہوئے ہیں پھر بغیر اطلاع پہنچ جانے سے یہ بھی خدشہ رہتا ہے کہ کوئی اور مصروفیت ہو پہلے سے کسی اور

ملاقاتی سے وقت طے ہو اور ہمارے پہنچ جانے سے اس میں خلل واقع ہو لیکن رحمانی صاحب نے چانس لینے کا فیصلہ کرلیا۔ ان کی خوشنما کوٹھی پر پہنچ کر ملازم سے اطلاع کرائی تو کافی دیر بعد باریابی ہو سکی جسٹس صاحب کافی علیل تھے اسہال کے سبب کمزوری بھی زیادہ تھی بیٹھنے میں بھی تکلیف ہوتی تھی اس لئے وہ لیٹے ہی رہے یہ انکی عنایت تھی کہ ایسی کمزوری اور بیماری میں بھی انہوں نے ملاقات کے لئے وقت دے دیا۔ بڑا مسلکی جذبہ رکھنے والے اہلحدیث ہیں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے کہنے لگے جماعت کے لئے کچھ کرو۔ دینی موضوعات پر کئی کتابوں کا انہوں نے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اس کی چند جلدیں رحمانی صاحب کو عطا کیں ایک کتاب تھی خدا کی وحدانیت کا تصور (Concept of oneness of God) میں نے عرض کیا کہ وحدانیت خدا کے لئے (Oneness) صحیح تو ہے لیکن بہت اچھا نہیں لگتا توحید کے لئے انگریزی زبان میں (Monotheism) کا لفظ آتا ہے کہنے لگے کہ مونو تھی ازم آف گاڈ اور یونٹی آف گاڈ بھی صحیح نہیں ہوگا میں نے عرض کیا جی ہاں صحیح نہیں ہوگا۔ دراصل اسلامی اور تثلیثی اصطلاحات کچھ ایسی ہیں کہ انہیں اصل مفہوم کے ابلاغ کے لئے استعمال تو کیا جاتا ہے لیکن اسلام میں ان کا جو تصور اور مفہوم ہے وہ پورا نہیں کرپاتیں۔ خود لفظ گاڈ بھی اللہ کے مفہوم کو پوری طرح ادا نہیں کرتا۔ گاڈ دیوتاؤں کے لئے بھی مستعمل ہے اور خدا کے لئے بھی امتیاز کے لئے حرف "جی" کے صغیر و کبیر کا فرق کرلیا گیا ہے رکوع کے لئے حرف (Genuflection) اور وضو کے لئے (Ablution) سے بھی ان کا صحیح مفہوم ادا نہیں ہوتا لیکن بہرحال یہ اصطلاحیں جو کلیسا سے تعلق رکھتی ہیں انہیں اسلامی شعائر کی لئے استعمال کیا جاتا ہے کیوں کہ انگریزی میں اس کا کوئی اور متبادل نہیں ہے شعائر و عقائد پر مضمون لکھنے یا ترجمہ کرنے والوں کو ان دشواریوں کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔

حیدر آباد میں سب سے زیادہ دلچسپ اور قابل دید چیز سالار جنگ میوزیم ہے حیدر آباد کے امراء میں سے اگر کسی نے کوئی اہم اور قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے تو وہ یہ عجائب خانہ ہی ہے۔ یہ واقعی دنیا کے چند خوبصورت ترین عجائب گھروں میں ہے۔ یہ ذوق اور سلیقہ کی بات ہے خدا جانے سالار جنگ نے ان نوادرات کی فراہمی میں کتنا وقت، کتنا سرمایہ اور کتنی محنت صرف کی ہوگی۔ اس میں یونان و روما کے حسین مرمریں مجسمے بھی ہیں۔ شاہی محلوں کا فرنیچر اور قالین بھی ہیں، پرانی گھڑیاں اور گھڑیال بھی۔ خنجر نیزے، تلواریں طپنچے اور بندوقیں بھی ہیں اور دل کو چھو لینے والے صحیفے، مخطوطات، بیاضیں اور سفینے بھی ہیں فرصت ہو تو گھنٹوں نہیں ہفتوں ان نوادرات کو دیکھتے رہئے پھر بھی دوبارہ دیکھنے کی حسرت رہ جائے گی ایک وسیع و عریض عمارت میں جو خاص اسی مقصد کے لئے تعمیر کی گئی ہے یہ نوادرات الگ الگ بڑے ہالوں میں ترتیب اور سلیقے سے سجائے گئے ہیں ہتھیار اور صحیفے شیشے کی الماریوں میں رکھے گئے ہیں، مجسمے پلیٹ فارموں پر نصب کئے گئے ہیں، قالین بڑے فریموں میں سجائے گئے ہیں روغنی تصاویر سنہری خوشنما فریموں میں جلوہ دکھاتی ہیں یہ ایک ایسا خزانہ ہے جس کی قدر و قیمت روپیوں یا ڈالروں میں نہیں لگائی جاسکتی ایک بیش بہا سرمایہ ایک قابل فخر اثاثہ ہے جس پر حیدر آباد بجا طور پر ناز کرسکتا ہے۔ جناب نذیر صاحب میوزیم میں کام کرنے والے اپنے ایک دوست کو بلالائے تھے جنہوں نے کئی شعبے اپنے ساتھ لے جاکر ہمیں دکھائے رحمانی صاحب اس عرصہ میں دوسری منزل پر جناب ڈاکٹر احمد علی صاحب کے پاس بیٹھے رہے جو اس میوزیم کے ڈائرکٹر ہیں میوزیم سے ایک سہ ماہی جریدہ بھی نکلتا ہے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی نہایت مہربانی سے پیش آئے اور ازراہ نوازش چائے سے بھی تواضع کی۔

حیدر آباد میں ہمارے قیام کا یہ تیسرا اور آخری دن تھا شام کی فلائٹ سے ہمیں مدراس کے لئے روانہ ہونا تھا ہوٹل میں ہمیں الوداع کہنے کے لئے بہت سے احباب جمع ہوگئے تھے کئی کے پاس اپنی گاڑیاں تھیں جناب علی بن صالح بجناب ڈاکٹر انصاری بھی تھے ہم ان کی گاڑی میں ایرپورٹ کے لئے روانہ ہوئے راستے میں گاڑی حسین ساگر کے پل سے گذری حسین ساگر کے بیچ میں گوتم بودھ کا دیو قامت مجسمہ نصب کیا گیا ہے یہ یک سنگی مجسمہ سیکڑوں ٹن وزنی ہے دو سال قبل جب اسے نصب کرنے کے لئے کشتی میں لایا جارہا تھا تو اس کے بوجھ سے کشتی الٹ گئی مجسمہ پانی میں ڈوب گیا اور کشتی میں سوار کئی کارکن اور انجینئر جو اس کی تنصیب کے لئے کشتی میں سوار تھے وہ سب غرق ہوگئے ایک طویل مدّت تک غرقاب رہنے کے بعد یہ مجسمہ پھر نکالا گیا اور اسے دریا کے بیچوں بیچ کھڑا کیا گیا ہے تاکہ سیاحوں کی دلچسپی کا سامان ہو ہمارے ملک میں مجسمہ بنانے اور لگانے کا فن صدیوں نہیں ہزاروں سال قدیم ہے یہاں کے مقامی باشندوں نے بھی دیوی دیوتاؤں کے مجسمے بنائے اور جب آریہ

ئے تو وہ اپنی بت تراشی اور صورت گری کا فن ساتھ لائے بودھوں اور بنیوں نے اس فن کو اتنا بڑھایا کہ سارے ہندوستان میں مہاویر اور گوتم بودھ کے بت نصب کر دیئے قدیم ہندوستان کا بیشتر ثقافتی سرمایہ بھی بت ری ہے کھجوراہو یا اجنتا' ایلوراہو یا جنوب کے دیگر بڑے بڑے مندر ہر لہ ہزاروں سال قدیم مورتیاں مل جائیں گی جنہیں مذہبی تقدیس کر کے انسانوں کا معبود بنادیا گیا ہے قدیم انسان کا یہی فن تھا یہی دین تھا نان اور روما میں 'مصر و بابل اور نینوا میں جہاں دیکھئے بتوں کی خدائی لھائی دیتی ہے انسان نے اپنے ہاتھوں تراشا' اپنا معبود گردانا ان کی ظلمت و تقدیس کی روایتیں قائم کیں اور آنے والی نسلوں کو یہ میراث ے گئے جن سے ذہن اور شعور آج بھی دامن نہیں چھڑا پائے اب صنم ستی مذہب بھی ہے اور کاروبار بھی انٹیک فروش اس دھندے میں ب منافع کماتے ہیں مندروں سے پرانی مورتیاں چوری کر کے مغربی لوں کو سمگل کی جاتی ہیں اور بیش قیمت داموں بکتی ہیں نئی دلی کے فٹ تھوں پر دیوی دیوتاؤں کی پرانے طرز کی مورتیاں بکتی ہوئی نظر آئیں گی سرکاری امپوریم ہیں وہاں شوکیسوں میں سجی ہوئی اپنے گاہکوں کے نتظار میں ہیں بت گری 'بت پرستی' بت فروشی' بت نمائی آج کی زندگی' بارت اور سیاست سب پر چھائی ہوئی ہے۔

بیگم پیٹ ہوائی اڈے پر احباب نے ہمیں وداع کیا اور ہم بکورٹی جانچ سے گزر کر لاؤنج میں پہنچ گئے ابھی ہم نے عصر کی نماز نہیں ھی تھی لہٰذا ایک طرف کو جگہ کی تلاش میں گئے تو دو جوان جو یونیفارم ں تھے نماز پڑھ رہے تھے دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ایسے مناظر شاید اب یدر آباد جیسی جگہوں پر ہی دکھائی دیتے ہیں ہمارے ساتھ عثمانیہ نیورسٹی کے ایک پروفیسر بھی شریک نماز ہوئے وہ پوری نماز پڑھنا چاہتے تھے کیوں کہ وہ حیدر آباد کے باشندے تھے اور بقول ان کے ابھی سفر شروع نہیں ہوا تھا لیکن رحمانی صاحب نے انہیں سمجھایا کہ جب آپ رسے روانہ ہو گئے تو آپ کا سفر شروع ہو گیا اور آپ قصر کر سکتے ہیں ہٰذا انہوں نے بھی ہمارے ساتھ دو رکعت نماز عصر پڑھی وہ دو جوان جب نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنے مصلے لا کر ہمارے آگے عادیئے عقیدہ اور دین کی قربت آدمی کو کس طرح اجنبیت میں شناسائی کے پہلو پیدا کر دیتی ہے اس سے ہمارے اوپر بڑا جذباتی اثر پڑا۔

جب ہم مدراس ہوائی اڈے پر پہنچے تو بارش ہو رہی تھی اس لئے ہوائی جہاز سے اترنے کے لئے ایروبرج (ہوائی پل) لگا دیا تھا جس کی مسقف گیلری سے گزرتے ہوئے ہم ہوائی اڈہ میں داخل ہو گئے جب سامان لے کر باہر نکلے تو جناب احمد اللہ صاحب گاڑی لئے ہمارے منتظر تھے انہیں عبد اللہ بھائی مالک باؤ تا بیڑی کمپنی نے اپنی طرف سے بھیجا تھا احمد اللہ صاحب ان کے قریبی عزیز ہیں احمد اللہ صاحب اپنی گاڑی میں ہمیں ہوٹل بلیو ڈائمنڈ میں چھوڑنے آئے ہوٹل میں کرسمس کی تقریبات کی تیاریاں ہو رہی تھیں کرسمس پیڑ اور آرائشی بیلیں وغیرہ بنائی جارہی تھیں تھوڑی دیر بعد احمد اللہ صاحب چلے گئے انہوں نے بتایا کہ ان کی اہلیہ نرسنگ ہوم میں داخل ہیں وہ ہوائی اڈہ بھی وہیں سے گئے تھے اور اب پھر نرسنگ ہوم جارہے ہیں احمد اللہ صاحب کی اس فرض شناسی اور مہمان نوازی کا میرے دل پر بہت ہی زیادہ اثر ہوا میں نے دل میں سوچا کہ ایک ایسے وقت میں جب ان کی اہلیہ اسپتال میں داخل ہیں اور ذہنی اور جذباتی طور پر وہ مطمئن نہیں ہیں پھر بھی انہوں نے ہماری پذیرائی کے لئے ہوائی اڈہ تک جانا گوارہ کیا وہ چاہتے تو معذرت کر سکتے تھے ان کے پاس عذر تھا اور کسی کو شکایت بھی نہیں ہو سکتی تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنا فرض سمجھا کہ بیمار کو چھوڑ کر ہمارے پاس پہنچے ان کے مزاج کی سادگی 'کردار کی پاکیزگی اور احساس ذمہ داری نے دل پر گہرا نقش چھوڑا کئی بار جی چاہا کہ ان کی اس کرم فرمائی اور عنایت بے نہایت کا شکریہ ادا کیا جائے لیکن بعض اوقات الفاظ جذبات کا ساتھ نہیں دے پاتے پھر دل نے کہا کہ ایسے بلند اوصاف اور صاحب کردار افراد ان تکلفات سے بالا تر ہوتے ہیں کہ رسمی انداز یا الفاظ میں ان کا شکریہ ادا کیا جائے ہاں دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ انہیں دین و دنیا کی کامرانی و شادمانی عطا فرمائے (آمین) ایسے ہی لوگوں سے انسانیت کا وقار ہے۔

ہم لوگ عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے تھے کہ احمد اللہ صاحب عبد اللہ بھائی کے ساتھ پھر تشریف لائے عبد اللہ بھائی حاجی عبد العزیز صاحب مالک باؤ تا بیڑی کے بڑے صاحبزادے ہیں بے حد سادہ' خلیق اور سراپا تواضع 'ایک کامیاب تاجر اور صاحب ثروت ہونے کے باوجود اس قدر سادگی پر حیرت بھی ہوئی جنوب کے مسلمانوں میں یہ بڑا وصف ہے کہ اپنی عام زندگی میں بڑے سادہ ہوتے ہیں شاید یہ ان کے کاروبار کا اثر ہے کہ جاگیردارانہ طمطراق اور دولت و اقتدار کی مکروہ نمائش سے پرہیز کرتے ہیں شمالی ہند کے مسلمان چونکہ جاگیردارانہ اور زمین

دارانہ پس منظر سے ابھی پوری طرح آزاد نہیں ہوپائے ہیں اس لئے اب بھی کسی نہ کسی حد تک "مزاج سلطانی" کی روایتوں پر عمل پیرا رہتے ہیں جنوب میں مسلمان عقیدے کے اعتبار سے بھی کافی سلجھے ہوئے ہیں اور معاشرے کے لحاظ سے بھی۔ مدراس میں اہلحدیثوں کا اچھا اثر ہے وہ جہاں بھی ہیں بیدار اور فعال ہیں مسلکی حمیت گہری ہے خاص طور سے کاروباری حضرات اپنے وسیع تجارتی ماحول میں رہ کر بھی دین سے وابستگی کو زندہ رکھتے ہیں اور تبلیغ واشاعت دین کے معاملوں میں سنجیدگی سے دلچسپی لیتے ہیں۔ عبداللہ بھائی کا خاندان بھی مدراس میں اہلحدیثوں کا ممتاز گھرانہ ہے ان کی بات چیت سے اندازہ ہوا کہ یہ سب حضرات دینی اور جماعتی امور میں کافی بصیرت رکھتے ہیں۔

ہم نے کھانا احمد اللہ صاحب اور عبداللہ بھائی کے ساتھ ہوٹل کے ریستوران میں کھایا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی پھر دونوں حضرات رخصت ہوگئے دوسرے دن صبح کو عبداللہ بھائی کا ڈرائیور گاڑی لے کر آگیا اور ہم مدراس دیکھنے کے لئے نکل پڑے۔ رحمانی صاحب کو کتب خانہ شرف الملک کی تلاش تھی جہاں سے ایک مخطوطہ کی نقل لینا تھی۔ سب سے پہلے ہم لوگ نیو کالج پہنچے۔ نیو کالج جنوبی ہند کے مسلمانوں کا ایک اہم اور وقیع عصری ادارہ ہے۔ نیو کالج کے سپرنٹنڈنٹ نے بتایا کہ کالج میں تین ہزار سے زیادہ طلبہ ہیں۔ رحمانی صاحب نے کالج میں پڑھائے جانے والے مضامین اور دیگر امور کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کیں۔ کالج میں ہماری ملاقات عربی کے استاذ ڈاکٹر انور پاشا سے ہوئی ان سے بہت دیر تک علمی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی رحمانی صاحب نے مرکز میں ریفریشر کورس کی تفصیلات انہیں بتائیں(۱) ڈاکٹر پاشا نے ہی کتب خانہ شرف الملک کا پتہ بتایا اور جائے وقوع ڈرائیور کو اچھی طرح سمجھادی۔ ہماری گاڑی طویل اور پُر پیچ راستہ طے کرکے ایک بڑے احاطے کے سامنے رکی۔ ہم لوگ اندر داخل ہوئے ایک بڑی عمارت تھی وہیں فرش پر ایک صاحب تشریف فرما تھے تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ جناب مولانا صلاح الدین محمد ایوب صاحب ہیں جو اس ادارہ کے مالک (نگراں) اور مدراس یونیورسٹی میں عربی کے استاذ ہیں موصوف مدراس کے مفتی بھی ہیں اور رؤیت ہلال جیسے معاملات میں تامل ناڈو سرکار ان سے ہی رجوع کرتی ہے' مسلکاً شافعی ہیں۔ ان سے مخطوطہ کے بارے میں بات کی تو انہوں نے بتایا کہ مکتبہ (لائبریری) ۲ بجے سے قبل دیکھنا ممکن نہیں۔ انہوں نے بتایا کہ نگران مکتبہ جناب عبیداللہ صاحب ابھی تھوڑی دیر قبل ہی یہاں سے گئے ہیں' انہوں نے ازراہ کرم ایک نوجوان کو ان کی تلاش میں بھی بھیجا کہ اگر مل سکیں تو انہیں بلالائیں لیکن معلوم ہوا کہ وہ گھر پر نہیں تھے ہمارے پاس ابھی کئی گھنٹے کا وقت تھا یعنی ۲ تک جناب عبیداللہ کی واپسی کا انتظار کرنا تھا' لہٰذا طے ہوا کہ اس مدت میں مدراس یونیورسٹی ہی دیکھ لی جائے' جناب مولانا صلاح الدین محمد ایوب صاحب جو جامعہ ازہر کے فاضل ہیں' ازراہ مہمان نوازی ہمارے ساتھ ہو لئے ان کی رفاقت سے ہمارا سفر بہت آسان ہوگیا۔ ساحل سمندر سے گزرتی ہوئی ہماری گاڑی مدراس یونیورسٹی کے شعبۂ مشرقی یعنی اردو' عربی فارسی میں پہنچی۔ یونیورسٹی میں تعطیلات تھیں اس لئے طلبہ نہیں تھے تاہم صدر شعبہ جناب ڈاکٹر سجاد حسین اور عربی کے ایک استاذ وہاں مل گئے ڈاکٹر صلاح الدین نے رحمانی صاحب کا تعارف کرایا دونوں بڑی تواضع سے ملے۔ ریفریشر کورس کے اشتہارات دیکھ چکے تھے اور ادارہ سے متعارف تھے اس لئے اور بھی شناسائی ہوگئی ریفریشر کورس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے رحمانی صاحب نے تفصیل سے تمام باتیں بتائیں کورس کی کامیابی سے سب بہت متاثر اور خوش تھے۔

دوران گفتگو لیکچرر صاحب کہنے لگے کہ اس کورس میں یونیورسٹی کے اساتذہ اور اسلامی مدارس کے اساتذہ کو ایک ہی صف میں کھڑا کردیا گیا' ان کا مطلب یہ تھا کہ یونیورسٹی کے اساتذہ چونکہ سرکاری طور پر اونچا منصب رکھتے ہیں اس لئے انہیں مدارس کے اساتذہ کے مقابل زیادہ اہمیت اور اعزاز ملنا چاہیئے۔ رحمانی صاحب نے اس سلسلے میں ان سے اختلاف کرتے ہوئے ادارہ کی پالیسی کی وضاحت کی۔ ڈاکٹر سجاد حسین نے ازراہ کرم چائے سے تواضع بھی کی۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد ہم لوگ وہاں سے رخصت ہوئے واپسی پر میں نے رحمانی صاحب سے عرض کیا کہ ہم میں سے بہت سے لوگ جدید عصری علوم اور قدیم مدارس کے فارغ التحصیل حضرات کے درمیان رابطہ قائم کرنے اور قدیم و جدید

---

(۱) ریفریشر کورس کے پورے پروگرام سے نہ صرف یہ کہ وہ واقف تھے بلکہ اس میں شرکت کا بھی انہیں اشتیاق تھا۔ لیکن مرکز کی طرف سے کوتاہی ہوئی کہ انہیں دعوت نامہ نہیں بھیجا جاسکا (ع۔ ح۔ ر)

کے درمیان خلیج کو پُر کرنے پر اصرار کرتے ہیں لیکن جب تک لیکچرر موصوف جیسے افراد موجود ہیں جو احساس برتری کے زینہ سے اترنا پسند نہیں کرتے یہ خلیج کیسے پُر ہو سکے گی حالانکہ مدرسہ میں بوریہ پر بیٹھ کر علم حاصل کرنے والے طلبہ کی علمی بنیاد اتنی مضبوط اور ٹھوس ہوتی ہے کہ کالج اور یونیورسٹی کے سینئر اساتذہ بھی ان علوم میں ان کا مقابلہ نہیں کرپاتے۔ لیکن مشاہرے اور مراعات کی میزان میں تولا جائے تو بلاشبہ یہ طبقہ بلند مقام ہے لیکن علمی وزن کے اعتبار سے کل بھی اور آج بھی مدارس سے فارغ ہونے والوں کا پلّہ بھاری ہے مگر بدقسمتی سے جدید اداروں سے فارغ ہونے والے افراد غیر ضروری طور پر احساس برتری میں مبتلا ہیں جب کہ مدارس سے فارغ ہونے والے خواہ مخواہ ہی احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں بالخصوص اس لئے کہ وہ انگریزی پر کما حقہ عبور نہیں رکھتے۔ اگر دینی مدارس کے ارباب اختیار کوئی ایسا انتظام کر سکیں کہ فارغ التحصیل ہونے سے قبل انگریزی تحریر و تقریر کا کوئی ریفریشر کورس (چند ماہ کا) رکھ دیں تو یقیناً ہمارے طلبہ ایک بہت بڑے نفسیاتی ہنڈی کیپ (معذوری) سے بچ جائیں گے۔ مرحوم مولانا سعید احمد اکبر آبادی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں فیکلٹی آف تھیالوجی (شعبۂ دینیات) کے سربراہ تھے انہیں عربی اور انگریزی دونوں پر عبور حاصل تھا۔ کنیڈا اور دیگر کئی مغربی ملکوں میں رہ آئے تھے۔ انہوں نے ایک بار برہان میں اپنے تاثرات کے تحت لکھا تھا کہ ان سے پہلے شعبہ میں تعلیم اردو میں دی جاتی تھی لیکن انہوں نے انگریزی میں تعلیم شروع کی ابتداء میں طلبہ نے کچھ دشواری محسوس کی لیکن تھوڑے ہی دنوں میں وہ اس سے مانوس ہو گئے اور انگریزی ذریعہ تعلیم ہونے سے ان میں ایک نیا اعتماد اور حوصلہ پیدا ہوا اور احساس کمتری ختم ہو گیا۔

یونیورسٹی سے روانہ ہو کر ہم لوگ ساحل سمندر پر پہنچے جو بہت دور تک پھیلا ہوا ہے ہم کافی مسافت طے کر کے سمندر کے کنارے پہنچے۔ بمبئی کے سمندر (بحر عرب) کے مقابلے میں یہ سمندر (یعنی بحر ہند) بہت ہی طوفانی انداز کا تھا۔ بحر عرب میں تموّج کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا لیکن یہاں تموّج ایسا پُر شور اور طوفانی انداز کا تھا کہ دیکھ کر خوف معلوم ہوتا تھا موجوں کے طوفانی ٹکراؤ سے پانی میں دور تک گہرے کثیف جھاگ پھیلے ہوئے تھے۔

ہم تھوڑی دیر تک ٹھہر کر موجوں کی بلاخیزی کا نظارہ کرتے رہے۔ اس بلاخیز کے مقابلے میں ساحل کا سکون بھی بکھرتا معلوم ہوتا تھا کیا معلوم کب موجیں لڑتے لڑتے ساحل پر چڑھ آئیں آس پاس کچھ کشتیاں ریت پر پڑی ہوئی تھیں رحمانی صاحب نے بتایا کہ جب طوفان آتا ہے تو یہ کشتیاں بہہ کر سمندر میں چلی جاتی ہیں پھر جب طوفان کا دوسرا ریلا آتا ہے تو پانی ان ہچکولے کھاتی کشتیوں کو دوبارہ ساحل پر پھینک دیتا ہے۔ یہ سارا منظر دیکھ کر مجھے حافظ کا شعر یاد آیا۔

شبی تاریک بیم موج گردابی چنیں حائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

رحمانی صاحب نے یہ شعر سنا تو انہیں حافظ کی اسی غزل کی پیروڈی یاد آئی جو غالباً اکبر الہ آبادی نے کی ہے

الا یا ایہا الساقی مکن تصنیف ناول ہا
دروغ آساں نمود اول ولی افتاد مشکلہا

تھوڑی دیر سبکساران ساحل بن کر ہم لوگ واپس لوٹے۔ ایک آدمی گھونگھے بیچ رہا تھا رحمانی صاحب نے بچوں کے لئے یہ کھلونے خریدے اور پھر ہم لوگ مکتبہ شرف الملک کے لئے واپس ہوئے (۱) ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر لائبریری میں پہنچے تو اس وقت تک جناب عبید اللہ

---

(۱) راستہ میں ہم نے ایس' آئی' ای' ٹی کالج (ساؤتھ انڈیا ایجوکیشنل ٹرسٹ) بھی دیکھا' یہ جنوبی ہند میں لڑکیوں کی تعلیم کا سب سے بڑا تعلیمی ادارہ ہے۔ تین ہزار سے زیادہ طالبات اس میں ہیں جن میں تقریباً ۵۵ فیصد مسلمان لڑکیاں ہیں۔ یہ جسٹس بشیر احمد سعید کی جدوجہد کا شاہکار ہے۔ ماضی قریب اور ماضی بعید دونوں میں مدراس میں اعیان جماعت اہلحدیث نے عظیم کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ایس' آئی' ای' ٹی کالج اسلامی تہذیب و تعلیمات کی نمائندگی تو نہیں کرتا لیکن اس سے مسلمانوں کی نئی نسل کو کافی فائدے پہنچے ہیں' ماضی بعید میں سی عبد الحکیم رحمہ اللہ اور مولانا نذیر حسین قصوری نے اور ماضی قریب میں جسٹس بشیر احمد سعید وغیرہم نے بڑے ٹھوس ملی اور تعلیمی کام کئے ہیں خالص جماعتی غیرت و حمیت اور دعوت و تبلیغ میں پورے جنوبی ہند میں حاجی عبد العزیز باؤتا بیڑی کا نام سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔ سی عبد الشکور' حاجی عبد السبحان بون مرچنٹ' ابراہیم صاحب اسٹیم بیڑی اور سی فضل الرحمان کو بھی جماعتی تاریخ میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ رحمہم اللہ وغفر لہم

آج بھی آڈیٹر عبید اللہ سی' آئی' ای' ٹی کالج کی خدمت اور اس کی ادارت و انتظام کا اور ان کے صاحب زادے نیو کالج کے انتظام والصرام کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں (م۔ع۔ر)

صاحب نگراں مکتبہ تشریف لا چکے تھے۔ مکتبہ (لائبریری) میں کتابوں کا
جو نایاب اور بیش قیمت ذخیرہ ہے اسے دیکھتے ہوئے اسے ایک بیش بہا
علمی اور قومی اثاثہ کہا جاسکتا ہے لیکن بد قسمتی سے اس بیش بہا علمی
خزانے کی حفاظت اور نگہداشت کا وہ بندوبست نہیں ہے جس کا یہ عظیم
مکتبہ مستحق ہے۔ اور شاید ایسا ہو بھی نہیں سکتا کیوں کہ یہ شخصی ملکیت
کی چیز ہے اور پرانے مخطوطات، کتابوں وغیرہ کو موسم کی سختیوں، کیڑوں
مکوڑوں، دھول گرد اور رطوبت وغیرہ سے بچانے کے جدید ذرائع
اور آلات و مشینوں وغیرہ کی فراہمی ایک بڑا مسئلہ ہے اس کے لئے
کثیر سرمایہ بھی درکار ہے اور جدید تکنیکی مہارت اور طریقہ بھی مطلوب
ہے ظاہر ہے یہ آسانیاں سرکاری نگرانی یا سرکاری امداد کے تحت ہی
حاصل ہو سکتی ہیں۔ معلوم نہیں جناب مولانا صلاح الدین محمد ایوب اور
عبید اللہ صاحبان اس اہم ترین مسئلے پر غور فرماتے ہیں یا نہیں۔ اگر مکتبہ
کو برقرار رکھنا ہے تو اسے جدید طرز پر ترتیب دینا اور مسوّدات
و مخطوطات کی حفاظت و نگہداشت کا مخصوص بندوبست کرنا لازمی ہے۔
اگر اس سلسلے میں نیشنل آرکائوز نئی دہلی، نیشنل لائبریری کلکتہ وغیرہ سے
رابطہ قائم کیا جائے تو معلومات بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔ عبید اللہ
صاحب نے رحمانی صاحب کو مطلوبہ مخطوطہ نکال کر دکھایا جس کی نقل کے
لئے حسب قاعدہ درخواست دے دی گئی۔ مولانا صلاح الدین محمد ایوب
ازہری صاحب نے رحمانی صاحب سے تاثرات لکھنے کی درخواست کی
چنانچہ رجسٹر معائنہ پر تاثرات نوٹ کردئے گئے۔ یہاں سے روانہ ہو کر
شمالی ارکاٹ گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں ارکاٹ کے نواب محمد علی
کی خاصی اہمیت تھی اور یہاں انگریزوں کی سازشیں ان ہی کے دور میں
گہری ہوئیں۔ اب نوابی تو باقی نہیں لیکن نواب صاحب کا خوبصورت
کوٹھی نما محل موجود ہے جس میں موجودہ نواب قیام پذیر ہیں۔ محل پر
باہر سے عبرت کی نگاہ ڈالتے ہوئے مسجد امیر الدولہ گئے جہاں ارکاٹ کے
نوابوں کی قبریں ہیں ان پر مخملی غلاف چڑھے ہوئے تھے اور ایک نوعمر
مجاور بھی موجود تھا۔ مسجد خاصی وسیع اور دلکش طرز تعمیر کی ہے اور سامنے
وسیع گراؤنڈ ہے۔ اب شام ہو رہی تھی اور ہمیں مدراس کی مایہ ناز سلفی
شخصیت جناب ٹی عبید اللہ صاحب آڈیٹر ممبر گورننگ کونسل ابوالکلام
آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی سے ملاقات کے لئے جانا تھا۔ جن
کی کوٹھی یہاں سے بہت دور ایک مضافاتی کالونی میں واقع ہے۔ ایک

طویل راستہ طے کرکے ہم لوگ وہاں پہنچے۔ جناب عبید اللہ صاحب آڈیٹر
موجود تھے۔ بہت بزرگ ہیں غالباً آٹھویں دہائی پوری کر چکے ہیں لیکن
پوری طرح فعّال اور صحت مند ہیں ان کے صاحب زادے اکاؤنٹ
و آڈٹ کا ادارہ چلاتے ہیں یہ بھی اس میں تدریس اور نگرانی کی ذمہ
داریاں انجام دیتے ہیں۔ بہت شفقت سے ملے۔ اپنی بہت سی پرانی
یادیں تازہ کرتے رہے۔ تھوڑی دیر تک وہاں ٹھہر کر ہم لوگ واپس
ہوئے دھوبی پیٹ کی مسجد میں بعد نماز عشاء رحمانی صاحب کے درس
قرآن کا پروگرام تھا اور عبد اللہ بھائی کے ہاں عشائیہ تھا۔ عشاء کے
وقت ہم لوگ دھوبی پیٹ کی مسجد پہنچ گئے۔ یہ جماعت کی بڑی اور مشہور
مسجد ہے۔ کافی تعداد نمازیوں کی تھی۔ ابھی نماز میں کچھ دیر تھی اس لئے
ہم احمد اللہ صاحب کے والد بزرگوار سے ملاقات کے لئے چلے گئے جن کا
گھر مسجد سے قریب ہے۔ بزرگوار کی طبیعت ناساز تھی خاصے عمر رسیدہ
ہیں، رحمانی صاحب سے شفقت اور عقیدت سے ملے۔ ان کے ہاتھ میں
تسبیح تھی جس پر وہ کچھ پڑھ رہے تھے رحمانی صاحب نے انہیں بتایا کہ
تسبیح کا استعمال سنّت سے ثابت نہیں ہے۔ انہوں نے ایک سلفی عالم کا
حوالہ دیا کہ انہوں نے تسبیح پر اوراد کو جائز بتایا ہے اور اس کی تلقین بھی
کی ہے اور انہی کے فتوے کی بنیاد پر وہ تسبیح استعمال کر رہے ہیں لیکن
رحمانی صاحب نے تفصیل سے اس بارے میں انہیں بتایا کہ گنتی اور شمار
کے لئے دانوں اور تسبیح کا استعمال جائز نہیں ہے صرف انگلیوں پر شمار کیا
جاسکتا ہے رحمانی صاحب نے آہستہ سے وہ تسبیح ان کے ہاتھ سے لے لی اور احمد
اللہ صاحب کے حوالے کردی احمد اللہ صاحب نے ازراہ کرم چائے سے
تواضع فرمائی عشاء کی نماز کے بعد رحمانی صاحب کا درس ہوا جو تقریباً آدھ
گھنٹہ جاری رہا سامعین کی بڑی تعداد تھی۔ مجلس برخواست ہوئی تو ہم
لوگ عبد اللہ بھائی کے دولت خانہ کی طرف چلے دھوبی پیٹ مسجد کے امام
جناب عبد الرحیم صاحب سے ملاقات ہوئی بڑی محبت سے ملے اور کہنے
لگے کہ التوعیہ کا علمی معیار ایسا ہے کہ عام قاری کے لئے رسالہ مفید
ثابت نہیں ہوتا۔ دراصل تمل ناڈو میں اب اردو کا چلن پہلے سے بھی
کافی کم ہو گیا ہے مسلمانوں کی نئی نسل شمالی ہند میں بھی اردو سے بیگانہ
ہوتی جارہی ہے جنوب میں اردو علاقائی زبان نہیں ہے بلکہ مسلمانوں
کے حلقے کی زبان ہے اب چونکہ اردو کا دائرہ ہر جگہ سمٹ رہا ہے اسی لئے
جنوب میں یہ اور بھی زیادہ تنگ ہو گیا ہے کاش ہندوستان کے مسلمان

ں صدیوں کی ثقافت کی اس گراں قدر علامت کو زندہ رکھ سکیں۔

عبد اللہ بھائی خود جس قدر سادہ اور درویش صفت ہیں ان کا کان اتنا ہی شاندار اور پر تکلف ہے ہر گوشے سے تموّل اور نفاست کا رازہ ہوتا ہے۔ مکانوں کی آراستگی اور زیبائش (ڈیکوریشن) بھی ایک داداد ذوق ہے تموّل کے بغیر سادگی سے بھی آراستگی میں نفاست پیدا کی اسکتی ہے تموّل سے یہ زیبائش شاہانہ انداز اور طمطراق اختیار کر لیتی ہے بد اللہ بھائی کے یہاں تموّل کے ساتھ زیبائش کا اہتمام ہے اور ظاہر ہے س نے ان کے وسیع و عریض مکان کو جنت نگاہ بنا دیا ہے کھانے پر بد اللہ بھائی اور ان کے دوسرے بھائی، احمد اللہ صاحب اور مولانا بد الرحیم صاحب شریک تھے۔ عبد اللہ بھائی کے دوسرے بھائی بھی پنے بھائی کی ہی طرح سادہ مزاج اور منکسر طبیعت کے ہیں اور سب دینی بحجان رکھتے ہیں اور جماعتی امور میں گہری دلچسپی لیتے ہیں اللہ تعالٰی ہیں اور عروج و اقبال عطا فرمائے کہ ایسے دردمند، مخیّر اور باحمیّت راد کسی بھی جماعت اور فرقہ کے لئے بیش قیمت اثاثہ ہیں کھانے کے مد کچھ دیر تک محفل رہی رحمانی صاحب کو علامہ ڈاکٹر محمد یوسف کوکن رحوم کے ہاں جانا تھا ان کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے پروفیسر کوکن جنوبی ند کی بڑی مایہ ناز علمی شخصیت تھے ان کے شاگردوں اور مداحوں کا بڑا سیع حلقہ ہے تالیف و تصنیف کے میدان میں بھی انہوں نے بڑا کام کیا ہے ان کی رحلت سے جنوبی ہند میں ایک بڑا علمی خلاء پیدا ہو گیا ہے جس ا پُر ہونا موجودہ حالات میں آسان معلوم نہیں ہوتا۔ رحمانی صاحب زیت کے لئے ان کے گھر جانا چاہتے تھے لیکن پتہ معلوم نہیں تھا لہٰذا ائریکٹری سے ان کا ٹیلیفون نمبر دیکھ کر رابطہ قائم کیا گیا اور مکان کی جائے نوع معلوم کر کے رحمانی صاحب وہاں چلے گئے رات کافی ہو چکی تھی س لئے طے ہوا کہ مجھے ہوٹل پہنچا دیا جائے تاکہ آرام کا موقع مل جائے بح کو ہمیں بنگلور روانہ ہونا تھا۔

صبح نماز فجر سے فارغ ہوئے تو عبد اللہ بھائی کا ڈرائیور گاڑی لے کر آ گیا اور ہم اپنا مختصر سا سامان سمیٹ کر ریلوے اسٹیشن کے لئے وانہ ہو گئے۔ ریزرویشن پہلے ہی ہو چکا تھا مدراس سے بنگلور کا سفر ۵ ' ۶ گھنٹے کا ہے دہلی کی نسبت اسٹیشن اور ٹرین دونوں جگہ دم گھونٹ دینے لی بھیڑ نہیں تھی نہ وہ نفسا نفسی کا عالم۔ یہ شاید شمال اور جنوب کے زاج کا فرق ہے یا آب و ہوا کا اثر۔ یہاں ہر جگہ سکون، ٹھہراؤ اور شائستگی کا احساس ہوتا ہے۔ جنوب کے لوگ سادہ دل، سادہ مزاج ہیں اور سادگی پسند بھی۔ نمود و نمائش، شور و غوغا، ہنگامہ اور ہیجان یہاں کی روز مرّہ کی زندگی کا خاصہ نہیں ہیں۔ اگر سیاسی تماشے اور ہنگامے نہ ہوں تو جنوبی ہند بڑی پر سکون جگہ ہے۔ دوپہر ہوتے ہوتے ہم بنگلور پہنچ گئے۔ رحمانی صاحب نے جناب عبد الجلیل صاحب کو فون پر اطلاع دے دی تھی لیکن جب ہم بنگلور اسٹیشن پر اترے تو وہاں ہماری پذیرائی کے لئے کوئی موجود نہیں تھا۔ اسٹیشن پر کافی انتظار کے بعد ہم لوگ تھری وہیلر کے ذریعہ مسجد اہلحدیث پہنچے تو معلوم ہوا کہ جناب عبد الجلیل صاحب ہمیں لینے کے لئے بنگلور کے کنٹونمنٹ اسٹیشن پر گئے تھے جو شہر سے قریب تر ہے اور ان کا خیال تھا کہ رحمانی صاحب وہیں اتریں گے لیکن جب وہاں سے گاڑی روانہ ہو گئی تو وہ واپس آئے کہ شاید اسٹیشن پر ملاقات نہ ہونے کے سبب رحمانی صاحب براہ راست یہاں پہنچ گئے ہوں اور اب دوبارہ بنگلور سنٹرل پر گاڑی لے کر گئے ہیں ہم ادھر آ گئے اور عبد الجلیل صاحب اسٹیشن پر پریشان ہوتے رہے یہ صورت حال اس لئے پیش آئی کہ فون پر آمد کی اطلاع دیتے وقت یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ بنگلور کے دو اسٹیشن ہیں اور کنٹونمنٹ اسٹیشن شہر سے زیادہ قریب ہے اور عبد الجلیل صاحب وہیں پہنچیں گے۔ بہرحال تھوڑی ہی دیر میں عبد الجلیل صاحب تشریف لے آئے اور اپنی گاڑی میں ہمیں اپنی کوٹھی پر لے گئے۔ جناب عبد الجلیل صاحب بنگلور میں انڈوں کے تھوک بیوپاری ہیں روزانہ سوا لاکھ انڈے سپلائی ہوتے ہیں جماعت کے بھی سربر آوردہ افراد میں شمار کئے جاتے ہیں بہت متواضع اور سادہ طبیعت انسان ہیں ان کی دوکان مسجد اہلحدیث کے قریب ہی واقع ہے ہم کئی بار اس دوکان پر گئے جہاں کاروباری سرگرمیاں شباب پر رہتی ہیں۔ ان کے ایک صاحب زادے جامعہ دار السلام عمر آباد میں زیر تعلیم ہیں وہ ہفتہ واری چھٹی میں گھر آئے ہوئے تھے شام کے وقت وہ ہمیں بنگلور کا بازار دکھانے لے گئے رحمانی صاحب کو ہوائی کمپنی کے دفتر سے بمبئی کے لئے ٹکٹ لینا تھا اس لئے ہم لوگ گھومتے ہوئے کمپنی کے دفتر تک گئے۔ بنگلور بڑا خوبصورت شہر ہے ہر طرف شادابی و سرسبزی، سڑکیں صاف اور کشادہ، بھیڑ بھاڑ بھی دہلی اور بمبئی جیسی نہیں موسم خوشگوار اور لوگ متواضع ہیں۔ اگرچہ مسلم آبادی والے علاقے سلم ایریا کا منظر ہی پیش کرتے ہیں وہی سڑکوں پر گندگی، بے ربطی، بھیڑ بھاڑ، چہل پہل، ہوٹل،

(بقیہ ص۱۲ پر)

اطہر نقوی

علامہ احسان الٰہی ظہیر

برصغیر کا عظیم سلفی عالم اور مجاہد جو مارچ ۱۹۸۷ء کو لاہور کے ایک بم دھماکے میں فوت ہوا

شہیدِ راہِ محبت، قتیلِ مہرِ نبی — فدائے عظمتِ دینِ محمدِ عربی

سُرورِ بادۂ حُبِّ نبی کا شیدا تھا — لُبھا سکا نہ اسے رنگ بادۂ عنبی

چراغ اس نے جلائے ہیں وہ صداقت کے — ٹھہر سکے گی نہ کذب ودجل کی تیرہ شبی

قلم روانی میں شمشیرِ تیز کی صورت — مگر امینِ روایاتِ مسلکِ ادبی

سلام تجھ پہ ہو نامِ نبی کے دیوانے — متاعِ ناز سعادت ہے تیری خوش لقبی

ازل سے تجھ کو ودیعت ہوا تھا جوشِ جنوں — ترے لہو کی حرارت عطیّۂ وہبی

وہ ہو قبوری شریعت کہ دینِ مرزائی — ترے وجود سے پسپا ہوئی ہے بولہبی

ہزار سنگِ ملامت ہوں دار وزنداں ہو — کسی ستم سے تری شورشِ جنوں نہ دبی

تری نگاہ کا مرکز کلامِ ربّانی — ترے خیال کا محور حدیثِ پاکِ نبی

تری نگارشِ بیباک سے ہراساں تھی — مزاجِ سطوتِ باطل کی اہرمن نسبی

ترے قلم کی جراحت سے بچ نہ سکتا تھا — حضور ذاتِ رسالت کرے جو بے ادبی

حریفِ نخوتِ باطل رہا جنوں تیرا — ترے ہی سنگ سے ٹوٹا یہ ساغرِ حلبی

تری گرفت سے ہر وقت جاں کنی میں رہی — امامِ اُمّتِ گمراہ کی دریدہ لبی

عزیمتوں کی روایت کا اک تسلسل تھا — تری حیات سے روشن یہ مسلکِ ذہبی

بہارِ گلشنِ توحید ہے یہ قربانی — ترے لہو سے گلستاں ہے مرغزارِ نبی

تابش حجازی

تاریخ وصال بابو عارف مرحوم

۱۹۹۴ء

پیارے عارف ' تھا تو میرا پارۂ قلب وجگر
تیرے اٹھ جانے سے 'اب ساری فضا غمناک ہے

لے گیا سب لوٹ کر رخت ومتاعِ زندگی
کیا کہوں ' دستِ اجل بھی کس قدر سفاک ہے

اطہرؔ نقوی کو یارب ! کر عطا صبرِ جمیل
غم سے ان کا دل ہے صد پارہ 'جگر صد چاک ہے

حالِ زاران کا' کسی پہلو سے چھپ سکتا نہیں
ان کی صورت کیا ہے ' اک آئینۂ ادراک ہے

بندۂ مؤمن پہ تو ' ہر حال میں لازم ہے صبر
میں نے مانا' حادثہ لوگو! بہت غمناک ہے

وہ امانت تھا خدا کی ' اس نے واپس مانگ لی
کس زباں سے اب کہوں' یہ گردش افلاک ہے

گو کہ آنکھوں سے رواں ہے اشکِ غم آٹھوں پہر
ہاں ! مگر لب پر مرے ' شکر خدائے پاک ہے

رحمت باری ہو نازل' قبر عارفؔ پر مدام
یہ دعا تجھ سے ہماری ' اے خدائے پاک ہے

خامۂ غم سے لکھو تابشؔ یہ سالِ ارتحال
نیک دل عارف بھی اب آسودہ زیرِ خاک ہے

۴۱۴ھ

نادی الطلبہ کا انتخاب جدید

جامعہ اسلامیہ سنابل

سالہائے گذشتہ کی طرح امسال بھی طلبۂ جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی کی انجمن "نادی الطلبہ" کے اراکین وعہدیداران کا انتخاب نو مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۹۴ء بروز دوشنبہ اساتذہ جامعہ کی نگرانی میں عمل میں آیا اور بتاریخ ۱۹ اپریل ۱۹۹۴ء بروز سہ شنبہ نادی الطلبہ کے جملہ شعبوں کے منتخب عہدیداروں نے اپنا اپنا عہدہ سنبھالا جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ لجنۃ الصحافۃ

معتمد صحافت: عبدالحفیظ محمد یونس
نائب 〃 〃 عبدالرحمٰن رفیق احمد
معاون 〃 〃 نسیم الدین مشیر الدین
〃 〃 〃 احسان اللہ سمیع اللہ
〃 〃 〃 عبدالشکور عبدالحق
〃 〃 〃 ہارون رشید محمد اسلام
〃 〃 〃 عنایت اللہ حفیظ اللہ

۲۔ لجنۃ الخطابۃ

(ا) معتمد خطابت: محمد تمیم سخاوت علی
نائب 〃 〃 عبدالغفور عبدالحق
(ب) معتمد خطابت: علیم اللہ شمس الحق
نائب 〃 〃 عبدالباری حبیب اللہ ناصر
(ج) معتمد خطابت: احمد حسین محمد حسن
نائب 〃 〃 شاہد اقبال ظہور الحق

۳۔ لجنۃ دار الکتب

معتمد دار الکتب: نذیر احمد محمد لقمان
نائب 〃 〃 حبیب اللہ محمد حسین
معاون معتمد دار الکتب: برکت اللہ محمد شفیع
〃 〃 〃 ابرار الحق عین الحق
〃 〃 〃 سعید الرحمٰن مظفر حسین
〃 〃 〃 محمد محب محمد وکیل
〃 〃 〃 شفیق الرحمٰن ثناء اللہ
〃 〃 〃 محمد انور محمد مصطفیٰ
〃 〃 〃 عبدالحلیم عبدالحمید

۴۔ لجنۃ دار الصحف والجرائد

معتمد دار الصحف والجرائد: عبدالاول محمد یحییٰ
نائب 〃 〃 〃 〃 نذیر احمد غلام محی الدین
معاون 〃 〃 〃 〃 نثار الحق عین الحق
〃 〃 〃 〃 عبدالرحمٰن عبدالحمید

۵۔ لجنۃ دار الاخبار

معتمد دار الاخبار: آفتاب عالم انوار الحق
معاون 〃 〃 عبدالباسط عبدالمنان

المعلن۔ عبدالحفیظ محمد یونس
معتمد صحافت نادی الطلبہ جامعہ اسلامیہ سنابل

معہد التعلیم الاسلامی گاندھی نگر بستی

معہد التعلیم الاسلامی گاندھی نگر بستی مشرقی یوپی کا ایک نوزائیدہ تعلیمی ادارہ ہے جو ابوالکلام آزاد اسلامک او یکننگ سنٹر کے زیر اہتمام اسی سال قائم ہوا ہے جس میں طلبہ کی تحریری و تقریری صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے لئے "نادی الطلبہ" کے نام سے طلبہ کی ایک انجمن کا قیام بھی عمل میں آچکا ہے مورخہ ۷ر اپریل ۱۹۹۴ء کو طلبہ کا افتتاحی پروگرام زیر صدارت مولانا اقبال احمد صاحب انچارج

(بقیہ صـ۴۳ پر)

بقیہ فکرونظر

متعلقین کو ہراساں کیا گیا یہ زیادتی اور غیر ذمہ داری کا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اہل علاقہ اس زیادتی پر خاموش نہیں رہے اور ان کے شدید احتجاج کے سبب ان دستوں کو واپس جانا پڑا تاہم یہ بھی بڑی مایوسی کی بات ہے کہ عام طور پر اس سنگین واقعہ کو نظرانداز کردیا گیا اور کسی ذمہ دار نے سی بی آئی کی اس غیر محتاط روش پر حکومت کو توجہ بھی نہیں دلائی۔ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دینی اور علمی حلقوں میں غیر معروف نہیں ہیں صادق پور کی انقلابی، دینی اور علمی عظمت سے بھی اہل علم ناواقف نہیں ہیں پھر بھی یہ بے نیازی اور بے التفاتی افسوس ناک ہے سرکاری حلقوں کو اس کا علم نہیں کہ اسلام میں برہمنیت اور پاپائیت نہیں ہے ورنہ علمائے صادق پور کا مرتبہ کسی شنکر آچاریہ یا کارڈینال سے بھی بلند ہوسکتا تھا۔ کیا سی بی آئی کو یہ حوصلہ ہے کہ وہ کسی شنکر آچاریہ کے مٹھ پر چھاپا مارے اور عوامی احتجاج اور سرکاری سرزنش سے محفوظ رہ سکے پتہ نہیں مرکزی یا صوبائی جمعیت نے اس سلسلے میں کوئی اقدام کیا یا نہیں کم از کم اس سنگین واقعہ پر مرکزی اور ریاستی سرکار سے احتجاج کیا جانا چاہئے تھا تاکہ حکومت کو کچھ تو احساس ہو کہ غیر محتاط اور غیر ذمہ دارانہ کارروائیوں سے مسلمانوں کو کتنے اضطراب اور خلجان میں مبتلا ہونا پڑتا ہے اور کسی کے انفرادی عمل سے شک وشبہ کے گھوڑوں کو بے لگام نہیں چھوڑ دیا جانا چاہئے۔

بہرکیف ہندوستان ہی نہیں برصغیر بلکہ پوری دنیا کے سلفی مسلمانوں کو صادق پور کے اس سانحہ پر تشویش اور اضطراب ہے اور صرف سلفی ہی کیوں وہ سارے مسلم اور غیر مسلم جنہیں انسانی وقار، حقوق انسانی اور قانون کی حکمرانی پر یقین ہے انہیں بھی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت سے شدید صدمہ پہنچا ہوگا۔

بقیہ خبرنامہ

تبصرہ کل افشانی کرتے رہتے ہیں۔ آر ایس ایس کے نئے سربراہ پروفیسر راجندر سنگھ نے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں اسی طرح کا ایک بیان دیتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ہندوؤں کے تین مقدس مقامات کاشی متھرا اور اجودھیا فوراً ان کے حوالے کردیئے جائیں اگر اس میں تاخیر کی گئی تو ہندوستان کی بہت سی مساجد کا مسئلہ اٹھادیا جائے گا اور تب ہندوؤں کے غصہ کو روکنے کی کسی میں ہمت نہیں ہوگی۔

دھرم سنسد کا فیصلہ

ہری دوار میں وشو ہندو پرشد کے زیر اہتمام منعقد چھٹے دھرم سنسد میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اگر اکتوبر تک رام جنم بھومی کی اراضی وشو ہندو پرشد یا رام جنم بھومی نیاس کے حوالے نہیں کی گئی تو اس پر زبردستی قبضہ کرلیا جائے گا اور رام مندر کی تعمیر شروع کردی جائے گی اس کے جواب میں مرکزی نائب وزیر برائے امور داخلہ مسٹر رام لعل راہی نے کہا ہے کہ جس زمین کو بابری مسجد کے انہدام کے بعد حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے اس پر کسی کو جبراً قبضہ کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

واضح رہے کہ جب سے پروفیسر راجندر سنگھ نے راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کا اعلیٰ ترین عہدہ سنبھالا ہے نہ صرف اجودھیا بلکہ بنارس اور متھرا کی مسجد کا معاملہ بھی جاگتا نظر آرہا ہے۔

عالمی تجارتی معاہدہ

مراکش میں عالمی تجارتی معاہدے پر ۱۲۰ ملکوں کے نمائندوں نے جن میں ہندوستان بھی شامل ہے دستخط کردیئے ہیں اس معاہدے سے دنیا کو ایک بہتر، پائدار اور منصفانہ عالمی تجارتی نظام کے وجود میں آنے کی امید بندھی ہے یہ ایک تفصیلی معاہدہ ہے جس میں ۵۰۰ صفحات صرف قانونی متون کے ہیں اور ۲۰۰۰۰ صفحات مال وخدمات کے سلسلہ میں مراعات اور منڈیوں تک مال کے پہنچ سے متعلق ہیں اس سے توقع کی جاتی ہے کہ ۱۹۹۵ء تک عالمی تجارتی تنظیم وجود میں آجائے گی جو تجارت اور ترقی کے موجودہ معاہدے کی جگہ لے لے گی۔

شکریہ

ہمارے عزیز سید محمد عارف نقوی رحمہ اللہ کی الم ناک رحلت پر جن احباب واعزہ نے بہ نفس نفیس تشریف لاکر یا خطوط کے ذریعہ اظہار تعزیت وہمدردی کیا ہم ان سب کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر عطا فرمائے اور ہم سب کو آلام وحوادث سے محفوظ رکھے (آمین)

(ابن احمد نقوی ودیگر اہل خاندان)

شکیل اختر حسین

خبرنامہ

البانیہ

مسلمان بچوں کو نصرانی بنانے کی مہم

سربوں نے ایک طرف تو مسلمانوں کی نسل کشی کے لئے بوسنیا میں جنگ جاری کر رکھی ہے جہاں بے دردی سے ان کا قتل عام کیا جارہا ہے اور دوسری طرف انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک اور مہم چھیڑ رکھی ہے 'البانیہ کی ریاست کوسوو میں سربوں کے بالمقابل مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ جس سے سربی افسران و سرب دہشت پسندوں کو سخت تشویش لاحق ہے لہٰذا انہوں نے کوسوو کے یتیم خانوں سے مسلمان بچوں کو اغوا کر کے یا یتیم خانوں کو بند کر کے سربیا اور بلغراد وغیرہ پہنچانا شروع کر دیا ہے تاکہ وہاں نصرانی تعلیمات کی روشنی میں تربیت دے کر اسلامی تعلیمات و دینی شعائر سے انہیں دور رکھا جاسکے اور کوسوو میں آبادی کا توازن برابر ہو جائے' اطلاعات کے مطابق جب غیر ملکی صحافیوں نے کوسوو کے یتیم خانوں اور ان میں پرورش پانے والے بچوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہیں تو سربی حکام نے انہیں کسی بھی طرح کی معلومات بہم پہنچانے سے انکار کر دیا نیز انہیں بذات خود بھی بچوں سے رابطہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

برطانیہ

تعاون کی اپیل

اسقاط حمل کی مخالف تنظیم نے اسقاط حمل کی صورت حال سے مقابلہ کرنے کے لئے برطانیہ میں مقیم غیر ملکی مسلم برادری سے تعاون کی اپیل کی ہے۔ تنظیم کے ترجمان جان والش نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ برطانوی مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اسقاط حمل کی وبا سے چھٹکارا دلانے اور سوسائٹی کو مستحکم بنانے میں ہماری مدد کریں "انہوں نے برطانوی مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا" ہم آپ کے یہاں موجود قابل فخر خاندانی روایات' بچوں کا احترام' والدین سے حسن سلوک اور پڑوسیوں کے ساتھ احسان جیسی اعلیٰ اقدار اپنانے میں آپ کے محتاج ہیں" اس سلسلے میں قرآن مجید کا ذکر کرتے ہوئے جان والش نے کہا کہ بچے کی پیدائش سے متعلق علمی حقائق کا علم ہمارے سائنسدانوں اور ڈاکٹروں کو صرف ۴۰ سال پہلے ہوا ہے جبکہ قرآن یہ سب امور ۱۴۰۰ سال قبل بیان کر چکا ہے۔

ملا گری

برطانوی نشریاتی ادارہ (بی بی سی لندن) دنیا بھر میں نہایت ہی مقبول نشریاتی ادارہ ہے۔ اس کی خبروں اور تبصروں کو بے لاگ اور غیر جانب دار سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس ادارہ میں صیہونیوں کے عمل دخل نے اس کی غیر جانبداری کو مشکوک بنا دیا ہے۔ حال ہی میں اس ادارہ نے بلا کسی ردّ و نقد کے ایک سیکولرازم کے دلدادہ کا ایک انٹرویو نشر کیا جس میں موصوف نے اسلام اور مسلمانوں پر زبان درازی کرتے ہوئے دینی تعلیمی اداروں اور ان کی مذہبی خدمات کو "ملا گری" سے تعبیر کیا حد تو یہ ہے کہ آنجناب نے علماء تک کو اپنے سبّ و شتم کا نشانہ بنایا۔

فرانس

مسلم طالبات کا اخراج

وسط مشرقی فرانس کے ایک ثانوی اسکول نے چار مسلم طالبات کو صرف اس وجہ سے ادارہ سے خارج کر دیا کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کو اپناتے ہوئے برقع پہن کر اسکول میں آنا شروع کر دیا تھا اس اقدام پر بعض اسلامی اور حقوق انسانی کی علمبردار تنظیموں کے احتجاج و مداخلت کے باوجود ادارہ اپنے اخراج کے فیصلہ پر قائم ہے اس کے بالمقابل طالبات نے بے حجابی کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے اور حصول تعلیم میں اپنے لئے ان حقوق کا مطالبہ کیا ہے جو فرانسیسی آئین نے انہیں عطا کئے ہیں۔

فلسطین

اعتراف حقیقت

فروری میں ہیبرون کی مسجد ابراہیم میں فلسطینیوں کے قتل عام

کا جو حادثہ پیش آیا حکومت اسرائیل اسے محض فرد واحد کی حرکت قرار دے رہی ہے۔ حالانکہ اگر حقیقتاً دیکھا جائے تو یہ ان تعلیمات و اصول کا ایک حصہ ہے جو حکومت اسرائیل و فوج نے صیہونیوں کے لئے وضع کئے ہیں اور انہیں فلسطینیوں کے ساتھ عام برتاؤ میں ان اصولوں کو اپنانے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اسرائیلی تحقیقاتی کمیشن کے سامنے مقبوضہ عرب علاقہ میں متعین اسرائیلی حفاظتی فورس کے ایک اعلیٰ افسر نے اسی طرح کے بعض حقائق کا اعتراف کیا ہے افسر کا کہنا ہے کہ اسرائیلی فوج کے جاری کردہ احکامات کے مطابق یہودی آباد کاروں کو مسلح ہو کر گھومنے اور ہر جگہ آنے جانے کی مکمل چھوٹ ہے۔ اگر فوجی کسی آباد کار کو فلسطینیوں پر گولیاں برساتا دیکھیں تو انہیں اس میں مداخلت کرنے اور آباد کار کے کام میں خلل ڈالنے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ وہ ایسے موقع پر کسی پوشیدہ جگہ بیٹھ کر فلسطینیوں کے قتل عام کے خاموش تماشائی بنے رہیں۔

چین

علماء کو عمر قید کی سزا

جمہوریہ چین کی مسلم اقلیت کے نمائندہ ایک وفد نے مختلف چینی شہروں کا دورہ کرنے کے بعد اپنی ایک رپورٹ میں چینی مسلمانوں کو پیش آنے والے آلام و مصائب کا تذکرہ کیا ہے رپورٹ کی مطابق چینی پولس نے مسلم علماء و زعماء، دانشوران و مفکرین اور ائمہ مساجد کو ڈرانا دھمکانا اور ان کے ساتھ متشددانہ کارروائیاں کرنا اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے مشرقی ترکستان کے شہر شینگ یانگ میں پولیس نے نہایت ہی گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے ۲۵ بے گناہ علماء کو حراست میں لے کر ان میں سے اکثر کو عمر قید کی سزا سنائی، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ گذشتہ سال مئی کے مہینہ میں چینی فوج نے ایک مسجد کے سامنے اسلامی تعلیمات پر عمل کی آزادی و جائز حقوق کا مطالبہ اور اپنے اوپر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز اٹھانے والے بہت سے نہتے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔

لائبیریا

مسلمانوں کی حالت زار

لائبیریا کے مسلمان اپنے دین و ایمان اور ملی تشخص کی بقاء و حفاظت کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر پڑوسی ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ واضح رہے کہ صاموئل ڈو کی قیادت میں باغی فوجوں نے ۱۹۸۹ء میں مسلمانوں کے خلاف اپنی متشددانہ مہم کا آغاز کیا تھا جس کا مقصد لائبیریا سے مکمل طور پر مسلمانوں کا خاتمہ کرنا تھا اس مہم کے نتیجہ میں اب تک بے شمار مسلمان ہلاک ہو چکے ہیں بہت سی بستیاں خاکستر کر دی گئی ہیں، لاتعداد مسلم عورتوں کی آبروریزی کی گئی ہے اور نہ جانے کتنی مساجد، اسلامی مدارس اور ڈسپنسریاں باغیوں کی تخریب کاری کا شکار ہو چکی ہیں اور اب حالات اس حد تک بدتر ہو چکے ہیں کہ اکثر مسلمانوں کو اپنے ایمان کے تحفظ کی خاطر گھربار، مال و دولت سب کچھ قربان کر کے گینیا وغیرہ میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔

ہندوستان

جی۔۱۵ چوٹی کانفرنس

مارچ کے آخری ہفتہ میں دہلی کے وگیان بھون میں چوتھی جی۔۱۵ چوٹی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں گروپ میں شامل ممالک کے سربراہوں نے مختلف علاقائی و بین الاقوامی امور پر تبادلۂ خیال کیا، کانفرنس کے اختتام پر ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا جس میں بیرونی امداد و معاونت سے جاری دہشت گردی اور تجارت و محصولات کے عمومی معاہدے کو کمزور کرنے کی کوششوں کی مذمت کی گئی۔ اقوام متحدہ کا نیا ڈھانچہ تشکیل دینے، اسے جمہوری بنانے، سلامتی کونسل میں توسیع اور سلامتی کونسل و جنرل اسمبلی کے مابین مناسب و کارآمد ربط کے لئے ایک پائیدار فارمولہ وضع کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ اعلامیہ میں سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد ابھی تک ایک منصفانہ، مساویانہ اور غیر تفریقی بین الاقوامی نظام ابھر کر سامنے نہ آنے پر بھی اظہار افسوس کیا گیا۔

سرینگر میں بم دھماکہ

۲۹ مارچ ۱۹۹۴ء کو سرینگر کی بادام باغ چھاؤنی کے اسلحہ خانہ میں ایک زبردست بم دھماکہ ہوا جس کی نتیجہ میں ایک میجر جنرل سمیت ۱۳ سینئر فوجی ہلاک ہو گئے۔ دھماکہ اس وقت ہوا جب چند افسران کشمیری علاحدگی پسندوں سے ضبط کئے گئے ہتھیاروں و دھماکہ خیز مادوں کا معائنہ کر رہے تھے، دھماکہ کے فوراً بعد اسلحہ ڈپو کے ایڈمنسٹریٹو بلاک میں آگ لگ گئی جس پر فوجی جوانوں اور فائر بریگیڈ کے عملہ کی کئی گھنٹوں تک مسلسل جدوجہد کے بعد ہی قابو پایا جا سکا۔

آر ایس ایس کے سربراہ کی دھمکی

ہندو انتہاپسند تنظیموں کے ذمہ داران وقتاً فوقتاً زہریلے بیانات

(بقیہ صفحہ ۵۳ پر)

وفیات

مدیر ”التوعیہ“ کو صدمہ

جماعتی حلقوں میں یہ خبر رنج و غم کے ساتھ سنی جائے گی کہ اسلامک ریسرچ اکیڈمی کے سکریٹری اور ماہنامہ ”التوعیہ“ کے مدیر محترم جناب مولانا رفیق احمد صاحب سلفی کے والد بزرگوار جناب اقبال احمد صاحب بن محمد یٰسین مورخہ ۱۲؍مارچ ۱۹۹۴ء مطابق ۲۸؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ بروز شنبہ بوقت صلوٰۃ عشاء تقریباً ۷۰ سال کی عمر میں رحلت فرماگئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وأکرم نزلہ۔

مرحوم ضلع بستی کے مشہور عالم و مجاہد مولانا لیاقت حسین صاحب رحمہ اللہ کے حفید اور علاقہ کے مشہور طبیب حکیم جمیل احمد صاحب کے برادر خورد تھے' صوم و صلوٰۃ کے پابند' نیک دل' سادہ طبیعت اور خلیق و ملنسار انسان تھے۔ صلوٰۃ عصر سے فارغ ہو کر مسجد سے گھر آئے ہی تھے کہ اچانک کپکپی طاری ہوئی اور بے ہوش ہو گئے۔ خاندان ہی کے ایک ڈاکٹر کو بلایا گیا' دیکھنے پر انہوں نے تشویش کا اظہار کیا فوراً اٹوا بازار سرکاری اسپتال میں لے جایا گیا وہاں ڈاکٹروں نے دماغ کی ایک رگ پھٹ جانے کے سبب حالت نازک بتاتے ہوئے گورکھپور لے جانے کا مشورہ دیا۔ ابھی گورکھپور لے جانے کی تیاری ہو رہی تھی کہ فرشتۂ اجل آپہنچا۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

وفات کی خبر ۱۲؍مارچ کو رات گیارہ بجے بذریعہ ٹیلیفون ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر کے ہیڈ آفس پہنچی' خبر ملتے ہی مرکز اور اسلامک ریسرچ اکیڈمی کے سارے کارکنان و خدام غم و الم میں ڈوب گئے اور ۱۳؍مارچ کو علی الصبح مدیر محترم بذریعہ فلائٹ اپنے بھائیوں کے ساتھ جو بمبئی سے پالم ایرپورٹ پہنچ گئے تھے لکھنؤ اور وہاں سے بذریعہ کار گھر پہنچے اور تجہیز و تکفین میں شرکت کی صلوٰۃ جنازہ ان کے بڑے صاحبزادہ مدیر ”التوعیہ“ نے پڑھائی۔

ادارہ ”التوعیہ“ مرحوم کے جملہ پسماندگان' صاحبزادگان اور بھتیجوں بالخصوص ڈاکٹر سید احمد صاحب ناظم مدرسہ دار التوحید میتا عید گاہ' مولانا رفیق احمد صاحب سلفی مدیر ”التوعیہ“ اور ان کے دیگر بھائیوں وبہنوں کے غم میں برابر کا شریک ہے اور ان سے اظہار تعزیت کرتا ہے۔ نیز دعاگو ہے کہ اللہ رب العزت مرحوم کے سیئات کو درگزر فرمائے اور حسنات کو شرف قبولیت بخشے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ (آمین)

حفیظ اللہ رحمہ اللہ کی وفات

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی کے صدر محترم مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی حفظہ اللہ کے پھوپھی زاد بھائی جناب حفیظ اللہ رحمہ اللہ کی ۲۳؍شعبان ۱۴۱۴ھ مطابق ۵؍فروری ۱۹۹۴ء بروز ہفتہ وفات ہو گئی۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

حفیظ اللہ صاحب دو بھائی تھے چھوٹے بھائی عبداللطیف رحمہ اللہ کی بہت پہلے وفات ہو گئی تھی ان کے کئی بچے اور بچیاں ہیں' حفیظ اللہ رحمہ اللہ کی یکے بعد دیگرے دو شادیاں ہوئیں لیکن کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکی دونوں بیویوں کو طلاق ہو گئی اور وہ مطلقہ خواتین بھی دوسری شادی کے بعد وفات پا گئیں' دوسری بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا وہ بچپن ہی میں گذر گیا چھوٹے بھائی عبداللطیف رحمہ اللہ کثیر الأولاد تھے ان کی وفات کے بعد حفیظ اللہ رحمہ اللہ ہی ان کے بچوں' بچیوں اور بیوہ کے نگراں تھے انہیں کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔

حفیظ اللہ رحمہ اللہ ایک متشرع آدمی تھے۔ صوم و صلوٰۃ اور اسلامی شعائر کے پابند اور باغیرت اہلحدیث تھے مدرسہ شمس العلوم سمرا سے ہمیشہ تعاون کرتے رہتے تھے۔ صدر مرکز کے پورے خاندان میں وہ عمر اور تجربہ کے لحاظ سے سب سے بڑے تھے' وفات کے وقت عمر تقریباً ستر سال رہی ہوگی۔

ادارہ ”التوعیہ“ مرحوم کے جملہ پسماندگان' اعزہ و اقرباء بالخصوص صدر مرکز مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی حفظہ اللہ کے غم میں برابر کا شریک ہے اور ان سے اظہار تعزیت کرتا ہے۔

دعا ہے کہ رب العٰلمین حفیظ اللہ رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وأدخلہ الجنۃ۔

(ادارہ)

ایڈیٹر
جلد ۹ رفیق احمد سلفی شمارہ ۵

بدل اشتراک

خصوصی ممبر (سالانہ)	۱۵۰۰-۰۰	روپے
ہمدرد (سالانہ)	۵۰۰-۰۰	روپے
عام بدل اشتراک (سالانہ)	۱۰۰-۰۰	روپے
ششماہی	۵۵-۰۰	روپے

پاکستان و بنگلہ دیش

عام بدل اشتراک (سالانہ)	۱۲۵-۰۰	روپے

غیر ممالک سے
۳۵ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی
۳-C/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵
AL-TAUJYAH Monthly
161/C-3 JogaBai
NewDelhi 110025

پرنٹر پبلشر محمد الیاس سلفی نے جید پریس بلیماران سے
چھپوا کر ماہنامہ "التوعیہ" ۳-C/۱۶۱ جوگا بائی،
نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب

فکر و نظر

رسم الخط کا مسئلہ

ابن احمد نقوی

آزادی اور تقسیم وطن کے بعد سے ہندوستان کے مسلمانوں کو جن چند سنگین مسائل کا سامنا ہے ان میں سے ایک ان کی تہذیبی بقا کا بھی ہے۔ ہندوستان میں اکثریتی تہذیب کے مقابلے میں مسلمانوں کا اپنا منفرد تہذیبی وجود ہے جو عربی، ترکی، ایرانی، افغانی اور ہندوستانی تہذیبوں کے اختلاط و امتزاج سے وجود میں آیا ہے اور اس پر کئی صدیاں بیت چکی ہیں۔ اس پر مسلمانوں کے مذہب کی بھی ایسی ہی چھاپ ہے جیسے اکثریت کی تہذیب میں ویدک دھرم کا گہرا عکس ہے اس میں نہ شرمانے کی ضرورت ہے نہ معذرت کی ہر تہذیب اپنے قومی پس منظر سے ابھرتی ہے اور قوم کے مذہب کا اثر قبول کرتی ہے کیونکہ تہذیب افراد سے بنتی ہے افراد کے مذہبی عقائد کا اثر ان کی گفتار اور کردار پر نمایاں ہوتا ہے اور وہی اثر تہذیب کی ابتداء اور ارتقاء میں بھی کار فرما ہوتا ہے۔ مغربی تہذیب پر تثلیث کے اثرات سے کون انکار کر سکتا ہے بلکہ اگر اس تہذیب سے مسیحیت کو خارج کر دیا جائے تو یہ سارا تہذیبی شیش محل ہی زمیں بوس ہو جائے گا۔ اپنی تہذیب اور تہذیبی ورثہ کی حفاظت کرنا ہر زندہ قوم کا فرض ہوتا ہے زندہ قوموں کی تہذیب دوسری اقوام کو متاثر کرتی ہے۔ کبھی اپنے محاسن کے سبب اور کبھی اپنے سیاسی اقتدار کے تحت جارحیت کے ذریعہ۔ صلیبی جب دنیا میں استعماری پرچم لہرانے نکلے تو اپنی تہذیبی عظمت کے جنون سے سرشار تھے۔ عہد وسطیٰ کے یہ سفاک و حشی اپنے سوا ساری دنیا کو جاہل اور غیر مہذب سمجھتے ہی نہیں تھے بلکہ برملا کہتے بھی تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد خود مسلمانوں کے خیالات کو پڑھئے اس میں جگہ جگہ آپ کو "یوروپ کی مہذب اقوام" کا جملہ نظر آئے گا سرسید تو خیر مطلقاً انگریزی تہذیب کی ثناخوانی کرتے تھے لیکن ہزاروں مرعوب ذہنیت کے لوگ ایسے تھے جو خود کو مسلمان کہنے سے بھی شرماتے تھے ایک تو ویسے ہی ہندوستانی (نیٹو) ہونا غیر مہذب ہونے کی نشانی سمجھا جاتا تھا پھر مسلمان ہونا گویا "کریلا اور نیم چڑھا"۔ تاہم اسی کے ساتھ اکبر الٰہ آبادی جیسے بیباک اور قلندر صفت بھی بہت سے تھے جنہوں نے صلیبی تہذیب کی یلغار اور استیلاء کو تسلیم نہیں کیا مشرقی تہذیب کا دفاع کیا اور مغرب کی ظاہری چمک دمک سے کسی حال مرعوب نہیں ہوئے۔ ہمارے ہاں اقبال اور ابوالکلام آزاد دو ایسے عظیم مفکر پیدا ہوئے جنہوں نے صلیبی سیاسی اور تہذیبی استیلاء سے مسلمانوں کے ذہنوں کو آزاد کیا۔ اقبال نے اسلام کی ہمہ جہتی عظمت سے یوروپ کو روشناس کرایا اور مغربی تہذیب کے کھوکھلے پن کو ایسے واشگاف انداز سے واضح کیا کہ مسلمانوں کی ذہنی مرعوبیت دور ہو گئی اور وہ اپنے دین اور تہذیب پر ناز کرنے لگے۔ ابوالکلام نے صلیبیوں کے سیاسی اقتدار کے خلاف جہاد کیا اور مسلمانوں کو آزادی کی تحریک میں فوج در فوج لے آئے۔

ہندو اور مسلمانوں نے آزادی کے لئے جدوجہد اسی لئے کی تھی کہ غیر ملکی اقتدار سے نجات حاصل کر کے اپنی تقدیر کے خود مالک بنیں۔ انہیں جو کچھ کرنا ہے وہ خود کریں اور ولایت کی ڈاک کا تھیلا "وحی" کا درجہ نہ پائے اس بارے میں دونوں متحد تھے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکل جانا چاہئے مگر اسی کے ساتھ نئے مسائل اور الجھنیں بھی تھیں۔ نئی مملکت میں دونوں کے تعلقات کی کیا نوعیت ہوگی اس میں کسی کو شبہ یا اعتراض نہیں تھا کہ آزاد ہندوستان میں ہندوؤں کا غلبہ ہوگا کیونکہ ان کی غالب اکثریت ہے اور جمہوریت میں اقتدار اکثریت کے ہاتھوں میں ہی ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں ہی نہیں، سکھوں اور پسماندہ طبقات میں بھی اضطراب اور خلجان تھا کہ آزاد ہندوستان میں ان کے حقوق و مراعات کی کیا پوزیشن ہوگی سب اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کر رہے تھے مسلمانوں کے لئے اردو ہندی کا تنازعہ بھی ایک مستقل پریشان کن مسئلہ تھا۔ ہندوؤں کا ایک طبقہ شروع سے ہی اردو کے خلاف رہا ہے اور صرف ہندی کو ہی ہندوستان میں قومی زبان بنائے جانے پر اصرار کرتا رہا ہے۔ سرسید پہلے ہندو مسلم اتحاد کے بہت بڑے داعی تھے

لیکن جب بنارس کے ہندوؤں نے اردو کے خلاف ایجی ٹیشن کیا تو انہیں اس غیر ذمہ دارانہ رویے سے اتنی شدید ذہنی تکلیف پہنچی کہ ان کے سوچنے کا انداز یکسر بدل گیا اور وہ غلط یا صحیح اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ ہندو مسلم یکجہتی کی بیل منڈھے نہیں چڑھے گی۔ علامہ حالی نے لکھا ہے کہ قومی معاملات میں سرسید کا رویہ اتنا فراخدلانہ ہوتا تھا کہ وہ کسی مرحلہ پر ہندو مسلم کی تفریق نہیں کرتے تھے انگریز بھی ان کے اس رویہ سے واقف تھے لیکن جب ان کے خیالات بدلے تو بنارس کے کمشنر مسٹر شکسپیر نے بڑے تعجب اور حیرت سے پوچھا کہ آپ تو کبھی اس انداز سے نہیں سوچتے تھے۔

بہرحال ہندی اردو کا یہ تنازعہ وقت کے ساتھ ختم نہیں ہوا بلکہ زیادہ سنگین ہوتا گیا۔ جب یہ بات طے ہوگئی کہ آزاد ہندوستان میں اقتدار اکثریت کے ہاتھ میں ہوگا تو یہ بھی گویا طے ہوگیا کہ ہندی ہی قومی اور سرکاری زبان بنائی جائے گی۔ پھر اردو کا کیا مرتبہ ہوگا۔ گاندھی جی نے "ہندی اتھوا ہندوستانی" کا فارمولہ پیش کیا۔ یہ بھی کہ آزاد ہندوستان کی قومی زبان ہندوستانی ہو جو دیوناگری اور فارسی دونوں رسم الخط میں لکھی جائے۔ دلوں میں وسعت اور نیت میں صفائی ہو تو تنازعات طے کرنے میں دشواری نہیں آتی۔ ادھر یہ مسائل اور تنازعات تھے ادھر مسلم لیگ نے دو قومی نظریہ کا علم اٹھا کر ساری صورت حال کو بدل دیا۔ وہ ہندو ذہن بھی جو ہندو مسلم تنازعات پر غیر جذباتی انداز میں سوچ سکتے تھے اب ہندو اور مسلمان نے مسائل کو دو فریقوں اور حریفوں کے درمیان زور آزمائی کے رنگ میں دیکھنے لگے۔ نہرو کمیٹی کی سفارشات سے مسئلہ اور الجھا۔ بنگال کے عظیم رہنما دیش بندھو چترنجن داس بڑی عالی حوصلہ اور فراخدل شخصیت تھے انہوں نے مسلمانوں کے حقوق کی وکالت کی اور ان کے خدشات ختم کرنے کے لئے وسیع حقوق دینے کی تجویز پیش کی لیکن بقول مولانا آزاد کوئی ان کی تائید کرنے والا نہ تھا۔ اسی کشمکش کا یہی ہی الجھنوں اور بڑھتی ہوئی مغائرت کے ساتھ وقت گذرتا گیا۔ فرقہ پرست تنظیموں میں ہی نہیں خود کانگریس میں بھی ایک ایسا گروپ موجود تھا جو مسلمانوں کو حملہ آور اور ان کی زبان و تہذیب کو حملہ آوروں کی باقیات سمجھتا تھا اور برملا اس کا اظہار کرتا تھا۔ مولانا آزاد نے رام گڈھ کے اجلاس میں اپنے تاریخی خطبہ میں جو کہا تھا کہ میں فخر کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں۔ اگر ہندو مذہب کئی ہزار سال سے اس ملک کے باشندوں کا مذہب رہا ہے تو اسلام بھی ایک ہزار سال سے زیادہ سے یہاں کے لوگوں کا مذہب ہے۔ تاریخ کی گیارہ صدیاں اس پر بیت چکی ہیں اب اسلام بھی اس سرزمین پر ویسا ہی دعویٰ رکھتا ہے جیسا ہندو مذہب کا ہے"

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ مولانا اکثریت کے اس فسطائی ذہن کو جھنجھوڑنے کی کوشش کر رہے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کو گیارہ صدیوں کے بعد بھی اس سرزمین پر کوئی حق یا رعایت دینے کو تیار نہیں۔ اس خطبہ سے مولانا کا بیباک لہجہ ہی ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اس کرب کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو متحدہ قومیت کے اس عظیم علمبردار کے دل و دماغ میں جاگزیں تھا مسلم لیگ مسلمانوں کے علیحدہ سیاسی وجود کا نعرہ لگا رہی تھی مولانا اپنی دینی بصیرت کی روشنی میں اسے رد کر رہے تھے لیکن خود ان کے کانگریسی ساتھی ہی مولانا کی بات ماننے کو تیار نہیں تھے۔ یہی وہ سنگین صورت حال تھی جس کے لئے ملک و قوم کے سب سے اہم لیڈر صدر کانگریس یعنی راشٹرپتی (جیسا کہ اس وقت صدر کانگریس کا لقب تھا) کو اجلاس عام میں اتنے واضح انداز میں ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے حق اور وجود کا دفاع کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

ہندوستان آزاد ہوا اور تقسیم بھی ہوگیا اب اسلام اور مسلمانوں کے حق اور وجود کا ہندوستان میں کوئی عملی جواز نہیں رہ گیا کیونکہ مسلم لیگ نے دو قومی نظریہ پر ملک کی تقسیم قبول کرلی۔ کانگریس کا ایک طبقہ اس کوشش میں تھا کہ مسلمانوں کو پاکستان مل جانے کے بعد اب ہندوستان کو ہندو راشٹر بنایا جائے یعنی جو عملی صورت حال ہے اسے آئینی طور پر بھی تسلیم کرلیا جائے لیکن جواہر لال نہرو اور ان کے عالی وقار ساتھیوں نے اس دلیل کو تسلیم نہیں کیا اور کانگریس کے متحدہ قومیت کے موقف کے مطابق آزاد ہندوستان میں مذہبی تفریق کو آئینی طور پر مسترد کردیا۔ سوچئے تو اس ہیجانی اور جذباتی طوفان کے دور میں یہ بڑا جرأتمندانہ فیصلہ تھا۔ تاہم اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ آئین ساز اسمبلی میں صرف شمالی ہند کی ہی نمائندگی نہیں تھی جنوب جو اس فرقہ وارانہ کشمکش میں بڑی حد تک مسموم نہیں ہوا تھا اس کے ممبروں نے ملک کو سیکولر ریاست کا درجہ عطا کرنے میں اہم کردار عطا کیا۔ تقسیم کے بعد ظاہر ہے ہندی کو ہی ملک کی قومی زبان بننا تھا لیکن یہاں بھی جنوب

آڑے آیا جسے ہندی سے نہ کوئی جذباتی اُنس تھا نہ تہذیبی یا مذہبی لگاؤ۔ وہ سب تامل، تیلگو، ملیالم کنٹر بولنے والے تھے اور رابطہ کے طور پر انگریزی استعمال کرتے تھے ادھر شمالی اور وسطی ہندوستان یعنی ہندی بیلٹ صرف ہندی کا علمبردار تھا۔ بنگالیوں اور پنجابیوں کو بھی ہندی سے کوئی زیادہ رغبت نہیں تھی۔ اس لئے یہ مسئلہ بڑا نازک بن گیا تھا اور جیسا کہ کہا جاتا ہے ممبران ا[illegible] اس قدر منقسم اور متحارب موڈ میں تھے کہ صدر [illegible] سبلی ڈاکٹر راجندر پرشاد کو جو اتفاق سے ہندی بیلٹ کے اور کٹر ہندی وادی تھے، اپنا کاسٹنگ ووٹ دے کر ہندی کے حق میں ریزولیوشن پاس کرانا پڑا۔

لیکن اس سے مسئلہ حل نہیں ہوگیا جنوبی ہند نے ہندی کی قومی حیثیت تسلیم نہیں کی ان کے شدید احتجاج کا ہی اثر تھا کہ پنڈت نہرو کو پارلیمنٹ میں وعدہ کرنا پڑا کہ جنوبی ہند پر ہندی زبردستی تھوپی نہیں جائے گی اور وہ جب تک چاہیں گے انگریزی بطور رابطہ کی زبان برقرار رکھی جائے گی۔ چنانچہ آج بھی تامل ناڈو، کیرالہ وغیرہ میں ہندی پرچار کا بہت زیادہ اثر نہیں ہے اور جنوب آج بھی اس سلسلے میں اپنا الگ موقف رکھتا ہے۔ اردو کا سوال بدلے ہوئے حالات میں بالکل ہی پس منظر میں گم ہوگیا۔ برسوں تک اردو والے بولنے کا حوصلہ بھی نہیں کرسکے۔ پھر آہستہ آہستہ مجتمع ہوئے خیال تھا کہ پنڈت نہرو جیسا فراخدل اور روشن خیال رہنما وزیر اعظم ہے جو اردو کو اپنے گھر کی زبان مانتا ہے لہٰذا اردو کو زندہ رہنے کا حق مل جائے گا۔ لاکھوں دستخطوں سے صدر جمہوریہ ہند کو ایک درخواست مستقبل کے صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے پیش کی کہ اردو کو کچھ علاقوں میں اس کا آئینی حق دے دیا جائے وہ لاکھوں دستخطوں کے بنڈل شاید راشٹرپتی بھون یا پھر متعلقہ وزارت کے ریکارڈ روم میں پڑے پڑے ردی ہوگئے اور کچھ حاصل نہ ہوا ۱۹۵۸ء میں دلّی میں اردو کانفرنس ہوئی افتتاح پنڈت نہرو نے کیا صدارت مولانا آزاد نے مولانا نے اپنی زندگی کی آخری تقریر میں اردو کے لئے اس کا آئینی حق مانگا انہوں نے کہا کہ آزادی کے بعد ہندی اردو کا تنازعہ ختم ہوگیا ہندی قومی زبان ہے۔ اردو صرف اپنا حق مانگتی ہے۔ ان ساری اپیلوں اور دلیلوں کا اثر نہ کچھ ہونا تھا نہ ہوا۔ یوپی میں سمپورنانند اور چرن سنگھ جیسے لوگ اقتدار میں آئے جنہیں اردو سے خدا واسطہ کا بیر تھا اور وہ اسے غلامی کی نشانی سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے پوری کوشش کی کہ ریاست سے اردو کی جڑ کاٹ دی جائے پرائمری اور ثانوی سطح پر اردو تعلیم ختم کر دی گئی اور اس طرح آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی تہذیبی بیخ کنی عمل شروع ہوگیا۔ جب مسلمانوں نے احتجاج کیا تو کہا گیا کہ اردو کا رسم الخط (لپی) غیر ملکی ہے لہٰذا قومی دھارے میں شامل ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اردو دیوناگری (یعنی ہندی) رسم الخط میں لکھی جائے۔ یہ بات اتنی بار کہی گئی اور اس پر اس قدر زور دیا گیا کہ خود بہت سے اردو والے بھی اس خیال کے حامی بن گئے کہ واقعی اردو کو زندہ رکھنے اور ترقی دینے کے لئے اس کا رسم الخط تبدیل کر دینا چاہئے ڈاکٹر معصوم رضا راہی جیسے اردو والے بھی اسی خیال کے مبلغ تھے۔ لیکن ظاہر ہے یہ دلیل عام اردو والوں کے حلق سے نیچے نہیں اترتی وہ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ جب اردو ہندی رسم الخط میں لکھی جائے گی تو وہ اردو کیسے رہے گی اور اس میں اور ہندی میں فرق اور امتیاز کی کیا صورت ہوگی کیا اردو کے چند ثقیل معروف الفاظ دیوناگری میں لکھ کر اسے اردو کا نام دیا جاسکتا ہے اور کیا یہ جائز ہوگا۔ یہ مہم برسوں سے چلائی جارہی ہے۔ اردو والوں کی بے نیازی بے مہری یا یوں کہئے بیزاری دیکھ کر اس تحریک کے حامی کچھ عرصہ کے لئے خاموش ہو جاتے ہیں لیکن پھر کسی نہ کسی عنوان سے یہ مسئلہ اٹھاتے ہیں اب یوپی کے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو نے تلقین فرمائی کہ اردو کو اس کا حق دینا چاہتے ہیں لیکن ان کا خیال ہے کہ اگر اردو کے لئے دیوناگری لپی اپنالی جائے تو اردو کے لئے بہتر ہوگا۔ ملائم سنگھ یادو فسطار سیاستداں نہیں ہیں نہ سنگھ پریوار کے فلسفہ اور نظریہ سے ہمدردی رکھتے ہیں انہوں نے جو کچھ کہا نیک نیتی سے کہا ہوگا وہ سمجھتے ہیں کہ رسم الخط بدلنے سے اردو پڑھنے والوں کا حلقہ بے حد وسیع ہوجائے گا۔ نئی نسل دیوناگری رسم الخط سے پوری طرح واقف ہے اس لئے سب اردو پڑھ لیں گے اور فارسی رسم الخط کے سبب جو اجنبیت رہتی ہے وہ رکاوٹ دور ہوجائے گی۔ مسلمانوں میں ایک عرصہ سے اردو اپنا جذباتی رشتہ کھو رہی ہے اور نئی نسل جو سرکاری اسکولوں سے پڑھ کر نکل رہی ہے وہ اردو جانتی نہیں یا صرف اردو پڑھ سکتی ہے لکھنا (یعنی اردو رسم الخط) نہیں جانتی۔ اس لئے زبان سے جو اُنس ہوتا ہے اور اس میں لکھنے پڑھنے سے جو ایک جذباتی لگاؤ پیدا ہوجاتا ہے وہ نئی نسل میں بڑی حد تک ختم

جارہا ہے اردو کے مقابلے وہ ہندی زبان' ہندی لپی ہندی کی ادبی روایات اور دیومالا سے زیادہ واقف اور جذباتی طور پر وابستہ ہو رہے ہیں کیونکہ پرائمری سطح سے لے کر ثانوی اور اعلیٰ سطح تک ان کی ساری ذہنی تربیت ہندی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اس نصف صدی میں مسلمانوں کی دو نسلیں آچکی ہیں پہلی نسل اردو سے اتنی بیگانہ نہیں ہے کیونکہ آزادی کے بعد ایک دہائی تک اردو کا چلن تھوڑا بہت اسکولوں میں رہا جب سہ لسانی فارمولہ آیا تو اردو جنوبی ہند کی زبانوں کے آگے قربان کردی گئی اب سہ لسانی فارمولہ کے نفاذ کے بعد جو نسل آئی تو وہ اردو سے بڑی حد تک بے گانہ ہے الا یہ کہ خانگی طور پر اردو پڑھ لی ہو جامعہ اردو جیسے اداروں سے امتحان پاس کرلیا ہو ورنہ سرکاری طور پر اردو کی تعلیم بالکل نہیں ہے وہ اقلیتی اسکول جن میں اردو پڑھائی جاتی ہے ان کی حالت بھی دگرگوں ہے جب اردو کا کوئی مستقبل ہی نہیں' روزی روٹی سے اس کا رشتہ منقطع کر دیا گیا تو محض جذباتی تسکین کے لئے اردو پڑھنے والے کتنے ہوں گے اور کب تک ہوں گے آج تحصیل علم بھی مادی نفع نقصان کی ترازو میں رکھی جاتی ہے۔ دینی تعلیم مادی ترقی میں معاون نہیں ہے اس لئے دیکھ لیجئے کہ عام مسلم گھرانوں میں اس کی طرف بس واجبی سی رغبت رہ گئی ہے اب بچہ پیدا ہوتا ہے تو کسی کانونٹ یا انگلش میڈیم اسکول میں داخلے کی کوشش کی جاتی ہے اس کے لئے بھاری ماہانہ فیس اور ڈونیشن (عطیہ) بھی دینے میں عذر نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے انگلش میڈیم اسکول کا پڑھا ہوا بچہ بڑا ہو کر ڈاکٹر' انجینئر' پروفیسر وغیرہ بن سکتا ہے اردو پڑھ کر کیا ملے گا۔ دینی مدرسہ میں پڑھا کر مولوی یا حافظ بنانے سے سماج میں کیا عزت حاصل ہوگی مالی طور پر اس کا مستقبل کیا ہوگا۔ یہی رویہ اردو تعلیم کے بارے میں ہے اردو پڑھ کر کھائیں گے کیا۔ ہندی کے ساتھ دسواں پاس کرکے کلرکی تو مل جائے گی اردو پڑھ کر پوسٹ مین بھی نہیں بن سکتے۔ سوچنے کا یہی انداز ہے جس نے ملت کو اپنے دینی اور تہذیبی سہارے سے دور کردیا ہے جو لوگ اردو کا رسم الخط بدلنے کی سرکاری یا فسطائی کوششوں کی تائید کرتے ہیں ان کے ذہن میں بھی یہی بات ہے کہ ایک بے فیض رسم الخط کو زندہ رکھنے سے کیا فائدہ۔ حالانکہ ہر چیز بازاری نرخ کے نکتہ نظر سے نہیں دیکھی جاتی اس کی قیمت' افادیت اور اہمیت کے دیگر کئی پہلو بھی ہوتے ہیں اردو کا رسم الخط اردو زبان کی شناخت ہے

اس کا تعلق ہندوستانی مسلمانوں کی تہذیب سے ہے اس کا رشتہ ہندوستان سے باہر مغربی ایشیا اور وسطی ایشیا کے ملکوں سے بھی جڑا ہوا ہے۔ عالمی تہذیب کے واسطے سے یہ بھی خاصی اہم بات ہے اشتراکی روس نے ایشیائی جمہوریاؤں میں ان کا فارسی رسم الخط ختم کرکے روسی رسم الخط مسلط کردیا تھا ازبکستان' تاجکستان' ترکمانستان وغیرہ جہاں فارسی زبان بولی جاتی ہے اب آزادی کے بعد ان مملکتوں نے اپنا پرانا رسم الخط بحال کردیا ہے یعنی لسانی سامراج کی نشانی روسی رسم الخط کو قومی پیمانے پر رد کردیا کل تک جب وہاں اشتراکی استبداد قائم تھا تو ایسے اسکالر موجود تھے جو روسی رسم الخط کی حمایت کرتے تھے لیکن آج قومی وقار بحال ہوتے ہی اپنی زبان کی شناخت کا احساس جسے جبراً دبا دیا گیا پھر غالب آگیا۔ ترکی میں کمال اتاترک نے روشن خیالی کے خبط میں ترکی زبان کا عربی رسم الخط ختم کرکے رومن یعنی صلیبی رسم الخط اختیار کرلیا یہ ترقی کی راہ پر قدم بڑھانا نہیں تھا بلکہ اپنی ذہنی مرعوبیت اور احساس کمتری کا اظہار تھا۔ یہودی قوم نے صدیوں جبر اور اذیت برداشت کی لیکن اپنے تہذیبی ورثہ کو برباد نہیں ہونے دیا عبرانی زبان کا رسم الخط دنیا کے قدیم ترین رسم الخط میں سے ہے اس میں اصلاح و ترمیم کی بہت گنجائش ہے لیکن آج تک یہودیوں کے کسی گوشے سے یہ آواز نہیں اٹھی کہ عبرانی کو رومن رسم الخط میں لکھا جائے انہوں نے اپنے ہزاروں سال کے اس ورثے کو سینے سے لگائے رکھا۔ یہودی مذہب اور قوم ایک محدود دائرہ میں بند ہے تبلیغی مذہب نہیں ہے کہ دوسری قومیں اس میں شامل ہوں اور اسے وسعت ملتی رہے ایک نسلی گروہ ہے ہزاروں مصیبتوں کا شکار رہا ہے مگر اس قوم نے دنیاوی ترقی بھی کی اور اپنی پرانی ثقافت کو بھی زندہ رکھا۔ آج یہودی سائنس اور تیکنالوجی کے میدان میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں کمال اتاترک کے تنگ ذہن میں یہودیوں کی مثال نہیں آئی۔ رومن یا لاطینی رسم الخط بھی کوئی مکمل اور خامیوں سے مبرا نہیں ہے اردو رسم الخط میں بھی خامیاں ہیں اور دیوناگری میں بھی۔ رسم الخط اپنے تہذیبی مزاج کا آئینہ دار ہوتا ہے اردو کے بہت سے الفاظ دیوناگری میں صحیح نہیں لکھے جاسکتے "ز" اور "ق" جیسے حرف دیوناگری میں نہیں ہیں نقطہ لگا کر کام چلایا جاتا ہے ذ' ز' ظ' اور ض کا فرق تو کیا ہی نہیں جاسکتا۔ ہر زبان کا اپنا اسلوب ہوتا ہے عربی میں چ' ژ' ٹ جیسے حروف نہیں ہیں اور

اس زبان کے بولنے والے ان لفظوں کا تلفظ بھی نہیں کر سکتے اب اگر کوئی کہے کہ عربی کو رومن رسم الخط میں لکھا جائے تو اس کی تائید کرنے والے بھی پیدا ہو جائیں گے لیکن کیا یہ صحیح ہوگا؟ عرب اپنی تہذیبی وراثت کو برباد کرنا قبول کرلیں گے ہندوستان میں اردو کے علاوہ بھی کئی زبانیں ہیں جن کا رسم الخط دیوناگری نہیں ہے تامل' تیلگو' ملیالم' بنگالی یہ بڑی قدیم اور بہت مالدار زبانیں ہیں ان کا رسم الخط دراوڑی ہے۔ ایک دانشور نے بجاطور پر پوچھا کہ کیا فسطائیوں میں یہ دم ہے کہ کسی تامل یا بنگالی سے یہ مطالبہ کریں کہ اپنا رسم الخط بدل کر دیوناگری کرلو۔ یہ دلیل کہ اردو کا رسم الخط غیر ملکی ہے اور وہ بائیں کے بجائے دائیں طرف سے لکھا جاتا ہے محض تعصب اور بغض کی پیداوار ہے احمقانہ اور بچکانہ اعتراض ہے۔ انگریزی غیر ملکی زبان ہے غلامی کی نشانی بھی ہے (فسطائی اردو کو بھی غلامی کا نشان بتاتے ہیں) پھر بھی ہم اسے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ کسی فسطائی نے انگریزی کے لئے دیوناگری رسم الخط اختیار کرنے کا مطالبہ نہیں کیا کچھ دنوں انگریزی ہٹانے کا تماشہ ہوا پھر وہ بھی ختم ہوگیا سب نے دیکھ لیا کہ ان کی اس مہم کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں ہے سندھ میں سندھی زبان عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے تقسیم ملک کے بعد جو سندھی ہندوستان آگئے ان کی نئی نسلیں اب اس رسم الخط سے نا آشنا ہیں اب ہندوستان میں سندھی دیوناگری میں لکھی جارہی ہے سندھیوں کو بدلے ہوئے حالات میں عربی رسم الخط سے دلچسپی باقی نہیں رہ گئی سندھی اپنے وطن کو تیاگ کر ہندوستان آگئے اور نئی تہذیبی اقدار کو قبول کرلیا۔ فسطائی ایسی ہی توقع مسلمانوں سے کرتے ہیں کہ پاکستانی اردو کے مقابلے میں ہندوستانی اردو کو الگ کرنے کیلیے اس کا رسم الخط بدل دیا جائے فسطائی ذہن کے سوچنے کا یہی انداز ہے جس نے ریڈیو کی اردو زبان کے لئے صدر اور وزیر اعظم جیسے الفاظ ممنوع قرار دیدئے تاکہ ہندوستانی اردو کا الگ ایڈیشن تیار ہو سکے شاید اے آئی آر والے یہ سوچتے ہیں کہ اگر نرسمہاراؤ کو پردھان منتری کے بجائے وزیر اعظم کہا جائے گا تو وہ پاکستان کے وزیر اعظم سمجھے جائیں گے تعصب' تنگ نظری اور تنگ دلی جب کسی کے وجود پر مسلط ہو جائے تو وہ ایسے ہی تماشے دکھاتی ہے انہیں انگریزی خبروں میں پریزیڈنٹ اور پرائم منسٹر کی جگہ راشٹرپتی یا پردھان منتری بولنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ دراصل مسلمانوں کو ذہنی کچوکے دینے کی منصوبہ بند مہم برسوں سے جاری ہے تاکہ آہستہ آہستہ مسلمان ان صدمات کے عادی ہو جائیں اور احتجاج و اضطراب کی بات بھی نہ کریں دلّی کے اسکولوں میں بندے ماترم گانے کا حکم بھی اسی فسطائی ذہن کا مظاہرہ ہے تاکہ مسلمان جو آزادی سے قبل اس گانے پر شدّت سے معترض تھے اب انہیں مجبور کیا جائے اور بتایا جائے کہ تمہارے اعتراض یا احتجاج کی کوئی اہمیت یا وزن نہیں ہے یہاں وہ ہوگا جو ہم (یعنی فسطائی) چاہیں گے یہی جبر اردو اور اس کے رسم الخط کے بارے میں بھی ہے۔ مسلمانوں نے صرف احتجاج کا منفی طریقہ ہی سیکھا ہے اپنے حقوق کا خود تحفظ کرنا نہیں سیکھا وہ یہ نہیں سوچتے کہ اردو رسم الخط کے تحفظ اور بقا کے لئے شبینہ مدارس کھول کر طلبہ کو اردو پڑھنا لکھنا سکھائیں اگر سرکاری اسکولوں میں اردو ختم ہو گئی ہے تو نعرے لگائیں گے بیانات دیں گے احتجاج کریں گے لیکن جو کرنے کا کام ہے وہ نہیں کریں گے ہندوستان میں سینکڑوں سال تک مسلم بادشاہوں کے دور میں فارسی سرکاری زبان رہی ہندوؤں نے اس زبان کو سیکھا اعلیٰ سرکاری مناصب تک پہنچے لیکن اسی کے ساتھ اپنا دیوناگری رسم الخط اور ہندی زبان کو بھی مٹنے نہیں دیا نہ مسلمانوں نے کبھی ان سے یہ مطالبہ کیا کہ ہندی کے لئے فارسی رسم الخط اپناؤ تو وہ سرکاری زبان کی طرح مقبول ہو جائے گی۔ اگر مسلم دور میں ہندی کے ساتھ وہ سلوک ہوتا جو آزادی کی اس نصف صدی میں اردو کے ساتھ ہوا ہے تو ہندی قومی زبان کا درجہ پانے کی اہل نہ رہ جاتی اور پالی جیسی مردہ زبان بن کر رہ جاتی مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا اور آج وہ شرمندہ نہیں ہیں لیکن ہندی والوں کا ایک طبقہ آج بھی اردو کا جانی دشمن ہے جب یوپی میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا تو کس قدر ہنگامہ برپا کیا گیا۔ ایک بزرگ ہندی ادیب نے مرن برت رکھا اور اٹل بہاری باجپئی ان سے ہمدردی کرنے لکھنؤ پہنچے حالانکہ اردو کو دوسری علاقائی زبان مان کر اسے کچھ موہوم سی مراعات دینے سے اردو کا کوئی بھلا نہیں ہوتا جب تک اس کی تعلیم کی آسانیاں نہیں دی جاتیں یہ سب تماشے اس کی جان نہیں بچاسکتے اوپن اردو یونیورسٹی بھی پرائمری اور ثانوی درجہ کی تعلیم کا متبادل نہیں ہو سکتی۔ اصل سوال جڑ کو زندہ رکھنے کا ہے جسے سرکار اور سیاست داں دانستہ طور پر نظر انداز کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے اردو کا رسم الخط اس لحاظ سے بھی ضروری ہے

کہ اس کے ذریعہ وہ قرآن مجید آسانی سے پڑھ سکتے ہیں' پہلے قرآن مجید پڑھا جائے یا پہلے اردو زبان سیکھی جائے دونوں کا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ بچے کو ایک ہی تعلیم سے دوہرا فائدہ ہو جاتا ہے اب مسلمانوں نے ہندی میں دینی تعلیمی لٹریچر شائع کرنا شروع کردیا ہے قرآن مجید بھی ہندی میں آنے لگے ہیں نماز کی کتابیں بھی ہندی میں شائع ہو رہی ہیں جن میں دعائیں دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں یعنی اللھم دیوناگری میں لکھا جاتا ہے تاکہ وہ مسلمان بچے جو عربی اور اردو نہیں جانتے وہ دیوناگری رسم الخط کے ذریعے دعا پڑھ سکیں۔ کل قرآن مجید کا متن بھی دیوناگری میں شائع ہونے لگے گا تاکہ قرآن مجید پڑھنے والوں کو عربی رسم الخط سیکھنے کی زحمت سے بچایا جاسکے۔ ملی تن آسانی کی یہ چند مثالیں ہیں۔ کاروباری طبقہ اپنے تجارتی مفاد کو دیکھ کر یہ سب کچھ کرتا ہے اور ارباب ملت کو اپنی دکانداریوں سے ہی فرصت نہیں ہے ان کے نزدیک بابری مسجد کا دوبارہ اپنی جگہ بنایا جانا اور تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنا ملت اسلامیہ ہند کی بقا کی واحد ضمانت ہے۔ جتنا سرمایہ اور توانائی ہم نے بابری مسجد کے ایجی ٹیشن پر صرف کردی اگر اسے اپنی دینی' تہذیبی اور تعلیمی فلاح کے لئے صرف کیا جاتا تو آئندہ نسلوں کے تہذیبی وجود کی بڑی حد تک ضمانت ہو سکتی تھی۔ بہرحال آثار بتا رہے ہیں کہ آئندہ صدی میں نہ اردو رہے گی نہ اس کا رسم الخط۔ ان کا دائرہ تنگ تر ہو کر صرف دینی مدارس یا چند پرائیویٹ اسکولوں تک محدود ہو جائے گا۔ مسلمانوں کا وہ طبقہ جو اقتصادی طور پر پسماندہ ہے اس میں پھر بھی اپنے دین اور اپنی تہذیب سے لگاؤ کا جذبہ زندہ ہے لیکن اقتصادی طور پر خوشحال طبقہ کو یا تو سیاست سے دلچسپی ہے یا اپنی ملازمت اور کاروبار سے۔ وہ حالات کے بہاؤ کے ساتھ بہنا ہی سب سے محفوظ طریقہ سمجھتے ہیں۔ اردو مٹنے یا اس کا رسم الخط ختم ہونے سے ان کی ملازمت یا کاروبار پر کوئی ناگوار اثر نہیں پڑتا اس لئے انہیں زیادہ مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں ہاں اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے اس پر تأسف آمیز تبصرہ ضرور کرتے رہتے ہیں ان کی ذہنی دوڑ یہیں تک ہے کچھ لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اردو کا مسئلہ صرف ایک جذباتی مسئلہ ہے مسلمان اگر اردو سے چپٹے رہے تو ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے حالانکہ یہ استدلال درست نہیں ہے مسلمان اگر اردو سے دست بردار ہو گئے تو بھی ترقی کی دوڑ میں کسی سے آگے نہیں نکل سکیں گے حالات کے تھپیڑوں نے انہیں مسابقت کے لائق نہیں رکھا لیکن جو مسلمان محنت اور کوشش کرتے ہیں وہ ترقی بھی کرتے ہیں اگر ثانوی سطح تک وہ اردو سیکھ لیں اور رسم الخط سے واقف ہو جائیں تو اس میں تھوڑی سی اضافی محنت تو ضرور ہوگی لیکن وہ اپنی تہذیبی قدروں سے بے گانہ نہیں ہوں گے اگر اسکولوں میں ایسا انتظام نہیں ہے تو اردو والوں کو نجی طور پر یہ بندوبست کرنا چاہئے۔ سکھوں کی مثال لے لیجئے وہ پنجابی رسم الخط میں پنجابی بھی سیکھتے ہیں اور دیگر سائنسی علوم انگریزی میں پڑھتے ہیں پھر ہندی بھی پڑھتے ہیں اور ترقی کی شاہراہ پر مسلمانوں سے آگے ہیں کیا ہم اپنی تہذیبی بقا کے لئے اس سے کوئی سبق نہیں لے سکتے۔

بقیہ ۱۸: مولانا آزاد کی شخصیت .....

کے وزن کو اس لئے پوری طرح محسوس نہیں کیا کہ خود مسلمانوں کی مکمل حمایت انہیں حاصل نہیں تھی۔ البتہ پنڈت جواہر لال نہرو مولانا کی رہنمایانہ صلاحیت کے قائل تھے۔ مشکل کے وقت ان سے مشورہ کرتے تھے اور اکثر نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی بات مان لیتے تھے۔ ایک بار ایسے حالات پیدا ہوئے کہ انہوں نے ٹی ٹی کرشنماچاری کا استعفیٰ طلب کر لیا لیکن انہیں رخصت کرنے ہوائی اڈے تک گئے۔ یہ اشارہ تھا اس بات کا کہ یہ کام انہوں نے اپنی منشا کے خلاف کیا ہے۔ مولانا کی وفات پر پنڈت جی نے اپنی تقریر میں اعتراف کیا کہ ہم مصیبت کے وقت ان سے صلاح لیتے تھے اور ان کی ہدایت پر عمل کرتے تھے۔ ہم نے اپنی مرضی کے خلاف ان کے جس حکم پر آخری بار عمل کیا وہ ٹی ٹی کرشنماچاری کے سلسلے میں تھا۔

مولانا کے جنازے کے ساتھ دنیا نے ایک سوگوار نہرو کو دیکھا۔ ایسے نہرو کو جس کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا" آج ہماری کمر کے نیچے سے وہ دیوار سرک گئی مصیبت کے وقت ہم جس کا سہارا لے لیا کرتے تھے" سچ تو یہ ہے کہ صرف پنڈت نہرو کی کمر کے پیچھے سے ایک دیوار نہیں سرکی بلکہ مولانا کی وفات سے ہندوستانی مسلمانوں کے پیروں تلے کی وہ زمین سرک گئی جس پر تقسیم ملک کے بعد ان کے قدم جم چلے تھے۔ آج مسلمان لیڈر قطار اندر قطار نظر آتے ہیں مگر ان میں کوئی ہے جس میں قوم کی قیادت کی ادنیٰ صلاحیت بھی موجود ہو؟

ڈاکٹر نور الحسن نقوی
پروفیسر شعبۂ اردو
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مولانا آزاد کی شخصیت کا ایک ان دیکھا پہلو

ایک مدت سے ہم اس بات کی تحریک کرتے آرہے ہیں کہ مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں وہ واقعات اور تحریریں صحیح صحیح ترتیب پاجانی چاہئیں جن کا تعلق تقسیم ملک کے بعد اہل وطن اور ملت اسلامیہ کی خدمت سے ہے۔ تاکہ ملت و وطن کی تعمیر میں ان سے استفادہ کیا جاسکے اور آنے والی نسلیں ماضی سے اپنا رشتہ جوڑ کر مستقبل کی جانب گامزن ہو سکیں۔

اس موضوع سے متعلق برادر مشفق و محترم ابن احمد نقوی (وفقہ اللہ للصبر الجمیل)، پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، عبد اللطیف اعظمی، ڈاکٹر نور الحسن نقوی، شہاب الدین انصاری، ڈاکٹر عثمان ادھمی، عبد الجبار جلالی، شہباز حسین وغیرہم اور دوسرے آزاد شناسوں سے ہم مسلسل اپیل کرتے آرہے ہیں۔

ہمیں خوشی ہے کہ چند ہفتہ قبل ڈاکٹر نور الحسن صاحب نقوی سے نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کی شائع کی ہوئی مولانا آزاد کی نادر تحریروں پر مشتمل کتاب "آثار آزاد" کا ذکر آیا ڈاکٹر صاحب نے اس کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی یہ کتاب مرکز کی جنرل لائبریری سے ان کی خدمت میں پیش کی گئی جس کے چند ہی دنوں کے بعد ڈاکٹر نقوی صاحب نے یہ مضمون التوعیہ میں اشاعت کے لئے ارسال فرمایا۔

ڈاکٹر نور الحسن نقوی استاذ شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ محتاج تعارف نہیں، موصوف کو اردو دنیا ان کی اردو کی قیمتی خدمات کی وجہ سے اچھی طرح جانتی ہے۔ وہ اپنی اردو، انگریزی اور ہندی تصنیفات اور اپنے ترتیب دادہ اردو دواوین اور ہندی اور انگریزی سے اپنے قیمتی تراجم کی وجہ سے طبقۂ اہل علم میں مشہور و معروف ہیں۔ علی گڑھ میں ان کے قائم کردہ "ذاکر حسین اسکول" نے نئی نسل کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک تعمیری کارنامہ انجام دیا ہے۔

اس مقالہ کے لئے ہم موصوف کے شکر گزار ہیں اور ان سے نیز دوسرے اصحاب علم و فکر سے پوری دردمندی کے ساتھ اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس موضوع پر اپنی تعمیری اور ٹھوس تحریروں سے "التوعیہ" کو نوازتے رہیں اس کے لئے ہم ان کے مشکور ہوں گے اور آنے والی نسلیں ان کی ممنون ہوں گی۔ (ع۔ ح۔ ر)

دہلی کے رام لیلا میدان میں مولانا حسین احمد مدنی کی وفات پر تعزیتی جلسہ ہو رہا تھا پنڈت جواہر لال نہرو تقریر کر رہے تھے تقریر کا ان کا اپنا رنگ تھا۔ ٹوٹے پھوٹے جملے، رک رک کر بولنے کا انداز۔ مگر اس انداز میں بلا کی کشش تھی شاید یہ ان کی شخصیت کا جادو تھا جو سامعین کو اپنی گرفت میں لے لیتا تھا۔ جلسہ گاہ میں ہزاروں کا مجمع تھا مگر ہر طرف سناٹا تھا۔ صرف پنڈت جی کی آواز گونج رہی تھی۔ اتنے میں صدر دروازے کی طرف کچھ شور سنائی دیا۔ اسٹیج کافی اونچا تھا۔ پنڈت جی نے مڑ کر بائیں طرف دیکھا اور تقریبا دوڑتے ہوئے اسٹیج کی سیڑھیاں اتر گئے۔ معلوم ہوا مولانا ابو الکلام آزاد تشریف لے آئے ہیں۔ ذرا دیر میں مولانا کو لے کر پنڈت جی دوبارہ اسٹیج پر آئے اور پھر سے تقریر شروع کی۔ ان کے نزدیک ہی مولانا اپنی چھڑی پر دونوں ہاتھ اور ہاتھوں پر ٹھوڑی ٹکا کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ مشکل سے دو چار منٹ گزرے ہوں گے کہ

مولانا نے کچھ کہا۔ پنڈت جی نے جھک کر سنا اور مائک پر اعلان کیا کہ مولانا جلدی میں ہیں۔ انہیں کچھ ضروری کام ہے۔ پہلے وہ تقریر کریں گے۔ میں اپنی بات بعد کو مکمل کروں گا۔

اب مولانا کی تقریر شروع ہوئی۔ ایک ایک لفظ ناپا تلا' ایک ایک فقرہ ترشا ہوا' لہجے میں انتہائی درجے کی متانت اور وقار۔ مولانا کی خطابت کے چرچے بہت سنے تھے مگر جو کچھ سنا تھا اس سے کچھ سوا پایا۔ تقریر کے بعد وہ بیٹھے نہیں جلسہ گاہ سے رخصت ہو گئے۔ پنڈت جی جس احترام کے ساتھ انہیں لے کر آئے تھے اسی احترام کے ساتھ رخصت کرنے گئے۔ واپس آکر انہوں نے تیسری بار اپنی تقریر شروع کی مگر اب جلسہ اکھڑ چکا تھا۔

مولانا کے ساتھ پنڈت جی کی نیازمندی کے قصے سنے بھی تھے' پڑھے بھی تھے' غبار خاطر میں بھی اس کا اشارہ پایا تھا' اس دن جلسہ گاہ میں یہ سب کچھ اپنی آنکھ سے دیکھا مگر چند برس پہلے محمد علی جناح نے انہیں کانگریس کا "شوبوائے" کہا تھا اور الزام لگایا تھا کہ کانگریس انہیں محض نمائش کے لئے اپنے ساتھ رکھے ہوئے ہے۔ یقین نہ ہونے کے باوجود مسٹر جناح کا بیان دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا اور یہ اندیشہ سر اٹھاتا رہا کہ یہ سارا ادب واحترام کہیں سیاست کی شعبدہ بازی تو نہیں۔ آخر کار یہ شبہ بے بنیاد ثابت ہوا۔

آزادی سے پہلے ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت مولانا سے بیزار رہی کیونکہ ان کے پاس سستے جذباتی نعرے نہیں تھے۔ جس رہنما کو خود اپنی قوم کی مکمل حمایت حاصل نہ ہو وہ دوسروں سے اپنی بات کیسے منوا سکتا ہے۔ مولانا کی اس کمزوری سے ہندوستانی مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا۔ مہاتما گاندھی تقسیم ملک کے اتنی ہی شدّت سے مخالف تھے جتنے مولانا اور کہا کرتے تھے کہ پاکستان میری لاش پر ہی بن سکتا ہے لیکن بند کمرے میں مہاتما کی سردار پٹیل سے ایک ہی ملاقات نے ان کا ذہن اس طرح تبدیل کر دیا کہ پھر مولانا کی کوئی دلیل انہیں قائل نہ کر سکی۔ ملک تقسیم ہو گیا اور ہر طرف فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے۔ مفتی عتیق الرحمان صاحب فرماتے تھے کہ رات بھر مسلح گروہ مسلمانوں کے گھر لوٹتے تھے' بے گناہوں کو شہید کرتے تھے اور صبح سویرے مہاجروں کو سرحد پار پہنچانے کے لئے ٹرک قطار میں کھڑے ہوتے تھے۔ کیسی منظم کارروائی تھی! شاید یہ اس لئے ضروری تھا کہ شرنارتھیوں کو خالی مکانوں میں آباد کیا جا سکے۔ فرقہ پرست لیڈروں کی بن آئی تھی۔ بدنصیبی یہ کہ ان کے ہاتھوں میں زمام حکومت بھی تھی۔ ایسے میں مولانا تو کیا خود مولانا کے الفاظ میں ہندوستان کے وزیر اعظم بھی آہیں بھرنے کے سوا کچھ نہ کر سکتے تھے۔ اس کی تفصیل مولانا آزاد کی کتاب "انڈیا ونز فریڈم" میں موجود ہے۔

اس وقت ہندوستان کے ہر مسلمان کو شکایت تھی کہ مولانا مسلمانوں کے جان ومال کی حفاظت کے لئے کوئی قدم کیوں نہیں اٹھاتے اور اگر بے بس ہیں تو کانگریس اور حکومت دونوں سے مستعفی کیوں نہیں ہو جاتے۔ اہنسا کے پجاریوں کے اس دیس میں جو کچھ ہو رہا ہے کم سے کم دنیا اس سے باخبر تو ہو جائے گی۔ بظاہر اس دلیل میں وزن نظر آتا تھا مگر یہ خام خیالی تھی۔ یہ بے حسوں کی دنیا ہے۔ یہاں ظالم کا ہاتھ کوئی نہیں پکڑتا۔ اسرائیل اور بوسنیا جیسی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ مولانا کے مستعفی ہونے کا یہ نتیجہ ضرور نکلتا کہ ایوان حکومت میں ہمارا اپنا کوئی نہ بیٹھا ہوتا تو فرقہ پرستوں کو اور بھی کھل کھیلنے کا موقع مل جاتا۔ مولانا آزاد نے "انڈیا ونز فریڈم" میں فسادات کے زمانے کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ سردار پٹیل نے کئی میزوں پر پرانے چاقو' چھریاں' لوہے کی چھڑیں' ٹوٹے ہوئے پائپ سجا کر گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو دکھائے کہ دہلی کے مسلمانوں نے یہ اسلحہ جمع کر رکھا تھا جسے حکومت نے بروقت برآمد کر لیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے ایک پرانا زنگ آلود چاقو اٹھایا' الٹ پلٹ کے دیکھا اور طنزیہ لہجے میں فرمایا کہ اچھا ہی ہوا جو مسلمانوں سے یہ ہتھیار چھین لئے گئے ورنہ ان سے وہ دہلی کے سارے ہندوؤں کا خاتمہ ہی کر دیتے۔ سردار کی یہ ہمت تو اس وقت ہوئی جب ایک مسلمان بھی وہاں موجود تھا۔ وہ نہ ہوتا تو خدا جانے موصوف کتنی زہرفشانی فرماتے۔

مولانا آزاد ایک کشادہ دل اور وسیع القلب انسان تھے۔ ترجمان القرآن اور مولانا کے دیگر مضامین سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ

وحدت ادیان کے قائل[1] تھے۔ دنیا کے مختلف مذاہب ان کے نزدیک مختلف راستے ہیں جن کی منزل بہرحال ایک ہے۔ مولانا کے مذہبی افکار کے بارے میں اظہار خیال کا ہمیں استحقاق نہیں تاہم اتنی بات تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام عالم انسانیت کو خوشی اور خوشحالی سے معمور دیکھنے کے آرزومند تھے ہندوستان ان کا اپنا وطن تھا۔ اسے وہ اقوام عالم میں سربلند دیکھنا چاہتے تھے وہ مسلمان تھے اس لئے مسلمانوں

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم پر ان کے ناقدین بالخصوص حسّاد نے جو الزامات لگائے ان میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ وہ وحدت ادیان کے قائل تھے' اور دنیا کے موجودہ سارے مذاہب کو صحیح کہتے تھے گویا خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان شرط اسلام نہیں۔ اس سلسلہ میں مختلف لوگوں نے ان کے دفاع یا مخالفت میں مقالات لکھے جن میں مولانا غلام رسول مہر' شورش کاشمیری' محمد عالم مختار حق' مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی' شمس نوید عثمانی اور ماہر القادری وغیرہ قابل ذکر ہیں ڈاکٹر نورالحسن بھی غالباً ان لوگوں میں ہیں جنھیں مولانا آزاد کی بابت اس باب میں غلط فہمی ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر مولانا غلام رسول مہر کے نام ۱۵ر جنوری ۱۹۳۶ء کا لکھا ہوا مولانا ابوالکلام آزاد کا وہ مفصل خط نقل کرادوں جو انہوں نے اس موضوع سے متعلق لکھا تھا۔

صورت حال یہ ہوئی تھی کہ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ فاتحہ کی اپنی تفسیر "واضح البیان" میں مولانا آزاد کی تفسیر سورۂ فاتحہ پر اس موضوع سے متعلق سخت اعتراضات کئے تھے۔ مولانا غلام رسول مہر دونوں کے عقید تمند تھے اس لئے انہوں نے مولانا آزاد کو اس موضوع پر اپنے شبہات لکھے جواب میں مولانا نے ایک خط میں ضمناً اور دوسرے خط میں تفصیلی طور پر اپنا موقف واضح کیا۔

ذیل میں ۱۵ر جنوری ۱۹۳۶ء کے تفصیلی خط کا وہ بیشتر حصہ جو اس موضوع سے متعلق ہے نقل کیا جارہا ہے۔ یہ خط اور یہ ساری وضاحت مولانا مہر نے اپنے اخبار "انقلاب" میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور مولانا آزاد کی حیات میں ان کی اجازت سے شائع کردی تھی اور مولانا آزاد کی وفات کے بعد اپنے نام ان کے مجموعۂ مکاتیب "تبرکات آزاد" میں بھی۔ تبرکات آزاد ہی سے یہ خط نقل کیا جارہا ہے۔

۱۵ر جنوری ۱۹۳۶ء

عزیزی! السلام علیکم

[illegible] نہیں رہ سکتا کہ آپ کا اشتباہ سخت تعجب کا موجب ہوا۔ اگر "ترجمان القرآن" کے مطالعے کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایمان بالرسل ضروری نہیں اور اسلام کا نظام عبادت ہنگامی ہے تو پھر میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتا[1] مجھے تسلیم کرلینا چاہئے کہ ان ساری باتوں میں سے ایک بات بھی میں نے اس کے صفحات پر نہیں لکھی جو مجھے لکھی ہوئی محسوس ہورہی ہیں!

آپ نے تفسیر فاتحہ کے خاتمہ کا حوالہ دیا ہے' میں نے اس وقت ازسرنو اس پر نظر ڈالی' لیکن کوئی بات ایسی نظر نہ آئی جو اس اشتباہ کا موجب ہوسکے غالباً اس کا یہ جملہ موجب تردد ہوا ہے کہ اصل دین توحید ہے' لیکن اگر یہ جملہ موجب تردد ہوسکتا ہے تو یقیناً قرآن کی بے شمار آیتیں بھی ہوسکتی ہیں کیونکہ ان سب میں یہی بات کہی گئی ہے

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِی کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ الخ

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلاَّ نُوْحِیَ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۔

وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلاَّ مَنْ کَانَ ھُوْداً اَوْ نَصَارٰی تِلْكَ اَمَانِیُّھُمْ قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَہٗ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ وَلاَ خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلاَ ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحاً اِلٰی قَوْمِہٖ فَقَالَ یَا قَوْمِ اعْبُدُوْا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ الخ

کیا ہم ان آیات سے اور ان کی ہم معنی آیات سے یہ استنباط کرسکتے ہیں کہ قرآن کے نزدیک ایمان بالرسل ضروری نہیں؟ یقیناً نہیں کرسکتے' کیونکہ اسی قرآن نے بے شمار مقامات پر خود بتلا دیا ہے کہ ایمان باللہ کی تفصیل کیا ہے اور نہ صرف "ایمان" بالرسل بلکہ ایمان بالکتب' وبالملائکہ' وبالیوم الآخر اس میں داخل ہے اور اس لئے جب کبھی ایمان اور "عمل" کہا جائے گا تو ایمان سے

---

[1] شبہات مولانا نے خود درج کردئے یعنی سورۂ فاتحہ کے خلاصۂ مطالب سے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان بالرسل ضروری نہیں اور اسلام کا نظام عبادت ہنگامی ہے مولانا کی اس تحریر کے بعد اپنے فہم کی نارسائی اور اپنے علم کی بے مائیگی پر حد درجہ ندامت ہوئی۔ (مہر)

کے مسائل سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے ملت کے اداروں ہی کی نہیں بلکہ معمولی افراد کی فکر بھی ہمیشہ دامن گیر رہتی تھی اور ان کی مدد کو ہمیشہ

مقصود یہی ایمان ہوگا' نہ کہ کوئی دوسرا ایمان اور "عمل" سے مقصود وہی اعمال ہوں گے جنہیں اس نے عمل صالح قرار دیا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ "عدم تفریق بین الرسل" بھی اس میں داخل ہے اور کوئی "ایمان بالرسل" جو "تفریق بین الرسل" کے ساتھ ہو قرآن کے نزدیک ایمان نہیں۔ وہ کہتا ہے اس زنجیر کی ایک کڑی کا انکار سب کا انکار ہے۔

پھر اگر قرآن کی ان آیات کا مطلب مقرر و معلوم ہے تو یہ جملہ کہ "اصل دین توحید ہے' یا اصل دین "ایمان" اور "عمل" ہے" کیوں موجب تردد ہو؟ بہ حیثیت مسلم ہونے کے ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں ؟ اصل دین توحید ہے یہ تو بہرحال کہنا ہی پڑے گا۔ اس تیرہ سو برس کے اندر اصل دین کے باب میں جو کچھ لکھا گیا ہے' اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

آپ نے یہ بات نظر انداز کردی کہ خاتمے کے مجمل خلاصے کا مطلب پوری کتاب کی تفصیلات پیش نظر رکھ کر قرار دیا جاتا ہے۔ خاتمے کی دفعات اس لئے ترتیب نہیں دی گئی ہیں کہ تمام عقائد و اعمال کی فہرست پیش کردی جائے۔ بلکہ کوئی خاص مقصد پیش نظر ہے اور اس مقصد پر زور دیتے ہوئے دکھلایا گیا ہے کہ دعوت قرآنی کا کیا حال ہے ؟ وہ مقصد یہ ہے کہ اگر دینی صداقت کی کوئی عالمگیر حقیقت ہو سکتی ہے تو وہ وہی ہے' جو قرآن نے پیش کی ہے اور کسی طالب حق کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اس دعوت سے روگردانی کرکے دینی صداقت کا مقام حاصل کر سکے۔

غالباً یہ اشتباہ اس لئے ہوا کہ کتب توحید و عقائد پیش نظر نہیں مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو میں نے لکھی ہے تیرہ سو برس سے تمام مسلمانوں کا متفقہ اعتقاد یہی ہے کہ اصل دین توحید ہے اور تمام انبیاء اسی کی دعوت و تلقین کے لئے مبعوث ہوئے۔

اچھا فرض کر لیجئے کہ یہ جملہ بجائے خود موجب تردد ہو سکتا ہے لیکن جو شخص یہ جملہ پڑھے گا علاوہ تفسیر فاتحہ کے وہ تمام مقامات بھی پڑھے گا جہاں پوری تفصیل کے ساتھ دکھلایا گیا ہے کہ قرآن کے نزدیک نہ صرف انبیاء پر ایمان نہ لانا کفر ہے بلکہ کسی ایک رسول سے انکار بھی کفر ہے' مان لیجئے یہ مقامات بھی اس کے فہم و اذعان کے لئے کافی نہ ہوں' لیکن آخر اسی کتاب میں بقرہ کے بھی نوٹس ہیں عمران' نساء' مائدہ' انعام کے بھی نوٹس ہیں اور ان میں بے شمار آیات ایمان بالرسل اور ایمان بالکتب وغیرہما کے بارے میں موجود ہیں' نیز ان کی تشریحات ہیں۔ آخر یہ سب کچھ بغیر کسی مفہوم و معنی کے ہے ؟

باقی رہا نظام عبادت کا مسئلہ تو یہ پہلے سے بھی زیادہ حیرانی کا موجب ہے! کاش آپ کسی قدر تفصیل سے لکھتے کہ کون سی بات موجب اشتباہ ہوئی ہے ؟ کیا یہ بات کہ قرآن اصل دین سے تشریع و منہاج کو الگ کرتا ہے' اور کہتا ہے جو کچھ اختلاف ہوا شرع میں ہوا' نہ کہ اصل دین میں ؟ لیکن یہ تو خود قرآن کی تصریح ہے اور ہم مسلمانوں کا سیزدہ صد سالہ عقیدہ یقیناً ہمارا اعتقاد یہ نہیں کہ حضرت موسیٰ کی شریعت باطل تھی یا حضرت مسیح کے احکام باطل تھے' البتہ قرآن کی یہ تصریح گذشتہ کی نسبت ہے جس کا اختلاف اہل کتاب بہ طور حجت کے لاتے تھے نہ کہ آئندہ کی نسبت۔ آئندہ کے لئے اس کا اعلان معلوم ہے کہ نعمت تمام ہو چکی اور یہ اتمام نہ صرف اصل دین میں ہے بلکہ شرع و منہاج میں بھی اور اتمام کے بعد مزید تبدل ممکن نہیں۔ اکمال کے بعد مزید تکمیل کی گنجائش نہیں۔

یہ ہمارے ذمے ہے کہ ہم ہر طالب علم حق پر واضح کریں کہ جس طرح اصل دین کی دعوت کامل ہو چکی اور وہ تمام پچھلی دعوتوں کا جامع و مشترک خلاصہ ہے' ٹھیک اسی طرح شرع و منہاج کا معاملہ بھی کامل ہو چکا ہے۔ اور وہ تمام پچھلے شرائع کے مقاصد و عناصر پر جامع و حاوی ہے۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ اس بحث کا محل تفسیر سورۂ فاتحہ یا سورۂ بقرہ نہیں' سورۂ احزاب ہے۔ یقیناً ایسا سمجھنا صحیح نہ ہوگا کہ تفسیر سورۂ فاتحہ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا بیان نہیں' اس لئے مصنف کے نزدیک روزہ فرض نہیں۔ مصنف نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر ایک خاص اسلوب پر لکھنی چاہی ہے۔ عقائد و فقہ کی کتاب لکھنے کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ نیز یہ فرض کرلیا ہے کہ وہ پورے قرآن کی تفسیر لکھ رہا ہے اور سورۂ فاتحہ کے بعد ۱۱۳ سورتیں اور بھی مع اپنے مقاصد و مطالب کے آنے والی ہیں۔

اگر حالات مساعد ہوں تو آپ ایک مرتبہ اور تفسیر سورۂ فاتحہ پر نظر ڈالئے پھر مجھے لکھئے کیا فی الحقیقت اس شبہ کی گنجائش ہے ؟

آپ نے مولانا ابراہیم کا بیان نقل کیا ہے "کہ میں نے خط بھیجا اور جواب کے لئے ٹکٹ بھی رکھ دیا" یہ بات اور زیادہ میرے لئے موجب تعجب ہوئی شاید آپ کو معلوم نہیں کہ جب کوئی آدمی جواب کے لئے ٹکٹ بھیج دیتا ہے تو میری مصیبت بہت بڑھ جاتی ہے کیوں کہ میرا جواب بھیجنا اس لئے بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کا ٹکٹ واپس کردوں مجھے اس سے سخت چڑ ہے کہ جواب کے لئے ٹکٹ آئے۔ اگر مولوی صاحب ممدوح کا خط مجھے ملا ہوتا اور اس

کمربستہ رہتے تھے۔ زبردست مقرر ہونے کے باوجود وہ کم گو تھے اور کم آمیز تو وہ حد سے زیادہ تھے۔ احسان جتانا، بڑھ چڑھ کے دعوے کرنا اپنی خدمات کا اعلان کرنا۔ یہ ساری باتیں ان کے مزاج کے خلاف تھیں۔ بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے انہوں نے کیا کیا۔ اس مختصر مضمون میں اسی کا اعتراف مقصود ہے۔

۱۹۴۷ء کے فسادات میں سب سے زیادہ نقصان دہلی کے مسلمانوں کو پہنچا۔ ان کے تمام تعلیمی ادارے بند ہو گئے۔ اسی دوران پنڈت جواہرلال نہرو نے ایک تقریر کی۔ تقریر کرتے ہوئے وہ اکثر اتنے جوش میں آجاتے تھے کہ سرکار کی مصلحتیں بھی نظرانداز ہو جاتی تھیں۔ انہوں نے کہا مسلمانوں کے جو ادارے بند ہو گئے ہیں وہ پھر سے کھلیں گے خواہ ایک ہی طالب علم کیوں نہ ہو۔ مولانا آزاد نے اسی وقت مولانا حفظ الرحمان کو ٹیلی فون کیا کہ اساتذہ اور طلباء کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ ہو "فتحپوری مسلم اسکول" "اینگلو عربک اسکول" اور دوسرے مسلم اسکول فوراً کھلوادیئے جائیں آج جواہرلال نہرو نے جو تقریر کی ہے وہ کل کے اخباروں میں چھپے گی۔ اس کے تراشے لگوا کر سرکاری امداد کے لئے محکمۂ تعلیم کو درخواستیں بھیجی جائیں۔ تعمیل کی گئی اور کامیابی ہوئی۔ مولانا آزاد کی توجہ سے دہلی کے مسلم اسکولوں نے نئی زندگی پائی۔ یہ واقعہ ہم نے خود مولانا حفظ الرحمان صاحب کی زبان سے سنا تھا۔

مولانا حفظ الرحمان صاحب کا ذکر آیا تو ایک اور بات یاد آئی۔ وہ بڑے بیباک اور صاف گو انسان تھے۔ دل کے نرم مگر زبان کے بہت سخت تھے۔ مرضی کے خلاف ذرا سی بات ہو جائے تو برس پڑتے تھے اور رکنے کا نام نہ لیتے تھے۔ فتح پوری مسلم ہائی اسکول کی مجلس منتظمہ کے صدر تھے۔ ایک سال محکمے نے کچھ گرانٹ کاٹ لی۔ مولانا نے اس سلسلے میں ڈائرکٹر آف ایجوکیشن سے ملاقات کا فیصلہ کیا۔ بنرجی ڈائرکٹر تھے۔ پروفیسر ہمایوں کبیر کے ہم زلف تھے۔ قابل ہونے کے ساتھ ساتھ سخت بھی بہت تھے۔ ان کے سامنے اچھے اچھوں کا پتا پانی ہوتا تھا۔ مگر اس ملاقات میں مولانا نے انہیں جیسی کھری کھری سنائیں ویسی شاید انہوں نے ساری زندگی نہ سنی ہوں گی۔ گفتگو کا لُبِّ لُباب یہ تھا کہ یہ اسکول مسلمانوں کا ہے اور آپ کا سارا عملہ بے حد متعصب ہے۔ مسلمانوں کے یہ چھوٹے چھوٹے اسکول بھی آپ کی آنکھوں میں کھٹکتے ہیں اور آپ لوگ انہیں بند کرادینے کے درپے ہیں۔ ڈائرکٹر صاحب بار بار تعاون اور تحقیق کی یقین دہانی کرتے رہے مگر مولانا کی تقریر کا مافل اسٹاپ کے بغیر جاری رہی۔

ڈائرکٹر صاحب اگر اسکول کی گرانٹ بند کردیتے تو یہ ان کے مزاج کے عین مطابق ہوتا مگر انہوں نے اسی دن چھان بین کی اور حکم دیا کہ کاٹی ہوئی گرانٹ فوراً ادا کی جائے۔ سارے محکمے پر فتحپوری اسکول کی دھاک جم گئی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ڈائرکٹر صاحب مولانا کی صاف گوئی کے قائل ہو گئے۔

محکمۂ تعلیم میں چھوٹے سے اسکول کے ایک معمولی سے کلرک کو کوئی منہ نہ لگاتا تھا۔ مگر ایک دن طلب کیا گیا اور ڈیسک او فیسر اپنے افسر اور وہ اپنے افسر کے پاس لے گئے۔ آخر ڈائرکٹر صاحب

میں ٹکٹ ہوتا تو کم از کم اس ٹکٹ کو واپس کرنا میرے لئے اس درجہ ضروری تھا کہ کسی طرح تساہل نہیں کر سکتا تھا۔ ٹکٹ لے کر رکھ لینا نہ صرف جواب نہ دینا ہے بلکہ مالی خیانت بھی ہے۔ میں حتی الوسع اس کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ چونکہ مولوی صاحب کا یہ بیان ہے اس لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ سمجھ لوں انہوں نے خط لکھا ہوگا، مجھے ملا نہیں۔ اس میں مشکل یہ ہے کہ میرے نام کے خطوط ضائع نہیں ہوتے۔ تمام ہندوستان میں پھر کر مجھے مل ضرور جاتے ہیں۔ ممکن ہے یہ ایک مستثنیٰ واقعہ ہو لیکن اس کے بعد تو مولوی صاحب سے بارہا ملاقات ہوئی ایک مرتبہ ایک مجلس میں کئی گھنٹے یکجائی رہی تعجب ہے کہ انہوں نے اس کا اشارہ تک نہیں کیا۔

چونکہ آپ لکھتے ہیں کہ کسی وجہ سے انہوں نے مناظرانہ اسلوب اختیار کیا ہے اس لئے براہ عنایت مجھے کتاب نہ بھیجئے۔ میرا نہ دیکھنا ہی بہتر ہے ۱۹۱۸ء سے میں نے جن تین باتوں کا عہد کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی شخص کو جو مناظرانہ طریق پر میرے خلاف کچھ لکھے گا نہ تو جواب دوں گا، نہ اس کی شکایت سے اپنے نفس کو آلودہ ہونے دوں گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ابوالکلام

(ع۔ ح۔ ر)

کے پی۔اے نے بتایا کہ وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد ڈائرکٹر صاحب سے ناخوش ہیں اور ان کا تبادلہ کردینا چاہتے ہیں۔ پروفیسر ہمایوں کبیر کی وجہ سے ڈائرکٹر صاحب کی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو تک رسائی ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ڈائرکٹر صاحب کا تبادلہ ہو مگر وزارت تعلیم کے معاملے میں مداخلت نہیں کرنا چاہتے۔ اس دن جو مولانا صاحب تمہارے ساتھ آئے تھے سنا ہے مولانا آزاد ان کی بات بہت مانتے ہیں۔ ڈائرکٹر صاحب کی خدمت کرنے کا یہ نادر موقع تھا مگر مشکل یہ تھی کہ مولانا حفظ الرحمان صاحب کے سامنے لب کشائی کی جرأت نہ تھی ہمیں ان سے کچھ کہنا ہو تا تو مفتی عتیق الرحمان صاحب کو وسیلہ بناتے تھے۔ اس دن بھی یہی کیا۔ مگر ان کا جواب تھا کہ دیکھو جس طرح تم مولانا حفظ الرحمان کے سامنے زبان نہیں کھول سکتے۔ اسی طرح مولانا حفظ الرحمان مولانا آزاد کے سامنے زبان نہیں کھول سکتے۔ بہتر یہی ہے کہ چپ ہو رہو۔ بہت دن تک ملال رہا کہ ہمیں ڈائرکٹر صاحب کے سامنے سرخرو ہونے کا موقع نہ مل سکا مگر اس خیال سے خوشی بھی ہوئی کہ اگر ہم مولانا حفظ الرحمان صاحب سے ڈرتے ہیں تو کوئی ایسا بھی ہے جس سے مولانا حفظ الرحمان صاحب ڈرتے ہیں۔

یہ بات بھی مولانا حفظ الرحمان صاحب کی زبانی سنی تھی کہ ہمدرد دواخانے کو مولانا آزاد کے مشورے پر ہی ایک وقف کی شکل دی گئی ورنہ اسے حکومت لے لیتی۔ یہ بات کبھی سمجھ میں نہیں آئی کہ ملک میں ہزاروں لاکھوں نجی کمپنیاں ہیں، حکومت ان پر قبضہ نہیں کرتی تو ہمدرد دواخانے پر کس طرح قابض ہو جاتی۔ ایک تو یہ بات ممکن ہے کہ حکیم صاحب کے ایک بھائی پاکستان چلے گئے تھے اس لئے کسٹوڈین اس پر قابض ہو جاتی۔ دوسری بات یہ ممکن ہے کہ منافع کا بڑا حصہ انکم ٹیکس کی شکل میں حکومت کے پاس چلا جاتا۔ وقف ہونے کے سبب یہ رقم توسیعی کاموں میں لگائی جا رہی ہے۔

علی گڑھ نے آزادی سے پہلے مولانا آزاد کے ساتھ نہایت نازیبا سلوک کیا تھا مگر وزارت تعلیم کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد مولانا نے ایسی تدبیریں کیں کہ یہ ادارہ گزند سے محفوظ رہا اور اسے استحکام حاصل ہوا مسلم یونیورسٹی لاکھوں فرقہ پرستوں کی آنکھوں میں کھٹکتی تھی مگر وہ اس کا بال بیکا نہ کرسکے۔ علی گڑھ نے ایک بار پھر انہیں شکایت کا موقع دیا مگر مولانا نے صرف اپنے رنج کا اظہار کیا۔

ایک بار "ندوۃ العلماء" کو مالی دشواری کا سامنا کرنا پڑا تو مولانا نے بحیثیت وزیر تعلیم ایک معقول رقم سے مدد کی۔ مسٹر پرشوتم داس ٹنڈن تو زہر میں بجھے ہوئے تھے ہی۔ انہوں نے پارلیمنٹ میں اس پر اعتراض کیا۔ جواب دیتے ہوئے مولانا کو ایسا جلال آیا کہ انہوں نے اپنا فونٹین پین غصے میں اٹھا کر دور پھینک دیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنا قلم پیش کیا تو اس کا بھی یہی حشر ہوا۔

رام پور کا کتب خانہ رضا لائبریری مشرقی علوم کی بیش بہا کتابوں کا ایک عظیم ذخیرہ ہے مولانا اس کے معاملات میں ذاتی طور پر دلچسپی لیتے رہے۔ مدرسہ عالیہ رامپور کو ہمیشہ ان کی سرپرستی حاصل رہی۔ حیدر آباد کے سہ ماہی میگزین "اسلامک کلچر" کی امداد صوبائی حکومت نے کم کردی تو چیف منسٹر کو لکھا کہ آپ محض چند ہزار کے لئے لاکھوں کا نقصان کر رہے ہیں۔ اس رسالے کے بند ہو جانے سے ہندوستان کے وقار کو ٹھیس پہنچے گی۔ مولوی مسعود علی نے اکیڈمی کے لئے ساٹھ ہزار کی مدد مانگی، وزارت تعلیم کے افسروں نے دس ہزار کی سفارش کی۔ اس پر نوٹ لکھا کہ دس ہزار کی امداد بالکل بے معنی ہے جتنی رقم مانگی گئی ہے اتنی ہی دی جائے۔ شیخ احمد سرہندی کی درگاہ کو کسمپرسی کی حالت میں پایا تو اسے سدھارنے کے ہزار جتن کئے۔ مسلم اوقاف کی بدنظمی نے انہیں ہمیشہ مضطرب رکھا۔

مولانا آزاد دفتر کی فائلوں پر اردو میں نوٹ دیا کرتے تھے اور کسی کو انگریزی میں خط بھیجنا ہو تا تو اکثر اس کا مضمون بھی اردو میں لکھ دیا کرتے تھے۔ یہ ساری تحریریں نیشنل آرکائیوز آف انڈیا نئی دہلی میں محفوظ ہیں۔ ڈاکٹر راجیش کمار پرتی نے انہیں ترتیب دے کر مارچ ۱۹۹۰ء میں شائع کردیا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی تحریریں مولانا کے ذہن کو سمجھنے میں بہت مدد کرتی ہیں۔

ان تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک میں مساجد کی

بے حرمتی مولانا کے لیے بے حد تکلیف دہ تھی۔ متعلقہ اصحاب کو وہ بار بار اس طرف توجہ دلاتے تھے اور ان کی بے توجہی پر رنجیدہ ہوتے تھے۔ ج [illegible] ائن دیاس کو لکھتے ہیں کہ بھرت پور کی جامع مسجد کا ایک حصہ اور اس کی [illegible] ئداد ابھی تک مسجد کمیٹی کو نہیں سونپی گئی۔ دوسرا معاملہ الور کی مسجدوں کا ہے [illegible] مسلمانوں کو واپس نہ کیا جانا افسوسناک ہے [illegible] ت دنیا میں ہماری بدنامی ہوتی ہے۔

ھیم سین سچر کو مولانا نے بار بار پنجاب کی مسجدوں کی افسوسناک حالت کی طرف متوجہ کیا اور بتایا کہ باہر ملکوں میں مسجدوں کی اس حالت کے سبب ہندوستان کے خلاف پروپیگنڈہ ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد دلایا کہ بہت جلد ہند پاک مذاکرات ہونے والے ہیں۔ بات چیت کے دوران یہ معاملہ پاکستان کے لئے ہتھیار کا کام کرے گا مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ وہ مولانا سے ملنے سے بھی گریز کرنے لگے۔ مولانا نے انہیں طنزیہ لہجے میں لکھا کہ آپ ملنے سے ہچکچایئے مت مجھے آپ سے کچھ ضروری گفتگو تو کرنی ہے مگر وہ مساجد کے بارے میں نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ دہلی آئے بھی مگر مولانا سے نہیں ملے تو انہوں نے پھر لکھا کہ گھبرایئے مت۔ میں لدھیانہ کی مسجدوں کے بارے میں بات نہیں کروں گا۔

آزادی کے بعد کسٹوڈین کی زیادتی ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ ان گنت مسلمان اپنے دیس میں رہتے ہوئے بے گھر ہو گئے تھے۔ کوئی جان بچانے کو اپنے شہر سے دوسرے شہر یا اپنے گاؤں سے کسی دوسرے گاؤں چلا گیا تو اسے اپنے گھر سے بے دخل کر دیا گیا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد مولانا حفظ الرحمان نے اپنی زندگی کے باقی سال ان مظلوموں کو انصاف دلانے کی کوشش میں صرف کر دئے یہ کام انہوں نے مولانا آزاد کے مشورے پر ہی کیا۔ خود مولانا آزاد برابر اس طرف متوجہ رہے۔ ایک مسئلہ یہ تھا کہ کسی خاندان کا ایک فرد بھی پاکستان چلا گیا تو اس کی کل جائداد نکاسی قرار دیدی جاتی تھی۔ مولانا نے حکومت کو بار بار توجہ دلائی کہ جتنے حصے کا مالک پاکستان گیا ہے صرف اتنے حصے کو نکاسی جائداد قرار دینا چاہیے۔ مولانا نے اس سلسلے میں اجیت پرشاد جین کو کئی خط لکھے۔ اس معاملے میں زیادتی کا کوئی انفرادی معاملہ بھی مولانا کے علم میں آتا تھا تو فوراً حکومت سے کارروائی کا مطالبہ کرتے تھے۔

۲۴ اپریل ۱۹۵۳ء کو شاستری جی کو لکھتے ہیں۔ عبدالرحیم کی درخواست آپ کو ملی ہوگی۔ اس کی کاپی بھیجتا ہوں یہ ریلوے میں خلاصی تھا۔ اس نے پاکستان جانے کا فیصلہ کیا تھا مگر اس شرط کے ساتھ کہ چھ مہینے کی اندر اگر چاہے گا تو واپس آجائے گا۔ چنانچہ واپس آگیا۔ جب سے بھوکا مر رہا ہے۔ نوکری پر نہیں لیا جاتا۔ یہ کوئی ریلوے افسر نہیں ہے محض انجن کا خلاصی ہے۔ کیا ایک غریب خلاصی کے لئے ریلوے میں کوئی جگہ نہیں نکل سکتی۔

کسی شخص کے ساتھ اگر چھوٹی سی زیادتی بھی ہوئی تھی تو مولانا اسے انصاف دلانے کی کوشش کرتے تھے اس میں نہ یہ شرط تھی کہ مولانا اس سے واقف ہوں اور نہ یہ کہ وہ مسلمان ہی ہو۔ وہ ہر ایک کی مدد کو تیار رہتے تھے۔ چھپرا کے ایک نوجوان زین العابدین کے لئے بار بار کوشش کی کہ اسے کوئی ملازمت مل جائے۔ سید سلیمان احمد آئی۔ اے۔ ایس۔ کے مقابلے میں ۳۲ ویں نمبر پر کامیاب ہوئے۔ انتخاب ۳۰ نمبر تک ہوا۔ مولانا مسٹر کاٹجو کو لکھتے ہیں کہ حسب ضابطہ اسے پولس، ریلوے، اکاؤنٹس وغیرہ میں جگہ [illegible] نہیں دی گئی جبکہ اس کے بعد کے نمبر والوں کو ملازمت دی جا چکی۔ یہ ناانصافی [illegible]

برطانوی حکومت نے ۱۹۳۰ء میں گڑھوال رجمنٹ کو برخواست کر دیا تھا کیونکہ اس کے فوجیوں نے نان کو آپریشن کی تحریک چلانے والوں پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا۔ ایک ہندو فوجی [illegible] سرکاری وظیفے کا امیدوار ہوا تو مولانا نے مسٹر تیاگی کو زوردار سفارشی [illegible] لکھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کشمیر کو ہندوستان کا ایک لازمی حصہ مانتے تھے اور کسی بھی صورت میں ہندوستان سے اس کے علیحدہ ہو جانے کو گوارا نہیں کرتے تھے۔ کشمیر کا ہندوستان سے الحاق شیخ عبداللہ کی خواہش پر ہوا تھا۔ ایک بار انہیں موقف سے ہٹتا ہوا دیکھا تو وزیر اعظم کو مشورہ دیا کہ کشمیر کے معاملات درست کرنے کی ذمہ داری رفیع احمد قدوائی کو سونپی جائے۔ لیکن وہ ضروری خیال کرتے تھے کہ کشمیری

مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی نہ ہو اور وہ ہر طرح سے مطمئن رہیں تاکہ ہندوستان سے ان کا رشتۂ دوستی استوار سے استوار تر ہوتا جائے مگر یہ دیکھ کر انہیں ملال ہوتا تھا کہ جو تین محکمے مرکز کے اختیار میں ہیں ان میں کشمیری مسلمانوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک بار مسٹر جگجیون رام کو بہت سخت خط لکھا۔ فرماتے ہیں "آپ جانتے ہیں ہمارے انٹرسٹ کے لئے یہ بات کتنی ضروری ہے کہ ہم کشمیر کے باشندوں کے اندر گورنمنٹ آف انڈیا کے لئے اچھے خیالات پیدا کرائیں اور ان کے اندیشے جو ہمارے طرز عمل کی نسبت ہیں وہ یک قلم دور ہوں لیکن افسوس ہے کہ اس کا بہت کم خیال رکھا جاتا ہے اور ایسی باتیں ہو جاتی ہیں جو کشمیر میں ہمارے خلاف ایک پرابلم بن جاتی ہیں اور پھر اس کے اثرات ہمارے تعلقات کو خراب کرتے ہیں۔ اسٹیٹ گورنمنٹ ایک عرصے سے شکایت کر رہی ہے کہ ڈاک تار محکمے کی سروس میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں۔ جتنے آدمی رکھے جاتے ہیں نان مسلم۔ ناردرن سرکل کی کلرکی کے لئے امتحان لیا گیا تو ساٹھ (۶۰) نان مسلم رکھے گئے اور صرف تین مسلم۔ شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ کشمیر کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد بے روزگار ہے۔ اگر ایک محکمہ گورنمنٹ آف انڈیا کے ہاتھ میں جانے کا یہ نتیجہ نکلا ہے تو کیونکر کشمیر یہ بھروسہ کر سکتا ہے کہ اس کا مستقبل محفوظ رہے گا۔ (اندراج ۱۴۲ صفحہ ۱۳۱ و ۱۳۲)۔

زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ایسا ہی واقعہ پھر پیش آیا۔ مولانا نے پھر جگجیون رام جی کو لکھا کہ پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف کے لئے تینتالیس (۴۳) کلرکوں کی بھرتی ہوئی ہے اس میں صرف ایک کشمیری ہے۔ پھر لکھتے ہیں ابھی صرف تین سیکشن (محکمے) گورنمنٹ آف انڈیا کے حوالے کئے گئے ہیں۔ کشمیری مسلمانوں کے لئے ان میں کوئی جگہ نہیں نکل سکی تو پھر دوسرے محکموں میں ہم کیا امید کر سکتے ہیں۔

مولانا کی دوربیں نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ کشمیر میں یہ روش جاری رہی تو حالات قابو سے باہر ہو جائیں گے۔ انہوں نے بروقت حکومت ہند کو متنبہ بھی کیا مگر فہم و فراست کی شکست اور تعصب و تنگ نظری کی فتح ہوئی۔

مولانا آزاد کم گو تھے، کم آمیز تھے، میل ملاقات اور جلسے جلوس سیاست دانوں کے ہجوم انہیں ناپسند تھے۔ وہ انتہا درجہ کے تنہائی پسند تھے اور تنہائی میں ان کا بیشتر وقت مطالعے اور غور و فکر میں بسر ہوتا تھا۔ دماغ بھی انہوں نے غیر معمولی پایا تھا۔ اس لئے مستقبل میں پیش آنے والے اکثر واقعات جو پردۂ خفا میں ہوتے تھے انہیں بے نقاب نظر آجاتے تھے۔ بنگلہ دیش کے وجود میں آنے سے برسوں پہلے بتا دیا تھا کہ جغرافی صورت حال پاکستان کے خلاف ہے اور دور مشرق میں واقع اس کا دوسرا حصہ ایک دن آزاد ہو جائے گا۔ دو قومی نظریہ انہیں کھوکھلی بنیاد پر کھڑا نظر آتا تھا۔ ان کا ارشاد تھا کہ جس دن یہ خواب چکنا چور ہوا اس دن بہت کچھ بکھر جائے گا اور ایسا ہی ہوا انہیں اپنے ملک میں بھی صوبائیت اور علاقائیت کا عفریت مستقبل قریب میں سر اٹھاتا دکھائی دیتا تھا۔ انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ روز بروز ایک نئی تفریق پراونشلزم کی بڑھتی جارہی ہے۔ آپ یقین کیجئے یہ چیز آگے چل کر انڈین نیشنل ازم کے لئے سخت مضر ثابت ہوگی۔ وقت نے بتا دیا کہ ان کا یہ اندیشہ بے بنیاد نہیں تھا۔

ملک کی تقسیم کو وہ ہندوستان کے لئے اور خاص طور پر مسلمانوں کیلئے مضر سمجھتے تھے۔ ہندوستان متحد رہتا تو کشمیر اور پنجاب جیسے مسئلے پیدا ہی نہ ہوتے۔ لیکن پاکستان وجود میں آہی گیا تو وہ چاہتے تھے کہ دونوں ملکوں میں دوستانہ تعلقات قائم ہوں انہوں نے پاکستان کے سربراہوں محمد علی اور غلام محمد کو خط لکھ کر پنڈت نہرو سے ملاقات کا مشورہ دیا اور اس عزم کا اظہار کیا کہ پاکستان اور انڈیا کا پرابلم ہمیں حل کرنا ہے اور ہم حل کر کے رہیں گے۔

مولانا ابو الکلام آزاد ایک ایسے مفکر اور مدبر تھے کہ سخت سے سخت حالات میں ملک و قوم کی رہنمائی کا حق ادا کر سکتے تھے اور ان کی صلاحیتوں سے بہت فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا مگر انہوں نے درست ہی فرمایا ہے کہ "دنیا میرے دماغ سے کوئی کام نہ لے سکی" مسلمانوں کی اکثریت نے انہیں اپنا لیڈر تسلیم نہیں کیا کانگریس اور کانگریسی حکومت نے ان

ابن احمد نقوی

سفرگذشت

(۴)

دوسرے دن جمعہ تھا۔ صبح کو جناب خلیل الرحمان صاحب تشریف لائے اور رحمانی صاحب کو اپنا مدرسہ دکھانے کیلئے لے گئے۔ یہ مدرسہ بنگلور شہر سے دور مضافاتی علاقے میں قائم کیا گیا ہے مدرسہ کی عمارت کے گرد کافی زمین ہے جو آئندہ اس کی توسیع میں کام آئے گی عمارت بھی کشادہ اور دیدہ زیب ہے جمعہ کی وجہ سے مدرسہ میں تعطیل تھی ہم نے گھوم پھر کر مدرسہ دیکھا ایک کمرے میں لائبریری بھی ہے رحمانی صاحب نے لائبریری کا خاص طور پر معائنہ کیا بہت سی کتابیں ہیں جنہیں شاید کسی صاحب نے عطیۃً مدرسہ کو دیا ہے لیکن لائبریری میں ایسی کتابیں ابھی فراہم نہیں کی گئی ہیں جو طلبہ کے لئے زیادہ مفید اور ان کی ذہنی وعلمی سطح بلند کرنے میں مد ومعاون ہوں۔ ایک اچھے مدرسہ کے لئے ایک اچھی لائبریری بھی ضروری ہے اور لائبریری میں کتابوں کا انتخاب بھی بڑی سوجھ بوجھ چاہتا ہے۔ محض ادھر ادھر سے کتابیں جمع کر لینا لائبریری کے اصل مقاصد کو پورا نہیں کرتا۔ کتابیں جہاں عقل وذہن کو جلا دیتی ہیں وہیں غلط انداز کی کتابیں ذہن کو پراگندہ بھی کرتی ہیں۔ نوخیز ذہن ان سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کے منفی اثرات ان کی ذات اور کردار پر نمایاں ہوتے ہیں اس لئے مدارس خصوصاً دینی اور ملی مدارس میں مطالعہ کے لئے کتابوں اور رسالوں کا انتخاب تدریس سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔

یہاں سے واپسی پر راستہ میں دیوبندی حضرات کا ایک بڑا مدرسہ دیکھا عالی شان وسیع عمارت، کمروں کی طویل قطاریں، جگہ جگہ نوٹس بورڈ لگے ہوئے، صدر دروازے پر ایک بڑے بورڈ پر مدرسہ کے نصاب سے متعلق معلومات درج ہیں معلوم ہوتا ہے خاصے نظم اور منصوبہ بندی کے ساتھ مدرسہ چلایا جا رہا ہے۔ اصل عمارت کے باہر بھی وسیع احاطے میں تعمیراتی کام جاری ہے۔ رحمانی صاحب نے کافی دیر تک گھوم پھر کر مدرسہ کی عمارت کو دیکھا اور اس کی صفائی ستھرائی، رکھ رکھاؤ اور سلیقہ سے کافی خوش ہوئے۔ جب ہم وہاں سے واپس ہوئے تو دوپہر شروع ہو چکا تھا رحمانی صاحب کو مسجد اہلحدیث میں جمعہ کا خطبہ دینا تھا۔ اس لئے عبد الجلیل صاحب کے ہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر ہم مسجد اہلحدیث پہنچ گئے یہ خاصی بڑی مسجد ہے نمازیوں کی بڑی تعداد ہر نماز میں ہوتی ہے۔ مسجد کے صدر دروازے کی گیلری کے پہلو میں نمازیوں کے جوتے رکھنے کا انتظام ہے۔ ایک شخص مقرر ہے وہ ایک ٹوکن دے گا اور آپ کے جوتے اس نمبر کے خانے میں رکھ دے گا نماز کے بعد ٹوکن دے کر جوتے واپس لے لیجئے کوئی فیس یا بخشش نہیں دہلی کی مساجد میں ایسا انتظام نہیں ہے یہاں نمازی اپنے جوتوں کو ہاتھوں میں اٹھائے پھرتے ہیں اور عام طور پر صف کے آگے اپنے سامنے یعنی سجدہ کی جگہ سے بالکل متصل رکھتے ہیں یہ طریقہ ظاہر ہے پسندیدہ نہیں ہے۔ جوتے میں گندگی بھی لگی ہو سکتی ہے۔ پھر صفوں کے آگے اور درمیان میں جوتوں کی قطار بدنما بھی لگتی ہے لیکن نمازیوں کی مجبوری یہ ہے کہ اگر وہ جوتے دروازے کے باہر چھوڑ دیں یا مسجد کے کسی کونے میں رکھ دیں تو جوتے چوروں کو کھلی چھوٹ مل جائے گی۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا حل آسان نہیں ہے دلّی میں گوردواروں میں تو یہی ٹوکن سسٹم چلتا ہے لیکن مساجد میں ایک دشواری یہ ہوتی ہے کہ نمازی ایک ایک کر کے آتے ہیں مگر نماز ختم ہونے کے بعد بڑی تعداد بھیڑ کی شکل میں مسجد سے نکلتے ہیں اس وقت اس قدر بھیڑ ہو جاتی ہے کہ دس پندرہ منٹ تک دروازوں سے نکلنا آسان نہیں رہتا۔ اب اگر جوتے ٹوکن کے ذریعہ خانوں میں رکھے جائیں تو جوتے واپس لینے کے لئے بھیڑ ہوگی، قطاریں لگیں گی اور وہ افراتفری ہوگی کہ سنبھالنا مشکل ہو جائے گا اور نمازیوں کی وہ بھیڑ جو فرض نماز کے فوراً بعد مسجد سے نکلتی ہے اور دس پندرہ منٹ میں چھٹ جاتی

ہے شاید اسے مسجد سے باہر آنے میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ لگ جائے آج کل کی مصروف زندگی میں کسے اتنا یارا ہے کہ مسجد سے باہر آنے کے لئے گھنٹہ بھر انتظار کرے بھیڑ میں دھکے کھائے۔ اسی لئے بڑی مساجد میں نہ ایسا انتظام کیا جا سکتا ہے نہ اس کی کامیابی کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے جمعہ کی نماز کے بعد بنگلور کی سیر کا پروگرام بنایا گیا جناب خلیل الرحمٰن صاحب، جناب نثار احمد صاحب اور ایک اور صاحب ہمارے ساتھ تھے پہلے ہماری گاڑی ایک نوجوان ماہر تعمیرات جناب محمد آصف صاحب کے دولت خانے پر رکی جہاں معذرت کے باوجود انہوں نے اصرار کرکے ظہرانہ پیش کیا۔ یہاں سے چل کر سب سے پہلے ہم لوگ لال باغ پہنچے یہ بنگلور کا بہت بڑا پارک ہے وسیع رقبے میں پھیلا ہوا۔ ہر طرف سبزہ، درخت، پھول، کیاریاں اور خیابان وسط میں ایک عمارت گلاس ہاؤس (عینک محل) کے نام سے ہے جس کی شیشے کی اونچی چھت ہے شیشوں سے جب دھوپ منعکس ہوتی ہے تو سارا پنڈال روشنی سے جگمگاتا ہے یہ جگہ فنکشن اور تقاریب کے لئے استعمال ہوتی ہے اور بہت خوبصورت ہے اس سے آگے وسط میں ایک درخت کا مختصر سا تنہ نصب ہے جو ۲۰ ملین (دو کروڑ) سال پرانا بتایا جاتا ہے یہ فوصل (Fossil) یا محجر، ماہرین آثار قدیمہ، ماہرین علم الانسان اور ماہرین تہذیب انسانی و عمرانیات کے لئے خصوصی دلچسپی کی چیز ہے پارک کے ایک طرف ایک چھوٹا سا آبی میوزیم ہے جس میں طرح طرح کی مچھلیاں رکھی گئی ہیں اور ایک مگرمچھ بھی ہے۔ لال باغ میں بعض درخت اتنے اونچے ہیں کہ ان کی بلندی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے شاخوں کا اتنا پھیلاؤ اور پیڑ کی اتنی بلندی عام طور پر دیکھنے میں نہیں آتی ہارٹی کلچر (باغبانی) کی کسی خاص ترکیب یا کیمیائی کھاد کے ذریعہ ایسا کیا گیا ہوگا۔

یہیں پارک کے سبزہ زار پر نماز عصر ادا کی گئی اور یہاں سے ہمارا قافلہ ٹیپو سلطان کے محل کی جانب روانہ ہوا۔ ٹیپو سلطان کا یہ چھوٹا سا محل اب سیاحوں کی سیرگاہ ہے کہا جاتا ہے کہ جب سلطان بنگلور میں ہوتے تھے تو یہاں دربار عام کرتے تھے اور رعایا کی فریاد سنتے تھے۔ یہ چھوٹی سی مائل بہ شکستگی عمارت تاریخ کے نہ جانے کتنے واقعات اپنے سینے میں چھپائے کھڑی ہے کبھی یہ سلطانی جاہ و جلال اور سطوت و جبروت کا مظہر تھی آج بے کسی و کس مپرسی کا شکار ہے ان نیچی چھتوں نے شیر میسور پر بھی سایہ کیا اور پھر صلیبی استعمار کے نمائندوں کے لئے بھی اپنی آغوش وا کی۔ یہاں سے روانہ ہو کر ہم کرناٹک ہائی کورٹ اور اسمبلی ہاؤس پہنچے ہائی کورٹ کی عمارت سرخ رنگ کی ہے دور تک پھیلی ہوئی سرخی میں نہائی ہوئی اس شاندار عمارت نے گرد و پیش کو ایک عجب شان اور خوبصورتی عطا کی ہے۔ بنگلور کا یہ علاقہ واقعی قابل دید ہے اور شہر کے حسن، صفائی اور ستھرائی کا علامتی منظر پیش کرتا ہے اس کے سامنے ہی بہت اونچی کرسی پر کرناٹک اسمبلی کی عمارت ہے۔ اونچے ستونوں پر کھڑی یہ محل نما عمارت جدید فن تعمیر کا بڑا اچھا نمونہ ہے۔ یہاں بہت سے لوگ سیر و تفریح کے لئے آتے ہیں اور سیکورٹی کا وہ سخت انتظام نہیں دکھائی دیتا جیسا دہلی کی سرکاری عمارتوں کے گرد نظر آتا ہے اور جسے دیکھ کر ہی خوف و دہشت کا احساس ابھرتا ہے۔ اب شام ہو چکی تھی اس لئے پروگرام مختصر کرکے ہم لوگ واپس آئے اور مسجد اہلحدیث میں نماز مغرب ادا کی۔ مسجد میں مولانا عبدالمتین صاحب جوناگڑھی سے بھی ملاقات ہوئی جو اسی مسجد میں ایک طویل عرصہ سے خطیب و امام ہیں پہلے بہت تنومند اور فربہ تھے لیکن اب کافی سلم (لاغر) ہو گئے ہیں بتانے لگے کہ دو مرتبہ ہارٹ اٹیک ہو چکا ہے پھر ہنس کر کہنے لگے تیسرے پر اناللہ وانا الیہ راجعون کا مرحلہ آتا ہے۔ آج کل یونانی علاج کرا رہے ہیں خمیرہ گاؤ زبان برابر استعمال کرتے ہیں وزن اور فربہی گھٹ جانے سے بھی عارضۂ قلب سے راحت ملی ہے پرانے ساتھی ہیں مل کر بڑی خوشی ہوئی نماز مغرب کے بعد ہم پھر مارکیٹ گئے کرناٹک اسٹیٹ ایمپوریم دیکھا بہت بڑی جگہ میں ہے جگہ جگہ آراستہ اور سجے ہوئے ہاتھیوں کے چھوٹے بڑے مجسمے (بت) رکھے ہوئے ہیں جو کرناٹک کا غالباً مخصوص نشان ہے یہ مجسمے بڑی کمپنیاں اور ادارے بھاری قیمت پر خریدتے ہیں کہیں دروازوں کے پہلو میں، کہیں سامنے، کہیں مرکزی ہال میں انہیں نصب کیا جاتا ہے اور آرٹ کے نوادرات میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ہم نے ایمپوریم سے صندل کا صابن اور اگربتیاں خریدیں جو کرناٹک کا خاص تحفہ سمجھی جاتی ہیں۔ دوسرے دن صبح ہمیں میسور جانا تھا اس کے لئے ٹورسٹ بس میں سیٹ بک کرالی گئی تھی صبح نماز فجر سے فارغ ہو کر ہم لوگ روانہ ہو گئے جناب عبدالجلیل صاحب کے صاحبزادے ہمیں ٹورسٹ بس تک چھوڑنے آئے۔ بس ابھی نہیں آئی تھی لیکن ٹورسٹ جمع ہونے شروع ہو گئے تھے ہم نے اخبار خریدا اور کمپنی کے دفتر میں بیٹھ کر خبریں پڑھنے میں وقت گذارنے لگے۔ تھوڑی دیر میں مدراس سے

بس آگئی اور جلدی ہی سارے سیاحوں کو بھر کر روانہ ہوگئی۔ رحمانی صاحب نے کنڈکٹر سے کہہ کر ڈرائیور کے بالکل مقابل دو سیٹیں حاصل کرلی تھیں اور ہم دونوں انجن کے پہلو میں ونڈ سکرین کے برابر بیٹھے ہوئے تھے اور چلتی ہوئی بس سے سامنے اور گرد و پیش کا سارا منظر پوری طرح دکھائی دیتا تھا۔ ٹورسٹ بسوں کے پہلے پڑاؤ سرکاری ایمپوریم ہوتے ہیں تاکہ ٹورسٹ ان سرکاری دکانوں سے تحفے، نمونے اور دیگر اشیاء خریدیں۔ چونکہ سیاحت (ٹورزم) آج بڑا پُر منفعت کاروبار ہے اس لئے اسے ایک انڈسٹری کی شکل دے دی گئی ہے سیاحوں کے لئے عالی شان ہوٹل، قیام گاہیں، ریستوران، پکنک کے مقامات بنائے گئے ہیں جہاں انہیں ہر قسم کی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں اور پوری کوشش کی جاتی ہے کہ سیاح خوش اور مطمئن رہیں تاکہ داخلی اور بیرونی ہر طرح کے ٹورسٹ آتے رہیں خصوصاً غیر ملکی سیاحوں کے لئے تو بڑے ہی وسیع پیمانے پر خاطر مدارات، آرام و آسائش کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ ملک کے بیشتر علاقوں میں گئو کشی بند ہے لیکن وہ تمام بڑے ہوٹل جہاں غیر ملکی سیاح اور مہمان ٹھہرتے ہیں وہاں یہ ڈش بآسانی دستیاب ہوتی ہے مقصد صرف یہ ہے کہ کاروبار جاری رہے اور منافع میں کوئی خسارہ نہ ہو، یہ بات سنگھ پریوار والے بھی جانتے ہیں لیکن مفاد اور مصلحت نے سب کی آنکھوں پر پردہ اور زبان پر مہر لگا رکھی ہے۔ بہرحال بس ایک سرکاری ایمپوریم کے سامنے رکی اور سیاحوں کی ایک بڑی تعداد خریداری اور وقت گذاری کے لئے ایمپوریم میں داخل ہوگئی۔ اور تھوڑی ہی دیر میں لوگ سامان سے لدے پھندے بس میں لوٹنے لگے۔ رحمانی صاحب نے بھی بچوں کے لئے ٹیپو سلطان کی چوبی تلوار خریدی جس پر کلمۂ طیبہ نقش تھا۔ ٹی وی پر ٹیپو سلطان کی تلوار (سورڈ آف ٹیپو سلطان) کی سلسلہ وار نمائش کے بعد اب اکثر لوگ ٹیپو کو اسی سیریل کے ذریعے پہچانتے ہیں اور ٹیپو سلطان کی تلوار جس نے کبھی افرنگی استعمار کے حوصلے پست کئے تھے اب ایک کھلونے کی طرح فروخت ہوتی ہے۔ دو سو سال قبل یہی تلوار جب ٹیپو سلطان کے ہاتھ میں تھی تو ملک و قوم کی آزادی، وقار اور عظمت کے لئے بلند ہوئی تھی اس وقت یہ فولادی ہتھیار تھا جس نے استعمار کے بڑھتے قدم روکے تھے آج حالات نے اسے لکڑی کے کھلونے میں تبدیل کردیا ہے سوچئے تو وقت نے ایسی کروٹ بدلی ہے کہ پوری ملت جس نے کبھی سارے عالم پر حکمرانی کی تھی آج عالمی صہیونی اور صلیبی استعمار کے تحت ایک کھلونا بن کر رہ گئی ہے۔ عالم اسلام آج صلیبیوں کے لئے ایک کھلونے سے زیادہ کیا وقعت رکھتا ہے۔ معیار زندگی کو برقرار رکھنے کا سوال ہو تو وہ عالمی پیمانے کی جنگ لڑنے سے بھی نہیں ہچکچاتے لیکن جہاں اپنا مفاد نہ ہو تو پوری مسلم قوم کو صلیبی قصائیوں کے سامنے ڈال دیتے ہیں کتنی صدیوں سے یہ صلیبی لڑائی جاری ہے اور خدا جانے کتنی صدیاں ایسے ہی گذر جائیں گی۔ ٹیپو سلطان کی تلوار ہی نہیں، صلاح الدین ایوبی کی تلوار، ترک عثمانی کی تلوار، عرب مجاہد کی تلوار، مصری سرفروش کی تلوار، غیور افغانی کی تلوار، یہ ساری تلواریں جو کبھی ملت کے دفاع اور دین کی حمایت میں علم ہوئی تھیں آج ٹوٹ چکی ہیں۔ اور ہر جگہ ملت کی گردن میں صلیبی سازش کا پھندہ پڑا ہوا ہے۔

یہاں سے روانہ ہو کر بس نے سری رنگا پٹم کا رخ کیا یہ وہ تاریخی مقام ہے جہاں سلطان ٹیپو شہید کا انگریزوں سے آخری معرکہ ہوا (۱۷۹۹ء) اٹھارویں صدی میں ٹیپو سلطان برٹش استعمار کا سب سے بڑا حریف تھا۔ اگر اسے مقامی حکمرانوں کا تعاون ملتا یا کم از کم یہ راجے اور نواب اس سے دشمنی اور بد عہدی نہ کرتے تو بلاشبہ انگریزوں کے بڑھتے قدم پسپا کئے جاسکتے تھے لیکن بد قسمتی سے اس وقت دیسی حکمرانوں میں ذاتی مفاد، شخصی رقابت اور حریف کو بہر صورت مٹا ڈالنے کا جو جنون تھا اس نے پورے ملک کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا تاہم اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس دور میں وطن اور قوم کا یہ تصور بھی نہیں تھا جیسا آج ہے اس وقت اگرچہ سلطنت مغلیہ کے تحت ہندوستان کا بڑا حصہ متحد ہو چکا تھا پھر بھی مغل حکومت کے کمزور ہوتے ہی صوبیداروں نے اپنی اپنی آزاد حکومتیں قائم کرلی تھیں جن کا وطن اور قوم اپنی چھوٹی چھوٹی حدوں تک ہی محدود تھا۔ نہ ذرائع ابلاغ کی ایسی آسانیاں تھیں نہ عوام حالات سے باخبر رہتے تھے۔ جو جہاں تھا اپنے دائرہ میں رہتا تھا۔ ٹیپو سلطان کے مقابلے میں مرہٹوں، نظام اور دیگر دیسی حکمرانوں کی ہمدردیاں انگریزوں کے ساتھ رہیں ۱۸۵۷ء میں جب دہلی پر انقلابیوں کا قبضہ ہوگیا تو پٹیالہ کی فوج نے دلی پر انگریزوں کا قبضہ کرایا کسی نے یہ نہیں سوچا کہ انگریز باہر سے آئے ہیں ان کی زبان، ان کا کلچر، ان کا طور طریق سب دیسی باشندوں سے الگ ہے اور وہ نہایت تیزی سے پورے ملک پر قابض ہوتے جارہے ہیں۔ سب اس پر خوش ہوئے تھے کہ حریف حکمراں کو انگریزوں کے ہاتھوں شکست ہوئی ہے۔ اب کچھ مورخین کا یہ

خیال ہے کہ انگریزوں کے اقتدار سے ایک جدید ہندوستان کا وجود عمل میں آیا۔ ہندوستانی قومیت اور ایک متحدہ ہندوستان کا تصور ابھرا۔ جدید سائنسی ترقیات کے دور کا آغاز ہوا اگر انگریز پسپا ہو جاتے تو ہندوستان برٹش سامراج کی غلامی سے تو بچ جاتا۔ لیکن دیسی حکمرانوں کے تحت افغانستان اور نیپال کی طرح ایک پسماندہ اور بے حیثیت ملک ہوتا۔ جن کے ماتھے پر انگریز کی غلامی کا داغ تو نہیں ہے لیکن پسماندگی اور جہالت کی تاریکیوں سے ابھی تک پوری طرح نہیں نکل پائے۔ بہرکیف یہ سب اپنی اپنی تھیوریاں ہیں ان سے اتفاق یا اختلاف کی گنجائش بہرحال موجود ہے۔ ہماری بس اب سری رنگا پٹم کے ویران اور کھنڈر قلعہ میں چل رہی تھی۔ ٹوٹی ہوئی فصیل اور ادھر ادھر پتھروں کی بنی ہوئی عمارتوں کے شکستہ آثار کے درمیان بس آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ گائڈ ہاتھ میں مائک لئے واقعات بیان کر رہا تھا۔ ایک جگہ ایک اونچی لوح پر لکھا تھا۔ ٹیپو سلطان یہاں شہید کئے گئے تھے اس تاریخی خرابہ سے گذرتے ہوئے ہم سلطان ٹیپو کے مقبرے پر پہنچے۔ وہاں تین قبریں ہیں گائڈ نے بتایا کہ یہ سلطان، ان کے والد اور والدہ کی قبریں ہیں۔ قبروں کے تعویز کافی بلند ہیں اور ان پر ریشمیں غلاف پڑے ہوئے ہیں۔ حسب دستور یہاں بھی ایک مجاور صاحب موجود تھے۔ جو ٹین کے ایک بہت بڑے بکس کے پاس کھڑے تھے اور عقیدتمندوں سے "نذرانہ" طلب کر رہے تھے۔ قبر فروشی کا یہ کاروبار ہر جگہ چلتا ہے۔ تاج محل میں جائیے تو وہاں بھی قبر کے پاس ایک مجاور چراغ جلائے سر جھکائے بیٹھا ملے گا۔ قبروں کو وسیلۂ روزگار اور روزی بنانے کا فن برصغیر کے مسلمانوں نے سب سے زیادہ سیکھا ہے اور اب تو یہ صنعت ایک طرح آفاقی اہمیت کی چیز بن گئی ہے۔ سیاست نے بھی اسے خوب پروان چڑھایا اور ان قبروں سے کروڑوں انسان اپنا پیٹ پال رہے ہیں۔ ایک صاحب کہنے لگے شکر ہے ہندوستان پر کبھی وہابیوں کا راج نہیں ہوا ورنہ ہزارہا آدمی بے روزگار ہو کر بھوکے مرجاتے اور مسلمانوں کی سب سے بڑی انڈسٹری (صنعت) تباہ ہو جاتی۔ سلطان ٹیپو کا مرقد محل کے درمیان ہے اور اردگرد حرم سرا اور دیگر عمارات ہیں جو سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں۔ گائڈ سیاحوں کو بتا رہا تھا کہ سلطان اپنی بیگمات کے ساتھ اس حرم سرا میں رہتے تھے۔ یہ ان کے رہائش کا محل تھا۔ یہ محلات اور قلعے اب محکمۂ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہیں اور سیاحوں کی سیرگاہیں ہیں کل یہی عظمت و اقتدار کے مراکز تھے۔ اسی قلعہ نے سلطان ٹیپو کا جاہ و جلال دیکھا ہے ہندوستان کا شیر جس نے بہادری کی ایک دن کی زندگی قبول کی اور غلامی کی سو سالہ زندگی کو پسند نہیں کیا۔ بدقسمتی سے آج برصغیر کا یہ بطل جلیل بھی فرقہ وارانہ سیاست کا شکار ہو گیا ہے سنگھ پریوار اسے مجاہد آزادی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ اس کی پیلی عینک سے سلطان ٹیپو ایک متعصب، سفاک اور ہندو دشمن حکمراں دکھائی دیتا ہے۔ جب ٹی وی پر سنجے خاں کا سیریل ٹیپو سلطان دکھایا جانے لگا تو فسطائیوں نے جیسی ہنگامہ آرائی کی وہ تنگ نظری اور تاریخ کو مسخ کرنے کی چند بدترین مثالوں میں سے ایک ہے۔ انہوں نے دھونس اور دھاندلی کے ذریعہ حکومت کو مجبور کیا کہ سیریل کے شروع میں بتایا جائے کہ یہ سیریل تاریخی بنیاد پر نہیں بنایا گیا ہے یعنی سلطان ٹیپو کی ہمت، قربانی، مادر وطن کے لئے افرنگیوں سے اس کی لڑائی سب افسانہ ہے ان کے نزدیک تاریخ ہند میں اگر کوئی حقیقی باب ہے تو یہ کہ رانا پرتاپ نے اکبر سے جنگ کی اور شواجی نے اورنگ زیب کے اقتدار کو للکارا اس کے علاوہ جو کچھ ہے یا جس میں مسلمانوں کی قربانیوں کا ذکر آتا ہے وہ سب بے سروپا حکایت ہے۔ فسطائی تھیوری کے تحت رانا پرتاپ تو قومی ہیرو ہیں چونکہ انہوں نے چتوڑ پر اکبر کے حملہ کا مقابلہ کیا لیکن چاند بی بی جس نے احمد نگر پر اکبر کے حملہ کا مقابلہ کیا ان کے نزدیک قطعی کوئی اہمیت نہیں رکھتی محض اس لئے کہ وہ مسلمان تھی۔ شواجی نے اورنگ زیب کا مقابلہ کیا وہ اپنی سلطنت مغل اقتدار سے آزاد رکھنا چاہتے تھے اس لئے آج شواجی مہاراشٹرا کے ہی نہیں پوری قوم کے ہیرو تسلیم کئے جاتے ہیں لیکن گولکنڈہ کے قطب شاہ نے اورنگ زیب کا مقابلہ کیا اور اپنی سلطنت کو بچانے کے لئے قدم قدم پر مغل شہنشاہ سے نبرد آزمائی کی وہ ان کے لئے بے حقیقت ہے کیونکہ گولکنڈہ کے حکمراں بھی اتفاق سے مسلمان تھے۔ تعصب، تنگ نظری اور جارحانہ قوم پرستی کا جنون انسان کو حقائق سے کس طرح بیگانہ کر دیتا ہے اسے فسطائی فلسفہ میں دیکھا جا سکتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ رانا پرتاپ، شواجی، قطب شاہ وغیرہ سارے علاقائی حکمراں اپنے اقتدار کی حفاظت کے لئے مغلوں سے لڑے۔ رانا پرتاپ کو دلی میں مغل اقتدار پر کوئی اعتراض نہیں تھا ان کی ساری کوشش اور لڑائی کا اصل مقصد یہ تھا کہ ان کا راج نہ چھینا جائے نہ وہ مغل اقتدار کے تابع کئے جائیں شواجی بھی یہی چاہتے تھے کہ ستارا میں ان کی حکمرانی برقرار رہے۔ چاند بی بی اور دکن کی دیگر ریاستیں

بھی اپنی علاقائی آزادی کے لئے لڑتے تھے نہ اس دور میں قوم ووطن کا یہ تصور تھا نہ مذہب اقتدار کی واحد بنیاد تھا۔ اورنگ زیب کے فوجیوں میں ہندو سپاہی بھی تھے اور شواجی کے ساتھ مسلمان سپاہیوں کی جماعت بھی تھی۔ اکبر کی جس فوج نے راجپوتانہ پر حملہ کیا اس کی کمان راجہ مان سنگھ کے ہاتھ میں تھی جو خود بھی راجپوت تھے۔ اس زمانے میں ہیڈگیوار اور گول والکر جیسے لوگ کہاں تھے جو تاریخ کو نئی عینک لگا کر دیکھیں۔

بہرکیف یہ بات خاصی خوش آیند ہے کہ عام ہندو کا ذہن اس فسطائیت سے متاثر نہیں ہے سیاحوں کی بھیڑ میں کوئی نہیں تھا جو ٹیپو کو متعصب یا ہندو دشمن کہتا وہ لوگ آپس میں باتیں بھی کرتے تھے تو سنجے خاں کے سیریل کی بنیاد پر ٹیپو کی بہادری اور جواں مردی کا ذکر کرتے تھے۔ سلطان ٹیپو کا محل دیکھنے کے بعد ہم میسور کے واڈیار راجاؤں کا محل دیکھنے گئے جنہیں ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں نے اقتدار عطا کردیا تھا۔ یہ بڑا وسیع وعریض محل ہے اور چند دہائیوں قبل تک میسور کے راجاؤں کا مستقر تھا اس لئے پوری طرح آراستہ وپیراستہ ہے اور آثار قدیمہ کی عمارت معلوم نہیں ہوتا۔ اسے دیکھنے کے لئے پانچ روپیہ فی کس ٹکٹ ہے روزانہ ہزاروں افراد دیکھنے آتے ہیں اور غالبًا محکمۂ سیاحت کے زیر انتظام ہے اس لئے آمدنی کا خاصا اہم ذریعہ ہے۔ محل کا دربار ہال اور شیش محل بہت خوبصورت بنے ہوئے ہیں۔ محل میں جگہ جگہ واڈیار خاندان کے راجاؤں کی روغنی تصاویر اور نیم مجسّمے نصب ہیں۔ وقت نے نہ ٹیپو سلطان کا اقتدار باقی رہنے دیا نہ واڈیار راجاؤں کا خود انگریز بھی بوریہ بستر باندھ کر روانہ ہوگئے۔ ساری لڑائیاں' سازشیں' خونریزی اور کشمکش تاریخ کے ابواب بن کر رہ گئیں اس تخت وتاج کے لئے حکمراں کیا کچھ نہیں کرتے خلق خدا کو کیسا کیسا ستاتے ہیں انسانی خون کو پانی کی طرح بہاتے ہیں لیکن مرور ایام کے ساتھ سب کچھ فنا ہوجاتا ہے ہندوستان میں سکندر اعظم' مغل اعظم بھی آئے اور سات سمندر پار سے افرنگی اعظم بھی' چند روز اپنے اقتدار کا نقارہ بجا کر چلے گئے اور سوائے تلخ یادوں اور داستان عبرت کے اپنے پیچھے کیا چھوڑ گئے۔

میسور کا راج محل دیکھ کر واپس لوٹے تو میسور کا چرچ دیکھنے گئے۔ یہ ہفتہ کا دن اور ۲۵ دسمبر تھی یعنی کرسمس کا تیوہار تھا۔ چرچ بڑا شاندار بنا ہوا ہے۔ ہم سب اندر گئے وہاں قربان گاہ پر مسیح کا مجسمہ صلیب پر آویزاں تھا اور اس کے نیچے موم بتیاں جل رہی تھیں۔ چرچ کو گھوم پھر کر دیکھتے ہوئے نیچے تہہ خانے میں پہنچے تو ایک جگہ ایک تابوت میں مسیح کا مصلوب جسد رکھا ہوا تھا جس پر خون کے دھبے دکھائے گئے تھے۔ چرچ میں گذشتہ رات کرسمس کی ماس ہوچکی تھی اس لئے جگہ جگہ آرائش کا سامان دکھائی دیتا تھا اور بہت سی موم بتیاں جو مسیح کی پیدائش کا جشن منانے کے لئے روشن کی گئی تھیں اب بھی جل رہی تھیں۔ ایک جگہ اصطبل میں نومولود مسیح کو دکھایا گیا تھا مریم عذرا اور یوسف (مسیحی عقیدہ کے مطابق مریم عذرا کے شوہر) کو بھی دکھایا گیا تھا۔ یہی خانوادۂ مقدس (ہولی فیملی) اب مسیحیت کی بنیاد ہے۔ جس مقصد کے لئے مسیح علیہ السلام مبعوث کئے گئے تھے اسے ان کی امّت فراموش کرچکی ہے اور مصلوب مسیح ہی معبود بنادئے گئے ہیں۔ خود مسلمانوں نے بھی اسلام کے اصل پیغام کو بھلادیا اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کائنات کی علت غائی' سرور کائنات' احمد بے میم اور نہ جانے کیا کیا بنادیا۔ انسانی فطرت کا یہ بگاڑ کسی ایک قوم یا نسل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ شرک مسیحیوں میں بھی ہے اور مسلمانوں میں بھی ؎

در کلیسا ابن مریم را بدار آویختند
مصطفیٰ از کعبہ ہجرت کرد با امّ الکتاب

بس میں ایک صاحب کشمیری بھی تھے ان کی صاحبزادی بنگلور میں ڈینٹل سرجن (معالج امراض دنداں) کا کورس کررہی ہیں وہ اپنی صاحبزادی کے ہمراہ تھے۔ رحمانی صاحب سے ملاقات ہوئی باتوں باتوں میں حضرت بل کا ذکر آگیا اس وقت حضرت بل سے کشمیری انتہاپسندوں کو نکالے جانے کا واقعہ ہوچکا تھا۔ رحمانی صاحب نے حضرت بل کی تاریخی یا شرعی حیثیت تسلیم کرنے سے انکار کردیا لیکن ان صاحب کا اصرار تھا کہ وہاں جو موئے مبارک ہے وہ اصلی ہے اور یہ بات تاریخی حقائق سے ثابت ہوچکی ہے رحمانی صاحب نے انہیں بتایا کہ اسلام میں اس قسم کی باتوں یا چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور نہ ایمان وعقیدہ سے اس کا کوئی تعلق ہے لیکن وہ صاحب جو خاصے پڑھے لکھے اور معتبر معلوم ہوتے تھے برابر اس پر جمے رہے کہ موئے مبارک اصلی ہے اور کشمیریوں کی اس سے عقیدت جائز ہے۔

اب ہماری بس اپنے آخری سپاٹ یعنی بندرا بن کی طرف رواں دواں تھی جو کرناٹک ہی نہیں بلکہ شاید پورے ہندوستان کی بہترین تفریح گاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ بس ایک پہاڑی راستے سے گذر رہی

تھی جو بہت ہی ڈھلان والی پُر پیچ تنگ سڑک ہے۔ ڈھلان ایسی کہ اگر خدانخواستہ ڈرائیور سٹیرنگ پر کنٹرول کھودے یا بریک فیل ہوجائیں تو شاید بس کا سلامت رہنا بھی محال ہو۔ میں چونکہ ونڈ سکرین کے بالکل پیچھے بیٹھا تھا اس لئے راستہ کی اس وحشتناکی سے زیادہ ہی مضطرب رہا تھا ورنہ پیچھے جو لوگ بیٹھے تھے اور ان کے سامنے پہاڑی راستہ کا یہ خطرناک ڈھلان نہیں تھا وہ سب اپنی باتوں اور خوش گپیوں میں مگن تھے۔ بس تقریباً بالکل نئی تھی اور اس کا مدراسی ڈرائیور بھی بہت ہوشیار تھا اور چونکہ ان ڈرائیوروں کا ان خطرناک راستوں پر روزانہ کا آنا جانا رہتا ہے اس لئے وہ راستہ کے ہر موڑ اور پیچ سے واقف ہوتے ہیں اور بغیر کسی پریشانی کے ڈرائیو کرتے ہیں۔ یہ راستہ اتنی بلندی پر تھا کہ نیچے میسور شہر کی شاہراہ اور عمارتیں چھوٹی چھوٹی سی دکھائی دے رہی تھیں جب ہماری بس بندرابن کے اسٹینڈ پر پہنچی تو شام گہری ہو چلی تھی اور یہاں بسوں کے کارواں قطار در قطار کھڑے تھے۔ چونکہ اس تفریح گاہ کا اصل لطف رات کی نیم تاریکی اور مدھم روشنی میں آتا ہے اس لئے شام کے وقت ہی سیاح آتے ہیں۔ لوگوں کی اتنی بھیڑ تھی کہ دور دور تک انسانوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ پندرہ بیس ہزار سے کم کیا ہوں گے۔ یہ تفریح گاہ ایک بیراج کے ساتھ بنائی گئی ہے جو دریائے کاویری پر ہے۔ جگہ جگہ مرحلہ وار پانی چھوڑا جاتا ہے آخری بیراج پر پانی طوفانی انداز سے آتا ہے جبکہ شروع کے باندھ پر بہت سست رفتاری سے نکلتا ہے۔ ایک طویل پل پار کرکے اس جگہ پہنچے جہاں پارک بنایا گیا ہے۔ جگہ جگہ پانی کے فوارے چل رہے ہیں۔ مدھم روشنی میں پانی کے آبشار ایک ترنم ریز بہاؤ کے ساتھ رواں ہیں کئی جگہ جو آبشار بنائے گئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لال قلعہ کی حرم سرا میں بنے ہوئے آبشاروں کی نقل کی گئی ہے۔ مغلوں نے سب سے پہلے اپنے محلوں میں پانی کو اس حسین انداز سے استعمال کیا کہ "جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" کا سماں دکھائی دینے لگا۔ اب تو رزم میں اسی مغل ذوق کا سہارا لیا جارہا ہے۔ دہلی میں کالندی کنج بھی ایسا ہی ایک چھوٹا سا پکنک اسپاٹ ہے اور بہت دلکش ہے لیکن میسور کا یہ مقام اپنی وسعت اور کشش کے لحاظ سے کالندی کنج سے کئی گنا بڑا ہے کافی آگے جاکر ایک وسیع وعریض جھیل میں بجرے (چھوٹے چھوٹے اسٹیمر) چل رہے تھے اور لوگ ان کشتیوں میں جھیل کی سیر کر رہے تھے رحمانی صاحب بھی جلدی سے دو ٹکٹ لے آئے اور ہم بھی ایک کشتی میں سوار ہوگئے۔ نیم تاریکی میں کشتی کا یہ سفر بڑا خوشگوار معلوم ہوتا تھا۔ حافظ نے آب رکن آباد اور گلگشت مصلیٰ کا جو ذکر کیا ہے شاید وہ ایسی ہی تازگی بخش اور حیات افروز تفریح گاہ ہوگی۔

بدہ ساقی مئی باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنار آب رکن آباد و گلگشت مصلیٰ را

کشتی میں دریا کی سیر کرکے اب واپسی کا مرحلہ آیا رات کافی ہو چکی تھی اور سیاحوں کو بنگلور واپس پہنچنا تھا۔ اس لئے اسی بھیڑ بھاڑ اور نیم تاریکی میں طویل راستہ طے کرکے بس تک پہنچے اور بس مسافروں کو لے کر تیزی سے بنگلور کی طرف دوڑنے لگی۔ تقریباً گیارہ بجے ہم بنگلور پہنچ گئے اور پھر تھری وہیلر سے جناب عبدالجلیل صاحب کی قیام گاہ پر اترے صبح یعنی اتوار کو ہمیں بمبئی کے لئے روانہ ہونا تھا۔

بنگلور کی دلکشی نے ہمارے دل ودماغ پر گہرا اثر کیا۔ اگرچہ صرف ڈیڑھ دن کے قیام میں شہر کی سیر نہیں کی جاسکتی تھی تاہم جس قدر دیکھا اس سے اس شہر کی خوبصورتی کا نقش ذہن پر مرتسم ہوگیا۔ بنگلور جنوبی ہند کے اہم ترین شہروں میں سے ہے ریاست کرناٹک کی راجدھانی ہونے کے علاوہ یہ مسلمانوں کا بھی بڑا اہم مرکز ہے۔ جماعت اہلحدیث کا بھی اہم مقام ہے یہاں کے مسلمان اپنے تعمیری کاموں میں خاموشی اور سکون سے معروف رہتے ہیں یہیں "الامین" سوسائٹی کا بھی صدر دفتر ہے۔ یہ سوسائٹی پروپیگنڈے اور نمائش سے بے نیاز مسلمانوں کی اقتصادی اور تعلیمی فلاح کے لئے بنیادی کام کر رہی ہے اور شمالی ہند میں بھی اس نے اپنا دائرۂ عمل بنالیا ہے شہر سے اردو روزنامہ سالار بھی نکلتا ہے جس کا مسلمانوں پر خاصا اثر ہے۔ یہاں مسلمانوں میں تین طبقے مانے جاتے ہیں دکنی، قریشی اور لوابین۔ دکنی یہاں کے اصل باشندے ہیں جبکہ قریشی اور لوابین جنوب کے دیگر علاقوں سے ہجرت کرکے یہاں آباد ہوئے ہیں۔ اکثر لوگ تجارت پیشہ ہیں اور بیشتر خوشحال اور کامیاب تاجر ہیں۔ نسلی اور مقامی غیر مقامی کی کشمکش بظاہر نمایاں معلوم نہیں ہوتی۔ لوگوں کا رجحان دین کی طرف ہے ہم نے جن مساجد میں نماز ادا کی وہاں مصلیوں کی بھیڑ دیکھی۔ دینی تعلیم کی طرف بھی رجحان ہے اور یہ سب باتیں بڑی خوش آیند اور حوصلہ افزا ہیں۔

بنگلور

خوشا بنگلور یک شہر حسین است
زآثار کہن روشن جبین است
نشانِ سطوتِ سلطان ٹیپو
حدیثِ عظمتِ مارا امین است
ہجوم مومناں اندر مساجد
فروزاں مشعل انوار دین است
نسیم صبح رقصاں، عنبر افشاں
غزلاں شاعر عزلت گزین ست
بہر سو باغ و راغ و سبزہ و گل
عجب فردوس منظر ایں زمین است
بیاور لال باغ و سیر گل کن
دلت گر از غمِ دنیا حزین است
ببیں رحمانی عینک محل را
چہ پاکیزہ بنائے دلنشین است
بیا اینجا فلک رفعت قمر ہیں
تعالی اللہ چہ حیرت آفرین است
طراز جنت کشمیر دیدی
بہارِ گلشنِ بنگلور این ست
بہ روح خویش برسیدم چہ گوئی
بگفتا خاتم دل را نگین ست
چوں من بنگلور را دیدم بگفتم
اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین ست و ہمین ست و ہمین ست

اتوار کی صبح ہم بنگلور ہوائی اڈے سے بمبئی کے لئے روانہ ہوئے اور دوپہر تک بمبئی پہنچ گئے۔ جناب مولانا یار محمد صاحب سلفی ہوائی اڈے پر ہمارے منتظر تھے۔ ٹیکسی لے کر روانہ ہوئے اور بمبئی کے مختلف علاقوں اور کالونیوں کا چکر لگاتے ہوئے ایک مضافاتی بستی میں پہنچے جہاں رحمانی صاحب کو ایک جماعتی مدرسے کا معائنہ کرنا تھا۔ اس مدرسہ میں لڑکیاں اور لڑکے دونوں زیر تعلیم ہیں۔ اور دونوں شعبے الگ الگ قائم ہیں۔ رحمانی صاحب نے مدرسہ سے متعلق معلوماتِ حاصل کیں۔ نصاب، دار الاقامہ، اساتذہ و طلبہ کی تعداد، مدرسہ کی املاک وغیرہ۔ کچھ دیر کے بعد یہاں سے روانگی ہوئی اور ہم بائیکلہ میں مرکز کے دفتر پہنچ گئے۔ اسی شام کو ایک مجلس کا اہتمام کیا گیا تھا تاکہ مرکز کے اس دفتر میں تعلیمی و تبلیغی سرگرمیاں شروع کرنے کے بارے میں کوئی لائحۂ عمل مرتب کیا جاسکے۔ جناب مولانا یار محمد صاحب سلفی نے جماعت کے افراد کو پہلے ہی دعوت دے دی تھی۔ بعد نماز مغرب اچھی خاصی تعداد میں ارباب جماعت تشریف لے آئے۔ مولانا شمس پیرزادہ بھی تشریف لائے تھے۔ رحمانی صاحب نے اس ادارہ کے اغراض و مقاصد کی روشنی میں جہاں تعلیمی و تبلیغی سرگرمیاں شروع کرنے کی بابت اپنے خیالات رکھے۔ ان کے خیال میں یہاں جدید عربی کی کلاسیں بھی شروع کی جائیں اور بمبئی یونیورسٹی اور دیگر کالجوں میں زیر تعلیم طلبہ کے لئے دینیات کا کورس بھی شروع کیا جائے تاکہ جو طلبہ خلیجی ممالک جانے کے خواہشمند ہیں یا کمپیوٹر وغیرہ کا کورس کرنا چاہتے ہوں انہیں زبان کی دشواری پیش نہ آئے اور جو طلبہ عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم حاصل نہیں کرسکے وہ جز وقتی طور پر یہاں حاصل کرلیں۔ جناب شمس پیرزادہ نے اپنے تجربات اور خیالات پیش کئے دیگر حضرات نے بھی کھل کر تبادلۂ خیالات میں حصہ لیا بچیوں کی تعلیم کا سوال بھی زیر بحث آیا کہ آیا یہاں مسلم بچیوں کی درسگاہ قائم کی جاسکتی ہے؟ یہ بھی تجویز پیش کی گئی کہ ملی و ملکی حالات پر اظہار خیال کے لئے اہم افراد کو مدعو کیا جائے اور ہر ماہ کسی اہم موضوع پر مذاکرہ کا اہتمام کیا جائے تاکہ مسلمانوں کی فکری رہنمائی ہوسکے۔ رحمانی صاحب نے ان تمام تجاویز پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد عشاء کی نماز ادا کی گئی اور مجلس برخاست ہوگئی۔ دوسرے دن رحمانی صاحب تھانے ضلع میں کوسہ ممبرا کے مقام پر جناب مولانا عبدالحکیم صاحب کا مدرسہ دیکھنے کے لئے گئے جو ایک پہاڑ کے دامن میں قائم کیا گیا ہے اور ابھی تعمیراتی کام بھی جاری ہے۔ مولانا یار محمد صاحب نے رحمانی صاحب کی ہدایت کے تحت مدرسہ سے متعلق جملہ معلومات اپنی نوٹ بک میں ضبط کرلیں۔ یہاں رحمانی صاحب نے آس پاس کے علاقے میں تعمیراتی کام بھی دیکھے کئی زیر تعمیر عمارتوں کو دیکھا اور ان کے مالکان سے بات چیت کی۔ یہ علاقہ بمبئی سے الگ ایک دوسرے ضلع میں ہے لیکن بمبئی سے قریب ہونے کی وجہ سے کاروباری سرگرمیوں کا مرکز

بن گیا ہے۔ بمبئی لوکل ٹرین سے صرف ایک گھنٹہ میں یہاں پہنچا جاسکتا ہے اس لئے بہت سے لوگ جنہیں بمبئی میں رہائش نہیں مل پاتی وہ اس مضافاتی شہر میں رہتے ہیں۔ رحمانی صاحب بھی مرکز کے اسٹاف کے لئے یہاں جگہ کی تلاش میں تھے تاکہ یہ عملہ اہل وعیال کے ساتھ یہاں رہ سکے اور زیادہ دلجمعی سے ادارہ کا کام کرسکے۔ بڑے بڑے شہروں میں عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ نواحی بستیوں میں لوگ رہائش اختیار کرتے ہیں۔ دہلی میں لاکھوں آدمی ہریانہ، پنجاب اور یوپی سے آتے ہیں صبح آتے ہیں دن بھر کام کرکے شام کو قریب کے چھوٹے شہروں میں واپس چلے جاتے ہیں ریلوے اور بس سفر کی آسانیوں کے سبب یہ کافی آسان ہو گیا ہے اور پھر جن کے پاس اپنی گاڑیاں ہیں ان کے لئے آمد ورفت کوئی مشکل مسئلہ نہیں رہ جاتا۔ آبادی کے پھیلاؤ، مسائل کے تنوع، الجھاؤ اور پیچیدگیوں نے انسانی زندگی کو مشینی بھی بنادیا ہے اور غیر یقینی بھی انسان ترقی کی منزلیں جتنی تیزی سے طے کرتا جارہا ہے زندگی کو اسی رفتار سے خطرات لاحق ہوتے جارہے ہیں۔ سفر جس قدر آسان ہوگیا ہے حادثات بھی اتنے ہی زیادہ اور خوفناک ہوگئے ہیں۔ امراض کا مقابلہ کرنے کے لئے میڈیکل سائنس نے جیسی ترقی کی ہے پہلے اس کا تصور بھی نہیں تھا لیکن اسی کے ساتھ پہلے ایڈس جیسی بیماری بھی نہیں تھی۔ ٹینشن، ہائی پرٹینشن، بلڈ پریشر جیسے امراض دور قدیم کے انسان کو کب لاحق ہوئے ہوں گے۔ تعداد کے لحاظ سے آج انسان جتنا زیادہ ہے پہلے کبھی نہیں تھا لیکن انسانیت جتنی نادر وکمیاب آج ہے شاید پہلے کبھی نہیں تھی۔ فاصلے مٹ گئے ہیں اجنبیت ختم ہوگئی ہے ساری دنیا ایک وسیع قریہ کی طرح بن گئی ہے ایک ہفتہ میں ساری دنیا کا چکر لگایا جاسکتا ہے مگر دلوں کی دوریاں، ذہنوں کی مغائرت اور رہلو شا کا امتیاز بھی اتنا ہی بڑھ گیا ہے۔ سفر کیجئے تو انسانیت کی رسوائی کے مناظر دیکھئے افلاس اور تنعم کی خلیج دیکھئے، خود غرضی وبے حسی کی تصویریں دیکھئے اور اگر احساس زندہ ہے تو دل پر ایک بوجھ اور روح میں ایک خلش لے کر لوٹ آیئے۔

اگر بہ دل نہ خلد ہرچہ از نظر گزرد
زہے روانی عمرے کہ در سفر گزرد

بہر حال ۱۵؍ دسمبر ۱۹۹۳ء کو دہلی سے روانہ ہوکرے ۲؍ دسمبر ۱۹۹۳ء کو بخیر وعافیت دہلی واپس آگئے فللّٰہ الحمد۔

بقیۃ : خبرنامہ

بل منظور کیا تھا اور چونکہ بیشتر ریاستوں اور مرکزی علاقوں نے اپنے قوانین میں درکار ترمیمات کرلی ہیں اس لئے ۲۴؍ اپریل ۱۹۹۴ء سے اس قانون کو ملک میں نافذ اور رائج سمجھنا چاہئے۔

اس قانون کا مطلب دیہی عوام کے ہاتھوں میں زیادہ سے زیادہ اختیارات دینا ہے تاکہ وہ حکومت اور اقتدار میں بلکہ اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنے اور منصوبہ بندی کے عمل میں براہ راست حصہ لینے کے اہل ہوجائیں اور پنچایتی اداروں کو طویل مدت تک بغیر الیکشن کرائے بے عمل رکھنے کا جو طریقہ حکومتوں نے اختیار کر رکھا تھا اس کا خاتمہ ہوجائے۔

کل ہند علماء اہلحدیث کانفرنس

مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے زیر اہتمام ۱۴؍۱۵؍ جون ۱۹۹۴ء کو کل ہند علماء اہلحدیث کانفرنس منعقد ہورہی ہے جس کا مقصد آج کے نازک حالات میں ملت اسلامیہ کی صحیح رہنمائی کرنی اور مستقبل کے لئے واضح لائحہ عمل تیار کرنا ہے۔ اس موقع پر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کے ذمہ داران نے تحریک اہلحدیث کے تعارف کے لئے ایک سووینیر کی اشاعت کا بھی فیصلہ کیا ہے۔

ہدیۂ تبریک

ادارہ التوعیہ ان تمام خوش نصیب حضرات کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے جنہیں امسال بیت اللہ زادھا اللہ شرفاً کی زیارت اور مناسک حج کی ادائیگی کی سعادت نصیب ہوئی اور اللہ رب العزت کے حضور دعاگو ہے کہ وہ اطراف عالم سے اپنے اس مقدس گھر کی طرف آنے والے تمام حجاج کرام کے مبارک اعمال کو قبول فرمائے اور انہیں حج مبرور کی حقیقی سعادتوں سے نوازے آمین

(ادارہ التوعیہ)

اطہر نقوی

اے زمینِ وطن

فکر و تہذیب کے مرغزار کہن
علم و عرفان روحانیت کے چمن
دلبرانِ ادب کی حسیں انجمن
تجھ پہ قرباں دل و روح اور جان و تن
اے زمینِ وطن اے زمینِ وطن

ہم نے دی تجھ کو توحید کی روشنی
وحدتِ نسلِ آدم کا عرفان بھی
فنِ تعمیر کا حسن اور دلکشی
ہم حنا بند تہذیبِ گنگ و جمن
اے زمینِ وطن اے زمینِ وطن

کتنے تہذیب و فن کے جواں قافلے
تیری دلکش فضاؤں میں آکر ملے
ان کو تجھ سے ملے کچھ نئے ولولے
تجھ کو ان سے ملا اک نیا بانکپن
اے زمینِ وطن اے زمینِ وطن

ہم بھی افرنگ سے برسرِ جنگ تھے
جوشِ حُبِّ وطن سے ہم آہنگ تھے
ہم بھی لالہ قبا تھے شفق رنگ تھے
بڑھ کے ہم نے بھی چومے ہیں دار و رسن
اے زمینِ وطن اے زمینِ وطن

آریہ پہلے باہر سے آئے یہاں
اور پھر اہلِ اسلام کا کارواں
تیری دلکش فضاؤں میں گونجی اذاں
طائرانِ حرم یاں ہوئے نغمہ زن
اے زمینِ وطن اے زمینِ وطن

بعد آزادیِ مادرِ ہند اب
زندگی بن گئی نامِ رنج و تعب
اب ہوا سبزہ بیگانہ اپنا لقب
اجنبی سارے دیوار و بامِ وطن
اے زمینِ وطن اے زمینِ وطن

ہر جگہ قتل، خوں اور آتش زنی
ہر طرف رہ زنی ہر جگہ دشمنی
ہر نظر فکر و احساس کی جانکنی
ہر قدم مرحلہ ہائے دار و رسن
اے زمینِ وطن اے زمینِ وطن

دیکھ بمبئی کی خوبصورت زمیں
مدھیہ پردیش کی وہ حسیں نازنیں
اور بنگال کی شعلہ رخ مہ جبیں
آج پہنے ہوئے سب ہیں خونیں کفن
اے زمینِ وطن اے زمینِ وطن

ہم مسلمان ہیں کیا یہی جرم ہے
عقل و عرفان کی روشنی جرم ہے
آگہی جرم ہے زندگی جرم ہے
تیری دنیا میں کیوں ہے نرالا چلن
اے زمینِ وطن اے زمینِ وطن

تیرے گلشن کو کس کی نظر کھا گئی
ہر کلی صرصرِ غم سے مرجھا گئی
زندگی موت کی راہ پر آ گئی
ہے خزاں آشنا لہلہاتا چمن
اے زمینِ وطن اے زمینِ وطن

آہ یہ شعلۂ اقتدارِ ہوس
آہ یہ کاروبارِ جنوں ہر نفس
پھونک ڈالا چمن صورتِ خار و خس
ہائے یہ کشمکش ابتلا اور فتن
اے زمینِ وطن اے زمینِ وطن

یہ سیاست کی ہیں طرفہ نیرنگیاں
مٹ گیا امن و انسانیت کا نشاں
اب کہاں ہے وہ ماضی کا ہندوستاں
وہ رواداریاں وہ خلوص اور چلن
اے زمینِ وطن اے زمینِ وطن

یہ فسادات سفاکیاں اور جنوں
یہ سیاست میں مذہب کا بڑھتا فسوں
دیکھ انسان ہے کتنا خوار و زبوں
یہ تڑپتے بلکتے ہوئے مرد و زن
اے زمینِ وطن اے زمینِ وطن

اب کہاں زندگی کی وہ زندہ دلی
جبر حالات نے ہر خوشی چھین لی
خون میں ڈوب کر رہ گئی زندگی
آج ملت ہے اور فکرِ گور و کفن
اے زمینِ وطن اے زمینِ وطن

یہ نظم بابری مسجد کی انہدام کے بعد ملک گیر فسادات کے پس منظر میں لکھی گئی تھی

مجلۃ "البیان" لندن

ترجمانی: ابوفوزان مدنی
مدرس جامعہ اسلامیہ، سنابل

غانا میں مسلمانوں کا قتلِ عام

دشمنان اسلام کی سازشوں کے نتیجہ میں مسلمانان "غانا" جن مصائب و آلام کا شکار ہیں ان سے دنیا کے بہت سے مسلمان ناواقف ہیں۔

قابل افسوس بات یہ ہے کہ عربی پریس بھی دنیا کی توجہ اس جانب مبذول کرانے میں ناکام ہے۔

"غانا" کے شمالی علاقہ میں "بمبلا" نامی بستی جو دارالسلطنت "اکرا" سے ۶۴۰ کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ ۱۰ فروری ۱۹۹۴ء کو جنگ کا آغاز ہوا۔ مذکورہ علاقہ میں مسلمانوں اور بت پرستوں کے متعدد قبائل آباد ہیں سب سے بڑا قبیلہ "داغمبا" ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد ۹۶ فیصد ہے۔ دوسرے اور چار قبائل آباد ہیں جن میں مسلمانوں کا تناسب ۷۰ فیصد سے لیکر ۸۸ فیصد تک ہے۔ انہیں کے ساتھ دیگر بت پرست اور نصرانی قبائل بھی پائے جاتے ہیں۔ ایک نصرانی قبیلہ "کو نکمبا" نامی ہے۔ یہ ایک بربریت پسند اور وحشی قبیلہ ہے۔ جو زمین میں ہمیشہ فساد برپا کرتا رہتا ہے۔ اس جنگ میں یہ قبیلہ مسلمانوں کے خلاف پوری قوت کے ساتھ شریک ہے۔

اس فتنہ کا اصل سبب دشمنان اسلام نصاریٰ کی سازش ہے جس کا آغاز آج سے بارہ سال قبل ہوا تھا۔ اس خطہ کے مسلمانوں میں کافی دولت لٹا کر اور غذا و لباس کا لالچ دے کر اس خطہ پر تسلط حاصل کرنے اور وہاں نصرانیت پھیلانے میں جب تبشیری کوششیں ناکام ہوئیں تو نصاریٰ نے مکر و فریب اور آپس میں لڑانے کا ناپاک اسلوب اپنایا۔ "کو نکمبا" قبیلہ کو مسلمانوں کے خلاف کھڑا کر دیا اور اسے اسلامی خطہ "داغومبا" کے مطالبہ پر اکسانا شروع کیا تاکہ ان کو ایک خود مختار علاقہ حاصل ہو جائے۔

جب خطہ کے عوام نے نصاریٰ کے منصوبوں کو ٹھکرادیا تو انہوں نے جبراً خطہ پر قبضہ کرنے کی کوشش شروع کردی۔ نصرانی قبائل کو اسلحہ فراہم کیا اور ٹریننگ دینی شروع کی۔ جب وہ کیل کانٹے سے اچھی طرح لیس ہو گئے تو انہوں نے مسلمانوں پر دھاوا بول دیا تاکہ قبضہ کے بعد انہیں اس علاقہ سے باہر نکال دیا جائے اور وہاں چرچ اور نصرانی مدارس قائم کئے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے مکانوں اور کھیتیوں کو نذر آتش کیا۔ مساجد کو مسمار کیا۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو خوف زدہ کیا۔ مختلف جدید ہتھیاروں کا بے دریغ استعمال کیا۔ اس خونریزی میں بت پرستوں نے نصاریٰ کا ساتھ دیا اور ان کو ہر ممکن امداد فراہم کیا۔

خونریزی کا نتیجہ

اس لڑائی کے نتیجہ میں نہایت بھیانک حوادث رونما ہوئے چنانچہ نصاریٰ اور ان کے معاونین نے ڈیڑھ سو بستیوں پر حملہ کرکے وہاں کے باشندگان کے ساتھ بدترین سلوک کیا۔ مکانوں کو تباہ و برباد کیا۔ خصوصاً مساجد کو صلوٰۃ ادا کرنے والوں سمیت پوری شدت و قساوت کے ساتھ مسمار اور نذر آتش کیا۔

حکومتی اعداد و شمار کی روشنی میں تقریباً سو مساجد کو یا تو جلا دیا گیا یا منہدم کر دیا گیا۔ "سامبو" نامی گاؤں میں ایک مسجد منہدم کرکے امام سمیت ۷۰ مصلیوں کو قتل کر دیا گیا۔ "سوسن" نامی بستی میں دشمنوں نے مسجد میں گھس کر نمازیوں کی بیشتر تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ "زیزفو" گاؤں میں مسجد کو نذر آتش کرنے کے بعد مصلیان کو موت کا جام پلا دیا گیا۔ اسی نوعیت کے واقعات "سلباتی" و "مکیلی" وغیرہ گاؤں میں پیش آئے۔ تقریباً چھ سو مکانوں کو یا تو جلا دیا گیا یا مسمار کر دیا گیا۔ ایک ہزار سے زائد زراعتی فارموں کو نذر آتش کرکے غارت کر دیا گیا۔

حکومتی اعداد و شمار کے مطابق ہلاکت شدگان کی تعداد آٹھ ہزار ہے۔ ادھر ادھر منتشر لاشوں کی تدفین کا کام جاری ہے۔ گھروں سے نکالے گئے پناہ گزینوں کی تعداد بیس ہزار سے متجاوز ہے۔ ان میں چار ہزار "تمالی" میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔

بوڑھے، بچے اور عورتیں جو کسی ٹھکانہ پر پہنچنے میں اب تک کامیاب نہیں ہیں۔ ان کا انجام اللہ ہی بہتر جانتا ہے "توجو" کے حدود میں پہنچنے والوں کی تعداد تقریباً پانچ ہزار ہے۔ یہ پناہ گزیں نہایت مشکل حالات کا سامنا کرنے پر مجبور ہیں۔ اور از حد کس مپرسی کے عالم میں زندگی گذار رہے ہیں۔ انہیں غذا اور لباس کی شدید ضرورت ہے اسی طرح ان میں بہت سے زخمی زندگی کی لازمی ضرورتوں کے ساتھ دوا علاج [illegible]

بعض مقامی وعلاقائی اور بعض بیرونی رفاہی وامدادی اداروں نے یہاں کے مسلمانوں بالخصوص پناہ گزینوں کی امداد وتعاون کرنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ لیکن یہ امداد ناکافی ہے۔

درج ذیل ادارے رفاہی عمل میں سرفہرست ہیں۔

۱- المجلس الأعلى للدعوة والبحوث الإسلامية-تمالی

۲- جماعة الهدى - اکرہ

۳- مجلس التنمية - بيت الزكاة - الكويتي- الكويت

۴- جمعية إحياء التراث الإسلامي - الكويت

نصاریٰ اور دیگر غیر مسلم حملہ آور مسلم شہر "یاندی" پر ناجائز قبضہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ایک ہفتہ سے اس شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے اور اپنی پوری قوت اس جانب مرکوز کر رکھی ہے۔ لیکن بحمد اللہ مسلمان اس شہر کا پوری شجاعت وبسالت کے ساتھ دفاع کر رہے ہیں اور دشمنوں کو ناکام واپس ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ ان دنوں حالات کچھ بہتر ہوئے ہیں۔ لڑائی کی شدت میں بھی کمی واقع ہوئی ہے۔ اس لئے کہ فوج نے مداخلت کرتے ہوئے بت پرستوں پر فضائی حملہ کرکے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ان سے دو سو سے زائد کلاشنکوف اور آر۔ پی۔ جی۔ توپ وغیرہ ہتھیار چھین لیا ہے۔ فوجیوں کی نامعلوم تعداد کی ہلاکت کے بعد تین ماہ کے لئے خطہ میں ایمرجنسی نافذ کردی گئی ہے۔

اس بدترین خونریزی کی تلخ تر حقیقت یہ ہے کہ نصاریٰ اور بت پرست اپنے عزائم کی تکمیل کر چکے اور اپنے ناپاک مقاصد میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا، انہیں ترک وطن پر مجبور کر دیا، بہت سی مسجدوں، مکانوں اور کھیتیوں کو مسمار وویران کر دیا اور ان کی زمین کے بڑے حصہ پر غاصبانہ قبضہ جمالیا ہے۔ پورے خطۂ عالم میں منتشر تباہ حال مسلمانوں کی طرح یہاں کے مسلمان بھی مصائب وآلام میں مبتلا ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو عزت وسربلندی عطا کرے۔

(ماخوذ از مجلۃ "البیان" لندن شمارہ ۷۵، ذی القعدہ ۱۴۱۴ھ۔)

قربانی قرآن میں

(۱) وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ

(الحج : ۳۴)

ترجمہ: اور ہم نے قربانی کا طریق مقرر کر دیا ہے تاکہ جو مویشی چارپائے اللہ نے ان کو دیئے ہیں ان کے ذبح کے وقت ان پر اللہ کا نام لیں۔

(۲) قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ

(الانعام ۱۶۲)

ترجمہ: اے نبی کہو کہ میری صلاۃ، میری قربانی میری زندگی اور موت اللہ سارے جہان کے رب کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے۔

(۳) فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (الکوثر : ۲)

ترجمہ: اے نبی پس آپ اپنے رب کے لیے صلاۃ ادا کریں اور قربانی کریں۔

جماعت "انصار السنۃ المحمدیۃ" (اہلحدیث) کے صدر دفتر کا بیان

ترجمانی: شکیل احمد اختر حسین

سوڈان میں جماعت "انصار السنۃ المحمدیۃ" (اہلحدیث)
کی مسجد میں صلاۃ ادا کرنے والوں پر توڑے گئے مظالم

تمام تعریفیں صرف اس اللہ کے لئے ہیں مصیبت کے وقت جس کے علاوہ کسی کی حمد نہیں کی جاتی، اسی نے آلام و مصائب کو اہل ایمان کا راستہ بنایا ہے۔ صلوۃ و سلام ہو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کا ارشاد ہے:

إذا أصاب أحدكم مصيبة فليذكر مصيبته بي فإنها من أعظم المصائب - (بیہقی و طبرانی)

یعنی جب تم میں سے کسی کو کوئی مصیبت لاحق ہو تو اسے چاہیئے کہ میرے اوپر طاری ہونے والی مصیبت یاد کرے کیونکہ وہ عظیم ترین مصائب میں سے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (آل عمران: ۱۶۹)

جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل کر دیئے گئے انہیں مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس انہیں رزق دی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من مجروح يجرح في سبيل الله - والله أعلم بمن يجرح في سبيل الله - إلا جاء يوم القيامة وهو كهيئته يوم جرح - اللون لون الدم والريح ريح المسك- (ابن ماجہ)

نہیں ہے کوئی زخمی کہ جسے اللہ کی راہ میں زخمی کیا گیا۔ اور اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی کیا گیا۔ مگر یہ کہ وہ قیامت کے دن اسی حالت میں آئے گا جس حالت میں وہ زخمی ہونے والے دن تھا، رنگ تو خون کا ہوگا مگر خوشبو مشک کی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ - الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ - (البقرة: ۱۵۵-۱۵۷)

ہم تمہیں خوف، بھوک، مال، جان اور پھلوں میں کمی کے ذریعہ آزمائیں گے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے جنہیں جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے سلامتی اور رحمت کا نزول ہوتا ہے اور یہی لوگ ہدایت یاب ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إن الغادر ينصب له لواء يوم القيامة فيقال له ألا هذه غدرة فلان بن فلان- (متفق عليه)

قیامت کے دن دھوکہ دینے والے کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کا دھوکہ ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ
(البقرة: ۱۷۹)

اے اہل عقل و دانش قصاص ہی میں تمہارے لئے زندگی ہے۔

۲۳ر شعبان ۱۴۱۴ھ مطابق ۴ر فروری ۱۹۹۴ء بروز جمعہ ام درمان کے محلہ ۲۱ "ثورہ" میں واقع جماعت "انصار السنۃ المحمدیۃ" سوڈان کی ایک مسجد میں جس کی امامت وخطابت شیخ ابو زید محمد حمزہ کے ذمہ ہے لوگوں نے صلوٰۃ جمعہ ادا کی۔ خطبۂ جمعہ کا موضوع تزکیۂ نفس اور ماہ رمضان تھا۔ شیخ ابو زید کے ضلع "شرق النیل" میں صلوٰۃ جمعہ پڑھانے کی وجہ سے ان کی نیابت جماعت کے ایک دوسرے نوجوان عالم نے کی۔ بعدہ ایک ترجمان نے اس منہج پر روشنی ڈالی جو جماعت نے ہر جگہ اختیار کر رکھا ہے۔

صلوٰۃ جمعہ کی ادائیگی کے بعد مصلّی مسجد سے نکل ہی رہے تھے کہ اچانک ان پر دو نامعلوم مسلح افراد نے حملہ کر دیا اور اپنے آٹومیٹک ہتھیاروں کا رخ صلوٰۃ ادا کرنے والوں کی طرف کرکے ان معصوم (بے گناہ) اور مادی ہتھیاروں سے عاری مگر ایمانی ہتھیار سے لیس لوگوں پر گولیاں برسانے لگے۔ گولیوں کا اصل نشانہ مسجد کا اگلا حصہ اور منبر تھا۔ ان دونوں حملہ آوروں نے مصلّیوں کے جسم پر ان جگہوں کو نشانہ بنایا جو مہلک ثابت ہوں اور وہ جانبر نہ ہو سکیں۔ دونوں حملہ آور اسلحہ کے استعمال اور نشانہ بازی میں ماہر تھے۔ فائرنگ کے نتیجہ میں پورا صحنِ مسجد خون سے بھر گیا۔ اور "انصار السنۃ" کے باصلاحیت جوان مسجد کے اندر اور باہر زخمی ومقتول ہو ہو کر گرنے لگے۔ بعض نوجوانوں نے ایک محفوظ جگہ تلاش کی اور مصلّیوں کو اس میں لئے گئے اور نعرۂ تکبیر بلند کرنے لگے۔ نعرۂ تکبیر سن کر قاتل مسجد سے نکل بھاگے۔

حملہ سے قبل قاتلوں نے ام درمان کے محلہ ۱۱ "ام بدہ" میں واقع ایک پولیس اسٹیشن سے کئی آٹومیٹک ہتھیار اپنے قبضہ میں کر لئے تھے اور محلہ ۲۱ میں "انصار السنۃ" کی مسجد تک پہنچنے کے لئے ایک باکس ماڈل ۸۱ گاڑی بھی حاصل کر لی تھی۔

اس المناک خبر کے سنتے ہی فوراً جماعت کے قائدین جائے حادثہ اور ام درمان ہاسپٹل کی طرف دوڑ پڑے۔ جماعت "انصار السنۃ المحمدیۃ" سوڈان کے رئیس عام شیخ محمد ہاشم الہدیہ، شیخ ابو زید محمد حمزہ، جماعت کے جنرل سکریٹری، ان کے دفتر کے تمام ارکان، دار الحکومت میں جماعت کے وابستگان، باشندگان کا جم غفیر اور حکومت کے بعض ذمہ داران وہاں پہنچے۔ محلہ ۱۱ "ثورہ" کی مسجد کے بالمقابل ایک وسیع میدان میں رئیس جماعت شیخ محمد ہاشم الہدیہ ایک جم غفیر کے ساتھ پہنچے۔ مجمع اتنا بڑا تھا کہ میدان اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگ پڑ گیا۔ تمام لوگوں نے مسجد میں مقتول اپنے جوانوں کی صلوٰۃ جنازہ ادا کی۔

اس حادثہ پر تعزیت کے لئے آئے ہوئے نائب صدر جمہوریہ اور وزیر داخلہ سے ایک ملاقات میں جماعت "انصار السنۃ" کے صدر دفتر نے مجرموں کو گرفتار کرنے اور کھلی عدالت میں ان پر مقدمہ چلائے جانے کا مطالبہ کیا۔ دونوں ذمہ داروں نے بہتر کارروائی کے لئے اطمینان دلایا۔

"انصار السنۃ المحمدیۃ" کا صدر دفتر اس غیر متوقع المناک حادثہ میں ہلاک ہونے والے اپنے ان ۱۸ باصلاحیت سلفی جوانوں کی شہادت پر اللہ سے ثواب کی امید رکھتا ہے جن میں کوئی جج تھا اور کوئی انجینئر، کوئی یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا اور کوئی استاذ، کوئی ملازم تھا اور کوئی عام طالب علم، کوئی جوان اور کوئی بچہ، اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عمل کو شرف قبولیت بخشے اور انہیں فردوس اعلیٰ میں جگہ نصیب فرمائے۔ نیز اپنے ان ۱۹ جوانوں کے لئے بھی دعا کرتا ہے جو اس حادثہ میں زخمی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں شفاء عاجل اور دائمی اجر عطا فرمائے۔

مرکز اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اس طرح کی منصوبہ بند دھوکہ دہی کی سازش جس کا مقصد جماعت کی اعلیٰ قیادت، اس کی مساجد اور اس کے نوجوانوں کو نشانہ بنانا ہے ان سرگرمیوں کا ایک حصہ ہے جو صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے اور امت کے صحیح عقیدہ کے مخالفین کے دلوں میں چھپے ہوئے بغض وعناد کا پتہ دیتی ہیں۔ جہاں جماعت اللہ کے فیصلہ اور اس کی تقدیر پر راضی برضا ہے وہیں اسے اس بات کا پختہ یقین بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ خائنوں کی سازش ناکام بنا دے گا اور اس طرح کی

"السنة" برمنگھم، برطانیہ ترجمانی: شکیل احمد اختر حسین

مسجد "انصار السنة" کا خونچکاں حادثہ مجرم کون؟

حالیہ چند دنوں میں کئی خونچکاں واقعات پیش آئے ہیں جن میں مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ مسجد ابراہیم میں خون کی ہولی' بوسنیا میں قتل عام' کابل میں خونریزیاں اور مصر و جزائر میں مسلمانوں کی جانوں سے کھلواڑ اس کی چند مثالیں ہیں۔ اسی نوعیت کا ایک حادثہ ۴ر فروری ۱۹۹۴ء کو "انصار السنۃ المحمدیۃ" سوڈان کی ایک مسجد میں اس وقت پیش آیا جب مصلی صلوٰۃ جمعہ ادا کرنے کے بعد مسجد سے نکل رہے تھے۔ دہشت پسندوں کی ایک ٹولی نے مسجد میں داخل ہو کر بوڑھے' بچے اور جوانوں میں تفریق کئے بغیر مصلیوں پر گولیوں کی بوچھار کردی۔ یہ ایک ہولناک غیر متوقع حادثہ تھا۔

سوڈان میں شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے مخالفین نے اس حادثہ سے (سیاسی) فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ بعض نے اس حادثہ کا ذمہ دار برسراقتدار حکومت کو قرار دیا کہ اس نے عرب ممالک کے قاتلوں اور مجرموں کے لئے سوڈان کے دروازے کھلے چھوڑ رکھے ہیں۔ جب کہ بعض کا کہنا ہے کہ "اسلامی قومی محاذ" نے "انصار السنہ" سے چلے آرہے اپنے اختلافات کی وجہ سے اس حادثہ کا منصوبہ بنایا تھا۔

اس طرح کے بیانات مبنی بر کذب ہیں' جو اس گروہ کے حکومت اور محاذ اسلامی سے عداوت کا پتہ دیتے ہیں اور حادثہ میں حکومت یا اسلامی قومی محاذ کے ملوث ہونے کی بات ناقابل فہم معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح کا بے بنیاد بیان سرکاری حلقوں کی جانب سے بھی آیا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ قاتل انصار السنہ ہی کے لوگ تھے۔ جماعت کے ارکان کے مابین اختلافات رونما ہوئے اور بڑھتے رہے اسی کے نتیجہ میں مسجد پر حملہ ہوا۔ جب کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیخ محمد حمزہ ابوزید اس خون خرابہ کے اسرار و رموز سے واقف تھے اور یہ کہ کچھ مادی مطالبات تھے جنہیں پورا کرنے سے انکار کیا گیا تھا۔

ان افواہوں کے پھیلنے کے بعد مسجد کے امام و خطیب شیخ محمد حمزہ ابوزید نے خرطوم میں ایک پریس کانفرنس منعقد کرکے ان افواہوں کا ذکر چھیڑتے ہوئے ایک ایک کرکے ان کی تکذیب کی۔ اور قاتلین مجرمین کے بارے میں اپنی اور جماعت کی واقفیت کی تردید کی اور بتایا کہ کسی مادی مطالبہ کا کوئی وجود نہیں ہے۔ نیز کسی مادی مطالبہ کا سوال کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ پورے "انصار [illegible] سے واقف ہی نہیں ہے۔ مخالفین کے ان بے بنیاد مفروضات سے ماحول میں کشیدگی آگئی۔ جماعت "انصار السنہ" کی طرف سے ان افواہوں کی تردید کے بعد حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ کسی ایک طرف مائل ہوئے بغیر حقیقت کا پتہ لگائے' مجرموں اور ان کے پشت پناہوں کی شناخت کرکے حقیقت کا اعلان کرے تاکہ عوام و خواص سب اس سے واقف ہو جائیں اور اس مسئلہ کو ختم کیا جا سکے۔

جو لوگ سوڈان اور اس سے باہر "جماعت انصار السنہ" (اہلحدیث) کی دعوت سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ جماعت قاتل نہیں پیدا کرتی' بلکہ وہ تو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ لوگوں میں دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ طاقت اور تشدد کے استعمال سے پرہیز کرتی ہے جس سے بجا طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قاتل کبھی بھی جماعت سے متعلق نہیں رہے' نہ ان میں کبھی آپسی معاملات تھے اور نہ دونوں فریق میں کسی جانب سے کوئی مادی یا غیر مادی مطالبہ تھا۔

"انصار السنہ" کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ تفتیشی مراحل سے واقفیت رکھے تاکہ اسے خود بھی اطمینان حاصل ہو اور یہ بات آشکار ہو جائے کہ حکومت اور اس کے مؤیدین ان کے قتل و خونریزی کی سازشیں نہیں کرتے ہیں۔

ہماری شدید آرزو ہے کہ ذمہ داران حکومت دشمنان اسلام کے لئے سارے مواقع ختم کردیں تاکہ ان کی کوشش رائیگاں ہو جائے اور اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں کو ناکام بنادے۔

شہر مشہد میں مسجد اہل سنت کا انہدام

امام رضا کی قبر والے علاقہ میں واقع اہل سنت کی ایک قدیم اور بڑی مسجد کا امن فورس اور ایرانی انقلابی فورس نے محاصرہ کرلیا اور جب ۳۰ فروری ۱۹۹۴ء کی رات "مشہد" میں اہل سنت کے نشانات مٹانے اور مسجد کے انہدام کا خطرناک عمل جاری تھا تو صحافیوں وغیرہ کے اس علاقہ میں جانے پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔ حکومت ایران مشہد میں واقع اہل سنت کی اس واحد تاریخی جامع مسجد کے انہدام کی بار بار کوشش کرتی رہی تھی۔

عوام کو مسجد کے انہدام کا جواز فراہم کرنے کے لئے یہ دلیل دی گئی کہ قیامت کے دن جب امام رضا ان سے اپنی قبر کے پاس "ناصبیوں" (اہل سنت) کی مسجد کے وجود کے بارے میں سوال کریں گے تو وہ کیا جواب دیں گے؟

اہل سنت کو جب مسجد کے انہدام کی خبر ملی تو انہوں نے اس مذموم حرکت کے خلاف مظاہرے کئے، جنہیں کچلنے کے لئے پولس اور انقلابی فورس حرکت میں آگئی۔ لیکن اہل سنت کا غصہ بے حد شدید تھا لہٰذا ایر فورس کے طیاروں نے مداخلت کی اور مظاہرین پر گولیوں کی بوچھار کردی، ۳۰ سنی نوجوان ہلاک ہوگئے اور تقریباً ۴۰ سنی نوجوان زخمی حالت میں ہاسپٹل میں داخل کئے گئے۔ ایرانی حکومت نے ان حادثات کی خبر عالم اسلام میں پھیلنے سے روکنے کی انتھک کوشش بھی کی۔

واضح رہے کہ ایران میں اہل سنت کے خلاف کی جانے والی یہ کوئی پہلی کارروائی نہیں ہے بلکہ وہاں اہل سنت کے خلاف برابر اس طرح کی جارحانہ کارروائیاں کی جاتی رہی ہیں۔

رہا ایرانیوں کا اہل سنت کو "ناصبی" قرار دینا تو یہ ان کے جھوٹ کا ایک حصہ ہے جس کے وہ عادی ہو چکے ہیں حالانکہ اہل سنت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد سے محبت کرتے ہیں اور ان سے عداوت رکھنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں۔

("السنۃ" برمنگھم انگلینڈ، شوال ۱۴۱۴ھ شمارہ ۳۸)

بقیہ: سوڈان میں ..... توڑے گئے مظالم

گھناؤنی و بزدلانہ حرکتیں جماعت کے لئے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور منہج سلف صالح پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے میں مہمیز کا کام دیں گی۔ (بیشک مدد صبر کے ساتھ، کشادگی پریشانی کے ساتھ اور آسانی سختی کے ساتھ ہی حاصل ہوتی ہے)۔

اخیر میں جماعت کا صدر دفتر اپنی طرف سے، جماعت کے تمام ممبران اور مقتولین کے خاندانوں کی طرف سے سوڈانی عوام اور سوڈانی حکام کا نیز نائب صدر جمہوریہ، وزیر داخلہ، وزیر پلاننگ، وزیر صدارتی امور، وزیر مالیات، وزیر آبپاشی، وزیر نقل و حمل و مواصلات، خرطوم کے گورنر، دارفور کے حاکم، ایڈمنسٹریٹر، فوجی افسران اور پولیس فورس کی مستعدی اور ان کے فوری ایکشن پر سب کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ نیز مرکز ڈاکٹر جعفر شیخ ادریس، ڈاکٹر عصام احمد بشیر، ڈاکٹر حسن عبداللہ ترابی، سید صادق مہدی، تمام اسلامی تنظیموں و جماعتوں اور عالم اسلام کے ان تمام علماء کا بھی مشکور ہے جنہوں نے اس مصیبت میں تعزیت کی اور جماعت کے ذمہ داران کی خیریت دریافت کی۔ ہم پولیس اور سوڈانی سلامتی فورس کا بھی ان کی کارروائیوں پر شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں جنہوں نے ۵ فروری ۱۹۹۴ء بروز ہفتہ شام کو اللہ کی نصرت سے مجرموں میں سے دو کو قتل کیا اور دیگر کو حراست میں لے لیا۔ ہم سب جماعت کے ذمہ داران اور اس کے مراکز کی سلامتی پر مطمئن ہیں نیز سب سے وعدہ کرتے ہیں کہ جرم کی کڑیوں، اس کی سازش کرنے والوں اور اس کے پس پردہ محرکات کا ہم پیچھا کرتے رہیں گے اور بغیر قصاص کے راضی نہیں ہوں گے۔ ہم اللہ سے عاجزی کے ساتھ دعا گو ہیں کہ وہ ممالک اسلامیہ کو فتنوں سے محفوظ رکھے۔ اہل سنت و اہل حق کو غلبہ عطا فرمائے اور اہل فتنہ و اہل شر کو ذلیل و رسوا کردے۔

(صدر دفتر جماعت انصار السنۃ المحمدیۃ سوڈان)

مرکز کے شب و روز

معہد التعلیم الاسلامی کے طلباء کی انجمن

نادی الطلبہ کا انتخابِ جدید

جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی اور معہد التعلیم الاسلامی بستی، یوپی کے نادی الطلبہ کے انتخابات کی رپورٹ پچھلے شمارہ میں شائع کی جاچکی ہے، مرکز کے قدیم ترین ادارہ معہد التعلیم الاسلامی، جوگابائی، نئی دہلی کی رپورٹ اشاعت سے رہ گئی تھی وہ اس شمارہ میں دی جارہی ہے (ادارہ)

سالہائے گذشتہ کی طرح امسال بھی طلبۂ معہد التعلیم الاسلامی، نئی دہلی کی انجمن "نادی الطلبہ" کے اراکین وعہدیداران کا انتخاب نو مورخہ ۱۳/ اپریل ۱۹۹۴ء بروز چہار شنبہ اساتذہ کی نگرانی میں عمل میں آیا اور بتاریخ ۱۴/ اپریل ۱۹۹۴ء بروز پنجشنبہ نادی الطلبہ کے جملہ شعبوں کے منتخب عہدیداران نے اپنا عہدہ سنبھالا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

امین الصندوق : عزیز الرحمٰن عبد المعبود

۱۔ لجنۃ الخطابہ

(ا) معتمد خطابت : محمد اکرم خلق اللہ
معاون 〃 〃 طارق الاسلام محمد حسین
(ب) معتمد خطابت : صغیر احمد عبد اللطیف
معاون 〃 〃 سہراب عالم محمد طاہر
(ج) معتمد خطابت : ثناء اللہ عطاء اللہ
معاون 〃 〃 ممتاز احمد بدر الزماں
(د) معتمد خطابت : عبد العزیز کریم بخش
معاون 〃 〃 محمد مصطفیٰ عبد السلام
(ہ) معتمد خطابت : ممتاز احمد عبد الجبار
معاون 〃 〃 سعید ضیاء اللہ فخر احمد اللہ

۲۔ لجنۃ دار الکتب

(۱) معتمد دار الکتب : عبد الواحد عبد الوارث
(۲) معاون 〃 〃 شکیل احمد وکیل احمد
(۳) 〃 〃 〃 شہاب الدین رحمٰن بخش
(۴) معاون معتمد دار الکتب حبیب الرحمٰن حقیق اللہ
(۵) 〃 〃 〃 جمال الدین شمس الحق
(۶) 〃 〃 〃 ٹی۔ اسماعیل ابوذر

۳۔ لجنۃ دار الصحف والجرائد

(۱) معتمد دار الصحف والجرائد : محمد حسین محمد سبل
(۲) معاون 〃 〃 〃 عبد الصبور محمد معروف
(۳) 〃 〃 〃 〃 جمال الدین محمد نعیم
(۴) 〃 〃 〃 〃 محمد اشتیاق وصی اللہ
(۵) 〃 〃 〃 〃 عبد اللہ یعقوب
(۶) 〃 〃 〃 〃 عبد العدل عبد الغفار

۴۔ لجنۃ دار الأخبار

(۱) معتمد دار الأخبار : ریاض الدین شمس الدین
(۲) معاون 〃 〃 ولی اللہ کتاب اللہ
(۳) 〃 〃 〃 فخر الدین امیر احمد
(۴) 〃 〃 〃 محمد شبیر محمد سلیمان
(۵) 〃 〃 〃 کتاب الدین فضل حق
(۶) 〃 〃 〃 احمد نعمان شبلی وقار الدین

المعلن
عزیز الرحمٰن عبد المعبود
امین الصندوق نادی الطلبہ، معہد التعلیم الاسلامی
نئی دہلی ـ ۱۱۰۰۲۵

سالانہ اجلاس

ابوالکلام آزاد بوائز اسکول

ابو الکلام آزاد بوائز اسکول جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی کے طلباء کا سالانہ اجلاس مولانا انعام اللہ صاحب قاسمی ایڈوائزر ابو الکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی کے زیر صدارت ۱۳ مئی ۱۹۹۴ء بروز جمعہ صبح نو بجے اسکول کے لان میں منعقد ہوا۔ دہلی کے بزرگ عالم وخطیب مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی مہمان خصوصی تھے۔ اجلاس کی نظامت کے فرائض ماسٹر مسیح الرحمٰن صاحب نے انجام دیئے۔

بچوں کا یہ پروگرام تلاوت کلام پاک، حمد، نعت، تقاریر و نظم اور تقسیم انعامات پر مشتمل تھا۔ جسے طلبہ کے والدین، سرپرست اور دیگر حضرات نے اپنی تشریف آوری اور قدوم میمنت سے رونق بخشی۔

مہمان خصوصی مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی نے اس موقع پر اپنا تاثر پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ جلسے کا سارا نظم اور پروگرام معیاری ہے۔ یہاں کے اساتذہ وطلبہ کے دل ودماغ پر ابو الکلام آزاد کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اسکول کا یہ وسیع صحن جس میں ہم اور آپ بیٹھے ہوئے ہیں مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی حفظہ اللہ کی جدوجہد اور نیک کاوشوں کا بے مثال سرمایہ ہے جسے تاریخ کبھی بھلا نہیں سکتی۔ خدا کرے یہ قیمتی گوہر تادیر اس سرسبز وشاداب چمن کی زینت رہے۔ جس کی خوشبوؤں سے قوم وملت اپنے قلوب وارواح کو معطر کرتی رہے۔

بحمد اللہ ۱۹۹۳ء کا ہمارا رزلٹ ۸۲٪ (فیصد) رہا۔ اور پورے اسکول میں سنی سنگھ نے پہلی، عبدالرحمٰن نے دوسری اور روان جاوید نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ یہ حیرت انگیز خوش آئند بات ہے کہ سنی سنگھ نے قرآن اور اسلامیات میں بھی پورے اسکول میں امتیازی نمبرات حاصل کئے۔

عبدالرحمٰن نے "اسلام کیسے پھیلا" اور عادل مشعل نے "سعید الاعظمی" پر تقریر کرتے ہوئے پہلی اور دوسری پوزیشن حاصل کی اسی طرح نظم میں پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء کو اس موقع پر عزت مآب مہمان خصوصی کے ہاتھوں انعامات سے نوازا گیا۔ مہمان محترم نے اسکول کی لائبریری کو اپنی قیمتی تصنیفات عطا بھی فرمائیں۔

منتظمہ کمیٹی نے اسکول میں فرسٹ، سکنڈ اور تھرڈ آنے والے طلبہ کے لئے سالانہ وظائف (خصوصی انعام) کا اعلان کیا۔

اجلاس کے اختتام پر جناب عزیز الرحمان صاحب صدیقی پرنسپل ابو الکلام آزاد بوائز اسکول نے تمام طلبہ اور اساتذہ کی طرف سے مہمان خصوصی اور تمام شرکاء اجلاس کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

بقیہ: سالانہ اجلاس..... گرلس اسکول

جنرل نالج کوئز کا مقابلہ تین ٹیموں کے درمیان تھا پہلا انعام ٹیم B (وفا رحمانی اور رابعہ بیگم) کو ملا۔ دوسرا انعام ٹیم A (واقدہ بیگم اور شازیہ بیگم) کو ملا۔ منتظمہ کی جانب سے پورے اسکول میں فرسٹ، سکنڈ اور تمام درجات میں اول آنے والی طالبات کے لئے سالانہ وظائف کا اعلان کیا گیا۔

اجلاس کے اختتام پر صبا ہاشمی صاحبہ نے تمام طالبات، اساتذہ، مہمانان اور خصوصی مہمان کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا جو شدید گرمی کے باوجود بچوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اس اجلاس میں شریک ہوئیں۔

اللہ ہم سب کو اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق دے

مسعود عالم آزادی

نعیم

ابوالکلام آزاد بوائز اسکول نئی دہلی ۲۵-
خدیجۃ الکبریٰ گرلس اسکول نئی دہلی ۲۵-

سالانہ اجلاس

خدیجۃ الکبریٰ گرلس اسکول

خدیجۃ الکبریٰ گرلس اسکول جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی کا سالانہ اجلاس اسکول کی ہیڈ مسٹریس جناب لطیفہ حسین صاحبہ کی صدارت میں ۱۳ مئی ۱۹۹۳ بروز ہفتہ ۹ بجے صبح اسکول کے لان میں منعقد ہوا۔ وزارت سائنس و ٹیکنالوجی کے ایک اہم عہدے پر فائز محترمہ زیڈ۔ این بیگم صاحبہ مہمان خصوصی تھیں۔ اجلاس کی نظامت کے فرائض محترمہ صبا ہاشمی صاحبہ اسسٹنٹ ہیڈ مسٹریس خدیجۃ الکبریٰ گرلس اسکول نے انجام دیئے۔

اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اس کے بعد طالبات کے ایک گروپ نے سورۂ فاتحہ کا منظوم ترجمہ پیش کیا اور ایک حمد بزبان انگریزی پیش کی۔ ایک دوسرے گروپ نے اقبال کا مشہور ترانہ "خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ" اور طالبات کے بڑے گروپ نے اسکول کا ترانہ سنایا۔ نرسری کے ننھے منے بچوں نے الگ الگ دو گروپ میں نظمیں پیش کیں آخر میں تقریروں اور کوئز (سوال و جواب) کے مقابلے ہوئے اور مہمان خصوصی کے ہاتھوں انعامات تقسیم کئے گئے۔

مہمان خصوصی محترمہ زیڈ۔ این بیگم صاحبہ نے اس موقع پر اجلاس کے منتظمین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ کسی بھی معاشرے کی ترقی کے لئے عورتوں کا تعلیم یافتہ ہونا بے انتہا ضروری ہے، سائنس اور ٹکنالوجی کی تعلیم کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ لیکن لڑکیوں کے سلسلہ میں سب سے اہم چیز ان کی صحیح اسلامی تربیت ہے صحیح عقیدہ، حیا، اسلامی شعائر کی پابندی، خوش اخلاقی، سچائی، بزرگوں کا احترام یہ سب ایسی صفات ہیں جن کے بغیر نہ تو تعلیم مفید ہوگی نہ نسوانیت کی تکمیل ہوگی۔

ہیڈ مسٹریس محترمہ لطیفہ حسین صاحبہ نے مہمان خصوصی اور تمام خواتین کا خیر مقدم کرتے ہوئے والدین اور سرپرستوں کے نام اپنے پیغام میں کہا کہ بچوں کی تعلیم اور تربیت میں ماؤں کا رول بہت اہم ہے۔ بچوں کی کارکردگی معیاری نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ والدین، ماحول اور مدرسہ تینوں اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں کوتاہی کر رہے ہیں۔ عورتوں کے لئے لازم ہے کہ وہ ایسی مائیں بنیں جو ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ، مالکؒ و شافعیؒ، خدیجہؓ و عائشہؓ، شاہ اسماعیلؒ، نذیر حسین محدث دہلویؒ اور ابوالکلام آزادؒ جیسی شخصیات سماج کو دے سکیں جناب مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی حفظہ اللہ اور ان کے رفقاء کار کی جدوجہد اور نیک کاوشوں کا تعارف کراتے ہوئے آپ نے کہا کہ یہ وہ کوششیں ہیں جن پر اس بات کا انحصار ہے کہ مستقبل میں ملت اسلامیہ کس مقام پر کھڑی ہوگی۔

تقریری مقابلہ میں اول آنے والی طالبہ وفا رحمانی (درجہ ہشتم) نے اپنی تقریر بعنوان "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی" میں کہا کہ زمانہ کے بہاؤ میں آنکھیں بند کر کے بہہ جانا مردان حق کا شیوہ نہیں، وہ خیر و شر میں تمیز کرتے ہوئے زمانہ کی نبض کو موڑنے کا حوصلہ رکھتے ہیں اسی مقابلہ میں دوسری پوزیشن حاصل کرنے والی طالبہ فوزیہ (درجہ ششم) اور تیسری پوزیشن حاصل کرنے والی حمیراء خاتون (درجہ ہفتم) نے بھی اس شعر کی مخالفت میں پُر زور تقریریں کیں۔

پرائمری سیکشن میں تمام طالبات میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والی طالبہ ناظمہ بیگم (درجہ اول) اور مڈل سیکشن میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والی طالبہ شازیہ بیگم (درجہ ہفتم) کو خصوصی انعامات سے نوازا گیا، اس کے علاوہ تمام درجات میں اول آنے والی طالبات اور مختلف بہترین اوصاف (صفائی ستھرائی، شائستگی، اسلامی اقدار کی پابندی، سب سے زیادہ حاضری وغیرہ) میں تفوق حاصل کرنے والی طالبات کی حوصلہ افزائی انعامات کے ذریعہ کی گئی۔

تلاوت کلام پاک کا مقابلہ اجلاس کے ایک دن پہلے ہی کروا لیا گیا تھا جس میں فرسٹ، سکنڈ اور تھرڈ آنے والی طالبات (وفا رحمانی درجہ ہشتم، عابدہ بیگم درجہ دوم اور فوزیہ درجہ سوم) کو انعامات دیئے گئے۔

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

کارروائی

دو روزہ عظیم الشان اجلاس عام سیندورجنہ گھاٹ امراؤتی

منعقدہ ۱۶، ۱۷/ اپریل ۱۹۹۴ء

زیر صدارت: مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی

صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی

اجلاس ہذا کی نشست اول ۱۶/ اپریل کو بعد صلوٰۃ فجر منعقد ہوئی جس کی صدارت کے لئے مولانا یار محمد صاحب سلفی انچارج شعبۂ دعوت و تبلیغ بمبئی نے مولانا محمد اسماعیل صاحب کھاروی کا نام پیش کیا جس کی تائید مولانا اثیرالدین صاحب سلفی مبلغ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر دہلی نے کی۔ نشست کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا مولانا رضاء اللہ صاحب نے درس قرآن اور مولانا اثیرالدین صاحب سلفی نے درس حدیث دیا۔ ناشتہ کے بعد جناب مولانا مطیع الرحمٰن صاحب چترویدی اور مولانا یار محمد صاحب سلفی کی تقاریر ہوئیں اس کے بعد کھانے اور صلوٰۃ ظہر کا وقفہ ہوا بعد از صلوٰۃ مولانا عبدالقہار صاحب کا خطاب ہوا صلوٰۃ عصر کے بعد مولانا عبدالرب صاحب گونڈوی نے تقریر فرمائی۔ صلوٰۃ مغرب اور کھانے کے بعد جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب فیضی صدر صوبائی جمعیۃ اہلحدیث مہاراشٹر نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ مجلس ہذا میں جناب عبدالقیوم صاحب فیضی سکریٹری صوبائی جمعیۃ مہاراشٹر نے بھی شرکت فرمائی۔

بعد صلوٰۃ عشاء اجلاس عام کی کارروائی کا آغاز جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب کھاروی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ ایک طالب علم نے نعتیہ نظم پیش کی۔ یہ اجلاس جناب مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر دہلی کی زیر صدارت [illegible] سے پہلے جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب عمری نے خطبہ [illegible] بعد ازاں مولانا اثیرالدین صاحب مبلغ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر دہلی کی تقریر ہوئی۔ زاں بعد مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی مدظلہ العالی صدر جلسہ نے اپنا صدارتی خطاب فرمایا۔ آپ نے " یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَهْلِیْکُمْ نَارًا" اور

" اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ" کے تحت بصیرت افروز تقریر فرمائی اور بہت سے اصلاحی پہلو سامنے رکھے جن میں بیڑی سگریٹ اور تمباکو نوشی کی معزتیں، اسراف و تبذیر، عشاء کے بعد فضول شب بیداری، مستورات کے مسائل، والدین کے حقوق، بچوں کی تعلیم اور تربیت کے مسائل وغیرہ شامل تھے۔ نیز علماء کے لئے انتہائی اہم علمی نکات بتائے، وقت کافی ہو چکا تھا رات میں ۱۲ بجے تک لاؤڈ سپیکر وغیرہ کی اجازت تھی لہٰذا جب آپ نے رات میں ۱۲ بجے تقریر ختم کرنی چاہی تو لوگوں نے تقریر جاری رکھنے پر شدید اصرار کیا لوگوں کے ازحد اصرار پر مولانا نے ۱۵ منٹ کا وقفہ حوائج ضروریہ کے لئے دیا اور پھر دوبارہ خطبۂ مسنونہ پڑھا اور تقریر کا دوسرا دور شروع ہوا سامعین میں مختلف مکاتب فکر کے لوگ، مسلم و غیر مسلم [illegible] تعداد میں موجود تھے جو انتہائی پرسکون انداز میں نہایت دلچسپی سے سماعت فرما رہے تھے۔ تین بجے رات تک خطاب جاری رہا لیکن خلق سماعت کم نہ ہوا صدر محترم کی [illegible] پر یہ نشست اختتام پذیر ہوئی۔

اجلاس کا دوسرا دن [illegible] کی [illegible] کے اجلاس کی پہلی نشست جناب مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی کی

ارت میں شروع ہوئی' صدر جلسہ جناب مولانا رحمانی صاحب نے
۔ مجلس مذاکرہ کا افتتاح کیا جس میں مختلف مکاتب فکر' دیوبندی'
عت اسلامی و تبلیغی جماعت کے افراد نے مختلف سوالات
عتراضات کئے۔ جن کے تسلی بخش جوابات صدر محترم مولانا عبدالحمید
ماحب رحمانی نے مدلل و مکمل انداز میں دئے جس سے سامعین
سامکلین مطمئن و محظوظ ہوئے' بعد ازیں صدر محترم نے جامع مسجد
سیندور جنہ گھاٹ کی جدید تعمیر کا سنگ بنیاد رکھا۔ آپ نے جملہ احباب
جماعت کی معیت میں ایک نشان زدہ مقام پر مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ بعد
ازاں مدرسہ مبلغین مولانا یار محمد صاحب سلفی' مولانا شیر الدین صاحب
سلفی و مولانا طاہر بیگ صاحب محمدی ذمہ داران شعبۂ دعوت و تبلیغ
ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر دہلی نے باری باری سنگ بنیاد میں
حصہ لیا ساتھ ہی مولانا عبدالرشید صاحب ملیگ' مولانا محمد یوسف صاحب'
مولانا محمد اسماعیل صاحب کھاروی اور مختلف مقامات سے آئے ہوئے
مہمانان گرامی نے اس منظر کو دیکھا اور سنگ بنیاد رکھنے میں شرکت کی'
صدر محترم سے آخر میں مختلف مقامات سے آئے ہوئے وفود نے
ملاقات کی اور تبادلہ خیالات کئے۔

چونکہ صدر مرکز جناب رحمانی صاحب حفظہ اللہ کو آج ہی
بہار کے ایک جلسہ میں خطاب کے لئے سفر کرنا تھا' مولانا ایک قافلہ کے
ہمراہ بذریعہ جیپ ناگپور کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ نے بعض
کی جماعت کے ذمہ داران کے اصرار پر ان کی خریدی ہوئی زمین اور ان
کے مدرسہ کا معائنہ کیا۔ ناگپور ریلوے اسٹیشن پر بہت سے لوگوں نے جن
میں احباب جماعت اہلحدیث ناگپور' مولانا یار محمد صاحب سلفی'
مولانا شیر الدین صاحب سلفی مبلغین شعبۂ دعوت و تبلیغ ابوالکلام آزاد
اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی' جمیل احمد صاحب جناب محمد رفیق صاحب
شجیل' جناب شریف صاحب اور دیگر ذمہ داران جماعت و ملت نے آپ
کو ناگپور کے لئے الوداع کہا۔

آج ۱۶ اپریل کی دوپہر بعد کی نشست میں مولانا عبدالقہار
صاحب سلفی' جناب طاہر بیگ صاحب مبلغ ابوالکلام آزاد اسلامک
اویکننگ سنٹر نئی دہلی اور دیگر علماء و فضلاء نے تقاریر کیں۔ بعد ازاں
وقفہ لے کر ... صلاۃ ادا کیا ... بعد از صلاۃ عشاء شب میں جلسہ کا آغاز
مولانا عبدالحکیم ... کی تلاوت کلام پاک سے ہوا ایک طالب علم نے

نعتیہ نظم پڑھی بعد ازاں جناب مولانا مطیع الرحمن صاحب چترویدی نے
تقریر فرمائی چونکہ آج کی اس نشست میں ہندو بکثرت آئے تھے اس لئے
آج آپ کی تقریر میں عیسائیت' ہندومت اور اسلام کا تقابل رکھا گیا اور
ویدوں و پرانوں سے ثابت کیا گیا کہ ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ
وسلم جملہ اقوام عالم کے لئے ہادی و پیغمبر بن کر آئے مولانا نے ثابت کیا
کہ محمد کا نام و ذکر تمہاری کتابوں میں موجود ہے انگریزی و سنسکرت میں
پوری تقریر کا خلاصہ بھی آپ پیش کرتے رہے پورے سکون و اطمینان
سے لوگ سنتے رہے آخر میں ہندوؤں کے لئے موقع دیا گیا کہ وہ سوالات
کریں انہوں نے سوالات کئے اور چترویدی صاحب نے ان کے سوالات
کے مدلل جوابات دئے' ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر کے
نمائندگان نے انگریزی قرآن و دیگر کتب ہندوؤں و حاضرین میں تقسیم
کیں۔

مجموعی طور سے اجلاس ازحد کامیاب رہا' شرکاء اجلاس کی
تعداد تین ہزار سے متجاوز تھی۔ سیونی' اری' کھاری' سو' بوری'
جناردیو' ناگپور' پانڈھورنا' موہگاؤں' پھوسلہ' بھوڈ' آٹھنیر' بیتول'
شولاپور' احمد نگر' آکولہ' مالیگاؤں' جام' وردھا' مہاراشٹر و مدھیہ پردیش کے
بہت سے دیگر مقامات سے سامعین گاڑیوں جیپوں اور دوسرے ذرائع
سے وفود کی شکل میں تشریف لائے تھے۔

جناب مولانا عبدالرشید صاحب ملیگ کے دعائیہ کلمات پر
جلسہ اختتام کو پہنچا۔ اختتامی کلمات جناب مولانا یوسف صاحب امیر
جماعت سیندور جنہ گھاٹ نے پیش فرمائے اور اجلاس کے اختتام کا
اعلان کیا گیا۔

جمیل احمد
ممبر تعمیری کمیٹی جامع مسجد اہلحدیث سیندور جنہ گھاٹ

صوم یوم عرفہ

صیام یوم عرفة احتسب علی اللہ ان یکفر السنة التی قبلہ والسنة التی بعدہ (مسلم)

عرفہ کے دن کا صوم ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ دور کر دیتا ہے

کارروائی

یک روزہ عظیم الشان اجلاسِ عام مولانگر (جنوبی بہار)

منعقدہ ۱۸/اپریل ۱۹۹۴ء

مورخہ ۱۸/اپریل ۱۹۹۴ء بروز سوموار مدرسہ سلفیہ مولانگر جگن ناتھ پور ضلع سنگھ بھوم جنوبی بہار میں دستار بندی حفاظ و سنگ بنیاد مدرسہ سلفیہ کا یک روزہ عظیم الشان اجلاس عام منعقد ہوا جس میں مولانا عبد الحمید صاحب رحمانی حفظ اللہ صدر ابو الکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی نے شرکت کی۔

مولانا موصوف ۱۷/اپریل ۱۹۹۴ء کو ناگپور سے چل کر ۱۸/اپریل ۱۹۹۴ء کو بذریعہ ٹرین دن کے دس بجے ٹاٹا نگر اسٹیشن پر اترے' اسٹیشن پر مولانگر اور جمشید پور ٹاٹا نگر کے لوگ موجود تھے۔ جمشید پور ٹاٹا نگر کا کوئی پروگرام نہیں تھا لیکن حسن منظور حسن صاحب سکریٹری جمعیۃ اہلحدیث جمشید پور نے مسجد اہلحدیث جمشید پور اور جماعت کی بزرگ شخصیت کیف پرتاب گڑھی کے گھر تشریف لے جانے پر شدید اصرار کیا۔ صدر مرکز نے معذرت کی کہ وقت بہت کم ہے اور مجھے صبح سویرے ہی براستہ رانچی دہلی جانا ہے اس لئے اس وقت ٹاٹا نگر میں وقت دینا ممکن نہیں۔

لیکن جب حسن منظور حسن صاحب نے بتایا کہ کیف صاحب اور آپ کے والد محترم ۱۹۷۰ء میں سفر حج میں ساتھ ساتھ تھے اور کیف صاحب کافی بوڑھے اور کمزور ہیں ورنہ خود آ جاتے تو مولانا ایک دم تڑپ اٹھے اور کہا کہ جب وہ والد محترم کے ساتھ حج میں تھے تو میں ان سے ضرور ملاقات کروں گا چاہے پانچ منٹ کے لئے چلنا ہو۔ چنانچہ سب لوگ کیف صاحب کے گھر گئے کیف صاحب سے ملاقات ہوئی اور تھوڑی دیر گفتگو کے بعد کیف صاحب اور حسن منظور حسن صاحب [illegible] مسجد اہلحدیث کا معائنہ کرانے کیلئے لے گئے مولانا نے مسجد کا معائنہ کیا۔ چونکہ ان کا جمشید پور کا پہلا سفر تھا اس لئے حسن منظور حسن صاحب نے راستہ میں ان سے اس صنعتی شہر کے اہم مقامات کا تعارف کرایا اس کے بعد جمشید پور سے روانہ ہو کر چائی باسہ قریب ایک بجے پہنچے یہاں جمعیۃ اہلحدیث رانچی کے ذمہ داران سے ملاقات ہوئی جو مولانا سے ملاقات کی غرض سے مولانگر جا رہے تھے' رانچی کے لوگ مولانا سے بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ ملے مولانا نے ان سے جماعتی حالات دریافت کئے تھوڑی دیر تک گفتگو ہوئی گفتگو کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ چائی باسہ کے ماسٹر محمد ہاشم صاحب اور عبد الجلیل صاحب مرحوم کے صاحبزادے جمیل احمد صاحب وغیرہم مولانا سے ملاقات کے لئے آ گئے۔ مولانا نے ان سے بھی جماعتی حالات دریافت کئے اور انہیں اپنے نیک اور مفید مشوروں سے نوازا وقت چونکہ بڑی تیزی سے گذر رہا تھا اور وقت پر مولانگر پہنچنا تھا مولانا نے ان لوگوں سے کہا کہ مولانگر ہی میں تفصیل سے بات ہوگی اس کے بعد مولانا موصوف مولانگر کے لئے روانہ ہوئے اور دن کے ساڑھے چار بجے مولانگر پہنچے' مولانا کے پہنچنے میں تاخیر ہو گئی تھی لوگ بے چین تھے مولانا کے پہنچتے ہی لوگوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا کے قیام کا انتظام مشتاق احمد صاحب صدر مدرسہ سلفیہ کے گھر پر تھا' مولانا نے وہاں پہنچ کر غسل وغیرہ سے فراغت کے بعد صلوٰۃ عصر ادا کی اس کے بعد مدرسہ سلفیہ اور مسجد کا معائنہ کیا اور چلتے پھرتے جنوبی بہار اور اڑیسہ کے وفود سے بھی جماعتی حالات معلوم کیا اس کے بعد جمعیۃ اہلحدیث اور مدرسہ سلفیہ مولانگر کے ذمہ داران سے ان کے مسائل پر [illegible] کے ساتھ گفتگو کی اس خصوصی نشست میں جمعیۃ اہلحدیث مولانگر اور مدرسہ سلفیہ کے [illegible]

ذمہ داران نے شرکت کی ایک گھنٹہ سے زیادہ جماعت اور مدرسہ کے مستقبل پر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔

اجلاس کی کارروائی کا آغاز بعد صلوٰۃ عشاء حافظ انوار احمد صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد مولانا ابوالکلام صاحب سلفی صدر مدرس مدرسہ سلفیہ نے سپاسنامہ اور خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ اس کے بعد مولانا فضل الرحمٰن صاحب سلفی سابق ناظم مدرسہ دارالتکمیل مظفر پور (بہار)، نمائندہ و مبلغ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی برائے بہار واڑیسہ وبنگال نے علم کی فضیلت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لوگوں کو علم دین کے حصول پر متوجہ کیا اس کے بعد جناب مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی حفظہ اللہ صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی کی تقریر ہوئی جو توحید پر تھی آپ نے شرک جلی اور شرک خفی پر عالمانہ انداز سے نہایت مدلل روشنی ڈالی۔ تقریر کے بعد مولانا موصوف نے مدرسہ سلفیہ مولانگر کے تین حفاظ کی دستاربندی کرکے انہیں سند فراغت بھی تقسیم کی۔

اس کے بعد مولانا موصوف نے مدرسہ سلفیہ کی ایک عمارت کی سنگ بنیاد رکھی اس تقریب میں مولانا ابوالکلام صاحب سلفی صدر مدرس مدرسہ سلفیہ، مولانا فضل الرحمٰن صاحب سلفی مبلغ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی، مولانا نثار احمد صاحب سلفی مبلغ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی اور ان کے علاوہ کثیر تعداد میں ذمہ داران مدرسہ ودیگر افراد بھی موجود تھے۔

تقریب سنگ بنیاد کی تکمیل کے بعد مولانا عزیز الرب صاحب مدرسہ اسلامیہ بھوارہ مدھوبنی (بہار)، مولانا عبدالودود صاحب رحمانی اڑیسہ، مولانا آصف اقبال صاحب سلفی مدرس جامعہ مصباح العلوم جھوم پورا اڑیسہ نے مختلف موضوعات پر خطاب کیا۔

اخیر میں ذمہ داران اور حاضرین کے شدید اصرار پر مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی حفظہ اللہ نے اسلام کے ارکان خمسہ پر ایک پرمغز اور موثر مدلل تقریر کی جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی۔ آپ ہی کی دعاؤں پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔ باوجودیکہ اجلاس صرف چند دنوں کے نوٹس پر منعقد ہوا تھا، اشتہار وغیرہ بھی نہیں چھپوائے جاسکے نہ باقاعدہ اعلان کیا جاسکا لیکن اڑیسہ اور جنوبی بہار کے شرکاء کی کثرت، ذمہ داران جماعت اور مختلف مدارس کے وفود کی کثرت کے اعتبار سے اجلاس جنوبی بہار اور اڑیسہ کا سب سے بڑا اور اہم اجتماع تھا اتنا بڑا مجمع اس سے پہلے اس علاقہ میں نہیں ہوا۔

اجلاس کے خاتمہ کے بعد صلوٰۃ فجر تک مولانا موصوف سے جنوبی بہار اور اڑیسہ کے مختلف مقامات کے ذمہ دار وفود نے باری باری ملاقاتیں کیں، ان میں صوبائی جمعیۃ اہلحدیث اڑیسہ، جمعیتہائے اہلحدیث رانچی، چائی باسہ، بجینت گڑھ، اورنگ آباد، مدھوبنی، جگن ناتھ پور، جمعیتہائے اہلحدیث جھوم پورا، چمپوا، کیندرا پاڑہ، کیونجھر، ارسلہ، گھوسدا، تاتوپوریا، سوام پٹنہ، گوجید رہ وغیرہ کے وفود، ذمہ داران مدارس و جمعیۃ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

صلوٰۃ فجر کے فوراً بعد صدر مرکز محمود الحسن صاحب سکریٹری جمعیۃ اہلحدیث رانچی ودیگر ارکان جمعیۃ رانچی، رضا علی، محمد حسیب، ماسٹر خلیل احمد صاحبان کے ہمراہ رانچی کے لئے روانہ ہوگئے۔

سکریٹری
جمعیۃ اهلحدیث
ومدرسہ سلفیہ مولانگر (جنوبی بہار)

ابراہیم کی شخصیت کے امتیازی پہلو

قرآن کی نظر میں

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۔

(النحل: ۱۲۰-۱۲۳)

بیشک ابراہیم (اپنی شخصیت اور عمل وکردار میں) پوری امت تھا (وہ) اللہ کا فرمانبردار اور اسی کا ہو کر رہنے والا تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالانے والا تھا اللہ نے اسے برگزیدہ کیا تھا اور اسے سیدھی راہ پر لگا دیا تھا اور ہم نے اسے دنیا میں خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوگا پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو جو ایک طرف کا ہو رہا تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔

شکیل احمد اختر حسین

خبرنامہ

پاکستان

صوبہ سندھ میں تشدد

پاکستان کے صوبہ سندھ میں پولیس اور مہاجر قومی موومنٹ کے حامیوں کے مابین تشدد میں درجنوں افراد ہلاک اور بہت سے زخمی ہوگئے ہیں پولیس نے متعدد مشتبہ افراد کو حراست میں لے لیا ہے اور حالات پر قابو پانے کے لئے فوج تعینات کردی گئی ہے عینی شاہدین کے مطابق لیاقت آباد وناظم آباد میں جنگی خطہ کا ساسماں ہے بہت سی گاڑیاں دکانیں اور سرکاری املاک نذر آتش کردی گئی ہیں دونوں اضلاع مہاجر قومی تحریک کے مضبوط گڑھ سمجھے جاتے ہیں حالیہ تشدد اس وقت شروع ہوا جب ۹ مر اپریل کو مہاجر قومی تحریک کے الطاف گروپ کے حامیوں نے مہاجر لیڈروں کی رہائی اور اپنے خلاف کی جانے والی فوجی کارروائیوں کے خلاف احتجاجاً سنٹرل گورنمنٹ ہاؤس کی جانب مارچ کرنے کی کوشش کی۔

واضح رہے کہ سندھ میں مہاجر قومی تحریک کی مبینہ دہشت گردی کے خلاف جون [illegible] میں فوجی کارروائی کے فوراً بعد تحریک کے لیڈر الطاف حسین لندن چلے گئے تھے اور اب تک وہیں ہیں۔

ایف۔۱۶ طیارے ناگزیر نہیں

پاکستان سے شائع ہونے والے اخبار "نیوز" کے مطابق پاکستانی فضائی افواج کے سربراہ ایر چیف مارشل فاروق فیروز خاں نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ پاکستان کو ان ۳۸ ایف۔۱۶ طیاروں کی جن کی سپلائی امریکہ نے روک رکھی ہے اتنی زیادہ ضرورت نہیں کہ وہ ان کے لئے اپنے نیوکلیائی پروگرام کو بھینٹ چڑھا دے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر ہمیں ایف۔۱۶ طیارے نہیں ملتے تو ہم ان کے متبادل دوسرے طیارے خریدنے کی کوشش کریں گے

واضح رہے کہ امریکہ نے پاکستان کو ۳۸ ایف۔۱۶ طیارے فروخت کئے تھے بعد میں اس نے پاکستان کو اپنا نیوکلیائی پروگرام بند کرنے پر مجبور کرنے کے لئے ۳۸ طیاروں کی سپلائی روک دی تھی جبکہ پاکستان کی جانب سے ان کی قیمت پہلے ہی ادا کی جاچکی ہے ان طیاروں کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ نیوکلیائی ہتھیار مقررہ نشانوں پر بآسانی پہنچا سکتے ہیں۔

بنگلہ دیش

شیخ حسینہ کی شرط

بنگلہ دیشی پارلیمنٹ میں اپوزیشن لیڈر شیخ حسینہ واجد نے کہا ہے کہ اپوزیشن کے نظریات وخیالات کی سرکاری ٹیلی ویژن پر تشہیر کی جانی چاہئے۔ اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں شیخ حسینہ نے یہ شرط بھی رکھی ہے کہ اگر وزیر اعظم خالدہ ضیاء پارلیمنٹ میں اس نوعیت کا کوئی ترمیمی بل لائیں کہ آزاد اور منصفانہ انتخابات کرانے کے لئے ایک غیر جانبدار نگراں سرکار قائم کی جائے گی تو وہ پارلیمنٹ کے آئندہ اجلاس میں شرکت کرنے کے بارے میں غور کرسکتی ہیں " اپوزیشن لیڈر نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ گذشتہ ۲۰ مر مارچ کو پارلیمنٹ کے لئے جو ضمنی انتخاب ہوا تھا اسے منسوخ کیا جائے کیوں کہ اس میں دھاندلی ہوئی تھی۔

عوامی لیگ اور معزول صدر جنرل حسین محمد ارشاد کی جاتیہ پارٹی نے بھی بیگم خالدہ ضیاء کے سرکار کے مستعفی ہونے اور ایک نگراں سرکار کے زیر نگرانی جدید الیکشن کرانے کا مطالبہ کیا ہے دریں اثنا وزیر اعظم بیگم خالدہ ضیاء نے اپوزیشن کی جانب سے کئے گئے حکومت کے استعفے اور نگراں سرکار کے قیام کا مطالبہ مسترد کردیا ہے

مصر

فلسطینی خودمختاری تسلیم کرنے کے معاہدہ پر دستخط

۴ مر مئی [illegible] کو مصری راجدھانی قاہرہ میں تنظیم آزادی فلسطین (پی۔ ایل۔ او) کے رہنما یاسر عرفات اور اسرائیلی وزیر اعظم

اسحاق رابن نے اسرائیلی قبضہ والے علاقے غزہ پٹی اور جریکو میں فلسطینیوں کو حاصل ہونے والی خود مختاری کے نفاذ کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ معاہدہ کی رو سے اسرائیل اب غزہ اور جریکو سے اپنی فوج ہٹانا شروع کر دے گا اس طرح ۲ ماہ بعد ان علاقوں سے اسرائیلی فوج کا قبضہ ختم ہو جائے گا اور فلسطینیوں کو کنٹرول حاصل ہو جائے گا۔ معاہدہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ فلسطینیوں کو قانون بنانے، ٹیکس وصول کرنے اور سیاحتی دستاویز جاری کرنے کا بھی اختیار ہو گا۔

امریکہ

سلامتی کونسل کی بے عملی پر اظہار افسوس

بوسنیا کے مسلم شہر گورازدے پر سربی جارحیت کے نتیجہ میں ہونے والی تباہیوں اور جانی اتلاف پر تنظیم مملکت اسلامی نے گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے طریق کار کی مذمت کی ہے۔ تنظیم کے رابطہ گروپ کی طرف سے نیویارک میں بلائے گئے سلامتی کونسل کے باقاعدہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے پاکستانی وزیر خارجہ سردار آصف احمد علی نے کہا کہ اقوام متحدہ کی جانب سے بروقت کارروائی ہونے سے گورازدے کو تباہی سے بچایا جا سکتا تھا اور اگر اقوام متحدہ چاہتی تو سربوں کی جارحانہ کارروائیوں کو روک سکتی تھی۔ اس سے قبل پاکستان، سعودی عرب، ترکی، ایران، ملیشیا، مصر اور سینیگال کے وزرائے خارجہ نے اقوام متحدہ میں بند دروازے کے پیچھے ایک میٹنگ کی، جس میں ایرانی وزیر خارجہ علی اکبر ولایتی نے تجویز پیش کی کہ یہ گروپ بوسنیائی مسلمانوں کے دفاع کے لئے ایک اسلامی رضاکار فوجی دستہ بنائے نیز تنظیم کے جنرل سکریٹری حامد الغابد نے اقوام متحدہ سے بوسنیائی مسلمانوں کا قتل عام رکوانے کے لئے سربوں کے خلاف بڑے پیمانے پر فضائی حملات استعمال کرنے کا مطالبہ کیا۔

جنوبی افریقہ

نسل پرستی کا خاتمہ

اپریل کے آخری ہفتہ میں افریقہ میں پہلے کثیر نسلی انتخابات ہوئے جن میں ۴۰۰ ممبر کی قومی اسمبلی کے لئے ووٹ ڈالے گئے انتخابات میں پہلی مرتبہ سیاہ فام اکثریت کو حق رائے دہی کا موقع ملا اور اسی کے ساتھ ساڑھے تین صدی پرانی نسل پرستی کا خاتمہ ہو گیا۔ واضح رہے کہ اب تک جنوبی افریقہ کی سیاہ فام اکثریت کو ووٹ ڈالنے کے حق سے محروم رکھا گیا تھا اور سفید فام اقلیت کی حکومت نے ان کے ساتھ ہر طرح کا نازیبا سلوک روا رکھا تھا۔ ان انتخابات میں متعدد نسلوں پر مشتمل سیاسی پارٹیوں نے حصہ لیا ہے جس میں افریقن نیشنل کانگریس کو بھاری اکثریت کے ساتھ کامیابی ملی لہٰذا ۱۰ مئی کو اے۔ این۔ سی کے رہنما ڈاکٹر نیلسن منڈیلا کو ایک عظیم الشان تقریب میں پہلے سیاہ فام صدر کی حیثیت سے حلف دلایا گیا، حلف برداری کے وقت صدیوں سے کچلے دبے، بھوک، افلاس اور بیماری سے جڑے افریقی خوشی سے جھوم رہے تھے۔ نیلسن منڈیلا نے اس تقریب میں وعدہ کیا کہ وہ کروڑوں سیاہ فاموں کی رہائش، ملازمت اور تعلیم و صحت کے لئے مربوط پروگرام بنائیں گے۔ نیلسن منڈیلا نے نسل پرستی کو غیر معمولی آفت انگیز اور نفرت آمیز انسانی جرم قرار دیتے ہوئے کہا کہ صدیوں تک یہ نفرت آمیز نظام قائم رہا اب ہم جو سماج تعمیر کرنے والے ہیں اس میں سیاہ فام و سفید فام دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔

ہندوستان

وزیر اعظم کا دورہ امریکہ

وزیر اعظم پی وی نرسمہا راؤ مئی کے تیسرے ہفتہ میں امریکہ دورہ کریں گے جہاں ان کی ملاقات امریکی صدر بل کلنٹن سے ۱۹ مئی کو ہوگی۔ توقع کی جاتی ہے کہ اس ملاقات میں دونوں رہنما باہمی تعلقات جوہری اسلحہ کے معاہدۂ عدم پھیلاؤ، بین الاقوامی حالات اور علاقائی تحفظ کے لئے سیکورٹی سے متعلق امور پر تبادلۂ خیال کریں گے۔ واضح رہے کہ وزیر اعظم کا یہ دورہ اس دعوت پر ہو رہا ہے جو امریکی نائب وزیر خارجہ اسٹروب ٹالبوٹ کے حالیہ دورۂ ہندوستان کے موقع پر امریکی صدر کی جانب سے وزیر اعظم کو دی گئی تھی۔

پنچایتی راج ایکٹ

تاریخی پنچایتی راج ایکٹ جس کا مقصد نچلی سطح پر اقتدار عوام کے حوالے کرنا ہے اور جو ہندوستان کے بڑے لیڈروں کا خواب تھا ۲۴ اپریل ۱۹۹۴ کو قانونی طور پر نافذ ہو گیا ہے۔ مرکزی وزیر مملکت برائے دیہی ترقی مسٹر رامیشور ٹھاکر نے ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ آئین (۷۳ویں ترمیم) بل کی منظوری کے ایک سال کے اندر ریاستوں اور مرکزی علاقوں کو اپنے ریاستی قوانین میں ترمیم کر لینی تھی چونکہ گذشتہ برس ۲۴ اپریل کو پارلیمنٹ نے آئین (۷۳ویں) [illegible]

(باقی صفحہ [illegible])

ماہنامہ التوعیۃ نئی دہلی

جون ۱۹۹۴ء مطابق محرم الحرام ۱۴۱۵ھ

ایڈیٹر

رفیق احمد سلفی

شمارہ ۲

بدل اشتراک

خصوصی ممبر (سالانہ) ۱۵۰۰-۰۰ روپے

ہمدرد (سالانہ) ۵۰۰-۰۰ روپے

عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۰۰-۰۰ روپے

ششماہی ۵۵-۰۰ روپے

پاکستان و بنگلہ دیش

عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۲۵-۰۰ روپے

غیر ممالک سے

۳۵ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی

۳-C/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

AL-TAUIYAH Monthly

161/C-3 JogaBai

NewDelhi 110025

پرنٹر پبلشر محمد الیاس سلفی نے جید پریس بلیماران سے چھپواکر ماہنامہ "التوعیہ" ۳-C/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب

فکر و نظر

مقالات

نظم

بیانات اور رپورٹیں

فکرونظر

ابن احمد نقوی

جنوبی افریقہ

بیسویں صدی کا آغاز اور انجام اس قدر مختلف ہے کہ شاید خود ان اقوام کو بھی جنہوں نے سامراجیت کو اپنی قومی شناخت بنالیا تھا اس کا اندازہ نہیں ہوگا کہ وقت کا اونٹ ایسی انقلابی کروٹیں بدلے گا کہ ان کا سارا سرمایۂ غرور خاک میں مل جائے گا۔ فارسی کی ایک ضرب المثل ہے "عدو شرے برانگیزد کہ خیرے ما در آں باشد" اگر ہم عالمی تبدیلیوں کی ابتدا کا سراغ لگائیں تو ماننا پڑے گا کہ ہٹلر کی نازیت نے اس کی راہ ہموار کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ ہٹلر کی دوسری عالمی جنگ کا ہی ثمرہ تھا کہ سامراجی اقوام کے گھٹنے ٹوٹ گئے اور عالمی جنگ جیتنے کے بعد بھی ان میں اتنی سکت باقی نہیں رہ گئی کہ اپنی کالونیوں پر اپنے اقتدار کا جھنڈا اڑاتے رہیں۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد ایشیا اور افریقہ میں آزادی کا دور شروع ہوا اور تیزی سے غلام قومیں آزاد ہونے لگیں۔ افریقہ میں بھی کم وبیش سارے علاقے آزاد ہوگئے لیکن جنوبی افریقہ کا مسئلہ ایک مختلف نوعیت کا تھا۔ یہاں کی ساڑھے چار کروڑ کی سیاہ آبادی میں ۵۰ لاکھ گورے تھے جنہوں نے عملاً اس پوری مملکت کو اپنی جاگیر بنالیا تھا اور اپنی سفید حکومت قائم کرلی تھی اور نسل پرستی کا بدترین نظام برپا کر رکھا تھا۔ صرف گوروں کو ہی ووٹ دینے کا حق تھا کاروبار، کاشت اور زمینوں پر ان ہی سامراجیوں کا قبضہ تھا۔ گورے افراد کو اپنی حفاظت کے نام پر چاقو سے لے کر رائفل تک رکھنے کے لئے ۲۵ لائسنس دئے جاتے تھے جب کہ اگر کسی کالے کے پاس چھوٹا سا چاقو بھی برآمد ہوتا تو اسلحہ ایکٹ کے تحت اسے سزا دی جاتی تھی۔ کالوں کو ان سڑکوں پر بھی چلنے کی اجازت نہیں تھی جو گوروں کے لئے مخصوص تھیں ان پارکوں میں کوئی کالا آدمی قدم نہیں رکھ سکتا تھا جہاں گورے تفریح کے لئے آتے تھے ان ٹرینوں اور بسوں میں سفر کرنے کی اجازت نہیں تھی جن میں گورے سفر کرتے تھے۔ یہ سب ذلیل حرکتیں یہ مہذب گورے مغرب کی کھلی تائید کے تحت کرتے تھے مغرب کا جیسا کہ قاعدہ ہے وہ دوغلی روش اپناتا ہے۔ دوسروں کو دکھانے کے لئے تنقید بھی کرتا ہے تشویش کا اظہار بھی کرتا ہے کبھی کبھی دھمکیاں بھی دیتا ہے لیکن اندر اندر اپنے ان حلیفوں کی پیٹھ بھی ٹھونکتا رہتا ہے جیسا کہ صیہونیوں کے ساتھ اس کا رویہ ہے یا بوسنیا میں سربوں کے ساتھ اس کا عمل ہے یہی دوغلی پالیسی اس نے جنوبی افریقہ کے گوروں کے ساتھ اپنائی۔ جنوبی افریقہ پہلے دولت مشترکہ میں شامل تھا۔ ہندوستان اور دولت مشترکہ کے دیگر ایشیائی اور افریقی ممالک کا اصرار تھا کہ جنوبی افریقہ کو اس کی نسل پرستانہ پالیسی کے جرم میں دولت مشترکہ سے علیحدہ کردیا جائے لیکن برطانیہ جو دولت مشترکہ کا سربراہ ہے ہر قدم پر جنوبی افریقہ کا دفاع کرتا تھا اور اس کے خلاف ہر قرارداد کو رد کردیتا تھا بالکل اسی طرح جیسے امریکہ یو این او میں اسرائیل کے خلاف ہر اقدام کو رد کردیتا ہے۔ لیکن جب افروایشیائی ممبران نے متحدہ موقف کے ذریعہ برطانیہ کو مجبور کردیا کہ جنوبی افریقہ کو دولت مشترکہ سے خارج کردیا جائے تو برطانوی وزیراعظم (جو اس وقت اجلاس کی صدارت کررہے تھے) کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ ان جنوبی افریقہ کے جنونی گوروں کے لئے اپنی ہمدردی کو چھپا نہیں سکے اسی طرح جب اقوام متحدہ سے خارج کیا گیا تب بھی قدم قدم پر سفید اقوام نے مزاحمت کی۔ غرض نو آزاد اقوام کے شدید دباؤ کے تحت جنوبی افریقہ کو عالمی برادری سے علیحدہ کردیا گیا پھر بھی وہاں کے دہشت گرد سفید حکمراں اپنی نسل پرستی چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ عالمی برادری میں مقاطعہ ہونے کے بعد بھی مغرب درپردہ جنوبی افریقہ کو سہارا دیتا رہا اور چونکہ اسرائیل جو کہ جنوبی افریقہ کی طرح ہی نسل پرست ملک ہے علانیہ جنوبی افریقہ کا حامی اور حلیف تھا اس لئے مغرب کے لئے آسان راہ تھی کہ وہ یہودیوں کے ذریعہ جنوبی افریقہ کو اسلحہ اور دیگر سامان سپلائی کرتے رہتے

تھے اسرائیل شروع سے ہی عالمی غنڈہ کارول ادا کرتا رہا ہے اور امریکہ کی سرپرستی کے باعث اسے کبھی کوئی گزند نہیں پہنچ سکا اس لئے جنوبی افریقہ اور اسرائیل مغرب کی سامراجی ریشہ دوانیوں اور سفاکیوں کے سب سے بڑے آلۂ کار بن گئے تھے۔ جنوبی افریقہ نے بھی اسرائیل کی طرح اسلحہ سازی میں بے حد ترقی کی اور اطلاعات کے مطابق ایٹمی اسلحہ بھی تیار کر لئے جس طرح مغربی ایشیا میں عربوں کو مغرب کا حلقہ بگوش رکھنے کے لئے اسرائیل سامراجی اڈہ ہے اسی طرح افریقہ میں مغرب کے مفادات کی نگرانی جنوبی افریقہ کے ذمہ تھی لیکن دوسری طرف جنوبی افریقہ کے سیاہ فام اصل باشندے بھی آزادی کے لئے کفن بدوش تھے ان کی سرفروشیوں نے گوروں کو مستقل خوف میں مبتلا کر رکھا تھا چاقو سے لے کر کلاشنکوف اور اے کے ۴۷ جیسے ہتھیاروں سے لیس ہونے کے بعد بھی گورے اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ حفاظت کا یہ مصنوعی حصار انہیں زیادہ عرصہ تک بچا نہیں سکے گا۔
افریقن نیشنل کانگریس (اے این سی) آزادی کی تحریک کا علم اٹھائے ہوئے تھی۔ گوری حکومت نے کانگریس کے رہنما نیلسن منڈیلا کو ۲۷ سال تک جیل میں بند رکھا لیکن اس سے آزادی کی تحریک کی شدت کم نہیں ہوئی۔ جنوبی افریقہ میں ظلم و استبداد اور استعمار کے خلاف جدوجہد کا آغاز گاندھی جی نے کیا تھا انہوں نے ہندوستانیوں کو جدوجہد اور ستیہ گرہ کا راستہ دکھایا اور افریقن نیشنل کانگریس اسی جدوجہد کا پرچم بلند کئے ہوئے تھی۔ ظاہر ہے آزادی کی یہ تحریک کوئی آسان راستہ نہیں تھا۔ گوری اقوام کی سفاکی کی داستانیں دنیا کو معلوم ہیں ہم ہندوستانی بھی جلیان والا باغ جیسے خونیں مناظر نہیں بھول سکتے جنوبی افریقہ کے مجاہدوں کے سروں سے بھی خون کے کتنے ہی طوفان گذرے۔ ہزاروں افراد نے اپنی جانیں قربان کیں لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنوبی افریقہ کے گورے کسی حال میں پسپا ہونے والے نہیں ہیں۔ ادھر پڑوس میں انگولا اور موزمبیق میں خانہ جنگی کے سبب جنوبی افریقہ کو ان ملکوں میں بھی مداخلت کا موقعہ مل گیا دوسری طرف نامی بیا جسے عالمی ادارہ نے جنوبی افریقہ کے حوالے کر دیا تھا۔ وہاں بھی آزادی کی تحریک تیز تر ہو گئی تھی اور جنوبی افریقہ کا مینڈیٹ (تسلط) ختم کرنے کے لئے دباؤ بڑھ رہا تھا بالآخر سام نجوما کی قیادت میں نامی بیا آزاد ہو گیا۔ انگولا اور موزمبیق میں بھی اشتراکی مداخلت ختم ہونے پر حالات پرسکون ہو گئے پھر جنوبی افریقہ میں بھی نسل پرست صدر بوتھا کا اقتدار ختم ہو گیا اور اعتدال پسند ڈی کلارک نئے صدر بنے عالمی سیاست میں جس انداز سے تبدیلیاں آرہی تھیں ڈی کلارک اسے دیکھ رہے تھے سوویت یونین کے بکھراؤ اور امریکہ کے واحد عالمی طاقت بن جانے سے بھی صورت حال تبدیل ہو گئی تھی پہلے اشتراکیت کا ہوا دکھا کر کسی بھی ملک میں استبداد اور استعمار کی حمایت مغرب کی پسندیدہ پالیسی تھی بالکل اسی طرح جیسے کسی بھی مسلم ملک میں "مسلم بنیاد پرستی" کے فروغ کا الزام لگا کر وہاں کے ظالم، جابر اور مغرب پرست حکمرانوں کی سرپرستی کا جواز پیدا کر لینا امریکہ اور اس کے حلیفوں کی عام روش ہے۔ لیکن اشتراکی روس کے ختم ہونے کے بعد یہ خطرہ ختم ہو گیا تھا کہ جنوبی افریقہ آزاد ہو کر اشتراکی کیمپ میں چلا جائے گا۔ اس لئے امریکہ کو اب وہاں گوروں کے استبداد سے دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ ڈی کلارک نے تبدیلیوں کا آغاز کیا۔ نسل پرستی کے قوانین ختم کر دئے گئے یہ سب سے بڑا اور انقلابی قدم تھا۔ اس کیلئے ڈی کلارک کو گوروں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا کئی بار تو ان کا اقتدار بھی خطرے میں پڑ گیا لیکن انہوں نے حقیقت پسندی کی راہ اختیار کی۔ نیلسن منڈیلا کو بھی جیل سے رہا کر دیا گیا اور اسی کے ساتھ ملک میں عام بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر ایک عبوری سرکار قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو نئی مملکت کا آئین تیار کرے گی۔

جنوبی افریقہ کے سیاہ فام باشندوں کے لئے ساڑھے تین سو سالہ غلامی کے خاتمہ کی یہ پہلی علامت تھی کہ انہیں ووٹ کا حق دیا گیا۔ تاہم یہ راہ بھی آسان نہیں تھی جنوبی افریقہ میں بھی دیگر افریقی ممالک کی طرح قبائلی نظام رائج ہے قبیلوں کے سردار اپنے علاقے میں حاکم مطلق ہوتے ہیں ان قبائل کی دوسرے قبائل سے رقابت بھی ہوتی ہے اور یہ رقابت آج بھی کم و بیش ایسی ہی انداز کی ہوتی ہے جیسی جاہلی عرب کے قبائل میں ہوتی تھی جب جنگ

اور تصادم شروع ہوتے ہیں تو پھر وحشت و بربریت کی کوئی حد نہیں رہتی۔ روانڈا میں یہی قبائلی تصادم جاری ہے۔ جس میں لاکھوں افراد کام آچکے ہیں اور موت کے اس رقص کو روکنے والا کوئی نہیں ہے امریکہ کو عرب پٹرول کی ضرورت ہے اس لئے اس کا بیڑہ بحیرۂ روم میں مقیم ہے لیکن افریقہ میں ایسا کچھ نہیں ہے اس لئے اقوام متحدہ بھی تشویش سے آگے قدم نہیں بڑھاتی۔ جنوبی افریقہ میں افریقن نیشنل کانگریس کا حریف زولو قبیلہ بنا ہوا ہے اس کے رہنما بوتھالیزی کسی حال میں نئی تبدیلیوں کا ساتھ دینے کو تیار نہیں تھے ان کے بھتیجے گڈول زولو قبیلہ کے حاکم (بادشاہ) ہیں انہیں فکر تھی کہ نیلسن منڈیلا کے اقتدار سے ان کی بادشاہت خطرے میں پڑ جائے گی ادھر انتہا پسند گورے جو ساڑھے تین سو سالہ نسل پرستی کی روش سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھے انہوں نے زولو دہشت گردوں کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے کی کوشش کی اس کشمکش میں بہت خونریزی ہوئی۔ مگر انجام کار بوتھالیزی کو الیکشن کے بائیکاٹ کا فیصلہ واپس لینا پڑا کچھ مراعات اور تحفظات کے وعدوں کے بعد بادل ناخواستہ وہ بھی "قومی دھارے" میں شامل ہو گئے۔ الیکشن کے بعد نیلسن منڈیلا آزاد جنوبی افریقہ کے صدر اور ڈی کلارک نائب صدر بن گئے ہیں اس عبوری مدت میں ملک کا دستور تیار ہونا ہے سیاسی تبدیلی جتنی حیرتناک تیزی اور کامیابی سے عمل میں آئی ہے آئندہ مراحل بھی اسی کامیابی سے طے ہو سکیں گے یہ کہنا قبل ازوقت ہوگا۔ مگر گورے سامراج نے جس انداز سے بدلتے حالات کا رخ پہچانا ہے اور عالمی تبدیلیوں سے خود کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے اس سے امید کی جاسکتی ہے کہ عقل وشعور کی روشنی کام کرتی رہے گی اصل خطرہ قبائلی کشمکش سے ہے زولو قبیلہ بہت طاقتور قبیلہ ہے اس وقت حالات کے دباؤ سے مجبور ہو کر اس نے نیلسن منڈیلا سے مصالحت کرلی ہے لیکن کیا آئندہ بھی حالات کے دباؤ کی یہ مجبوری باقی رہے گی۔ کیا دیگر افریقی ممالک کی طرح جنوبی افریقہ میں بھی خانہ جنگی کا دور نہیں آئے گا۔ انگولا' موزمبیق' لائبیریا' یوگنڈا' روانڈا' چاڈ' نائیجریا' کانگو' سوڈان غرض براعظم افریقہ کے بیشتر ممالک میں خانہ جنگی اور کشت وخون کا دور رہا ہے اور اب بھی جاری ہے وہاں آزادی کا دور ایک طرح سے خانہ جنگی کا دور ہوتا ہے جب ہندوستان میں آزادی کی تحریک شباب پر تھی تو ایک بار ونسٹن چرچل نے (جو برطانوی شہنشاہیت کا سب سے بڑا وفادار تھا اور برملا کہتا تھا کہ میں اس لئے وزیر اعظم نہیں بنا ہوں کہ ملک معظم کی سلطنت کے ٹکڑے کردوں) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر ہم نے ان لوگوں کو آزادی دے دی تو یہ درندوں کی طرح آپس میں لڑنے لگیں گے۔ ہندوستان کے تناظر میں بھی چرچل کی یہ بات غلط نہیں تھی لیکن براعظم افریقہ میں اس گورے سامراجی کا مقولہ کم وبیش ہر جگہ درست ثابت ہوا ہے وہاں غلامی کا پھندا ٹوٹتے ہی لوگ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگتے ہیں اور واقعی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی ان اقوام کو آزادی کا مستحق بننے کے لئے مزید انتظار کی ضرورت تھی۔

براعظم افریقہ اگرچہ مختلف ملکوں اور خطوں میں تقسیم ہے لیکن دو نمایاں خطے ہیں ایک بالائی خطہ جو عرب افریقی خطہ کہلاتا ہے۔ جس میں مصر' لیبیا' الجیریا' تیونس' مراکش' ماریطانیہ شامل ہیں یہ ممالک عرب قوم سے تعلق رکھتے ہیں عرب لیگ کے ممبر ہیں اور افریقہ سے زیادہ مغربی ایشیا کی سیاست کے مدوجزر سے وابستہ ہیں دوسری طرف سوڈان' یوگنڈا' نائیجریا' اریٹریا جیسے ممالک ہیں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں لیکن ان کی سیاست مغربی ایشیا کے تابع نہیں ہے اگرچہ رابطہ عالم اسلامی کے ممبر ہونے کے ناطے عالم اسلام یعنی عالم عرب سے گہرے روابط ہیں تاہم اسی کے ساتھ وہ اپنے مفاد اور مصلحت کے لئے اسرائیل کی طرف بھی جھک جاتے ہیں۔ جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کی بھی خاصی تعداد ہے مقامی اور ہندوستانی نسل کے مسلمان بھی وہاں ہیں۔ ہندوستانی مسلمان کاروبار میں کافی آگے ہیں اور اسی کے ساتھ دینی جذبہ بھی رکھتے ہیں اور اس کے لئے حرکت وعمل میں بھی پیچھے نہیں رہتے۔ اب نئے حالات میں مقامی اور غیر مقامی مسلمانوں کو اسلام کا تعارف وسیع پیمانے پر کرانے کے لئے آگے آنا چاہیے۔ آزادی کے بعد جنوبی افریقہ میں رنگ وار طبقے (جن میں غالب اکثریت ہندوستانیوں کی ہے) کو اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ خدشات ہیں ان کے سامنے

یوگنڈا اور کینیا وغیرہ کی مثالیں ہیں جہاں انگریزی اقتدار ختم ہونے کے بعد مقامی باشندوں نے ہندوستانیوں کو ستایا انہیں استحصال پسند قرار دیا ان کے کاروبار ختم کر دیئے گئے یوگنڈا سے سب کو نکال باہر کیا گیا۔ اگرچہ نیلسن منڈیلا کی سرکار نے ہر طبقے کو تحفظ کا یقین دلایا ہے لیکن مستقبل کے حالات کی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔ ہندوستان میں گاندھی نہرو کے دور کے بعد سنگھ پریوار کا دور آگیا اور اس ملک کی دوسری اکثریت یرغمال بنادی گئی اسی طرح جنوبی افریقہ میں بھی کل جارحانہ قوم پرستی کی لہر آسکتی ہے اور ان کا مستقبل تباہ ہو سکتا ہے اگرچہ نیلسن منڈیلا کے ساتھ کئی اہم ہندوستانی نژاد لیڈر ہیں اور اس وقت ایسی کوئی بات نہیں ہے جو ہندوستانیوں کو مضطرب کرے۔ مگر سوال آج کا نہیں مستقبل کا ہے خواہ وہ مستقبل قریب ہو یا بعید۔ ہم ہندوستان میں یہی سب کچھ دیکھ چکے ہیں آزادی وطن کے بعد مسلمانوں کے بڑے بڑے رہنما کانگریس کے ساتھ تھے آزادی کے ابتدائی ایام کشیدگی کے باوصف نسبتاً پُرسکون تھے لیکن مسلمانوں کی کانگریس سے قربت' آزادی کے لئے ان کی قربانیاں' تقسیم کے بعد بھی وطن سے ہجرت نہ کرنے کا سرفروشانہ فیصلہ، کوئی بھی آر ایس ایس کی سفاکیوں کے سامنے ڈھال نہیں بن سکا اور آج اگر نئی نسل کو بتایا جائے کہ ۱۹۹۴ء کے مقابلے میں ۱۹۵۴ء میں ہندو مسلم تعلقات زیادہ خوشگوار تھے تو وہ یقین نہیں کریں گے۔ ایک مثالی دستور بنالینا اور اس میں اقلیتوں اور دیگر طبقوں کو مراعات اور تحفظات دینا ایک حوصلہ افزا بات ہے لیکن دستوری تحفظات کا عملی حصول بھی تب ہی ممکن ہے جب ہندوستان میں پسماندہ طبقات کی طرح اپنی اکثریت ہو مسلمان اپنے دستوری تحفظات سے عملاً کچھ بہت زیادہ حاصل نہیں کر سکے جب کہ شیڈولڈ کاسٹ دستور سے بھی زیادہ لے گئے۔ ان حالات میں جنوبی افریقہ کے رنگ دار باشندوں کا مستقبل کے خدشات میں مبتلا ہونا محض فرضی اندیشہ نہیں ہے۔ انہیں ابھی سے مستقبل میں اپنے اقتصادی' ثقافتی' معاشرتی اور وجودی تحفظ کے لئے طویل المیعاد منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔ خدا کرے انہیں ہندوستان کی طرح کوئی نئے قائد اعظم نہ ملیں جو انہیں جذبات فروشی میں الجھا کر اپنی سیاسی دکانداری کو فروغ دیتے ہیں۔

یروشلم

ہزاروں داؤ پیچ' ڈپلومیٹک شعبدہ بازیوں اور مغرب کے آشیرواد کے بعد فلسطین کو نام نہاد محدود خود مختاری ملی اس کے آغاز سے ہی انجام کی سیاہی نظر آنے لگی ہے اور فلسطین اور اسرائیل کے درمیان براہ راست سیاسی تصادم کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ ۱۹۶۷ء میں یہودیوں نے فلسطین کے تمام علاقے پر قبضہ کر لیا ان میں مشرقی یروشلم بھی ہے جہاں مسجد اقصیٰ بھی واقع ہے اور ہیکل سلیمانی کی آخری یادگار دیوار گریہ بھی جو یہودیوں کے نزدیک مقدس ترین مقام ہے۔ اسرائیل نے یروشلم پر قبضہ کر کے اعلان کر دیا کہ اب یروشلم متحد ہو گیا ہے یعنی عربوں اور یہودیوں کے درمیان منقسم شہر اب مکمل طور پر یہودی اقتدار کے تحت آگیا ہے اور اب یہ اسرائیل کی ابدی راجدھانی ہوگا۔ ظاہر بات ہے یہ صیہونی دھاندلی تھی۔ عربوں نے اور دنیا کی دیگر انصاف پسند اقوام نے اس اعلان کو تسلیم نہیں کیا۔ اسرائیل نے آہستہ آہستہ اپنے دفاتر تل ابیب سے یروشلم منتقل کرنا شروع کر دیئے اس سے کافی سفارتی تنازعات پیدا ہوئے کئی مغربی ملکوں نے بھی اپنے سفارت خانے یروشلم منتقل کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ بھی اس مقدس شہر کو اس عرب علاقے کا حصہ سمجھتے تھے جس پر یہودیوں نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں قبضہ کر لیا تھا۔ عربوں نے شروع میں یروشلم کے بارے میں خاصا سخت موقف اختیار کیا اور عالمی رائے عامہ بھی ان کے حق میں تھی لیکن پھر جیسا کہ عربوں کا قاعدہ ہے امریکی دباؤ یا اپنی سیاسی مصلحتوں کے تحت اس معاملہ میں بھی ان کا جذبہ سرد ہو گیا اور پھر دنیا نے بھی یروشلم کے بارے میں صیہونی موقف کو مان لیا جب خود عرب ہی اس معاملہ میں سرگرم نہیں تو دنیا بھی کیوں بولے "مدعی سست گواہ چست" والی بات کیا اہمیت رکھتی ہے اب صیہونی عملاً یروشلم میں بیٹھ کر ہی حکومت کرتے ہیں بہت سے ملکوں کے سفارت خانے بھی یہاں منتقل ہو گئے ہیں صیہونیوں نے ویٹی کن سے بھی یروشلم کے بارے میں مفاہمت کر لی ہے اور پوپ کے یروشلم آنے کا بھی پروگرام ہے پہلے کافی عرصہ تک ویٹی کن یروشلم پر

اسرائیلی قبضہ کو تسلیم نہیں کرتا تھا لیکن پھر صیہونی اور صلیبی مفاد اسلام کے خلاف متحد ہوگیا۔ اب ویٹی کن نے صیہونی مملکت سے پورے سفارتی تعلقات بھی قائم کرلئے ہیں۔

جب فلسطین میں محدود خود مختاری کی بات چلی تو فلسطینیوں نے یروشلم کا مسئلہ بھی اٹھایا صیہونی یروشلم کے سوال کو ناقابل مصالحت قرار دیتے ہیں یعنی اس مسئلہ پر کوئی بات نہیں ہوسکتی یروشلم اسرائیل کا ابدی دارالحکومت ہے۔ اس نے کسی فلسطینی کو جو یروشلم کا باشندہ ہو خود مختاری کی بات چیت میں شریک ہونے کی اجازت دینے سے بھی انکار کردیا فیصل الحسینی جو یروشلم میں رہتے ہیں انہیں امریکی مداخلت پر ہی فلسطینی وفد میں شرکت کا حق مل سکا۔ محدود خود مختاری کی گفتگو یروشلم کے مسئلہ پر شدید تعطل کا شکار ہوئی جس طرح یہودی یروشلم کے بارے میں ضد کرتے ہیں اسی طرح فلسطینی بھی اس سوال پر شدید جذباتی ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کا موقف صحیح ہے مشرقی یروشلم عرب فلسطین کا حصہ ہے اور اگر یاسر عرفات یہ کہتے ہیں کہ یروشلم آزاد فلسطین کا دارالحکومت ہوگا تو اس میں غلط بات کیا ہے اسرائیلی ناجائز طور پر یروشلم اور دیگر عرب علاقوں پر قابض ہیں ۱۹۶۷ء سے پہلے یروشلم کے اس علاقے پر شاہ حسین والی اردن کا اقتدار تھا اور یہودیوں کو اس حصہ میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ اگر امریکہ اور دیگر صلیبی طاقتوں کی سرپرستی یہودیوں کو حاصل نہ ہوتی تو وہ ان علاقوں پر اتنے عرصے قابض نہیں رہ سکتے تھے۔ یہ صلیبیوں کا اسلام اور مسلمانوں کے متعلق تعصب ہے جس نے صیہونیت کو فلسطین پر مسلط کیا ہے اور اب بھی کھلی دھاندلی اور جانبداری کررہے ہیں۔ بہرحال فلسطینیوں کے شدید اصرار پر اور بات چیت کو ناکام ہونے سے بچانے کیلئے یہ طے ہوا کہ محدود خود مختاری کے معاہدہ پر عمل درآمد کے دو سال بعد یروشلم کے بارے میں گفتگو کی جائے گی۔ ظاہر ہے اس سے امریکہ اور صیہونیوں کا مقصد اس مسئلہ کو فی الوقت سرد خانے میں ڈالنے کا تھا فلسطینیوں کی مجبوری یہ تھی کہ وہ ایک ایسی لڑائی لڑ رہے تھے جس میں دنیا کی ہمدردیاں تو ان کے ساتھ ہیں لیکن امریکی دباؤ کے سامنے بولنے کا یارا نہیں۔ اس لئے فلسطینیوں نے اسے بھی کامیابی سمجھا کہ کل تک یہودی جس مسئلہ پر بات کرنے کو بھی تیار نہیں تھے اب دو سال بعد ہی سہی اس پر بات کرنے کو آمادہ تو ہوئے یعنی انہوں نے یہ تو مانا کہ یروشلم پر فلسطینیوں کا دعویٰ قابل گفت و شنید ہے اب دو سال بعد کیا ہوگا اس بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں ۱۹۹۶ء میں اسرائیل میں عام انتخابات ہوں گے اسرائیل کے ۱۹۷۱ء کی جنگ کے ہیرو اور انتہا پسند دہشت گرد اریل شیرون نے اعلان کیا ہے کہ وہ لیکود پارٹی کی طرف سے وزیراعظم کے عہدے کے امیدوار بنیں گے اس اعلان نے یہودیوں کی اس دہشت گرد پارٹی کے موجودہ سربراہ بنجامن نیتیا ہو کی پوزیشن خراب کردی ہے اور خود وزیراعظم رابن کی پوزیشن کو بھی خطرہ ہوسکتا ہے کیونکہ یہودی انتہا پسندی حالات کا رخ بدل سکتی ہے اگر لیکود پارٹی ۱۹۹۶ء میں برسر اقتدار آگئی تو فلسطین کی محدود خود مختاری بھی معرض خطر میں پڑجائے گی کیونکہ یہ دہشت گردوں کی پارٹی عربوں کو کوئی رعایت دینے یا ۱۹۶۷ء میں قبضہ کئے گئے کسی فلسطینی علاقے سے دست بردار ہونے کی شدید مخالف ہے۔ یہ پارٹی گذشتہ ۱۲ سال تک برسر اقتدار رہی میناخم بیگن اور اسحاق شامیر اس کے سربراہ تھے اور دونوں ہی سفاک دہشت گرد تھے شامیر کی وزارت عظمیٰ کے آخری دور میں فلسطینی خود مختاری کی بات چیت شروع ہوئی۔ اس صیہونی دہشت گرد نے الیکشن میں ہارنے کے بعد خود اعتراف کیا کہ اس کا پلان یہ تھا کہ گفتگو کو دس سال تک طول دیا جائے اور اس عرصہ باہر کے یہودیوں کی فلسطین کے مقبوضہ علاقوں میں آبادکاری کا سلسلہ پوری سرگرمی سے جاری رہے اس کے بعد جب ہر طرف یہودی آبادکاروں کا غلبہ ہوجائے تو گفتگو سے دامن کھینچ لیا جائے بظاہر تو یہ ایک احمقانہ منصوبہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دہشت گرد حکمران جو چاہے اور جس طرح چاہے حالات اسی کے مطابق گردش کرتے رہیں لیکن اگر اسے اس تناظر میں دیکھا جائے کہ سوویت روس کے انتشار کے بعد امریکہ عالمی طاقت ہے عالمی سیاست اسی کے اشارے پر چل رہی ہے اور امریکہ پر عملاً صیہونی لابی حکومت کرتی ہے تو شامیر کا منصوبہ احمقانہ نہیں تھا اسے معلوم تھا کہ اگر امریکی یہودی اس کی تائید میں رہے تو بلاشبہ وہ

ایسا کر سکتا ہے۔ بہر کیف بُش کے مخالفانہ رویہ اور اسرائیل کو دئے جانے والے قرضہ کی ضمانت سے انکار پر شامیر کو انتخابات میں شکست ہوئی۔ ہارنے کے بعد اس نے سیاست سے بن باس لے لیا۔ اب فلسطین میں محدود خود مختاری کا آغاز ہو چکا ہے۔ یروشلم کے معاملہ پر اسرائیل اور فلسطین کے درمیان زبانی تصادم اس وقت شروع ہوا جب یاسر عرفات نے جو جنوبی افریقہ کی آزادی کی تقریبات میں حصہ لینے گئے تھے جوہانسبرگ کی ایک مسجد میں مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کو یروشلم کی آزادی کے لئے جہاد کرنا چاہیے جب یہ خبر امریکہ اور اسرائیل پہنچی تو صلیبیوں اور صہیونیوں کے چھکے لگ گئے رابن اور کرسٹو فر دونوں نے یاسر عرفات کے اس بیان کی شدید مذمت کی رابن نے یہاں تک دھمکی دی کہ اگر یاسر عرفات کی تقریر کی یہ صحیح رپورٹنگ ہے تو خود مختاری کا معاہدہ ناکام ہو سکتا ہے دراصل مغرب اور صہیونی دونوں کو ہی جہاد کے لفظ سے الرجی ہے صلیبی ابھی تک یروشلم پر صلاح الدین ایوبی کے جہاد اور یلغار کو نہیں بھولے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ کوشش کی کہ مسلمانوں کی لغت سے جہاد کا لفظ خارج کر دیا جائے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے جب جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا تو وہ ہندوستان میں صلیبی حکمرانوں کا منظور نظر بن گیا۔ رونالڈ ریگن جب امریکہ کے صدر کا عہدہ سنبھال کر تقریر کرنے اٹھے تو انہیں سب سے زیادہ تشویش اس پر تھی کہ مسلمان اب بھی جذبۂ جہاد سے سرشار ہیں۔ غرض یاسر عرفات جہاد کا لفظ استعمال کرنے پر صلیبی اور صہیونی کٹہرے میں کھڑے کر دئے گئے بے چارہ بے یار و مددگار فلسطینی رہنما اپنی صفائی دینے لگا جہاد کے لغوی معنی بیان کرنے لگا کہ اس کا مطلب لڑائی یا جنگ نہیں بلکہ جدوجہد ہے اور اپنی بات کو مزید قابل فہم بنانے کے لئے جہاد کو ایک جملے میں استعمال کر کے بتایا کہ "میں امن کے لئے جہاد کرتا رہوں گا" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلیبیوں اور صہیونیوں نے عرفات کی معذرت قبول کر لی ہے اور انہیں معاف کر دیا۔ ادھر دوسری کشمکش یہ شروع ہو گئی کہ یروشلم میں پی ایل او کے کچھ دفاتر ہیں جو دونوں ملکوں کی گفتگو کے درمیان قائم کئے گئے پی ایل او کی اس شاخ کا صدر دفتر اورینٹ ہاؤس

اب تنازعہ کی بنیاد بن گیا ہے۔ یہودی چاہتے ہیں کہ یہ دفتر بند کر دئے جائیں اور انہیں یروشلم سے جریکو منتقل کر دیا جائے لیکن فلسطینی اس کے لئے آمادہ نہیں ہیں ان کا کہنا ہے کہ یروشلم میں ان کی تنظیم کے جو دفاتر ہیں وہ کام کرتے رہیں گے اس سلسلے میں انہوں نے وزیر خارجہ شمعون پیریس کے ایک خفیہ خط کا متن بھی شائع کر دیا ہے۔ ادھر وزیر اعظم رابن کا کہنا ہے کہ ایسا کوئی خط نہیں بھیجا گیا لیکن پیریز کے خط کی تصدیق اسرائیلی وزارت خارجہ نے بھی کر دی ہے۔ اسرائیل کا اصرار ہے کہ اورینٹ ہاؤس بند کر دیا جائے جب کہ فیصل الحسینی کا کہنا ہے کہ یروشلم سے فلسطینی دفاتر بند کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اب رابن نے ایک قانون کے ذریعہ یروشلم سے فلسطینی دفاتر ہٹانے کی دھمکی دی ہے یاسر عرفات جریکو آنے والے ہیں وہاں سے وہ یروشلم بھی آنا چاہتے ہیں۔ یہودی حکومت کا کہنا ہے کہ وہ اس سے اجازت کے بغیر یروشلم نہیں جا سکتے دوسری طرف اسرائیل پولیس کے سربراہ کا کہنا ہے کہ یاسر عرفات کے یروشلم آنے پر کم از کم دس ہزار اسرائیلی سپاہی ان کی حفاظت پر مامور کئے جائیں گے۔

اب ایک یہودی مذہبی رہنما (ربی) نے یاسر عرفات کے قتل کا فتویٰ دے دیا ہے۔ ان کے قتل پر انعام کا اعلان بھی کیا گیا ہے۔ اس اعلان پر مغرب میں کوئی پتہ نہیں کھڑکا۔ وہی صلیبی مغرب جس نے رشدی کے خلاف آیت اللہ خمینی کی جانب سے قتل کا فتویٰ دئے جانے پر ساری دنیا کو سر پر اٹھا لیا تھا۔ یاسر عرفات کے قتل کے فتویٰ پر اس طرح خاموش ہے جیسے یہ کوئی تشویش ناک یا غیر معمولی اور قابل مذمت بات ہی نہ ہو۔ صلیبی مغرب کس طرح اپنے مفاد اور مصلحت کے مطابق دوہرے معیار اپناتا ہے اس کی یہ ایک مثال ہے رشدی کی ہرزہ سرائی پر احتجاج کرنے والے مسلمان ہر جگہ بنیاد پرست، رجعت پسند اور ظلمت پرست کہلائے۔ پورے مغرب نے آج بھی ایران کا گھیراؤ کر رکھا ہے کہ رشدی کے قتل کا فتویٰ واپس لیا جائے۔ رشدی کو جگہ جگہ انعامات سے نوازا جا رہا ہے تاکہ وہ اپنی پستی کردار پر نادم ہو کر قدم پیچھے نہ ہٹالے اور ایک نام نہاد مسلمان کے ہاتھوں اسلام پر رکیک حملہ کرا کے اور تمام دنیا

کے مسلمانوں کو ذہنی اذیت پہنچا کر صلیبیوں نے اپنے نزدیک جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کے غبارے کی ہوا نہ نکل جائے۔ صلیبی مغرب کی تائید میں خود ہمارے ہاں رشدی کے قتل کے فتویٰ کے خلاف جو غوغا آرائی ہوئی تھی اس سے بھی سب واقف ہیں لیکن یاسر عرفات کے قتل کے فتویٰ پر ہمارے ذرائع ابلاغ بھی خاموش ہیں ظاہر ہے جب تک مغرب سے آواز نہ اٹھے اس وقت کوئی دوسرا بولنے کا حوصلہ کیسے کر سکتا ہے۔ ذہنی غلامی، فکری افلاس اور کردار کے کھوکھلے پن کے لئے کیا کسی اور مثال کی بھی ضرورت ہے؟

منیٰ کا حادثہ

اس بار پھر حج کے موقعہ پر ایک المناک حادثہ میں ۲۷۰ حجاج جاں بحق ہوگئے۔ اس سے پہلے بھی ایرانی زائرین اور سعودی حفاظتی دستوں کے درمیان تصادم میں سیکڑوں افراد کی ہلاکت ہوئی تھی اس کے بعد حجاج کے خیموں میں آگ لگ جانے سے بھی کافی جانی مالی نقصان ہوا تھا۔ جہاں تک سعودی حکومت کی جانب سے حجاج کے آرام و آسائش اور حج کے دوران نظم و ضبط برقرار رکھنے کی کوششوں کا تعلق ہے کسی نے اس پر شک و شبہ کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ برملا اعتراف کیا گیا کہ حکومت سعودی عرب اس سلسلے میں اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتی ہے ایران میں ایک خاص فکر اور پالیسی کے تحت سعودی عرب کے خلاف منظم پروپیگنڈا مہم جاری رہتی ہے۔ ایرانی زائرین کے حادثے کے بعد حکومت ایران کو سنہرا موقعہ ہاتھ آگیا اور عالمی پیمانے پر اپنے ہمنواؤں کو ورغلایا گیا کہ مقامات مقدسہ کو عالمی اسلامی انتظام میں دینے کا مطالبہ کیا جائے اس مہم میں انہیں قبوری شریعت کے پیروؤں کی خاص حمایت حاصل رہی جو نجد و حجاز میں مقبرے اور مزارات منہدم کرنے اور قبروں پر عرس اور میلے ممنوع قرار دئے جانے کے سبب آل سعود سے خدا واسطے کا بیر رکھتے ہیں۔ اس سال کے حادثے کے بعد ان عناصر نے پھر وہی پرانا راگ الاپنا شروع کردیا جہاں تک اس مطالبہ کی لغویت کا سوال ہے وہ اسی سے ظاہر ہے کہ اس کی حمایت میں چند مغلوب پرستوں کے علاوہ کوئی سنجیدہ اور ذمہ دار آواز نہیں اٹھی اور نہ کسی معتبر حلقے میں اسے درخور اعتنا سمجھا جاتا ہے۔ تاہم اس بارے میں سب متفق ہیں کہ حج کے دوران بار بار اس قسم کے المناک واقعات کا سدباب کرنے کے لئے کوئی منصوبہ ضرور بنایا جانا چاہیے۔ اس سال ۲۵ لاکھ افراد حج کے لئے پہنچے یہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا مذہبی اجتماع ہے۔ ویٹی کن میں کرسمس کے موقعہ پر بھی اتنی بڑی تعداد میں زائرین جمع نہیں ہوتے۔ یہ ایک کثیر قومی عالمی اجتماع ہے مختلف نسلوں، قوموں اور ملکوں کے لوگ جمع ہوتے ہیں ہر طبیعت اور مزاج کے لوگ ان میں شامل ہوتے ہیں وہ بھی جو پورے خشوع و خضوع اور سکون و اعتدال سے مناسک حج ادا کرتے ہیں اور وہ بھی جو مجاہدانہ جوش اور جذبے سے سرشار ہوتے ہیں اور سکون و اعتدال کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ ارض مقدس میں حاضری اور دیار حبیب کا منظر ان کے جذبات میں جوش و ہیجان پیدا کردیتا ہے اور وہ بے خود بلکہ بے قابو ہوجاتے ہیں ان کا یہ جذبہ بلاشبہ قابل ستائش ہے لیکن اگر یہ جوش اور جذبہ ہوش اور اعتدال سے گذر جائے تو المناک نتائج بھی پیدا کرتا ہے منیٰ کا حادثہ اسی کا مظہر ہے جوش اور جذبے سے سرشار ہوکر یہ حضرات یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے ساتھ جو دیگر حجاج ہیں ان کے بھی کچھ جذبات اور حقوق ہیں اور ان کے احساسات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ دراصل جوش اور جذبہ چیز ہی ایسی ہے کہ انسان کو گرد و پیش سے بے خبر کردیتا ہے کہتے ہیں کہ جب امریکہ میں آزادی کا اعلان ہوا تو ہر طرف جوش و مسرت اور جشن کا سماں تھا۔ ایک صاحب آزادی کے جوش میں ہوا میں مُکّے اچھالنے لگے۔ اتفاق سے ایک مُکّا پاس کھڑے ایک شخص کی ناک پر لگا اور خون بہنے لگا۔ یہ تنازعہ عدالت میں پہنچا۔ مُکّے اچھالنے والے شخص نے اپنا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ ہم آزاد ہیں تو ہمیں ہر طرح آزادی کے اظہار کا حق ہے۔ عدالت نے اس دلیل کو تسلیم نہیں کیا جج نے ان صاحب پر جرمانہ عائد کرتے ہوئے کہا کہ جہاں اس شخص کی ناک شروع ہوتی ہے وہاں تمہاری آزادی کی حد ختم ہوجاتی ہے۔ کتابوں میں یہ واقعہ بطور لطیفہ نقل کیا گیا ہے لیکن اس امریکن جج نے ایک بڑی بنیادی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہر شخص کو اپنی حد میں رہنا چاہیے۔ مخلل ہوا معاشرہ معاہدت ہوا

اجتماع ہر جگہ ہر شخص کے لئے یہ لازمی ہے کہ دوسروں کا لحاظ رکھے بد قسمتی سے ہمارے یہاں یہ ذہن عام نہیں ہے۔ مسجدوں میں ہم یہی دیکھتے ہیں کہ نمازی پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حدیث میں اس کی واضح ممانعت کے باوجود جو ایک مزاج بن گیا ہے اسی پر عمل کیا جاتا ہے منیٰ میں بھی یہی ہوا رمی کے لئے سب سے آگے جانے کی غیرذمہ دارانہ حرکت نے تین سو کے قریب افراد کی جان لے لی۔ ظاہر ہے اس بے اعتدالی کے لئے سعودی حکام کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ۲۵ لاکھ کا مجمع اپنی جگہ ایک بہت بڑے شہر کی آبادی ہے پھر ایک مختصر اور محدود عرصے میں مناسک کی ادائیگی لاکھوں افراد کا ایک ساتھ حرکت کرنا، ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ہونا وقت پر ارکان کی ادائیگی یہ ایسی باتیں ہیں جن پر سرکاری کنٹرول نہیں کیا جاسکتا جب تک افراد خود باشعور اور باخبر نہ ہوں سپاہی یا رضاکار انہیں انگلی پکڑ کر نہیں چلا سکتے۔ نہ حکومت ہر ہر قدم پر انہیں ہدایات دے سکتی ہے۔ حج ایک عبادت ہے کوئی تفریحی اجتماع یا پکنک نہیں ہے کہ آدمی ہیجان اور سرمستی کا مظاہرہ کرے۔ اور دوسروں کو دھکیل کر یا گرا کر خود آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ بہر حال ان حادثات کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حج سے پہلے زائرین کو کم از کم ایک ہفتہ تک مناسک حج کی معلومات 'وہاں صبر و سکون سے رہنے اور دوسروں سے مسابقت نہ کرنے کی ٹریننگ دی جائے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جو ٹیکنکل کورس ہوتے ہیں ان میں مبتدی طلبہ کے لئے اورنٹیشن کورس کا انتظام کیا جاتا ہے تاکہ طلبہ کو کورس سے متعلق ابتدائی معلومات ہو جائے اور وہ بہتر طریقے پر تیکنکی ضابطوں کو سمجھ سکیں۔ اگر ہر ملک اور علاقے میں حج کمیٹیاں اس قسم کا بندوبست کر سکیں تو بلاشبہ اس سے بہتر نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے۔ ایک یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بہت سے لوگ بار بار حج کو جاتے ہیں اس میں کئی عوامل کار فرما ہوتے ہیں کچھ تو واقعی دینی جذبے سے سرشار ہو کر بار بار وہاں جانا چاہتے ہیں جب کہ بہت سے دوسرے کاروباری مقاصد کے ساتھ جاتے ہیں اس چیز کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے حج ساری عمر میں صرف ایک مرتبہ صاحب استطاعت پر فرض ہے بار بار حج کو جانا جذباتی طور پر کتنا ہی مستحسن ہو موجودہ حالات میں پسندیدہ قرار نہیں دیا جاسکتا وہی رقم جو بار بار حج پر صرف کی جاتی ہے اسے اللہ کے دیگر مستحق بندوں کو دے کر انہیں نکبت و افلاس سے بچایا جاسکتا ہے۔ ان کی تاریک زندگیوں میں امید کی روشنی لائی جاسکتی ہے نفلی حج کے مقابلے میں انفاق اللہ کے نزدیک بلاشبہ بہت پسندیدہ ہے پھر اس سے بھیڑ بھاڑ کم ہونے میں بھی مدد مل سکتی ہے فرض کیجئے ان ۲۵ لاکھ میں سے اگر ۵ لاکھ بھی نفلی حج کے لئے گئے تھے تو ان کے نہ جانے سے وہاں صورت حال کافی بہتر ہو سکتی تھی بھیڑ بھاڑ کم ہونے سے حادثات کے امکانات بھی کم ہو جاتے ہیں۔ یہ بات کہ ضعیف اور عمر رسیدہ لوگوں کو حج کے لئے جانے سے مسائل پیدا ہوتے ہیں دل کو لگنے والی بات نہیں ہے۔ ہندوستان میں جوان العمر مسلمان کے لئے سب سے پہلا کام معاشی فراغت ہے ظاہر ہے ہر ایک کے پاس اتنا پیسہ نہیں ہوتا کہ وہ اول عمر میں حج کر آئے پیسہ جوڑتے جوڑتے آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے پھر خانگی مسائل ہوتے ہیں ان سب سے فارغ ہوتے ہوتے زندگی کا سورج لب بام آجاتا ہے اب اگر وہ اس عمر میں سرمایہ اکٹھا ہونے پر بھی حج کی حسرت لئے چل بسے تو یہ کیسی بدقسمتی کی بات ہوگی۔ اگر افریقہ کے لوگ جوان العمری میں حج کرنے آتے ہیں عظیم الجثہ ہوتے ہیں تو انہیں اس بات پر آمادہ کیا جانا چاہیے کہ وہ ڈسپلن کے پابند ہوں۔ یہم شحیم اور طاقتور ہونا اس بات کا لائسنس نہیں ہے کہ ضعیف اور عمر رسیدہ زائرین کو کچل ڈالا جائے بہتر ہو کہ سعودی حکام ان افریقی ممالک کی حکومتوں کو اس کا پابند بنائیں کہ وہ اپنے یہاں کے قوی افراد کو حج کے دوران طاقت آزمائی یا مسابقت سے باز رہنے کی عملی تربیت دیں تاکہ اس قسم کے المناک حادثات کا اعادہ نہ ہو۔

حدیث بے خبراں ہے تو با زمانہ بساز !
زمانہ با تو نسازد، تو با زمانہ ستیز !
(اقبال)

ابوصادق عاشق علی اثری

حقوق والدین

(۶)

صلہ رحمی کی فضیلت اور قطع رحمی کی مذمت:

● ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک سفر میں ایک بدوی (دیہاتی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

اخبرني مايقربني من الجنة ويباعدني عن النار، قال: تعبد الله، ولاتشرك به شيئا، وتقيم الصلوة، وتؤتى الزكوة، وتصل الرحم (صحيح بخاري الزكوة ٢٤ باب وجوب الزكوة ١ ح ١٣٩٦، صحيح مسلم الإيمان ١ باب الإيمان الذى يدخل به الجنة وأن من تمسك بما أمر الله به دخل الجنة ٤ ح ١٣، صحيح الأدب المفرد باب صلة الرحم ٢٦ ح ٤٩)

مجھے ایسی چیز کی خبر دیجئے جو مجھے جنت سے قریب اور جہنم سے دور کردے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اللہ کی عبادت کر، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر، اور صلوٰۃ قائم کر، اور زکوٰۃ ادا کر اور صلہ رحمی کر۔

● ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أفش الكلام، وأفش السلام، وصل الأرحام، وصلّ بالليل والناس نيام، ثم ادخل الجنة بسلام ـ (صحيح جامع ١٠٩٦، إرواء الغليل ٧٧٧، مسند أحمد ٢/ ٢٩٥، ٣٢٣، ٣٢٤، ٤٩٣، مستدرك حاكم ٤/ ١٢٩ الأطعمة باب فضيلة إطعام الطعام)

لوگوں سے اچھے انداز میں کلام کر، اور سلام کو پھیلا، اور رشتے ناطے کو جوڑ، اور رات کو جب سارے لوگ سو رہے ہوں اٹھ کر صلوٰۃ تہجد ادا کر پھر سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جا۔

● انہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خلق الله الخلق، فلما فرغ منه، قامت الرحم، فقال: مه !! قالت : هذا مقام العائذ بك من القطيعة ؟قال: نعم، ألاترضين أن أصل من وصلك، وأقطع من قطعك قالت: بلى يارب! قال فذلك لك (صحيح مسلم البروالصلة والآداب ٤٥ باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها ٦ ح ٢٥٥٤، صحيح الجامع ١٧٦١)

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، جب اس سے فارغ ہوا تو ناطہ کھڑا ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا رک جا، اس نے کہا کیا یہ تجھ سے قطع رحمی سے پناہ مانگنے والے کا مقام ہے؟ اللہ نے فرمایا ہاں، کیا تو اس بات سے راضی نہیں کہ جو تجھ کو جوڑے میں اس کو جوڑوں اور جو تجھ کو کاٹے میں اس کو کاٹوں؟ اس نے کہا ہاں کیوں نہیں پروردگار، تو اللہ نے فرمایا کہ یہ چیز تجھ کو حاصل ہوگی۔

● عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الرحم معلقة بالعرش تقول: من وصلني وصله الله ومن قطعني قطعه الله (صحيح مسلم البر والصلة والآداب ٤٥ باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها ٦ ح ٢٥٥٥، صحيح الأدب

المفرد باب فضل صلة الرحم ٢٧ ح ٥٥)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ناطہ عرش کو پکڑے ہوئے ہے اور کہہ رہا ہے کہ جو مجھے جوڑے گا اللہ اس کو جوڑے گا اور جو مجھے کاٹے گا اللہ اس کو کاٹے گا۔

● قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الرحم شجنة آخذة بحجزة الرحمن، تصل من وصلها، وتقطع من قطعها (مسند أحمد ١/ ٣٢١، صحيح الجامع ١٦٢٩ بروايت ابن عباس)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک ناطہ ایک شاخ ہے، رحمان کی کمر کو پکڑے ہوئے ہے، جو اس ناطہ کو جوڑے گا وہ اس کو جوڑے گا اور جو اس کو کاٹے گا وہ اس کو کاٹے گا۔ یعنی رحم جس کے معنی رشتہ ناطہ کے ہیں رحمان سے نکلا ہوا ہے یا رحمان سے اس طرح ملا ہوا ہے جیسے رگیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوتی ہیں۔

● عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: قال الله تبارك وتعالى: أنا الله وأنا الرحمن، خلقت الرحم وشققت لها من اسمي، فمن وصلها وصلته، ومن قطعها بتته (صحيح سنن الترمذي أبواب البر والصلة باب ماجاء في قطيعة الرحم ٩ ح ١٥٥٧، سنن أبوداؤد الزكوٰة ٣ باب في صلة الرحم ٤٥ ح ١٦٩٤، مسند أحمد ١/ ١٩٤ ح ١٦٨١، صحيح الأدب المفرد باب ٢٧ ح ٥٣)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا میں اللہ ہوں اور میں رحمان ہوں، میں نے ناطہ کو پیدا کیا ہے اور اس کے لئے اپنا نام پھاڑ دیا ہے، لہٰذا جو اس کو جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو اس کو کاٹے گا میں اس کو کاٹوں گا۔ یعنی رشتہ ناطہ کو اللہ تعالیٰ کا بہت قرب حاصل ہے۔ اس لئے ہر شخص کو اس کا خیال رکھنا چاہیے اور ناطہ والوں سے عمدہ سلوک و برتاؤ اور احسان و بھلائی کرنا چاہیے۔

● ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان رجلا قال: يا رسول الله إن لي قرابة، أصلهم ويقطعوني، وأحسن إليهم ويسيئون إلي، ويجهلون علي، وأحلم عنهم، قال: لئن كان كما تقول، كأنما تسفهم المل، ولايزال معك من الله ظهير، مادمت على ذلك (صحيح مسلم البر والصلة والآداب ٤٥ باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها ٦ ح ٢٥٥٨، مسند أحمد ٢/ ٣٠٠، صحيح الأدب المفرد باب ٢٧ ح ٥٢)

ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! بے شک میرے لئے قرابت ورشتہ ہے، میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ لوگ مجھ سے قطع رحمی کرتے ہیں اور مجھ سے بدسلوکی اور بدمعاملگی کرتے ہیں اور میں ان کو درگزر کرتا ہوں، آپ نے فرمایا اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا تو کہتا ہے تو گویا تو ان کے منہ پر راکھ چھڑکتا ہے۔ یعنی وہ ذلیل وخوار ہوں گے یا آخرت میں دوزخ کے عذاب میں گرفتار ان کے منہ راکھ کی طرح ہوں گے۔ اور ہمیشہ تیرے ساتھ اللہ کی طرف سے ایک مددگار ہوگا جب تک تو اس صفت پر قائم رہے گا۔

● قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس شيئ أطيع الله تعالى فيه أعجل ثوابا من صلة الرحم، وليس شيئ أعجل عقابا من البغي وقطيعة الرحم، واليمين الفاجرة تدع الديار بلاقع (صحيح الجامع ٥٣٩١ بروايت أبوهريرة، سلسلة الأحاديث الصحيحة ٢/ ٧٠٦ ح ٩٧٨، السنن الكبرىٰ للبيهقي ١٠/ ٣٥ كتاب الإيمان باب ماجاء في اليمين الغموس)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی اطاعت کے کاموں میں صلہ رحمی سے زیادہ جلدی کسی چیز کا بدلہ نہیں ملتا اور ظلم اور قطع رحمی سے زیادہ جلدی کسی چیز کی سزا نہیں ملتی، اور جھوٹی قسم ملک کو خالی اور ویران بنا کے چھوڑتی ہے۔

● قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من ذنب أجدر أن يعجل الله تعالى لصاحبه العقوبة

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

کرۂ ارض کی بعض نشانیاں
اور
اعجاز نبوی

تحریر : ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم
ترجمہ : رفیق احمد سلفی

حدیث نبوی "أن تلد الأمة ربّتها"
ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم کی شخصیت قارئین "التوعیہ" کے لئے محتاج تعارف نہیں آپ اسلامی علوم خاص طور سے فن حدیث کے زبردست محقق واسکالر ہیں آپ کا یہ گرانقدر تحقیقی مقالہ الأرحام المستأجرة والإعجاز النبوي ما معنى قوله صلى الله عليه وسلم "أن تلد الأمة ربتها" ؟ کے عنوان سے عرب دنیا کے جرائد ومجلات میں شائع ہو چکا ہے موصوف نے بہت پہلے اسے "التوعیہ" میں اشاعت کے لئے بھیجا تھا جسے اردو کا جامہ پہنا کر شائع کرنے کی نوبت اب آرہی ہے اس تاخیر پر ہم موصوف سے معذرت خواہ ہیں۔(مدیر)

غیب کی معرفت ان امور میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے اللہ کے علاوہ کوئی اور اسے نہیں جانتا ارشاد باری ہے

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَيَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ (الأنعام : ۵۹)

اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی اور نہیں جانتا

نیز ارشاد ہے

قُلْ لاَّ يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ الْغَيْبَ إِلاَّ اللهُ (النمل:۶۵)

کہہ دو جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں کوئی اللہ کے علاوہ غیب نہیں جانتا۔

البتہ اپنے بعض نبیوں اور رسولوں کو اللہ تعالیٰ بعض غیبی امور سے آگاہ کر دیتا ہے تاکہ وہ ان کی رسالت کی صداقت اور ان کے اللہ سے تلقی وحی کے مضبوط دلائل وبراہین شمار ہو سکیں کیونکہ ان غیبی امور کی معرفت وحی کے بغیر ممکن نہیں ارشاد باری ہے

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلاَيُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلاَّ مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن :۲۶-۲۷)

وہی غیب جاننے والا ہے وہ کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا سوائے ان رسولوں کے جنہیں وہ پسند فرما لے

ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام نبیوں اور رسولوں کے سرخیل اور سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے بہت سے احوال وامور کی خبر دے دی تھی جو سابقہ امتوں کے ساتھ پیش آئے اسی طرح بہت سے ایسے غیبی امور سے بھی آپ کو آگاہ فرما دیا تھا جو آپ کے بعد تا آنکہ زمین اور اس کی ساری چیزوں کا وارث اللہ خود ہو جائے وقوع پذیر ہونگے ان امور میں سے بہت سی چیزیں اسی طرح واقع ہو چکی ہیں جس طرح زبان رسالت مآب نے ان کی پیش گوئی فرمائی تھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں سے متعلق علماء نے بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں جن میں امام بیہقی کی "دلائل النبوۃ" اور علامہ سیوطی کی "خصائص النبوۃ" اپنی جامعیت اور ہمہ گیری کے لحاظ سے سب سے فائق ہیں۔

اس قبیل کے وہ تمام چھوٹے اور بڑے امور جن کی پیش گوئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور جو قیامت سے پہلے وقوع پذیر ہوں گے اور قیامت کے قرب پر دلالت کرنے والے ہوں گے "أشراط الساعة" یا "أمارات الساعة" (قیامت کی نشانیاں) کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں جن میں برزنجی کی "الإشاعة فی أشراط الساعة" اور نواب صدیق حسن خاں کی "الإذاعة لما كان وما يكون بين يدي الساعة" سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

اس موضوع پر عہد حاضر کی سب سے بہترین تصنیف استاذ یوسف وابل کی "أشراط الساعة" ہے اس کے علاوہ متقدمین ائمہ محدثین نے اپنے مجموعہائے احادیث میں اس قبیل کی روایتوں کو مدوّن فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "أن تلد الأمة ربتها" جو اس وقت میرے زیر بحث ہے بھی منجملہ انہیں "أشراط" کے ہے زیر نظر مقالہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر درج ذیل ناحیوں سے بحث ہوگی۔

۱۔ اس بارے میں وارد احادیث کی تخریج۔
۲۔ صحت وضعف کے اعتبار سے ان احادیث کے درجہ ومقام کی تعیین۔
۳۔ جملہ میں مذکور الفاظ اور صیغوں کی تحقیق۔
۴۔ ان کے معانی ومفاہیم سے متعلق علماء سلف کے اقوال وبیانات۔
۵۔ موجودہ دور کے احوال ومشاہدات پر ان کی تطبیق۔

<u>تخریج حدیث</u>

یہ ٹکڑا جس حدیث میں وارد ہے اسے متعدد صحابہ نے روایت کیا ہے جن میں درج ذیل حضرات شامل ہیں۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

آپ کی پوری روایت اس طرح ہے

بينما نحن عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم إذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب، شديد سواد الشعر، لايرى عليه أثر السفر، ولايعرفه منا أحد، حتى جلس إلى النبي صلى الله عليه وسلم فاسند ركبتيه إلى ركبتيه، ووضع كفيه على فخذيه. قال : يا محمد أخبرني عن الإسلام ! فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : الإسلام أن تشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمدا رسول الله، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكوة، وتصوم رمضان، وتحج البيت إن استطعت إليه سبيلا. قال : صدقت. قال : فعجبنا له يسأله ويصدقه.

قال : فأخبرني عن الإيمان! قال: أن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر وتؤمن بالقدر خيره وشره قال: صدقت .

قال : فأخبرني عن الإحسان! قال: أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك.

قال! فأخبرني عن الساعة! قال: ماالمسئول عنها بأعلم من السائل . قال:فأخبرني عن أمارتها! قال: أن تلد الأمة ربتها، وأن ترى الحفاة العراة العالة رعاء الشاء يتطاولون في البنيان.

قال: ثم انطلق، فلبثت مليا ثم قال: يا عمر أتدري من السائل ؟ قلت الله ورسوله أعلم . قال: فإنه جبريل أتاكم يعلمكم دينكم .

ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص نمودار ہوا جو نہایت سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا اور اس کے بال نہایت سیاہ تھے اس پر سفر کی کوئی علامت نہیں تھی کہ اسے دور سے آیا ہوا کوئی اجنبی سمجھا جاتا اور نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا وہ آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اس نے اپنے دونوں گھٹنوں کو آپ کے دونوں گھٹنوں سے ملالیا اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں رانوں پر رکھ لئے اور عرض کیا اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، پھر صلوٰۃ قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے صوم رکھو اور استطاعت ہو تو خانۂ کعبہ کا حج کرو۔

اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا حضرت عمر فرماتے ہیں ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ وہ پوچھتا ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے پھر وہ بولا مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو، اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو قیامت کے دن کو اور تقدیر کی بھلائی و برائی کو دل سے مانو۔

اس نے کہا! آپ نے سچ فرمایا۔

پھر وہ بولا! اب مجھے بتایئے احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ ممکن نہ ہو سکے تو یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے پھر وہ بولا قیامت کے بارے میں مجھے بتایئے آپ نے فرمایا اس بارے میں جواب دینے والا سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا تو اس نے عرض کیا کہ اس کی کچھ نشانیاں ہی مجھے بتایئے آپ نے فرمایا اس کی نشانیاں یہ ہیں کہ لونڈی اپنے آقا کو جنے گی اور تم برہنہ پا اور برہنہ جسم فقراء اور بکریوں کے چرواہوں کو دیکھو گے کہ وہ عالیشان مکانات میں فخر و مباہات کر رہے ہوں گے۔

حضرت عمر کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص چلا گیا اور میں کچھ دیر ٹھہرا رہا کہ آپ خود ہی پوچھ بیٹھے۔

عمر! جانتے ہو سوال کرنے والا کون تھا؟

میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا یہ جبریل تھے تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

اس روایت کی تخریج درج ذیل ائمہ نے کی ہے

مسلم ۱/۱۵۸-۱۶۰: كتاب الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام والإحسان الخ.

ابوداؤد ۲۲۳/٤، كتاب السنة باب في القدر حديث ٤٦٩٥.

ترمذى ٦/٥، الإيمان، باب ماجاء في وصف جبريل للنبى صلى الله عليه وسلم الإيمان والإسلام حديث ٢٦١٠.

نسائي ٩٧/٨، كتاب الإيمان وشرائعه، باب نعت الإسلام.

أحمد (مسند) ۱/۲۲۳-۲۲٤، ۳۱۱ طبعة أحمد شاكر حديث ١٨٤، ٣٦٧، ٣٦٨.

أبوعوانه (مسند) خ ١/٣/١.

آجرى (الشريعة) ص ١٠٧، ١٠٨ باب ذكر سؤال جبريل النبى صلى الله عليه وسلم عن الإسلام

ماھو؟ الخ.

مروزی (تعظیم قدر الصلوة) ۳۶۷/۱،ذکر الأخبار المفسرة بأن الإیمان والإسلام الخ، حدیث ۳۶۳.
و ۳۷۳/۱ ، حدیث ۳٦۷ مروزی نے حدیث کے بہت سے طرق کا ذکر کیا ہے

ابن منده (کتاب الإیمان)۱/۱۱۶-۱۵۰،أحادیث۱-۱٤
ابن مندہ نے اس حدیث کے الفاظ کے طرق کا تفصیلی ذکر کیا ہے'

لالکائی (شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة) ۵۷۸/٤،حدیث ۱۰۳۷.

بیهقي (جامع شعب الإیمان) ۵۲/۱، حدیث ۱۹.

بغوی (شرح السنة) ۱/ ۷کتاب الإیمان، حدیث ۲.

۲۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

آپ کی پوری روایت یوں ہے

(۲) کان النبی صلی الله علیه وسلم بارزًا یوما للناس فأتاه رجل فقال: ماالإیمان؟ قال: الإیمان أن تؤمن بالله وملائکته وبلقائه ورسله وتؤمن بالبعث

قال: ماالإسلام؟ قال: الإسلام أن تعبد الله ولاتشرك به، وتقیم الصلاة، وتؤدی الزکوة المفروضة، وتصوم رمضان.

قال: ماالإحسان؟ قال: أن تعبد الله کأنك تراه فإن لم تکن تراه فإنه یراك.

قال: متی الساعة؟ قال ماالمسئول عنها بأعلم من السائل وساخبرك عن أشراطها، إذا ولدت الأمة ربها، وإذا تطاول رعاة الإبل البهم فی البنیان، فی خمس لایعلمهن إلا الله، ثم تلاالنبی صلی الله علیه وسلم(إنّ الله عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ) الآیة.
ثم أدبر، فقال: ردوه فلم یروه شیئًا، قال: هذا جبریل جاء یعلم الناس دینهم.

یعنی ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں ابھی تشریف لائے ہی تھے کہ ایک شخص آن پہنچا اور آکر آپ سے پوچھنے لگا: ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو' اس کے فرشتوں کو' اس سے ملاقات کو' اس کے رسولوں کو اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو دل سے مانو' پھر اس نے عرض کیا: اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' صلوٰۃ قائم کرو' فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے صوم رکھو۔ پھر اس نے عرض کیا: احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پھر وہ بولا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: جواب دینے والا سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا میں تمہیں اس کی نشانیاں بتاتا ہوں قرب قیامت کی نشانی یہ ہے کہ لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔ اور جب سیاہ اونٹوں کے چرواہے مکانات میں فخر و مباہات کریں گے قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ "إنّ اللہ عِندَہٗ عِلمُ السَّاعَۃِ" کی تلاوت فرمائی پھر وہ شخص پیٹھ پھیر کر چلا گیا تو آپ نے فرمایا اس کو واپس بلاؤ لیکن وہ نظر نہیں آیا آپ نے فرمایا یہ جبرئیل تھے لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔

اس روایت کی تخریج درج ذیل لوگوں نے کی ہے

بخاری ۱۱٤/۱ (فتح الباری) كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله عليه وسلم عن الإيمان والإسلام الخ، حديث ٥٠

و ٥١٣/٨ كتاب التفسير، باب إن الله عنده علم الساعة، حديث ٤٧٧٧.

مسلم ١٦١/١- ١٦٥، الإيمان باب بيان الإسلام.

نسائي ١٠١/٨، باب صفة الإيمان والإسلام.

ابن ماجة ٢٥/١ المقدمة، باب في الإيمان، حديث ٦٤- نيز ١٣٤٢/٢ الفتن، باب أشراط الساعة حديث ٤٠٤٤.

احمد ٣٩٤/٢، ٤٢٤ طبعة المكتب الإسلامي.

ابن خزيمة (الصحيح) ٥/٤، الزكوة، باب البيان أن إيتاء الزكوة من الإسلام الخ حديث ٢٢٤٤.

أبوعوانه (المسند) ١/٤/١ اور ١/٥/١.

ابن حبان (الصحيح) ١٨٨/١، الإيمان، ذكر الخبر الدال على أن الإيمان والإسلام إسمان بمعنى واحد، حديث ١٥٩.

مروزی تعظيم قدرالصلوة ٣٨٥/١ــ ٣٨٧ حديث ٣٧٨.

ابن منده كتاب الإيمان ١٥١/١ــ١٥٣، حديث ١٥، ١٦.

اور سیوطی نے اس کی نسبت ابن ابی حاتم ابن منذر اور ابن مردویہ کی جانب کی ہے (ملاحظہ ہو الدر المنثور ۶ر۵۳۱) اس کی تخریج بخاری (خلق أفعال العباد ص ۵۷) ابوداؤد (۴ر۲۲۵ حدیث ۴۶۹۸) اور مروزی (تعظیم قدر الصلوۃ ۱ر۳۸۸ حدیث ۳۷۹) نے کی ہے لیکن اس میں لونڈی کا قصہ مذکور نہیں۔

۳ ۔ابوذر رضی اللہ عنہ

ابوذر اور ابو ہریرہ دونوں کی حدیثوں کے الفاظ ایک ہیں ان دونوں کو نسائي (١٠١/٨ الإيمان وشرائعه باب صفة الإيمان والإسلام) اور مروزی (تعظيم قدرالصلوة ٣٨٨/١ حديث ٣٧٩) نے ایک ساتھ روایت کیا ہے اور علامہ البانی نے اس کی تصحیح کی ہے ملاحظہ ہو صحیح سنن نسائی (۳ر۱۰۲۵، ۴۶۱۸) نیز امام بخاری (خلق أفعال العباد ص ۵۷) اور ابوداؤد (۴ر۲۲۵ حدیث ۴۶۹۸) نے اسے مختصراً روایت کیا ہے لیکن ان میں "أن تلد الأمة ربتها" کا ٹکڑا جو محل استشہاد ہے مذکور نہیں۔

۴ ۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

عبداللہ بن عمر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ ملتے جلتے ہیں عبد اللہ بن عمر کی روایت کی تخریج مروزی (تعظیم قدر الصلوۃ ۱ر۳۸۴، حدیث ۳۷۵ و ۳۷۳) نے کی ہے لیکن انہوں نے اسے یحیٰ بن یعمر سے مرسلاً روایت کیا ہے سند میں ابن عمر کا ذکر نہیں۔

اصل حدیث أحمد (مسند) ٣١٤/١، ٣١٥ حديث ٣٧٤، ٣٧٥ و ١٣١/٨، ١٣٢ حديث ٥٨٥٦، ٥٨٥٧.

نسائي (سنن كبرى) ٤٤٦/٣ كتاب العلم باب توقير العلماء حديث ٥٨٨٣)

مروزی (٣٧٦/١ حديث ٣٦٨ــ ٣٧١) أبوعوانه (مسند خ ١/٤/١) طبرانی (كبير ٤٣٠/١٢ حديث ١٣٥٨١) سے مروی ہے

ہیثمی فرماتے ہیں اس کے رجال سب قابل اعتماد ہیں (ملاحظہ ہو مجمع الزوائد ۱ر۴۱)

لیکن ان حضرات کی روایت میں بھی محل استشہاد مذکور نہیں ہے استاذ احمد شاکر نے اس روایت کی تصحیح کی ہے ان کا خیال ہے کہ اس حدیث میں بعض راویوں کو وہم ہوا ہے ان حضرات نے اسے مسانید ابن عمر میں سے گردانا ہے صحیح قول یہ ہے کہ یہ حضرت عمر کے مسانید میں سے ہے

کیونکہ حضرت جبریل جس وقت یہ سوالات پوچھ رہے تھے اس وقت وہاں حضرت عمر تشریف فرماتھے انہیں سے ان کے بیٹے ابن عمر نے سنا ہے(مسند احمد ١/٣١٤ مختصراً)

۵- عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

مسند امام احمد میں ایمان ٔاسلام اور احسان وغیرہ کے قصے کے ذکر کے بعد الفاظ اس طرح ہیں

إذا رأيت الأمة ولدت ربتها أو ربها ورأيت أصحاب الشاء تطاولون في البنيان ورأيت الحفاة الجياع العالة كانوا رؤوس الناس فذالك من معالم الساعة وأشراطها ..... الحديث

اس کی تخریج احمد (١٣٠/٤ طبعة المكتب الإسلامي، ٣٣٢/٤ حديث ٢٩٢٦ م طبعة أحمد شاكر) بزار (كشف الأستار ٢١/١- ٢٢ حديث ٢٤) نے کی ہے اس کی سند میں ایک راوی شہر بن حوشب ہے جو متکلم فیہ ہے لیکن احمد شاکر نے اس کی تصحیح کی ہے اور علامہ البانی نے فرمایا ہے کہ شواہد کے باب میں اس سند میں کوئی حرج نہیں ملاحظہ ہو الأحاديث الصحيحة ٣٣٢/٣ حديث ١٣٤٥ فتح الباري ١١٦/١ . اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱/۱۲۶) میں اس کی سند کو حسن بتایا ہے

٦- ابومالک (عامر یا ابوعامر) اشعری رضی اللہ عنہ۔

اس میں اسلام ٔایمان اور غیب کے قصہ کے بعد الفاظ اس طرح ہیں

قال السائل يا رسول الله إن شئت حدثتك، بعلامتين قبلها فقال : حدثني، فقال إذا رأيت الأمة تلد ربها ويطول أهل البنيان بالبنيان - الخ

اس کی تخریج بھی احمد (۴/۱۲۹، ۱۶۴) نے کی ہے اس میں بھی شہر بن حوشب سئ الحفظ ہے جیسا کہ گذرچکا ہے جو باتیں اس کے سئ الحفظ ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے اس روایت کو کبھی تو ابن عباس سے روایت کیا ہے اور کبھی ابومالک اشعری سے ابومالک اشعری کے نام کی بابت بھی اسے شک ہے اس نے اسے

عن عامر أو أبي عامر أو أبي مالك الأشعري

کے الفاظ سے روایت کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱/۱۲۶) میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

۷- انس بن مالک رضی اللہ عنہ

انس مالک بن مالک کی روایت میں اسلام ٔایمان اور احسان کے قصہ کے بعد الفاظ اس طرح ہیں۔

قال : يا محمد متى تقوم الساعة ؟ قال : ماالمسئول عنها بأعلم من السائل ولكن لها أشراط ثم قام فذهب الخ.

اور ایک روایت میں اس طرح ہے

ولكن أبين لك من شرائطها إذا رأيت كذا و كذا فاعلم أن الساعة قد اقتربت، ثم ولى -

اس میں قیامت کے علامات کا تفصیلی ذکر نہیں اس روایت کی تخریج بخاری نے خلق أفعال العباد ص ٥٧ اور بزار نے كشف الأستار ٢٠/١ باب قواعد الدين حديث ٢٢. میں کی ہے۔

بزار فرماتے ہیں

غريب من حديث انس لانعلمه فيه إلا بهذا الإسناد والضحاك نبراس ليس به بأس ، قد روى عن ثابت غير حديث .

انس کی روایت غریب ہے ہم اس کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں اور ضحاک نبراس میں کوئی حرج نہیں اس نے ثابت سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔

ہیثمی فرماتے ہیں

رواه البزار وفيه الضحاك بن نبراس، قال البزار ليس به بأس، وضعفه الجمهور (مجمع الزوائد ٤٠/١)

یعنی اسے بزار نے روایت کیا ہے اس میں ایک راوی ضحاک
ن نبراس ہے بزار فرماتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں حالانکہ جمہور نے
س کی تضعیف کی ہے

اس روایت کی تخریج موزی نے بھی ،تعظیم
قدر الصلوۃ(۱/۳۸۹ حدیث ۳۸۱: ۳۸۲.)میں کی ہے
اور مذکور الفاظ انہیں کے ہیں.

حافظ ابن حجر نے اسے بخاری(خلق أفعال العباد)اور بزار کی
طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو حسن کہا ہے(ملاحظہ ہو فتح الباری
۱/۱۲۶)

۸۔ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ

جریر کی روایت میں ایمان' اسلام اور احسان کے ذکر کے بعد
یہ الفاظ ہیں

قال ! فأخبرنی متی الساعة؟ قال! ماالمسئول عنها بأعلم
من السائل ولكن لها علامات وأمارات: إذا رأيت رعاء
إليهم يتطاولون في البنيان في خمس من الغيب لايعلمهن
إلا الله الخ.

اس میں بھی محل استشہاد مذکور نہیں

ابن حجر فرماتے ہیں

وفي إسناده خالد بن يزيد وهو العمري ولايصلح
للصحيح.

یعنی اس سند میں ایک راوی خالد بن یزید ہے جو خالد عمری
کے نام سے معروف ہے وہ صحیح حدیث کا اہل نہیں ملاحظہ ہو فتح الباری
۱/۱۱۶

میں کہتا ہوں اس میں صرف یہی ایک عیب نہیں کہ وہ صحیح
حدیث کی اہلیت نہیں رکھتا بلکہ ابن ابی وہب ثوری اور ابو حاتم وغیرہم
نے اسے دروغ گو کہا ہے(ملاحظہ ہو لسان المیزان ۲/۳۸۹)

<u>درجۂ حدیث</u>

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابو ہریرہ
سے مروی حدیث کی تخریج پر شیخین کا اتفاق ہے اور یہ صحت کے اعلیٰ
مرتبہ پر فائز ہے۔

حضرت عمر کی روایت کی تخریج بھی مسلم نے کی ہے یہ بھی صحیح
ہے ابن مندہ اس کے متعلق فرماتے ہیں

هذا إسناد مجمع على صحته

یعنی اس سند کی صحت پر علماء کا اتفاق ہے۔

امام دار قطنی فرماتے ہیں

إسناد صحيح ثابت أخرجه مسلم بهذا الإسناد

یعنی یہ صحیح اور ثابت سند ہے مسلم نے اس کی تخریج اسی سند
سے کی ہے۔

امام بغوی فرماتے ہیں

هذا حديث صحيح أخرجه مسلم

یعنی یہ حدیث صحیح ہے مسلم نے اس کی تخریج کی ہے

ابوذر والی روایت بھی صحیح ہے اس کی سند اور ابو ہریرہ کی روایت کی سند ایک
ہی ہے علامہ البانی نے اس کی تصحیح کی ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے
ابن عباس اور ابو مالک اشعری کی دونوں روایتوں میں شہر بن حوشب سئ الحفظ
ہے لیکن شواہد کے باب میں اس طرح کی صورت میں کوئی حرج
نہیں اسی وجہ سے حافظ ابن حجر نے ان دونوں کی سندوں کو حسن بتایا ہے۔

ابن عمر کی روایت بھی صحیح ہے اس میں وہم صرف ابن عمر کی
طرف اسے بغیر عمر کے ذکر کے منسوب کر دینے میں ہے ایسی روایتیں
مراسیل صحابہ میں شمار ہوتی ہیں جو علماء کے نزدیک مقبول ہیں۔

رہی حضرت انس کی روایت تو اس کو بھی حافظ ابن حجر نے
حسن کہا ہے لیکن اس میں مقام استشہاد "أن تلد الأمة ربتها" مذکور
نہیں۔

جریر بن عبد اللہ بجلی والی روایت کی سند میں ایک راوی
تالف(ہالک) ہے اس لئے وہ اعتبار کے لائق نہیں۔

بعض روایات میں جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے ان تلد الأمة
ربتها والا ٹکڑا وارد نہیں اس سے حدیث میں طعن لازم نہیں آتا کیونکہ

(بقیہ ص۲۹ پر)

ابن احمد نقوی

فکرِ اقبال

(۹)

جوئے آب:

پیام مشرق میں شامل اس نظم کے بارے میں اقبال فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں۔

جوئے آب گوئٹے کی مشہور نظم "نغمہ محمد" کا نہایت آزاد ترجمہ ہے اس نظم میں جو دیوان مغربی سے بہت پہلے لکھی گئی تھی المانی شاعر نے زندگی کے اسلامی تخیل کو نہایت خوبی سے پیش کیا ہے۔ اصل میں یہ ایک مجوزہ اسلامی ڈرامے کا جزو تھی جس کی تکمیل اس سے نہ ہو سکی۔ اس ترجمے سے صرف گوئٹے کا نقطۂ نگاہ دکھانا مقصود ہے۔

جوئے آب کی بابت جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال اپنی گرانقدر تصنیف "زندہ رود" کے دیباچہ میں تحریر کرتے ہیں "اقبال جرمن شاعر گوئٹے کے بڑے مدّاح تھے۔ گوئٹے قرآنی تعلیمات اور حیات طیبہ سے بے حد متاثر تھا۔ یہاں تک کہ اس نے پیغمبر اسلام پر ایک منظوم تمثیل تحریر کرنے کا ارادہ کیا لیکن صرف ابتدائیہ ہی لکھ سکا۔ تمثیل کی تکمیل کی نوبت نہ پہنچی۔ ابتدائیہ یا نظم بعنوان "نغمہ محمد" میں حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی آپس کی گفتگو کے دوران گوئٹے نبوت کی تشریح کے سلسلے میں آنحضور کے لئے حیات آفریں جوئے آب کی تشبیہ استعمال کرتا ہے جس کا کام بہت سے نالے ندیوں کو اپنی آغوش میں لے کر سمندر یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ اقبال نے یہ نظم پڑھی تھی اور اس کی تشبیہات و استعارات سے بخوبی واقف تھے بلکہ اس کا آزاد ترجمہ بھی پیام مشرق کی نظم جوئے آب میں کیا تھا "جوئے آب" ترجیع بند کی شکل میں ہے اور ترجیع کا شعر ہے۔

زی بحر بے کرانہ چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ و ز ہمہ بیگانہ می رود

پوری نظم یہ ہے:

بنگر کہ جوئے آب چہ مستانہ می رود
مانند کہکشاں بہ گریبان مرغزار
در خواب ناز بود بہ گہوارۂ سحاب
واکرد چشم شوق بآغوش کوہسار
از سنگریزہ نغمہ کشاید خرام او
سیمائے او چو آئینہ بے رنگ و بے غبار
زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ و ز ہمہ بیگانہ می رود
در راہِ او بہار پری خانہ آفرید
نرگس دمید و لالہ دمید و سمن دمید
گل عشوہ داد و گفت یکے پیش ما بایست
خندید غنچہ و سرِ دامانِ او کشید
ناآشنائے جلوہ فروشانِ سبز پوش
صحرا برید سینۂ کوہ و کمر درید
زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ و ز ہمہ بیگانہ می رود
صد جوئے دشت و مرغ و کہستان و باغ و راغ
گفتند اے بسیط زمیں با تو سازگار
مارا کہ راہ از تنک آبی نہ بردہ ایم
از دستبرد ریگ بیاباں نگاہ دار
واکردہ سینہ را بہ ہواہائے شرق و غرب
در بر گرفتہ ہم سفرانِ زبوں نزار

زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود
باصد ہزار گوہرِ یک دانہ می رود
دریائے پُر خروش زبند وشکن گذشت
از تنگنای وادی و کوہ و دمن گذشت
یکساں چو سیل کردہ نشیب و فراز را
از کاخ شاہ وبارہ وکشت وچمن گذشت
بیتاب وتند وتیز وجگر سوز و بے قرار
در ہر زماں بتازہ رسید از کہن گذشت
زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ وز ہمہ بیگانہ می رود

گوئٹے نے بڑی خوبصورتی سے اس نظم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ونبوت کے مختلف مراحل کا ذکر کیا ہے۔ اقبال نے لکھا ہے کہ "جوئے آب" "گوئٹے کی نظم" نغمہ محمد" کا نہایت آزاد ترجمہ ہے۔ اقبال نے بھی اپنی شاعرانہ قدرت ومہارت سے گوئٹے کے بنیادی خیال کو اسی خوبصورتی سے نظم کیا ہے۔

حضور مکہ میں پرسکون زندگی گذار رہے تھے اور کوہسار (غار حرا) میں مراقبہ میں مصروف رہتے تھے وہیں پر وحی ربانی کا نزول ہوا اور آپ کی چشم بصیرت پر حیات وکائنات کے اسرار ورموز آشکار کئے گئے اس بات کو گوئٹے نے بیان کیا ہے اور اقبال نے یوں نظم کیا ہے۔

در خواب ناز بود بہ گہوارۂ سحاب
واکرد چشم شوق باغوش کوہسار

آپ نے جب پیغام توحید سنایا تو عرب کے پسماندہ وکم سواد (سنگریزہ) لوگوں کی زبانوں پر نغمۂ ربانی جاری ہوگیا۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شخصیت ایک شفاف آئینہ کی مانند تھی جس پر کوئی رنگ اور غبار نہیں تھا۔ نظم میں یہ بات یوں کہی گئی ہے۔

از سنگریزہ نغمہ کشاید خرام او
سیمائے او چو آئینہ بے رنگ وبے غبار

جب آپ نے پیغام حق سنایا اور باطل کی سطوت کو للکارا تو پرستاران باطل نے جبر وتشدد سے ہی کام نہیں لیا بلکہ آپ کو مال ودولت، تاج وتخت، حسن ورنگینی وغیرہ کے ذریعہ لبھانے کی کوشش بھی کی گئی مکہ کے مشرکوں نے پیش کش کی کہ اگر محمد اسلام کی تبلیغ سے دست بردار ہوجائیں تو وہ انہیں اس قدر مال ودولت دیدیں گے کہ پھر کبھی انہیں تنگی نہ ہوگی، اگر وہ سرداری کے خواہشمند ہیں تو ہم انہیں اپنا سردار بھی تسلیم کرلیں گے اگر وہ چاہیں تو عرب کی حسیناؤں سے ان کی شادی کرادی جائے گی۔ آپ نے باطل کی ان تمام جلوہ فروشیوں کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا اور باطل کا سینہ چیرتے ہوئے حق کا سیل نور لے کر آگے بڑھتے رہے۔ جوئے آب میں یہ بات اس طرح کہی گئی ہے۔

در راہِ او بہار پری خانہ آفرید
نرگس دمید و لالہ دمید وسمن دمید
گل عشوہ داد وگفت یکے پیش ما بایست
خندید غنچہ وسرِ دامانِ او کشید
نا آشنائے جلوہ فروشانِ سبز پوش
صحرا برید وسینۂ کوہ و کمر درید

اللہ کے رسول کے پیغام توحید سے کمزور، پسماندہ اور بے سہارا افراد واقوام کو زندگی کی نئی تابانی ملی وہ سب آپ کے گرد جمع ہوگئے یعنی جوئے رسالت کی پناہ میں آکر باطل کے ریگذار میں خود کو جذب ہونے سے بچانے کے جتن کرنے لگے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت اللعالمینی کی شان سے ان سب کمزور وزار زبوں افراد کو توحید باری کے دامن عافیت میں پناہ دی۔ جوئے آب میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

صد جوئے دشت ومرغ وکہستان وباغ وراغ
گفتند اے بسیط زمیں با تو سازگار
مارا کہ راہ از تنک آبی نہ بردہ ایم
از دستبرد ریگ بیاباں نگاہ دار
واکردہ سینہ را بہ ہواہائے شرق وغرب
در بر گرفتہ ہم سفرانِ زبون و زار

تمام رکاوٹوں، دشواریوں اور سرد وگرم سے گذرتے ہوئے اسلام نے دنیا کو مساوات کا پیغام سنایا اور ہر قسم کی اونچ نیچ (نشیب وفراز)

کو رد کر کے سب کو یکساں کر دیا۔ کاخ شاہ ہو یا کاشانۂ امیر یا غریب خانۂ فقیر اسلام کے سیل مساوات نے سب کو یکساں سمجھا اور انسانی مساوات کا تصور دیا۔ گوئٹے کے خیال کو اقبال یوں پیش کرتے ہیں۔

یکساں چو سیل کرد نشیب و فراز را
از کاخ شاہ وبارہ و کشت وچمن گذشت

اس طرح ہر نشیب و فراز کو مٹاتی، زار و زبوں ہم سفروں کو ساتھ لیتی، راستے کی رنگینیوں اور جلوہ فروشیوں کو نظرانداز کرتی اسلام کی یہ جوئے آب اپنی روانی کی سرمستی میں گم "منزل ماکبریاست" کا دلنشیں نغمہ گنگناتی ہوئی حقیقت اور واجب الوجوب کے بحر بیکرانہ کی طرف رواں دواں ہے۔

زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ وز ہمہ بیگانہ می رود

انسان کا ذات باری میں واصل ہونے کا عقیدہ تصوف نے پیدا کیا۔ یعنی انسان روح ازلی کی نمود ہے اور روح کی غایت یہ ہے کہ وہ اپنی اصل سے واصل ہو جائے۔ بھگتی میں یہی نظریہ آتما اور پرماتما کے ذریعہ بیان کیا جاتا ہے۔ رومی نے "منزل ماکبریاست" کہہ کر یہی بات کہی ہے دراصل یہ سب تصوف کی موشگافیاں ہیں۔ اسلام کی سیدھی سچی تعلیمات میں نہ ان پیچیدہ نظریوں اور عقیدوں کی گنجائش ہے نہ خیرالقرون میں یہ فلسفہ اور تصوف کی بھول بھلیاں تھیں جب اسلام عجم میں پہنچا اور زردشتی (آریائی) اثرات مسلمانوں کی فکر پر غالب ہوئے یونانی فلسفہ نے بھی موشگافیاں سکھائیں تو یہ سب پر پیچ عقیدے اسلام کے لبادہ میں پیش کئے جانے لگے۔ گوئٹے کا بھی اسلام سے تعارف اسی عجمی تصور کے ساتھ ہوا ہوگا۔ بہرحال جوئے آب پیام مشرق کی ایک خوبصورت اور فکر انگیز نظم ہے اقبال نے گوئٹے کے خیال کو کامیابی کے ساتھ نظم کیا ہے۔

نامہ عالمگیر

پیام مشرق کی یہ چھوٹی سی نظم ہے عالمگیر اورنگ زیب کے ایک خط سے ماخوذ ہے عالمگیر کو پتہ چلا کہ اس کا ایک بیٹا اس کے مرنے کی دعائیں مانگتا ہے تاکہ باپ کے مرنے کے بعد تخت سلطنت اسے مل سکے۔ عالمگیر نے اسے خط لکھا کہ بیٹے میں نے سنا ہے کہ تم میرے مرنے کی دعائیں مانگتے ہو مگر یاد رکھو کہ تم جس سے دعا مانگ رہے ہو وہ اب سے پہلے نہ جانے کتنوں کی دعائیں سن کر رد کر چکا ہے۔ نہ اس پر حضرت یعقوب کی آہ وزاری کا اثر ہوا، نہ ایوب کے درد اور آزار نے اسے متاثر کیا، نہ امام حسین کی مظلومی پر اس کے دل سے آہ نکلی، یاد رکھو تم اپنی دعاؤں کے جال میں اسے نہیں پھنسا سکتے۔

مپندار آں کہنہ نخچیر گیر
بدام دعائے تو گردد اسیر

غنی کشمیری فارسی کا مشہور شاعر گذرا ہے اس کے بارے میں مشہور ہے کہ جب وہ گھر میں رہتا تھا تو مکان کو تالا لگا دیتا تھا اور جب باہر جاتا تو دروازہ کھلا چھوڑ دیتا تھا کسی نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ اس مکان کی سب سے قیمتی شے میں خود ہوں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جہاں قیمتی شے رکھی جاتی ہے وہاں حفاظت کے لئے تالا لگا دیتے ہیں۔ پس جب میں مکان میں ہوتا ہوں تو تالا لگا لیتا ہوں اور جب میں مکان سے باہر ہوتا ہوں تو سمجھئے کہ مکان میں کوئی قیمتی شے ہی موجود نہیں ہے کہ جس کی حفاظت اور نگہداشت مطلوب ہو لہٰذا گھر کھلا چھوڑ دیتا ہوں۔

چوں آں محفل افروز درخانہ نیست
تہی تر ازیں ہیچ کاشانہ نیست

حور وشاعر:

یہ نظم بھی اقبال نے گوئٹے کی اسی عنوان کی نظم کے جواب میں لکھی ہے۔ گوئٹے کی نظم میں کن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اقبال نے اس کی وضاحت نہیں کی۔ حور وشاعر کے زیر عنوان صرف در جواب نظم گوئٹے موسوم بہ حور وشاعر لکھا ہے۔ اقبال نے اس نظم میں دکھایا ہے کہ شاعر فردوس میں بھی اپنے آپ ہی میں گم رہتا ہے سخن طرازی غزل سرائی کے علاوہ اس کی دلچسپی کسی اور چیز میں نہیں ہے اس کی نگاہیں ہر وقت کسی جستجو میں رہتی ہیں حور کو اس سے شکایت ہے وہ شاعر کی بے مہری اور بے توجہی کا گلہ کرتی ہے۔

نہ بہ بادہ میل داری نہ بہ من نظر کشائی
عجب اس کہ تو ندانی رہ ورسم آشنائی
ہمہ ساز جستجوئے ہمہ سوز آرزوئے
نفسے کہ می گدازے غزلے کہ می سرائی
بنوائے آفریدی چہ جہانِ دلکشائے
کہ ارم بچشم آید چو طلسم سیمیائی

شاعر جواب دیتا ہے کہ اس کی فطرت بے چین اسے ایک جگہ قرار نہیں لینے دیتی اسے ہردم ایک نئے جہان کی تلاش ہے ہروقت خوب سے خوب ترکی جستجو میں سرگرداں رہتی ہے اگر شرار میسر ہو تو اس سے بڑھ کر ستارے کی تلاش ہوتی ہے۔ ستارہ مل جائے تو طبیعت آفتاب تک رسائی چاہتی ہے۔ اس کی بے قرار فطرت ایک موج بیتاب کی طرح ہے کہ جب تک پیچ و تاب اور روانی میں رہتی ہے اسی وقت تک اس کی زندگی ہے جہاں سکون و قرار کی منزل آتی ہے موج کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی فطرت میں ایک ایسی طلب ہے جس کی کوئی نہایت اور انتہا نہیں ہے۔ شاعر کو بہشت جاوداں کا ماحول پسند نہیں وہاں نہ کوئی دردمند ہے نہ کوئی غم تمنا اور آرزو ہے نہ اس میں کوئی غم گسار ہے ایک ابدی عیش' ایک دائمی سکون' بھلا شاعر کی فطرت بے تاب کو اس سے کیا نسبت اسکی غم پسند طبیعت کو عیش و سکون سے کیا علاقہ۔ نہ اضطراب نہ بیقراری نہ سوز ہجر نہ آہ و نالہ ایسی بے خروش جگہ سے شاعر کا دل خوش نہیں ہوتا۔

چہ کنم کہ فطرت من بہ مقام درنسازد
دلِ ناصبور دارم چو صبا بہ لالہ زارے
چو نظر قرار گیرد بہ نگار خوب روئے
تپد آں زماں دل من پئے خوب تر نگارے
ز شرر ستارہ جویم ز ستارہ آفتابے
سرِ منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے
طلبم نہایت آں کہ نہایتے ندارد
بہ نگاہے ناشکیبے بدلِ امیدوارے

دل عاشقاں بمیرد بہ بہشت جاودانے
نہ نوائے دردمندے نہ غمے نہ غمگسارے

بہشت کی بے خروش فضا سے بددلی کا اظہار غالب نے بھی کیا ہے۔ اگر اقبال نے اس نظم میں شاعر کے خیالات گوئٹے سے مستعار لئے ہیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گوئٹے اور غالب کے خیالات میں کس قدر یکسانیت تھی۔ اقبال نے اگر شاعر کے ان جذبات کا اظہار کیا ہے تو انہوں نے گوئٹے کے چراغ سے اپنا چراغ جلایا ہے لیکن غالب نے گوئٹے کا یا گوئٹے نے غالب کا اثر قبول نہیں کیا دونوں ہم عصر ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے ناآشنا اور ایک دوسرے کے ادبی نظریات سے بے خبر تھے پھر بھی دونوں کی فکر کا انداز ایک جیسا ہی تھا عظیم ادبی شخصیتوں میں خیال و فکر کی یہ مماثلت اگرچہ عام نہیں تاہم کہیں نہ کہیں ضرور نظر آجاتی ہے۔ غالب اپنی مثنوی "ابر گہر بار" میں بہشت کی بے رنگی اور سکون کا منظر یوں بیان کرتے ہیں۔

درآں پاک میخانۂ بے خروش
چہ گنجائیِ شورش ناؤنوش
سیہ مستیِ ابر باراں کجا
خزاں چوں نہ باشد بہاراں کجا
اگر حور در دل خیالش کہ چہ
غم ہجر ذوق وصالش کہ چہ
چہ منت نہد ناشناسا نگار
چہ لذت دہد وصل بے انتظار
نظربازی و ذوق دیدار کو
بفردوس روزن بد یوار کو

اقبال نے جو بات صرف ایک شعر میں کہی ہے غالب نے کئی شعروں میں شوخ اور رندانہ انداز میں کہا ہے خیال اور فکر تینوں میں مشترک ہے۔ اقبال جرأت اور جواں مردی پر جان دیتے تھے۔ فاتحانہ پیش قدمی مجاہدانہ یلغار اور سرفروشانہ انداز انہیں بے حد پسند تھا اس سے ان کی حرکی فکر اور ہیجان پسند طبیعت کو بڑا سکون

طارق بن زیاد (فاتح اندلس) جب اندلس کے ساحل پہ اترا تو
نے اپنی کشتیوں کو جلادیا۔ سپاہیوں اور فوجی سرداروں نے ملامت
اس اجنبی سرزمین پر جہاں ابھی ہمارے قدم بھی نہیں جمے ہیں
رح کشتیوں کو جلانا دانشمندی نہیں اس سے پسپائی کی صورت میں
ھاگنے کا راستہ بھی نہیں رہا۔ ہم وطن سے دور ہیں اور تم نے واپسی
ہ بھی مسدود کردی۔ طارق نے فاتحانہ انداز سے ہنستے ہوئے اپنی
پر ہاتھ رکھا او کہا کہ ہر ملک ہمارا وطن ہے کیوں کہ وہ ہمارے خدا کا
زمین) ہے۔ اقبال نے اس قطعہ کو عنوان دیا ہے "الملک للہ"۔

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار تو زنگاہِ خرد خطاست
دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم؟
ترک سبب زروئے شریعت کجاروا ست
خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

علامہ مغربی جمہوریت کے قائل نہیں تھے جس میں بندوں کو
تے ہیں تولا نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم غیروں سے خیالات کی
زہ گری کرتے ہو یہ جمہوریت کیا ہے مغربی استعمار کا ایک
ہے۔ بھلا پست اور دوں ہمت افراد حکمرانی و جہانبانی کہاں کرسکتے
جیونٹی سلیمانی انداز کیسے اختیار کرسکتی ہے اس کے لئے فکر پختہ کار
ضرورت ہے۔ دو سو گدھے مل کر ایک انسان کے برابر نہیں
۔

متاعِ معنیٔ بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی
زموراں شوخیٔ طبعِ سلیمانی نمی آید
گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید

اقبال کے خیالات میں کئی جگہ تضاد نظر آتا ہے
جمہوریت کے سلسلے میں کہیں تو وہ کہتے ہیں کہ۔

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

کہیں وہ "دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب" دیکھتے ہیں لیکن
اسی کے ساتھ وہ یہ بھی اعلان کرتے ہیں۔

سلطانیٔ جمہور کا آیا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹادو

دراصل اقبال کو اس جمہوریت سے بیزاری تھی جس کے
پردے میں استعمار کا دیو استبداد رقص کرتا تھا انہوں نے ترکی میں بھی
جمہوریت کا تماشا دیکھا۔ اتاترک نے بڑے طمطراق سے خلافت ختم
کرکے جمہوریت کا نفاذ کیا لیکن وہ جمہوریت اتاترک کے احمقانہ
استبداد اور آمریت کی سفاکیوں میں بدل گئی۔ ایسی جمہوریت سے
کیا فائدہ جس میں انسانی قدریں پامال ہوں کمزوروں اور اقلیتوں پر
ظلم و ستم کی گرم بازاری ہو۔ نام جمہوریت کا ہو اور کام سارے
استعماری اور آمرانہ ہوں۔ علامہ کی زندگی میں ایشیا اور افریقہ میں
جمہوریت کی آندھی نہیں آئی تھی اس وقت کم و بیش سارا ہی افریقہ
اور ایشیا صلیبی استعمار کا غلام تھا۔ آزادی کے بعد ان ملکوں میں جیسی
جمہوریتیں قائم ہوئیں ان سے علامہ کے اندیشہ اور جمہوریت سے
بیزاری کے جذبہ کی صداقت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہمارے ملک کو
چھوڑ دیجئے خود اس ملک کو دیکھ لیجئے جو علامہ کے خوابوں کی تعبیر
سمجھا جاتا ہے وہاں جمہوریت کا جو انداز ہے وہ علامہ کے الفاظ میں "دیو
استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب" کے سوا اور کیا ہے علامہ کو یورپ
کی مادیت 'ہوس پرستی' سامراجیت اور روحانیت سے دوری پر بڑی
مایوسی تھی۔ بیسویں صدی کی پہلی دو دہائیوں میں یورپ میں تبلیغ
اسلام کا بڑا غلغلہ تھا خواجہ کمال الدین اور بہت سے دوسرے انگلینڈ میں
تبلیغ اسلام میں مصروف تھے خواجہ کمال الدین احمدی تھے تاہم ان کی
تبلیغی سرگرمیوں کا بڑا شہرہ تھا۔ علامہ نے اسی ہنگامہ آرائی سے متاثر ہو
کر مبلغین فرنگستان کو مشورہ دیا کہ یورپ میں تبلیغ کا کوئی فائدہ نہیں
اگر اسلام کا پیغام پہنچانا ہے تو عرب 'ایران اور افغانستان میں پہنچاؤ
جہاں عرصہ سے اسلام اپنی اصل شناخت سے محروم ہو گیا ہے مسلمانوں
میں زندگی اور دین کی حرارت و حرکت بجھ کر رہ گئی ہے۔

ہزار نکتہ زدی پیش دلبرانِ فرنگ
گداختی منہاں را بہ علمِ برہانی
خبرز شہر سلیٰ بدہ حجازی را
شرارِ شوق فشاں در ضمیر تورانی
رہِ عراق ز خراساں زن اے مقام شناس
بہ بزم اعجمیاں تازہ کن غزل خوانی
بسے گذشت کہ در انتظار زخمہ ریست
چہ نغمہ ہاکہ نہ خوں شد بہ ساز افغانی
حدیثِ عشق بہ اہل ہوس چہ می گوئی
بچشم مور مکش سرمۂ سلیمانی

ذیب :

اس عنوان کے تحت علامہ نے مغرب کی نام نہاد "تہذیب" کا افاش کیا ہے سفید انسانوں نے اپنے خونی پنجے کو ریشمی دستانہ کے رچھپالیا۔ کمر سے تلوار کھول دی اور سفاکی و خونریزی کا کام شمشیر کے لے قلم سے لینا شروع کردیا۔ انہوں نے "صلح عام" کے نام سے ایک ت خانہ بنایا اور موسیقی کی جھنکار میں اس کے گرد رقص کرنے لگے انکہ اس موسیقی کے پردے کے پیچھے بھی ان کا وہی سفاک اور سانیت دشمن جذبہ صدائیں بلند کررہا ہے اور سوائے سفاکی کے اور بھ نہیں ہے۔

انساں کہ رخ زغازۂ تہذیب بر فروخت
خاک سیاہ خویش چو آئینہ وانمود
پوشید پنجہ را تہ دستانۂ حریر
افسونِ قلم شد و تیغ از کمر کشود
ایں بوالہوس صنم کدہ صلح عام ساخت
رقصید گرد او بنواہائے چنگ و عود
دیدم چو جنگ پردۂ ناموس او درید
جز سفک الدماء خصیم المبیں نبود

ی باقی:

پیام مشرق کا یہ حصہ اقبال کی غزلیات پر مشتمل ہے۔ علامہ کی غزلوں میں ان کا وہی ازلی سوز و گداز' جذبہ کی پاکیزگی' احساس کی تڑپ' لہجہ کی گرمی' الفاظ کی شوکت اور پیغام کی عظمت ہر جگہ نمایاں ہے۔ وہ کہیں بھی اس بات سے غافل نہیں رہتے کہ ان کی شاعری ایک پیغام ہے۔ زندگی حرکت' حرارت اور عمل کا پیغام۔ بانگ درا آواز رحیل کارواں ہے اور یہ آواز ہمہ وقت اور بہر لہجہ تیز تر ہوتی جاتی ہے حدی کی طرح۔ جوں جوں محمل کی گرانی کا احساس ہوتا ہے ہمرہان قافلہ کی ست روی و گرانجانی ظاہر ہوتی ہے اقبال کی آواز کی شدت میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ان غزلوں میں زندگی کا درس بھی ہے بے عملی کا ماتم بھی یہی درس اور ماتم علامہ کی فکر اور سخن کی شناخت ہے بلکہ خود علامہ کی پہچان یعنی نوائے بلبل شوریدہ۔

بہار تا بہ گلستاں کشید بزم سرود
نوائے بلبلِ شوریدہ چشم غنچہ کشود
شبے بہ میکدہ خوش گفت زندہ دلے
بہر زمانہ خلیل است و آتشِ نمرود
بخاک ہند نوائے حیات بے اثر ست
کہ مردہ زندہ نہ گردد زنغمۂ داؤد

خردافزود مرا درس حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں
می تراشد فکرما ' ہردم خداوندے دگر
رُست از یک بند تا افتاد در بندے دگر
چنگ تیموری شکست ' آہنگ تیموری بجاست
سربروں می آرد از سازِ سمر قندے دگر

بہ نوریاں زمن پابہ گل پیامے گوئے
حذر زمشت غبارے کہ خویشتن نگرست
زخاک خویش بہ تعمیر آدمے برخیز
کہ فرصت تو بقدرے تبسمِ شرراست

نوائے من بہ عجم آتش کہن افروخت
عرب ز نغمۂ شوقم ہنوز بے خبر است

سجدہ تو برآورد از دلِ کافراں خروش
اے کہ دراز ترکنی پیشِ کساں نماز را
برہمنے بہ غزنوی گفت کرامتم نگر
تو کہ صنم شکستۂ بندہ شدی ایاز را

رو عاقلی رہا کن کہ بہ او تواں رسیدن
بدلِ نیاز مندے بہ نگاہِ پاکبازے

جرم ما از دانۂ تقصیر او از سجدہ
نے بہ آں بے چارہ می سازی نہ باما ساختی
طرحِ نو افگن کہ ما جدت پسند افتادہ ایم
ایں چہ حیرت خانۂ امروز و فرداساختی

فزوں قبیلہ آں پختہ کار باد کہ گفت
چراغِ راہِ حیات است جلوۂ امید

تیموسنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
باہمن میاکہ مسلک شبیرم آرزوست
گفتند لب بہ بند و ز اسرار ما مگو
گفتم کہ خیر نعرۂ تکبیرم آرزوست
گفتند ہر کہ در دولت آید زما نخواہ
گفتم کہ بے حجابیِ تقدیرم آرزوست

در بت خانہ زدم مغ بچگانم گفتند
آتشے در حرم افروز و تپیدن آموز
با نہال گرز خیابان تو بر کند ترا
صفت سبزہ دگر بار دمیدن آموز

آفریدند اگر شبنم بے مایہ ترا
خیز و بر داغِ دلِ لالہ چکیدن آموز
تا کجا در تہ بالِ دگراں می باشی
در ہوائے چمن آزادہ پریدن آموز

بہ ملک جم نہ دہم مصرعِ نظیری را
کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست
اگر چہ عقل فسوں پیشہ لشکرے انگیخت
تو دل گرفتہ نباشی کہ عشق تنہا نیست
شریکِ حلقہ رندان بادہ پیما باش
حذر زبیعتِ پیرے کہ مرد غوغا نیست
برہنہ حرف نہ گفتن کمال گویائی است
حدیث خلوتیاں جز بہ رمز وایماں نیست

می تواں جبریل را کنجشک دست آموز کرد
شہ پرش را با موئے آتش دیدہ بستن می تواں
گر بخود محکم شوی سیل بلاانگیز چیست
مثل گوہر در دل دریا نشستن می تواں
من فقیرے بے نیازم مشربم این ست و بس
مومیائی خواستن نتواں شکستن می تواں

صد نالۂ شب گیرے صد صبح بلا خیزے
صد آہ شرر ریزے یک شعر دلآویزے

نقش دگر طراز و آدمِ پختہ تر بیار
لعبت خاک ساختن می نہ سزد خدائے را

فریب کشمکش عقل دیدنی دارد
کہ میر قافلہ و ذوق رہزنی دارد

دگر بدشت عرب خیمہ زن کہ بزمِ عجم
مئے گذشتہ و جامِ شکستنی دارد

نہ بہ امروز اسیرم نہ بہ فردا و نہ دوش
نہ نشیبے نہ فرازے نہ مقامے دارم
بے نیازانہ زشوریدہ نوائم گذر
مرغ لاہوتیم واز دوست پیامے دارم
متاع قافلۂ ما حجازیاں بردند
ولے زباں نکشائی کہ یار ما عربی است
نہال ترک زبرق فرنگ بار آورد
ظہور مصطفوی رابہانہ بولہبی است

در دشت جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

چہ گویمت زمسلمان نا مسلمانی
جز اینکہ پور خلیل است وآزری داند
بیابہ مجلس اقبال یک دو ساغرکش
اگر چہ سرنتراشد قلندری داند

عرب از سرشک خونم ہمہ لالہ زارباد
عجم رمیدہ بو را نفسم بہارباد
نشود نصیب جانت کہ دم قرار گیرد
تب و تاب زندگانی بتو آشکار بادا

بہ قبائے عربی خوش ترک آئی بہ نگاہ
راست برقامت توپیرہنے نیست کہ نیست
اے مسلماں دگر اعجاز سلیماں آموز
دیدہ برخانم تو اہرمنے نیست کہ نیست

بخواب رفتہ جواناں ومردہ دل پیراں
نصیب سینہ کس آہ صبح گاہے نیست

گناہ ماچہ نویسند کاتبانِ عمل
نصیب ما ز جہان توجز نگاہ نیست

بہر دہلیز تو از ہندوستاں آوردہ ام
سجدہ شوقے کہ خوں گردید درسیمائے من
تیغ لادر پنجہ ایں کافر دیرینہ دہ
باز بہ نگر درجہاں ہنگامۂ الّا ئے من

نقش فرنگ

اس میں اقبال نے مغربی فلاسفروں، شعراء، مفکّرین ومصلحین کے خیالات ونظریات ان کی فکر وفلسفہ کے بارے میں اپنے خیالات، مغربی فلسفہ کے مقابل مشرقی افکار پیش کئے ہیں۔ مغرب کی مادہ پرستی، رہزنی، سفاکی اور انسانیت دشمنی پر بھرپور وار کئے ہیں اور دنیا کو ایک نئے انقلاب اور ایک خوش آئند مستقبل کی آمد کا مژدہ سنایا ہے۔ نقش فرنگ کے آغاز میں دانایان فرنگ کو پیغام دیتے ہیں کہ تم نے اعجاز مسیحا حاصل کرلیا لیکن تمہارا بیمار (معاشرہ) اور زیادہ بیمار ہوگیا ہے۔ تم نے حکمت وفلسفہ تو بہت کچھ سیکھ لیا لیکن مکتب عشق ومحبت میں کوئی درس نہیں لیا۔ عقل نے تم سے رہزنی کی اور تم اس کی فسوں سازیوں میں گرفتار رہے اس نے مغربی تہذیب کی خاک پسر مریم (کلیسا) کی آنکھوں میں جھونک دی عقل سفاک اور راہزن ہے صرف وہی عقل مسعود ومبارک ہے جس کے ساتھ ملا ئکہ کا نور اور دل آدم کا سوز وگداز بھی ہے۔ مغربی سیاست نے رہزنی کا نام جہانبانی رکھ دیا۔ اس کے منعموں نے غریبوں کی کمر توڑ دی ہے لیکن اب زمانہ بدل رہا ہے شوکت سکندری اور شان دارائی ختم ہو رہی ہے۔ اب کوہ کن تیشہ بدست آیا ہے اور تخت پرویزی پر بیٹھنا چاہتا ہے۔ پہلے جو راز سربستہ تھے آج وہ سب افشا ہو چکے ہیں اگر تمہارے پاس چشم حقیقت نگر ہے تو دیکھو کہ زندگی تعمیر نو کا عزم لے کر اٹھی ہے۔ آؤ میری آنکھوں سے دیکھو میں اس خاک میں نیا گوہر دیکھ رہا ہوں۔ وہ دانا جو ابھی تہ خاک ہے میری نگاہیں اسے پھوٹتا اور تناور درخت کی صورت میں بلند ہوتا دیکھ رہی ہیں۔ وقت آرہا ہے جب پہاڑ پر کاہ کی طرح بے وزن ہوجائے گا اور پر کاہ

(تنکا) پہاڑ جیسی گرانی حاصل کرلے گا میری آنکھیں ایک ایسا انقلاب دیکھ رہی ہیں جو ضمیر افلاک میں نہیں سمائے گا۔ مبارک ہے وہ شخص جو اس گرد میں آنے والے کارواں کو دیکھ لے دانشمند وہ ہوتا ہے جو تار کی جنبش سے نغمہ کا اندازہ کرلے۔ زندگی ایک بہتی ہوئی ندی کی طرح رواں دواں ہے اور اسی طرح رواں رہے گی یہ پرانی شراب اپنی تندی وتیزی میں ایسی ہی تیز و تند رہے گی۔ جو اب تک ہوتا رہا ہے جسے نہیں ہونا چاہئے تھا وہ درمیان سے ہٹ جائے گا جو ہونا چاہئے تھا اور اب تک نہیں ہوا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ جس زمین پر میرے خون کے آنسو گرے ہیں ایک دن یہی آنسو اس زمین میں گوہر کی طرح قیمتی سرمایہ ہو جائیں گے۔

از من اے باد صبا گوئے بہ دانائے فرنگ
عقل تا بال کشوداست گرفتار تراست
عجب آں نیست کہ اعجاز مسیحا داری
عجب ایں است کہ بیمار تو بیمار تراست
دانش اندوختہ دل ز کف انداختہ
آہ ازاں نقد گراں مایہ کہ درباختہ

وائے برسادگی ' کہ فسونش خوردیم
رہزنے بود وکمیں کرد و رہ آدم زد
ہنرش خاک بر آورد ز تہذیب فرنگ
باز آں خاک بچشم پسر مریم زد
اے خوش آں عقل کہ پہنائے دوعالم بااوست
نور افرشتہ و سوزِ دل آدم بااوست
رزم برزم پسندید و بیاہے آراست
تیغ لوجز بہ سروسینہ دیاراں نہ نشست
رہزنی را کہ بنا کرد جہاں بانی گفت
ستم خواجگی او کمر بندہ شکست
وقت آں ست کہ آئین دگر تازہ کنیم
لوح دل پاک بہ شوئیم و ز سرتازہ کنیم

کوہ کن تیشہ بدست آمد وپرویزی خواست
عشرت خواجگی ومحنت لالائی رفت
چشم بکشائے اگر چشم توصاحب نظراست
زندگی در پے تعمیر جہان دگرست
من دریں خاک کہن گوہرجاں می بینم
چشم ہر ذرہ چو انجم نگراں می بینم
دانہ راکہ بآغوش زمین است ہنوز
شاخ درشاخ برومند و جواں می بینم
کوہ را مثل پرکاہ سبک می یابم
پرکاہے صفت کوہ گراں می بینم
انقلابے کہ نہ گنجد بہ ضمیر افلاک
بینم و ہیچ ندانم کہ چساں می بینم
خرم آں کس کے دریں گرد سوارے بیند
جوہر نغمہ زلرزیدن تارے بیند
زندگی جوئے رواں است ورواں خواہد شد
ایں مئے کہنہ جواں است وجواں خواہد شد
آنچہ بودست ونباید زجہاں خواہد رفت
آں چہ بایست نہ بودست ہماں خواہد شد
آں زمینے کہ بروگریۂ خونیں زدہ ام
اشک من درجگرش لعل گراں خواہد شد
مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و زخورشید نشانم دادند

عالمی جنگ اول کے بعد مغرب کے استعماریوں نے دنیا کو دھوکا دینے کے لئے جنیوا میں جمعیتہ اقوام (لیگ آف نیشنز) بنائی تھی۔ کہا گیا کہ اس کے قیام کا مقصد اقوام ودول کے درمیان تنازعات کو پرامن طور پر حل کرانا اور دنیا میں امن وامان کی فضا قائم رکھنا ہے لیکن پس پردہ یہ مجلس سفید استعمار کے مقاصد کو بروئے کار لانے کا ہی ایک ذریعہ تھی بالکل ایسے ہی جیسے مجلس اقوام متحدہ (یو این او) ہے۔ دنیا میں اس جمعیتہ اقوام کے قیام پر بہت خوشی کا اظہار کیا گیا مظلوم اقوام کو اس سے بہت کچھ امیدیں تھیں کمزور ممالک کا خیال تھا کہ یہ جمعیتہ زبردستوں کے مقابلے

میں ان کا سہارا بنے گی لیکن علامہ نے فرمایا کہ یہ ساری توقعات اور خوش فہمیاں فضول ہیں اصل یہ ہے کہ کفن چوروں نے قبریں تقسیم کرنے کے لئے ایک انجمن بنائی ہے اور بس۔

برفتد تا روش رزم دریں بزم کہن
دردمندانِ جہاں طرح نو انداختہ اند
من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

اقبال اسرائیلی ماہر ریاضیات آئین اسٹائن کے بھی بہت مدّاح تھے جس نے نظریہ اضافت پیش کرکے سائنس کی دنیا میں انقلاب پیدا کردیا۔ آئین اسٹائن کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں

من چہ گویم از مقام آں حکیم نکتہ سنج
کرد زردشتے زنسل موسیٰ وہاروں ظہور

نیٹشے مغرب کا مشہور فلاسفر تھا جس نے اپنے افکار سے کلیسا کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ وہ ملحد فلسفی تھا مگر اس نے صلیبی فکر اور فلسفہ اخلاق کو نشانۂ تنقید بنایا۔ اقبال اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا دل مومن اور دماغ کافر ہے۔ نظم "نیٹشا" کے تحت اقبال لکھتے ہیں

نیٹشا نے مسیحی فلسفہ اخلاق پر زبردست حملہ کیا ہے اس کا دماغ اس لئے کافر ہے کہ وہ خدا کا منکر ہے گو بعض اخلاقی نتائج میں اس کے افکار مذہب اسلام کے بہت قریب ہیں "قلب او مومن دماغش کافراست" نبی کریم نے اس قسم کا جملہ امیہ بن الصلت عرب شاعر کی نسبت کہا تھا "امن لسانه وکفر قلبه"۔

گر نوا خواہی زپیش او گریز
در نئے کلکش غریو تندر است
نیشتر اندر دل مغرب فشرد
دستش ازخون چلیپا احمر است
آں کہ بر طرح حرم بت خانہ ساخت
قلب او مومن دماغش کافراست
خویش را در نار آں نمرود سوز
زاں کہ بستانِ خلیل از آزر است

ہنگری کا ایک مشہور شاعر تھا پٹوفی۔ ہنگری میں جنگ کے دوران وہ مارا گیا۔ اس کی لاش میدان جنگ میں کہیں نہیں ملی اس لئے اس کی قبر بھی نہیں بنائی جا سکی جو اس کی یادگار رہتی۔ اقبال اس میں نکتہ آفرینی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ شاعر اپنی نوا میں گم ہو گیا اب اس کا سخن ہی اس کا مرقد ہے۔ وہ شاعر نغز گو اور نکتہ سنج اس زمین کی مخلوق نہیں تھا اس لئے اس زمین میں واپس (دفن) نہیں ہوا۔

بنوائے خود گم استی سخن تو مرقد تو
بہ زمیں نہ باز رفتی کہ نواز زمیں نہ بودی

مکالمہ لینن وقیصر ولیم میں اقبال سرمایہ ومحنت کی تکرار دکھاتے ہیں لینن شہنشاہ قیصر سے کہتا ہے کہ انسان برسوں تک چکی کی طرح پستا رہا ہے اور زار و قیصر (دولت وبادشاہی) کے فریب کھاتا رہا ہے اور کلیسا کے حلقہ میں اسیر رہا ہے اب دیکھو کہ بھوکے غلاموں نے بادشاہوں کی وہ قبا چاک کردی جو ان کے خون سے سرخ تھی عوام کی بیداری کی آگ میں پیر کلیسا کی چادر اور شہنشاہ کی قبا دونوں جل گئیں۔ شہنشاہ قیصر ولیم جواب دیتا ہے اگر جمہور (عوام) تاج شاہی پہن لیں (اقتدار پر قبضہ کرلیں) تو بھی وہی بادشاہوں والی ہنگامہ آرائی ہوگی۔ انسان کے دل میں ہوس پیدا ہوتی ہے تو مرتی نہیں بڑھتی جاتی ہے اور اقتدار کی دلہن کی عشوہ فرمائیاں سب کو اپنی زلف کا اسیر کرلیتی ہیں یہ تو شیریں ہے اگر خسرو اس کی ناز برداری کے لئے نہ ہو گا تو یہ کوہ کن کے پاس پہنچ جائے گی۔

بسے گذشت کہ آدم دریں سرائے کہن
مثالِ دانہ تہ سنگ آسیا بود است
فریب زاری وافسونِ قیصری خورد است
اسیرِ حلقۂ دام کلیسا بود است
غلام گرسنہ دیدی کہ بر درید آخر
قمیص خواجہ کہ رنگیں زخون ما بود است
شرار آتش جمہور کہنہ ساماں سوخت
ردائے پیر کلیسا قبائے سلطاں سوخت

قیصر

اگر تاج کئی جمہور پوشد
ہمہ ہنگامہ ہا در انجمن ہست

عروس اقتدار سحر فن را
ہماں مشاطہ زلف پرشکن ہست
نہ باشد ناز شیریں بے خریدار
اگر خسرو نہ باشد کوہکن ہست

جلال و گوئٹے

اس نظم میں اقبال مولانا جلال الدین رومی اور شاعر المانوی گوئٹے کا مکالمہ بیان کرتے ہیں کہ گوئٹے نے رومی کو اپنی مشہور تصنیف فوسٹ پڑھ کر سنائی۔ اس ڈرامہ میں بقول اقبال گوئٹے نے حکیم فوسٹ اور شیطان کے عہد و پیمان کی قدیم روایت کے پیرایہ میں انسان کے امکانی نشو و نما کے تمام مدارج اس خوبی سے بیان کئے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کمال فن خیال میں نہیں آسکتا۔ گوئٹے کی تصنیف سن کر رومی نے اپنا شعر پڑھا کہ عقل شیطان ہے اور عشق آدم ہے۔ یعنی عقل انسان کو گمراہ کرتی ہے۔

نکتہ دان المنی را در ارم
صحبتے افتاد با پیر عجم
شاعرے کو ہمچو آں عالی جناب
نیست پیغمبر و لے دارد کتاب
خواند بر دانائے اسرار قدیم
قصۂ پیمانِ ابلیس و حکیم
گفت رومی اے سخن را جاں نگار
تو ملک صید استی و یزداں شکار
سوز و ساز جاں بہ پیکر دیدہ
در صدف تعمیر گوہر دیدہ
ہر کسے از رمز عشق آگاہ نیست
ہر کسے شایان ایں درگاہ نیست
داند آں کو نیک بخت و محرم است
زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم ست

نوائے مزدور

پیام مشرق کی آخری نظم ہے۔ اس میں لہجہ اور انداز بالکل اشتراکی ہے شاید ایسی ہی نظموں کو دیکھتے ہوئے ان کے بعض ہم عصر انقلابیوں نے انہیں اشتراکی قرار دیا تھا۔ مزدور کہتا ہے کہ یہ موٹا جھوٹا پہننے والے مزدور کی محنت سے سرمایہ دار حریری لباس پہنتا ہے میری محنت سے سلطان لعل و گہر کی انگشتری پہنتا ہے میرے بچے بھوک سے روتے ہیں اور میری محنت سے دولتمند بگھیوں اور سواریوں میں سفر کرتا ہے میرا خون چوس کر چرچ کے پادری جونک کی طرح پھول گئے ہیں۔ لیکن اب ساز جمہور سے نئے نغمے نکل رہے ہیں اب وقت ہے کہ ہم میکدہ کا نظام کہن بدل ڈالیں جنہوں نے اب تک چمن لوٹا ہے ان سے انتقام لیں اور چمن کو از سر نو سجائیں۔ بہت دن تک ہم شمع کے گرد پروانے کی طرح ناچتے رہے آخر کب تک خود سے بے نیاز ہو کر جیتے رہیں گے۔

بطوف شمع چو پروانہ زیستن تا کے
ز خویش ایں ہمہ بیگانہ زیستن تا کے

بقیہ: حدیث نبوی "أن تلد الأمة ربتها"

ائمہ محدثین روایتوں کو عام طور سے مختصر کر دیتے ہیں صرف انہیں جملوں کو روایت کرتے ہیں جن سے استشہاد مقصود ہوتا ہے یا جو ان ابواب سے مناسبت رکھتے ہیں جن میں وہ حدیثیں وارد ہوتی ہیں۔ انہیں اچھی طرح یاد ہوتی ہیں یہ ایسی باتیں ہیں جو حدیث کے طلباء میں معروف ہیں ثقہ رواۃ کے زیادات علماء کے نزدیک مقبول ہوتے ہیں اسی طرح جو یاد کرے محفوظ رکھے اور ذکر کرے وہ حجت ہوگا اس شخص پر جو ایسا نہ ہو۔

(جاری)

اک نکتہ مرے پاس ہے شمشیر کی مانند
برندہ و صیقل زدہ و روشن و براق
کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!
— علامہ اقبال

اطہر نقوی

زوال

زوال کیا ہے مذاقِ عمل سے محرومی ، زوال کیا ہے تب و تاب زندگی کازیاں
زوال کیا ہے سرور و طرب کی ارزانی ، جہان فانی و باقی فدائے پیر مغاں
زوال کیا ہے تن آسانی و طرب کوشی ، جوان مرد بھی نازک مثالِ گُل بدناں
زوال جذبۂ اقدام کی گراں خوابی ، جمودِ فکر و عمل انتشار کار جہاں
زوال شکوۂ تقدیر و منکرِ تدبیر ، ہر ایک فرد بشر زندگی پہ نوحہ کناں
زوال فکرِ خواب آور و حقائق کُش ، تصورات کی جنت اسیرِ وہم و گماں
زوال امت بے حس کا دورِ بے بصری ، نگاہ دیدۂ عبرت نہ کار دیدہ وراں
ہراک زباں پہ حریفِ لئیم کا شکوہ ، ہرایک قلب میں پیوست بغض کا پیکاں
بنام پاک قیادت ہے رہزنی کا عروج ، ہوا نشیمنِ شاہیں پہ غلبۂ زاغاں
وہی گروہِ فقیہاں وہی طریق جدل ، ہر اک دلیل میں لا و لِمَ کی تیغ نہاں
غلام حکمتِ یونانیاں خرد ان کی ، دماغ و ذہن پہ ان کے عجم کا رنگ عیاں
کتاب زندۂ جاوید دی گئی جس کو ، عطا ہوا تھا جسے نورِ مشعل ایماں
وہ قوم ظلمتِ اِدبار میں بھٹکتی ہے ، دلِ تباہ سے اٹھتی ہے بار بار فغاں

ہ . فقیہاں طریقِ جدل ساختند ، لِمَ لا نسلم بپیر داختند
(سعدی)

مجلہ "البیان" لندن — ترجمانی : ابوفوزان مدنی

ایران میں اہل سنّت کی "مسجد فیض" کی مسماری

ایک عینی شاہد کا بیان

پچھلے دنوں ایرانی حکومت نے شہر مشہد میں اہل سنت کی "مسجد فیض" کو مسمار کرنے کے بعد ایرانی "بلوچستان" کی راجدھانی "زاہدان" میں واقع اہل سنت کی عظیم جامع مسجد "مسجد مکی" میں صلوۃ ادا کرنے والوں پر مسلح حملہ کرکے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا اور بہتوں کو زخمی کردیا۔ ایرانی پاسداران انقلاب اور ایرانی انٹیلیجنس نے اس سے پہلے مسجد اور اس سے ملحق دینی درسگاہ پر ناجائز قبضہ و تسلط قائم کر لیا تھا۔ ذیل کی سطور میں پوری وضاحت کے ساتھ اس سازش کا پردہ چاک کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے :

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِيْ خَرَابِهَآ أُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوْهَآ إِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ کی مسجدوں سے روکا کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کی، ان کے لئے لائق نہیں کہ وہ ان مساجد میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

مشہد میں "مسجد فیض" کو تعمیر ہوئے تقریباً سو سال ہو چکے ہیں مذکورہ مسجد پچھلے کئی سالوں سے ایرانی حکومت و محکمۂ سراغرسانی اور رافضی ہولؤں کی وجہ سے شدید نزاع کا باعث بنی ہوئی تھی۔ اس نزاع کے کئی اسباب ہیں۔

پہلا سبب یہ کہ اس وقت ایران کسی خارجی و بیرونی جنگ میں مشغول نہیں ہے دوسرا سبب یہ کہ مشہد جیسے (شیعوں کی نگاہ میں متبرک) شہر میں اہل سنت کا وجود، ان کی مسجد اور ان کا مدرسہ ناقابل برداشت ہے۔

ایک اور سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیعہ مصلیوں کی قلیل تعداد کے بالمقابل سنی مصلیوں کی بھاری تعداد سے ہر جگہ صلوات کی ادائیگی کے لئے مسجدیں بھر جاتی ہیں۔ کیونکہ روافض اپنے مزعوم "امام منتظر" کی "غیبوبت کبریٰ" کی وجہ سے صلوۃ جمعہ کو فرض عین نہیں شمار کرتے ہیں خود "امام منتظر" کے بارے میں شیعوں کے یہاں بے شمار تضادات پائے جاتے ہیں۔

دوسری بات یہ بھی کہ اہل سنت کی یہ مسجد شہر مشہد کے بالکل درمیان شیعوں کے قبلۂ آرزو "امام رضا" کے مزار، اور "ایرانی انقلاب" کے حالیہ مرشد "خامنہ ای" کے والد کے گھر کے قریب واقع ہے۔ نیز مسجد کے قرب وجوار میں شدید متعصب روافض بکثرت موجود ہیں ایسی صورت میں یہ مسجد روافض کے لئے قطعاً ناقابل برداشت ہے۔ چونکہ مسجد میں صلوات خمسہ کی ادائیگی کیلیے اہل سنت اکٹھا ہوتے تھے اسی لئے حکومت ایران نے بلوچستان اور خراسان کے حجاج کو لے جانے والے ہوائی جہازوں کا راستہ تبدیل کردیا تاکہ مشہد میں اہل سنت اپنی مسجد میں اکٹھا نہ ہوسکیں چنانچہ مشہد کے بجائے ہوائی جہازوں کا اڑان کرمان سے ہونے لگا۔ انہیں تمام اسباب کی بنا پر حکومت ایران کو اس مسجد کی مسماری کی فکر دامن گیر ہوئی، اسی طرح ایک مخفی قرارداد پاس کی گئی کہ جس شہر میں اہل سنت کی آبادی چالیس فیصد سے کم

ہوگی وہاں انہیں مسجد بنانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اور اس تناسب کی تعیین میں کھلواڑ ان کے لئے بہت آسان ہے یہ سابق الذکر قرارداد "آیت اللہ جنتی" کی پیش کردہ پاس کردہ ہے جو اہلِ سنت کے ساتھ اپنی عداوت و تعصب میں مشہور و معروف ہے۔ مسجد کی مسماری سے پہلے ایرانی انٹلیجنس افسران نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اہلِ سنت مسجد کے عوض روپیہ پیسہ لے لیں۔ گویا مسجد بھی کوئی تجارتی دوکان ہے جس کی کوئی تقدیس و احترام نہیں ہے۔ علماء نے فتویٰ دیا کہ مسجد کی تبدیلی یا اس کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ ایرانی محکمۂ سراغ رسانی نے اس فتویٰ کو ضبط کر لیا۔ لہٰذا ذمہ داران حکومت تک یہ فتویٰ نہیں پہنچ سکا پھر انہوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ بیچ شہر سے دور مشہد کے نواحی علاقہ میں انہیں مسجد کے بدلہ زمین دے دی جائے۔ لیکن متولیان مساجد کی تنظیم اور علماء خراسان و بلوچستان نے اس پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا۔

ایرانی انٹلیجنس نے بعض گمنام، حکومت کے پٹھو اور وظیفہ خور علماء و مشائخ سے ایسا فتویٰ حاصل کیا جس میں ان لوگوں نے فاضل علماء دین اور دین پسند نوجوانوں کو پھانسی دینے کا فتویٰ دیا الزام یہ لگایا گیا کہ یہ لوگ "وہابی" ہیں۔ واضح رہے کہ وہ اسی دلیل کے ساتھ ہمیشہ اکثر و بیشتر علماء اہلِ سنت کو قتل کیا کرتے ہیں۔

۱۲ شعبان ۱۴۱۴ھ کی شب میں جو انقلاب ایران کے وقت خمینی کی ایران آمد کی تاریخ ہے اور حکومت اس موقعہ پر آن بان کے ساتھ "عشرۂ ظہور انقلاب" کے نام سے شاندار تقریبات کا اہتمام کرتی ہے ایرانی انٹلیجنس نے اس رات مشہد میں اہلِ سنت کی "مسجد فیض" کو شدید محاصرہ میں لے لیا۔ پھر چند رہ بھاری بھرکم بلڈوزر لائے گئے مسجد کے آس پاس لوگوں کے آنے جانے پر پابندی عائد کرنے کے بعد بلڈوزروں نے اپنا کام شروع کیا اور بغیر قرآن کریم، جانمازیں اور لائبریری ہٹائے پوری رات دیواروں اور اندرونی دروازوں کو ڈھاتے رہے۔ بلڈوزروں کے نیچے دب کر شہید ہونے والوں کے علاوہ مسجد میں موجود سارے [illegible]وں کو قیدی بنا کر جیل خانہ میں بند کر دیا گیا۔

انہدامی کارروائی سے پہلے مسجد میں موجود خادم کے ذریعہ ٹیلیفون پر اطلاع پا کر جو بھی آتا پوچھتا کہ آخر اس مسماری کا سبب کیا ہے؟ ایرانی حدود میں واقع سنی علاقوں میں یہ اندوہناک خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

صفوی عہد سے لے کر اب تک شیعوں کی پیش قدمی جاری ہے اور اہلِ سنت مختلف قسم کے دباؤ کے شکار ہیں ان کو داخلی مراکز سے دور رکھا جاتا اور ترک وطن پر مجبور کیا جاتا رہا ہے۔ ایک طرف یکم فروری ۱۹۹۴ء بروز منگل سرکاری تقریبات کا آغاز ہو رہا تھا۔ تو دوسری طرف یہ المناک حادثہ اہلِ سنت کے دلوں کو خون خون کر رہا تھا دوسرے بہت سے حکومت مخالف لوگوں نے جو دباؤ، قتل و غارت گری اور ایذا رسانیوں کے شکار ہیں۔ اس جارحانہ کارروائی پر آنسو بہایا اور اپنے غم والم کا اظہار کیا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ "شیعہ سنی بھائی بھائی" کا نعرہ حکومت کی جانب سے پوری عیاری و فریب کاری کے ساتھ شدت سے جاری ہے اور جب بھی کوئی سنی عالم حق بات کہتا ہے تو اسے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ اخوت کو پارہ پارہ کرتا ہے اس طرح "وہابیت" یا "شیعہ و اہلِ سنت کے مابین تفرقہ بازی" یا "جاسوسی" کا الزام لگا کر اہلِ سنت کے بڑے بڑے علماء اور اہم ترین شخصیات کو پھانسی کا پھندہ پہنا دیا گیا۔ شیعوں کے نزدیک اپنے مخالفین پر اس طرح کی تہمتیں لگانا بالکل معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ بہمن شکوری، علامہ احمد مفتی زادہ، آیت اللہ برقعی جو کبھی شیعوں کے بڑے مشائخ میں سے تھے اور ایرانی انقلاب سے پہلے مذہب سنت قبول کر چکے تھے اور انہوں نے شیعی عقائد کی تردید میں مختلف کتابیں لکھی تھیں اور ان کی متعدد اہم تالیفات پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر علی مظفریان جو ایک ماہر طبیب ہیں یہ بھی انقلاب سے پہلے شیعی عقائد سے توبہ کر کے عقائد سنت اختیار کر چکے تھے۔ ان سب نیز دیگر دسیوں علماء کو پھانسی کی سزا دی گئی۔

ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ ان کو شہادت کا درجہ نصیب ہوگا۔ اسی طرح سنیوں کی ایک بڑی تعداد اولیس دیوار زنداں ہے جلاوطن اہلِ سنت کی تعداد ان سب کے علاوہ ہے۔

"مسجد فیض" کی مسماری کی خبر بذریعہ ٹیلیفون اور لوگوں کی زبانی پھیل گئی لیکن ایرانی ذرائع ابلاغ نظام حکومت کے شدید دباؤ کی وجہ

سے ایسا کچھ نہ کرسکے جو انہدام مسجد کی راہ میں رکاوٹ بن سکے۔ نہ ہی دوبارہ مسجد کی تعمیر کا مطالبہ کیا گیا جیسا کہ ہندوستان میں بابری مسجد یا حضرت بل مسجد کے سلسلے میں کیا گیا تھا۔ "زاہدان" میں ایک سکھ نے کہا کہ "حکومت ایران نے ہماری حکومت ہند کا چہرہ روشن کردیا" اس گھٹی فضا کے باوجود جس میں کوئی اونی آواز نہیں بلند کرسکتا نہ معمولی اعتراض کرسکتا ہے اہلِ سنت نے اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ لوگ اس حادثہ پر ہر جگہ آنسو بہا رہے تھے۔ اہلِ سنت کے شہروں بالخصوص زاہدان میں لوگ اپنی دوکانوں کو بند کرنے لگے زاہدان میں "مسجد مکی" اور اس سے ملحق دینی مدرسہ کے ارد گرد اہلِ سنت جمع ہونے لگے یہ مسجد و مدرسہ شیخ عبدالعزیز ملا زادہ رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیر کیا تھا۔ جو بلوچستان میں اہلِ سنت کے دینی و سیاسی قائد تھے۔ لوگ غم و غصہ کی حالت میں ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔ اس افسوس ناک و المناک حادثہ کی وجہ سے سب پر غیض و غضب طاری تھا۔

یکم فروری ۹۴ء بروز منگل حکومت ایران کے اخبارات کے اس اعلان کے خلاف ایک عوامی اور دینی اجتماع منعقد ہوا جس اعلان میں ان پر نفاق کا الزام لگایا گیا تھا یعنی یہ کہا گیا تھا کہ یہ لوگ بائیں بازو کی تنظیم "مجاہدین خلق" سے تعلق رکھتے ہیں پھر فوراً ہی اخبارات نے اسلوب بدلتے ہوئے ان پر الزام لگایا کہ یہ لوگ شرپسند اور اسمگلر ہیں۔ لوگ "مسجد مکی" کے آس پاس اور دینی مدرسہ کے اندر جمع ہو گئے۔ متعدد علماء ان لوگوں سے پُرسکون رہنے کی اپیل کرنے لگے جو کافی غم و غصہ کی حالت میں بپھرے ہوئے تھے۔ شروع میں انہوں نے عام لوگوں کے لئے مسجد کا دروازہ نہیں کھولا تاکہ لوگ منتشر ہو جائیں، خطیب مسجد نے کہا بھی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی ناخوش گوار واقعہ نہ پیش آجائے اور یہاں ایسا ظلم نہ ہو جو مسجد فیض کے المناک حادثہ کو بھی مات کردے۔ لیکن لوگوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہا تاآنکہ انہوں نے عوام کے لئے مسجد کا دروازہ کھول دیا تاکہ محاصرہ کرنے والی حکومت کی فورس سے ٹکراؤ نہ ہونے پائے اور عوام پاسداران انقلاب اور انٹیلیجنس کی بے رحم گولیوں کا نشانہ نہ بن سکیں۔

خطیب مسجد لوگوں کی بھیڑ کے پاس گئے اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ ذمہ داران حکومت سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ وہ یہاں آکر لوگوں سے بات چیت کریں۔ اور ان کے اضطراب و پریشانیوں کا کوئی حل ڈھونڈھیں اور ان کو قانع بنائیں صبح سے دوپہر حملہ کے وقت تک اہم شخصیات اور علماء کرام نے جو دینی مدرسہ کے آفس میں موجود تھے ذمہ داران حکومت کو زیراور خامنہ ای کے اہلِ سنت کی مساجد و مدارس کے خلاف ہمیشہ شیطانی سازش کرنے میں پیش پیش رہنے والے سکریٹری سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر کسی سے بھی رابطہ قائم نہ ہوسکا۔ صرف ایک جواب ملتا تھا کہ سرکاری افسران اور اہلکاران حکومت انقلاب کی تقریبات میں مصروف ہیں بعد میں قرائن کی روشنی میں پتہ چلا کہ یہ بھی پہلے سے منظم سازش کا ایک حصہ تھا۔ دوسری طرف صورت حال مزید خراب ہونے کے خوف سے علماء اہلِ سنت لوگوں کو پُرسکون بنانے کی کوشش کرتے رہے نیز بذریعہ لاؤڈ اسپیکر ان کو خاموش رہنے کی تاکید کرتے رہے۔ اس شور و ہنگامہ اور مسجد کی مسماری پر لوگوں کے غیظ و غضب کے درمیان کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی کوئی کسی کی بات سننے کو تیار نہ تھا۔ خاص طور پر مدارس کے نوجوان طلبہ جو ہر دن اپنے اساتذہ سے اپنے عقائد و شعائر کی تذلیل و اہانت کی باتیں سنا کرتے تھے۔ ان کی غضبناکی و ناراضگی کی کوئی حد نہ تھی۔ ساتھ ہی وہ اشکبار بھی تھے عوام پولیس کی گاڑیوں پر پتھراؤ کرنے اور شیشہ توڑنے لگے۔ اور "یوم انقلاب" کی تقریبات کی مناسبت سے دوکانوں پر نصب حکومت کے جھنڈوں کو اتارنے لگے۔ پھر چند علماء جن کے ہاتھوں میں قرآن کریم تھا ان لوگوں کی بھیڑ کے پاس گئے جن میں بے حد جوش و خروش پایا جا رہا تھا۔ اور انہیں مظاہرہ کرنے اور شیشہ توڑنے سے منع کرنے لگے۔ وہ ایسا اس لئے بھی کر رہے تھے کہ حکومت کی عداوت اور اس کے شیطانی منصوبہ کو وہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔ ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ اس نے ایک شخص کو دیکھا کہ جب بھی لوگ اس کو شیشہ توڑنے سے باز رکھتے تو وہ باز نہیں آتا یہاں تک کہ اس کو سختی کے ساتھ روکنا پڑا۔ لیکن اس کے بعد اس شخص کے پاس وائرلیس نظر آیا۔ جسے اس نے بغل میں چھپا رکھا تھا۔ جب کہ یہ شخص اس وقت مقامی بلوچی لباس میں ملبوس تھا۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ

شخص ایرانی محکمۂ سراغ رسانی کا آدمی ہے اور شیشہ توڑ رہا ہے تو اس کو مارنے لگے۔ لیکن انٹیلیجنس کا یہ آدمی لوگوں پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہو گیا۔

یہ بات اچھی طرح معلوم ہونی چاہیے کہ ایرانی سراغ رساں ادارہ کے بہت سے عناصر بلوچی لباس میں ملبوس پوشیدہ طور پر حادثہ کے مقام پر موجود تھے اور اس دن لوگوں کے جذبات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش میں مصروف کار تھے اور فتنہ کی آگ بھڑکانے کے لئے لوگوں کو اکسا رہے تھے تاکہ شرپسندی اور نفاق کی تہمت لگا کر اہلِ سنت کے سینوں کو اپنے خوں آشام ہتھیاروں کے ذریعہ نشانہ بنانے کا موقع ہاتھ آ جائے۔ سرکاری اخبارات نے ان پر شرپسندی اور نفاق کا الزام لگایا۔ جب کہ انہیں اخبارات نے ٹھیک اسی وقت "مسجد فیض" کی مسماری کی خبر کو غلط اور جھوٹی قرار دیا حالانکہ سرکاری ذمہ داروں نے مسجد کی مسماری کا اعتراف کیا اور جب سرکاری افسران سے اخبارات میں چھپی خبر کے سلسلہ میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اخبارات آزاد ہیں۔ سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ "وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ" (ان کی افترا پردازیوں نے انہیں دین کے بارے میں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے) "مسجد مکی" میں مصلیوں پر فائرنگ سے چند گھنٹے قبل اپنے منصوبہ کے مطابق مقتولین اور زخمیوں کو داخل کرنے کے لئے بطور تمہید سرکاری ہاسپٹل کو مریضوں سے خالی کر دیا گیا تھا۔

ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کئی ماہ قبل صورت حال کا بڑی گہرائی کے ساتھ جائزہ لے رکھا تھا اور اس پر کافی غور وخوض بھی کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مسجد کی مسماری کا پروگرام تقریبات کے ایام میں رکھا کیونکہ یہ ان شہروں کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھے جو اس انہدامی کارروائی پر اعتراض کریں گے اور اس طرح ان پر فائرنگ اور حملوں کا انتظام کر رکھا تھا کہ تقریبات کی مناسبت سے فورس موجود ہوگی۔ از سر نو اسے طلب کرنے کی ضرورت نہ پیش آئے گی۔ "وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ" اور وہ داؤ کرتے ہیں۔ اللہ بھی داؤ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہترین داؤ کرنے والا ہے۔

انہوں نے اپنے تیار کردہ منصوبہ کے تحت ہی زاہدان کا رابطہ باقی شہروں سے کاٹ دیا تھا۔ اور وقوع حادثہ سے چند لمحات قبل ٹیلیفون نظام خراب کر دیا تھا۔

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ اس موقع پر "مسجد مکی" کے خطیب، جن کا شمار سنی قائدین میں ہوتا ہے، علماء اور دیگر اہم لوگ مدرسہ کے آفس میں موجود تھے تاکہ کسی بھی سرکاری افسر سے رابطہ قائم کر کے بات کریں کہ آکر لوگوں کے سوالات کا جواب دیں تاکہ ان کی بےچینی ختم ہو۔ اتنے میں پولیس افسر "غضنفری" آفس میں پہونچے اور بتایا کہ وہ بذریعہ وائرلیس بعض اہم ذمہ داروں سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور وہ آنے والے ہیں۔ خطیب مسجد نے ان سے کہا کہ شارع عام کے بجائے کسی اور راستے سے آئیں تو بہتر ہوگا۔ کیوں کہ شارع عام پر لوگوں کا مجمع تھا انہیں اندیشہ تھا کہ لوگ ان پر پتھراؤ کریں گے پھر کوئی مزید ناخوش گوار واقعہ پیش آ سکتا ہے۔

اس گذارش کے باوجود وہ لوگ جان بوجھ کر یا لاعلمی میں ۔واللہ أعلم۔ شارع عام ہی سے آئے اور واقعۃً وہی کچھ ہوا جس کا شیخ کو اندیشہ تھا۔ لوگوں نے ان پر پتھراؤ کیا۔ لیکن یقینی طور پر کوئی نہیں بتا سکتا ہے کہ کیا یہ حقیقت میں عوام کا مجمع تھا یا کہ وہ ایک خاص گروہ تھا جس کو اس دن یہی رول ادا کرنے کے لئے منصوبہ بند طریقے پر پہلے سے ہی تیار کیا گیا تھا۔

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ایرانی محکمۂ سراغ رسانی نے اس حادثہ کی پہلے سے تیاری کر رکھی تھی تاکہ ایک طرف اہلِ سنت پر وار کر سکیں تو دوسری طرف ایرانی عوام کی توجہ اس نئے بحران کی طرف مبذول کر دیں تاکہ وہ اپنے مسائل و مشکلات بھول جائیں اور عراق کے ساتھ جنگ کے نتیجہ میں کافی انتشار و افتراق کے بعد پھر سے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر سکیں۔

یہ بات بھی بالکل ظاہر ہو رہی ہے کہ جو ذمہ داران عوام سے ملاقات اور بات چیت کرنے آئے تھے انہوں نے ہی پہلے سے فائرنگ کا حکم دے رکھا تھا۔ حادثہ سے چند گھنٹے پہلے ایک عالمِ دین "تھانیدار" کے

پاس گئے اور اس سے درخواست کی کہ خطہ میں پولیس تعینات کردے تاکہ عوام ان ذمہ داران حکومت کو دیکھ کر غیظ وغضب' اور جوش وخروش میں نہ آنے پائیں۔ اس پر اس نے جواب دیا کہ "یہ لوگ بات نہیں مانیں گے" اور اس کا ایک ساتھی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ گویا کہ آئندہ کیا واقعات پیش آنے والے ہیں انہیں پہلے سے معلوم تھا۔

جب بارہ بج چکے اور ظہر کا وقت ہو گیا تو مؤذن نے اذان دی تاکہ لوگ ادائیگی صلوٰۃ کے لئے سڑک سے آکر مسجد میں داخل ہو جائیں۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد ایک پولیس کے ہاتھ میں موجود وائرلیس سے گولی چلانے کا آرڈر سنا گیا۔ تمام لوگ اور علماء کرام مسجد میں داخل ہو گئے اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اعلان کیا کہ شور و ہنگامہ بپا کرنا اور لوگوں کی دوکانوں کا شیشہ توڑنا درست نہیں ہے اور شرعاً ناجائز ہے۔ پھر صلوٰۃ ظہر ادا کرنے میں مشغول ہو گئے لوگ باجماعت صلوٰۃ ادا کر ہی رہے تھے کہ گولیاں چلنے کی آواز فضا میں گونجنے لگی اس کے بعد مسجد میں مصلّی حضرات اور بے گناہ لوگ زخمی ہو کر گرنے لگے۔

ادائیگی صلوٰۃ کے بعد ایک عالم دین آگے بڑھے اور بذریعہ لاؤڈ اسپیکر پولیس والوں کو مخاطب کیا کہ اب دوبارہ اس غلطی کا اعادہ نہ ہونے پائے اور ہرگز گولی نہ چلائی جائے۔ پولیس والوں نے لاؤڈ اسپیکر سے جواباً کہا کہ گولی ہم نے نہیں چلائی ہے۔ یہ انٹیلجنس اور "پاسداران انقلاب" کا کام ہے۔ بعد میں دیکھا گیا کہ بعض پولیس افسران اس حادثہ پر افسوس ظاہر کر رہے تھے۔ اس لئے کہ پولیس انتظامی فورس ہے۔ یہ حزب اللہ فورس "یا "پاسداران انقلاب" نہیں ہیں۔

فائرنگ کرنے والوں نے مسلسل تین گھنٹوں کے اندر مسجد ومدرسہ کو بے گناہ انسانوں کے خون سے بھر دیا۔ اوپر سے ہیلی کاپٹر زمین سے فوج اور پہاڑوں کی بلندیوں اور مکانوں کی چھتوں سے پاسداران انقلاب کی گاڑیاں حادثہ کی نگرانی کر رہی تھیں۔ مسجد کا کوئی حصہ فائرنگ سے محفوظ نہ تھا۔ اس کے بعد انہوں نے مقتولین' زخمیوں اور قیدیوں کو جمع کیا۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کی تعداد کو جانتا ہے۔ انہوں نے صرف تین لاشیں رات میں حوالے کیں اور جنازہ میں شرکت عام پر پابندی عائد کر دی۔

پھر آدھی رات کو آئے۔ دیواروں اور دروازوں پر لگے گولیوں کے نشانات کو مٹا دیا' کھڑکیوں کے شیشے بدل دیئے اور مسجد کا ایک اپنے مظاہرہ میں شرکت پر مجبور کیا کہ اگر انھوں نے شرکت سے انکار کیا تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ ہوگا۔

یہ ایک عینی شاہد کا بیان کردہ المناک واندوہناک قصہ ہے۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز بات جس کی توجیہ کسی صورت ممکن نہیں ہے وہ یہ ہے کہ "ایرانی آیات" لوگوں کو اہلِ سنّت کی مساجد کے بارے میں شک وشبہ میں ڈالتے رہتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہ مساجد ان کے عقائد وافکار کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں لیکن نصاریٰ کے گرجا گھروں' یہودیوں کی عبادت گاہوں اور مجوس کے عبادت خانوں کے سلسلے میں بالکل لب کشائی نہیں کرتے ہیں ؎

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

آخر یہ "آیات" کس اسلام کے مدعی ہیں؟ کہ یہ اللہ کی مسجد کو دن دہاڑے منہدم ومسمار کرتے ہیں۔

ایرانی اہلِ سنّت کی پکار

ایک اہم اشتہار تقسیم کیا گیا ہے جس میں ایران کے اندر اہلِ سنّت کی ضروریات کو واضح کیا گیا ہے۔ ان کی شدید ضروریات درج ذیل امور کی متقاضی ہیں۔

۱۔ اہلِ سنّت کے لیے فارسی زبان میں ایک فعّال ریڈیو اسٹیشن کا قیام اور اسلامی نشریات کا جامع پروگرام۔

۲۔ اہم اعتقادی اور فکری کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کے لئے ایک مخصوص شعبہ کا قیام۔

۳۔ علماء اہل سنت مثلاً احمد مفتی زادہ' عبد العزیز ملا زادہ' اور آیت اللہ برقعی وغیرہم کی کیسٹوں کی وسیع پیمانہ پر اشاعت۔

۴۔ مشہور اسلامی یونیورسٹیوں اور درسگاہوں میں سنّی طلبہ کی تعلیم وتربیت۔

۵۔ اہلِ سنّت کے لئے مفید اسلامی مجلات ورسائل کی فراہمی۔

پوری دنیا میں پھیلے صحیح عقائد کے حامل مسلمانو! ایران کے اپنے سنّی بھائیوں کو روافض کے ابلیسی نظام اور شیطانی منصوبوں کے زیر اثر مکمل طور پر رفض وتشیع کی تہذیب وثقافت میں مدغم ہونے سے پہلے بچانے کی فکر کرو۔ اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔

ترجمانی : ابوفوزان مدنی

مسجد فیض کے انہدام کا حادثہ

اہلِ سنّت وجماعت ایران کا بیان

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَاؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

جب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں "اہل سنّت وجماعت" کے ایمان کی آزمائش کا ارادہ کیا ان پر ہرچہار جانب سے مصائب و آلام اور رنج و محن کی یلغار ہے لیکن سب سے بڑی آزمائش اور مصیبت و آفت ان پر ان لوگوں کی جانب سے آئی جو اسلام کا جھوٹا پُر فریب اور نام نہاد دعویٰ کرتے رہے ہیں۔ ان گروہوں میں سب سے کینہ توز، شرپسند اور دشمنی میں شدید تر گروہ شیعوں اور رافضیوں کا ہے۔

حقیقت میں تاریخ کے پورے دور میں کسی ایسے گروہ کا پتہ نہیں چلتا ہے جس نے شیعوں اور رافضیوں کی طرح اہل اسلام کے ساتھ مسلسل معاندانہ، معاندانہ اور حاقدانہ و حاسدانہ رویہ اپنایا ہو۔ چنانچہ ایک زمانے میں تاتاریوں نے اسلامی سلطنتوں پر شدید حملہ کیا اور عالم اسلام میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے، مختلف سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی، قتل وغارت گری اور لوٹ کھسوٹ مچایا۔ لیکن ایک وقت آیا جب اسلام نے ان کے دلوں میں گھر کیا بالآخر ان لوگوں نے حقیقت کو پہچانا اور اسلام کے آغوش رحمت میں داخل ہوگئے اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی تعمیر میں حصہ لیا اور نمایاں کردار ادا کیا۔ مگر روافض کی حالت یکسر مختلف ہے، مرور ایام کے ساتھ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ ان کے کینہ وحسد اور بغض وعداوت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ جب بھی ان کو کوئی موقعہ ہاتھ آیا تو مسلمانوں کے حقوق و حرمت کی پامالی میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اہلِ سنّت کے ساتھ ہمیشہ وہ برتاؤ کیا جو اللہ کے غضب و ناراضگی کا باعث ہو، ان کے پیشرو نصیرالدین طوسی، ابن علقمی سے شاہ عباس صفوی اور شاہ اسماعیل صفوی کے دور تک ان کی یہی سیاہ تاریخ ہے انہوں نے صرف بغداد میں دس لاکھ سے زائد مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارا، سنّی مسلمانوں کے حق میں ان کی مجرمانہ کارروائیاں پورے تسلسل کے ساتھ جاری ہیں جو رکنے کا نام نہیں لے رہی ہیں۔ بغض وعداوت، ظلم و ستم، قتل وغارت گری اور ہلاکت و بربادی کا بدترین نمونہ پچھلے چند سالوں سے دیکھنے میں آیا۔ جسے "انقلابی دور" کا نام دیا جاتا ہے۔ چنانچہ شیعوں نے ہزاروں ایرانی مسلم عوام کو قتل کیا یا انہیں ترک وطن پر مجبور کیا یا گرفتار کرکے جیل خانوں میں ڈال دیا۔ ان مسلمانوں کا اس کے سوا کوئی جرم نہیں ہے کہ وہ سنّی مسلمان ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور صحیح اسلامی عقائد کے حامل ہیں۔ یوں تو شیعوں کے جرائم اور سیاہ کارناموں کی داستان بہت طویل ہے۔ لیکن ان کی آخری ظالمانہ و مجرمانہ کارروائی جس پر پوری دنیا چیخ پڑی اور جس کے اندر اخلاق و انسانیت کا ادنیٰ شائبہ بھی تھا انہوں نے اس پر شدید ردعمل ظاہر کیا، مشہد کی "مسجد فیض" کو ناجائز طور پر مسمار کرنے کے بعد مسلمانوں پر حملہ کرکے انہیں قتل کرنا اور قیدی بنانا ہے شہر مشہد کے باشندگان ۱۳ جنوری ۱۹۹۴ء کی صبح کو جب بیدار ہوئے تو

انہوں نے ایک غیر متوقع عجیب وغریب منظر دیکھا۔ انہیں اپنی آنکھوں کی بینائی پر یقین نہیں آرہا تھا۔ مشہد میں اہل سنت کی اس واحد مسجد کو مکمل طور پر مسمار کرکے زمین بوس کردیا گیا تھا ایسا لگتا تھا کہ یہاں پر مسجد تھی ہی نہیں۔ شہر میں دولاکھ سنیوں کی یہ تنہا مسجد تھی۔ یہ وہاں تقریباً سو سال پہلے تعمیر کی گئی تھی۔ اس میں اہل سنت نے صلوات خمسہ، صلوٰۃ جمعہ اور صلوٰۃ عیدین کی ادائیگی کے ساتھ قرآن کریم اور علوم دینیہ کی درس وتدریس کا سلسلہ قائم کر رکھا تھا۔ مسجد کی تعمیر کے وقت سے اب تک کسی نے اس کو ہاتھ لگانے کی جسارت بیجا نہیں کی تھی۔ لیکن "بزدل انقلابیوں" نے سمجھ لیا کہ اہل سنت کے حقوق کی حمایت وتحفظ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اسی لئے انہوں نے اس مجرمانہ حرکت کی جسارت کی۔

ایسا لگتا ہے کہ یہ مسجد جس میں شب وروز میں پانچ بار اللہ تعالیٰ کا نام بلند کیا جاتا تھا گہوارۂ شرک وبدعت شہر مشہد میں روافض کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ اس مسجد کا شیعوں کے امام "موسیٰ رضا" کے مقبرہ کے قریب، علی خامنہ ای کے والد کے محلہ اور شہر کے بالکل درمیان میں واقع ہونا انہیں قطعاً گوارا نہ تھا۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں ظالم پوری تیاری کے ساتھ آئے اور مسجد کو منہدم کرڈالا مسجد میں موجود تمام لوگوں امام، مؤذن اور مصلیوں کو مارا پیٹا اور گرفتار کرلیا انہدام کے بعد ان ظالموں کے اعلان کے مطابق مسجد کی جگہ "حدیقۃ الأطفال" (چلڈرن پارک) بنایا جائے گا ؂

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

سنی مسلمانوں نے اپنے شدید غم وغصہ کا اظہار کیا اور سخت احتجاج کیا وہ ایرانی "بلوچستان" کی راجدھانی "زاہدان" کی جامع مسجد میں اکٹھا ہوئے اور اس جارحانہ ومجرمانہ کارروائی پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ظالم حکومت کی فوج، خمینی کے "پاسداران انقلاب" فوراً موقع پر پہونچ گئے اور مسجد کے باہر مجمع پر حملہ کردیا۔ اور اس کے اندر موجود مسلمانوں پر اپنی توپوں کا دہانہ کھول دیا اور اندھادھند فائرنگ شروع کردی جس کے نتیجہ میں پچاس سے زائد مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، متعدد زخمی ہوئے نیز فائرنگ کی وجہ سے مسجد کی دیواریں متأثر ہوئیں پھر ان ظالم فوج والوں نے مسجد میں پناہ گیر مسلمانوں کا تعاقب کیا اور ان کو محاصرہ میں لے لیا اور خطہ میں لوگوں کی آمد ورفت پر پابندی لگادی اور محاصرہ برابر قائم رکھا۔ اور جنہوں نے مسجد سے ملحق دینی درسگاہ میں پناہ لی تھی، "پاسداران انقلاب" نے ان کا پیچھا کرکے مدرسہ کے اندر ہی نظربند کردیا۔ ان کو زدوکوب کیا، برا بھلا کہا اور ان کے ہاتھوں سے قرآن کریم چھین کر دیواروں پر دے مارا ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ﴾ ساڑھے تین گھنٹہ تک یہ سلسلہ جاری رہا تاآنکہ لوگ مسجد کے آس پاس سے ہٹ گئے۔ یہ روافض کے سلسلۂ ظلم وستم کی ایک کڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ﴾" اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے عمل سے غافل مت سمجھو۔

ملحد شیعوں نے شرانگیزیوں، فتنہ پردازیوں، تحریف وتاویل، الحاد وبے دینی، قتل وغارت گری اور اپنے مخالفین کی جبری جلاوطنی کے ذریعہ روئے زمین میں فساد برپا کر رکھا ہے، ان کے جرائم کی ایک کڑی مساجد کی مسماری ہے۔ پوری دنیا لاپرواہی کے ساتھ تماشائی بنی ہوئی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ہی فریاد کرتے ہیں جو غالب، جبروت والا اور قہر وغلبہ والا ہے اور وہی احکم الحاکمین ہے۔

اگر آج بظاہر باطل کا دور دورہ ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ باعتبار انجام حقیقی غلبہ حق کے لئے ہی خاص ہے۔ شرک کا جھنڈا ضرور سرنگوں ہوگا۔ باطل یقیناً مٹ کر رہے گا۔

ہم تمام مصائب میں اللہ تعالیٰ کی پناہ کے طالب ہیں وہی غالب حکمت والا ہے۔

قول وفعل

فی الحقیقت انسان کی عالمگیر اور دائمی گمراہی یہی ہے کہ وہ جتنا کہتا ہے اس قدر کرتا نہیں اس کا عمل قول سے متضاد ہوتا ہے اور اگر متضاد نہیں ہوتا تو مختلف ضرور ہوتا ہے اس کی تمام نامرادیوں اور خسران کی بڑی علت یہی ہے قرآن حکیم نے جابجا اس بات کو واضح کیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾

مسلمانو! تم کیوں ایسی بات منہ سے نکالتے ہو جو کرتے نہیں اللہ کے حضور یہ بات بڑی ہی ناراضگی کا موجب ہے کہ تم کہو مگر کرو نہیں۔ اگر ہم کسی عمل حق کا ارادہ نہ کریں تو یہ ہماری محرومی ہے لیکن دعویٰ کرکے عمل نہ کریں تو یہ محرومی نہیں بلکہ اللہ کے غضب کا موجب ہوگی۔

(مولانا ابوالکلام آزاد)

کارروائی

یک روزہ اجلاسِ عام شہر سیونی، مدھیہ پردیش

زیرِ اہتمام: مدرسہ فیض العلوم سیونی (ایم۔پی)

منعقدہ: یکم جون ۱۹۹۴ء بروز بدھ

زیرِ صدارت: حضرت مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی حفظہ اللہ

صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی

(۱) یہ ایک روزہ پروگرام ایک طویل عرصہ کے بعد منعقد ہوا۔ لوگ رحمانی صاحب کی دید اروملاقات اور ان کا خطاب سننے کے بے حد مشتاق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی کثیر تعداد نے اس اجلاس میں شرکت کی۔ حتیٰ کہ مستورات کی غیر معمولی تعداد "چھوٹی مسجد" میں جمع ہوئی۔ (یہ شہر کی سب سے بڑی مسجد ہے جو عرف عام میں چھوٹی مسجد سے مشہور ہے۔)

شرکاء کی تعداد کم وبیش ۵ ہزار ہوگی، خواتین کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار۔

(۲) اس اجلاس میں لوگ ہر چہار جانب سے سمٹ کر آگئے تھے اس کے باوجود کہ شادی بیاہ، پنچایتی الکشن وغیرہ درپیش تھے، سیونی ضلع کے علاوہ صوبہ مدھیہ پردیش کے دوسرے اضلاع جبلپور، درگ، بالاگھاٹ، چھندواڑہ وغیرہ کے لوگوں نے بھی شرکت کی۔ صوبہ مہاراشٹر کے اضلاع ناگپور، امراوتی، وردھا، آکولہ اور مالیگاؤں کے لوگ بھی شریک اجلاس ہوئے اس اجلاس میں شرکت کرنے والے علماء کرام میں مولانا محمد اسماعیل صاحب کھاروی، مولانا محمد عثمان فیضی، مولانا خلیل الرحمٰن، مولانا عبدالحکیم فیضی، مولانا عبدالواجد صاحب فیضی، مولانا حبیب الرحمن، مولانا عبدالرشید خاں علیگ، مولانا محمد یوسف اور مولانا عبدالودود مدنی وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں۔

(۳) اجلاس کا مقصد کتاب وسنت کی دعوت وتبلیغ، دینی بیداری، اصلاح معاشرہ اور لوگوں کو دینی تعلیم کی جانب رغبت دلانا تھا۔

(۴) مقررہ وقت کے مطابق بعد صلوٰۃ مغرب تمام ہی تشریف لانے والے مہمان حضرات کو طعام ماحضر پیش کیا گیا، کھانے سے فراغت کے بعد صلوٰۃ عشاء ادا کی گئی، بعد صلوٰۃ عشاء ساڑھے نو بجے رات سے اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی۔

اجلاس کی نظامت کی ذمہ داریاں مولانا عبدالسلام فیضی مدرس مدرسہ فیض العلوم سیونی انجام دے رہے تھے۔ اجلاس کی صدارت کا اعلان پہلے ہی ہو چکا تھا، حسب معمول تجویز وتائید کی گئی، صدر اجلاس مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی حفظہ اللہ کے ہمراہ تشریف لائے ہوئے صاحب زادوں میں سے دو حافظ محمد اور عبداللہ نے تلاوت قرآن پاک سے اجلاس کی کارروائی کا آغاز کیا، اس کے بعد مقامی حافظ وقاری محمد انیس صاحب نے بھی تلاوت کلام پاک سے اجلاس کو رونق بخشی۔ پھر ابوذر انصاری صاحب نے ایک نظم پڑھی۔ ذمہ داران مدرسہ فیض العلوم کی تحریک پر خادم (عبدالقہار سلفی صدر مدرس مدرسہ فیض العلوم سیونی) کا ترتیب دادہ مدرسہ کا مختصر تعارف تحریری طور پر جناب عبدالودود صاحب مدنی نے پیش کیا، تعارف کے ذریعہ محترم صدر اجلاس اور دیگر حاضرین وسامعین کا شکریہ بھی ادا کیا گیا۔

(۵) ناظم اجلاس نے اس کے بعد استقبالیہ کلمات کہے اور محترم صدر اجلاس کو مائک پر تشریف لانے کی دعوت دی۔ صدر اجلاس حسب درخواست مائک پر تشریف لائے۔ آپ نے خطبۂ مسنونہ کے بعد "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ" کو اپنے خطاب کا موضوع بنایا۔

(۶) آپ نے اپنے موضوع پر بولنے سے پہلے حاضرین کی نشستوں پر نظر ڈالی۔ نشستوں کی کیفیت کچھ اس طرح تھی کہ اسٹیج کے دائیں اور بائیں سامعین کے بیٹھنے کے لئے کرسیاں لگائی گئی تھیں اور اسٹیج کے بالکل سامنے میدان تھا جس میں دریاں، فرشی ترپال اور چادریں وغیرہ بچھادی گئی تھیں، اس میدان کے بعد سامنے کرسیاں سجادی گئی تھیں۔ آنے والے تمام لوگ کرسیوں پر براجمان ہوتے جارہے تھے، ہر طرف سے کرسیاں بیٹھنے والوں سے پر ہو گئیں اور اسٹیج کے سامنے میدان شروع میں پر نہیں ہوسکا بلکہ اس میں خلا رہ گیا۔ اس میدان میں بیٹھنے والوں میں ایک بڑی تعداد چھوٹے بچوں کی تھی۔ کرسیوں پر بیٹھنے والے لوگوں کو کرسیوں سے اٹھا کر فرش پر بٹھانا رضاکاروں کے بس میں نہ تھا، اس مشکل کا حل ایک دور اندیش مقرر ہی نکال سکتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہمیں اسلامی تہذیب برقرار رکھنی چاہیے۔ اسلامی تہذیب میں باشعور لوگ صف اول میں ہوا کرتے ہیں، درمیانی صف میں اس کے بعد والے لوگ اور آخری صف میں بچے وغیرہ جیسا کہ اس کی تفصیل احادیث میں موجود ہے۔ آپ نے ان باتوں کو بڑے دلنشیں انداز میں سمجھاتے ہوئے لوگوں کو پانچ منٹ کا ٹائم دیا اور وارننگ دی کہ پانچ منٹ کے اندر یہ خالی میدان پُر ہوجانا چاہیے، ورنہ پانچ منٹ کے اندر تقریر ختم ہوجائے گی۔ تین منٹ گذرتے گذرتے پورا میدان پُر ہوگیا، لوگ کرسیاں چھوڑ چھوڑ کر فرش پر بیٹھ گئے۔ تقریر کا تھوڑا ہی وقفہ گذرنے کے بعد لوگوں کو یہ حکمت بھی سمجھ میں آئی کہ اگر مولانا پہلی فرصت میں اس دوراندیشی سے کام نہ لیتے تو خود مقرر کے علاوہ رضاکاروں کو کس قدر مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا۔ سامنے کا میدان مولانا کی نصیحت سے بھر چکا تھا۔ کچھ دیر بعد ساری کرسیاں بھر گئیں اور لوگ اتنے زیادہ ہوگئے کہ لوگوں کو ہر طرف کھڑے ہوکر تقریر سننا پڑی۔

(۷) اس کے بعد آپ نے اپنے اصل موضوع پر بولنا شروع کیا، آپ کے موضوع کا مغز "اصلاح معاشرہ" تھا، معاشرہ کے وہ مسائل جنہیں بیشتر مقررین معمولی سمجھ کر نظرانداز کردیتے ہیں آپ نے انہیں مسائل سے بحث کی اور دور نبوی کے واقعات سے استدلال کرتے ہوئے آپ نے زندگی کے داخلی اور خارجی مسائل کی اصلاح پر زور دیا۔ آپ نے فرمایا کہ داخلی خاص طور پر عائلی مسائل کی سنگینی دشمنوں کے حملہ سے زیادہ خطرناک ہے۔ زوجین کے تعلقات کا معاملہ سب سے زیادہ نازک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زوجین ہی افزائش نسل کا باعث ہیں اور ازدواجی زندگی ہی کے نتیجہ میں ملت اور قوم ومعاشرہ جنم لیتا ہے۔ زوجین ہی آنے والی پود کی پرورش کرکے انہیں تعلیم وتربیت دے کر مستقبل کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل بناتے ہیں لیکن جب نظام زوجین ہی بگڑا ہوا ہو تو پوری نسل کی تباہی وبربادی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابی رسول نے ازدواجی زندگی کی دراڑ کو دشمنوں کے حملہ سے زیادہ خطرناک قرار دیا تھا، زوجین کی زندگی میں گمراہی اور فساد وبگاڑ ہو تو یقینی بات ہے کہ معاشرتی نظام بھی تباہ ہوگا۔ آپ نے دوران تقریر لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کی مضرتوں اور زوجین کے حقوق ومعاملات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی۔ مخلوط تعلیم سے پیدا ہونے والے نتائج سے قوم وملت کو آگاہ کیا۔ فضول خرچی، اسراف اور تبذیر کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے آپ نے بتایا کہ یہ شرعی نقطۂ نظر سے حرام اور معاشرتی نقطۂ نظر سے تباہ کن ہے۔ اسی طرح سگریٹ، بیڑی، تمباکو، شراب، جوا اور جملہ نشہ آور چیزوں کی حرمت کی دلیل بیان کرتے ہوئے طبی ومعاشی نقطۂ نظر سے بھی ان کی مضرتوں کی وضاحت فرمائی۔ آپ نے شرک کی تردید پر بہت مختصر لیکن جامع انداز میں ایک سوال اٹھایا کہ زمانۂ جاہلیت کے شرک اور موجودہ شرک میں فرق کیا ہے؟ وہ بھی وہی کچھ کیا کرتے تھے جو آج لوگ کررہے ہیں۔ ان کا مقصد بھی وہی ہوتا تھا جو آج کے مشرکین کا ہے۔ (تفصیل کے لئے تقریر کا کیسٹ سنیں)۔

آخر میں آپ نے انتہائی مدلل اور جامع انداز میں تعلیم کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا، عورتوں کی سربراہی اور ملازمت کے بارے میں بھی آپ نے سیر حاصل بحث کی۔ آپ نے فرمایا کہ عورت جب بچوں کو تعلیم وتربیت اور شفقت ومحبت سے محروم کرکے، آفسوں کی زینت بنتی ہے تو معاشرہ میں کس طرح کا بگاڑ واقع ہوتا ہے۔

(۸) اس طرح تقریر کا سلسلہ ڈھائی گھنٹہ چلتا رہا۔ اختتام پر آپ نے مؤثر دعا مانگی۔ سارا مجمع آپ کی دعا میں شریک تھا۔ دعا انتہائی بلیغ اور جامع تھی۔ دعا کے بعد صدر انتظامیہ کمیٹی خواجہ عبیداللہ شریف نے محترم صدر اجلاس کے ساتھ ساتھ تمام ہی حاضرین' سامعین' رضاکار اور معاونین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اجلاس کے اختتام کا اعلان کیا۔ بعدہٗ مولانا اپنی آرام گاہ تشریف لے گئے۔

(۹) بعد صلوٰۃ فجر مدرسہ فیض العلوم سیونی کے صدر محترم بدر الزماں خاں ونائب صدر مدرسہ منیجر عبدالرحیم خاں کے ہمراہ جناب مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی مدرسہ فیض العلوم کی تعمیر جدید اور مدرسہ کا گیارہ ایکڑ پر مشتمل پلاٹ دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ واپسی پر سیونی کی جامع مسجد جو تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانی مسجد اہلحدیث ہے اس کا بھی آپ نے معائنہ کیا۔ مدرسہ اور مسجد دیکھنے کے بعد آپ نے کچھ مفید مشوروں سے نوازا جن پر عمل ضروری ہے۔ ناظم مدرسہ فیض العلوم نے ناشتہ کی دعوت دے رکھی تھی۔ اس کا انکار مشکل تھا۔ ناظم صاحب مولانا کے پرانے ملاقاتیوں میں سے ہیں اس لئے آپ کو دعوت قبول کرنی پڑی۔ ناشتے سے فراغت کے بعد قیام گاہ واپس تشریف لائے۔ دہلی کے سفر کی تیاری شروع ہوئی۔ اس کے بعد مولانا اور آپ کے ہم سفر بیٹے اسماعیل' محمد' عبداللہ اور رفیق پٹیل ناگپوری ناگپور کے لئے روانہ ہو گئے۔ فللہ الحمد۔

عبدالقہار سلفی

صدر

مدرس مدرسہ فیض العلوم سیونی' مدھیہ پردیش۔

ہمارا معبود

۱. اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ۝ (طٰهٰ : ۹۸)

بے شک تمہارا الٰہ وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

۲۔ وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ۝ (الزخرف : ۸۴)

وہی اللہ ہے جو آسمان میں بھی الٰہ ہے اور زمین میں بھی' اور وہ حکیم وعلیم ہے

بقیہ : حقوق والدین

فی الدنیا،مع مایدخره له فی الآخرة من قطیعة الرحم، والخیانة والکذب، وإن أعجل الطاعة ثوابًا لصلة الرحم، حتی إن أهل البیت لیکونوا فجرة ، فتنمو أموالهم ، ویکثر عددهم، إذا تواصلوا (صحیح الجامع ۵۷۰۵ بروایت أبوبکرة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قطع رحمی' خیانت اور جھوٹ سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس کی سزا آدمی کو اللہ تعالی دنیا ہی میں دے دے اور ساتھ ہی آخرت کے لئے بھی اسے ذخیرہ بنا کر رکھے۔ اور اطاعت کے کاموں میں سب سے جلدی بدلہ صلہ رحمی کا ملتا ہے' یہاں تک کہ بعض گھر والے فاجر وبدکار ہوتے لیکن صلہ رحمی کی وجہ سے ان کے مال واولاد میں زیادتی ہوتی ہے۔

● قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: اثنان یعجلهما اللہ فی الدنیا: البغی وعقوق الوالدین (صحیح الجامع ۱۳۷ بروایت أبوبکرة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو گناہ ایسے ہیں جن کی سزا اللہ تعالی جلدی کر کے دنیا ہی میں دیدیتا ہے۔ (۱) ظلم وزیادتی (۲) والدین کی نافرمانی۔

ان احادیث میں صلہ رحمی کی بڑی فضیلت اور قطع رحمی کی بڑی سخت مذمت بیان کی گئی ہے۔ رحم سے وہ رشتے اور ناطے مراد ہیں جو نکاح کو حرام کرتے ہیں۔ اس میں سب محارم آ گئے جیسے اولاد' ماں' باپ' بھائی' بہن' خالہ' پھوپھی' چچا' دادا' نانا' ماموں وغیرہ۔ ان سب کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔ کہ یہ دنیا اور آخرت دونوں میں عزت ووقار' مال واولاد اور دیگر کامیابی اور کامرانی کا ذریعہ ہے۔ اور ان کے ساتھ بدسلوکی ، بدمعاملگی اور قطع تعلق سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ یہ آخرت کے عذاب کے ساتھ دنیا میں بھی سخت سزا کا مستوجب ہے۔

✡ ✡ ✡ ✡

ایڈیٹر

جلد ۹ رفیق احمد سلفی شمارہ ۳

بدل اشتراک

خصوصی ممبر (سالانہ) ۰۰-۱۵۰۰ روپے
ہمدرد (سالانہ) ۰۰-۵۰۰ روپے
عام بدل اشتراک (سالانہ) ۰۰-۱۰۰ روپے
ششماہی ۰۰-۵۵ روپے

پاکستان وبنگلہ دیش

عام بدل اشتراک (سالانہ) ۰۰-۱۲۵ روپے

غیر ممالک سے
۳۵ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی

خط وکتابت کا پتہ
ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی
۳-C/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

AL-TAUIYAH Monthly
161/C-3 JogaBai
NewDelhi 110025

فون: ۶۸۲۱۸۲۷

پرنٹر پبلشر محمد الیاس سلفی نے جید پریس بلیماران سے چھپوا کر ماہنامہ "التوعیہ" ۳-C/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

فکرو نظر

ابن احمد نقوی

تسلیمہ نسرین

اقبال نے مسلمانوں کی جذباتی اور ریاکارانہ دینداری کا ماتم کرتے ہوئے کہا تھا۔

گلۂ جفائے وفانما جو حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

یعنی مسلمانوں نے اپنی جذبات فروشیوں سے اسلام کو جس قدر رسوا کیا ہے اگر اس کا بیان کیا جائے تو انسان تو کیا دین حق کا ازلی حریف یعنی صنم کدے کا بے حس اور بے جان پتھر (بت) بھی حیرت اور افسوس سے چیخ پڑے گا۔

اقبال کے اس شعر میں مبالغہ نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے ایک عرصہ سے اپنی روش ایسی بنالی ہے جو کسی زندہ، فعال اور باوقار قوم کے شایان شان نہیں کہی جاسکتی۔ خصوصاً برصغیر کے مسلمانوں نے پچھلی چند دہائیوں سے جس راہ کو اختیار کر رکھا ہے اس نے قدم قدم پر انھیں پسپا کیا، ہر محاذ پر انھوں نے مات کھائی اور ہر معرکہ میں ہزیمت ان کا مقدر بنی، لیکن ان مسلسل ناکامیوں کے بعد بھی آج تک وہ اپنی جذبات پرستی اور بے بصیرتی کی راہ سے ہٹنے کو تیار نظر نہیں آتے، مسلسل پسپائیوں نے انہیں احتجاج واشتعال کا ایسا خوگر بنا دیا ہے کہ بعض اوقات تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں میں سنجیدگی سے کسی مسئلہ پر سوچنے اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہ گئی ہے ان کے دشمنوں کو ان کی اس ملی خصلت کا علم ہے لہٰذا وہ ہر روز کوئی نہ کوئی ایسا شوشہ چھوڑ دیتے ہیں تاکہ مسلمان چین سے نہ بیٹھ پائیں اور روز نئے احتجاج، ہڑتال، مظاہروں، دھرنوں وغیرہ کا سلسلہ جاری رہے۔ صلیبی اپنی عیاریوں کے لئے عالمی چیمپین ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں۔ افروایشیائی قومیں جو کل تک ان کی غلام تھیں اس میدان میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ انھوں نے سلمان رشدی کے ذریعہ ایک گندی حرکت کی۔ اس پست کردار انسان نے پیسے کے لئے ضمیر فروشی کی اور اپنی تحریر سے مسلمانوں کی دل آزاری کی۔ کتاب "شیطانی آیات" شائع ہوئی تو احتجاج ہوا۔ عالمی پیمانے پر اس کتاب اور اس کے مصنف کے خلاف مظاہرے ہوئے اور ایک طرح سے مسلمانوں اور صلیبیوں کے درمیان اعصابی جنگ چھڑ گئی جو آج تک جاری ہے۔ کچھ لوگوں نے دیکھا کہ یہ بڑا اچھا اور سستا نسخہ ہے کہ مسلمانوں کے جذبات مجروح کرو اور راتوں رات عالمی شہرت حاصل کرلو۔ رشدی نے اپنی اس مذموم کتاب کے ذریعہ اتنی شہرت اور دولت کمائی کہ اس کی سات پشتوں کے لئے کافی ہوگی۔ وہ تو کہئے مسلمانوں کے شدید ردّ عمل کا خوف دامن گیر تھا ورنہ رشدی کو ادب کا نوبل پرائز بھی دیا جاسکتا تھا جس طرح مصر کے نجیب محفوظ کو ان کے ناول پر دلوایا گیا ان کی اولین خصوصیت یہ بتائی گئی کہ وہ مصر میں بنیاد پرستی کے خلاف لکھتے ہیں۔

ایرانیوں نے رشدی کے خلاف موت کا فتویٰ جاری کرکے اسے صلیبیوں اور عالمی اسلام دشمن حلقوں میں "زندہ شہید" بنادیا اور شاید ادب کی عالمی تاریخ میں وہ واحد مصنف ہے جسے پست کرداری اور پست نگاری کے لئے عالمی طور پر اس قدر اعزاز واکرام سے نوازا گیا۔ لیکن رشدی یا اس کے مداحوں کو اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہئے کہ اس کی یہ پذیرائی اور اعزاز اس کے تصنیفی کارنامے یا اس کی نگارش بیباک کی توصیف ہے اس کے پیچھے اصل جذبہ اسلام دشمنی کا ہے۔ صلیبی ذہن خوش ہی نہیں مسحور ہے کہ رشدی نے مسلمانوں کو ایک مستقل اشتعال اور

عذاب میں مبتلا کردیا ہے اور اس کی اسی عظیم خدمت کے لئے اسے انعامات اور اعزازات دیے جارہے ہیں تاکہ وہ کم حوصلہ ہوکر اپنی حرکت پہ پشیمان نہ ہونے لگے۔ اور مسلمان اضطراب واشتعال کی کیفیت سے نجات نہ پاجائیں۔ ابھی رشدی کا المیہ ختم نہیں ہوا تھا کہ مسلمانوں کے لئے اضطراب واحتجاج کا ایک نیا میدان تیار ہوگیا۔ ہندوستان کے مسلمان بابری مسجد کے انہدام پر احتجاج واشتعال کا شکار تھے ہی کہ بنگلہ دیش کی ایک غیر معروف سی ادیبہ تسلیمہ نسرین نے بابری مسجد کے سانحہ کے بعد بنگلہ دیش میں ہندوؤں پر ہونے والے ستم کی داستان بیان کرتے ہوئے ایک ناول "لجا" (شرم) کے نام سے لکھا یہ بنگالی ناول جب ہندوستان پہنچا تو اس کی بڑی پذیرائی ہوئی' انسانیت دوست حلقہ میں اسے اس لئے سراہا گیا کہ ایک اہل قلم نے اپنی قوم کی کمزوریوں اور ستم رانیوں پر تنقید کی اور اقلیت کے مظلوم افراد کی حمایت میں قلم اٹھایا۔ برصغیر کے حالات کے تناظر میں یہ خاصی اہم بات ہے لیکن زیادہ تر حلقوں میں اس کی پذیرائی اس لئے ہوئی کہ اس میں مسلمانوں کے ظلم وستم کی داستان بیان کی گئی تھی۔ فسطائی ذہن جو تاریخ کی پرانی کتابیں محض اسی مقصد کے لئے کھنگالتا رہتا ہے کہ مسلمانوں کی سفاکیوں اور ستم رانیوں کی اصلی یا فرضی داستانیں تلاش کرے اسے ہم عصر شہادت ہاتھ آگئی تو وہ کھل اٹھے اور تسلیمہ بالکل اسی طرح ان کی "ہیرو" بن گئی جیسے رشدی صلیبیوں کا منظور نظر بنا۔ بنگلہ دیش میں مسلمانوں نے اپنے روایتی مزاج کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس ناول پر احتجاج کیا اور اسے ضبط کرنے کا مطالبہ کیا کیونکہ اس سے بنگلہ دیشی مسلمانوں کی شبیہ خراب ہوتی ہے بالکل ایسے ہی جیسے ہمارے یہاں بھیشم ساہنی نے تقسیم وطن کے دوران فسادات پر "تمس" نام کا ایک ناول لکھا تھا جس میں ہندوؤں کے مظالم کی داستان بھی بیان کی گئی تھی۔ جب اس ناول پر مبنی ٹی وی سیریل کی فلم دکھائی جانے لگی تو فسطائیوں نے بڑا شور مچایا کہ یہ ہندوؤں کو بدنام کرنے کی سازش ہے اس سیریل کی نمائش رکوانے کے لئے انھوں نے ہائی کورٹ سے حکم امتناعی حاصل کرنے کی کوشش بھی کی اور اس کی نمائش میں تاخیر کے لئے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے۔ یعنی برصغیر میں فسطائی ذہن خواہ وہ ہندو کا ہو یا مسلمان کا ان کے سوچنے کا انداز یکساں ہے وہ اپنے فرقے کو بہر حال معصوم سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کوئی سچی بات بھی سننے کو تیار نہیں۔ تسلیمہ کے خلاف بنگلہ دیشی مسلمانوں کی شورش کے جواب میں سرحد کے اس پار یعنی ہندوستان میں تسلیمہ کی حمایت میں بھی اسی انداز کی شورش شروع ہوگئی تسلیمہ بنگلہ دیش میں مجرم اور ہندوستان میں مجاہد قرار پائیں اور راتوں رات وہ ایک مشہور مصنفہ بن گئیں حالانکہ ان کے ناول "لجا" کے بارے میں نقادوں کی رائے یہ ہے کہ وہ تیسرے درجہ کی کتاب ہے' مصنفہ کا کوئی ادبی وزن نہیں ہے خوشونت سنگھ نے اس کے بارے میں لکھا کہ رشدی کی بدنام کتاب کی ادبی اہمیت تو ہے کیونکہ رشدی انگریزی کا مانا ہوا ادیب ہے لیکن تسلیمہ کی تحریر کی کوئی ادبی اہمیت نہیں ہے وہ ایک معمولی درجہ کی کتاب ہے۔ خوشونت سنگھ کی رائے ہے کہ ہندوستان میں بھی ایسی کتاب لکھی جانی چاہئے جس میں بابری مسجد کے انہدام کے بعد مسلمانوں پر روا رکھے گئے مظالم کی داستان بیان کی گئی ہو۔ یہ ہندوستان کے ایک معروف سکھ ادیب کا تبصرہ ہے جو اپنی انگریزی تحریروں کے لئے عالمی شہرت رکھتا ہے۔ بنگال کے کئی فنکاروں نے بھی "لجا" کے بارے میں اور خود تسلیمہ نسرین کے ذہنی رجحانات کے بارے میں کوئی حوصلہ افزا رائے نہیں دی۔ بنگال کے مشہور فلم ایکٹر سریندر ناتھ چٹرجی نے تسلیمہ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "میں نے ان کی چند نظمیں پڑھی ہیں وہ جنسی آزادی کے تصور سے آگے نہیں بڑھتیں" اسی طرح فلم ساز مرنال سین نے اپنے تاثرات ظاہر کرتے ہوئے ہندوستان کے ذرائع ابلاغ پر تنقید کی' جن کی تشہیر کی وجہ سے تسلیمہ کو اپنے ملک میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے بنگلہ دیش میں متعدد ایسے باصلاحیت ادیب ہیں جن کی مغربی بنگال کے ذرائع ابلاغ حوصلہ افزائی کرسکتے ہیں۔ تسلیمہ نسرین کے اعصاب پر جنسی آزادی کا بھوت سوار ہے یہ ایک ذہنی بیماری ہے مرنال سین کے نزدیک تسلیمہ کی تحریروں میں کوئی وقار اور گہرائی نہیں ہے۔ تاہم ان کا خیال ہے کہ کلکتہ کے فن کاروں کو تسلیمہ کی حمایت میں مضبوط موقف اختیار کرنا چاہئے تھا (ہندوستان ٹائمز ۹ر۶ر۹۴ء)۔

اردو ادب میں ہم یہی انداز عصمت چغتائی

کا دیکھ چکے ہیں انھوں نے بھی بغاوت اور احتجاج کا یہی رنگ اختیار کیا کافی ہنگامہ خیزی ہوئی اور مرنے کے بعد اپنی وصیت کے مطابق نذر آتش کی گئیں جب تسلیمہ کے خلاف ہنگامہ آرائی نے زور پکڑا تو اس خاتون قلم کار نے بجائے خاموشی اور سنجیدگی سے اس کا مقابلہ کرنے کے جارحانہ رویہ اپنایا اور اشتعال انگیز باتیں کہنی شروع کردیں وہی گھسے پٹے جملے 'بنیاد پرستوں پر تنقیدیں 'مسلم معاشرہ میں عورتوں کی زبوں حالی' ان کا مسلسل استحصال اور اس ظلم و ستم کو مذہبی جواز و تائید کا الزام جیسے جیسے ان کے جارحانہ بیانات آتے گئے ویسے ویسے بنگال کے جذباتی مسلمان ان کے خلاف صف آرا ہوتے گئے پھر کلکتہ کے انگریزی روزنامہ اسٹیٹسمین نے تسلیمہ کا ایک انٹرویو شائع کیا جس میں ان سے یہ بیان منسوب کیا گیا کہ قرآن مجید پر نظر ثانی کی جانی چاہئے۔ یہ بیان گویا اونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکا تھا۔ بنگلہ دیشی مسلمان جو پہلے ہی مشتعل تھے اب تسلیمہ کے خون کے پیاسے ہوگئے حسب دستور تسلیمہ پر کفر کا فتویٰ عائد کرکے انھیں واجب القتل قرار دے دیا گیا اور بیباک مصنفہ کو اپنی جان بچانے کے لئے روپوش ہوجانا پڑا اس سے قبل حکومت بنگلہ دیش نے ان کی حفاظت کے لئے چند مسلح سپاہی ان کی رہائش گاہ پر تعینات کردئے تھے لیکن اب وہ جان کے خوف سے روپوش ہیں اور جیسی کہ اخبارات میں اطلاع ہے ایک مغربی سفارت خانہ نے انھیں پناہ دے رکھی ہے روپوشی سے پہلے انھوں نے امریکہ میں پناہ لینے کی خواہش بھی ظاہر کی تھی۔ اسٹیٹسمین میں اپنے انٹرویو کے بارے میں ان کا ایک وضاحتی بیان بھی شائع ہوا جس میں انھوں نے اس بات کی تردید کی کہ انھوں نے قرآن مجید پر نظر ثانی کی بات کہی تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ مسلم معاشرہ میں عورتوں کی حالت زار پر تنقید کرتی ہیں بہرحال ان کی تردید سے ان کے مخالفین کی ہنگامہ آرائی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے کے الزام میں حکومت نے تسلیمہ کے خلاف وارنٹ جاری کیا لیکن وہ روپوش ہوگئیں اور عدالت میں حاضر نہیں ہوئیں یہاں تک تو برصغیر کے روایتی مزاج کا مظاہرہ ہوتا رہا یعنی ان کے خلاف احتجاج' ایجی ٹیشن' ہڑتال' تشدد' ہنگامے جاری رہے ایسے حالات میں سیاسی طالع آزماؤں کو اپنی لیڈری کی دکانیں چمکانے کا سنہری موقع ہاتھ آجاتا ہے چنانچہ "اسلام خطرے میں ہے" کے نعرے لگا کر کئی جماعتیں علَم بدست اور کفن بدوش میدان میں اتر آئیں ادھر کلکتہ میں بی جے پی نے بھی تسلیمہ کی حمایت میں بنگلہ دیش ڈپٹی ہائی کمشنر کے دفتر پر مظاہرہ کیا یہی بی جے پی جو سارے ہندوستان میں بنگلہ دیشی مسلمانوں کو جاسوس کتوں کی طرح سونگھتی پھرتی ہے اور غریب بہاری بنگالی مسلمانوں کی زندگی حرام کرتی ہے اسے ایک بنگلہ دیشی مسلمان عورت سے ہمدردی ہے کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں پر الزام تراشی کررہی ہے اور بی جے پی کے لئے یہ سب سے بڑی سوغات ہے۔

دوسری طرف صلیبی مغرب نے دیکھا کہ تسلیمہ کو اسلام کی حُرمت مجروح کرنے اور مسلمانوں کی دل آزاری کے الزام میں پریشان کیا جارہا ہے لہٰذا بنگلہ دیش میں صلیبی مغرب کے سفارت خانے بھی میدان میں کود پڑے اور تسلیمہ کی حمایت میں بنیاد پرستی' آزادیٔ اظہار اور حقوق انسانی جیسی سکّہ بند صلیبی اصطلاحات کی تکرار ہونے لگی۔ گویا صلیبیوں نے بنگلہ دیش میں ایک نیا رشدی دریافت کرلیا۔ ہندوستان ٹائمز مورخہ ۲ر۷ر۹۴ء کی خبر کے مطابق امریکی سفارتخانہ کی سربراہی میں برطانیہ' فرانس' اٹلی' کناڈا' آسٹریلیا اور جاپان کے سفارت کاروں نے تسلیمہ کے بارے میں حکومت بنگلہ دیش کے رویہ پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ بنیاد پرستوں کی سرگرمیوں کو روکا جائے۔ سفارت کاروں کو اس بات پر تشویش تھی کہ تسلیمہ کے اہل خاندان کو دھمکیاں دی جارہی ہیں۔

دیکھئے کس فرعونیت کے ساتھ صلیبی ایک مسلم ملک میں بیٹھ کر اس کے داخلی معاملات میں کھلی مداخلت کررہے ہیں' ایک ایسا معاملہ جس کا غیر ملکی سفارت خانوں سے کوئی تعلق نہیں اس میں پوری بیباکی سے دست اندازی کی جارہی ہے۔ تسلیمہ کے خلاف ملکی عدالت سے وارنٹ جاری ہونے پر بھی اخباری اطلاع کے مطابق ایک مغربی سفارت خانہ نے اسے اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ جب کہ جنیوا کنونشن کسی ملک کے داخلی معاملات میں کسی ایسی سفارتی مداخلت کو ممنوع قرار دیتا ہے لیکن اس یک قطبی دنیا میں ساری طاقت صلیبی امریکہ کے ہاتھ میں ہے لہٰذا بنگلہ دیش میں بیٹھ کر وہاں کے سرکاری اور

قومی اقتدار کو چیلنج کیا جاتا ہے اور کسی میں ہمت نہیں کہ ان سفارت کاروں سے پوچھے کہ اس داخلی معاملہ میں ٹانگ اڑانے کا حق تمہیں کس نے دیا ہے۔ اور کیا برطانیہ میں مسلم ممالک کے سفارت کار اگر رشدی کے خلاف ایسی ہی کارروائی کریں تو برطانیہ اور دیگر صلیبی حکومتیں اسے برداشت کرلیں گی۔ یہاں بنگلہ دیش میں یہ آزادئ اظہار اور تسلیمہ نسرین کی حمایت میں غوغا آرائی کررہے ہیں لیکن پچھلے ہی دنوں ٹوکیو میں ایک جاپانی مصنف نے ایک کتاب لکھی جس میں ہٹلر کی بلاغت اور رابطۂ عامہ کے فن میں اس کی مہارت کی توصیف کی گئی تھی کتاب کے مارکیٹ میں آتے ہی صیہونی اور امریکی لابی نے آسمان سر پر اٹھالیا اور اس مصنف کو اس قدر تنگ کیا گیا کہ زندگی حرام کردی اور جبراً اسے کتاب کی فروخت اور اشاعت سے روک دیا گیا اس وقت کسی مغربی صلیبی کو آزادئ اظہار' حقوق انسانی یا حقوق دانشوری کا خیال نہیں آیا اس لئے کہ یہودی ہٹلر سے چڑتے ہیں اور امریکہ پر یہودی لابی کا کنٹرول ہے اور جاپان عملاً امریکہ کے تابع ہے لہٰذا اس غریب مصنف کا گلا گھونٹ دیا گیا ہندوستان میں رشدی اور تسلیمہ کے پرستاروں کو بھی بولنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ رشدی اور تسلیمہ کو آزادئ اظہار کا جو حق ہے وہی اس جاپانی مصنف کو بھی ملنا چاہئے اور اس کی کتاب پر پابندی لگانا غلط ہے۔

مسلمانوں کے قائد اعظموں نے تہیہ کررکھا ہے کہ وہ انھیں کبھی ہوشمندی کی راہ پر نہیں آنے دیں گے۔ ڈھاکہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پوری مسلم آبادی کو سوائے تسلیمہ نسرین کو پھانسی دینے کا مطالبہ کرنے کے اور کوئی کام ہی نہیں رہ گیا ہے۔ اس سوال پر انھوں نے پوری بستی کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ برسوں تک وہ جماعت اسلامی کے امیر پروفیسر غلام اعظم کو پھانسی دینے کا مطالبہ لے کر ہڑتالیں اور ہنگامے کرتے رہے جب بنگلہ دیش کی سپریم کورٹ نے غلام اعظم کی بنگلہ شہریت کو جائز قرار دے دیا تو بھی ہنگامے ختم نہیں ہوئے وقتی طور پر ان کا رخ تسلیمہ نسرین کی طرف کردیا گیا بدقسمتی سے اس میں جماعت اسلامی سب سے آگے ہے پاکستان' بنگلہ دیش اور کشمیر میں جماعت اسلامی نے جو راہ اپنائی ہے اسے کچھ بھی کہا جائے لیکن یہ وہ راہ نہیں ہے جو ایک سنجیدہ دینی جماعت کے شایان شان ہو۔ سیاسی اقتدار کو مطمح نظر بنا کر عوامی جذبات کو بر انگیختہ کرنا' جہاد کے نام پر مسلمانوں کی نسل کشی کرانا' سیاسی جوڑ توڑ اور داؤ پیچ سے بھی احتراز نہ کرنا' کردار سازی کے بجائے جذبات فروشی کرنا آخر یہ اسلام کا کون سا نظریہ ہے۔ جماعت اسلامی کی بدنصیبی یہ ہے کہ اسے اپنے بانی کے بعد کوئی بالغ نظر عالم نہیں مل سکا جو اس کا پرچم سنبھال سکتا میاں طفیل کے بعد قاضی حسین احمد آئے یہ سیاسی طالع آزمائی کے سوا کوئی نظریہ نہیں رکھتے۔ قاضی صاحب الیکشن کے دوران دلّی کے لال قلعہ پر پاکستان کا ہلالی پرچم لہرانے کا دعویٰ کرتے ہیں اسی سے ان کے ذہنی حدود اربعہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اگر مولانا مودودی کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی جیسا کوئی عالم اس جماعت کو مل سکتا تو شاید یہ سیاسی عزائم میں کوئی باوقار اور سلیقہ مندی کی راہ اپنا سکتی اگرچہ خود مولانا مودودی نے ایوب خاں اور فاطمہ جناح کی سیاسی کشمکش میں مس جناح کا ساتھ دے کر اپنی جماعت کو مخمصے میں گرفتار کر دیا تھا۔ بہرحال افسوس یہی ہے کہ وہ جماعتیں جو دین کا پرچم لے کر اٹھیں وہ سیاسی اقتدار کے شوق یا لالچ میں اپنی راہ سے بھٹک گئیں۔ تشدد' خونریزی' دہشت گردی کو جہاد کا نام دے کر دین اور ملّت کو سوائے خاک و خون کے کچھ نہیں دیا۔ مصر میں جو خون خرابہ ہو رہا ہے وہ بھی اسلام کے نام پر کیا جارہا ہے افغانستان میں سابق مجاہدین جو کچھ کررہے ہیں اسے بھی وہ صراط مستقیم قرار دیتے ہیں حالانکہ ان سب کی غیر معتدل روش سے ملّت نے کھویا بہت کچھ ہے پایا بہت کم۔

ہاں تو بات تسلیمہ نسرین کی تھی۔ قرآن مجید کے خلاف مبینہ بیان کے بعد تسلیمہ عالمی شہرت کے ادیبہ قرار دی گئیں ریڈیو آسٹریلیا' بی بی سی اور دیگر ذرائع ابلاغ پروانوں کی طرح ان کے گرد گھومنے لگے ان کے انٹرویو مغربی راجدھانیوں میں سنے جانے لگے۔ صلیبی پھر ایک نئے رشدی کی حمایت میں کمربستہ ہوگئے۔ ادھر بنگلہ مسلمان بھی اسی شدّت سے تسلیمہ کے خون کا مطالبہ کرنے لگے۔ حالانکہ اگر بنگلہ مسلمان ہوشمندی سے کام لیتے' تسلیمہ کی باتوں کا علمی انداز سے جواب دیتے' اس کی لاعلمی یا غلط فہمی دور کرنے کے لئے دینی' تاریخی اور واقعاتی حوالوں کو بنیاد بناتے تو نہ بات اتنی بڑھتی نہ یہ غیر معروف سی ادیبہ صلیبی

مغرب کے کندھوں پر سوار ہو کر عالمی شہرت پاتی۔ مسلمانوں نے اپنی جذبات فروشیوں سے ہر محاذ پر مات کھائی ہے رشدی کے معاملے میں بھی انھوں نے یہی کیا۔ کسی نے شیطانی آیات کے جواب میں اصل صورت حال پیش کرنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی رشدی کے خلاف موت کا فتویٰ دیا لیکن کتاب کے پبلشر پنگوئن پر زور نہیں ڈالا کہ کتاب کی اشاعت نہ کرے۔ اصل مجرم رشدی بھی ہے اور پبلشر بھی جس نے رشدی کی ہفوات کی اشاعت کی۔ ہنگامہ آرائی کرکے موت کا فتویٰ جاری کرکے انھوں نے رشدی کو صلیبیوں کی نگاہ میں معتبر بنادیا۔ ورنہ اگر کوئی اچھا مصنف رشدی کی کتاب کا جواب لکھتا اور پنگوئن رشدی کی کتاب کی طرح اسے بھی شائع کرتا اور اس کی اشاعت کی اسی پیمانے پر کوشش کی جاتی تو اکثر قارئین صحیح صورت حال سے واقف ہوتے اور رشدی خود رسوائی کی تاریکیوں میں ڈوب جاتا۔ بابری مسجد کے سوال پر بھی انھوں نے سنجیدگی کے بجائے ہنگامہ آرائی کی راہ اپنائی جو مسئلہ عدالت یا پارلیمنٹ میں حل ہونا چاہئے تھا اسے سڑکوں پر حل کرنا چاہا اپنی طاقت اور حالات کا غلط اندازہ لگایا۔ مفاد پرست لیڈروں کے ہاتھوں کا کھلونا بن گئے اور جذباتی ہیجان واشتعال کی وہ فضا پیدا کردی جس کا انجام ۶ر دسمبر ۹۲ء کو سامنے آیا۔ اب تسلیمہ نسرین کے معاملے میں بھی وہی پرانی غلطی کر رہے ہیں۔ جماعتوں اور لیڈروں کی نگاہیں الیکشن پر ہوتی ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ عوام کو جوش دلا کر جذباتی طوفان میں پھنسا کر وہ "محافظ ملت" بن جائیں گے اور پھر الیکشن میں اس خدمت کا معاوضہ طلب کریں گے۔ ہر لیڈر اپنی گرتی ہوئی ساکھ بنانے کے لئے ایسے ہی تماشے کرتا ہے چند سال قبل انگریزی روزنامہ دکن کرانیکل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک قابل اعتراض مضمون شائع ہوا ایک کانگریسی نیتا جن کی سیاسی دکان کساد بازاری کا شکار تھی' فوراً مسلمانوں کا ایک بڑا جلوس لے کر اخبار کے دفتر پر چڑھ دوڑے۔ پولس سے مڈبھیڑ ہوئی اور کئی مسلمان مرگئے۔ بعد کو اخبار کے مدیر نے مضمون کی اشاعت پر معافی مانگ لی اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ لیکن وہ بے گناہ مسلمان جو اس نیتا کی سفاک طالع آزمائی کا شکار ہوئے ان کا خون کس کی گردن پر رہا۔ اسے کسی نے نہیں سوچا اخبار والے معذرت کر کے چھوٹ گئے نیتا جی اپنی لیڈری کا کرشمہ دکھا کر گمنامی سے شہرت کی دھوپ میں آگئے لیکن کتنے گھر ویران ہوگئے اس کا کسی پر کوئی اثر نہیں تھا سب جانتے ہیں کہ مسلمان تو پیدا ہی اس لئے ہوا ہے کہ جو چاہے اپنے مفاد کی خاطر اسے قربانی کا بکرا بنالے بنگلہ دیش میں بھی ہڑتال ہوئی تو بم اور چاقوؤں کا استعمال ہوا ایک شخص ہلاک ہوا متعدد زخمی ہوئے۔ پاکستان اور بنگلہ دیش میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے دین کے نام پر دہشت گردی کو اپنی شناخت بنالیا ہے۔ پاکستان میں گذشتہ مہینہ ایک مسیحی منظور مسیح کو جس پر توہین رسالت کا الزام تھا اور مقدمہ عدالت میں زیر سماعت تھا گولی مار کر ہلاک کردیا گیا ایک مسلمان ڈاکٹر فاروق کا بڑا دلدوز واقعہ اخبارات میں آیا انھیں اس افواہ پر مسلمانوں کے غضبناک ہجوم نے سنگسار کرکے ماردیا کہ انھوں نے قرآن مجید کی بے حرمتی کی تھی کہا جاتا ہے کہ ایک مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کیا گیا کہ اس شخص نے کلام اللہ کی توہین کی ہے لہٰذا مسلمان اسے سزا دیں چنانچہ سیکڑوں فدایان ملت دوڑ پڑے اس غریب نے بہتیرا سمجھایا کہ میں مسلمان ہوں حافظ قرآن ہوں' مجھ پر یہ الزام غلط ہے لیکن وہاں سننے والا کون تھا۔ پولس بھی موجود تھی لیکن مجمع پر کنٹرول کوئی نہیں کرسکا۔ جب ڈاکٹر فاروق قتل کردئے گئے اور تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ ان کے خلاف الزام غلط اور بدنیتی پر مبنی تھا تو اسی مسجد سے جہاں سے ان کے قتل کا فتویٰ جاری ہوا تھا اعلان ہوا کہ ڈاکٹر فاروق شہادت سے سرفراز ہوگئے یعنی ؎

وہی قاتل وہی مخبر وہی منصف ٹھہرے

اسی طرح شیعہ اور سنی "مجاہدوں" کی جانب سے ایک دوسرے کی مسجدوں پر حملے' نمازیوں پر گولیاں چلانا' مصلیوں کو قتل کرنا یہ عام بات ہوگئی ہے مسجد خلیل میں مسلمانوں پر یہودیوں کے سفاک حملے کو دیکھئے اور پھر پاکستان میں یہی منظر مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر دیکھئے اور سوچئے کہ اسلام کی رسوائی کا منظر اس سے بڑا کیا ہوگا۔ ان حالات میں اگر مغرب مسلم ممالک میں حقوق انسانی کی پامالی کا الزام لگاتا ہے تو اسے دوش کیسے دیا جاسکتا ہے۔ سب سے زیادہ افسوس اور عبرت کی بات یہ ہے کہ علماء جنھیں اسلام کے عفو' عدل' اعتدال' خدا ترسی اور انسان دوستی کا مظہر ہونا چاہئے سفاکی اور دہشت گردی کے نقیب بن گئے ہیں ان کا کام صرف قتل کے فتوے دینا اور

سنگساری کے فرمان جاری کرنا رہ گیا ہے۔ گذشتہ سال پاکستان کے معروف شاعر جون ایلیا ہندوستان آئے تھے تو انھوں نے بتایا کہ برصغیر کے بزرگ اور مشہور اردو شاعر رئیس امروہوی کے بارے میں ایک مولوی صاحب نے فتویٰ دیا کہ وہ واجب القتل ہیں بس مولانا کے معتقدین میں سے دو نوجوان گئے اور سائلنسر لگے پستول سے رئیس امروہوی کو ان کے مکان میں ہی قتل کرڈالا۔ دراصل غیر محتاط علماء کی اس روش نے ہی تسلیمہ نسرین جیسی طبیعتوں کو بغاوت پر اکسایا ہے۔ مسلم معاشرہ کے حالات پر گہری نظر ڈالی جائے تو تسلیمہ کا یہ اعتراض بالکل بے وزن نہیں ہے کہ مسلم معاشرہ میں عورتوں کے ساتھ انصاف نہیں ہوتا۔ یہ تسلیمہ کی غلطی ہے کہ وہ مسلمانوں کی بداعمالیوں اور علماء کی بے اعتدالیوں کو اسلام کے سر تھوپ رہی ہیں۔ اسلام نے عورت کو جو وقار اور مرتبہ عطا کیا ہے اسے اگر دیگر مذاہب یہودیت، عیسائیت اور ہندو دھرم میں عورت کے مقام اور مرتبہ کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ اسلام نے عورت کو کیا دیا ہے۔ خواتین کے مسائل، ان کے حقوق اور فرائض کے لئے قرآن مجید میں مفصل آیات و فرامین موجود ہیں، ایک سورہ کا نام ہی "النساء" رکھا گیا ہے۔ قرآن کے حکم سے پہلی بار ایک عصمت مآب خاتون عائشہ صدیقہ پر تہمت تراشی کے جرم میں حد قذف جاری کی گئی اور رہتی دنیا تک پاکدامن عورتوں کو بدنام کرنے والوں کو مستوجب سزا ٹھہرایا گیا۔ اسلام نے ہی عورتوں کو وراثت میں حق دار ٹھہرایا۔ انھیں مردوں جیسے حقوق عطا کئے انھیں کاروبار کا، ملکیت کا آزادانہ حق عطا کیا جبکہ مسیحیت نے عورت کو تمام برائیوں کی جڑ بتایا اور بقول ولی عہد برطانیہ شہزادہ چارلس میری دادی کے زمانے تک یورپ میں عورتوں کو وہ حقوق حاصل نہیں تھے جو اسلام نے چودہ سو سال قبل عورتوں کو عطا کئے تھے۔ ہندو مذہب کی طرح عورت کو شوہر کی میت کے ساتھ زندہ جلانے کا تصور بھی اسلام میں نہیں آیا۔ بلکہ اس کے برعکس بیوہ عورت کو دوبارہ عقد نکاح پر ابھارا گیا، اس کو سوسائٹی کا ایک محترم وجود قرار دیا گیا، وفات پائے ہوئے شوہر کے ورثہ میں اسے شریک کیا گیا، عرب کے کچھ وحشی قبیلوں میں بچیوں کو زندہ دفن کردیا جاتا تھا۔ قرآن میں اس پر سخت وعید نازل ہوئی۔ "وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ" (زندہ دفن کی گئی بچی سے پوچھا جائے گا تجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا)۔ اب اگر مسلمان اپنی بداعمالیوں اور سماجی پستیوں کے سبب عورتوں کے حقوق غصب کرلیں، ان کے ساتھ نامناسب سلوک کریں، انھیں غلاموں کی طرح رکھیں تو اس کا الزام اسلام پر کیسے آسکتا ہے ہندوستان میں مسلمان جاگیرداروں نے جو سماج بنایا اس پر یہاں کے قدیم ہندو معاشرہ کی چھاپ لگی اور عورتیں مردوں کی غلام بنادی گئیں اراضی اور جائیداد وغیرہ میں لڑکیوں کا حق غصب کرنا بھی اسی جاگیردارانہ دھاندلی اور ستم کیشی کا مظہر ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے عورتوں کو تعلیم سے خاص طور سے دور رکھا حالانکہ اسلام نے طلب علم کے لئے مرد عورت میں کوئی امتیاز نہیں کیا بلکہ دونوں کو پابند کیا ہے۔ لیکن یہ معاشرہ جس پر مردوں کا غلبہ ہے وہ عورتوں کے ساتھ انصاف نہیں کرتا تو اس کے لئے مورد الزام مسلمان اور ان کی معاشرتی برائیاں ہیں نہ کہ اسلام اور قرآن و حدیث۔ تسلیمہ کی طرح بہت سے غیر مسلم بھی عورتوں کی بدحالی کے لئے اسلام کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں یہ ان کی ناواقفیت ہے لیکن اس کا اصل الزام ان مسلمان علماء اور دانشوروں کے سر جاتا ہے جو غیر مسلموں اور مسلمانوں دونوں کو اسلام کی صحیح اور سچی تعلیم سے آشنا نہیں کراسکے۔ آج وہ تسلیمہ کے خلاف موت کا فتویٰ تو دے سکتے ہیں لیکن اسلام میں عورتوں کے حقوق اور مقام پر کوئی مستند مقالہ یا کتاب نہیں لکھ سکتے۔ تاکہ تسلیمہ کے ہمدردوں اور سرپرستوں کو بتایا جاسکے کہ صحیح بات وہ نہیں ہے جو تسلیمہ کہتی ہے بلکہ اسلام میں خواتین کا مقام اور مرتبہ وہ ہے جو قرآن بتاتا ہے۔ مسلمانوں کی پسماندگی، بداعمالی، عورتوں کے بارے میں ان کی غیر عادلانہ روش کے لئے اسلام قطعی ذمہ دار نہیں ہے اس کا محاسبہ مسلمانوں سے اور ان کے معاشرے سے کیا جانا چاہئے اور کیوں نہیں تسلیمہ یہ مطالبہ کرتیں کہ مسلم عورتوں کو وہی حقوق اور مراعات دی جائیں جو اسلام نے انھیں عطا کئے ہیں۔ کس مسلمان میں ہمت ہے جو اس مسئلہ پر تسلیمہ کی یا کسی اور کی مخالفت کرسکے۔ دراصل صدیوں کے معاشرتی بگاڑ کے سبب مسلمانوں کا ایک مخصوص مزاج بن گیا ہے۔ وہ اپنے مفاد کے لئے قرآن کی غلط تعبیر کی جسارت بھی کرتے رہے ہیں ایک عرصہ سے مسلم معاشرہ کے کچھ حلقوں میں یہ روایت عام تھی کہ قرآن نے عورتوں کو مکار قرار دیا ہے۔ عام مسلمانوں کی قرآن مجید کے ترجمے یا تفسیر تک رسائی نہیں تھی۔ عورتیں بے چاری تو کچھ بھی نہیں جانتی تھیں جب وہ سنتی تھیں کہ قرآن نے انھیں مکار قرار دیا ہے تو وہ سراسیمہ

ہو جاتی تھیں بد اعمال مردوں کو ان مجبور عورتوں کو ستانے کے لئے یہ مفسدانہ روایت ہتھیار کا کام دیتی تھی۔ ایک صاحب نے مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی بابت استفسار کیا کہ قرآن مجید میں عورتوں کے بارے میں "اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ" آیا ہے اس کی کیا اصلیت ہے۔ مولانا علیہ الرحمہ نے اس کا تفصیل سے جواب دیا اور لکھا کہ یہ قرآن کی رائے ہرگز نہیں ہے اور نہ قرآن مجید عورتوں کے بارے میں ایسی ناانصافی کی بات کہہ سکتا تھا یہ تو فوطیفار (عزیز مصر) کا قول ہے جو اس نے اپنی بیوی کی عیاری کو دیکھ کر کہا تھا۔ قرآن نے یہ داستان بیان کرتے ہوئے اس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ دیکھئے ایک دیدہ ور عالم کی وضاحت سے مسلم معاشرہ میں پھیلی ایک شرانگیز افواہ کا خاتمہ ہو گیا ایسا نہیں ہے کہ اس سے پہلے علماء کو اس حقیقت کا علم نہیں تھا لیکن نہ کسی نے پوچھا نہ کسی نے بتانے کی زحمت کی اور مظلوم و بے گنہ عورتیں خوف سے لرزتی رہیں کہ اللہ میاں نے قرآن میں انھیں مکّار کہا ہے صرف اسی ایک بات سے اندازہ کر لیجئے کہ مسلم معاشرہ میں عورتوں کو ناجائز طور پر دبانے اور ستانے کے لئے کیا کیا حربے استعمال کئے جاتے رہے ہیں۔ اسی ایک بات پر موقوف نہیں قرآن مجید مسلم معاشرہ میں سب سے زیادہ مظلوم رہا ہے ہر دور میں ارباب اقتدار اور اصحاب غرض نے اسے اپنی مطلب برآری کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ خلفاء عباسیہ کے دور میں علماء سوء نے خلق قرآن کا فتنہ پیدا کر کے عالی مرتبت ائمہ اور علماء کو ستایا اور خلفاء نے اس کی پشت پناہی کی۔ اکبر کے دور میں اس کے درباری علماء نے دین اکبری ایجاد کر کے بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی کا جواز پیدا کرنے کے لئے سورۂ یوسف کی آیت "وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا" (اور وہ سب یوسف کے آگے سجدے میں گر گئے) سے استدلال کیا ہو گا کہ حضرت یوسف حاکم وقت تھے اور انھیں ان کے ماں باپ اور بھائیوں نے سجدہ کیا لہٰذا ثابت ہوا کہ حاکم وقت کو سجدۂ تعظیمی جائز ہے۔ ظاہر ہے عام اور سیدھے سادھے مسلمانوں کو کیا پتہ کہ اصل واقعہ کیا ہے اور سابقہ شریعتوں اور شریعت محمدی میں کیا فرق ہے۔ پھر صوفیاء نے بھی اسی طرح اس سے استدلال کیا ہو گا کہ جب حاکم وقت کو سجدۂ تعظیمی جائز ہے تو مرشد جو حاکم روحانی ہوتا ہے اسے بدرجۂ اولیٰ جائز بلکہ واجب ہے۔ پھر پنجابی نبوت کے داعیوں نے "وَمُبَشِّرًا ۢبِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ" سے مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے لئے

استدلال کرنے کی جسارت کی اور مسلمانوں کو جھانسا دیا۔ بے چارے سادہ دل، نیک نفس، ناواقف مسلمانوں نے دیکھا کہ مولوی صاحب قرآن شریف کی آیت پڑھ کر بتا رہے ہیں کہ اس میں غلام احمد کا نام آیا ہے اس لئے ضرور سچ ہو گا۔ پھر وفاداران سلطنت انگلشیہ نے "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ" سے استدلال کیا کہ انگریز اہل کتاب ہیں لہٰذا اُولی الامر منکم کے تحت آتے ہیں پس ان کی اطاعت واجب ہے۔ یہ چند مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ مسلمانوں نے بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح اپنی آسمانی کتاب میں تحریف کرنے کی کوشش کی۔ وہ تو فرمان الٰہی: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" کے سبب قرآن تحریف سے محفوظ رہا ورنہ بدکردار مسلمانوں نے تحریف میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ جب شاہ ولی اللہ نے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا تاکہ عام مسلمان بھی کلام الٰہی کو سمجھ سکیں تو کسی اور نے نہیں خود علماء نے اس کی شدید مخالفت کی۔ فتحپوری مسجد کے دروازے پر شاہ صاحب پر قاتلانہ حملہ بھی کیا گیا۔ مقصد محض یہ تھا کہ فہم قرآن عام نہ ہو پائے اور علماء سوء کی دین پر اجارہ داری قائم رہے۔ اللہ کے کلام کی صفت "يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ" ہے۔ صالح طبیعتیں اس سے رُشد و ہدایت کی روشنی حاصل کرتی ہیں اور مفسد طبائع غلط تعبیر و تشریح سے کفر و ضلالت میں مبتلا ہوتی ہیں۔ رومی نے اسے یوں کہا تھا۔

من ز قرآں مغز را برداشتم
استخواں پیش سگاں انداختم

اس شعر پر رومی کے خلاف قرآن کی بے ادبی کا الزام لگایا گیا تھا لیکن ان کا مطلب وہی تھا جو آیت شریفہ کا مفہوم ہے اقبال نے سیدھے اور براہ راست انداز میں کہا۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

قرآن سے اجنبیت اور ناواقفیت کبھی چاند مل چوپڑا کو اکساتی ہے کہ وہ کلکتہ ہائی کورٹ میں قرآن مجید پر پابندی لگانے کے لئے رٹ دائر کرے کبھی تسلیمہ نسرین جیسی عورتوں کو بھڑکاتی ہے کہ وہ قرآن پر نظر ثانی کا مطالبہ کریں۔ ترکی کے محکمۂ امور مذہبی کے سربراہ محمد نوری

یلماز نے بھی مطالبہ کیا ہے کہ بدلے ہوئے حالات اور جدید سوسائٹی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے قرآن کی نئے انداز سے تعبیر و تشریح ہونی چاہئے۔ ہندوستان ٹائمز مورخہ ۲۲؍۶؍۹۴ء نے اس پر اڈیٹوریل بھی لکھا ہے جس میں جدید تقاضوں کے مطابق کتاب الٰہی کی تعبیر و تشریح کے لئے محمد نوری یلماز اور تسلیمہ کے مطالبہ کی حمایت کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ہندوستان میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ایسے ہی انداز سے تفسیر لکھنے کی کوشش کی تھی۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ قرآن کی نئی تعبیر و تشریح کرنے کی بات کرتے ہیں ان کے ذہن میں اس تعبیر و تشریح کا کیا خاکہ ہوتا ہے اور وہ کن امور اور کن میدانوں میں نئی تعبیر و تشریح کے طالب ہیں معاشرتی، سیاسی، علمی، اکتشافی یا مالیاتی۔ قرآن مجید نے ہر معاملہ میں کچھ حدود مقرر کردی ہیں ان حدود کے اندر مسلمانوں کو آزادی ہے کہ وہ شوق سے کام کریں اسلام نے اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا ہے مگر اکثر طبیعتیں اپنی نافہمی اور نارسائی کے سبب قرآنی احکامات و ہدایات کو رکاوٹ سمجھتی ہیں سرسید نے نیچریت اور عقلیت کے نام پر معجزات اور معراج کا انکار کیا لیکن آج کی خلائی سائنس کو دیکھئے انسان چاند پر پہنچ چکا ہے تو معراج جسمانی کے انکار کا کیا جواز ہے ظاہر ہے سرسید کے دور میں خلائی سفر کا تصور بھی نہیں تھا اس لئے ان کی عقل نے معراج سے انکار کیا ادھر سماجی معاملات ہیں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ ہے جسے اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کے لئے سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک مجلس میں تین طلاقوں کا ہتھیار دے کر مسلمان عورتوں کو بے موت مار دیا ہے حالانکہ اگر قرآن کی ہدایات پر عمل کیا جائے تو طلاق کا طریقہ معقول اور عین قرین انصاف ہے لیکن فقہی مسلک سے وفاداریاں قرآن کی ہدایات کو پس پشت ڈالنے پر آمادہ کرتی ہیں اور اس کا الزام اسلام کے سر آتا ہے۔ حالانکہ اس کے لئے فقیہان حرم کی بے توفیقی ذمہ دار ہے نہ کہ اسلام۔

قرآن نے "يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ" کہہ کر اور "لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ" کی تلقین کرکے دین کو اہل ایمان کے لئے رحمت بنایا تھا لیکن خود ان لوگوں نے تقلید پر اصرار اور اجتہاد سے انکار کرکے اپنے لئے عسر کی راہ چنی۔ حکمرانوں نے یا تو مذہب سے بیگانگی اور سرد مہری اختیار کی یا پھر اتنا غلو اور تشدد کیا کہ نماز نہ پڑھنے پر ایک دن میں نو آدمی قتل کردئے اور اسے خدمت دین قرار دیا حالانکہ اگر ظلِّ سبحانی فرمان الٰہی "يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ" پر غور فرماتے تو ان بے نمازیوں کو توبہ کی تلقین کرکے ان کے دلوں کو دین کی طرف بآسانی موڑ سکتے تھے اور اپنی سفاکی کا داغ اسلام کے دامن پر لگانے سے بھی بچ سکتے تھے۔ ایک حدیث ہے "بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ" اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام مظلوم بھی ہے اور اجنبی بھی اور اس کی مظلومیت اور اجنبیت دونوں میں زیادہ ہاتھ مسلمانوں کی جفائے وفانما کا رہا ہے۔ آج مسلمانوں کے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ جذباتیت سے کنارہ کشی اختیار کریں جذبات فروش نیتاؤں اور علماء (علماء سوء) سب سے منہ موڑ کر کتاب و سنت کی طرف رجوع ہوں۔ قتل کے فتوے، موت کی دھمکیاں، قتل کے لئے انعاموں کا اعلان یہ سب باتیں اسلام کی روح سے میل نہیں کھاتیں۔ رشدی کو موت کی دھمکیاں تو سب نے دیں، قتل کا فتویٰ بھی جاری ہوا لیکن کسی نے سنجیدگی سے کوشش نہیں کی کہ اسے توبہ کی تلقین کرے اور انابت الی اللہ کا راستہ دکھائے۔ مسلمانوں کی یہ جذباتی روش دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے چند ماہ پہلے پاکستان کے ایک مصنف نے سکھ گوروؤں کے بارے میں کچھ توہین آمیز کلمات اپنی کتاب میں لکھ دئے چنانچہ سکھوں کی طرف سے مصنف کے قتل پر ۵۰ لاکھ کے انعام کا اعلان کیا گیا اور سارے ملک میں یہ شور بھی ہوگیا کہ سکھوں نے قتل کا فتویٰ اور انعام جاری کیا ہے لیکن یہ ساری کارروائی ایک لطیفہ بن گئی جب پتہ چلا کہ مصنف پہلے ہی وفات پاچکے ہیں۔

ہمارے جذباتی اور ہیجانی ردّ عمل کے مقابلے میں دوسرے لوگ اپنے مذہب یا بانی مذہب کے بارے میں اعتراضات پر کیسا سرد رویہ اپناتے ہیں اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ۱۹؍ مئی ۱۹۹۴ء کے ہندوستان ٹائمز میں ایسوسی ایٹڈ پریس (اے پی) کے حوالے سے ایک خبر شائع ہوئی جس کا عنوان تھا "مسیح کا کوئی وجود نہیں تھا" خبر کے مطابق مصر کے ایک اہل قلم احمد عثمان نے جو کتاب "خانوادۂ مسیحی" کے مصنف ہیں یہ دعویٰ کیا ہے کہ انجیل میں مذکور مسیح کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ ان کا کردار مصری بادشاہ (فرعون) طوطن خامن کی بنیاد پر وضع کیا گیا ہے۔ مصنف کا یہ بھی کہنا ہے کہ پیغمبر یوشع کا کردار اس فرعون کے کردار پر مبنی ہے جو ۱۳۵۰ قبل مسیح میں گذرا ہے۔ اس بات کی قطعی کوئی شہادت نہیں ہے کہ مسیح

دور میں گذرے ہیں جس دور میں انہیں بتایا جاتا ہے اور میرا یقین کہ انجیل مرتب کرنے والوں نے اپنے وقت کی ایک تاریخی شخصیت مسیح کے روپ میں ڈھال لیا۔ مسٹر احمد عثمان نے یہ بات ایک انٹرویو میں کہی۔

اس دعویٰ سے مسیحیت کا سارا تار و پود بکھر جاتا ہے۔ مسیح کے وجود کا انکار کرکے احمد عثمان نے پوری مسیحی دنیا کو چیلنج کیا۔ لیکن دنیا کے کسی کونے میں کسی صلیبی کے احتجاج کی آواز نہیں آئی نہ مظاہرہ ہوا نہ موت کی دھمکیاں دی گئیں نہ قتل کا فتویٰ جاری ہوا۔ مصر میں قبطی عیسائیوں کی کافی آبادی ہے۔ سیاسی اثر بھی ہے لیکن وہاں بھی کسی نے شورش یا ہنگامہ نہیں کیا۔ مغرب کے صلیبیوں نے بھی اسے در خور اعتنا نہیں سمجھا اور اس طرح نظر انداز کردیا کہ مصنف یا اس کے دعویٰ کی کہیں کوئی تشہیر نہیں ہو سکی ورنہ اگر مسلمانوں کی طرح صلیبی بھی اشتعال، احتجاج اور شورش کا راستہ اپناتے تو احمد عثمان بھی رشدی اور تسلیمہ کی طرح عالمی شہرت حاصل کرلیتے صلیبیوں کا یہی مزاج ہے ان کے یہاں وہ بھی ہیں جو مسیح کی الوہیت کے قائل ہیں اور وہ بھی جو مسیح کے وجود کے ہی منکر ہیں لیکن دونوں میں کبھی تصادم نہیں ہوتا۔ احمد عثمان کی کتاب کے بارے میں خود مصری مسلمانوں کا موقف بھی عجیب ہے مصنف کے دعوے کی ضرب براہ راست قرآن پر پڑتی ہے قرآن میں سورۂ مریم میں "وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ" سے شروع کرکے حضرت مریم اور مسیح کا پورا قصہ بیان کیا گیا ہے پھر ایک جگہ نہیں کئی جگہ مسیح ابن مریم کا ذکر آیا ہے مسیح نے اپنے بعد احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد کی بشارت دی اس کا بھی قرآن ذکر کرتا ہے پھر حشر میں مسیح سے جواب طلبی ہوگی "يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ" ان تمام قرآنی شہادتوں کے بعد اگر کوئی شخص حضرت مسیح کے وجود کا انکار کرتا ہے تو گویا وہ قرآن کی صداقت و ثقاہت کو چیلنج کرتا ہے اگر اس ایک مسئلہ میں قرآن کی صداقت مشتبہ ہو سکتی ہے تو پھر ساری کتاب ہی معرض خطر میں پڑ سکتی ہے۔ مصر میں عالم اسلام کی سب سے قدیم اور سب سے بڑی یونیورسٹی ہے وہاں کے علماء نے بھی اس پر توجہ نہیں دی۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ مصنف اپنی نام نہاد تحقیق کے پروں کے سہارے اُڑ نہیں سکا اس کو اس طرح نظر انداز کیا گیا کہ شاید اس کی کتاب لائبریریوں میں گرد

اسے ایک اشو بناتے تو وہ بھی ہنگامہ آرائی کرسکتے تھے لیکن کسی نے فضول باتوں میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہا اگر برّصغیر میں یہ کتاب شائع ہوتی تو مسلمانوں کو برسوں کے لئے ایک مشغلہ ہاتھ آجاتا۔ یا ممکن ہے کہ مسلمانوں نے سوچا ہو کہ اس میں تو عیسائیوں پر حرف گیری ہے ہم کیوں بولیں لیکن مسلمان دیگر معاملات میں بھی سنجیدگی، بے نیازی اور "وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا" کے اصول پر عمل کرنے لگیں تو وہ اپنے بہت سے مزمن امراض سے چھٹکارا پا سکتے ہیں اور انہیں تعمیر و ترقی کے مسائل پر مثبت انداز سے سوچنے اور عمل پیرا ہونے کے بہتر مواقع مل سکتے ہیں۔

بقیہ : حدیث نبوی "أن تلد الأمة ربتها"

وفشو المال وكون خمسين إمرأة لهن قيّم واحد ليس بحرام بلا شك، وإنما هذه علامات والعلامة لا يشترط فيها شيء من ذلك بل تكون بالخير والشر والمباح والحرام والواجب وغيره. والله أعلم.

(شرح مسلم ۱/۱۵۸-۱۵۹)

ایسی بات نہیں کہ جن جن چیزوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے علامات میں سے بتایا ہے وہ سب حرام و مذموم ہوں عالیشان مکانوں میں چرواہوں کی رہائش، مال کی بہتات اور پچاس عورتوں کا ایک نگراں مرد کے ماتحت ہونا حرام نہیں یہ محض علامات ہیں اور علامات میں اس کی کوئی شرط نہیں ہوتی بلکہ علامات اچھی بھی ہو سکتی ہیں بری بھی مباح بھی، حرام اور واجب وغیرہ بھی۔ واللہ اعلم۔

اخیر میں اصحاب علم و فضل کی خدمت میں میری گذارش یہ ہے کہ یہ محض ایک نقطۂ نظر ہے جسے میں نے ان کی خدمت میں بحث و مناقشہ کے لئے پیش کیا ہے مجھ جیسے کم مایہ شخص کو اپنی رائے و فہم پر اصرار کا حق نہیں اہل علم اس مسئلہ میں جو رائے رکھتے ہوں اس سے وہ ہمیں ضرور نوازیں۔

وصلى الله على سيدنا محمد وآله وأصحابه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی
ادارہ علوم اسلامیہ
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

قدیم سلفی سیرت نگار اور ان کی کتبِ سیرت

"قدیم سلفی سیرت نگار اور ان کی کتب سیرت" کے عنوان سے یہ گرانقدر تحقیقی مقالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے قارئین "التوعیہ" کے لئے ارسال فرمایا ہے اس عنایت خاص پر ہم ڈاکٹر صاحب کے بے حد ممنون و مشکور ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ آئندہ بھی وہ ہمیں اپنی وقیع نگارشات سے نوازتے رہیں گے۔

زیر نظر مقالہ کے تعلق سے محترم ڈاکٹر صاحب سے نہایت ادب کے ساتھ میں یہ عرض کرنے کی بھی جسارت کروں گا کہ مقالہ میں بعض ایسی شخصیات کا ذکر آگیا ہے جن پر سلفیت کی زمانی اور منہجی دونوں تعبیروں میں سے کوئی بھی تعبیر صادق نہیں آتی۔ (مدیر)

اگرچہ محدثین کرام کی تمام کتبِ حدیث سیرتِ نبوی کا بنیادی اور صحیح ترین مواد رکھتی ہیں تاہم ان کو تکنیکی اور فنی لحاظ سے علمِ سیرت کی تصانیف میں نہیں شمار کیا جاتا ہے۔ مواد کے علاوہ فنِ سیرت اپنے آغاز وارتقاء کے لیے بھی فنِ حدیث کا مرہونِ منت ہے کہ اسی منبع اصلی سے سیرتِ نبوی کا سوتا پھوٹا اور ترقی پاکر دریائے ناپیدا کنار بنا۔ یہ حقیقت اب کسی سے مستور نہیں کہ ابتدائی مؤلفینِ سیرت اصلاً راویانِ حدیث اور جامعینِ سنن تھے۔ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وسنن کو جب فقہ واحکام کے اعتبار سے جمع ومدون کیا تو وہ ذخیرۂ حدیث بنا اور جب اسی کے ایک جزو کو "مغازی" کے عنوان سے علیحدہ کر دیا تو وہ فنِ سیرت کہلایا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولین تابعین عظام کے دورِ مبارک میں فنِ حدیث وفنِ سیرت کا یہی چلن رہا تا آنکہ اصاغر صحابہ وتابعین کے زمانہ میں جب اختصاصِ فن کا دور آیا تو پہلے "مغازی" اور پھر "سیرت" کے عنوان سے فنِ سیرت استقلال واستحکام پذیر ہوا۔ محدثین سلف نے جس فنِ شریف کی بنیادِ فرخ نہاد کلامِ نبوت جیسی مبارک بنا پر رکھی تھی لازمی طور سے اس کے ارتقاء کی ضمانت اسی سے فراہم ہو گئی تھی۔ چنانچہ عہدِ صحابۂ کرام سے تا امروز یہ سلسلۂ زریں جاری ہے اور تا قیامِ قیامت اس کے جاری رہنے کا یقینِ واثق ہے۔ اسی طرح از اول تا آخر سلفی علماء کرام اور مؤلفین نے سیرتِ نبوی کے علم وفن کو مالا مال کرنے میں مقدور بھر حصہ لیا۔ اس مختصر مضمون میں انھیں سلفی سیرت نگاروں اور ان کی تصانیفِ سیرت کا صرف عربی کی حد تک ایک سرسری جائزہ لینا مقصود ہے کہ مفصل بحث کے لیے کئی دفتر درکار ہیں۔ جن کی یہاں گنجائش نہیں۔

ابتدائی مؤلفینِ سیرت کو بلاشبہ سلفی سیرت نگاروں میں شامل کیا جا سکتا ہے کہ وہ نہ صرف فقہی مکاتبِ فکر اور مسلکی مدارسِ نظر کے قیام وعروج سے پہلے کے مؤلفین ومصنفین تھے بلکہ وہ صحیح سنتِ نبوی اور طریقۂ سلف صالحین کے پیرو تھے۔ عام طور سے فنِ سیرت کا آغاز دورِ تابعین سے کیا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے اور اب جدید

تحقیقات سے اس کی شہادت بھی ملنے لگی ہے کہ اس فنِ شریف کا باقاعدہ آغاز اور اس میں کتابوں اور رسالوں/صحیفوں کی تدوین دراصل صحابۂ کرام کے عہدِ میمنت لزوم ہی سے شروع ہوئی تھی، خاص کر متأخرین صحابۂ کرام کے زمانے سے۔ انھوں نے مغازی کے نام سے اولین کتبِ سیرت لکھیں اور بعد میں ان پر خالص سیرت کا اطلاق ہونے لگا۔ یہ شاید ہمیشہ عقدۂ لاینحل ہی رہے گا کہ صحابۂ کرام میں اولین سیرت نگار کون تھے؟ اور ان کی اولین کتابِ سیرت کون تھی؟ تاہم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری ہی میں (ساتویں صدی عیسوی میں) اس موضوع پر کتابیں تالیف کرنے کا اہتمام کیا جانے لگا تھا۔ صحابیِ جلیل حضرت سعد بن عبادہ خزرجی (م ۱۵ ھ) کے بارے میں بعض روایات بتاتی ہیں کہ انھوں نے سیرتِ نبوی پر کچھ تحریری مواد چھوڑا تھا جس کی تہذیب و ترتیب کا کام ان کے ایک گمنام فرزند سعید بن سعد نے کیا تھا۔ وہ سیرتِ نبوی کے ابتدائی مؤلفین میں تھے اور ان کی کتابِ سیرت اپنی اصلی شکل میں ان کے پوتے سعید بن عمرو کے پاس عہدِ عباسی میں موجود تھی۔ مسند احمد بن حنبل (۲۲۲/۵) اور مسند ابی عوانہ (اصابہ ۱۲۲۳/۲) میں اس کتاب کے اقتباسات ملتے ہیں۔ طبری وغیرہ (۱۲/۱ - ۱۱۱) نے بھی ان کے بعض تحریری اقتباسات کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے نوجوان صحابی حضرت سہل بن ابی حثمہ المدنی الأنصاری (م ۳۳ھ / ۶۶۴ء) تھے جو ان نوجوان صحابۂ کرام میں شمار کیے جا سکتے ہیں جنھوں نے سیرتِ نبوی پر خاص کر مغازی پر کتاب تالیف کی تھی ان کی وفات خلافتِ معاویہ میں کسی وقت ہوئی تھی ان کے پوتے یا پڑپوتے محمد بن یحییٰ بن سہل کے پاس ان کا تالیف کردہ نسخۂ سیرت تھا۔ مؤخر الذکر واقدی کے ایک بڑے راوی تھے۔ اور ان کے علاوہ کئی اور لوگوں نے بھی ان سے روایت کی تھی جن میں بشیر بن یسار انصاری بھی تھے جو محمد ابن اسحاق کے ایک اہم راوی ہیں۔ ان کے فرزند سے نافع بن جبیر بن مطعم اور عروہ نے بھی روایت لی تھی جب کہ امام زہری کی ان سے تمام روایات مرسل ہیں۔

متأخرین صحابۂ کرام کی تالیفاتِ سیرت کا باب ابھی تشنۂ تحقیق ہے تاہم ابتدائی تابعین کرام کے بارے میں کافی معلومات جمع ہو چکی ہیں۔ عام طور سے تابعی مؤلفینِ سیرت میں اولیت کا شرف حضرت ابان بن عثمان (۹۶ - ۲۰ ھ) کو دیا جاتا ہے اور شاید جوزف ہورووِتس (Joseph Horovitz) کے شاندار تحقیقی مضمون کی اتباع ہیں، لیکن مزید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ ان سے پہلے بھی بعض اہم اور اکابر تابعین نے سیرتِ نبوی پر کتابیں اور رسالے مدوّن کیے تھے۔ ان میں حضرت سعید بن المسیب بن حزن المخزومی (۱۳-۹۴ھ / ۶۳۴-۷۱۲ء)، حضرت ابو فضالہ عبید اللہ بن کعب بن مالک انصاری (م ۸۵-۸۷ھ / ۷۱۵ء) اور امام شعبی (ابو عمرو عامر بن شراحیل (۱۹-۱۰۳ھ / ۶۴۰-۷۲۱ء) سرِفہرست ہیں۔ معروف و مشہور تابعی سیرت نگاروں میں حضرت ابان بن عثمان بن عفان (۲۰-۹۶ھ / ۶۴۰ء)، حضرت عروہ بن الزبیر بن العوام (۲۳-۹۴ھ / ۶۴۳ء)، شرحبیل بن سعید بن سعد بن عبادہ (م ۱۲۳ھ)، عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری (م ۱۲۰ھ / ۷۳۷ء)، امام زہری (ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری ۵۰-۱۲۴ھ / ۶۷۰-۷۴۲ء)، عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم مدنی انصاری (۶۰/۵۶-۱۳۰ھ / ۶۷۹-۷۴۷ء)، موسیٰ بن عقبہ بن ابی عیاش الأسدی (م ۱۴۱ھ / ۷۵۸ء)، محمد بن اسحاق بن یسار (۸۵-۱۵۰ھ / ۷۰۴-۷۶۷ء)، معمر بن راشد بن عمرو الأزدی (۹۷-۱۵۴ھ / ۷۱۴-۷۷۰ء)، ابو معشر السندی (نجیح بن عبد الرحمٰن م ۱۷۰ھ / ۷۸۶ء)، یحییٰ بن سعید الأموی (۱۱۴-۱۹۴ھ / ۷۳۲-۸۰۹ء)، محمد بن عمر الواقدی (۱۳۰-۲۰۷ھ / ۷۴۷-۸۲۳ء)، محمد ابن سعد البصری الزہری (۱۶۸-۲۳۰ھ / ۷۸۴-۸۴۵ء) اور عبد الملک بن ہشام بن ایوب الحمیری (م ۲۱۸ھ / ۸۳۴ء) جیسے نادرۂ روزگار شامل ہیں جنھوں نے مغازی کے عنوان سے اپنی سیرتیں لکھیں۔ ان میں ابن اسحاق کی تالیف 'سیرت رسول اللہؐ' کے عنوانِ جمیل سے تھی اور جس کی تہذیب و تشریح کا فریضہ ابن ہشام نے اس طرح انجام دیا کہ وہ ہر صدی اور ہر زمانے میں مقبولِ عام رہی۔

ان مشہور و معروف سیرت نگاروں کے علاوہ متعدد اور سوانح نگارانِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنھوں نے فنِ سیرت میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں مگر ان کے نام وکام کو وہ شہرت نہ مل سکی جس کے وہ مستحق تھے۔ ان میں قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق (۳۷ - ۱۰۷ھ / ۶۵۷ - ۷۲۵ء)، ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی الہمدانی (۳۲ - ۱۲۷ھ / ۶۵۳ - ۷۴۵ء)، یعقوب بن عتبہ ابن المغیرہ الثقفی المدنی (م ۱۲۸ھ / ۷۴۵ء)، یزید بن رومان الأسدی المدنی (م ۱۳۰ھ / ۷۴۷ء)، ابوالأسود محمد بن عبدالرحمن بن نوفل بن الأسود الأسدی (م ۱۳۱ھ / ۷۴۸ء)، ابوسلیمان داؤد بن الحسین الأموی (م ۱۳۵ھ / ۷۵۲ء)، ابوالمعتمر سلیمان بن طرفان التیمی (۴۶ - ۱۴۳ھ / ۶۶۶ - ۷۶۰ء)، ابومحمد عبدالرحمن بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عثمان الحُنیفی (۹۰ - ۱۶۲ھ / ۷۰۸ - ۷۷۸ء)، ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن الحارث الفزاری (م ۱۸۸ھ / ۸۰۴ء)، ابواسماعیل محمد بن عبداللہ الأزدی البصری (م دوسری صدی ہجری کے ربع اخیر میں)، ابوالعباس الولید بن مسلم الأموی الدمشقی (۱۱۹ - ۱۹۵ھ / ۷۳۷ - ۸۱۰ء)، عبداللہ بن وہب الفہری (م ۱۹۷ھ / ۸۱۳ء)، ابوحذیفہ اسحاق بن بشر بن محمد البخاری (م ۲۰۶ھ / ۸۲۱ء)، ابن عائذ (ابوعبداللہ محمد بن عائذ بن احمد القرشی الدمشقی ۱۵۰ - ۲۳۳ھ / ۷۶۷ - ۸۴۷ء)، حماد بن اسحاق بن اسمٰعیل الأزدی (۱۹۹ - ۲۶۷ھ / ۸۱۵ - ۸۶۱ء)، ابوزرعہ عبدالرحمن بن عمرو بن عبداللہ الدمشقی (م ۲۸۰ھ / ۸۹۳ء)، ابن شعیب الأنصاری (ابوعلی محمد بن ہارون بن شعیب ۲۶۶ - ۳۵۳ھ / ۸۸۰ - ۹۶۴ء) اور ان جیسے بعض دوسرے ذرا کم معروف سیرت نگار شامل ہیں۔ ان ابتدائی مؤلفینِ سیرت نے بیشتر کتابیں المغازی کے عنوان سے لکھیں لیکن ان میں سے بعض نے سیرتِ نبوی کے دوسرے پہلوؤں پر بھی اپنی خاص تحریریں چھوڑیں۔ مثلاً الحُنیفی کی کتاب "السیرۃ" واقدی کی کتاب کے مصادرِ اساسی میں سے شمار کی جاتی ہے، الفزاری کی کتاب "السیر فی الأخبار" ان کے بعض جانشینوں کا مآخذ رہی ہے۔ الأزدی نے اپنی "مختصر فتوح الشام" میں سیرت پر اہم مواد پیش کیا ہے۔ ابوالعباس الأموی نے "کتاب المغازی" کے علاوہ کتاب السنن بھی لکھی، ابوحذیفہ البخاری کی "کتاب المبتدا" کے چوتھے اور پانچویں اجزاء سیرتِ نبوی کے لیے مخصوص ہیں، اور "کتاب الفتوح" غزواتِ نبوی پر روشنی ڈالتی ہے۔ ابن عائذ کی کتاب "المغازی" ابن سیدالناس کی "عیون الأثر" کے بنیادی مآخذ میں شمار کی جاتی ہے، حماد بن اسحاق ازدی نے "ترکۃ النبی" کے موضوع و عنوان سے اپنی کتاب لکھی، ابن شعیب انصاری نے "صفۃ النبی" کے عنوان سے اور ابوزرعہ الدمشقی نے اپنی تاریخ میں سیرتِ نبوی پر بڑا قیمتی مواد جمع کیا ہے۔

مغازی، مشاہد اور فتوح کے عنوان سے متعدد قدماء نے کتابیں لکھی ہیں جو ابتدائی صدیوں کے مؤلفینِ سیرت کے معاصر اور جانشین تھے اور جن کی کتابیں اولین کتابوں کی تکمیل و تکملہ کرتی ہیں۔ ان میں سے مغازی میں اسی عنوان سے جن قدیم مصنفین نے کتابیں لکھی ہیں ان میں عبدالرزاق بن ہمام الصغانی (م ۲۱۱ھ)، علی بن محمد مدائنی (م ۲۱۵ھ)، ابوجعفر الحرّانی (م ۲۳۴ھ) کے علاوہ احمد بن الحارث الخزّاز (م ۲۵۸ھ) کی کتاب "مغازی النبی وسرایاہ وازواجہ" کے دلچسپ عنوان و نام سے ہے۔ المغازی کے عنوان سے جن دوسرے قدیم مؤلفین نے کتابیں لکھیں ان میں عبدالملک بن محمد الرقاشی (م ۲۷۶ھ)، ابراہیم بن اسماعیل الطوسی (م ۲۸۰ھ) وغیرہ کے علاوہ حافظ ابن عبدالبر القرطبی (م ۴۶۳ھ) کی بھی ہے جو اُن کی مکمل سیرت کا اختصار ہے۔ حاجی خلیفہ نے امام واحدی (ابوالحسن علی بن احمد م ۴۶۸ھ) کی مغازی پر ایک کتاب کا حوالہ اپنی "کشف الظنون" میں دیا ہے۔ جب کہ سخاوی نے اپنی "الاعلان" میں امام زہری (محمد بن مسلم بن شہاب م ۱۲۴ھ) کی جانب "مشاہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" نامی کتاب منسوب کی ہے فتوحاتِ نبوی کے موضوع پر اب تک معلوم اولین کتاب حافظ المدائنی (م ۲۲۵ھ) نے "فتوح النبی" کے عنوان سے لکھی تھی جب کہ

بلاذری (احمد بن جابر م ۲۷۹ھ) کی مشہور کتاب "فتوح البلدان" کے اولین حصے نبوی فتوحات کی اہم اور دستیاب دستاویز ہے۔ ایک اندلسی عالم ابن حبیش (عبدالرحمٰن بن محمد م ۵۷۴ھ) کی کتاب "الغزوات والفتوح" کے نام سے ابھی تک مخطوطہ ہی ہے۔

موضوع کے اعتبار سے اگر تجزیہ کیا جائے تو عربی زبان میں متعدد قدیم وجدید سلفی علماء نے سیرتِ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ہر موضوع کے بارے میں بطور نمونہ بعض کتابوں کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ سیرتِ نبوی کا ایک اہم اور مقبول موضوع میلاد یا مولدِ نبوی ہے۔ حافظ ابن الجوزی کی "مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اور حافظ ابن کثیر کی "مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اس موضوع پر نمائندہ کتابیں ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ پر محمد بن احمد قرطبی (م ۶۷۱ھ) کی "أرجوزۃ فی أسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم"، ابن دحیہ کلبی (م ۶۳۳ھ) کی "أسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم"، عثمان الفتوحی الحنبلی کی "البشریٰ الکریم الأمجد بعدم تعذیب من یسمی بأحمد ومحمد"، علی بن احمد الحرانی المراکشی (م ۶۳۷ھ) کی "شرح السنۃ العلیۃ فی الأسماء النبویۃ" وغیرہ کو گنایا جاسکتا ہے۔ نسبِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر جن ممتاز سلفی علماء کا کام ہے ان میں محمد بن حبیب بغدادی کی "الأرحام التی بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین أصحابہ سوی العصبیۃ"، علی بن محمد بن فرحون القرطبی کی "تواریخ الأخبار والتعریف بنسب النبی المختار" جیسی کئی کتابیں شامل ہیں۔ امہات الرسول میں علی بن محمد المدائنی کی "امہات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اس موضوع کی نمائندہ کتاب ہے۔ ان کی ایک کتاب أعمام النبی کے ضمن میں "أخبار أبی طالب وولدہ" کے عنوان سے بیان کی گئی ہے اگرچہ وہ آج دستیاب نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب "الإیناس بمناقب العباس" کا ذکر حاجی خلیفہ نے اپنی کشف الظنون میں کیا ہے۔ دلائلِ نبوت سیرت نگاروں، محدثوں اور دوسرے طبقاتِ علماء میں بہت مقبول موضوع رہا ہے اور ابتدا سے اس پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ علی بن محمد المدائنی (م ۲۱۵ھ) کی "آیات النبی"، داؤد بن علی اصفہانی (م ۲۷۰ھ) کی "أعلام النبوۃ" اور اسی نام کی امام ابوداؤد سجستانی (م ۲۷۵ھ) اور ابوحاتم محمد بن ادریس الرازی (م ۲۷۷ھ) کی کتابیں کئی مآخذ میں مذکور ہوئی ہیں۔ دلائل النبوۃ کے عنوان سے بہت سے سلفی علماء نے کتابیں لکھیں جن میں ابوزرعہ رازی (م ۲۶۴ھ)، ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ)، ابن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ)، ابراہیم بن اسحاق الحربی (م ۲۸۵ھ)، ابوبکر الفریابی (م ۳۰۱ھ)، سلیمان بن احمد طبرانی (م ۴۳۰ھ)، حافظ ابن مندہ (م ۳۹۵ھ)، ابوبکر بیہقی (م ۴۵۸ھ) وغیرہ کی کتابیں بہت اہم سمجھی جاتی ہیں۔ جب کہ حافظ ابونعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ) کی کتاب غالباً اس بنا پر سب سے زیادہ مشہور ومتداول ہے کہ اس موضوع کی واحد کتاب ہے جو مطبوعہ ہونے کے سبب دستیاب ہے جب کہ بقیہ کتب میں سے اکثر مفقود ہیں اور بعض مخطوطات کی صورت میں کتب خانوں میں مدفون ہیں۔

وحی محمدی کو باقاعدہ منفرد ومستقل موضوع بنا کر کتابیں لکھنے والوں میں امام عمر بن علی دارقطنی (م ۴۵۹ھ) کی کتاب "المعتمد المنقول فیما أوحی إلی الرسول" کا مخطوطہ اسکندریہ کے کتب خانے میں حدیث کے ذخیرہ میں موجود ہے قدماء میں اس موضوع پر مستقل تصانیف کا سراغ تقریباً نہیں کے برابر ہے۔ جب کہ قرآن مجید کے مختلف پہلوؤں پر ان کی کتابوں کی تعداد بہت کافی ہے لیکن ان کو یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ معجزاتِ محمدی پر باقاعدہ کتابوں کی تعداد اگرچہ کافی ہے لیکن علماء سلف میں کم کسی نے کام کیا ہے۔ ابن دحیہ کلبی (م ۶۳۳ھ) کی "الآیات البینات" اور ابن عصن الأشبیلی (م ۷۲۳ھ) کی "معجزات خیر البریۃ" کا ذکر یہاں کیا جاسکتا ہے۔ اسراء ومعراج اور ان سے متعلق بعض اہم امور پر قدیم وجدید علماء وسیرت نگاروں کی بہت سی تصانیف ملتی ہیں۔ ان

میں امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کے ایک رسالہ "فی رؤیۃ النبی اللہ تعالیٰ ہل کانت بعینی رأسہ"؟ کا ذکر بطور نمونہ کیا جا سکتا ہے جس کا مخطوطہ اوقاف بغداد کے کتب خانہ میں پایا جاتا ہے۔ اثباتِ نبوت محمدی میں اسی طرح بطور مثال بشر بن المعتمر (م ۲۱۰ھ) کے رسالہ "الحجۃ فی إثبات نبوۃ النبی علیہ السلام" اور ابن اَبَن طبری (م ۲۴۷ھ) کی کتاب "الدین والدولۃ فی إثبات نبوۃ النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اول الذکر کا حوالہ ابن ندیم نے دیا ہے جب کہ مؤخر الذکر بیروت سے ۱۹۷۳ء میں تیسری بار شائع ہوئی تھی۔ منافقین و بنو اسرائیل کے بارے میں علی بن محمد المدائنی وغیرہ کی کئی کتابوں کے حوالے ملتے ہیں مگر وہ اب دستیاب نہیں ہوتیں۔

ہجرتِ نبوی پر مستقل تصانیف کا قدماء کے ہاں پتہ نہیں چلتا البتہ مدینہ منورہ کے بارے میں بہت سی کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے أخبار المدینۃ کے عنوان سے عمر بن شبہ (م ۲۶۲ھ)، الزبیر بن بکار (م ۲۵۶ھ)، شاگردِ امام مالک ابن زبالہ (محمد بن الحسن) کی کتاب (مؤلفہ در ۱۹۹ھ) کے علاوہ کئی کتابیں ابتدائی صدیوں سے تعلق رکھتی ہیں اور اب دستیاب نہیں اسی طرح رزین سرقسطی (م ۵۳۵ھ) کی حرمین پر کتاب اور حافظ ابن عساکر (م ۶۰۰ھ) کی کتاب کا صرف حوالہ ملتا ہے۔ ان کے علاوہ متعدد دوسرے قدماء کے حوالے ابن ندیم، حاجی خلیفہ اور دوسرے حوالے کے ماخذ میں صرف ضمناً ملتے ہیں۔ ان میں علی بن عبد اللہ سمہودی کی دو کتابیں "وفاء الوفا بأخبار دار المصطفیٰ" اور "خلاصۃ الوفاء بأخبار دار المصطفیٰ" چھپ چکی ہیں جب کہ ان کی بعض اور کتابیں جیسے "ذروۃ الوفا" وغیرہ ابھی تک مخطوط کی شکل میں کتب خانوں کی زینت ہیں۔ سخاوی (م ۹۰۲ھ) کی "التحفۃ اللطیفۃ فی تاریخ المدینۃ الشریفۃ" بھی قاہرہ سے ۱۹۵۷ء میں بعض شائقینِ علم کی توجہ سے چھپ چکی ہے۔

مسجدِ نبوی اور روضۂ نبوی کی تاریخ و تفصیل اور ان کے احترام و تقدس کے بارے میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے دو عالموں فخر الدین ابو بکر بن علی (م ۸۸۹ھ) کی کتاب "بلوغ السول فی أحکام لبُسط الرسول"، اور حرمِ نبوی کے خطیب محمد بن زین الدین کی کتاب "تحفۃ المحب للمحبوب فی تنزیہ مسجد الرسول عن کل خصی ومجبوب" کے دلچسپ موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کا حوالہ حاجی خلیفہ نے دیا ہے۔ جب کہ ابن عماد حنبلی نے اپنی "شذرات الذہب" میں ابن ناصر الدین دمشقی (م ۸۴۲ھ) کی کتاب "عرف العنبر فی وصف المنبر" کا حوالہ دیا ہے جو مسجدِ نبوی کے ذکر سے زیادہ منبرِ نبوی سے زیادہ متعلق ہے۔ اس موضوع پر اور کئی کتابوں کے علاوہ سمہودی (نور الدین علی بن محمد م ۹۱۱ھ) کی "الوفا بما یجب لحضرۃ المصطفیٰ" کا تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ زائرین کو مسجدِ نبوی اور روضۂ اطہر کے تقدس و احترام کے ضروری آداب بتاتی ہے۔ یہ کتاب ریاض سے ۱۳۹۲ھ میں چھپ چکی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیۂ شریف اور جسمانی صفات ایک اور محبوب و مقبول موضوع رہا ہے۔ قدیم علماء، محدثین کرام، مؤلفینِ سیرت اور متعدد دوسرے طبقات مصنفین نے اس موضوع پر بہت کتابیں لکھی ہیں اور ان میں سلفی علماء کا حصہ بھی ہے۔ صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے جن قدیم مؤلفین و محدثین نے لکھا ہے ان میں ابو البختری وہب بن وہب (م ۲۰۰ھ)، المدائنی (م ۲۲۵ھ)، ابن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ)، اسماعیل بن اسحاق القاضی (م ۲۸۲ھ) شامل ہیں جب کہ ابو علی محمد بن ہارون انصاری (م ۳۵۳ھ) نے صفۃ اخلاق کا بھی اضافہ کیا ہے۔ دوسرے سلفی علماء کے علاوہ ہمارے معاصر زمانے میں علامہ ناصر الدین البانی نے "تلخیص صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے ایک کتاب مرتب کی ہے جو بیروت سے ۱۹۷۲ء میں چھپی تھی۔ بعض قدیم و جدید علماء و مؤرخین نے قاضی عیاض کی "الشفاء" وغیرہ سے بھی حلیۂ نبوی تلخیص کیا ہے۔

اخلاقِ نبوی کے موضوع پر لکھنے والے مؤلفین میں حافظ ابن حبان کی کتاب "اخلاق رسول اللہ" کافی اہم ہے مگر وہ اب دستیاب نہیں۔ ابن خیر کی فہرست میں اس کا حوالہ ملتا ہے۔ اس کا ایک اختصار امام محمد بن الولید الفہری الطرطوشی (م ۵۲۰ھ) نے کیا تھا دوسری کتابوں میں محمد بن عبداللہ الوراق (م ۲۴۹ھ) کے "أخلاق النبی"، ابن حبان بُستی (م ۳۵۴ھ) کی "أخلاق النبی وآدابہ"، ابوالشیخ اصبہانی (م ۳۶۹ھ) کی "أخلاق النبی" اور داؤد بن علی اصبہانی (م ۲۷۰ھ) کی "صفۃ أخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے بُستی کی کتاب قاہرہ سے ۱۹۷۲ء میں شائع ہو چکی ہے۔ خصائص وخصوصیاتِ نبوی کے موضوع پر امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی "الخصائص الکبریٰ" بہت مشہور رہے۔ وہ کئی بار چھپ چکی ہے اور اس کے کئی شروح ومختصرات ہیں۔ وہ بھی بار بار طبع ہو چکے ہیں۔ اس موضوع پر ایک اہم کتاب امام عبدالرحمن بن علی الجوزی (م ۵۹۷ھ) کی کتاب "الدر الثمین فی خصائص النبی الأمین" ہے۔ ابن دحیہ کلبی کی "نہایۃ السول فی خصائص الرسول" کا مخطوطہ دارالکتب مصریہ میں محفوظ ہے جب کہ امام بلقینی (عبدالرحمن بن عمر م ۸۲۴ھ) کی "خصائص النبی"، ابن حجر عسقلانی کی "الأنوار بخصائص المختار" کے علاوہ سیوطی، تاج سبکی وغیرہ متعدد دوسرے علماء کی کتابوں کا حوالہ مآخذِ کتب میں ملتا ہے۔

مناقبِ نبوی میں کتابیں کم لکھی گئی ہیں۔ ان میں ابن الزملکانی (م ۷۲۷ھ) کی "عجالۃ الراکب فی ذکر أشرف المناقب" اور کمال الدین محمد بن طلحہ قرشی (م ۶۵۲ھ) کا صرف حوالہ ملتا ہے۔ ان کے مخطوطے مختلف کتب خانوں میں البتہ محفوظ ہیں۔ مگر شمائل وخصائل نبوی پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان میں سے کئی مطبوعہ صورت میں دستیاب ومتداول بھی ہیں۔ ان میں سب سے مشہور امام ترمذی (محمد بن عیسیٰ م ۲۷۹ھ) کی "الشمائل النبویۃ والخصائل المصطفویۃ" ہے اس کی متعدد شروح اور مختصرات ہیں جن کے مؤلفین میں متعدد مسالک وفقہی مکاتب کے علماء اور شارحین شامل ہیں۔ اس موضوع پر ایک اہم ترین کتاب حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) کی "شمائل الرسول ودلائل نبوتہ وفضائلہ وخصائصہ" ہے اگرچہ حافظ موصوف نے شمائلِ ترمذی پر بنیادی طور پر انحصار کیا ہے تاہم انھوں نے دوسری کتبِ صحاح اور مسانید سے اس پر بہت اضافہ کیا ہے۔ یہ اہم کتاب مصطفیٰ عبدالواحد کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ ۱۹۶۷ء میں قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔ اس ضمن میں ابن المقری الغرناطی (م ۵۵۲ھ) کی "الشمائل بالنور الساطع الکامل"، ابن الرضی مالکی، ابن عتیق ازدی غرناطی (م ۶۴۶ھ)، محمد بن عبدالحی الفاسی اور الٰہی بخش وغیرہ کی کتابوں کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ امام بغوی (الحسین بن مسعود م ۵۱۶ھ) کی کتاب "الأنوار فی فضائل (او شمائل) النبی المختار" اور ابن المنیر (م ۶۸۳ھ) کی "الاقتفا فی فضائل المصطفیٰ" کا حوالہ حاجی خلیفہ نے دیا ہے۔ وہ شمائل کے علاوہ فضائلِ نبوی سے بھی بحث کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی (م ۶۰۰ھ) کی کتاب "الآثار المرضیۃ فی فضائل خیر البریۃ" اور یوسف بن اسماعیل النبہانی (م ۱۳۵۰ھ) وغیرہ کی متعدد کتابوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ حقوقِ نبوی پر قاضی عیاض بن موسیٰ الیحصبی (م ۵۴۲ھ) کی "الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ" بہت مشہور اور اپنے موضوع کی نمائندہ کتاب ہے۔ وہ متعدد بار چھپ چکی ہے اور اس کی متعدد شروح اور مختصرات ہر زمانہ میں مختلف مسالک کے مؤلفین نے تیار کیے ہیں۔ ان میں الخفاجی (م ۱۰۶۹ھ) کی شرح "نسیم الریاض" بہت مشہور ہے اس کے علاوہ قریباً دو درجن شروح کا پتہ چلتا ہے۔

بعض بڑے دلچسپ موضوعات پر بھی سلفی سیرت نگاروں نے خامہ فرسائی کی ہے۔ حافظ ابن قیم کی "الفروسیۃ المحمدیۃ" ایسی ہی دلچسپ ودلآویز کتاب ہے جو قاہرہ سے ۱۳۶۱ھ میں عزت العطار کی توجہ سے چھپی۔ ابن ندیم نے زبیر بن بکار کی کتاب "مزاح النبی"

کا حوالہ دیا ہے جب کہ بدرالدین محمد الغزی الدمشقی (م ۹۸۴ھ) کی "المراح فی المزاح" میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح پر ایک بڑی فصل ہے۔ یہ کتاب دمشق سے ۱۳۴۹ھ میں شائع ہوچکی ہے۔ ابوالیمن زید بن حسن کندی (م ۶۱۳ھ) نے آپ کی سخن سنجی کے بارے میں ایک کتاب "إنشاد النابغة أمام النبي صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے لکھی تھی جس کا مخطوطہ ظاہریہ کے کتب خانہ میں موجود طباعت کا ابھی تک منتظر ہے۔ اسی طرح متعدد کتابیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس، جوتوں، آلات و اسلحہ، گھوڑوں، مویشیوں/اونٹوں اور ترکہ میں چھوڑی گئی چیزوں کے بارے میں لکھی گئی ہیں جن کا ذکر اختصار کی خاطر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض فرض معمولات کے بارے میں کئی اہم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ صلاۃ نبوی پر دو اہم کتابیں سلفی علماء کی ہیں۔ ان میں سے ایک علامہ ناصر الدین البانی کی "صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من التکبیر إلی التسلیم" (بیروت ۱۳۸۹ھ) اور شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی "کیفیۃ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (مطبوعہ ریاض ۱۴۰۰ھ) ہے۔ حج نبوی پر متعدد تصانیف مرتب کی گئی ہیں ان میں سے ابن جابر کی روایت کردہ کتاب "حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" علامہ البانی کی توجہ سے بیروت سے ۱۳۸۴ھ میں شائع ہوئی جب کہ امام ابن حزم (۴۵۶ھ) کی کتاب "حجۃ الوداع" بیروت سے ۱۹۶۶ء میں چھپی تھی۔ ان کے علاوہ امام بقاعی (ابراہیم بن عمر دمشقی (م ۸۸۵ھ)، علامہ مقریزی (م ۸۴۵ھ) اور محب طبری (م ۶۹۴ھ) اور بعض دوسرے سیرت نگاروں کی اس موضوع پر کئی کتابوں کے حوالے ملتے ہیں۔

سیرت نبوی کی جامع اور مفصل تصانیف کی فہرست کافی طویل ہے اور اسی مناسبت سے علماء سلف کی تالیفات بھی کافی ہیں۔ ان کو آسانی کی خاطر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: اول وہ تالیفات جو سیرت کی مستقل کتابیں ہیں اور دوم وہ کتب سیرت جو تاریخ اسلام کے ابتدائی ابواب ہیں یا ان کو بعد کے مرتبین نے مستقل کتب سیرت بنا دیا ہے۔ ابن اسحاق وابن ہشام کی سیرت رسول اللہ کی تلخیص و اختصار بہت اہم موضوع رہا ہے اور متعدد سلفی علماء نے بھی ایسی تالیفات تیار کی تھیں فہرست ابن خیر نے جن مختصرات کا ذکر کیا ہے ان میں احمد بن محمد اشبیلی (م ۶۳۷ھ) اور ابوعیسیٰ یحییٰ بن عبداللہ اللیثی کی کتابوں کے علاوہ ابن عربی اور سخاوی کے مختصرات کا ذکر کیا ہے۔ جب کہ سہیلی (عبدالرحمن بن عبداللہ (م ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء)، ابوذر خشنی (م ۶۰۴ھ/۱۰۲۷ء)، فتح بن موسیٰ مغربی (م ۶۶۳ھ/۱۲۶۵ء) وغیرہ کی منثور و منظوم شروح کے علاوہ احمد بن ابراہیم الواسطی (م ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء)، یحییٰ بن حمزہ بن علی (م ۷۴۷ھ/۱۳۴۶ء)، ابن جماعہ (محمد بن ابی بکر (م ۸۱۹ھ/۱۴۱۶ء) وغیرہ کے مختصرات کا حال مشہور ہے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد شروح ومختصرات سیرت ہیں۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی، (۱۱۱۵-۱۲۰۶ھ/۱۷۰۳-۹۲ء) کی "مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" اصلاً سیرت ابن اسحاق وابن ہشام ہی کی تلخیص ہے۔ ابن ہشام کی سیرت کے علاوہ متعدد دوسری تلخیصات بھی لکھی گئیں جو دوسری کتب سیرت کا عطر کشید کر کے پیش کرتی ہیں۔ ان میں محمد صالح بن احمد الخطیب الحنبلی کی "تلخیص السیرۃ النبویۃ" بھی شامل ہے جو دمشق سے ۱۳۴۸ھ میں شائع ہوئی تھی۔ علامہ ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) کی "تلقیح فہوم الأثر فی التاریخ والسیر" (مطبوعہ بمبئی سنہ) میں اور چیزوں کے علاوہ سیرت کا قیمتی مواد ہے۔ ایسی کتابوں کی فہرست کافی طویل ہے۔

تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی سے جو اہم کتب سیرت مستقلاً لکھی گئیں ان میں علماء سلف کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے۔ ان میں امام ابن حزم علی بن احمد (م ۴۵۶ھ) کی "جوامع السیرۃ" اور "المرتبۃ الرابعۃ فی نسب رسول اللہ وسیرہ ومغازیہ"، حافظ ابن

عبدالبر (م ۴۶۳ھ) کی "الدرر فی اختصار المغازی والسیر"، عبدالرحمن الخثعمی الأشبیلی کی "الدرر فی اختصار السیر"، ابن شاہین (م ۸۷۳ھ) کی "الدرۃ المضیئۃ فی السیرۃ المرضیۃ"، فتح بن موسیٰ مغربی (م ۶۶۳ھ) کی منظوم ومنثور سیرت "السول فی نظم سیرۃ الرسول" اور "غایۃ السول فی سیرۃ الرسول"، احمد بن یوسف الرعینی (م ۷۷۹ھ) کی "السیرۃ والمولد النبوی"، امام ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) کی "عیون الحکایات فی سیرۃ سید البریات"، "الوفا فی سیرۃ المصطفیٰ"، اور "خلاصۃ الوفا فی سیرۃ المصطفیٰ"، جو مطبوعہ ہیں اور کئی بار چھپ چکی ہیں۔ حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) کی "السیرۃ النبویۃ" اور "الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول"، (بار بار چھپ چکی ہیں) عبدالعزیز بن محمد بن جماعۃ (م ۷۶۷ھ) کی "مختصر سیرۃ النبی" اور "المختصر الکبیر فی سیرۃ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم" ابن سید الناس (م ۷۳۴ھ) کی "عیون الأثر فی فنون المغازی والسیر" اور اس کا مصنف کے قلم سے مختصر، امام ابن تیمیہ (م ۶۵۲ھ) کی "المنتقی من أخبار المصطفیٰ"، وغیرہ بہت اہم کتابیں ہیں۔

عالمی تاریخِ اسلام سے متعلق کتابوں میں سیرت نبوی پر مستقل ابواب ہیں جو دراصل سیرتِ نبوی کی کتابیں ہیں۔ ان میں بلاذری اور طبری کی "أنساب الأشراف" اور "تاریخ الرسل والملوک" اور حافظ ابن کثیر کی "البدایۃ والنہایۃ" وغیرہ سے سیرت کے ابواب علیحدہ کتابی شکل میں چھاپے جا چکے ہیں۔ ان میں سے بعض کے صرف حوالے ملتے ہیں جیسے حسین بن علی المغربی (م ۴۱۸ھ) ہشام ابن احمد الوقشی الطلیطلی (م ۴۸۹ھ)، محب طبری (م ۶۹۴ھ)، ابن النقاش (م ۷۶۳ھ)، ابن جابر اندلسی (م ۷۸۰ھ) وغیرہ کی کتبِ تاریخ وسیرت ہیں۔ مؤخر الذکر کا ایک مخطوطہ دار الکتب المصریہ میں محفوظ ہے۔ مگر متعدد دستیاب کتابوں میں بھی سیرتِ نبوی کا پورا مواد موجود ہے۔ ان میں حافظ ابن عساکر (م ۵۷۱ھ) کی تاریخِ دمشق، عبدالغنی المقدسی (م ۶۰۰ھ) کی "الدرۃ المضیئۃ"، حافظ ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) کی "المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم"، ابن الأثیر (م ۶۳۰ھ) کی "الکامل فی التاریخ"، امام نووی (محی الدین بن شرف م ۶۸۶ھ) کی "تہذیب الأسماء واللغات"، حافظ ذہبی (محمد بن احمد الدمشقی (م ۷۴۸ھ) کی "تاریخ الاسلام" ابن شاکر کتبی (م ۷۶۴ھ) کی "عیون التاریخ" وغیرہ متعدد کتابیں بہت اہم ہیں۔ ان کے علاوہ بعض اور کتابیں بھی اس ضمن میں شامل کی جا سکتی ہیں لیکن ان کو اختصار کے خیال سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں، فتووں، معاہدوں اور جوامع الکلم وغیرہ پر بعض اسلاف اور علماء نے کتابیں لکھی ہیں ان میں علی بن محمد المدائنی کی "صلح النبی" اور "عہود النبی"، ابن تیمیہ کی "جوامع الکلم الطیب"، صدیق حسن قنوجی کی "الحرز المکنون من لفظ المعصوم"، ابن فرج مالکی (ابن الطلاع م ۴۹۷ھ) کی "أقضیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اور ابن قیم کی "بلوغ السول من أقضیۃ الرسول"، حسین بن مبارک الموصلی (م ۷۴۲ھ) کی "الفتاویٰ النبویۃ" اور ابن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ) کی "فقہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم"، عبدالرحمن الحنبلی (م ۶۳۴ھ) کی "أقیسۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ابواحمد عسکری (م ۳۸۲ھ) کی "الحکم والأمثال" اور ابن العربی (م ۵۴۳ھ) کی "حِکَمُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اہم تصانیف ہیں۔ ان میں سے بعض کے صرف حوالے ملتے ہیں لیکن اکثر چھپ چکی ہیں اور بار بار چھپی ہیں۔

ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر امام نووی کی "الأذکار المنتخبۃ من کلام سید الأبرار"، ابن حجر عسقلانی کی "تخریج الأذکار الواردۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اہم کتابوں میں شامل کی جاتی ہیں۔ جب کہ قرأت نبوی پر ابوعمر الدوری (م ۲۴۰ھ) کی "قراءات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اور ابن عیسیٰ اندلسی (م ۴۰۰ھ) کی "وقوف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القرآن" کا حوالہ ملتا ہے۔ محمد بن احمد غرناطی (م ۷۰۴ھ) نے "تفسیر النبی" پر ایک کتاب لکھی تھی۔

خطبات نبوی پر مدائنی وغیرہ متعدد علماء کی کتابیں "خُطَب النبی صلی اللہ

علیہ وسلم" کے نام سے ہیں۔ طب نبوی بھی سیرت نگاروں کا ایک محبوب موضوع رہا ہے۔ اس میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ابن حزم کا "رسالۃ فی الطب النبوی"، سخاوی کی کتاب "السیر القوی فی الطب النبوی"، یوسف بن محمد الحنبلی (م ۷۷۶ھ) کی "شفاء الأنام فی طب اہل الإسلام" کے علاوہ "الطب النبوی" کے نام سے متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں عبد الملک ابن حبیب (م ۲۳۸ھ)، ابونعیم اصفہانی، ابن الأکفانی (م ۷۴۹ھ)، ضیاء مقدسی (م ۶۴۳ھ)، حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ)، حافظ ابن قیم، ابو القاسم محدث نیساپوری (م ۴۰۶ھ) اور حافظ سیوطی کی کتابیں معروف ہیں اور اکثر مطبوعہ اور متداول بھی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ افراد و اشخاص جیسے ازواج و اولاد، عُمّال و سفراء، کُتّاب و خُدّام اور صحابہ وغیرہ میں سے ہر ایک موضوع پر سیرت نگاروں نے کتابیں لکھی ہیں۔ صحابۂ کرام پر مجموعی طور سے جو کتابیں لکھی گئیں ان میں سیرت نبوی کا اہم مواد شامل ہے اس لیے وہ تکملہ اور تتمۂ سیرت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں سلفی علماء کی خدمات قابلِ ذکر اور قابلِ قدر ہیں۔ حافظ ابن عبد البر کی "الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب"، حافظ ابن اثیر کی "أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ" اور حافظ ابن حجر کی "الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ" تو بہت مشہور و متداول کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی کتابیں ان علماء کرام نے تالیف کی تھیں۔ سب کا ذکر تو بہت مشکل ہے صرف چند کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ابن خلف بن فتحون (۵۲۰ھ) نے "الاستیعاب" پر "استلحاق" لکھا تھا، امام بخاری کی "أسماء الصحابۃ" کا ذکر حاجی خلیفہ نے کیا ہے۔ حافظ ابن حزم اور حافظ ابن الجوزی کی کتابوں "أسماء رُواۃ الصحابۃ" کے مخطوطے استانبول مصر میں موجود ہیں جب کہ امام بقی بن مخلد (م ۲۷۶ھ) کی "اسماء الصحابۃ وعدد ما رووا من أحادیث" کا مخطوط معہد المخطوطات میں محفوظ و مامون ہے۔ حافظ ذہبی کی "تجرید أسماء الصحابۃ" چھپ چکی ہے۔ ابن سید الناس کی "تحصیل الإصابۃ فی تفضیل الصحابۃ" کا ذکر صفدی نے کیا ہے۔ حافظ ابن مندہ (م ۳۹۵ھ) کی کتاب "معرفۃ الصحابۃ" بڑی اہم کتاب ہے۔ اس عنوان سے متعدد دوسرے اسلاف نے کتابیں لکھی ہیں۔ اسی طرح امام نسائی، ابن عساکر، ابن حُمیدہ، قاضی عیاض، امام احمد بن حنبل، ابونُعیم اصفہانی، حاکم نیساپوری وغیرہ متعدد علماء کی کتابیں ہیں۔ متعدد سلفی علماء نے خاص صحابۂ کرام کے گروہ یا افراد کے بارے میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں "فضائل و مناقب شیخین" پر حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی کی کتابیں "رسالۃ فی تفضیل أبی بکر وعمر" اور "فضائل الصحابۃ"، یا ابن سعید الطبری (م ۲۴۶ھ) کی "فضائل الشیخین" نمائندہ کتابیں ہیں۔ اولین خلفاء اربعہ کے بارے میں بالخصوص اور دوسرے صحابۂ کرام جیسے عشرۂ مبشرہ حضرات ابوعبیدہ بن جراح، عبد اللہ بن مسعود، خالد بن الولید، معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ کے بارے میں خیثمہ بن سلیمان طرابلسی (م ۳۴۳ھ)، حاکم نیساپوری، محب طبری، الفزاری، ابن ابی الدنیا، عبد الغنی المقدسی، ابن عساکر، رضی الدین محمد حنبلی (م ۹۷۱ھ)، ابن حجر ہیثمی، محمد بن یحییٰ المالقی (م ۷۴۱ھ)، ابن أبی الخصال الغافقی (م ۵۴۰ھ)، عبد اللہ بن احمد بن حنبل، ابن حزم اندلسی وغیرہ متعدد علماء نے لکھا ہے۔ علامہ ابن الجوزی کی "مناقب عمر بن الخطاب" تو کافی مشہور و متداول کتاب ہے۔

ازواج مطہرات کے بارے میں بھی سلفی علماء کرام نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ علی بن محمد المدائنی، ابوعبیدہ اور واقدی جیسے قدیم مؤلفین کے علاوہ حافظ ابن عساکر نے بھی امہات المومنین پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ہے "الأربعون فی مناقب امہات المومنین"۔ مناقب پر محب طبری، عبد اللہ بن احمد السقطی اور عائشہ بنت الشاطی نے اپنی خاص کتابیں تالیف کی ہیں جب کہ حضرت عائشہ پر حافظ ذہبی کی کتاب "اخبار أم المومنین عائشہ" دمشق سے ۱۹۴۵ء میں چھپ چکی ہے۔ ان سے متعلق واقعۂ افک پر کئی علماء نے "حدیث الافک" کے نام سے کتابیں لکھی ہیں جن میں قاضی ابوبکر ابن العربی

کی کتاب شامل ہے اس کے علاوہ مدائنی کی کتاب بھی ہے۔ امام داؤد بن علی ظاہری (م ۲۷۰ھ) نے "الرد علی اہل الافک" کے نام سے ایک تالیف مرتب کی تھی۔ جب کہ اولاد نبوی میں زیادہ تر کتابیں حضرت فاطمہ کے فضائل پر لکھی گئی ہیں ان میں ابن شاہین (م ۳۵۸ھ)، حاکم نیساپوری وغیرہ کی کتابیں ہیں۔ جب کہ جدید عہد میں بنت الشاطی نے "بنات النبی" کے نام سے ایک مفصل کتاب لکھی ہے جو مصر سے ۱۹۵۶ء میں پہلی بار چھپی تھی۔ آپ کے خُدام اور موالی پر سخاوی کی کتاب کا مخطوطہ اوقافِ بغداد کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، آپ کے ارداف پر حافظ ابن مندہ کی کتاب ہے۔ نبوی فرستادوں اور سفیروں پر متعدد کتابیں ہیں جن میں مدائنی کے تین رسالوں کے علاوہ کلاعی کی کتاب اہم ہے۔ اسی طرح عُمّال نبوی پر مدائنی کی ایک کتاب تھی۔ سیرت نگاروں کے ایک خاص طبقہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام اور آپ کی مدح ونعت کے بارے میں لکھنے کا بہت شوق رہا ہے۔ ان میں بطور نمونہ چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن قیم کی جلاء الأفہام (کویت ۱۹۷۷ء) اور "بدیع الأبرار فی الصلوۃ علی النبی المختار" وغیرہ حافظ ابن ابی الدنیا کی "الصلوۃ علی النبی"، ابن سید الناس، ابن جابر (م ۷۸۰ھ) وغیرہ کی نعتیں اور قصیدۂ بردہ وغیرہ کے شروح اس کی نمائندہ مثالیں ہیں۔ اسی طرح خواب میں رؤیت نبوی، توسل بالرسول، اقتدار نبوی، زیارتِ نبوی اور ہدایتِ نبوی وغیرہ کے مختلف موضوعات پر سیکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اقتدار نبوی پر امام احمد بن حنبل کا رسالہ اور قبر نبوی کی زیارت اور اس کے احکام پر شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کا رسالہ خاصے کی چیز ہیں۔ اگرچہ وہ مخطوط ہیں۔ سَبِّ رسول اور مخالفت پر امام ابن تیمیہ کی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" اور ہدایتِ نبوی پر ان کے شاگرد کی "زاد المعاد فی ہدی سید العباد" بہت اہم اور مقبول کتابیں ہیں۔ مؤخر الذکر کے ایک رسالہ "الرسالۃ الحلبیۃ فی الطریقۃ المحمدیۃ" کا حوالہ صفدی نے دیا ہے۔ مختصر یہ کہ قدیم وجدید سلفی علماء نے سیرت نبوی کے ہر پہلو پر وقیع تحریریں چھوڑی ہیں اور ان کا مفصل جائزہ ایک تحقیقی مقالہ کا تقاضا کرتا ہے۔

بقیۃ: کُرد قوم ....

۱۔ اسرائیل کے ساتھ مستحکم روابط قائم کرنا اور اس کے تحت وہ حکومت آئندہ کسی بھی عربی اور اسلامی بیداری کی مخالفت کرے گی۔

۲۔ دجلہ وفرات کے پانی پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے ترکی کے ساتھ تال میل پیدا کرنا ہوگا۔ جس سے عرب خطوں میں آب رسانی کے مسئلہ پر دور رس اثرات مرتب ہوں گے۔

۳۔ یہ امر بھی خارج از امکان نہیں ہے کہ غیر مذہبی کرد سیاسی لیڈر خطہ میں اسلامی لہر کو سبوتاژ کرنے کے لئے مغرب کو اپنی خدمات پیش کریں۔ اسلام پسندوں کے متعلق ان کا موقف انتہائی خراب رہا ہے ان کی طرف سے ان پر ماضی میں شدید حملہ معروف مشہور ہے۔

۴۔ اپنی خود مختار حکومت کے قیام کی جدوجہد میں موجودہ کردوں کا تجربہ بہت تلخ اور ہمت شکن ثابت ہوا ہے اس کے منفی پہلو مثبت پہلوؤں پر غالب رہے ہیں ان کے بحران کا بہتر حل صرف اسلام میں ہے، اگر واقعتاً اسلامی نظام کی عملی تطبیق ہو۔

اس المناک صورت حال میں کردوں پر لازم ہے کہ اپنے سابقہ منصوبوں میں سیکولر رہنماؤں کی ناکامی کے بعد اسلام پسند علماء ومفکرین پر پورا اعتماد کریں نیز علماء ودعاۃ پر واجب ہے کہ وہ صحیح اسلام کی دعوت کی اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی ادا کریں۔ غلط اور باطل نظریات کو پس پشت ڈال کر اس مسلم قوم کی اسلامی تربیت کریں۔ انھیں مغرب کے وظیفہ خوار لادینی پارٹیوں سے اجتناب کی تلقین کریں۔ اور خود ان پارٹیوں کے ساتھ کشمکش سے بچیں جیسا کہ پچھلے دنوں پیش آیا تھا۔ اس لئے کہ کشیدگی اور کشمکش کا انجام پہلے سے معلوم ہے یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ وہ ان غیر مذہبی پارٹیوں کے مقابلہ میں ہر اعتبار سے کمتر ہیں۔ کیا ہمارے کرد دوست اس مسئلہ کو سنجیدگی سے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اور اپنے لازمی فرائض کو پورا کریں گے؟ ---- ہو سکتا کہ ..... شاید کہ ..... کوئی بہتر نتیجہ بر آمد ہو۔ وما ذلك علی اللہ بعزیز۔

ہم اللہ تعالی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ توحید کے جھنڈے کے تلے نصرت وعزت اور شان وشوکت عطا فرمائے۔ واللہ غالب علی امرہ۔

(ماخوذ از مجلہ "البیان" لندن ذو الحجہ ۱۴۱۴ھ شمارہ نمبر ۶۷)

کرایہ کی بیضہ دانیاں
اور
اعجاز نبوی

تحریر : ڈاکٹر عبد العلیم عبد العظیم
ترجمہ : رفیق احمد سلفی

حدیث نبوی "أن تلد الأمۃ ربّتہا"
ایک تحقیقی مطالعہ

(۲)

الفاظ حدیث

حضرت عمر بن الخطاب اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی دونوں حدیثوں کا متن میں اوپر ذکر کرچکا ہوں تاکہ قاری حدیث کے سیاق اور اس پس منظر سے آگاہ رہے جس میں یہ کلام کہا گیا ہے یہاں میری توجہ صرف آپ کے فرمان " أن تلد الأمة ربتها " اور اس کے معنی و مفہوم کی بحث ہی پر مرکوز رہے گی۔

حضرت عمر والی حدیث جس کی روایت مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد، ابو عوانہ، آجری، ابن مندہ اور بغوی نے کی ہے کے اکثر طرق میں " أن تلد الأمة ربتها " آیا ہوا ہے اور احمد کی ایک روایت میں "وولدت الإماء رباتهن" تانیث اور جمع کے صیغے کے ساتھ وارد ہے اور ابن مندہ کی ایک روایت میں " أن تلد الأمة ربتها " ہے اور انھیں کی ایک دوسری روایت میں " وولدت الإماء أربابها " کے الفاظ مروی ہیں اور بیہقی کی ایک روایت " ولدت الإماء أربابهن " مفرد ہو یا جمع دونوں صورتوں میں رب کی تذکیر کے ساتھ مروی ہے۔ رہی ابو ہریرہ والی حدیث تو بخاری (کتاب الإیمان) مسلم، ابن خزیمہ، ابو عوانہ، ابن حبان اور ابن مندہ نے اس کی روایت " إذا ولدت الأمة ربها " رب کی تذکیر کے ساتھ کی ہے۔ اور بخاری (التفسیر)، ابن ماجہ اور ابن مندہ کی ایک روایت میں " إذا ولدت المرأة ربّتها فذاك من أشراطها " کے الفاظ مذکور ہیں لالکائی نے بھی اس کی روایت "ربّة" کی تانیث کے ساتھ کی ہے اور مسلم کی ایک روایت میں " إذا ولدت الأمة بعلها " مروی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حدیث کے اکثر طرق میں "ربتها" تأنیث کے صیغے کے ساتھ اور بعض طرق میں "ربها" تذکیر کے ساتھ آیا ہوا ہے اور ایک روایت میں " بعلها" کا لفظ وارد ہے اور "ربها" اور "ربتها" یہ دونوں کلمے کہیں کہیں صیغۂ جمع کے ساتھ وارد ہیں لیکن مفرد اور جمع کے اس فرق سے معنی متاثر نہیں ہوتا کیونکہ مفرد کو بھی جمع کے معنی ہی پر محمول کیا جائیگا۔

مطلب یہ ہے کہ یہ ایک عمومی صورت حال ہوگی جو برابر بڑھتی اور پھیلتی چلی جائیگی کوئی مخصوص حادثہ جو رونما ہوا ہو مراد نہیں۔

رہا لفظ "الأمة" تو حدیث کے اکثر طرق میں یہی لفظ آیا ہوا ہے البتہ بخاری، ابن ماجہ، ابن مندہ اور لالکائی کی ایک روایت میں مطلقاً المرأة (خواہ آزاد ہو یا لونڈی) کا لفظ وارد ہے لہٰذا اسے بھی اکثریت ہی کی روایت پر محمول کیا جائے گا۔

مفہوم حدیث

"رب" کے معنی لغت میں "سید" اور "مالک" کے ہیں ابن اثیر فرماتے ہیں

الرب يطلق فى اللغة على المالك، والسيّد، والمدبّر، والمربّي، والقيّم، والمنعم، ولايطلق غير مضاف إلا على الله تعالى وإذا أطلق على غيره أضيف، فيقال "رب كذا"، وقد جاء فى الشعر

مطلقاً علیٰ غیر اللہ تعالیٰ ولیس بکثیر وأراد به في هذا الحديث "المولى والسيّد"
(النهاية في غريب الحديث ۱۷۹/۲)

یعنی رب کا اطلاق لغت میں مالک 'سید' مدبّر' مربّی' قیّم' اور منعم پر ہوتا ہے اور یہ بغیر اضافت کے سوائے اللہ کے کسی اور کے لئے نہیں بولا جاتا جب بھی یہ لفظ اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے بولا جائے گا تو مضاف ہو کر ہی بولا جائے گا مثلاً کہا جائے گا "رب کذا" کبھی کبھی یہ اشعار میں غیر اللہ کے لئے مطلقاً بھی استعمال ہوتا ہے لیکن یہ استعمال شاذ و نادر ہے عام نہیں اس حدیث میں رب سے مراد مولیٰ اور سید ہے۔

اسی طرح کی بات نووی نے بھی شرح مسلم میں کہی ہے وہ فرماتے ہیں۔

ومعنى " ربها و ربّتها" أى سيّدها ومالكها وسيّدتها ومالكتها

یعنی "ربھا و ربتھا" کے معنی "سیدھا و مالکھا" اور سیدتھا و مالکتھا" کے ہیں۔

اور بعل کے معنی بھی یہی ہیں نووی فرماتے ہیں:

الصحيح في معناه أن البعل هو المالك أو السيّد فيكون بمعنى ربّها على ماذكرناه قال أهل اللغة: "بعل الشئ" ربّه ومالكه وقيل المراد بالبعل في الحديث "الزوج"-
(شرح مسلم ۱۵۸/۱، ۱۵۹)

یعنی بعل کے معنی کے سلسلہ میں صحیح قول یہی ہے کہ اس کے معنی مالک اور سید کے ہیں لہٰذا "بعلھا" کے معنی جیسا کہ میں نے ذکر کیا "ربھا" ہی کے ہونگے اہل لغت کہتے ہیں "بعل الشئ" کے معنی "رب الشئ" اور "مالک الشئ" کے ہیں اور کہا گیا ہے کہ حدیث میں بعل سے مراد شوہر ہے۔

اس ساری بحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کا مطلب قیامت کے اشراط و علامات میں سے لونڈی کا اپنے سید اور مالک یا سیدہ اور مالکہ کا جننا ہے۔

رہا یہ سوال کہ لونڈی کے اپنے سید اور مالک یا سیدہ اور مالکہ کے جننے کا مطلب کیا ہے اور یہ فی الواقع کیسے پورا ہو سکتا ہے تو اس کی تفسیر میں علماء کے متعدد اقوال وارد ہیں ان میں سے جو میرے علم میں آسکے ہیں انھیں میں ذیل میں نقل کر رہا ہوں

۱۔ وکیع بن الجراح (م ۱۹۷ھ) یہ ابن ماجہ میں مروی حدیث کے رُواۃ میں سے ایک ہیں اس میں " أن تلد الأمة ربّتها " کے ٹکڑے کے بعد یہ الفاظ وارد ہیں۔

" قال و كيع: يعني تلد العجم العرب "

وکیع فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عجم عرب کو جنیں گے۔

۲۔ محمد بن بشر عبدی کوفی (م ۲۰۳ھ) یہ مسلم میں وارد حدیث کی سند کے رُواۃ میں سے ایک ہیں اس میں " اذا ولدت الأمة بعلها " کے بعد "یعنی السراری" آیا ہوا ہے۔ سراری سرّیّۃ کی جمع ہے جس کے معنی اس لونڈی کے ہیں جو وطی کے لئے رکھی گئی ہو۔

۳۔ ابراہیم حربی (م ۲۸۵ھ) نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ لونڈیاں بادشاہوں کو جنیں گی چنانچہ ان بادشاہوں کی مائیں بھی منجملہ ان کی رعیت کے ہونگی جس طرح وہ اپنی رعیت کے دوسرے افراد کے حاکم و مالک ہونگے اسی طرح وہ اپنی ماؤں کے بھی مالک و حاکم ہونگے۔

اس قول کو ان سے ابن حجر نے فتح الباری میں اور نووی نے شرح مسلم میں نقل کیا ہے۔

ابن حجر فرماتے ہیں

وقربه بأن الرؤساء في الصدر الأول كانوا يستنكفون غالباً من وطء الإماء ويتنافسون على الحرائر ثم انعكس الأمر ولاسيما في أثناء دولة بني العباس ولكن رواية " ربّتها" بتاء التانيث لا تساعد على ذلك ووجهه بعضهم بأن إطلاق " ربّتها " على ولدها مجازٌ لأنه لما كان سبباً في عتقها بموت أبيه أطلق عليه ذلك

وخصه بعضهم بأن السبى إذا كثر فقد يسبى الولد أولاً وهو صغير ثم يعتق ويكبر ويصير رئيساً بل ملكاً ثم تسبى أمه فيما بعد فيشتريها عارفاً بها أو وهو لايشعر أنها أمّه فيستخدمها أو يتخذها موطوءةً، أو يعتقها ويتزوجها-

(فتح البارى ۱/۱۲۲)

اور انھوں نے حدیث کے اس ٹکڑے اور اس کے معنی میں قربت اس طرح سے پیدا کی ہے کہ صدر اول میں رؤساء عام طور سے لونڈیوں سے وطی کرنے سے پرہیز واجتناب کرتے تھے اور حرائر (آزاد عورتوں) میں زیادہ رغبت رکھتے تھے بعد میں معاملہ الٹ گیا خاص طور سے عباسی عہدِ سلطنت میں لیکن "ربتھا" والی روایت جو تاء تانیث کے ساتھ آئی ہے اس معنی کی تائید وحمایت نہیں کرتی۔

بعضوں نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ "ربتھا" کا اطلاق اس کے لڑکے پر مجازاً ہے کیونکہ وہی اس کے عِتق کا سبب ہے اور باپ کے مرنے کے بعد لڑکے ہی پر اس کا اطلاق ہوگا۔

اور بعض نے اس کو اس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے کہ لوگ جب بکثرت قیدی بنائے جائیں گے تو کبھی ایسا بھی ہوگا کہ لڑکا پہلے بچپن میں قیدی بنالیا گیا ہو پھر آزاد کردیا گیا ہو اور بڑا ہوکر وہ سردار بلکہ بادشاہ بن گیا ہو اس کے بعد اس کی ماں قید کر لی گئی ہو اور لڑکے نے اسے خرید لیا ہو خواہ اس نے یہ جان کر خریدا ہو کہ وہ اس کی ماں ہے یا انجانے میں خرید کر اس سے خدمت لیتا رہا ہو یا اسے اپنی موطوءہ بنائے ہو یا آزاد کرکے اس سے شادی کرلی ہو۔

۴۔ خطّابی (حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطّاب بُستی خطابی (م ۳۸۸ھ) فرماتے ہیں۔

معناه : أن يتسع الإسلام ويكثر السبى ويستولد الناس أمهات الأولاد فتكون ابنة الرجل من أمته في معنى السيدة لأمّها إذا كانت مملوكةً لأبيها وملك الأب راجع في التقدير إلى الولد

(معالم السنن ۷/۶۷)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلامی قلمرو میں وُسعت ہوگی اور قیدی بکثرت آئیں گے لوگ چاہیں کہ امہات الأولاد بچے جنیں چنانچہ آدمی کی لڑکی جو اس کی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوگی وہ اپنی ماں کی مالکہ ہوگی کیونکہ اس کی ماں اس کے باپ کی مملوکہ ہے اور باپ کی ملکیت بالآخر اولاد ہی کی جانب لوٹتی ہے۔

اس قول کا ذکر ابن حجر نے فتح الباری میں بھی کیا ہے اور اسی طرح کی بات بغوی نے "شرح السنۃ" میں اور ابن اثیر نے "النہایہ" میں کہی ہے اور اسی طرح کا قول زمخشری نے "الفائق" ۲/۲۴ میں نقل کیا ہے اور نووی نے اس قول کو اکثریت کی جانب منسوب کیا ہے اور اس میں مزید اضافہ یہ کیا ہے

لأن مال الإنسان صائر إلى ولده وقد يتصرف فيه فى الحال تصرف المالكين إما بتصريح أبيه له بالإذن وإما بما يعلمه بقرينة الحال أو عرف الإستعمال-

(شرح مسلم ۱/۱۵۹)

کیونکہ انسان کا مال اس کے لڑکے ہی کی طرف لوٹتا ہے کبھی کبھی لڑکا یا تو صراحتاً اپنے باپ کی اجازت سے یا قرینۂ حال یا عرف استعمال کے بتانے سے فی الفور اس میں اسی طرح کا تصرف کرتا ہے جس طرح مالک اپنے مال میں۔

لیکن اس قول پر ابن حجر نے یہ کہہ کر اعتراض کیا ہے

لكن فى كونه المراد نظر لأن استيلاد الإماء كان موجوداً حين المقالة والإستيلاء على بلاد الشرك وسبى

ذراریهم واتخاذهم سراری وقع أكثره في صدر الإسلام وسياق الكلام يقتضى الإشارة إلىٰ وقوع مالم يقع مما سيقع قرب قيام الساعة- (فتح البارى)

لیکن حدیث میں اس کے مراد ہونے میں نظر ہے کیونکہ استیلاد اماء اس وقت بھی پایا جاتا تھا جب آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے بلاد شرک پر تسلط وغلبہ اور لوگوں کو قید کرکے انھیں لونڈی اور غلام بنانے کا عمل زیادہ تر آغاز اسلام میں ہوا ہے اور سیاق کلام ایسی چیز کے وقوع کی جانب اشارہ کا متقاضی ہے جو اس وقت تک واقع نہ ہوا ہو بلکہ ان امور میں سے ہو جو قیامت کے قریب واقع ہوں گے۔

ابن حجر نے ان تمام اقوال کو ایک ہی قول جس کی ابتدا انھوں نے خطابی کے قول سے کی تھی کے تحت ذکر کیا ہے اس کے بعد انھوں نے تین مزید اقوال کا تذکرہ کیا ہے جنھیں ہم ذیل میں انھیں سے نقل کرتے ہوئے ذکر کر رہے ہیں۔

۵۔ پانچواں قول یہ ہے کہ مالکان امہات الأولاد کو فروخت کریں گے اور ان کی خرید و فروخت بکثرت ہونے لگے گی چنانچہ "ملک مستولدہ" ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں برابر منتقل ہوتی رہے گی یہاں تک کہ خود اس کا لڑکا اس کو انجانے میں خرید لے گا اس قول کی رو سے جو چیز اشراط قیامت میں سے ہوگی وہ لوگوں میں جہالت کا غلبہ اور احکام شرعیہ کی تحقیر و استہانت ہوگی لوگوں کو یہ تک نہیں معلوم ہوگا کہ امہات الأولاد کی خرید و فروخت حرام ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ تو مختلف فیہ ہے لہٰذا حدیث کو اس پر محمول کرنا درست نہ ہوگا کیونکہ قائلین جواز کے نزدیک اس میں جہالت اور استہانت و تحقیر کی کوئی بات نہیں تو ہم عرض کریں گے کہ اسے کسی اتفاقی صورت پر محمول کرنا بہتر ہوگا مثلاً حمل کی حالت میں امہات الأولاد کا بیچنا کیونکہ یہ بالاتفاق حرام ہے۔

۶۔ یہ صورت بھی سابقہ صورت ہی کے قبیل کی ہے نووی کہتے ہیں۔

لايختص شراء الولد أمه بأمهات الأولاد بل يتصور غيرهن بأن تلد الأمة حراً من غير سيدها بوطء شبهة أو رقيقاً بنكاح أو زنا ثم تباع الأمة فى الصورتين بيعاً صحيحاً وتدور فى الأيدي حتى يشتريها ابنها أو ابنتها .

بیٹے کا اپنی ماں کو خریدنا امہات الأولاد ہی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ ان کے علاوہ میں بھی یہ متصور ہو سکتا ہے اس طرح کہ لونڈی وطی شبہ سے اپنے مالک کے نطفہ کے علاوہ کسی اور کے نطفہ سے کسی آزاد بچہ کو جنے یا نکاح یا زنا سے کسی رقیق (غلام) کو جنے پھر ان دونوں صورتوں میں لونڈی جائز طریقہ سے بیچ دی جائے اور وہ مختلف ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہے یہاں تک کہ اس کو خود اس کا بیٹا یا بیٹی خرید لے۔

اس قول کی رو سے محمد بن بشر کی تفسیر میں کہ اس سے مراد سراری (لونڈیاں) ہیں کوئی خرابی نہیں کیونکہ امہات الأولاد کے ساتھ اس کی تخصیص بلا دلیل ہے۔

۷۔ ساتواں قول یہ ہے کہ اولاد میں عقوق (ماؤں کی نافرمانی) عام ہوگی بیٹا اپنی ماں کے ساتھ تذلیل و توہین کا وہی معاملہ کرے گا جو مالک اپنی لونڈی کے ساتھ کرتا ہے یعنی اس کے ساتھ سب و شتم، مار پیٹ روا رکھے گا اور اس سے لونڈیوں کی طرح خدمت لے گا چنانچہ اس کی وجہ سے مجازاً اس پر اس کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔

یہ قول (ابھی ابن حجر ہی کا قول چل رہا ہے) اپنے عموم اور موقع و محل کے اس بات پر دلالت کرنے کے سبب کہ مراد ایسی حالت ہے جو اچنبھی ہونے کے ساتھ ساتھ فساد احوال پر دلالت کرتی ہو میرے نزدیک سب سے بہتر اور درست قول ہے اس قول کا ماحصل یہ اشارہ کرنا ہے کہ قرب قیامت کے وقت احوال و امور یکسر پلٹ جائیں گے مربیّ مربیّ بن جائے گا اور پست اور گھٹیا قسم کے لوگ اعلیٰ مرتبوں پر فائز ہو جائیں گے اور یہ قول آپ کے اس ارشاد کے عین مناسب ہے جو دوسری علامت میں مذکور ہے کہ برہنہ پا زمین کے حاکم و باشاہ ہو جائیں گے۔ (فتح الباری ۱/ ۱۲۲-۱۲۹)

علماء متقدمین نے اس حدیث کی شرح میں جو کچھ کہا ہے یہ

اس کا خلاصہ ہے ہر ایک نے اس ٹکڑے کی تفسیر اپنے اجتہاد سے اس انداز میں کی ہے کہ نص اس کا متحمل ہو سکے۔

لیکن اسلام کا پیغام دائمی اور ابدی ہے وہ تمام عصور و ادوار کو شامل و محیط ہے خاص کر ان باتوں کو جو ان امور و حوادث سے متعلق ہیں جو قیامت سے پہلے پیش آئیں گے جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے اور قیامت قریب آتی جاتی ہے وہ ساری باتیں واضح سے واضح تر ہوتی چلی جارہی ہیں کتاب و سنت میں وارد بہت سے نصوص سے متعلق علمی تحقیقات ہر روز کچھ نہ کچھ غور و فکر کے نئے افق سامنے لارہی ہیں قرآن و سنت کے علمی اعجاز کے دراسة و تحقیق کے لئے انجمنیں اور مراکز قائم ہیں۔

اشراط قیامت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک قسم ان امور کی ہے جو پہلے بھی واقع ہوتے تھے لیکن قیامت کے قریب وہ بکثرت ہونے لگیں گے مثلاً زنا اور فواحش وغیرہ۔

۲۔ دوسری قسم ان امور کی ہے جو اس وقت تک جب آپ نے یہ قول فرمایا تھا واقع نہیں ہوئے تھے قیامت کے قریب واقع ہوں گے اور ان کے وقوع سے قیامت کے قرب پر استدلال کیا جائے گا مثلاً خروج دجال اور نزول مسیح اور اس طرح کے دیگر واقعات۔

سابقہ تفسیروں کی روشنی میں یہ دونوں قسمیں اس حدیث پر منطبق نہیں آتیں کیونکہ یہ تفسیریں زیادہ تر استرقاق اور بیع امہات اولاد کی کثرت پر مبنی ہیں اور یہ چیزیں ایسی ہیں جن کا وجود ہمارے اس زمانہ میں یا تو ہے ہی نہیں یا اگر ہے بھی تو شاذ و نادر۔

حافظ ابن حجر کو ان اقوال سے تسلی و تشفی نہیں ہوئی کیونکہ استیلاد اماء اس وقت پایا جاتا تھا اور سیاق سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایسا واقعہ رونما ہوگا جس کا اس وقت وجود نہ ہوگا۔ رہا وہ قول جسے حافظ ابن حجر نے ترجیح دی ہے یعنی عقوق امہات کی کثرت تو یہ بھی اس وقت پایا جاتا تھا بلکہ اس سے پہلے تو یہ بہت عام تھا اس پر دلالت سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کرتا ہے۔"

وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا- (الكهف: ٨٠)

اور اس کی دلیل وہ متعدد احادیث بھی ہیں جن میں "عقوق امہات" کی ممانعت اور اس پر سخت وعید اور ترہیب آئی ہے۔

مزید برآں یہ قول اس حدیث پر اس صورت میں منطبق ہوگا جب اسے مجاز پر محمول کیا جائے جیسا کہ خود حافظ نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور اگر اس ٹکڑے کا حقیقی مفہوم و معنی پالیا جائے تو مجاز کے مقابلہ میں اسے حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ و ارجح ہوگا اس کی مثال ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جسے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کیا ہے آپ فرماتے ہیں۔

صنفان من أمتي لم أرهما : قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة الخ

(مسلم ٣/١٦٨٠ و ٤/٢١٩٢، حديث ١٦٨٠)

اس حدیث میں مذکور ان ملبوس لیکن برہنہ عورتوں کی صفت کے بارے میں شارحین حدیث کی تفسیریں مختلف اور متنوع ہیں گو ان میں سے بعض بعض کے بالمقابل واقع اور حقیقت سے زیادہ قریب ہیں۔ لیکن اگر ہم اس حدیث کو اس صورت حال پر منطبق کریں جس کا مشاہدہ اپنے اس دور میں ہم دنیا کے بیشتر ممالک اور شہروں میں کر رہے ہیں تو اسے ہم اپنی نگاہوں کے سامنے ایک کھلی حقیقت کی شکل میں دیکھیں گے اور ایسا محسوس ہوگا گویا جیسے کہنے والے نے ان مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور دیکھ کر اسے بیان کیا ہو۔

یہ ہو بہو وہی بات ہے جو امام نووی نے کہی ہے۔

من معجزات النبوة فقد وقع ما أخبر به صلى الله عليه وسلم

یعنی نبوت کے معجزات میں سے یہ امر بھی ہے کہ وہ باتیں پیش آچکی ہیں جن کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔

حدیث کا مفہوم اور موجودہ صورت حال۔

ادھر آخری چند سالوں سے طفل الأنابيب (ٹیسٹ ٹیوب بے بی) کے قضیہ کا بہت چرچا چل رہا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مرد کے حیوانات منویہ اور عورت کے انثوی (مادہ) بیضوں میں تلقیح (بار آوری) کا عمل رحم سے باہر ایک ٹیوب میں انجام پاتا ہے اور ایک معین مدت کے بعد بذریعہ آپریشن اسے عورت کے رحم میں منتقل کردیا

ا تا ہے جہاں جنین کی پرورش ہوتی ہے اور حمل کی مدت پوری ہونے پر طبعی طریقہ سے اس کی ولادت ہوتی ہے۔

اس طریقہ نے روبہ زوال معاشرہ میں ایسی چیزوں کو جنم دے دیا ہے جنھیں "بنوک الحیوانات المنویہ" (حیوانات منویہ کے بینک) اور "الرحم المستأجرۃ" (کرایہ کی بچہ دانیاں) کا نام دیا جاتا ہے جہاں عورت ایسے شخص کے لئے بچہ جننے کا عمل انجام دیتی ہے جو اس بات کا خواہاں ہوتا ہے کہ جنین ٹیوب میں پرورش پائے اور بعد میں اسے عورت کے رحم میں منتقل کیا جائے چنانچہ عورت ایک معین اجرت کے عوض جنین کو اپنے پیٹ میں رکھتی ہے اور مدت پوری ہونے پر جننے کے بعد مستاجِر (وہ شخص جو عورت کو حمل وولادت کے لئے اجرت پر رکھتا ہے) سے اپنی اجرت وصول کرتی ہے پھر لڑکا مرد کا اور اس عورت کا ہو جاتا ہے جس کے انثوی بیضوں سے وہ پیدا ہوا ہے اور پیٹ میں رکھنے اور جننے والی عورت سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہ جاتا اس طرح عورت ہر اس مرد کے لئے جو اجرت دے کر اس سے بچہ جنوانا چاہے بچہ جنتی ہے اس سے قطع نظر کہ مستاجر کوئی اجنبی ہے یا خود اس کا کوئی بیٹا یا بیٹی یا بہن یا بھائی یا کوئی اور قریبی رشتہ دار۔

کچھ سالوں پیشتر میں نے کسی اخبار میں یہ خبر پڑھی تھی کہ یورپ کے کسی ملک میں ایک عورت نے اپنی بانجھ بیٹی کے لئے اپنے رحم میں کسی جنین کی پرورش کی یا اپنے آپ کو اس عمل کے لئے پیش کیا (خبر صحیح طرح سے یاد نہیں) اس طرح اس عورت نے اجرت لے کر یا بلا اجرت کے اپنے بیٹے یا بیٹی کے لئے بچہ جنا۔ اس دور سے پیشتر کبھی اس طرح کا واقعہ سامنے نہیں آیا اور اب یہ بہت ممکن ہو گیا ہے گو ابھی بالفعل ایسا نہیں ہوا ہے کہ کرایہ پر لی گئی بچہ دانی والی عورت کسی لڑکا یا لڑکی کو جنے پھر وہ بڑے ہو کر اس عورت کے رحم کو کرایہ پر لے لیں اور وہ عورت ان کے لئے کوئی بچہ جنے۔

اوپر جو صورت ذکر کی گئی ہے حدیث کے لفظ "أن تلد الأمة ربتها أو ربها" پر پورے طور سے منطبق ہو رہی ہے "الأمة" اس جگہ "المستأجَرۃ" (جیم کے فتح کے ساتھ) کے معنی میں ہے کیونکہ استرقاق کی وہ صورت جو سابقہ صدیوں میں معروف تھی اب ختم ہو چکی ہے اور اجیر عبد ہی کے منزلہ میں سمجھا جاتا ہے جب تک کہ وہ اس کام کو اچھی طرح سے انجام نہ دے دے جس پر اس نے اجرت لی ہے۔

یہ بات میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ اکثر روایتوں میں ربتها (تانیث کے ساتھ) آیا ہوا ہے اور محدثین کے قواعد کی رو سے ارجح یہی ہے اور یہی اس اعجاز کے جس کا ذکر کیا گیا زیادہ قریب بھی ہے کیونکہ "ربها" یعنی نر بیٹے کا ماں سے استیلاد خواہ وہ لونڈی ہو یا آزاد جائز اور ناجائز دونوں طریقوں سے ممکن ہے جیسا کہ شارحین نے اوپر کی تفسیروں میں ذکر کیا ہے اس کے برخلاف مؤنث کے لئے کسی دوسری مؤنث سے استیلاد مصنوعی تلقیح (جیسا کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی میں ہوتا ہے خواہ ماں کے رحم کو کسی عوض کے بدلہ کرایہ پر لے کر ہو یا بغیر عوض کے) کے بغیر ممکن نہیں۔ اور "الأم" کے بجائے "الأمة" کے لفظ کے استعمال میں ایک دوسرا اعجاز بھی ہے کیونکہ کرایہ پر لی گئی بچہ دانی والی عورت مذکورہ صورت میں ان معاشروں میں جو اس کے عادی ہیں مولود بچہ کی ماں نہیں سمجھی جاتی بلکہ بچہ اپنی اس مستاجِرہ (جیم کے کسرہ کے ساتھ) ماں ہی کی جانب منسوب کیا جاتا ہے جس کے بیضوں کے ساتھ تلقیح کا عمل انجام پایا ہے۔

ان تمام صورتوں میں جن کا ذکر شارحین نے اس سے قبل کیا ہے لونڈی مولود بچہ کی حقیقی ماں ہوتی ہے باپ خواہ کوئی بھی ہو لہٰذا ممکن تھا کہ کہا جائے "أن تلد الأم ربتها أو ربها" لیکن میرے علم کی حد تک یہ کسی بھی صحیح یا ضعیف روایت میں وارد نہیں البتہ ایک روایت میں المرأة کا لفظ آیا ہوا ہے جو آزاد اور لونڈی سب کو عام ہے تاہم اس کا امکان ہے کہ بعض رُواۃ حدیث نے اسے بالمعنی روایت کیا ہو۔

یہاں ایک بات رہ گئی ہے جسے میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی حلّت وحرمت پر گفتگو میرا مقصود نہیں یہ ایک الگ موضوع ہے جس پر مختلف فقہی مجالس میں علماء بحث وتحقیق میں لگے ہوئے ہیں جن میں رابطہ عالم اسلامی کی "مجمع الفقہی الاسلامی" بھی شامل ہے۔

جو چیزیں قیامت کے اشراط میں ذکر کی جاتی ہیں وہ سب کی سب حرام ومذموم نہیں امام نووی فرماتے ہیں۔

ليس كل ما أخبر صلى الله عليه وسلم بكونه من علامات الساعة يكون محرّماً أو مذموماً فإن تطاول الرعاء في البنيان

(بقیہ صفحہ پر)

ابوصادق عاشق علی اثری

حقوقِ والدین

(۷)

اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کام:

عزیز بچو! ایک وقت وہ تھا جب شمع رسالت کے پروانے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نیکیوں کے حصول کے لئے نئے نئے راستے معلوم کرتے تھے۔ کوئی پوچھتا اے اللہ کے رسول! کوئی ایسا عمل بتایئے جو جنت میں پہونچانے والا ہو' کوئی سوال کرتا اے پیارے نبی! کوئی ایسا کام بتایئے جس سے اللہ تعالی راضی ہوجائے' کوئی دریافت کرتا اے نبی کریم! کوئی ایسا عمل بتایئے جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو' کوئی غریب ومفلس حاضر خدمت ہوکر عرض کرتا "یا رسول اللّٰہ! قد ذھب أھل الدثور بالدرجات العلیٰ والنعیم المقیم" اے اللہ کے رسول! مالدار لوگوں نے تو اونچے درجات اور دائمی نعمتیں لے لیں کیونکہ جیسے ہم صلوٰۃ پڑھتے ہیں ویسے وہ لوگ بھی پڑھتے ہیں' جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں ویسے وہ بھی رکھتے ہیں لیکن وہ صدقہ وخیرات کرتے ہیں ہم نہیں کرپاتے ہیں۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم میں اس کی طاقت ووسعت نہیں ہے۔ پھر آپ نیکیوں کے تمام متلاشیوں کو آخرت سنوارنے کا نسخہ بتاتے اور وہ اسے لے کر شاداں وفرحاں واپس جاتے اور اس پر عمل پیرا ہوکر اپنی دنیا وآخرت کو بنانے میں لگ جاتے۔

غرضیکہ ان کا مقصد حیات حصول زر وجواہر اور لعل وگہر نہیں بلکہ حصول دین تھا۔ مرد وزن' خرد وکلاں سب شب وروز اسی فکر میں رہتے تھے کہ کون سا راستہ اختیار کریں جس سے آخرت بن جائے۔ انھیں اسلاف کے ہم ناخلف لوگ ہیں جن کو نہ آخرت کی کوئی فکر ہے نہ رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ اور شوق۔

آیئے ہم بھی اللہ کے محبوب اور پسندیدہ کام دیکھیں جس پر چل کر ہم بھی اللہ کے محبوب بن سکتے ہیں۔ اور دنیا وآخرت دونوں میں سُرخرو اور کامیاب وکامراں ہوسکتے ہیں۔ سنئے:

- عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

سألت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أیّ العمل أحبّ إلی اللّٰہ؟ قال: الصلاۃ علیٰ وقتھا، قال ثم أیّ؟ قال: برّ الوالدین، قال: ثم أیّ؟ قال: الجھاد فی سبیل اللّٰہ۔[1]

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ کو سب سے محبوب اور پسندیدہ عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا وقت پر صلوٰۃ پڑھنا' میں نے پوچھا پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا ماں باپ کی خدمت واطاعت کرنا' میں نے پوچھا پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

- انھیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

سألت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أیّ العمل أفضل؟ قال: الصلاۃ لوقتھا، قال قلت ثم أیّ؟ قال: برّ الوالدین، قال قلت ثم أیّ؟ قال

---

[1] صحیح بخاری مواقیت الصلاۃ ۹ باب فضل الصلاۃ لوقتہا ۵ ح ۵۲۷' الأدب ۷۸ باب البرّ والصلۃ ۱ ح ۵۹۷۰' صحیح مسلم الایمان ۱ باب بیان کون الایمان باللہ أفضل الأعمال ۳۶ ح ۱۳۹' جامع ترمذی البرّ والصلۃ باب ماجاء فی برّ الوالدین ۳ ح ۱۸۹۸' سنن نسائی المواقیت باب فضل الصلاۃ لمواقیتہا ۵۱

الجهاد في سبیل الله۔[1]

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا وقت پر صلوٰۃ پڑھنا' انہوں نے کہا کہ میں نے پوچھا پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا والدین کے ساتھ حُسن سلوک کرنا' انہوں نے کہا کہ میں نے دریافت کیا پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

● انہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا:

قلت: نبیّ الله! ایّ الأعمال أقرب إلی الجنّة قال: الصلاة علیٰ مواقیتها، قلت: وماذا یانبیّ الله! قال برّ الوالدین، قلت: وماذا یا نبیّ الله ! قال: الجهاد في سبیل الله۔[2]

میں نے کہا اے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا عمل جنت سے زیادہ قریب ہے؟ (یعنی کونسا عمل ایسا ہے جس کے کرنے سے آدمی جنت سے زیادہ قریب ہو سکتا ہے) آپ نے فرمایا وقت پر صلوٰۃ پڑھنا' میں نے کہا اس کے بعد کونسا عمل؟ آپ نے فرمایا والدین کے ساتھ حُسن سلوک کرنا' میں نے کہا اس کے بعد کونسا عمل؟ آپ نے فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

● عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

أفضل الأعمال أو العمل الصلاة لوقتها، وبرّ الوالدین۔[3]

سب سے افضل عمل وقت پر صلوٰۃ پڑھنا اور والدین کی خدمت کرنا ہے۔

● انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أفضل الأعمال الصلوٰة لوقتها، وبرّ الوالدین، والجهاد في سبیل الله۔[4]

سب سے افضل عمل وقت پر صلوٰۃ پڑھنا اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

● قبیلۂ خثعم کے ایک شخص سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

أحب الأعمال إلی الله إیمان بالله، ثم صلة الرحم، ثم الأمر بالمعروف والنهي عن المنکر، وأبغض الأعمال إلی الله الإشراك بالله، ثم قطیعة الرحم۔[5]

اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل اللہ پر ایمان لانا ہے' پھر صلہ رحمی کرنا ہے' پھر بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے۔ اور اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ کام اللہ کے ساتھ شرک کرنا' پھر رشتے ناطے کو کاٹنا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ جو کام اللہ رب العالمین کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہیں' ہم انہیں سے غفلت برتتے ہیں نہ تو صلوٰۃ کی پابندی ہے' نہ ہی ماں باپ کی خدمت واطاعت ہے اور نہ شوق جہاد ہی ہے لیکن اس کے باوجود ہم اللہ کے محبوب ہونے اور اس کے انعام واکرام کے مستحق ہونے کی امید رکھتے ہیں۔ یاد رکھئے جب تک ہم وہ کام نہیں کریں گے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں تب تک اللہ کے محبوب نہیں ہو سکتے اور عیش وعشرت کی زندگی اور عزت وناموری حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ افضل یا محبوب ترین عمل وقت پر صلوٰۃ ادا کرنا' پھر والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا' پھر اللہ کی را

۱۔ صحیح مسلم الإیمان باب کون الإیمان باللہ أفضل الأعمال ۳۶ ح ۱۳۷
۲۔ صحیح مسلم الإیمان باب بیان کون الإیمان باللہ أفضل الأعمال ۳۶ ح ۱۳۸
۳۔ صحیح مسلم الإیمان باب ۳۶ ح ۱۳۰
۴۔ صحیح الجامع ۱۰۹۵
۵۔ صحیح الجامع ۱۶۶

میں جہاد کرنا ہے۔ لیکن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں افضل ترین عمل ایمان باللہ، پھر جہاد، پھر حج کو قرار دیا گیا ہے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایمان باللہ اور جہاد کو افضل عمل کہا گیا ہے۔ اس سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی قسم کے سوال کا آپ نے مختلف جواب کیونکر دیا ہے؟

اس کے درج ذیل جوابات ہیں:

● سوال کرنے والوں کے احوال کے اعتبار سے آپ نے لوگوں کو مختلف جوابات دئے ہیں۔ یعنی آپ نے ایک شخص کو ایسا جواب دیا جس کی اسے زیادہ ضرورت تھی اور دوسرے کو آپ نے اسی سوال کا وہ جواب دیا جس کی اس کو رغبت تھی اور ایک شخص کو آپ نے ایسا جواب دیا جو اس کے لئے زیادہ موزوں اور مناسب تھا۔

● زمانہ اور وقت کے لحاظ سے آپ نے ایک ہی سوال کا مختلف جواب دیا ہے۔ اس لئے کہ بعض اوقات میں بعض اعمال کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے اور وقت گذر جانے کے بعد اس کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔

● آپ کے جواب میں "أفضل یا أحب" وغیرہ کا صیغہ اپنے اصلی باب اور معنی میں نہیں مستعمل ہے جس سے اشکال پیدا ہوتا ہے بلکہ یہ مطلق فضیلت کے معنی میں ہے یا أفضل الأعمال کو من أفضل الأعمال کے معنی میں لیا جائے۔ یعنی افضل عمل میں سے فلاں ہے اور فلاں ہے ایسی صورت میں اشکال نہیں پیدا ہوتا ہے۔

رضائے الٰہی رضائے والدین میں ہے:

ماں باپ کا مرتبہ اتنا اونچا اور ان کا مقام اتنا اعلیٰ وارفع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی اور خوشنودی ان کی رضامندی پر موقوف رکھی ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہوتا ہے:

● عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رضى الرب في رضى الوالد، و سخط الرب في سخط الوالد۔[1]

پروردگار کائنات کی رضامندی باپ کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔

یہاں "والد" کا لفظ ماں اور باپ دونوں کو شامل ہے کیونکہ اولاد کے وجود میں بحکم الٰہی ماں اور باپ دونوں شامل ہیں۔ اور درج ذیل حدیث میں اس کی تفسیر صراحت کے ساتھ وارد ہے

● عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رِضا الرب في رِضا الوالدين، وسخطه في سخطهما۔[2]

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ماں باپ کی خوشنودی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی ان دونوں کی ناراضگی میں ہے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس نے ماں باپ کی خدمت واطاعت اور ان کی فرمانبرداری اور دلجوئی کرکے ان کو خوش کیا اس نے در حقیقت اللہ کی فرمانبرداری کی اور اس کو خوش کیا، اور جس نے ماں باپ کی نافرمانی کی اور ان کو ناخوش کیا تو در اصل اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس کو ناخوش کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان کی خدمت واطاعت اور رضاجوئی کا حکم دیا ہے۔ اور ان کی نافرمانی اور دل شکنی سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا اگر والدین کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تسلیم کیا جائے گا تو وہ راضی اور خوش ہوگا اور اگر اس کا حکم پس پشت ڈال دیا جائے گا تو وہ غضبناک اور ناخوش ہوگا۔ پس رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ماں باپ کو خوش رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق بخشے۔ آمین۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

الدين لأهل الحديث والكلام والحيل لأهل الرأي والكذب للرافضة۔

(المنتقى من منهاج الاعتدال ص ۴۸۰)

یعنی دین اسلام کے حامل وعامل اہلحدیث ہیں اور کلام (باتیں بنانا) اور حیلہ بازی کرنا اہل الرآی کے لیے ہے اور جھوٹ رافضیوں کے لیے ہے۔

---

[1] جامع ترمذی البر والصلۃ باب ۳ ما جاء فی الفضل فی رضا الوالدین ح ۱۸۹۹، صحیح الجامع ۳۵۰

[2] صحیح الجامع ۳۵۰۷

مجلہ "البیان" لندن

ترجمانی: ابوفوزان مدنی

کرد قوم، دشمنوں کی سازشوں اور دوستوں کی ستم رانیوں کے نرغہ میں

فلسطینیوں کے بعد دنیا کی کسی قوم کو کرد مسلم قوم کی طرح، ظلم وستم، جور واستبداد، مصائب وآلام اور پامالی حقوق کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہے۔ اس مسئلہ کا قائل بلکہ اس مظلوم ومقہور قوم کا زبردست الیہ جیسا کہ حکمت عملی مرتب کرنے والے مغربی ماہرین کا خیال ہے، خطہ میں نازک مسائل کی میز پر موضوع بحث وتمحیص بنا ہوا ہے۔

متعدد اسباب کی بنا پر اس مسئلہ میں آئندہ چند سالوں کے دوران باہمی توانائیاں اور مختلف تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں۔

ان اسباب کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ انسانی حقوق کے مسائل اور دنیا میں اقلیتوں کے مشکلات کو کافی اہمیت حاصل ہو چکی ہے۔

۲۔ کردوں کی جانب سے "عرب اسرائیل معاہدہ" اور جنوبی افریقہ میں "سفید فام وسیاہ فام کشمکش" کے خاتمہ کے طرز پر کسی تاریخی حل کا مطالبہ۔

۳۔ کردوں میں شعور کا اضافہ اور ترکی، عراق اور ایران میں ان کا سیاسی قوت کے طور پر ابھرنا۔

۴۔ خطہ میں اہمیت کا حامل فراغ موجود ہے مغرب کو اندیشہ ہے کہ اسلامی بنیاد پرستی سے اس خلا کو پُر نہ کر دیا جائے۔

۵۔ اس صورت حال سے مغرب فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اس کی کوشش ہے کہ شمالی عراق میں کردوں کے لئے پُرامن خطہ کی داغ بیل ڈال دی جائے۔ یہی اس خطہ میں دائمی کشمکش کو مزید کشیدہ بنانے کی جانب پہلا قدم ہوگا۔

اس مقالہ میں اس مسلم قوم کی تاریخ، اس کے مسائل ومشکلات مع اسباب، اس کے خلاف سازش اور اس قوم کے مسئلہ کے پائدار حل پر مختصر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

کردستان کا جغرافیہ اور تاریخ

کردستان ایک وسیع علاقہ ہے جس کا رقبہ پانچ لاکھ کلومیٹر مربع ہے۔ کردوں کی آبادی ڈھائی کروڑ سے لے کر تین کروڑ کے درمیان ہے۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی قوم ہے جو اپنی ہی سرزمین پر قیادت وسیادت سے محروم ہے اور ان کا اپنے ملک کی ایڈمنسٹریشن میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ قوم پانچ مختلف ممالک میں منقسم ہے۔ ترکی میں ان کی آبادی ایک کروڑ ہے، عراق میں تقریباً ایک کروڑ، سوریا (شام) میں دس لاکھ اور ایران میں تقریباً نصف کروڑ آباد ہیں۔ کرد وہ قوم ہے جس نے صحابی رسول عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ۱۸ھ میں اپنا ملک فتح ہونے کے بعد اسلام قبول کیا۔ جب قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ۲۱ھ میں جنوبی کردستان میں واقع قلعہ "حلوان" کو فتح کیا تو یہ قوم اسلام میں جوق در جوق داخل ہوئی۔

عرب قوم پرستی اور ترک قوم پرستی کے جذباتی نعروں کے دلدل میں بھی یہ قوم اسلامی سلطنت کی حامی ومؤید رہی یہاں تک کہ اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد بھی انھوں نے اپنی حمایت جاری رکھی۔

تاریخ اسلام کے اہم وقائع وحوادث میں کردوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا انھوں نے سلطنت عباسیہ کے قیام میں عباسیوں کی مدد کی اور بطل جلیل صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں مصر میں دوبارہ عباسی سلطنت کے قیام میں بھرپور حمایت کی۔ خلافت عباسیہ وخلافت عثمانیہ کے زیرسایہ ان کی خودمختار حکومتیں قائم ہوئیں ان میں اہم حکومتیں یہ تھیں۔ تبریز میں "راودی حکومت" (۳۶۰-۶۱۸ھ)، آران میں "شدادی حکومت" (۳۴۰-۴۶۵ھ)، دیاربکر میں "دوستکی حکومت" اور مصر وشام میں "ایوبی حکومت"۔

کردوں میں متعدد نابغۂ روزگار عالم پیدا ہوئے جنھوں نے اسلامی فکروتہذیب پر اپنا اثر چھوڑا۔ مثلاً ابن خلکان، ابن الأثیر الجزری صاحب النہایہ، ابن الأثیر صاحب الکامل فی التاریخ، ابن الأثیر الأدیب، ابن حاجب، حافظ عمرو بن الصلاح اور حافظ عراقی وغیرہم۔ ان کے معاصر علماء ودُعاۃ میں امجد الزہاوی، ڈاکٹر علی محی الدین القرہ داغی، ڈاکٹر مصطفیٰ مسلم، شیخ علی عبدالعزیز اور ڈاکٹر حمدی السلفی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

کردالمیہ کا آغاز اور تحریک مزاحمت:

"معاہدۂ سایکس بیکو" کے مطابق ۱۹۱۹ء میں مسئلہ کردستان معرض وجود میں آیا جب کہ ان کے علاقوں کو پانچ مختلف ممالک میں بانٹ دیا گیا جیسا کہ پہلے اس کا ذکر آچکا ہے۔ ایسا اس وقت ہوا جب استعماری قوتوں کو معلوم ہوا کہ یہ مسلم قوم ان کے ساتھ مکمل ہم آہنگی سے انکار اور ان کی موافقت نہ کرنے پر مصر ہے۔ اسی وجہ سے اس قوم کو حکام کی جانب سے نسلی امتیاز، وحشیانہ قتل وغارتگری اور مکمل ہلاکت آفریں حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔

جب بھی ان کی جانب سے مزاحمت ومقابلہ آرائی کی کوشش کی گئی تو ان کا خطہ جہالت وپسماندگی کی آماجگاہ اور وضعی قوانین کی تنفیذ کا میدان قرار پایا۔ جس کے نتیجہ میں کردستان کے مختلف حصوں میں عوامی انقلابات رونما ہوئے۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں ترکی کے اندر شیخ "سعید بیران" کی بغاوت کا ظہور ہوا، دوسرا انقلاب ۱۹۲۷ء-۱۹۳۰ء میں ظاہر ہوا جس کی قیادت جنرل "احسان نوری پاشا" نے کی۔

اسی طرح تیسرا انقلاب ۱۹۳۷ء میں صوبہ دسیم میں رونما ہوا، یہ انقلابات ان تحریکات مزاحمت کی علاوہ ہیں جو اس وقت سے اب تک برابر جاری ہیں جن پر خالص قومیت کا رجحان غالب رہا ہے۔ جس وقت ایران کے اندر کردوں کی "مہاباد" حکومت ۱۹۴۶ء میں قائم ہوئی۔ اس وقت شاہ ایران نے روسیوں سے سازباز کی اور خفیہ منصوبہ تیار کیا اور دونوں کی ملی بھگت سے ۱۹۴۷ء میں اس حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء کے دوران عراق میں "شیخ محمود الحفید" کی بغاوت کے آغاز سے تینوں برزانی انقلابات سمیت جن میں آخری انقلاب ۱۹۶۱ء سے لے کر ۱۹۷۵ء کے مابین ظاہر ہوا جو شاہ ایران پہلوی اور شاہ عراق صدام کے درمیان معاہدۂ جزائر کے بعد فرو ہوا۔ ابھی تک کردوں کا انقلاب اور ان کی تحریک مزاحمت برابر جاری ہے۔ جس کو زہریلی کیمیاوی گیس نے تقریباً ختم کردیا۔ جس میں ہزاروں عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کی جانیں ضائع ہوئیں اور کرد عوام اب تک طاغوت عراق صدام حسین کی قہرمانیوں اور ستم رانیوں کے شکار ہیں۔

مغرب کی کرد مخالف سازش کیوں؟

کرد علماء اور دانشور اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ان کی قوم بین الاقوامی سازش کی شکار ہے۔ جس کے نتیجہ میں مغرب کی استعماری طاقتوں نے ان کو علیٰحدہ علیٰحدہ خطوں میں تقسیم کردیا ہے یہی تقسیم ان کے المیہ کا سب سے اہم مظہر ہے۔ شیخ "القرہ داغی" کا کہنا ہے کہ یہ تقسیم کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ سوچے سمجھے استعماری منصوبہ کا ایک حصہ ہے۔ جس کے اہداف ومقاصد درج ذیل ہیں۔

۱۔ صلاح الدین ایوبی کی اولاد سے انتقام لینا جنھوں نے معرکہ "حطین" میں صلیبی جنگجوؤں کو ذلت آمیز شکست دی تھی۔

۲۔ صلیبی صلاح الدین ایوبی کو نہیں بھولے ہیں ایک موقعہ پر صلیبی کمانڈر نے ایوبی کی قبر کو پاؤں سے روندتے ہوئے کہا تھا کہ "ہا نحن عدنا یا صلاح الدین" صلاح الدین! ہم واپس آچکے ہیں۔

۳۔ اس قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس کے ایک ایک ٹکڑے کو مختلف ممالک کے حوالے کردینا تاکہ یہ خطہ دائمی کشمکش کی آماجگاہ بنا رہے۔

کردوں کو متعدد خوں ریز اور ہلاکت آفریں جنگوں کا سامنا کرنا پڑا، ان پر بین الاقوامی سطح پر ممنوع الاستعمال ہتھیاروں کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔ ان میں سب سے مشہور "حلبچہ" کا قتل عام ہے۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ بہت سے عرب ممالک نے اس ظلم وتعدی پر

ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عالمی توجہ مبذول نہ کرا کے اس قوم کو نیست و نابود کرنے میں مدد کی ہے۔

پھر اچانک جنگ خلیج دوم (عراق کویت جنگ) کے بعد کرد مسئلہ کو پھر اہمیت حاصل ہوئی۔ اور متعدد باحثین و محققین اور جرنلسٹوں نے اس مسئلہ پر کھل کر اظہار رائے کیا اور تحقیق و مطالعہ کا موضوع بنایا۔ ذرائع ابلاغ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات نے اس قوم پر ٹوٹنے والے آلام و مصائب کو عام کرنا شروع کیا، کرد عوام کی تاریخ، ان کے اسلامی کردار، ان کے اوپر ظالموں کے ظلم و استبداد کے بارے میں متعدد کتب و رسائل شائع ہوئے جب کہ اب تک ان پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ کافی خرابیوں کے بعد ہوا سے

ولے بعد از خرابی بسیار

المیہ جاری ہے

"معاہدۂ جزائر" جس کا ذکر اوپر آچکا ہے میں عراق کی جانب سے کردوں کی سلامتی اور خود مختاری کی ضمانت فراہم کی گئی تھی۔ لیکن امن و سلامتی کے بجائے انھیں مزید ستم رانیوں کا سامنا کرنا پڑا عراق کویت جنگ کے بعد ان کے غم والم میں مزید شدّت آگئی، وہ آج بھی محرومی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ سیاسی و سماجی دائرہ ان پر تنگ کر دیا گیا۔ انھیں ان کے علاقوں سے ہجرت پر مجبور کیا گیا۔ یہ ان پر شدید محاصرہ قائم کرنے اور جسمانی طور پر مکمل صفایا کرنے کی تمہید تھی۔ ان اندوہناک واقعات اور داستانہائے غم والم کے باوجود عالمی ضمیر اقوام متحدہ اور اس کی تنظیموں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ کردوں کو ان کے گھروں سے نکالا گیا وہ ترکی اور ایران میں پناہ گزیں ہیں جہاں انہیں بھکمری، شدید ٹھنڈک اور ہلاکت و بربادی کا سامنا ہے۔

کردوں کی آخری شورش کی ناکامی کے اسباب

کردوں نے ایک طویل وقفہ اور مغرب کی ظاہری حوصلہ افزائی کے بعد پچھلے دنوں طاغوت عراق کی حکومت کے خلاف بغاوت کا نعرہ بلند کیا لیکن درج ذیل اسباب کی بنا پر ان کی یہ شورش ناکام ہو گئی۔

۱۔ کرد جنگجو ان بھاری ہتھیاروں کے استعمال سے ناواقف تھے جو انھوں نے عراقی فوج سے چھین کر اپنے قبضہ میں لئے تھے۔

۲۔ ٹینکوں کے ایندھن کی کمی اور جنگجوؤں کے لئے ہتھیاروں کی ناقص سپلائی۔

۳۔ قیادت، کنٹرول اور کمانڈروں کے مابین رابطہ واتصال کی کمزوریاں اور جو وسائل میسر تھے ان کی عدم کارکردگی۔

۴۔ شہری جنگ میں ان کی ناکامی اس لئے کہ وہ گوریلا جنگ کے عادی تھے۔

۵۔ ان کی امداد و تعاون میں مغرب کا تردد اس لیے کہ ان کو اندیشہ تھا کہ کردوں کی ایسی کوئی حکومت نہ قائم ہو جائے جس کے دور رس اثرات و نتائج بر آمد ہوں جو انھیں بہر حال ناپسند تھا۔

۶۔ ان کی تحریک پر قوم پرستی کا نظریہ غالب تھا جو بجائے خود ایک لعنت ہے۔

قابل افسوس امر یہ ہے کہ ہزاروں کرد تارکین وطن نصرانیت کی بہت سی جمعیتوں اور تنظیموں کے حملوں کا شکار ہیں۔ چند "عوامی رفاہی تنظیموں" کی معمولی کوششوں کے علاوہ اس جانب مسلمانوں کا کوئی قابل ذکر کردار نہیں ہے۔

تنظیم انسانی حقوق کے جنرل سکریٹری نے اپنے دورۂ پاکستان کے موقعہ پر اسلام آباد میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے "دیار بکر" کے ترکی کیمپوں کا دورہ کیا تو محسوس ہوا کہ تارکین وطن کے لئے پیش کی جانے والی امداد بالکل محدود اور ان کی لازمی ضروریات زندگی کے لئے قطعی ناکافی ہے۔ خاص طور پر سردی اور برفباری کے موسم میں۔ چنانچہ تارکین وطن پناہ گزینوں میں ایک خاندان کے لئے خواہ ان کی تعداد کچھ بھی ہو صرف ایک خیمہ اور بعض ناکافی بستر ہی فراہم کئے گئے ہیں جبکہ غذا اور دواؤں کی شدید قلّت ہے تارکین وطن نے مندوب کے سامنے اپنے اندوہناک واقعہ کا ذکر کیا کہ کس طرح ان پر ہوائی جہازوں کے ذریعہ زہریلی گیسوں سے حملہ کیا گیا جس کی بنا پر انھیں یقینی موت کے منہ سے اپنے مُردوں، زخمیوں اور جائداد و زمین چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا۔

مصیبت زدگان کے لئے امداد رسانی کی سہولت بہم پہنچانے کے حکومت ترکی کے وعدہ کے بعد تنظیم انسانی حقوق نے فوری امداد پیش کی۔ لیکن یہ المیہ اب بھی جاری ہے کردوں کی پریشاں حالی کا سلسلہ قائم ہے انھیں ان کی امن و سلامتی کی بین الاقوامی حمایت تو حاصل ہے۔ مگر ساتھ ہی حاکم عراق کی جانب سے وقتاً فوقتاً ان پر حملہ کر کے ان کو مزید نقصان بھی پہنچایا جاتا ہے جس کی مخالفت ہوتی رہتی ہے، ان کی اقتصادی و معاشرتی مشکلات بے شمار ہیں۔

امداد وتعاون بھی اپنا حقیقی کردار اسی وقت صحیح طور پر ادا کر سکتے ہیں جب اس قوم کے خوفناک واندوہناک واقعات کو پیش نظر رکھا جائے جن میں بہت سے واقعات تجاہل برتنے اور ان پر پردہ ڈالنے کی کوششوں کے باوجود خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ منظر عام پر آچکے ہیں۔ خاص طور پر ترکی حکومت کی نقل وحرکت اور اس کے نتیجہ میں کردوں پر ظالمانہ سلوک اور شدید دباؤ اور انھیں انسانی حقوق سے محروم کرنے کے بعد نیز "حکومت ترکی" اور "کرد لیبر پارٹی" کے مابین کشمکش کے بعد اس مظلوم ومقہور قوم کی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہوا۔

سیادت سیکولر لیڈروں کے ہاتھ میں کیوں؟

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ غیر مذہبی کرد ہی طاقتور اور بااختیار ہیں' اس لئے کہ اس صدی کے آغاز سے ہی کرد قوم بھی دیگر اسلامی اور عربی قوم وملت کی طرح صحیح اور خالص اسلام سے ناواقف اور فکری واعتقادی یلغار سے دوچار ہے۔ چنانچہ ان کے اندر بکثرت باطل نظریات کو فروغ حاصل ہوا جن میں سرفہرست سیکولر پارٹیاں' قوم پرستانہ نظریات' متصوفانہ نقطہائے نظر ہیں۔ جنھوں نے دین کو زندگی سے الگ تھلگ کردیا ہے۔ جن کے رسوم ورواج کا اس قوم کی حالت اور اس کی ترقی کی ضروریات سے بالکل تعلق نہ تھا۔

لادینی نظریات کے اسباب

وہ ممالک جہاں کردوں کی بودوباش ہے ان کا قیام قومی نظریات پر ہے۔ عراق اور ترکی اس کی واضح مثالیں ہیں۔ اس ماحول سے متاثر ہوکر انھوں نے "کرد قومیت" کا نعرہ لگایا۔ واضح رہے کہ کردوں نے تمام اقوام میں سب سے آخر میں قومیت کا نعرہ بلند کیا ان کی انقلابی کوششیں اس صدی کی دوسری دہائی تک نعرۂ اسلام پر مرکوز تھیں جیسا کہ "شیخ محمود الحفید" کے انقلاب وبغاوت میں یہ فکر نمایاں تھی۔

۱۔ حکومتوں نے ان پر ظلم کی انتہا کردی ان کے حقوق غصب کئے ان کی حرمتوں کو پامال کیا بنابریں یہ ہمیشہ شورش وغضب میں مبتلا رہے اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قوم پرست عناصر ابھر کر سامنے آئے اور انھوں نے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کے ساتھ اس قوم کو نجات دلانے کے دعوے کے عنوان سے دلفریب ودلکش نعرے لگائے اس طرح کردوں کی جانب سے ہی غیر مذہبی لیڈروں کی قوم پرستی در آئی۔ جبکہ عوام ان کی اصلیت اور ان کے فکری انحرافات سے ناواقف تھے۔

۲۔ قوم پرست پارٹیوں کو مشرق ومغرب سے بھاری بھرکم امداد ملتی رہی جب کہ اسلام پسندوں کو کچھ نہیں ملتا تھا ان کی محدود کوششوں کا دارومدار ان کے اپنے انتہائی معمولی وکمزور وسائل پر ہوتا ہے۔

۳۔ مغرب ومشرق کے ذرائع ابلاغ نے غیر مذہبی لیڈروں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ان پر بھرپور نظر عنایت کی اور ان کی ہر ممکن امداد کی۔

۴۔ اسلامی تحریکوں نے کردستان پر اپنی بھرپور توجہ مرکوز نہیں کی اور اس کے تئیں عرب ممالک اور حکومت ترکی نے اپنی پوری ذمہ داری نہیں ادا کی۔ اس لئے وہاں اسلامی جماعت کے مخصوص تشخص کے قیام میں کافی تاخیر ہوئی۔

۵۔ قومی نظریات کے احیاء کے ذریعہ عربوں اور ترکوں کے درمیان اختلاف اور کشیدگی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

کرد اسلامی تحریک

کرد علماء اور دانشوروں نے اپنی قوم کی حقیقی صورت حال' اور سیکولر لیڈروں کی موقع سے فائدہ اٹھانے والی ذہنیت کو محسوس کیا اس کے بعد قابل قدر دعوتی جدوجہد کا آغاز ہوا اور اسلامی تحریکات کا قیام عمل میں آیا ان میں "پارتیا اسلامی کردستان" کی بنیاد ۱۴۰۰ھ میں پڑی مؤسسین نے اپنے اسلامی منشور کا اعلان "یاشباب کردستان اتحدوا" (کرد نوجوانو! متحد ہوجاؤ) کے عنوان سے کیا ان کی دعوت یہ تھی کہ اسلام کو اپناؤ اور اس پر متحد ہوجاؤ اور ہماری حقیقی غرض وغایت استعماری قوتوں اور اس کے انصار واعوان پر کاری وار کرنا ہے۔

اس تحریک کی طرف سے ایک مجلہ شائع ہوتا ہے جو تحریک کا ترجمان ہے' مجلہ کا شعار "اللہ ربنا والاسلام دیننا ومحمد نبینا" ہے۔ یہ اپنے نظریات میں کردوں کی واقعی صورت حال سے اسلامی تصور کے مطابق' قومیت ونسل پرستی سے کنارہ کش ہوکر رہنمائی حاصل کرتی ہے۔ کرد معاشرہ میں رائج متصوفانہ نظریات وطرق مثلاً طریقۂ نقشبندیہ اور طریقۂ قادریہ وغیرہ کے باوجود حق وباطل میں تمیز کی صلاحیت رکھنے والے علماء دین ان تصوفانہ طرق ونظریات سے دوری اختیار کرتے ہوئے صحیح وخالص اسلام کے داعی ومناد ہیں۔ یہ علم وذرائع ابلاغ کے میدان میں نمایاں جدوجہد میں مصروف کار ہیں انھوں نے کئی اسلامی رسائل ومجلات کی بنیاد رکھی۔ مثلاً

ندا الحق: زیر نگرانی شیخ علی القرہ دانی۔
حلبجہ : ایڈیٹر استاذ محسن جوار۔
- جودی: اسلامی تحریک کا ترجمان۔

میری نظر میں کرد علماءِ اسلام کو کرد قوم کے متعلق مزید شعور بیداری سے کام لینا ہوگا۔ ان میں اسلام سے جہالت و نادانی خاص طور ان میں پھیلے غلط و باطل عقائد و نظریات مثلاً یزیدیت' علویت اور تصوف کو مٹانے کے لئے سخت جدوجہد کرنی ہوگی۔ اس مسئلہ کے نام پر ہی فوائد حاصل کرنے والے غیرمذہبی اور قوم پرست لیڈروں کو بے نقاب کرنا ہوگا۔ جو اسلام پسندوں میں عیب لگاتے اور اپنی دروغ بافی اور سرکشی کی بنا پر انھیں انتہا پسند اور دہشت گرد کہتے ہیں۔ اس کی واضح مثال "بیلکات حکیم" نامی کرد نامہ نگار ہے جس نے پوری بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ کہا کہ: "کوئی کرد بستی نہیں ہے جہاں کے باشندے یہ سمجھتے ہوں کہ کسی سیاسی اسلامی پارٹی کا وجود بھی ہے" (روزنامہ حیات شمارہ ۳۲۵)

اللہ کا شکر ہے کردوں کی اکثریت سنّی ہے ان کی شجاعت سخاوت مشہور ہے' انھیں اسلام سے محبت اور اس پر ناز ہے قدیم زمانے سے اب تک اسلامی شعائر کا احترام کرنے والے ہیں۔

اگر خالص اسلام کا وجود ہو تو کرد صفوں میں "برزانی اور "طالبانی" جیسے لوگ قیادت و سیادت کی طمع ہرگز نہیں کرسکتے۔ اس سے پہلے قیاصرہ اور روسیوں نے اس قوم سے سیاسی فائدہ اٹھانے اور عثمانیوں کے خلاف ان سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ان کی کوششیں ناکام ہوگئیں تھیں۔ صحیح اسلام کے پس منظر میں چلے جانے کی وجہ سے ہی باطل پرست اور نااہل لوگ منصب قیادت وزعامت پر قابض ہوگئے ہیں۔ کیا یہ بات باعث شرم و عار نہیں کہ کمیونسٹ' سیکولر لیڈران' اور یہود و نصاریٰ' ہمارے ان کرد بھائیوں کی قیادت کی باگ ڈور سنبھالنے میں ہم سے سبقت لے جائیں جو کرد اپنی طویل تاریخ میں مسلمان بن کے اسلام کی خاطر جیتے رہے۔

— کرد حلقوں میں اسلامی دعوت کے علم بردار کہاں ہیں؟
— اسلامی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں کرد طلبہ کہاں ہیں؟
— وہ کتابیں' رسائل' مجلات اور اخبارات کہاں ہیں جو ان کی زبان میں شائع ہوں تاکہ وہ ان سے کماحقہ فائدہ اٹھاسکیں۔
— ان رفاہی تنظیموں کے قیام کی کوششیں کہاں ہیں جو ان پر پوری توجہ صرف کریں اور "تنصیری رفاہی تنظیموں" کے بجائے وہی ان کے مسائل زندگی کے حل میں ان کی پوری مدد کریں۔

کاش مسلم دُعاۃ و مبلغین موقع کی نزاکت و اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے اپنے بھائیوں کے لئے اپنے دل وا کرتے!
کاش تاجر حضرات کرد علاقوں میں مدارس' مساجد' اور ہاسپٹل کھولنے میں اپنا پورا تعاون پیش کرتے!

کردوں کے بحران کا حل

کیا کرد خود مختار حکومت چاہتے ہیں؟ کیا وہ علیٰحدگی پسند ہیں؟
حقیقت یہ ہے کہ کرد دیگر اقوام کی طرح باعزت زندگی چاہتے ہیں ان کا مطالبہ یہ ہے کہ ان کے وجود' ان کی زبان اور ان کے حقوق کو تسلیم کیا جائے۔ اس کے علاوہ ان کا اور کوئی مطالبہ نہیں ہے۔

جو منصوبہ و پلان کردوں نے پیش کیا ہے اس میں علیٰحدگی کا مطالبہ نہیں ہے۔ درج ذیل اسباب کی بنا پر موجودہ صورت حال میں خود مختار حکومت کا مطالبہ ان کی مصلحت کے خلاف ہے۔

۱۔ وہ مختلف ممالک میں منتشر ہیں۔ یہ حکومتیں ان کی حکومت کے قیام کی اجازت نہیں دے سکتی ہیں۔
۲۔ جدید عالمی نظام کے بہت سی قوموں کی حق خود ارادیت کی حوصلہ افزائی کے باوجود خطہ میں دیگر ممالک کے ساتھ مغرب کے مفادات مربوط ہونے کی بنا پر مغرب اس کرد حکومت کے قیام کی تائید نہیں کرسکتا ہے۔
۳۔ حکومت کا داخلی محل وقوع ایسا ہے کہ وہاں کوئی پائدار حکومت نہیں قائم ہوسکتی ہے کیونکہ وہ خطہ دشمنوں سے گھرا ہوا ہے جس کی بنا پر اس لئے اس قوم کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوسکتا ہے۔
۴۔ اگر یہ حکومت قائم بھی ہوجائے تو اس کے سیاسی در و بام کے مالک وہ سیکولر رہنما ہوں گے جو کھلم کھلا صیہونیوں کے ساتھ باہمی تعاون کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔
۵۔ بعض ہنگامی حالات کے پیش نظر اگر کردستان کے قیام کی بات مان لی جائے تو اسے اپنی بقاء کی ضمانت کے طور پر وہ سب کچھ کرنا ہوگا جس کا مطالبہ کیا جائے گا۔ مثلاً اس حکومت سے درج ذیل مطالبات کئے جاسکتے ہیں۔

(بقیہ ص۲۰ پر)

اطہر نقوی

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

استقامت کا کوہِ گراں عائشہ، صدق و صبر و رضا کا نشاں عائشہ
آبروئے وفا اعتبارِ صفا، اور تفسیرِ تسلیم جاں عائشہ
نازشِ پاکبازانِ ہر دوجہاں، مومنوں کے لئے مادرِ مہرباں
فہم و ادراک میں وقت کی نابغہ، علم کی مشعلِ ضوفشاں عائشہ
اس کے فکر و بصیرت کی پہنائیاں، آج بھی موجب حیرتِ عقل ہیں
غیرتِ ہوشمندانِ اہلِ جہاں، رشکِ دنیائے دیدہ وراں عائشہ
نورِ یُمن و سعادت سے روشن جبیں، مہروشفقت کا اک پیکرِ دلنشیں
ذکر سے اس کے بزمِ وفا عنبریں، حُسنِ کردار کی داستاں عائشہ
اس کی تنویر مانندِ شمس و قمر، اس کی عظمت پہ قربان جنّ و بشر
اس کے قدموں میں بچھتے ہیں قلب و نظر، یعنی وہ مادرِ مومناں عائشہ
اس کی عظمت فنا آشنا ہی نہیں، وہ تو زندہ ہے ہر سینۂ پاک میں
دُخترِ رہبرِ کاروانِ وفا، زوجۂ شاہِ پیغمبراں عائشہ
کتنے سنگین و ناگفتہ حالات تھے، زندگی تلخ تھی تیرہ دن رات تھے
اس کی معصومیت پر نہ حرف آسکا، دے گئی صدق کا امتحاں عائشہ
اس کی عصمت کا شاہد کلامِ خدا، کس کو ایسا ملا ہے یہاں مرتبہ
بنتِ عمران کی آبرو کی طرح، نازشِ محصناتِ جہاں عائشہ
ان کو توفیقِ ایمان ملتی اگر، اس کی بُرہانِ عظمت کو پہچانتے
وہ منافق کہ جن کے تصور میں ہے، آج بھی صورتِ دشمناں عائشہ
اے طلسماتِ مغرب کے شیشہ گرو! رُوحِ ناموسِ نسواں کے سوداگرو!
باوجودِ تماشائے تشہیرِ زن، کیا کوئی ہے تمہارے یہاں عائشہ؟

ن احمد نقوی

تعارف و تبصرہ

م کتاب : مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایات
صنف : جناب ابوالکلام قاسمی
فحات : ۳۱۹
ت : ۱۰۰ روپے
ملنے کا پتہ : مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

تنقید کسی ادب پارے کے معائب و محاسن کو چند مسلّمہ اصول رضابطوں کے مطابق پرکھنے کا نام ہے یہ اصول اور ضابطے مختلف ادوار بں بنتے بدلتے رہے ہیں تہذیبی، سماجی، سیاسی تبدیلیوں اور انقلابات سے متاثر ہوتے ہیں جس طرح فکر انسانی ان تبدیلیوں کا اثر قبول کرتی ہے اسی طرح نقد و نظر کے اصول و ضوابط بھی تغیّر و تبدّل سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ اردو شاعری کی روایتیں فارسی سے لی گئیں فارسی نے اپنا دبی سرمایہ عربی ادبیات اور اس کی روایات کے تحت فراہم کیا۔ قصیدہ، ہجا، مرثیہ، غزل وغیرہ یہ ساری اصناف فارسی نے عربی سے لیں۔ علم روض بھی عربوں سے ہی لیا اس طرح فارسی ادب کے سارے سرمایہ پر بی کی گہری چھاپ ہے اسی طرح نقد و نظر کی روایتیں بھی فارسی انشوروں نے عربی سے ہی اخذ کیں اگرچہ بُعد مکانی اور بُعد زمانی کے ساتھ عربی اور فارسی تنقید میں کچھ نہ کچھ فرق بھی ضرور رہا یہ قوموں کے زاج، ان کی تہذیب اور ماضی کی روایات کے تناظر میں بالکل فطری امر ا۔ تاہم فارسی شاعری نے اپنی علیٰحدہ شناخت بھی قائم کی۔ رودکی، ہدوسی، عنصری، انوری، خاقانی، معزی جیسے عظیم قصیدہ گو شعراء نے رسی شعریات کو اتنے عروج پر پہنچادیا کہ مشرقی بلکہ عالمی ادب میں اس کا اہم مقام ہوگیا فردوسی، خیّام، حافظ اور سعدی کو عالمی ادب عالیہ میں باوقار جگہ ملی ہے۔ فارسی میں تنقید کے لئے نظامی عروضی سمرقندی کے "چہار مقالہ" کو اولین اہمیت حاصل ہے اس کے بعد رشید وطواط کی کتاب "حدائق السحر" کا نام آتا ہے۔ ان میں تنقید کے کم و بیش وہی مسلّمہ اصول ہیں جو عربی کے زیر اثر مرتّب ہوئے تھے اردو شاعری کی اساس فارسی ادبیات پر ہے۔ اسے عربی اور فارسی کی ادبی و تنقیدی روایتیں ورثے میں ملیں علم عروض، صنائع بدائع، شعری اصناف قصیدہ، غزل، رباعی، مثنوی وغیرہ سب فارسی شاعری کی دین ہے اردو کا تنقیدی اثاثہ بھی فارسی سے آیا ہے۔ شعراء کے تذکرے تنقید کا وہی پرانا روایتی انداز پیش کرتے ہیں۔ اردو میں "آب حیات" پہلی کتاب ہے جس میں شعراء کا تعارف اور ان کے کلام پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے اگرچہ آزاد نے کئی جگہ غیر جانبداری سے کام نہیں لیا ہے تاہم ان کی کتاب اردو تنقید میں پہلی کتاب مانی جاتی ہے۔ حالی نے "مقدمہ شعر و شاعری" لکھ کر اردو ادب کو ایک نیا موڑ دیا۔ انھوں نے پرانے فکر اور اسلوب کو بدلنے اور جدید تقاضوں کے مطابق فکر و فن کو ڈھالنے کا مشورہ دیا حالی کی کتاب سے اردو تنقید میں نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ شبلی جو حالی کے ہم عصر تھے وہ بھی اردو کے اہم ترین نقادوں میں شمار کیے جاتے ہیں "شعر العجم" کے ذریعہ انھوں نے فارسی ادبیات کو اردو کی اس نسل تک پہنچایا جو عربی فارسی سے بیگانہ ہو رہی تھی اور اسی وجہ سے ان دونوں زبانوں کے ادبی سرمایہ اور روایتوں سے بھی ناآشنا ہوتی جارہی تھی، "شعر العجم" نے نہ صرف اردو فارسی کے باہمی رشتوں کا پتہ دیا بلکہ اس ادبی تنقید کے شعور کو بھی

ابھارا جو عربی' فارسی اور اردو کی مشترکہ میراث ہے بیسویں صدی کے نصف اول تک ہمارے ہاں دانشوروں اور نقادوں کی ایسی کھیپ آچکی تھی جن کا ذہنی رابطہ عربی فارسی کی ادبی روایات سے کم اور مغربی ادب و تنقید سے زیادہ تھا۔ آزادی کے بعد ان دونوں مشرقی زبانوں سے رہا سہا رابطہ بھی ختم ہوگیا اور اب ایسے نقاد ابھرے جو قدیم ادبی سرمایہ تک براہ راست رسائی نہیں رکھتے تھے اور ان کی نگاہ صرف انگریزی ادبیات تک محدود تھی جب کہ اردو میں اقبال کے علاوہ کوئی ایسا قابل ذکر شاعر نہیں تھا جسے عربی فارسی کے ساتھ مغربی ادبیات پر بھی عبور ہو اور اس کی ادبی تنقیدی روایتوں سے کماحقہٗ واقف ہو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان نقادوں نے اردو شاعری کو انگریزی تنقیدوں کے اصولوں پر جانچنا چاہا اور مغربی نقادوں کے اقوال و اقتباسات کی روشنی میں تجزیہ کرکے اردو کے خاصے بڑے شعری سرمایہ کو ناقابل اعتنا قرار دے دیا۔ کلیم الدین احمد کی کاوشیں اس کی ایک مثال ہیں۔ ضرورت تھی کہ کوئی ایسی کتاب مرتّب کی جائے جس میں اردو کے قدیم تنقیدی سرمایہ اور شعور کی نشاندہی کی جائے۔ تاکہ ہمارے نقاد یکطرفہ اور جانب دارانہ انداز اختیار نہ کریں بلکہ ان کے سامنے نقد و نظر کی وہ قدیم روایات بھی ہوں اور ادبی نظائر بھی جن کے زیر سایہ اردو شاعری کی نشوونما ہوئی۔ خوشی کی بات ہے کہ جناب ابوالکلام قاسمی نے زیر نظر کتاب مرتّب کرکے اس ضرورت کو پورا کیا ہے۔ جناب قاسمی صاحب مسلم یونیورسٹی میں اردو کے استاذ ہیں انھیں عربی اور فارسی زبانوں پر بھی عبور حاصل ہے اس لئے انھیں قدیم حوالوں تک رسائی میں کوئی دشواری نہیں ہوئی اس کتاب میں انھوں نے عربی اور فارسی میں شعری ادب اور تنقیدی شعور کا مختصر مگر جامع تجزیہ پیش کیا ہے۔ اصل کتابوں سے اقتباسات بھی بکثرت نقل کئے ہیں جس سے نہ صرف کتاب بڑی وقیع ہوگئی ہے بلکہ یہ ان کی محنت' عرق ریزی اور ادبی و تنقیدی ذوق کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ عربی اور فارسی شعری روایات پر کتاب کے پہلے دو باب قاری کو عربی فارسی ادب کی تاریخ' ان کے شعری سرمائے اور تنقیدی روایات و شعور سے آشنا کرتے ہیں اور قدیم حوالوں اور روایتوں کے تناظر میں اردو شاعری کو سمجھنے اور پرکھنے کا اہل بناتے ہیں۔ اس لئے یہ کتاب اردو کے منتہی طلبہ اور ریسرچ اسکالرز کے لئے بطور خاص مفید بلکہ اس کا مطالعہ ان کے لئے ناگزیر ہے اردو کے اہم نقادوں محمد حسین آزاد' حالی' شبلی' نیاز فتح پوری' عبدالحق' وحید الدین سلیم اور مسعود حسن رضوی پر مستقل عنوانات ہیں۔ جن میں ان کے تنقیدی شعور پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

کتاب اپنے موضوع پر کامیاب ہے اور کم وبیش ہر گوشہ کا احاطہ کرتی ہے۔ کتابت اور طباعت بھی صاف ستھری ہے۔ اور صوری و معنوی دونوں اعتبار سے جاذب نظر ہے لیکن حوالوں کی ترتیب میں توجہ سے کام نہیں لیا گیا ہے جس سے کئی جگہ ترتیب بگڑ گئی ہے متن میں اقبال کا اقتباس نقل کیا گیا ہے لیکن فہرست حوالہ جات میں اس نمبر کے تحت کسی اور کا نام دیا گیا ہے۔ اس سے بڑی الجھن ہوتی ہے۔ اگر کاپیاں یا پروف پڑھتے وقت اس طرف توجہ دی جاتی تو یہ غلطی درست ہو سکتی تھی۔

نقادوں کے تذکرے کے تحت اگر ان کے سنہ ولادت ووفات بھی دے دیے جاتے تو بہتر تھا اگر مختصر سوانحی خاکے یا چند تعارفی کلمات بھی ہوتے تو کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہو جاتا۔ ہم وحید الدین سلیم کے بارے میں تو جانتے ہیں کہ وہ سرسید کے لٹریری اسسٹنٹ تھے لیکن مولوی عبدالرحمٰن کے بارے میں کم لوگ جانتے ہوں گے اس لئے اگر تعارف میں چند سطور لکھ دی جاتیں تو یہ اجنبیت بھی دور ہو جاتی۔

بہرحال کتاب کی افادیت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اپنے موضوع پر بیش قیمت ادبی دستاویز ہے۔ اور ہماری قدیم ادبی روایات سے دوری اور بیگانگی کے اس دور میں ایک بہت بڑی کمی کو پورا کرتی ہے۔

بقیہ : خبرنامہ

رائے سین فرقہ وارانہ اعتبار سے ایک حسّاس علاقہ سمجھا جاتا ہے' بابری مسجد کے انہدام کے بعد اس علاقہ میں ہونے والے فسادات میں تقریباً دو سو افراد ہلاک ہوئے تھے۔

شکیل احمد افتخار حسین

خبرنامہ

فلسطین

یاسر عرفات کی فلسطین آمد

۲۷ سال کی طویل جدوجہد کے بعد یکم جولائی ۱۹۹۴ء کو "تنظیم آزادی فلسطین" (پی ایل او) کے رہنما یاسر عرفات مصر کی سرحد پار کر کے غزہ پٹی میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے جہاں ہزاروں افراد ان کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ مصری سرحد سے غزہ شہر تک ۲۱ میل لمبے راستہ کے دونوں طرف مسرّت و شادمانی سے جھومتے لوگوں کا ہجوم اپنے قائد کی ایک جھلک دیکھنے کو بے قرار تھا۔ یاسر عرفات نے غزہ میں پارلیمنٹ کی عمارت کے باہر اپنے حامیوں کے سامنے ایک پُرجوش اور جذباتی تقریر کی۔ جس میں انھوں نے فلسطینیوں سے ان کے لئے ایک نئے ہوم لینڈ کی تعمیر کا وعدہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم مسجد اقصیٰ میں ایک دن ضرور صلوٰۃ ادا کریں گے۔ یاسر عرفات نے یہودیوں کو یقین دلایا کہ نئی خود مختار فلسطینی ریاست میں ان کی عبادت گاہوں کی مکمل حفاظت کی جائے گی۔ انھوں نے انتفاضہ کی حامی تنظیم "حماس" سے اپیل کی کہ وہ ان کے ساتھ مل کر فلسطین کی تعمیر نو کے لئے کام کرے۔ یاسر عرفات کی آمد پر اسرائیلی وزیر خارجہ شمعون پیریز نے کہا کہ آج کا دن ایک عظیم دن ہے۔

برطانیہ

حقوق انسانی کی پامالی۔ ایمنسٹی کی رپورٹ

حقوق انسانی کی عالمی تنظیم "ایمنسٹی انٹرنیشنل" نے اپنی تازہ ترین سالانہ رپورٹ میں دنیا کے ۱۵۱ ملکوں پر مشتمل ایک عالمی جائزہ پیش کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ۱۹۹۳ء میں دنیا کے بیشتر ملکوں میں قیدیوں کو ایذائیں دی گئیں یا ان کے ساتھ غیر مناسب سلوک کیا گیا اور حکومت کے ہاتھوں سیاسی قیدی ہلاک کئے گئے۔ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں تقریباً ایک درجن سے زائد افراد کو غیر قانونی اذیتیں دے کر ہلاک کیا گیا' پولیس نے درجنوں عورتوں کو گرفتار کیا اور ان کا جنسی استحصال کیا جبکہ ہندوستان میں سیکڑوں سیاسی قیدی عدالتی کارروائی کے بغیر ہلاک کئے گئے۔ چین میں سب سے زیادہ ۲۵۶۴ افراد کو سزائے موت دی گئی جن میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ برما میں سیکڑوں طلا زمین قیدی بنائے گئے۔

رپورٹ میں یورپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس خطہ میں سبھی فریقوں نے یکطرفہ طور پر اپنے مخالفوں کو ہلاک کیا' ۱۵ ہزار افراد اپنے ضمیر کی آواز بلند کرنے پر قیدی بنائے گئے اور جیلوں اور تھانوں میں قید افراد کو ایذائیں دی گئیں' رپورٹ کے مطابق برّاعظم امریکہ کے اکثر ملکوں میں قیدیوں کو پھانسی دی گئی جن میں نابالغ مجرم بھی شامل تھے۔ حالانکہ ان ملکوں میں پھانسی کی سزا ختم کردی گئی ہے اور نابالغوں کو موت کی سزا دینا بین الاقوامی ضابطوں کے منافی ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسرائیل نے مقبوضہ عرب علاقوں میں زیر حراست فلسطینیوں کو منظم طور پر اجتماعی اذیتیں دیں اور ان مکانات پر بار بار بمباری کی جن میں انتفاضہ کے حامی فلسطینیوں کے روپوش ہونے کا شبہ ہوا۔

نیپال

پارلیمنٹ تحلیل اور نئے انتخابات کا اعلان

یکم جولائی ۱۹۹۴ء کو نیپالی پارلیمنٹ کے بجٹ اجلاس میں دیئے گئے شاہ بیریندر کے خطبہ پر ۸ جولائی کو پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں شکریہ کی تحریک منظور نہ ہوسکنے کی بنا پر وزیر اعظم گرجا پرشاد کوئرالہ اپنے

عہدہ سے مستعفی ہوگئے' واضح رہے کہ حکمراں کانگریس کے ۱۴۱ ممبران پارلیمنٹ میں سے اجلاس میں صرف ۴۷ ممبر ہی آئے جب کہ اپوزیشن کی پارٹیوں کے ۸۶ ممبران نے شرکت کی جنھوں نے تحریک کے خلاف ووٹ دیا اور تحریک ناکام ہوگئی۔ اسی اثناء مسٹر کوئرالہ کی سفارش پر شاہ بیریندر نے پارلیمنٹ کو تحلیل کرکے ۱۳ر نومبر کو نئے انتخابات کا اعلان کردیا ہے۔

یمن

اہل یمن کی حالت زار

۷ر جولائی ۱۹۹۴ء کو شمالی یمن کی فوجوں نے جنوبی یمن کے دارالحکومت عدن پر قبضہ کرلیا اور اس طرح شمالی اور جنوبی یمن کے مابین دوماہ سے چلی آرہی شدید خانہ جنگی کا خاتمہ ہوگیا لیکن خانہ جنگی کے خاتمہ کے بعد یمن میں افراتفری اور بدامنی کا ایک نیا دور شروع ہوگیا ہے مسلسل دوماہ تک جاری رہنے والی خانہ جنگی میں دوکانیں اور گودام تباہ ہوچکے ہیں۔ غذائی اشیاء کی زبردست قلت ہے۔ عدن کے لوگ فاقہ کشی پر مجبور ہیں۔ خانہ جنگی میں ہونے والی بمباری میں شہر کے پمپنگ اسٹیشن اور پاور اسٹیشنوں کے تباہ ہوجانے کی وجہ سے لوگوں کو پانی وبجلی کی فراہمی میں زبردست مشکلات کا سامنا ہے۔ واضح رہے کہ چار سال قبل شمالی اور جنوبی یمن کا اتحاد ہوا تھا' لیکن ۵ر مئی ۱۹۹۴ء کو متحدہ یمن کے نائب صدر علی سالم البیض نے جنوبی یمن کے شمالی یمن سے علیحدہ ہونے کا اعلان کردیا تھا جس کے بعد خانہ جنگی شروع ہوئی تھی۔ اطلاعات کے مطابق علی سالم البیض اپنی شکست کے بعد عمان کے دارالسلطنت مسقط میں سیاسی پناہ حاصل کرچکے ہیں۔

ہندوستان

کانگریس کی ریلی

۱۳ر جولائی ۱۹۹۴ء کو کانگریس پارٹی نے اپنی مرکزی حکومت کے تین سال مکمل ہونے کے سلسلہ میں دہلی میں لال قلعہ کے سامنے وسیع میدان میں ایک ریلی کا انعقاد کیا۔ صدر کانگریس پی وی نرسمہاراؤ نے اس ریلی میں اپنی تقریباً ۱۰۰ منٹ کی تقریر میں ملک کو درپیش بنیادی مسائل کی جانب عوام کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی۔ انھوں نے کہا کہ ملک کو بنیادی طور پر امن کی شدید ضرورت ہے کیونکہ امن کے بغیر نہ تو ترقی ممکن ہے اور نہ پیش آمدہ مسائل پر پُرسکون' معقول اور غیر جذباتی انداز میں غور وفکر ہی ممکن ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے اجودھیا کے مسئلہ پر وشوہندو پریشد اور بی جے پی کی کوشش کی مذمت کی۔ وزیراعظم نے پالیسیوں میں نرمی' شکر کی قیمت' زرعی معیشت اور منڈی کے مسائل پر غور وفکر کرنے کے انداز میں روشنی ڈالی' انھوں نے عوام کو سنجیدگی اور غیر جذباتی انداز میں مسائل پر غور کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ سیاسی پارٹیوں کی کارکردگی کا جائزہ اس بنیاد پر لیا جانا چاہیے کہ ان میں حکومت چلانے کی صلاحیت کتنی ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے عوام کو ایک سال تک غور وفکر کی دعوت دی تاکہ آئندہ الکشن میں انھیں فیصلہ کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہ ہو۔

واضح رہے کہ کانگریس کی اس تاریخ ساز ریلی میں وزیراعظم نے اجودھیا میں رام مندر کی تعمیر کا ذکر تو کیا لیکن انہدام شدہ بابری مسجد کی تعمیر کا کوئی ذکر نہیں کیا حالانکہ ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو مسجد کے انہدام کے بعد انہوں نے مسجد کی اصل جگہ پر اسے دوبارہ تعمیر کرانے کا وعدہ کیا تھا۔

فساد کی سازش بے نقاب

فرقہ پرور طاقتیں ملک میں کس طرح کشیدگی اور تصادم کے ذریعہ برسراقتدار آنے کی کوشش کررہی ہیں اس کی تازہ مثال صوبہ مدھیہ پردیش کے شہر رائے سین کا حالیہ واقعہ ہے' جس میں شوسینا کے متعدد کارکنان کو شہر میں بڑے پیمانے پر فساد کرانے کی سازش کے سلسلہ میں گرفتار کیا گیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق شوسینا نے ایک سازش کے تحت ریاست میں عدم استحکام پیدا کرنے کے لئے ایسے وقت جبکہ مقامی پولیس کے اعلیٰ افسر اپنی بیٹی کی وفات کی وجہ سے پریشان تھے چار چار افراد پر مشتمل تین گروپ بناکر رائے سین کے مختلف علاقوں میں بم دھماکے کرائے۔ ایک بم دھماکہ میں ایک شخص پکڑا گیا اسی کی نشاندہی پر دیگر افراد کی گرفتاری عمل میں آئی اور فساد کی خطرناک سازش بے نقاب ہوئی۔ واضح رہے کہ مدھیہ پردیش کی راجدھانی بھوپال سے ملحق شہر

(بقیہ صفحہ ۳۵ پر)

پوسٹروں کی غلط بیانیاں

سالہا سال سے یہ بات دیکھنے میں آرہی ہے کہ لوگ میری اجازت کے بغیر بلکہ میرے منع کرنے کے باوجود اپنے پروگراموں میں میرا نام شائع کردیتے ہیں اور عوام میں اس بات کی تشہیر کرتے ہیں کہ میں ان کے اجلاس میں شرکت کررہا ہوں جب کہ اس میں کوئی اصلیت نہیں ہوتی۔

اسی قسم کی حرکت گذشتہ مہینوں میں دارالعلوم شنہیناں ضلع سدھارتھ نگر، یوپی، موضع پتریا ضلع کپل وستو (نیپال) اور ریناڈیہہ، ضلع گونڈہ، یوپی کے لوگوں نے کی جس کی وجہ سے میری بدنامی ہوئی۔

میں اس اعلان کے ذریعہ برادران جماعت وملت کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ حرکتیں مجھے بدنام کرنے کی شعوری یا غیر شعوری کوشش کا ایک حصہ ہیں۔

رب العالمین ہم سب کو اخلاص وعمل اور صدق وامانت کی توفیق دے۔ آمین

عبدالحمید رحمانی
صدر
ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی

وفیات

الحاج عبدالرحمن کو صدمہ

جماعتی وملی حلقوں میں یہ خبر انتہائی دکھ اور افسوس کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ الحاج عبدالرحمن صاحب ڈیڈوانہ، ناگور (راجستھان) کے داماد جناب عبدالمجید صاحب ملاجی ۱۵ر جولائی ۱۹۹۴ء بروز جمعہ بوقت صبح اس دار فانی سے دار البقا کی طرف رحلت فرماگئے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مرحوم صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے غرباء ومساکین کی بڑی خبر گیری فرماتے تھے۔ دعا ہے کہ رب العالمین مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔

جامعہ اسلامیہ سنابل کے فارغین کے لئے

خوش خبری

مرکز ابوالکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیۃ، نئی دہلی (Abul Kalam Azad Islamic Awakening Center New Delhi) کے سب سے اعلیٰ تدریسی ادارہ جامعہ اسلامیہ سنابل مقابل کالندی کنج، نئی دہلی کے فارغین کے لئے ایک اہم خوش خبری یہ ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے جامعہ کے مرحلۂ ثانویہ (عالمیت) اور مرحلۂ عالیہ (فضیلت) کے اسناد کو منظور کرلیا ہے۔

جامعہ اسلامیہ سنابل کے طلباء اب قسم عالی (فضیلت) کی سند سے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بی اے کے سال اول میں داخلہ کے مجاز ہونگے ثانویہ (عالمیت) کی سند سے بھی وہ بی اے میں داخلہ لے سکتے ہیں بشرطیکہ انٹرمیڈیٹ یا سینئر سیکنڈری اسکول سرٹیفکٹ (۱۰+۲) کورس کا صرف انگریزی امتحان علیحدہ سے جامعہ ملیہ اسلامیہ یا کسی تسلیم شدہ یونیورسٹی یا بورڈ سے پاس کرلیا ہو۔

یہ خوشخبری ابھی حال ہی میں ڈپٹی رجسٹرار جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کی طرف سے ہمیں موصول ہوئی ہے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پراسپکٹس ۹۵-۱۹۹۴ء میں بھی اس کی اشاعت ہوچکی ہے۔

واضح رہے کہ جامعہ اسلامیہ سنابل کے اسناد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض، جامعۃ الملک سعود ریاض اور جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں پہلے ہی سے منظور شدہ ہیں۔

جنرل سکریٹری
ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر
جوگابائی، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

لِنَجۡعَلَهَا لَكُمۡ تَذۡكِرَةً وَتَعِيَهَآ أُذُنٞ وَٰعِيَةٞ (الحاقۃ ۱۲)

ماہنامہ **التوعیة** نئی دہلی

اگست ۱۹۹۴ء مطابق ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

ایڈیٹر

جلد ۹ **رفیق احمد سلفی** شمارہ ۴

بدل اشتراک

خصوصی نمبر (سالانہ) ۱۵۰۰--۰۰ روپے

ہمدرد (سالانہ) ۵۰۰--۰۰ روپے

عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۰۰--۰۰ روپے

ششماہی ۵۵--۰۰ روپے

پاکستان و بنگلہ دیش

عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۲۵--۰۰ روپے

غیر ممالک سے

۳۵ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی

۳-C/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

AL-TAUIYAH Monthly

161/C-3 JogaBai

NewDelhi 110025

فون : ۶۸۲۱۸۲۷

پرنٹر پبلشر محمد الیاس سلفی نے جید پریس بلیماران سے چھپوا کر ماہنامہ "التوعیہ" ۳-C/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

فکر و نظر

مقالات

نظم

متفرقات

فکرونظر

ابن احمد نقوی

قومی سیاست اور مسلمان

پچھلے دنوں بہوجن سماج پارٹی کے ممبر اسمبلی اور یوپی کے وزیر تعلیم ڈاکٹر مسعود احمد نے وزارت سے استعفاء دیا ان کاالزام ہے کہ بی ایس پی کی جنرل سکریٹری مس مایاوتی نے ایک جلسۂ عام میں مسلمانوں کو غدار قرار دیا تھا اور چونکہ ان کے باربار مطالبہ کے باوجود مایاوتی نے اپنے الفاظ واپس لینے سے انکار کردیا لہٰذا وہ بطور احتجاج وزارت سے مستعفی ہورہے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود کے استعفے سے نہ صرف یوپی بلکہ پورے ملک کے مسلمانوں میں اضطراب کی لہردوڑگئی اس بے چینی کا اثر خود بی ایس پی پر بھی ہوا اور جب بی ایس پی کے نیتا کانشی رام نے نہایت ہی غیر شریفانہ انداز سے ملائم سنگھ کو حکم دے کر ڈاکٹر مسعود کو آدھی رات کے وقت ان کے سرکاری بنگلے سے نکال دیا اور سڑک پر بکھرے ہوئے سامان کی تصویریں اخبارات میں شائع ہوئیں تو مسلمانوں کا اضطراب ہیجان میں بدل گیا اور سب کے ذہن اس سوال پر مرکوز ہوگئے کہ کیا قومی سیاست میں آج بھی مسلمانوں کے ساتھ وقار اور شائستگی کا رویہ نہیں اپنایا جاسکتا۔

دوسری طرف مرکزی سرکار کے کیبنٹ سکریٹری ظفر سیف اللہ کے عہدے کی مدت میں توسیع کا سوال بھی اسی غیر شائستہ انداز میں سامنے آیا۔ شروع میں جب ظفر سیف اللہ کا تقرر بطور کیبنٹ سکریٹری ہوا تھا تو بھی ایک تنازعہ کھڑا کیا گیا تھا۔ اس عہدے کے دو امیدوار تھے ایک مسلمان اور ایک سکھ مسٹر جی ایس گل۔ دونوں سینئر آئی ایس آفیسر تھے کیبنٹ سکریٹری کا عہدہ بہت ہی اہم عہدہ ہے مرکزی سرکار میں خارجہ سکریٹری اور کیبنٹ سکریٹری کلیدی عہدے ہیں جیسے ریاستی سرکار میں چیف سکریٹری کا عہدہ ہوتا ہے۔ چونکہ ظفر سیف اللہ اور مسٹر گل دونوں ہی سینئر اور موزوں عہدیدار تھے اس لئے انتخاب میں کچھ دشواری تو ہونی ہی تھی ایسے حالات میں جب صلاحیت' کارکردگی اور سینیارٹی میں دونوں امیدوار یکساں ہوں تو عمر کو ترجیح دی جاتی ہے یعنی جو عمر میں سینئر ہو اسے موقع دے دیا جاتا ہے تاکہ اس کی حق تلفی نہ ہو۔ ممکن ہے اس معاملہ میں بھی ایسا ہی ہوا ہو لیکن فسطائیوں نے اسے بھی ایک تنازعہ بنادیا اور سکھوں کو ورغلانے کی کوشش کی گئی کہ ایک سکھ افسر کا حق مار کے ایک مسلمان کو ترقی دے دی گئی۔ ظاہر ہے فسطائیوں کا یہ شوشہ چھوڑنے سے مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان حق اور حق تلفی کی بحث چھڑکر صف آرائی کا ماحول پیدا ہوجائے لیکن سکھوں نے کمال ہوشمندی سے اس دام ہمرنگ زمین کو دیکھ لیا اور ان کی قیادت نے واضح طور پر اعلان کیا کہ چونکہ دونوں امیدوار اقلیتی فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ظفر سیف اللہ صاحب کے کیبنٹ سکریٹری مقرر کئے جانے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے خوشی کی بات یہ ہے کہ اقلیتی فرقہ کا ایک فرد اس اہم عہدے پر تعینات ہوا ہے۔ سکھوں کے اس ہوشمندانہ موقف سے فسطائیوں کے چولھے ٹھنڈے پڑگئے لیکن اب جب سرکاری مصالح کے تحت ظفر سیف اللہ کے عہدے کی مدت میں توسیع کا مسئلہ آیا تو پھر کھچڑی پکنے لگی بھلا فسطائی یہ کیسے گوارا کرسکتے تھے کہ ایک مسلمان افسر کو کیبنٹ سکریٹری بنایا جائے اور پھر جب اس کی مدت ملازمت پوری ہونے پر ریٹائر کیا جانا ہو تو اسے توسیع دے دی جائے یہ معاملہ اتنا بڑھایا گیا اور اس انداز سے پروپیگنڈہ کیا گیا کہ خود وزیراعظم نرسمہاراؤ کو دہلی میں منعقدہ کانگریس ریلی میں اس موضوع پر بیان دینا پڑا۔ وزیراعظم نے کہا کہ اس بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی جارہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسٹر سیف اللہ کو مسلمان ہونے کی وجہ سے کابینہ سکریٹری مقرر نہیں کیا گیا تھا لہٰذا ان کی

مدت ملازمت میں توسیع کی جائے یا نہیں اس بارے میں بھی فیصلہ کرتے وقت مسٹر سیف اللہ کے مسلمان ہونے کو مد نظر نہیں رکھا جائے گا۔ مسٹر راؤ نے کہا کہ توسیع کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت اس بات کو ذہن میں رکھا جائے گا کہ اس عہدے پر تعیناتی کے دوران ان کی کارکردگی کیسی رہی مسٹر راؤ نے اس بات پر دکھ کا اظہار کیا کہ مسٹر سیف اللہ کی تقرری کو سیاسی رنگ دیا گیا کیونکہ وہ مسلمان تھے۔

(قومی آواز ۱۵ر جولائی ۱۹۹۴ء)

اس خبر اور وزیر اعظم کے ایک جلسۂ عام پر اس پر تفصیلی تبصرہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بات اندر اندر کہاں تک پھیلائی گئی تھی اور عین ممکن ہے کہ خود کانگریس کی صفوں میں جو فسطائیوں کا ہمدرد گروہ موجود ہے وہ بھی اس شر انگیزی میں شامل ہو اور کانگریسی کارکنوں میں غلط فہمیاں پھیلا رہا ہو جس سے خود پارٹی میں ذہنی انتشار کا خدشہ پیدا ہوسکتا تھا اور فسطائی اگلے الیکشن میں اسے بھی اقلیتوں کی خوشامد (اپیزمنٹ) کی ایک مثال بنا کر پیش کرسکتے تھے لہٰذا وزیر اعظم کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ ساری دنیا کے سامنے اعلان کریں کہ سیف اللہ کی مدت ملازمت میں توسیع نہیں کی جارہی ہے تاکہ فسطائیوں کو ہندو ووٹروں کو ورغلانے کا موقع نہ ملے۔ شکر ہے ظفر سیف اللہ صاحب کو توسیع نہیں ملی ۳۱ر جولائی ۱۹۹۴ء کو وہ ملازمت سے سبکدوش ہوگئے اور اکثریتی طبقے سے تعلق رکھنے والے مسٹر سریندر سنگھ نے کابینہ سکریٹری کا چارج لے لیا اس طرح فسطائیوں کے سینے میں بھڑکی ہوئی آگ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے پڑگئے۔ فسطائیوں کا یہ رویہ پہلی بار دیکھنے میں نہیں آیا اب سے بہت پہلے ایک بار وزیر اعظم جواہر لال نہرو دولت مشترکہ کی کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن جانے لگے تو انہوں نے اپنی کابینہ کے سب سے سینئر ساتھی اور وزیر تعلیم مولانا آزاد کو ذمہ داری سونپی کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں وزارت عظمیٰ کے اہم اور فوری نوعیت کے امور دیکھ لیا کریں۔ اس خبر کے پریس میں آتے ہی ہنگامہ مچ گیا کہ ایک مسلمان کو قائم مقام وزیر اعظم مقرر کردیا گیا بات یہاں تک پھیلی کہ خود جواہر لال نہرو کو لندن سے وضاحتی بیان جاری کرنا پڑا کہ وہ خود بطور وزیر اعظم یہاں موجود ہیں لہٰذا کسی کے قائم مقام وزیر اعظم بنائے جانے کا سوال ہی نہیں ہے انہوں نے مولانا سے صرف یہ درخواست کی تھی کہ ان کی غیر حاضری میں اہم کاغذات دیکھ لیا کریں۔ مولانا آزاد نے آزادی کی جدوجہد میں جو قربانیاں دیں اس سے ان کے دشمن بھی انکار نہیں کرسکتے لیکن آزادی کے بعد ان سے جس انداز کا سلوک کیا گیا جس کی ایک مثال مذکورہ بالا واقعہ ہے اس سے ان کے دل ودماغ پر کیا عالم گذرا ہوگا اس کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جو ایک خوددار، حساس اور غیرتمند انسان کے جذبات کی نزاکت کو سمجھتا ہے۔ غالباً اپنے ایک خط میں مولانا نے وزیر داخلہ کیلاش ناتھ کاٹجو سے شکوہ بھی کیا تھا کہ وزارت داخلہ نے اس سلسلے میں کوئی کاروائی نہیں کی(۱)۔

---

(۱) ڈاکٹر کاٹجو کے نام خط کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

مائی ڈیر کاٹجو فرائیڈے کو میں نے نیشنل اسٹنڈرڈ بمبئی میں ایک غلط خبر دیکھی۔ میں اس کی تردید کردے سکتا تھا، مگر چونکہ اس میں آپ کا نام لیا گیا تھا اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کو دکھادوں۔ چنانچہ میں نے آپ کو دکھایا اور آپ نے ایسی خبر کے نکلنے پر سرپرائز ظاہر کیا۔ آپ نے مجھ سے کہا کہ میں اس کی تردید کرادوں لیکن میں نے یہی مناسب سمجھا کہ یہ معاملہ آپ پر چھوڑدوں پھر رات کو جب آپ سے ٹیلی فون پر میں نے پوچھا تو آپ نے کہا کہ مسٹر پائی نے ایک بیان پریس کو دیدیا ہے۔ میں آپ سے یہ کہہ سکتا تھا کہ بیان پریس کو دینے سے پہلے مجھے دکھادیا جائے لیکن اس اعتماد کی وجہ سے جو مجھے آپ پر تھا میں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

دوسرے دن صبح کو میں بہت بزی تھا اس لئے اخبارات کو اطمینان سے نہیں دیکھ سکا اور مجھے اس کا خیال بھی نہیں ہوا کہ آپ کا دیا ہوا بیان اخبار میں دیکھ لوں۔ لیکن رات کو میرے پاس دہلی اور دہلی سے باہر کی بہت سی انکواریاں آئیں۔ مجھ سے کہا گیا کہ آج پی ٹی آئی نے ایک نیوز آئیٹم شائع کیا ہے اور لکھا ہے پرائم منسٹر کے آفس کے لیے کوئی ایفشنگ ارینجمنٹ نہیں کیا گیا ہے۔ حالانکہ پرائم منسٹر کی موجودگی میں یہ بات پریس میں نکل چکی ہے کہ ان کے جانے کے بعد آپ ایفیشیٹ کریں گے۔ چنانچہ میں نے اخبار منگوا کر دیکھا تو واقعی پی۔ٹی۔ آئی نے اتھارٹیٹو سورس کا حوالہ دے کر یہی بات لکھی ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اس طرح کی غلط بات کا پریس میں دینا مناسب تصور کیا۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا۔

(آثار آزاد مرتبہ ڈاکٹر راجیش کمار پرتی نیشنل آرکائیوز آف انڈیا ص ۳۴۶۔۳۴۵ اندراج نمبر ۱۸۷)

اسی زمانے میں اخبارات میں یہ خبریں بھی آرہی تھیں کہ جواہرلال نہرو کام کے بوجھ سے تھک گئے ہیں اور وہ کلّیۃً یا کچھ عرصہ کے لئے وزارت عظمیٰ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ اس وقت رفیع احمد قدوائی بھی مرکزی وزارت میں تھے اور ملک کے غذائی بحران کو حل کرکے انہوں نے پورے ملک میں عدیم المثال عوامی مقبولیت حاصل کرلی تھی عوامی حلقوں میں انہیں جادو گر کہا جاتا تھا۔ رفیع احمد صاحب نے ایک پریس کانفرنس میں ہلکے پھلکے موڈ میں اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہاکہ اگر پنڈت جی تھک گئے ہیں تو میں ان کا بوجھ سنبھالنے کو تیار ہوں۔ اس خبر کو بھی پریس میں خوب شہرت ملی۔ پنڈت جی تھکن اور بوجھ سے گرانبار ہونے کے باوجود عہدہ سے دستبردار نہیں ہوئے اور اس طرح رفیع صاحب کی خوش فہمی کی لاج رہ گئی ورنہ اگر حقیقتاً انہیں وزارت عظمیٰ کی چند روزہ ذمہ داریاں سنبھالنی پڑتیں تو فسطائی ان کی عوامی مقبولیت کے باوجود سازشوں' افواہوں اور غلط بیانیوں کا وہ طوفان اٹھاتے کہ رفیع احمد قدوائی کو ٹوپی سنبھالنی مشکل ہوجاتی۔ ظاہر ہے وہ مولانا آزاد سے زیادہ بڑے لیڈر نہیں تھے ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ مولانا کی طرح مذہبی نہیں بلکہ سیکولر مسلمان تھے تاہم ان کا اس طرح کا مسلمان ہونا ہی فسطائیوں کے نزدیک ان کا سب سے بڑا جرم تھا غرض فسطائیوں نے آزادی کے بعد کسی مسلمان کو سیاسی اہمیت کا عہدہ دیئے جانے کی پوری شدّت سے مخالفت کی اور کانگریس سرکار نے عام ہندو برہمی کے فرضی خوف سے اکثر اس معاملے میں ہچکچاہٹ سے قدم اٹھایا۔ اندرا گاندھی ضرور ایسی دلیر رہنما تھیں جنہوں نے فسطائیوں کے اس دباؤ کو قبول نہیں کیا انہوں نے سب سے پہلے راجستھان میں ایک مسلمان برکت اللہ خاں (پیارے میاں) کو وزیر اعلیٰ نامزد کیا سنگھیوں نے بڑا طوفان اٹھایا کہ ایک ایسے صوبے میں جس کی سرحدیں پاکستان سے ملتی ہیں ایک مسلمان کو مکھیہ منتری بنادیا گیا شاید کوئی اور ہوتا تو وہ بھی نرسمہا راؤ کی طرح بھرے مجمع میں صفائی پیش کرتا پھرتا لیکن اندرا گاندھی آمر مطلق تھیں انہوں نے کسی کی غوغا آرائی کی پرواہ نہیں کی آزادی کے بعد پہلی بار ایک مسلمان کو اتنا اہم سیاسی عہدہ دیا گیا اس سے فائدہ یہ ہوا کہ فسطائیوں کے غبارے کی ہوا نکل گئی اور مسلمانوں میں یہ اعتماد پیدا ہوا کہ انہیں ہر جگہ اور ہر حلقہ میں مشکوک نہیں سمجھا جاتا اور عام ہندو ذہن کو بھی اس بات کے لئے تیار ہونا پڑا کہ تقسیم کے بعد بھی اس ملک میں مسلمانوں کا کوئی مقام اور رول ہے۔ پھر اندرا گاندھی نے اس سے بھی زیادہ بڑا قدم اٹھایا اور ذاکر صاحب کو صدارت کے لئے نامزد کیا اس کے خلاف فسطائیوں نے پستی کی جس سطح پر گرنے کا مظاہرہ کیا وہ اب بھی لوگوں کو یاد ہوگا۔ ذاکر صاحب جیسی باوقار اور قابل احترام شخصیت کی ذاتیات کو زیر بحث لایا گیا۔ ان کے مقابلے میں اس وقت ہندوستان کے چیف جسٹس سباراؤ کو عہدے سے استعفا دلوایا گیا اور وہ اپوزیشن کے متفقہ امیدوار بنائے گئے جب ذاکر صاحب صدر جمہوریہ منتخب ہوگئے تو مشہور فسطائی بلراج مدھوک نے اخباری بیان میں ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اس بات کا یقین دلائیں کہ راشٹرپتی بھون میں کسی پاکستانی کو نہیں ٹھہرایا جائے گا شاید ایسے ہی پست انداز کے چومکھی حملوں نے ذاکر صاحب کو نفسیاتی طور سے اس قدر بے حوصلہ کردیا تھا کہ وہ صدر بننے کے بعد سب سے پہلے جین منی اور شنکر آچاریہ سے آشیرواد لینے پہنچے تاکہ فسطائیوں کو یقین دلا سکیں کہ وہ سیکولر مسلمان ہیں۔

اندرا گاندھی نے اسی طرح بہار میں عبدالغفور صاحب کو وزیر اعلیٰ بناکر فرقہ وارانہ طور سے حسّاس اس ریاست میں بھی فسطائیوں کے پھندے ڈھیلے کئے تھے۔ پھر جنتا دور میں ادریس حسن لطیف آزاد ہندوستان کے پہلے مسلمان ایر چیف مارشل بنے فسطائیوں نے خون کے گھونٹ پیئے اور ہندو اکثریت نے دیکھ لیا کہ ایک مسلمان اتنے اہم اور حسّاس عہدے پر بھی عزت' وقار اور اعتماد کے ساتھ کام کرکے ملک وقوم کے دفاع کا اہم ترین فریضہ انجام دے سکتا ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہندو اکثریت نے کبھی کسی مسلمان کو ترقی یا اہم عہدہ دینے پر اعتراض کیا ہو عام ذہن خواہ وہ ہندو کا ہو یا مسلمان کا یا سکھ کا وہ تعصب زدہ نہیں ہے بےچارے عام انسان کو اپنی روزی روٹی کے چکر سے ہی فرصت نہیں کہ وہ یہ دیکھے کہ کون مکھیہ منتری بنا ہے کون کابینہ

سکریٹری بنا ہے اور کون فوج کا سپہ سالار ہے اس کی اولین ترجیح یہ ہے کہ ملک میں امن چین رہے اس کے روزگار پر آنچ نہ آئے اور اسے اور اس کے بچوں کو سکون سے دو روٹیاں ملتی رہیں ان کی تعلیم کا بندوبست رہے اگر ہندو عہدیدار کے مقابلے میں مسلمان عہدیدار زیادہ ایماندار' باصلاحیت' ہمدرد اور اپنے فرائض سے باخبر ہے تو عوام خواہ وہ ہندو ہوں یا سکھ یا عیسائی اس کی قدر کریں گے بلکہ سب برملا اس بات کو کہیں گے کہ دیکھو یہ مسلمان افسر کتنا نیک' ایمان دار اور فرض شناس ہے ہاں فسطائیوں کے کلیجے میں آگ بھڑکتی ہے کہ بھارت یعنی ہندو راشٹر میں ایک غیر ہندو اور وہ بھی مسلمان افسر کیسے عزت اور نیک نامی حاصل کر رہا ہے وہ اسے بدنام اور بے حوصلہ کرنے کے لئے ہر وقت موقع کی تاک میں رہتے ہیں۔ آصف علی جنگ آزادی کے ممتاز سپاہی تھے امریکہ میں آزاد ہندوستان کے پہلے سفیر بھی بنے ان کے بارے میں کیا کیا باتیں نہیں اڑائی گئیں؟ ڈاکٹر محمود نے احمد نگر قلعہ میں جس کے دوران کچھ کمزوری دکھائی اور قید سے رہائی حاصل کرلی اس ایک لغزش سے ان کا سارا سیاسی کردار بے وقعت ہو کر رہ گیا اور وہ سینئر رہنما ہوتے ہوئے بھی کچھ مدت کے لئے وزارت خارجہ میں جونیر وزیر کے عہدے سے زیادہ کچھ نہ پا سکے جبکہ گووند لبھ پنت کے بارے میں ایک صاحب نے ہندوستان ٹائمز میں ایک خط میں انکشاف کیا تھا کہ جب بھگت سنگھ اور دیگر انقلابیوں کے مقدمے کی پیروی کے لئے ان سے کہا گیا تو انہوں نے بھاری فیس کا مطالبہ کیا اور جب اتنی فیس نہیں دی جا سکی تو انہوں نے اس قومی اہمیت کے معاملے اور قوم کے سرفروشوں کے مقدمے کی پیروی سے انکار کردیا۔ ڈاکٹر سید محمود اور گووند لبھ پنت دونوں کی لغزشیں انسانی کردار کی کمزوری کو ظاہر کرتی ہیں لیکن ایک کی کمزوری اس کے کیریر کی تباہی کا سبب بن گئی اور دوسرے کی کمزوری اس کے قومی سیاست میں طاقت حاصل کرنے کے کسی مرحلہ پر بھی حائل نہیں ہو سکی۔

دراصل ہندوستان کی قومی سیاست میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان شروع سے ہی کشمکش کا انداز رہا ہے۔ تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو قومی سیاست میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا اشتراک اکبر کے دور سے شروع ہوا اس سے پہلے کسی مسلمان حکمراں کے دور میں ہندوؤں کو اتنی اہم ذمہ داریاں نہیں دی گئیں۔ اکبر نے سیاسی مصالح کے پیش نظر نہ صرف راجپوتوں سے ازدواجی رشتے قائم کئے بلکہ انہیں اقتدار میں بھی شریک کیا۔ راجہ بیربل' راجہ ٹوڈرمل' راجہ مان سنگھ اکبر کے نورتنوں میں شامل تھے راجہ ٹوڈرمل اکبر کے وزیر مالیات تھے یعنی ان کی وہی پوزیشن تھی جو آج نرسمہا راؤ سرکار میں ڈاکٹر منموہن سنگھ (وزیر خزانہ) کی ہے۔ اقتدار میں ہندو اور مسلمانوں کے اشتراک سے دونوں فرقوں میں اعتماد' یگانگت اور قربت کے نئے رشتے قائم ہوئے۔ اکبر کے حکم سے فیضی نے گیتا کا فارسی میں ترجمہ کیا اور مسلمان پہلی بار ہندوؤں کی اہم ترین مذہبی کتاب کے مندرجات سے واقف ہوئے۔ اکبر ایک بیدار مغز اور سیاسی طور سے دور اندیش حکمراں تھا وہ جانتا تھا کہ اگر مغلوں کو ہندوستان پر حکومت کرنا ہے تو ہندوؤں کو ساتھ رکھنا ہوگا۔ وہ مذہبی اعتبار سے بھی بہت فراخ دل تھا وہ ہندو اور مسلمان علماء کی بحثیں سنتا تھا اس نے گوا سے عیسائی پادریوں کو بھی اپنے دربار میں بلایا اس طرح وہ ملک میں صلح کُل کا ماحول دیکھنا چاہتا تھا لیکن اسے گمراہ کیا مُلّا مبارک کے خاندان نے۔ بادشاہ کو دین الٰہی کی بھول بھلیوں میں الجھا کر ایک نئی کشمکش کی داغ بیل ڈال دی اکبر اتنا وسیع القلب تھا کہ اس نے دین الٰہی کی ترویج واشاعت میں کسی سختی کو روا نہیں رکھا جس نے اسے قبول کرلیا تو ٹھیک ورنہ جبر کسی پر نہیں۔ راجہ مان سنگھ کو جب دین الٰہی قبول کرنے کی دعوت دی گئی تو اس نے کہا کہ مہابلی! میں تو دو ہی دھرم مانتا ہوں ایک ہندو دھرم دوسرا اسلام۔ اگر آپ کہیں تو میں مسلمان تو ہو سکتا ہوں لیکن دین الٰہی میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اکبر نے یہ جواب سن کر کسی ناگواری کا اظہار نہیں کیا نہ راجہ مان سنگھ پر سختی کی نہ کوڑے لگوائے نہ اونٹ کی پیٹھ پر باندھ کر تشہیر کرائی اس ان پڑھ بادشاہ کے مقابلے میں مامون جیسے عالم فاضل عباسی خلیفہ اور اس کے جانشینوں کا کردار دیکھئے جنہوں نے عقیدۂ خلق قرآن کی جبری تبلیغ کے لئے احمد بن حنبل جیسے جلیل المرتبت امام کو کوڑے لگوائے طلاق مکرہ کے سوال پر امام مالک جیسے عالی مقام شخص کو اونٹ کی پیٹھ پر باندھ کر سڑکوں پر تشہیر

کرائی۔ خلق قرآن کی جبری تبلیغ کا یہ پاگل پن اس انتہائی حد تک پہنچ گیا تھا کہ ایک بار عیسائیوں نے ایک شہر پر حملہ کرکے وہاں کے مسلمانوں کو قیدی بنالیا جب مسلمانوں نے فوج کشی کرکے عیسائیوں کو پسپا کیا تو دونوں طرف کے قیدیوں کے تبادلے کی بات اٹھی اس وقت عباسی دربار کے علماء نے خلیفہ سے یہ حکم جاری کرایا کہ صرف ان مسلمان قیدیوں کو واپس لیا جائے جو عقیدۂ خلق قرآن کو تسلیم کرنے کا اعلان کریں چنانچہ اس سفاک شرط کی وجہ سے کمزور عقیدہ مسلمان تو رہا ہو گئے لیکن راسخ العقیدہ مسلمان جنہوں نے ایمان فروشی گوارا نہیں کی صلیبیوں کی قید میں ہی پڑے رہنے دئے گئے۔

چونکہ اکبر نے دین الٰہی کی جبری تبلیغ کی اجازت نہیں دی اس لئے اسے زیادہ فروغ بھی نہیں ہوا صرف ضمیر فروش درباری اور ابوالفضل فیضی جیسے موقع پرست ہی اس کے داعی اور پرچم بردار رہے۔ اکثر درباری امراء اور علماء و شعراء اس سے متنفر تھے ایک شاعر مُلّا جیون نے کہا ؎

بادشاہ امسال دعویٰ نبوت کردہ است
سال آئندہ خدا خواہد خدا خواہد شدن

(اس سال بادشاہ نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے خدا نے چاہا تو آئندہ سال وہ خدا ہونے کا دعویٰ کردے گا)

اس استہزا اور تحقیر و تضحیک سے درباری مزاج کا اظہار ہوتا ہے دوسری طرف امراء اور علماء کا ایک بڑا گروہ اکبر اور اس کے ان درباریوں اور خود غرض علماء کا شدید مخالف ہو گیا جو اسلام کے مقابلے میں ایک نیا دین شروع کر رہے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس سلسلے میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں انہوں نے مغل امراء کو اس خطرناک تحریک کے خلاف اقدام کے لئے خطوط لکھے اور ان کی جرأت ایمانی کو للکارا۔ شیخ کو اس راہ میں جتنی مشکلات اور مصائب برداشت کرنے پڑے وہ ہماری تاریخ استقامت کے روشن ابواب ہیں۔ انہوں نے بادشاہ وقت جہانگیر کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا یہ سجدہ کی رسم بھی دین الٰہی کے موجد علماء کی اختراع تھی کہ بادشاہ ظل اللہ فی الأرض ہے لہٰذا اسے سجدۂ تعظیمی کرنا چاہئے۔ بہرکیف شیخ مجدد کو اس کی پاداش میں قلعہ گوالیار میں کئی سال تک محبوس رکھا گیا۔ ادھر اس بے دینی کے خلاف اندر اندر جو تحریک چل رہی تھی وہ بھی اپنا کام کررہی تھی اکبر اور فیضی کے مرنے اور ابوالفضل کے قتل کے بعد دین الٰہی کا شیرازہ بکھر چکا تھا تاہم اکبری دور کی رسمیں اور عقیدے باقی تھے جہانگیر ایک دائم الخمر انسان تھا اسے ان باتوں سے زیادہ تعلق نہیں تھا لیکن شاہجہاں (شہزادہ خرّم) ایک غیرت مند مسلمان تھا چنانچہ اس نے کوشش کرکے شیخ مجدد کو قلعہ گوالیار سے رہائی دلوائی اور بادشاہ اور شیخ کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم کرانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ جہانگیر کے بعد جب وہ خود ہندوستان کا بادشاہ بنا تو اس نے "سجدۂ تعظیمی" کی رسم ختم کردی اور اس کی جگہ "چہار تسلیم" کی رسم جاری کی۔ دینِ الٰہی کے رد عمل کے طور پر جو لہر اٹھی تھی وہ اب بھی اپنا کام کررہی تھی شاہجہاں کے دو بیٹے دارا شکوہ اور اورنگ زیب ان دو الگ لہروں کی نمائندگی کرتے تھے دارا شکوہ صوفی مشرب شہزادہ تھا اس نے ویدانت کا گہرا مطالعہ کیا۔ اپنشد کا "سِرِّ اکبر" کے نام سے فارسی میں ترجمہ کیا اس کا قول تھا کہ اپنشد میں وہی کچھ ہے جو قرآن میں ہے اس نے اپنی مشہور کتاب "مجمع البحرین" لکھی جس سے بھگتی اور تصوّف کی نظریاتی قربت پر روشنی پڑتی ہے دارا شکوہ سنسکرت کا عالم تھا اگر اقتدار کی کشمکش کا شکار نہ ہوتا اور علمی مصروفیتیں رہتیں تو اپنے وقت اور طرز کا بڑا عالم ہوتا وہ اکبر کی صلح کُل پالیسی کا حامل تھا، مؤرخین کا خیال ہے کہ اگر شاہجہاں کے بعد اسے تخت نشین ہونے کا موقعہ مل جاتا تو وہ اکبر کی روش پر گامزن ہوتا اور ہندو مسلمان سیاسی اور نظریاتی اعتبار سے اور زیادہ قریب آجاتے اس کے مقابل اورنگ زیب شیخ مجدد کے صاحبزادے شیخ معصوم کا شاگرد تھا شیخ معصوم کی اتالیقی نے اس کے اندر اسلام سے شیفتگی کا گہرا رنگ پیدا کردیا تھا دربار کی وہ لابی جو دینِ الٰہی کی مخالف تھی اس کے ساتھ تھی۔ دارا شکوہ کی طرح اورنگ زیب بھی عالم و فاضل تھا اور بڑا زبردست انشاپرداز تھا "رقعات عالمگیری" نہ صرف اس کی انشاپردازی کا بہترین نمونہ ہے بلکہ اس کی سیاسی پالیسی اور حکومت میں بے تعصّبی اور مذہبی امتیاز سے بالاتر ہونے کی بھی تصدیق

کرتی ہے وہ سرکاری عہدوں کے لئے ہندو مسلم سے زیادہ صلاحیت کو اہمیت دیتا تھا۔ لیکن اس کا کردار بے حد متنازعہ فیہ ہے[1] بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کے بعض غیر محتاط اقدامات سے ہندوستان کے مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ دراصل اورنگ زیب اکبر کے دین الٰہی کے ردعمل کی پیداوار تھا اور یہی ردعمل اس کے ۵۰ سالہ دور حکومت کے بیشتر کارناموں میں نظر آتا ہے شاید اگر دین الٰہی ایجاد نہ ہوتا تو اورنگ زیب کا کردار بھی وجود میں نہ آتا اس نے اقتدار حاصل کرنے کے لئے اپنے بھائیوں کو قتل کرایا جو لوگ اورنگ زیب کے اتقا مذہب دوستی اور پابندِ شرع ہونے پر فخر کرتے ہیں ان کے لئے اس کے ان سفاک کردار کا دفاع مشکل ہے۔ اسلام اس قسم کے دغا اور فریب کی ہرگز اجازت نہیں دیتا اسے صرف ہوس اقتدار کا ہی نام دیا جاسکتا ہے۔ اس کے دور میں غیر مسلم رعایا پر جزیہ عائد کیا گیا جو سیاسی اعتبار سے غیر دانشمندانہ قدم تھا اس سے ہندو مسلمانوں میں مغائرت اور منافرت بڑھی، اسے اگر شرعی

---

[1]۔ اورنگ زیب کے کردار سے اکبر اور دارا شکوہ کے کردار کے تقابل میں یہ بات بہرحال ملحوظ رہنی چاہیے کہ اکبر اور دارا شکوہ اعتقادی طور پر ملحد اور عملی طور پر گمراہ تھے، اسلام سے انہیں دور کا بھی رشتہ نہیں تھا، اکبر "دین الٰہی" کے فتنۂ کبریٰ کا موجد تھا۔ ملّا مبارک کے خاندان پر اس فتنہ کی ذمہ داری ڈال کر اکبر کو بری نہیں کیا جاسکتا، وہ بادشاہ وقت تھا، سارے معاملات اس کے ہاتھ میں تھے یہ اور بات ہے کہ اپنے اقتدار کی بنیاد مضبوط کرنے کے لئے اس نے مذہبی معاملات میں یکسر صلح کل کی پالیسی اپنائی تھی۔ اس کی نظر میں اسلام، عیسائیت، یہودیت، ہندو دھرم سب یکساں تھے، اس کے دور کی تعمیرات اور اس کا پورا کلچر اس کے شاہد عدل ہیں۔ وہ ایک کامیاب حکمراں تھا، لیکن حکمرانی ہی کو اس نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا، اسے دین سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، اس کے برخلاف اورنگ زیب پختہ عقیدہ و فکر اور دینی احکام و معاملات کو اپنانے والا ایک باغیرت مسلمان تھا، اپنی ذاتی زندگی میں وہ انتہائی زاہد، متقی اور شریف انسان تھا، اس کا سلوک ہندوؤں اور ملک کے دوسرے باشندوں کے ساتھ انصاف اور رواداری پر مبنی تھا، منصف اور غیر جانبدار مؤرخین نے اس کا اعتراف کیا ہے، کتنے ہی مندروں اور پنڈتوں کے لئے اس نے جاگیریں اور وظائف جاری کئے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اپنے اقتدار کو مضبوط اور وسیع کرنے کے لئے اس نے پہاڑ جیسی غلطیاں کیں، اپنا بیشتر وقت اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ جن لوگوں سے وہ برسرپیکار ہے وہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم جنوبی ہند کو فتح کرنے میں ضائع کیا، اپنی طالع آزمائی کے سامنے اس نے بہت سے اسلامی احکام و تعلیمات کو بھی نظرانداز کیا، اپنے مشفق باپ کو بھی نظربند کیا، گرو تیغ بہادر کا قتل، بنارس میں گیان باپی مسجد کا انہدام وغیرہ حوادث اس کی سیاسی غلطیاں ہیں، اسی طرح مکمل اسلامی شریعت کی تنفیذ اور اسلامی تعلیمات و عقائد کی امکانی حدود تک تبلیغ و دعوت کے بغیر صرف جزیہ کی تنفیذ محل نظر ہے، لیکن تقسیم ملک اور محمد علی جناح اور مسلم لیگ کی ناعاقبت اندیشانہ حرکات، اور ہندوستان میں مسلم قیادت کی جذباتیت، خود غرضیوں اور ہوس اقتدار نیز اس کی ناعاقبت اندیشیوں کے نتیجہ میں مسلمانان ہند کو جو برے دن دیکھنا پڑ رہے ہیں، ان سے گھبرا کر اگر ہم اپنی ماضی کی تاریخ کی بابت مرعوبیت کا شکار ہوگئے، انگریزوں اور فرقہ پرست ہندوؤں کے الزامات کو ہم نے جوں کا توں تسلیم کرلیا اور ذہنی پسپائی اختیار کرکے ہم نے اکبر اور دارا شکوہ جیسی شخصیتوں کو ہیرو بنانے کی کوشش کی تو یہ ہماری مرعوبیت اور شکست خوردگی کی بدترین مثال ہوگی۔

اس لئے اس موضوع پر ہمیں بہت محتاط انداز میں سوچنا اور لکھنا چاہیے، جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو اس ملک میں کسی بھی مسلمان کو اس کی کسی بھی نمایاں خدمت کا کریڈٹ نہیں دینا چاہتے اور انہیں اب تک اجنبی ہی گردانتے ہیں ان کی پرواہ ہم نے کی تو یہ ہمارے حق میں صحیح ہوگا نہ اس ملک کے حق میں، جن تنگ نظروں نے نواب سراج الدولہ اور سلطان ٹیپو جیسے مجاہدین وطن کو معاف نہیں کیا اور شیر شاہ سوری جیسے تعمیری ذہن کے حامل بادشاہ کو نہیں بخشا، ابوالکلام آزاد کی قائدانہ عظیم خدمات کا ذکر کرنا بھی جنہیں گوارا نہیں اور جو آج خود اکبر تک کا گڑا مُردہ اکھاڑنے پر آمادہ ہیں، انہیں نظرانداز کرکے ہمیں اپنا تعمیری کردار اور انسانیت و وطن کی خدمت کا اپنا فریضہ باغیرت مسلمان رہتے ہوئے انجام دیتے رہنا چاہیے یہی ملت و وطن کے حال و مستقبل کی بہتری کا ضامن ہوگا اور یہی ہمارے قلب و ضمیر کے لئے باعث اطمینان ہوگا۔

نقوی صاحب نے جس کرب کے عالم میں یہ اداریہ لکھا ہے ملک کی موجودہ صورت حال میں ہر حساس اور باضمیر انسان کو یہ کرب محسوس کرنا چاہیے اور مسلمانوں کو اپنے مستقبل کی تعمیر کے لئے جذباتیت اور ناعاقبت اندیشی کی دلدل سے نکل کر اسی صراط مستقیم کو اپنانا چاہیے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے چودہ سال پہلے پوری انسانیت کی نجات کے لئے پیش فرمایا تھا۔ (ع۔ ح۔ ر)

جواز کے عذر کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی جائے تو یہ صحیح نہیں ہوگا وہ شریعت اور مفتی کی ہر بات نہیں مانتا تھا۔ جب اس نے دکن پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو دربار کے مفتی نے رائے دی کہ کسی مسلم ریاست پر حملہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے مغل اعظم نے مفتی دین کے اس فتویٰ کو نظرانداز کردیا اور ۲۵ سال تک وہ دکن کی مسلم ریاستوں سے برسرپیکار رہا اور ایک طرح سے پوری مغل سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کردیں۔ اگر جزیہ کے بارے میں علماء کی رائے پر عمل تھا تو دکن پر فوج کشی کے معاملے میں علماء کی رائے کیوں مسموع نہیں سمجھی گئی۔ پھر بادشاہ نے بنارس کے مندر کو منہدم کرادیا یہ قدم نہ صرف غیردانشمندانہ بلکہ ایک حد تک احمقانہ تھا کہا جاسکتا ہے کہ ہندو اس مندر میں خفیہ میٹنگیں کرتے تھے اور حکومت کے خلاف سازشیں ہوتی تھیں ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک ہندو رانی جو درشن کرنے مندر میں گئی تھی اس کی مندر کے پجاریوں نے آبروریزی کی جب اورنگ زیب کو اس کی خبر ملی تو اس نے اس مندر کو منہدم کرادیا۔ ظاہر ہے یہ دلیلیں اور تاویلیں اس اقدام کی سنگینی کو کم نہیں کرتیں۔ اگر ہندو وہاں سازشیں کرتے تھے تو یہ کوئی نئی بات نہیں سازشیں دلی کے شاہی محل میں بھی ہوتی تھیں لیکن شاہی محل تو مسمار نہیں کرایا گیا پھر رانی کی آبروریزی یا سلطنت مغلیہ کے خلاف سازش کی سزا پجاریوں اور سازشیوں کو ملنی چاہئے تھی نہ کہ مندر کو۔ اگر کسی مسجد کے امام صاحب مسجد کے ممبر سے حکومت پر تنقید کریں تو یہ بات تو سمجھ میں آسکتی ہے کہ حکومت قانون کے تحت ان پر بغاوت (سیڈیشن) کا مقدمہ چلائے اور انہیں سزا دے لیکن یہ منطق کہ امام صاحب کی حکومت مخالف سرگرمیوں کی پاداش میں مسجد کو منہدم کرادیا جائے کسی کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اورنگ زیب کے اس غیردانشمندانہ قدم نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ابدی خلیج پیدا کردی۔ اگر وہ آبروریزی کے جرم میں مندر کے مہنت کو قتل کرادیتے تو ہندوؤں میں ان کا وقار بلند ہوتا اور آج ان کے اس فعل کی ستائش کی جاتی اگر وہ مندر میں سازش کرنے والوں کو پکڑ کے قید کردیتے یا قتل کردیتے تب بھی یہ بات کہی جاسکتی تھی کہ جس بادشاہ نے اقتدار کی خاطر

اپنے باپ (شاہجہاں) کو قید کیا اپنے بھائیوں کو دھوکے سے قتل کرایا اس کے لئے ہندو باغیوں کو قتل کرانا بھی معمولی بات تھی لیکن مندر گرواکر اس نے مذہبی منافرت کا کبھی ختم نہ ہونے والا جذبہ پیدا کردیا اس دور میں بادشاہ یا ان کے امراء نے اس واقعہ کی سنگینی کو محسوس نہیں کیا لیکن ہم آج تک اس کے تباہ کن اثرات دیکھ اور بھگت رہے ہیں پھر بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے سکھوں کے گرو تیغ بہادر کو قتل کرادیا۔ گورو جی کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ داراشکوہ کے دوست اور حامی تھے۔ داراشکوہ چونکہ ہندو مذہب اور فلسفہ سے متأثر تھا فقیروں، جوگیوں اور صوفیوں کی صحبت پسند کرتا تھا اس لئے سکھ گرو جو ایک سنت تھے اس سے تعلق خاطر رکھتے ہوں گے۔ اورنگ زیب نے محض اس جرم میں کہ انہوں نے تخت نشینی کی لڑائی میں داراشکوہ کی حمایت کی تھی۔ گورو تیغ بہادر کو قتل کرادیا سکھ فرقہ اس وقت تک پوری طرح عسکری تنظیم کے رنگ میں نہیں ابھرا تھا اور بیشتر درویشی انداز کا تھا لیکن اورنگ زیب کے اس فعل نے سکھ فرقے کو جنگجو فرقہ بنادیا جس کی ساری جنگی قوت کا محور مغل اقتدار کی مخالفت تھا۔ گورو تیغ بہادر کے فرزند گورو گوبند سنگھ نے جو دسویں اور آخری گورو تھے خالصہ فوج تشکیل دی اور اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا اپنا مقصد بنالیا۔ ادھر اورنگ زیب کے بعد سلطنت مغلیہ کمزور ہوتی گئی ادھر سکھ پنجاب میں قوت پکڑتے گئے اور چونکہ مغلوں کی دشمنی ایک طرح سے ان کے عقیدہ میں شامل ہوگئی تھی چونکہ مغل مسلمان تھے لہٰذا سارے مسلمان سکھوں کے انتقام کا نشانہ بنے اور سکھ مسلم مغائرت ایک مستقل منافرت کی شکل اختیار کرگئی جبکہ سکھ دھرم کے بانی گورو نانک جی کے بارے میں روایت ہے کہ بابر نے انہیں اپنے دربار میں بلایا اور ان کی تکریم کی۔ کہتے ہیں کہ بابر نے باباجی کو مشروب پیش کیا بابا نانک جی نے انکار کیا اور بابر کو دلپذیر نصیحتیں کیں بابر ان کی پند و نصیحت سے بہت متأثر ہوا عقیدتمندی سے ان کی باتیں سنیں اور اعزاز کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔ سکھوں کی کتابوں میں اس واقعہ کا فخر کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے کوئی سکھ بابر کو برا نہیں کہتا بلکہ ان کے گورو کا اکرام کرنے پر بابر سے

ایک گونہ محبت کا جذبہ رکھتا ہے جبکہ اورنگ زیب سے ہر سکھ کو نفرت ہے۔ اورنگ زیب کے اس فعل کے مقابلہ میں مالیر کوٹلہ کے نواب کا کردار دیکھئے۔ جب سکھ گورو کے لڑکے مغل فوج کے خوف سے مالیر کوٹلہ کے مسلمان نواب کی پناہ میں چلے گئے تو مغل سالار نے نواب سے مطالبہ کیا کہ ان لڑکوں کو مغل فوج کے حوالے کردے لیکن نواب نے ان مظلوموں کو حوالے نہیں کیا جب مغل سپاہی واپس چلے گئے تو بحفاظت ان لڑکوں کو سکھ گورو کے پاس پہنچادیا۔ گورو جی مالیر کوٹلے کے نواب کی اس روش سے بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے ہدایت کی کہ سکھ مالیر کوٹلہ کی ریاست پر کبھی حملہ نہیں کریں گے اس ہدایت کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۱۹۴۷ء میں بھی جبکہ پنجاب میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں مالیر کوٹلہ میں اس وقت بھی مسلمان مامون و محفوظ رہے۔ اورنگ زیب کے ہاتھوں سکھ گورو کا قتل اور اس کے نتائج اور مالیر کوٹلہ نواب کے ہاتھوں سکھ گورو کے بیٹوں کی حفاظت اور اس کے اثرات دونوں کو سامنے رکھئے اور دیکھئے کہ کس کا عمل مسلمانوں کے لئے رحمت بنا اور کس کا زحمت۔ کوئی صاحب پوچھ سکتے ہیں کہ آج ۱۹۹۴ء میں ان صدیوں پرانے واقعات کو دوہرانے یا زخموں کو کُریدنے سے کیا حاصل؟ لیکن ان صدیوں پرانے واقعات کے اثرات آج تک ہماری قومی سیاست پر چھائے ہوئے ہیں سیاست میں مسلمانوں کے مقام اور اہمیت پر یہ واقعات پوری طرح اثر انداز ہو رہے ہیں اس لئے ان کا تذکرہ ضروری ہے تاکہ مسلمان دیکھ لیں کہ ماضی کی لمحاتی غلطیوں نے انہیں صدیوں کی سزا کا مستحق بنادیا چونکہ تاریخ سے قومی ذہن بنتا ہے اور قومی ذہن کا عکس قومی سیاست میں منعکس ہوتا ہے۔ یہ بلاشبہ صحیح ہے کہ انگریزوں نے مسلمان حکمرانوں کی ان زیادتیوں کو فرقہ وارانہ منافرت کو گہرا بلکہ ابدی بنانے کے لئے پوری عیّاری سے ابھارا۔ سوئی کا بھالا بنادیا۔ اساطیر کو تاریخی اعتبار عطا کردیا۔ علاء الدین اور پدمنی کے فرضی واقعہ کو اس طرح اجاگر کیا کہ ہندوؤں کی پوری نسل اسے سچا سمجھتی ہے مگر سوال یہ ہے کہ ان حکمرانوں نے غیر دانشمندانہ روش کیوں اختیار کی۔ انگریز اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے خلاف ایسے افسانے نہیں تراش سکے۔ ہاں اورنگ زیب کی غیر محتاط روش نے انگریزوں کو نفرت و مغائرت کے لازوال خزانے عطا کردئے اور ہندو اور سکھ اورنگ زیب کی غلطیوں کا بدلہ عام مسلمانوں سے نفرت کی شکل میں لینے لگے یہاں تک کہ اورنگ زیب اور شیواجی کی اقتدار کی لڑائی بھی ہندو مسلم کشمکش کے رنگ میں دیکھی جانے لگی جبکہ اکبر اور راناپرتاپ کی جنگوں کو اس حد تک فرقہ وارانہ رنگ نہیں دیا جاسکا کیونکہ اکبر اورنگ زیب کی طرح غیر دانشمند نہیں تھا۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے دور میں سکھ اور مرہٹے مغل سلطنت سے زیادہ مسلمانوں کے دشمن بن کر اٹھے اور انہوں نے جگہ جگہ مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ جیسے انصاف دوست سکھ حکمراں کے دور میں بھی مسلمانوں پر استبداد جاری رہا جس کے خلاف سید احمد اور شاہ اسمٰعیل دہلوی نے جہاد کیا۔ انگریزی دور میں جب تعلیم عام ہوئی اور انگریزوں نے ہندوستانی تاریخ کے مسخ شدہ ایڈیشن تیار کرکے پیش کئے تو ہندو مسلمانوں کے درمیان مغائرت کی نئی دیواریں اور اونچی ہوگئیں۔ ہندوؤں نے مغل حکمرانوں کے ذاتی افعال کو عام مسلمانوں پر تھوپنے کی کوشش کی اور مسلمانوں نے اس کے جواب میں محمود غزنوی اور اورنگ زیب کو اپنا ہیرو بنالیا۔ بُت شکنی قابل فخر کارنامے قرار پائے۔ غازی محمود غزنوی اور اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامے مبالغہ آمیزیوں کے ساتھ بیان کئے جانے لگے۔ کسی مسلمان عالم یا دانشور نے یہ سمجھنے یا سمجھانے کی کوشش نہیں کی کہ یہ حکمراں محض اپنے اقتدار کے لئے بُت شکنی یا مندر شکنی کرتے تھے اور دولت اقتدار ہی ان کا مطمح نظر تھا وہ مسلمان ضرور تھے لیکن مسلمانوں کے ہیرو نہیں تھے ان کے افعال و کردار کی ذمہ داری اسلام یا مسلمانوں پر نہیں ہے اسلام کسی عبادت گاہ کو منہدم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ معبودان باطل کو برا کہنے سے بھی منع کرتا ہے مبادا دوسرے لوگ اسلام کے معبود برحق کو برا کہنے لگیں۔ اسلام دین کے معاملے میں جبر و اکراہ کا قائل نہیں صرف حکمت و موعظۂ حسنہ کے ذریعہ تبلیغ کی ہدایت کرتا ہے۔ سرسید نے علی گڑھ تحریک شروع کی اس میں فرقہ واریت کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ سرسید خود غیر متعصب اور

بیع القلب تھے لیکن حالات نے انہیں بھی یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ ہندو سلمان الگ الگ ہیں اور اکٹھے نہیں رہ سکتے پھر مسلم لیگ نے مسلمان جاگیرداروں کے مفاد کا علم اٹھایا اور ہندو مسلم خلیج کو پھیلا کر سمندر جیسی وسعت عطا کردی۔ دو قومی نظریہ کو فروغ ہوا اور وہ لوگ جنہیں دین سے کوئی اُنس یا واسطہ نہیں تھا مسلمانوں کے "قائد اعظم" بن گئے۔ جبکہ مقتدر اور معتبر علماء کھل کر مسلم لیگ اور اس کی شعبدہ بازیوں کی مخالفت کرتے رہے اور ملت کو سمجھاتے رہے کہ امن وعافیت اور اسلام کا وقار اور تحفظ ملکی اتحاد اور فرقہ وارانہ یک جہتی میں ہے اسلام نے مذہب کی بنیاد پر اللہ کی زمین کو تقسیم نہیں کیا لیکن جذبات فروشوں کے نقار خانے میں کسی نے صدائے حق پر دھیان نہیں دیا اور مفاد پرست اسلام کا پرچم اٹھا کر ملت کو اغوا کر لے گئے پچھلے دنوں کیمونسٹ لیڈر ای ایم ایس نمبودری پد نے ایک بحث چھیڑی تھی کہ بنیاد پرستی کیا ہے اور یہ کہ مہاتما گاندھی اور مولانا آزاد جو عظیم قومی رہنما تھے بنیاد پرست تھے جبکہ جناح صاحب جنہوں نے مذہب کے نام پر ملک کو ٹکڑے کرایا بنیاد پرست نہیں تھے۔ ای ایم ایس نے اپنا نظریہ اس بنیاد پر تشکیل دیا کہ وہ کیرالا میں عبد النصیر مدنی اور سلیمان سیٹھ سے کیمونسٹوں کے اتحاد کی وکالت کر سکیں آج کل بنیاد پرستی کا مطلب تنگ نظری اور کٹر پنتھی ہے کیمونسٹ رہنما کی دلیل یہ ہے کہ اگر مذہب سے گہری وابستگی قابل اعتراض ہے تو مہاتما گاندھی کٹر ہندو تھے اور مولانا آزاد کٹر مسلمان اس کے باوجود دونوں تعصب تنگ نظری سے پاک اور فرقہ وارانہ منافرت سے دور تھے جبکہ جناح جنہیں نہ مذہب سے لگاؤ تھا نہ اس کا علم، تعصب، تنگ نظری اور فرقہ وارانہ منافرت کی شناخت بن گئے تھے۔ اس بحث نے کچھ دیر خاصا ہنگامہ کیا قومی پریس نے اس پر اعتراض کیا کہ مولانا آزاد جیسے عظیم قومی رہنما کا نصیر مدنی سے موازنہ کیا گیا؟ مہاتما گاندھی کو بنیاد پرست کہا گیا کیونسٹ پارٹی نے بھی اپنی پالیسی واضح کی کہ وہ مولانا آزاد اور مہاتما گاندھی کو بنیاد پرست قرار نہیں دیتے اور نہ پارٹی آج کے بنیاد پرستوں سے اتحاد کی حامی ہے۔

اس جملہ معترضہ سے بتانا یہ مقصود ہے کہ قومی سیاست میں آج بھی مسلم لیگ کے کردار کا گہرا اثر ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہ سیاست میں مولانا آزاد کے کردار کو فراموش نہیں کیا جاسکتا اگرچہ فسطائی ہزاروں جتن کرتے ہیں کہ مولانا آزاد اور دیگر قوم پرست علماء کے کردار پر مٹی ڈال دی جائے۔

مسلم لیگ کے ہاتھوں ملک کی تقسیم ہندوستان میں مسلمانوں کے ہزار سالہ وجود کا سب سے مہلک حادثہ اور مسلمانوں کی تاریخ کی سنگین ترین غلطی تھی اگرچہ اس میں طمانیت کا پہلو یہ ہے کہ حق پرست اور بابصیرت علماء نے تقسیم کی بھرپور مخالفت کی تاہم چونکہ تقسیم عمل میں آگئی اور کروڑوں انسان اس سے متاثر ہوئے اس لئے علماء کا مثبت کردار بھی نفرت کی آندھی میں اُڑ گیا۔ آج نئی نسل نہیں جانتی کہ علماء اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے قدم قدم پر مسلم لیگ کی مخالفت کی اور یہ مولانا آزاد تھے جنہوں نے آخری وقت تک تقسیم کو قبول نہیں کیا جبکہ جواہرلال اور گاندھی جی تک اپنا موقف تبدیل کر چکے تھے۔

تقسیم کے بعد لکھنؤ کنونشن میں مولانا آزاد نے مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا کہ بدلے ہوئے حالات میں وہ فرقہ وارانہ سیاست سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہو جائیں لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے حسب عادت ان کا مشورہ نہیں مانا تقسیم سے پہلے ان کی سیاست مسلم لیگ کے محور پر گھومتی تھی اب اردو، مسلم پرسنل لا، بابری مسجد اور مسلم یونیورسٹی جیسے مسائل ان کی سیاسی شناخت بن گئے جو "قائد اعظم" اٹھا اس نے انہی چند مطالبات کا علم اٹھایا اور مسلم جم غفیر دیوانہ وار ان کے گرد جمع ہو گیا کسی نیتا نے مسلمانوں کی اقتصادی تعلیمی پسماندگی، سماجی برائیوں، دینی غفلتوں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ ان باتوں سے سیاست کے بازار میں کوئی دام نہیں لگتے نہ دوسری سیاسی پارٹیاں ان امور پر توجہ دیتی ہیں نہ ایسے نیتاؤں کو الیکشن میں ٹکٹ مل پاتا ہے لہٰذا سب نے حقائق سے منہ موڑ کر جذبات فروشی کو ہی شعار بنایا اور خوب کمائی کی ہر پارٹی کے منشور میں اردو، مسلم پرسنل لا، مسلم یونیورسٹی اور بابری مسجد نمایاں جگہ پاتے رہے اور مسلمان سے

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

کے مصداق ہرپارٹی کی طرف دوڑتے رہے۔ ۶ر دسمبر کو بابری مسجد کے انہدام نے ملک میں مسلمانوں کی بے وقعتی کو اُجاگر بھی کیا اور فسطائیوں کے مقابلہ میں قومی سیاست کی بے بسی کو بھی ظاہر کردیا اور یہ بھی کہ اب ان کے لئے نئی راہ پر چلنا بے حد ضروری ہے یوپی میں ملائم سنگھ قیادت نے مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کیا۔ ملائم سنگھ یادو اور لالو پرشادیادو جدید ہندوستان کے دو اہم علاقائی لیڈر ہیں جنہوں نے قومی سیاست میں اعتبار اور اہمیت حاصل کی ہے۔ یہ دونوں ہی بابری مسجد کی تحریک سے ابھرے ہیں لالو پرشاد نے اڈوانی کی رتھ یاترا روک کر اور اسے گرفتار کرکے مسلمانوں کے دل جیت لئے، ملائم سنگھ نے ۱۹۹۰ء میں بابری مسجد پر چڑھائی کی فسطائی کوشش کو ناکام کرکے مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کی حالانکہ ان دونوں کے یہ اقدامات اپنی سیاسی مصلحت اور انتظامی پیش بندی کے مطابق تھے تاہم مسلمانوں کو اس سے راحت یوں ملی کہ قومی سیاست کے ہیجانی اور بحرانی دور میں کوئی تو ایسا ہے جو جرأت مندی کا مظاہرہ کرسکتا ہے اور فسطائیوں کے بڑھتے قدم روکنے کا حوصلہ کرسکتا ہے اس لئے ابھی تک مسلمانوں میں ان دونوں یادو لیڈروں کا وقار اور اعتبار ہے اگرچہ بعض حلقوں سے آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ ان لوگوں نے سوائے وعدوں کے مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں کیا لیکن مسلمانوں کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ لالو پرشادیادو کے دور میں بہار میں فرقہ وارانہ شورش برپا نہیں ہوئی جبکہ کانگریس کے دور میں بھاگلپور کا قتل عام ہوا تھا جسے ۱۹۴۷ء کے بعد سب سے بھیانک فساد قرار دیا گیا فرقہ وارانہ فساد نہ ہونا بھی مسلمانوں کے لئے ایک بڑی راحت ہے ملائم سنگھ نے بھی فرقہ وارانہ اتحاد کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی ہے اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ دونوں لیڈر فرقہ واریت کے جراثیم سے پاک اور فسطائیوں کو للکارنے کا حوصلہ رکھتے ہیں جبکہ دوسری طرف مہاراشٹر میں کسی میں اتنا دم نہیں کہ بال ٹھاکرے اور اس کی شوسینا کی طرف انگلی بھی اٹھاسکے۔ کانگریس اپنی اسی کمزوری کے سبب اقلیتوں کے اعتماد سے محروم ہوئی ہے۔ بہوجن سماج پارٹی پر اقتدار کا نشہ طاری ہے چونکہ پہلی بار اسے اقتدار میں شرکت کا موقعہ ملا ہے اس لئے کانشی رام اور مایاوتی اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پارہے ہیں مایاوتی نے مسلمانوں کو غدار کہا اس سے قبل کانشی رام نے بھی کہا تھا کہ میں جب مسلمانوں سے ملتا ہوں تو جے سیارام کہتا ہوں کیونکہ ان کی وجہ سے بی جے پی کو یوپی اسمبلی میں اتنی بڑی تعداد میں سیٹیں مل گئیں اور ایس پی بی ایس پی کو کم سے کم ۳۰ نشستیں ہارنی پڑیں۔ دونوں کے سوچنے اور بولنے کا ڈھنگ ایک جیسا ہے اور بعض اوقات وہ مسلمانوں سے ایسا برتاؤ کرنے لگتے ہیں جیسا کل کے جاگیرداران کی برادری سے کرتے تھے یہ دراصل سیاسی ناپختگی اور بے شعوری ہے۔ یہ تو کہنا مشکل ہے کہ ان دونوں کو اس کا اندازہ نہیں ہوگا کہ انہوں نے اپنی گفتار بے لگام سے مسلمانوں کو اپنی پارٹی سے کتنا بد ظن کردیا ہے ان کے آنکھیں بھی ہیں اور دماغ بھی ہے۔ ڈاکٹر مسعود کی تحقیر کرکے انہوں نے سوچا تھا کہ پارٹی میں بغاوت کے جذبات کو کچل دیں گے لیکن اس کا اثر الٹا ہوا۔ شاید اپنی اس غلطی کی تلافی کے لئے ہی اب مایاوتی نے مسلمانوں کے لئے ملازمتوں میں ۱۰فیصد ریزرویشن کا مطالبہ کیا ہے اس طرح وہ ڈاکٹر مسعود کو بے اثر اور مسلمانوں میں اپنی گرتی ساکھ کو بچانا چاہتی ہیں آج کل ریزرویشن کا مطالبہ اور وعدہ بڑا کار آمد سیاسی شعبدہ بن گیا ہے سپریم کورٹ نے ۵۰فیصد ریزرویشن کا فیصلہ دیا تامل ناڈو نے ۶۹فیصد کردیا اور اب کرناٹک نے ۸۰فیصد کا اعلان کردیا ہے ممکن ہے کوئی اور ریاست ۹۰فیصد کردے اور پھر ۱۰۰فیصد کی باری آجائے کئی ریاستوں میں الیکشن سر پر آگئے ہیں لہٰذا خوب جھانسے دئے جارہے ہیں بہرحال مسلمانوں کو ۱۰فیصد ریزرویشن اول تو ملے گا نہیں اگر کسی سیاسی فیصلے سے مل بھی گیا تو اس پر عمل نہیں ہوگا مایاوتی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ آزادی سے پہلے سرکاری نوکریوں میں مسلمانوں کا حصہ ۳۳فیصد تھا جو اب صرف ۵،۱فیصد رہ گیا ہے ان کا یہ کہنا بھی صحیح ہوسکتا ہے کہ برہمن راج نے مسلمانوں کو دبایا تاکہ وہ اقتدار میں ان کے مقابل نہ آسکیں تاہم ریزرویشن وغیرہ کے کھلونے مسلمانوں کے مسائل کا اصل حل نہیں اصل بات یہ ہے کہ

قومی سیاست مسلمانوں کے تئیں اپنا ذہن اور رویہ بدلے آج تک ہر پارٹی مسلمانوں کو محض ووٹ بنک کے طور پر دیکھتی رہی ہے۔ کسی نے لال قلعہ کی فصیل سے عید میلادالنبی کی تعطیل کا اعلان کر کے مسلمانوں کا "قائداعظم" بننے کی کوشش کی کسی نے یقین دلایا کہ بابری مسجد کی ایک اینٹ بھی نہیں گرنے دی جائے گی نرسمہا راؤ نے اعلان کیا تھا کہ بابری مسجد کو دوبارہ اسی جگہ بنایا جائے گا لیکن یہ سب وعدے اور طفل تسلیاں ہیں آج قومی سیاست پر فسطائیوں کا غلبہ ہے ساری سیکولر پارٹیاں دفاعی انداز میں صف بستہ ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔

فسطائیوں نے اجودھیا کا مسئلہ الیکشن کے لئے زندہ رکھا ہے۔ اب دسہرہ کا زمانہ آرہا ہے لہٰذا پھر رام جنم بھومی کا ایجی ٹیشن شروع ہو رہا ہے اس سے مسئلہ حل ہو یا نہ ہو لیکن فرقہ وارانہ فضا مکدّر ہوتی ہے۔ مسلمان ایک غیر یقینی صورت حال سے دوچار ہو جاتے ہیں اور تمام قومی پارٹیاں ایک طرح فسطائیت کے ہاتھوں یرغمال بن جاتی ہیں ضرورت ہے کہ قومی سیاست اس مسئلہ پر کوئی جرأت مندانہ موقف اختیار کرے مگر بدقسمتی سے سیکولر پارٹیاں انتشار واختلافات کا شکار ہیں اور اب عملاً ملک میں کانگریس اور بی جے پی ہی قومی سطح کی پارٹیاں رہ گئی ہیں جنتادل کی شکست وریخت کی ساتھ قومی سیاست میں سیکولر کردار اور بھی کمزور ہو گیا ہے۔ کمیونسٹوں کی رسائی بنگال اور کیرالہ تک ہے۔ کانگریس ابھی تک پوری طرح سنبھل نہیں سکی ہے یوپی میں کانشی رام کی سطحی ذہنیت نے ملائم سنگھ سرکار کا مستقبل مخدوش کر دیا ہے اور جیسا کہ انہوں نے ابتداء میں ہی کہا تھا کہ یوپی میں ایک سال بعد پھر الیکشن ہوں گے تو یہ بات فسطائیوں کے حق میں جا سکتی ہے اور وہ دوبارہ اقتدار حاصل کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ وہ کیا کریں انہوں نے وی پی سنگھ کا ساتھ دیا اور جنتادل نے کچھ ہی مدت میں قومی اہمیت حاصل کر لی لیکن آج جنتادل عملاً ختم ہو چکا ہے۔ بہار میں اگر الیکشن میں لالو پرشاد یادو دوبارہ نہ جیت سکے تو جنتادل کا علاقائی وجود بھی بکھر جائے گا کانگریس اپنی تنظیمی کمزوریوں اور طویل اقتداری کرپشن پر قابو پالے تو دوبارہ ابھر سکتی ہے اب اس کا مقابلہ براہ راست فسطائیت سے ہے اس لئے اس کی پوزیشن مضبوط بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ اسے سیکولر حلقوں کا اعتماد مل سکے ورنہ سنگھ پریوار ہی اس کا فائدہ اٹھائے گا قومی سیاست کی اس بدلتی صورت حال کا مسلمانوں پر ہی زیادہ اثر پڑے گا۔ بابری مسجد کے سانحہ کے بعد وہ کانگریس سے بے زار ہو کر جنتادل کی طرف جھک گئے تھے اب وہ بھی ٹوٹ گیا ملائم سنگھ یادو کی سماج وادی پارٹی ابھی قومی سطح پر منظم نہیں ہو سکی ہے اس لئے آئندہ اسمبلی انتخابات میں مسلمانوں کے لئے ایک مشکل مسئلہ ہو گا کہ وہ کس کو ووٹ دیں حالات انہیں کانگریس کی طرف کھینچ کر لا رہے ہیں اب یہ کام کانگریس کا ہے کہ وہ مسلمانوں کے شکوک وشبہات اور ان کی شکایتوں کا ازالہ کرے۔

مسلمانوں کے ساتھ المیہ یہ ہے کہ پاکستان کی بے بصیرت جاگیردارانہ سیاست یہاں کی قومی سیاست پر اپنے تاریک سائے ڈالتی رہتی ہے کشمیر کا مسئلہ پاکستان کے حلق کی ہڈی بن گیا ہے اور ہندوستان کے گلے کا پھندا۔ فسطائی اسے فرقہ وارانہ رنگ دے رہے ہیں کوئی مسلمان وزیر اگر اپنے قومی موقف کی حمایت اور وضاحت کرے تو پاکستان کے نزدیک وہ کرایہ کا مسلمان ہے جو اپنے ہندو آقاؤں کو خوش کرنے کی کوشش کر رہا ہے جبکہ خود پاکستان نے اپنا قومی وجود صلیبی مغرب کو کرائے پر دے رکھا ہے آج تک وہاں کی قومی سیاست (اگر افسر شاہی اور فوج کے شکنجہ میں گرفتار قوم کی کوئی قومی سیاست ہو سکتی ہے تو) صرف گورے صلیبیوں کی تابع مہمل ہی رہی ہے ہاں اس نیشنل پالیٹکس کا اگر کوئی بنیادی نکتہ ہے تو وہ ہندوستان دشمنی ' یہ دشمنی ہسٹیریا کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ وہاں اصل حکمرانی آئی ایس آئی (فوج کا خفیہ شعبہ) کی ہے اس شعبہ کا کام دہشت گردی ہے جس طرح ماضی کے مسلم حکمرانوں کی عاقبت نااندیش روش کا آج تک مسلمانوں کو تاوان ادا کرنا پڑ رہا ہے حالانکہ وہ یا ان کے اجداد کسی بھی طرح ان حکمرانوں کے شریک کار نہیں تھے اسی طرح مسلم لیگ پاکستان اور آئی ایس آئی کی اندھی پالیسیوں کا جرمانہ بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ہندوستانی مسلمان ادا کرنے پر مجبور کئے جاتے ہیں اور قومی سیاست کے پاس اس کا کوئی

علاج نہیں ہے۔

ٹاڈا

انگریزی دور میں بہت سے ایسے قوانین نافذ العمل تھے جن کے تحت مجاہدین آزادی کو باغی کہہ کر جیل میں ڈال دیا جاتا تھا نہ کوئی مقدمہ نہ داد نہ فریاد۔ سب لوگ انہیں کالا قانون کہتے تھے۔ توقع تھی کہ آزادی کے بعد انسانی آزادی اور اس کے جائز حقوق کا تحفظ ہوگا اور دور غلامی کا کوئی کالا قانون ہندوستانیوں پر آزمایا نہیں جائیگا لیکن بدقسمتی سے آزاد ہندوستان میں برٹش دور کی بہت سی روایات باقی رہیں اور ان میں ہی کئی کالے قانون بھی ہیں۔ ایمرجنسی کے دور میں "میسا" اور "ڈی، آئی، آر" جیسے قانون نافذ کئے گئے اور بہت سے بے گناہ بھی ان کا شکار ہوئے۔ اب کئی سالوں سے ٹاڈا (انسداد دہشت گردی قانون) ہمارے سروں پر سایہ افگن ہے۔ ٹاڈا کا استعمال جس غیرذمہ داری بلکہ سفاکی سے کیا جارہا ہے اس کے لئے صرف یہی ثبوت کافی ہے کہ ملک کا ہر ذی شعور شخص اس کے استعمال کی مخالفت کر رہا ہے چونکہ اقلیتی فرقہ یعنی سکھ اور مسلمان اس کے اصل شکار ہیں اس لئے دونوں ہی فرقوں میں اس پر شدید اضطراب اور اشتعال پایا جاتا ہے۔ بمبئی بم دھماکوں کے بعد آئی ایس آئی کی ہند دشمن سرگرمیوں کا پتہ چلا اور اس کے نتیجے میں ٹاڈا کا بے دریغ استعمال کیا گیا اور ہنوز جاری ہے۔ لاتعداد افراد اس کے تحت جیلوں میں ڈال دیئے گئے ہیں اور چونکہ عام عدالتوں میں اس کے خلاف اپیل بھی نہیں ہوسکتی اس لئے ان کی فریاد سننے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ حال ہی میں سپریم کورٹ نے ایسے کیسوں میں نظربندی کی میعاد میں کمی کردی ہے لیکن اس سے مظلوموں کو زیادہ راحت نہیں مل سکے گی ضرورت ہے کہ اس کالے اور سفاک قانون کو بالکل ختم کردیا جائے یا پھر اس کا دائرۂ سماعت سول عدالتوں کے اختیار میں لایا جائے۔ قومی حقوق انسانی کمیشن کے چیرمین جسٹس رنگناتھ مشرا نے ارادہ ظاہر کیا ہے کہ کمیشن ٹاڈا کے خلاف سپریم کورٹ میں استغاثہ دائر کرے گا کہ اس کالے قانون کے اندھادھند استعمال کے پیش نظر یا تو اسے منسوخ کردیا جائے یا پھر اس کی مختلف دفعات میں اہم تبدیلیاں کی جائیں جسٹس مشرا نے اس کے غیرمحتاط اطلاق کی مثالیں دیتے ہوئے بتایا کہ گجرات جہاں دہشت گردی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے وہاں ٹاڈا کے تحت ۱۹ ہزار کیس درج کئے گئے تھے کمیشن کی مداخلت پر اب ان کیسوں کی تعداد ۳۰۰۰ سے بھی کم رہ گئی ہے۔ پنجاب میں ۱۶۰۰۰ اور جموں کشمیر میں دس ہزار کیس ٹاڈا کے تحت درج کئے گئے ہیں صرف کیرالہ ایسی ریاست ہے جہاں اس کا غیرذمہ دارانہ استعمال نہیں ہوا وہاں صرف ۶ کیس ٹاڈا کے تحت درج کئے گئے ہیں۔

(ہندوستان ٹائمز ۹/۸/۹۴ء)

قومی کمیشن برائے حقوق انسانی کے چیرمین کے اس انکشاف سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے یہاں حقوق انسانی کی پامالی کا کیا عالم ہے اور اس کا استعمال اقلیتوں کے لئے کیسا عذاب بن گیا ہے۔

کانگریس کی اقلیتی سیل، مسلم مجلس مشاورت، ملی کونسل اور دیگر تنظیموں اور اداروں نے بھی اس کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور وزیراعظم کو اس بارے میں ملک گیر اضطراب سے آگاہ کیا گیا ہے اگرچہ ریاستی وزرائے اعلیٰ نے بھی اس بارے میں تعاون کا یقین دلایا ہے اور ٹاڈا کیسوں پر نظرثانی کا وعدہ کیا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ سپریم کورٹ میں اس کے خلاف استغاثہ کیا جائے تاکہ سیاسی اور سرکاری استحصال پر مؤثر روک لگائی جاسکے۔

یہ بڑے شرم اور افسوس کی بات ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت میں ایسے عوام دشمن اور جمہور مخالف قانون نافذ کئے جائیں اور پھر ان کا غلط استعمال کیا جائے۔ آج تک بال ٹھاکرے، اشوک سنگھل، کٹیار جیسے دہشت گردوں پر اس قانون کا استعمال نہیں کیا گیا تاکہ معلوم ہوتا کہ واقعی اس قانون کا مقصد دہشت گردی کو روکنا اور دہشت گردوں کو پکڑنا ہے صرف یکطرفہ استعمال کیا جارہا ہے اپوزیشن آج کل بنکوں میں غبن کے معاملات پر سرکار سے الجھی ہوئی ہے لیکن معزز ممبران پارلیمنٹ نے اس طرف پوری توجہ نہیں دی کہ ٹاڈا کا بے دریغ، جانبدارانہ اور غیرذمہ دارانہ استعمال بھی کسی طرح ہرشد مہتہ کی سنگین مالی بدعنوانیوں سے کم تشویشناک نہیں ہے مالیاتی نقصان مختصر یا طویل مدت میں پورا کیا جاسکتا ہے لیکن جو انسانی جانیں

(بقیہ صـ۳۳ پر)

ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی (علیگ)

زوال مسلم

آج ساری دنیا میں مسلمان زوال وانحطاط کے جس المناک دور سے گزر رہے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ زوال کے اس عمل سے ہندی مسلمان بھی محفوظ نہیں ہے اور بعض اعتبار سے اس کا زوال زیادہ عبرت انگیز ہے تقریباً دو سو سال پہلے وہ اس ملک میں حکمراں تھے اور آج محکوم ہیں، کل آسمان تھے آج زمین کی طرح پست وپامال ہیں، کبھی فخر چمن تھے آج خس وخاشاک سے بھی زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا، لیل ونہار کی گردش ان کے خلاف کیوں ہوگئی؟

مسلمانوں کا زوال تاریخ عالم کا کوئی نیا واقعہ نہیں ہے اس سے پہلے بھی متعدد قومیں تخت عروج پر متمکن ہونے کے بعد زوال کی کھائی میں گر چکی ہیں، بابلی، مصری، یونانی اور رومی قومیں اس کی واضح مثالیں ہیں۔ عروج وزوال کے یہ واقعات جو دنیا میں برابر پیش آرہے ہیں محض اتفاقی واقعات نہیں ہیں اور نہ کسی اندھے بہرے قانون کے تابع ہیں بلکہ یہ قدرت کے غیر مبدّل قانون کے زیر اثر رونما ہوتے ہیں اور برابر رونما ہوتے رہیں گے اس میں کسی وقت اور کسی حال میں بھی کوئی تغیر وتبدّل واقع نہ ہوگا:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا

(الأحزاب: ٦٢)

"تم اللہ کی سنّت (قانون) میں کوئی تبدیلی نہ پاؤگے"۔

یہ قانون قدرت کسب وسعی کا قانون ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم: ٣٩)

"انسان کے لئے وہی ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے۔"

گویا جو شخص یا قوم سعی وجہد کی راہ اختیار کرتی ہے وہ کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے اور جو قوم اس سے روگردانی کرتی ہے وہ عرصۂ حیات میں ناکامی ونامرادی سے دوچار ہوتی ہے اس سعی سے جسمانی وذہنی دونوں طرح کی سعی مراد ہے۔

لیکن اس قانون کے ساتھ ایک دوسرا الٰہی قانون بھی ہے جو برابر اپنا کام کر رہا ہے اور وہ اخلاقی قانون ہے یعنی اس دنیا میں اسی قوم کو عزت وسربلندی ملتی ہے جو سعی وجہد کے ساتھ اخلاقی برتری کا بھی ثبوت دیتی ہے اس اخلاقی قانون کی طرف درج ذیل آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

(الأنفال: ٥٣)

یہ اس لئے کہ اللہ کسی نعمت کو جس سے وہ کسی قوم کو نوازتا ہے، تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو تبدیل نہیں کر لیتی اور بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

آیت میں نعمت سے دینی اور دنیوی دونوں ہی نعمتیں مراد ہیں اور یہ "ما بأنفسهم" سے مشروط ہے۔ "ما بأنفسهم" سے اخلاقی زندگی مراد ہے گویا کوئی قوم "نعمت" کی مستحق اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے مقابل گروہ پر ذہنی برتری کے ساتھ اخلاقی فضیلت بھی رکھے اور جب ذہنی اور اخلاقی فضیلت سے محروم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ یہ نعمت اس قوم سے چھین لیتا ہے۔

اگر آپ ان قوانین قدرت کی روشنی میں ہندی مسلمانوں کے ہر طبقے کا جائزہ لیں خواہ وہ علماء ہوں یا عوام، جدید علوم کے محصلین

ہوں یا قدیم علوم کے فارغین، شہری مسلمان ہوں یا دیہاتی، کارخانہ دار ہوں یا ملازم، تاجر و صنعت کار ہوں یا دکان دار، مالک ہوں یا نوکر تو نظر آئے گا کہ وہ کسی استثنار کے بغیر ذہنی جمود اور اخلاقی انحطاط کا شکار ہیں۔ ایجاد و اختراع یعنی جدید علوم وفنون کے میدان میں ان کی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر ہیں، دینی علوم صدیوں سے کورانہ تقلید کی بھاری چٹانوں کے نیچے دبے پڑے ہیں، تحقیق و اجتہاد سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں، "پدرم سلطان بود" "کل سرمایۂ فخر ہے" دیانت داری، امانت داری، عدل وانصاف، نرم خوئی و خوش گفتاری، انکسار و تواضع، غیرت و حمیت، عفو و درگذر، ایثار و بے لوثی اور حق گوئی و بے باکی جیسے اخلاقی اوصاف سے ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگیاں بڑی حد تک محروم ہو چکی ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ ان میں حد سے زیادہ غرور و نخوت پیدا ہو گیا ہے، ہمارے علماء (جدید علم کے ہوں یا قدیم کے)، اصحاب ثروت اور ارباب سیاست تینوں ہی کے دماغ تکبر کے بدبودار دھوئیں سے بھرے ہوئے ہیں علماء میں غرور علم بھی ہے اور غرور زہد بھی حالانکہ حقیقی معنی میں نہ ان کے پاس علم ہے اور نہ زہد کیونکہ جس کسی کے پاس یہ دونوں چیزیں ہوں گی اس میں استکبار نہیں ہو سکتا ہے، وہ تو شاخ ثمردار کی طرح ہوگا جو ہر وقت سرنگوں رہتی ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ "عباد الرحمٰن" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور ان کا جو خاص وصف بتایا گیا ہے وہ تواضع ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان: ۶۳)

"اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر خاکسارانہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں "سلامتی"۔

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر ہے کہ اللہ سے اس کے اہل علم بندے ہی ڈرتے ہیں اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (الفاطر: ۲۸) مگر ایک ایک مکتب فکر کے علماء کو دیکھ لیں خواہ جدید علوم کے ہوں یا قدیم علوم کے، کسی کے اندر بھی خوف خدا نام کی کوئی چیز نہ ملے گی۔ جب علماء کا یہ حال ہے تو عوام کا ذکر ہی کیا۔

اللہ کا شکر ہے کہ عبادت کے معاملے میں مسلمان دنیا کی ہر قوم سے آگے ہے شہر اور گاؤں کی تقریباً ہر مسجد میں مصلی ملیں گے مگر قرآن مجید نے مصلین کے جو اوصاف بتائے ہیں کیا وہ اوصاف بھی واقعی ان میں موجود ہیں، درج ذیل آیات کی روشنی میں خود فیصلہ فرمالیں:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا۔ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا۔ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا۔ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ۔ (المعارج: ۱۹تا ۲۳)

بے شک انسان فطرتاً بہت جلد گھبرا جانے والا ہے، جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ جزع فزع کرتا ہے اور جب اسے خیر (مال و دولت) ملتا ہے تو خود کو روکتا ہے (انفاق سے)، بجز ان مصلیوں کے (جو ان خصائل سے پاک ہوتے ہیں) جو اپنی صلوٰۃ پر مداومت اختیار کرتے ہیں۔

تقریباً یہی حال روزہ داروں، متصدقین اور حجاج کرام کا ہے کسی کی زندگی میں بھی قرن اول کے مسلمانوں کی زندگی کی ادنیٰ جھلک بھی نہ ملے گی فریب نفس کی بات اور ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج مسلمان جو صلوٰۃ ادا کرتا ہے وہ قرآنی صلوٰۃ نہیں، وہ جو صوم رکھتا ہے وہ قرآنی صوم نہیں، وہ جو حج کرتا ہے وہ قرآنی حج نہیں حتیٰ کہ وہ جو کلمہ پڑھتے ہیں یعنی لا الٰہ إلا اللہ وہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے غیر قرآنی بن چکا ہے مسلمانوں کے پاس جو سب سے قیمتی متاع تھی یعنی توحید اس سے بھی وہ تہی دامن ہو چکے ہیں۔ آج ان کا سواد اعظم کسی نہ کسی نوع کے شرک میں مبتلا ہے۔

ان سب خرابیوں کی واحد وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے مسلمانوں کا فکری اور عملی رشتہ منقطع ہو چکا ہے کیونکہ اعتصام بالقرآن کی صورت میں مسلمان نہ ذہنی جمود کا شکار ہو سکتا ہے اور نہ ہی ذلت و رسوائی اس کے قریب پھٹک سکتی ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أليس تشهدوا أن لاإله إلا الله وحده لاشريك له وأني رسول الله وأن القرآن جاء من عند الله؟ قلنا: بلى، قال! فأبشروا فإن هذا القرآن طرفه بيد الله وطرفه بأيديكم فتمسكوا به فإنكم لن

تضلّوا ولن تهلكوا بعده أبداً (طبرانی كبير)

کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ومطاع نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا ہے؟ ہم نے عرض کیا 'یقیناً' تب آپ نے فرمایا: پس تم خوشیاں مناؤ اس لئے کہ قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے پس اسے مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو اگر تم نے ایسا کیا تو اس کے بعد نہ کبھی گمراہ ہوگے اور نہ ہلاک۔

آج مسلمانوں میں جو اختلاف و تفرقہ پایا جاتا ہے اس کی وجہ بھی ترک قرآن ہے، قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ. وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰه جَمِيْعًا وَّلَاتَفَرَّقُوْا (آل عمران: ۱۰۲، ۱۰۳)

اے ایمان والو! اللہ کی نافرمانی سے بچو جیسا کہ بچنے کا حق ہے اور حالت اطاعت ہی میں تم کو موت آئے، اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور متفرق نہ ہو جاؤ۔

اس آیت میں مسلمانوں کو تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے

۱۔ زندگی کی آخری سانس تک اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت (اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ.)

۲۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا (وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا)

۳۔ تفرقے سے بچنا (وَلَاتَفَرَّقُوْا)

سیاق کلام سے بالکل ظاہر ہے کہ پہلے اور تیسرے حکم کی تعمیل اسی وقت ممکن ہے جب دوسرے حکم یعنی "واعتصموا بحبل اللہ" پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جائے تمام علماء تفسیر اس بات پر متفق ہیں کہ آیت میں "حبل اللہ" سے مراد قرآن مجید ہے۔ اسی حبل متین کے پکڑنے کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تفرقہ سے بچیں گویا اعتصام بالقرآن کی صورت میں وہ تفرقہ سے محفوظ ہوں گے اور اس کو چھوڑ دینے کی صورت میں تفرقہ میں مبتلا ہوں گے جیسا کہ آج ہم دیکھ رہے ہیں مسلمانوں کا موجودہ مذہبی تفرقہ خود بتاتا ہے کہ وہ اللہ کی رسی کو چھوڑ چکے ہیں اگر اس سے وابستہ ہوتے تو پھر وہ ایک امت ہوتے بہت سے فرقوں میں منقسم نہ ہوتے اور نہ باہم جنگ و جدال کرتے۔

مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "وحدت امت" میں لکھا ہے کہ شیخ الہند (مولانا محمود حسن دیوبندی) جن کو انگریزوں نے مالٹا میں قید کردیا تھا جب قید سے چھوٹے اور وطن واپس ہوئے تو ایک دن دار العلوم دیوبند کے اکابر اور علماء کو جمع کیا اور فرمایا:

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا ہے کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا اور دوسرا آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں گا کہ قرآن مجید کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی قائم کیے جائیں، بڑوں کو عوامی درس کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدل کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے"۔

اس اقتباس سے بھی راقم کے خیال کی تائید ہوتی ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں مسلمانوں کی فوز و فلاح اعتصام بالقرآن میں ہے لیکن یہ اعتصام زبان کے بجائے عمل سے ہونا چاہیے ہر مسلمان زبان سے یہی کہتا ہے کہ وہ قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہے لیکن جب اس کی تعلیمات پر عمل کا وقت آتا ہے تو وہ دوسری راہ اختیار کرلیتا ہے یا اس کی تاویل کرلیتا ہے قرآن مجید سے مسلمانوں کی یہی بے اعتنائی ان کے سیاسی اور مذہبی زوال کی اصل وجہ ہے۔ زوال کا یہ عمل صرف اس صورت میں رک سکتا ہے کہ مسلمان انسانی تعلیمات اور انسانی تصنیفات سے اخذ ہدایت کے بجائے براہ راست قرآن مجید کی رہنمائی قبول کرلیں ورنہ زوال و انحطاط کا موجودہ عمل اور خطرناک صورت اختیار کرسکتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم

مولانا عبدالنور ندوی رحمہ اللہ
اردو وعربی صحافت کی نظر میں

أَلاَيا صَخْرُ لا أنساكَ حَتّٰى　　أُفارِقَ مُهْجَتِي ويُشَقَّ رَمسِي
يُذَكِّرُنِي طُلُوعُ الشَّمْسِ صَخْراً　　وأبكيه لِكلّ غروب شَمْسِ
ولَولاكَثْرَةُ البَاكِينَ حَولِي　　عَلٰى إخوانِهم لقتلتُ نَفسِي

مذکورہ بالا اشعار حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کے ہیں، جو اپنے دور کی مشہور شاعرہ تھیں، پہلے جستہ جستہ کچھ اشعار کہہ لیا کرتی تھیں لیکن ان کے دو بھائی معاویہ اور صخر دور جاہلیت کی بعض قبائلی جنگوں میں مارے گئے۔ اس حادثہ کا ان کے دل ودماغ پر اتنا اثر پڑا کہ ان کے اندر سے شعر کا طوفان امڈ پڑا اور اپنے بھائیوں خاص طور سے صخر کی یاد میں انھوں نے ایسے زوردار مرثیے کہے کہ ان کا شمار دور جاہلیت کے عظیم ترین شعراء میں ہونے لگا۔ اپنے بھائیوں کے غم میں رونا رُلانا ان کا روزمرہ کا معمول بن گیا وہ جہاں جاتیں بھائیوں کی یاد میں اشعار کہتیں، خود روتیں اور دوسروں کو رُلاتیں۔

مذکورہ بالا ابیات ان کے ایک قصیدہ سے ماخوذ ہیں جن میں انھوں نے نہ صرف اپنے بلکہ بہت سے غمزدہ دلوں کی ترجمانی کردی ہے۔

میرے بڑے بھائی مولانا عبدالنور ندوی رحمہ اللہ جو کہ اردو صحافت کی دنیا میں "نور عظیم ندوی" کے نام سے معروف ومشہور تھے۔ ان کی جوانمرگی کے حادثہ سے میرے قلب وجگر اور دل ودماغ پر جو اثر پڑا اس کے بیان سے قاصر ہوں۔ حضرت خنساء کے مذکورہ بالا اشعار سے میرے دل کی بھی کسی حد تک ترجمانی ہوتی ہے۔

موت وزیست تو دنیا کے کارخانے میں روزمرہ کا معمول ہے۔ لیکن بسا اوقات ایسے بھی حوادث ہوتے ہیں جو اپنے پیچھے نہایت دوررس اثرات چھوڑتے ہیں۔ خواہ وہ اقرباء کے قلب وجگر پر ہوں یا سوگواروں کے ہجوم پر، یا اپنے زمانہ کے علم وادب اور فکر وفن کی دنیا پر۔ عبدالنور ندوی کی وفات کا حادثہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

عبدالنور ندوی صرف میرے بھائی نہ تھے، بلکہ وہ ایک عظیم مفکر، صاحب طرز ادیب، اونچے انشاء پرداز، ممتاز صحافی، عربی واردو ادب کے ممتاز اسکالر اور زبردست تنقید نگار تھے۔ درس وتدریس کا میدان ہو، یا تحریر وتقریر کا جس نے ان کو دیکھا ان کو اس میدان کا شہسوار پایا، ملت کا غمخوار پایا، ملت کے غم کو انھوں نے اپنا غم بنالیا تھا۔ ملک یا بیرون ملک جب بھی امت مسلمہ کو کوئی مسئلہ پیش آیا انھوں نے اپنے دل میں اس کی کسک محسوس کی اور ان کی تحریر پر اس کا اثر رونما ہوا۔ انھوں نے جو کچھ لکھا اس میں اپنے ضمیر کی ترجمانی کی، مادہ پرستی یا جی حضوری سے وہ کوسوں دور تھے اور یہی وجہ تھی کہ جس نے ان کی تحریریں پڑھیں، یا تقریریں سنیں یا کسی مجلس میں ان کے خیالات سنے ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ان کی رائے سے کسی کو اختلاف ہو یا اتفاق

لیکن یہ کوئی نہ کہہ سکا کہ انھوں نے کسی طمع یا لالچ یا کسی کے تملق اور کاسہ لیسی میں اپنے ضمیر کے خلاف بھی کچھ لکھا ہو، ان کی زندگی ایک بامقصد زندگی تھی، وہ انسان کی تمام تر طاقتوں کو ملت کی بقا اور ترقی کے لئے وقف کردینے کے قائل تھے۔ "ادب برائے ادب" یا "صحافت برائے شہرت" کے لغو خیالات کو انھوں نے کبھی قبول نہ کیا۔

درس و تدریس، علم و ادب اور کتابت و صحافت کی دنیا میں ان سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں لیکن اللہ کی مرضی کہ عمر کی چھٹی دہائی کے ابتداء ہی میں جب کہ انسان کی صلاحیتوں کے جوہر کھلنے شروع ہوتے ہیں، اس کے افکار و خیالات کی پختگی کا ظہور شروع ہوتا ہے۔ نئی نسلوں کو افادہ و استفادہ کا موقعہ میسر ہوتا ہے، عین اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو ہم سے دور کردیا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ان کی وفات سے درس و تدریس اور ہندوستان کی ملی صحافت میں ایک بڑا خلا پیدا ہوا ہے جس کا اثر ملک کے طول و عرض میں محسوس کیا گیا۔ ملک کے مختلف اخبارات و رسائل نے ان کی جدائی کے غم میں آنسو بہائے، ان کے کارناموں کو سراہا اور ان کی وفات کو ملک و ملت کے لئے ایک عظیم خسارہ قرار دیا۔ ان کے بہت سے رفقاء اور تلامذہ و مستفیدین نے ان کے اخلاق، وسعت مطالعہ، ان کے علم کی پختگی اور گہرائی اور ان کی ہر دلعزیز شخصیت کا بہت اچھے لفظوں میں تذکرہ کیا۔

ان کی وفات پر ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گذرا لیکن ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ ان کی یاد دلوں میں تازہ ہے۔ زبانوں پر ان کا ذکر خیر موجود ہے۔ مجلات و جرائد میں کچھ نہ کچھ ان کے بارے میں ابھی تک لکھا جارہا ہے۔

ان کی وفات کے چند ہی گھنٹے بعد آل انڈیا ریڈیو نے وفات کی خبر نشر کی جو ملک کے طول و عرض میں بجلی بن کر گری، ہزاروں سوگواروں کے ہجوم نے لکھنؤ میں صلوٰۃ جنازہ ادا کی اور ملک میں جگہ جگہ صلوٰۃ جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ مکہ مکرمہ میں بھی حرم شریف میں ان کے محبین کی ایک بڑی تعداد نے صلوٰۃ جنازہ غائبانہ ادا کی۔ روزنامہ "قومی آواز" لکھنؤ نے مفصل انداز میں ان کی زندگی کے حالات شائع کئے اور ان کی وفات کے بعد مختلف لوگوں کے بیانات شائع کئے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ "تعمیر حیات" نے ان کی وفات کی خبر اور زندگی کے مختصر حالات شائع کئے اور ان کے صاحبزادہ ذکی نور عظیم ندوی نے ان کی زندگی کے بارے میں ایک مفصل مقالہ قلم بند کیا جو "تعمیر حیات" لکھنؤ، پندرہ روزہ "ترجمان" دہلی اور ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی میں شائع ہوا۔ دیگر مجلات و جرائد نے بھی ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ لکھا۔

عربی اخبارات و مجلات میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے شائع ہونے والے ہفت روزہ "أخبار العالم الاسلامی" نے شمارہ نمبر ۱۳۰۰ تاریخ ۱۷ر شعبان ۱۴۱۳ھ مطابق ۸ر فروری ۱۹۹۳ء میں ان کی وفات کی خبر شائع کی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"جاری مہینہ شعبان ۱۴۱۳ھ کی ۹ تاریخ کی شام کو ہندوستان کے شہر لکھنؤ میں استاذ عبد النور عبد العظیم الندوی کی وفات ہوگئی۔ یہ رابطہ عالم اسلامی کے مبعوث تھے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ادب عربی کے استاذ، رابطۃ الأدب الاسلامی کے ممبر اور اس کے علاقائی دفتر ہندوستان کے سکریٹری اور جمعیۃ المثقفین المسلمین کے ممبر تھے۔ وفات کے وقت ان کی عمر پچاس سال سے کچھ زیادہ تھی"۔

"ان کے جنازہ کو رخصت کرنے والوں میں سرفہرست علامۃ الہند شیخ ابوالحسن علی الندوی تھے جو کہ رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے ممبر اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم عمومی ہیں۔ ان کے علاوہ ندوۃ العلماء کے اساتذہ اور دیگر علماء، رابطہ ادب اسلامی اور جمعیۃ المثقفین کے ممبران، طلبہ اور ان کے دیگر محبین و معتقدین کی بہت بڑی تعداد موجود تھی"۔

"مرحوم کا شمار ہندوستان کی مشہور اور ممتاز اسلامی شخصیتوں میں تھا۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا، عربی و اردو زبانوں پر ان کو زبردست قدرت حاصل تھی۔ تعلیم و تدریس اور صحافت کے میدان میں ان کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ لگ بھگ بیس سال ہی کی عمر سے انھوں نے صحافت کے میدان میں حصہ لینا شروع کردیا تھا۔ اور ربع صدی سے زیادہ عرصہ تک امت کی خدمت میں لگے رہے۔ ان کے مقالات وقتاً فوقتاً ہندوستان سے عربی زبان میں شائع ہونے والے پرچوں، "البعث الاسلامی" اور "الرائد" میں چھپتے رہتے تھے"۔

ہندوستان سے عربی زبان میں شائع ہونے والے اخبارات و جرائد میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے اخبار

"الرائد" اور ماہنامہ "البعث الاسلامی" نے وفات کی خبر چھاپی اور ان کے بعض حالات وخدمات کا مختصر تذکرہ کیا۔ ان خبرناموں کا اسلوب اور انداز تحریر دیکھ کر مغالطہ میں یہ خیال آیا کہ غالباً عزیزم ذکی نور عظیم سلمہ اللہ نے عجلت میں اپنے مبتدیانہ اسلوب میں مرتب کرکے دے دیا ہوگا اور مجلہ والوں نے من وعن اس کو چھاپ دیا' مجلہ کے ذمہ داران یا دیگر مضمون نگار حضرات بعد میں اس موضوع پر قلم اٹھائیں گے۔ مگر ۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ ندوہ میں اپنی طالب علمی کے دوران ہی بھائی عبد النور رحمہ اللہ "الرائد" اور "تعمیر حیات" کے دفتروں میں کام کیا کرتے تھے۔ الرائد کے لئے مضامین حاصل کرنا' ان کو ترتیب دینا' پروف ریڈنگ کرنا اور پھر اس کی نوک پلک درست کرنا ان سارے کاموں کے لئے وہ سائیکل پر سوار اکثر ندوہ سے امین آباد اور نظیر آباد وغیرہ کی دوڑ لگایا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً مضامین بھی لکھتے تھے' پرچہ چھپنے کے بعد اس کو لفافوں میں رکھنا' پتہ لکھنا اور بسا اوقات اس کو پوسٹ کرنے کے لئے بھی جانا یہ سب کام وہ نہایت خاموشی' خوشی اور اطمینان کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ میں اس وقت عربی کے ابتدائی درجات میں زیر تعلیم تھا لیکن بھائی کی مدد کے لئے بسا اوقات میں بھی پروف ریڈنگ اور پوسٹنگ وغیرہ میں حصہ لیتا تھا۔

"الرائد" نے جب سے "ملحق الادب الاسلامی" نکالنا شروع کیا اس کی ترتیب وتحریر کی ذمہ داریاں بھی انھیں کے ذمہ رہیں۔ مختصر یہ کہ ان پرچوں سے روز اول سے بھائی صاحب کا گہرا تعلق رہا وہ نہایت جانفشانی سے ان کی خدمت کیا کرتے تھے اور زندگی کے آخری لمحات تک کسی نہ کسی حد تک یہ تعلق برقرار رہا۔ لیکن معلوم نہیں ان جرائد ومجلات نے ان کی خدمات کا اعتراف کرنے یا ان کو سراہنے میں اتنا حجاب کیوں محسوس کیا۔ اللہ ہی بہتر جانے۔

سنا ہے دیوبند سے شائع ہونے والے مجلہ "الداعی" نے بھی کچھ لکھا تھا۔ مولانا عبد الحمید رحمانی صاحب نے اپنے مضمون میں اس کی تعریف بھی کی ہے لیکن مجھے دیکھنے کا اتفاق نہ ہو سکا۔

"الرائد" کی ۱۶ رمضان ۱۴۱۳ھ کی اشاعت میں سابق صدر شعبۂ عربی الہ آباد یونیورسٹی ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی کا ایک مضمون "ومضات علی الراحل العزیز" کے عنوان سے شائع ہوا جس میں مرحوم سے اپنے تعلقات خاص طور سے امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض میں بحیثیت مدرس ایک سالہ رفاقت کا ذکر کیا ہے اور مرحوم کی علمی صلاحیتوں' عربی واردو پر ان کی زبردست قدرت' ان کی قوت تحریر اور زور بیان خاص طور سے "رابطۃ الأدب الاسلامی" کے سلسلہ میں ان کی خدمات کو سراہا ہے۔ موصوف رقمطراز ہیں:

"میں مراکش میں خطباء مساجد کی ایک میٹنگ سے واپس ہو کر سعودی عرب' ریاض پہنچا ہی تھا کہ مجھے ایک عزیز ومحترم بھائی کی وفات کی خبر ملی جس کے ساتھ میں نے علم وتحقیق' دعوت وادب اور خاص طور سے ادب اسلامی کے پلیٹ فارم پر بہت ہی باسعادت ایام گذارے تھے۔ ایک سال تک امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض میں بحیثیت مدرس ان کی رفاقت کا موقعہ حاصل رہا۔ میں نے ان کو ایک بہترین بھائی' بہترین رفیق کار' اور بہترین دوست پایا جس پر مجھے فخر واعتزاز ہے۔ یہ ہمارے گرامی قدر مرحوم مولانا عبد النور عبد العظیم تھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون"۔

موصوف مزید فرماتے ہیں:

"مرحوم ایک ادیب اور نقاد تھے' عربی واردو زبانوں پر یکساں قدرت رکھنے والے' ایک منفرد اسلوب اور جدید طرز تحریر کے مالک تھے وہ ایک عظیم الشان انشاپرداز' اور ماہر اور باکمال مقرر تھے۔ میں نے ان کے متعدد مقالات اور تحریروں کا مطالعہ کیا تھا جو مجھے بہت پسند آئی تھیں اور میں نے ان سے کافی استفادہ بھی کیا تھا لیکن مجھے یہ علم نہ تھا کہ وہ ایک قادر الکلام خطیب اور مقرر بھی ہیں جو لوگوں کے جذبات کو جھنجھوڑ ڈالے' جس کے بیان سے دلوں کو ٹھنڈک حاصل ہو اور قلب وجگر میں جنبش پیدا ہو' یہاں تک کہ وہ ۱۹۸۸ء میں برادرم واضح رشید ندوی۔ زید علاہ۔ کے ساتھ جامعۃ الہدایہ جے پور میں اس جامعہ کے لئے مدرسین کے انتخاب کے لئے آئے اور میں اس وقت اس جامعہ کا ایک خادم تھا۔ رات میں ہم لوگوں نے ان دونوں کے اعزاز میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا جس میں استاذ عبد النور نے ایک برجستہ لیکن بہت ہی موزوں اور ادبی تقریر کی جس کو سن کر میں حیران رہ گیا۔ ان کی یہ تقریر مجھے بے حد پسند آئی۔ اور اس کے بعد پھر بار بار ان کی تقریریں سننے کا موقعہ ملا"۔

ہندوستان میں عربی زبان کے صف اول کے مشہور مصنف' ادیب اور انشاپرداز' عربی زبان کی خدمات کے صلہ میں صدر جمہوریہ ہند

کے ایوارڈیافتہ، جامعہ سلفیہ بنارس کے ریکٹر اور جامعہ سے پچیس سال سے مسلسل شائع ہونے والے عربی ماہنامہ "صوت الأمۃ" کے مؤسس اور ایڈیٹر، ہمارے بزرگ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری حفظہ اللہ نے صوت الأمۃ کے مارچ ۱۹۹۴ء کے شمارہ میں دو صفحہ کا نہایت وقیع شذرہ تحریر فرمایا جس میں مرحوم سے اپنے تعلقات اور ملاقاتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"مرحوم کو صحافت کے میدان میں کام کرنے کا موقعہ ملا اور اسی سے منسلک ہوگئے اور دنیا نے ان کو بحیثیت صحافی پہچانا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ عربی اور اردو زبان کی گہرائیوں سے واقف کار ایک مقتدر ادیب تھے، ان کا علم بہت گہرا، ان کا مطالعہ بہت وسیع، ان کا کلام انتہائی بلیغ اور ان کا اسلوب تحریر نہایت ہی دلکش تھا"۔

"قدرت بیان کے ساتھ ساتھ وہ دینی، سیاسی، اور معاشرتی تنظیموں کے افکار و نظریات سے گہری واقفیت رکھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ مختلف جماعتوں اور تنظیموں کے سلسلہ میں ان کی رائے بہت صائب اور جرأتمندانہ ہوا کرتی تھی جس سے واضح ہوتا تھا کہ ان جماعتوں کے اصول و مقاصد اور نظریات اور ان کے زعماء کے خیالات و افکار پر ان کی کتنی گہری نظر ہے"۔

آخر میں موصوف رقمطراز ہیں:

"ان کی موت سے جماعت اہلحدیث ایک مخلص وفاشعار عالم اور ایک ماہر ادیب سے محروم ہوگئی۔ ندوۃ العلماء ایک کامیاب مدرس سے محروم ہوگیا، ملی اسلامی صحافت نے ایک قادر الکلام انشاپرداز کھودیا، رابطۃ الأدب الاسلامی ایک فعّال اور نشیط کارکن سے محروم ہوگئی جس نے اس تحریک کو پورے ہندوستان میں متعارف کرانے میں خاص رول ادا کیا ہے۔ علم وادب کی دنیا ایک نادرۂ روزگار شخصیت سے محروم ہوگئی جو زمانہ میں کم ہی پیدا ہوا کرتے ہیں اور میں بذات خود ایک مخلص دوست سے محروم ہوگیا جس کے مشوروں اور تجربات سے مجھے کافی فائدہ پہنچا"۔

جہاں تک اردو اخبارات و جرائد کا تعلق ہے تو ان میں بھائی عبدالنور ندوی رحمہ اللہ کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ "ندائے ملت" کے بے لاگ اور جرأتمندانہ اداریوں اور مقالات، الہدیٰ کے "مسائل ملت نمبر"، ندائے ملت کے "رسول نمبر"، "تعلیم نمبر"، "قائد ملت نمبر"، "تعمیر حیات" کے "محمد الحسنی"، اسحاق جلیس اور عبد السلام قدوائی نمبر" تعمیر حیات میں شائع ہونے والے مختلف مقالات و مضامین، ریڈیو اور ٹی وی پر ان کی ادبی پروگراموں میں شرکت، مسلم انٹلیکچول فورم میں ان کی نمایاں شخصیت "رابطہ ادب اسلامی" کے کل ہند پروگراموں اور سیمیناروں میں ان کی کلیدی شخصیت، وغیرہ وغیرہ ان اوصاف نے ان کو ہندوستان کے چوٹی کے مفکرین، ادباء، دانشوروں اور صحافیوں کے صف اول میں کھڑا کردیا تھا۔ اس پر عربی ادب، تنقید نگاری، اور عربی صحافت پر ان کی گہری نظر، عالم عرب اور خاص طور سے مصر کی اسلامی صحافت کے قائدین سے ان کے گہرے اور دوستانہ روابط، عربی زبان میں ترجمہ شدہ انگریزی اور فرانسیسی ادب پاروں سے گہری واقفیت مستزاد تھی۔ ان اوصاف نے ان کو ہندوستان میں اردو کے صحافیوں میں ممتاز اور فائق بنادیا تھا۔

پھر کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ان کی وفات سے ان میدانوں میں جو خلا پیدا ہوا ہندوستان کی اردو صحافت اس کو محسوس کرے اور جانے والے کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرے اور ایسا ہوا بھی، ملک کے مختلف جرائد و مجلات نے ان کی خدمات کا اعتراف کیا اور ان کی عاجلانہ جدائی پر اظہار افسوس کیا۔ ان میں سے کچھ تحریریں میری نظر سے گذری ہیں، کچھ کے بارے میں دوسروں سے سنا ہے اور کچھ کے بارے میں نہ سنا ہے نہ دیکھا ہے لیکن توقع یہی ہے کہ انھوں نے اپنی ذمہ داری کا احساس ضرور کیا ہوگا انھیں میں سے ایک ہفت روزہ "ندائے ملت" ہے جو بھائی صاحب کی صحافتی جولانیوں کا سب سے بڑا محور رہا ہے۔ اس پرچہ کے وجود میں آنے سے لے کر اپنی وفات تک ان کا کم وبیش تعلق اس سے ضرور رہا ہے اور کافی عرصہ تک اس کی عملی ادارت و ترتیب و تحریر کی مکمل ذمہ داریاں ان کے سر رہی ہیں لیکن یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ اس میں کیا کچھ ان کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ میں نے ایک دفعہ عزیزم ذکی نور عظیم سلمہ اللہ کو لکھا تھا کہ بھائی مرحوم کے بارے میں جو کچھ اخبارات ورسائل میں لکھا جائے ان کا تراشہ جمع کرتے رہو، امید ہے کہ انھوں نے اس کام کو کیا ہوگا اور مرحوم کی حیات وخدمات کے بارے میں جو کتاب وہ مرتب کر رہے ہیں اس میں ان تراشوں کی تصویریں ضرور شامل کریں گے۔

جن اردو اخبارات ورسائل میں ان سے متعلق تحریریں

میری نظر سے گذری ہیں ان میں سرفہرست روزنامہ "قومی آواز" لکھنؤ ہے۔ جس نے اپنی یکم فروری ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں یعنی وفات کے دوسرے ہی دن ان کی وفات کی خبر شائع کی اور ان کے بارے میں ایک مفصل رپورٹ شائع کی جس میں ان کی زندگی کے حالات اور خدمات کو مفصل اور معقول انداز میں پیش کیا۔ ایک روزنامہ اخبار کا وفات کے دوسرے ہی دن ان معلومات کو مہیا کرنا اور ان کو خوش اسلوبی کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کرنا قابل قدر ہے۔

بھائی صاحب ندوہ میں ۱۹۶۰ء میں بحیثیت طالب علم داخل ہوئے اور جنوری ۱۹۹۳ء کے آخر میں ندوہ ہی سے انھوں نے دار البقاء کا سفر کیا۔ اس اثناء میں چند سالوں تک وہ ندوہ سے باہر بھی رہے لیکن ندوہ سے ان کا تعلق منقطع نہ ہوا۔ اس تینتیس سالہ تعلق کے پیش نظر لوگوں کو بجاطور پر یہ توقع تھی کہ ندوہ کے ذمہ داران ان کی خدمات کی قدر کریں گے۔ وفات کے بعد ندوہ سے شائع ہونے والے اخبارات ورسائل "الرائد"، "البعث الإسلامی" اور "تعمیر حیات" میں ان کی وفات کی خبر اور مختصر انداز میں ان کے بعض کاموں کا تذکرہ ہوا۔ لیکن لوگوں کو مزید کا انتظار تھا۔ اور ندوہ کے لوگوں کو بھی اس کا احساس تھا۔ استاذ محترم مولانا محمد رابع ندوی صاحب نے اپنے مضمون شائع شدہ تعمیر حیات میں لکھا ہے "مولانا عبد النور صاحب کے انتقال پر جو تعزیتی نوٹ اور ان کے حالات زندگی تعمیر حیات وغیرہ میں آنے چاہیے تھے وہ ان کے حق کے مطابق بروقت نہ ہوسکے"۔

انھوں نے میرے نام ایک گرامی نامہ میں بھی اس طرح کے جذبات کا اظہار فرمایا تھا کہ بھائی صاحب کی وفات سے تقریبًا پونے دو مہینہ قبل ہی بابری مسجد کی شہادت کا واقعہ پیش آچکا تھا اور اس کے بعد پورے ملک میں ایسی افراتفری مچی تھی کہ سارا ملک بالکل غیر یقینی حالات سے دوچار ہوگیا تھا انھیں حالات میں بھائی صاحب راہی ملک بقا ہوئے۔ ایسے حالات میں لوگوں کو موقعہ نہ ملا ہوگا کہ اس طرف مزید توجہ دے سکیں لیکن دھیرے دھیرے حالات پُرسکون ہوئے' مدارس اور دیگر اداروں کے کام معمول کے مطابق چلنے لگے۔ لیکن باوجود احساس واعتراف کے ان رسائل وجرائد نے مزید کچھ نہ لکھا۔ "البعث" "الرائد" اور "تعمیر حیات" میں شائع شدہ خبرنامہ کے متعلق میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ ان کا انداز بیان دیکھ کر یہ اندازہ ہوا تھا کہ یہ عزیزم ذکی نور عظیم ہی کا تیار کردہ ہے جو چند جملوں یا سطروں کے اصلاح واضافہ کے ساتھ چھاپ دیا گیا ہے خاص طور سے "تعمیر حیات" کے خبرنامہ کو دیکھ کر یہ اندازہ بہت قوی ہوجاتا ہے اور اگر یہ درست ہے تو اس کا مطلب ہوا کہ ان مجلات وجرائد کے ذمہ داروں نے جو بھائی صاحب کے اساتذہ' رفقاء یا شاگرد رہی ہیں اور ان کے حالات وخیالات اور ان کی خدمات کے سب سے زیادہ یہی لوگ واقف کار ہیں ان حضرات نے بذات خود قلم اٹھانے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی اور ایک کلمۂ خیر بھی نہ لکھ سکے۔ اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ بعض لوگوں کے دلوں میں مایوسی پیدا ہوئی اور بعض لوگوں نے اس پر اظہار حیرت بھی کیا۔

وفات کے چھ مہینے کے بعد تعمیر حیات کے ۱۰/ اگست ۱۹۹۳ء کے شمارہ میں استاذ محترم حضرت مولانا محمد رابع ندوی حفظہ اللہ کا ایک مضمون شائع ہوا جس کا عنوان تھا "مولانا عبد النور عبد العظیم ندوی' ندوہ کے ایک باصلاحیت فرزند"۔

حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ العالی ندوہ کے ایام تعلیم میں میرے استاذ رہ چکے ہیں۔ بہت متواضع' خلیق اور معقولیت پسند آدمی ہیں۔ لیکن ان کا یہ مضمون اس وقت آیا جب کہ بعض حلقوں سے انگشت نمائی شروع ہوچکی تھی' اور بہت سی تنقیدیں کی جاچکی تھیں مولانا نے اس مضمون میں غیر مباشر طور پر ان کا جواب دینے کی کوشش کی۔ اس لئے مضمون پر منفی پہلو غالب آگیا اور مثبت انداز میں مرحوم کی حسنات وخدمات کا صحیح اور قابل قدر تذکرہ ہونے کے بجائے ان کو گھٹا کر اور معمولی بنا کر پیش کرنے کی غیر شعوری کوشش ہوگئی۔ مضمون کے خاص محور یہ ہیں:

۱۔ مولانا عبد النور جب ندوہ آئے تو وہ صلاحیت کے لحاظ سے اپنے درجہ کے دسیوں ساتھیوں کی طرح تھے کوئی خاص امتیاز نہ تھا' تعلیم کے بعد بھی انھوں نے جو کام کئے اس میں وہ اپنے ذوق کے ادبی وعلمی کاموں میں دوسروں کے رفیق وشریک رہے۔

۲۔ رابطہ ادب اسلامی کے قیام کے بعد انھوں نے اس کے دفتر کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے اس کے ضمیمہ کی ذمہ داری قبول کی لیکن اس ضمیمہ کی سہ سالہ مدت میں وہ صرف چند نوٹ لکھ سکے اور خرابی صحت کی وجہ سے پرچہ میں تحریری کام جتنا ان کو کرنا تھا وہ نہ کرسکے۔

۳۔ رابطہ ادب اسلامی کے وہ باقاعدہ رکن نہ تھے لیکن ان کی

صلاحیت کو دیکھتے ہوئے رابطہ کی طرف سے ان کے ساتھ رکن جیسا معاملہ کیا گیا اور ان کے حقوق کا "پورالحاظ رکھا گیا" اور دفتر کے انچارج ہونے کا ان کو معاوضہ بھی دیا جاتا رہا۔

مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ مرحوم کے استاذ ہیں۔ شاگرد کتنا بھی باصلاحیت ہو جائے' اس کی خدمات اور کارنامے کتنے ہی بھاری بھرکم اور ہمہ گیر کیوں نہ ہو جائیں' وہ استاذ کی نظر میں شاگرد ہی رہتا ہے۔ وہی شاگرد جس کو استاد نے کل قلم پکڑنا سکھایا تھا۔ جس طرح ایک بیٹا کتنا ہی ترقی کر جائے' وہ دوسروں کی نظر میں چاند و سورج کی طرح چمکے' قابل رشک رہے تو رہے' لیکن وہ باپ کی نظر میں بیٹا ہی رہتا ہے۔ وہی بیٹا جس کو کل باپ نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا یہ ایک فطری چیز ہے۔ بھائی عبدالنور نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا۔ انھوں نے ہمیشہ اپنے اساتذہ کا احترام کیا اور شاید کوئی ایسی مثال نہ دی جا سکتی ہو کہ انھوں نے اپنے کسی چھوٹے یا بڑے استاذ کی شان میں کبھی کوئی ادنی گستاخی بھی کی ہو جب کہ اس زمانہ میں خود ندوہ ہی کے بعض سابق تلامذہ واساتذہ کی چپقلش بلکہ "منافست" کے بہت سے قصے سننے میں آئے ہیں۔ لیکن اگر کوئی دوسری نظر سے دیکھے کہ عبدالنور ندوی رحمہ اللہ نے فضیلت کا امتحان فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ پوزیشن سے پاس کیا تھا تب بھی ان کو دوسرے ساتھیوں سے ممتاز ہی پائے گا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بھی تدریسی' تحریری' صحافتی' ادبی میدانوں میں انھوں نے دوسرے رفقاء کے ساتھ مل کر اگر کوئی کام کیا تو اس سے ان کی انفرادیت نہیں ختم ہو جاتی ہے۔ ایک مدرسہ میں دسیوں مدرس رہتے ہیں۔ ایک اخبار یا مجلہ میں دسیوں لکھنے والے رہتے ہیں۔ ایک کانفرنس' سمپوزیم یا سیمینار میں دسیوں تقریر کرنے والے رہتے ہیں۔ ایک جماعت یا تنظیم میں دسیوں ممبر اور خادم رہتے ہیں سب ایک دوسرے کے رفقاء اور شریک کار کہے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود سب کی انفرادیت باقی رہتی ہے اور سب کی خدمات اور کاموں کا الگ الگ تشخص ہوتا ہے اور ان کا الگ الگ تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ سب کا ایک ہی معیار کا ہونا بھی ضروری نہیں ہوتا اور اگر بالفرض سبھی کی خدمات اعلیٰ درجہ کی اور ممتاز اور قابل تعریف ہوں تو سب کا ذکر خیر ہونا چاہیے نہ کہ اس اشتراک اور تعاون کو سبب بنا کر سب کو ناقابل ذکر قرار دے دیا جائے یہ بھی ایک منفی طرز فکر ہے۔ اجتماعی کاموں میں صبر اور تواضع وتحمل کی زبردست ضرورت ہوتی ہے اور یہ چیزیں فی نفسہ قابل تعریف ہیں۔

رابطہ ادب اسلامی کے قیام کے شروع ہی سے ان کی تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ انھیں اس کے دفتر کی ذمہ داریاں سونپی گئیں اور انھوں نے اس کو قبول کیا۔ اس رابطہ سے ان کا تعلق محض دفتری یا ملازمت کا نہ تھا یہ ان کے ذوق اور وجدان کا مسئلہ تھا وہ ہمیشہ ادب میں اسلامی اقدار کو اجاگر کرنے اور ادب کو اسلام کا خادم بنانے کے داعی رہے اس لئے انھوں نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے نہایت جانفشانی بلکہ "فنائیت" اور "فدائیت" کی حد تک کام کیا۔ ملک گیر پیمانے پر اس کو متعارف کرانے کے لئے انھوں نے جو کچھ کیا اس کی شہادت اس تحریک کے ذمہ داران نہ دے سکیں تو نہ دیں کیونکہ یہ لوگ آخر تک انھیں ایک ملازم ہی سمجھتے رہے اور چونکہ دفتر کے انچارج ہونے کا ان کو "معاوضہ دیا جاتا رہا" اس لئے ان کا حق ادا ہو گیا۔

میں نہیں سمجھتا کہ استاذ محترم حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ العالی یا اس "رابطہ ادب اسلامی" کے دوسرے ذمہ دار اس طرز فکر کے حامل ہیں میں ان لوگوں کو اس سے بہت بلند اور برتر اخلاق کا سمجھتا ہوں لیکن یہاں بھی مضمون کا منفی پہلو غالب آگیا ہے اور اس پر غور فرمائے بغیر مولانا کے قلم سے یہ باتیں نکل گئی ہیں اگر معاوضہ لینے کی وجہ سے کسی کی خدمات کو فراموش کر دیا جائے تو پھر تاریخ سے ایسی بے شمار شخصیتوں کو اور ان کے کارناموں کو مٹانا پڑے گا جنھوں نے اپنی زندگی میں معاوضہ لے کر یہ کام انجام دیئے ہیں۔

ندوہ میں روزانہ پانچ کتابوں کے درس دینے کے ساتھ ساتھ' "ندائے ملت" اور "تعمیر حیات" میں کچھ نہ کچھ لکھتے رہنا' ندوہ میں ملک وبیرون ملک سے آنے والی مختلف شخصیات اور وفود کے استقبالیہ پروگراموں میں شرکت کرنا' حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کی طرف سے سونپی ہوئی تحریر و ترجمہ کی مختلف خصوصی ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہنا اور ان سب پر مستزاد "رابطہ ادب اسلامی" کی ذمہ داریوں کو اپنے سر پر رکھ کر اس تحریک کو ملک گیر پیمانے پر کامیاب کرنے کی مکمل جد وجہد "الرائد" کے ادبی ضمیمہ "ملحق الأدب الإسلامي" کی روز اول سے لے کر جب تک ان کے ہاتھوں میں لکھنے کی طاقت رہی اس کی ترتیب ولوازت' تحریر و پروف ریڈنگ تک کی مکمل ذمہ داریوں کی بحسن وخوبی انجام دہی ان ساری اہم مشغولیات اور کلیدی کارناموں کے باوجود اگر

اس تحریک کے ذمہ دار صرف یہ کہنا کافی سمجھیں کہ وہ "اتنا نہ کرسکے جتنا ان کو کرنا تھا" تو وہ کہیں۔ یہ ذمہ داران ان کی جانفشانی اور تفانی کی شہادت نہ دے سکیں تو نہ دیں، لیکن باہر کے لوگ جنھوں نے عبد النور ندوی کو ان کی محنت اور جدوجہد کی روشنی ہی میں دیکھا وہ اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ ان میں چند تحریریں جو یہاں پر مجھ کو مل سکی ہیں بطور "مشتے نمونہ از خروارے" ذکر کررہا ہوں۔

روزنامہ قومی آواز لکھتا ہے:

"وہ اسلامی ادب کے نہ صرف حامی بلکہ رابطہ ادب اسلامی کی ہندوستان کی شاخ جس کا دفتر دار العلوم ندوۃ العلماء میں ہے کے آفس سکریٹری بھی تھے اس کے تمام جلسے انھوں نے بڑی کامیابی سے منعقد کئے"۔

خود ندوہ کا ترجمان پندرہ روزہ "تعمیر حیات" اپنی ۱۰ر فروری ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

"رابطہ ادب اسلامی کے آفس انچارج بنائے گئے تو اپنے استاذ و محسن مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی نگرانی اور رہنمائی میں ادب اسلامی کی اس نوخیز تحریک کو آگے بڑھایا۔ لکھنؤ، جے پور، اورنگ آباد، حیدر آباد، رائے بریلی، بھوپال میں رابطہ ادب اسلامی کے جو اہم اجلاس ہوئے ان کی کامیابی میں مولانا نور صاحب کا بنیادی حصہ ہے۔ جلسوں کو کنڈکٹ کرنے اور سلیقہ سے مجلسوں کو منعقد کرنے اور نازک صورتحال سے عہدہ برآ ہونے میں ان کو غیر معمولی صلاحیت تھی"۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی اپنے مضمون "دمعتان علی الراحل العزیز" میں رقمطراز ہیں:

"وہ رابطہ ادب اسلامی کے مشرقی مسلم ممالک کے دفتر واقع دار العلوم ندوۃ العلماء کے مدیر (ڈائرکٹر) تھے، ہمارے استاذ محمد رابع الحسنی الندوی کے زیر سرکردگی اور ہمارے گرامی قدر بھائی مولانا واضح رشید الندوی کی معیت میں چند مہینہ قبل وہ رابطہ ادب اسلامی کے وفد میں الہ آباد آئے۔ ادب اسلامی سے متعلق ان کی تقریر بہت ہی حیرت انگیز اور دلچسپ تھی"۔

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری "صوت الأمۃ" کی مارچ ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں لکھتے ہیں:

"میری ان سے متعدد ملاقاتیں رہیں جن میں آخری ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ "رابطہ ادب اسلامی" کی تحریک کے جنرل سکریٹری مولانا محمد رابع ندوی کی سرکردگی میں جولائی ۱۹۹۲ء میں اس تحریک کے ایک وفد کے ساتھ جامعہ سلفیہ آئے۔ اس اجتماع میں میں نے جلسہ عام میں "تحریک ادب اسلامی" اور اس کی خصوصیات، اغراض و مقاصد اور اس کی ضرورت پر تقریر کرتے سنا جو نہایت ماہرانہ اور پُرجوش تقریر تھی حالانکہ اس وقت وہ اسی مرض میں مبتلا تھے جس میں وفات پائی"۔

اسی بنارس کے اجلاس میں ہمارے ایک بزرگ اور دوست حاجی عبد اللطیف صاحب بھی شریک تھے جو ایک بہت سنجیدہ، باذوق اور باصلاحیت تعلیم یافتہ انسان ہیں۔ جلسہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"مولانا عبد النور۔۔۔ رحمۃ اللہ علیہ سے ابھی چند ماہ قبل مختصر ملاقات رہی، جب عربی ادب کے سلسلہ میں ندوہ سے وفد آیا تھا موصوف رحمۃ اللہ علیہ پروگرام کنڈکٹ کررہے تھے۔ شروع سے آخر تک بولنا، تبصرے کرنا، اور پھر اپنا طویل مقالہ پڑھنا گویا شان سیمینار و جان سیمینار تھے۔ کمزور صحت کے باوجود اتنی محنت کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔ یہ انھیں کی ساتھ رخصت ہوگیا"۔

ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ رابطہ ادب اسلامی کے اجتماعات جو غالباً سالانہ ہی ہوا کرتے تھے اور ملک کے مختلف شہروں میں ہوا کرتے تھے اور ان میں سے بعض بین الاقوامی سطح پر بھی ہوتے تھے، ان کی تیاری، ان کے لئے خط و کتابت، ان کے انتظامات کی دیکھ بھال اور پھر ذہنی و فکری طور پر اور علمی و ادبی مشارکت کے ذریعہ ان کو کامیاب بنانے میں عبد النور ندوی مرحوم کی شخصیت کلیدی شخصیت ہوا کرتی تھی۔ چاہے وہ صف اول کی کرسیوں پر کبھی نہ بیٹھے ہوں اس لئے کہ اس طرح کے جفاکشوں کو ہمیشہ کرسی کے پیچھے ہی سے کام کرنا پڑتا ہے گمنام سپاہیوں کا یہی کام ہوتا ہے لیکن سورج کی روشنی بادلوں سے چھن کر بھی آجایا کرتی ہے اور عطر کی خوشبو گردوپیش کو معطر کرکے رہتی ہے اور قریب کے لوگ نہیں تو دور کے لوگ اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ان ادبی دوروں اور سیمیناروں کی آخری کڑی غالباً جولائی ۹۲ء کا مشرقی یوپی کا دورہ تھا جس میں بنارس، الہ آباد وغیرہ میں ادبی پروگرام منعقد ہوئے جن کا ذکر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری اور ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی

وغیرہ کے بیانات میں آچکا ہے یہ دورہ بھائی عبدالنور مرحوم کی وفات کے تقریباً چھ ماہ قبل ہوا تھا جب کہ مرض الموت ان کو کافی کمزور کرچکا تھا۔ ان دوروں میں ان کی حالت دیکھ کر ہی لوگوں کو خدشہ لاحق ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"پچھلی گرمی میں ادب اسلامی کے غیر رسمی پروگرام کے سلسلہ میں بنارس تشریف لائے تھے تو پورے دن بھر کی ملاقات رہی لیکن اس موقعہ پر ان کی صحت دیکھ کر تشویش لاحق ہو گئی تھی"۔

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ قطعاً کسی طول طویل سفر کے لائق نہ تھے اور برابر معذرت کرتے رہے لیکن ان پر زبردست اخلاقی دباؤ ڈالا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اگر وہ نہیں جائیں گے تو یہ پروگرام ہی کینسل کر دیا جائے گا تو مجبوراً انھوں نے جان پر کھیل کر سفر کی منظوری دی اور سفر کیا اور جہاں جہاں بھی گئے پروگرام میں بھرپور حصہ لیا۔

اس دورہ سے کئی ماہ قبل انھوں نے مجھے خط لکھا تھا جس میں اپنی بیماری کا تذکرہ کیا تھا اور بتایا تھا کہ جسم میں اب بالکل طاقت نہیں رہ گئی ہے لکھنے پڑھنے کا کام بمشکل ہوتا ہے اور خط لکھتے وقت بھی ہاتھ میں رعشہ ہو رہا ہے۔ اس خط کو پڑھ کر مجھے بڑی تشویش ہو گئی تھی لیکن بعد میں ماہنامہ "محدث" بنارس میں ان کے دورے کی خبر پڑھی تو خوشی ہوئی اور میں نے یہ سمجھا کہ ان کی طبیعت اب پہلے سے بہتر ہو گئی ہے ورنہ یہ سفر کیسے کر پاتے مگر یہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سفر انھوں نے جان پر کھیل کر کیا تھا۔

اس جفاکش، وفاکیش اور اسلامی ادب کی خاطر جان کی بازی لگا دینے والے "شہید ادب اسلامی" (ان شاء اللہ) کے بارے میں حضرت مولانا رابع صاحب کے مضمون سے انکشاف ہوا کہ وہ تو اس پوری بزم کی ایک معمولی ممبری کا شرف بھی حاصل نہ کر سکا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں:

"رابطہ ادب اسلامی کے وہ باقاعدہ رکن نہ تھے۔ لیکن ان کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے رابطہ کی طرف سے ان کے ساتھ رکن جیسا معاملہ کیا گیا"۔

زہے نصیب! شمع نے پروانے کو اپنے قرب میں جان دینے کی اجازت تو دے دی اس سے بڑھ کر خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے۔ عبدالنور ندوی ہندوستان میں عربی اسلامی ادب کا اعلیٰ ذوق رکھنے والی معدودے چند شخصیتوں میں ایک تھے ان کی صلاحیتوں کا خود مولانا نے اعتراف کیا ہے اور خاص اس تحریک ادب اسلامی کے لئے جان کی بازی لگا دینے کے باوجود اگر وہ اس تحریک کے معمولی "رضاکار" ممبر بھی نہ ہو سکے تو پھر کون اس کا ممبر ہوگا۔ یہ چیز ان کے لئے یا ان جیسے دوسرے جفاکشوں کے لئے تو نہیں لیکن اس طرح کی تحریکوں کے ذمہ داروں کے لئے یقیناً باعث افسوس ہونی چاہیے۔

آخر میں ایک بات اور عرض کرتا چلوں کہ استاذ محترم حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی حفظہ اللہ نے اپنے مضمون میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ "ان کے انتقال سے جو نقصان ہوا اس کو محسوس کرنا اور ان کی نیکیوں اور خوبیوں کو سراہنا ایک نیک فریضہ ہے لیکن وفات کے بعد بابری مسجد کے انہدام اور اس کے بعد ملک میں پھوٹ پڑنے والے فسادات اور ملک گیر افراتفری کی وجہ سے مولانا عبدالنور صاحب کے انتقال پر جو تعزیتی نوٹ اور ان کے حالات زندگی تعمیر حیات وغیرہ میں آنے چاہیے تھے وہ ان کے حق کے مطابق بروقت نہ ہو سکے"۔

موصوف کی یہ بات معقول اور بجا ہے اب ان کی وفات کو ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے اور ملکی حالات بھی معمول پر آگئے ہیں اب توقع ہے کہ تعمیر حیات وغیرہ کے ذمہ داران اپنا "فریضہ" اور ان کا "حق" ادا کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

ان کے "دیگر محبین" نے اگر اس وقت کچھ نہ کیا یا اب کچھ نہ کریں تو ہمیں ان سے شکایت کا بھی حق نہیں ہے کیونکہ عبدالنور ندوی کا تعلق تو ساری زندگی ندوۃ العلماء سے رہا انھوں نے اپنی بساط بھر ملک وملت کی خدمت کی تو ندوۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے کی اور قدرت کا کرشمہ کہ جب داعی اجل کو لبیک کہا تو ندوہ ہی کی چہار دیواری میں کہا۔

جان ہی دے دی جگر آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

اگر دوسرے ہماری اولاد کا ذکر خیر نہ کریں تو کیا ہم بھی ان سے دستبردار ہو جائیں گے آخر عبدالنور ندوی تو ندوۃ العلماء ہی کے ایک فرزند تھے۔ اگر دوسروں نے اس طویل خاموشی کو باعث تنقید سمجھا تو اب ان کو مزید تنقیدوں کا موقعہ نہ دینا چاہیے۔

(جاری)

محمد صبیح الدین انصاری

اسلامی خلافت وسیاست

س: بعض اوقات لوگ اسلام کا نام لے لے کر مسلم حکومتوں میں مسلح تحریکیں چلاتے ہیں اور عُمّال حکومت وغیرہ کو تشدّد کا نشانہ بناتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ چونکہ یہاں کے امراء وحکّام شریعت اسلامیہ کی پابندی نہیں کرتے اس لئے طاغوت ہیں، واجب القتل ہیں اور ان کے خلاف کی جانے والی جدوجہد عین جہاد ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں دین حنیف کیا کہتا ہے؟

ج: آپ نے ٹھیک کہا۔ آج کل "اقامت دین" اور احیائے دین" کے نام پر اٹھنے والی بیشتر جماعتیں مسلم حکّام کو"طاغوت" کے نام سے یاد کرتی ہیں یہ قطعاً ناجائز ہے۔ یہ تصور کہ کوئی مسلمان حاکم یا سربراہِ مملکت اگر شریعت کی میزان پر پورا نہ اترے تو طاغوت بن جاتا ہے، دراصل اسلامی حکومتوں کو غیر مستحکم کرنے کی ایک عجمی سازش کا حصہ ہے، جو صدیوں سے جاری ہے۔ اس میں تین سوال ایسے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ قابل غور ہیں:

(ا) کیا کسی مسلمان حاکم کے لئے طاغوت کی اصطلاح استعمال کی جاسکتی ہے؟

(ب) کیا شرعی احکام کی تنفیذ یا بجا آوری میں کوتاہی سے کوئی شخص دائرۂ اسلام سے نکل جاتا ہے؟

(ج) کیا ایسے مسلمان حاکم کے خلاف مسلح بغاوت اور خروج جائز ہے؟

جواب:

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ "طاغوت" ایک قرآنی اصطلاح ہے، اور یہ جاننے کے لئے کہ کیا اس کا اطلاق کسی مسلمان پر ہوسکتا ہے، ہمیں قرآن ہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

قرآن کریم میں لفظ "طاغوت" آٹھ بار استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس سے مراد یا تو شیاطین ہیں یا وہ بت وغیرہ ہیں جن کی پرستش کی جائے فقہ اسلامی کی اصطلاح میں یہود ونصاریٰ کے ان منہ زور اور سرکش سرغنوں کے لئے بھی لفظ طاغوت کا استعمال ہوتا ہے جو القائے شیطانی کے تحت کہانت کرکر کے لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے تھے۔ کتاب وسنّت نے کسی مسلمان امتی کو خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم لفظ طاغوت سے یاد کرنا روا نہیں رکھا۔ قرآنی آیات یہ ہیں:

١- فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَاانْفِصَامَ لَهَا..... (البقرة/٢٥٦)

(جس نے طاغوت (شیاطین واصنام) کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے ایک مضبوط سہارے کو تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں ہے)

٢- ......وَالَّذِينَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيَآءُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمَاتِ (البقرة/٢٥٧)

(اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست اور مددگار شیاطین ہیں کہ وہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیرے کی طرف لے جارہے ہیں)

٣- اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (النساء/٥١)

(کیا تم نے ان لوگوں (یہود) کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب الٰہی میں سے کچھ حصہ دیا گیا تھا، وہ جبت اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں)

٤- يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَحَاكَمُوْآ إِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ أُمِرُوْآ أَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ (النساء/٦٠)

(اور یہ لوگ (منافقین یہود) یہ چاہتے ہیں کہ شیطان کے پاس اپنے قضیے لے جائیں، حالانکہ انھیں اس کے انکار کا حکم دیا گیا تھا)

٥- اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ (النساء/٧٦)

(جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنھوں نے کفر کیا وہ شیطان کی راہ میں قتال کرتے ہیں)

٦- وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ (المائدة/٦٠)

(اور اللہ تعالیٰ نے ان (اہل کتاب) میں سے بعض کو بندر، بعض کو خنزیر اور بعض کو شیاطین کا پرستار بنادیا)

٧- وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل/٣٦)

(ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (شیاطین واصنام کی عبادت) سے بچو)

٨- وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ أَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَأَنَابُوْآ إِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى، فَبَشِّرْ عِبَادِ (الزمر/١٧)

(اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچے اور جنھوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا ان کے لئے خوش خبری ہے۔ پس میرے بندوں کو خوش خبری دے دو)

یہ ہوئے آٹھ قرآنی حوالے۔ ان میں کہیں بھی کسی بھی مسلمان کو لفظ "طاغوت" سے یاد نہیں کیا گیا۔

آپ پوچھ سکتے ہیں کہ صحابۂ کرام اور محدثین وعلمائے سلف نے اس لفظ سے کیا مفہوم مراد لیا؟ جواب میں پہلے ملاحظہ ہو بخاری کا یہ اقتباس:

قال جابر: الطواغيت التي يتحاكمون إليها ....كهان ينزل عليهم الشيطان وقال عمر: الجبت السحر والطاغوت الشيطان، وقال عكرمة: الجبت بلسان الحبشة شيطان والطاغوت الكاهن.

(البخاری کتاب التفسیر ج٥-ص ١٨٠)

(جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ "طواغیت" جن کے پاس لوگ اپنے قضیے لے کر جاتے تھے، کہانت کرنے والے تھے جن پر شیطان نازل ہوتا تھا، اور عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "جبت" سے مراد ہے "جادو" اور "طاغوت" سے "شیطان" اور عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "جبت" حبشہ کی زبان میں شیطان کو کہتے ہیں اور طاغوت سے مراد ہے کاہن۔)

صحیح بخاری ہی میں ایک دوسری جگہ (کتاب بدء الخلق بہ سلسلۂ قصۂ زمزم) سعید بن المسیب کی یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ "بحیرۃ" وہ اونٹنی تھی جسے ایام جاہلیت میں مشرکین مکہ مقدس جان کر "طواغیت" (اصنام) کے نام پر کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ پھر نہ اس کا دودھ پینا جائز سمجھتے تھے نہ اس سے کوئی دوسری خدمت وغیرہ لیتے تھے۔

(بخاری ج ۴ ص: ١٦)

کتب حدیث سے نیچے اتریں تو علمائے لغت میں صاحب مختار الصحاح "طاغوت" کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

طغا يطغى، أى جاوز الحد وكل مجاوز حده فى العصيان (طاغٍ) (والطاغوت) الكاهن والشيطان وكل رأس فى الضلال.

یعنی طغا - طغی سے مراد ہے حد سے تجاوز کرنا اور وہ شخص جو نافرمانی میں حد سے بڑھ جائے "طاغ" کہلاتا ہے جہاں تک سوال ہے "الطاغوت" کا تو اس سے مراد ہے کاہن، شیطان اور گمراہی کا سرغنہ۔

ایک دوسری ڈکشنری "القاموس" نے "طاغوت" کی تشریح اس طرح کی ہے:

الطاغوت اللات والعزّى والكاهن والشيطان وكل رأس ضلال والأصنام وكل ماعُبد من دون الله ومردة أهل الكتاب (ج٤-ص٣٥٧)

یعنی ”الطاغوت“ ”لات وعزّیٰ“ کاہن ‘شیطان ‘گمراہی کا سرغنہ ‘اصنام اور ہروہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے ‘اور سرکش اہل کتاب۔

حقیقت یہ ہے کہ طاغوت چونکہ مبالغہ کا صیغہ ہے اس لئے اس کے معنی معمولی طور پر معاصی کے مرتکب یا ان میں حد سے گزر جانے والے کے نہیں ہیں ‘سیدھے سیدھے شیطان کے ہیں۔

شیعہ حضرات البتہ اپنے مخصوص فکری ‘اعتقادی اور تاریخی پس منظر کی بنا پر اس کا استعمال خلفائے ثلاثہ ومعاویہ رضوان اللہ علیہم سے لے کر آج تک کے قریب قریب تمام سُنّی حکّام اور امراء کے لئے کرتے ہیں کیوں کہ یہ سب کے سب ان کی نظر میں غاصب ہیں اس سلسلہ میں ملاحظہ ہوں دور حاضر میں شیعہ فرقہ کے سب سے بڑے فقیہ اور مرجع تقلید علامہ خمینی کے ملفوظات۔وہ فرماتے ہیں:

۱- في حين توجد نصوص كثيرة تصف كلّ نظام غير إسلامي بأنه شرك، والحاكم والسلطة فيه طاغوت، ونحن مسئولون عن إزالة آثار الشرك من مجتمعنا المسلم ونبعدها تمامًا عن حياتنا. (الحكومة الإسلامية، ص۳۳)

یعنی اسی کے ساتھ ساتھ کثیر تعداد میں ایسی نصوص پائی جاتی ہیں جن میں ہر غیر اسلامی نظام کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ شرک ہے اور اس کا حاکم اور حکومت دونوں ”طاغوت“ ہیں ‘اور ہم اس بات کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں کہ اپنے مسلم معاشرے سے شرک کے تمام نشانات مٹائیں اور اسے اپنی زندگی سے مکمل طور پر دیس نکالا دیں....

جاننے والے جانتے ہیں کہ شیعہ مکتبۂ فکر کے مطابق ہروہ نظام ”غیر اسلامی“ ہے جس میں اقتدار ان لوگوں کے ہاتھوں میں نہ ہو جو خود کو شیعان علی کہتے اور سمجھتے ہیں۔

۲- سورۃ النساء (آیت ۶۰) میں جو لفظ ”طاغوت“ آیا ہے ‘اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ خمینی رقم طراز ہیں:

والمقصود من الطاغوت كلّ هيئة وسلطة قضائية أو حكومية تحكم أو تقضي بغيرما أنزل الله ....وقد أمرنا أن نكفر بمثل ذلك وأن نتمرد على كلّ حكومة جائرة وإن كان ذلك يكلفنا الصعاب ويحملنا المشاق.

(الحكومة الإسلامية. ص ۸٦)

(”طاغوت“ سے مراد ہروہ عدالتی یا انتظامی ادارہ ہے جو اللہ کی نازل کردہ ہدایات کے بغیر فیصلے کرے...... اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اس طرح کے اداروں کو تسلیم نہ کریں اور ہر ظالم حکومت کے خلاف بغاوت کریں خواہ اس میں ہمیں کتنی ہی مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کرنا پڑیں۔)

پھر اسی ضمن میں آگے چل کر خمینی صاحب جو کچھ فرماتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسے تمام (غیر شیعی) حکومتی اور عدالتی ادارے طاغوت کے ضمن میں آتے ہیں اور (بقول علامہ خمینی) حضرت جعفر صادق کا فرمان ہے کہ جس نے اپنے مقدمات کے فیصلوں کے لئے ان اداروں سے رجوع کیا یا ان سے اپنا کوئی حق لیا (خواہ رجوع کرنے والا اس میں کتنا ہی حق بجانب ہو) تب بھی اس کے اس طرح حاصل کردہ حق کا شمار رشوت اور کسب حرام میں ہوگا ‘کیوں کہ اس نے یہ حق طاغوت کے حکم اور فیصلے سے لیا ہے حالانکہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم ہر طاغوت کا انکار کریں۔

تو یہ ہے میرے عزیز! لفظ طاغوت کی اصل اور یہ ہیں وہ انحرافات جو اہل عجم کے ہاتھوں اس کے مفہوم اور مصداق کی تعیین میں ہوئے۔اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ دور صحابہ سے لے کر آج تک تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلم حکّام وامراء کے لئے اس لفظ کا استعمال کہاں تک روا اور مناسب رہا ہے یا آج ہے۔ایسے الفاظ کا استعمال محض اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ بولنے والا سخت جھنجلاہٹ اور حسد کا شکار ہے۔

س: قطع کلام کے لئے معافی چاہتا ہوں۔میں نے بعض لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ جو مسلمان شخص یا حاکم شرعی احکام کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا ہے اور علانیہ معاصی کا ارتکاب کرتا ہے ‘اسے اگر ہم بقول آپ کے طاغوت نہ بھی کہیں تب بھی دائرۂ اسلام سے تو خارج سمجھنا ہی

پڑے گا کیوں کہ کبائر کا ارتکاب کرکے اس نے ... ملان کو اپنا معبود بنا لیا ہے اس سلسلہ میں فقہی پوزیشن کیا ہے؟

ج: میں نے تو خود ہی ابھی کچھ دیر پہلے آپ... اب میں تین ذیلی سوالات قائم کئے تھے۔ ان میں سے دوسرا یہی تھ... کیا شرعی احکام کی تنفیذ یا بجا آوری میں کوتاہی کرنے سے کوئی شخص ... رۂ اسلام سے نکل جاتا ہے؟ جواب ہے کہ نہیں۔ صرف شرک ایک ... یسا گناہ ہے کہ جس کے ارتکاب اور اس پر اصرار سے انسان یقینی طور پر خلود فی النار کا مستحق ہو جاتا ہے۔ دیگر قسم کے معاصی کے ارتکاب سے انسان فاسق تو ہوتا ہے۔ کافر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے:

إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَآءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا عَظِيْمًا (النساء/۴۸)

(اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے لیکن اس کے سوا جو کچھ ہے اس کو جس کے لئے چاہے معاف فرمادے گا۔ اور جس کسی نے بھی اللہ کے ساتھ شرک کیا، اس نے بہت بڑے گناہ کا اختراع کیا۔)

اسی نکتہ سے بحث کرتے ہوئے کہ کیا انسان ارتکاب معاصی سے دائرۂ اسلام سے باہر نکل جاتا ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: قرآن کریم میں وارد ہوا ہے کہ

(وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوْا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ إِلٰى أَمْرِ اللهِ فَإِنْ فَآءَتْ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوْا إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوْا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ)

(الحجرات: ۹-۱۰)

(اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔ پھر بھی اگر ان میں کا ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے جنگ کرو جس نے زیادتی (بغاوت) کی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پس اگر وہ لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ بے شک مومنین بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔)

"اللہ تعالیٰ نے باوجود باہمی قتال کے ان تمام لوگوں کو مومن قرار دیا ہے اس سے بخاری وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ معصیت خواہ کتنی ہی بڑی ہو اس سے انسان ایمان سے باہر نہیں نکلتا۔ اور اس سلسلہ میں وہ موقف صحیح نہیں ہے جو خوارج اور ان کے متبعین نے یا معتزلہ اور انہی کے قبیل کے دوسرے لوگوں نے پیش کیا ہے (کہ عقیدہ کی صحت کے باوجود، معصیت کبیرہ کے ارتکاب سے انسان کافر اور ابدی طور پر جہنمی ہو جاتا ہے)۔ اور یہی بات صحیح بخاری میں وارد اس حدیث سے بھی ثابت ہوتی ہے جس کی روایت حسن بصری رحمہ اللہ نے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے کی ہے کہ:

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور آپ کے ساتھ منبر پر حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی حسن کی طرف دیکھتے اور کبھی لوگوں کی طرف اور فرماتے: بے شک میرا یہ بیٹا سیّد ہے، اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرادے۔ پس جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

حسن رضی اللہ عنہ کی ذریعہ اللہ تعالیٰ نے طویل جنگوں اور ہولناک واقعات کے بعد اہل شام اور اہل عراق کے درمیان صلح کرادی"۔

ابن کثیر کے اس اقتباس میں اہل شام سے مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء ہیں اور اہل عراق سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے حلفاء ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ معاصی کے ارتکاب کی بنا پر ہم محض اپنے اجتہاد اور فتوے سے کسی مسلمان کو فاسق تو کہہ سکتے ہیں کافر قرار نہیں دے سکتے۔

یہی بات علامہ نووی نے بہ ایں الفاظ کہی ہے:

واعلم أن مذهب أهل الحق أنه لايكفر أحد من أهل القبلة بذنب ولايكفر أهل الهواء والبدع

(مسلم ، شرح نووي-كتاب الإيمان)

یعنی: اور جان لو کہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کوئی محض گناہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا نہ ہی خواہشات کی پیروی کرنے والے یا بدعات کا ارتکاب کرنے والے کافر ہوتے ہیں۔

س: اب رہا میرے سوال کا وہ تیسرا جزء جس کا جواب دینے کا آپ نے وعدہ کیا تھا یعنی: کیا مسلمان حاکم کے خلاف شعائر اسلامی میں کوتاہی کرنے کی پاداش میں مسلح بغاوت اور خروج جائز ہے؟

ج: جو لوگ اسلام کا نام لے لے کر مسلم حکام کے خلاف پُرتشدد تحریکیں چلاتے ہیں یا نعرۂ جہاد بلند کرتے ہیں وہ صریحاً قرآنی تعلیمات کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ سورۃ الحجرات (آیت ۱۰) کا حوالہ ابھی میں نے دیا تھا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"بے شک مومنین بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا"۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اس لئے کسی مسلمان کا یہ منصب نہیں ہونا چاہئے کہ وہ اپنے بھائی سے جنگ کرے۔ اسے تو امن و آشتی کا پیغامبر ہونا چاہیے۔ اس کا فریضہ تو یہ ہونا چاہئے کہ اگر دوسرے لوگ آپس میں جنگ میں اُلجھ پڑیں تو اس معرکہ آرائی میں فریق بنے بغیر وہ دونوں کے درمیان صلح کرانے میں اپنی مساعی صرف کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک احتیاط کا حکم دیا ہے کہ اپنے بھائی کی طرف رخ کرکے کوئی ہتھیار سے اشارہ بھی نہ کرے کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ کب شیطان اس کے ہاتھ کو چلوادے اور وہ دوزخ کے گڑھے میں جا گرے۔

(لايشير أحدكم على أخيه بالسلاح فإنه لايدري لعل الشيطان ينزع في يده فيقع في حفرة من النار- البخاری)

واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی آپسی لڑائی جہاد نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی فکر مسلمانوں کی آپسی خانہ جنگی کی تھی اتنی فتنۂ دجال کی بھی نہیں تھی اسی لئے آپ نے قیامت تک کے لئے یہ حکم جاری فرمایا کہ اگر کبھی بہ تقاضائے بشری ایسی کوئی جنگ دو گرہوں کے درمیان چھڑ جائے تو:

القاعد فيها خير من القائم والقائم خير من الماشي والماشي خير من الساعي

(البخاري عن أبي هريرة)

یعنی: ایسی جنگ میں بیٹھا رہنے والا بہتر ہے کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا بہتر ہے چلنے والے سے اور چلنے والا بہتر ہے دوڑنے والے سے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ اے حذیفہ! اگر تم آپسی خانہ جنگی کا زمانہ پاؤ تو: "جماعۃ المسلمین اور ان کے امام (حاکم یا امیر سلطنت) سے مل جانا"۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر نہ جماعۃ المسلمین ہو نہ ان کا کوئی امام ہو تو (پھر کیا کروں)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسی حالت میں تم ایسے تمام (متحارب) فرقوں سے الگ ہو جانا خواہ تمہیں کسی درخت کی چھال ہی کھا کر گزارہ کرنا پڑے، تا آنکہ تمہیں اسی حالت میں موت آجائے۔

"عن حذيفة بن اليمان قال: قلت يا رسول اللّٰه: "فماتأمرني إن أدركني ذٰلك ؟قال: تلزم جماعة المسلمين وإمامهم - قلت فإن لم يكن لهم جماعة ولاإمام ؟ قال: فاعتزل تلك الفرق كلّها، ولو أن تعض بأصل شجرة حتّٰى يدركك الموت وأنت على ذٰلك" (بخاري-كتاب الفتن)

تو یہ ہیں میرے عزیز! مسلم عوام اور حکام کے تئیں خلوص، خیر خواہی اور حسن نیت پر کاربند ہونے کے سلسلہ میں ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات۔ انھیں ہدایات کو ملحوظ رکھنے کا نام دین ہے۔ اس کے برعکس جو کچھ ہے وہ شیطان کا وسوسہ اور

نفس کا بہکاوا ہے۔

ایک بات البتہ ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مستقل حکم ہے کہ:

"لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق"

(اللہ کی معصیت کی قیمت پر کسی کی اطاعت نہ کی جائے)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی حاکم وقت کسی حرام کام کا حکم دے تو ایسا حکم ہرگز نہ بجالاؤ خواہ حکم دینے والا کیسا ہی صاحب شوکت ہو۔

مثلاً کوئی تمہیں حکم دے کہ دہکتے ہوئے الاؤ میں کود جاؤ' یا صلوٰۃ نہ ادا کرو' یا خنزیر کا گوشت کھالو یا فلاں شخص کو ناحق قتل کردو تو ایسا حکم ہرگز نہ مانو۔ اس کے علاوہ عام زندگی کے معاملات میں تمہارے اوپر لازم ہے کہ حق والے کو اس کا حق دو' یعنی اگر تم بیٹے یا بیٹی ہو تو والدین کے حقوق بجالاؤ۔ اگر ماتحت ہو یا رعایا کا فرد ہو تو اپنے افسران بالا اور حکام کی اطاعت کرو۔ یہ اطاعت ظاہر ہے کہ عام ملکی قوانین یا امور دنیا تک محدود رہے گی۔

س: آپ نے دین کی تشریح کے ضمن میں 'خاص طور پر مسلم حکام کے سلسلہ میں جس خیر خواہی کی بات کی ہے 'کیا دیگر علمائے خلف و سلف نے بھی اس کی تشریح اسی طرح کی ہے؟

ج: پہلی بات تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ دین کو خیر خواہی کا مترادف میں نے نہیں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرار دیا ہے۔ اس لئے آپ کے لئے اصلاً معیار حق فرمودۂ رسول ہونا چاہئے نہ کہ میرا' آپ کا یا کسی اور کا قول۔

پھر بھی آپ کے اطمینان قلب کے لئے عرض ہے کہ ہمارے محدثین وفقہائے سلف میں اس مسئلہ پر کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اس سلسلہ میں سارے حوالے درج کرنا تو نہ ممکن ہے نہ مناسب۔ "مشتے نمونہ از خروارے" امام نووی شارح صحیح مسلم کا یہ حاشیہ آپ کی نذر ہے:

"وأما النصيحة لأئمة المسلمين فمعاونتهم على الحق وطاعتهم فيه وأمرهم به وتنبيههم وتذكيرهم برفق ولطف وإعلامهم بماغفلوا عنه ولم يبلغهم من حقوق المسلمين وترك الخروج عليهم وتألف قلوب الناس لطاعتهم.

قال الخطابى رحمه الله: ومن النصيحة لهم الصلاة خلفهم والجهاد معهم وأداء الصدقات إليهم وترك الخروج بالسيف عليهم إذا ظهر منهم الحيف أوسوء عشرة وأن لايغروا بالثناء الكاذب عليهم وأن يدعى لهم بالصلاح.

(مسلم (نووي) -ج١٢- ص ٣٨)

ترجمہ: "جہاں تک سوال ہے مسلمان حکام کے لئے خیر خواہی (نصیحت) کا تو اس سے مراد ہے حق میں ان کی معاونت اور اس میں ان کی اطاعت کرنا اور اس کے لئے انھیں نہایت نرمی اور مہربانی کے ساتھ تلقین کرنا' اور اگر وہ اس میں غفلت کریں یا ان تک اگر مسلمانوں کے حقوق کی بات نہ پہونچی ہو تو اس پر (نرمی اور مہربانی سے) انھیں آگاہ کرنا اور اس کی یاد دہانی کرانا۔ نیز ان کے خلاف بغاوت (خروج) سے احتراز کرنا اور ان کی اطاعت کی طرف لوگوں کے دلوں میں رجحان پیدا کرنا۔ حضرت خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ان کے (حکام کے) تئیں خیر خواہی میں جو چیزیں داخل ہیں وہ ہیں: ان کے پیچھے صلوٰۃ ادا کرنا' ان کے ساتھ جہاد کرنا اور انہی کو صدقات (ٹیکس وغیرہ) ادا کرنا۔ اور اگر ان سے ظلم یا بدقماشی (مخالف شریعت اعمال) سرزد ہوں تب بھی تلوار لے کر ان پر خروج کرنے سے احتراز کرنا۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ ان کی جھوٹی مدح کر کے انھیں خود فریبی میں مبتلا کرنے سے بچنا اور انھیں خیر وصلاح کی طرف دعوت دینا چاہئے"۔

اسی سے ملتی جلتی عبارتیں آپ کو قریب قریب تمام شارحین حدیث اور فقہائے سلف کے یہاں ملیں گی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلام امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالخصوص اور عام بندگان خدا کو بالعموم ہر طرح کی بدامنی اور انتشار سے بچاکر معاشرے میں امن واستقرار بحال رکھنا چاہتا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ "منہاج السنہ" میں اس کی یہ حکمت بتاتے ہیں کہ حکام اور رعایا کے مابین تنا تنی اور مقاتلہ ایک

خطرناک عمل ہے اور اس سے بڑے بڑے مفاسد پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ اگر یہ بات ثابت بھی ہوجائے کہ ایک مسلمان حاکم منکرات میں مبتلا ہے تو یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ اس کے منکرات کے ازالہ کے لئے اس سے بھی بڑے منکر افعال (خروج وبغاوت وغیرہ) میں مبتلا ہوا جائے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ شیعہ حضرات کے برخلاف اہل سنت نہ امام وقت کو معصوم مانتے ہیں نہ ان سے عصمت کا مطالبہ کرتے ہیں اور ان کے خلاف "کفر بواح" (علی الاعلان کفر) کے سوا کسی دوسری صورت میں خروج جائز نہیں۔

بقول علامہ خود نصوص قرآنیہ اس امر پر شاہد ہیں کہ صورۃ اگر کوئی مسلمان باغی بھی ہے، اس سے بھی اس وقت تک قتال نہیں کیا جاسکتا جب تک باہمی صلح وآشتی کے تمام ذرائع مسدود اور امکانات ختم نہ ہوجائیں۔

علامہ ابن تیمیہ کے بعض اقوال ملاحظہ ہوں:

ٍ وهو صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قد أخبر ـه بعد ذلك يقوم أئمة لايهتدون بهديه لايستنون بسنّته ....وأمر مع هذا بالسمع لطاعة للأمير وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك ين أن الإمام الذي يطاع هو من كان له نطان سواءً كان عادلاً أو ظالمًا وكذلك في صحيح حديث ابن عمر عن النبى صلى الله ليه وسلم من خلع يداً من طاعة إمام لقى الله الىٰ يوم القيامة لاحجة له ومن مات وليس ِ عنقه بيعة مات ميتة جاهلية، لكنه لايطاع ـد في معصية الله تعالىٰ.

(منهاج السنة ج١-ص١٤٩)

ب) وفي صحيح مسلم عن أم سلمة رضى الله عنها أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "سيكون أمراء تعرفون وتنكرون فمن عرف برئ ومن أنكر سلم ولكن من رضى وتابع قالوا: أفلا ننابذهم قال: لا،ماصلّوا"، وفيه أيضًا عن النبى صلى الله عليه وسلم قال:" من ولى عليه والٍ فرآه يأتي شيئا من معصية الله فلينكر ما يأتى من معصية الله ولاينزعن يداً من طاعة".

(منهاج السنة ـ ج١-ص١٥٠)

(ج)ولهذا كان المشهور من مذهب أهل السنة لايرون الخروج على الأئمة وقتالهم بالسيف وإن كان فيهم ظلم كما دلّت على ذلك الأحاديث الصحيحة المستفيضة عن النبى صلى الله عليه وسلم لأن الفساد فى القتال والفتنة أعظم من الفساد الحاصل بظلمهم بدون قتال ولافتنة ..... والله تعالىٰ لم يأمر بقتال كلّ ظالمٍ وكلّ باغٍ كيفما كان ولاأمر بقتال الباغين ابتداءً بل قال: "وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوْا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ إِلٰٓى أَمْرِ اللهِ فَإِنْ فَآءَتْ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ" ـ فلم يأمر بقتال الباغية ابتداءً فكيف يأمر بقتال ولاة الأمور ابتداءً.

(منهاج السنة ج٢ـ ص ٨٧)

ترجمہ:

(ا) "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اس کے بعد (امت محمدیہ کے بہترین دور کے گزرنے کے بعد) ایسے حکام (ائمہ) آئیں گے جو نہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت سے کسب فیض

کئے ہوں گے نہ آپ کی سنّت پر چلنے والے ہوں گے.... اس کے باوجود آپ نے حکم دیا کہ امیر (حاکم) کے ساتھ سمع وطاعت کا معاملہ کرچاہے وہ تیری پُشت پر (کوڑے وغیرہ) مارے اور تیرا مال چھین لے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ وہ امام جس کی اطاعت فرض ہے وہ وہ ہستی ہے جس کے پاس غلبہ واقتدار ہو چاہے وہ منصف مزاج ہو یا ظالم۔ اسی طرح ایک صحیح حدیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

جس نے امام وقت کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس (اپنے دفاع میں) کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں حاکم وقت کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

یہ البتہ ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کے کاموں میں کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔"

(ب) "اور صحیح مسلم میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آئندہ ایسے حکّام ہوں گے جن کو تم پہچانوگے (خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کی خرابیوں کا بھی ادراک کروگے) اور جن کو (ان کی خرابیوں کی وجہ سے) ناپسند کروگے۔ پس جس نے ان کو پہچانا (پھر بھی صبر کیا) وہ (الزام سے) بری ہے اور جس نے (ان کی خرابیوں کی وجہ سے) ان کو ناپسند کیا (اور صبر کیا) وہ بھی (گناہ سے) محفوظ رہا البتہ وہ محفوظ نہیں رہا جو اس پر راضی ہوا اور جس نے خود بھی ان کی پیروی کی۔ لوگوں نے پوچھا: کیا ہم ایسے حکّام کو اتار نہ پھینکیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، جب تک وہ صلوٰۃ قائم رکھیں (مبادی دین میں تبدیلی نہ کریں)

اور صحیح مسلم ہی میں آپ کا یہ فرمان ہے:

جس پر کوئی حاکم مقرر کیا گیا اور اس نے اس حاکم میں اللہ کی نافرمانی کی کوئی بات دیکھی پس اسے چاہئے کہ اللہ کی جو نافرمانی اس سے سرزد ہوئی ہے وہ اسے ناپسند کرے مگر اطاعت امیر سے ہاتھ نہ کھینچے"۔

(ج) "اسی لئے اہل سنّت کا یہ مسلک معروف ومشہور ہے کہ وہ حکّام کے خلاف خروج اور ان کے ساتھ تلوار سے جنگ کو جائز نہیں سمجھتے، خواہ ان کے اندر ظلم کی روش پائی جائے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی نظر میں جنگ وجدل اور فتنوں سے پیدا ہونے والا فساد اس فساد سے زیادہ عظیم ہے جو جنگ اور فتنے کے بغیر ان کے ظلم وجور سے پیدا ہوتا ہے...... اللہ تعالیٰ نے یہ حکم ہرگز نہیں دیا کہ ہر ظالم اور باغی سے جنگ کرو خواہ وہ کیسا ہی ہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ باغیوں کے ساتھ ابتدائی مراحل ہی میں جنگ کا معاملہ کرو بلکہ یوں فرمایا:

"اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور انصاف کرو"۔

تو جب اللہ تعالیٰ نے باغیوں تک سے ایک دم لڑائی چھیڑنے کا حکم نہیں دیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ حکّام سے آغاز ہی میں جنگ کرنے کا حکم دے؟"

علّامہ ابن تیمیہ نے ایک اور نکتہ پر بھی زور دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر آج دین سے محبت کے دعوے دار ایک گروہ نے مزعومہ دینی کوتاہیوں کی بنا پر شور وغوغا کرکے ایک مسلمان حاکم کو ہٹا دیا تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ کل ایک دوسرا گروہ نئے حاکم کے خلاف اسی طرح شورش برپا نہیں کرے گا؟ ظاہر ہے کہ اگر یہی سلسلہ چلتا رہا تو معاشرے میں امن واستقرار کبھی قائم نہیں ہوگا۔ نتیجۃً پوری ملّت اسلامیہ نقصان میں رہے گی اور فائدے میں رہیں گے اغیار۔ (جاری)

بقیہ : خبرنامہ

پارلیمنٹ کی سیٹوں سے بھی استعفیٰ دینے کی دھمکی دے ڈالی۔

حکومت کی کارروائی رپورٹ پر مخالفت کی اصل وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی پیش کردہ رپورٹ میں جن لوگوں کے تمسکات گھپلے میں ملوث ہونے کی بات کہی گئی ہے حزب اختلاف کا الزام ہے کہ حکومت نے ان لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی اور بعض لوگوں کو بالکل بری قرار دے دیا ہے۔

رفیق احمد سلفی

دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت اور اس کا طریقۂ کار

یہ مقالہ سنٹر فار پرموشن آف سائنس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی جانب سے منعقدہ سیمینار مورخہ ۱ر تا ۳ر جولائی ۹۴ء کو پڑھا گیا۔

میں "مرکز فروغ سائنس" اور اس کے ذمہ داران کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اصحاب علم وفضل کی اس مجلس میں مجھ جیسے معمولی طالب علم کو ایک انتہائی اہم اور حساس موضوع پر اپنے خیالات کے اظہار کا شرف بخشا۔

حضرات! دینی مدارس کے تعلیمی نظام کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنانے اور اسے وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کا جذبہ بلاشبہ ایک مبارک اور قابل قدر جذبہ ہے بشرطیکہ یہ خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ مسلمان اپنے دینی اقدار وروایات اور تہذیبی تشخص کے تعلق سے انتہائی حساس واقع ہوئے ہیں اسی احساس کا نتیجہ ہے کہ اس طویل وعریض ملک میں دینی مدارس ومکاتب اور جامعات کا ایک زریں سلسلہ قائم ہے دینی اقدار وروایات سے مسلمانوں کی جذباتی وابستگی اور ان کی حفاظت وصیانت اور نسل در نسل ان کی منتقلی کا جذبۂ فراواں ہی ان مدارس کے قیام اور ان کے جاری رکھنے کا محرک ہے۔

دوسری طرف اس ملک میں مسلمانوں کے تہذیبی وتمدنی امتیازات کو ختم کرنے کی مختلف زاویوں سے کوششیں ہو رہی ہیں اور ان کوششوں کی کامیابی میں دینی مدارس کو سب سے بڑا رخنہ سمجھا جاتا ہے اگر دینی مدارس کا یہ سلسلہ موجود نہ ہوتا تو ملت اسلامیہ کے لئے اس ملک میں اپنا تہذیبی تشخص برقرار رکھنا ممکن نہ ہوتا اس لئے ان مدارس کے تعلق سے جب کوئی آواز اٹھتی ہے تو مسلمانوں کے حساس طبقہ کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں بالخصوص اس صورت میں جب یہ آواز کسی ایسے حلقے سے اٹھ رہی ہو جس کی نظر میں دینی قدروں کی کوئی خاص اہمیت نہ ہو۔

دینی مدارس کے نصاب اور نظام تعلیم میں اصلاح وتبدیلی کی جو آواز اٹھ رہی ہے اس سے بھی خدشات اور اندیشے پیدا ہوئے ہیں اور یہ خدشات ایک حد تک بجا بھی ہیں کیونکہ اس ملک میں خود مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا رہا ہے جو دینی مدارس کے نظام تعلیم کو تلپٹ کرکے انہیں ان کے بنیادی مقاصد سے ہٹانے ہی کو اپنا مقصد حیات بنائے ہوئے ہے۔ تاہم ایسے صالح فکر کے لوگ بھی بحمد اللہ مسلم سوسائٹی میں موجود ہیں جو صدق دل سے ان مدارس کے تعلیمی نظام کو وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرکے انہیں اس لائق بنانا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں پہلے سے زیادہ بہتر اور موثر کردار ادا کرسکیں۔ اس لئے وقت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے دینی مدارس کے نصاب میں اصلاح وتبدیلی کی اس آواز پر ہمیں لبیک کہنا چاہیے۔

دینی مدارس کے قیام کی اصل غرض وغایت جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے اسلامی سوسائٹی کی دینی ضروریات کی تکمیل ہے' ان کا قیام اس لئے عمل میں نہیں آیا ہے کہ یہ سماج کو سائنسداں' ڈاکٹر' انجینئر یا صنعت کار فراہم کریں بلکہ ان کے قیام کا بنیادی مقصد دینی علوم کے

ماہرین اور اسلامی مشن کے داعی و مبلغ پیدا کرنا ہے۔

میری اس گذارش کا یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ سوسائٹی کو عصری علوم کے ماہرین کی ضرورت نہیں، صحتمند سماج کے لئے یہ علوم ناگزیر ضرورت ہیں اور سوسائٹی میں ایسے اداروں کی ایک معتدبہ تعداد ہونی چاہیے جو ان بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کر سکیں۔

اسی طرح دینی علوم کے حاملین کو بھی ضروری حد تک عصری شعور و آگہی سے بہرہ ور ہونا چاہیے تاکہ وہ عصری چیلنجوں کا پوری بصیرت سے مقابلہ کر سکیں۔

بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ علم ایک ناقابل تقسیم اکائی ہے اسے دین اور دنیا کے خانوں میں بانٹنا صحیح نہیں، اسلام اگر ضابطۂ حیات ہے تو اس کا علم زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہونا چاہیے۔ مسلمان اپنی اقبال مندی کے دور میں ساری دنیا میں علم کے سالار کارواں رہے ہیں۔

یہاں میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ مسلمانوں کی اقبال مندی کا یہ دور بھی دینی اور دنیوی علوم کی تفریق سے خالی نہیں بجز چند مستثنیات کے دونوں علوم کے حاملین الگ الگ گروہوں میں منقسم رہے ہیں قرآن و سنت کے نصوص میں بھی اس تفریق کے واضح اشارے موجود ہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے "انتم أعلم بامور دنیاکم" اور "من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین" فرما کر علم کو دو خانوں میں بانٹ دیا ہے اور دینی علوم اور ان کے حاملین کی افضلیت پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔

دنیوی علوم کا افادی پہلو اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود اسی فانی زندگی تک منحصر ہے جب کہ دینی علوم آخرت کی ابدی و سرمدی زندگی کی سعادتوں اور کامرانیوں کا ذریعہ ہیں اس لئے دینی مدارس کے نصاب کی ترتیب میں دینی علوم کی یہ حیثیت بھی لازماً پیش نظر رہنی چاہیے۔

دینی مدارس کے جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان مدارس کی تین قسمیں ہیں۔

۱ ۔ پہلی قسم ان مکاتب کی ہے جن میں صرف پرائمری درجات کی تعلیم ہوتی ہے۔

۲ ۔ دوسری قسم ان مدارس کی ہے جن میں پرائمری کے ساتھ متوسطہ اور ثانویہ کے بعض درجات کا بھی انتظام ہے۔

ان درجات کی حیثیت علوم کے لئے تمہید کی ہے یہ طلباء کو علوم کے اکتساب کے لئے آمادہ کرتے اور انہیں اس کا اہل بناتے ہیں، اس لئے ان درجات کے نصاب میں طلباء کے ذہنی معیار کا لحاظ رکھتے ہوئے اسلامی عقائد، فقہ و سیرت اور اخلاق و آداب اور عربی زبان و قواعد کے مضامین کے ساتھ ہندی، اردو، انگریزی، حساب، سائنس اور سماجیات وغیرہ مضامین کا ایسا امتزاج ہونا چاہیے کہ ان درجات سے نکلنے کے بعد طالب علم کے لئے علم کی کوئی بھی راہ مسدود نہ ہونے پائے، اگر وہ علوم دینیہ یا اس کی کسی شاخ میں کمال پیدا کرنا چاہتا ہے تو دینی علوم کی کسی اعلیٰ درسگاہ میں داخلہ لے سکے اور اگر وہ عصری علوم کی طرف جانا چاہتا ہے تو عصری کالجز اور یونیورسٹیوں میں اسے زیادہ زحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے بعض مدارس کے نصاب تعلیم میں بعض مفید اصلاحات ہوئی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ان مدارس میں ایسے اساتذہ کی بڑی کمی رہی ہے جو طلباء اور تعلیم کی نفسیات سے واقف ہوں اور تعلیم و تدریس کی ذمہ داریوں کا صحیح شعور اور ادراک رکھتے ہوں اس کے ساتھ ساتھ ان مدارس میں ضروری تعلیمی وسائل کا بھی فقدان رہا ہے اس لئے متوقع نتائج نہیں نکل سکے ہیں۔

۳ ۔ تیسری قسم ان مدارس اور جامعات کی ہے جن میں علوم دینیہ کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہے، ان مدارس میں بعض جزوی ترامیم کے ساتھ ابھی تک درس نظامی کا نصاب ہی رائج ہے جو مضامین، انتخاب کتب، اور مقدار خواندگی ہرسہ لحاظ سے غور و خوض اور اصلاح کا طالب ہے۔

ان مدارس و جامعات میں پڑھائے جانے والے علوم دو طرح کے ہیں ایک وہ جن کی حیثیت ذرائع و وسائل کی ہے نحو و صرف، معانی و بیان، ادب و انشاء اور منطق وغیرہ علوم اسی ضمن میں آتے ہیں، دوسرے وہ جو مقصود بالذات ہیں مثلاً علوم قرآن و حدیث اور فقہ و عقائد وغیرہ۔

اس نصاب کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں علوم آلیہ کو غلبہ حاصل ہے اور جو علوم مقصود بالذات ہیں ان کا حصہ بہت کم ہے، مثال کے طور پر دینی مدارس کے نصاب میں توحید و عقیدہ کا مضمون جو علوم دینیہ کا اصل الاصول ہے اور جسے "فقہ اکبر" کا نام دیا گیا ہے شامل ہی

نہیں اور اگر شامل ہے بھی تو اس کے لئے "خیالی" اور "شرح عقائد نسفی" جیسی کتابوں کا انتخاب کیا گیا ہے جو خالص متکلمانہ انداز پر لکھی گئی ہیں جن سے تشحیذ ذہنی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، توحید و عقائد کے مسائل کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ایسی کتابیں نصاب میں شامل کی جائیں جو صحابۂ کرام، سلف صالحین، تابعین، مجددین اور ائمہ دین کے منہج پر لکھی گئی ہوں، اور کتاب و سنت کے دلائل پر مبنی ہوں۔

اسی طرح فن تفسیر میں "تفسیر جلالین" اور "تفسیر بیضاوی" کے چند صفحات پر اکتفا کرلیا جاتا ہے جو طالب علم میں قرآن فہمی کا صحیح ذوق پیدا کرنے کے لئے یکسر ناکافی ہیں۔

عقائد و احکام، قصص قرآن اور ایام اللہ کی آیات کے الگ الگ مجموعے خالص نصابی ضروریات کے تحت مرتب کئے جانے چاہئیں اور انہیں نصاب میں شامل کرکے متداول تفاسیر کی مدد سے طلباء کو جب ان میں عربی زبان و قواعد سے ضروری حد تک واقفیت ہو جائے ان آیات کا اس طرح تقابلی مطالعہ کرانا چاہیے کہ وہ قرآن کی روح کو سمجھ سکیں اور اس کے اسرار و معارف اور ظاہری و معنوی محاسن کا ادراک کرسکیں اور قرآن کا مقصد نزول ان کی سمجھ میں آسکے، اور نصاب کا بنیادی مضمون قرآن کو بناتے ہوئے تعلیم کے اونچے مراحل میں انہیں معیاری تفاسیر کا تقابلی مطالعہ کرانا چاہیے اور کوشش کرنا چاہیے کہ وہ اسرائیلیات، موضوع روایات اور غلط قصوں کہانیوں سے نجات پاسکیں دوسری جانب وہ عقلیت اور اعتزال کے جدید و قدیم فتنوں سے بھی بچ سکیں پوری کوشش اس بات کی ہونی چاہیے کہ طلباء کے اندر قرآن فہمی کا ذوق عربی زبان و ادب اور احادیث صحیحہ اور فہم سلف کی روشنی میں پیدا ہو تاکہ وہ قرآن کریم کے داعیانہ مقاصد کو اجاگر کرنے کی صلاحیت بہم پہنچاسکیں۔

فنِ حدیث کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے ہندوستان میں شاہ ولی اللہ کے عہد سے پہلے حدیث کی تدریس کا سرے سے کوئی اہتمام ہی نہیں تھا نصاب میں پورے طور پر علوم عقلیہ کا غلبہ تھا، حدیث کے بجائے اعتزال زدہ متاخرین فقہاء کی کتابوں کی تدریس کو اہمیت دی جاتی تھی شاہ صاحب کی کوششوں سے حدیث کی طرف علماء کی توجہ مبذول ہوئی۔

اس وقت جن مدارس میں حدیث کی تعلیم دی جاتی ہے انہیں ہم تین خانوں میں بانٹ سکتے ہیں۔

۱ - وہ مدارس جو مختلف درجات میں "بلوغ المرام" اور "مشکوٰۃ المصابیح" کے ساتھ کتب ستہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ) نیز موطاء امام مالک کی تعلیم دیتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ مقررہ کتب نصاب تک پڑھادی جائیں۔

۲ - دوسرے وہ مدارس جو آخری درجہ میں کتب ستہ کے ساتھ بعض دوسری اہم کتابوں کو ایک ہی سال کے اندر پوری پڑھادینے کی کوشش کرتے ہیں۔

۳ - تیسرے وہ مدارس جو مختلف درجات میں حدیث کی مشہور کتابوں کے چند منتخب ابواب پڑھادینے کو کافی سمجھتے ہیں۔

مؤخر الذکر دونوں طریقے طالب علم میں حدیث کا صحیح ذوق پیدا کرنے کے لئے قطعاً ناکافی ہیں اور اول الذکر طریقہ کی خرابی یہ ہے کہ حدیث کی ضخیم کتابوں کو محدود وقت میں عملاً ختم کرانا ممکن نہیں ہوتا اور اگر کسی طرح سے اس کی کوشش کی بھی جائے تو طلبہ اور اساتذہ میں سے کسی میں بھی وہ نشاط باقی نہیں رہتا جس کا یہ مہتم بالشان فن متقاضی ہے، نتیجۃً بہت سے ضروری ابواب و مباحث طالب علم کی نگاہ سے اوجھل رہتے ہیں یا ان سے متعلق اس کی معلومات سطحی ہوتی ہیں۔

میری ناقص رائے میں فنّ حدیث کے جملہ ابواب و مباحث، کو مختلف درجات میں اس طرح تقسیم کیا جانا چاہئے کہ کوئی باب چھوٹنے نہ پائے اور جو ابواب و مباحث جس کتاب میں سب سے زیادہ جامع ہوں انہیں اسی کتاب سے پڑھانے کی کوشش ہونی چاہیے اس طرح غیر ضروری تکرار سے بچتے ہوئے قدرے تفصیل سے تمام ابواب و مباحث کو عملاً پڑھانا ممکن ہوسکتا ہے اگر تقسیم و انتخاب کا یہ عمل اس فن کے ماہرین کے ہاتھوں انجام پاجائے تو اصول حدیث کے ساتھ ساتھ اصول تخریج اور جرح و تعدیل وغیرہ ضروری علوم کے لئے بھی نصاب میں کچھ گھنٹیاں خاص کی جاسکتی ہیں، کیونکہ ان علوم کے بغیر فن کی روشنی میں کسی حدیث پر صحت و ضعف یا حسن و وضع کا حکم نہیں لگا سکتے۔

ہندوستان کے مشائخ عموماً اس فن میں تقلیدی ذہن رکھتے ہیں وہ اپنی تحقیق سے کسی حدیث کی بابت صحت و ضعف یا وضع کا فیصلہ نہیں کرسکتے۔ اس سلسلہ میں مزی، ذہبی، ابن حجر عسقلانی اور ماضی قریب کے لوگوں میں مولانا احمد حسن دہلوی، مولانا شمس الحق عظیم آبادی، احمد

محمد شاکر اور معاصر علماء میں علامہ محمد ناصر الدین البانی کی تحقیقات سے استفادہ کا طلباء میں شوق پیدا کرنا چاہیے۔

فن حدیث میں محدثانہ بصیرت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بڑے مدارس میں درجہ تخصص کا خصوصی اہتمام ہو جس کے نصاب میں حدیث اور علوم حدیث کی امہات کتب شامل ہوں حدیث کی تدریس میں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ یہ قرآن پاک کی شرح و تفصیل اور تبیین ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی جو ہمارے لیے "اسوۂ حسنہ" ہے کا یہ تفصیلی بیان ہے اس لئے طالب علم کی زندگی میں اس کے ظاہر و باطن پر اس کے بھرپور اثرات پیدا ہونے چاہئیں۔

جہاں تک فقہ اور اصول فقہ کا معاملہ ہے اگرچہ اس کی اچھی خاصی مقدار ہمارے نصاب میں شامل ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے طلباء میں مسائل کے استخراج واستنباط کی صلاحیت نہیں پیدا ہو پاتی کیونکہ اس کے لئے کتاب وسنت کے نصوص کا استحضار اور ائمۂ سلف کے اقوال و اعمال اور ان کی تصریحات کا وسیع علم اور طرق استنباط پر ماہرانہ دسترس ضروری ہے جس کے پیدا کرنے سے ہمارا نصاب قاصر ہے۔

فقہ اور اصول فقہ کا نصاب کسی خاص مسلک ہی کی کتابوں میں محدود محصور نہیں ہونا چاہئے دوسرے مشہور ائمہ کے فقہی مسائل، ان کے دلائل اور طرق استنباط سے واقفیت بھی ضروری ہے اس سے مسلکی عصبیت کا ازالہ ہوگا، فکر و نظر میں وسعت اور بلندی پیدا ہوگی اور طالب علم خود اعتمادی کے ساتھ احکام و مسائل میں مجتہدانہ رائے قائم کر سکے گا۔

تفسیر وحدیث اور فقہ وغیرہ علوم کے ساتھ ساتھ ملت کی سیاسی، علمی، فکری اور ثقافتی تاریخ سے آگہی بھی دینی مدارس کے طلباء کے لئے بے حد ضروری ہے، ہماری ملی تاریخ کے اس طویل عہد میں کیا کیا سیاسی انقلابات آئے، کون کون سی سلطنتیں وجود میں آئیں اور ان کے عروج و زوال کی داستان کیا ہے؟

اسی طرح ہمارے علمی ارتقاء کی تاریخ کیا ہے؟ علوم وفنون خاص طور سے وہ علوم جو دینی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں ان کی نشو ونما کس طرح ہوئی، ان کے ابتدائی حاملین کون لوگ ہیں، ترتیب و تدوین کا مرحلہ کن ہاتھوں سے انجام پایا اور کن کن لوگوں نے ان میں اضافے کئے، ان علوم وفنون کی اہم کتابیں کیا ہیں اور ان کے مصنفین کون ہیں؟

اسی طرح مختلف ادوار میں کون کون سے افکار و نظریات وجود میں آئے کہاں اور کن حالات میں پروان چڑھے اور معاشرے پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوئے ان ساری باتوں کا علم جب تک دینی مدارس کے طلباء کو نہیں ہوگا ان میں اپنی تہذیب وثقافت کی عظمت اور اس کی اہمیت کا احساس پیدا نہیں ہو سکے گا۔

اسی طرح دیگر اقوام ومذاہب خاص طور سے مغرب کے سیاسی، فکری و علمی ارتقاء کی تاریخ سے واقفیت بھی ضروری ہے دینی مدارس کے نصاب میں ان علوم کی گنجائش ضرور رکھنی چاہیے اگر ان کی باقاعدہ تعلیم ممکن نہ ہو سکے تو طلباء کو کسی استاذ کی رہنمائی میں مناسب کتابوں کے مطالعہ پر مجبور کر کے اس کی تلافی کسی حد تک ممکن ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے احمد محمد شاکر، محب الدین خطیب، ناصر الدین اسد، محمد محمد حسین، مالک بن نبی، تقی الدین ہلالی، محمد بن یوسف سورتی، عبدالعزیز یمنی اور محمود محمد شاکر جیسے عباقر علماء کی تصنیفات و مؤلفات بہت مفید و کار آمد ہیں طلباء کو ان سے استفادہ کی ترغیب ہونی چاہیے۔

دینی مدارس کے نصاب کا ایک بڑا حصہ علوم عقلیہ پر مشتمل ہے یونانی فلسفہ کی راہ سے دینی عقائد کے سلسلہ میں جو شکوک وشبہات پھیل رہے تھے ان کے ازالہ کے لئے ان علوم کا سیکھنا ضروری سمجھا گیا تھا اسی ضرورت کے تحت علماء نے دینی مدارس کے نصاب میں ان علوم کو شامل کیا تھا اگرچہ اس سے کچھ وقتی فائدے ہوئے لیکن اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ دین کی اصل تعلیمات فلسفہ وکلام کی کج بحثیوں اور موشگافیوں میں گم ہو کر رہ گئیں اور علماء امت علمی مغالطوں اور سفسطوں کے گورکھ دھندوں میں الجھ کر اس فطری طریق استدلال سے دور ہوتے چلے گئے جس پر صحابہ اور ائمۂ دین قائم تھے۔

وقت کے گذرنے کے ساتھ اب ان علوم کی افادیت ختم ہو گئی ہے اس لئے ان علوم کا غالب حصہ دینی مدارس کے نصاب سے حذف کر دیا جانا چاہیے اگر قدماء کی کتابوں سے استفادہ کے لئے ان علوم کے مبادیات اور بنیادی اصطلاحات جاننا ضروری ہوں تو ایک آدھ کتاب نصاب میں باقی رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

زبان وادب اور انشاء و قواعد وغیرہ علوم کی اچھی خاصی مقدار نصاب میں ہوتے ہوئے بھی ہمارے دینی مدارس کے طلباء عربی لکھنے اور بولنے پر قادر نہیں ہوپاتے یہ ہمارے نظام تعلیم کا نقص ہے ضرورت ہے کہ نئے تعلیمی رجحانات اور تجربوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے لئے تیز رفتار اور آپٹوڈیٹ طریقے اختیار کئے جائیں اس مقصد کے لئے ایسی کتابوں کو شامل نصاب کرنا ہوگا جن میں تمرینات مشقوں اور عملی تطبیقات پر زور ہو۔ ازہر اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ وغیرہ میں غیر عرب طلباء کے لئے جو نصابی کتابیں تیار ہوئی ہیں ان سے ہمیں اپنے مدارس کے نصاب میں استفادہ کرنا چاہیے۔

جہاں تک انگریزی زبان کا معاملہ ہے تو اس زبان کے تعلق سے ہمارے علماء کے رویوں میں خوشگوار تبدیلی آئی ہے پہلے انگریزی زبان کے سیکھنے کو کفر سمجھا جاتا تھا اب اسے خود علماء اپنے بچوں کے لئے ضروری سمجھنے لگے ہیں بہت سے مدارس کے نصاب میں یہ ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل بھی ہے لیکن اس کے باوجود ابھی تک دینی مدارس کے نصاب میں اس زبان کو وہ حیثیت نہیں دی گئی ہے جس کی یہ مستحق ہے ہمارے عقائد و ایمانیات اس وقت جس فکری یلغار کی زد میں ہیں عموماً وہ اسی زبان کے توسط سے ہم تک آرہی ہے اس لئے "بقدر ضرورت انگریزی" کے نظریہ کو ترک کرکے نصاب میں اس کا بھرپور عنصر شامل ہونا چاہیے تاکہ طلباء انگریزی سمجھنے لکھنے اور بولنے پر قادر ہو سکیں اس سے تبلیغ اسلام اور اشاعت دین کے لئے ایک وسیع فضا فراہم ہوگی اور ان غلط فہمیوں کے ازالہ میں مدد ملے گی جن میں ہمارا مہذب اور تعلیم یافتہ طبقہ اسلام کے تعلق سے مبتلا ہے۔

یہ دینی مدارس کے نصاب کے سلسلہ میں اس ناچیز کے احساسات ہیں جنہیں اختصار کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

انہیں خطوط کی روشنی میں ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی (مرکز ابوالکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیہ) نے اپنے دہلی اور دہلی کے باہر کے تعلیمی اداروں کے لئے ماہرین کے مشوروں سے ایک نصاب تعلیم وضع کیا ہے جس پر چند سالوں سے تجربات ہو رہے ہیں۔

ابھی ہم یہ دعویٰ تو نہیں کرسکتے کہ ہم اپنے مقصد میں پورے طور سے کامیاب ہیں لیکن اپنے طلباء سے متعلق ملک اور بیرون ملک سے جو تاثرات اور آراء ہمیں مل رہی ہیں وہ حوصلہ افزا ہیں۔

بقیہ : فکر و نظر

تعذیب و ستم رانی کا بلاوجہ شکار ہوئیں اس کی تلافی کرنا بڑا مشکل ہے بلکہ بعض اوقات ناممکن ہوجاتا ہے عوام کے اضطراب اور مظلوموں کی آہ و زاری سے پہلے ہی ایوان اقتدار میں جلوہ افگن عوامی نمائندوں کو اس طرف توجہ دینی چاہیے تھی۔ مسلمانوں کو کانفرنسیں کرکے اور ریزولیوشن پاس کرکے ہی خاموش نہیں بیٹھ جانا چاہیے بلکہ عدالت اور پارلیمنٹ دونوں جگہ شدت سے اس کالے قانون کے خلاف استغاثہ اور احتجاج کرنا چاہیے بہتر ہو مسلم ماہرین قانون اور دیگر انسان دوست اور حقوق انسانی کی علم برداروں کے مشورے سے سپریم کورٹ میں اس کی منسوخی کے لئے رٹ دائر کی جائے تاکہ سرکار کو معاملہ کی سنگینی کا احساس ہو اور وہ اس کے غلط استعمال کے تدارک کے لئے تیزی سے قدم اٹھائے اس دور میں عدالت ہی مظلوموں کی دادرسی کا واحد ذریعہ رہ گیا ہے جہاں سیاسی دباؤ اثر انداز نہیں ہوتا۔ اگر سکھ اور مسلمان تنظیمیں مشترکہ طور پر دفاعی اقدام کریں تو اس کی افادیت بڑھ جائے گی یہ بہت ضروری ہے کہ اقلیتیں اپنے حقوق کے تحفظ کیلیے عدالتِ عظمیٰ کا رخ کریں اور حکومت کو مجبور کریں کہ وہ اقلیتوں پر شک وشبہ کرنے کے فسطائی طرز فکر کو ترک کرے جو ملزم ہو اسے عدالت کے روبرو پیش کیا جائے اور ملکی قانون کے تحت ملزم کو اپنے دفاع اور صفائی کا پورا موقع دیا جائے یہ مسئلہ بابری مسجد اور سورن مندر کی تباہی سے کم اہمیت کا نہیں ہے اسے جذبات کے ہیجان میں نہیں حقائق کی سنگینی کے تناظر میں دیکھا جانا چاہئے اور قانونی اقدامات تیزی سے کئے جانے چاہئیں۔

> کب زباں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے
> خاک کر ڈالا چمن کو آتشِ پیکار نے
> (اقبال)

اطہر نقوی

اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

زَمِّلُونِی کی صدائے درد سن کر بے دریغ
سب سے پہلے بعثتِ حق کی شہادت جس نے دی

سب سے پہلے جس نے پایا افتخارِ ہمسری
اس زمیں پر سب سے پہلی مومنہ بھی جو تھی

جس نے پہلی ہی نظر میں عظمتیں پہچان لیں
ذاتِ عالی مرتبت سے جس کو نسبت بھی ملی

وہ فدائے ذاتِ پاکِ رحمۃ للعالمیں
وہ انیس و محرمِ رازِ رسولِ ہاشمی

غم گساری جس کی سامانِ سکونِ جان ودل
ذات جس کی باعثِ تسکینِ پیغمبر رہی

لالہ زارِ مصطفیٰ کی شاخِ نکہت بار وہ
خاندانِ ہاشمی کے گُلستاں کی اک پری

تاابدروشن رہے گی اس کی تلقینِ وفا
تیرگی میں رہنما اس کا شعور و آگہی

زندگی صدق و صفا کی اک مثالِ دلنشیں
اس کا آئینِ وفا عظمت فزائے زندگی

وہ شبستانِ نبوت کا چراغِ ضوفشاں
تیرہ بختوں کے لئے اس کی ضیا ہے رہبری

اس زمین وآسماں میں اس کی عظمت کی مثال
آج بھی پیدا نہیں ہے اور پہلے بھی نہ تھی

آہ کیسی مومنانہ استقامت سے رہا
فقر کی آغوش میں اس کا مزاج خُسروی

ابنِ نوفل کی گواہی اور خدیجہ کی وفا
داستانِ دینِ حق کا ایک عنوانِ جلی

شکیل احمد اختر حسین

خبرنامہ

اردن

اردن۔ اسرائیل امن معاہدہ

اسرائیل اور تنظیم آزادی فلسطین (پی ایل او) کے مابین ہونے والے محدود خود مختاری کے معاہدہ کے بعد اب اردن اور اسرائیل کے درمیان بھی ایک امن معاہدہ طے پاگیا ہے ۲۵ر جولائی ۱۹۹۴ء کو اس معاہدہ پر واشنگٹن میں اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابن اور والئ اردن شاہ حسین نے دستخط کئے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس معاہدہ سے دونوں ملکوں کے مابین ۴۶ سال سے چلے آرہے حالات جنگ جیسے تعلقات کا خاتمہ ہوجائے گا اس معاہدہ کی رو سے پہلے دونوں ملکوں کے درمیان سفارتی تعلقات قائم کئے جائیں گے۔ معاہدہ میں دونوں ممالک نے حالات کو معمول پر لانے کے لئے فی الفور جن اقدامات کا فیصلہ کیا ہے ان میں سرحدی علاقوں کی چوکیوں کا سروے' پانی کے وسائل کے بارے میں گفت وشنید' دریائے اردن اور دریائے یرموک کے پانی کی منصفانہ تقسیم' اسمگلنگ اور دیگر جرائم کی روک تھام' معاشی بائیکاٹ کا خاتمہ اور اس میدان میں آپسی امداد شامل ہیں' دونوں ممالک کے مابین ٹیلیفون رابطہ بھی قائم کیا جائے گا' معاہدہ میں یروشلم کے مسائل کے حل میں اردن کو فوقیت دینے کی بات بھی کہی گئی ہے جس پر فلسطینیوں نے اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے شکایت کی ہے کہ اس معاہدہ میں یروشلم کے تئیں پی ایل او کو نظر انداز کیا گیا ہے اور متنبہ کیا ہے کہ اس شہر کے بارے میں کوئی گفت وشنید اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک پی ایل او بھی اس میں شامل نہ ہو۔

بوسنیا ہرزیگوینا

امن منصوبہ مسترد

امریکہ' روس' فرانس' جرمنی اور برطانیہ کی جانب سے پیش کئے گئے اس امن منصوبہ کو بوسنیائی سربوں کی خود ساختہ پارلیمنٹ نے مسترد کردیا ہے جس کے تحت سربوں کو بوسنیا کا ۴۹ فیصد علاقہ دیا گیا تھا اور مسلم وکروشیائی وفاق کے حصہ میں ۵۱ فیصد علاقہ رکھا گیا تھا' واضح رہے کہ سرب اس وقت بوسنیا کے ۷۰ فیصد علاقہ پر قابض ہیں اور اس میں سے ایک انچ زمین چھوڑنے پر بھی آمادہ نظر نہیں آتے۔

اسی اثناء اس اندیشہ کے پیش نظر کہ سربیا کے خلاف پابندیاں مزید سخت نہ کردی جائیں کیونکہ عالمی برادری بوسنیا میں بڑھتی سربی جارحیت میں سربیا کا ہاتھ سمجھتی ہے سربیا کے صدر میلوسووک نے بوسنیائی سرب لیڈر رادوان کرازوک کو وارننگ دی ہے کہ اگر امن منصوبہ قبول نہ کیا گیا تو وہ بوسنیائی سربوں کو دی جانے والی حمایت وامداد بند کردیں گے۔

دوسری طرف امریکہ نے بھی خبردار کیا ہے کہ اگر ۱۵ر اکتوبر تک بوسنیائی سربوں نے یہ امن منصوبہ منظور نہ کیا تو امریکہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے بوسنیا پر عائد اسلحہ کی پابندیاں اٹھالینے کی سفارش کرے گا۔

زمبابوے

۴۰۰ خاندانوں کا قبول اسلام

افریقی مسلمانوں کے مرکز کی جانب سے بھیجے گئے دُعاۃ و

مبلغین کی کوششوں کے نتیجہ میں زمبابوے کے علاقہ رودار مانیز میں ۴۰۰ خاندانوں نے اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا ہے یہ سارے خاندان زمبابوے کے ایک انجینئر کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے جو اپنے علاقہ میں اسلام و محاسن اسلام کے پُرجوش داعی و مبلغ ہیں۔

برما

روہنگا مسلمانوں کی حالت زار

ایک طویل عرصہ سے برما کی غیر مسلم حکومت نے روہنگا مسلمانوں کے خلاف جو ملک کی آبادی کا ۲۵ فیصد حصہ ہیں اپنی مسلح جارحیت بپا کر رکھی ہے جس کے نتیجہ میں اب تک بہت سے مسلم گاؤں خاکستر کردیئے گئے ہیں، بے شمار مساجد منہدم کردی گئی ہیں لاتعداد افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے ہیں اور تقریباً ۳ لاکھ مسلمانوں کو حکومت کی ان جارحانہ کارروائیوں سے تنگ آکر اپنا ملک چھوڑ کر پڑوسی ملک بنگلہ دیش میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا ہے جہاں وہ خیموں میں انتہائی بے بسی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ واضح رہے کہ برما میں مسلمانوں کو مسلسل مذہبی ظلم وستم اور نسلی امتیاز کا نشانہ بنایا جارہا ہے چنانچہ اپنے جان ومال اور تہذیب وثقافت کی بقا اور حکومت کے ظلم وستم سے آزادی حاصل کرنے کے جذبہ نے بعض لوگوں کو منظم تحریکیں چلانے پر مجبور کردیا ہے۔ قابل افسوس امر یہ ہے کہ عالمی ادارہ اقوام متحدہ نے بھی سوائے چند خیموں اور کچھ امدادی سامان بہم پہنچانے کے ان مظلوم مسلمانوں کے لئے کوئی عملی اقدام نہیں کیا۔ جس سے حکومت برما کو اس کی ظالمانہ کارروائیوں سے روکا جاسکتا۔

بنگلہ دیش

تسلیمہ نسرین ملک سے فرار

آزادی نسواں کی علمبردار بنگلہ دیشی مصنفہ تسلیمہ نسرین ملک سے فرار ہو کر سویڈن میں پناہ حاصل کرچکی ہیں، اہانت اسلام کے الزام میں تسلیمہ کے خلاف علماء نے موت کا فتوی دیا تھا ساتھ ہی حکومت بنگلہ دیش نے بھی ان کے خلاف گرفتاری وارنٹ جاری کیا تھا، وارنٹ جاری ہوتے ہی تسلیمہ روپوش ہوگئی تھیں لیکن ۳ر اگست ۱۹۹۴ء کو وہ اچانک عدالت میں حاضر ہوئیں۔ عدالت نے ان کی درخواست ضمانت منظور کرلی اور اپنا جاری کردہ وارنٹ واپس لیتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ عدالت کو اطلاع دے کر ملک سے باہر جاسکتی ہیں۔

ہندوستان

کشمیر میں صدر راج میں توسیع

پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے اپنے حالیہ مانسون اجلاس میں جموں وکشمیر میں مزید ۶ ماہ کے لئے صدر راج میں توسیع کی منظوری دے دی۔ ریاست میں صدر راج کی مدت ۳ر ستمبر ۱۹۹۴ء کو ختم ہو رہی ہے لیکن چونکہ اس وقت پارلیمنٹ کا اجلاس نہیں ہوگا اس لئے صدر راج میں توسیع کی قرارداد اسی وقت منظور کرلی گئی ہے۔ مرکزی وزیر داخلہ مسٹر ایس بی چوان نے اس موقع پر ایوان میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ اگر بیرونی مداخلت نہ ہو تو ۶ ماہ کے اندر وہاں کے حالات درست ہوسکتے ہیں اور کشمیری عوام کو اپنی مرضی کی سرکار منتخب کرنے کا موقع فراہم ہوسکتا ہے۔

تاہم کشمیر کی موجودہ صورتحال کے پیش نظر اس بات کی امید کم ہے کہ ریاست میں صدر راج میں یہ آخری توسیع ہوگی۔

تمسکات گھپلے پر کارروائی رپورٹ

تمسکات گھپلے سے متعلق مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی پیش کردہ رپورٹ پر حکومت کی جانب سے کی گئی کارروائی جب پارلیمنٹ کے حالیہ اجلاس میں ایوان میں پیش کی گئی تو حزب اختلاف نے اس کی شدید مخالفت کی اور حکومت سے اس کی پیش کردہ کارروائی رپورٹ واپس لینے کا مطالبہ کیا، لیکن جب حکومت نے اپوزیشن کے مطالبہ کو ماننے اور رپورٹ واپس لینے کو خارج از امکان قرار دے دیا تو حزب اختلاف کے ممبران اجلاس کا بائیکاٹ کرکے پارلیمانی کمیٹیوں سے مستعفی ہوگئے اور

(ص ۴۲ پر)

ماہنامہ التوعیۃ نئی دہلی

ستمبر ۱۹۹۴ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ

ایڈیٹر

جلد ۹ رفیق احمد سلفی شمارہ ۵

بدل اشتراک

خصوصی ممبر (سالانہ) ۱۵۰۰-۰۰ روپے

ہمدرد (سالانہ) ۵۰۰-۰۰ روپے

عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۰۰-۰۰ روپے

ششماہی ۵۵-۰۰ روپے

پاکستان و بنگلہ دیش

عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۲۵-۰۰ روپے

غیر ممالک سے

۲۵ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی

۳-C/۱۶۱ جوگابائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

AL-TAUJYAH Monthly
161,C-3 JogaBai
NewDelhi 110025

فون: ۶۸۲۱۸۲۷

پرنٹر پبلشر محمد الیاس سلفی نے الفا آفسیٹ پرنٹنگ پریس دریا گنج سے چھپوا کر ماہنامہ "التوعیہ" ۳-C/۱۶۱ جوگابائی نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب

فکرونظر

ابن احمد نقوی

قاہرہ کانفرنس

عالمی آبادی میں طوفانی انداز سے اضافہ کا مسئلہ گذشتہ دو تین دہائیوں سے تشویش کا موضوع بنا ہوا ہے اس وقت عالمی آبادی پونے ۶ ارب تک پہنچ چکی ہے اور اس میں ہر سال ۹ کروڑ افراد کا اضافہ ہو جاتا ہے اس طرح ۲۰۵۰ء تک اس کے دوگنا ہونے کا امکان ہے۔ سطح ارض پر گنجائش، قدرتی وسائل اور معاشی صورت حال کو دیکھتے ہوئے ماہرین کا خیال ہے کہ اگر آبادی میں اس بے تحاشہ اضافہ کو روکنے کے لئے فوری اقدامات نہ کئے گئے تو زمینی وسائل انسانی آبادی کا بوجھ برداشت نہیں کر سکیں گے نہ صرف انسان کو سطح ارض پر رہنے کے لئے جگہ نہیں ملے گی بلکہ کھانے کو پیٹ بھر روٹی اور پینے کو کافی مقدار میں پانی بھی دستیاب نہیں ہوگا۔[۱] آبادی میں یہ بے روک اضافہ تیسری دنیا یعنی افروایشیائی ممالک میں ہو رہا ہے خصوصاً ایشیائی ممالک اس سے بہت زیادہ متاثر ہیں ہندوستان کی آبادی ۱۹۴۷ء میں ۳۵ کروڑ تھی آج یہ ۹۰ کروڑ سے بھی آگے جا چکی ہے اور اکیسویں صدی شروع ہونے پر ایک ارب کا نشانہ پار کر چکی ہوگی، آبادی کے اس اضافے سے جو مسائل پیدا ہوئے ہیں وہ ہم سب کے سامنے ہیں۔ بڑے شہروں کی تو بات ہی کیا قصبات اور چھوٹے شہروں میں بھی بھیڑ بھاڑ سے آدمی پریشان ہے۔ نہ اسکولوں میں بچوں کو داخلہ مل پاتا ہے نہ اسپتالوں میں دوائیں ملتی ہیں۔ ریل اور بس پر سفر کیجئے تو دھکے کھا کے مسافر نیم جاں ہو جاتا ہے اس بھیڑ بھاڑ اور کثرت آبادی[۲] نے تنازع للبقا کو خانہ جنگی کی سی شکل دے دی ہے۔ ہر شخص صرف اپنے بارے میں سوچتا ہے خود غرضی اور نفسا نفسی کا وہ عالم ہے کہ ساری اخلاقی قدریں پامال ہو گئی ہیں ہوس زر سے کرپشن کو فروغ ہوتا ہے اور کرپشن سے پورا قومی کردار مسخ ہو کر رہ جاتا ہے پھر سیاست نے ہر قسم کے کرپشن کو اور بھی بڑھاوا دیا ہے غنڈہ گردی اقتدار کی پہچان بن گئی ہے آبادی کی بھیڑ نے قومی زندگی میں وہ ہمہ جہتی اور خوفناک مسائل پیدا کردئے ہیں کہ ان کا حل کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے منڈل،

۱ـ جن لوگوں نے انسانی زندگی کی کامیابی اور ناکامی کی بنیاد صرف مادی وسائل اور ریاضی کے فارمولوں پر رکھی ہے۔ انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس پوری کائنات کے خالق نے قیامت تک وجود میں آنے والی ساری مخلوقات کے معاش، آبادی اور دوسری ساری ضروریات کی بابت اپنی آخری کتاب قرآن کریم میں فرمادیا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ○ (هود: ٦)

اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی، یہ سب روشن کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

اور خالق کائنات کے آخری رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں (یہ بھی وحی ہے اگرچہ وحی غیر متلو ہے) ارشاد فرمایا ہے:

"إن الله عز وجل فرغ الى كل عبد من خلقه من خمس: من أجله ، وعمله ، ومضجعه ، وأثره ، ورزقه -" (رواه أحمد)

اللہ عزوجل اپنے ہر بندہ کے متعلق پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکا ہے: اس کی اجل (مدت عمر) اس کے عمل، اس کے مضجع (دنیا میں قیام اور جسمانی سکون کی جگہ یا قبر) اس کے اثر (جسمانی حرکت و عمل یا اخروی انجام) اور اس کے رزق سے۔

۲ـ کثرت آبادی سے زیادہ جس چیز نے اسے خانہ جنگی کی شکل دی ہے وہ ہے انسانی سوسائٹی کا اپنے خالق، اس کی ہدایات اور اس کے رسولوں کے اسوہ کو نظر انداز کر دینا، اور صبر و تحمل، احسان شناسی و تشکر کے اعلیٰ اوصاف سے عاری ہو جانا۔ (ع-ح-ر)

ریزرویشن، ریزرویشن کی مخالفت، بند، ہڑتالیں، تشدد یہ مسائل آبادی کی کثرت، بے روزگاری اور سیاسی کرپشن کے سبب پیدا ہوئے ہیں اور جیسے جیسے آبادی بڑھتی جارہی ہے ان مسائل کی شدت اور پیچیدگی میں بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

عالمی آبادی میں اضافہ کے کئی سبب بیان کئے جاتے ہیں سب سے اہم سبب صحت عامہ اور عوامی بہبود کے امور میں عمومی بہتری ہے۔ طبی سائنس نے اس حد تک ترقی کرلی ہے کہ بہت سی پیچیدہ بیماریاں جو ماضی قریب میں لاعلاج سمجھی جاتی تھیں اب ان کا علاج کافی حد تک آسان ہوگیا ہے اور وہ مہلک بھی نہیں سمجھی جاتیں ٹی بی، خناق، ملیریا وغیرہ اب مہلک امراض میں شمار نہیں کئے جاتے، چیچک اور طاعون جیسی بیماریاں جن سے کبھی آبادیاں اور بستیاں ویران ہوجاتی تھیں اب ناپید ہوگئی ہیں[۱]۔ بچوں اور بوڑھوں کی بہتر نگہداشت کے سبب شرح اموات بھی کافی کم ہوگئی ہے زچگی کے دوران اموات اب بہت ہی کم ہوگئی ہیں۔ صحت اور حفظان صحت کے بارے میں عوام کی باخبری، سرکاری اور غیر سرکاری طور پر منشیات، تمباکو نوشی وغیرہ کے خلاف ہمہ گیر مہم، ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اصول صحت سے متعلق عوامی مسائل پر مباحثے، معالجین کی بہتات، دواؤں کی فراوانی، متفرق طریقہائے علاج کی آسان دستیابی یہ وہ باتیں ہیں جس نے انسانی زندگی کو حصار عافیت عطا کیا ہے۔ شیر خوار بچوں کی اموات کم ہوگئی ہیں بوڑھوں کی عمریں دراز ہوگئی ہیں اور یوں عالمی آبادی کا مسئلہ پیدا ہوا ہے اگرچہ سڑک حادثات، کینسر، ایڈس اور عوارض قلب کی زیادتی نے کسی حد تک موت کی گرم بازاری کو زندہ رکھا ہے۔ شراب نوشی اور دیگر منشیات جیسی گندی چیزیں بھی انسانی آبادی میں اضافے کو روکنے کا سبب بنی ہیں

تاہم مجموعی طور پر زندگی کا چمن اب شاداب تر نظر آنے لگا ہے جب آبادی کے اضافہ کا دباؤ ذرائع وسائل پر پڑنے لگا۔ زمین تنگ تر ہونے لگی، پانی کمیاب ہونے لگا، خوراک کی فراہمی بھی مسئلہ بننے لگی تو قوم کے نیتاؤں کو بھی فکر ہوئی کہ اگر یہی شب و روز رہے تو عوام کا پیٹ کیسے بھرے گا۔ جو زمینیں کاشت کے کام میں آتی تھیں اب وہاں مکانات اور فیکٹریاں بن گئیں اور یہ سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا لہٰذا آبادی کو روکنے کے لئے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل شروع ہوا، پہلے ترغیب سے کام چلانے کی کوشش کی گئی پھر ترہیب کا دور آیا۔ ایمرجنسی کے دوران جبری نسبندی شروع ہوئی۔ کوچہ و بازار میں نسبندی کیمپ لگائے گئے اسے قوم پرستی اور حب الوطنی کا معیار قرار دیا گیا جنھوں نے خود سپردگی کی انہیں انعام و اکرام سے نوازا گیا جنھوں نے مزاحمت کی ان پر گولیاں برسائی گئیں جگہ جگہ خون خرابہ ہوا۔

خاندانی منصوبہ بندی کی ان تدابیر سے کچھ حد تک آبادی میں کمی کا رجحان سامنے آیا۔ تاہم اب بھی یہ کمی اطمینان بخش نہیں ہے۔ عالمی ماہرین پریشان ہیں کہ جب آبادی دوگنی یعنی ۱۲ ارب ہوجائے گی تو زمین کیسے یہ بوجھ برداشت کرے گی۔ آبادی میں بے تحاشہ اضافے اور دولتمند اقوام کی ہوس اور عیش پرستی نے ماحولیات کے مسائل بھی پیدا کر دئے، سورج کے گرد جو دبیز غلاف (اوزون) ہے اس میں سوراخ ہونے لگے اور خطرہ پیدا ہوگیا کہ اگر یہ غلاف بالکل پھٹ گیا تو سورج کی شعاعیں براہ راست زمین پر پڑیں گی اور اس قدر شدید گرمی ہوگی کہ انسان کا جینا عذاب ہوجائے گا جلد کا کینسر عام بیماری کی طرح پھیلے گا۔ ان خبروں سے بھی دہشت پھیلی اور برازیل میں "ارض کانفرنس" منعقد ہوئی جس میں اوزون کو تباہی سے بچانے کی تدبیریں سوچی گئیں اور طے کیا گیا کہ کلوروفلوروکاربن (سی ایف سی) جس کے سبب اوزون کی پرتوں کو نقصان پہنچ رہا ہے اس کا استعمال بتدریج ختم کردیا جائے۔ ماحولیات کے سدھار کے لئے متفرق اسکیمیں منظور کی گئیں جن پر اربوں ڈالر خرچ آئے گا۔ غریب ممالک کے سامنے سوال تھا کہ وہ اتنی خطیر رقم کہاں سے لائیں گے۔ امریکہ نے ارض کانفرنس میں خاصی بے نیازی کا رویہ اپنایا

---

[۱] ۔ میڈیکل سائنس کی ساری ترقیات کے باوجود طاعون، کالرا اور چیچک کے خونخوار پنجے ہمیں اب بھی دبوچ لیتے ہیں، موجودہ دور کے انسان کے ہوس، زن، زمین، زر نے دماغی، قلبی، نفسیاتی بیماریوں کی بھرمار کردی ہے گو وبائی امراض کی طرح نہ سہی لیکن یہ بیماریاں اور کینسر، ذیابیطس وغیرہ اب بھی جان لیوا ثابت ہوتی ہیں۔ (م۔ س۔ ر)

جب کہ ترقی پذیر ممالک کا کہنا تھا کہ اوزون کی تباہی اور ماحولیات کی خرابی میں سب سے زیادہ ہاتھ صنعتی ممالک کا ہے جن کے صنعتی فضلے، فیکٹریوں کے دھوئیں، ایٹمی راکھ وغیرہ سے یہ سب نقصانات ہوئے ہیں لہٰذا انہیں ماحول میں سدھار کے اخراجات کا بیشتر بوجھ برداشت کرنا چاہئے۔ مغربی ملکوں نے کچھ وعدے کئے اور کانفرنس ختم ہوگئی۔ اب قاہرہ میں "عالمی آبادی اور ترقی کانفرنس" کا انعقاد عمل میں آیا اس کا مرکزی موضوع تھا آبادی کو روکنے کے لئے اسقاط حمل کی عام اجازت، ہم جنسی، آزادانہ جنسی اختلاط، اور غیر شادی شدہ جوڑوں کے حقوق وغیرہ۔ مغرب نے اپنے ہاں آبادی میں اضافے کا مسئلہ انہی مذموم طریقوں سے حل کیا ہے ان کے ہاں شادی اب اخلاقی، یا معاشرتی بندھن کے طور پر تقدیس و احترام کی چیز نہیں رہ گئی۔ شادی کے بغیر مرد و عورت کا ایک ساتھ رہنا کوئی معیوب بات نہیں ہم جنسی (ہوموسیکسوالٹی) کو قانونی طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے۔ مانع حمل ادویہ و آلات کا استعمال عام ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ مغرب ایڈس جیسی ملعون اور لاعلاج بیماری کا شکار ہے جو آزاد جنسی اختلاط اور ہم جنسی سے پیدا ہونے والا خبیث مرض ہے اس وقت ساری دنیا ایڈس کے خوف سے لرزہ براندام ہے اور لوگوں کو تلقین کی جارہی ہے کہ وہ کنڈوم ضرور استعمال کریں۔ اخلاقی گراوٹ کی یہ انتہا ہے کہ کنڈوم مقبول بنانے کے لئے مہم چلائی جاتی ہے لیکن اعمال خبیثہ (ہم جنسی اور آزادانہ جنسی اختلاط) کے خلاف کوئی موثر آواز نہیں اٹھتی بلکہ اسے ہر جگہ جائز قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے اس طرح جنسی آزادی کے بعد ان ممالک میں آبادی میں اضافے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں رہ گیا ہے اور افزائش نسل انسانی کسی کے لئے قابل اعتنابات نہیں ہے چند ایک ممالک میں تو آبادی میں اضافے کی شرح اس حد تک کم ہوگئی ہے کہ وہاں کے ذمہ دار تشویش میں مبتلا ہیں اس لئے اقوام متحدہ کے سامنے آبادی میں اضافے کا جو تشویشناک مسئلہ ہے وہ ایشیائی خطہ سے متعلق ہے۔ ایشیا میں چین اور ہندوستان دو ایسے ممالک ہیں جن کی آبادی سوا دو ارب کے قریب پہنچ رہی ہے یعنی عالمی آبادی کے ایک تہائی سے بھی زیادہ۔ اگر ان دونوں ملکوں میں اضافہ کا یہی عالم رہا تو جلد ہی دنیا کی آبادی کے نصف تک پہنچ جائے گی۔ یہی حال دیگر ایشیائی ملکوں کا بھی ہے افریقہ میں بھی آبادی میں اضافہ تشویشناک ہے تاہم وہاں زیادہ ٹیڑھے مسائل خانہ جنگی، قحط، بنجر زمینیں، ریگستان اور خشک سالی کے ہیں۔ براعظم افریقہ کی وسعت ایسی ہے کہ وہاں کئی ارب مزید انسان بآسانی سما سکتے ہیں جبکہ ایشیا میں زمین کی تنگ دامانی سب سے اہم مسئلہ بن گئی ہے قاہرہ کانفرنس میں دنیا کے ۱۸۰ ممالک کے تقریباً ۲۰ ہزار نمائندوں نے شرکت کی اور ۹ دن تک یہ عالمی کانفرنس دنیا کی آبادی میں اضافہ کو روکنے کی موثر تدابیر نافذ کرنے پر غور کرتی رہی۔ پیدائش روکنے کے لئے غیر اخلاقی زندگی اور اسقاط حمل کی عام اجازت کانفرنس میں ایک متنازعہ فیہ موضوع بن گیا "ویٹی کن" (کیتھولک عیسائیوں کا روحانی مرکز) نے اسقاط حمل کی تجویز کی شدت سے مخالفت کی۔ مسیحی اسقاط کو قتل کے مترادف سمجھتے ہیں اور کسی حال میں اس پر عمل کی اجازت دینے پر راضی نہیں امریکہ میں اسقاط کے حامیوں اور مخالفوں میں عرصہ سے رسہ کشی جاری ہے۔ امریکن انتظامیہ آبادی میں اضافہ کو روکنے کے لئے اسقاط کو قانونی سند دینے پر آمادہ ہے لیکن قدامت پسند عیسائی آبادی اس کی مخالفت کر رہی ہے قاہرہ کانفرنس میں امریکہ کے نائب صدر "الگور" اپنے ملک کے وفد کی سربراہی کر رہے تھے انہوں نے ویٹی کن کے نمائندوں سے ملاقات کی اور اسقاط کے بارے میں کانفرنس کی قرارداد پر ان کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوسکے۔ بات الفاظ اور اصطلاحات کے استعمال پر الجھ گئی، اسقاط اور محفوظ اسقاط کی اصطلاحیں کئی روز تک موضوع بحث رہیں۔ عورتوں کے حقوق کا مسئلہ بھی زور وشور سے زیر بحث آیا کیونکہ آبادی میں اضافے یا کمی کے لئے عورتوں کی بیداری اور تعاون بنیادی شرط ہے۔ عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں نے بھی کانفرنس کی مخالفت کی، ہم جنسی، آزادانہ جنسی اختلاط اور غیر شادی شدہ جوڑوں کا وجود، آزاد جنسی تعلیم مسلم معاشرہ کے لئے ناقابل برداشت باتیں ہیں اسقاط حمل کی بھی شریعت اجازت نہیں دیتی اس لئے مسلمانوں نے پوری شدت سے ان باتوں سے اختلاف کیا سعودی عرب اور کئی دیگر اسلامی ممالک نے کانفرنس کی قراردادوں کو دیکھتے ہوئے اس میں شرکت سے انکار کردیا۔ مقتدر علماء

نے بھی اس کانفرنس کے اغراض ومقاصد کی مخالفت کی۔ شیخ ابن باز حفظہ اللہ (مفتی اعظم سعودی عرب) نے اپنے ایک بیان میں مسلمانوں سے اس کانفرنس کے بقاطعہ کی اپیل کی کیونکہ اس کے بیشتر مقاصد شریعت کے خلاف ہیں (فیہ منکرات کثیرۃ لاتتوافق مع الدین الحنیف) بعض مسلم دانشوروں کا یہ خیال بالکل بے بنیاد نہیں ہے کہ مغرب اس طرح مسلمانوں کی آبادی کو محدود کرنا چاہتا ہے تاکہ مسلمان عددی اعتبار سے صلیبیوں اور مغرب کے مقابل نہ آسکیں، جہاں تک عرب ممالک کا سوال ہے ان میں سے بیشتر کے لئے آبادی میں اضافہ کوئی مسئلہ نہیں ہے ان کے ہاں اس وقت بھی آبادی ضرورت سے کم ہے وسیع وعریض جغرافیائی حدود کے باوجود اکثر ملکوں میں آبادی لاکھوں سے تجاوز نہیں کرتی جبکہ ان کے مالی اور قدرتی وسائل موجودہ آبادی سے کئی گنا زیادہ کا بوجھ برداشت کرسکتے ہیں سعودی عرب، عمان، لیبیا جیسے ممالک میں کروڑوں افراد کے آباد ہونے کی گنجائش ہے۔ ظاہر ہے ان ممالک کے لئے قاہرہ کانفرنس میں دلچسپی کی کوئی خاص چیز نہیں تھی بلکہ مذہبی نقطہ نظر سے کانفرنس کے غیر اخلاقی اور مذموم مقاصد (ہم جنسی وغیرہ) فحشاء ومنکرات کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس لئے عربوں کا موقف کانفرنس کے خلاف ہی رہا۔ اس طرح مسلمانوں اور عیسائیوں کی مشترکہ مخالفت کے سبب کانفرنس کی قراردادوں میں کافی اہم تبدیلیاں کی گئیں اور خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں پر عمل کرنے کے لئے مذہبی اور اخلاقی ومعاشرتی اقدار کے لحاظ کی بات ان قراردادوں میں شامل کی گئی۔ اسے ایک طرح سے مسلمانوں اور عیسائیوں کی کامیابی بھی کہہ سکتے ہیں۔

اسقاط کا مسئلہ تنازعہ کا موضوع بنا رہا اور اگرچہ اخباری اطلاعات کے مطابق کانفرنس نے اسقاط کی قرارداد منظور کرلی تاہم اس موضوع پر اسے ویٹی کن کی سب سے زیادہ مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ساری دنیا کے عیسائیوں نے اس کی مخالفت کی۔ مدر ٹریسا نے کہا کہ اسقاط مت کرو جو بچے پیدا ہوں ہمیں دے دو ہم پالیں گے۔ دراصل اسقاط خاندانی منصوبہ بندی سے زیادہ جرائم پیشگی کا مظہر بن گیا ہے۔ اس سے نہ صرف اخلاقی مسائل بلکہ سنگین معاشرتی مسائل بھی پیدا ہوئے ہیں ہندوستان میں جنین کی جنس معلوم کرنے کی طبی آسانی میسر ہوئی تو ہمارے اس سماج میں جہاں لڑکیوں کی پیدائش پر "ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيمٌ" کا منظر درپیش ہوتا ہے سفاک والدین کو اسقاط کا آسان بہانہ مل گیا۔ جہاں معلوم ہوا کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا بچہ "لڑکی" ہے بس خاندانی منصوبہ بندی کی آڑ لے کر اسقاط کرا دیا۔ یہ وبا اس طرح پھیلنے لگی کہ خواتین کی تنظیموں نے اس پر احتجاج شروع کیا تو مرکزی سرکار نے ایک قانون کے ذریعہ جنین کی جانچ پر پابندی عائد کردی لیکن ظاہر ہے قانونی پابندیاں سماجی برائیوں اور سفاکیوں کو روک نہیں سکتیں۔ جہیز کا لین دین جرم قرار دیا جاچکا ہے مگر ہر جگہ یہ کاروبار جاری ہے اخباروں میں جہیز کم لانے پر مجبور خواتین کو زندہ جلا ڈالنے اور قتل کر دینے کی خبریں اکثر آتی رہتی ہیں اسی طرح جنین کی جانچ پر پابندی لگنے سے اب یہ کام پس پردہ ہوگا اور پیشہ ور قاتل طبی مصلحتوں کی آڑ میں دختر کشی جاری رکھیں گے۔ اصل مسئلہ ذہن کی تبدیلی کا ہوتا ہے ہمارے ہاں صدیوں سے لڑکیاں والدین پر بوجھ مانی جاتی ہیں یہ ذہن جہیز کی ظالمانہ رسم نے بھی پیدا کیا ہے اور سماجی اخلاقیات بھی کافی حد تک اس کی ذمہ دار ہیں جہاں لڑکی کو دوسرے درجہ کی اولاد سمجھا جاتا ہے راجہ رام موہن رائے نے ستی کی رسم بند کرا کر ایک انقلابی اصلاح کی تھی ان کے بعد سے اب تک سماج میں عورتوں کو مساوی درجہ دئے جانے کی تحریکیں ہر دور میں جاری رہی ہیں لیکن کامیابی کی رفتار بڑی مایوس کن رہی ہے عورت آج بھی کم وبیش اتنی ہی مظلوم ہے جتنی دو صدی قبل تھی۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو آبادی میں اضافہ روکنے کے لئے اسقاط کی اجازت گویا پیدائش سے قبل ہی لڑکیوں کے قتل عام کا لائسنس بن جائے گی۔ چین میں بھی ایسا ہی ہوا۔ اشتراکی سرکار نے آبادی میں اضافہ روکنے کے لئے ایک خاندان ایک بچہ کا اصول نافذ کیا۔ چینی سماج میں بھی ہماری ہی طرح لڑکی ناپسندیدہ اولاد سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ والدین نے اسقاط کے ذریعہ بچیوں کا قتل شروع کردیا۔ اور اب چند دہائیوں کے بعد وہاں صورت حال یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی آبادی کا تناسب اس طرح بگڑ

گیا ہے کہ شادی ایک بڑا مشکل سماجی مسئلہ بن گئی ہے۔ لڑکوں کی بہتات ہے اور لڑکیاں نہیں ملتیں۔ کیتھولک مسیحیوں کا یہ موقف بڑا جرأت مندانہ رہا کہ انہوں نے مسیحی یوروپ کی کئی بڑی طاقتوں اور امریکہ کی حمایت کے باوجود اسقاط کے سوال پر مصالحت قبول نہیں کی اور اپنے عقیدہ کے سوال پر کسی مصلحت کا شکار نہیں ہوئے بلا سے ان کی بات پوری طرح نہ مانی گئی لیکن انہوں نے اپنی بات برملا کہی۔ مسلمانوں نے بھی ایسی ہی جرأت کا مظاہرہ کیا اور ان کے علماء نے بھی بروقت ان کی رہنمائی کی اس سے فائدہ یہ ہوا کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ مسلمان مغرب سے مرعوب نہیں ہیں اور اپنے دین اور شریعت کے معاملہ میں کسی دباؤ کو قبول نہیں کر سکتے۔

آبادی میں اضافہ کے بارے میں اقوام متحدہ کی تشویش اگرچہ بجا ہے[1] تاہم اس کے لئے جو اقدامات تجویز کئے گئے ہیں یا جن باتوں کی سفارش کی جارہی ہے وہ اس مسئلہ کا موثر علاج نہیں ہیں۔ مغرب اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے وہاں خاندان اور معاشرہ کی پاکیزہ قدریں اب ایک قصۂ پارینہ بن چکی ہیں انسان کی آزادی اور حقوق انسانی کے غیر سنجیدہ تصور نے وہاں کے لوگوں کو مادر پدر آزاد کردیا ہے۔ ہم جنسی کو قانونی جواز عطا کرنا مغربی تہذیب کی پستی کی انتہائی حد کہی جاسکتی ہے بائبل اور قرآن مجید ہمیں بتاتے ہیں کہ سدوم و عمورہ کی بستیاں (قوم لوط) ایک فعل شنیع کے عادی ہونے کے سبب برباد کردی گئیں۔ انگریزی زبان میں اغلام کے لئے ساڈومی کا لفظ رائج ہے (یعنی قوم سدوم کا فعل شنیع) اگر صلیبی اپنے مذہبی صحیفے عہد نامہ قدیم وجدید کو ہی دیکھ لیتے تو شاید یہ بات انہیں یاد آتی کہ اللہ نے بدفعلی کے سبب سدومیوں کو تباہ کردیا اور وہ جو اپنے آپ کو بائبل کا پابند ہونے پر فخر کرتے ہیں ایک ایسے فعل کی اجازت دے رہے ہیں جو اللہ کے غضب کا سبب بنا۔ دراصل صلیبی معاشرہ دو انتہاؤں میں بٹ گیا ہے ایک طرف خانقاہی نظام ہے جس میں راہب اور راہبائیں تجرد کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ سیدنا مسیح مجرد رہے لہٰذا ان خانقاہوں کے لئے یہ سنت مسیحی ہے لیکن فطرت کے خلاف زندگی بسر کرنے کی سزا یہ ہے کہ صلیبی خانقاہی نظام سنگین اخلاقی بحران کا شکار ہوگیا ہے۔ متعدد پادریوں کے خلاف بدفعلی، جنسی استحصال اور غیر اخلاقی حرکات و جرائم کی خبریں اخبارات میں آتی رہتی ہیں دوسری طرف عام معاشرہ میں آزادی کا یہ عالم ہے کہ ہر اخلاقی برائی اور گناہ کو سند جواز عطا کردی گئی ہے۔ یعنی ایک طرف خانقاہوں میں تجرد کا جبر دوسری طرف معاشرہ میں ہر جنسی بے راہ روی کی آزادی۔ گورے صلیبی چاہتے ہیں کہ تیسری دنیا کے لوگ بھی آبادی پر کنٹرول کے لئے یہی طریقے اپنائیں۔ اور جس طرح خود انہوں نے آبادی کا مسئلہ حل کرلیا ہے دوسری قومیں بھی اس کی پیروی کریں۔ اگرچہ مغرب کے یہ سابق غلام جو آج بھی ذہنی طور پر ان کے غلام ہیں ترقی پسندی کی اندھی دوڑ میں کسی حد تک ان کی تقلید پر آمادہ ہیں لیکن خوش قسمتی سے ابھی مشرق میں مذہب اور اخلاق کے بندھن پوری طرح نہیں ٹوٹے ہیں ابھی یہاں خاندان اور معاشرہ کا وجود باقی ہے اس کی قدیم پاکیزہ روایتیں بڑی حد تک بکھر جانے کے بعد بھی اپنی گرفت برقرار رکھے ہوئے ہیں اس لئے مغرب کی یہ آرزو پوری نہیں ہوگی کہ آزاد سوسائٹی کا وجود عمل میں آئے مسلمان اسی لئے بنیاد پرست کہلائے جاتے ہیں کہ وہ اپنے دین اور اخلاقیات کے بارے میں مصالحت پر آمادہ نہیں ہیں اور مغرب کی اباحیت پسندی کو گوارا نہیں کرتے۔ قاہرہ کانفرنس چونکہ مغرب کے زیر سایہ اور بزور سرمایہ منعقد ہوئی اس لئے اس میں مسئلہ کو اسی انداز سے دیکھا اور دکھایا گیا جیسا مغرب کے ماہرین دیکھتے اور سوچتے ہیں حالانکہ آبادی کا مسئلہ بھی معاشی اور سیاسی استحصال سے جڑا ہوا ہے۔ مغرب نے سامراجی ذہنیت کے تحت بنی نوع انسان کو قوموں میں تقسیم کیا وطن کے نام پر پوری دنیا کو جغرافیائی حد بندیوں میں بانٹ دیا۔ قومیت سے پابندی لگی کہ ایک قوم والا دوسرے کے وطن میں آباد نہیں ہو سکتا۔ خود دوسری اقوام کی زمینوں پر جبری قبضہ کرنا اپنی قوم کا پیدائشی حق سمجھا گیا امریکہ، آسٹریلیا، کناڈا اور نیوزی لینڈ میں اپنی آبادیاں اور نو آبادیاں قائم کیں، وہاں کے اصل باشندوں کو سفاکی اور بیدردی کے ساتھ ختم کیا

---

[1] یہ تشویش صرف مادی وسائل پر انحصار اور اللہ اور اس کی قدرتِ کاملہ پر عدم اعتماد اور نئی نسل کی تربیت کی بابت اپنی ذمہ داریوں سے خودفراموشی اور صبر و قناعت سے دوری کا نتیجہ ہے۔ (ع۔ح۔ر)

اور ساری دنیا کا سرمایہ اپنی تجوریوں میں بھر لیا۔ ان غلام قوموں کے حصے میں صرف بھوک اور غربت ہی آئی۔ یہودیوں کو یوروپ نے نازیت کی چکی میں پیس ڈالا اور پھر ان سے پیچھا چھڑانے اور دوسری طرف ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے فلسطین ان کے حوالے کردیا۔ اب فلسطین (اسرائیل) ساری دنیا کے یہودیوں کا قومی وطن ہے۔ جو یہودی چاہے اپنے آبائی وطن کو خیرباد کہہ کر فلسطین میں عربوں کی غصب شدہ زمینوں کا مالک بن سکتا ہے یہودی چونکہ امریکہ پر قابض ہیں مغربی سرمایہ (بنکنگ) اور میڈیا (ذرائع ابلاغ) کو کنٹرول کرتے ہیں اس لئے انہوں نے اسرائیل کو ایک خوشحال ریاست بنادیا ہے اور دنیا کا کم وبیش ہر ملک یہودیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بیتاب ہے۔ ہندوستان کی ایک چھوٹی سی ریاست ہے میزورم وہاں عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ اسرائیل کی خوشحالی اور یہودیوں کو ہجرت کی عمومی اجازت دیکھ کر وہاں کے چند قبائل پر یہ راز منکشف ہوا کہ وہ بھی یہودیوں کا ایک گم شدہ قبیلہ ہیں جو ہزاروں سال قبل فلسطین سے ہجرت کر کے ہندوستان آگیا تھا۔ اب یہ مفلوک الحال قبیلے چاہتے ہیں کہ انہیں اپنی ارض موعود اسرائیل میں آباد ہونے کی اجازت مل جائے اگر اسرائیلی ربیوں (یہودی علماء) نے ان کا دعویٰ تسلیم کرلیا تو یہ لوگ وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دنیا کا کوئی بھی یہودی مادی خوشحالی کے لئے اسرائیل میں جاکر آباد ہوسکتا ہے تو مسلمان، ہندو، سکھ یا عیسائی کنیڈا، آسٹریلیا وغیرہ میں کیوں نہیں جاسکتے۔ آسٹریلیا کی آبادی ڈیڑھ کروڑ ہے اور رقبہ کے اعتبار سے وہ اتنا بڑا براعظم ہے کہ ۵۰ کروڑ افراد وہاں آباد ہوسکتے ہیں اگر گورے صلیبی اس براعظم پر قبضہ کر کے وہاں اپنی آبادیاں قائم کرسکتے ہیں تو ہندوستان، چین، بنگلہ دیش وغیرہ کے ۲۵، ۳۰ کروڑ آدمی وہاں کیوں آباد نہیں کئے جاسکتے اس طرح وہاں کی خالی پڑی زمینیں بھی آباد ہوجائیں گی اور آبادی کا بوجھ بھی ان ملکوں میں کم ہوجائے گا۔ جب اقوام متحدہ ساری دنیا کی نمائندگی کرتی ہے، حقوق انسانی کے تحفظ کی دعویدار ہے تو وہ انسانوں کا یہ حق کیوں تسلیم نہیں کرتی کہ وہ ساری دنیا میں جہاں چاہے اور جس ملک میں چاہے بودوباش اختیار کرسکتا ہے رنگ، نسل، قوم، مذہب اور خطہ کی کوئی بندش اس راہ میں حائل نہیں ہوگی۔

جب برازیل میں عالمی ارض کانفرنس ہوئی تو امریکہ اور دیگر مغربی ممالک نے یہ موقف اختیار کیا کہ جنگلات کو مشترکہ عالمی میراث قرار دیا جائے اس سے ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ جنوبی ایشیا یعنی ملائشیا ویتنام وغیرہ کے گھنے جنگلات جہاں ربڑ اور دیگر نباتاتی سامان تیار کیا جاتا ہے ان کی اجارہ داری میں آجائیں لیکن خطہ کے ممالک کی شدید مخالفت کے سبب یہ تجویز پاس نہیں ہوسکی۔ قاہرہ کانفرنس میں کسی ایشیائی کو یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ بنی نوع انسان کو ایک قوم اور ساری دنیا کو ایک ملک سمجھا جائے اور نقل وطن اور ہجرت کے ذریعہ بھی آبادی میں کمی کرنے کی اجازت دی جائے صلیبی مغرب نے قوم اور وطن کی ایسی بلند دیواریں کھڑی کردی ہیں کہ انسانیت قید ہوکر رہ گئی ہے ایک انسان مغرب میں عیش وعشرت کی زندگی گزارتا ہے دوسرا افریقہ یا ایشیا یا جنوبی امریکہ میں بھوکا مرتا ہے۔ مغرب غریب ملکوں کو ہتھیار فروخت کرسکتا ہے لیکن ان کی بنجر زمینوں کو زرخیز بنانے کے لئے تکنیکی اور مالی امداد دینے میں ہزار حجتیں کرے گا کیونکہ اس طرح اس کے تجارتی مفادات پر ضرب پڑتی ہے۔ امریکہ میں ہزاروں ٹن غلہ سمندر میں ڈال دیا گیا تاکہ ملک میں غذائی اشیاء کی قیمتیں زیادہ نہ گرنے پائیں دوسری طرف افریقہ کے متعدد ملکوں میں برسوں سے خشک سالی اور قحط کے سبب انسان ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہے ہیں صومالیہ میں عدیدی کو پکڑنے کے لئے امریکن فوج مہم چلاسکتی ہے لیکن اس ملک کی سوکھی پڑی زمینوں میں فصل اگانے کی صلاحیت بڑھانے کے لئے کوئی منصوبہ بند پروگرام نہیں بنایا جاسکتا۔ جب دنیا کی دولت سمیٹ کر یوروپ اور امریکہ کی تجوریوں میں پہنچ جائے اور یہ یہودی سودخوار عالمی بنک، آئی ایم ایف وغیرہ کے ذریعہ غریب ممالک کا استحصال کریں تو دنیا میں انصاف، امن اور چین کہاں مل سکتا ہے نئے عالمی نظام نے دنیا کو اضطراب اور مایوسیوں کے سوا کیا دیا ہے اب غیر اخلاقی ذرائع اور طریقوں کے ذریعہ ان کا معاشرتی نظام بھی تباہ کرنے کی سازش ہو رہی ہے۔ قاہرہ کانفرنس نے یہ سجھاؤ کیوں نہیں دیا کہ تیسری دنیا کے ممالک مغرب سے اسلحہ نہ خریدیں جدید ترین تیکنولوجی کے جس سامان کی انہیں ابھی ضرورت نہیں ہے اس پر سرمایہ ضائع نہ کریں اور اس طرح جو پیسے بچیں انہیں اپنی آبادی کی بہبودی کی

اسکیموں پر لگائیں۔ ظاہر ہے اگر عرب ممالک، ہندوستان، پاکستان اور دیگر برسرپیکار غریب اقوام اسلحہ پر قومی سرمایہ ضائع نہ کریں تو مغرب کی اسلحہ ساز فیکٹریاں بند ہو جائیں گی لیکن اسی کے ساتھ ان ملکوں کا اربوں ڈالر کا سرمایہ بچ جائے گا جسے وہ آبادی میں اضافہ روکنے کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں اور اپنی بنجر زمینوں، ریگستانوں کو شاداب بنا کر نئی آبادی کے لئے وسعت اور خوشحالی کے اسباب بھی فراہم کر سکتے ہیں۔ ضبط تولید آبادی پر کنٹرول کا واحد ذریعہ نہیں ہے اس کا متبادل ترقیاتی کام ہیں۔ ہندوستان میں آبادی میں اضافہ پر بڑی تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے اور واقعی ہے بھی تشویشناک بات، لیکن جو سرمایہ خاندانی منصوبہ بندی کی تشہیر اور مانع حمل ادویہ وغیرہ پر صرف ہو رہا ہے اگر اسے ریگستانی، پہاڑی اور بنجر زمینوں کی اصلاح پر لگایا جائے، خالی زمینوں پر شجرکاری کی اسکیمیں چلائی جائیں، جو سرمایہ کشمیر کا ایندھن بن رہا ہے اسے کسی طرح بچایا جائے جو خطیر رقمیں دفاع پر خرچ کی جا رہی ہیں ان کا ضیاع روکا جا سکے تو ہندوستان کی موجودہ آبادی اور آئندہ نسلوں کے بھی بہت سے سنگین مسائل حل کئے جا سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں ہرشد مہتہ جیسے خائن تو پیدا ہوتے ہیں جو پانچ ہزار کروڑ روپیہ کا غبن کر کے پوری قوم کو بحران میں مبتلا کر سکتے ہیں لیکن کوئی کالے دھن والا آگے نہیں آتا کہ اپنا اربوں روپیہ کا سرمایہ عوامی بہبود کے لئے وقف کر دے۔ سوچئے تو یہی خود غرضی، دولت پرستی، استحصال اور سامراجی ذہنیت عالمی آبادی کی بربادی کا باعث ہے۔ اللہ نے اپنی زمین اور قدرتی وسائل سب کے لئے پیدا کئے ہیں جس طرح قدرت نے زمین میں حدیں نہیں بنائیں اسی طرح اپنے خزانے بھی کسی ایک قوم یا نسل کی اجارہ داری میں نہیں دئے قرآن نے ان سب کو اللہ کی ملکیت قرار دیا (وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) اگر انسان یہ جانے اور مانے کہ اللہ کی یہ زمین اور اس کائنات کے سارے وسائل اور اثاثے بنی نوع انسان کی مشترکہ میراث ہیں تو اس دنیا میں کوئی سنگین مسئلہ نہیں رہے گا سارا فساد خود غرضی اور بدنیتی سے پیدا ہوتا ہے جب تک دنیا پر مغرب کا منحوس سایہ نہیں پڑا تھا لوٹ مار، جبر و استحصال کی یہ گرم بازاری نہیں تھی۔ مغرب نے دنیا کو عیاری کے نئے انداز سکھائے اس کا نام سیاست اور ڈپلومیسی

رکھا اور آج دنیا میں یہی باتیں سکۂ رائج الوقت بن گئیں اب آبادی میں اضافہ روکنے کے لئے بھی وہی شیطانی اور خبیث طریقے سکھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مسلمانوں میں ضبط ولادت کبھی زیادہ مقبول نہیں ہو سکا قرآن مجید کا ارشاد ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَاتَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَاتَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ ۚ وَلَاتَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○
(الأنعام:۱۵۲)

(اے نبی) کہو کہ لوگو آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں: کہ تم کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہنا، اور ناداری کے اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہمیں رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے ظاہر اور پوشیدہ کاموں کے قریب نہ پھٹکنا اور کسی جان کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کی وہ تمہیں وصیت کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

اور ارشاد ربانی ہے:

وَلَاتَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ○
(بنی اسرائیل: ۳۱)

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا، ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں بیشک ان کا قتل کرنا بڑا سخت گناہ ہے۔

ان آیات سے اسقاط کی براہ راست نفی ہوتی ہے۔

دوسرے رزق کا وعدہ اللہ نے کیا ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ مسلمان روزی کے لئے جدوجہد نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ نے بحروبر میں انسان کے لئے رزق کے جو خزانے پوشیدہ کر رکھے ہیں ان کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی کہ کاشت اور پیداوار جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کے فضل اور انعام سے ہوتی ہے زمین کو زرخیزی اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے پانی میں بار آوری کی صلاحیت بھی اسی نے دی ہے۔

دانے میں جو قوت نمو ہے اس میں بھی انسان کی کوشش یا ہنر کا کوئی دخل نہیں ہے

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ○ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ○ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ○ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ○ (الواقعة: ٦٤-٦٧)

تو کیا تم اسے اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے چورہ چورہ کردیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم تو مفت تاوان میں پھنس گئے بلکہ ہم ہیں ہی بدنصیب۔

مسلمانوں کے ساتھ المیہ یہ ہے کہ وہ اپنی اقتصادی اور معاشی ترقی وخوشحالی کے لئے ایسی کوشش نہیں کرتے جو انہیں ان میدانوں میں امتیاز عطا کریں ان کے بڑے خاندان تو ضرور ہوتے ہیں لیکن معاشی خوشحالی ان کی قسمت نہیں ہوتی اگر وہ کوشش کریں اور تجارت وصنعت کے جدید طریقے اپنائیں تو ان کے لئے بھی راہیں کھلی ہوئی ہیں ہندوستان میں مسلمانوں کے گوناگوں پیچیدہ مسائل ہیں لیکن اقتصادی وتعلیمی پسماندگی سب سے اہم مسئلہ ہے ہم اس بات پر تو فخر کرتے ہیں کہ ہندوستان میں بیس کروڑ مسلمان ہیں (سرکاری اعدادوشمار کے مطابق یہ تعداد ۱۲ کروڑ ہے) لیکن یہ نہیں سوچتے کہ اس تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے مسائل ومشکلات کو کیسے حل کیا جائے۔ اس وقت ہمارا ملک ایک بحرانی دور سے گذر رہا ہے یہ کم وبیش ویسا ہی دور ہے جیسا دو سو سال قبل فرانس اور برطانیہ میں صنعتی انقلاب کے آغاز میں تھا ہر طرف افراتفری، اتھل پتھل، بے چینی بدامنی کا عالم ہے ریزرویشن حامی اور مخالف تحریکیں طبقاتی کشمکش کو بڑھا رہی ہیں ہزاروں سال کے کچلے ہوئے اچھوت آج حاکم بن کر ابھر رہے ہیں اس میں ہم مسلمانوں کا کیا مقام ہوگا اس کا ابھی کسی کو اندازہ نہیں ہے۔ ملک کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے آج کی سیاست میں آبادی کی وسعت بھی ایک نیا مفہوم رکھتی ہے جس کی جتنی زیادہ آبادی ہوگی اتنے ہی زیادہ ووٹ ہوں گے جتنے زیادہ ووٹ ہوں گے اتنا ہی اس کا سیاسی دباؤ ہوگا۔ پسماندہ طبقات میں سوچنے کا یہی انداز ہے۔ شاید مسلمانوں کے کچھ حلقے بھی اسی انداز میں سوچتے ہیں لیکن پسماندہ طبقات کو جو مراعات اور آسائشیں حاصل ہیں وہ مسلمانوں کو حاصل نہیں ہیں نہ مسلمانوں کے زیادہ ووٹ انہیں سیاسی طور پر بہت زیادہ اہمیت عطا کرسکتے ہیں۔

فیملی پلاننگ کے سلسلے میں ہمارے ہاں جو پروگرام چلائے گئے ان میں عجیب واقعات پیش آئے ایمرجنسی کے دور میں مسلمانوں کا بڑا طبقہ تو دینی تقاضوں کے تحت اس کا مخالف تھا لیکن سرکاری عنایتوں کے تحت کچھ ایسے افراد بھی سامنے آئے جو قرآن وحدیث سے فیملی پلاننگ کا جواز ثابت کرتے تھے اور سرکار کو سہارا دیتے تھے۔ ایک قلم فروش اردو شاعر اور بھی دور کی کوڑی لائے انہیں تاج محل میں ممتاز محل کی روح نوحہ کناں دکھائی دی جو شاہجہاں کے فیملی پلاننگ پر عمل نہ کرنے کا ماتم کر رہی تھی جس کے سبب ملکہ کو چودہ بچوں کی ولادت کی اذیت برداشت کرنی پڑی اور چودھویں بچہ کی ولادت کے دوران ہی وہ فوت ہوئی۔

میں کثرت اولاد سے تنگ آکے مری ہوں
میں چودھویں بچے کی قسم کھا کے مری ہوں

معلوم نہیں ان شاعر اعظم کو اس بات کا علم تھا یا نہیں کہ مہابھارت کے کورو سو بھائی تھے اور شاہجہاں کی طرح کوروں کا نابینا باپ بھی کثرت اولاد کا مجرم تھا۔ اگر موصوف اس اساطیری کردار پر بھی طنز کرتے تب معلوم ہوتا کہ ان کی شاعری کا طنطنہ کتنی دیر برقرار رہتا۔[1]

[1] انسانی آبادی کی کثرت کا جو لوگ رونا روتے ہیں یا آبادی کی بھیڑ سے پیدا شدہ مسائل کے حل سے گھبراتے ہیں درحقیقت یہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے فرار کی راہ اختیار کر رہے ہیں، اس کائنات ارضی کے خالق نے جو آبادی کی کثرت اور قلت کا تنہا مختار ہے اور جس کا ارشاد گرامی ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ○ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ○ (الشورى: ٤٩-٥٠)

آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے، یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے وہ جاننے والا اور قدرت والا ہے۔

پاکستان، کشمیر اور ایٹم بم

کشمیر کا مسئلہ اس وقت عالمی طور پر سب سے زیادہ دھماکہ خیز اور پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے سرد جنگ کے خاتمہ اور خلیجی جنگ میں صلیبیوں کی بالادستی کے بعد دنیا کے بہت سے مسئلے بہر نوع حل ہونے کے دائرے میں آگئے فلسطین جیسا مسئلہ جسے صیہونیوں اور صلیبیوں نے عالم اسلام کے سینہ میں خنجر کی طرح پیوست کر رکھا ہے اب اس کے بھی جزوی حل کی امیدیں (اگرچہ بڑی حد تک موہوم سی) پیدا ہونے لگی ہیں۔ یوروپ میں جرمنی کا دوبارہ متحد ہونا' دیوار برلن کا توڑا جانا اور یوروپ کا ایک اقتصادی اکائی میں تبدیل ہو کر پورے براعظم کو حدود

اس کا اپنی مخلوقات کی روزی کے سلسلہ میں ارشاد ہے۔

وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ○ (العنکبوت : ٦٠)

اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی' اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

موجودہ دور کی مادہ پرست اور گمراہ انسانیت نے آبادی کے مسائل کا جو غیر فطری حل' نسبندی' اسقاط حمل اور مانع حمل دواؤں وغیرہ کی شکل میں تجویز کیا ہے اور اسلام کی روح اور اس کے عقیدۂ و فکر سے غافل' اور الحاد و مغربیت سے مرعوب مسلمانوں نے اس غیر اخلاقی اور غیر فطری حل کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ اس کی دعوت دی ہے' اور مصر کی نام نہاد مسلمان حکومت نے "قاہرہ کانفرنس" کے نام سے جس طرح اسلام دشمن بین الاقوامی سازش کے لئے اپنے دروازے کھولے ہیں اور غیر اسلامی بنیادوں پر بنی ہوئی پاکستانی حکومت کی ایک ملحد عورت نے اس کے انتظام میں کلیدی کردار ادا کیا ہے اور متعدد مسلم ممالک کے سربراہوں نے اس میں شرکت کی ہے یہ سارے لوگ براہ راست یا بالواسطہ اسلامی اقدار و اخلاق اور اسلامی عقیدۂ و فکر کو زک پہنچانے کی سعی نامسعود میں شریک ہو کر اس عالمی سازش کا شعوری یا غیر شعوری آلۂ کار بنے ہیں جس کا خمیازہ انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں بھگتنا ہوگا۔ برادر محترم جناب ابن احمد صاحب نے اس کانفرنس اور اس کے پیچھے چھپے ہوئے اسلام دشمن محرکات کا بھرپور تجزیہ کر کے اردو داں طبقہ پر احسان کیا ہے۔

انہوں نے اپنے اس اداریہ میں روزی و آباد کاری کے لئے اسلامی نقطۂ نظر "وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ" اور "وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا○" کا تذکرہ کر کے بتایا ہے کہ خالق کائنات نے خود اپنی مخلوقات کے رزق کی جو ضمانت لی ہے دین سماوی پر ایمان لانے والے ہر شخص کے لئے نہ صرف یہ کہ یہ ضمانت کافی ہے۔ بلکہ پوری انسانیت کے لئے سب سے زیادہ باعث اطمینان ہے۔

انسان اگر اس کائنات میں اپنی ذمہ داری محسوس کرے اور ظلم و جور اور شقاوت و بے رحمی کو چھوڑ کر عدل و انصاف اور شفقت و رحمت کی راہ اپنائے تو آبادی اور اس کے علاوہ انسانیت کے دوسرے مسائل بڑی آسانی سے حل ہو سکتے ہیں۔ زمین' جائداد اور مال میں قرابت داروں' پڑوسیوں' محتاجوں اور ضرورتمندوں کے جو حقوق ہیں انہیں اور اللہ کی اس پھیلی ہوئی زمین (جس کا مالک تنہا اللہ ہے) کو منصفانہ انداز میں تقسیم کیا جائے اور وطنی اور نسلی عصبیتیں جو دین الٰہی کے دشمنوں کی پیدا کردہ ہیں ان سے وہ تائب ہو جائے تو مختلف براعظموں کی پھیلی ہوئی زمینیں اور وسیع رقبے اور بے شمار مادی وسائل جو سطح زمین اور اندرون زمین اور سمندروں اور فضاؤں میں موجود ہیں انہیں استعمال کر کے نہ صرف بنی نوع انسان بلکہ تمام ذی روح مخلوقات کا بھی پیٹ بھرا جا سکتا ہے اور ان کی رہائش کا بھی انتظام ہو سکتا ہے اور یہ دنیا سچ مچ اطمینان و سکون کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

انسان ایک باشعور مخلوق ہے یہ اگر اپنی اولاد کی صحیح تربیت' تعلیمات الٰہی کی روشنی میں کرنے کی اپنی ذمہ داری پوری کرنے لگے تو آنے والی نسلیں دنیا میں آباد مختلف نسلوں اور قومیتوں کے لئے رحمت و شرافت اور مودت و شفقت کا فرشتہ ثابت ہوں گی' اور انسانی آبادی کی کثرت بجائے مشکلات کے آسانیاں اور راحتیں مہیا کرے گی اور سارے لوگ امن و سکون کے ساتھ جی سکیں گے اور سب مل کر اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات کی روشنی میں اپنے خالق کی عبادت و اطاعت میں اپنی زندگی گزار سکیں گے۔

قاہرہ کانفرنس دراصل مذہب و اخلاق دشمن طبقہ کی طرف سے مذہبی دنیا کی طاقت آزمائی کا ایک مظہر تھی' کانفرنس کے ایجنڈہ کی دفعات کے بین السطور مذہبی اور اخلاقی اقدار کو تباہ کرنے' زنا' لواطت' مردوں اور عورتوں کی ہم جنسی کے مکروہ افعال اور دوسرے غیر فطری اعمال کے عذاب سے انسانیت کو تباہ

وشعور سے بالاتر ایک مضبوط وحدت کی شکل دینے کا منصوبہ شمالی اور جنوبی کوریا کے درمیان بھی تصادم کے سنگین خطرے کے بعد اب گفت وشنید کی شروعات' آئرلینڈ میں انتہاپسندوں (آئی آر اے) کی جانب سے تشدد ترک کرنے کا اعلان اور ایک متحدہ آئرلینڈ کے لئے پرامن جدوجہد کا عزم یہ سب عالمی سیاسی شعور میں تشدد سے اجتناب کے رجحان کی علامتیں ہیں ان باتوں کو دیکھ کر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اگر صلیبی مغرب اپنے استعماری خونی پنجے اپنی تہذیب کے غلاف میں بند رکھے تو اکیسویں صدی کی دنیا شاید بیسویں صدی سے کچھ حد تک بہتر ہو جائے اگرچہ اب صلیبیوں نے براہ راست حکمرانی کے بجائے بالواسطہ یا پس پردہ سلطنت قائم کرنے کی پالیسی اپنائی ہے اور سرد جنگ کے بعد اب تجارتی غلبہ کا دور شروع ہوگیا ہے دنیا میں ہر طرف بڑی بڑی منڈیاں تلاش کی جاری ہیں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے جدید ترین ایڈیشن کے تحت تیسری دنیا کے ملکوں کا سرمایہ ایک بار پھر مغرب کی طرف بہنے کے دن آگئے ہیں اب یوروپ میں کہیں جنگ نہیں ہوتی (بوسنیا کے علاوہ جو کہ یوروپ میں مسلمانوں کی بستی ہے) گوروں نے صدیوں کی لڑائیوں اور دو عالمی جنگوں کے بعد اب امن کی روشنی دیکھ لی ہے۔ اب ان کی اسلحہ ساز فیکٹریاں جو ہتھیار بناتی ہیں ان کی منڈیاں ایشیا اور افریقہ میں ہیں خود ان ملکوں میں ان ہتھیاروں کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے۔ سب سے زیادہ ہتھیار مسلم ممالک کو بیچے جاتے ہیں اور اس بہانے ان کا بیشتر سرمایہ صلیبی مغرب کے بنکوں میں چلا جاتا ہے۔ ایشیا میں سب سے زیادہ گرم محاذ اب کشمیر کا ہے جہاں گذشتہ تقریباً نصف صدی سے فوجی صف آرائی برقرار ہے یہ دو ملک جو ۴۷ سال قبل ایک قوم تھے آج دونوں طرف اپنے ماضی قریب کے بھائیوں اور ہم وطنوں کے خون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ تین جنگیں لڑ چکے ہیں۔ کشمیر کے تنازعہ میں برصغیر میں جان اور مال کا جو نقصان ہوا ہے اگر اس کا اندازہ لگایا جائے تو شاید عالمی جنگ کے اعداد و شمار کے آس پاس پہنچ جائے گا یہ دونوں دنیا کے غریب ترین ممالک مجموعی طور پر کھربوں روپیہ اس مسئلہ لاینحل کے بجبر فیصلہ پر ضائع کر چکے ہیں۔ وہ ہزاروں جوان جنہیں بیرونی حملہ آوروں کے مقابل سینہ سپر ہونا تھا اس باہمی کشمکش کے سبب خاک وخون میں لوٹ کر ختم ہوگئے۔

اور اب جب ایک فریق کو احساس ہوگیا ہے کہ روایتی ہتھیاروں سے کشمیر کو نہیں جیتا جاسکتا تو اس نے ایٹمی ہتھیاروں کا سہارا لینے کی دھمکی دی ہے۔ پاکستان آج سے نہیں گذشتہ کئی دہائیوں سے دیوانہ وار ایٹمی ہتھیار بنانے کی کوشش کر رہا ہے اس کے ایٹمی سائنسداں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ہالینڈ سے ایٹمی فارمولہ غیر قانونی طور پر حاصل

کردینے کی اس سازش میں جس طرح مسلمان اور دنیا کے دوسرے مذاہب پھنسائے گئے ویٹی کن' (کیتھولک عیسائیوں کے روحانی مرکز) سعودی عرب کے علماء کی مجلس اعلیٰ' اور اس کے فیصلہ کے نتیجہ میں سعودی حکومت' اسی طرح سوڈان کی حکومت نیز جامعہ ازہر کے شیخ جادالحق علی جادالحق نے اگر بھرپور جرأت وشجاعت کا ثبوت نہ دیا ہوتا تو یہ کانفرنس اپنے مذموم مقاصد میں مکمل طور پر کامیاب ہوجاتی' اگرچہ ہمیں ان اداروں سے یہ شکایت ہے کہ انہوں نے اس گندی کانفرنس کے بائیکاٹ کا فیصلہ بہت تاخیر سے کیا' اکثر مسلم ممالک جنہیں اسلام کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں وہ کانفرنس میں شرکت کا اعلان کر چکے تھے' سعودی عرب میں علماء کی مجلس اعلیٰ اور سعودی حکومت کا فیصلہ تاخیر سے سامنے آیا' ورنہ اکثر مسلم ممالک کانفرنس کے بائیکاٹ میں ان کا ساتھ دیتے۔

مسلمان علماء ومفکرین اور اسلامی ادارے بیشتر مسائل میں یا تو کوئی فیصلہ نہیں کرپاتے اور اگر فیصلہ کرتے بھی ہیں تو نہایت تاخیر سے جس کا نتیجۂ بد ملت کو بھگتنا پڑتا ہے۔

اس حقیقت کے اعتراف میں ہمیں کوئی باک نہیں کہ ویٹی کن کا موقف اس کانفرنس میں سب سے زیادہ مضبوط رہا جبکہ اس کانفرنس کا سب سے بڑا نشانہ اسلام اور اس کی تعلیمات تھیں اور مسلمانوں کو متحد ہو کر ویٹی کن کو ساتھ لے کر اس کانفرنس کے انعقاد ہی کو روکنا چاہئے تھا' اور اگر وہ روکنے میں کامیاب نہ ہوتے تو اس میں کوئی ایسی قرارداد پاس نہیں ہونے دینی چاہئے تھی جس کی زد مذہبی واخلاقی اقدار' بالخصوص اسلام اور اس کی تعلیمات پر پڑتی لیکن ہم شرمندہ ہیں کہ ہماری مساعی اس باب میں عیسائیت سے بہت کم رہیں۔

ویٹی کن سے ہمیں یہ شکوہ ضرور ہے کہ کاش وہ ان یہودیوں کے خلاف مسلمانوں کا ساتھ دے سکتے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی سے لے کر اپنے وجود سے آج تک پوری انسانی تاریخ میں اخلاقی جرائم' دہشت پسندی اور دینی' مذہبی اور انسانی اقدار کے خلاف تمام سازشوں کے بانی رہے ہیں' موجودہ گندی کانفرنس میں بھی سب سے بڑا ہاتھ انہیں کا ہے (ع-س-ح-ر)

کیا اور پھر چین کے سرگرم تعاون سے ایٹمی ہتھیار بنانے کا عمل شروع ہوا۔ اب سے بہت پہلے ہی پاکستان نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ اس نے ایٹمی صلاحیت حاصل کرلی ہے۔

لیکن جیسا کہ ایک مدت سے عالمی سیاست کا رویہ ہے کہ وہ ایٹمی ہتھیار بنانے کے عمل کو خفیہ رکھتے ہیں کیونکہ کسی نئے ملک کے پاس ایٹمی ہتھیار ہونے کا انکشاف عالمی ضمیر کو مضطرب کردیتا ہے ان کے ذہن میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی حملوں کی ہولناک یادیں ابھرتی ہیں جب ہزارہا بے گناہ جاپانی امریکن ایٹم بم کا شکار ہوئے تھے۔

پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر ہندوستان کو بہت تشویش رہتی ہے کیونکہ شروع سے ہی پاکستان کا رویہ معاندانہ رہا ہے وہاں خواہ فوجی آمریت ہو یا جاگیرداروں کی نام نہاد جمہوریت 'ہندوستان دشمنی سب کا بنیادی نکتہ ہوتا ہے۔ دوسری طرف امریکہ کو بھی اس ایٹمی پروگرام پر سخت اعتراض تھا امریکہ کی یہودی لابی کو خدشہ تھا کہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام عرب سرمایہ سے چلایا جارہا ہے اس لئے اگر پاکستان ایٹمی اسلحہ تیار کرلیتا ہے تو یہ عربوں کے پاس پہنچیں گے اور اسرائیل کی سلامتی کو شدید خطرہ لاحق ہوجائے گا۔ لیکن اس وقت امریکہ افغانستان میں روس سے برسرپیکار تھا اور پاکستان کے کندھے پر امریکی ہتھیار تھے اگر امریکہ پاکستان سے ایٹمی سوال پر الجھتا تو خطرہ تھا کہ پاکستان اپنا کندھا نہ جھٹک دے اور امریکہ کو افغانی محاذ سے پسپا ہونا پڑے۔ امریکہ افغانستان میں روس سے ویتنام کی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینا چاہتا تھا اور پاکستان کے تعاون کے بغیر ایسا ممکن نہیں تھا اس لئے پاکستان کی آنکھیں بند کرکے نازبرداری کی گئی اسے ہر قسم کی فوجی' اقتصادی اور مالی امداد نہایت فراخدلی سے دی گئی ایٹمی پروگرام پر بھی علانیہ کوئی تنقید نہیں کی گئی پریسلر ترمیم کے تحت امریکن اقتصادی امداد دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ صدر امریکہ اس بات کی تصدیق کرے کہ اس ملک میں ایٹمی اسلحہ بنانے کا پروگرام نہیں چلایا جارہا ہے۔ جب تک افغانستان میں جنگ چلتی رہی امریکہ یہ جھوٹے تصدیق نامے جاری کرتا رہا اور پاکستان کا خزانہ ڈالروں سے بھرتا رہا لیکن جب روس پسپا ہوگیا' اشتراکیت کا شیرازہ بکھر گیا اور امریکہ دنیا کی واحد عالمی طاقت بن گیا تو اس کے نزدیک پاکستان کی جنگی اہمیت وافادیت بھی ختم ہوگئی افغانستان آزاد ہونے کے بعد جب پاکستان کو اقتصادی امداد دینے کا مرحلہ آیا تو جارج بش نے ایٹمی پروگرام کی بابت سرٹیفکٹ دینے سے انکار کردیا اب امریکہ کا عذر تھا کہ پاکستان ایٹمی اسلحہ بنانے میں مصروف ہے اس لئے پریسلر ترمیم کے تحت اسے امریکی اقتصادی امداد نہیں دی جاسکتی۔ ادھر پاکستان نے ایٹمی پروگرام کے سوال پر کسی مصالحت یا مفاہمت سے انکار کردیا اور اس کے ایٹمی اسلحہ بنانے کا عمل برابر جاری رہا لیکن عام سیاسی مصلحت کے مطابق پاکستانی سیاستداں ہر موقع پر اس بات سے انکار کرتے رہے کہ وہ ایٹمی اسلحہ بنارہے ہیں تاہم ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کئی سال قبل اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ پاکستان نے ایٹمی اسلحہ بنانے کی صلاحیت حاصل کرلی ہے سابق سپہ سالار افواج جنرل مرزا اسلم بیگ نے بھی اس کی تصدیق کی تھی اس وقت بھی اس پر کافی ہنگامہ ہوا تھا۔ لیکن خلیجی جنگ کے بعد جب امریکہ نے مغربی ایشیا میں امن کی شطرنجی بساط بچھائی اور ایک ایک کرکے یہودیوں کے عرب حریفوں کو مات دے کر اسرائیل سے دوستی کا طوق زریں پہنادیا تو اب اسرائیل پاکستان کے ایٹمی خطرے سے مامون ہوگیا۔ عراق کو صدام حسین نے تباہ کردیا۔ شام اشتراکی روس کے منتشر ہونے کے بعد بے بال و پر ہوگیا پاکستان کا براہ راست یہودیوں سے کوئی تنازعہ نہیں ہے اردن کے بعد وہ صلیبی مغرب کا سب سے زیادہ معتمد دوست ہے پھر جب عرب خود ہی اسرائیل سے ہاتھ ملارہے ہیں تو دوسرا کوئی کیوں ان کی طرف سے یلغار کرے گا۔ ایک ایران ہے جو مغرب کے پھندے میں نہیں آرہا ہے اور یہودیوں سے برملا دشمنی کا اعلان کرتا ہے لیکن اس کی دشمنی بھی حقیقی سے زیادہ سیاسی اور سفارتی ہے آٹھ سالہ عراقی جنگ کے دوران ایران نے یہودیوں سے اسلحہ حاصل کئے اور خفیہ رابطے کافی گہرے رہے۔ بہرحال اسرائیل کے مطمئن ہوجانے کے بعد اب امریکہ کی یہودی لابی کو پاکستان کے ایٹم بم کی کوئی فکر نہیں رہی۔ لیکن ہندوستان کو پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے براہ راست خطرہ لاحق ہے کیونکہ اس خطہ میں پاکستان کا نشانہ صرف وہی ہے۔ کشمیر کا مسئلہ جس قدر الجھتا جارہا ہے پاکستان کی دہشت گردی اور کشمیر میں مداخلت جس قدر گہری ہوتی جارہی ہے اسی قدر ہندوستان کی تشویش میں اضافہ ہورہا ہے۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے تناظر میں ہندوستان نے "اگنی" اور "پرتھوی" جیسے دور تک مار کرنے والے جدید

ترین میزائل تیار کئے ہیں مگر یہ میزائل ایٹمی ہتھیاروں کا موثر جواب نہیں ہوسکتے پاکستان اپنے ایٹمی پروگرام کے لئے برابر ہاتھ پاؤں مار رہا ہے سابق اشتراکی روس کی آزاد جمہوریاؤں میں ایٹمی سائنسداں، ایٹمی اسلحہ پلوٹونیم اور یورونیم کی خاصی مقدار موجود ہے۔ اقتصادی بحران کے شکار ان ممالک کے سائنسداں نیم فاقہ کشی میں زندگی گذار رہے ہیں اس لئے پاکستان اور ایران جو ایٹمی اسلحہ تیار کرنے کے لئے بیتاب ہیں ان بے روزگار سائنسدانوں کو مراعات خسروانہ کے ساتھ اپنے یہاں بلا سکتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں جرمنی کے راستے پاکستان کو روسی پلوٹونیم کی سمگلنگ کا بھی انکشاف ہوا تھا جس سے عالمی طور پر خاصی تشویش کا اظہار کیا گیا دوسری طرف پاکستان اور امریکہ میں ایف ۱۶ جنگی جہازوں کی خریداری کا تنازعہ چل رہا ہے پاکستان نے کئی سال پہلے ۴۰ ایف ۱۶ جہازوں کی خریداری کے لئے امریکہ کو کروڑوں ڈالر پیشگی ادا کردئے تھے ایف ۱۶ جنگی جہاز ایٹمی اسلحہ لے جانے اور گرانے کی صلاحیت رکھتے ہیں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی پیشرفت کو دیکھتے ہوئے اس بات کا خدشہ ہے کہ کسی فوجی تصادم کی صورت میں یہ جہاز ایٹمی حملہ کے لئے استعمال کئے جائیں ہندوستان واضح طور پر اپنی تشویش سے امریکہ کو باخبر کرچکا ہے لہٰذا امریکن انتظامیہ نے ان جہازوں کی فراہمی مشروط کردی ہے کہ پاکستان اپنا ایٹمی پروگرام ترک کردے۔ پاکستان کا استدلال یہ ہے کہ یہ تجارتی سودا ہے یا تو امریکہ جہاز دے یا پھر وہ پیشگی ادا کردہ قیمت واپس کرے امریکی یہودی ذہنیت کے لئے کروڑوں ڈالر واپس کرنا ممکن نہیں ہے آج کی یک قطبی دنیا میں امریکہ اسلحہ کا سب سے بڑا سوداگر ہے اور اربوں ڈالر منافع کماتا ہے اس کی اسلحہ ساز فیکٹریاں سب سے منافع بخش صنعت ہیں اس لئے امریکہ ابھی ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے اور بیگم بھٹو کے دورۂ امریکہ کے سلسلے میں بھی اس نے اصولی طور پر ایٹمی پروگرام بند کرنے سے اتفاق کی شرط رکھی ہے۔

ان ہی پُر کشمکش حالات کے دوران پاکستان کے سابق وزیراعظم نوار شریف نے اس انکشاف کا ایٹمی دھماکہ کیا کہ پاکستان کے پاس ایٹم بم موجود ہے۔ یہ پہلی بار ہوا کہ ایک اہم پاکستانی سیاستداں نے برملا اعتراف کیا ہے کہ ان کے ملک نے اٹیم بم بنالیا ہے ورنہ اس سے قبل ہر پاکستانی لیڈر اس سے انکار کرتا آیا ہے۔ نواز شریف کے اس بیان کا ہندوستان میں بھی ایسا ہی دھماکہ خیز ردّ عمل ہوا اسے پاکستان کا اقبال جرم سمجھا گیا اور سیاسی حلقوں میں ابھی تک کھلبلی سی مچی ہوئی ہے۔ لیکن پاکستان کی حکومت نے ایک بار پھر اس بات کی تردید کی ہے۔ وزیر خارجہ سردار آصف علی احمد نے کہا کہ نواز شریف احمق ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں ہمارے پاس کوئی ایٹم بم نہیں ہے دوسری طرف مرحوم جنرل ضیاء الحق کے صاحبزادے اعجاز الحق نے اپنے باپ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے راجیو گاندھی کو بتایا تھا کہ پاکستان کے پاس ایٹم بم موجود ہے ہندوستان کے اس شدید ردّ عمل پر خود یہاں کے سنجیدہ حلقوں میں حیرت ظاہر کی گئی نواز شریف نے کوئی نیا انکشاف نہیں کیا مغربی تجزیہ کار کافی عرصہ قبل اس بات کو تسلیم کرچکے ہیں کہ پاکستان اور ہندوستان دونوں ایٹمی طاقتیں ہیں پاکستان کا بھی اصرار ہے کہ ہندوستان نے ۱۹۷۴ء میں ایٹمی دھماکہ کیا تھا اس کے بعد اس نے ایٹمی اسلحہ تیار کرلیا ہے لیکن ہندوستان اس سے انکار کرتا ہے۔ نواز شریف کے انکشاف کے بعد پارلیمنٹ میں تمام سیاسی پارٹیوں نے خاص طور پر بی جے پی نے پرشور مطالبہ کیا کہ ہندوستان بھی ایٹم بم بنائے۔ نواز شریف کے انکشاف پر امریکہ میں کوئی خاص ردّ عمل ظاہر نہیں کیا گیا۔ ایڈمنسٹریشن کے کسی سینئر عہدیدار نے اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی صرف لاری پریسلر نے ایک تُند بیان جاری کیا لیکن چونکہ پاکستان کے بارے میں ان کا معاندانہ موقف معروف و معلوم ہے اس لئے اس میں کوئی چونکانے والی بات نہیں تھی۔ امریکہ کے اس سرد ردّ عمل پر ہندوستان کو خاصی مایوسی ہوئی امریکہ نے نواز شریف کے بیان پر ویسا ردّعمل بھی ظاہر نہیں کیا جیسا یروشلم کو آزاد کرانے کے لئے جہاد کی تلقین کرنے پر یاسر عرفات کے بیان پر کیا تھا۔ امریکی وزیر خارجہ کرسٹوفر نے یاسر عرفات کے اس بے ضرر سے بیان کی مذمّت کی تھی۔ لیکن ہم بھول جاتے ہیں کہ امریکہ کے اعصاب پر یہودی سوار ہیں ہندوستانی نہیں اگر کسی یہودی کو موہوم سا خطرہ بھی لاحق ہوتا ہے تو امریکہ تڑپ جاتا ہے دوسروں کے لئے اس کی آنکھ میں آنسو نہیں آتے۔ لندن اور بیونس آئرس میں یہودیوں پر حملے کے سلسلے میں امریکہ نے ایران کو متہم کیا ہے

اوراس کے خلاف شدید کاروائی کی حمایت کر رہا ہے جبکہ عربوں کے خلاف یہودیوں کی ننگی جارحیت کی اس نے سدا حمایت اور پردہ پوشی کی ہے۔پاکستان کے خلاف ہندوستان کی فریاد پر امریکی ردعمل اکثر ناموافق یا سردہی ہوتا ہے کشمیر میں غیر ملکی سپاہیوں اور اب یعقوب میمن کی گرفتاری کے بعد پاکستان کی دہشت گردی کے ثبوت امریکہ کو دیئے گئے لیکن امریکہ نے کوئی مؤثر کاروائی نہیں کی جبکہ یہودی دشمنی کے الزام میں وہ شام اور لیبیا کو دہشت گرد قرار دے چکا ہے۔

دوسری طرف ہندو پاکستان کے درمیان اعصابی جنگ مزید شدت اختیار کرتی جاری ہے ۱۴ر اگست کو یوم استقلال کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے بیگم بھٹو نے کہا کہ کشمیر کے بغیر پاکستان کا وجود نامکمل ہے۔ دوسرے دن ۱۵ر اگست کو یوم آزادی کی تقریب میں لال قلعہ کی فصیل سے وزیر اعظم ہندوستان نے اعلان کیا کہ کشمیر ہندوستان کا اٹوٹ حصہ ہے اور اب جو نامکمل کام باقی رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ کشمیر کا جو حصہ پاکستان کے قبضہ میں ہے اسے ہندوستان میں شامل کیا جائے اس بیان کے بعد ہی مقبوضہ کشمیر میں نواز شریف نے اعلان کیا کہ پاکستان کے پاس ایٹم بم موجود ہے یہ گویا ایک قسم کی دھمکی تھی کہ اگر ہندو پاکستان میں جنگ ہوتی ہے تو اس میں ایٹم بم استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس خبر کے بعد پاکستانی ذرائع سے یہ خبر بھی آئی کہ آج سے دس سال قبل پاکستان نے بمبئی میں ہندوستان کے ایٹمی پلانٹ پر حملہ کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیا تھا ذرائع نے بتایا کہ یہ کاروائی پاکستان کے ایٹمی پلانٹ پر حملہ کی دھمکی کے جواب میں کی جانے والی تھی۔ اس تشویشناک انکشاف نے ایک بار پھر سیاسی حلقوں میں اضطراب پیدا کر دیا۔ لیکن اسی کے ساتھ وزیر اعظم ہند کا ایک عوامی بیان آیا کہ پاکستانی انکشافات سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ادھر سردار آصف علی احمد نے اعلان کیا کہ ہندو پاکستان کے درمیان جنگ نہیں ہوگی۔ لندن میں نواز شریف نے کہا کہ ان کی دھمکی سے ہندوستان بے حوصلہ ہو گیا ہے انہوں نے یہ بھی کہا کہ ایٹم بم کے بارے میں ان کے بیان کا مقصد یہ تھا کہ بے نظیر بھٹو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں امریکہ کے دباؤ میں آکر کوئی سمجھوتہ نہ کر لیں۔

اس تمام ہنگامہ آرائی کا تجزیہ کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ یہ ساری حالیہ شعلہ بیانی (ایٹارک) محض عوامی جذبات کو برانگیختہ کرنے اور اعصابی جنگ کی شدت کو برقرار رکھنے کے لئے کی گئی ہے جب بیگم بھٹو نے اعلان کیا کہ کشمیر کی بغیر پاکستان کا وجود نامکمل ہے تو وہ صرف عوامی اشتعال کو ابھار رہی تھیں۔ ادھر جب وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے مقبوضہ کشمیر کی واپسی کا مطالبہ کیا تو وہ بھی "جواب آں غزل" والی بات تھی ورنہ ہندوستان کا شروع سے ہی یہ موقف رہا ہے کہ کنٹرول لائن کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیا جائے اور یہی کشمیر کے مسئلہ کا عملی حل بھی ہے عالمی سیاست میں بھی اس موقف کو حقیقت پسندانہ سمجھا جاتا ہے پاکستان کے لئے بھی ہوشمندی کی بات یہی ہے کہ کشمیر کے تنازعہ کو مضیٰ ما مضیٰ (فیٹ اکمپلی) سمجھ کر موجودہ صورت حال کو تسلیم کر لے۔ ایٹم بم کی دھمکی سے حالات بگڑ تو سکتے ہیں کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ نہ ایٹمی جنگ سے کشمیر جیتا جاسکتا ہے۔ امریکہ نے ویتنام میں ذلت آمیز شکست برداشت کی لیکن ایٹم بم استعمال نہیں کر سکا' روس نے افغانستان میں رسوا کن پسپائی گوارا کی مگر ایٹمی اسلحہ کے استعمال کا حوصلہ نہیں کیا۔ اسرائیل نے جنگ رمضان میں اپنی تاریخ کی بدترین ہزیمت دیکھی اس کے پاس ایٹم بم بھی تھا لیکن وہ مصر یا شام یا عراق کے خلاف ایٹم بم استعمال نہیں کر سکا۔ صدام حسین نے خلیجی جنگ میں کیمیاوی اسلحہ استعمال کرنے کی دھمکی دی لیکن اس پر عمل کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ پھر پاکستان ایٹم بم کیوں کر استعمال کر سکے گا۔ کیا پاکستان کے حکمرانوں کے نزدیک ایٹمی جنگ کا تصور یہ ہے کہ ایک خوشگوار صبح کو وہ اپنی فوج کو حکم جاری کریں گے کہ ہندوستان پر ایٹم بم گرا دیا جائے اور کچھ ہی دیر بعد ان کے ایف ۱۶ جنگی جہازوں کے ہوا باز تعمیل حکم کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے اطلاع دیں گے کہ ہندوستان کے شہروں پر ایٹم بم گرایا گیا جاپان کی طرح ہندوستان نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے اور پاکستانی افواج نے لال قلعہ پر سبز ہلالی پرچم لہرا دیا۔ اگر نواز شریف صاحب شیخ چلی کی باقیات میں سے نہیں ہیں تو انہیں احساس ہونا چاہئے کہ فضول لاف زنی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ہاں سستی عوامی مقبولیت ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔ برمنگھم میں جب نواز شریف کا عوامی استقبال ہوا تو پاکستانیوں نے نعرے لگائے "انڈیا کو کس نے ڈرایا۔ نواز شریف نے" اس قسم کے نعروں سے فضا

میں شور تو بہت ہو جاتا ہے لیکن مسئلہ کوئی حل نہیں ہوتا۔ پاکستان نصف صدی سے کشمیر کے تنازعہ میں الجھا ہوا ہے مگر آج تک اسے کیا حاصل ہوا؟ ذوالفقار علی بھٹو نے دھمکی دی کہ ہم انڈیا سے ایک ہزار سال تک لڑیں گے انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ ہم گھاس کھائیں گے مگر ایٹم بم ضرور بنائیں گے (اس دور میں اسلامی بم کی اصطلاح انہوں نے ہی رائج کرائی تھی) بھٹو ہزار سال تک لڑنے کی دھمکی دے کر شاید ایک ہزار دن بھی نہ جی سکے اور عبرت ناک انجام سے دو چار ہوئے۔ اب نواز شریف صاحب ایٹم بم کی دھمکی دے رہے ہیں اگر پاکستان کشمیر کے مسئلہ کو یونہی الجھاتا رہا تو اس کا انجام کیا ہوگا۔ پاکستان کا رائے شماری پر اصرار اب بے معنی ہو چکا ہے خود امریکہ بھی اس کے ناقابل عمل ہونے کو تسلیم کرتا ہے۔ ان چند دہائیوں میں حالات میں اس قدر تبدیلی پیدا ہو چکی ہے کہ اقوام متحدہ کی ثالثی' رائے شماری کے ذریعہ' یا عالمی سطح پر مداخلت سے اس کے حل کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔ دوسری طرف خود کشمیری بھی کچھ نئے انداز سے سوچنے لگے ہیں اب وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کے بجائے آزادی کا خواب دیکھتے ہیں ایک زمانے میں شیخ محمد عبداللہ بھی اسی انداز سے سوچنے لگے تھے وہ کشمیر کو ایشیا کا سوئزرلینڈ بنانا چاہتے تھے جو ہندو پاکستان کے درمیان ایک بفر سٹیٹ بنے۔ پاکستان دہشت گردی کے ذریعہ کشمیر کو حاصل نہیں کر سکتا رائے شماری بھی اس کے حق میں نہیں جائے گی اگر کشمیری ہندوستان کے ساتھ نہیں رہ سکتے تو پاکستان کے ساتھ بھی نہیں رہیں گے۔ خود مقبوضہ کشمیر میں پاکستان کے خلاف خاصی عوامی برہمی ہے اگر رائے شماری ہوئی تو وہ علاقہ بھی پاکستان کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ مسلمان ہونے اور پاکستان کو ہندوستانی مسلمانوں کا ٹھیکیدار یا متولی سمجھنے کا دور اب ختم ہو چکا ہے پاکستانی جاگیرداروں نے بنگالیوں' سندھیوں' مہاجروں کے ساتھ جو کچھ کیا اسے دنیا نے بھی دیکھا اور کشمیری بھی دیکھ چکے ہیں۔ پاکستان کو کشمیری عوام سے کوئی ہمدردی یا دلچسپی نہیں ہے یہ دراصل جوع الارض ہے جو اسے بیتاب کر رہی ہے۔ وہاں کے جاگیردار حکمراں سندھ اور دیگر علاقوں میں اپنی ہوس کے پاؤں پھیلا کر کشمیر کو اپنی جاگیر میں شامل کرنے کے لئے تڑپ رہے ہیں غالب نے کہا تھا۔

کیوں نہ فردوس کو دوزخ میں ملالیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

پاکستان اس فردوس ارضی کو اپنے جاگیرداری حصار میں لینا چاہتا ہے تاکہ وڈیروں کو مزید پاؤں پھیلانے کا موقع ملے۔ ہندوستان نے دفعہ ۳۷۰ کے تحت کشمیریوں کو تحفظ دے رکھا ہے کہ وہاں غیر کشمیری افراد جائداد' اراضی وغیرہ نہیں خرید سکتے۔ فسطائیوں کو سب سے زیادہ اسی پر اعتراض ہے وہ اس رکاوٹ کو دور کرنے پر تلے ہوئے ہیں دفعہ ۳۷۰ ختم کرنا ان کے الیکشن مینی فسٹو کا ایک اہم نکتہ ہے اس طرح وہ کشمیر میں کشمیریوں کا غلبہ توڑنا چاہتے ہیں تاکہ وادی میں آبادی کا تناسب تبدیل ہو جائے اور کشمیر یا وہاں رائے شماری وغیرہ کا کوئی مسئلہ ہی نہ رہے۔ پچھلے سال جب اسرائیلی وزیر خارجہ شمعون پیریز ہندوستان آئے تھے تو اخبارات میں یہ بات آئی تھی۔ اس یہودی سیاستداں نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ وہاں آبادی کا تناسب بدل دیا جائے جب کشمیر میں غیر کشمیریوں کی اکثریت ہو جائے گی تو تمام صورت حال یکسر بدل جائے گی۔ اگر پاکستان کو کشمیر پر غلبہ حاصل ہو گیا تو وہ بھی یہی یہودی اور فسطائی فارمولہ اپنائے گا وہاں کے بڑے بڑے جاگیردار وادی کو اپنی عیش گاہ بنالیں گے۔ پاکستانی پنجابی فوجی بڑی بڑی جاگیریں حاصل کرلیں گے اور جس طرح غریب سندھی پنجابی فوجیوں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہے غریب کشمیری مسلمان بھی اسی طرح روئیں گے۔

خیر یہ تو ایک مفروضہ ہے کشمیر کے پاکستان میں جانے یا آزاد ہونے کا بظاہر کوئی امکان نہیں ہے نہ پاکستان کا ایٹم بم کشمیر اسے دلا سکتا ہے نہ امریکہ پاکستان کی تمنا پوری کر سکتا ہے جنیوا میں کشمیر کے سوال پر چین اور ایران نے بھی پاکستان کا ساتھ نہیں دیا اور اسے شرمندگی کے ساتھ ہندوستان کے خلاف اپنی قرارداد واپس لینے پر مجبور ہونا پڑا ہر ملک اپنی مصلحت اور مفاد کو دیکھتا ہے وہ دور بھی ختم ہو چکا جب ہر اہم اعلامیہ میں کشمیر کا تذکرہ ہوتا تھا اب جو ملک بھی اس مسئلہ پر کچھ کہتا ہے وہ شملہ معاہدہ اور باہمی مفاہمت کی بات کرتا ہے اور یہی باہمی مفاہمت اس مسئلہ کی شدّت کو کم کر سکتی ہے۔ بدقسمتی سے دونوں ملکوں نے اس مسئلہ پر اس طرح جذبات برانگیختہ کردیئے ہیں کہ فریقین میں سے کوئی بھی اپنے

موقف سے ایک انچ بھی نہیں ہٹ سکتا۔ قومی پندار نے سب کو جکڑ رکھا ہے اب اگر اس مسئلہ پر گفت و شنید ہو بھی تو اس کی بنیاد کیا ہوگی۔ جرمنی یا ویت نام کی طرح ان ملکوں کے جغرافیائی اتحاد کا بھی کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لئے کشمیر کی کشمکش ابھی اور بھی طویل ہو سکتی ہے شاید موجودہ حکمراں نسل اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتی کیونکہ آن اور پندار کی دیواریں کھڑی ہیں نئی نسل جس انداز سے ابھر رہی ہے اس سے بھی امید کم ہے ہمارے یہاں نئی نسل آر ایس ایس کے زیر سایہ پروان چڑھی ہے جو سوائے نفرت کے اور کچھ نہیں جانتی اس کے نزدیک مسلمان ہونا ہی ناقابل معافی جرم ہے پاکستان میں بھی نئے خون کو یہی سکھایا گیا ہے کہ ہندوستان پاکستان کا ازلی دشمن ہے اس نے پاکستان کے علاقے کشمیر پر قبضہ کر رکھا ہے اور مسلمانوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے گویا دونوں طرف نفرت خون میں شامل کر دی گئی ہے ان حالات میں مستقبل میں بھی امن ودوستی کے امکانات تاریک ہیں دونوں ممالک کے درمیان ایک دوسرے کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے اور ایٹمی حملہ میں پہل نہ کرنے کا معاہدہ بھی زیر بحث ہے لیکن یہاں وہی منطقی بحث شروع ہو جاتی ہے ہندوستان کا کہنا ہے کہ جب ہمارے پاس ایٹم بم ہے ہی نہیں تو ایٹمی حملے میں پہل نہ کرنے کے معاہدہ کے کیا معنی! امریکہ ایک عرصہ سے کوشش میں ہے کہ ہندوستان ایٹمی ہتھیاروں کی عدم توسیع (این پی ٹی) کے معاہدے پر دستخط کر دے لیکن ہندوستان اس پر تیار نہیں ہے پاکستان بھی بضد ہے کہ جب تک ہندوستان اس معاہدے پر دستخط نہیں کرتا وہ بھی اپنے ایٹمی پروگرام پر نظر ثانی نہیں کرے گا نہ خود این پی ٹی معاہدہ پر دستخط کرے گا پاکستان کو ہندوستان کے اگنی مزائل سے بہت خطرہ ہے اس نے بھی چین سے ایم ۱۱ مزائل حاصل کئے ہیں امریکہ بھی مزائلوں کے پروگرام پر تشویش کا اظہار کر چکا ہے ہندوستان کی مشکل یہ ہے کہ اسے چین اور پاکستان دو غیر ہمدرد پڑوسیوں کا سامنا ہے چین ۱۹۶۲ء میں ہندوستان پر حملہ کر چکا ہے اگرچہ اب دونوں نے سرحدی تنازعہ پُرامن طور پر حل کرنے کا عہد کیا ہے لیکن چین ایٹمی طاقت ہے اور ہندوستان اس حقیقت سے صرف نظر نہیں کر سکتا کہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام بھی چین کی مدد سے جاری ہے۔ دو طاقتور اور عیار پڑوسیوں کے درمیان ایک کمزور ہندوستان سربلندی کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا اس لئے اسے اپنے دفاع کے بارے میں ہر پہلو سے سوچنا پڑتا ہے اگرچہ چین سے فوجی تصادم کا خطرہ نہیں ہے تاہم چین اور پاکستان کی گہری دوستی جس میں فوجی تعاون بھی شامل ہے ہندوستان کے لئے مستقل تشویش کی بات ہے۔ دوسری طرف پاکستان میں عملاً فوج حکمراں رہتی ہے وہاں عوامی اور جمہوری مزاج کو فروغ اور بلوغ حاصل نہیں کرنے دیا گیا فوج' افسر شاہی اور جاگیردار حکمراں کوئی غیر دانشمندانہ قدم اٹھا سکتے ہیں فوج اور بیوروکریسی میں طالع آزما عنصر بھی خاصا طاقت ور ہوتا ہے پاکستان اور خصوصاً اس کی فوج نے بنگلہ دیش میں ہندوستان کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی ذلت کو فراموش نہیں کیا ہے پنجاب اور کشمیر میں دہشت گردی کو ہوا دے کر آئی ایس آئی پچھلا حساب چکانا چاہتی ہے خواہ اس میں اسے اپنے پلے سے ہی کچھ اور کیوں نہ دینا پڑے کشمیری مسلمانوں کی پوری ایک نوجوان نسل پاکستان کی سفاک سیاست کے نتیجہ میں ختم ہو چکی ہے مگر پاکستان کی خونی پیاس ابھی بجھی نہیں ہے اسے کشمیر چاہئے خواہ وہ ایک وسیع و عریض قبرستان کی صورت میں ہی کیوں نہ ملے اب ایٹم بم کے ذریعہ وہ ہندوستان کو بلیک میل کرنا چاہتا ہے یعنی کشمیر کا مسئلہ اس کے حسب دلخواہ حل ہو جائے تو وہ ایٹمی پروگرام ترک کرنے کے بارے میں غور کر سکتا ہے لیکن پاکستان کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ اسرائیل نہیں ہے جس کے سفاک عزائم کی تکمیل کے لئے صلیبی مغرب کسی بھی انتہا تک جانے پر آمادہ ہو سکتا ہے نہ کشمیر یروشلم ہے کہ یہودی اس پر قبضہ کر لیں اور صلیبی اس قبضہ کی توثیق ساری دنیا سے کروالیں۔ پاکستانی حکمراں اور ان کے فوجی اتالیق اگر حقائق کا ادراک کر سکیں تو نہ صرف ان کے لئے بلکہ پورے برصغیر کے لئے وہ ایک مبارک دن ہوگا۔

حرف حق

آزادی وطن کے ساتھ مسلمانوں کو جو چند نئے تحفے ملے ہیں ان میں مزار پرستی کی سرکاری سرپرستی اور شرک وبدعات کو بنیادی عقیدے کے طور پر تسلیم کیا جانا بھی ہے۔ آزادی سے پہلے عرس اور مزارات کی تقریبات ہوتی تو تھیں لیکن تزک و احتشام کا یہ عالم نہیں تھا نہ صلیبی حکمرانوں کی سرپرستی انہیں حاصل ہوتی تھی۔ تقسیم کے بعد

جب ہندو توکا رنگ سرکار پر چھایا تو سیکولرزم کی لاج رکھنے کے لئے مزارات کو بھی مندروں کی طرح تقدیس کا مقام عطا ہوا۔ اگر صدر یا وزیر اعظم مندر گئے تو دوسرے موقع پر وہ کسی مزار پر بھی حاضری دیں گے جہاں ان کی دستار بندی کی جائے گی اور وہ جلوس کی شکل میں مزار پر چادر چڑھائیں گے، عجمی تصوف کے ان آستانوں پر اہل سیاست نے جبیں سائی شروع کی تو عامۃ المسلمین نے اسے بڑے فخر سے دیکھا کہ ہمارے راشٹرپتی اور پردھان منتری خواجہ غریب نواز اور سلطان جی کے دربار میں حاضری دے رہے ہیں اخبارات میں ان کی حاضریوں کی تشہیر ہوئی سینما اور ٹی وی پر ان کی تصویریں دکھائی گئیں اور مسلمان مسحور ہوگئے۔ ع

نادان سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

اور قبر پرستی کی مردہ رسموں میں نئی جان پڑگئی۔ پھر مسلمانوں نے دیکھا کہ جنم اشٹمی، بودھ پورنیما، گورونانک جینتی، کرسمس یعنی دیگر بانیان مذاہب کے یوم پیدائش کی سرکاری تعطیل ہوتی ہے جبکہ عید میلادالنبی کی سرکاری چھٹی نہیں ہوتی صرف محدود تعطیل کی جاتی ہے۔ چنانچہ باقاعدہ تحریک چلائی گئی کہ عید میلادالنبی کی چھٹی کو درج فہرست تعطیلات میں شامل کیا جائے دھرنے دئے گئے، میمورنڈم پیش ہوئے اور آخر کار راجیو گاندھی نے ۱۹۹۱ء کی الیکشن مہم کے دوران وعدہ کیا کہ آئندہ سال سے عید میلادالنبی کی گزیٹڈ چھٹی کی جائے گی بدقسمتی سے راجیو گاندھی اپنے اعلان کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی رخصت ہوگئے ان کے بجائے راجہ وی پی سنگھ نے لال قلعہ کی فصیل سے اعلان کیا کہ عید میلادالنبی کی تعطیل سرکاری تعطیلات میں شامل کرلی گئی ہے۔ اس طرح آزادی کے بعد مسلمانوں نے پہلی ہفت خواں طے کرلی جب عید میلادالنبی کی سرکاری چھٹی شروع ہوئی تو اب نیتاؤں نے سوچا کہ جب تک جلوس نئی شان سے نہ نکلے شور و ہنگامہ نہ ہو، چہل پہل، میلہ اور چراغاں نہ ہو تو دوسروں کو کیسے معلوم ہوگا کہ یہ مسلمانوں کا تیوہار ہے اس لئے ہر بڑے شہر میں جلوس عید میلادالنبی کا یہ سلسلہ شروع ہوا جلوس کے لئے کمیٹیاں بنیں، چندے ہوئے، بھانت بھانت قسم کے نیتا ان پروگراموں کی روح رواں بنے کچھ علماء (سوء) بھی حاصل کرلئے گئے کہ جلوس میں عبا وقبا کے جلوے کے بغیر "اسلامی رنگ" نہیں آتا اور اس طرح آزاد وسیکولر ہندوستان میں مسلمان ایک تیسری عید کا تیوہار منانے لگے بعض علماء نے اعتراض بھی کئے کہ یہ بدعت ہے لیکن جب سرکار، سیاست اور سرمایہ سب ایک طرف ہوں اور سیکولرزم کی نمائش کا بھی سوال ہو تو پھر علماء کی کون سنے اور کیوں سنے۔ دنیا کی چمک دمک اور شان وشوکت سرکاری سرپرستی میں ہے۔ دینی تنظیمیں بھی خاموش رہیں کہ مصلحت اور عافیت کا تقاضا یہی تھا اب کئی سال سے عید میلادالنبی کا جلوس ایک مذہبی روایت کے طور پر نکالا جاتا ہے۔ چونکہ ہندو، سکھ، جینی وغیرہ سب ہی جنم دن کے موقعوں پر مذہبی جلوس نکالتے ہیں اس لئے کوئی اعتراض بھی نہیں کرسکتا۔ مقامی سیاستدانوں کے لئے یہ عوامی مقبولیت کا بڑا سستا نسخہ بن گیا۔ اہل بصیرت کے لئے یہ ایک اور روح فرسا منظر تھا کہ سیاست نے بدعات کو یوں تقدیس اور سرپرستی عطا کی اور دنیاداروں نے اپنی سیاسی اغراض کے لئے دین کو پھر سیڑھی بنانا شروع کردیا لیکن جمہوریت کے اس دور میں قیادت عوام کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور سیاسی نیتا ہی نہیں بعض اوقات اہل ہوش وبصیرت کو بھی ان جمہوری قائدین (عوام) کے پیچھے چلنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

آزادی سے قبل جماعت اہلحدیث شرک وبدعات کے خلاف ہمہ وقت سرگرم عمل رہتی تھی جید علماء اور ان کے جلو میں سرگرم و سرفروش سلفی مسلمان شہر شہر اور بستی بستی جلسے، مناظرے، درس، تلقین اور تبلیغ کے ذریعہ مسلمانوں کو دین خالص کی تعلیمات سے آگاہ کرتے تھے اور بدعات سے دامن بچانے کی تاکید و تلقین کرتے تھے یہ ان علماء اور سرفروش رضاکاروں کے جہد واخلاص کا اثر تھا کہ جہاں جاتے تھے شرک وبدعات کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکتے تھے اور دنیا "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا" کا منظر دیکھتی تھی۔ آج برصغیر میں اہل توحید اور پیروان دین خالص کی جو کثیر آبادی ہے وہ انہی علماء حق کی سعی مشکور کا ہی نتیجہ ہے۔ تقسیم نے سب سے زیادہ صدمہ اسی انقلابی سلفی تحریک کو پہنچایا۔ سیاست نے شرک وبدعت کے ویران آستانے بھی سجادئے۔ عقائد میں نئی نئی گمراہیاں شامل کردیں اور سجادہ نشینی مسند اعزاز بن گئی جس کے آگے ارباب سیاست بھی سر جھکانے لگے لیکن جماعت اہل حدیث جس کی شناخت ہی شرک وبدعات کے

خلاف جہاد تھا دوبارہ نہ اٹھ سکی۔ اٹھی بھی تو اپنے ماضی کی تابناک روایتوں کی امین نہ بن سکی۔ سب نے سمجھ لیا کہ بگاڑ اور بیماری لاعلاج حد تک پہنچ چکی ہے لہٰذا اب مداوا اور تدارک کی کوشش لاحاصل ہے۔ یہ بے حوصلگی کچھ حالات کی دین ہے، کچھ سیاست کے دباؤ کا نتیجہ اور کچھ دین کے صحیح ذوق اور شعور سے دوری بھی اس کا سبب ہے۔ یعنی وہ محاذ جہاں کل تک کتاب وسنت کی تعلیمات کا پرچم لہراتا تھا اب ویران نظر آتا ہے۔

ایسے ماحول میں جب چاروں طرف اندھیرا ہو تو روشنی کی ایک ہلکی سی کرن بھی تاریکیوں کا جگر چیرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ میرٹھ میں عید میلاد النبی کا روایتی جلوس نکلتا ہے جو وہاں کے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کے نزدیک شاید دینی بیداری کا سب سے بڑا مظاہرہ ہے اس بار اس جلوس کے نکلنے میں رکاوٹ پیش آئی کیونکہ ایک مقامی ایم ایل اے نے اس پر اعتراض کیا اور مقامی حکام کو اس کی اجازت دینے سے منع کردیا۔ اس روایت شکنی پر کافی ہنگامہ ہوا لیکن ایم ایل اے صاحب نے اس مسئلہ پر کسی مصالحت سے انکار کردیا۔ اخبار ''قومی آواز'' کی مختلف اشاعتوں میں اس کی جو تفصیل آئی ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

(مورخہ ۲۹ر اگست ۹۴ء) میرٹھ میں جلوس عید میلاد النبی کا تنازعہ حل کرلیا گیا۔ حاجی اخلاق قریشی شرکت پر رضامند۔

میرٹھ ۲۸ر اگست (نامہ نگار) جشن عید میلاد النبی کے سلسلے میں مسلمانان میرٹھ کی ایک اہم میٹنگ لال کرتی میں بھیا رشید الدین خاں بہادر کی کوٹھی میں مسٹر اجمل نواز خاں کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں شہر اور چھاؤنی علاقہ کے سینکڑوں سرکردہ افراد کے علاوہ مقامی ممبر اسمبلی حاجی محمد اخلاق قریشی شروع سے آخر تک موجود رہے میٹنگ میں بہت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ جلوس کے تنازعے کے مختلف پہلوؤں پر غور وخوض کیا گیا اور ثابت ہوا کہ اس تنازعہ کی بنیاد صرف غلط فہمیاں ہیں لہٰذا لوگوں کی موجودگی میں غلط فہمیاں دور کرلی گئیں اور طے پایا کہ جن چیزوں پر اعتراض ہے جلوس میں اسی حساب سے ترمیم کرلی جائے یعنی جلوس میں خواتین کی شرکت پر پابندی لگادی گئی اور جلوس میں کسی قسم کی کوئی شبیہ نہیں نکالی جائے گی جلوس میں عوام اور اسکول کے بچے ہاتھوں میں اقوال نبی کے بینر، نعرۂ تکبیر اور کلمہ پڑھتے ہوئے چلیں گے۔

میٹنگ میں لوگوں نے زوردار طریقے پر یہ مطالبہ کیا کہ اس ترمیم شدہ جلوس کی قیادت حاجی محمد اخلاق قریشی کریں۔ عوام کے بے حد اصرار پر ممبر اسمبلی نے جلوس میں شرکت کے لئے اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب میرے مسلک کے خلاف ہے لیکن مصلحت اور عوامی رائے کے پیش نظر میں اس جلوس میں شرکت کروں گا۔

یکم ستمبر ۱۹۹۴ء کے قومی آواز میں۔ عید میلاد النبی کا جلوس۔ حاجی اخلاق کی وضاحت کے زیر عنوان خبر ہے۔

میرٹھ ۳۱ر اگست (نامہ نگار) سماجوادی پارٹی کے مقامی ممبر اسمبلی حاجی محمد اخلاق کا کہنا ہے کہ وہ عید میلاد النبی کے مجوزہ جلوس کے کسی بھی پروگرام میں شریک نہیں ہوں گے البتہ جلوس کے نکالنے میں مشروط طور پر ان کی رضامندی شامل ہے۔ انہوں نے کہا کہ جلوس کے لئے درج ذیل شرائط طے ہوئی ہیں۔

جلوس ضلع انتظامیہ کی اجازت سے نکالا جائے، جلوس میں کسی بھی طرح کی اشتعال انگیزی نہ ہو، کسی بھی طرح کا گانا ناچنا نہ ہو، کسی قسم کی جھانکی، یا شبیہ وغیرہ نہ ہو، اسکول کے بچوں کے علاوہ مستورات شریک نہ ہوں۔

۴ر ستمبر ۹۴ء کے اخبار میں جلوس نکالے جانے کی خبر دی گئی ہے۔ میرٹھ میں عید میلاد النبی کا جلوس نکالا گیا۔ شہر کی تاریخ کا سب سے بڑا جلوس۔

میرٹھ ۳ر ستمبر (نامہ نگار) عید میلاد النبی کا جلوس جو مقامی ایم ایل اے حاجی محمد اخلاق صاحب قریشی کی ہٹ دھرمی کے باعث تنازعہ کا شکار ہوگیا تھا اور ۱۲ وفات کو نہیں نکل سکا تھا آج روایتی جوش وخروش اور عقیدت سے نکالا گیا جلوس میں مسلمانوں کے ہر مکتب فکر اور مسالک سے متعلق علماء اور سرکردہ شہری تھے شرکاء جلوس راستے میں نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت بلند کرتے ہوئے نہایت منظم انداز سے چل رہے تھے

اہل شہر کا کہنا تھا کہ اس سے قبل میرٹھ میں کسی بھی جلوس میں اتنی کثیر تعداد میں عوام نے شرکت نہیں کی۔

شاید جدید ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلی مثال ہے کہ ایک سیاسی لیڈر نے اپنے موقف کا اس قدر واضح اور بے لچک بلکہ خبر کے مطابق ہٹ دھرمی کے انداز میں اعلان کیا ہے اور وہ بھی اپنے ہی ہم عقیدہ افراد کے سامنے۔ اگر دیکھا جائے تو ہماری سیاسی تاریخ میں ایسی تابناک مثالیں شاذ ہی ملیں گی۔ اب سے بہت پہلے آسام کے ایک وزیر معین الحق چودھری نے ایک تقریب میں گاندھی جی کے بُت پر پھول چڑھانے سے انکار کردیا تھا اس وقت ان کے خلاف کانگریسیوں نے ہی خاصا ہنگامہ برپا کیا تھا۔ معین الحق چودھری کی یہ جرأت ایمانی تھی اور ارباب بصیرت نے اسے سراہا۔ لیکن حاجی محمد اخلاق قریشی کا موقف اس سے کہیں زیادہ واضح ہے۔ بدعات کے خلاف اس طرح سینہ سپر ہونا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ بہت سے ناواقف اور دین سے بیگانہ مسلم سیاستداں یا تو ایسی باتوں کو دین کا جزو سمجھتے ہیں کیونکہ انہیں دین اور شریعت کا صحیح علم اور شعور ہی نہیں ہوتا یا پھر وہ اپنی سیاسی مصلحت اور عوامی مقبولیت کی خاطر ان بدعتوں کے خلاف لب کشائی نہیں کرتے دوسرے آج کل کی سیاست میں "صلح کُل" بھی ایک مسلک بن گیا ہے یہاں تک کہ خود مسلمانوں میں ایسے تعلیم یافتہ اور بظاہر باشعور افراد موجود ہیں جو مصلحت اور صلح کل کے نام پر کسی دوسرے فرقے یا مسلک کے غلط عقائد بلکہ شرک وبدعت کی علانیہ تبلیغ و تشہیر کے خلاف بولنا بھی "شرانگیزی" سمجھتے ہیں اسی مصلحت آمیز خاموشی اور صلح کُل کی پالیسی کے سبب آج عام مسلمانوں میں دین کا صحیح تصور کم وبیش پوری طرح دھندلا گیا ہے چونکہ تبلیغ وہدایت کے محاذ پر سیاسی مصالح نے قبضہ کرلیا ہے اس لئے دین خالص کی اشاعت اور تبلیغ صرف اپنے ہی حلقوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ ان مایوس کُن حالات میں حاجی محمد اخلاق قریشی نے سلطان جائر یعنی جاہل عوام کے سامنے (جو اس جمہوری دور کے بے شعور حاکم مانے جاتے ہیں) کلمۂ حق کہا' اپنی سیاسی مقبولیت کی پرواہ نہیں کی' ضمیر فروشی' ایمان فروشی' جذبات فروشی بلکہ ملت فروشی اور مسجد فروشی کی اس سیاسی منڈی میں ان کا کردار ایک جرأت مند مسلمان کا کردار ہے یہ ضرور ہے کہ اہل ظلمت ان کی شمع ایمان پر یلغار کریں گے' ان کا سیاسی مستقبل تاریک کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے انہیں وہابی اور دشمن اسلام ٹھہرائیں گے ان کی تحقیر و تضحیک سے بھی گریز نہیں کریں گے لیکن ایمان کی راہ میں یہ ساری مشکلات سدا سے آتی رہی ہیں مکہ اور طائف کے واقعات اور مدینہ میں اہل نفاق کا کردار اس کا گواہ ہے تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دہراتی ہے اہل ایمان نے نہ کبھی دنیاوی مفاد و مصلحت کی پرواہ کی نہ وہ تحقیر و تضحیک سے دل گرفتہ رہے اصل عزت بہرحال اہل ایمان کی ہی تقدیر رہی ہے (وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ) اصل اعزاز اور کامرانی وہ ہے جو آخرت میں نصیب ہو وہی لازوال کامرانی ہے (وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى)

اس میں شبہ نہیں کہ سماج وادی پارٹی کے ایم ایل اے حاجی محمد اخلاق قریشی نے جرأت کا بے مثال مظاہرہ کیا ہے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کی خاکستر میں ابھی ایسی چنگاریاں موجود ہیں جن کی حرارت خرمن باطل کی لئے برق کا کام کرسکتی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی چنگاریوں کو نمایاں کیا جائے تاکہ وہ شعلۂ جوّالہ بن سکیں۔ باطل کا خرمن خس وخاشاک کی طرح ہوتا ہے جب تک مومن کے دل ودماغ میں حرارت ایمانی کا شعلہ خاموش رہے یہ تنکے چمن منظر بنے رہتے ہیں جوں ہی مرد مومن کی نگاہ برق آسا اس کی طرف اٹھتی ہے یہ تنکے جل کر بے نشان ہوجاتے ہیں۔ ہندوستان میں تحریک سلفی نے یہی کارنامہ انجام دیا۔ نجد میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے ایسی ہی جرأت ایمانی سے شرک وبدعات کی بیخ کنی کی۔ حاجی محمد اخلاق قریشی صاحب کا یہ کارنامہ بھی عہد آفریں اور تاریخ ساز ہوسکتا ہے بشرطیکہ علمبرداران دین حق ان کی جرأت ایمانی کو اپنائیں۔ اور ہر مفاد و مصلحت سے بالاتر ہو کر دین خالص کی تعلیم وہدایات کو پیش نظر رکھیں اور ہر حال میں ان پر کاربند رہنے کا عزم صادق پیدا کریں۔

بقیہ : اسلامی خلافت وسیاست

یہی فرمایا ہے کہ میرے بعد خلفاء (حکّام) ہوں گے اور بہت ہوں گے اور میں تمہیں یہی حکم دیتا ہوں کہ ہر دفعہ پہلے اور پہلے شخص سے بیعت کرکے اس کی اطاعت کا حق ادا کرتے رہنا۔ رہا سوال رعایا کے ساتھ ان کے سلوک کا تو اس کا محاسبہ (تم نہیں) اللہ خود فرمالے گا۔ (جاری)

باسمہ سبحانہ تعالےٰ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بارہ ربیع الاول کو جو جلوس عید میلاد النبی کے نام سے نکالتے ہیں اور اسکو ثواب سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں میں دین کا شوق پیدا ہوگا غیر مسلموں میں اسلام کی عظمت وشوکت پیدا ہوگی اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟ (۱) جو مصلحتیں بیان کیجاتی ہیں انکی وجہ سے اس کے نکالنے کی گنجائش ہے یا نہیں ۔ (۲) اگر گنجائش نہیں تو کیوں ۔ (۳) میرٹھ میں جو جلوس کو بند کردیا گیا یہ اچھا کیا یا برا ۔ (۴) اس کو بند کرانے والے اجروثواب کے مستحق ہوں گے یا عذاب کے تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں ۔ (حاجی انجم صاحب اپورود میرٹھ)

الجواب حامداً ومصلیاً ۔ جلوس میلاد النبی کا ثبوت نہ قرآن وحدیث سے ہے نہ اجماع وقیاس سے نہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم یا نہ اجازت دی نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو کیا نہ تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ نے نہ قرون مشہود لہا بالخیر میں اسکا وجود تھا نہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالےٰ نے اس کو کیا نہ اجازت دی نہ اولیاء کرام خواجہ معین الدین چشتی شیخ عبد القادر جیلانی خواجہ بہاء الدین نقشبندی خواجہ حضرت نظام الدین دہلوی خواجہ علاؤ الدین صابر کلیری اور دیگر اولیاء کرام نے کسی نے نہیں کیا اس لئے اسکو ثواب کا اور دین کا کام سمجھ کر اس کا کرنا بدعت ہے اور بدعت کے بارے میں حضرت کا ارشاد ہے ۔ کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار نیز بہت سی خرافات ومنکرات اس میں ہوتے ہیں ۔ مثلاً (۱) ڈھول یا تاشے بجائے جاتے ہیں جو کہ ناجائز ہے ۔ (۲) پانچ اونٹ پر عربی لباس پہنا کر لوگوں کو بٹھایا جاتا ہے جن میں ایک کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ اور باقی چار کو خلفاء اربعہ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شبیہ قرار دیا جاتا ہے اسی وجہ سے جلوس میں شریک ہونے والے درود شریف پڑھتے ہوئے جاتے ہیں کسی عام انسان کو سید المرسلین حبیب رب العالمین کی شبیہ قرار دینا اور اسی طرح خلفاء اربعہ کی شبیہ قرار دینا یہ حضرت آقائے دو عالم سرور عالم کی اور خلفاء اربعہ کی سخت توہین ہے بلکہ استہزاء وکفر ہے جو قطعاً ناجائز وحرام ہے بلکہ اس سے ایمان کا سلامت رہنا بھی دشوار ہے ۔ (۳) بعض لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسمیں حضرت نبی شرکت فرماتے ہیں جو بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہے ۔ (۴) جلوس میں شرکت کرنے والوں کی ظہر کی نماز یا خصوصاً قضا ہو جاتی ہے اور نماز قضا کرنا یا جماعت کا ترک کر دینا ناجائز ہے جماعت کے ترک کرنے پر بہت حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے کہ بلا عذر جماعت ترک کرنیوالوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ان کے گھروں میں آگ لگا دوں لیکن گھروں میں عورتیں بچے بوڑھے ضعیف وکمزور ومعذور لوگ بھی ہوتے ہیں اس لئے ایسا نہیں کرتا ۔ جو اس جلوس کا ادنیٰ نتیجہ ہے چہ جائیکہ نماز قضا یا ترک کر دینا کہ نماز ترک کرنیوالوں کے بارے میں سخت وعید آئی ہے من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر جسنے قصداً نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا یعنی کفر کا کام کیا ۔ (۵) جوان لڑکیاں بھی اسمیں شرکت کرتی ہیں جو قطعاً ناجائز وحرام اور موجب لعنت ہے ان جوان لڑکیوں کیساتھ نوجوان لڑکے چھیڑ خوانی اور حیاسوز حرکتیں کرتے ہیں جو ناجائز وحرام ہونے کیساتھ انتہاء درجہ بے غیرتی اور بے حیائی کی بات ہے ۔ (۶) یہ جلوس ہندوؤں کی رام لیلا کے جلوس بارات کے مشابہ ہے ۔ اور قرآن وحدیث کے برخلاف ہندوؤں کے مشابہت میں اس کو اختیار کرنا ناجائز اور موجب افسوس ہے حدیث شریف میں ہے من تشبہ بقوم فہو منہم (الحدیث) جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے ۔ اس کے علاوہ دیگر شہروں میں ان جلوسوں میں اور بہت سی خرافات ہوتی ہیں جنکی وجہ سے یہ جلوس بہر حال منکرات وخرافات میں ہے اب نمبروار ہر سوال کا جواب بھی عرض ہے (۱) جو مصلحتیں بیان کیجاتی ہیں انکی وجہ سے بھی اس کی گنجائش نہیں کسی ناجائز وحرام چیز کو کسی مصلحت کی بناء پر اختیار کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی جبکہ یہ مصلحتیں بھی محض وہم وخیال ہے خرافات ومنکرات سے دین کا کیا شوق پیدا ہو سکتا ہے اور دین کا شوق پیدا کرنیکیلئے دوسرے جائز طریقے موجود ہیں ان کو اختیار کیا جائے ۔ غیر مسلموں میں اسلام کی عظمت وشوکت پیدا کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ خود ہمارے اندر اسلام کی عظمت وشوکت ہو جب عظمت ہمارے دلوں میں ہوگی تو اسلام کے ایک ایک فرد کو اختیار کرینگے پوری زندگی اسلام کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوگی اور زندگی کا ہر شعبہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں سے مزین ہوگا ۔ اخلاق نبوی سے آراستہ ہونگے ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کرینگے اس سے اسلام کی عظمت وشوکت غیر مسلموں کے دلوں میں پیدا ہوگی ۔ (۲) گنجائش نہیں ۔ وجہ اوپر بیان کردی گئی ۔ (۳) یقیناً بہت اچھا کیا (۴) یقیناً اجروثواب کے مستحق ہونگے ۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان ۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۴۳۶) تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اپنے ہاتھ سے اس کو بدل دے اس کی اصلاح کردے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے (اسکو روکنے کی کوشش کرے) اسکی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے اس کو برا جانے جیسا کہ تقاضا ہے کہ اسمیں شرکت نہ کرے) اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے ایک حدیث شریف میں ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور اچھی باتوں کا حکم کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہو ۔ ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب مسلط کر دیگا پھر تم دعائیں بھی مانگو گے تو تمہاری دعائیں بھی قبول نہ ہونگی ۔ (مشکوٰۃ ۴۳۶) ایک حدیث شریف میں حضرت نبی کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو خاص لوگوں کے عمل کیوجہ سے عذاب نہیں دیتا یہاں تک کہ وہ اپنے سامنے منکر (برا کام) ہوتے ہوئے دیکھیں اور وہ اس کو روکنے پر قادر ہوں

بقیہ : مولانا عبدالنور ندوی رحمہ اللہ

اسلام کی سب سے صحیح اور سچی تعبیر سلفی منہج فکر ہی ہے' اور یہ ہماری ذمہ داری بلکہ انسانیت کا ہم پر حق ہے کہ ہم دنیا کے سامنے دین حق یعنی اسلام کی صحیح اور سچی تعبیر کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ پیش کریں۔ آج دنیا میں چاروں طرف وسائل اعلام انسانی حقوق (Human Rights) کا واویلا کر رہے ہیں' لیکن انسانیت کے سب سے بنیادی حق یعنی "گم کردہ راہ انسانیت کو راہ حق دکھانے" کا تذکرہ کہیں نہیں ہے۔ ڈوبتے انسان کو بچانا' جلتے ہوئے انسان کو آگ کے شعلوں سے نکالنا' زخمیوں اور مریضوں کا علاج کرنا' بھوکوں کو کھانا کھلانا' پیاسوں کو پانی پلانا' مظلوموں کی مدد کرنا اور ان کو ظلم سے نجات دلانے کی کوشش کرنا وغیرہ وغیرہ بے شک انسانی حقوق کے اہم اجزاء ہیں۔ لیکن ان سب سے اہم ان کروڑوں انسانوں کو بچانا ہے جو اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے آنکھ بند کرکے جہنم کی ابدی آگ کی طرف دوڑ رہے ہیں' لاکھوں انسان جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرتے ہوئے اپنی نادانی اور لاعلمی کی وجہ سے توحید کے منافی عقائد و افکار میں مبتلا ہیں' عشق رسول کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی مخالفت رسول پر تلے ہوئے ہیں' ایسے سب لوگوں کے سامنے "دین حق" کی "تعبیر حق" کو محبت اور نرمی کے ساتھ پیش کرنا ہمارا فریضہ ہے۔ اور یہ تمام بنی نوع انسان کا ہم پر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے میں ایک بات کی اور وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مضمون سے کسی خاص شخصیت کو ہدف تنقید یا ہدف ملامت بنانا مقصود نہیں ہے۔ جن اداروں یا تنظیموں کا اس میں ذکر آگیا ہے ان کے قائدین اور ذمہ داران سب ہمارے بزرگ اور ہمارے لئے قابل احترام ہیں۔ میرا مقصد صرف ان ناگفتہ بہ حالات کا تجزیہ کرنا ہے جن سے ہم اس وقت دوچار ہیں چاہے ان کے ذمہ دار جو بھی ہوں۔

اور دوسری ضروری بات یہ ہے کہ اس میں میں نے جو کچھ بھی لکھا ہے سب اپنی معلومات کی حد تک لکھا ہے اور میں تنہا اس کا ذمہ دار ہوں۔ دنیا کے کسی دوسرے انسان کو اس کے ایک حرف کا بھی علم نہیں ہے۔ اور شاید اس کی اشاعت سے پہلے ہوگا بھی نہیں۔ اس لئے اگر کسی کو کوئی شکایت ہو تو صرف مجھ سے ہونا چاہئے "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ"۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم

مولانا عبدالنور ندوی رحمہ اللہ
اردو و عربی صحافت کی نظر میں
(۲)

اردو رسائل و اخبارات میں جس نے اس موضوع پر سب سے زیادہ توجہ دی وہ "ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی" سے شائع ہونے والا رسالہ ماہنامہ "التوعیہ" ہے جو مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے، مولانا رحمانی صاحب ایک اہلحدیث خاندان کے چشم و چراغ ہیں ان کے والد ماجد عبدالجبار رحمہ اللہ سے بھی مجھے شرف ملاقات حاصل ہے اور ایک سے زائد بار انھیں اپنے والد ماجد رحمہ اللہ کے ساتھ گاؤں پر دیکھا ہے دینداری، حق گوئی اور بیباکی میں اپنی مثال آپ تھے مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی ایک جید عالم، صاحب فکر اور صاحب قلم مخلص ہیں اور سلفی منہج فکر کے ایک پُرجوش داعی ہیں، دنیا کے مختلف علاقوں کے بھی انھوں نے متعدد دورے کئے ہیں اور قریب قریب دنیا کے سبھی ممتاز سلفی علماء اور اہل قلم سے ان کے تعلقات بھی ہیں، برادر محترم مولانا عبدالنور صاحب ندوی رحمہ اللہ کے بچپن کے ساتھیوں میں سے ہیں بعد میں دونوں الگ الگ اداروں سے فارغ التحصیل ہوئے اور الگ الگ میدانوں میں کام کیا لیکن ان کے تعلقات کسی حد تک آخر دم تک برقرار رہے اور اسی تعلق سے وہ مجھ سے بھی اپنے چھوٹے بھائی ہی کا برتاؤ کرتے ہیں بھائی عبدالنور صاحب کی وفات کا ان کے ذہن و فکر پر گہرا اثر پڑا اور انھوں نے اپنے افکار و خیالات اور اپنے تأثرات کا اظہار ماہنامہ "التوعیہ" کے مئی ۱۹۹۳ء کے شمارہ میں ایک طویل مضمون میں کیا جس کا عنوان تھا۔

"عبدالنور ازہری! میرا ایک ہم سبق ساتھی اور بے تکلف دوست"

اس کے علاوہ "التوعیہ" ہی میں بھائی عبدالنور صاحب رحمہ اللہ کے بعض دوستوں اور شاگردوں کے مضامین بھی شائع ہوئے چنانچہ اپریل ۹۳ء کے شمارہ میں برادرم محمد عزیر شمسی کا ایک مضمون شائع ہوا[1] مئی ۹۳ء کے شمارہ میں عزیزم ذکی نور عظیم ندوی کا ایک مضمون "والد محترم کچھ یادیں کچھ باتیں" کے عنوان سے شائع ہوا، ستمبر ۹۳ء کے شمارہ میں ڈاکٹر صلاح الدین ندوی ازہری کا ایک مضمون بعنوان "عربی ادب کے ایک فاضل استاذ اور معلم" اور جنوری فروری ۹۴ء کے مشترکہ شمارہ میں ڈاکٹر عاشق حسین ازہری کا مضمون "مولانا عبدالنور ندوی" شائع ہوا مؤخرالذکر دونوں حضرات کا قیام قاہرہ میں بھائی عبدالنور صاحب کے ساتھ رہا ہے ان میں سے اکثر مضامین مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی کی فرمائش پر لکھے گئے جس پر وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی کے اپنے مضمون کی تو ابھی تک پہلی ہی قسط شائع ہو سکی ہے اس لئے اگلی قسطوں کا لوگوں کو انتظار ہی ہے لیکن مولانا نے "التوعیہ" میں شائع ہونے والے دوسرے متعدد مضامین پر بھی کچھ ادارتی نوٹ یا حاشیے لکھے ہیں جن سے ان کے مزید خیالات و افکار پر روشنی پڑتی ہے۔

مولانا رحمانی صاحب جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں ایک دیندار اہلحدیث گھرانہ کے چشم و چراغ ہیں اور بذات خود بھی سلفی منہج فکر کے پُرجوش داعی و مبلغ ہیں اور وہ تمام اہلحدیث علماء خاص کر

---

[1] خود ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب کا بھی ایک جامع مضمون میرے مشفق بھائی اور محبی مولانا عبدالنور ندوی رحمہ اللہ مئی ۹۳ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ (ادارہ)

نوجوانوں کو اسی طرح متحرک، متحمس اور فعّال دیکھنا چاہتے ہیں' اور ان کا یہ جذبہ انتہائی قابل قدر بھی ہے لیکن بسااوقات انسان کی تمام تمنائیں پوری نہیں ہوتیں اس لئے کہ اس کائنات میں قدرت نے مختلف لوگوں کو مختلف صلاحیتیں دی ہیں اور لوگوں کی سوجھ بوجھ' کردار و گفتار اور حرکت و عمل کا انداز بھی مختلف ہوتا ہے جس کا ہر ایک کی زندگی پر اثر پڑتا ہے۔

آزادیٔ فکر اور حرّیتِ رائے ہمیشہ سلفی منہج فکر کا طرۂ امتیاز رہا ہے یہاں کتاب اللہ اور صحیح و ثابت سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکمل ازعان اور استسلام ہوتا ہے اور اس کے مخالف کسی کی رائے' اجتہاد' فتوے اور قول و فعل کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی' تمام ائمہ وعلماء کا مکمل احترام ہوتا ہے' ان کے علم و فہم سے بھرپور استفادہ کیا جاتا ہے' لیکن ان کی کسی رائے واجتہاد یا استحسان کو تقدّس یا معصومیت کا درجہ نہیں حاصل ہوتا ہے' ان کے اختلافات کو ان کے انفرادی دائرہ میں دیکھا جاتا ہے اور ان کی بنیاد پر امّت میں مذاہب و فِرَق کی تقسیم کو غلط سمجھا جاتا ہے اختلافی مسائل میں کتاب و سنّت کی روشنی میں سب کے دلائل کا تجزیہ کرتے ہوئے جو قول أقرب إلی الدلیل ہو اس کو راجح سمجھ کر اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

یہاں کسی قسم کی عصبیت اور فرقہ بندی نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی اُمّت کو کسی محدود تقلیدی دائرہ میں محصور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے' اختلافی مسائل میں دلائل و براہین کی روشنی میں سب کے اقوال کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور جو قول راجح اور أقرب إلی الدلیل ہوتا ہے اس کو اپنایا جاتا ہے امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے مخصوص انداز میں اسی فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

لیس أحد بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلاویوخذ من قولہ ویترك إلاالنبی صلی اللہ علیہ وسلم

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی ہوں ان کے بعض اقوال کو قبول کیا جاتا ہے اور بعض کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اختلافی مسائل میں بعض ائمہ وعلماء کے بعض مرجوح اقوال کو ترک کردینے سے ان کی شان میں کوئی گستاخی نہیں لازم آتی اور اگر اس کو گستاخی سمجھا جائے تو دنیا کا کوئی انسان اس سے بری نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اس روئے زمین پر کوئی انسان یہ دعویٰ نہیں کرسکتا ہے کہ وہ تمام ائمہ کے اقوال پر عمل کرسکتا ہے اس لئے کہ یہ اقوال بسااوقات متناقض ہوتے ہیں اور کبھی کبھی بتقاضائے بشریت ایک ہی امام کے متعدد اقوال ایک دوسرے سے متناقض ہوتے ہیں۔

بہرحال جب دینی مسائل میں کسی کا ہر قول واجب التسلیم نہیں ہوتا ہے تو دیگر امور میں کسی کے نقطۂ نظر' رائے اور قول کو بدرجۂ اولیٰ بحث و نظر کی کسوٹی پر پرکھا جاسکتا ہے اور سلفی الفکر علماء وطلبہ کے یہاں اس طرح کی تنقید و مناقشہ کو خوشی سے قبول کیا جاتا ہے' مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی کے بھی بعض آراء کی اگر مخالفت کی جائے تو انہیں مسرّت ہوگی بلکہ انہوں نے اپنی ایک ملاقات میں خود مجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ اپنے خیالات کا اظہار کروں۔

مولانا کے اپنے مضمون میں اور دوسروں کے مضامین پر ان کی بعض تعلیقات میں کچھ ایسے فقرے بھی آگئے ہیں جن سے ان لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے جنھیں بھائی عبدالنور رحمہ اللہ کو قریب سے دیکھنے یا ان کے افکار و خیالات اور ان کے طرز زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا ہے۔

کچھ لوگوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے کہ بھائی عبدالنور رحمہ اللہ ندوہ کے ماحول اور ندوی فکر میں اس طرح شیر و شکر ہوگئے تھے کہ ان کے اندر باوجود ایک سلفی خاندان کے چشم و چراغ ہونے کے سلفی غیرت و حمیّت مفقود ہوگئی تھی ورنہ وہ ندوہ کے ماحول میں اپنی زندگی نہیں گذار پاتے میرے نزدیک ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے میں بچپن میں اور بڑے ہونے کے بعد بھی کافی دنوں تک ان کے ساتھ رہا ہوں اپنے افکار اور عقیدہ و عمل میں وہ ہمیشہ سلفی فکر کے پابند رہے محض اس لئے نہیں کہ وہ سلفی خاندان میں پیدا ہوئے تھے بلکہ اس لئے بھی کہ وہ سلفیت کو اسلام کی سب سے سچی اور صحیح تعبیر سمجھتے تھے لکھنؤ میں

ہونے والی اہلحدیث کانفرنس میں انہوں نے اس کا واضح اعلان کیا تھا جس کا علم جلسہ کے حاضرین کے علاوہ اس وقت کے اخبارات پڑھنے والوں کو بھی ہے ندوہ میں دوران تعلیم ان کا سلفی علماء سے تعلق بھی تھا جہاں تک مجھے یاد ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ سے ان کے بعض علمی مراسلات بھی رہے ہیں اس زمانہ میں حضرت مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ لکھنؤ تشریف لائے ہوئے تھے اور چوک میں کسی مسجد میں قیام تھا' اس وقت میں بھی بھائی صاحب کی معیت میں ان سے ملنے گیا تھا اور کافی دیر تک ہم ان کی مجلس میں بیٹھے تھے اور مختلف امور پر گفتگو بھی ہوئی تھی۔

ندوہ کے دوران تعلیم ان کا سب سے زیادہ تعلق مولانا محمد ادریس نگرامی سے تھا جو حنفی ہونے کے باوجود شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم کے بڑے مدّاح تھے اور ہمیشہ طلبہ کو ان کی کتابیں پڑھنے کی نصیحت کیا کرتے تھے انہوں نے ڈاکٹر ہزاع غامدی کی کتاب محمد بن عبد الوہاب کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے مجھے اس کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن اس موضوع پر کوئی کتاب بھی سلفی منہج فکر کے تذکرہ سے خالی نہیں ہوگی۔

میں نے اپنے پہلے مضمون میں بھی اس کا تذکرہ کیا تھا کہ وہ مولانا شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ کی کتاب مرعاۃ المفاتیح کے حاصل کرنے کے لئے کتنے کوشاں تھے۔

خود مولانا رحمانی صاحب نے اپنے مضمون میں اس کا تذکرہ کیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کے بعض فقرات نوٹ کردوں مولانا فرماتے ہیں۔

"اپنے آخری دور میں جماعت اہلحدیث کی تنظیم کے سلسلہ میں انہوں نے جو اجتماع لکھنؤ میں جمعیۃ اہلحدیث مشرقی یوپی کی زیر نگرانی کرایا اس میں وہ خود بھی قائدانہ حیثیت سے شریک ہوئے اور ندوہ سے تقریباً تین سو طلبہ نے بھی ان کی معیت میں شرکت کی تقریروں کے علاوہ جو پروگرام جماعت کی تنظیم اور اس کی ترقی کے لئے انہوں نے بنائے یادر ہوا ہو کے رہ گئے ورنہ یہ اجلاس ایک سنگ میل ثابت ہو سکتا تھا"۔

(ماہنامہ "التوعیہ" مئی ۹۴ء ص ۲۱)

لکھنؤ میں جماعت اہلحدیث کے جمود کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا اپنے بارے میں لکھتے ہیں۔

"ایک مرتبہ صوفی نذیر احمد کشمیری رحمہ اللہ کو لے کر گیا اور نمائندہ اجتماع منعقد کیا لیکن جمود کسی طرح نہیں ٹوٹا عبد النور صاحب نے بھی دو سال قبل ایک اہم اجتماع بارہ دری میں منعقد کرایا جس میں مرکزی جمعیۃ اور مشرقی یوپی کی جمعیۃ کے ذمہ داران بھی شریک ہوئے' سنا ہے کہ عبد النور صاحب نے انتہائی مؤثر تقریر کی' ذمہ داران جمعیۃ نے دفتر وغیرہ کے لئے کچھ وعدے بھی کئے لیکن پھر وہی جمود مسلسل"۔

(التوعیہ ص ۲۲)

"لکھنؤ جمعیۃ اہلحدیث کے اجلاس کے کچھ دنوں بعد دہلی میں ان کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بڑی دردمندی کے ساتھ لکھنؤ میں تحریک کے احیاء کے لئے جدوجہد کرنے کی ضرورت کا اظہار کیا اور خواہ مخواہ کے لئے مجھ سے توقعات قائم کیں اور ان کا اظہار بھی کیا"۔

"وہ جلسوں کے آدمی نہیں تھے پھر بھی انہوں نے آخری دور[1] میں جماعت اہلحدیث کے بعض مدارس کے اجتماعات میں شرکت اور ان کے پروگراموں کو کامیاب بنانے کی جدوجہد کی"۔

اس کے علاوہ بھی مولانا رحمانی صاحب کے مضامین میں متعدد فقرے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ برادرم محترم عبد النور رحمہ اللہ کے دل میں مسلک سلف کی کتنی محبت تھی اور ان کی نشر و اشاعت کے لئے وہ کس طرح بے چین تھے میں ان سب فقرات کو یہاں نقل نہیں

---

[1] ـ مولانا رحمانی صاحب نے اپنے مضمون میں متعدد بار "آخری دور" یا اس کے ہم معنی الفاظ کا استعمال کیا ہے لیکن قارئین یہ بات پیش نظر رکھیں کہ ان کا یہ آخری دور ان کی عمر کے چالیس سے پچاس سال کا ہے یہ عمر انسان کی عملی کاوشوں کا اولین دور ہوتا ہے لیکن اللہ کو یہی منظور تھا کہ یہ ان کی زندگی کا آخری دور رہو ان کی وفات تقریباً باون سال کی عمر میں ہوئی جس میں آخری ایک ڈیڑھ سال تک وہ مرض کی گرفت میں رہے

کرسکتا ان کو خود مولانا کے مضمون میں دیکھا جاسکتا ہے لیکن ان کی غیرت وحمیت عملی تھی وہ زبانی جمع وخرچ یا لفاظی کے قائل نہیں تھے وہ کردار کے غازی تھے محض گفتار کے نہیں، اگرچہ ان کی یہ روش اس جماعت کے بہت سے لوگوں کے مزاج سے مختلف ہے جو کہ خود مولانا رحمانی کو برداشت نہ کرسکی یہاں تک کہ انہیں اپنی جد وجہد کے لئے ایک مستقل جولان گاہ بنانی پڑی اور اس میں وہ بفضلہ تعالیٰ کافی کامیاب ہیں ظاہر ہے کہ عبدالنور ندوی جمعیۃ اہلحدیث کے کسی عہدہ پر فائز نہیں تھے اور نہ ہی کسی خالص اہلحدیث مدرسہ کے ناظم یا مدرس تھے وہ ایک غیراہلحدیث ادارہ میں مدرس تھے، مدرس کو خواہ وہ کہیں بھی ہو اپنی ملازمت کا سختی سے پابند ہونا پڑتا ہے اور اس کی نقل وحرکت پر ہمیشہ عملی قدغن لگی رہتی ہے اس کے باوجود وہ خود مولانا کے بیان کے مطابق اہلحدیث مدارس کے جلسوں میں بھی شریک رہے، جمعیۃ اہلحدیث کے اجتماع لکھنؤ میں تین سو طلبہ کی قیادت کرتے ہوئے کانفرنس میں شرکت کی اس کو کامیاب بنایا اور سلفی منہج فکر کی وضاحت میں زبردست تقریر کی جس کو اخبارات وغیرہ نے بھی نقل کیا انہوں نے مولانا رحمانی صاحب اور ذمہ داران ندوہ کے درمیان ملاقات کا اہتمام کیا کہ سلفیت کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ ہوسکے انہوں نے ندوہ کی مجلس میں اہلحدیث ممبران کو داخل کرنے کے لئے جد وجہد کی انہوں نے تحریک ادب اسلامی میں جامعہ سلفیہ کے اساتذہ کو ممبر بنانے کی جد وجہد کی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب سلفی غیرت وحمیت کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے اتنا کچھ تو تب سے وہ لوگ بھی نہیں کرتے ہیں جو جماعت کے بڑے بڑے عہدوں کو سنبھال کر اپنے عملی جمود کی پردہ پوشی کے لئے اپنے کو زبانی طور پر جماعت کے غم میں ڈوبا ہوا ثابت کرنے کے لئے ملک وبیرون ملک میں قحط الرجال کی شکایت کرتے پھرتے ہیں۔ مگر جب بھی کوئی موقع آتا ہے تو اپنی معمولی ذاتی مصلحت کو جماعت کی ہزاروں مصلحتوں پر فوقیت دیتے ہیں عبدالنور ندوی کی کونسی شخصی یا خاندانی مصلحت جماعت اہلحدیث سے مربوط تھی ان کی یہ ساری تڑپ اور ان کی جد وجہد مسلکی غیرت وحمیت کی ہی علامت نہیں تو اور کیا ہے۔

یہاں ایک بات اور ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ بھائی عبدالنور رحمہ اللہ کا ذوق بچپن سے ادبی تھا ادبی اور خاص طور سے تنقیدی ادب کی کتابیں ہی زیادہ ان کے مطالعہ کی جولانگاہ رہتی تھیں میں نے جب گاؤں کے مدرسہ سے درجۂ ششم پاس کیا اس کے بعد مدرسہ میں تعلیم کی دو شاخیں قائم کی گئیں عربی لائن میں جانے والوں کے لئے عربی کا ابتدائی درجہ "جماعت اولیٰ" کے نام سے قائم کیا گیا اور سرکاری مدرسوں میں جانے والوں کے لئے درجۂ ہفتم قائم کیا گیا جس میں اردو کے شعر ونثر قواعد وغیرہ کا زیادہ اہتمام کیا گیا تھا اس وقت بھائی صاحب کی خواہش یہی تھی کہ میں درجۂ ہفتم میں داخلہ لوں لیکن والد صاحب نے میرے لئے جماعت اولیٰ کو پسند کیا۔

اس کے دو سال بعد جب میں ندوہ میں آیا اس وقت بھی بھائی صاحب کو ادب ونقد کا گرویدہ پایا وہ نہ صرف یہ کہ ادبی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے بلکہ بہت سی ادبی کتابیں خریدنے کا بھی انہیں شوق تھا اس وقت ایک طالب علم کی بساط ہی کیا تھی پھر بھی ان کے پاس چند روپے اکٹھا ہوجاتے تو کوئی نہ کوئی ادبی کتاب خرید لیتے، میر تقی میر، مرزا غالب، انیس ودبیر وغیرہ کے نام مجھے پہلے پہل انہیں کی خریدی ہوئی کتابوں کو دیکھ کر معلوم ہوئے تھے۔

ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد بھی انہوں نے تدریسی زندگی میں ادب عربی ہی کی کتابیں پڑھائیں اور جامعہ ازہر میں انہوں نے ادب عربی میں بلکہ ایک خالص ادبی تنقیدی موضوع پر تخصص (ایم اے) کیا آدمی جس فن کا ماہر ہوتا ہے اس کے ذہن وفکر اور اس کی زبان وقلم پر اسی موضوع کا زیادہ تذکرہ ہوتا ہے عقائد، فقہ یا علم کلام میں ان کا تخصص نہیں تھا اس کا قدرتی نتیجہ یہی ہوا کہ ان موضوعات پر وہ زیادہ توجہ نہ دے سکے۔

تدریس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ایک طویل عرصہ تک صحافت کے میدان میں بھی کام کیا اس میدان میں ملک وبیرون ملک میں اُمّتِ مسلمہ کو پیش آنے والے مسائل ان کا مرکز توجہ رہے اور انہوں نے ہر اہم موضوع پر قلم اٹھایا اور نہایت جرأت وشجاعت کے ساتھ

اُمتِ مسلمہ کے مسائل کا تجزیہ کیا اور اپنی مفید رائے پیش کی اُمت کو پیش آمدہ مسائل اور خاص طور سے ہندوستان کے اندرونی مسائل جن کی کوئی انتہا نہیں نظر آتی ہے روز مرّہ کے فسادات اور قتل وخون وغارت گری کے ساتھ تعلیمی واقتصادی میدانوں میں سرکاری ملازمتوں اور دیگر معاملات میں اُمت کو جو خطرات درپیش تھے اور ہیں وہ سلفی اور غیر سلفی فکر میں کوئی تفریق نہیں کرتے اور اُمت کے غم کو اپنا غم بنانے والا صحافی اور ادیب جو بھی لکھے گا یا جب بھی گفتگو کرے گا وہ عام گفتگو ہی کرے گا ماضی قریب میں مولانا آزاد یا محمد عثمان فار قلیط وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں ان لوگوں کے اندر یقیناً سلفی غیرت وحمیت کی کمی نہ تھی لیکن انہوں نے اُمت کے مشترکہ مسائل کو بہت بلندی سے دیکھا اور جہاں تک ہوسکا اُمت کی خدمت کی اور یہ بذات خود سلفی فکر کی بھی ایک بہت بڑی خدمت ہے اور اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تحریک سلفیت عقیدہ یا مسلک میں اپنا امتیاز رکھتے ہوئے مشترکہ مسائل میں دیگر مذاہب فکر کے لوگوں کے ساتھ تعاون یا اتحاد میں پیش پیش ہے۔

باقی رہا یہ سوچنا کہ دار العلوم ندوۃ العلماء میں پڑھنا پڑھانا یا وہاں کے ماحول سے نباہ کرنا یہ سلفی غیرت وحمیت کے خلاف ہے یہ بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ندوۃ العلماء کی تحریک کے روز اول سے سلفی علماء اس تحریک میں اور اس کے دار العلوم کی بنیاد وغیرہ میں دامے درمے سخنے شریک رہے ہیں ندوۃ العلماء کے قیام کے کچھ عرصہ کے بعد جب اصلاح ندوہ کانفرنس منعقد کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس کی صدارت کا سہرا ایک اہلحدیث عالم حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ ہی کے سر بندھا اس کے بعد بھی آج تک سلفی علماء، عوام اور مخیر حضرات ندوۃ العلماء کی آبیاری میں شریک ہیں ہر دور میں اہلحدیث طلباء کی ایک بڑی تعداد ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم رہی ہے، ایسے حالات میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں اہلحدیث طلبہ واساتذہ کا ہونا ایک تاریخی، اخلاقی اور شرعی حق ہے جس سے دست بردار ہونا سلفی منہج فکر اور خود تحریک ندوۃ العلماء کے لئے بہت بڑا خسارہ ہوگا اس لئے کہ اس کی تحریک ہی فقہی روشن خیالی پیدا کرنے کے لئے اور فقہی ومسلکی عصبیت وجمود کو کم کرنے کے لئے اور قدیم وجدید علوم سے یکساں استفادہ کرنے کے لئے قائم ہوئی تھی اور یہ روشن خیالی اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب اس کے طلباء اور اساتذہ میں مختلف مکاتب فکر کے لوگ موجود رہیں گے اگر سلفی الفکر حضرات اس سے دور ہوجائیں یا وہاں کے ذمہ داران ان کو دور کرنا چاہیں تو پھر ندوہ اور دیگر فکری جمود وعصبیت کے شکار اداروں میں کوئی وجہ تمیز نہ رہ جائے گی۔

خود مولانا رحمانی صاحب نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ لکھنؤ کی اہلحدیث کانفرنس میں مولانا عبد النور ندوی رحمہ اللہ نے تین سو طلباء کے ساتھ شرکت کی اور کانفرنس میں پُرجوش تقریر بھی کی جہاں تک میرا علم ہے یہ لکھنؤ کی تاریخ میں ایک نادر واقعہ ہے ان طلبہ کی اکثریت یقیناً سلفی ہی رہی ہوگی سلفی طلباء کی اتنی بڑی تعداد جو بہت سے اہلحدیث دار العلوموں کی کُل تعداد سے بھی زیادہ ہے کی تربیت، ہمت افزائی او[ر] ان کے مسائل حل کرنے کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء میں اہلحدیث اساتذہ کی معتدبہ تعداد ہونا اشد ضروری ہے اور یہ تحریک سلفیت او[ر] تحریک ندوۃ العلماء دونوں کی عظیم خدمت ہے اور عبد النور ندوی [کی] وفات اس ناحیہ سے بھی ایک بہت بڑا خسارہ ہے جس کی شاید جلد تلافی ہوسکے گی۔

تاریخ کے ہر دور میں سلفی الفکر علماء وزعماء نے مختلف سیا[سی] اجتماعی دینی تحریکوں اور پلیٹ فارموں سے کام کیا ہے تحریک آزادی ہ[ند] تو داغ بیل ہی انہیں نے ڈالی ہے۔

کانگریس، جمعیۃ العلماء، مسلم لیگ، مسلم مجلس مشاو[رت] مسلم پرسنل لا بورڈ اور دیگر سیاسی وقومی تحریکوں میں بھی ان کا بڑا حصہ ہے اور آج بھی مختلف سیاسی وسماجی تنظیموں میں ان کی مساعی نظر [آئیں] گی اور حیرت تو یہ کہ کمیونسٹ پارٹی جیسی ملحد اور دین دشمن تنظیم [میں] کچھ لوگ اپنے کو اہلحدیث کہنے والے نظر آجائیں گے بلکہ لائنز اور روٹری کلب جیسی یہودی تنظیموں کے ممبر بھی ملیں گے، اور ا[س] کے باوجود بہت سے لوگ نہ صرف اہلحدیث بلکہ مختلف اہلحدیث

وتعلیمی اداروں کے ذمہ دار بھی بنے ہیں اور خود کو مرکزی جمعیۃ اہلحدیث یا اس کے فروغ کے بہت سے عہدوں پر فائز نظر آتے ہیں مگر ان کی سلفیت پر کبھی کوئی آنچ نہیں آئی۔ حالانکہ ان میں بہت سے ایسے بھی ہوں گے جو سلفی منہج فکر کی الف باء سے بھی ناواقف ہوں گے، آخر عبدالنور ندوی کا ہی کیا قصور تھا کہ انہوں نے اپنے مسلک وعقیدہ کے ساتھ ساتھ ندوۃ العلماء میں تدریس کا کام کیا اور وہاں پر موجود سیکڑوں اہلحدیث طلباء کے مرکز و مرجع رہے تو اسے سلفی غیرت وحمیت کے منافی تصور کیا گیا۔

"التوعیہ" کے دسمبر ۹۳ء کے شمارے میں ڈاکٹر صلاح الدین ندوی ازہری کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے "عربی ادب کے ایک فاضل استاذ اور معلم نور عظیم ندوی"۔ موصوف نے مرحوم کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ "قاہرہ میں مولانا مرحوم کا تعلق سب سے زیادہ ڈاکٹر حبیب اللہ صاحب ندوی سے تھا الخ"۔ اس پر مولانا رحمانی حفظہ اللہ نے ایک طویل حاشیہ قلم بند کیا ہے جس کے آخر میں لکھا ہے: "حبیب اللہ خاں سلفیت اور اہلحد۔یثیت کے لفظ سے بھی شرماتے چلے آئے ہیں اور ندویت اور اب ازہریت ہی ان کا مسلک ومشرب ہے۔ عبدالنور رحمہ اللہ بھی اپنی مظلومیت کے آخری دور اور بیماری کے ایام کو چھوڑ کر مکمل طور پر حبیب اللہ صاحب کے ہم ذوق تھے۔ تعلقات کی گہرائی اور مضبوطی کی بنیادی وجہ غالباً یہی رہی ہوگی"۔

میری نظر میں موصوف کا یہ تجزیہ بھی مبالغہ سے خالی نہیں ہے، بلکہ اس کو اگر دوسرے پس منظر میں دیکھا جائے تو اس کے بالکل برعکس نتیجہ نکلتا ہے، اس لئے کہ اس وقت مصر میں ندوہ کے فارغ التحصیل یا دوسری تحریکوں وتنظیموں سے متعلق بہت سے طلبہ بھی تھے جو سب کے سب بھائی عبدالنور کا احترام کرتے تھے، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ان کے تعلقات سب سے زیادہ ڈاکٹر حبیب اللہ عمری ہی سے رہے جو کہ ایک باغیرت اہل حدیث خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔ کیا یہ ان دونوں کی سلفیت میں ہم آہنگی کی دلیل نہیں ہے۔ خود مولانا رحمانی صاحب نے ڈاکٹر حبیب اللہ عمری کے بارے میں لکھا ہے کہ "جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں یہ میرے ہم سبق تھے اور بے تکلف دوست بھی"۔ یقیناً اس دوستی کی بنیاد بھی یہی رہی ہوگی۔

بہرحال یہاں مسئلہ صرف ایک "عبدالنور ندوی" کا نہیں ہے، انہوں نے اپنی بساط بھر ملک وملت کی جو خدمت ہو سکتی تھی کی۔ اور ہزاروں لاکھوں دلوں میں اپنا ایک مقام پیدا کیا۔ وہ جہاں بھی رہے ان کی صلاحیتیں واضح اور ممتاز رہیں۔ انہوں نے جس پلیٹ فارم سے بھی کام کیا ہو آج نہیں تو کل مستقبل کا مؤرخ ان کی خدمات کو سلفیت کے پلڑے ہی میں رکھے گا۔ ابوالکلام آزاد، عبدالعزیز میمنی، محمد بن یوسف سورتی، غلام رسول مہر، محمد عثمان فار قلیط اور اس طرح کی دوسری بہت سی شخصیتوں نے دوسرے اسٹیجوں سے کام کیا، لیکن آج تحریک سلفیت کا مؤرخ ان کے کارناموں کو بصد فخر واعتزاز ذکر کرتا ہے۔ عبدالنور ندوی کو اللہ تعالیٰ نے چھوٹی عمر دی، ان کے دل میں کیا کیا ارمان تھے کیا اُمنگیں تھیں یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اگر اور عمر رہتی تو شاید کچھ اور کرتے، لیکن اب وہ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں، ان کے لئے اب دعائے مغفرت ورحمت ہی کی ضرورت ہے۔

لیکن قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ اب بھی میں دسیوں باصلاحیت اور ہونہار سلفی نوجوانوں کو ضائع ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جنہوں نے ملک وبیرون ملک میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی، مدینہ ومکہ یا اور دوسری یونیورسٹیوں میں انہوں نے علمی صلاحیتوں اور اپنے تجربات ومعلومات میں قابل قدر اضافہ کیا، دنیا کے مختلف ملکوں کے چوٹی کے اساتذہ سے استفادہ کیا، دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے طلبہ کے ساتھ گھل مل کر رہے، ان سے تبادلۂ خیال کیا، ہر جگہ کے حالات ومشکلات وضروریات کا کسی قدر ان کو اندازہ ہوا، ان کے ذہن وفکر میں وُسعت پیدا ہوئی، ان کے اندر وسیع عالمی پیمانے پر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ ان یونیورسٹیوں سے فارغ ہونے والے سب طلبہ یکساں صلاحیت کے نہیں ہیں لیکن ان میں سے بہت سے ایسے ضرور ہیں جو جماعت اور مسلک کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہیں، اور اگر ان کو صحیح کام کا موقع دیا جائے تو وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں، لیکن جب وہ حصول

تعلیم کے بعد ملک واپس جاتے ہیں تو جمود و تعطل کی ایک ایسی دیوار کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ ان کی تمام تر اُمنگوں اور ارمانوں کے خواب دھڑام سے زمین پر آجاتے ہیں۔ اول تو جماعت اور جمعیۃ کے بیشتر اداروں میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی' اس لئے کہ ان اداروں کے پاس کام کا کوئی مکمل خاکہ یا پلان ہی نہیں ہے تو پھر کام کرنے والوں کی کیا ضرورت؟ اور کسی نے از راہ شفقت کچھ نظر عنایت کی تو نام نہاد "سمع وطاعت" کی درانتی میں ان کو ایسا پیس دیا جاتا ہے کہ ان کی صلاحیتیں کون کہے ان کی شخصیت بھی چُور چُور ہو جاتی ہے۔ اور ان کے سامنے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں: یا تو خاموشی کے ساتھ ان اداروں کے ذمہ داران کی پرانی ڈگر پر ان کے ہم رکاب رہیں اور کسی تجدید و اصلاح کا وہم بھی دل میں نہ آنے دیں' یا پھر ان اداروں کو خیرباد کہہ کر کہیں اپنے مستقبل کی خود تعمیر کے لئے یا علی الأقل اپنی "بقاء" کے لئے جد وجہد کریں۔

ظاہر ہے کہ جو نوجوان عمر عزیز کے تیس پینتیس سال تعلیم دین کے حصول میں صرف کرتا ہے اس کے بس کی بات نہیں ہے کہ کسی بڑھئی یا لوہار کی دوکان کھول کر روزی روٹی کا سامان کرے' اس لئے کہ وہ اس میدان سے بالکل ناواقف ہوتا ہے' اس لئے مجبوراً خود اپنے سابقین کے نقش قدم پر کسی ایک ادارہ کی بنیاد رکھتا ہے' اور پھر ساری زندگی اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس ادارے کی بقا کی خاطر چند سکّے حاصل کرنے میں صرف کر دیتا ہے۔

گاؤں گاؤں' قریہ قریہ' قصبہ قصبہ' محلّہ محلّہ "دار العلوم" اور "جامعات" کھل رہے ہیں اور پھر ان کے لئے ہر چہار طرف چندوں کی مہم چل رہی ہے' دسیوں باصلاحیت اور ہونہار نوجوان سیکڑوں خائن اور نا اہل لوگوں کی صف میں مجبوراً کھڑے ہو کر اپنی صلاحیتوں کو چندے کی بھینٹ کرتے ہیں' اور "سلفی غیرت وحمیت" کی وہ مٹی پلید ہوتی ہے کہ الأمان والحفیظ۔

ہمارے زعماء وقائدین جو شب وروز "قحط الرجال" کا رونا روتے رہتے ہیں ان کی اس طرف کوئی توجہ نہیں' یا تو انہیں اس کا علم ہی نہیں' یا علم ہے لیکن وہ اپنے کو اس سے غیر متعلق سمجھتے ہیں یا پھر ان کی ذاتی مشغولیات انہیں اس کا موقع ہی نہیں دیتی ہیں کہ وہ کچھ جماعتی' مسلکی وملی مسائل پر بھی سوچیں' اور یا تو پھر ان پر سلفی غیرت وحمیت کا وجد اس قدر طاری ہو گیا ہے اور وہ اس مرحلہ پر پہنچ گئے ہیں جہاں پر فکری اور عملی قویٰ معطّل ہو جاتے ہیں' اور انسان بزعم خویش یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب وہ عملی فرائض وواجبات کے مرحلے سے بہت بلند ہو گیا' اور تمام اعمال اس سے ساقط ہو چکے ہیں۔ لوگوں کے درمیان اپنی بلندی وبرتری کے اظہار کے لئے "ملفوظات" یا "خطبات" کے کچھ زبانی راگ الاپ لینا کافی ہوتا ہے۔

تقریباً تیس برس قبل جماعت نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک مرکزی دار العلوم قائم کیا جائے جو دوسرے دار العلوموں سے زیادہ نہ ہو تو ان سے کم بھی نہ ہو' جماعت کے تمام معاہد ومدارس اس کے ساتھ ایک لڑی میں منسلک ہو جائیں' جو پورے ہندوستان میں علم وتحقیق' تصنیف وتالیف اور سلفی منہج فکر کی ترویج واشاعت کا مرکز ہو۔ سلفی تحریک کی روشنی میں حاضر کی اچھائیوں اور مستقبل کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر قدیم وجدید علوم کی روشنی میں ایک مکمل اور جامع نصاب تعلیم تیار کیا جائے جو جماعت کے بہترین اساتذہ ومدرسین' اچھے دُعاۃ ومرشدین' ائمہ وخطباء' اچھے ادیب' صحافی' دانشور مقالہ نگار' مقرر اور محقّق غرض ہر میدان میں دینی وفکری قیادت کے لئے افراد تیار کرنے کا ایک ٹکسال ہو۔ قدرت کا کرشمہ! جن بزرگوں نے یہ فکر پیش کی تھی اور اس کی بنیاد ڈالی تھی وہ اس کے افتتاح سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

"مرکزی دار العلوم" قائم تو ہوا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد لوگوں کو یہ احساس پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ جماعت کا خواب پورے طور پر شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اور مرکزی دار العلوم اپنی مرکزیت ثابت نہ کر سکا۔ ہمارے بزرگ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری حفظہ اللہ کی ذاتی دلچسپی اور کوششوں سے مرکزی دار العلوم نے تصنیف وتالیف کے میدان میں کسی حد تک اور نشر واشاعت کے میدان میں قابل ذکر حد تک ترقی کی ہے۔ لگ بھگ پچیس سال سے "صوت الأمّۃ" کی تحریر وادارت اور متعدد علمی سمیناروں اور کانفرنسوں کے انعقاد کا سہرا بھی انہیں کے سر جاتا ہے۔

مرکزی دارالعلوم کے اساتذہ کی محنت اور ان کے اخلاص کا نتیجہ تھا کہ دارالعلوم کے طلبہ نے دوسرے اداروں کے مقابلے میں اچھا اور بلند معیار پیش کیا' اور باہر کی یونیورسٹیوں میں اکثر وبیشتر وہ دوسروں سے بہت آگے رہے۔ اور ان کی ذہنی و علمی و تحقیقی و تصنیفی صلاحیتوں کو عام طور پر سراہا گیا۔

لیکن خود مرکزی دارالعلوم کی مرکزیت کا دائرہ دن بہ دن تنگ ہوتا جارہا ہے' بہت سے لوگ جو روز اول سے اس کی تاسیس میں شریک تھے انہوں نے الگ الگ اداروں کی بنیاد ڈال دی یا بنیاد ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔ اور اب تو بہتوں کو "مرکزی دارالعلوم" پر برتری کا دعویٰ ہے' اور دوسری طرف یہ حال ہے کہ اسی مرکزی دارالعلوم کے بعض متعلقین سے اگر اس کے مرکزی کردار کو بحال کرنے یا اس سمت مثبت اقدام کرنے کی بات کی جائے تو وہ حیرت واستعجاب سے سنتے ہیں یا پھر اس کو بار خاطر محسوس کرتے ہیں اور زبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس ادارے میں دوسروں کو دخل دینے کی کیا ضرورت ہے؟

مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند جو کسی وقت ہندوستان کی سب سے فعّال اور متحرک جماعت تھی' مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کے لئے دینی و تبلیغی کوششوں کے ساتھ ساتھ ملک کے کسی کونے میں اسلام کے خلاف کوئی آواز اٹھتی تھی تو اس کے مقابلے میں جو غیرت مند سب سے پہلے نظر آتے تھے وہ اسی جماعت کے زعماء وعلماء ہوتے تھے' انگریزوں کا ایجاد کردہ قادیانی فتنہ ہو یا انگریزوں کے زیر سایہ عیسائی پادریوں اور مشنریوں کی اشتعال انگیزیاں' آریہ سماج کی شدھی سنگھٹن کی تحریک ہو یا چکڑالوی جماعت کا فتنۂ انکار حدیث' مسلمانوں کی اپنی بے عملیاں ہوں یا شرک وبدعت کی گرم بازاریاں' ہر فتنہ اور ہر انحراف کے مقابلے میں سب سے پہلے جو جماعت نظر آتی تھی وہ جماعت اہل حدیث ہی تھی۔ مگر اب اس جماعت کا یہ حال ہے کہ اپنے دفتر کے لئے دو کمرے بھی اس کی ملکیت میں نہیں۔ ماضی قریب میں جن لوگوں نے اس کی قیادت وپاسبانی کا بیڑا اٹھایا ان میں سے اکثر "نیمے دروں نیمے بروں" ہی رہے۔ جماعت کے اندر وہ صرف ایک قدم سے داخل ہوئے جب کہ دوسرا قدم اور سارا جسم ان کا جماعت سے باہر ہی رہا' وہ کسی نہ

کسی ادارہ یا اپنے ذاتی مشاغل میں ایسا مصروف رہے کہ جماعت کو اپنی دلچسپی' توجہ اور محنت کا کوئی قابل ذکر حصہ نہ دے سکے۔ یا پھر ایسے لوگ رہے جنہوں نے جماعت کے اندر اپنی چند روزہ زندگی کو مستقبل کے لئے کسی پناہ گاہ کی ایجاد ہی میں صرف کرنا مناسب سمجھا' ایسی صورت میں کسی سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ مسلک و منہج کی بھی کوئی قابل ذکر خدمت کرسکے گا۔ جب کوئی جماعت یا قوم عملی تعطّل کا شکار ہوتی ہے تو اس کے اندر بحث ومباحثہ' ایک دوسرے کی شکایت' ایک دوسرے پر الزام اور پھر جوابی الزام' چھوٹی چھوٹی باتوں پر شکایت' رائی کو پہاڑ بنا کر پیش کرنا یہ سب امراض بہت عام ہوجاتے ہیں' اور افراد کے اندر بچی کچھی تھوڑی سی عملی طاقت کسی مثبت اور تعمیری کام کے بجائے انہیں شکایتوں اور جوابی شکایتوں کی نذر ہوجاتی ہے۔ ہمارے امام اعظم اور پیشوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پہلے اپنی اُمّت کو اس سے متنبہ کردیا تھا' جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

"ما ضلّ قوم بعد هدى كانوا عليه إلا أوتوا الجدل" ثم تلا رسول الله صلى الله عليه وسلم هذه الآية: مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلاَّ جَدَلاً بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ" (ترمذی حدیث ۳۲۸۳' ابن ماجہ حدیث ۴۸ وغیرہ' واسنادہ حسن)

ایسے حالات میں کسی بھی تعمیری اور مثبت انداز فکر میں سوچنے والے اور عملی ذہنیت والے انسان سے یہ توقع نہیں کرنی چاہئے کہ وہ ان گورکھ دھندوں میں پڑکر اللہ کی عطا کردہ اپنی صلاحیتوں کو بلاوجہ کے بحث ومباحثہ میں ضائع کرے گا۔

ہمارے زعماء' قائدین اور ارباب حلّ وعقد کو اپنے نوجوانوں کی شکایت کرنے کے بجائے ان امراض کا بہت جلد علاج کرنا چاہئے۔ یہ عذر بھی کافی نہیں ہے کہ ہندوستان کی دوسری مسلم تنظیمیں یا ادارے بھی کم وبیش ان امراض کے شکار ہیں' اس لئے کہ اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کا علاج ہم کو خود کرنا ہے۔ اور اس کی ذمہ داری صرف ہم پر آتی ہے۔

یہاں پر میں یہ واضح کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم جب سلفی منہج فکر کی نشرواشاعت کی بات کرتے ہیں تو اس کے پیچھے کوئی خاندان یا مذہبی عصبیت کارفرما نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمارا ایمان یہ ہے کہ

محمد صبیح الدین انصاری

اسلامی خلافت وسیاست

(۲)

س: آپ نے مسلمان حاکم وقت کے خلاف خروج کو صرف اس حالت میں جائز قرار دیا ہے کہ اس سے کفربواح سرزد ہوا ہو۔ براہ کرم یہ بتائیں کہ کیا یہ الفاظ کسی صحیح حدیث میں وارد کلمات کا حصہ ہیں؟

ج: جی ہاں یہ الفاظ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ حدیث کا متعلقہ حصہ اس طرح ہے:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

دعانا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فبایعنا فکان فیما أخذ علینا أن بایعنا علی السمع والطاعة في منشطنا ومکرهنا وعسرنا ویسرنا وأثرة علینا وأن لا ننازع الأمر أهله قال إلا أن تروا کفراً بواحاً عندکم من اللّٰہ فیه برهان (صحیح مسلم کتاب الإمارة)

خلاصہ اس حدیث کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ہم نے آپ سے من جملہ دیگر باتوں کے اس بات پر بیعت کی کہ حالات چاہیں ہمارے لئے خوش گوار ہوں یا ناخوش گوار، ہمارے اوپر چاہے کشادگی ہو یا تنگی اور ظلم، ہر حال میں ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ نیز ہم نے یہ بھی عہد کیا کہ ہم حکومت والے سے حکومت کے لئے تنازعہ (جھگڑا) نہیں کریں گے الا یہ کہ اس سے (صاحب الأمر سے) کوئی ایسا ظاہری (علی الاعلان) کفر سرزد ہو جس کے کفر ہونے کے حق میں تمہارے پاس اللہ تعالی کی طرف سے کھلی ہوئی دلیل ہو (قرآن کریم میں واضح فرمان موجود ہو)۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام نووی لکھتے ہیں کہ "کفربواح" سے مراد "کفر ظاہر" ہے۔ وہ آگے فرماتے ہیں:

ومعنی عندکم من اللّٰہ فیه برهان أی تعلمون من دین اللّٰہ تعالی ومعنی الحدیث لاتنازعوا ولاة الأمور في ولایتهم ولاتعترضوا علیهم إلا أن تروا منهم منکراً محققاً تعلمونه من قواعد الإسلام ... وأما الخروج علیهم وقتالهم فحرام بإجماع المسلمین وإن کانوا فسقةً ظالمین ... وأجمع أهل السنّة أنه لاینعزل السلطان بالفسق .... وسبب عدم انعزاله وتحریم الخروج علیه ما یترتب علی ذلك من الفتن وإراقة الدماء وفساد ذات البین فتکون المفسدة في عزله أکثر منها في بقائه..... ولایجوز الخروج علیه بذلك، بل یجب وعظه وتخویفه للأحادیث الواردة في ذلك (مسلم نووي ج۱۲ ص۲۲۹)

یعنی "یہ جو کہا گیا ہے کہ خروج کے لئے تمہارے پاس اللہ تعالی کی طرف سے برہان ہو" یعنی تم دین اللہ میں وارد احکام کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہونچے ہو (کہ یہ شخص صریحاً کافر ہو گیا ہے) اور حدیث میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ حکام سے حکومت کے معاملہ میں منازعت نہ کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے راستہ میں رکاوٹ نہ ڈالو الا یہ کہ تم ایسی بات دیکھو جو اسلام کی بنیادی تعلیمات کی روشنی میں منکر ہو اور محقق

... جہاں تک سوال ہے ان کے خلاف خروج کا اور ان سے جنگ نے کا تو اس بات پر اجماع مسلمین ہے کہ یہ حرام ہے خواہ وہ حکام ظالم سق ہی کیوں نہ ہوں...... اور اہل سنّت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ناہ فسق وفجور کے ارتکاب سے معزول نہیں ہوتا...... اور اس کے زول نہ ہونے اور اس کے خلاف خروج کے حرام ہونے کا سبب یہ ہے ۔اس سے بڑے فتنے کھڑے ہوتے ہیں، خون بہتا ہے اور آپسی نفرتیں ھتی ہیں' اور اس کے برقرار رہنے سے زیادہ اس کی معزولی سے ابیاں پیدا ہوتی ہیں اور ایسی باتوں سے اس کے خلاف خروج جائز ں ہوتا بلکہ جو احادیث اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں ان کی روشنی میں نا یہ چاہیے کہ اسے نصیحت کی جائے اور اللہ کا خوف دلایا جائے"۔

: بعض اسلامی ممالک میں کچھ "دینی" جماعتوں کے سربراہ (جو کو "امیر" وغیرہ کی اصطلاحوں سے یاد کرتے ہیں) اپنے ارکان جماعت ے باضابطہ سمع وطاعت کی بیعت لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث یفہ میں جو "جماعۃ المسلمین" وغیرہ کی اصطلاحیں وارد ہوئی ہیں ان ے مراد ہماری جماعت ہے اور کتاب وسنّت میں جو امام' ائمۃ المسلمین' ر' امراء' اولو الأمر اور وُلاۃ الأمور وغیرہ کی اصطلاحات مذکور ہیں ان کا مداق ہم ہیں۔ لہٰذا ہماری اطاعت واجب ہے اور اس سے خروج گناہ یم ہے۔ اس سلسلہ میں صحیح صورت حال کیا ہے؟

اس طرح کے دعووں میں دو بڑے مغالطے چھپے ہوئے ہیں جن کا کیا جانا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ کہ شریعت میں جن لوگوں کو امیر' اِء' امام' ائمہ' اولو الأمر اور وُلاۃ الأمور وغیرہ کہا گیا ہے وہ دینی یا سیاسی عتوں کے سربراہ نہیں بلکہ وہ امراء اور ائمہ وغیرہ ہیں جنھیں اپنے ملک علاقہ میں بالفعل زور' حکومت اور اقتدار حاصل ہے۔ شیخ الاسلام ن تیمیہ (منہاج السنہ ج۱۔ ص۱۴۹) کا حوالہ ابھی کچھ دیر پہلے میں پیش چکا ہوں۔ اس میں وہ فرماتے ہیں :

"أن الإمام الذى يطاع هو من كان له سلطان"

یعنی ان احادیث شریفہ میں جس "امام" کی اطاعت کا حکم دیا گیا اس سے مراد ہے ایسا شخص جسے حاکمانہ اقتدار حاصل ہو۔

پھر اسی کتاب (منہاج السنہ) کے صفحہ ۱۵۰ پر علامہ موصوف حدیث نبوی کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:

من ولى عليه وال فرأى يأتي شيئا من معصية الله فلينكر ما يأتي من معصية الله ولا ينزعن يداً من طاعته

(جس پر کوئی حاکم مقرر کیا گیا اور اس نے اس حاکم میں اللہ کی نافرمانی کی کوئی بات دیکھی تو اسے چاہئے کہ اللہ کی جو نافرمانی سرزد ہوئی ہے اسے وہ ناپسند کرے مگر اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے)

اس حدیث نے مزید وضاحت کر دی کہ جو امیر واجب الإطاعۃ ہے وہ کسی مزعومہ سیاسی یا دینی جماعت کا سربراہ نہیں' حکومت کا سربراہ ہے اس کی بیعت سے انحراف گناہ ہے اور اس کی بیعت وہ بیعت ہے کہ جو اس سے باہر رہ کر مرا' جاہلیت کی موت مرا۔

سوال کے دوسرے جزء کا تعلق تصور بیعت سے ہے۔ یہاں بھی میرے عزیز! جو بیعت مراد ہے وہ ہے حاکم وقت سے وفاداری کی بیعت۔ ایسی بیعت جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد امت نے ابوبکر اور دیگر خلفاء سے کی تھی۔ اس سے خانقاہی مسلک کی پیروں اور مُریدوں والی بیعت مراد نہیں جس کے لئے کوئی سند نہ کتاب وسنّت میں ملتی ہے نہ اسوۂ سلف میں۔ ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں' ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کی خلافت کے زمانہ میں صحابہ نے اپنے اپنے الگ حلقہ ہائے ارادت بنائے ہوں اور لوگوں سے سمع وطاعت کی بیعت لی ہو۔

دور صحابہ میں بیعت سے مراد اصلاً بیعت اہل حل وعقد ہوتی تھی یعنی وہ بیعت جو انصار ومہاجرین کی صاحب الرائے اور سربرآوردہ شخصیات خلیفۂ وقت سے کرتی تھیں ان کی تعداد بہت محدود ہوتی تھی اور خلافت کے انعقاد کے لئے اسی محدود پیمانہ کی بیعت کو کافی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد بالعموم ایک بیعت عامہ بھی ہوتی تھی۔ اس میں بھی زیادہ سے زیادہ چند ہزار افراد رسم بیعت ادا کرتے تھے' اور بس۔

آج کے حالات مختلف ہیں۔ آبادیاں زیادہ ہیں۔ وسائل حمل ونقل اور ذرائع رسل ورسائل میں بہت زیادہ ترقی اور اضافہ ہو چکا ہے اس لئے عام طور پر بڑے اور ملک گیر پیمانہ پر انتخابات کا انعقاد کیا جانا

ایک معمول کا طریقہ بن گیا ہے۔ اس میں چننے والے اپنے نمائندوں یا سربراہان حکومت کا انتخاب خفیہ رائے دہی کے ذریعہ کرتے ہیں۔ اس رائے دہی کے نتیجہ میں جس شخص کے حق میں سب سے زیادہ لوگ رائے دے دیتے ہیں، وہی ایک مقررہ مدت کے لئے صدر یا وزیر اعظم مقرر ہوجاتا ہے، آج کل اس طرح کے الکشن میں ڈالا جانے والا بیلٹ پیپر (ووٹ کی پرچی) ماضی میں کی جانے والی انفرادی بیعت کا بدل اور قائم مقام ہے اس لئے اگر ایک شخص اس طرح عوام کی کثرت رائے سے منتخب ہوجاتا ہے تو یہی متصور کیا جانا چاہئے کہ وہ شخص لوگوں کی بیعت کے نتیجہ میں خلافت یا امامت کے منصب پر فائز ہوا ہے اور احادیث وغیرہ میں جو سمع وطاعت وغیرہ کی واضح ہدایات ہیں، یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اسی کے سلسلہ میں ہیں اور جس ہستی کی بیعت کے فسخ کرنے پر غضبِ الٰہی وغیرہ کی وعیدیں ہیں ان کا مصداق وہی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک سوال جو بڑا اہم ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو کسی اسلامی مملکت میں ملک گیر پیمانہ پر لوگوں سے اپنی امامت، صدارت یا امارت کی بیعت لیتے ہیں، خود ان کی گردنوں میں کس امیر یا امام کی بیعت ہے؟ اگر وہ کہیں کہ کسی کی نہیں تو میرا اور آپ کا فرض ہے کہ ان سے پوچھیں کہ کیوں؟ آپ کس قرآنی آیت یا حدیث نبوی کی روشنی میں ہر طرح کی بیعت سے مستثنیٰ ہیں؟ اگر وہ کہیں کہ ہم نے تو خود ایک متوازی نظام بیعت بنا رکھا ہے اور ہم خود اقامت دین، احیاء اسلام اور انقلاب اسلامی وغیرہ کے بلند مقاصد کے لئے لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں تو گویا وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ انھوں نے بالفعل ایک اسلامی ملک میں مملکت در مملکت (State With in State) قائم کر رکھی ہے، جو شرعاً ناجائز ہے۔

س: مملکت در مملکت کے عدم جواز کے سلسلہ میں کوئی واضح شرعی دلیل ہو تو پیش فرمائیں:

ج: اس سلسلہ میں تین حدیثیں آپ کی نذر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱- من جاءکم وأمرکم علیٰ رجل واحد یرید أن یفرق جماعتکم فاضربوا عنقه بالسیف کائنًا من کان (صحیح مسلم)

یعنی: کوئی فرد تمہارے پاس آئے اس حال میں کہ ایک شخص تمہارے معاملات کا پہلے ہی والی بن چکا ہو اور وہ آنے والا فرد تمہاری جمعیت (اتحاد) میں انتشار پیدا کرنا چاہے تو تلوار سے اس کی گردن اڑادو، خواہ وہ کوئی ہو۔

۲- إذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخر منهما (مسلم نووی ج۱۲ ص: ۲۴۲)

(اگر دو خلیفوں کے لئے بیعت کرلی جائے تو جس کے لئے بعد میں بیعت کی گئی ہے اسے قتل کردو)

۳- عن نافع قال لما خلع أهل المدینة یزید بن معاویة جمع ابن عمر حشمه وولده فقال إني سمعت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: "ینصب لکلّ غادر لواء یوم القیامة" وإنا قد بایعنا هذا الرجل بیع اللّٰه ورسوله وإني لا أعلم غدراً أعظم من أن یبایع رجل علیٰ بیع اللّٰه ورسوله ثم ینصب له القتال وإني لا أعلم أحدًا منکم خلعه ولابایع في هذا الأمر إلا کانت الفیصل بیني وبینه (البخاری- ج۸- ص۹۹- کتاب الفتن)

یعنی: حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ (شہادت حسین کے بعد) جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کو اتارا تو عبداللہ بن عمر عنہما نے اپنے لوگوں اور بچوں کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا:

"قیامت کے دن ہر بدعہد کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا" ہم نے اس شخص (یزید) کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر بیعت کی ہے اور میری نظر میں اس سے بڑھ کر غداری اور کوئی نہیں کہ کسی سے اللہ اور رسول کے حکم پر بیعت کی جائے پھر اس سے قتال شروع کردیا جائے، اور اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے اس معاملہ میں بیعت سے انحراف کیا ہے تو میرے اور اس کے درمیان کوئی

تعلق باقی نہیں رہے گا۔

احادیث تو اس مضمون کی اور بھی ہیں اور بہت ہیں 'مگر سب کا ذکر کرنا نہ ممکن ہے نہ ضروری۔ البتہ اتنا ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ حکومت اور اقتدار کی ہوس میں بڑی کشش ہوتی ہے اور شیطان اس چور دروازے سے بڑی آسانی سے ہمارے دل میں در کر آتا ہے 'اسی لئے ہوس اقتدار اور سیاسی اولوالعزمی سے باز رکھنے کے لئے اللہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑی کثرت سے لوگوں کو خبردار فرماتے تھے اور اس سلسلہ میں آپ کے درجنوں ارشادات اور خطبے کتب احادیث میں درج ہیں۔ ہمارے لئے وہی سب سے بڑے مشعل راہ ہیں۔

س: آپ کی اب تک کی گفتگو سے یہ تاثر ملتا ہے گویا شریعت اسلامیہ نے رعایا کے مقابلہ میں حکام وقت کو حقوق زیادہ دیئے ہیں اور فرائض کم۔ یعنی اگر وہ برملا جور وستم پر اتر آئیں تب بھی عام پبلک ان کے خلاف نہ خروج کر سکتی ہے نہ قتال۔ اس میں کہاں تک حقیقت ہے؟

ج: میں نے حتی الوسع یہی کوشش کی ہے کہ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہوں اب اگر میری پیش کردہ قرآنی نصوص اور احادیث شریفہ آپ کو دور حاضر کے بعض رہنمایان دین وسیاست کی ہیجان انگیز اور انقلابی سیاست سے متصادم نظر آتی ہیں تو اس میں قصور نہ کتاب وسنت کی نصوص کا ہے نہ میرا۔ قصور ان دینی اور سیاسی لیڈروں کا ہے جنھوں نے ان میں سے بیشتر نصوص کو یا تو دانستہ طور پر بالکلیہ نظرانداز کر دیا ہے یا انھیں غلط معنی پہنا دئے ہیں۔

دیکھئے 'اسلام آپس کی تناتنی' ٹکراؤ اور خانہ جنگی کی سیاست کو ملت کے استقرار اور ملک وقوم کی ترقی کے لئے زہر قاتل سمجھتا ہے اسی لئے فسخ بیعت اور خروج وغیرہ کی نہ صرف مذمت کرتا ہے بلکہ ایسی حالت میں آنے والی موت کو جاہلیت کی موت قرار دیتا ہے۔ اب اگر یہ صورت حال کسی دینی یا سیاسی تحریک کے سربراہ یا اس کے متبعین کی نظر میں ناپسندیدہ ہے تو جاننا چاہئے کہ قرآن حق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی قرآن کریم کی واحد مستند شرح ہیں۔ اس لئے دائرۂ اسلام میں رہتے ہوئے کسی فرد یا جماعت کے لئے ان کا انکار ممکن نہیں۔

آیئے اپنے حافظہ کو دوبارہ تازہ کریں پہلے قرآن ہی کو لیں اس میں اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ذکر کے ساتھ ہی ساتھ حکام کی اطاعت کا ذکر ہے۔ آیت بڑی مشہور ہے 'اور اس کا ذکر ہماری گفتگو میں پہلے بھی آچکا ہے' آیت یہ ہے:

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء /۵۹)

یعنی اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے حکام کی۔

اب دیکھئے اس میں اللہ اور رسول کے بعد عوام الناس کو اپنے مسلمان حکام کی اطاعت کا مکلف قرار دیا گیا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیے:

إن اللّٰه يرضىٰ لكم ثلاثة: أن تعبدوه ولاتشركوا به شيئًا، وأن تعتصموا بحبل اللّٰه جميعًا ولاتفرقوا، وأن تناصحوا من ولاه اللّٰه أمركم. (صحيح مسلم)

یعنی اللہ تعالی نے تمہارے لئے تین چیزیں پسند فرمائی ہیں: اسی کی عبادت کرو اور کسی شے کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو' اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط پکڑ لو اور الگ الگ نہ بٹ جاؤ اور اللہ تعالی تمہارے امور جس (حاکم) کے سپرد کر دے اس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرو۔

نیز آپ نے فرمایا:

ألدين النصيحة ، قالوا : لمن يارسول اللّٰه ؟ قال: للّٰه ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم. (مسلم وغيره)

یعنی دین نام ہے خیرخواہی کا' لوگوں نے پوچھا: کس کے لئے یا رسول اللہ؟ فرمایا: اللہ کے لئے' اور اس کی کتاب کے لئے' اور اس کے رسول کے لئے' اور مسلم حکام اور عوام کے لئے۔

اب بتایئے کہ ان احادیث سے بہتر سورۂ نساء کی مذکورہ

آیت۵۹ کی تفسیر اور کہاں مل سکتی ہے۔ یا اللہ اور رسول کے بعد حاکم وقت کے سوا کس کے لئے مناصحت اور خیر خواہی ہمارے لئے رضائے الٰہی کا موجب بن سکتی ہے؟

ایک بات بے شک یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت غیر مشروط ہے٬ مگر حاکم وقت کی اطاعت صرف اس صورت میں ہے کہ وہ آپ کو اس بات کا حکم نہ دے جس کی حُرمت قرآن وحدیث سے ثابت ہے کیوں کہ فرمان نبوی ہے کہ : لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق۔ نیز حاکم وقت کی اطاعت کا حکم غیر مؤثر ہو جائے گا اگر وہ علی الاعلان کافر ہو جائے (اس سے کفر بواح سرزد ہو جائے) جہاں تک سوال ہے اللہ تعالی کے حضور جواب دہی کا تو اس کے لئے شریعت اسلامیہ میں ہر امیر٬ ہر والی٬ اور ہر امام یا خلیفہ کے لئے واضح ہدایات موجود ہیں چنانچہ فرمان باری تعالی ہے:

إنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أنْ تُؤَدُّوا الأَمَانَاتِ إلَىٰ أهْلِهَا وَإذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء/۵۸)

یعنی٬ بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہوں اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔

اس آیت کریمہ میں حکّام کو ہدایت دی جارہی ہے کہ چوں کہ ہر عہدہ اور منصب ایک امانت ہے٬ اس لئے اپنے دور حکومت میں٬ عہدے اور مناصب انہی لوگوں کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے اقرباء٬ مصاحبین اور خوشامدیوں وغیرہ کو بڑے بڑے عہدوں سے نوازدو اور اس طرح ان لوگوں کی حق تلفی ہو جو واقعی ان عہدوں اور مناصب کا استحقاق رکھتے ہیں۔ اسی طرح فرمایا گیا کہ اپنے تمام حکومتی فیصلوں میں عدل وانصاف کو ملحوظ رکھو ایسا نہ ہو کہ حاکمانہ اقتدار کو ظلم وجور اور ناانصافی کا ذریعہ بنالو۔ اسی فرمان الٰہی کی مزید تشریح امام حاکم کی صحیح میں وارد اس ارشاد نبوی سے بھی ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"من ولي من أمر المسلمين شيئاً، فولى رجلاً وهو يجد من هو أصلح للمسلمين منه فقد خان الله ورسوله"

یعنی جسے مسلمانوں پر حکومت کا کوئی موقعہ ملا اور اس نے کسی ایسے شخص کو والی بنادیا جس سے بہتر مسلمان اس کے پاس موجود تھا٬ تو اس نے اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کی۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ملتا ہے:

"أحب الخلق إلى الله إمام عادل ، وأبغضهم إليه إمام جائر "

(تمام مخلوقات میں اللہ تعالی کی جناب میں پسندیدہ ترین شخص وہ حاکم ہے جو عادل ہو اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ حاکم ہے جو ظالم ہو)۔

ان آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ نے ٹھیک ٹھیک وہ معیار مقرر کردیا جو ایک مسلمان والی یا حکمراں سے مطلوب ہے٬ اور جس میں کوتاہی کرنے پر اس کے لئے آخرت کی جواب دہی کی زبردست وعیدیں ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ حکّام سے مواخذہ کرے گا کون؟ اور ان کی بداعمالیوں کی سرزنش یا سزا کا اختیار کس کو ہے؟ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی ہی کرے گا اور اس کا اختیار اس نے اپنے ہی پاس رکھا ہے ہمیں تو آخری سے آخری حد تک ان کی بیعت میں داخل رہنا ہے اور ان کے ساتھ سمع وطاعت اور مناصحت (خیر خواہی) کا معاملہ کرنا ہے۔ یہی منشاء ہے ان تمام حوالوں کا جو آپ کے سامنے پیش کئے گئے اور یہی مفہوم ہے صحیحین کی اس حدیث کا جو یہ ناچیز اس سے پہلے آپ کے گوش گزار کر چکا ہے حدیث یہ ہے :

"كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء كلما هلك نبي خلفه نبي ، وإنه لانبي بعدي، وسيكون خلفاء ويكثرون، قالوا: فما تأمرنا؟ فقال: "فوا ببيعة الأول فالأول ، ثم أعطوهم حقهم ، فإن الله سائلهم عما استرعاهم"

اس حدیث مبارک میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

(بقیہ ص ۱۹ پر)

مجلہ "المجتمع" کویت | ترجمانی : مزمل حسین قاسمی

اہلِ سنّت کے ممتاز رہنما شیخ ضیائیؒ کا قتل

ایران میں انقلابیوں کے ہاتھ میں اقتدار آنے کے بعد ایک منظم سازش کے تحت اہل سنّت کا قتل، ان پر ظلم وتعدّی اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش گذشتہ پندرہ سالوں سے جاری ہے۔ کویت کی جماعت "الإخوان المسلمون" کے عربی مجلّہ "المجتمع" نے ان حالات کی ایک جھلک شیخ ضیائی کے قتل سے متعلق پیش کی ہے جس کا اردو ترجمہ قارئین "التوعیہ" کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔(ادارہ)

گذشتہ دو ہفتوں میں ایران میں شیخ محمد بن محمد صالح ضیائی کے قتل کے بعد وسیع پیمانے پر بدامنی پھیل گئی شیخ احمد مفتی زادہ کی وفات کے بعد شیخ محمد بن محمد صالح ضیائی ایران میں اہل سنّت کے ممتاز علماء میں سے ایک تھے۔

گذشتہ ۲۳ر جولائی کو ایرانی پولس نے اعلان کیا کہ شیخ محمد صالح ایک موٹر حادثے میں ہلاک ہوگئے۔ یہ اعلان حفاظتی حکّام کی طرف سے ایک ہفتہ بعد لوگوں کے شدید مطالبے پر کیا گیا۔

شیخ ضیائی کے قتل کے پُر اسرار حالات

شیخ ضیائی کا قتل گذشتہ ۲۰ر جولائی کو ہوا۔ انہیں لارستان شہر کے حاکم کی طرف سے بلایا گیا تھا اور اس طلبی میں اس بات پر اصرار تھا کہ وہ بغیر کسی باڈی گارڈ کے تنہا تشریف لائیں۔ طہران میں ان سے تفتیش کرنے کے چند دن بعد ہی یہ بلاوا آگیا۔ شیخ گذشتہ ۲۰ر جولائی کو اپنی جائے ولادت ہود گاؤں سے حاکم لارستان کے دفتر کا ارادہ کرکے نکلے لیکن تین دن گذرنے کے بعد بھی وہ اپنے گھر نہیں لوٹے تو لوگ حاکم کے دفتر پہنچ گئے۔ حاکم نے انہیں بتایا کہ انہیں تفتیش کے لئے طہران بھیجا گیا ہے۔ ان کے گھر والے طہران پہنچے لیکن کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوا۔ دو دن کے بعد بندر عباس علاقے میں تجارتی مرکز "لجہ" کی اتھارٹی نے شیخ ضیائی کے گھر رابطہ قائم کیا اور خبر دی کہ شیخ جب طہران کے راستے پر جارہے تھے تو ان کی موٹر کار کے الٹ جانے کی وجہ سے ان کی موت ہوگئی۔ لیکن جب شیخ ضیائی کے رشتے دار کار دیکھنے گئے تو وہاں کچھ نہیں پایا۔ کار کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ بستک شہر کے قریب ایک گڈھے میں گر پڑی ہے۔ دو دن کے بعد حفاظتی دستے کا ایک آدمی آیا اور انہیں مہران پُل پر لے گیا جس کی اونچائی ۱۵ میٹر ہے اور یہ پُل مہران پولس اسٹیشن کے قریب ہی واقع ہے اور کہا کہ شیخ کی کار اس کے نیچے ہے۔ لوگوں نے دیکھا کہ موٹر کار اپنے چاروں پہیوں پر کھڑی ہے۔ اسے بہت کم نقصان ہوا ہے، اس میں خون کا بھی کوئی نشان نہ ملا۔ ان باتوں نے شیخ کے رشتہ داروں کے اس شک کو پختہ کردیا کہ انہیں اذیت دے کر قتل کیا گیا ہے۔ موٹر کار کا حادثہ نہیں ہوا ہے۔ ان کی لاش کسی کارروائی کے تحت مسخ کردی گئی تھی سفر کے حادثے کا نتیجہ نہیں تھی۔ ان کے رشتہ داروں میں سے ایک نے "المجتمع" کو بتایا کہ شیخ کا سر پوری طرح مسخ کردیا گیا تھا۔ ان کا چہرہ مشکل سے پہچانا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے چہرہ اور جسم کو مسخ کرنے کے لئے ایسڈ کا چھڑکاؤ کیا تھا۔ شیخ ضیائی کے خاندان کے ایک رپورٹر سید مرتضیٰ حسینی نے اپنے ایک بیان میں جسے گذشتہ ۸ر جولائی کو نیوز ایجنسی نے نقل کیا تھا، بتایا کہ شیخ ضیائی کی نعش ان کے گھر والوں کو اس حالت میں سپرد کی گئی کہ اسے مُثلہ کرکے بدصورت بنادیا گیا تھا۔ حسینی نے بتایا کہ شیخ کے دونوں بازو اور پنڈلیاں کاٹ دی

ئی تھیں‘ ان کے سر کو چورہ کر دیا گیا تھا گویا کہ کسی بھاری اوزار یا جو بھی آلہ رہا ہو اس سے بار بار مارنے کا عمل ہوا ہے۔ یہ توڑ پھوڑ سفر کا حادثہ نہیں ہو سکتا۔

شیخ ضیائی کے سسرال والوں نے ۱۰ جولائی کی آدھی رات کو (جس رات حاکم کے آفس میں انہیں طلب کیا گیا تھا) ان سے بات چیت کی۔ انہوں نے بتایا کہ ”وہ رات کے کھانے پر نہیں آئیں گے“ جبکہ ان کے سسرال والوں نے اس دن انہیں رات کے کھانے پر مدعو نہیں کیا تھا۔ ان کے رشتہ داروں نے اس گفتگو کو انہیں مشکلات میں گھرنے کا ایک اشارہ بتایا۔

شیخ کے قتل کی خبر پھیلنے کی بعد حفاظتی حکام نے ایران میں جنوب کی سنی بستیوں کی طرف جانے والے تمام راستوں کو بند کر دیا اور جب پچاس ہزار سے بھی زائد اہل سنت شیخ کے آخری مسکن تک ان کی معیت کے لئے نکل پڑے تو حاکم لارستان نے شیخ کی تعزیت کے لئے منعقدہ تمام اجتماعات اور دینی شعائر پر پابندی کا فرمان جاری کر دیا۔

ایران میں اہل سنت

شیخ ضیائی کا قتل اس بدامنی و فساد کا نتیجہ تھا جو آخری دور میں اہل تشیع اور اہل سنت کے درمیان ظاہر ہوا۔ ایران میں اہل سنت پر ڈسپلن کا الزام رکھتے ہوئے ان پر ظلم و ستم کرنا‘ انہیں ختم کرنا اور گرفتار شدگان کی تعداد میں اضافہ کرنا اس وقت سے جاری ہے جب کہ ایران میں اسلامی حکومت کا جھنڈا بلند کیا جا رہا تھا۔

ایران میں اہل سنت چاروں طرف بکھرے ہوئے ہیں‘ عرب کے سنی جنوب میں مقیم ہیں‘ بلوچی سنی پاکستان کی سرحد پر بلوچستان علاقے میں‘ کرد کے سنی کردستان میں اور خراسان کے سنی افغانستان اور روس کی سرحدوں پر اور ترکمان کے سنی شمالی ایران میں ہیں۔

گذشتہ فروری کے شروع میں جیسا کہ ایرانی حکام چاہتے تھے بڑی راز داری کے ساتھ زاہدان شہر میں زبردست فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ زاہدان شہر مشرقی ایران میں واقع ہے اور بلوچستان صوبے کا دارالسلطنت ہے۔ یہاں کے باشندوں میں اسی فیصد سنیوں کی تعداد ہے۔ ان معلومات کا دارومدار شمالی ایران کے ایک بڑے شہر ”مشہد“ میں اہل سنت کی مسجدوں کے انہدام پر مبنی ہے۔ اہل سنت کی طرف سے شہر میں زبردست مظاہرہ کیا گیا جس میں حفاظتی فورس کے ہاتھوں سیکڑوں سنی قتل کر دئے گئے اور ہزاروں زخمی ہو گئے۔ ایرانی حکام نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ یہ مظاہرہ شرپسندوں کی سازش کا نتیجہ ہے‘ اور اس میں کسی بیرونی طاقت کا ہاتھ ہے‘ یہ مظاہرے بلوچستان صوبے کی راجدھانی زاہدان سے کیسپین سمندر کے ساحل پر واقع ہشتبار اور ترکمان کی مغربی سرحد جویناد۔ کافوس تک پھیل گئے۔ ایران کے یہ وہ شہر ہیں جہاں سنی باشندوں کی گھنی آبادی ہے۔

ان فسادات کی وجہ سے ایران کے اکثر شہروں میں انقلاب کی پندرہویں یادگار تقریب ملتوی ہو گئی۔

گرچہ ایرانی سنیوں کی تعداد یقینی طور پر معلوم نہیں ہے کیونکہ پندرہ سال پہلے اقتدار حکومت کی سپردگی سے قبل مذہب اور عقیدے کے بارے میں سوال کرنا ممنوع تھا۔ لیکن انقلاب کے وقت جب ملک کے لئے جعفری مذہب کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا گیا تو ہر ایرانی اپنا مذہب ظاہر کرنے لگا تاکہ پاسپورٹ اور ویزا حاصل کر سکے۔ اس بات نے ملک میں اہل سنت کے ساتھ خلیج‘ تفریق اور جارحیت میں اضافہ کر دیا۔

باوجودیکہ حکومت نے آخری مردم شماری میں جو مذہب کی بنیاد پر ہوئی تھی اہل سنت کی آبادی و تعداد کو نہیں ظاہر کیا لیکن حکومت کے ذرائع کا کہنا ہے کہ ایرانی سنیوں کی تعداد ستر لاکھ ہے جبکہ آزاد ذرائع کے مطابق سنیوں کی تعداد ایک کروڑ ہے اور دوسرے ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ ہے۔

گذشتہ پندرہ سالوں کے دوران اہل سنت والجماعۃ نے زبردست دباؤ کا سامنا کیا ہے۔ اس طور پر کہ ان کے بہت سے علماء اور لیڈر گرفتار ہوئے اور قتل کر دئے گئے۔ جن میں ڈاکٹر مظفریان‘ شیخ ناصر سبحانی‘ شیخ احمد مفتی زادہ جیسے نمایاں حضرات ہیں شیخ احمد مفتی زادہ کئی سالوں تک جیل میں رہے۔ ماہ فروری ۱۹۹۳ء میں جب وہ جیل سے نکلے تو ان کی وفات ہو گئی رحمہ اللہ۔

شیخ ابراہیم دامنی ہزاروں دوسرے سنیوں کے ساتھ اب بھی قید میں ہیں۔

اہل سنت نے ایرانی حکام سے شیخ ضیائی کے قتل کے اصل اسباب بتانے‘ ان کے قاتل کو منصفانہ قصاص کے لئے سامنے لانے کا مطالبہ کیا ہے اور کہا ہے کہ علماء اہل سنت کی جانوں کی حفاظت کرنا‘ جیل خانوں اور نظربندیوں سے ان کے اندراج کو ختم کرنا‘ گمراہ رشدی

کے خلاف پروپیگنڈہ مہم کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے۔ خون مسلم کی حرمت اللہ کی نظر میں زیادہ عظیم ہے۔ جو آدمی اسلام کو اپنا شعار بنالیتا ہے اس کا اولین فریضہ مسلمانوں کی جان کی حفاظت کرنا اور جو ان کا مجرم ہو یا ان کا خون بہائے اس سے قصاص لینا ہے۔ جب سلمان رشدی اور اس جیسے گمراہ لوگ مغربی ممالک کی حمایت میں پوری دنیا کو گناہوں سے پُر کررہے ہیں تو یقیناً ایران میں حکام کو ڈاکٹر مظفریان اور شیخ محمد ضیائی کے قاتلوں کا علم ہوگا۔ اسلامی شعائر کی حفاظت و ترقی کے لئے ایک کروڑ ایرانی سنیوں کی حفاظت کے لئے اور پوری دنیا کے کروڑوں اہل سنت کے احساسات کے مدّ نظر زیادہ بہتر ہے کہ ان کے قاتلوں کو منصفانہ قصاص کے لئے پیش کیا جائے۔

شیخ محمد ضیائی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ محمد ضیائی کی پیدائش ۱۹۴۰ء میں ہود گاؤں میں ہوئی تھی۔ علوم شرعیہ کی ابتدائی تعلیم انہوں نے شیخ احمد فقیہی سے حاصل کی جو فارس میں اہل سنت کے مفتی تھے شہر لنجہ کے مدرسہ سلطان العلماء میں علوم شرعیہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ مدینہ منورہ چلے گئے۔ شرعی تعلیم کی تکمیل کے لئے جامعہ اسلامیہ میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۱۹۷۰ء میں فراغت حاصل کی شیخ محمد ضیائی کو شیخ عبدالعزیز بن باز کے ممتاز شاگردوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد وہ ایران میں بندر عباس لوٹ آئے جہاں انہوں نے عربی علوم کے مدرّس کی حیثیت سے کام کیا۔ بندر عباس میں مقرّر اور جمعہ کے امام بھی تھے۔ ایرانی حکّام نے انہیں ۱۹۸۱ء کی ابتداء سے ستانا وپریشان کرنا شروع کیا جب ان کا انٹرویو مجلّہ "المجتمع" میں شائع ہوا۔ ۵؍اکتوبر ۱۹۸۲ء کو انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ چار ماہ بعد انہیں رہا کیا گیا۔ لیکن ان کا تعاقب اور ان پر نگرانی جاری رہی۔ جب انہوں نے حکومت کے اس اعلان پر نکتہ چینی کی کہ "خمینی کے فتاویٰ دین حنیف کے فرائض کی طرح سارے مسلمانوں پر لازم ہیں" تو ان کو پھر گرفتار کرلیا گیا۔ طہران میں ان پر زبردست دباؤ ڈالا گیا کہ وہ علی خامنئی کی اطاعت کا اعلان کریں اور کہیں کہ علی خامنئی سارے مسلمانوں کے لئے تقلید کا مرجع ہیں لیکن انہوں نے اس دباؤ کا جواب یہ کہتے ہوئے دیا کہ "اہل سنّت تقلید پر عمل نہیں کرتے"۔

شیخ ضیائی رحمۃ اللہ علیہ نے آخری دور میں سنّی تحریک کے تحت بندر عباس اور لارستان کے سنّی علاقوں میں اور ایران کے دوسرے مقامات میں امن وامان قائم کرنے میں اور گذشتہ فروری میں "مشہد" میں اہل سنّت کی سب سے قدیم مسجد کو منہدم کرنے پر احتجاج کرنے میں نمایاں کردار انجام دیا تھا۔

جب انہوں نے گذشتہ ماہ طہران کا رخ کیا جہاں وہ کئی بااثر شیعہ حضرات سے ملے اور ان سے "مشہد" میں منہدم مسجد کی از سرنو تعمیر، شیراز میں ڈاکٹر مظفریان کی مسجد کا تالہ کھولنے اور پورے ایران میں سنّی مدارس وعبادت گاہوں پر عائد کردہ پابندیوں کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا تو شیخ ضیائی پر سختیاں اور بڑھ گئیں یہاں تک کہ ۲۰؍جولائی کو آپ کو پُراسرار حالات میں قتل کردیا گیا۔

بقیہ: خبرنامہ

گذشتہ دو سال سے مسلسل جنرل اسمبلی میں امریکہ کی ان بندشوں کو آزاد تجارت میں رکاوٹ بتاتے ہوئے اس پر تنقید کی جاتی رہی ہے لیکن جنرل اسمبلی میں امریکی آواز پر سب خاموش ہوجاتے ہیں۔

بوسنیا کا مطالبہ ہے کہ سراجیوو کے خلاف امتناع اسلحہ ہٹالیا جائے تاکہ وہاں کے مسلمان بہتر ہتھیاروں سے لیس ہو کر سربوں سے اپنی حفاظت کرسکیں۔ ہوسکتا ہے کہ جنرل اسمبلی میں پاکستان میں منعقدہ اسلامی کانفرنس پر بھی از روئے تنقید بحث چلے کیونکہ اس کانفرنس میں بوسنیا کے مسلمانوں کی امداد کا وعدہ کیا گیا تھا۔ (مزمل حسین قاسمی)

آخرت کی نجات

آخرت کی نجات کا دارومدار تمام تر ایمان وعمل ہے وہاں نہ تو نجات کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے نہ کسی کی دوستی اور آشنائی کام دے سکتی ہے نہ کسی کی سفارش سے کام نکالا جاسکتا ہے۔

کسی نیک اور بزرگ ہستی سے حسن عمل کا سبق لیا جاسکتا ہے، اس کی صحبت میں بیٹھ کر اپنی اصلاح کی جاسکتی ہے، اہل علم سے مسائل پوچھے جاسکتے ہیں لیکن نجات کا انحصار اپنے ہی ایمان وعمل پر یا اللہ کی رحمت پر ہے۔ کسی کی سعی وسفارش کچھ اعانت نہیں کرسکتی۔

(مولانا ابوالکلام آزاد)

طہٰ نقوی

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

پاسدارِ وفا، جانِ صبر و رضا، روحِ صدق وصفا، رہبرِ اتقیا، خادمِ مصطفیٰ، بولو وہ کون تھا؟
وہ ابوبکر تھا
افضلِ مردماں، بعد پیغمبراں، دین کا پاسباں، عشق کا رازداں، شوق کی داستاں، دل پہ جو لکھ گیا
وہ ابوبکر تھا
تاجدارِ عرب، مردِ عالی نسب، رہ شناسِ ادب، جس نے باصد طرب، اپنا سرمایہ سب، راہِ حق میں دیا
وہ ابوبکر تھا
عزم کی پختگی، روح کی تازگی، صدق کی روشنی جس کی دنیا میں تھی، غمگسارِ نبی، عمر بھر جو رہا
وہ ابوبکر تھا
مومنِ اولیں، رہبرِ مومنیں، نازشِ عالمیں، فخرِ دنیا و دیں، عظمتوں کا امیں، جس کا کردار تھا
وہ ابوبکر تھا
زندگی بے دغل، بے نیازِ امل، زیست کا ماحصل، عہد روز ازل، کشت زارِ عمل، جس سے شاداب تھا
وہ ابوبکر تھا
مومنِ نیک خو، دین کی آبرو، درد کا چارہ جو، زیست میں چارسو، خیر کی جستجو، جس کا معمول تھا
وہ ابوبکر تھا
مردِ صاحب نظر، قوم کا راہبر، رہبرِ نامور، محترم معتبر، دوستدارِ بشر، جس کا ہر فعل تھا
وہ ابوبکر تھا
مرگِ احمد کا غم، دل پہ بارِ الم، فکرِ حفظِ حرم، پھر بھی با چشم نم، درسِ ضبطِ الم، جس نے سب کو دیا
وہ ابوبکر تھا
لاکھ رنج و محن، خطرۂ جان و تن، خوفِ دار و رسن، تنگ ارضِ وطن، پھر بھی جو گامزن، راہِ حق پر رہا
وہ ابوبکر تھا

شکیل احمد اختر حسین

خبرنامہ

سعودی عرب

۷۹ ملین سے زائد قرآن کے نسخوں کی تقسیم

سعودی عرب کے اسلامی امور و اوقاف کے وزیر اور مدینہ طیبہ میں واقع قرآن مجید کی طباعت کے ادارہ "مجمع الملک فہد" کے نگرانِ اعلیٰ ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی نے اعلان کیا ہے کہ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ سے صفر ۱۴۱۵ھ کے دوران قرآن مجید کے غیر مترجم، مختلف عالمی زبانوں میں مترجم اور مرتلہ سیٹ کے ۷ کروڑ ۹۵ لاکھ ۷۶ ہزار ۲ سو چوراسی نسخے ملک و بیرون ملک مساجد، اسلامی مراکز و انجمنوں اور دینی، ثقافتی اور علمی اداروں میں تقسیم کئے گئے۔ ڈاکٹر ترکی نے اس سلسلہ میں خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کی دلچسپیوں کو سراہتے ہوئے بتایا کہ وہ مجمع کی کارکردگی کا برابر جائزہ لیتے رہتے ہیں اور دنیا بھر میں اسلامی تنظیموں اور اداروں کی ضروریات کے مطابق انہیں مصاحف کی فراہمی کے احکامات جاری کرتے رہتے ہیں۔

مصر

عالمی آبادی کانفرنس

مصر کی راجدھانی قاہرہ میں ۵ ستمبر سے ۱۳ ستمبر تک اقوام متحدہ کے زیر اہتمام عالمی آبادی کانفرنس منعقد کی گئی۔ کانفرنس کا بنیادی مقصد دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کی روک تھام کے لئے ایک عالمی حکمت عملی مرتب کرنا تھا کانفرنس میں دنیا بھر کے تقریباً ۱۸۰ ملکوں کے مندوبین نے شرکت کی۔ ۴ مسلم ممالک سعودی عرب، سوڈان، لبنان اور عراق نے یہ کہہ کر کانفرنس کا بائیکاٹ کیا کہ یہ کانفرنس اسلام کے بنیادی عقائد و تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام پسندوں اور کیتھولک عیسائی فرقہ کے مرکز ویٹیکن نے اس کانفرنس کی سخت مخالفت کی ان کا کہنا تھا کہ کانفرنس کے مجوزہ منصوبۂ عمل میں اسقاطِ حمل، ہم جنس پرستی اور آزادانہ جنسی تعلقات کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ جامعۃ الأزہر مصر نے کانفرنس کے مسودہ کی پُرزور مذمت کرتے ہوئے اسے اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا جبکہ سعودی عرب کے مفتی اعظم فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ نے کہا کہ کانفرنس کا پروگرام اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف اور انسانی فطرت سے انحراف ہے۔ کانفرنس کے منتظمین کا کہنا تھا کہ جو قابل اعتراض چیزیں منسوب کی جارہی ہیں وہ دستاویز میں کہیں نہیں اور مخالفت محض سیاسی ہے۔

کانفرنس میں دو خاتون وزرائے اعظم پاکستان کی بے نظیر بھٹو اور ناروے کی گروہارلیم برنٹ لینڈ نے بھی شرکت کی ناروے کی وزیر اعظم نے اسقاط کو قانونی حیثیت دیئے جانے کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس سے اسقاط کو کس طرح فروغ ملے گا جبکہ مسز بے نظیر بھٹو نے ان سے مختلف رویہ اپناتے ہوئے اپیل کی کہ کانفرنس ایسے منصوبہ کو منظور نہ کرے۔ جس کو بہت سے لوگ ایسا چارٹر مانتے ہیں جس کا نصب العین انفرادی معاشروں اور مذاہب پر بدکاری، اسقاط اور جنسی تعلیم جیسے معاملے تھوپنا ہے انہوں نے کہا کہ اس سلسلہ میں دنیا کو اتفاق رائے کی ضرورت ہے نہ کہ ٹکراؤ کی۔

مصری صدر حسنی مبارک نے بھی کچھ اسی طرح کا بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہماری بات چیت تحکمانہ اور تعصب سے پاک ہونی چاہئے۔

اس ۹ روزہ کانفرنس میں بیشتر وقت جنسی معاملات پر بحث میں ضائع ہوا مندوبین نے آبادی کی روک تھام کے لئے جو ۲۰ سالہ پلان منظور کیا ہے اس میں معاشرتی ترقی سے لے کر نسوانی حقوق کی بالادستی

تک سبھی اہم معاملات شامل ہیں جن کا تعلق آبادی سے ہے۔ اسقاطِ حمل کے مخالفین اس سے متعلقہ لائحہ عمل کی شق میں تھوڑی تبدیلی اور زبان و لہجہ میں ردوبدل کرانے میں تو کامیاب ہوگئے لیکن عالمی برادری کو یہ تسلیم کرنے سے نہیں روک سکے کہ اسقاط حمل زندگی کی ایک حقیقت ہے چنانچہ ۱۱۳ صفحات پر مشتمل دستاویز میں اسقاط حمل کے کلیدی پیراگراف میں حکومتوں سے کہا گیا ہے کہ وہ غیر محفوظ اسقاط کو صحت کی لئے ایک خطرہ تصور کریں دلچسپ بات یہ ہے کہ اتنے ہنگامے' شور شرابے' احتجاج وضد اور بحث ومباحثے کے باوجود کوئی بھی ملک اس ۱۸۰ ممالک کی کانفرنس میں طے اور منظور ہونے والی سفارشات کو اپنے یہاں لاگو کرنے یا برتنے کا پابند نہیں ہوگا۔ کانفرنس کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ۲۰۰۰ء تک ہر سال ۱۷ ارب ڈالر خرچ کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے جو کہ ۲۰۱۵ء تک بڑھ کر ۲۱٫۵ ڈالر ہو جائے گی۔ مغربی ممالک اس رقم کا ایک تہائی اور ترقی پذیر ممالک دو تہائی حصہ فراہم کریں گے۔

اقوام متحدہ جنرل اسمبلی اور امن تحریکیں

ہیٹی' بوسنیا' صومالیہ اور روانڈا میں امن تحریکوں اور سیاسی چالبازیوں میں ناکام اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا ۴۹واں سالانہ اجلاس ۲۰ ستمبر بروز منگل سے شروع ہورہا ہے۔ آئیوری کوسٹ کے وزیر خارجہ اور عــــام رضامندی کے امیدوار جناب امارہ اے سی کو پہلے دن کے جلسے میں جنرل اسمبلی کا صدر چنا جائے گا۔ اسی دن جنرل اسمبلی کی اہم سوسائٹیوں کی تشکیل بھی کی جائے گی۔

جنرل اسمبلی کے صدر کا عہدہ محض رسمی ہے لیکن اسے کاموں کا خاکہ اور مقرروں کی فہرست تیار کرنے اور تنازعات کو سلجھانے کا حق حاصل ہے۔ تین ہفتے کی عام بحث ۲۶ ستمبر کو شروع ہوگی اس دن امریکہ کے صدر بل کلنٹن اور روس کے صدر بورس یلتسن بھی خطاب کریں گے۔ تقریباً تین ہفتوں تک دنیا بھر کے لیڈر اور وزیر خارجہ تقریروں' پریس کانفرنسوں اور دو طرفہ مجلسوں میں مشغول رہیں گے۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی اہمیت ۱۵امیدواری سلامتی کونسل کے بالمقابل کافی کم ہوگئی ہے۔ عالمی امن کے مسئلوں پر سلامتی کونسل کا کردار کافی اہم ہے۔

ایک وقت تیسری دنیا کے ملکوں کی امریکہ مخالف بحثوں کے مرکز جنرل اسمبلی میں اب کافی سناٹا رہتا ہے' سلامتی کونسل کے برخلاف جنرل اسمبلی کے ریزولیوشن پابندی عائد کرنے والے نہیں ہوتے۔ اب سرد جنگ کے خاتمہ اور ترقی پذیر و ترقی یافتہ ملکوں کے مابین ٹکراؤ کی کمی کی وجہ سے جنرل اسمبلی کی اکثر بحثیں بوریت والی ہوتی ہیں' جنوبی افریقہ اور اسرائیل کی مذمت کے دن بھی لد گئے۔ اب دونوں جنرل اسمبلی کے محترم ممبران میں سے ہیں۔ اگرچہ تائیوان کی اپنی ممبری کے بارے میں بحث چلے تو شاید اجلاس میں کچھ حرارت بھی پیدا ہو۔ ۱۹۷۳ء میں اقوام متحدہ کے سبھی گروپوں میں تائیوان کی سیٹ چین کو دے دی گئی تھی۔ چین پچھلے سال کی طرح اس بار بھی تائیوان کی اس کوشش کو ناکام کرنے کی کوشش میں ہے۔

لیکن اس سال کی بحث میں ہیٹی' صومالیہ' روانڈا اور بوسنیا میں سیاسی چالبازی اور امن تحریکوں کی ناکامی کا معاملہ چھایا رہے گا۔ ہیٹی میں منتخب صدر جیاں برٹانڈ اریسٹائڈ کی حکومت کی بحالی اقوام متحدہ کی سیاست کے باوجود نہیں ہوپائی ہے۔ سلامتی کونسل نے امریکہ کی امامت میں فوجی کارروائی کی اجازت دے دی ہے۔ بے شک اقوام متحدہ کی امن فوج نے بوسنیا میں جنگ سے متاثر کچھ لوگوں کی حفاظت کی ہے۔ لیکن اقوام متحدہ اور دوسری تنظیموں نے بوسنیا میں سربوں کو امن سمجھوتے کے لئے راضی نہیں کیا۔ روانڈا میں خون خرابے کے دوران ہی سلامتی کونسل نے اس وسطی افریقی ملک میں امن فوج کو بلا لیا۔ اقوام متحدہ کے ممبران کی طرف سے کوئی دخل اندازی نہ ہوتا دیکھ کر فرانس نے اپنی طرف سے وہاں پر ایک محفوظ علاقہ تیار کر لیا۔ اس بارے میں ابھی تک کسی ممبر کے کان پر جوں تک نہیں رینگی ہے۔

صومالیہ میں گڑبڑی اور امن فوج پر حملوں کو دیکھتے ہوئے وہاں پر اقوام متحدہ اپنی موجودگی کم کر رہا ہے وہاں پر قومی صلح اور از سر نو تعمیر کا اقوام متحدہ کا مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آرہا ہے۔ کیوبا چاہتا ہے کہ اس کے خلاف امریکہ کی اقتصادی بندش کی جنرل اسمبلی میں مذمت کی جائے۔

(بقیہ صـ۳ پر)

لِتَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ (الحاقة)

ماہنامہ التوعیۃ نئی دہلی

اکتوبر ۱۹۹۴ء مطابق جمادی الاول ۱۴۱۵ھ

ایڈیٹر

جلد ۹ — رفیق احمد سلفی — شمارہ ۶/۵

بدل اشتراک

خصوصی ممبر	(سالانہ)	۱۵۰۰ــ۰۰	روپے
ہمدرد	(سالانہ)	۵۰۰ــ۰۰	روپے
عام بدل اشتراک	(سالانہ)	۱۰۰ــ۰۰	روپے
ششماہی		۵۵ــ۰۰	روپے

پاکستان و بنگلہ دیش

عام بدل اشتراک	(سالانہ)	۱۲۵ــ۰۰	روپے

غیر ممالک سے

۳۵ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی

۳-C/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

AL-TAUIYAH Monthly
161/C-3 JogaBai
NewDelhi 110025

فون : ۶۸۲۱۸۲۷

پرنٹر پبلشر محمد الیاس سلفی نے الفا آفسیٹ پرنٹنگ پریس سے چھپواکر ماہنامہ "التوعیہ" ۳-C/۱۶۱ جوگا بائی نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

فکرونظر

بن احمد نقوی

گہرا ہونے تک

غالب کا ایک سوقیانہ سا شعر ہے۔

صحبت میں غیر کی یہ پڑی ہو کہیں نہ خو
دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کئے

کسی ستم ظریف نے اس کی پیروڈی کی۔

ڈرتا ہوں پاس ہی میں الیکشن نہو کہیں
دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کئے

کانگریس کی مرکزی اور صوبائی سرکاروں نے اگلے ماہ ہونے والے صوبائی انتخابات اور ۱۹۹۶ء کے عام انتخابات پر نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کے لئے مرحمت ہائے خسروانہ کے دروازے کھول دئے اقلیتی مالیاتی کارپوریشن کے قیام اور اس کے سرگرم عمل ہونے کا مژدہ سنایا گیا بنگلور دوردرشن سے دس منٹ کا اردو نیوز بلٹن شروع کیا گیا اور مرکزی وزیر شری سیتارام کیسری نے سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے لئے ریزرویشن کئے جانے کی خوشخبری سنائی۔

انتخابات سے قبل مراعات وعنایات کا اعلان ہمارے یہاں ایک معمول کی بات بن گئی ہے پہلے جب سرکاری ملازمین کے مہنگائی بھتہ میں اضافے کا طے شدہ فارمولہ نہیں تھا تو الیکشن کے آس پاس مہنگائی بھتے کی قسطوں کا اعلان بھی ہوتا تھا۔ یہ لاسہ لگانا اور دانہ ڈالنا ہر پارٹی کی حکومت کی سیاسی حکمت عملی کا حصہ بن گیا ہے۔ جو فسطائی ہیں دھرم کا نام لے کر شعبدہ بازیاں کرتے ہیں۔ یاترائیں اور جاگرن کرتے ہیں فساد کراتے ہیں تاکہ نفرت کی آگ میں ذہنوں کو تپا کر اپنا الّو سیدھا کریں۔ جو سیکولر ہیں وہ فتوے جاری کراتے ہیں۔ کمزور اور پسماندہ طبقات کی فلاح وبہبودی کی وہ ساری اسکیمیں جو اب تک فائلوں میں دھول کھا رہی تھیں۔ نئی آب وتاب کے ساتھ منظر عام پر لائی جاتی ہیں اور دھوم دھام سے ان کے نفاذ کا اعلان کیا جاتا ہے۔ برسوں سے یہ تماشا ہو رہا ہے لوگ ان باتوں کے عادی ہو چکے ہیں اور بازی گروں کی نیت کو بھی پہچانتے ہیں۔ پھر بھی کروڑوں ووٹروں کی بھیڑ ان کی طرف لپکتی ہے۔ اور مداری کی ڈگڈگی کی آواز پر ناچتی ہے۔

بہرحال یہ تو جمہوریت کا ایک روپ ہے اور ٹی این سیشن جیسے سخت گیر اور جنون کی حد تک ضابطہ پرست چیف الیکشن کمشنر کی دھمکیوں اور کارروائیوں کے باوجود کسی نہ کسی صورت میں یہ کاروبار چلتا رہے گا۔ یہاں بات مسلمانوں کے لئے ملازمتوں میں ریزرویشن کی ہے۔ کمزور طبقات کے لئے ریزرویشن کا مسئلہ آزادی سے قبل ہی اہمیت اختیار کر چکا تھا۔ یہ دراصل ہندو سماج کے طبقاتی نظام کا رد عمل یا اس کے مداوا کے طور پر ابھر آگیا۔ جب آزادی کے آثار نمایاں ہونے لگے تو ایک طرف تو مسلمان جاگیرداروں نے مسلم لیگ کے پرچم کے زیر سایہ علیٰحدہ قومیت کا نعرہ لگایا اور ملک کی تقسیم کا مطالبہ کیا۔ دوسری طرف ہندو سماج کا وہ کثیر طبقہ جو شودر کے نام سے موسوم تھا آزاد ہندوستان میں اپنی عددی اکثریت اور جمہوریت میں اس کی اہمیت سے آشنا ہوا۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر جیسے رہنماؤں نے جو شودر ہونے کے ناطے تحقیر کے اذیت ناک تجربوں سے گذر چکے تھے ایک طرف تو طبقاتی نظام کے علمبردار ہندو دھرم سے ناطہ توڑ لیا اور اسی کے ساتھ اپنے طبقہ کو حقوق کے مطالبہ کے لئے تیار کیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر ہندو دھرم کی طبقاتی تقسیم سے اتنے بیزار تھے کہ انھوں نے کہا تھا "میں ایک ہندو کے طور پر پیدا ہوا۔ یہ بات میرے اختیار میں نہیں تھی۔ لیکن جو بات میرے اختیار میں ہے وہ یہ ہے کہ میں ایک ہندو کی حیثیت سے نہیں مروں گا" چنانچہ انہوں نے اپنے ہزارہا پیروکاروں کے ساتھ بودھ دھرم قبول کر لیا کیونکہ بودھوں میں طبقاتی تقسیم نہیں ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر ایک نامور ماہر قانون تھے ولایت میں رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکے تھے اور شودروں کو عزت اور وقار کا مقام دلانا

انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا شودروں کی بیداری کی مہم انہوں نے اس طرح شروع کی کہ پورا ہندو سماج حیرت زدہ رہ گیا۔ ہندو سماج کی خوش قسمتی کہ اس وقت گاندھی جی جیسا لیڈر اس کے پاس تھا۔ گاندھی جی کی بصیرت نے دیکھ لیا تھا کہ آزاد اور جمہوری ہندوستان میں اصل سیاسی اقتدار ہندوؤں کے اسی غالب اکثریت والے طبقہ کو حاصل ہوگا جسے ہزاروں سال سے منوسمرتی نے تحقیر وذلت کے غاروں میں پھینک رکھا ہے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اگر ڈاکٹر امبیڈکر سے سمجھوتہ نہ کیا گیا تو شودر (اچھوت) بھی ایک نئے "پاکستان" کے مطالبہ سے کم پر راضی نہ ہوں گے اس لئے ہریجنوں کے لئے الیکشن میں سیٹوں کے ریزرویشن کا فارمولہ تصنیف کیا گیا اور انہیں فیاضانہ مراعات دی گئیں ملازمتوں میں ریزرویشن اور عمر کی رعایتیں دی گئیں۔ اقتصادی بحالی اور ترقی کے لئے مختصر اور طویل میعادی اسکیمیں تیار کی گئیں وہ ہریجن جو بودھ دھرم قبول کرلیں انہیں بھی شیڈولڈ کاسٹ کو دی جانے والی مراعات بدستور برقرار رکھی گئیں۔ جبکہ جو ہریجن مسلمان ہوگئے انہیں ان تمام مراعات سے محروم کر دیا گیا اور عذر یہ تراشا گیا کہ اسلام میں طبقاتی تقسیم نہیں ہے سماجی مساوات ہے اس لئے مسلمان ہوجانے والے ہریجن اس سے رعایت اور استفادہ نہیں کرسکتے حالانکہ ہریجن بودھ دھرم اسی لئے قبول کررہے تھے کہ اس میں طبقاتی تقسیم نہیں ہے اور سماجی مساوات ہے بودھ ہوکر وہ شودر طبقہ سے نکل جائیں گے اور اچھوت نہیں رہیں گے یہ دراصل شودروں یا ہریجنوں کو بہرصورت ہندو سماج سے وابستہ رکھنے کی ایک اسکیم تھی۔ گاندھی جی نے کمال ہوشیاری سے اچھوتوں کو مراعات دے کر ہندو سماج کو فوری شکست وریخت سے بچالیا۔

ڈاکٹر امبیڈکر ہندوستان کے پہلے وزیر قانون بنے اور آج نہیں جمہوریہ ہند کے دستور کا مصنف یا مرتب کہا جاتا ہے اور اگر ان کی عمر وفا کرتی تو وہ ہندوستان کے صدر جمہوریہ بھی بنائے جاسکتے تھے۔ چھوتوں کو سیاسی اور اقتصادی مراعات دے کر ان لیڈروں نے اقتدار اپنے ہی ہاتھوں میں رکھا اور قوم کے کرتا دھرتا سورن ہندو ہی بنے رہے کچھ عرصے تو یہ گاڑی چلتی رہی۔ پنڈت نہرو جیسے عظیم رہنما برسر اقتدار تھے جنہوں نے بابو جگجیون رام جیسے بڑے اچھوت رہنما کو مرکزی وزارت میں شامل کر رکھا تھا۔ لیکن جوں جوں ہریجنوں میں علم اور شعور بڑھتا گیا اور حقائق کی تلخیاں اور سنگینی ان کے سامنے آتی گئی وہ نئے نظام سے بیزار ہوتے گئے وہ دیکھ رہے تھے کہ سیاسی اور اقتصادی مراعات کے باوجود سماج میں ان کا مرتبہ وہی ہزاروں سال پرانے طبقاتی نظام سے جڑا ہوا ہے دیہات کے برہمن ٹھاکر راجپوت اور دوسرے اونچے طبقہ کے ہندو انہیں اب بھی حقیر وذلیل سمجھتے ہیں کوئی ہریجن کسی ٹھاکر کی چارپائی پر نہیں بیٹھ سکتا۔ ان کی تقریبات میں مساویانہ انداز میں شرکت نہیں کرسکتا۔ شہروں میں ضرور یہ امتیاز بڑی حد تک پس منظر میں چلا گیا لیکن دیہات میں منووادی سماج ہی قائم تھا۔ چنانچہ ہریجنوں میں ایک نئی تلخی پیدا ہوئی اور وہ اس کے لئے گاندھی جی کو ذمہ دار قرار دینے لگے کہ اگر وہ مراعات اور ریزرویشن کے جال میں ہریجنوں کو نہ پھانستے تو انہیں بھی مسلم لیگ کی طرح الگ "ہوم لینڈ" مل سکتا تھا اور وہ مراعات کی آڑ میں یوں استحصال کا شکار نہ ہوتے۔ اس تلخ احساس نے انہیں گاندھی جی سے اور پھر کانگریس سے بیزار کردیا اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بہوجن سماج پارٹی کی نیتا مایاوتی نے گاندھی کی برملا توہین کی اور گاندھی واد سے بیزاری ظاہر کرکے امبیڈکر واد کو اپنا نصب العین قرار دیا۔

اسی عرصہ میں راجہ وی پی سنگھ نے اپنی گرتی ہوئی ساکھ بچانے اور اپنا سیاسی قد بلند کرنے کے لئے منڈل کمیشن کی سفارشات کے نفاذ کا اعلان کردیا اور پورا ملک ایک خوفناک سیاسی اور سماجی کشمکش سے دوچار ہوگیا۔ اور عملاً ہندو سماج میں اعلیٰ اور ادنیٰ طبقہ کے درمیان صف آرائی کھل کر شروع ہوگئی سپریم کورٹ نے ریزرویشن کی حد ۵۰ فیصد مقرر کردی اور اسی کے ساتھ شیڈولڈ کاسٹ سماج میں جو خوشحال طبقہ (کریمی لیئر) ہے اس پر مراعات کے سلسلے کچھ محدود کردئے۔ اور دیگر پسماندہ طبقات (او بی سی) کے لئے بھی مراعات کے ضابطے طے کئے ان میں مسلمانوں کی چند پسماندہ برادریاں بھی شامل کی گئیں۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلے اور مرکزی سرکار کی جانب سے اپنی پالیسی کے اعلان کے بعد

بظاہر طوفان تھم گیا لیکن سماج میں بے چینی کم نہیں ہوئی۔ سپریم کورٹ اور مرکزی سرکار کے فیصلے کے بعد کینسر میں مبتلا راجہ وی پی سنگھ نے اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ "اب میں آرام سے مرسکوں گا" معروف قانون داں پالکھی والا نے وی پی سنگھ کی مسرت اور طمانیت پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ وی پی سنگھ تو سکون سے مرجائیں گے لیکن ہندوستان سکون سے جی نہیں سکے گا۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ منڈل کمیشن کے نفاذ نے سارے ملک میں ایک مستقل صف آرائی کا ماحول پیدا کردیا ہے یوپی میں اترا کھنڈ کی تحریک اسی ریزرویشن سے بیزاری کا مظاہرہ ہے۔ ان پہاڑی علاقوں میں اکثریت اونچی ذات کے ہندوؤں کی ہے جو اقتصادی اعتبار سے پسماندہ ہیں لیکن سماجی طور پر پسماندہ نہیں ہیں۔ شیڈولڈ کاسٹ کو ریزرویشن کے سبب انہیں اپنی ترقی کے امکانات تاریک نظر آرہے ہیں لہٰذا وہ ایک علیحدہ ریاست کا مطالبہ کررہے ہیں۔ کیونکہ اس میں اعلیٰ طبقہ کے ہندوؤں کا مفاد ہے اس لئے بی جے پی اس تحریک کی سرگرم حمایت کررہی ہے۔ تحریک کے ایک ترجمان کے مطابق اترا کھنڈ میں پسماندہ طبقہ کے لئے ریاست میں دو فیصد ریزرویشن کیا جائے گا۔ مایاوتی نے جوابی حملہ کرتے ہوئے کہا کہ کیا سورن ہندو (اعلیٰ طبقہ) میدانی علاقوں میں جہاں ان کی اکثریت نہیں ہے دو فیصد ریزرویشن قبول کرنے کو تیار ہیں۔ غرض یہ طبقاتی کشمکش سیاسی مفاد پرستی کی چھتری کے نیچے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے تامل ناڈو میں جے للیتا (وزیر اعلیٰ) نے پسماندہ طبقہ کے لئے ۶۹ فیصد ریزرویشن کا اعلان کیا تو کرناٹک میں جہاں اگلے ماہ الیکشن ہونے والے ہیں، وزیر اعلیٰ موئلی نے ۸۰ فیصد ریزرویشن کی خوشخبری ووٹروں کو سنائی تاکہ زیادہ سے زیادہ ووٹ ان کی پارٹی کو مل سکیں۔

مرکزی وزیر سیتارام کیسری نے جب مسلمانوں کو ریزرویشن دئے جانے کی بات کہی تو ان کی نگاہ بھی اسمبلی اور عام انتخابات پر تھی۔ سب جانتے ہیں کہ آج ریزرویشن کا مطالبہ ہر طبقہ کی طرف سے کیا جارہا ہے اقتصادی بدحالی کے اس دور میں جب کہ تعصب اور کرپشن نے زندگی کے ہر گوشہ پر اپنے تاریک سائے ڈال دیئے ہیں صرف ریزرویشن ہی اقتصادی ترقی اور معاشی خوشحالی کی ایک موہوم سی امید رہ گئی ہے۔ مسلمانوں کے کچھ حلقوں سے کافی عرصہ سے یہ مطالبہ کیا جارہا تھا کہ مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں میں ریزرویشن دیا جائے تاکہ انہیں اپنے تناسب آبادی کے لحاظ سے ملازمتوں میں جگہ مل سکے گذشتہ ۴۷ سالوں میں مسلمانوں کے ساتھ جس طرح کا سلوک کیا گیا ہے اور ہر ہر قدم پر ان کی حق تلفی کی گئی ہے اس کا اعتراف خود سیاستدانوں اور ارباب اقتدار کو بھی ہے کچھ کھل کر اور کچھ دبی زبان سے اس پر افسوس کا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن چونکہ بات مسلمانوں کی ہے اس لئے ہر پارٹی ڈرتی ہے کہ کہیں فسطائی اسے ایک نیا اشو نہ بنالیں۔

سیتارام کیسری۔ کے اس اعلان کے بعد ملک میں یہ مسئلہ زیادہ شدّت سے زیر بحث آگیا ہے حسب توقع ایڈوانی نے اس پر شدید ردّ عمل ظاہر کرتے ہوئے اسے ملک کی ایک اور تقسیم کا پیش خیمہ بتایا ہے اور دھمکی دی ہے کہ ہندوستانی عوام اسے برداشت نہیں کریں گے (گویا یہ ریزرویشن غیر ہندوستانیوں کے لئے کیا جارہا ہے جو ہندوستانی عوام کے لئے ناقابل برداشت ہے اور مسلمان ہندوستانی عوام میں شامل نہیں ہیں) آر ایس ایس کے سربراہ راجو بھیا نے بھی اس پر تنقید کی ہے۔ خیر سنگھ پریوار سے اس کے علاوہ امید بھی کیا ہوسکتی ہے ابھی تو صرف اعلان پر یہ ردّ عمل ہے اگر نفاذ شروع ہوگیا تو مسلمانوں کو پھر بمبئی جیسی قیامت کا انتظار کرنا چاہئے۔ فسطائیوں کے لئے اپنا سیاسی مستقبل بنانے کے لئے مسلم دشمنی کا ایک نیا اور وسیع ترمیدان مل جائے گا۔ ادھر خود مسلمانوں میں بھی ریزرویشن کے بارے میں اتفاق رائے نہیں ہے کچھ اسے واحد علاج قرار دیتے ہیں جس کے بغیر ہندوستان کا مرد بیمار یعنی مسلم ہندی شفایاب نہیں ہوسکتا۔ کچھ کے نزدیک یہ عملاً بے سود رہے گا بعض ماہرین کی رائے ہے کہ مذہب کی بنیاد پر ریزرویشن کا امکان نہیں ہے اگر سرکار نے سیاسی مصلحتوں کے تحت اسے نافذ بھی کردیا تو مخالفین عدلیہ سے رجوع کریں گے اور اسے ختم کرادیں گے۔

یہ رائے خاصی اہم ہے اور مسلمانوں کے لئے ریزرویشن کے حامیوں کو اس پہلو پر ماہرین قانون کے مشورے سے غور کرنا چاہئے کہ

عدالت کے روبرو وہ اپنے موقف کا دفاع کس طرح کریں گے۔ اب تک ریزرویشن اقتصادی بدحالی اور سماجی پسماندگی کے پیمانے کے مطابق کیا جاتا رہا ہے اس میں ہندو بھی شامل ہیں، مسلمان اور سکھ عیسائی بھی۔ مسلمانوں میں تیلی اور دھنئے جیسے اقتصادی طور سے پسماندہ طبقہ او بی سی کے تحت، ریزرویشن کے حقدار قرار پائے ہیں اب اگر مسلمانوں کو من حیث الجماعت ریزرویشن دیا جائے گا تو خود مسلمانوں میں طبقاتی کشمکش کا دروازہ کھل جائے گا اس کی شدت خواہ ویسی نہ ہو جیسی ہندو سماج میں اس وقت ہے تاہم کشمکش اور صف آرائی کا مزاج ضرور ابھرے گا۔ ہر طبقہ کو اپنی محرومی اور حق تلفی کا شکوہ ہوگا اور یہ مسئلہ بھی بابری مسجد کی طرح سیاسی طالع آزمائی کا آلہ بن جائے گا پھر فسطائی عنصر شورش اور انتقام کی نئی آگ بھڑکائے گا۔ ہم شاہ بانو کیس کو نہیں بھولے ہیں جس میں اکثریتی فرقے کا کوئی نقصان نہیں تھا یہ کلیۃً مسلمانوں کا دینی اور سماجی مسئلہ تھا مگر چونکہ مسلمان اس مسئلہ پر کم و بیش ہم آواز ہو گئے تھے اس لئے فسطائیوں نے اسے ایک چیلنج سمجھا کہ مسلمان اب بھی متحد ہو کر اپنی بات منوانے کا حوصلہ اور طاقت رکھتے ہیں چنانچہ مسلمانوں کو اسی اجتماعی فیصلہ کی صلاحیت کو ختم کرنے اور انہیں مزا چکھانے کے لئے رام جنم بھومی کا تنازع ابھار آگیا اور ۶ر دسمبر کو تاریخ کی ایک بدترین سزا انہیں دے دی گئی۔ اس میں سیکولر اور غیر سیکولر تمام پارٹیوں کے فسطائی ہم قدم اور ہم آواز ہو گئے تھے۔

ابھی تک اس اسکیم کے خدّ و خال واضح نہیں ہو سکے ہیں کہ سرکار اسے کس نہج پر مرتب کر رہی ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ کی طرح مسلمانوں کے پسماندہ طبقوں میں بھی کریمی لیئر (خوشحال طبقہ) موجود ہے مگر مسلمانوں کی مشکلات اور دشواریاں شیڈولڈ کاسٹ کے مسائل سے بڑی حد تک مختلف ہیں اس کے ساتھ ہندوستانی سماج کے زیر اثر ان کے ہاں بھی اشراف اور اخلاف کا تصور پیدا ہو گیا ہے اور صدیوں سے جاگیر دارانہ دور کی یہ طبقاتی تقسیم اپنے پنجے گاڑ چکی ہے لیکن ہندو دھرم کے برعکس اسلام اسے تسلیم نہیں کرتا۔ ریزرویشن میں مسئلہ کیسے حل ہوگا۔ بعض جگہ پسماندہ مسلم طبقے اقتصادی طور سے بہت خوشحال ہیں مگر طبقۂ اشراف جو کبھی زمینداری اور جاگیرداری پر انحصار کرتا تھا ان میں سے بہت سے خاندان خاتمۂ زمینداری کے بعد سے ابھی تک پوری طرح سنبھل نہیں پائے ہیں۔ اسی کے ساتھ نصف صدی کی طویل حق تلفیوں کے سبب محرومی کے شدید احساس نے بھی انہیں تباہ کیا ہے۔ کیا شیڈولڈ کاسٹ کے طرز پر ان کی سابقہ حق تلفیوں کی تلافی کے لئے کوئی خصوصی کوٹہ مقرر کیا جائے گا تاکہ اس بیک لاگ کو پورا کیا جا سکے۔ پھر یہ ریزرویشن کتنے عرصہ کے لئے ہوگا عبوری نوعیت کا ہوگا یا مسلم طبقہ کی تعلیمی اور اقتصادی بحالی کا ہدف پورا ہونے تک جاری رہیگا اور اس ہدف کا معیار کیا ہوگا۔ پھر اس میں شیعہ سنّی کے لئے علیحدہ علیحدہ کوٹہ مقرر کیا جائیگا یا مشترک رہے گا۔ کسی ریاست میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے کہیں کم ہے وہاں ریزرویشن کا تناسب کیا ہوگا جنوب میں کیرالہ اور غالباً تامل ناڈو میں مسلمانوں کو پہلے ہی ریزرویشن دیا جا چکا ہے لیکن اصل مسئلہ بقیہ ہندوستان خصوصاً شمالی حصہ یا ہندی بیلٹ کا ہے جہاں مسلمانوں کے خلاف تعصب اور تشدد کا رنگ زیادہ گہرا ہے۔ فسطائی مسلمانوں کے خلاف جو طوفان اٹھائیں گے اسے سرکار کیسے روکے گی اور بیوروکریسی میں کلیدی عہدوں پر جو فسطائی اور فسطائیت نواز عنصر موجود ہے وہ اس ساری اسکیم کو سبوتاژ کرنے کے لئے پورا زور لگائے گا اسے روکنے کی کیا تدبیر ہوگی۔ اقلیتوں کی بہبود کے لئے پندرہ نکاتی پروگرام کی پیش رفت ہمارے سامنے ہے۔ اردو کو یوپی کی دوسری سرکاری زبان بنانے کے قانون کا بھاجپا سرکار نے جو حشر کیا وہ بھی سب کو معلوم ہے۔ بنگلور دوردرشن سے چند منٹ کے اردو خبرنامے کے خلاف فرقہ وارانہ طور سے اس پرامن علاقے میں جو تباہی مچائی گئی اس کے بعد کہاں کوئی عافیت کا گوشہ تلاش کیا جا سکتا ہے۔ فسطائیوں نے جنوب پر یلغار کرنے اور اسے اپنے رنگ میں رنگنے کی جو حکمت عملی اپنائی ہے ہبلی عیدگاہ میدان میں جھنڈا اسلامی 'بنگلور کا فساد' آندھرا میں الکبیر مذبح کے خلاف شورش یہ اسی کے چند پہلو ہیں۔ ٹائمز آف انڈیا میں چھپی ایک اطلاع کے مطابق جب بابری مسجد منہدم کی گئی تو دہرادون میں آئی اے ایس کے زیر تربیت افسران نے چراغاں کیا تھا۔ آر ایس ایس کی شاکھاؤں میں

تربیت یافتہ کم از کم دو نسلیں اس وقت ملک کی انتظامیہ میں داخل ہو چکی ہیں۔ مرکز نے آر ایس ایس پر پابندی لگائی اس کے بارے میں باہری ٹریبونل نے جو فیصلہ دیا اس سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ آر ایس ایس کے وفادار کہاں کہاں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ منڈل سفارشات کے تحت شیڈولڈ کاسٹ وغیرہ کے لئے ریزرویشن نے ہندوؤں کے اعلیٰ اور ادنیٰ طبقے میں بڑی دراڑوں کو خلیج جیسی وسعت دیدی وہ طاقتور اعلیٰ طبقہ جو آزادی کے بعد سے اب تک اقتدار پر قابض رہا ہے اب اپنی ڈھیلی ہوتی ہوئی گرفت کو برقرار رکھنے کے لئے دیوانہ وار ہاتھ پاؤں مار رہا ہے لیکن مقابلہ ۱۵ فیصد اور ۸۵ فیصد کے درمیان ہے اس لئے ۱۵ فیصد اعلیٰ ذات والوں کے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔ یہ تنازعہ ہندوؤں کے دو طبقوں کے درمیان ہے اور اعلیٰ ذات والوں کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اپنے سماج کے ۸۵ فیصد طبقہ کو اپنے سے کاٹ کر پھینک دے اور پورے ہندو معاشرے کو ٹوٹتا ہوا دیکھے اس لئے اپنی پسپائی کو چاروناچار برداشت کرنے پر مجبور ہے مگر جوابی اقدام کے طور پر اتراکھنڈ جیسی تحریکوں کی آڑ بھی لے رہا ہے لیکن مسلمانوں کو ریزرویشن دئے جانے کی صورت میں اس طبقہ کے سامنے ایسا کوئی جذباتی مسئلہ نہیں ہوگا۔ فسطائی تو خوش ہوں گے کہ انہیں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ پر پٹرول چھڑکنے کا آسان نسخہ ہاتھ آگیا۔ منڈل کے خلاف جو پر تشدد ملک گیر تحریک چلی مسلمانوں کے خلاف اس سے بھی شدید ہنگامہ آرائی ہو سکتی ہے خدا کرے یہ سارے خدشے بے بنیاد ثابت ہوں اور مسلمانوں کو ریزرویشن کے ذریعہ ہی ان کے کچھ معاشی اور اقتصادی حقوق حاصل ہو جائیں۔ یوں تو بہوجن سماج کی نیتا مایاوتی نے بھی ڈاکٹر مسعود احمد کا زور توڑنے کے لئے مسلمانوں کو ۱۰ فیصد ریزرویشن دینے کی پیشکش کی ہے۔ ملائم سنگھ بھی مسلمانوں کے لئے ریزرویشن کی بات کرتے ہیں لیکن یہ سارے وعدے اور دعوے سیاسی مصلحت کے زیر اثر ہوتے ہیں خلوص اور عمل کا جذبہ کم ہی ہوتا ہے اس لئے بات اٹھتی تو ہے مگر غبار کی طرح بیٹھ جاتی ہے اور اکثر محض الفاظ کی شعبدہ بازی ہی ثابت ہوتی ہے یا پھر خانہ پری کے لئے افراد ادھر سے ادھر کر دیئے جاتے ہیں اور خوشنما وعدے عوام کا دل بہلاتے رہتے ہیں۔ اقلیتی کمیشن کے ایک ممبر مسٹر راوو الیہ نے ایک تقریر میں بتایا کہ سرکار نے سریع العمل فورس میں اقلیتی فرقہ کی بھرتی کا وعدہ اس طرح پورا کیا کہ پولس اور سی آر پی سے اقلیتی فرقہ کے افراد کو اس فورس میں منتقل کر دیا اب سی آر پی وغیرہ میں جو جگہیں خالی ہوئی ہیں وہاں اقلیتی افراد کو ابھی تک بھرتی نہیں کیا گیا ہے۔ اس قسم کے اقدامات سے اقلیتی طبقات کا عملاً کچھ بھلا نہیں ہوتا۔ یوپی میں شانتی سرکشابل قائم کیا گیا ہے اس میں بھی اقلیتی طبقوں کے افراد کو بھرتی کرنے کی اسکیم ہے دیکھئے اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اصل بات ذہنیت تبدیل کرنے کی ہے جب تک عوامی ذہن سے فسطائی اثر زائل نہیں کیا جائے گا اور برسر اقتدار پارٹیاں اور ان کے نیتا اقلیتوں کے بارے میں جرأتمندانہ اور اخلاص مندانہ رویہ نہیں اپنائیں گے سنگھ پریوار اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کے لئے کوئی بہبودی کا قدم آسانی سے نہیں اٹھانے دیگا۔ ہر پارٹی اس سے گھبراتی ہے کہ اس پر مسلمانوں کی خوشامد کا لیبل چسپاں کر دیا جائے گا اور اس طرح الیکشن میں اسے ہندو ووٹ سے محروم ہونا پڑے گا حالانکہ ملائم سنگھ یادو اور لالو پرشاد یادو کی اقلیت دوست روش نے اس مفروضہ کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ فسطائی ان دونوں پر مسلمانوں کی خوشنودی کے الزامات لگا کر بھی ان کی عوامی مقبولیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے اپنی صاف ذہنیت کے سبب انہوں نے مسلم کُش فسادات روکنے میں بھی کافی حد تک کامیابی حاصل کی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بہت سے ہندو اب فسطائیوں کی چالوں کو سمجھنے لگے ہیں اور یہ احساس ابھر رہا ہے کہ فسادات سے ملک اور قوم کا نقصان ہوتا ہے اس احساس کے بعد اب اگر فسطائیت کے خلاف جراءت مندانہ اقدام کا عوامی جذبہ بھی بیدار ہو جائے تو وہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک نیا باب ہوگا۔

بہرحال اقلیتوں کے ہمہ جہتی استحصال کے اس دور میں اگر ریزرویشن کے ذریعہ ان کی اشک شوئی ہو سکتی ہے تو اس نسخہ کو بھی آزمایا جانا چاہئے لیکن اس کا اصل نتیجہ تب ہی سامنے آسکتا ہے جب فسطائیت کو روکا جائے اور عدلیہ کے روبرو اقلیتوں کا کیس پوری وضاحت اور سنجیدگی سے پیش کیا جائے اور اسکیم پر نیک نیتی سے عمل بھی ہو سکے۔

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

دوھرے پیمانے

مظفر نگر میں یکم اور دو اکتوبر کو دہلی آنے والے اترا کھنڈ کے حامیوں پر پولس اور پی اے سی نے جو سختیاں کیں اور خواتین کی بے حرمتی اور آبرو ریزی کی اس سے ایک بار پھر پولس اور پی اے سی کا وحشیانہ کردار قومی پریس اور سیاسی پارٹیوں میں شدّت سے زیر بحث آگیا ہے اگرچہ اس کی تحقیقات کے احکامات جاری کئے جاچکے ہیں پھر بھی عورتوں کی آبروریزی کے الزام نے سب کو مشتعل کردیا ہے اور اسے قومی رسوائی قرار دیا جارہا ہے خواتین کی تنظیم نے موقعہ پر جاکر حالات کا جائزہ لیا بربریت کا شکار ہونے والی مظلوم و معصوم عورتوں سے شہادتیں بھی اکٹھی کیں اور اس نتیجہ پر پہنچیں کہ الزامات میں صداقت ہے اور پولس نیز پی اے سی نے اپنی سابقہ روایتوں کا پاس کرتے ہوئے کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی۔ اترا کھنڈ کی تحریک کو یوپی سرکار کی حمایت حاصل نہیں ہے ایجی ٹیشن کرنے والوں نے دو اکتوبر کو گاندھی جی کے یوم پیدائش پر دہلی میں مظاہرہ کا پروگرام بنایا تھا۔

ان احتجاجیوں کو دہلی جانے سے روکنے کے لئے پولس نے یہ وحشیانہ کارروائی کی۔ جس کے خلاف پریس اور پارٹیاں مل کر احتجاج کر رہی ہیں۔

ہمارے ملک میں پولس اور خصوصاً پی اے سی کے مظالم کی داستانیں نئی نہیں ہیں۔ مسلمان کئی دہائیوں سے فریاد کررہے ہیں کہ پی اے سی کی سفاکیوں پر روک لگائی جائے اس کا کردار بدلا جائے اور اس میں اقلیتوں کی نمائندگی کو بڑھایا جائے تاکہ مظلوموں میں اعتماد پیدا ہو۔ لیکن تمام تر احتجاج، فریاد اور مسلسل مطالبوں کے باوجود مرکزی یا ریاستی سرکار نے کبھی پی اے سی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ اس کے کردار اور سفّاکیوں کا دفاع کیا۔ ایک بار فیروز آباد میں مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کے سلسلے میں مظاہرین پر پی اے سی نے بے دریغ گولی چلائی جب اس پر احتجاج ہوا تو اس وقت کے یوپی کے وزیر اعلیٰ کملا پتی ترپاٹھی نے اسمبلی میں کمال بے باکی سے پی اے سی کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ پی اے سی کو سکھایا ہی یہ گیا ہے کہ وہ سینہ پر گولی مارے۔ اس احمقانہ اور اندھی حمایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ پی اے سی ایک بھیڑیا بن گئی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ یہ فورس محض مسلمانوں کو کچلنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ پی اے سی کی سرکشی کی نتیجہ میں ہی پنڈت کملا پتی ترپاٹھی کو وزارت اعلیٰ چھوڑنی پڑی لیکن پی اے سی پر کوئی روک نہیں لگا سکا اور میرٹھ میں ملیانہ کا خونیں حادثہ پی اے سی کا ایک اور کارنامہ بنا اب جب اترا کھنڈ کے ایجی ٹیشنوں پر پولس اور پی اے سی نے وار کیا ہے (جو اتفاق سے مسلمان نہیں ہیں) تو اب اس فورس کی سفاکی اور درندگی پر تنقید کی جارہی ہے کل تک مسلمان جب یہی بات کہتے تھے تو کوئی اسے اہمیت دینے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار مسلم یونیورسٹی کے طلباء اپنے مطالبات پیش کرنے کے لئے دہلی آرہے تھے تو دادری اسٹیشن پر فسطائی غنڈوں نے ان بے گنہ طالب علموں پر حملہ کیا اور بہت سے طلبہ زخمی ہوئے۔ اس پر نہ قومی پریس نے کوئی احتجاج کیا نہ سیاسی پارٹیوں نے کوئی نوٹس لیا اب اترا کھنڈ کے احتجاج دلی آنے سے روکے گئے تو سب احتجاج کی صدا بلند کررہے ہیں۔ مظفر نگر میں معصوم عورتوں کے ساتھ جو ظلم ہوا اس سے زیادہ بھیانک اور شرمناک سلوک سورت میں مسلم خواتین کے ساتھ کیا گیا اس کے تصور سے ہی شرم اور اذیت سے آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا ہے لیکن خواتین کی تنظیموں نے انسانیت کی اس رسوائی کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ ایک ملک، ایک قوم اور ایک سوسائٹی میں انصاف کے یہ الگ الگ پیمانے استعمال ہورہے ہیں اور سب لوگ دیکھ کر بھی خاموش ہیں۔ یہ ماوشما کی تفریق شاید ہمارا قومی مزاج بن چکی ہے

جوشی کو اس وبائی بیماری میں بھی آئی ایس آئی کا ہاتھ نظر آگیا۔ جوشی جی سائنس کے ڈاکٹر (پی ایچ ڈی) ہیں (الہ آباد یونیورسٹی میں فزکس (طبیعات) پڑھاتے ہیں انہوں نے دیکھ لیا کہ طاعون کے پسّو (بیکٹیریا) آئی ایس آئی نے چھوڑے ہیں بدقسمتی سے ان کی تھیوری کو کسی نے نہیں مانا خوشی قسمتی سے انہیں یا اڈوانی کو ان دنوں بخار بھی نہیں آیا ورنہ وہ آئی ایس آئی کی سازش کا عملی ثبوت پیش کردیتے کہ کس طرح

پاکستان ہندوتو کے لیڈروں کو طاعون میں مبتلا کرکے رام جنم بھومی مندر بنانے میں رکاوٹ ڈالنا چاہتا ہے۔ وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے بھی ایک سوال کے جواب میں تسلیم کیا کہ پریس نے پلیگ کی خبروں کی مبالغہ آرائی کے ساتھ تشہیر کرکے ساری دنیا میں سراسیمگی پھیلادی۔ اس سے ہندوستان کی ساکھ کو نقصان پہنچا۔

ہمارے پریس کا برسوں سے جو مزاج بن گیا ہے اسے کوئی اور جانے یا نہ جانے ہندوستان کے مسلمان اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ ملک میں آج تک جس قدر فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ہیں اس آگ پر تیل چھڑکنے کا کام اکثر پریس نے ہی کیا ہے۔ ایک چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بنادینا پریس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ فسطائیوں کے اشتعال انگیز بیانات کی جتنی تشہیر پریس کرتا ہے اس سے کون واقف نہیں۔ نفرت کی چنگاری کو ہوادے کر شعلہ بنانا اس پریس کا محبوب مشغلہ ہے۔ مسلمانوں نے بار بار استغاثہ کیا کہ پریس ضابطے کو سخت کرکے فسطائی پریس کو لگام دی جائے لیکن جمہوریت پریس کی آزادی اظہار رائے کا حق وغیرہ سنہری اصطلاحات کے پردے میں پریس کو چھوٹ دی گئی۔ اکثر اخبارات نے فرقہ وارانہ منافرت میں کھلی جانبداری کا مظاہرہ کیا۔ مسلمانوں کی ہر بات کو پاکستان کا پڑھایا ہوا سبق اور انہیں پاکستانی ایجنٹ آئی ایس آئی کا تنخواہ یافتہ قرار دیا گیا۔ آج کل یوپی میں ملائم سنگھ کی پارٹی نے دو ہندی روزناموں "جاگرن" اور "امراجالا" کے خلاف تحریک شروع کر رکھی ہے۔ سماج وادیوں کا کہنا ہے کہ یہ اخبارات فرقہ پرستی پھیلاتے ہیں۔ برسوں سے مسلمان اور دیگر انصاف پسند ہندو بھی یہی بات کہتے رہے ہیں کہ پریس کی فرقہ واریت کو روکا جائے تو کوئی دھیان نہیں دیتا تھا۔ پچھلی بار جب علی گڑھ میں فساد ہوا تھا تو امراجالا نے خبر شائع کی کہ فساد میں زخمی ہونے والے ہندوؤں کو جب مسلم یونیورسٹی کے جواہر لال نہرو میڈیکل کالج میں داخل کیا گیا تو مسلمان فسادیوں نے ان پر حملہ کردیا۔ اس اشتعال انگیز خبر سے شہر میں تشدد کی نئی لہر دوڑ گئی بعد کو تحقیق سے پتہ چلا کہ خبر بالکل بے بنیاد تھی اور محض شرانگیزی کے لئے گھڑی گئی تھی مسلم یونیورسٹی کے ذمہ داروں نے اگرچہ فوری طور پر اس کی تردید بھی کی لیکن فسطائی اپنا خونی کھیل کھیلتے رہے۔ اس اخبار کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی اب سماج وادی پارٹی نے جب اس کے خلاف تحریک چلائی تو بی جے پی کے ایم پی بھگوان شنکر راوت پریس کی آزادی کے نام پر سپریم کورٹ میں استغاثہ لے کر پہنچ گئے جب اس اخبار نے فسادات کی آگ بھڑکائی تو کوئی اسے انسانیت دشمنی کی سزا دلانے کے لئے عدالت میں نہیں پہنچا تھا۔

بات تلخ ہے (اور سچی بات تلخ ہوتی ہے) کہ پولس 'پی اے سی' پریس اور دیگر سرکاری وغیر سرکاری ایجنسیوں اور اداروں کو جمہوریت کے نام پر بے لگام ہونے کی پوری چھوٹ دی گئی ان کا اصل نشانہ چونکہ مسلمان تھے لہٰذا سب مطمئن رہے کہ ان کی سرگرمیوں اور سفاکیوں سے "ہمارے مفاد" پر کوئی آنچ نہیں آتی' ہر شکایت کو سرکاری تحقیق کے بعد بے بنیاد قرار دے کر مسترد کردیا گیا۔ پریس کو بھی پولس اور جبکہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ملک میں سماجی انصاف اور مساوات پر مبنی سماج (اگیلی ٹیرین سوسائٹی) قائم کررہے ہیں قول اور فعل میں یہ تضاد آخر کس بات کی نشاندھی کرتا ہے۔ ہر انسان کو ان معصوم اور مظلوم خواتین سے دلی ہمدردی ہے سورت کی خواتین کی طرح یہ بھی درندگی کا شکار ہوئی ہیں۔ سرکار کا فرض ہے کہ بلا تفریق مذہب مظلوموں کی دادرسی کرے۔

پلیگ اور پریس

گذشتہ دنوں ہندوستان کو جس طرح طاعون فوبیا (طاعون کا خوف) کی بیماری لاحق ہوئی وہ عبرت کا ایک نمونہ ہے وہ انسان جو سفاکی پر آتا ہے تو درندوں کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے جب خود موت کے خوف سے دوچار ہوتا ہے تو کس طرح دیوانہ وار عافیت و حفاظت کے گوشے تلاش کرتا ہے۔ ابھی کل تک ہندوستان کے ماہرین صحت دعویٰ کرتے تھے کہ طاعون ہمارے ملک سے ختم ہوگیا ہے ان کے اس دعوے کی بنیاد پر قوم مطمئن تھی کہ مہاماری سے نجات مل گئی ہے لیکن سورت میں جو بیماری پھیلی اسے طاعون (پلیگ) کا نام ہی دیا گیا اور اس نام کی وجہ سے ہی نہ صرف سورت' بلکہ پورے ہندوستان اور ہندوستان کے واویلا کے نتیجہ

میں پوری دنیا پلیگ کے آسیب میں مبتلا ہوگئی۔ اگرچہ کافی عرصہ تک ماہرین صحت اس بارے میں کوئی قطعی رائے نہیں دے سکے کہ سورت میں پھوٹ پڑنے والی بیماری واقعی طاعون ہے یا کچھ اور طاعون کی بیماری چوہوں کے مرنے سے پھیلتی ہے لیکن اس بیماری میں یہ علامتیں ہر جگہ نہیں پائی گئیں لاتور وغیرہ جہاں ڈیڑھ سال قبل بھیانک زلزلہ آیا تھا' وہاں پتھروں کے نیچے چوہے ضرور پائے گئے اور مرے بھی۔ لیکن دیگر مقامات پر جہاں ہر بخار کے کیس کو پلیگ سمجھا گیا چوہوں کی اجتماعی موت کسی نے نہیں دیکھی اس لئے کچھ ماہرین نے اسے نمونیہ پلیگ کا نام دیا کچھ کی اب بھی یہی رائے ہے کہ یہ طاعون نہیں تھا۔

اس مزعومہ طاعون کی تشہیر ہمارے قومی پریس نے اس وسیع پیمانے پر کی اور اس طرح آسمان سر پر اٹھایا کہ ساری دنیا سہم کر رہ گئی۔ سارا ہندوستان ایک طرح سے ایڈز کا مریض بن گیا جس سے ہر شخص خوفزدہ ہوتا ہے۔ دنیا کے بیشتر ملکوں نے ہندوستان کے لئے ہوائی سروس بند کردی۔ پاکستان نے سمجھوتہ ایکسپریس کی آمد و رفت بند کردی۔ دوسرے ملکوں سے مال آنا اور جانا بند ہوگیا اور در آمدات و بر آمدات کی مارکیٹ ٹھپ ہوگئی۔ ٹوگو کے صدر اس وقت ہندوستان کے سرکاری دورے پر تھے وہ بیچ میں ہی اپنا دورہ مختصر کرکے نئی دہلی سے فرار ہوگئے ایران کے صدر علی اکبر ہاشمی رفسنجانی اکتوبر کے دوسرے ہفتہ میں ہندوستان آنے والے تھے ان کے دورے کو بڑی اہمیت دی جارہی تھی لیکن طاعون کے خوف سے ان کا دورہ بھی ایک ہفتہ کے لئے ملتوی ہوگیا اور جب اکتوبر کے تیسرے ہفتہ تک صورت حال اطمینان بخش نہیں ہوئی تو اسے غیر معینہ عرصہ کے لئے ملتوی کردیا گیا۔

طاعون کی اس یلغار کے لئے حکومت نے قومی پریس کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے جس نے اس بیماری کے پھوٹ پڑنے کو اتنا زیادہ اچھالا کہ ہندوستان ساری دنیا میں اچھوت بن گیا۔ ایک اندازے کے مطابق ملک کو چار ہزار کروڑ روپیہ صرف بر آمدات کے شعبہ میں نقصان ہوا ہے۔ اگر سیاحوں کی آمد' ہوائی کمپنیوں کے نقصانات' اندرون ملک کاروباری سرگرمیوں کے تعطل کو بھی حساب میں رکھا جائے تو یہ نقصان کئی گنا بڑھ جائے گا۔

جیسی کہ فسطائیوں کی ذہنیت ہے بی جے پی کے مرلی منوہر پی اے سی کی طرح سرکار نے یا اس کے ذمہ دار اداروں نے تحفظ دیا۔ پریس کونسل نے کبھی کبھی سرزنش کردی اور بس۔ اب پریس کو مبالغہ آرائی کا چسکا پڑ چکا ہے اب پلیگ کو اس نے جس انداز سے اچھالا اور پوری دنیا نے ہندوستان کو قرنطینہ میں بند کردیا تب سرکار کو اعتراف کرنا پڑا کہ ہمارا پریس غیر ذمہ دار ہے۔ اگر پہلے اقلیتوں کی فریاد پر کان دھرا جاتا اور ان اداروں پر کنٹرول کیا جاتا تو نہ مظفر نگر کا شرمناک واقعہ پیش آتا نہ پلیگ کی عالمگیر پبلسٹی ہوتی۔ اب سب کے منہ کو خون لگ چکا ہے اگر اب بھی انہیں ضابطوں کا پابند نہ کیا گیا تو آئندہ ہمیں دنیا کے سامنے ایسے ہی بہت سے فرضی پلیگوں کے لئے شرمسار ہونا پڑیگا۔

بقیہ: حقوق والدین

● ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا:

رغم أنفه، ثم رغم أنفه، ثم رغم أنفه، قيل: من يا رسول الله قال: من أدرك والديه عنده الكبر، أحدهما أو كليهما ثم لم يدخل الجنّة (۳)

اس کی ناک غبار آلود ہو' اس کی ناک خاک آلود ہو' اس کی ناک خاک آلود ہو (وہ ذلیل و خوار ہو) آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! یہ بددعا کس کے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بوڑھاپا پایا پھر ان کی خدمت کرکے جنت میں داخل نہیں ہوا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت و اطاعت اور ان کی رضاجوئی دخول جنت کے اسباب و وسائل میں سے ایک اہم وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ ان کی خدمت و اطاعت اور ان کے ساتھ عاجزی و انکساری کے ساتھ پیش آنے سے جنت کے عالیشان محلوں میں دائمی اور ابدی ٹھکانا ملے گا۔ جس میں راحت ہی راحت ہے' جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

پس دنیا کی رونقوں اور دلفریبیوں میں پڑ کر جنت جیسی نعمت بھری جگہ سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ (جاری)

---

(۳) صحیح مسلم البر والصلۃ والآداب باب ۳ ح ۲۵۵۱' مسند احمد ۲/۳۴۶۔

محمد عزیر شمسی

"خلیفۃ اللہ" سے متعلق احادیث کی تحقیق

جنوری ۱۹۹۱ء میں میں نے اپنا ایک مضمون "خلیفۃ اللہ کا مفہوم" التوعیہ میں اشاعت کے لئے بھیجا تھا، جو اس کے اپریل تا ستمبر ۱۹۹۱ء کے شماروں میں شائع ہوا۔ اس میں میں نے جناب صبیح الدین انصاری صاحب کے دو مضامین کا تنقیدی جائزہ لیا تھا۔ اور ان کی بعض علمی اور تحقیقی غلطیوں کی نشاندہی کی تھی۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی بھی اسلامی موضوع پر لکھنے کے آداب و قواعد سے قارئین کو نظری اور عملی طور پر واقف کرا دیا جائے۔ تاکہ وہ ہر کس و ناکس کی کسی تحریر کو حرف آخر نہ سمجھ بیٹھیں۔ بلکہ علمی تحقیق کے اصول و ضوابط کو پیش نظر رکھ کر مزید تلاش و جستجو اور تنقید و استدراک کی جرأت اپنے اندر پیدا کریں۔

مجھے توقع تھی کہ جلد ہی میرے مضمون پر تعاقب بھی کسی فاضل محقق کے قلم سے شائع ہوگا۔ مگر ایک طویل عرصہ تک خاموشی رہی۔ ادھر اکتوبر و نومبر ۱۹۹۳ء کے شماروں میں جناب رفیق احمد سلفی صاحب کا ایک مضمون "خلیفہ اور خلافت" شائع ہوا جس میں میرے مضمون کی پہلی قسط کے صرف اس حصہ پر تنقید ہے جس میں میں نے "خلیفۃ اللہ" کے الفاظ پر مشتمل دو حدیثوں پر بحث کی ہے جنھیں صبیح الدین انصاری صاحب اپنی تحریروں میں نظر انداز کر گئے تھے ـــــــ "التوعیہ" کے مذکورہ دونوں شمارے مئی ۱۹۹۴ء کے وسط میں مجھے دستیاب ہوئے۔ مضمون پڑھ کر اندازہ ہوا کہ فاضل دوست نے حدیث، اصول حدیث اور رجال کی کتابوں کی چھان بین صرف اس غرض سے کی ہے کہ محدثین جن دونوں حدیثوں کی تصحیح کر چکے ہیں انھیں کسی طرح ضعیف اور ناقابل احتجاج قرار دیں۔ ان کی یہ کوشش مخلصانہ سہی مگر غیر محمود ہے۔ ذیل میں دونوں حدیثوں پر ان کی تنقید کا جائزہ لیا جا رہا ہے تاکہ حقیقت حال سامنے آسکے۔

یہاں میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے "خلیفۃ اللہ" کے الفاظ پر مشتمل اور بھی تین حدیثیں ملی تھیں، مگر چونکہ محدثین نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے جیسا کہ فاضل محقق ڈاکٹر عبدالعلیم بستوی نے اپنے تحقیقی مقالے "احادیث المہدی" میں بہ تفصیل بیان کیا ہے۔ اس لئے عمداً میں نے ان کا ذکر اپنے مضمون میں نہیں کیا تھا۔ وہ حدیثیں حسب ذیل ہیں:

(۱) عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "یخرج المہدي وعلیٰ رأسہ عمامۃ فیہا منادٍ ینادي: ھٰذا المہدي خلیفۃ اللّٰہ فاتّبعوہ۔" (میزان الاعتدال ۲/۶۷۹، الحاوی للسیوطی ۲/۶۱)

(۲) عن ثوبان قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "إذا رأیتم الرایات السود قد أقبلت من خراسان فأتوھا ولو حبوًا علی الثلج، فإن فیہا خلیفۃ اللّٰہ المہدي"

(مسند احمد ۵/۲۷۷، العلل المتناہیۃ ۲/۷۷۳، الحاوی ۲/۶۳، ۶۴)

(۳) عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إذا أقبلت الرایات السود من خراسان فأتوھا فإن فیہا خلیفۃ اللّٰہ المہدي"

(اللآلئ المصنوعۃ ۱/۴۳۳، التعقبات علی الموضوعات للسیوطی ص ۶۰، القول المسدد لابن حجر ص ۹۷-۹۸)

ان تینوں کو نظرانداز کردینے کے بعد زیر بحث دو صحیح حدیثیں یہ ہیں:

(۱) حذیفہ بن الیمان کی ایک طویل حدیث جس کے حسب ذیل طرق میں یہ الفاظ آئے ہیں:

[الف] قتادة عن نصر بن عاصم الليثي عن خالد بن خالد اليشكري عنه: "..... ثم تنشأ دعاة الضلالة، فإن كان لله يومئذٍ في الأرض خليفة جلد ظهرك وأخذ مالك فالزمه، وإلا مُتّ وأنت عاضٌّ علىٰ جذل شجرة".....

(مصنف عبد الرزاق ۱۱/ ۳۴۲، مسند احمد ۵/ ۴۰۳، ۴۰۴، ابوداؤد [رقم ۴۲۴۴، ۴۲۴۵] مستدرک الحاکم ۴/ ۴۳۲)

[ب] أبو التياح عن صخر بن بدر العجلي عن سبيع بن خالد عنه: ".......تكون دعاة الضلالة، قال: فإن رأيت يومئذٍ خليفة الله في الأرض فالزمه وإن نهك جسمك وأخذ مالك فإن لم تر فاهرب في الأرض، ولو أن تموت وأنت عاضٌّ بجذل شجرة ......"

(مسند احمد ۵/ ۴۰۳، مسند الطیالسی ص ۶۰۔ ابوداؤد [رقم ۴۲۴۷] میں اس سند سے صرف ایک ٹکڑا "فإن لم تجد يومئذ خليفة فاهرب حتى تموت ...." مذکور ہے۔ نیز دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/ ۸)

[ج] هشام الدستوائي عن قتادة عن سبيع بن خالد عنه:

(مسند الطیالسی ص ۶۰ میں اس سند کا ذکر بھی ابوالتیاح والی سند کے ساتھ کیا گیا ہے۔ گویا اس کے الفاظ بھی وہی ہیں۔ خطابی نے غریب الحدیث ۱/ ۲۳۷ میں اس سند سے پوری حدیث نقل نہیں کی ہے)

(۲) دوسری حدیث ثوبان کی ہے جو بطریق أبي قلابة عن أبي اسماء الرحبي عن ثوبان مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"يقتتل عند كنزكم ثلاثة، كلهم ابن خليفة، ثم لايصير إلى واحد منهم، ثم تطلع الرايات السود من قِبَل المشرق، فيقتلونكم قتلاً لم يقتله قوم " ثم ذكر شيئًا لا أحفظه، فقال: "فإذا رأيتموه فبايعوه، ولو حبوًا على الثلج، فإنه خليفة الله المهدي"

(ابن ماجہ [رقم ۴۰۸۴] مستدرک الحاکم ۴/ ۴۶۳، ۵۰۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۵۱۵)

جناب رفیق احمد سلفی نے پہلی حدیث پر بحث کرتے ہوئے اس کے مختلف طرق ذکر کئے ہیں(۱)۔ ان کی تنقید کا خلاصہ یہ ہے کہ حذیفہ سے "خلیفۃ اللہ" والا ٹکڑا روایت کرنے میں سبیع بن خالد منفرد ہیں، ان کی کوئی متابعت نہیں کرتا۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں انھیں مقبول کہا ہے جو تعدیل وتوثیق کے گھٹیا الفاظ ہیں۔ اس کے ایک طریق میں صخر بن بدر العجلی مجہول راوی ہے۔ اس لئے "چنداں لائق التفات نہیں" نیز صخر بن بدر اور نصر بن عاصم دونوں کی روایتوں میں اضطراب ہے۔ کسی میں "فإن لم تجد يومئذ خليفة فاهرب....." آیا ہے۔ کسی میں "إن كان لله يومئذ في الأرض خليفة" وارد ہے، اور کسی میں "فإن رأيت يومئذ خليفة في الأرض" ہے۔ مزید یہ کہ سبیع بن خالد کی یہ روایت "دیگر ثقات کی روایات کے خلاف ہے۔ کیوں کہ ثقات کی روایتوں میں خلیفہ کے بجائے "امام" اور "امیر" کا لفظ وارد ہے۔ اور ثقہ کی روایت اپنے سے اوثق یا دیگر ثقات کی روایتوں کے خلاف ہو تو محدثین کی اصطلاح کے مطابق "شاذ" کہلاتی ہے جو ان کے نزدیک مردود اور ناقابل احتجاج ہوتی ہے"۔

بہ ظاہر یہ ساری باتیں بڑی وزن دار معلوم ہوتی ہیں مگر محدثین کے منہج نقد روایات کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان اعتراضات

---

(۱) موصوف نے حذیفہ سے اس حدیث کی روایت کرنے والوں میں زید بن وہب کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کے لئے مسند احمد (۵/ ۴۰۴) کا حوالہ دیا ہے جس میں حدیث کے الفاظ مذکور نہیں۔ "فذکر الحدیث" کہنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں "تلاش بسیار کے باوجود اس سند سے وارد الفاظ ہمیں نہیں مل سکے"۔ ـــــ راقم یہ کہنا چاہتا ہے کہ زید بن وہب کی اس روایت کا زیر بحث حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک مشہور روایت ہے جو بخاری (رقم ۷۰۸۶، ۶۴۹۷، ۷۲۷۶) مسلم ۱/ ۱۲۶ رقم ۲۳۰، مسند احمد ۵/ ۳۸۳، ۳۸۴، مسند الحمیدی ۱/ ۲۱۱، مسند الطیالسی ص ۵۷، صحیح ابن حبان ۷/ ۲۶۷ وغیرہ میں موجود ہے۔

کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔ موصوف نے حافظ ابن حجر کی "تقریب التہذیب" کے مقدمے سے کسی راوی کے "مقبول" اور "لین" ہونے کا مفہوم نقل کیا ہے۔

"من ليس له الحديث إلا القليل، ولم يثبت فيه مايترك حديثه من أجله، وإليه الإشارة بلفظ مقبول حيث يُتابَع، وإلا فليّن الحديث"

اگر وہ اس کی تطبیق مذکورہ راوی سبیع بن خالد پر کرتے تو انھیں بخوبی معلوم ہو تا کہ اس سے بہت کم حدیث مروی ہے' اور اس کے بارے میں کوئی ایسی بات ثابت نہیں جس کی وجہ سے اس کی حدیث متروک ٹھہرے' اور وہ حدیث کی روایت کرنے میں منفرد نہیں بلکہ اس کی متابعت کی گئی ہے۔۔۔۔۔۔۔ متابعت کے لئے ضروری نہیں کہ حدیث کے تمام الفاظ بعینہٖ وہی ہوں جو دوسری روایت کے ہیں۔ بلکہ اس مفہوم کی روایت بالمعنٰی منقول ہو تب بھی کافی ہے۔ حافظ ابن حجر "نزھۃ النظر" میں فرماتے ہیں:"

"ولاالقتصار في هذه المتابعة-سواءٌ كانت تامةً أم قاصرةً-على اللفظ، بل لوجاءت بالمعنى كفى كونها مختصة من رواية ذلك الصحابي"

اس حدیث کے مختلف طُرق کے الفاظ کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ سب میں ایک ہی بات مختلف پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ بعض طُرق کے الفاظ ہم ذکر کر آئے ہیں۔ اب حسب ذیل طُرق کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

(۱) ابو ادريس الخولاني عن حذيفة: "...... دعاة إلى أبواب جهنم، من أجابهم إليها قذفوه فيها... قلت : فما تأمرني إن أدركني ذلك ؟ قال: تلزم جماعة المسلمين وإمامهم، قلت: فإن لم يكن لهم جماعة ولاإمام ؟ قال: فاعتزل تلك الفِرَق كلّها، ولو أن تعضّ بأصل شجرة حتّى يدركك الموت وأنت على ذلك "

(بخاری [مناقب ۲۵' فتن ۱۱]' مسلم ۳/۱۴۷۶' ابن ماجہ [رقم ۳۹۷۹])۔

(۲) ابو سلام عن حذيفة :"...... قلت: كيف أصنع يا رسول الله إن أدركت ذلك؟ قال: تسمع وتطيع للأمير وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك فاسمع وأطع" (مسلم ۳/۱۴۷۶)۔

(۳) عبد الرحمٰن بن قرط عن حذيفة :"..... دعاة إلى النار، فلأن تموت وأنت عاضّ على جذل شجرة خير لك من أن تتبع أحدا منهم "

(نسائی [سنن کبریٰ ۵/۱۸]' مستدرک حاکم ۴/۴۳۲' ابن ماجہ [رقم ۳۹۸۱ مختصرًا])۔

(٤) حميد بن هلال عن نصر بن عاصم عن اليشكري عن حذيفة:".... دعاة على أبواب النار، وأنت أن تموت يا حذيفة وأنت عاضّ على جذل خير لك من أن تتبع أحدًا منهم "

(مسند احمد ۵/۳۸۷' مسند الطیالسی ص ۵۹' ابوداود [رقم ۴۲۴۶]' نسائی [سنن کبریٰ ۵/۱۸]' مصنّف ابن ابی شیبہ ۱۵/۹' حلیۃ الأولیاء ۱/۲۷۱)۔

(٥) عليّ بن زيد عن اليشكري عن حذيفة: "..... دعاة ضلالة على أبواب جهنم مَن أجابهم قذفوه فيها" (مسند احمد ۵/۴۰۶)۔

جو بھی حدیث کے ان الفاظ اور پچھلے الفاظ پر مجموعی نظر ڈالے گا اسے ان کے درمیان اختلاف واضطراب کے بجائے ایک ہی مفہوم کو مختلف پیرائے میں ادا کرنے کی کوشش نظر آئے گی۔ محترم رفیق صاحب صخر بن بدر اور نصر بن عاصم کی روایتوں کے درمیان جو اضطراب دکھا رہے ہیں وہ فی الواقع کوئی اضطراب نہیں۔ کیا "فإن كان لله يومئذ في الأرض خليفة" اور "فإن رأيت يومئذ خليفة الله في الأرض" کے درمیان کوئی اختلاف ہے؟ اور کیا "وإلا مُتَّ وأنت عاضٌّ على جذل شجرة..." اور "فإن لم تر فاهرب في الأرض ولو أن تموت وأنت عاضّ بجذل شجرة..." اور "فإن لم تجد يومئذ خليفة فاهرب حتّى تموت..." کے درمیان کوئی اضطراب سمجھ میں آتا ہے؟ مجھے سخت حیرت ہے کہ محترم موصوف اس روایت کی تضعیف کے جوش میں یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

اضطراب کے علاوہ موصوف نے جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ سبیع بن خالد کی روایت میں "خلیفۃ اللہ" کا لفظ دیگر ثقات کی روایات کے خلاف ہے، کیونکہ ثقات کی روایتوں میں خلیفہ کے بجائے "امام" اور "امیر" کا لفظ وارد ہے، لہٰذا سبیع کی روایت شاذ قرار پاتی ہے۔۔۔۔۔جواباً عرض ہے کہ ہمارے نزدیک یہ سارے الفاظ ہم معنی ہیں۔ مسلم حکمران اعلیٰ کو اسلامی اصطلاح میں "امام" "امیر" "امیر المومنین" "خلیفہ" "خلیفۃ اللہ" "خلیفۃ المسلمین" سارے ہی الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے درمیان معنی و مقصود کے لحاظ سے کوئی اختلاف نہیں۔ احادیث و آثار اور عربوں کے یہاں عام استعمال میں ان الفاظ کا اطلاق مشہور و معروف ہے۔۔۔۔ سبیع کی مذکورہ روایت کی تضعیف میری معلومات کی حد تک کسی محدث سے منقول نہیں۔ اس کے شذوذ کا ذکر بھی جناب رفیق صاحب کی تحریر سے قبل کہیں نظر سے نہیں گذرا۔ موصوف کو شاید علم نہیں کہ علامہ البانی نے اس روایت کا ذکر "سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ" (رقم ۱۷۹۱) میں کیا ہے۔ پہلے انھوں نے صخر بن بدر العجلی کی روایت درج کی ہے اور لکھا ہے:

" قلت: وهذا إسناد ضعيف، سبيع وهو ابن خالد اليشكرى روٰى عنه جماعة من الثقات ...... وصخر بن بدر العجلي مجهول، قال الذهبي: ماروٰى عنه سوٰى أبى التياح الضبعيٌ

پھر نصر بن عاصم کی روایت ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"قلت: لٰكن تابعَه نصربن عاصم الليثى عن خالد به نحوه وفيه " فإن كان للّٰه يومئذ فى الأرض خليفة......"..... قلت: وهذا إسناد حسن، فإن من دون خالد ثقات رجال مسلم، فهو أصح من رواية صخر بن بدر التي فيها "خليفة اللّٰه" فإن هذه الإضافة استنكرها شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه اللّٰه، ولو صحّت عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لم نعبأ باستنكاره"۔

گویا علامہ البانی کے نزدیک نصر بن عاصم کی روایت کی سند حَسَن ہے، اور صخر بن بدر العجلی والی روایت کی سند ضعیف۔ انھیں پہلی طریق سے وارد "فإن كان لِلّٰهِ يومئذٍ في الأرض خليفةً" والی روایت دوسری طریق سے وارد روایت "فإن رأيت يومئذٍ خليفةَ اللّٰهِ في الأرض" سے اصح لگتی ہے۔ کیونکہ اس میں "خلیفۃ اللہ" (بصیغۂ اضافت) وارد نہیں، بلکہ "لِلّٰہ۔ خلیفۃ" کے الفاظ ہیں جو اضافت کی شکل میں نہیں ہیں۔

راقم الحروف کی نظر میں ان دونوں تعبیروں کے درمیان معنوی طور پر کوئی فرق نہیں۔ اگر نحو کی کتابوں میں اضافت کی بحث اٹھا کر دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر اضافت "لام" یا "مِن" یا "فی" کے معنی کو متضمن ہوتی ہے۔ "کتابُ زیدٍ" "خاتمُ فضۃٍ" اور "مکرُ اللیلِ" دراصل "کتابٌ لِزیدٍ" "خاتمٌ مِن فضۃٍ" اور "مکرٌ فی اللیلِ" کے معنی پر مشتمل ہے۔ اس طرح "خلیفۃُ اللہ" اور "خلیفۃٌ لِلّٰہ" "عبدُ اللہ" اور "عبدٌ لِلّٰہ" "رسول اللہ" اور "رسولٌ مِن اللہ" "نصر اللہ" اور نصرٌ مِن اللہ" ہم معنی ہیں۔ دونوں کے درمیان کوئی معنوی اختلاف نہیں۔ لہٰذا حدیث میں وارد "خلیفۃ اللہ" (بصیغۂ اضافت) اور "لِلّٰہ ۔ خلیفۃٌ" (بہ اظہار لام) دونوں ہی ایک معنی پر دلالت کرتے ہیں، اب اگر دوسرا لفظ خود البانی صاحب کے نزدیک صحیح ہے تو اس کا معنی ان کے نزدیک "خلیفۃ اللہ" والی ترکیب سے کتنا اور کیوں مختلف ہے اس پر انھوں نے کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ البتہ انھوں نے اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا استنکار نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ترکیب اضافی کی صحت ثابت ہوتی تو ہمیں ابن تیمیہ کے استنکار کی پرواہ نہ ہوتی۔

ہم اپنے پچھلے مضمون میں بہ تفصیل ذکر کر چکے ہیں کہ ابن تیمیہ کے استنکار کی بنیاد حضرت ابوبکر اور عمر بن عبدالعزیز سے منقول دو ضعیف اور منقطع اثر، اور اس ترکیب سے (نعوذ باللہ) بظاہر اللہ کی عاجزی کا مفہوم متبادر ہونا ہے۔ ان کے پاس اس ترکیب سے ممانعت کے لئے کوئی صحیح حدیث نہیں۔ عقلی طور پر جس مفہوم کے متبادر ہونے کا انھوں نے تصور کیا ہے، وہ اس ترکیب کے مجوزین کے یہاں قابلِ قبول نہیں۔ انھوں نے اس ترکیب کے ایسے معنی مراد لئے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر کوئی حرف نہیں آتا، اور نہ ہی کسی عجز اور نقص کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی عبارت کسی حدیث سے ثابت ہوجائے تو اسے اچھے معنی پر محمول کرنے کے بجائے کوئی غلط معنی متبادر ہونے کا

عقلی اشکال پیش کرنا اہل سنت کا منہج نہیں۔ یہ رویہ تو معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ کا ہے جو عموماً صفات باری سے متعلق وارد نصوص کے انکار یا تاویل کے لئے ان سے غلط معنی متبادر ہونے کا عقلی اشکال پیدا کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ تو زندگی بھر اہل سنت کے منہج کی وضاحت اور متکلمین کے طریقۂ کار کی تردید کرتے رہے، خصوصاً اپنی بے نظیر کتاب "درء تعارض العقل والنقل" اور "نقض تاسیس الجہمیۃ" میں جو خاص اسی موضوع پر مشتمل ہیں۔۔۔۔۔ پھر مجھے حیرت ہے کہ "خلیفۃ اللہ" کی تعبیر کو غلط قرار دینے کے سلسلے میں وہ متکلمین کے اسی طریقے پر کاربند کیسے ہوگئے؟ ایسا لگتا ہے کہ انھیں حضرت ابو بکر اور عمر بن عبد العزیز والے دونوں آثار کے ضعیف اور منقطع ہونے پر تنبیہ نہیں ہوا۔ اور حذیفہ اور ثوبان کی وہ دونوں حدیثیں اس مسئلہ پر بحث کرتے وقت ان کے پیش نظر نہیں تھیں۔ ورنہ وہ ضرور ان کا اثباتاً یا نفیاً ذکر کرتے۔

بہر حال علامہ البانی نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا استنکار نقل کرنے کے باوجود "خلیفۃ اللہ" والی روایت کے بجائے "لِلّٰہ۔۔ خلیفۃ" والی روایت کو اصح بتایا ہے۔ ان کے خیال میں اشکال صرف ترکیبِ اضافی میں ہے۔ اس روایت میں نہیں۔ لیکن اگر عربی زبان کے اسالیب اور قواعد کی روشنی میں دیکھا جائے تو "خلیفۃ اللہ" اور "لِلّٰہ۔۔۔ خلیفۃ" دونوں کے درمیان معنوی طور پر کوئی فرق نہیں نظر آئے گا جیسا کہ تفصیل سے ذکر کیا گیا۔

صرف علامہ البانی ہی نے اس حدیث کو حَسَن نہیں کہا ہے، بلکہ حافظ ابن حجر کے طریقۂ کار سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی صحت یا حُسن کے قائل ہیں۔ انھوں نے "مقدمہ فتح الباری" (ص ۴) میں اپنا منہج بتاتے ہوئے لکھا ہے:

"...ثم أستخرج ثانيًا ما يتعلق به غرض صحيح في ذلك الحديث من الفوائد المتنية والإسنادية من تتمات وزيادات وكشف غامض وتصريح مدلّس بسماعه ومتابعة سامع من شيخ اختلط قبل ذلك، منتزعًا كلّ ذلك من أمهات المسانيد والجوامع والمستخرجات والأجزاء والفوائد بشرط الصحة أو الحسن فيما أورده من ذلك"

یعنی وہ صحیح بخاری کی کسی حدیث کے تمام مختلف طُرُق اور الفاظ کی چھان بین حدیث کی دیگر کتابوں میں کرتے ہیں اور ان سے سند و متن کے فوائد اور تتمات و زیادات اخذ کرتے ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ وہ روایتیں صحیح یا حَسَن ہوں۔۔۔۔۔ حافظ ابن حجر کی اس تصریح کے پیشِ نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے نزدیک سبیع بن خالد کی مذکورہ روایت صحیح یا حَسن ہے۔ کیوں کہ بخاری میں ابو ادریس الخولانی کی طریق سے مذکورہ روایت کی شرح (فتح الباری ۱۳ر۳۸-۴۱ رقم حدیث ۷۰۸۴) کرتے ہوئے انھوں نے جن طُرُق سے وارد روایتوں کا مقارنہ کیا ہے ان میں سبیع بن خالد یا خالد بن سبیع کی طریق بھی شامل ہے۔ جو حافظ کے منہج کے مطابق لازماً صحیح یا حَسَن ہوگی۔ اگر اس کی سند ان کے نزدیک ضعیف ہوتی تو اسے قابلِ التفات نہ سمجھتے یا کم از کم اس کے ضُعف کی طرف اشارہ کرتے۔

حافظ ابن حجر اور علامہ البانی کے علاوہ حاکم نے بھی "مستدرک" (۴ر۴۳۳) میں اس کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ منذری نے بھی "مختصر السنن" (۶ر۱۳۲-۱۳۵) میں اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ اس طرح اس حدیث کے صحیح یا حَسَن ہونے میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اس کے اضطراب، شذوذ اور تفرّد سے متعلق جناب رفیق احمد صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ قابل قبول نہیں۔۔۔۔ شذوذ اور تفرّد کا اطلاق اسی وقت ہوتا ہے جب اس سے حدیث کا معنی و مفہوم بدل جائے یا اس میں کوئی ایسا اضافہ ہو جائے جو حدیث کے اطلاق و عموم پر اثر انداز ہو یا جملہ رُواۃ کسی لفظ پر متفق ہوں، صرف ایک راوی کوئی دوسرا لفظ ذکر کرتا ہو جس سے ان سب کی مخالفت ہوتی ہے۔۔۔۔۔ بحمد اللہ سبیع بن خالد کی مذکورہ روایت میں ایسی کوئی بات نہیں جو حدیث کے معنی و مفہوم پر اثر انداز ہو۔ یا اس سے جملہ ثقات کی مخالفت لازم آتی ہو۔ صرف لفظ "خلیفۃ اللہ" کو بطور شذوذ و تفرد پیش کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس سے حدیث کے پورے سیاق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کی جگہ ابو ادریس الخولانی کی روایت میں "امام" اور ابو سلّام کی روایت میں "الأمیر" ہم معنی الفاظ ہیں۔ دیگر طُرُق میں ان میں سے کوئی لفظ سرے سے وارد نہیں۔۔۔ گویا یہاں متعدد ثقہ رُواۃ کسی ایک لفظ پر متفق نہیں کہ ان کی مخالفت کو تفرّد اور شذوذ قرار دیا

جائے۔ محترم رفیق صاحب کے "قاعدۂ شذوذ و تفرّد" کے لحاظ سے تو ابو سلّام کی روایت میں "الأمیر" کا لفظ بھی شاذ قرار پائے گا' کیوں کہ وہ بخاری میں مذکور ابو ادریس الخولانی کی روایت والے لفظ "امام" سے مختلف ہے۔ نیز بخاری میں موجود الفاظ "دُعاۃٌ إلیٰ أبواب جہنم" اور "بأصل شجرۃ" کے بالمقابل دوسرے رُواۃ کے الفاظ "دُعاۃٌ إلی النار" "دُعاۃُ الضلالۃ" اور "جذل شجرۃ" شاذ قرار پائیں گے ------- کیا موصوف شذوذ اور تفرّد کا یہی مفہوم سمجھتے ہیں؟ ان کے اس قاعدے کی رُو سے تو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بخاری کی تمام احادیث کی شرح کرتے ہوئے ناحق ان کا مقارنہ دیگر کتابوں کی روایتوں سے کیا ہے' کیوں کہ بخاری کے رُواۃ سب سے زیادہ اُوثق اور اس کے طُرُق سب سے اجود' اعلیٰ اور اصح ہوتے ہیں ------ بلکہ اصحاب مستخرجات نے خواہ مخواہ بخاری و مسلم کی حدیثیں دیگر طُرُق سے الفاظ کی کمی' زیادتی اور تبدیلی کے ساتھ درج کرنے کی زحمت اٹھائی۔ موصوف اپنے موقف پر نظر ثانی کریں اور شذوذ و تفرّد کا صحیح مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔

حدیث ثوبان

حذیفہ بن الیمان کی حدیث سے متعلق محترم رفیق صاحب نے جو تنقید کی تھی اس کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم دوسری حدیث کی طرف آتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہم شروع مضمون میں درج کر آئے ہیں جو "ابو قلابہ عن أبي أسماء الرحبي عن ثوبان" کے طریق سے مروی ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ مہدی کو "خلیفۃ اللہ" بتایا ہے --- علّامہ البانی سے قبل اور کسی محدّث سے اس حدیث کی تضعیف (میری معلومات کی حد تک) منقول نہیں۔ اس حدیث کی تصحیح حاکم (مستدرک ۴/۴۶۴) قرطبی (التذکرۃ فی أحوال الموتیٰ وأمور الآخرۃ ص ۶۱۴) ذہبی (تلخیص المستدرک ۴/۴۶۴) ابن کثیر (النہایۃ فی الفتن والملاحم ۱/۵۵) بوصیری (مصباح الزجاجہ ورق ۲۴۹ب) سیوطی (الجامع الصغیر مع الفیض القدیر ۱/۳۶۳) وغیرہم نے کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۳/۸۱) میں اس سے استشہاد کیا ہے ڈاکٹر عبد العلیم بستوی نے بھی "احادیث المہدی" میں اس کی تصحیح کی ہے۔ ان محققین کے بالمقابل علّامہ البانی نے "سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ" (رقم ۸۵) میں اسے منکر بتایا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس کے سند میں ابو قلابہ ہے جو ثقہ ہونے کے باوجود مدلّس ہے اور اس نے "عن" کے ذریعہ اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا "خلیفۃ اللہ المہدی" کسی صحیح سند سے ثابت نہیں اس لئے یہ منکر ہے' جیسا کہ ذہبی نے کہا ہے اس کا منکر ہونا اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت میں کسی کو خلیفۃ اللہ کہنا جائز نہیں۔

میں نے اس کے جواب میں عرض کیا تھا کہ ابو قلابہ کا اگرچہ مدلّسین میں شمار ہوتا ہے مگر بقول حافظ ابن حجر (طبقات المدلسین: ص ۶) وہ ان کے پہلے طبقے میں سے ہیں جن سے شاذ و نادر تدلیس کا ظہور ہوا ہے۔ اس لئے ان سے عنعنہ کے ذریعہ روایت کو محدّثین نے صحت میں قادح نہیں سمجھا ہے' اور مذکورہ بالا سند سے مروی حدیثوں کو محدّثین نے صحیح قرار دیا ہے --- پھر میں نے بطور مثال تین حدیثیں پیش کی تھیں۔

محترم رفیق صاحب نے اس پر تنقید کرتے ہوئے مدلّس کے عنعنہ پر بحث کی ہے۔ اور اصول حدیث کی کتابوں سے راجح قول یہ نقل کیا ہے کہ مدلّس جب تک سماع کی تصریح نہ کرے اس کی روایت قابل قبول نہیں ہوگی۔ جن محدّثین نے اس سند سے آئی ہوئی حدیثوں کی تصحیح کی ہے اس سلسلہ میں ان سے چوک ہوئی ہے۔ پھر میں نے بطور مثال جو تین حدیثیں پیش کی تھیں ان کے بارے میں یہ وضاحت کی ہے کہ یہ سب بصیغۂ تحدیث "مستدرک حاکم" میں موجود ہیں۔ پھر یہ تینوں حدیثیں صحیح مسلم میں مروی ہیں' اور علماء نے تصریح کی ہے کہ صحیحین میں وارد مدلّسین کا عنعنہ اتصال پر محمول ہوتا ہے۔

مجھے اعتراف ہے کہ ان مثالوں کے انتخاب میں میں نے جلدبازی سے کام لیا تھا۔ رفیق صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انھوں نے میری اس غلطی پر تنبیہ کی' اپنی غلطی کا اعتراف کرنے میں مجھے الحمد للہ قطعاً کوئی عار محسوس نہیں ہوتا ------ مگر ابھی راوی "ابو قلابہ" کے بارے میں یہ تحقیق باقی ہے کہ وہ "مدلّس" تھے یا "مُرسِل" اور ان کی روایات پر کیا حکم لگایا جائے گا۔ محترم رفیق صاحب نے مدلّس کے عنعنہ پر تو تفصیلی بحث کرڈالی' مگر رجال کی کتابوں میں "ابو قلابہ" کا ترجمہ دیکھنے کی زحمت نہیں کی تاکہ ان کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ سامنے آجائے۔ اگر وہ "تقریب التہذیب" ہی دیکھ لیتے تو انھیں معلوم ہوجاتا کہ حافظ ابن حجر نے انھیں "ثقۃ فاضل کثیر الإرسال" بتایا ہے' انھیں "مدلّس" نہیں کہا۔ "ارسال" سے

یہاں "ارسالِ خفی" مراد ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راوی کسی ایسے شخص سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات ثابت نہیں ـــــ اور تدلیس یہ ہے کہ راوی کسی ایسے شخص سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات ثابت ہے مگر اس نے وہ روایت اس سے براہ راست نہیں بلکہ کسی دوسرے راوی کے واسطہ سے نقل کی ہے۔ چونکہ اس واسطہ کے بارے میں ثقہ یا ضعیف ہونے کا پتہ نہیں ہوتا اس لئے وہ روایت ضعیف قرار دی جاتی ہے ـــــ ارسال اور تدلیس کے درمیان اس تفریق کا حافظ ابن حجر نے "نزھۃ النظر" میں ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"التدلیس یختص بمن روی عمن عرف لقاءہ إیاہ ، فأماإن عاصرہ ولم یعرف أنہ لقیہ فھو المرسل الخفی"

اس قاعدہ کے پیش نظر مُرسِل مدلّسین میں داخل نہیں۔ سبط ابن العجمی "التبیین لأسماء المدلّسین" میں صراحت کرتے ہیں کہ:"

"اعلم أنہ لایدخل فی المدلّسین القسم الذین أرسلوا ....و....الفرق بین التدلیس وبین الإرسال الخفی أن الإرسال روایۃ الشخص عمن لم یسمع منہ- قال الحافظ ابوبکر البزار: إن الشخص إذا روی عمن لم یدرکہ بلفظ موھم فإن ذٰلک لیس بتدلیس علی الصحیح المشھور"۔

بہرحال ارسال اور تدلیس کے درمیان یہ فرق ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے۔ اب دیکھئے حافظ ابن حجر نے ابوقلابہ کو "کثیرالإرسال" بتایا ہے "مدلّس" نہیں ـــــ پھر تہذیب التہذیب (٥/٢٢٦) میں ابوزرعہ کا قول ملاحظہ فرمایئے، وہ فرماتے ہیں:

"لم یسمع أبوقلابۃ من علیّ ولامن عبد اللّٰہ بن عمر"

اور ابوحاتم فرماتے ہیں:

لم یسمع من أبی زید عمرو بن أخطب، <u>ولایعرف لہ تدلیس</u>"

حافظ ابن حجر اس پر لکھتے ہیں:

"ھذا مما یقوی من ذھب إلی اشتراط اللقاء فی التدلیس لا الإکتفاء بالمعاصرۃ "

آپ نے دیکھا کہ ابوحاتم یہاں ابوقلابہ کے تدلیس کی نفی کر رہے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ان کے عمرو بن اخطب سے عدم سماع کا ذکر کرتے ہیں۔ گویا ان کی صرف وہ روایتیں منقطع تصور کی جائیں گی جنھیں وہ ایسے اشخاص سے نقل کر رہے ہوں جن سے ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ رہے وہ رُواۃ جن سے ان کی ملاقات ثابت ہے ان سے روایت میں تدلیس کا شبہہ نہیں۔ بلکہ وہ سب متصل ہوں گی۔

محترم رفیق صاحب اگر "المراسیل" لابن ابی حاتم (ص١٠٩-١١٠)، "جامع التحصیل" للعلائی (ص ٢١١ طبع ١٩٨٦ء) اور "تہذیب الکمال" للمزی (١٤/٥٤٢-٥٤٨) میں ابوقلابہ کا ترجمہ دیکھ لیتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ وہ واقعی "کثیرالإرسال" ہیں۔ کُتب حدیث میں بہت سے ایسے رُواۃ سے ان کی روایات موجود ہیں جن سے ان کی ملاقات اور سماع ثابت نہیں۔ مگر جن سے ملاقات ثابت ہے ان سے ان کی روایتیں متصل مانی جاتی ہیں۔ علائی "جامع التحصیل" میں فرماتے ہیں:

"روایتہ عن مالک بن الحویرث وأنس بن مالک وثابت بن الضحاک متصلۃ"

اور ذہبی "الکاشف" میں فرماتے ہیں:

حدیثہ عن عمر وأبي ھریرۃ وعائشۃ ومعاویۃ وسمرۃ في سنن النسائي، وتلک مراسیل"

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوقلابہ "مدلّس" نہیں، بلکہ "مُرسِل" ہیں۔ قدمائے نقاد میں کسی نے انھیں مدلّس نہیں بتایا ہے۔ متاخرین میں اگر کسی نے ان کی تدلیس کا ذکر کیا ہے تو اس سے مراد تدلیس اصطلاحی نہیں بلکہ "ارسال خفی" ہے۔ اس کا شمار اصطلاحی طور پر دراصل "مدلّسین میں ہونا ہی نہیں چاہئے ـــــ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے اسے "طبقات المدلسین" میں درج کرنے کے باوجود پہلے طبقہ میں رکھا ہے جس سے شاذونادر تدلیس کا صدور ہوا ہے، اس لئے اس سے عنعنہ کے ذریعہ روایت کو محدّثین نے صحت میں قادح نہیں سمجھا ہے۔ علائی "جامع التحصیل" (ص ١١٣) میں فرماتے ہیں:

ـم ليعلم بعد ذلك أن هؤلاء كلهم ليسوا على
ـٍّ واحدٍ بحيث أنه يتوقف في كلّ ما قال فيه
حد منهم "عن" ولم يصرح بالسماع ، بل هم
لى طبقات : أولها من لم يوصف بذلك إلا
ـرًا جدًا بحيث أنه لا ينبغي أن يُعدّ فيهم،
حيى بن سعيد الأنصاري وهشام بن
ـوة وموسى بن عقبة........"

اس تصریح سے ظاہر ہوا کہ سارے مدلسین ایک درجہ کے
ں کہ ان کا عنعنہ مردود ہو۔ بلکہ پہلے طبقہ کے رُواۃ کا مدلسین میں شمار
ہیں کرنا چاہئے ۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے "طبقات
لسین" میں ابوقلابہ کا ذکر کرنے کے باوجود "تقریب التہذیب" میں
مدلس نہیں بتایا۔ گویا ان کے نزدیک اس کا "مدلس" ہونا قابل ذکر
ں۔

اس تفصیل سے محترم رفیق صاحب سمجھ جائیں گے کہ
قلابہ "مدلس ہیں یا "مرسل" اور ان کا عنعنہ مدلس کے عنعنہ جیسا
یا اتصال پر محمول ہوگا---- میں نے اپنے پچھلے مضمون میں
قلابہ "کو مدلس مان لیتے ہوئے حدیث پر گفتگو کی تھی۔ مگر اب اس
ـرورت باقی نہیں رہی۔ قدمائے محدثین میں سے کسی نے ابوقلابہ کی
ں کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ ابوحاتم رازی جیسے ناقد نے اس کے تدلیس
ی کی ہے--- اب چونکہ ابوقلابہ بذات خود "ثقہ فاضل" ہے، اور
ے علمائے جرح وتعدیل نے متفقہ طور پر اس کی توثیق کی ہے، اس
ان تمام اشخاص سے ان کی روایت متصل مانی جائے گی جن سے ان
ا قات اور سماع ثابت ہے۔ ان کے شیخ "ابواسماء الرحبی" بھی ایسے
: میں شامل ہیں۔ لہٰذا ان سے روایت بلاشبہ متصل ہے خواہ وہ
ثنا" کے لفظ سے ہو یا "عن" سے یا کسی اور لفظ سے---- یہی وجہ
ہ تمام محدثین (البانی کے علاوہ) ان کی ایسی احادیث کو اتصال پر
ں کرتے ہیں اور ان کی تصحیح کرتے ہیں۔ اور ان کی روایات میں
یث" یا "سماع" کی تصریح کی تلاش نہیں کرتے ہیں۔ ہاں اگر
ں" کے ذریعہ کسی ایسے راوی سے وہ حدیث نقل کریں جس سے ان
ا قات ثابت نہیں تو اسے "ارسال" پر محمول کرتے ہیں اور وہاں
ـ کی تلاش کرتے ہیں--- یہ ہے محدثین کا منہج "ابوقلابہ" کی
روایات سے متعلق۔ اس طرح وہ تمام اعتراضات ساقط ہو جاتے ہیں جو
محترم رفیق صاحب نے ان کو "مدلس" بنا کر پیش کئے ہیں۔

رہی ان کی یہ بات کہ "خلیفۃ اللہ المہدی" کا ٹکڑا کسی اور صحیح
جہت سے ثابت نہیں، اور "علقمہ عن ابن مسعود" کی طریق سے یہی
روایت منقول ہے اور اس میں یہ ٹکڑا نہیں ہے ---- تو اس کے
بارے میں عرض ہے کہ ثقات کی زیادتی علماء نے بالاتفاق قبول کی ہے۔
یہاں "ابوقلابہ" بھی بہ اتفاق جمیع محدثین ثقہ ہیں، اس لئے اگر وہ کوئی
روایت بہ اضافہ بعض الفاظ بیان کریں تو وہ بلاشبہہ مقبول ہوگی اس کے
لئے یہ شرط کسی نے نہیں بیان کی کہ وہ اضافہ دوسرے ثقات بھی ضرور
بیان کریں---- لہٰذا ابوقلابہ کی یہ روایت صحیح ہے۔

اور ان کی یہ بات کہ "یہ باری تعالیٰ کی ذات میں نقص وعجز کا
وہم دلاتا ہے" اس کا تفصیلی جواب شروع مضمون میں گذر چکا ہے۔
الحمدللہ ہم اس تعبیر سے نقص وعجز کا کوئی وہم بھی دل میں نہیں لاتے۔
بلکہ اسے صحیح معنوں پر محمول کرتے ہیں، جیسا کہ پچھلے مضمون میں
بتفصیل ذکر کیا گیا ہے، اور اس سلسلے میں متعدد علماء کے اقوال نقل کئے
گئے ہیں۔

خاتمۂ کلام

اب تک کی ساری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ حذیفہ اور
ثوبان دونوں کی حدیثیں محدثین کے منہج کے مطابق صحیح ہیں۔ پہلی
حدیث کی تو خود البانی صاحب نے تصحیح کردی ہے۔ اور دوسری حدیث کی
تضعیف میں البانی صاحب منفرد ہیں۔ دوسرے نقاد نے اس کی تصحیح کی
ہے۔ اور جس علت کی بنا پر البانی صاحب نے اس پر کلام کیا ہے۔ وہ
ساقط ہے۔ فاضل محقق ڈاکٹر عبدالعلیم بستوی نے "احادیث المہدی"
میں مہدی سے متعلق وارد صحیح حدیثوں میں اس کا شمار کیا
ہے---- ان دونوں حدیثوں پر محترم رفیق صاحب نے جو
اعتراضات کئے ہیں، ان کا تفصیلی جائزہ اوپر لیا گیا ہے۔ اب اہل علم فیصلہ
کر سکتے ہیں کہ محدثین کے منہج کے مطابق انھیں صحیح کہنا چاہئے یا
ضعیف؟

موصوف نے مضمون کے شروع میں تحریر کیا ہے کہ "انسان
کے خلیفۃ اللہ ہونے کا مسئلہ خالص اعتقادی ہے"--- میرے نزدیک یہ
مسئلہ اعتقادی نہیں کہ اس پر ایمان لانا واجب ہو، عقائد کی کتابوں میں

کہیں اس کا نام ونشان نہیں ملتا۔۔۔ ہاں مسئلۂ ”خلافت وامامت“ فی نفسہٖ بنیادی اہمیت رکھتا ہے (خواہ انسان کو اللہ کا خلیفہ مانا جائے یا رسول کا یا انسانوں کا)۔ خلافت کے قیام کے بغیر مسلمانوں کے سارے مسائل معلق رہتے ہیں۔ اسلامی قانون کا نفاذ موقوف ہوتا ہے، امتِ مسلمہ کا شیرازہ منتشر رہتا ہے، غیروں کے مظالم پر نکیر کرنے کی کوئی سبیل نہیں رہتی۔ جہاد (جو ”ذروۃ سنام الإسلام“ ہے) معطل ہو جاتا ہے زکوٰۃ وصدقات کا اجتماعی نظم نہیں ہوتا جس کی بنا پر غریب دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ عقائد کی کتابوں میں ”امامت وخلافت“ کا ایک مستقل باب ہوتا ہے جس میں اہل سنت کے منہج کے مطابق اس مسئلہ کی توضیح ہوتی ہے۔ اور اس کے وجوب، ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اگر کوئی ”خلیفۃ اللہ“ کی تعبیر سے بدکتا ہو تو ہم اسے اس کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرتے، حالانکہ اس بارے میں احادیث وآثار اور اہل زبان مستند شعراء وادباء کے اقوال وارد ہیں۔۔۔ لیکن اگر کوئی مسئلۂ خلافت کی اہمیت نہیں سمجھتا تو ہم اس کی عقل پر ماتم کرتے ہیں، اور اس کے لئے اللہ کے حضور میں ہدایت کی دعا مانگتے ہیں۔

ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جس میں خلافت کا جنازہ اٹھ گیا ہے، ہر طرح کے آلام ومصائب ہمیں گھیرے ہوئے ہیں، لیکن پھر بھی ہمیں اپنے ضیاع اور انتشار کا احساس نہیں۔ کافروں اور ”کافر نما“ حکمرانوں کی غلامی ہمیں پسند ہے، لیکن اسلامی خلافت کے قیام کے لئے کوئی کوشش کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہماری حکومتیں، ہماری تنظیمیں، ہمارے رہنما دوسروں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔ ہم ”خلیفۃ اللہ“ کی تعبیر کے جواز اور عدم جواز پر بحث کرتے رہ گئے لیکن مسئلۂ خلافت پر سنجیدگی سے توجہ نہ دے سکے، اور نہ اس کے لئے عملی طور پر کوئی قدم اٹھا سکے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے حال پر رحم فرمائے، اور ہمیں اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔ (جاری)

بقیہ: اسلامی خلافت وسیاست

لڑکی کو اس لئے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لئے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا، تاکہ اس برائی کو تم اپنے درمیان سے دفع کر سکو“۔(۲۳،۲۴) (استثنا باب ۲۲)

۲۔ اگر لوگ آپس میں مارپیٹ کریں۔۔۔ اور اس میں نقصان ہو جائے تو جان کا بدلا جان ہے، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ، پاؤں کا بدلہ پاؤں ہے، جلانے کا بدلہ جلانا ہے اور زخم اور چوٹ کا بدلہ زخم اور چوٹ ہے۔(خروج ۲۲ تا ۲۴،۲۵)

یہ چند اقتباسات یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ یہود کے علماء نے قصاص اور سنگساری وغیرہ کی احکامی آیات کو عوام سے چھپا کر قرآن کے اس فتوے کی تصدیق کردی تھی کہ وہ تھوڑی پونجی کی خاطر ربانی آیات کا سودا کر چکے تھے، اس لئے کفر قطعی کے مرتکب تھے۔ ان کے عوام نے بھی اپنے ان دینی پیشواؤں کو ارباباً من دون اللہ مان کر شرک کا ارتکاب کیا تھا۔

جہاں تک سوال ہے نصاریٰ کا تو انہوں نے اللہ اور اس کے نبی برحق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کئے ہوئے اپنے پیمان کو اس طرح توڑ ڈالا تھا کہ وہ سینٹ پال کی تحریفات پر ایمان لے آئے تھے اور اعلان کر دیا تھا کہ جناب مسیح علیہ السلام نے (جنہیں وہ اللہ کا بیٹا کہتے تھے) توراۃ کے بہت سے احکام کو منسوخ کر دیا تھا حالانکہ موجودہ محرف انجیل میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ واضح اعلان موجود ہے:

”یہ نہ سمجھو کہ میں توراۃ یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔“(متی ۱۷،۱۸:۵)(جاری)

ضروری وضاحت

ہفت روزہ ترجمان دہلی کے ۱۴ر اکتوبر ۹۴ء کی اشاعت میں ”شیخ الحدیث خصوصی نمبر کے بارے میں“ کے عنوان سے جناب فاروق اعظمی صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

”ماہنامہ التوعیہ“ نے حضرت شیخ کے مکاتیب اور فتاوے بھی شائع کرنے کا اعلان کیا ہے۔

خط کشیدہ جملہ قارئین کے لئے غلط فہمی کا باعث بن سکتا ہے اس لئے یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ اس طرح کا کوئی اعلان دفتر التوعیہ سے جاری نہیں کیا گیا ہے شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے مکاتیب اور فتووں کی بابت جو اعلان شائع کیا گیا تھا وہ خاص نمبر میں استفادہ کے لئے تھا ان کی اشاعت کا کوئی پروگرام ہمارے منصوبہ میں شامل تھا نہ ہے، التوعیہ نے صرف شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی حیات وخدمات پر مشتمل ایک خاص نمبر کی اشاعت کا تاریخ کی تعیین کے بغیر اعلان کیا ہے۔ جو دیر سے سہی انشاء اللہ منظر عام پر آئے گا۔

انعام اللہ
سکریٹری آفس التوعیہ

ابو صادق عاشق علی اثری

حقوق والدین

(۸)

ان کے قدموں کے نیچے جنت ہے:

● معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أن جاهمة جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! أردت أن أغزو، وقد جئت أستشيرك، فقال: هل لك من أمّ؟ قال: نعم، قال: فالزمها، فإن الجنّة تحت رجليها(۱)

جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میں غزوہ کرنا چاہتا ہوں، لیکن آپ سے مشورہ کی غرض سے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ آپ نے دریافت فرمایا، کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں، تو آپ نے فرمایا ماں کی خدمت کو لازم پکڑو، کیونکہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

● ایک دوسری روایت میں انہی معاویہ سے مروی ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا:

أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أستشيره في الجهاد فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ألك والدانِ؟ قلت: نعم، قال: فالزمهما فإن الجنّة تحت أقدامهما(۲)

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جہاد کے سلسلہ میں مشورہ کرنے کے لئے آیا، تو آپ نے دریافت فرمایا، کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ میں نے عرض کیا ہاں، تو آپ نے فرمایا، ان دونوں کی خدمت کو لازم پکڑو، کیونکہ جنت ماں باپ کے قدموں کے نیچے ہے۔

● معاویہ بن جاہمہ سلمی سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ:

أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: يا رسول الله! إني كنت أردت الجهاد معك، أبتغي بذٰلك وجه الله، والدارالآخرة، قال: ويحك، أحيّة أمّك؟ قلت: نعم، قال: إرجع فبرّها، ثم أتيته من الجانب الآخر فقلت: يا رسول الله! إني كنت أردت الجهاد معك، أبتغي بذٰلك وجه الله والدارالآخرة، قال: ويحك، أحيّة أمّك؟ قلت: نعم يا رسول الله! قال: فارجع إليها فبرّها، ثم أتيته من أمامه فقلت: يارسول الله! إني كنت أردت الجهاد معك، أبتغي بذٰلك وجه الله والدارالآخرة، قال: ويحك، أحيّة أمّك؟ قلت: نعم يا رسول الله،

---

(۱) سنن نسائی الجہاد باب الرخصۃ فی التخلف لمن لہ والدۃ ح ۳۱۰۶، مسند احمد ۳ر۴۲۹، ارواء الغلیل ح ۱۱۹۹، صحیح الجامع ح ۱۲۴۹۔

(۲) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد البر والصلۃ ۸ر۱۳۸ باب ماجاء فی البر وحق الوالدین ح ۱۳۴۰۰، ہیثمی نے کہا رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات، شیخ حمدی عبدالمجید السلفی نے کہا ہے رواہ احمد ۳ر۴۲۹، والنسائی ۶ر۱۱ والبیہقی فی شعب الایمان وصححہ الحاکم ۴ر۱۵۱ ووافقہ الذہبی تبعا للمنذری فی الترغیب ۳ر۲۱۵ وقال المنذری عن حدیث جاہمۃ واسنادہ جید (تعلیق المعجم الکبیر ۲ر۲۸۹)

قال: ویحك، الزم رجلها فثَمّ الجنّة (۱)

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میرا آپ کے ساتھ جہاد کا ارادہ ہے اور اس سے اللہ کی رضامندی اور آخرت کا گھر چاہتا ہوں' آپ نے فرمایا۔ اللہ تجھ پر رحم فرمائے' کیا تیری ماں زندہ ہے؟ میں نے کہا' ہاں' آپ نے فرمایا واپس جا اور ان کی خدمت کر' پھر میں دوسری جانب سے آپ کے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے رسول! میں آپ کے ساتھ جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں' اس سے اللہ کی خوشنودی اور آخرت کا ثواب چاہتا ہوں' آپ نے فرمایا' اللہ تجھ پر رحم فرمائے' کیا تیری ماں زندہ ہے؟ میں نے کہا ہاں اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا' تو واپس جا اور ان کی خدمت کر' پھر میں آپ کے سامنے آیا اور کہا یا رسول اللہ! میں آپ کے ساتھ جہاد کرنا چاہتا ہوں اور اس سے رضائے الہی اور آخرت کا ثواب چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحم فرمائے' کیا تیری ماں زندہ ہے؟ میں نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحم فرمائے' اس کی خدمت کو لازم پکڑ اسی میں جنت ہے۔

● ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا:

سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: الوالد أوسط أبواب الجنّة، فأضع ذلك الباب أو احفظه (۲)

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ والد جنت کا بہترین دروازہ ہے' (والد کی نافرمانی کر کے) چاہے اس دروازہ کو ضائع کر دے یا (اس کی خدمت و اطاعت کر کے) اس کی حفاظت کر۔

اس حدیث میں اولاد کو اختیار نہیں دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو والدین کے حقوق کی حفاظت کرے اور چاہے تو حقوق کو پامال کر کے

(۱) صحیح سنن ابن ماجہ ا لجہاد ۱۲باب الرجل یغزو ولہ أبوان ۲؍ح ۲۲۲۳' صحیح الجامع ۸۔۲۲۔

(۲) صحیح سنن ابن ماجہ الأدب ۳۳باب بر الوالدین ا؍ح ۲۹۵۵' شرح السنۃ باب بر الوالدین ا؍ح ۳۴۲۲۔ مسند احمد ۵؍۱۹۶' جامع ترمذی مع التحفۃ البر والصلۃ باب الفضل فی رضا الوالدین ۳؍ح ۱۹۶۲ وقال ہذا حدیث صحیح۔

انہیں ناراض رکھے بلکہ حقوق کی عدم حفاظت و رعایت پر زجر و توبیخ کر کے حقوق کی حفاظت کی تاکید ہے۔ جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے:

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (۳)

تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

● عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' انہوں نے کہا:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: دخلت الجنّة، فسمعت فیها قراءة، فقلت: مَن هذا؟ قالوا: حارثة بن النعمان، كذلكم البرّ، كذلكم البرّ (۴)

وفي رواية نِمتُ فرأيتني في الجنة وزاد "كان أبر الناس بأمّه" (۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے وہاں ایک قاری قرآن کی آواز سنی' میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ فرشتوں نے کہا حارثہ بن نعمان ہیں (یہ سن کر صحابہ کو جاننے کا اشتیاق ہوا کہ یہ رتبۂ بلند ان کو کیونکر ملا؟ تو آپ نے سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا) نیکی کا یہی ثواب ہے۔ نیکی کا یہی صلہ ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ میں سویا تو میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا اور اس میں مزید اضافہ ہے کہ حارثہ ماں کے ساتھ سب سے زیادہ بہتر سلوک کرنے والے اور ان کی خدمت کرنے والے تھے۔

باقی ص۹ پر

(۳) سورۃ الکہف: ۲۹۔

(۴) شرح السنۃ ۱۳؍۷ باب بر الوالدین ح ۳۴۱۸

(۵) شرح السنۃ ۱۳؍۷ باب بر الوالدین ح ۳۴۱۹' شعیب ارناؤوط نے کہا ہے یہ حدیث "مصنف" ۲۰۱۱۹ اور مسند احمد ۶؍۱۵۱' ۱۵۲' ۱۶۶' ۱۶۷' جامع لابن وہب ۲۲ میں بھی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے ۳؍۲۰۸ اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے (تعلیق شرح السنۃ) علامہ احمد حسن محدث دہلوی نے کہا ہے اخرجہ ایضا الحاکم فی المستدرک وقال صحیح علی شرط الشیخین وأقرہ الذہبی وصححہ أیضا فی السراج المنیر (تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوۃ ۳؍۲۲۸)۔

محمد صبیح الدین انصاری

اسلامی خلافت وسیاست

(۳)

س : بعض قرآنی آیات میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص بھی احکام الٰہی کے مطابق معاملات کا فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے' ظالم ہے' فاسق ہے۔ ان آیات کی رو سے ایسے حکّام وامراء کی کیا پوزیشن بنتی ہے جن کی سلطنتوں میں یا تو سرے سے شرعی احکام وقوانین جاری وساری ہی نہیں یا ان میں سے بعض قوانین عملاً معطل ہیں؟ کیا ان آیتوں کی زد ان حکّام پر نہیں پڑتی؟ کیا ان کا کفر "کفر بواح" نہیں ہے؟ کیا امت مسلمہ پر یہ فریضہ عائد نہیں ہوتا کہ وہ ایسے حکام کے خلاف اعلان جہاد کرکے ان کو کیفر کردار تک پہنچائے یا مناصب حکومت سے معزول کردے؟

ج : آپ کے سوال کے تین اہم اجزاء ہیں جو اس طرح ہیں:

(ا) جن قرآنی آیات میں احکام الٰہی کی عدم پیروی کی پاداش میں کفر' ظلم اور فسق کی وعید سنائی گئی ہے' اس کی زد کس پر پڑتی ہے؟

(ب) "کفر بواح" سے کیا مراد ہے؟ کیا شریعت اسلامیہ کی جملہ دفعات میں سے کسی ایک یا چند دفعات پر عمل نہ کرنے سے انسان کافر ہوجاتا ہے؟

(ج) جو حاکم وقت شریعت پر عمل پیرا نہ ہو' فاسق وفاجر ہو' اس سے جہاد کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

لیجئے' سلسلہ وار جواب حاضر ہے۔

آپ کے پہلے سوال کا تعلق سورۂ مائدہ کی آیات ۴۱ تا ۴۷ سے ہے۔ ان آیتوں کے متعلقہ ٹکڑے یہ ہیں:

(۱) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ (المائدة: ٤٤)

(اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلے نہ کریں جو اللہ نے اتارا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔)

(۲) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ (المائدة: ٤٥)

(اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلے نہ کریں جو اللہ نے اتارا ہے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔)

(۳) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ (المائدة: ٤٧)

(اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلے نہ کریں جو اللہ نے اتارا ہے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔)

یہ تینوں آیتیں نہیں بلکہ الگ الگ آیتوں کے ٹکڑے ہیں۔ پوری آیتیں اس طرح ہیں:

يَآأَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ اٰمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَأْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُوْلُوْنَ إِنْ أُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَإِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ

فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ
عَظِیْمٌ o سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ
جَآءُوْكَ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ
تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْئًا وَاِنْ حَکَمْتَ
فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ o
وَکَیْفَ یُحَکِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰاةُ فِیْهَا حُکْمُ اللّٰهِ
ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ
o اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰاةَ فِیْهَا هُدًی وَّ نُوْرٌ یَحْکُمُ بِهَا
النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ
وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰهِ وَکَانُوْا
عَلَیْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا
تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ o وَکَتَبْنَا عَلَیْهِمْ
فِیْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ
بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ
قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ کَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ
لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ o
وَ قَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰاةِ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ
هُدًی وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰاةِ
وَ هُدًی وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ o وَلْیَحْکُمْ اَهْلُ
الْاِنْجِیْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْهِ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ o وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ
الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتٰبِ
وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِکُلٍّ جَعَلْنَا
مِنْکُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَکُمْ
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰکِنْ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىکُمْ
فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا
فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ o وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَهُمْ
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ
یَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَ فَاِنْ
تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ بِبَعْضِ
ذُنُوْبِهِمْ وَ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ o اَفَحُکْمَ
الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ
یُّوْقِنُوْنَ o

ان آیتوں کا ایک خاص پس منظر ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظی ترجمہ سے پہلے ان کے پس منظر پر غور کرلیا جائے۔

ان آیتوں میں یہود 'نصاری اور مسلمانوں کو یکے بعد دیگرے خطاب کیا گیا ہے اور ان میں ایک خاص شرعی حکم پر متنبہ کیا گیا ہے وہ مسئلہ ہے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد اطاعت کی خلاف ورزی اور اس کے نازل کردہ احکام میں تغیّر و تبدّل اور تحریف کا جو یہود و نصاری کی فطرت ثانیہ بن گیا تھا۔

ابتدائی پانچ آیتوں میں خطاب یہود سے ہے اس میں کلام الٰہی میں جس طرح وہ تحریف اور اس کا استہزا کرتے تھے اس پر انہیں وارننگ دی گئی ہے اور اس سلسلہ میں توراۃ میں وارد قصاص اور دیت کے احکام کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مدینہ اور اس کے اطراف کے یہود نے توراۃ میں وارد قصاص 'دیت اور زنا کی سزاؤں کو نہ صرف یہ کہ عملاً معطل کردیا تھا بلکہ ان کے وجود کا انکار اور ان سے متعلقہ احکام میں تحریف کر رکھی تھی۔ اسی طرح انہوں نے توراۃ میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صریح بشارتوں کو بھی تاویل کے پردے میں چھپادیا تھا۔

اگلی دو آیتوں (۴۶ و ۴۷) میں حاملین انجیل (نصاریٰ) کو خطاب فرماکریاددلایاگیاہے کہ خود ان کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اپنے زہاد اور علمائے حق بھی بائبل میں درج حدود اللہیہ کا اثبات اور ان کا اجراء کرتے تھے۔ لہٰذا انہیں بھی توراۃ کی ان تحریفات کو قبول کرنے کا حق نہیں ہے۔

آخری تین آیات (۴۸ تا ۵۰) میں خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے مسلمانوں سے ہے اور انہیں ہدایت دی جارہی ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ کی سنت کو نہ اپنائیں اور کلام الٰہی میں نہ تحریف کا ارتکاب کریں نہ ان پر عمل کرنے میں کوتاہی کریں۔ مسلمانوں کو یہ بھی یاددلایاگیاہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا اور یہ جو تفصیلی شریعت کے بعض احکام میں اختلاف رہاہے تو اس سے درحقیقت مقصود ہر امت کے جذبۂ ایمانی اور شوق اطاعت کا امتحان ہے۔

لیجئے اب ان آیات کا ترجمہ سنئے:

"اے رسول وہ لوگ آپ کو مغموم (دل شکستہ) نہ کردیں جو کفر کی باتوں میں دوڑ لگارہے ہیں، خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے۔ یا ان میں سے ہوں جو یہودی ہیں جو جھوٹ سننے کے عادی ہیں اور کن سوئیاں لینے والے ہیں ان دوسرے لوگوں کی خاطر جو آپ کے پاس نہیں آئے۔ وہ کلام کو اس کے مقام سے ہٹادیتے ہیں۔ وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم کو نبی کے پاس یہ (محرف حکم) ملے تو اسے قبول کرلینا اور اگر تم کو یہ نہ ملے تو ان سے الگ ہوجانا۔ اور جسے اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے تو آپ اللہ کے مقابلہ میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کرسکتے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے نہیں چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ یہ جھوٹ کے بڑے سننے والے ہیں حرام کے بڑے کھانے والے ہیں۔ پس اگر یہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو آپ چاہیں تو ان کے درمیان فیصلے کردیں ورنہ انہیں ٹال دیں۔ اور اگر آپ انہیں ٹال دیں تو وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہاں اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف کے مطابق فیصلہ کریں۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور وہ آپ کو کیسے حکم بناسکتے ہیں حالانکہ ان کے اپنے پاس توراۃ ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے۔ اس کے بعد اس سے منہ موڑ رہے ہیں۔ اور یہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں ہیں"۔

"بے شک ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور روشنی ہے اسی کے مطابق فرماں بردار انبیاء یہودیوں کے لئے فیصلے کرتے تھے اور ان کے درویش اور علماء بھی۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی کتاب پر نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اور وہ اس کے گواہ تھے۔ پس تم انسانوں سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کو تھوڑی پونجی کے عوض نہ بیچو۔ اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلے نہ کریں جو اللہ نے اتاراہے تو وہی لوگ کافر ہیں"۔

"اور ہم نے اس کتاب میں ان پر لکھ دیا کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا بدلہ آنکھ، ناک کا بدلہ ناک ہے اور کان کا بدلہ کان، دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں کا بدلہ ان (زخموں) کے مثل ہے۔ پھر جس نے اس کو معاف کردیا تو ایسا کرنا اس کے (گناہوں) کا کفارہ ہے۔ اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلے نہ کریں جو اللہ نے اتاراہے تو وہی لوگ ظالم ہیں" (۴۱ تا ۴۵)

"اور ہم نے ان (انبیاء) کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو تصدیق کرنے والے تھے اپنے سے قبل کی کتاب توراۃ کی، اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت اور نور ہے اور وہ تصدیق کرنے والی تھی اپنے سے قبل کی کتاب توراۃ کی اور ہدایت اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کے لئے۔ اور چاہئے کہ انجیل والے اس کے مطابق فیصلے کریں جو اللہ نے اس میں اتاراہے اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلے نہ کریں جو اللہ نے اتاراہے تو وہی لوگ نافرمان ہیں"۔ (۴۶، ۴۷)

تبصرہ :

آیات ۴۱ تا ۴۴ کے بارے میں علاّمہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں جو مسارعین فی الکفر (کفر میں تیزی دکھانے والے) اور خارجین عن طاعۃ اللہ ورسولہ (اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے باہر نکلنے والے) تھے، جو زبان سے اظہار ایمان کرتے تھے حالانکہ ان کے دل اس سے منحرف تھے اور جو منافق تھے، نیز جو یہودی تھے، اسلام اور اہل اسلام کے دشمن تھے اور یہ سب کے سب جھوٹ کی طرف لپکنے والے اور اپنے ساتھیوں کے لئے دربار رسالت کی کن سوئیاں لینے والے تھے، یہ لوگ الفاظ کو ادل بدل کر تحریف کرنے والے اور غلط تاویل کرنے والے تھے۔ اور قرآن میں یہ جو

بتایا گیا کہ

يقولون إن أوتيتم هذا فخذوه وإن لم تأتوه فاحذروه۔

(وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ صاحب تمہاری مرضی کے مطابق فیصلہ دیں تو قبول کرلو اور اگر ایسا نہ کریں تو ان سے الگ ہٹ جاؤ)

تو یہ عبارت نازل ہوئی ہے دو یہودیوں کے بارے میں جنہوں نے زنا کیا اور انہوں نے (جماعت یہود نے) اپنے ہاتھوں سے شادی شدہ زانیوں کے لئے جو احکام رجم تھے انہیں بدل لیا تھا۔ انہوں نے ان احکام میں تحریف کرلی تھی اور آپس میں اس بات پر اتفاق کرلیا تھا کہ اس قسم کے مجرموں کو (صرف) کوڑے مارے جائیں۔ ان کا سر منڈا دیا جائے اور گدھے کے منہ کی طرف پشت کرکے اس پر بٹھادیا جائے۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد ایسا ہی ایک بار واقعہ پیش آیا تو آپس میں کہنے لگے: "آؤ اپنا مقدمہ ان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے چلیں۔ پس اگر یہ کوڑوں اور منہ کی سیاہی کی سزا دیں تو قبول کرلو اور اللہ کے حضور یہ حجت پیش کردو کے تیرے نبیوں میں سے ایک نبی نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ لیکن اگر یہ سنگساری کا فیصلہ صادر کریں تو ان کی بات نہ ماننا"۔

اس کے بعد علامہ ابن کثیر نے بخاری، مسلم، ابوداود، مسند احمد اور ابن جریر طبری کے حوالہ سے یہ حدیث (بخاری کے الفاظ میں) نقل کی ہے:

عن عبد الله بن عمر رضى الله عنه: أن اليهود جاءوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكروا له أن رجلا منهم وإمرأة زنيا، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: ماتجدون فى التوراة فى شأن الرجم؟ فقالوا نفضحهم ويجلدون، قال عبد الله بن سلام: كذبتم، إن فيها الرجم فأتوا بالتوراة فنشروها، فوضع أحدهم يده على آية الرجم فقرأ ماقبلها وما بعدها، فقال له عبد الله بن سلام: إرفع يدك فرفع يده، فإذا آية الرجم، فقالوا صدق يا محمد فيها آية الرجم، فأمر بهما رسول الله صلى الله عليه وسلم، فرأيت الرجل يحنى على المرأة يقيها الحجارة۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے بتایا کہ ان کے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ نے سوال کیا: سنگساری کے بارے میں تم توراۃ میں کیا حکم پاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ایسے مجرموں کو ہم رسوا کرتے ہیں اور ان کے کوڑے مارے جاتے ہیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: تم جھوٹ کہتے ہو۔ توراۃ میں اس کی سزا سنگساری ہے۔ پس وہ لوگ توراۃ نکال کر لائے اور اسے کھولا۔ لیکن ان میں سے ایک شخص نے آیت رجم (سنگساری) پر انگلی رکھ دی اور اس سے پچھلی اور اگلی آیتوں کو پڑھ دیا مگر حضرت عبداللہ بن سلام نے اس سے کہا: اپنا ہاتھ ہٹاؤ۔ اس نے ہاتھ ہٹایا تو اس میں آیت رجم نکل آئی۔ اب تو انہیں اقرار کرنا پڑا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سچ ہے۔ واقعتہً توراۃ میں آیت رجم موجود ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر کردیا اور ان دونوں کو سنگسار کردیا گیا۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہودی مرد عورت کے اوپر جھک کر اسے پتھروں سے بچا رہا تھا۔

آیت ۴۴ میں جو یہ الفاظ آئے ہیں:

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا، وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (٤٤)

(اور میری آیتوں کو تھوڑی پونجی کے عوض نہ بیچو۔ اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے اتارا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں)

اس کے بارے میں ابن کثیر لکھتے ہیں کہ دو واقعات ایسے پیش آئے جس کے سبب یہ آیت نازل ہوئی ایک وہ جس کا ذکر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ابن جریر نے کیا ہے یعنی یہ کہ یہود کے دو قبیلے تھے۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ ان میں بنو نضیر معزز سمجھے جاتے تھے اور بنو قریظہ

تھے۔ چنانچہ انہوں نے قاعدہ یہ بنالیا تھا کہ اگر بنو نضیر کا کوئی شخص مارا
تا تھا تو یہ لوگ اس کی پوری دیت (خوں بہا) وصول کرتے تھے۔ لیکن
قریظہ کے مقتول کی نصف دیت دی جاتی تھی۔ ایسے ہی ایک قضیہ میں
مدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے دونوں کی
ت کی رقم برابر کردی۔

دوسرا واقعہ جو حضرت عوفی اور ابو طلحہ الوالبی نے عبداللہ بن
اس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ آیات دو شادی شدہ
دیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا
ا۔ (اس کی تفصیل گزر چکی ہے) ان دونوں اسباب کے ذکر کرنے کے
مد حافظ ابن کثیر کہتے ہیں:

تد یکون اجتمع هذان السببان فی وقت واحد
نزلت هذه الآیات فی ذلك كله

ر ممکن ہے دونوں واقعات وقت واحد میں جمع ہو گئے ہوں اور اس
ری صورت حال کے حوالہ سے یہ آیات نازل ہوئی ہوں)
اص کا واقعہ بھی اس لئے سبب نزول کے طور پر صحیح معلوم ہوتا ہے کہ
کے فوراً بعد آیت ۴۵ میں فرمایا جارہا ہے کہ ہم نے توراۃ میں صاف
ف لکھ دیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ہے، اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے۔۔۔ الخ
مہ ابن کثیر کی بیان کردہ اس پوری تفصیل سے یہ بات اظہر من الشمس
جاتی ہے کہ یہود کے لئے جو یوں فرمایا گیا کہ:

مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ (٤٤)

ور جو فیصلہ نہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے تو وہی لوگ کافر
ں)

س کا سبب صرف یہ نہ تھا کہ وہ قصاص، دیت اور سنگساری وغیرہ حدود
کے جاری کرنے میں غفلت یا کوتاہی برتتے تھے بلکہ انہوں نے توراۃ میں
ن احکام اور ان سے متعلقہ آیات کو چھپالیا تھا اور خود نبی کریم صلی اللہ
یہ وسلم کے حضور ان احکام کی موجودگی سے صاف انکار کردیا تھا۔ وہ اپنا
یہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں لے کر آئے تو اس
ں بھی ان کی بدنیتی شامل تھی۔

شریعت محمدیہ کے بارے میں یہ بات خود یہود نے بھی محسوس
کرلی تھی کہ ان میں موسوی شریعت کے معاملہ میں بہت زیادہ نرمی ہے
اور انسانی فطرت کی کمزوریوں کا اس میں بے حد لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس
لئے وہ سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم خوئی اور (ان کے
خیال میں) آپ کی احکام توراۃ سے عدم واقفیت کی وجہ سے انہیں زیادہ
سنگین سزاؤں سے فرار کا موقع مل جائے گا۔ پھر دربار نبوی میں ایک
سازش کی تحت نفاق کا لبادہ اوڑھ کر ان کی شرکت اور لگائی بجھائی کرنے
کی سرشت' ان سب باتوں نے مل کر یہ ثابت کردیا کہ انہوں نے دین کو
محض کھلواڑ اور ٹھٹھے کی چیز بنالیا ہے اور یہ کہ آیات الٰہی میں تحریف اور
ان کے ساتھ استہزاء میں وہ کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں اس لئے فرمایا گیا
کہ یہ پکے کافر ہیں اور ظالم ہیں۔ یہود کے بعد اگلی دو آیات (۴۶ و ۴۷) میں
نصاریٰ کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کے علماء نے بھی بایں طور وحی الٰہی میں
تحریف کا ارتکاب کیا ہے کہ انہوں نے شریعت موسوی کے احکام کو علی
الاعلان بقلم خود معطل و منسوخ کردیا ہے حالانکہ انجیل سراسر صحیفہ
ہدایت و نور تھی اور توراۃ میں وارد شرعی احکام کی تصدیق کرنے والی تھی

(وَآتَيْنَا الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ)

ایک بار پھر علامہ ابن کثیر کا تبصرہ سنئے وہ فرماتے ہیں:

ولهذا كان المشهور من قول العلماء إن الإنجيل نسخ بعض أحكام التوراة

(نصاریٰ کے علماء کا یہ قول مشہور و معروف ہے کہ انجیل نے توراۃ کے
بعض احکام کو منسوخ کردیا ہے۔)

اسی لئے ان کے سلسلہ میں فرمایا گیا: فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ
یعنی پس یہی لوگ حقیقی فاسق ہیں۔

اور جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں آیات زیر بحث میں سے
آخری تین آیات (۴۸، ۴۹، ۵۰) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
وساطت سے خطاب آپ کی امت سے ہے۔ اس میں مسلمانوں کو حکم
دیا جارہا ہے کہ تم اہل کتاب کے سے مرض میں مبتلا نہ ہوجانا کہ دنیاوی
مال و دولت اور عظمت وجاہ کی خاطر اللہ تعالیٰ کے احکام کو بدلنے لگو
یا انہیں پس پشت ڈال دو۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ سورہ مائدہ کی انہی آیات ۴۱ تا ۴۷ کی شان نزول نیز ان کے انطباق کے بارے میں دیگر علماء تفسیر اور محدثین کیا کہتے ہیں۔

سب سے پہلے علامہ زمخشری۔ وہ کہتے ہیں:

ومن لم يحكم بما انزل الله مستهينا به فأولئك هم الكافرون والظالمون والفاسقون، وصف لهم بالعتو في كفرهم حين ظلموا آيات الله بالاستهزاء والاستهانة وتمرّدوا بأن حكموا بغيرها- (كشاف ١/٦٠٦)

(اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق اس وجہ سے فیصلے نہ کریں کہ وہ ان احکام کو حقیر جانتے ہوں تو وہی لوگ کافر ہیں، ظالم ہیں اور فاسق ہیں اور اس وصف سے انہیں اس لئے متصف کیا گیا کہ ان کے کفر میں سینہ زوری شامل تھی۔ انہوں نے آیات الہیہ کی تحقیر کرکے اور ان کا مذاق اڑا کے ان کے ساتھ ظلم کیا اور ڈھٹائی دکھا کر ان کے بنا فیصلے کئے۔)

علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ: نزلت فی اھل الکتاب (یہ آیتیں اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہیں) وہ آگے کہتے ہیں

وقال علي بن أبي طلحة عن ابن عباس رضي الله عنه قوله تعالى: (وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ) قال: من جحد ما انزل الله فقد كفر ومن أقر به ولم يحكم به فهو ظالم فاسق- رواه ابن جرير ثم اختار أن الآية المراد بها أهل الكتاب أو من جحد حكم الله المنزل في الكتاب-

(علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت "ومن لم یحکم۔۔۔الکافرون" کے سلسلہ میں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جس نے اللہ کے نازل کردہ احکام کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا اور جس نے ان کو مانا تو مگر عمل نہیں کیا وہ ظالم و فاسق ہے۔ اس کو ابن جریر نے روایت کیا اور انہوں نے اختیار بھی اسی تاویل کو کیا کہ آیات مذکورہ کا مصداق اہل کتاب ہیں اور ہر وہ شخص جو کتاب اللہ میں نازل شدہ احکام کا انکار کرے۔)

علامہ قرطبی نے ان آیات میں جو کافرون، ظالمون، فاسقون کے الفاظ آئے ہیں ان پر جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ اس طرح ہے:

"ان آیات میں خطاب یہود سے ہے یعنی جب یہ دانستہ توراۃ کے احکام کو چھپاتے ہیں اور اس پر عمل سے گریز کرتے ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ زبانی دعووں کے باوجود یہ درحقیقت کافر ہیں۔ آیت کے الفاظ بے شک عام ہیں مگر مسلمان حاکم پر کفر کا فتویٰ اسی صورت میں لگایا جا سکتا ہے جب وہ قرآن و حدیث کا انکار کرکے ان کے خلاف فیصلے صادر کرے۔ ایسے شخص کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اگلی آیات میں ایسے اشخاص کو ظالم اور فاسق قرار دیا گیا ہے۔ یہی رائے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمہ اللہ کی بھی ہے"۔ (تفسیر قرطبی ۶/۱۹۰)

س: علامہ ابن کثیرؒ قرطبی اور زمخشری نے ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں صحابہ کرام کے جن اقوال کا ذکر کیا ہے وہ کن مجموعہ ہائے حدیث سے ماخوذ ہیں؟

ج: اس سلسلہ میں دو حوالے ملاحظہ ہوں۔ پہلے کا تعلق عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے۔ آپ کی تفصیلی حدیث امام احمد نے نقل کی ہے جو اس طرح ہے:

.. عن ابن عباس رضي الله عنه قال: إن الله عزوجل أنزل (وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ - فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ- فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ) قال: أنزلها الله عزوجل في الطائفتين من اليهود........ فأنزل الله عزوجل (يٰٓأَيُّهَا الرَّسُوْلُ ...... إلى قوله(وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ

الْفَاسِقُوْنَ) ، ثـم قـال: فيهمـا واللـه أنزلـت، وإياهم عنى الله عزوجل،،۔

(مسند احمد ۲٤٦/١)

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے المائدہ کی آیات ۴۱۔۵۰ کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالی نے انہیں یہود کے دوگروہوں کے بارے میں نازل فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک گروہ نے قتل کے ایک مقدمہ کا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرانے کا اعلان کیا۔ مگر درپردہ اپنے ساتھیوں کو اپنے اس مذموم ارادہ سے آگاہ بھی کردیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صادر کردہ فیصلہ ہمارے خلاف گیا تو ہم اسے ماننے سے انکار کردیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس مکر کی خبر کردی اور آیات (يَآاَيُّهَـا الرَّسُـوْلُ لاَ يَحْزُنْـكَ............. فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ) نازل فرمادیں اس کے بعد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قسم ہے اللہ کی یہ آیتیں یہود کے انہی دوگروہوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور اللہ عزوجل نے انہی کو مراد لیا ہے۔

دوسری حدیث جو صحیح مسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل ہوئی ہے اس کے الفاظ ہیں:

"مر علـى النبـى صلـى اللـه عليـه وسلم بيهـودى محممـا مجلـودا فدعـاهم صلـى الله عليه وسلم فقال هكذا تجدون حدّ الزانى فى كتـابكم قـالوا نعم فدعـا رجلاً من علمـائهم فقـال: "أنشـدك باللـه الـذى أنزل التوراة على موسى أهكذا تجدون حدّ الزانى فى كتـابكم؟ قـال: لا ولولا أنـك نشدتنى بهذا لم أخبرك نجده الرجم ولكنه كثر فى أشرافنا فكنا إذا أخذنـا الشريف تركنـاه وإذا أخذنـا الضعيـف أقمنـا عليـه الحد فقلنـا: تعـالوا فلنجتمـع علـى شـئ نقيمـه علـى الشريف والوضيـع فجعلنـا التحميم والجلد مكان الرجم فقـال رسـول الله صلى الله عليه وسلم "اللهم إنى أول من أحيا أمرك إذا أماتوه" فأمر به فرجم فـأنزل اللـه (يَآاَيُّهَا الرَّسُـوْلُ لاَ يَحْزُنْـكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُـوْنَ فِـي الْكُفْرِ) إلـى قولـه (إِنْ أُوْتِيْتُـمْ هـٰذَا فَخُـذُوْهُ) يقـول: ائتـوا محمدًا صلى الله عليه وسلم فإن أمركـم بـالتحميم والجلـد فخـذوه وإن أفتـاكم بالرجم فاحذروا فأنزل الله تعالى (وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَـآ أَنْـزَلَ اللّـهُ فَـأُولٰئِكَ هُـمُ الْكَافِرُوْنَ) (وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَـآ أَنْـزَلَ اللّـهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ) (وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْـزَلَ اللّـهُ فَـأُولٰئِكَ هُـمُ الْفَاسِـقُوْنَ) فـى الكفار كلها" (مسلم نووى ١٠٩/١١)

ترجمہ : نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک یہ گزرا جس کا منہ کالا کردیا گیا تھا اور کوڑوں سے جسے پیٹا گیا تھا۔ آپ اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بلایا اور فرمایا: کیا تمہاری کتاب میں ز کی یہی سزا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایک عالم کو بلایا اور فرمایا کہ میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں نے موسیٰ پر توراۃ نازل کی "کیا تمہاری کتاب میں زانی کی یہی سزا۔ اس نے کہا: نہیں "اور اگر مجھ کو آپ ایسی قسم نہ دلاتے تو میں ہرگز آ نہ بتاتا۔ ہمارے یہاں اس کی سزا سنگساری ہے۔ مگر جب اس (زنا ہمارے معززین میں کثرت ہوگئی تو ہمارا یہ معمول ہوگیا کہ اگر شریف زادے کو اس میں پکڑتے تو چھوڑ دیتے اور اگر کسی کمزور کو تو اس پر حد جاری کردیتے۔ پھر ہم نے آپس میں کہا: آؤ ایک ایسی چیز کرلیں جو معزز اور ذلیل دونوں کے لئے یکساں ہو۔ پس ہم نے طے

سنگساری کے بجائے کوڑے ماریں اور منہ کالا کردیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا حالانکہ ان لوگوں نے اسے مار دیا تھا۔ پھر آپ نے حکم صادر فرمایا اور اسے (مجرم کو) سنگسار کردیا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں

(یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ....... اِنْ اُوْتِیْتُمْ ھٰذَا فَخُذُوْہُ)

یعنی "یہودیوں نے کہا: آؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں۔ اگر وہ منہ کالا کرنے اور کوڑوں کی سزا کا حکم دیں تو اسے قبول کرلو۔ اور اگر سنگساری کا فتویٰ صادر کریں تو ان سے علیحدگی اختیار کرلو۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے وہی لوگ کافر ہیں، ظالم ہیں اور فاسق ہیں اور ان سب کا تعلق کفار سے ہے"۔

لیجئے اقتباسات ختم ہوئے۔ اب اگر اس تمام گفتگو کے اہم اجزاء پر ہم اچھی طرح غور کریں تو صورت حال کچھ اس طرح کی بنتی ہے:

ان آیات کی روشنی میں کافر وہی لوگ ٹھہرتے ہیں جو احکام الٰہیہ کا برملا مذاق اڑائیں اور تحقیر کریں (زمخشری)

ان آیات میں کفر کی وعید یہود کے لئے ہے کیونکہ انہوں نے توراۃ کے احکام کو چھپایا۔ مسلمان حاکم پر کفر کا فتویٰ اسی صورت میں لگایا جاسکتا ہے کہ وہ قرآن وحدیث کا انکار کرے۔ اگر انکار نہیں کرتا بلکہ عمل میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ ظالم وفاسق ہے کافر نہیں۔ (قرطبی)

یہ آیتیں یہود ہی کے دو گروہوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور ان میں اللہ جلّ شانہ نے انہی (یہود) کو مراد لیا ہے۔

(ابن عباس، مسند احمد)

ان آیات میں جن لوگوں کے لئے یہ وعید ہے کہ وہ کافر ہیں، ظالم ہیں فاسق ہیں ان سب کا تعلق کفار سے ہے۔

(براء بن عازب، صحیح مسلم)

ان آیات میں یہود کو اس لئے کافر قرار دیا گیا ہے کہ انہوں نے قصاص، دیت اور رجم کی آیات کو چھپایا اور توراۃ میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ نیز وہ نفاق کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں جاتے تھے اور بدنیتی کے تحت آپ کی خدمت میں اپنے قضیے لاتے تھے۔

نصاریٰ کو اس لئے فاسق قرار دیا گیا کہ انہوں نے بھی توراۃ کے بعض احکام کو بہ قلم خود منسوخ کردیا تھا۔ (ابن کثیر)

یہ آیتیں اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ کافر وہی ہے جس نے نازل کردہ احکام کا انکار کیا۔ اس کے برعکس جس نے انکار نہیں کیا مگر عمل سے گریز کیا وہ ظالم وفاسق ہے۔ (ابن جریر بحوالہ ابن کثیر)

اس سلسلہ میں امام بخاری کا فہم قرآن قابل داد ہے کہ انہوں نے جب مسلمان قضاۃ کے فیصلوں کے سلسلہ میں احادیث نبوی نقل کیں تو اپنے باب کا عنوان یوں باندھا:

باب ماجاء فی اجتھاد القضاۃ بمآ أنزل اللہ تعالی لقولہ: وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰہُ فَأُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ

یعنی امام موصوف نے مسلمان قاضیوں (حکّام) کے لئے لفظ "کافرون" کے بجائے "ظالمون" کے تحت احادیث کو جمع کیا، کیونکہ ان کے نزدیک یہی منشائے قرآن وسنت ہے۔ (بخاری ۸/۱۵۰)

مقام افسوس بھی ہے اور مقام حیرت بھی کہ اس طرح واضح نصوص کے باوجود بے شمار مدعیان علم وآگہی بعض قرآنی آیتوں کو بلا تکلف ان کے سیاق وسباق سے باہر نکال کر من مانی تفسیر کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش ہیں۔ اس طرح کی غلو آمیزی درحقیقت ایک عجمی سازش کا حصہ ہے جس کا مقصد صدیوں سے یہ رہا ہے کہ قرآن وسنت میں معنوی تحریف کرکے قرون اولی کے خلفاء اور سلاطین کو مطعون کیا جائے اور دور حاضر میں مسلم حکام اور رعایا کے درمیان بد اعتمادی کو ہوا دے کر ملت مسلمہ کو کمزور اور غیر مستحکم کیا جائے۔

وہ قرآن فہمی بھی کیا قرآن فہمی ہے جس میں نہ الفاظ قرآنی کا لحاظ رکھا جائے نہ سیاق وسباق پر غور کیا جائے، نہ اخبار وآثار صحابہ سے استفادہ کیا جائے، نہ سلف کی تشریحات پر غور کیا جائے۔ ایسا رویہ صریحاً تفسیر بالرائے کے ذیل میں آتا ہے جو قطعاً ناجائز اور حرام ہے تفسیر بالرائے کے سلسلہ میں امام ابن کثیر اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

فأما تفسير القرآن بمجرد الرأى فحرام لما رواه محمد بن جرير عن ابن عباس عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: [من قال فى القرآن برأيه أو بما لايعلم فليتبوأ مقعده من النار] وأخرجه الترمذى عن سفيان الثورى وقال هذا ث حسن-

ش ۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ترمذی نے (حدیث حسن میں) سفیان ثوری سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن میں اپنی رائے سے یا علم کے بغیر کچھ کہا تو سمجھ لے کہ اس نے جہنم میں اپنی نشست محفوظ کرالی ہے۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن کثیر نے تو یہاں تک سلف کی رائے نقل کی کہ:

من قال فى كتاب الله برأيه فأصاب فأخطأ

(جس نے کتاب اللہ کے بارے میں اپنی رائے سے کلام کیا اس کی بات اگر صحیح ہے تب بھی اس نے غلطی کی)

سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ جس نے اپنی رائے سے تفسیر کی جسارت کی اس نے ایسی وادی میں قدم رکھا جو اس کے لئے ممنوع تھی۔ اسی ضمن میں علامہ شوکانی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں ابن سعد (طبقات کبریٰ کے مولف) کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

قال على لابن عباس (إذهب إليهم- يعنى الخوارج- ولاتخاصمهم بالقرآن فإنه ذووجوه ولكن خاصمهم بالسنّة)

یعنی، حضرت علی نے ایک بار حضرت عبداللہ بن عباس کو خوارج سے مناظرہ کے لئے بھیجا تو یہ ہدایت کی کہ ان کے ساتھ گفتگو میں مدار بحث قرآن کو نہ بنانا، سنت رسول کو بنانا، کیونکہ قرآن کے ایک ایک لفظ میں کبھی کبھی معنی کے کئی کئی رخ ہوتے ہیں کس جگہ کس عبارت کا کیا مفہوم ہے اس کی ٹھیک ٹھیک تحدید کلام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہو سکتی ہے۔ حدیث کی یہ حیثیت اس لئے ہے کہ قرآن کریم کی تشریح و تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں شامل تھی، جیسا کہ خود ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (النحل/٤٤)

یعنی: اور ہم نے تم پر نصیحت اتاری ہے تاکہ تم لوگوں پر اس چیز کو واضح کر دو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے اور تاکہ وہ غور کریں۔

اسی لئے نبی کریمؐ نے فرمایا ہے:

ألا وإنى أوتيت الكتاب ومثله معه (مختصر أبوداؤد ج ٧، ص، باب لزوم السنة)

یعنی جان لو کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا اور اسی کے ساتھ اسی کی مثل (علم و حکمت) بھی دیا گیا۔

خلاصہ اس ساری بحث کا یہ ہے کہ اس بات پر علماء اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع ہے کہ ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن کریم کو صرف اور صرف احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کی روشنی میں سمجھیں اور سمجھائیں۔ ہمیں یہ حق کسی نے نہیں دیا کہ ہم قرآنی آیات کو ان کے سیاق و سباق سے ہٹا کر اپنی من مانی تفسیر کرنے لگیں اور ہر ایک کلمہ گو کی تکفیر و تفسیق کرنا شروع کردیں، خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم۔

س : آپ نے فرمایا کہ یہود و نصاری اس لئے صریحاً کافر و فاسق قرار دیئے گئے کہ انہوں نے توراۃ کی بعض احکامی آیات کو اپنوں اور بیگانوں سب کی نظروں سے چھپا دیا تھا یا منسوخ کردیا تھا اور اس طرح صریحاً تحریف کے مرتکب ہوئے تھے۔ کیا موجودہ توراۃ و انجیل سے اس کی کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے؟

ج : بے شک پیش کی جاسکتی ہے، بلکہ متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ حوالہ کے لئے ملاحظہ ہوں توراۃ میں وارد احکام الہی پر مبنی یہ آیات:

ا۔ "اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی تاکہ قوم اسرائیل سے اس برائی کو دفع کیا جائے" (۲۲)

"اگر کوئی کنواری لڑکی جس کی کسی شخص سے منگنی ہو گئی اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پاکر اس سے صحبت کرلے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال کر لانا اور ان کو سنگسار کردینا یہاں تک کہ وہ مر جائیں۔

[illegible]

ابن احمد نقوی

تسلسل کے لئے دیکھئے شمارہ جون ۹۴ء

فکر اقبال
(۱۰)

جاوید نامہ

جاوید نامہ کو اگر ہم اقبال کا فنّی اور فکری شاہکار کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کے فارسی کلام میں ہی نہیں بلکہ ان کے سارے ادبی اثاثے میں اس کی بنیادی اہمیت ہے اس مثنوی میں اقبال بحیثیت شاعر فنکار، فلسفی، مومن اور مفکر اپنے فن کے نکتۂ عروج پر ہیں 'تصویر کشی' منظر نگاری' محاکات' فلسفیانہ موشگافیاں' دقیق علمی نکات' تصوف کے سلوک ومقامات' وطن پرستی کے گہرے جذبات' غرض یہ مثنوی ایک وسیع اور متنوع منظر نامہ ہے جو شاعر کی حیرتناک قوت فکر' قادر الکلامی' فن پر کامل دستگاہ' جزئیات نگاری پر فنکارانہ دسترس' قدیم وجدید فلسفہ پر عبور اور اس کے دل اور روح کے سوز وگداز کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں کہیں وہ فردوسی جیسی منظر کشی کرتے ہیں' کہیں نظامی جیسی جذبات نگاری اور کہیں غالب جیسی معنی آفرینی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فکر اور فن کے لئے نہ کوئی رکاوٹ ہے نہ دشواری' ایک سیل فکر ہے جو الفاظ کے تموج کے ساتھ بڑھا چلا جاتا ہے اپنے مرشد معنوی رومی کی قیادت میں انھوں نے افلاک کی اس سیر میں جن افراد کی ارواح سے ملاقات کی' بحث وگفتگو کی ان کے چند نام یہ ہیں قدیم اور مشہور شاعر بھرتری' ہری ہندو دیومالا کا ایک کردار جہاں دوست (وشوامتر) غالب' منصور' حلاج' قرۃ العین طاہرہ' غنی کاشمیری' سلطان ٹیپو' جمال الدین افغانی' سعید حلیم پاشا۔

اس آسمانی سفر میں اقبال نے اپنا نام زندہ رود بیان کیا ہے جو ان کے مرشد معنوی رومی کا عطا کردہ ہے جمال الدین افغانی کی روح سے اقبال کا تعارف کراتے ہوئے رومی نے کہا۔

گفت رومی ذرۂ گردوں نورد
در دل او یک جہان سوز و درد
چشم جز برخویشتن نکشادۂ
دل بکس نادادۂ آزادۂ
تند سیر اندر فراخائے وجود
من ز شوخی گویم اورا زندہ رود

غالباً جاوید نامہ لکھنے کا خیال اقبال کو اطالوی شاعر دانتے کی طویل نظم ڈیوائن کامیڈی (طربیہ خداوندی) پڑھ کر آیا ہوگا چودھویں صدی کے اس متعصب صلیبی شاعر نے بھی اس مثنوی میں اپنے تصوراتی آسمانی سفر کا ذکر کیا ہے دوزخ جنت کی سیر کی ہے بزرگ ارواح سے ملاقات کی ہے اس سفر میں اس کا رہنما اطالوی شاعر ورجل تھا۔ قرون وسطیٰ کے ظلمت بدوش مسیحی معاشرے میں اسلام' پیغمبر اسلام اور خود مسلمانوں کے خلاف جو تعصب تھا اس کا اندازہ دانتے کی اس تصنیف سے بھی ہوتا ہے اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنے انتہائی بغض کا بدترین مظاہرہ کیا ہے۔

دانتے کی اس تصنیف کے بارے میں مالک رام کا یہ نوٹ ملاحظہ ہو:

دانتے (۱۲۶۵-۱۳۲۱ء) اٹلی کا بزرگ ترین شاعر ہے اس کی ڈیوائن کامیڈی (طربیہ الٰہی) مشہور ومعروف چیز ہے۔ اس میں مصنّف نے طبقات علوی کی سیر کا حال بیان کیا ہے۔ اسے اس نے تین حصّوں میں تقسیم کیا ہے دوزخ' دار کفارہ اور جنت۔ وہ خواب دیکھتا ہے کہ میں ایک گھنے جنگل میں جانکلا ہوں جہاں ورجل (اس سے پہلے کا ایک اطالوی شاعر) کا ہیولی ظاہر ہوتا ہے اور دوزخ اور دار کفارہ میں اس کی رہنمائی کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے۔ دوزخ کے جو نظارے دانتے نے بیان کئے ہیں بلحاظ وقت نظر' اعتقاد نامہ اور جزئیات' کردار نگاری غالباً بے نظیر ہے اور شاید کسی مصنف کے کلام میں بیک وقت اتنی خوبیاں نہیں ملیں

گی۔دار کفارہ میں نظارے تقریباً یہی ہیں البتہ سزاو عقوبت عارضی ہے۔
جنت سماوی میں اس کی رہبر اس کی معشوقہ بیطرس ہے۔
سات طبقوں کی سیر کے بعد وہ آٹھویں طبقہ میں پہنچتا ہے جہاں حضرت یسوع مسیح کو اپنے باعظمت حواریوں کے حلقے میں دیکھتا ہے۔ نویں طبقہ میں وہ اپنے آپ کو روح کل کی موجودگی میں محسوس کرتا ہے اور ارواح مرحومہ کو ایک لامحدود دائرہ میں تختوں پر بیٹھا ہوا دیکھتا ہے۔ خداوند تعالیٰ خود دسویں طبقہ میں ہے۔ جس کا وہ وفور نور کے باعث نظارہ نہیں کرسکتا۔ ان تمام رویائی تجربات کی بنیاد دراصل اعتقاد حسن خیروزشت' شراور محبت کی عالمگیری اور قدرت عظیمہ ہے اور یہ سب کچھ اس جوش وخروش اور صحت کے ساتھ منظوم ہوا ہے کہ الہامی معلوم ہوتا ہے چنانچہ مدتوں اس کے ہم وطنوں کا یہ خیال رہا کہ یہ تمام حالات الہامی ہیں
(آج کل اپریل ۹۴ء)

کم وبیش ایسی ہی منظر نگاری اقبال نے کی ہے۔وہ شہر کے شوروہنگامے سے دور دریا کے کنارے سکون وخاموشی کے ماحول میں اپنے خیالات میں گم بیٹھے تھے کہ مرشد رومی کی روح نمودار ہوتی ہے اور ان سے کلام کرتی ہے وہی فلسفہ وتصوف' انسانی زندگی کی محرومیاں ناکامیاں'روح کی تشنگی کے مسائل پر گفتگو ہوتی ہے رومی اپنی مثنوی کی روشنی میں اقبال کی ذہنی گرہیں کھولتے ہیں ان کے سوالات کے جواب دیتے ہیں۔ پھر زروان روح زمان ومکان ظاہر ہوتی ہے اور انہیں عالم علوی کی سیر کے لئے لے جاتی ہے اور یہ دونوں (مرشد اور مسترشد) طبقات علوی کا مشاہدہ کرتے ہیں'ارواح جلیلہ سے ملاقات کرتے ہیں' ان سے گفتگو کرتے ہیں' ان سے مختلف سوالات کرتے ہیں' حالات زمانہ کے بارے میں ان کی رائے معلوم کرتے ہیں اور آخر میں ندائے جمال (صدائے خداوندی) سے مشرّف ہوتے ہیں۔ دانتے کی طرح وہ بھی جہنم کا منظر دیکھتے ہیں۔ انھیں جعفراور صادق (غدّاروں) کی ارواح آہوزاری کرتی نظر آتی ہیں'وطن سے ان کی غدّاری کے سبب دوزخ نے بھی انہیں قبول کرنے سے انکار کردیا ہے اور ایک سیل خونیں میں غوطے لگارہے ہیں طاسین محمد میں انھیں ابوجہل کی روح فریاد کناں نظر آتی ہے۔

سینۂ ما از محمد داغ داغ
از دم او کعبہ را گل شد چراغ

اسی طرح وہ طاسین گوتم'طاسین زرتشت اور طاسین مسیح کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

جاوید نامہ نہ صرف اقبال کی فنّی اور فکری عظمتوں کا شاہکار ہے بلکہ اس سے اقبال کی وسیع القلبی' بے تعصبی اور انسانیت دوستی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔وہ قدیم ہندوستانی فکر اور فلسفہ سے بے حد متاثر تھے اس کا ثبوت جاوید نامہ سے بخوبی ملتا ہے۔ اس علوی سفر میں ان کی ملاقات سب سے پہلے عارف ہندی سے ہوتی ہے اس سے وہ استفادہ کرتے ہیں'اسی طرح قدیم ہندوستان کے عظیم شاعر بھرتری ہری سے بھی بے انتہا عقیدت کا اظہار کرتے ہیں گوتم'زرتشت'قرۃ العین طاہرہ ٹالسٹائی وغیرہ کا ذکر وہ بڑے اچھے انداز میں کرتے ہیں اور کہیں بھی ان کے قلم سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکلتا جس سے ان کی تنگ نظری کا پتہ چلتا ہو وہ سب کا ذکر محبت وعقیدت سے کرتے ہیں سوائے غدّاران وطن جعفرو صادق کے ان کا قلم کسی کی مذمت سے آلودہ نہیں ہوتا۔ یہاں اقبال کا جاوید نامہ دانتے کی ڈیوائن کامیڈی سے بڑھ جاتا ہے اور اقبال اپنی فکری وسعت کے لحاظ سے دانتے سے بہت زیادہ عظیم اور عالی مرتبت نظر آتے ہیں۔ دانتے چونکہ مغرب کے دور ظلمت کا پروردہ تھا اس لئے اپنی شاعرانہ عظمت کے باوجود اپنی اعتقادی جہالت اور ذہنی پستی سے خود کو بلند نہیں کرسکا اور ہمیشہ کے لئے اپنی تنگ نظری' تعصب اور جہالت کا داغ اپنی ذات اور تصنیف پر چھوڑ گیا جبکہ اقبال نے اپنی فنکارانہ عظمت اور فکری بلندی کو تعصب اور تنگ نظری کی پستیوں کی طرف مائل نہیں ہونے دیا۔ اسے ہم مغرب ومشرق کے مزاج کا فرق اور صلیبی واسلامی تہذیب کا انداز بھی کہہ سکتے ہیں۔

جاوید نامہ ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۶۷ عنوانات ہیں۔ آخری عنوان ہے خطاب بہ جاوید۔ سخنے بہ نژادنو۔ جس میں اقبال نے اپنے صاحبزادے جاوید اقبال (جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال سابق چیف جسٹس پاکستان) کی معرفت مسلمانوں کی نئی نسل کو گراں بہا نصیحتیں کی ہیں یہ خطاب اس شعر پر ختم ہوتا ہے۔

سرّ دینِ مصطفیٰ گویم ترا
ہم بقبر اندر دعا گویم ترا

جاوید نامہ کا آغاز مناجات سے ہوتا ہے۔ اقبال پروردگار سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اپنی اہمیت کا اظہار کرتے ہیں کہ تونے آدم کو عظمتیں عطا کیں، اس (انسان) کی شان میں "علم الاسماء" فرمایا، تمام عالم میں اسے برگزیدہ قرار دیا اور اسے "ادعونی" کا سبق پڑھایا پھر بھی اے خدا تو مجھ سے دور حجاب میں رہتا ہے تو اپنے جلووں سے میری ذات کو منور کر آفتاب کی شعاعیں زمین پر پڑنے سے آفتاب کی حرارت اور روشنی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

ہم تیری تلاش میں سرگرداں ہیں اور تو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے، نہیں حقیقت یہ ہے کہ تو تو موجود ہے ہم ہی نابینا ہیں۔ اے خدا تونے مجھے عقل دی ہے لیکن مجھے جنونِ عشق عطا فرما، میں اس دنیا میں اپنے آپ کو تنہا اور اجنبی پاتا ہوں۔ میرے معبود عرش سے "انی قریب" کا مژدہ سنا، میں فانی ہوں تو مجھے جاودانی کردے۔ میں زمین پر پڑا ہوں مجھے آسمان کی بلندیوں پر پہنچادے، میں اس دور کے بوڑھوں سے ناامید ہوگیا ہوں۔ میری باتیں جوانوں کی فہم کے لئے آسان کردے۔

آیۂ تسخیر اندر شان کیست
ایں سپہر نیلگوں حیران کیست
رازدار علم الاسماء کہ بود
مست آں ساقی و آں صہبا کہ بود
روئے تو ایمان من قرآن من
جلوہ داری دریغ از جانِ من
از زیانِ صد شعاعِ آفتاب
کم نمی گردد متاعِ آفتاب
زیرِ گردوں خویش را یابم غریب
زاں سوئے گردوں بگو انی قریب
تو فروغِ جاوداں ما چو شرار
یک دودم داریم آں ہم مستعار

اے کہ نہ شناسی نزاعِ مرگ و زیست
رشک بر یزداں برد ایں بندہ کیست
آنیم من جاودانی کن مرا
از زمینی آسمانی کن مرا
من کہ نومیدم ز پیران کہن
دارم از روزے کہ می آید سخن
برجواناں سہل کن حرف مرا
بہر شاں پایاب کن ژرف مرا

مناجات کے بعد تمہید آسمانی کے نام سے کتاب کے اصل موضوع کا آغاز ہوتا ہے اقبال اپنے شاعرانہ انداز میں ابتدائے آفرینش کا نقشہ کھینچتے ہیں کہ یہ زمین آبادیوں سے خالی تھی اس کے دشت میں کوئی کارواں رہ نورد نہیں تھا۔ ہر طرف ویرانی و تاریکی تھی نہ کہیں سبزہ تھا نہ شجر سایہ دار۔ آسمان نے زمین کو طعنہ دیا کہ تجھ جیسی تاریک اور ویران جگہ کائنات میں کوئی نہیں ہے، خاک اگر اکٹھی ہو کر پہاڑ جیسی بلند بھی ہو جائے پھر بھی خاک ہی رہے گی اسے افلاک جیسی عظمت اور بلندی کہاں حاصل ہو سکتی ہے یا تو شان دلبری سے زندہ رہ یا اپنے ننگ و عار کے احساس سے مرجا۔ زمین کو آسمان کے اس طعنہ نے بہت دل گرفتہ کیا اور اس نے حق تعالیٰ سے اپنی ویرانی اور بے نوری سے نجات کے لئے فریاد کی۔ آسمانوں سے ندا آئی کہ تو ابھی اپنی امانت سے بے خبر ہے۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب تیری فضا انسانی زندگی کے ہمہمے اور ہنگامے سے گونجے گی، اور اس کے وجود اور کردار کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ خیرہ کن ہوگی۔ وہ خاکی انسان فرشتوں کی طرح پرواز کرے گا اور آسمان اس کی راہ میں ایک ویران سی منزل بن جائے گا۔ اگرچہ انسان خونریزی کرے گا اور اطاعت و عبادت کی طرف زیادہ مائل نہیں ہوگا لیکن اس کی مہم جوئی سے حیات و کائنات کے اسرار کھلیں گے۔

طعنہ زد چرخِ نیلی برزمیں
روزگار کس ندیدم ایں چنیں
خاک اگر الوند شد جز خاک نیست

روشن و پاینده چو افلاک نیست
یا بزی با ساز و برگ دلبری
یا بمیر از ننگ و عار کمتری
شد زمیں از طعنۂ گردوں خجل
ناامید و دل گران و منفعل
پیش حق از درد بے نوری تپید
تاندائے زانسوئے گردوں رسید
اے امینے از امانت بے خبر
غم مخور اندر ضمیر خود نگر
روزہا روشن زغوغائے حیات
نے ازاں نورے کہ بینی در جہات
عقل آدم برجہاں شبخوں زند
عشق او برلامکاں شبخوں زند
راہ داں اندیشۂ او بے دلیل
چشم او بیدار تر از جبرئیل
خاک و در پرواز مانند ملک
یک رباط کہنہ در راہش فلک
گرچہ کم تیغ خونریز است او
روزگاراں را چو مہمیز است او
چشم او روشن شود از کائنات
تا بہ بیند ذات او اندر صفات
ہرکہ عاشق شد جمال ذات را
اوست سید جملہ موجودات را

اس کے بعد نغمہ ملائک ہے فرشتے گیت گاتے ہیں کہ ایک دن یہ مشت خاک انسان عظمت و مرتبت میں فرشتوں سے بھی بڑھ جائے گا۔ اور زمین اس کی تگ و تاز سے آسمان جیسی عظمت حاصل کرے گی۔

فروغ مشت خاک از نوریاں افزوں شود روزے
زمیں از کوکب تقدیر او گردوں شود روزے

اس تمہید کے بعد اقبال اصل موضوع کو چھیڑتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ شہر کی ہنگامہ آرائیوں سے پریشان ہو کر میں سکون کی خاطر دریا کے کنارے چلا گیا اس تنہائی میں میں خود سے ہم کلام تھا۔ عالم بے خودی میں بے اختیار رومی کی مشہور غزل۔

بکشائے لب کہ قند فراوانم آرزوست
بنمائے رخ کہ باغ و گلستانم آرزوست

میری زبان پر جاری ہو گئی اور اچانک مرشد رومی کی روح نمودار ہوئی اقبال نے رومی سے سوال کیا کہ یہ موجود ونا موجود اور محمود ونا محمود کیا ہے۔ رومی نے فلسفہ اور تصوف کے انداز واصطلاحات میں اقبال کے سوالات کے جواب دیئے ہیں معراج کیا ہے۔ محبوب کو سامنے دیکھنا۔ رومی زندگی، عشق، ذات حق، نمود حق، جان، سرجان اور تن کے بارے میں لطیف و روح پرور نکات بیان کرتے ہیں ان کا اصل موضوع معراج ہے یعنی یہ تن اس مشت خاک کو پرواز (روحانی) سے باز نہیں رکھ سکتا (گویا یہ سفر آسمانی کی تمہید ہے)۔

ایں بدن باجان ما انباز نیست
مشت خاکے مانع پرواز نیست

رومی کی باتوں سے اقبال پر ایک وجد جیسی کیفیت طاری ہو گئی اور ان کے دل میں ہیجان واضطراب پیدا ہو گیا رومی نے معراج اور پرواز کے رموز بیان کئے تھے اقبال کی روح بھی پرواز کے لئے پر تول رہی تھی اچانک فضا میں تاحد نگاہ نور پھیل گیا اور اس نور میں سے ایک فرشتہ ظاہر ہوا جس کی دو صورتیں (رخ) تھیں ایک پرنور ایک تاریک اس کے بال بھی دو رنگ کے تھے یعنی سرخ اور زرد۔ اس کی سرعت رفتار کا یہ عالم تھا کہ چشم زدن میں زمین و آسمان کے فاصلے طے کرتا تھا۔ فرشتے نے کہا کہ میرا نام زروان ہے اور کائنات کی ہر چیز میرے قبضے میں ہے۔ انسان اور فرشتہ میرے اسیر ہیں اور ۶ دن کے اندر بنائی گئی کائنات بھی میری ہی پروردہ ہے۔ کوئی چیز میری دسترس سے باہر نہیں ہے ہاں جس نے "لی مع اللہ" کا راز جان لیا وہی میرے طلسم کو توڑ سکتا ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے درمیان حائل نہ ہوں تو "بیین جاں" سے "لی مع اللہ" پڑھو اقبال کہتے ہیں کہ اس فرشتہ کی آنکھ میں نہ جانے کیسا طلسم تھا کہ

میری نگاہوں سے یہ عالم غائب ہوگیا اور میں نے اپنے آپ کو ایک نئے عالم میں پایا۔ میرا جسم سبک اور جان سیار ہوگئی، میرے قلب میں ایک نئی بیداری اور بصیرت پیدا ہوگئی سارے حجابات اٹھ گئے اور میرے کانوں میں فرشتوں کا نغمہ گونجنے لگا۔

ناگہاں دیدم میان غرب و شرق
آسماں . در یک سحاب نور غرق
زاں سحاب افرشتۂ آمد فرود
با دو طلعت ایں چو آتش آں چو دود
گفت زروانم جہاں را قاہرم
ہم نہانم از نگہ ہم ظاہرم
آدم وافرشتہ دربندِ من است
عالم شش روزہ فرزندِ من است
در طلسم من اسیر است ایں جہاں
از دم ہرلحظہ پیر است ایں جہاں
لی مع اللہ ہر کرا دردل نشست
آں جواں مردے طلسم من شکست
گرتو خواہی من نباشم درمیاں
لی مع اللہ باز خواں از عین جاں
درنگاہ اونمی دانم چہ بود
از نگاہم ایں کہن عالم ربود
رشتۂ من زاں کہن عالم گسست
یک جہان تازۂ آمد بدست
تن سبک تر گشت وجاں سیار تر
چشم دل بینندہ وبیدار تر
پردگیہائے حجاب آمد پدید
نغمۂ انجم بگوشِ من رسید

اقبال نے جو طلسم آفرینی کی ہے اور زروان (روح زمان مکان) نامی عجیب وغریب فرشتہ کی تصویر پیش کی ہے جو اپنی ذات میں "قادر مطلق" ہونے کا مدعی ہے اسے ہم دین و شریعت کی روشنی میں دیکھ کر کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔ ظاہر ہے اقبال اپنی فکر کی پنہائیوں میں گم ہیں اور شاید نہیں جانتے کہ وہ کیا پیش کررہے ہیں اور کیسے پیش کررہے ہیں "لی مع اللہ" جیسی موضوع حدیثوں پر انحصار بھی اسی طلسماتی تمثیل کو تصوف کے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش ہے یہ ان کی فکری لغزش ہے لیکن جب ایک عظیم فنکار اپنی فکر اور تخیل میں گم ہوتا ہے تو اس کے سامنے صرف اس کا فن اور فکر ہوتی ہے اس کا مرغِ تخیّل ایسی بلندیوں پر پرواز کرتا ہے جہاں کوئی قدغن نہیں ہوسکتی، کوئی مزاحم نہیں ہوتا اسی لئے سارے بندھن، ساری پابندیاں، سارے حدود و قیود اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتے ہیں شاید یہی مرحلہ ہوتا ہے جسے قرآن نے "یتبعھم الغاوون" سے تعبیر کیا ہے۔ اس راہ میں اقبال ہی نہیں کم وبیش ہر شاعر الا ماشاء اللہ اسی گمراہی اور بے راہ روی کا شکار ہوتا ہے یہ اس کی مجبوری بھی ہے فنکار کی فکر جب حدود و قیود اور بندشوں کی اسیر ہوجائے تو پھر فنکار کا جوہر اور اس کی طبع وقّاد اپنی جولانیاں کھو بیٹھتے ہیں۔ شاعری میں غلو اور اغراق بھی یہی کرشمے دکھاتا ہے، جب غالب نے آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی مدح کرتے ہوئے کہا تھا۔

بردعائے شہ سخن کوتاہ باد
تا خدا باشد بہادر شاہ باد

تو غالب جیسے شخص کو پتہ تھا کہ وہ ایک فضول اور مضحکہ خیز بات کہہ رہے ہیں پھر بھی غالب نے یہ شعر اپنی مدح سے حذف نہیں کیا اور اغراق کی چند نایاب مثالوں میں شمار ہونے کے لئے ان کے فارسی کلام کا جزو بن گیا۔ شاعروں نے اپنی قدرت، فن اور فکر کی برتری کے اظہار کے لئے شاعری کو "جزویست از پیغمبری" قرار دیا لیکن قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شاعر ہونے کے امکان کو قطعاً رد کردیا اور اسے اپنے پیغمبر کے مرتبہ اور شان سے فروتر بتایا "وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ"

بہر کیف اقبال نے سیر سماوی کا سماں باندھنے کے لئے یہ طلسم آفرینی کی۔ ملائک نے آسمانوں پر ان کی آمد پر جو استقبالیہ نغمہ گایا وہ بھی

اقبال کے شاعرانہ بانکپن کو ظاہر کرتا ہے۔

عقل تو حاصل حیات عشق تو سرّ کائنات
پیکر خاک خوش بیا ایں سوئے عالم جہات
صدق وصفاست زندگی نشوونما ست زندگی
تاابد از ازل بتاز ملک خداست زندگی
مرد فقیرانش است میری وفقیری خس، است
مال وفرلوک را حرف برہنہ بس است
دبدبۂ قلندری طنطنۂ سکندری
آں ہمہ جذبۂ کلیم ایں ہمہ سحر سامری
آں بہ نگاہ می کشد، ایں بہ سپاہ می کشد
آں ہمہ صلح و آشتی ایں ہمہ جنگ وداوری
ہردوجہاں کشاستند ہردو دوام خواستند
ایں بہ دلیل قاہری آں بہ دلیل دلبری
ضرب قلندری بیار، سدّ سکندری شکن
رسم کلیم تازہ کن رونق ساحری شکن

اقبال ہر جگہ قلندری وسکندری کا تقابل پیش کرتے ہیں اور مرد قلندر کی عظمت وشوکت اور سکندری کی بے وقعتی وناطاقتی کو ظاہر کرتے ہیں فرشتے بھی اسی لہجہ میں ان کا استقبال کرتے ہیں عالم علوی میں مرد قلندر کی پیشوائی اس کے مزاج کلیمی کے مطابق ہی کی گئی ہے۔

سب سے پہلے اقبال فلک قمر پر پہنچتے ہیں جو ایک غیر آباد، ویران اور تاریک کوہستانی خطہ ہے، وہاں زندگی کا نام ونشان نہیں ہے، شجر وسبزہ زار بھی نہیں ہیں، ایک ہولناک سناٹا ہر طرف طاری ہے۔ خافطین اور یلدرم وہاں کے آتش فشاں پہاڑ ہیں ان کے غاروں کے منہ پر دھواں اور اندر بھڑکتی آگ ہے۔ وہاں طوفانی ہوائیں چلتی ہیں۔ اقبال ان مناظر کی وحشت ناکی سے پریشان ہوئے تو رومی نے انہیں حوصلہ دیا اور بتایا کہ خطۂ قمر کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہے اس کے غاروں میں اور ہی عالم ہے پریشان مت ہو اور جو کچھ دیکھو اسے سمجھنے کی کوشش کرو اور جہاں میں لے جاؤں میرے ساتھ ساتھ آؤ۔ رومی نے اقبال کا ہاتھ پکڑا اور ایک غار پر پہنچے۔

آں سکوت آں کوہسار ہولناک
اندروں پر وسوز بیروں چاک چاک
صد جبل از خافطین ویلدرم
بردہانش دود ونار اندر شکم
ابرہا بے نم ہواہا تندو تیز
با زمین مردۂ اندر ستیز
عالمے فرسودۂ بے رنگ وصوت
نے نشان زندگی دروے نہ موت
گفت رومی خیزو گامے پیش نہ
دولت بیدار را از کف مدہ
باطنش از ظاہر او خوشتر است
در قفار او جہانے دیگر ست
ہر کجا رومی برد آنجا برو
یک دودم ازغیر او بیگانہ شو
دست من آہستہ سوئے خود کشید
تند رفت ودبر سرے غارے رسید

(جاری)

بقیہ:- خبرنامہ

کی ہے اور اسے اسی طرح سرکاری تحویل میں لیا جاسکتا ہے جس طرح کسی بھی دوسری عبادت گاہ کو لیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا متنازعہ علاقہ (بشمول رام جنم بھومی، بابری مسجد کے اندرونی اور بیرونی صحن) سے متعلق عدالتی کارروائی کی جاسکتی ہے۔ اور ان مقدمات کے سلسلے میں عبوری احکام کا بھی اعلان ہوسکتا ہے ماسوا اس کے کہ عبوری احکام میں دفعہ ۷ر کے تحت ترمیم کی گئی ہو۔ عدالت نے کہا کہ قانون کی دفعہ تین کے تحت متنازعہ علاقہ کا مرکزی سرکاری تحویل میں لیا جانا ایک آئینی ریسور کے کردار تک محدود ہے جس کا فرض قانون کی دفعہ سات کے تحت اس علاقہ کا بندوبست اور انتظام چلانے تک محدود ہے اس لئے بطور آئینی ریسیور کے مرکزی سرکار کا فرض ہے کہ متنازعہ علاقہ کو عدالت کے قطعی فیصلہ کے مطابق حقدار کو سونپ دے۔

اطہر نقوی

عمر فاروق اعظم

جلال و ہیبتِ فاروقِ اعظم
أَشِدّاءُ کی ہے بنیاد محکم
نشانِ سطوتِ دینِ معظم
جلالِ فقر و سلطانی کا سنگم
عمر فاروقِ اعظم

کبھی تھا دشمن جانِ پیمبر
طلب اس کی لبِ خیر البشر پر
وہ گونجا نعرۂ اللہ اکبر
ہوا پیشِ نبی اس کا بھی سر خم
عمر فاروقِ اعظم

چلا تھا لے کے جو شمشیرِ برّاں
پئے قتلِ شہنشاہِ[1] رسولاں
خوشا بہ جلوۂ اعجازِ قرآں
بنا اصحابی[2] سرکارِ عالم
عمر فاروقِ اعظم

ورود اس کا طلوعِ شاہِ خاور
وجود اس کا مثالِ برق و تندر
تہ و بالا جہانِ کفر و کافر
مسلماں کے لئے صبحِ شبِ غم
عمر فاروقِ اعظم

فراست اس کی تائیدِ سماوی
شجاعت سطوتِ باطل پہ حاوی
ہے اس کے عدل کی تاریخ راوی
بنائے معدلت ہے اس سے محکم
عمر فاروقِ اعظم

جلالت اس کی تقدیرِ الٰہی
نشانِ عظمت و عظمت پناہی
دگر گوں اس کے آگے ظلِّ شاہی
گرے سارے شہنشاہوں کے پرچم
عمر فاروقِ اعظم

جہانِ کفر و ظلمت اس سے لرزاں
مزاجِ سطوتِ باطل ہراساں
حصارِ اہرمن برباد و ویراں
فساد و ظلم کی بنیاد برہم
عمر فاروقِ اعظم

نگوں تاج سرِ دارا و قیصر
اک افسانہ تھا اقبالِ سکندر
جہاں گیری بدونِ تاج و افسر
فقیری میں شہنشاہی کا عالم
عمر فاروقِ اعظم

جلالِ حق سے تاباں اس کی سیرت
جمالِ نورِ حق اس کی بصیرت
نقیبِ عظمتِ دین و شریعت
زمین و آسماں میں وہ مکرّم
عمر فاروقِ اعظم

۱۔ شہنشاہ کا اطلاق باری تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے درست نہیں۔ غلو اور اغراق شاعری کا خاصہ ہے شاعر کی جولانیٔ طبع کبھی کبھار اس طرح کی بندشوں کو خاطر میں نہیں لاتی۔

۲۔ یہ لفظ 'صحابی' ہے، ضرورت شعری کے لئے ہمزہ شروع میں بڑھا دیا گیا ہے۔

مزمل حسین قاسمی

خبرنامہ

فلسطین کا بحران

یروشلم ۱۳؍ اکتوبر ۹۴ء _ اسلامی جنگ پسندوں کے ہاتھوں ایک اسرائیلی فوجی افسر نکشوں واکسمن کے اغوا اور اسے قتل کردیئے جانے کی دھمکی کے بعد کل اسرائیل نے غزہ پٹی کی سرحد بند کردی اور فلسطینیوں کے ساتھ امن مذاکرات کا سلسلہ ختم کردیا' وزیر اعظم اسحاق رابن نے ٹیلی فون پر فلسطینی لیڈر یاسر عرفات سے رابطہ قائم کرکے ان سے کہا ہے کہ وہ حماس گروپ کے انتہا پسندوں کے ہاتھوں اغوا کئے جانے والے فوجی افسر نکشوں واکسمن کی صحیح سلامت واپسی کے ذمہ دار ہیں۔

مئی میں فلسطینیوں کو محدود خود مختاری ملنے کے بعد یہ سب سے سنگین سیاسی بحران ہے۔ مسٹر رابن نے بار بار مسٹر عرفات کو خبردار کیا ہے کہ وہ اسرائیل کے ساتھ امن کی مخالفت کرنے والے اسلامی انتہا پسندوں کے خلاف سخت کارروائی کریں۔

مسٹر عرفات انتہا پسندوں کے خلاف کارروائی کرنے سے اس لئے گریزاں ہیں کہ انہیں اندیشہ ہے کہ انہیں غیر مسلح کرنے یا گرفتار کرنے کی کوشش سے خانہ جنگی برپا ہوسکتی ہے۔ مسٹر رابن کے دفتر سے جاری کردہ ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ حماس کے ہاتھوں اغوا کئے جانے والے فوجی کو اگر کوئی نقصان پہونچایا اس کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو اسرائیل اور فلسطینی حکام کے مستقبل میں تعلقات اور امن عالم پر انتہائی خطرناک اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ مسٹر رابن نے مسٹر عرفات سے کہا ہے کہ فلسطینی حکام کے لئے یہ اصل آزمائش ہے۔ اغوا کا معاملہ طے پانے تک امن مساعی کا سلسلہ رکا رہے گا۔ اس کا اشارہ اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اسرائیل نے قاہرہ (مصر) میں فلسطینی انتخابات پر بات چیت کو معطل کردیا ہے۔

یہ بحران ٹھیک اس روز پیدا ہوا۔ جس دن مسٹر رابن اور مسٹر عرفات کو نوبل انعام ملنے والا تھا۔ تشدد کے ایسے واقعات مسٹر رابن کے اس استدلال کو کمزور کرتے ہیں کہ امن اسرائیلیوں کے لئے سود مند ہے

غزّہ میں مسٹر عرفات نے اغوا کے واقعہ کی مذمت کی ہے اور حماس کو اس کے لئے مورد الزام ٹھہرایا ہے انہوں نے مغویہ فوجی کے والدین سے بات چیت کرکے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کے بیٹے کی رہائی کے لئے اپنی بساط بھر کوشش کریں گے۔ یہ اطلاع مسٹر عرفات کے ترجمان نبیل ابوارغ دینہ نے دی ہے۔

اردن اور اسرائیل

عمان : ۲۶؍ اکتبور ۱۹۹۴ء آج اردن اور اسرائیل کے مابین ایک تاریخی امن معاہدے پر دستخط ہوا جس سے دونوں ملکوں کے درمیان ۴۶ سالہ محاذ آرائی کا خاتمہ ہوگیا۔ اسرائیل اور اردن کی سرحد پر واقع وادی عربہ میں امریکی صدر بل کلنٹن اردن کے شاہ حسین اور اسرائیل کے وزیر اعظم کی موجودگی میں دستخط ہوئے۔ ان کے علاوہ امریکی خارجہ سکریٹری مسٹر وارن کرسٹوفر' روس کے وزیر خارجہ آندرے کوزیروف اور اسرائیل کے وزیر خارجہ شمعون پیریز بھی شریک تھے۔ سلمان خورشید نے ہندوستان کی نمائندگی کی۔ اس موقع پر ۲۰ ملکوں کے پرچم لہرا رہے تھے تقریباً پانچ ہزار مہمانوں نے شرکت کی۔ تقریب کی شروعات قرآن مجید کی آیات اور زبور کی تلاوت سے ہوئی جس کی گونج صحرا میں پھیل رہی تھی' ۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی اور رنگ برنگے غبارے چھوڑے گئے۔

بل کلنٹن نے غیر ملکی شخصیتوں کی قیادت کی اور معاہدے کی منظوری پر تائیدی دستخط کئے اور کہا کہ اردن اور اسرائیل کے درمیان امن اب کوئی سراب نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے' ہندوستان کے وزیر اعظم نرسمہاراؤ نے کہا کہ یہ منصفانہ اور پائدار امن کی جانب پیش رفت ہے۔

تاہم پس منظر میں امن مخالفانہ جذبات برقرار تھے اس معاہدے پر دستخط کے فوراً بعد عرب گوریلوں نے شمالی اسرائیل کے علاقوں میں راکٹ داغے۔ اس موقع پر یاسر عرفات غیر حاضر تھے عرفات اس معاہدے سے سخت ناراض ہیں ان کو سمجھوتے کے ایک خاص شق پر اعتراض ہے جس کے تحت اردن کو فساد زدہ یروشلم شہر میں مذہبی جگہوں پر نگرانی رکھنے کی خاص ہدایت سونپی گئی ہے۔ انہوں نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے مغربی کنارے اور عرب مشرقی یروشلم کی سرحدی ناکہ بندی کردی۔ فلسطینیوں نے شاہ حسین کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا' اردن کا قومی پرچم نذر آتش کردیا' اسرائیل کے پرچم کو بھی جلادیا اور شاہ حسین مردہ باد اور اسحاق رابن مردہ باد کے نعرے لگائے۔ فلسطینی نوجوانوں نے اسرائیل کے گشتی دستوں پر پتھراؤ بھی کیا۔ اس ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ فلسطینی شاہ اردن کے ارادوں کی بابت شبہ میں مبتلا ہیں ان کا کہنا ہے کہ "شاہ اردن نے اسرائیلیوں سے یروشلم کا سودا کرلیا ہے۔ انہوں نے یروشلم میں اسلامی آثار کے ساتھ مسجد اقصیٰ کی تولیت حاصل کرنے کا خفیہ معاہدہ اسرائیل سے کرلیا ہے۔ اس تولیت کے بدلے میں وہ یروشلم کو اسرائیل کے حوالہ کردیں گے۔"

معاہدے کی تقریب میں ایران کی عدم شرکت بھی اپنی جگہ کافی وقیع ہے۔ وسط ایشیا میں ایران کو نظرانداز کرکے اس علاقے میں امن ممکن نہیں ہے جبکہ حماس اور حزب المجاہدین جیسی جماعتیں فلسطین کی مکمل آزادی کے لئے جہاد کا نعرہ دے رہی ہیں ادھر صدر کلنٹن نے جاتے جاتے شام پر بھی دباؤ ڈالا کہ وہ اسرائیل سے سمجھوتہ کرلے مگر انہوں نے جولان کی واپسی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا جبکہ شام شروع سے ہی جولان کی اسرائیل سے واپسی کو مذاکرات کے لئے شرط مانتا ہے

مگر اب حافظ الاسد کی آواز بھی اردن اور فلسطین کے معاہدے سے کمزور پڑتی نظر آرہی ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس معاہدے کے نتیجہ میں وہ بھی یاسر عرفات اور شاہ حسین کی طرح اپنے حقوق اور علاقوں سے دست بردار ہوکر معاہدہ کے لئے تیار ہوجائیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ معاہدہ کب تک جاری رہتا ہے۔ اسحاق رابن کی یہ علامتی تقریر کہ "اب وقت آچکا ہے کہ ایک بہتر مستقبل کا صرف خواب نہیں دیکھا جائیگا بلکہ اس کی تعبیر بھی سامنے آئیگی آج پیدا ہونے والے بچے ہمارے درمیان ہوئی جنگ کے بارے میں کبھی نہ جان سکیں گے اور ماؤں کو اب دکھ نہیں جھیلنے ہوں گے" حقائق پر کتنی کھری اترتی ہے؟ کیا صیہونی سامراجی مزاج اپنی توسیعی پالیسی سے باز رہیگا؟ کیا اسرائیل غصب کردہ علاقوں کو شام' اردن اور فلسطین کو واپس کردیگا؟ اگر ایسا نہیں ہوا تو یہ معاہدہ سراب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

دس منٹ کی اردو نیوز بلیٹن

بنگلور : بنگلور دور درشن سے دس منٹ کی اردو نیوز بلیٹن کا آغاز گاندھی جینتی کے موقع پر کیا گیا۔ حکومت کے مطابق یہ پروگرام علاقائی زبانوں کی ترویج و ترقی کے مد نظر پہلے سے طے تھا۔ مگر فسطائی طاقتوں نے اسے عصبیت کی عینک سے دیکھا اور وہاں کی علاقائی کنٹر زبان پر حملے کا رنگ دیدیا۔ نتیجتہً ۷ر اکتوبر سے اس بلیٹن کے خلاف بی جے پی کی رہنمائی میں احتجاج شروع ہوا۔ اور اس احتجاج نے زبردست فرقہ وارانہ فساد کی صورت اختیار کرلی۔ احتجاجیوں کی یہ دلیل کہ اگلے دو ماہ میں صوبائی الیکشن ہونے والے ہیں اس لئے مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے اردو نیوز بلیٹن شروع کیا گیا ہے کافی وزنی تھی اور اسے سبھی اخباروں نے کافی اچھالا اور فساد پر قابو پانے کے لئے وزیر اعلیٰ ویرپا موئیلی کو اردو بلیٹن کی ٹیلی کاسٹ بند کرنی پڑی۔ اس فساد میں مرنے والوں کی تعداد ۲۸ اور زخمیوں کی تعداد ۳۵ بتائی گئی ہے حالانکہ غیر سرکاری ذرائع کا کہنا ہے کہ مرنے والوں کی تعداد ۴۰ سے بھی زائد ہے۔

اگرچہ اردو کسی فرقہ کی زبان نہیں ہے نہ ہی اس بلیٹن سے کنٹر زبان پر کوئی فرق پڑتا تھا اور نہ ہی مسلمانوں کی اقتصادی ترقی پر کوئی اثر

پڑنے والا تھا مگر فرقہ پرستوں کو مسلمانوں کی جان ومال سے کھیلنے کا ایک بہانہ ہاتھ لگ گیا۔ ان فسادات میں مارے جانے والوں کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ کسی کورٹ میں ان کی دادرسی تک نہیں ہوتی۔ ان کی دادرسی کے لئے ایک کمیٹی بٹھادی جاتی ہے جو سالوں بعد اپنی رپورٹ پیش کرتی ہے اور کسی کے خلاف مبینہ ثبوت نہ ہونیکی صورت میں سارے فرقہ پرستوں کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے جو پھر دوسرے فساد کی تیاری میں لگ جاتے ہیں

ہندوستانی مسلمانوں پر ایک پروجیکٹ

نئی دہلی ۲۲ر اکتوبر ہندوستانی مسلمانوں کی زبوں حالی اور سماجی اقتصادی حالات پر بہت کچھ کہا اور لکھا گیا ہے لیکن اب تک قابل اعتماد اعداد وشمار اور آنکڑوں کی کمی رہی ہے۔ ہمدرد ایجوکیشنل سوسائٹی نے پہلی بار ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں قابل اعتماد اعداد وشمار کا جوکھم اپنے سرلیاہے اس پروجیکٹ میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالروں کی ایک ٹیم پروفیسر اعجاز الدین کی رہنمائی میں کام کررہی ہے۔ اس پروجیکٹ کی افادیت پر تقریر کرتے ہوئے ہمدرد ایجوکیشنل سوسائٹی کے سکریٹری سید حامد نے بتلایا کہ مسلمانوں کے بارے میں آنکڑے حکومت کی اولین رازداری میں شامل ہے۔ اگرچہ مردم شماری میں کچھ بنیادی اشارہ جات (Key Indicators) پر فرقہ وار (Community — wise) — آنکڑے جمع کئے جاتے ہیں لیکن انہیں درجہ بند معلومات (Classified information) کے ضمن میں رکھ دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے کسی مذہبی فرقہ کے سماجی واقتصادی حالات پر ماہرانہ تبصرہ نہیں کیا جاسکتا۔

اب تک اس پروجیکٹ کے تحت بہار اور راجستھان پر دو رپورٹیں شائع ہوچکی ہیں۔ دہلی، اترپردیش اور ہریانہ کی رپورٹیں اس سال کے آخر تک شائع ہوجائیں گے۔ کیا مسلمان اپنے تعلیمی، سماجی واقتصادی ترقی میں پیچھے ہیں؟ بہار اور راجستھان کے ان دو رپورٹوں سے ان کا جواب ملتا ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کے بارے میں دوسری غلط فہمیوں کا بھی ازالہ ہوجاتا ہے۔

بہار کے کشن گنج ضلع سے گیارہ ہزار انفرادی گھروں کا سروے کیا گیا ہے اور مغربی راجستھان کے ناگور ضلع کے ڈڈوانہ شہر سے چھ ہزار گھروں کا سروے کیا گیا ہے۔ ان سے حیران کن نتائج ملے ہیں۔ مسلمانوں میں مرد وزن کی شرح بہار میں ۱۰۰۰/۸۹۲ اور راجستھان میں ۱۰۰۰/۹۳۲ ہے جبکہ ہندوؤں میں مرد وزن کی شرح کافی کم ہے ۱۰۰۰/۸۵۶ بہار میں اور ۱۰۰۰/۹۱۳ راجستھان میں ہے۔ ایک ممکنہ تشریح یہ ہوسکتی ہے کہ مسلمانوں میں بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح نہیں دی جاتی جبکہ ہندوؤں میں بیٹیوں کے بالمقابل بیٹوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ شرح خواندگی میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں کافی فرق ہے، مسلمانوں کی شرح خواندگی بہار میں ۳۱ فیصد اور راجستھان میں ۳۲ فیصد ہے جبکہ ہندوؤں کی شرح خواندگی ۵۵ فیصد بہار میں اور ۵۴ فیصد راجستھان میں ہے۔ عورتوں کی شرح خواندگی میں مسلمانوں کی حالت اور ابتر ہے۔ بہار میں جہاں مسلمان عورتوں کی شرح خواندگی ۲۲ فیصد وہاں ہندو عورتوں کی شرح خواندگی ۴۶ فیصد ہے۔ راجستھان میں تو مسلمان عورتوں کی شرح خواندگی صرف ۴ فیصد ہے جبکہ وہاں ہندو عورتوں کی شرح خواندگی ۳۸ فیصد ہے۔

بہار میں تقریباً نصف مسلم آبادی اور راجستھان میں دو تہائی مسلم آبادی اپنی تعلیم پرائمری سطح پر ہی بند کردیتی ہے اسکول چھوڑنے والوں میں مسلم طلباء کی شرح سب سے اونچی ہے اور اعلیٰ تعلیم میں یہ تصویر بالکل ہی دھندلی ہوجاتی ہے۔

مسلمانوں میں تعلیمی پسماندگی کا اثر ملازمت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ سفید کالر ملازمتوں میں مسلم نمائندگی ان دونوں صوبوں میں کالعدم ہے۔ ان دونوں رپورٹوں میں مسلمانوں کی پسماندگی کے آنکڑے دوسرے فرقوں کے بالمقابل ناقابل مساوی ہیں۔ کیا امید کی جاسکتی ہے کہ یہ آنکڑے پلاننگ کرنے والوں کو اپنی طرف مائل کریں گے اور مسلمانوں کی حالت سدھارنے کے لئے کوئی رفاہی قدم اٹھایا جائیگا۔

بابری مسجد سے متعلق سپریم کورٹ کا فیصلہ

نئی دہلی ۲۴ر اکتوبر آج بابری مسجد سے متعلق سپریم کورٹ کی پانچ رکنی بینچ نے اپنا اہم تاریخی فیصلہ سنایا۔ فیصلے کے مجموعی مضمرات درج ذیل ہیں۔

۱۔ بابری مسجد کی متنازعہ آراضی بدستور مرکزی حکومت کی تحویل میں رہے گی۔

التوعیہ کی ڈاک

ماہنامہ "التوعیہ" کے اداریوں، مقالوں اور دوسرے مشمولات کے متعلق ملک اور بیرون ملک کے اہل علم اور اصحاب ذوق بالخصوص دینی مدارس و جامعات اور عصری کالجز اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ و پروفیسران اور طلباء کے خطوط ہمیں برابر موصول ہوتے رہتے ہیں۔

ان خطوط میں جہاں "التوعیہ" سے متعلق ان کے آراء و تاثرات کا ذکر ہوتا ہے وہیں ان میں ملی اور بین الاقوامی مسائل کی بابت بہت سی مفید آراء و تجاویز ہوتی ہیں جن سے قارئین "التوعیہ" استفادہ کرسکتے ہیں۔

اس شمارہ سے ان خطوط کی اشاعت کا سلسلہ جو کافی دنوں سے رکا ہوا تھا ہم پھر شروع کررہے ہیں۔ تعمیری تنقید اور جماعت و ملت کی فلاح و بہبود سے متعلق آراء و تجاویز پر مشتمل خطوط کا ہم ان کالموں میں خیر مقدم کریں گے البتہ قصیدہ خوانی کے حامل اسی طرح تخریبی اور غیر سنجیدہ تنقیدوں پر مشتمل مراسلات کی اشاعت سے ہم معذور رہوں گے بطور نمونہ ایک خط ہم اس شمارہ میں شائع کررہے ہیں جسے بمبئی کے ایک مدرسہ کے رئیس الاساتذہ نے جناب ابن احمد نقوی کو لکھا ہے اس سے ہمارے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ ہمیں کس قسم کی تنقیدوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ (ادارہ)

بزرگرامی جناب ابن احمد نقوی صاحب حفظہ اللہ

مزاج مبارک! السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ

آپ کی تحریر خواہ اداریہ سے متعلق ہو یا کسی سفرنامے سے ہر سطر اور ہر جملے نادر اور مہذب الفاظ سے پر ہوتے ہیں جو آپ کو دور حاضر میں میدان صحافت کے اچھے کھلاڑی ثابت کرتے ہیں خدا آپ کے زور قلم میں اور قوت عطا فرمائے آمین۔

آپ مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی کے بنگلور کا سفرگذشت قسط وار شائع کررہے ہیں حتی کہ مئی ۹۴ء میں بنگلور سے واپسی پر بمبئی ائرپورٹ پر مولوی یار محمد کا آپ کے لئے انتظار کا چرچا ہے 'الحمد للہ کےبعد دیگرے مقامات کے ذکر خیر سے آپ کے سفرگذشت میں قارئین کو خاصی لذت ملی ہے' لیکن بمبئی ائرپورٹ پر اتر کر مختلف کالونیوں سے ہوتا ہوا ایک مضافاتی بستی میں کسی جماعتی ادارے کا معائنہ کا جو آپ نے ذکر کیا ہے وہاں یا تو آپ نے قارئین کو اندھیرے میں رکھا ہے یا خود اندھیرے میں آپ نے اپنا منہ چھپایا ہے جو ہر حال میں حقیقت سے گریز ہے' ورنہ مضافاتی بستی کا نام نہ لیکر آپ اپنے سفرگذشت کا سلسلہ نہیں توڑ دیتے اور اس ادارہ کا نام بھی ضرور لکھتے جہاں معائنہ کرکے آپ کو ایک احسان عظیم کا بوجھ ڈالنا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ لکھنے والے کی نیت و ارادہ تک رسائی کوئی آسان نہیں لیکن اہل قلم جب قارئین کے سامنے ایسی عبارت پیش کرے جو سانپ و لاٹھی دونوں بچانے کا کام دے تو ایسے اہل قلم اور ان کے قارئین کے دین و دنیا کی اللہ ہی خیر کرے۔

آپ سے عرض ہے کہ اس مضافاتی بستی اور ادارہ کا نام کسی شمارہ میں ضرور ذکر کریں گے تاکہ سفرگذشت میں مقامات کے سلسلہ بحالی کے ساتھ ساتھ آپ کے قلم کی عزت بھی بحال ہوسکے۔

والسلام

الطاف حسین الفیضی

رئیس الاساتذہ جامعہ رحمانیہ کاندیولی بمبئی ۶۷

بقیہ: خبرنامہ

۲۔ جب تک الہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بینچ میں ملکیت کے مقدمے فیصل نہیں ہوجاتے یہ زمین کسی نئی تعمیر کے لئے کسی بھی ٹرسٹ کے حوالہ نہیں کی جاسکتی۔

۳۔ مرکزی حکومت کو ریسیور مقرر کیا جائے اور ہائی کورٹ میں چل رہے مقدموں کے فیصلے کے مطابق حق ملکیت کا فیصلہ کیا جائے۔

۴۔ بابری مسجد کی تعمیر سے قبل متنازعہ مقام پر کسی ہندو مندر یا ڈھانچہ کے ہونے یا نہ ہونے سے متعلق صدر کی رائے طلبی بے معنی ہے۔

اپنے ۹۸ صفحات پر مشتمل فیصلے میں چیف جسٹس ایم این وینکٹ چلیا اور دیگر دو ججوں نے کہا کہ متنازعہ آراضی بدستور مرکزی حکومت کے ہاتھوں میں رہیگی جب تک کہ الہٰ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ حق ملکیت کا فیصلہ نہیں سناتی یہ زمین کسی نئی تعمیر کے لئے کسی ٹرسٹ کے حوالے نہیں کی جاسکتی۔ چونکہ عدالت نے جوں کی توں حالت کا حکم ۷ر جنوری ۱۹۹۳ء میں جاری کیا تھا لہٰذا ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو مسجد کے متنازعہ مقام پر بنایا جانے والا عارضی مندر (میک شفٹ ٹمپل) بدستور اپنی جگہ رہیگا۔ عدالت نے یاد دلایا کہ اسلامی ملکوں میں مسجد سے متعلق قانون کے تحت اس کی حیثیت سے قطع نظر سیکولر ہندوستان میں قانون محمدی کے تحت مسجد کی حیثیت وہی ہے جو کسی بھی دوسری عبادت گاہ

(باقی ص۳۵ پر)

نومبر ۱۹۹۴ء مطابق جمادی الاخریٰ ۱۴۱۵ھ

ایڈیٹر
جلد ۹ رفیق احمد سلفی شمارہ ۷

بدل اشتراک

خصوصی ممبر (سالانہ) ۱۵۰۰/۰۰ روپے
ہمدرد (سالانہ) ۵۰۰/۰۰ روپے
عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۰۰/۰۰ روپے
ششماہی ۵۵/۰۰ روپے
پاکستان و بنگلہ دیش
عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۲۵/۰۰ روپے
غیر ممالک سے
۳۵ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی
۳-ج/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵
AL-TAUTYAH Monthly
161/ج 3 Joga Bai
New Delhi-110025
فون : ۶۸۲۱۸۲۷

پرنٹر پبلشر محمد الیاس سلفی نے الفا آفسیٹ پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر ماہنامہ "التوعیہ" ۳-ج/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

مقالات

نظم

متفرقات

فکر و نظر

ابن احمد نقوی

اجودھیا اور عدالت

دستور ہند کی دفعہ ۱۴۳ کے تحت اجودھیا کے تنازعہ میں رائے طلبی کے معاملے کو واپس کرکے سپریم کورٹ نے اس کانٹوں کی جھاڑی میں الجھنے سے انکار کردیا ہے۔ بابری مسجد کے انہدام کے بعد مرکز نے عدالت سے رائے طلب کی تھی کہ وہ بتائے آیا جس جگہ بابری مسجد تھی وہاں پہلے کوئی مندر تھا یا بابری مسجد کی تعمیر مندر کو مسمار کرکے کی گئی تھی۔ دفعہ ۱۴۳ کے تحت سپریم کورٹ کی رائے کی کوئی آئینی حیثیت نہیں تھی یعنی حکومت عدالت کی رائے کو ماننے کی پابند نہیں ہوتی سپریم کورٹ بحث ودلائل دستاویزی شہادتوں، آثار قدیمہ کے ماہرین کی گواہی وغیرہ پر غور کرنے کے بعد اگر یہ رائے دیتی کہ یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ بابری مسجد کی جگہ پہلے رام مندر تھا یا بابری مسجد بنانے سے پہلے یہاں موجود مندر کو مسمار کیا گیا تھا تو حکومت اپنے سیاسی مصالح کے پیش نظر اس رائے کو نظر انداز کرسکتی تھی ایک عذر یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ایک فریق اس رائے کو تسلیم نہیں کررہا ہے لہٰذا مفاد عامہ میں حکومت عدالت کی رائے کو تسلیم کرنے سے معذور ہے۔ خود سپریم کورٹ کو اس صورت حال کا اندازہ تھا اسی لئے اپنی رائے کی بابت فیصلہ سنانے سے پہلے چیف جسٹس نے اٹارنی جنرل سے معلوم کیا تھا کہ عدالت کی رائے پر مرکز کا کیا ردّ عمل ہوگا اور سرکاری وکیل نے عدالت عظمیٰ کو یقین دلایا تھا کہ حکومت عدالت کی رائے کی پابندی کرے گی۔ پھر بھی عدالت نے اس مسئلہ پر طویل بحث ومباحثہ ریاستوں اور فریقین کے دلائل سننے کے بعد یہی فیصلہ دیا کہ عدالت اس مسئلہ پر کوئی رائے نہیں دے سکتی اور اس طرح اس نے اپنے آپ کو اس شکنجہ سے بچالیا جس میں سیاستداں اسے پھنسانا چاہتے تھے جب راؤ سرکار نے رائے طلبی کا اختیاری معاملہ عدالت کو بھیجا تھا تب بھی بعض اپوزیشن پارٹیوں نے اس کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ عدالت سے رائے نہیں فیصلہ مانگا جائے اور معاملہ دفعہ ۱۴۳ کے بجائے دفعہ ۱۳۸ (۲) کے تحت پیش کیا جائے تاکہ عدالت کے فیصلہ کی پابندی سب پر لازم ہو۔ لیکن سرکار عدالت کا فیصلہ نہیں چاہتی تھی بلکہ ۶ر دسمبر ۹۲ء کے بحران سے نکلنے کے لئے کچھ مہلت چاہتی تھی، اس کا اندازہ صحیح تھا کہ سال دو سال تک یہ مسئلہ عدالت میں زیر سماعت رہے گا اس عرصہ میں جذبات کا ہیجان بڑی حد تک ختم ہوجائے گا اور سرکار اس دوران کوئی حکمت عملی وضع کرلے گی شاطر سیاستداں جن کی سیاسی دکانیں اجودھیا کے بازار میں لگی تھیں وہ نہیں چاہتے تھے کہ عدالت اس جذباتی مسئلہ پر کوئی فیصلہ دے اور یہ سیڑھی ان سے چھن جائے۔ بہت سے قائد اعظم جن کی سیاسی دکانوں پر بابری مسجد کے انہدام کے بعد تالے پڑ گئے تھے مضطرب تھے کہ اگر معاملہ عدالت میں ہی زیر بحث رہا تو ان کی آتشبازی کا سارا مسالہ بیکار ہوجائے گا پھر وہ سیاسی پٹاخے کیسے چھوڑیں گے۔ چنانچہ جب عدالت نے یہ مسئلہ بغیر رائے دیئے واپس کردیا تو دونوں طرف کی سوکھی کھیتیاں ہری ہوگئیں۔

عدالت کوئی رائے نہیں دے گی تو معاملہ پھر سیاست کے چوراہے پر رکھا جائے گا۔ بات چیت ہوگی تو وہی پرانے مہرے بساط پر لائے جائیں گے شہرت، اہمیت اور پبلسٹی کا دور پھر آئے گا اور آئندہ الیکشن میں قائد اعظم کی کامیابی کے امکانات روشن ہوجائیں گے۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کا عام طور پر خیر مقدم کیا گیا ہے سب کا خیال ہے کہ عدالت نے اس تنازعہ میں نہ الجھ کر بہت مستحسن اقدام کیا ہے اسی کے ساتھ ۷ر جنوری ۱۹۹۳ء کے حصولی اراضی ایکٹ کو جزوی طور پر کالعدم قرار دے کر اور ملکیت اراضی کے تمام مقدمات ہائی کورٹ کے حوالے کرکے عدالت نے مسئلہ کو غیر فرقہ وارانہ رخ دیدیا ہے اور اس مقدمہ

کے فیصلے تک بابری مسجد کی متنازعہ آراضی کو منتقل کرنے پر پابندی عائد کرکے حکومت اور سیاسی پارٹیوں دونوں پر قدغن لگادی ہے۔ورنہ سپریم کورٹ میں رائے طلبی کے مسئلہ کی سماعت کے دوران ہی شنکر اچاریوں نے مرکز کے آشیرواد سے "رامالیہ ٹرسٹ" بنالیا تھا جسے بقول ان کے رام جنم بھومی مندر کی تعمیر کے لئے سرکار سے وہ تمام آراضی مل جاتی جہاں اس وقت رام للّٰہ کا بُت رکھا ہے اور مندر کی تعمیر اسی جگہ سے شروع ہوتی اس فیصلہ کے بعد ایڈوانی نے مرکز پر الزام لگایا کہ وزیر اعظم نے سادھو سنتوں اور شنکر اچاریوں سے وعدہ کیا تھا کہ گربھ گرہ (وہ جگہ جہاں پہلے بابری مسجد کا ممبر تھا اور وہاں بُت رکھدئے گئے ہیں) کی جگہ ٹرسٹ کے حوالے کردی جائیگی۔ ایڈوانی اور اشوک سنگھل کی پریشانی یہ ہے کہ بابری مسجد مسمار کرنے کا کارنامہ تو انہوں نے انجام دیا اس کے بعد وہ اس امید میں تھے کہ اس عظیم کامیابی کے انعام کے طور پر انہیں دلیؔ کے تخت طاؤس پر بیٹھنے کا موقع ملے گا وہ پچھلے سال کے اسمبلی انتخابات میں اس نعرہ کے ساتھ میدان میں آئے تھے کہ" آج چار پانچ پردیش کل سارا دیش" لیکن نتائج ان کی امیدوں کے بالکل برعکس نکلے وہ صرف دلی میں اپنی سرکار بنا سکے راجستھان میں جوڑ توڑ کرکے اور آزاد امیدواروں کا سہارا لے کر ہی انہیں اقتدار مل سکا۔ اب ان کی امید اجودھیا میں رام مندر کی تعمیر پر منحصر ہے کہ شاید اس طرح پھر ان کے خوابوں کی حسین تعبیر مل سکے ادھر نرسمہا راؤ نے بھی شاطرانہ چال چلنی شروع کردی انہوں نے اعلان کیا کہ رام مندر ضرور تعمیر کیا جائے گا اس کے لئے انہوں نے کئی سادھو سنتوں اور شنکر اچاریوں کی تائید بھی حاصل کرلی۔ اور اس طرح سنگھ پریوار کے قدموں سے زمین کھینچ لی۔عام ہندو کے لئے یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ مندر کون بناتا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مندر کی تعمیر اب کوئی اہم مسئلہ ہے ہی نہیں اصل تنازعہ اجودھیا میں بابری مسجد کا سر اٹھائے کھڑا ہونا تھا فسطائیوں کے سینہ پر سانپ لوٹتا تھا کہ ہندوؤں کے ایک مقدس ترین تیرتھ استھان میں اتنی بڑی تاریخی مسجد کیسے باقی ہے اور وہ بھی آزاد ہندوستان میں 'جہاں اقتدار پر ہندوؤں کا غلبہ ہے چنانچہ پہلے وہاں زبردستی بُت رکھ کر اسے مندر میں تبدیل کیا گیا اور جب جذباتی طالع آزماؤں اور عاقبت نا اندیش مسلمانوں نے اسے سیاسی فٹبال بنایا تو

جنونیوں نے مسجد کی عمارت ہی منہدم کردی اور دنیا کو دکھادیا کہ ان کے سامنے سپریم کورٹ' آئین حکومت' حقوق انسانیت وغیرہ کوئی رکاوٹ نہیں ٹھہر سکتی اور وہ جو چاہیں کر گزریں گے اس طرح اجودھیا کا تنازعہ ۹۰ فیصد حل ہوگیا۔ بابری مسجد جو آنکھوں میں کھٹکتی تھی وہ مٹ گئی اب مندر بننا ہے وہ کوئی بنائے کبھی بنائے۔ مندر آج نہ بنے گا پچاس سال بعد بن جائے گا۔ سنگھ پریوار یہی کہتا ہے کہ مندر بنے گا وزیر اعظم بھی یہی کہتے ہیں کہ رام مندر ضرور بنے گا۔ بابری مسجد بننے کی بات کوئی نہیں کرتا ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا جیسے کچھ انصاف دوست ہندو' وزیر اعظم کو ان کا وہ وعدہ یاد دلاتے ہیں جو انہوں نے قوم اور پارلیمنٹ کے سامنے کیا تھا کہ بابری مسجد دوبارہ اسی جگہ بنائی جائے گی لیکن گنگا میں بہت پانی بہہ چکا ہے وہ وعدہ بھی سرد خانے میں رکھے رکھے یخ بستہ ہوگیا ہے۔ کئی حقیقت بیں دانشور اور مبصر اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں کہ ۶ر دسمبر کو شرپسندوں نے بابری مسجد کے چاروں گنبد توڑے تھے مسجد کی دیواریں قائم تھیں اگر سرکار چاہتی تو ان دیواروں کی حفاظت کرتی ان کی مرمت کرادیتی اور کم از کم گنبدوں کے بغیر ہی بابری مسجد کی عمارت کھڑی رہنے دی جاتی مگر یہ سب سرکاری سرپرستی میں ہوا پھر وہاں دوبارہ مندر بنایا گیا ایک ٹینٹ لگا کر رام للّٰہ کا بت وہاں رکھا گیا یہ بھی سرکار کی نگرانی میں ہوا تو عملاً رام مندر تو نرسمہا راؤ نے ہی بنوایا۔ اگر سرکار چاہتی تو مسجد کے انہدام کے بعد وہاں دوبارہ مورتی رکھنے کو روک سکتی تھی۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا اس طرح فسطائیوں کے حوصلے اور بڑھے پھر ہائی کورٹ نے ان مورتیوں کی موسم کی سختی سے حفاظت کا فرمان جاری کیا اور اب سپریم کورٹ نے پوجا کے حق سے متعلق فیصلہ دیتے ہوئے اگرچہ اس جگہ مسلمانوں کی عبادت کے حق سے انکار نہیں کیا ہے تاہم چونکہ ۱۹۴۹ء کے بعد سے وہاں کبھی نماز نہیں پڑھی گئی جب کہ مورتی پوجا برابر ہوتی رہی ہے پہلے رام چبوترے پر اس کے بعد مسجد کی اصل محراب کے اندر اور اس میں رکاوٹ صرف ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو پڑی جب کہ شرپسندوں نے متنازعہ ڈھانچہ کو گرالیا اس کے بعد صرف ایک پجاری پوجا کرتا رہا اس لئے ہندوؤں کے پوجا کرنے کا حق تسلسل کے سبب برقرار ہے اگرچہ وہ اس میں کسی توسیع یا اضافے کا مطالبہ نہیں کرسکتے۔ عدالت نے اپنے فیصلے

میں ان شرپسندوں کی سخت مذمت کی ہے جنہوں نے بابری مسجد کو مسمار کیا عدالت کے نزدیک ایسے لوگ کسی مذہب یا عقیدہ سے تعلق نہیں رکھتے وہ صرف مجرم ہوتے ہیں ۶ر دسمبر کو انہدامی کارروائی میں شریک افراد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ہندو تھے لیکن ان کی اس مذموم کارروائی کے لئے پورے ہندو فرقہ کو مورد الزام قرار نہیں دیا جاسکتا تاہم چونکہ یہ کہا جاتا ہے کہ مسجد توڑنے والے ہندو تھے لہٰذا ہندوؤں کو اس جرم کی صلیب (بدنامی) اٹھانی ہی ہوگی۔ اسی فیصلہ کے تحت عدالت عظمیٰ نے یہ بات بھی واضح کردی ہے کہ سیکولر ہندوستان میں مسجد کو خصوصی تحفظ حاصل نہیں ہے مسلم ممالک میں جو بھی قانون یا رواج ہو' ہندوستان میں مسجد کو ایکوائر (سرکاری قبضہ) کیا جاسکتا ہے۔ قبضہ مخالفانہ کے سبب اس پر ایک فریق کا دعویٰ ختم ہوسکتا ہے۔ فیصلہ کے ان دونوں پہلوؤں یعنی مسجد پر سرکاری قبضہ اور بابری مسجد میں ۵۰ سال سے زیادہ عرصہ سے پوجا جاری رہنے کے سبب وہاں پوجا کا حق اور دسمبر ۱۹۴۹ء کے بعد سے نماز نہ پڑھے جانے کے سبب عبادت کے حق کا ختم ہوجانا' ایسی باتیں ہیں جن پر مسلمانوں کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے اور اس بات کو محسوس کرنا چاہئے کہ بدلے ہوئے حالات میں کوئی قانون بھی ان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ عدالت عظمیٰ نے اس بات کو تسلیم کیا کہ ۱۹۴۹ء کے بعد سے بابری مسجد میں نماز نہیں ہوئی اور پوجا برابر ہوتی رہی مگر اس تاریخی حقیقت کو کسی نے بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ سولھویں صدی کے نصف سے بیسویں صدی کے نصف تک یعنی چار صدیوں تک وہاں نماز باجماعت ہوتی رہی ہے اور اگر ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم نہ ہوتا تو آج بھی وہاں نماز پابندی سے ہوتی رہتی۔ عدالت کے سامنے قانونی اور آئینی پہلو ہوتے ہیں اور وہ اسی بنیاد پر فیصلہ کرتی ہے فرقہ وارانہ بنیاد پر کسی کے حق میں فیصلہ دینا عدالت کا کام نہیں ہے۔ ہماری سپریم کورٹ نے ۶ر دسمبر کا حادثہ روکنے کی پوری کوشش کی لیکن حکومت کی بے عملی کے سبب وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکی۔ اب بدلے ہوئے حالات میں عدالت کے لئے یہ فیصلہ دینا مشکل ہوگا کہ مسجد وہیں دوبارہ تعمیر کی جائے نہ عدالت اس تاریخی حقیقت کی بنیاد پر کوئی بات کہہ سکتی ہے کہ اس جگہ چار سو سال تک مسلمان نماز پڑھتے رہے ہیں۔

عدالت موجودہ صورت حال کو دیکھتی ہے اور ان ہی حقائق کی بنیاد پر فیصلہ کرتی ہے۔ مسلمان بابری مسجد کا مقدمہ شروع میں ہی ہار گئے تھے جب مسجد کی محراب میں مورتیوں کو برقرار رکھنے اور وہاں پوجا کرنے کا عبوری حکم مقامی عدالت نے جاری کیا اور پھر ۱۹۵۵ء میں ہائی کورٹ نے اس حکم کی توثیق کردی۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔ یہ بدلے ہوئے حالات کی دین تھی اسے تاریخ کا جبر بھی کہہ سکتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے ایسا ہونا آسان نہیں تھا بلکہ شاید ممکن بھی نہیں تھا لیکن آزادی اور تقسیم نے سب کچھ بدل دیا۔ بابری مسجد کی عمارت برقرار رہتی تو کچھ امید ہوسکتی تھی کہ شاید تنازعہ کا کوئی حل نکل آئے رام چبوترہ پر مندر بن جائے اور بابری مسجد کے صحن کا کچھ حصہ چھوڑ کر باقی عمارت عبادت کے لئے واگذار کردی جائے۔ بدقسمتی سے جذبات فروشوں نے اس نازک مسئلہ کو سڑکوں پر لاکر مسجد کی مسماری کی راہ ہموار کردی ۶ر دسمبر کے بعد مسلمان لٹے بھی پٹے بھی اور اب ٹاڈا کے عذاب میں گرفتار ہیں۔ پھر بھی ان کے جذباتی رہنما بابری مسجد کے مزار پر عرس کی تیاریاں کررہے ہیں سپریم کورٹ سے مسئلہ واپس آنے کے بعد پھر ملت کی نیلامی کی آوازیں بلند ہونے لگی ہیں پھر کمیٹیاں زندہ ہورہی ہیں پھر قائد اعظم اپنے پر پرزے ٹھیک کررہے ہیں ۱۹۹۶ء کے عام انتخابات سر پر آرہے ہیں اس کے لئے بابری مسجد اور ریزرویشن جیسے نعرے خون میں گرمی پیدا کریں گے۔ اور پھر جذباتی ہیجان پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ الیکشن میں کامیابی کی راہ ہموار ہوسکے۔ ہندوستانی مسلمان گذشتہ نصف صدی سے طوفان کے ہچکولے کھارہے ہیں وہ جذبات کے ہیجان میں طوفان کی طرح اٹھتے ہیں اور پھر حباب کی طرح بیٹھ جاتے ہیں۔ سیاسی پارٹیاں ان کی مسیحائی کے بلند بانگ دعووں کے ساتھ آگے آتی ہیں اور ان کے ووٹ بٹور کرلے جاتی ہیں پھر بھول جاتی ہیں کہ الیکشن سے پہلے انہوں نے مسلمانوں سے کیا وعدے کئے تھے۔ بابری مسجد کا تنازعہ پھر سیاستدانوں کے ہاتھوں میں آگیا ہے اگرچہ سپریم کورٹ کی رولنگ کے مطابق متنازعہ آراضی کے حق ملکیت کا فیصلہ ہونے تک بابری مسجد کی زمین منتقل نہیں کی جاسکتی اور اس کا فیصلہ ہونے میں ابھی وقت لگے گا اس لئے سیاستداں اسے پھر اچھالیں گے بی جے پی پہلے ہی

اسے الیکشن کا موضوع بنانے کا اعلان کر چکی ہے گو اب اس تنازعہ میں وہ آتش فشانی نہیں رہ گئی جو بابری مسجد کی موجودگی میں تھی تاہم اب بھی رام جنم بھومی کے نام پر فساد کرایا جاسکتا ہے اب مسلمانوں پر یہ الزام ہوگا کہ وہ مندر کی تعمیر میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ سنگھ پریوار کی زندگی اور ترقی مسلم دشمنی پر انحصار کرتی ہے وہ مسلمانوں کے خون میں ڈوب کر اقتدار کے ساحل پر ابھرنا چاہتی ہے اور گذشتہ کئی دہائیوں کی مشق سے وہ اس فن میں کافی مشاق ہو چکی ہے اس لئے مسلمانوں کو جذبات فروش رہنماؤں کے پیچھے چل کر سنگھ پریوار کے ہاتھوں میں اپنی گردن نہیں دینی چاہئے فسطائی اجودھیا مسئلہ پر پسپائی کے بعد موقع کی تلاش میں ہیں۔ مسلمانوں کی ہر بات میں انہیں تقسیم کا پہلو نظر آجاتا ہے 'اردو کی بات ہو یا مسلم پرسنل لاء کی ملازمتوں میں نمائندگی کا مسئلہ ہو' یا ریزرویشن کا مطالبہ فسطائی فوراً شور مچانے لگتے ہیں کہ ایک نئی تقسیم کی بنیاد رکھی جارہی ہے اور ایک نئے پاکستان کی داغ بیل ڈالی جارہی ہے۔ بابری مسجد کے انہدام پر تبصرہ کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے اپنے حالیہ فیصلہ میں کہا ہے کہ چونکہ بابری مسجد توڑنے والوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ہندو تھے لہٰذا ہندوؤں کو یہ صلیب اپنے سینے پر لٹکانی ہی ہوگی بالکل یہی بات مسلمانوں کے بارے میں کہی جاسکتی ہے کہ ملک کی تقسیم کرانے والوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان تھے لہٰذا ہندوستانی مسلمانوں کو اس گناہ کی صلیب اپنے کندھوں پر اٹھانی ہی ہوگی۔ اب اگر وہ یہ فریاد کریں کہ بابری مسجد کے معاملے میں ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا جارہا ہے تو اس پر بھی فسطائی یہی شور مچائیں گے کہ مسلمان دوبارہ بابری مسجد کی تعمیر کا مطالبہ کرکے ایک نئی تقسیم کرانا چاہتے ہیں اور چونکہ فسطائیوں کو شورش 'فساد' قتل وغارت گری کے جملہ حقوق حاصل ہیں لہٰذا حکومت ان کی بات سن کر سہم جاتی ہے کہ اگر فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوگئے تو اس کے لئے امن وانتظام بحال کرنا دشوار ہوجائے گا ایسے پُر آشوب حالات میں مسلمانوں کے لئے صف آرائی یا ہنگامہ آرائی کا رویہ بہت نقصان رساں ہوگا سابقہ تجربوں سے انہیں سبق سیکھنا چاہئے اور احتجاجی سیاست سے دامن بچانا چاہئے۔

بابری مسجد کی بازیابی کی لڑائی اگر لڑنی ہی ہے تو وہ عدالت میں ہی لڑی جاسکتی ہے سڑکوں چوراہوں یا بوٹ کلب پر نہیں۔ یہ تماشے مسلمان نہیں کرتے بلکہ وہ نیتا کراتے ہیں جو مسلمانوں کو قربانی کا بکرا بنا کر اسمبلی یا پارلیمنٹ میں اپنی کرسی حاصل کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہئے کہ جبر اور ناانصافی کے وہ تنہا شکار نہیں ہیں۔ سکھوں کو بھی آزاد ہندوستان میں اپنی مقدس ترین عبادت گاہ (سورن مندر) کی شکست وریخت کا دلخراش منظر دیکھنا پڑا بودھ گیا (بہار) میں بودھوں کے مندر پر فسطائیوں نے دعویٰ کر رکھا ہے اور اس تنازعہ کے سبب وہاں سرکاری تالہ ڈال دیا گیا ہے۔ پانڈیچری میں ایک گرجا پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور عیسائیوں کے اس معبد پر پولس تعینات کردی گئی ہے۔ اقلیت جہاں بھی ہے فسطائی حملوں کا نشانہ ہے۔ کشمیر میں ہندو اقلیت میں ہیں انہیں وہاں انتہاپسندوں سے یہی شکایت ہے ہزاروں کشمیری پنڈت وادی سے ہجرت کرنے پر مجبور کردئے گئے۔

پنجاب میں بھی ہندو اقلیت کو ایسے ہی نامساعد حالات میں نکلنا پڑا۔ بہت سے لوگ پنجاب سے اپنا کاروبار سمیٹ کر دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ ان میں سے جس سے پوچھئے وہ اکثریت کے ظلم اور زیادتی کی شکایت کرے گا اور اس کی شکایت غلط نہیں ہے۔ مذہبی بنیاد پر اگر کسی کو بے گھر ہونا پڑے 'روزگار کاروبار سے محروم ہونا پڑے 'عبادت گاہ تباہ کردی جائے یہ سب ایسی باتیں ہیں کہ نسلوں ان کی تلخی نہیں مٹتی جن لوگوں کو مذہبی تفریق کے سبب پاکستان سے نکلنا پڑا یا کشمیر سے ہجرت پر مجبور ہونا پڑا وہ آسانی سے فسطائیوں کے فلسفہ کا شکار ہوجاتے ہیں فسطائی اس نفرت اور تلخی کی سلگتی ہوئی آگ کو شعلہ جوّالہ میں تبدیل کردیتے ہیں۔ سنگھ پریوار والے کشمیر میں ہندوؤں پر ہونے والے ظلم کے خلاف نعرے لگاتے ہیں پنجاب میں سکھ دہشت گردی کی مذمت کرتے ہیں لیکن سارے ملک میں خود اقلیتوں کے خلاف دہشت گردی کرتے ہیں تو بھول جاتے ہیں کہ ہم خود بھی وہی جرم کررہے ہیں جس کا الزام پنجاب اور کشمیر کے انتہاپسندوں پر لگاتے ہیں۔ جس طرح کشمیر میں دہشت گردوں نے غلبہ پالیا ہے اسی طرح فسطائی دہشت گردوں نے پورے ملک کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ کلیان سنگھ جیسے فسطائی دہشت گرد جو بابری مسجد گرانے والے شرپسندوں کا ایک سرغنہ ہے اسے سپریم

رٹ نے توہین عدالت کے جرم میں ایک دن کی علامتی قید اور دو ہزار
پیہ جرمانہ کی سزادی۔ کیونکہ اس نے عدالت کے حکم کے برخلاف
ھد سے متصل زمین پر پختہ چبوترہ بنوایا تھا۔ ایسی علامتی سزاؤں سے ان
اک مجرموں پر کیا اثر پڑنے والا ہے۔ اگر عدالت ایسے دس بیس
رموں کو عمر قید کی سزادے' سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر طویل
رصہ کے لئے پابندی لگادے الیکشن میں امیدوار بننے کے نااہل قرار
یدے تو شاید یہ جرائم پیشہ گروہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو۔ لیکن جمہوریت
ک طرز حکومت ہے کہ جس میں ہر جرم کو سیاست کے غلاف میں چھپایا
جاسکتا ہے۔ بال ٹھاکرے اور اڈوانی کو گرفتار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ
سیاسی پارٹیوں کے سربراہ ہیں اگر انھیں سزا دیدی جائے تو یہ ہیرو بن
جائیں گے اور آیندہ الیکشن میں ان کی پارٹیاں برسراقتدار آجائیں گی۔
انتظامیہ ان سے خوفزدہ رہتی ہے عدالت ٦ر دسمبر کو اپنے احکام کا حشر
دیکھ چکی ہے ان حالات میں مسلمانوں کے لئے کون سا راستہ مناسب ہے
کیا وہ ان خاردار جھاڑیوں میں اپنا دامن الجھائے رکھیں یا کسی طرح ان
سے دامن بچاکر اپنی بقا کی فکر کریں۔

ان کی نئی نسل اپنی تہذیب سے بیگانہ ہوتی جارہی ہے دین کی اصلی
اسپرٹ سے محروم ہو چکی ہے۔ ذرائع ابلاغ (میڈیا) کے ذریعہ اس کے
ناپختہ ذہن پر جو یلغار ہو رہی ہے وہ اب محسوس طریقے سے اس کا شکار
ہو رہی ہے وہ اپنی تاریخ سے بیگانہ اور اساطیر کی گرویدہ ہے اگر ابھی اس پر
توجہ نہ دی گئی تو اس کے بعد جو نسل آئے گی وہ بالکل ہی نئے رنگ کی
ہوگی۔ اردو کا چلن تیزی سے ختم ہو رہا ہے شور مچانے والے بہت ہیں
لیکن عملی اقدام کی توفیق کم ہی لوگوں کو ہوتی ہے۔ اقتصادی اور تعلیمی
میدان میں مسلمان سب سے زیادہ پسماندہ مانے جاتے ہیں لیکن جذباتی
سیاست کی سرپرستی میں سب سے آگے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے مسلمان
کب تک سرابوں کے پیچھے دوڑتے رہیں گے وہ دوسری اقلیتوں سکھوں
اور عیسائیوں کو کیوں نہیں دیکھتے۔ تعلیم اور صحت کے میدان میں عیسائی
سب سے آگے ہیں ان کے کانونٹ اسکول اور مشنری اسپتال ہر جگہ
موجود ہیں اور آبادی کا ہر طبقہ ان کی طرف دوڑتا ہے سکھوں نے صنعت
اور ٹرانسپورٹ کے میدان میں قدم جمالئے ہیں مگر مسلمان کسی میدان
میں نظر نہیں آتے بس احتجاجی نعروں کا شور ہی ان کی شناخت بن گیا ہے یا
پھر کنونشن' سیمینار اور جلسے کرتے رہتے ہیں۔ دیواروں پر اشتہار چسپاں
کرتے ہیں اور اپنی محرومیوں کا ماتم کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہ سروے کیا
جائے کہ آزادی کے بعد ہندی بیلٹ (شمالی ہند) میں مسلمانوں نے کتنے
نئے اعلی تعلیم کے تیکنکی ادارے قائم کئے' کتنے ڈگری کالج بنائے گئے
کتنے ہائی اسکولوں اور انٹر کالجوں کو ترقی دے کر ڈگری کالجوں کی سطح تک
لے جایا گیا تو بڑی مایوس کن تصویر سامنے آئے گی۔ حالانکہ ان علاقوں
میں اقتصادی طور پر مسلمانوں نے ترقی کی ہے مگر صرف انفرادی طور پر'
اجتماعی یا ملی ترقی یا منصوبہ بند ترقی کا احساس ان کے ہاں ابھی عام نہیں
ہوا ہے مسجدیں عالی شان بن گئی ہیں پرشکوہ رہائشی مکانات بھی تعمیر ہوتے
ہیں مگر مذہب نے ہمہ جہت ترقی کا جو سبق دیا ہے' شان و شوکت کے بے جا
مظاہرے سے روکا ہے اسے ابھی تک اہمیت نہیں دی جاتی۔ سارا فساد
یہی ہے کہ مسلمان جذبات پرستی کو چھوڑ کر تعمیری انداز میں سوچنے کے
عادی نہیں ہیں۔ آزاد ہندوستان میں انہیں اپنی تعمیر نو کا کام کرنا تھا یہ ان
کی نشاۃ ثانیہ کا دور تھا لیکن وہ کچھ بھی نہ کرسکے۔ معقول قیادت انہیں
ملتی نہیں اور جذبات فروش قیادت سے وہ اپنے آپ کو بچا نہیں پاتے
نتیجہ وہی ہوتا ہے جو ٦ر دسمبر کو سامنے آیا اگر یہ حادثہ ہی ان کی آنکھیں
کھولدے اور وہ آئندہ صحیح راہ پر چلنے کا عزم کرلیں تو ابھی بہت زیادہ دیر
نہیں ہوئی ہے۔

اگر چھن گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

بابری مسجد کی بازیابی سے زیادہ اہم اس طوفان کا مقابلہ ہے جو فسطائیوں
نے غریب مسلمانوں کو بنگلہ دیشی قرار دے کر ووٹ کے حق سے محروم کرنے
اور سرحد پار ڈھکیلنے کے لئے اٹھایا ہے۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے
ایکشن کمیٹیاں بنی چاہیں ٦ر دسمبر ۹۴ء کو اجودھیا میں نماز پڑھنے سے
مسلمانوں کا بھلا نہیں ہوگا ہاں اگر سیاسی اور آئینی طور پر وہ فسطائیوں کو
بنگلہ دیشیوں کی تاریخ ہندوستانی مسلمانوں کو برباد کرنے سے بچاسکے تو یہ
تاریخی کارنامہ ہوگا۔ اس وقت مسلمان رہنماؤں کے کرنے کا یہی بنیادی
کام ہے۔

اردن اسرائیل معاہدہ

یاسر عرفات اور رابن کے درمیان فلسطین کی مقبوضہ علاقہ میں محدود خود مختاری کے معاہدہ کے بعد اردن اسرائیل معاہدہ کی راہ ہموار ہوگئی تھی۔ اگرچہ ان دونوں ملکوں کے درمیان خفیہ روابط شروع سے ہی قائم تھے۔ شاہ عبداللہ والی اردن اپنی یہود دوستی کے سبب ہی ہلاک کئے گئے تھے۔ ان کے بعد شاہ حسین جو مغرب کے ایک بہت معتبر حلیف ہیں صہیونیوں سے خفیہ ملاقاتیں کرتے رہے ہیں۔ اردن نے عملاً شروع سے ہی اسرائیل کا وجود تسلیم کرلیا تھا اسے خواہ اس کی مجبوری کہا جائے یا مفاد پرستی یا حقیقت پسندی، بہرحال سرکاری طور پر پس پردہ دونوں ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ ایک دوبار جب عرب انقلابیوں کے ہاتھوں شاہ حسین کے تخت وتاج کو خطرہ پیدا ہوا تو اسرائیل نے یہ بات پوشیدہ نہیں رکھی کہ وہ اردن میں کسی قسم کی تبدیلی کی اجازت نہیں دے گا۔ ۱۹۶۸ء کی جنگ میں سب سے زیادہ نقصان اردن کا ہی ہوا تھا اسے اپنی آدھی سلطنت یعنی غرب فلسطین سے ہاتھ دھونا پڑا اور فوجی نقصان بھی کافی ہوا۔ اس کے بعد بھی اردن اسرائیل رابطے قائم رہے اس دور میں عرب میں یہودیوں کے خلاف نفرت کا ہیجان تھا اور کوئی عرب یہ جرأت نہیں کرسکتا تھا کہ یہودیوں سے رابطہ کی بات کرے۔ اس وقت بھی یہودی وزیر دفاع موشی دایان اور شاہ حسین کے درمیان ایک خفیہ ملاقات ہوئی تھی شاہ حسین اپنی شکست سے دل برداشتہ تھے اور گفتگو میں وہ سوائے "یس" اور "نو" کے کوئی دوسرا لفظ نہیں بولے جس پر دایان نے چڑ کر کہا تھا کہ معلوم نہیں یہ شاہ حسین ہیں یا ان کا ہیولی۔ بہرحال جب روسلو میں فلسطین اسرائیلی رابطہ قائم ہوا اور پھر گذشتہ سال واشنگٹن میں رابن عرفات معاہدہ ہوگیا تو شاہ حسین فلسطینی اغراض واحتجاج سے آزاد ہوگئے اور خفیہ روابط کی رکاوٹ ختم ہوگئی شاہ حسین نے جنگ خلیج میں صدام حسین کا ساتھ دیا تھا۔ شاید یہ ان کی مجبوری تھی یا وہ صدام حسین کی فرعونی طاقت سے مرعوب ہوگئے تھے ورنہ بطور ایک موروثی حکمراں انہیں کویت کی موروثی حکمرانی کی حمایت کرنی چاہئے تھی یوں بھی کویت عرب برادری کا آزاد ملک عرب لیگ اقوام متحدہ کا ممبر اور عالمی تیل کا سب سے اہم سوداگر تھا۔ صدام حسین کی جارحیت کی کوئی وجہ جواز نہیں تھی لیکن شاید اندازے کی غلطی سے وہ اور عرفات یہ سمجھ بیٹھے کہ صدام حسین اپنی ناقابل تسخیر فوجی طاقت کے ذریعہ کویت میں کامیاب رہیں گے اور ان کی مخالفت بعد کو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔ امریکہ نے جب عراق کو کھدیڑ دیا تو سب سے زیادہ تباہ حال یاسر عرفات اور ان کی پی ایل او تھی اور دوسرے شاہ حسین۔ شاہ حسین نے اپنی مغرب دوستی کے سہارے بالآخر امریکہ سے اپنا قصور معاف کرالیا اور اس معافی کی ضمانت کے طور پر امریکہ نے اسرائیل سے دوستی کا سنہری طوق انہیں پہنادیا۔ اس معاہدہ کے تحت سرحدوں اور دریائے اردن کے پانی کے بارے میں شرائط طے ہوئیں۔ اردن کے وہ سرحدی علاقے جہاں اسرائیلیوں نے اپنی صنعتیں قائم کرلی ہیں ۲۵ سال کے لئے اسرائیل کو لیز (پٹے) پر دیدئے گئے۔ اردن کا علاقہ یہودیوں کے پٹے پر دینے کی بات ایسی ہے جس پر مصر نے بھی اعتراض کیا۔ بلاشبہ یہ ایک غلط مثال ہے اور جارح کو اس کی جارحیت کا دوہرا انعام ہے شام نے اس معاہدہ پر شدید ناگواری کا اظہار کیا۔ لیکن شاہ حسین نے مصر اور شام کے اغراض کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ اپنے مفاد کے بارے میں سوچنا اور فیصلہ کرنا ہمارا کام ہے کسی اور کو اس میں مداخلت کی ضرورت نہیں ہے۔ صلیبی اور صہیونی شاطروں نے اس معاہدہ کے ذریعہ ایک تیر سے دو شکار کرلئے ہیں ایک تو مصر کے بعد اسرائیل کے سب سے قریب پڑوسی اردن کو اسرائیل کا تابع مہمل بنادیا ہے دوسرے یروشلم کے اسلامی مقامات کی تولیت اردن کو دے کر اردن اور فلسطین کے درمیان صف آرائی پیدا کردی ہے یعنی اب عرفات یروشلم کے بارے میں اسرائیل اور اردن دونوں سے الجھیں گے۔ شاہ حسین نے بکمال خوشنودی اس ذمہ داری کو قبول کرلیا اور یہ بھول گئے کہ وہ فلسطین پر اپنے اقتدار سے دستبردار ہوچکے ہیں۔ یروشلم اردن کی سلطنت کا حصہ نہیں ہے مقبوضہ فلسطین کا شہر ہے جس پر ۱۹۶۷ء کے اسرائیلی حملہ تک وہ قابض تھے۔ صہیونی چال کو سہارا دینے کے لئے اردن کی طرف سے یہ دلیل دی جارہی ہے کہ یروشلم میں اسلام کے مقامات مقدسہ کا تعلق سیاسی اقتدار سے نہیں ہے اور اردن اس معاملے میں فلسطینیوں کا حریف نہیں ہے تاہم چونکہ شاہ حسین ہاشمی نسب سے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہیں لہٰذا یروشلم میں اسلامی مقامات کی تولیت کے مستحق

ہیں۔ ظاہر ہے یہ سبق انہیں یہودیوں نے ہی پڑھایا ہوگا ورنہ اس دلیل میں کوئی معقولیت نہیں ہے کل وہ حرم مکی اور مدنی پر بھی اسی نسبت سے دعویٰ کرسکتے ہیں کہ وہ قریشی وہاشمی ہیں لہٰذا کعبہ کی تولیت ان کا تاریخی حق ہے اور چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں اس لئے مسجد نبوی کے متولی بننے کے بھی سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ انہیں مکہ اور مدینہ میں سیاسی اقتدار کا دعویٰ نہیں ہے لیکن تولیت پر اصرار ہے۔

مغرب کے صلیبیوں کی ایک دل پسند پالیسی لڑاؤ اور حکومت کرو کی رہی ہے۔ اس معاہدہ کے ذریعہ اسی اصول کو بروئے کار لاکر انہوں نے فلسطین اور اردن کے درمیان تنازع کھڑا کردیا اس تنازع سے یہودیوں کو ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اردن اور فلسطین کی فیڈریشن بننے کی بات بھی الجھ جائے گی اور جب یہ بات الجھ جائیگی تو یہودیوں کو مغربی کنارے سے نہ ہٹنے کا عذر بھی مل جائے گا یہودی آزاد فلسطین کی بات نہیں مانتے ہاں سابقہ پوزیشن بحال کرنے یعنی مغربی کنارہ اردن کے ساتھ ملحق کرنے پر کسی حد تک آمادہ ہیں لیکن جب فلسطین اور اردن کے درمیان تعلقات کشیدہ ہوں گے تو فلسطینی اردن سے الحاق پر رضامند نہیں ہوں گے معاملہ طے نہیں ہوگا اور یہودی اپنے پنجے گاڑے رہیں گے یروشلم پر اقتدار کے سوال پر فلسطین اور اردن میں عملی کشمکش شروع ہوگئی ہے۔

یروشلم کے مفتی کے عہدہ پر ایک شخص کا تقرر یاسر عرفات نے کیا تو اس کے مقابل دوسرے کی تقرری شاہ حسین کی جانب سے کی گئی دونوں قیادتیں ایک دوسرے کے خلاف بیانات جاری کررہی ہیں۔ اردن نے حمس پر بھی سختی شروع کردی ہے اسرائیل سے دوستی کے بعد اب فلسطینی انقلابی ہاشمی سلطنت سے یہودیوں کے خلاف جدوجہد جاری نہیں رکھ سکیں گے۔ اس طرح اب عملاً یہودی مغربی ایشیا میں بالکل مامون ہوگئے ہیں اور انہیں اس علاقے کی طاقت کے طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے ابھی پچھلے دنوں مراکش میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں دیگر عرب ممالک کے ساتھ اسرائیلی وزیر اعظم رابن اور وزیر خارجہ پیریز بھی شامل ہوئے امریکی دباؤ کے تحت عرب ممالک اسرائیل سے کاروبار کرنے والی کمپنیوں کا بائیکاٹ ختم کرچکے ہیں۔ اسرائیل عرب لیگ کی ممبری حاصل کرنے کے لئے بھی کوشاں ہے امریکی دباؤ سے یہ مرحلہ بھی طے ہوجائے گا (پھر یہودی عرب مالیہ اور مارکیٹ پر قبضہ کریں گے جو ان کا اصل مقصد ہے عرب صیہونی عیاری فنی مہارت اور تیکنکی برتری کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ ویسے بھی ان میں مسابقت کا گہرا جذبہ نہیں ہے اس لئے یہودی بآسانی اپنے عزائم میں کامیاب ہوجائیں گے اس میں عرب عوام کی مخالفت امریکی اور صیہونی تجارتی مفادات کا ٹکراؤ جیسی رکاوٹیں ضرور آسکتی ہیں لیکن علاقائی طاقت ہونے کے سبب یہودی بہرحال فائدہ میں رہیں گے۔ جولان کے بارے میں اگر شام سے کوئی معاہدہ ہوگیا تو پھر یہودیوں کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہے گی امریکہ اس کے لئے بھی اپنی پوری سفارتی اور سیاسی عیاری استعمال کررہا ہے۔ اردن اسرائیل معاہدہ کی تقریب میں شرکت کے بعد صدر کلنٹن حافظ الاسد سے ملنے دمشق بھی گئے لیکن یاسر عرفات کی مملکت غزہ میں نہیں گئے۔

یروشلم میں یہودی پارلیمنٹ کو خطاب کرتے ہوئے صدر امریکہ نے کہا "یقین رکھئے کہ آپ کا سفر ہمارا سفر ہے امریکہ اب اور ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے گا" یک قطبی دنیا کے سب سے طاقتور ملک کے سربراہ کا یہ اعلان ہے۔ اس وقت ساری دنیا امریکہ کی مٹھی میں ہے اور ہر راستہ واشنگٹن کو جاتا ہے۔ عرب بھی واشنگٹن کی دوستی اور خوشنودی کے لئے کوشاں ہیں۔ اور بقول عبرانی یونیورسٹی کے پروفیسر پیٹر میڈنگ عرب جانتے ہیں کہ واشنگٹن کو راستہ یروشلم ہوتے ہوئے جاتا ہے۔ یعنی اگر عرب امریکہ کی دوستی اور خوشنودی چاہتے ہیں تو پہلے انہیں یروشلم (صیہونی کے آستانہ) پر سر جھکانا ہوگا۔

صدام حسین خلیجی جنگ میں یہودیوں کو الجھانا چاہتے تھے تاکہ اپنی جوع الارض کو جہاد کا رنگ دے سکیں انہوں نے چند اسکڈ مزائل بھی اسرائیل پر داغے اور ساری دنیا میں صلاح الدین ثانی بن گئے اب عراق کے نائب وزیر اعظم طارق عزیز نے کہا ہے کہ عراق کا اسرائیل سے کوئی تنازعہ نہیں جب متعلقہ فریق آپس میں فیصلہ کررہے ہیں تو ہم کیوں مخالفت کریں۔ اب صرف صدر حافظ الاسد اور ان کے زیر اثر لبنان ہے جو اسرائیل سے معاہدہ کرنے سے ہچکچا رہے ہیں۔ لبنان کی اپنی کوئی پالیسی ایسی نہیں ہے جو یہودی مخالف ہو۔ وہاں عیسائی اقتدار ہے جو عربوں کے مقابلہ میں یہودیوں سے قربت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ لبنانی صلیبی اپنے آپ کو یوروپین صلیبی مجاہدوں کی اولاد کہتے ہیں۔ ایک لبنانی سیاستداں نے ایک بیان میں کہا تھا کہ مغربی ایشیا میں عیسائی اور یہودی اقلیت میں ہیں اور انہیں عرب مسلمان اکثریت کے غلبہ کا خطرہ ہے۔ اگر شام کا دباؤ نہ ہوتا تو لبنان اردن سے بھی پہلے

یہودیوں سے معاہدہ کرچکا ہوتا۔ مغربی ایشیا کے واقعات کو اگر اخلاقی اور تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو سراسر ظلم اور دھاندلی ہے۔ سفید صلیبیوں نے پہلے تو یوروپ میں یہودیوں کو کچلا وہاں سامی دشمنی ایک مستقل نظریہ اور تحریک بن گئی تھی جس کا نقطۂ عروج نازی جرمنی میں ہٹلر کے ہاتھوں ساٹھ لاکھ یہودیوں کا قتل تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب ہٹلر ختم ہوگیا تو صلیبیوں کو احساس ہوا کہ یہودیوں کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے لہٰذا انہوں نے اس صیہونی تحریک کو سہارا دیا جس کے تحت ۱۹۱۷ء میں برطانوی وزیر خارجہ بالفور نے فلسطین میں یہودی ریاست کا وعدہ کیا تھا اور ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ نے فلسطین کو عرب اور یہودی حصوں میں تقسیم کردیا عربوں نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ جنگ ہوئی یہودی منظم تھے صلیبی مغرب ان کی پشت پر تھا۔ عرب عوام متحد تھے لیکن عرب حکمراں عبداللہ، فاروق نوری سعید وغیرہ صلیبی مفاد کے آلۂ کار تھے اور اس طرح یہودیوں نے اپنے حصہ سے زیادہ فلسطین پر قبضہ کرلیا پھر ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عرب سب کچھ ہار گئے۔ انور سادات نے ۱۹۷۳ء کی جنگ میں دیکھ لیا کہ مغرب اور خصوصاً امریکہ یہودیوں کی حمائت میں کہاں تک جاسکتے ہیں اور روس عربوں کی حمائت میں ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھے گا لہٰذا انہوں نے سینائی کا علاقہ یہودیوں سے واپس لینے کے لئے کیمپ ڈیوڈ کا طوق پہن لیا۔ عربوں نے انہیں برادری سے خارج کردیا مصری سپاہیوں نے انہیں قتل کردیا لیکن عرب صیہونی اور صلیبی دباؤ کا مقابلہ نہ کرسکے ۱۹۷۳ء کی جنگ کی کامیابی، تیل کا ہتھیار اور عالمی پیانے پر عربوں کے موقف کی حمائت کوئی بھی انہیں فائدہ نہ پہنچا سکی۔ ان کی سب سے بڑی کمزوری ان کے حکمرانوں کی خودغرضی اور مفاد پرستی

رہی ہے کبھی کسی مسئلہ پر ان میں اتفاق نہیں ہوا اوپر سے اتحاد کی باتیں اندر اندر صیہونیوں اور صلیبیوں سے خفیہ روابط پھر تاریخ بھی ان کے ساتھ انصاف نہیں کرسکی۔ سوویت یونین کا بکھراؤ عربوں کے لئے ایک بہت بڑا المیہ کہا جاسکتا ہے۔ اشتراکی عربوں کی حمائت میں کم اور امریکہ کی مخالفت میں زیادہ، عرب موقف کی تائید کرتے تھے۔ جنگ رمضان میں مصریوں کو جو کامیابی ملی وہ روسی ہتھیاروں اور فوجی تربیت کے سبب ملی۔ اشتراکی روس کے مٹ جانے سے عربوں کا سیاسی سہارا بالکل ختم ہوگیا اور رہی سہی کسر صدام حسین کی احمقانہ مہم جوئی نے پوری کردی

آج حالات کے جبر کے تحت صدام حسین کویت کی آزادی اور سرحدوں کو تسلیم کررہے ہیں خلیجی جنگ میں عرب اور امریکہ دونوں چاہتے تھے کہ صدام حسین جنگ نہ کریں۔ امریکہ عراقی فوجی طاقت سے مرعوب تھا اور امریکی سپاہی محاذ جنگ پر کافی پست حوصلہ تھے انہیں عراق کے کیمیاوی ہتھیاروں کا اتنا خوف تھا کہ جب ریگستان میں آندھی سے ریت کے بگولے اٹھتے تھے تو وہ ڈر کے مارے گیس کے نقاب پہن لیتے تھے کہ شاید عراقیوں نے کیمیاوی حملہ کردیا ہے صدام حسین ضد نہ کرتے اور جنگ نہ ہوتی تو عربوں کا کچھ بھرم رہ جاتا۔ کویت انہیں بہت سی مراعات اور مالی امداد دینے کو تیار تھا جب کہ آمریت کی آنکھیں ٹھوکر کھا کر کھلتی ہیں بہرحال اب مغربی ایشیا میں یہودیوں کا کوئی حریف نہیں ہے حافظ الاسد بوڑھے اور بیمار ہیں ان کے بعد شام میں نئی قیادت شاید اتنا امریکی اور صیہونی دباؤ برداشت نہ کرسکے۔ اسرائیل میں اگلے الیکشن میں اگر لیکوڈ پارٹی برسراقتدار آگئی جس کا کافی امکان ہے تو عربوں کو یہودیوں سے کسی نرمی کی توقع کرنا فضول ہوگا وہ دہشت گرد انتہا پسندوں کی پارٹی ہے جو عربوں کو کوئی رعایت دینے کے خلاف ہے۔ فلسطینیوں کے سرفروش گروہ

حمس نے تل ابیب میں ایک بس پر حملہ کرکے ۲۳ یہودیوں کو ماردیا اس طرح انہوں نے مسجد خلیل میں تیس فلسطینی نمازیوں کی شہادت کا بدلہ لے لیا۔ تل ابیب اسرائیل کی راجدھانی ہے۔ (یروشلم یہودیوں کا مقبوضہ علاقہ ہے) تل ابیب کے حادثہ سے یہودیوں نے دیکھ لیا کہ فلسطینی سرفروش ان کے دل میں گھس کر وار کرسکتے ہیں۔ لہٰذا اب وہ حمس سے امن کی بات چیت کی پیشکش کررہے ہیں تاکہ اپنی جان بچاسکیں۔ یہودیوں نے سوچا تھا کہ پی ایل او کو محدود خود مختاری کا کھلونا دے کر وہ فلسطینیوں کو دبائے رکھنے کی ذمہ داری یاسر عرفات کے سر ڈال دیں گے اور ان کے سپاہی فلسطینی جاں بازوں کے حملوں سے محفوظ ہوجائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ فلسطینیوں نے متعدد یہودی فوجی بھی ماردئے اس لئے یہودی اب مجبور ہوکر انقلابیوں کو بھی بات چیت میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔ ہیبرون میں مسجد خلیل پر عربوں اور یہودیوں دونوں کا دعویٰ ہے یہ مسجد ابراہیمی ان کے جد امجد کی یادگار ہے یہیں ان کی قبر بھی بتائی

جاتی ہے۔ اسی تنازعہ کے نتیجہ میں ایک جنونی یہودی نے مسلمانوں پر حملہ کیا تھا اب یہودی سرکار نے اس عبادت گاہ کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کردیا ہے ایک حصہ میں عرب نماز پڑھ سکتے ہیں دوسرے میں یہودی عبادت کرسکتے ہیں دونوں کے راستے الگ ہیں اور فوجی نگرانی ہے عربوں اور یہودیوں دونوں نے اس تقسیم پر احتجاج کیا ہے یاسر عرفات نے بھی اسے دھاندلی بتایا ہے ظاہر ہے یہ بھی تاریخ کا جبر ہے۔ یہودی غالب ہیں وہ زور زبردستی سے ہر اس جگہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں جو ان کے خیال میں ان کی تھی یا ان کی ہونی چاہئے فلسطینی مغلوب اور مجبور ہیں وہ اپنی وراثت چھینے جانے پر احتجاج کرتے ہیں لیکن عملاً کچھ نہیں کرسکتے۔ ذرا سوچئے تو حالات کا یہ جبر اور تاریخ کا معکوس عمل ہر دور میں جاری رہا ہے کل عرب زندہ قوم تھے تو انہوں نے فلسطین، شام، قسطنطنیہ، مصر، ایران سب کو فتح کرلیا تھا۔ عیسائیت عربوں سے مغلوب ہو کر اپنا مستقر چھوڑ بھاگی تھی پوپ نے اٹلی میں پناہ لی تھی۔ اس وقت مسلمان ایک سیلاب کی طرح بڑھ رہے تھے اسپین پر ان کا علم اقتدار لہراتا تھا۔ آج تاریخ کا پہیہ الٹا گھوم رہا ہے اب وہ ہر محاذ سے پسپا ہو رہے ہیں۔ کہیں بھی تاب مقاومت ان میں نہیں ہے جب فرعون بنی اسرائیل پر ستم ڈھا رہا تھا تو حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو ایک بڑی تاریخی اور ابدی حقیقت سے آگاہ کیا تھا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ. زمین اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس پر غلبہ عطا کرتا ہے۔ لیکن اخروی کامیابی اللہ کے نیک بندوں کے لئے ہی ہے ہم ہندوستانی مسلمان بھی حالات اور تاریخ کے اسی جبر کا شکار ہیں مسجد خلیل کی طرح بابری مسجد کا تنازعہ بھی تھا۔ کچھ سنجیدہ افراد نے تجویز کیا تھا کہ کسی طرح یہ جگہ ہندو اور مسلمان دونوں میں تقسیم کردی جائے مسجد کی اصل عمارت مسلمانوں کو دیدی جائے اور رام چبوترہ کے ساتھ صحن کا کچھ حصہ ہندوؤں کے حوالے کردیا جائے اگر اس پر مفاہمت ہو جاتی تو شاید آج مسلمان اور ہندو دونوں کے سر جھکے ہوئے نہ ہوتے مگر انتہا پسندوں نے کوئی باعزت سمجھوتہ نہیں ہونے دیا۔ مقصد تنازعہ کا فیصلہ نہیں تھا بلکہ تنازعے کو بڑھا کر سیاسی اقتدار حاصل کرنا تھا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے حقیقت بیزار لیڈروں نے حالات کے جبر اور تاریخ کی کروٹ کو دیکھتے ہوئے بھی صف آرائی کا راستہ اپنایا اور آج جو کچھ ہمارے سامنے ہے وہ بھی ایک المناک تاریخی جبر کی علامت ہے۔ زمانہ کسی کے ساتھ یاری نہیں کرتا۔ قومیں زمانے کو اپنے ساتھ لے کر چلتی ہیں جو قومیں اس صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہیں وہ زمانے کی ٹھوکروں کا شکار ہوتی ہیں زمانہ کی روش یہی ہے کہ۔

کسی کا راکب، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ

آج ہم زمانے کا مرکب ہیں اور عبرت کے تازیانے سہ رہے ہیں، یاسر عرفات اور شاہ حسین نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا۔ یاسر عرفات کو غزہ میں جو کچھ بھی ملا کم از کم دوسرے عرب ملکوں کی ٹھوکروں سے بچ گئے ورنہ کبھی اردن، کبھی لبنان، کبھی شام اور عراق میں فلسطینی پٹتے رہتے تھے تیونس میں بھی ان کا وجود ایک ناگوار بوجھ بن گیا تھا عرب سرمایہ انہیں نہیں مل رہا تھا۔ اب وہ غزہ میں محصور سہی تاہم یہ ان کا علاقہ ہے وہاں وہ کسی کے غیر مطلوب مہمان نہیں ہیں۔ شاہ حسین نے حالات کے جبر کے تحت ہی اردنی علاقے قابض یہودیوں کو پٹے پر دئے ہیں اگر ان میں طاقت ہوتی تو انہیں جبراً خالی کراسکتے تھے مگر یہی تاریخ کا الٹا چکر، وہ نہ امریکہ کے دباؤ کا مقابلہ کرسکتے ہیں نہ یہودیوں سے طاقت آزمائی کمزوری اور مجبوری سب کچھ کراتی ہے۔ یہودیوں نے انہیں پھسلایا کہ وہ یروشلم کے متولی بن جائیں وہ راضی ہوگئے اگر یاسر عرفات میں طاقت ہوتی اور وہ امریکہ اور صیہونی دباؤ کا مقابلہ کرسکتے تو شاہ حسین کو یہودیوں کی اس چال میں شامل ہونے کا حوصلہ نہ ہوتا۔ پسپائی اور ہزیمت مجبور قوموں کی تقدیر ہوتی ہے اور تاریخ کا مسلسل عمل یہ نظارے دکھاتا رہتا ہے۔ تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ. ان حالات میں قوموں کے لئے یہی راستہ ہوتا ہے کہ وہ پسپائیوں سے سبق سیکھیں اور مزید پسپائیوں سے بچنے کی کوشش کریں ہوا کے رخ کو پہچانیں زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھیں اور اس کے طوفانی بہاؤ کو غیر حقیقت پسندانہ انداز سے روکنے کی کوشش نہ کریں ورنہ یہ ریلا انہیں بہالے جائے گا۔ اور ڈبو دے گا۔

یع الدین انصاری

اسلامی خلافت وسیاست

(ایک مکالمہ)

(۴)

: سورۃ المائدہ کی آیات ۴۴ تا ۴۷ (وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ
اَ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ-
الِمُوْنَ- الفَاسِقُوْنَ) کی تشریح تو آپ نے کردی
کرم اس سوال کا جواب اور عطا کریں کہ "کفر بواح" سے کیا مراد
؟ یہ سوال اس لئے اور بھی اہم ہے کہ اسلامی معاشرے میں رہتے
ئے کوئی بھی شخص اپنے منہ سے اپنے کفر کے اعلان کی جسارت نہیں
سکتا خاص طور پر اگر وہ حکومت و اقتدار پر بھی قابض ہو۔

: آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ عام طور پر مسلم حکمرانوں کے
ف شورشیں بپا کرنے والے اور پُرتشدد تحریکیں چلانے والے
ساختہ "اسلام کے سپاہی" یہی دلیل دیتے ہیں کہ چونکہ حکمراں خود
زبان سے تو اپنے کافر ہونے کا اعلان کرنے سے رہے اس لئے ہمیں
ن کے کفر کا اعلان عام کرکے ان کو کیفر کردار تک پہنچانا پڑے گا۔ ان
ذہن میں یہ عقیدہ بھی راسخ کردیا گیا ہے کہ شریعت اسلامیہ ایک
ل تقسیم وحدت ہے اس لئے جس کسی نے اس کے کسی ایک حکم
خروج کیا اس نے گویا کفر بواح کا ارتکاب کیا اور اب اس کے ساتھ
یا مرتد الا معاملہ کیا جانا چاہئے چاہے وہ صوم و صلوٰۃ کی ادائیگی کرتا ہو
ود کو مسلمان کہتا ہو۔

یہ ساری باتیں انتہائی مضحکہ خیز ہیں۔ یہ نہ قرآن و حدیث کا
ہے نہ سلف صالحین کا مسلک ہے۔ اس کا ایک ستم ظریفانہ پہلو یہ
لہ اس قسم کے فتوؤں کی زد سب سے پہلے خود فتویٰ صادر کرنے والوں
ے گی کیونکہ ہم میں سے کون ہے جو معصوم ہے؟ کس سے خطائیں
نہیں ہوتیں؟ کون خلاف عدل کام نہیں کرتا؟ اور اگر اپنے لئے
کسی مفتی وقت، کسی امیر جماعت کو عصمت کا دعویٰ ہو تو وہ اپنے دعوے
کے حق میں دلیل لائے، ثبوت پیش کرے۔ جماعت اہل سنت میں
داخل تمام مکاتب فکر کا اس بات پر ایقان ہے کہ عصمت جو انبیاء کا خاصہ
ہوتی ہے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ختم ہوگئی۔
شیعہ حضرات بے شک اپنے ائمہ کو انبیاء علیہم السلام ہی کی طرح معصوم
جانتے ہیں بلکہ ان سے بھی بڑھ کر وہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر
چونکہ وحی اترتی تھی اس لئے ان سے اگر اجتہاداً کوئی خطا سرزد بھی
ہوجاتی تھی تو فرشتے کے ذریعہ انہیں اس سے آگاہ کردیا جاتا تھا، جب کہ
ائمہ پر چونکہ انبیاء کی طرح وحی نازل نہیں ہوتی، اس لئے پروردگار عالم
نے عصمت کو ان کی ذات کا خاصہ بنادیا ہے جو ان سے کبھی جدا نہیں
ہوتا۔

جہاں تک سوال ہے سورۃ المائدہ کی آیات زیر بحث میں وارد
کفر کی وعید کا تو اس کا انطباق اگر آپ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر
بھی کریں تو اسے سوسائٹی کے کسی ایک طبقہ کے ساتھ مختص کرنے کی
کوئی وجہ نہیں، پھر تو اس کی زد ہر اس شخص پر پڑے گی جو آیات ربانی کے
مطابق فیصلہ کرنے میں کسی قسم کی بھی کوتاہی کرے، خواہ وہ حاکم ہو یا
محکوم۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بیک وقت بہت سے رشتوں، ناطوں بہت
سی ذمہ داریوں سے باندھ دیا ہے۔ اب اگر آیات مذکورہ کا یہی مفہوم لیا
جائے کہ آپ سے جہاں کوئی خلاف عدل کام ہوا اور آپ کافر ہوئے تو پھر
روئے ارضی پر صاحب ایمان بچے گا کون؟ نہ مفتی نہ مستفتی، نہ مدعی نہ
مدعا علیہ۔

اس بات کو عالم عرب کے مشہور عالم شیخ عبدالرحمن

عبدالخالق نے بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔وہ کہتے ہیں:

"وذهب المعترضون إلىٰ أن الكفر البواح هو الخروج عن أحكام الدين ولو في أمر واحد فقد قطع كلام هؤلاء كل من خالف أحكام الإسلام ولو في قضية واحدة فهو كافر وإن صلّى وصام وأعلن أنه مسلم؟ وهذا الذي توصل إليه هؤلاء المعترضون هو من أعظم الفساد في الأرض لأنه إخراج المسلمين جميعاً من الإسلام بل إخراج لأنفسهم أيضاً منه لأنه لايوجد فرد ما حاكماً كان أو محكوماً إلا وهو مقصّر أو خارج عن بعض أحكام الدين وقد يكون هذا ضعفاً أو تقصيراً أو جهلاً أو خوفاً أو غير ذلك؟

(فصول من السياسة الشرعية- ص ۱۲۱)

جہاں تک سوال ہے "کفر بواح" کی اصطلاح کا تو یہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں وارد ہوئی ہے جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ حدیث کا مضمون یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو یہ اقرار کیا کہ ہم خوشی میں ناخوشی میں، تنگ دستی میں اور خوش حالی میں اور اگر ہمارے ساتھ حکام کی طرف سے کسی دوسرے کے مقابلہ میں کوئی حق تلفی ہو جائے تب بھی ہر حال میں ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور صاحب اقتدار سے اقتدار پر جھگڑا نہیں کریں گے" إلّا یہ کہ ہم دیکھیں کہ اس سے علانیہ کفر (کفر بواح) سرزد ہو رہا ہے' ایسا کہ جس کے کفر ہونے کے سلسلہ میں ہمارے پاس (قرآن وسنت کی) واضح دلیل موجود ہو۔

(صحیح مسلم نووی باب الامارۃ ۱۲؍۲۲۸)

لفظ "بواح" کے معنی ہیں اظہار یا اعلان۔ یہ اخفاء کی ضد ہے۔ اس طرح "کفر بواح" کے معنی ہوئے "علانیہ کفر" یہ الفاظ میرے نہیں' آپ کے نہیں' کسی حقیقی یا خود ساختہ عالم کے نہیں' کسی فقیہ کے نہیں' سیدھے سیدھے صادق ومصدوق نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جن کے متعلق قرآن خود گواہی دیتا ہے کہ

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلاَّ وَحْىٌ يُّوْحٰى

اس سے ایک بہت اہم مسئلہ کا استنباط ہوتا ہے وہ یہ کہ ہم اس بات کے نہ مجاز ہیں نہ مکلف کہ لوگوں کی جاسوسی کرتے پھریں یا ان کے دلوں میں جھانک کر دیکھیں کہ وہ صادق الایمان ہیں یا نہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی عالم الغیب نہیں ہے۔ اس لئے ہم جو فیصلہ کریں گے وہ صرف ظاہر پر کریں گے۔ باطن کی کھوج لگانے کے ہم مکلف بنائے ہی نہیں گئے ہمارے سامنے جو شخص لا الٰہ إلّا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے اور ارکان اسلام میں سے سب کے سب یا چند حسب توفیق بجالائے وہ مسلم ہے اور اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار قولی وفعلی سنتیں اور احادیث ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ ہوں:

ا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ایک مہم پر بھیجا۔ وہاں مشرکین سے جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اسی دوران حضرت اسامہ اور ایک انصاری صحابی کا آمنا سامنا دشمن سپاہ کے ایک شخص سے ہو گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک اس شخص پر حملہ آور ہوتا اس نے کہا: لا الٰہ الا اللہ۔ یہ دیکھ کر اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی انصاری نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا مگر اسامہ رضی اللہ عنہ نے نیزہ مار کر اسے ہلاک کردیا۔ اس کے بعد حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں

"فلمّا قدمنا بلغ النّبي صلى اللّه عليه وسلّم فقال يا أسامة أقتلته بعدما قال لاإله إلا اللّه؟ قلت كان متعوّذاً فمازال يكـرّرها حتى تمنّيت أنّي لم أكن أسلمت قبل ذلك اليوم

(مختصر البخاری /كتاب المغازی ص ۳۷۸)

(جب ہم واپس آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ

نے فرمایا: اے اسامہ کیا تو نے یہ کہنے کے بعد اسے قتل کردیا کہ لا الٰہ الا اللہ؟ اسامہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ موت سے بچنے کے لئے ایسا کہہ رہا تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باربار وہی سوال دہراتے رہے یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ کاش آج سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا)　　(بخاری)

ایک دوسری روایت کے بموجب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک دستہ قبیلۂ بنی جذیمہ کی طرف روانہ کیا۔ حضرت خالد نے جب انہیں دعوت اسلام دی تو انہوں نے جواباً کہا: صبأنا صبأنا" جس کے لفظی معنی ہیں کہ ہم ایک دین سے خارج ہو کر دوسرے دین میں داخل ہوگئے۔ اس قبیلہ کے مقامی لہجہ کے اعتبار سے مطلب یہ نکلتا تھا کہ ہم نے نیا دین (اسلام) قبول کرلیا ہے، حضرت خالد نے عام عربی محاورے کے مطابق یہی سمجھا کہ ہم خارج از دین ہوگئے ہیں اور ان میں کے کچھ لوگوں کو قتل کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس اجتہادی غلطی کا علم ہوا تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر دو دفعہ فرمایا:

اللّهم إنّي أبرأ إليك ممّا صنع خالد

(مختصر بخاری ص ۳۸۳)

یعنی: اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا میں تیری جناب میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

۳۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بہترین حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور جو تم سے محبت کریں اور جو تمہارے حق میں دعائے خیر کریں اور تم جن کے حق میں دعائے خیر کرو، اور تمہارے بدترین حاکم وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور جو تم سے بغض رکھیں جن کے لئے تم بددعا کرو (لعنت کرو) اور جو تمہارے لئے بددعا کریں۔ لوگوں نے سوال کیا:

يا رسول الله أفلاننابذهم بالسيف؟ فقال: لا ما أقاموا فيكم الصلوٰة وإذا رأيتم من ولاتكم شيئاً تكرهونه فاكرهوا عمله ولاتنزعوا يداً من طاعة　　(مسلم نووی، ص ۱۲/۲۴۴)

یعنی یا رسول اللہ کیا ہم ان کا (ان بدترین حکمرانوں کا) تلوار سے کام تمام نہ کردیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں جب تک یہ تمہارے درمیان صلوٰۃ قائم رکھیں (ان سے قتال نہ کرنا) اور اگر تم اپنے حاکموں میں کوئی ایسی چیز دیکھو جو تمہیں ناپسند ہو تو اس حاکم کے اس خاص عمل کو ناپسند کرو مگر اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔

۴۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک غزوہ سے واپس ہوتے ہوئے انصار کے بعض افراد کا جھگڑا کچھ مہاجرین سے ہوگیا۔ اس پر عبد اللہ بن ابی (رئیس المنافقین) نے بہ شمول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مہاجرین کے لئے سخت اہانت آمیز الفاظ استعمال کیا اور دھمکی دی کہ مدینہ پہنچ کر ہم ان ذلیل لوگوں کو باہر نکال دیں گے اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا!

ألاتقتل يا رسول الله هذا الخبيث لعبد الله فقال النبي صلى الله عليه وسلّم : لايتحدّث الناس أنّه كان يقتل أصحابه (صحيح بخاری ۴/۱۶۰)

یعنی: عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کہ یا رسول اللہ آپ عبد اللہ نام والے اس خبیث آدمی کو قتل کیوں نہیں فرمادیتے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ لوگ یہ کہیں کہ یہ صاحب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے تھے۔

۵۔ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار انہی کی درخواست پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں تشریف فرما تھے اور صلوٰۃ ادا کررہے تھے چند اصحاب بیٹھے ہوئے گفتگو کرنے لگے کہ فلاں شخص ایسا اور ایسا ہے برے کام کرتا ہے اور منافق ہے اور جی چاہتا ہے کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حق میں بددعا فرمادیں کہ وہ ہلاک ہوجائے یا اس پر کوئی بلا نازل ہوجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا:

أليس يشهد أن لا إله إلا الله وأنّي رسول الله ؟ قالوا: إنّه يقول ذلك وما هو في قلبه- قال

رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم : لایشهد أحد أن لا إلٰه إلا الله وأنّی رسول الله فیدخل النار أو تطعمه- (صحیح مسلم)

یعنی، جس شخص کو یہ لوگ موضوع گفتگو بنائے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بد دعا فرمادیں اور وہ ہلاک ہوجائے، اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا وہ اس بات کی گواہی نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا: بے شک وہ کہتا تو ہے مگر یہ اس کے دل کی آواز نہیں ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی یہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں وہ نہ دوزخ میں جائے گا نہ دوزخ کو اس پر قابو دیا جائے گا۔

۶۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

أمرت أن أقاتل الناس حتّی یقولوا لاإلٰه إلا الله فإذا قالوها عصموا فی دمائهم وأموالهم إلاّ بحقّها وحسابهم علی الله (بخاری ومسلم)

یعنی: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں۔ پس اگر وہ یہ کلمہ کہہ دیں تو ان کے جان و مال محفوظ ہوگئے۔ الّا یہ کہ وہ کسی جرم کی پاداش میں اس کے مستحق بنیں۔ جہاں تک سوال ہے ان سے حساب فہمی کا تو وہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

۷۔ عبداللہ نافع رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتاتے ہیں کہ جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی علیحدہ خلافت کا اعلان کیا اور فتنہ اٹھا تو ان کے (ابن عمر کے) پاس دو لوگ آئے اور کہنے لگے کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگوں نے کیا اقدام کرلیا۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ پھر اموی خلیفہ عبدالملک کے خلاف خروج کرنے سے کیا چیز آپ کو باز رکھے ہوئے ہے؟ تو انہوں نے (عبداللہ بن عمر نے) جواب دیا:

یمنعنی أن الله حرّم دم أخی فقالا الم یقل الله: وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَاتَكُونَ فِتْنَةٌ؟ فقال: قاتلنا حتّی لم تکن فتنة وکان الدین لله وأنتم تریدون أن تقاتلوا حتی تکون فتنة ویکون الدین لغیر الله

(بخاری /کتاب التفسیر ۱۵۷/۳)

یعنی انہوں نے فرمایا کہ مجھے خلیفہ وقت کے خلاف جو چیز قتال سے روک رہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے (مسلمان) بھائی کا خون میرے اوپر حرام کردیا ہے۔ یہ سن کر ان دونوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمادیا ہے کہ ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہوجائے؟ حضرت ابن عمر نے جواب دیا: بے شک ہم نے قتال کیا یہاں تک کہ فتنہ (شرک) مٹ گیا اور دین اللہ کے لئے خالص ہوگیا۔ مگر تم یہ چاہتے ہو کہ فتنہ جاری رہے اور دین غیر اللہ کی طرف لوٹ جائے (یعنی خانہ جنگی سے شیطان کو خوش کرنا چاہتے ہو)۔

۸۔ بخاری اور مسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایحلّ دم امرئ مسلم یشهد أن لاإلٰه إلاّ الله وأنّی رسول الله إلا بإحدی ثلٰث : المثیّب الزانی والنفس بالنفس والتارك لدینه المفارق لجماعته- (متفق علیه)

یعنی حلال نہیں ہے کسی مسلمان کا خون جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں مگر تین میں سے کسی ایک صورت میں، ایک شادی شدہ (مرد یا عورت) جو زنا کرے اس کا خون دوسرے جان کے بدلے جان کے طور پر، اور تیسرے اس مرتد کی جان جس نے اپنا دین چھوڑا اور جماعت (المسلمین) سے علیحدہ ہوا۔

۹۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کسی کافر شخص سے میری جنگ ہوجائے اور وہ تلوار کا وار کرکے میرے ہاتھ

کاٹ دے، پھر مجھ سے بچ کر پیڑ پر چڑھ جائے اور کہے کہ میں اسلام لے آیا، تو یا رسول اللہ اس کے اس قول کے بعد میں اسے قتل کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتقتله قال فقلت : يا رسول الله إنه قطع يدى ثم قال بعد ذلك أن قطعها أفأقتله، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتقتله فإن قتلته فإنه بمنزلتك قبل أن تقتله وإنك بمنزلته قبل أن يقول كلمته التى قال- (مسلم نووى ۲/۹۸)

اسے قتل نہ کرو۔ مقداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ اس نے میرا ہاتھ کاٹا اور ہاتھ کاٹنے کے بعد اس نے کلمۂ توحید ادا کیا، ایسی صورت میں کیا میں اسے قتل کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے قتل نہ کرو، کیوں کہ اگر تم نے اسے قتل کیا تو اس قتل کے بعد وہ اس جگہ ہوگا جہاں قتل کرنے سے پہلے تم تھے اور تم اس جگہ کھڑے ہوگے جہاں کلمۂ توحید ادا کرنے سے پہلے وہ کھڑا تھا۔

ان احادیثِ شریفہ سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ اس طرح ہیں:

(ا) اگر جماعت کفار میں شامل کوئی شخص عین میدان قتال میں بظاہر تلوار کے ڈر سے بھی کلمۂ توحید ادا کر دے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے پاس اس کا دل چیر کر یہ کھوج لگانے کا کوئی طریقہ نہیں کہ اس نے قبول اسلام نفاق کے تحت کیا ہے یا اخلاص کے ساتھ۔
(بخاری۔ حدیث اُسامہ رضی اللہ عنہ)

(ب) کسی شخص یا گروہ کو ناکافی تحقیق کے بغیر کافر قرار دے کر قتل کر دینا جائز نہیں۔ (بخاری۔ حدیث خالد رضی اللہ عنہ)

(ج) مسلمان حاکم ہماری نظر میں کتنا ہی ناپسندیدہ اور گردن زدنی کیوں نہ ہو جب تک وہ صلاۃ قائم رکھے نہ اس سے قتال جائز ہے نہ اس کی اطاعت سے دست کش ہونا روا ہے۔ (مسلم۔ حدیث عوف بن مالک)

(د) عبد اللہ بن ابی جیسے رئیس المنافقین کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے قتل نہیں فرمایا کہ مبادا لوگ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے تھے۔ (بخاری)

(ہ) کسی مسلمان کے حق میں صرف اس گمان کی بناء پر نہ بد خواہی کی اجازت ہے نہ بد دعا کی کہ شاید اس کے اسلام میں نفاق شامل ہے۔
(مسلم۔ حدیث عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ)

(و) جہاد اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہوتا ہے اور اس وقت موقوف ہو جاتا ہے جب کوئی کلمۂ توحید ادا کر دے۔ اس کے بعد نہ اس کی جان حلال ہے نہ مال۔ ہاں اگر ایسا شخص کوئی جرم کرتا ہے تو اس جرم کی حد تک شریعت اسلامیہ کے مطابق سزا پائے گا۔ (بخاری و مسلم)

(ز) اگر ایک خلیفۃ المسلمین ایک ریاست میں موجود ہو تو اس کے خلاف خروج کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو کر اس سے قتال کرنا جائز نہیں، چاہے خروج کرنے والی جماعت کا سربراہ شخصی کردار اور تقویٰ میں خلیفۂ وقت سے بہتر ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ اس سے جو دورِ فتنہ وا ہوتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ ناخوش و ناراض ہوتا ہے اور غیر اللہ راضی و خورسند ہوتا ہے۔ (بخاری۔ حدیث ابن عمر)

(ح) جو مسلمان کلمۂ شہادتین ادا کرتا ہو اسے صرف تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں قتل کیا جا سکتا ہے۔ وہ حالتیں یہ ہیں: (۱) وہ شادی شدہ زانی ہو (۲) اس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو (۳) وہ علانیہ مرتد اور جماعۃ المسلمین سے الگ ہو گیا ہو۔ (بخاری و مسلم۔ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

(ط) اگر کوئی کافر جس کے خلاف تم جہاد کر رہے ہو تمہارے جسم کا کوئی حصہ کاٹ دے اور اس کے بعد زبان سے کلمۂ توحید ادا کر دے تو اب بدلے میں اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ (مسلم۔ حدیث مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ)

ان احادیث شریفہ کے علاوہ خود قرآنی نصوص بھی اس امر کی شاہد ہیں کہ شعائر اسلام کی پاس داری کا ادنیٰ ثبوت ملنے کے بعد کسی شخص کو حربی کافر قرار دے کر قتل نہیں کیا جائے گا۔ ملاحظہ ہو ارشاد ربانی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

فَتَبَيَّنُوْا وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰىٓ اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا

(النساء/۹۴)

(اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو' اور جو شخص تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔ تم دنیوی زندگی کا سامان چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہت سا سامان غنیمت ہے۔ تم بھی پہلے ایسے ہی تھے' پھر اللہ نے تم پر فضل کیا' تو تحقیق کر لیا کرو۔ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے)

بخاری اور مسلم دونوں نے کتاب التفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس آیت کا ایک خاص سبب نزول نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں بخاری کے الفاظ۔

قال ابن عباس رضی اللہ عنہ: کان رجلٌ فی غُنیمۃٍ له فلحقه المسلمون فقال: السلام علیکم فقتلوہ واخذوا غُنیمته فانزل اللہ فی ذلک۔

یعنی (مسلمان کسی جہاد میں تھے) انہوں نے دیکھا کہ (مخالف گروہ کا) ایک شخص اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہے۔ مسلمان اس کے پاس پہونچے تو اس نے کہا: السلام علیکم۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے اسے (منافق سمجھ کر) قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے لیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اسی کی تفسیر ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔
حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

إذا کان رجل مؤمن یخفی إیمانه مع قوم کفار فأظهر إیمانه فقتلته ؟ فکذلك کنت أنت تخفی إیمانك بمکة من قبل

(مختصر بخاری؛ ص ۴۹۶)

اس حدیث کا تشریحی ترجمہ یہ ہے کہ اے مقداد ابھی ایسے بعض قبائل موجود ہیں جن میں مسلمان پھنسے ہوئے ہیں اور اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر پا رہے ہیں۔ پھر اگر ایسا کوئی شخص تمہاری تلوار کی زد میں آجائے اور السلام علیکم کہہ کر یہ ظاہر کرنا چاہے کہ میں مسلمان ہوں تو کیا تم پھر بھی اسے قتل کر دو گے؟ حالانکہ تم لوگ بھی کچھ عرصہ پہلے اسی قسم کے حالات سے دوچار رہ چکے ہو۔

اسی سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۳ (جس میں مومن کو دانستہ قتل کرنے والے کے لئے ابدی جہنم اور اللہ کے غضب اور لعنت کی وعید ہے) کی تفسیر کے ضمن میں علامہ ابن کثیر نے یہ حدیث نبوی نقل کی ہے:

لزوال الدنیا أهون عند اللہ من قتل رجلٍ مسلمٍ

(أبوداؤد)

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساری دنیا کا تباہ ہو جانا بھی اتنا بڑا حادثہ نہیں جتنا ایک مسلمان شخص کا مارا جانا ہے۔

ان تمام قرآنی نصوص اور ارشادات نبوی سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگانا بڑی بھاری بات ہے۔ ایسا حکم اسی صورت میں لگایا جا سکتا ہے کہ شخص مذکور یا تو خود اپنے کفر یا ارتداد کا اعلان کرے یا اس کی تکفیر کے حق میں کوئی ایسی واضح شرعی نص موجود ہو جس میں کسی اشتباہ یا تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دوسرے پر تکفیر کے فتوے صادر کرنا کتنا ناپسند تھا اس کا مزید اندازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انتباہ سے ہو جاتا ہے کہ:

إذا قال المسلم لأخیه: یا کافر! فقد باء بها أحدهما

(اگر کسی مسلمان نے اپنے بھائی سے یوں کہا: اے کافر! تو دونوں میں سے ایک یقیناً کافر ہو گیا) یعنی اگر کہنے والے کا دعویٰ غلط ہے تو مدعا علیہ کے بجائے خود مدعی کافر ٹھہرے گا۔

س : میں نے کفر بواح کے سلسلہ میں جو سوال کیا تھا اس کا تیسرا جزء جہاد سے متعلق تھا۔ جواب میں آپ کی پیش کردہ نصوص سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جہاد کی وہ قسم جسے قتال کہتے ہیں صرف کفار و مشرکین سے ہونا چاہئے مسلمانوں سے نہیں۔ کیا منافقین سے بھی قتال

نہیں کیا جاسکتا' حالانکہ قرآن کریم میں گروہ منافقین کی بڑی مذمت آئی ہے اور یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ جہنم میں سب سے نیچے درجہ میں ہوں گے؟

ج : آپ نے بہت اچھا سوال کیا۔ دیکھئے قرآن وسنت کی روشنی میں ایمان اور عقیدے کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہ ہیں۔ ایک کفار یا مشرکین کا گروہ' دوسرا منافقین کا گروہ اور تیسرا مومنین کا گروہ یعنی جماعۃ المسلمین ان تینوں کے احکام الگ الگ ہیں۔

کفار ومشرکین جو بغیر توبہ کے مریں ابدی طور پر جہنمی ہیں۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قتال صرف اسی گروہ سے ہوسکتا ہے اور ہونا چاہئے۔

جہاں تک سوال ہے منافقین کا تو قرآن وسنّت کی روشنی میں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو دل سے کافر ہیں مگر ظاہری طور پر صرف دھوکہ دینے کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں :

يُخَادِعُونَ اللهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ (البقرة : ٩)

(وہ اللہ اور مومنین کو دھوکا دینا چاہتے ہیں مگر وہ صرف اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں اور اس کا شعور نہیں رکھتے۔ منافقین کا یہ گروہ جہنم کے سب سے نیچے درجہ میں ہوگا۔

نفاق کی ایک اور سطح بھی ہے۔ وہ ہے ایمان کے ساتھ اس کی آمیزش' کہیں تھوڑی کہیں زیادہ۔ اس میں انسان عقیدے کی سطح پر کفر کا ارتکاب تو نہیں کرتا البتہ عملی زندگی میں وعدہ خلافی کرتا ہے۔ امانتوں میں خیانتیں کرتا ہے اور جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس گروہ کے لئے آخرت میں سخت سزا تو ہے' خلود فی النار نہیں ہے۔

منافقین کے ان دونوں گروہوں کے لئے ایک معاملہ میں حکم یکساں ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے ان میں سے کسی گروہ کے ساتھ بھی قتال بالسیف نہیں کیا جائے گا۔

تیسرا گروہ اہل ایمان کا ہے۔ ان میں باہم درجات کا تفاوت ہے۔ اس گروہ میں جو لوگ ایمان وعمل میں سب سے اوپر ہیں وہ بلاحساب جنت میں جائیں گے۔ جو لوگ میانہ رو ہیں یعنی اچھے اعمال بھی کرتے ہیں اور برے بھی۔ ان سے میدان حشر میں حساب تو ہوگا مگر آسان۔ پھر انہیں بھی جنت میں داخلہ کی اجازت دے دی جائے گی۔

تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو ہیں تو فی الجملہ صاحب ایمان مگر ان کے معاصی کا پلا بڑا بھاری ہے۔ یہ لوگ میدان حشر میں بڑی کٹھن منزلوں سے گزریں گے۔ سخت حساب لیا جائے گا اور داخل جہنم بھی کئے جائیں گے۔ مگر اللہ کی رحمت سے ان پر دائمی عذاب نہیں ہوگا۔ یہ لوگ سزا کاٹیں گے۔ اگر مشیت الٰہی کو منظور ہوا تو انبیاء وملائکہ کی شفاعت نیز رحمت خداوندی سے بالآخر انہیں بھی جہنم کی آگ سے چھٹکارا مل جائے گا۔

مومنین کی ان تینوں جماعتوں میں سے کسی کے خلاف بھی کیا جانے والا قتال جہاد کے زمرے میں نہیں آتا۔ اس لئے جائز نہیں ہے۔

یہ بات کہ کفار ومشرکین کے سارے اعمال اکارت جائیں گے اور ان کے لئے ابدی عذاب جہنم ہے مندرجہ ذیل قرآنی آیتوں سے ثابت ہوتی ہے:

إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء:٤٨)

یعنی' اللہ تعالیٰ اس بات کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ لیکن اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے بخش دے گا۔

إِنَّ اللهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا (٥) خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا

(الاحزاب : ٦٤-٦٥)

یعنی' بے شک اللہ نے کافروں کو رحمت سے دور کردیا ہے اور ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ نہ کوئی حامی پائیں گے نہ مددگار۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ مشرکین اور کافرین کے لئے بخشش نہیں' دائمی عذاب ہے۔

منافقین کے سلسلہ میں پہلے بعض قرآنی آیات سنئے پھر ایک

حدیث نبوی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إنَّ الله جَامِعُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعاً (النساء: ۱۴۰)

یعنی، اللہ منافقوں کو اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ اکٹھا کرنے والا ہے۔

إنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الأسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا (النساء: ۱۴۵)

یعنی، بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہوں گے اور تم ان کا کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔

ان دونوں آیتوں میں جن منافقین کا تذکرہ ہے ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو دل سے کافر ہیں مگر ظاہر میں محض دھوکا دینے کے لئے مسلمانوں سے ملے ہوئے ہیں۔ پس پردہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اور کفار کے ساتھ مل کر اللہ کے دین کو مٹانے کی سازشیں کرتے ہیں۔ ان کا ابدی ٹھکانہ جہنم ہے۔

نفاق کی ایک اور قسم بھی ہے۔ وہ ہے ان لوگوں میں نور ایمانی کی کمی جو فی الجملہ مسلمان ہیں، اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول جانتے ہیں اور خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ ان کی اور ان کے نفاق کی پہچان حدیث نبوی میں بہ ایں الفاظ کرائی گئی ہے۔

آية المنافق ثلاث: إذا حدّث كذب وإذا وعد أخلف وإذا ائتمن خان۔

(صحيحين/عن أبى هريرة)

یعنی، منافق کی نشانیاں تین ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔

ظاہر ہے یہ تینوں خصلتیں یعنی جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا اور امانت میں خیانت کرنا سخت قابل مذمت خصلتیں ہیں اور کبیرہ گناہوں کے زمرے میں شامل ہیں۔ مگر ان کے ارتکاب سے انسان کافر نہیں ہوتا، فاسق و فاجر ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی سزا خلود فی النار نہیں ہے، اور قرآن کریم میں اس قسم کے معاصی کے لئے جہاں کہیں بھی جہنم کی وعیدیں آئی ہیں ان میں لفظ "ابدا" کی تاکید موجود نہیں ہے۔ ان کا نفاق صداقت و امانت کے اخفاء کی بنیاد پر ہے کفر و شرک کی پردہ پوشی کی بنیاد پر نہیں ہے۔ اس لئے آخرت میں ان کا انجام پہلے زمرے کے منافقین سے مختلف ہوگا۔ ایک چیز میں البتہ دونوں قسم کے منافقین یکساں ہیں، یعنی ان کے خلاف تلوار سے جہاد کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہوں قرآن و سنت ہی کے یہ شواہد:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

يَا أيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاوَاهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ

(التوبہ: ۷۳)

یعنی، اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سخت ہو جاؤ۔ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

ان آیتوں کا جو حقیقی مفہوم ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک ٹھیک اسی کے مطابق عمل کیا اور وہ اس طرح کہ کفار و مشرکین سے کھلم کھلا تلوار لے کر جنگ کی، جب کہ منافقین کے ساتھ وہ معاملہ کیا جسے قرآن و سنت میں تذکیر، انذار اور اقامت حدود کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

الأمر للنبى صلى الله عليه وسلم بهذا الجهاد أمر لأمته بعده وجهاد الكفار يكون بمقابلتهم حتّى تسلموا، وجهاد المنافقين يكون بإقامة الحجّة عليهم حتّى يخرجوا عنه ويؤمنوا بالله. وقال الحسن: إنّ جهاد المنافقين بإقامة الحدود عليهم، واختاره قتادة (فتح القدير ۳۸۲/۲)

یعنی، جہاد کا جو حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے وہی حکم آپ کے بعد آپ کی امت کے لئے ہے یعنی کفار سے جہاد کا مطلب ہے کہ ان سے قتال کیا جائے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں، اور منافقین سے جہاد کا طریقہ یہ ہے کہ دلائل سے ان پر حجت تمام کی جائے یہاں

تک کہ وہ نفاق سے نکلیں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں' اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ منافقین سے جہاد کا مطلب ہے ان پر شرعی حدود قائم کرنا۔ حضرت قتادہ نے بھی یہی مفہوم اختیار کیا ہے' علامہ قرطبی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

وقال ابن عباس: أمر بالجهاد مع الكفار بالسيف ومع المنافقين باللسان وشدة الزجر والتغليظ (ص ٨/٢٠٤)

یعنی' حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ کفار سے جہاد کرو تلوار سے اور منافقین سے جہاد کرو زبان سے اور ڈانٹ ڈپٹ کے اور سخت رویہ کے ذریعہ،

علامہ ابن کثیر البتہ اس طرح کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ علامہ ابن جریر طبری کفار اور منافقین دونوں کے ساتھ یکساں طور پر جہاد بالسیف کے قائل ہیں۔ ظاہر ہے علامہ طبری کا یہ موقف صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت کے نزول کے وقت مدینہ میں کم وبیش اَسی منافقین موجود تھے جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا' مگر آپ نے ان کے خلاف فوجی اقدام نہ خود کیا نہ اپنے صحابہ کو کرنے دیا۔

مشرکین اور منافقین کے بعد تیسرا گروہ جو مومنین کا ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خصوصی عنایت کا معاملہ فرمائے گا۔ اس کی وضاحت سورۂ فاطر میں اس طرح کی گئی ہے:

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَالْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝

(الفاطر: ٣٢-٣٤)

یعنی پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا ان لوگوں کو جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ پس ان میں سے کوئی اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی ان میں درمیانی راہ چلنے والا ہے اور کوئی اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے۔ یہ (کتاب الٰہی کا وارث بنایا جانا) بڑا فضل ہے۔ ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن میں یہ لوگ رہیں گے۔ وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا اور وہ کہیں گے' شکر ہے اللہ کا جس نے ہم سے غم دور کیا۔ بے شک ہمارا پروردگار بہت بخشنے والا اور قدردان ہے۔

ان آیتوں میں کتاب سے مراد قرآن کریم ہے اور جن بندوں کو اس عظیم کتاب کا وارث اور حامل بنانے کے لئے منتخب کیا گیا وہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب ایمان افراد ہیں اس توریث کو قرآن کریم نے اس امت کے لئے ایک بہت بڑے اعزاز سے تعبیر کیا ہے اور انعام کے طور پر انہیں جنت میں اقامت اور اس کی دائمی وراثت کا مژدہ سنایا ہے۔

بے شک اس امت میں سارے ہی ایمان والے یکساں طور پر تقویٰ کی منزل پر فائز نہیں ہوں گے۔ ان میں ایسے بھی ہوں گے' اور بہت ہوں گے' جو شیطانی ترغیبات کا شکار ہو کر عملی زندگی میں مراسم عبودیت بجالانے میں کوتاہی کریں گے اور کبائر کے مرتکب ہوں گے۔ ان کو ان کے کئے کی عبرت ناک سزا بھی ملے گی۔ یہ دوزخ میں بھی جلیں گے لیکن بالآخر اللہ کی رحمت سے آتش جہنم سے چھٹکارا پائیں گے۔ اور جنت النعیم میں داخل ہوں گے۔ اس گروہ کے افراد کو قرآن کریم نے ظالم لنفسہ (اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے) کے نام سے یاد کیا ہے۔

وارثین کتاب کا دوسرا گروہ جسے قرآن کریم نے مقتصد کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ لوگ ایمان و عمل کے اعتبار سے میانہ رو ہوں گے' فرائض وواجبات کے ادا کرنے والے ہوں گے اور کبائر کے ارتکاب کی صورت میں توبہ کرنے والے اور ان پر اصرار نہ کرنے والے ہوں گے۔ ان سے بازپرس ہوگی مگر زیادہ سختی نہ ہوگی اور بالآخر بخش دیئے جائیں گے۔

تیسرا گروہ جس کے افراد کو "سابق بالخیرات" کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے یہ صلحاء اور متقین کی جماعت ہوگی۔ یہ بڑے پاکیزہ نفوس

ہوں گے۔ یہ جملہ معاصی حتی کہ مکروہات سے بھی دامن بچاکر زندگی گزارنے والے ہوں گے۔ عبادات میں یہ واجبات سے گزر کر سنن اور مستحبات اور دیگر اعمال خیر میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہوں گے۔ اور جیساکہ سورہ نساء (آیت ۶۹) میں وضاحت فرمادی گئی ہے ان کا شمار صلحاء اور اتقیاء میں ہوگا اور انہیں جنت میں انبیاء اور صدیقین کی رفاقت نصیب ہوگی۔

قرآن کریم کی اس آیت کی یہی تفسیر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک یہ ان الفاظ نقل کیا ہے:

روى الحافظ ابوالقاسم الطبرانى عن أسامة بن زيد رضى الله عنهما [فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ] قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كلهم من هذه الأمة

یعنی طبرانی نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آیت میں مذکور ظالم، مقتصد اور سابق بالخیرات کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ سب اسی امت کے افراد ہیں۔ علامہ قرطبی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد نقل کیا ہے اس میں کلهم من هذه الامة کے بجائے الفاظ ہیں کلهم فی الجنۃ۔

امام احمد اس سلسلہ میں یہ ارشاد نبوی نقل کرتے ہیں:

(عن أبى الدرداء رضى الله عنه، قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:.....فأما الذين سبقوا فأولئك الذين يدخلون الجنة بغير حساب وأما الذين اقتصدوا فأولئك الذين يحاسبون حساباً يسيراً، وأما الذين ظلموا أنفسهم فأولئك الذين يحبسون طول المحشر ثم هم الذين تلافاهم الله برحمته....)

یعنی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ (ان تین گروہوں میں سے) جو سابق بالخیرات (نیک کاموں میں سبقت لے جانے والے) ہیں وہ تو بلا حساب جنت میں جائیں گے اور جو درمیانی راہ چلنے والے (مقتصد) ہیں ان سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور جو ظالم یعنی گناہوں میں مبتلا ہونے والے ہیں انہیں حشر کے پورے عرصہ حساب و کتاب کی منزل سے گزرنا ہوگا، پھر ان کو بھی جنت میں داخلہ کا اذن ملے گا اور ان کے رنج و غم کی تلافی ہو جائے گی۔

مختصر یہ ہے کہ سابق بالخیرات اور مقتصد تو درکنار جو ظالم لنفسہ ہے اسے بھی اسلامی برادری سے نکالنا یا اس سے قتال کرنا جائز نہیں۔

آیئے، کفر، نفاق اور ایمان کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بعض اقتباسات کا بھی مطالعہ کرلیں، کیونکہ انہوں نے ان مسائل پر اپنی تحریروں میں بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

شیخ علیہ الرحمہ مجموع الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

۱- فيؤمن أهل السنة والجماعة بأن فساق المسلمين معهم بعض الإيمان وأصله، وليس معهم جميع الإيمان الواجب الذي يستوجبون به الجنة، وأنهم لا يخلدون فى النار- بل يخرج منها من كان فى قلبه مثقال حبة من إيمان أو مثقال خردلة من إيمان، وأن النبى صلى الله عليه وسلم ادخر شفاعته لأهل الكبائر من أمته- (ج۳ص ۳۷٤)

اور "اہل السنۃ والجماعۃ" کا ایمان ہے کہ مسلمانوں میں جو فاسق ہیں ان کے پاس بھی کچھ ایمان اور اس کی اصل (جڑ) ہوتی ہے، اگرچہ ان کے پاس وہ کامل ایمان نہیں ہوتا جس سے وہ جنت کے مستحق بنیں، مگر وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیش نہیں رہیں گے بلکہ اس میں سے ہر وہ شخص باہر نکل آئے گا جس کے پاس رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا، اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شفاعت کو اٹھا کر رکھا ہی اپنے ان امتیوں کے لئے ہے جو کبائر میں مبتلا ہوں گے۔

صحیحین کی ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے جس میں یمن سے آنے والے غنیمت کو لے کر ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کے الفاظ بولے تھے، شیخ الاسلام لکھتے ہیں:

۲۔ فقال خالد بن الولید: یا رسول الله ألا أضرب عنقه؟ فقال: لا، لعلّه ان یکون یصلّی"- قال خالد: وکم مصلّ یقول بلسانه ما لیس فی قلبه- فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إنّی لم اُومر أن أنقب علی قلوب الناس، ولا أشق بطونهم"- (ج ۷ / ۴۸۰)

اس پر خالد بن الولید نے کہا: یا رسول اللہ آپ اجازت دیں تو اس کی گردن مار دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، ممکن ہے وہ صلاۃ پڑھتا ہو۔ خالد نے عرض کیا، نہ جانے ایسے کتنے مصلی ہوں گے جو زبان سے وہ کہتے ہوں جو دل میں نہ ہو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دلوں میں نقب لگاؤں یا ان کے پیٹ چیر کر دیکھوں۔

۳۔ إن أهل السنة متّفقون علی أن فسّاق أهل الملّة وإن دخلوا النّار أو استحقوا دخولها- فإنّهم لا بدّ أن یدخلوا الجنة فیجتمع فیهم الثواب والعقاب؛ ولكن الخوارج والمعتزلة تنكر ذلك، وتری أن من استحق الثواب لا یستحق العقاب ومن استحق العقاب لا یستحق الثواب- والمسألة مشهورة- (ج ٤ ص ٤٨٦)

تمام اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ ملت اسلامیہ کے فاسق وفاجر لوگ، خواہ وہ عملاً دوزخ میں داخل ہوں یا محض اس میں داخلہ کے مستحق بنیں، یقیناً آخرکار جنت میں داخل ہوں گے۔ اس طرح ان کی ذات میں ثواب اور عقاب دونوں جمع ہوں گے۔ مگر خوارج اور معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ثواب والا عقاب کا حق دار نہیں ہو سکتا اور عقاب والا ثواب کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ ان کا یہ (انتہاپسندانہ) موقف مشہور ہے۔

٤- وأما دخول كثیر من أهل الكبائر النّار فهذا ممّا تواترت به السنن عن النبی صلی الله علیه وسلّم كما تواترت بخروجهم من النّار وشفاعة نبینا محمد صلی الله علیه وسلّم وشفاعة غیره- (ج ۱۱ ص ۱۸۲)

جہاں تک سوال ہے گناہان کبیرہ کے مرتکبین کے جہنم میں داخلہ کا تو اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ متواترہ موجود ہیں، نیز متواتر احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ لوگ بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسروں کی سفارش سے بالآخر جہنم سے باہر بھی نکل آئیں گے۔

۵۔ إنّه قد تقرّر من مذهب أهل السنّة والجماعة ما دلّ علیه الكتاب والسنّة أنهم لا یكفّرون أحداً من أهل القبلة بذنب ولا یخرجونه من الإسلام بعمل إذا كان فعلاً منهیاً عنه مثل الزنا والسرقة وشرب الخمر، مالم یتضمّن ترك الإیمان وأما إن تضمّن ترك ما أمر الله بالإیمان به مثل: الإیمان بالله وملائكته وكتبه ورسله والبعث بعد الموت فأنه یكفر به وكذالك یكفر بعدم اعتقاد وجوب الواجبات الظاهرة المتواترة وعدم تحریم المحرّمات الظاهرة المتواترة- (ج ۲ ص ۹۰)

کتاب وسنّت میں وارد دلائل کی روشنی میں گروہ اہل السنت والجماعت کا یہ متفق علیہ موقف ہے کہ وہ گناہ کی بناء پر اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے اور اسلام میں ممنوع کسی فعل کے ارتکاب کے نتیجہ میں وہ اسے دین سے خارج نہیں کرتے مثل زنا یا چوری کے ارتکاب سے یا شراب پینے سے جب تک کہ اس کا یہ فعل ترکِ ایمان پر مشتمل نہ ہو، یا اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں پر ایمان کا حکم دیا ہے ان میں سے کسی کا انکار نہ کرے، مثلاً اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے

(بقیہ ص ۳۶ پر)

ابن احمد نقوی

فکرِ اقبال

(۱۱)

اب عنوان ہے "عارف ہندی کہ بہ یکے از غارہای قمر خلوت گرفتہ واہل ہند اورا جہاں دوست می گویند۔"

اقبال بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک نابینا کی طرح اپنے رفیق (رومی) کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے اس غار میں آگے بڑھتے گئے۔ اندر جاکر دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے عارف ہندی جہاں دوست بیٹھے ہوئے ہیں سر پر جٹائیں ہیں آنکھوں میں سرمہ اور برہنہ تن۔ ایک سفید سانپ ان کے سر کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہے ایک ایسا انسان جو آب وگل سے بالاتر اور دنیا سے برتر ہے گردش لیل ونہار کی بندشوں سے آزاد اور چرخ نیلی فام سے بے تعلق۔ عارف ہندی کا نام اقبال نے جہاں دوست بتایا ہے جس سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ وہ رشی وشوامتر (جہاں دوست) ہوں گے لیکن جگن ناتھ آزاد نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ اقبال کا یہ کہنا کہ ان کے گرد ایک سفید سانپ حلقہ کئے ہوئے تھا تو اس سے ظاہر ہے کہ ان کی مراد شِوجی سے ہے جن کی شبیہ اسی طرح بنائی جاتی ہے کے ایک سانپ ان کے سر پر حلقہ زن ہوتا ہے۔ ممکن ہے جگن ناتھ آزاد کی وضاحت صحیح ہو تاہم جہاں دوست کے نام سے ذہن رشی وشوامتر کی طرف ہی جاتا ہے وشو (جہاں) متر (دوست) معلوم ایسا ہی ہوتا ہے کہ اقبال نے اسی نام کا ترجمہ کیا ہے یوں بھی ایک رشی اور دیوتا میں فرق ہوتا ہے۔ فکر اور فلسفہ دیوتا کے لئے نہیں ہوتا۔ دیوتا تو انسانوں سے الگ سماوی مخلوق مانے جاتے ہیں ان کا وجود اسلامی عقیدہ میں فرشتوں کے وجود سے ملتا جلتا ہے جیسے عزرائیل (یم دوت) میکائیل (اندر) وغیرہ۔ بہرحال یہ بحث یہاں مقصود نہیں ہے اقبال نے جہاں دوست کا نام استعمال کیا ہے اور اس سے زیادہ کوئی اور تعارف پیش نہیں کیا ہے۔

جہاں دوست نے اقبال کو دیکھ کر رومی سے پوچھا تمہارے ساتھ یہ کون ہے اس کی آنکھوں میں زندگی کی آرزو جھلکتی ہے رومی نے بڑے بلند آہنگ انداز میں اقبال کا تعارف کرایا کہ یہ شخص جستجو میں آوارہ رہتا ہے' ثابت ہے لیکن اس کی فطرت میں سیارگی ہے۔ اس کی خامیوں میں بھی اس کی پختہ کاری ہے 'میں تو اس کی ناتمامی کا دلدادہ ہوں' وہ تو آسمانوں کا طواف کرتا ہے اور ماہ ومہر پر کمندیں ڈالتا ہے جبرئیل سے اپنی عظمتوں کا خراج مانگتا ہے۔ حور وجنت کو صنم خانہ کہتا ہے 'میں نے اس کے سجدوں میں جلوہ کبریائی دیکھا ہے حقیقت یہ ہے کہ میں بھی اس کے مقام ومنزل سے واقف نہیں ہوں خدا جانے اس شخص کی سرشت میں کیا چیز ہے۔

اس تعارف کے بعد عارف ہندی نے سوال کیا کہ بتاؤ عالم کیا ہے' آدم کیا ہے اور حق کیا ہے؟ گویا ایک اہل دل (عارف ہندی) نے دوسرے عارف (رومی) سے فلسفہ وتصوف پر گفتگو شروع کی رومی نے جواب دیا کہ آدمی شمشیر ہے اور حق شمشیرزن ہے دنیا اس شمشیر کے لئے سان (فسن) کی مانند ہے۔ مشرق نے حق کو دیکھا لیکن عالم (دنیا) کو نظر انداز کردیا۔ مغرب نے دنیا میں ڈوب کر حق کو فراموش کردیا۔ حق کو پہچاننا ہی بندگی ہے اور اپنی ذات کا عرفان زندگی ہے جو انسان عرفان ذات کے مراحل طے کرلیتا ہے اس پر خدا کی طرف سے صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے جو شخص اپنی تقدیر سے آگاہ نہیں ہے وہ سوز جاں سے محروم ہے۔

آدمی شمشیر وحق شمشیر زن
عالم ایں شمشیر راسنگ وفسن
شرق حق را دید وعالم را ندید
غرب در عالم خزید از حق رمید

چشم بر حق باز کردن بندگی است
خویش را بے پردہ دیدن زندگی است
بندہ چوں از زندگی گیرد برات
ہم خدا آں بندہ را گوید صلوات
ہر کہ از تقدیرِ خویش آگاہ نیست
خاک او باسوزِ جاں ہمراہ نیست

عارف ہندی نے رومی کی باتیں سن کر کہا کہ میں نے کل کوہ قمرود پر ایک فرشتہ اترتے دیکھا تھا جس کی نگاہیں زمین کی جانب تھیں میں نے اس سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ تو اس نے بتایا کہ مشرق میں صبح طلوع ہونے والی ہے اور وہاں ایک نیا سورج ابھرے گا۔ اس کے لعل وجواہر پتھروں سے نکل آئیں گے اور اس کے یوسف بھی اپنے کنوؤں سے باہر آجائیں گے اس کے کوہساروں میں ایک ہلچل ہے۔ مشرق میں ایک نئے ذہن اور احساس کو فروغ ہو رہا ہے اور پرانے بت بے کار ہو رہے ہیں جب کوئی قوم بیدار ہوتی ہے تو عرشیوں کے لئے وہ بڑی خوشی کا دن ہوتا ہے۔

پیر ہندی (جہاں دوست) نے چند لمحے توقف کیا پھر اقبال کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ عقل کی موت کیا ہے؟ اقبال نے جواب دیا ترک فکر۔ پھر پوچھا دل کی موت کیا ہے؟ اقبال نے کہا ترک ذکر۔ کہا یہ علم وہنر کیا ہیں؟ اقبال بولے فضول (پوست) پھر پوچھا حجّت کیا ہے؟ کہا روئے دوست۔ پھر پوچھا عوام کا مذہب؟ کہا سنی سنائی باتیں عارف ہندی نے پھر پوچھا مذہب خواص؟ کہا دیدار حق۔ اقبال کہتے ہیں کہ میری باتوں سے عارف ہندی کو روحانی لذت حاصل ہوئی اور انھوں نے مجھے نئے اور دلنشین نکات سے آگاہ کیا۔

پیر ہندی اند کے دم در کشید
باز در من دید وبیتابانہ دید
گفت مرگ عقل؟ گفتم ترک فکر
گفت مرگ قلب؟ گفتم ترک ذکر
گفت تن؟ گفتم کہ زاد از گردرہ
گفت جاں؟ گفتم کہ رمز لاالٰہ

گفت آدم؟ گفتم از اسرار اوست
گفت عالم؟ گفتم او خود روبروست
گفت ایں علم وہنر گفتم کہ پوست
گفت حجت چیست گفتم روئے دوست
گفت دینِ عامیاں؟ گفتم شنید
گفت دینِ عارفاں گفتم کہ دید
از کلامم لذت جانش فزود
نکتہ ہائی دلنشیں بر من کشود

عارف ہندی نے اقبال کو ۹ نصیحتیں کیں جن میں فلسفہ وتصوف کے دلنشیں نکتے بیان کئے انہوں نے کہا کہ ذات حق کے عرفان کے لئے یہ دنیا حجاب نہیں ہے غوطہ زن کے لئے لہریں رکاوٹ نہیں بنتیں اس عالم فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی میں رہنا زیادہ سود مند ہے کیونکہ وہاں ایک نئی زندگی، شباب اور توانائی ملتی ہے۔ موت کے بعد اصل زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ آدمی کو مرنے کے بعد ہی اس حقیقت کا احساس ہوتا ہے ہم موت کے علم میں خدا سے بڑھ کر ہیں کیونکہ وہ ذات حق موت کی کیفیت سے دوچار نہیں ہوتی کافری موت کا دوسرا نام ہے ایک غازی کے لئے مردے سے جہاد کرنا کیا معنی؟ مرد مومن زندہ ہے اور وہ اپنی ذات سے مصروف جہاد رہتا ہے۔ ایک بت کے آگے دل بیدار کے ساتھ بیٹھنے والا کافر اس مومن دیندار سے بہتر ہے جو مسجد میں جاکر سوجاتا ہے۔ آنکھ میں اگر نور حقیقی ہو تو دنیا میں کہیں ناصواب (برائی) نہیں دکھائی دے گی سورج کی شعاع جہاں پہنچتی ہے۔ اجالا ہوجاتا ہے، مٹی کے ساتھ رہ کر دانہ درخت بن جاتا ہے، لیکن آدمی مٹی میں رہ کر سب کچھ کھودیتا ہے، دانہ مٹی سے توانائی حاصل کرتا ہے تاکہ آفتاب کی شعاعوں کو اپنی گرفت میں لے سکے۔

ذات حق را نیست ایں عالم حجاب
غوطہ را حائل نہ گردد نقش آب
زادن اندر عالمِ دیگر خوش است
تاشبابے دیگرے آید بدست

حق ورائے مرگ و عینِ زندگی ست
بندہ چو میرد نمی داند کہ چیست
گرچہ ما مرغان بے بال و پریم
از خدا در علم مرگ افزوں تریم
وقت شیرینی بہ زہر آمیختہ
رحمت عامے بقہر آمیختہ
خالی از قہرش نہ بینی کوہ و دشت
رحمت او ایں کہ گوئی در گذشت
کافری مرگ ست اے روشن نہاد
کے سزد؟ با مردہ غازی را جہاد
مرد مومن زندہ و با خود بجنگ
بر خود افتد ہم چو بر آہو پلنگ
کافر بیدار دل پیش صنم
بہ ز دیندارے کہ خفت اندر حرم
چشم کوراست اینکہ بیند ناصواب
ہیچگہ شب را نہ بیند آفتاب
صحبت گل دانہ را سازد درخت
آدمی از صحبت گل تیرہ بخت
دانہ از گل می پذیرد پیچ و تاب
تا کند صید شعاع آفتاب
من بگل گفتم بگو اے سینہ چاک
چوں بگیری رنگ و بو از باد خاک
گفت گل اے ہوشمند رفتہ ہوش
چوں پیامے گیری از برق خموش
جاں بہ تن ما را ز جذب این و آں
جذبِ تو پیدا و جذبِ ما نہاں

عارف ہندی یہ دلنشیں رموز و نکات بیان کرکے خاموش ہوئے اور مراقبے میں چلے گئے اقبال نے ایک فرشتہ دیکھا جس کے نغمہ نے انہیں مسحور کردیا۔ اس کے بعد وہ یہاں سے آگے چلے اور وادی یرغمید میں پہنچے۔ اقبال عنوان باندھتے ہیں حرکت بوادئی یرغمید کہ ملا ئکہ اورا وادی طاسین می نامند"

اس وادی میں چار پیغمبروں کے طاسین بیان کئے گئے ہیں

۱۔ طاسین گوتم ۲۔ طاسین زرتشت ۳۔ طاسین مسیح
۴۔ طاسین محمد۔

اثناء سفر رومی نے شاعر اور شعر کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جو دراصل اقبال کے اپنے نظریات ہیں رومی نے کہا کہ جس شعر سے روح میں سوز پیدا ہوتا ہے وہ اس میں "الّا ھو" کی گرمی پیدا کرتی ہے۔ اس نوا سے فقیروں کو بادشاہی ملتی ہے اور اسی نوا کی گرمی سے خس و خاشاک گلزار بن جاتے ہیں ایسے شعروں سے خون کی گردش تیز ہوتی ہے اور دل قلب روح الامین سے بھی زیادہ بیدار ہو جاتا ہے ہندوستانی شاعروں پر خدا رحم کرے کہ انہوں نے شاعری کو گویا پن (خنیاگری) بنادیا ہے ان کے شعروں میں نغمگی تو ہے لیکن درد و سوز نہیں ہے۔ ایسی شاعری جس کا کوئی مقصد اور مقام نہ ہو اس سے نیند میں بڑبڑانا بہتر ہے۔ شاعر تن ملت میں دل کی طرح ہوتا ہے جس قوم میں شاعر نہ ہو وہ مٹی کے ڈھیر کی مانند بے جان اور بے قیمت ہے اگر شاعری کا مقصد انسان سازی ہے تو ایسی ہی شاعری کو پیغمبری کی وراثت کہا جاسکتا ہے۔

شاعر ہندی خدایش یار باد
جان او بے لذتِ گفتار باد
عشق را خنیاگری آموختہ
با خلیلاں آزرے آموختہ
حرف او جاویدۂ و بے سوز و درد
مرد خوانند اہل دل اورا نہ مرد
زاں نوائے خوش کہ شناشد مقام
خوشتر آں حرفے کہ گوئی در منام
شعر را مقصود اگر آدم گری ست
شاعری ہم وارثِ پیغمبری ست

بال نے رومی سے پوچھا کہ پیغمبری کے بارے میں بھی بتائیے کہ یہ کیا
رومی نے کہا کہ اقوام وملل اس کی نشانیاں ہیں اور یہ اعصار وادوار
ی تبلیغ و تلقین سے وجود میں آتے ہیں۔ اس کے نفس کی گرمی سے
و خشت بولنے لگتے ہیں۔ وہ کھیتی ہے اور ہم سب اس کا حاصل ہیں
ں وجود کو پاکیزگی عطا کرتا ہے اور خیال و فکر میں بلند پروازی اسی کی
ں سے آتی ہے۔ اس کی سرگرمیوں سے کائنات کو نئی زندگی ملتی ہے
ر اور نازعات اسی پر نازل ہوتی ہیں وہ نور ہدایت کا ایسا آفتاب ہے
زوال نہیں ہے اور اس کا منکر کبھی کامراں نہیں ہوتا اس کی صحبت
ت حق ہے اور اس کی ضربت ضربت خداوندی ہے تم خواہ کیسے ہی
کل بن جاؤ لیکن اس ذات پاک سے خود کو وابستہ رکھو کیونکہ وہی
ر زندگانی کا محرم ہے۔

گفتم از پیغمبری ہم باز گوئے
سرّ او با مرد محرم باز گوئے
گفت اقوام و ملل آیاتِ اوست
عصر ہائے ما زمخلوقات اوست
از دم او ناطق آمد سنگ و خشت
ما ہمہ ، مانند حاصل او چو کشت
پاک سازد استخوان و ریشہ را
بالِ جبریلے دہد اندیشہ را
ہائے ہوئے اندرونِ کائنات
از لب او نجم و نور و نازعات
آفتابش را زوالے نیست نیست
منکر او را کمالے نیست نیست
رحمتِ حق صحبتِ احرار او
قہر یزداں ضربت کرّار او
گرچہ باشی عقل کل از وے مرم
زانکہ او بیند تن و جاں را بہم

اقبال رومی کے ساتھ وادی یرغمید یعنی طور سینین رسل میں پہنچے
کے فوائد و مظاہر نے انہیں مسحور کردیا یہ ایسا مقام ہے ستارے جس
کا طواف کرتے ہیں اہل زمین کو اس کے نور سے روشن ضمیری ملتی ہے
اور قدسیوں کے لئے وہاں کی خاک سرمہ کی مانند ہے۔ طور سینین رسل
میں اقبال گوتم اور زرتشت کے مکالمے سنتے ہیں طاسین مسیح میں وہ حکیم
طالستائی کا خواب بیان کرتے ہیں جس میں صلیبیوں کے ہاتھوں شریعت
مسیحی کی روح کو پامال کئے جانے کا شکوہ ہے طاسین محمد میں انہیں ابوجہل
کی روح نوحہ کناں دکھائی دیتی ہے یہاں اقبال کا قلم نئی جولانیاں دکھاتا
ہے۔ ابوجہل کی روح فریاد کرتی ہے کہ محمد نے ایک خدائے غائب کے
عقیدہ کی تبلیغ کرکے بتوں کی خدائی کا دور ختم کردیا۔ محمد نے عرب کی
فضیلت ختم کردی رومیوں حبشیوں کے ساتھ صحبت اختیار کی غلاموں کو
اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھایا۔ گوروں اور کالوں کو ہم کیا اور اپنی خاندانی
عظمت کو بٹہ لگایا یہ مساوات اور بھائی چارہ کا تصور عرب کا نہیں ہے یہ تو
عرب کے باہر کے ذہن کی پیداوار ہے۔

اے سنگ اسود محمد کے ہاتھوں ہم پر جو گزری ہے اسے بیان
کر۔ اے ہمارے معبود ہبل، اپنے کعبہ کو ان بے دینوں سے چھین
لے۔ اے لات ومنات، اے ہمارے معبودو! اگر تم کعبہ سے نکال بھی
دئے گئے تو بھی ہمارے دلوں سے تو نہ جاؤ۔

طاسین محمد نوحہ روح ابوجہل در حرم کعبہ

سینۂ ما از محمد داغ داغ
از دم او کعبہ را گم شد چراغ
از ہلاک قیصر و کسریٰ سرود
نوجواناں را ز دستِ ما ربود
ساحر و اندر کلامش ساحری ست
ایں دو حرف لا الٰہ خود کافری ست
پاش پاش از ضربتش لات و منات
انتقام از وے بگیر اے کائنات
دل بہ غائب بست واز حاضر گسست
نقش حاضر را فسونِ او شکست
مذہب او قاطع ملک و نسب
از قریش و منکر از فضلِ عرب
در نگاہ او یکے بالا و پست
با غلام خویش بریک خواں نشست

احمراں با اسوداں آمیختند
آبروئے دود مانے ریختند
ایں مساوات ایں مواخات اعجمی ست
خوب می دانم کہ سلماں مزد کی ست
ابن عبداللہ فریبش خوردہ است
رستخیزے برعرب آوردہ است
چشم خاصان عرب گردیدہ کور
برنیائیٔ اے زہیر از خاک گور
باز گوئے اے سنگ اسود باز گوئے
آنچہ دیدیم از محمد باز گوئے
اے ہبل اے بندہ را پوزش پذیر
خانۂ خود را زبے کیشاں بگیر
صرصرے دہ با ہوائے بادیہ
انہم اعجاز نخل خاویہ
اے منات اے لات ازیں منزل مرو
گرزمنزل می روی از دل مرو
اے ترا اندر دو چشم ماوثاق
مہلتے اِنْ کُنْتِ اَزْ مَعتِ الْفِراق

طور سین رسل کی اس مختصر سی سیر کے ساتھ ہی فلک قمر کا سفر ختم ہو جاتا ہے اور اقبال رومی کے ساتھ فلک عطارد پر پہنچتے ہیں۔ یہاں ان کی ملاقات شیخ جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کی روحوں سے ہوتی ہے تعارف کے بعد ملت اسلامیہ کے مختلف مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا ہے دین وملت' اشتراکیت وملوکیت' مشرق ومغرب' محکمات قرآنی کے تحت حکومت الہٰی' زمین کی ملکیت حکمت وغیرہ کے موضوعات پر افغانی' سعید حلیم پاشا اور زندہ رود (اقبال) اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ فلک قمر پر اقبال کچھ اجنبی سے لگتے ہیں لیکن فلک عطارد پر اپنے ہم نفس جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا سے مل کر وہ کھل جاتے ہیں ان کی فکر اور قلم نئے نئے نکتے اور مطالب بیان کرنے لگتے ہیں فلک عطارد پر پہنچنے کا حال بیان کرتے ہیں اس فلک کے کوہ وبیابان، بحروبر دلکش ہیں اور یہ خطہ ہماری زمین سے بہت پرانا ہے۔ اسی فلک پر اقبال کو اذان کی آواز سنائی دی انہوں نے رومی سے پوچھا کہ یہاں زندگی کا کوئی نشان نہیں ملتا پھر یہ اذان کی آواز کہاں سے آرہی ہے۔ رومی نے بتایا کہ جب حضرت آدم جنت سے نکالے گئے تھے تو انہوں نے چندے یہاں قیام کیا تھا ان کے سوز و آہ وزاری کا اثر اب بھی یہاں کی خاک وباد میں ہے اور ملین سے پاک ارواح اس خطہ میں آتی رہتی ہیں۔ رومی نے کہا جلدی کرو آؤ ہم بھی نماز میں شریک ہو جائیں۔ اقبال نے دیکھا کہ دو آدمی نماز پڑھ رہے ہیں افغانی (جمال الدین افغانی) امام ہے اور تاتاری (ترک رہنما سعید حلیم پاشا) مقتدی' افغانی سورۂ نجم کی تلاوت کر رہے تھے رومی نے کہا کہ مشرق نے ان دونوں سے بہتر افراد پیدا نہیں کئے افغانی کی قرات نے ایک سماں باندھ دیا تھا۔ نماز ختم ہوئی تو اقبال نے بڑھ کر افغانی کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اقبال کا تعارف کراتے ہوئے رومی نے کہا کہ یہ وہ ذرہ ہے جو آسماں نورد ہے اس کے سینہ میں سوز ودرد کی دنیا ہے صرف اپنے آپ کو دیکھتا ہے کسی سے وابستہ نہیں آزاد منش ہے میں اسے زندہ رود کہتا ہوں افغانی نے اقبال سے کہا کہ ہمارے وطن کے حالات بتاؤ' مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ اقبال نے کہا کہ ملت اسلامیہ دین ووطن کی کشمکش میں گرفتار ہے دین مبین کی قوت سے مایوس ہے مسلمانوں کی روح مردہ ہے اور ضعف یقین عام ہے۔ ترک ایران اور عرب سب کی گردنوں میں افرنگ کی غلامی کا پھندہ پڑا ہوا ہے اور سب اس غلامی میں مست ہیں۔ مشرق کو مغرب کی سامراجیت نے تباہ کر دیا ہے اور اشتراکیت نے ملت اور دین کی تب و تاب چھین لی ہے۔

در ضمیر ملت گیتی شکن
دیدہ ام آویزشِ دین ووطن
روح درتن مردہ از ضعفِ یقیں
ناامید از قوت دینِ مبیں
ترک وایران وعرب مستِ فرنگ
ہرکسے رادرگلو مشتِ فرنگ
مشرق از سلطانیٔ مغرب خراب
اشتراک از دین وملت بردہ تاب (جاری)

اسلام اور تصوف کے درمیان فرق

اسلام عقائد کے ماخذ کو صرف نبیوں اور پیغمبروں کی وحی میں محصور قرار دیتا ہے۔ اس کے برخلاف دین تصوف میں عقائد کا ماخذ وہ خیالی وحی ہے جو اولیاء کے پاس آتی ہے یا وہ مزعومہ کشف ہے جو انھیں حاصل ہوتا ہے

فضا ابن فیضی

رُباعیات
بخطِ شاعر

حرفِ سوختہ

ناکام ہوں، کامیاب کر دے یارب!
تاریک ہوں، آفتاب کر دے یارب!
ہے لب پہ، جو یہ سوختہ سا حرفِ دعا
اس شعلے کو، اب گلاب کر دے یارب!

مجبوری

میرا ہے شجر، سایہ کسی اور کا ہے
پھل میرے ہیں، ذائقہ کسی اور کا ہے
کیا چیز ہے، آدمی کی مجبوری بھی
ہر گام پہ، آسرا کسی اور کا ہے

شکست و ریخت

ارض اور سماوات کی دیوار گری
دیوار پہ، حالات کی دیوار گری
پھرتا ہوں لیے، پارہ پارہ سا وجود
مجھ پر بھی، مری ذات کی دیوار گری

نقصِ جوہر

منظر، پس منظر میں بدل جاتا ہے
جو رنگ ہو، پل بھر میں بدل جاتا ہے
ہوتا ہے اگر، جوہرِ ذاتی میں نقص
خود آئینہ، پتھر میں بدل جاتا ہے

دانشوری

مت پوچھ! جو ماحول کا نقشہ ہے یہاں
تریاقِ ہنر، زہر گزیدہ ہے یہاں
کس شہر میں اس نے یہ بسایا ہے تجھے
دانشوری، مجبوروں کا ورثہ ہے یہاں

التوعیہ کی ڈاک

شیخ غلام رسول آزاد

مکتوب بنام وزیراعظم

برادر عزیز مولانا رفیق احمد سلفی سلمہ اللہ

ایڈیٹر ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' آپ کی خدمت میں شیخ غلام رسول آزاد (جموں وکشمیر) کے میرے نام ایک خط اور اسکے ہمرشتہ پرائم منسٹر کے نام ان کے ایک خط کا ترجمہ ارسال کر رہا ہوں۔

پرائم منسٹر کے نام خط کے مندرجات ان لاتعداد ناانصافیوں میں سے ایک ناانصافی کے خلاف فریاد کی حیثیت رکھتے ہیں جو مسلم اقلیت کے خلاف خود مسلم اکثریت کی حامل ہندوستان کی واحد ریاست جموں وکشمیر میں تسلسل کے ساتھ ہوتی آرہی ہیں' رہیں وہ ریاستیں جن میں مسلم آبادی اقلیت میں ہے ان میں مسلم اقلیت اور دوسرے کمزور طبقات کی مظلومیت کی داستان اتنی خونچکاں ہے کہ اس کے خلاف فریاد کی تعبیر سے زبان قلم عاجز ہے "فالی اللہ المشتکی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان ناانصافیوں کی بنیادی وجہ اپنے رب سے ہمارے رشتہ کی کمزوری ہے' اپنے خالق ورازق سے دوری ہی کے نتائج بد میں سے یہ بات بھی تھی کہ ہم ہندوستان کی تقسیم کی اس سازش کا شکار ہوئے جو دشمنان اسلام نے محمد علی جناح وغیرہ جیسے ناعاقبت اندیش لوگوں کے ذریعہ کی تھی' اور جس کا خمیازہ ملت اسلامیہ عالمی سطح پر بالعموم اور برصغیر ہندوپاک کی سطح پر بالخصوص بھگت رہی ہے اور پتہ نہیں کب تک بھگتتی رہے گی۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تقسیم کے مجرم جس طرح جناح اور لیاقت علی وغیرہ تھے' اسی طرح گاندھی جی' جواہرلال نہرو اور سردار پٹیل بھی تھے' اس سلسلہ میں جو لوگ یکسر بے قصور تھے ان میں ہندوستان کے وہ غریب مسلمان بھی تھے جو شروع ہی سے امن پسند اور تقسیم کے مخالف رہے ہیں مگر طرفہ تماشہ ہے کہ ظلم کے پہاڑ انہیں بے قصور امن پسند اور شریف مسلمانوں پر توڑے جارہے ہیں۔

انگریزی میں پرائم منسٹر کے نام لکھے گئے تفصیلی خط کا ترجمہ آپ کے پاس اس مقصد کے تحت بھیجا جارہا ہے کہ اگر آپ کے مجلہ کی پالیسی کے خلاف نہ ہو تو اسے شائع کرکے مظلوموں کی فریاد ارود داں طبقہ تک پہونچا کر عنداللہ ماجور رہوں۔

والسلام

آپ کا

عبدالحمید رحمانی

صدر

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر

۴۔ جوگابائی نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

منجانب

شیخ غلام رسول آزاد (صحافی اور انسانی حقوق کے لئے سرگرم عمل) پامپور ۱۹۲۱۲۱ جموں و کاشمیر (ہند)

جناب عبدالحمید رحمانی صاحب صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی۔۲۵

جناب عالی!

منسلک خط وزیر اعظم ہند پی.وی. نرسمہا راو کو جموں و کشمیر کے مہاجرین (جو ۱۹۴۷ء میں بے دخل کردئے گئے اور پاکستان میں رکھے گئے) کے حساس مسئلے پر لکھا گیا ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات مناسب ہوگی کہ اس مسئلے کو اپنی سطح پر مختلف عوامی مجالس میں اٹھائیں کیونکہ یہ مسئلہ گزشتہ ۴۷ سالوں سے معرض التوامیں ہے اور انسانی توجہ وہمدردی کا محتاج ہے۔

انصاف پر مبنی خالص انسانی مسئلہ ہونے کی وجہ سے یہ مضمون عوام کی آگاہی کے علاوہ متعلقہ ارباب اقتدار کی پوری توجہ کا خواستگار ہے۔

لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ انسانی ہمدردی کے ناطے آپ یا آپ کی تنظیم ممکنہ ضروری کاروائی کرے گی۔

شکریہ

خلوص کیش

شیخ غلام رسول آزاد

۳۱ اکتوبر ۱۹۹۳ء

محترم وزیر اعظم!

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔

کچھ عرصہ سے حکومت کے اس ارادے پر بحث چل رہی ہے کہ مہاجر کشمیری پنڈتوں کو واپس بلایا جائے اس سلسلہ میں وزیر داخلہ سے لیکر چیف الیکشن کمشنر تک مہاجر کاشمیری پنڈتوں کی زبوں حالی اور تحفظ کی بات کر رہے ہیں اور بغیر اس حقیقت کا لحاظ کئے ہوئے کہ ریاست جموں و کشمیر سے ہجرت کب شروع ہوئی ایک بار پھر جلد بازی میں قدم اٹھایا جارہا ہے جبکہ ایسے اقدام انسانیت کے بنیادی مطالبات پورا نہیں کرتے اس سلسلے میں میں آپ کی توجہ درج ذیل حقائق کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

یہ صحیح ہے کہ مہاجر کشمیری پنڈت کشمیری تہذیب وثقافت کا ایک حصہ ہیں کشمیر کے لوگوں کا بنیادی اصول یہ رہا ہے کہ وہ ہمیشہ سے مکمل فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے ساتھ رہتے آئے ہیں اور ہمیشہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ساتھ رہے ہیں۔ کشمیر اس بلند نصب العین کے لئے مشہور ہے جو انسانیت کو خوشگوار زندگی گزارنا سکھاتا ہے خواہ وہ انسان کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اگر ایک طرف اس کے پس منظر میں صدیوں پرانا تاریخی اثر ہے تو دوسری طرف یہ اسلام کی تعلیمات کا طبعی نتیجہ ہے۔ جو اکثریت کا مذہب ہے اور جو انسان کو پڑوسیوں کے حقوق کی پاسداری، دوسرے مذاہب کا احترام اور سارے طبقاتی امتیازات کو مٹانے کی تعلیم دیتا ہے اسلام کی ایک اہم تعلیم یہ بھی ہے کہ آدمی پڑوسیوں کے دکھ درد میں شریک ہو خواہ ان کا مذہبی عقیدہ کچھ بھی ہو۔ کشمیر کی تاریخ فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور انسانی اخوت کے واقعات سے بھری پڑی ہے اکثریتی فرقہ (مسلمانوں) نے ہمیشہ مشکل حالات میں اقلیتی فرقہ کو تحفظ دیکر اپنا انسانی اور اسلامی فرض ادا کیا ہے۔ اس سلسلے میں ۱۹۴۷ء کے پُر دہشت حالات قابل ذکر ہیں۔ جب سارا بر صغیر فرقہ وارانہ ہیجان و اضطراب میں گرفتار ہو گیا تھا حتی کہ ہمارے ہی صوبہ کے ایک حصہ جموں میں خون آلود غیر انسانی کارنامے بار بار دہرائے گئے جن میں ہزاروں مسلمانوں کو قتل کردیا گیا اور ہزاروں خاندانوں کو گھر چھوڑنے کے لئے مجبور کیا گیا یہ کشمیر کی وادی تھی جہاں مسلم اکثریت نے اقلیتی فرقہ کے پنڈتوں اور ہندوؤں کو اپنے سگے بھائیوں کی طرح تحفظ دیا تھا تاریخ ایسے واقعات سے پر ہے کہ کس طرح مسلمانوں نے کشمیر میں اپنی جان کی بازی لگا کر ہندوؤں کے جان ومال کی حفاظت کی۔ لیکن جموں میں جہاں ہندو اکثریت میں تھے انہوں نے مسلمانوں کو کس طرح مارا پیٹا اور انہیں اپنی زمین وجائداد چھوڑ کر بھاگنے

پر مجبور کیا، کئی لاکھ مسلمان نوزائیدہ ملک پاکستان چلے گئے۔ صوبہ جموں کے یہ مسلمان اس وقت ریاست کے حکمرانوں کی غیر ذمہ دارانہ حرکات کی وجہ سے پاکستان جانے پر مجبور ہوئے۔ وادی کشمیر کے ہزاروں مسلمان بھی اسی وجہ سے ہجرت کر گئے اور اس طرح ریاست کی تاریخ میں ایک ہجرت کا باب لکھ دیا گیا۔

۱۹۴۸ء کے بعد ان مہاجرین کا مسئلہ ریاست کی نئی انتظامیہ کے سامنے کئی بار اٹھا، یہ انتظامیہ مہاجرین کے مسئلے کو حکومت ہند تک لے گئی۔ صوبائی انتظامیہ اور مرکزی حکومت کے مابین گفت وشنید کے بعد ۲۴ر جولائی ۱۹۵۲ء کو ایک معاہدہ طے ہوا جو دلی معاہدہ (Delhi Agreement) کے نام سے موسوم ہے۔ اس معاہدے میں اصولی طور پر ان مہاجرین کو از سر نو بسانے پر اتفاق ہو گیا، اس حساس مسئلے پر دلی ایگریمنٹ میں یہ بات کہی گئی ہے :

"اس بات پر اتفاق ہو گیا ہے کہ شہریت سے متعلق قوانین میں ایک خصوصی شق شامل کی جائے تاکہ صوبہ جموں وکشمیر کے مستقل سکونت پذیر باشندوں کو لوٹنے کا بندوبست ہو جو ۱۹۴۷ء کی افراتفری میں باڈر کی وجہ سے پاکستان چلے گئے، اسی طرح وہ لوگ جو پہلے پاکستان گئے تھے مگر لوٹ نہیں پائے اگر وہ لوٹ آئیں تو شہریت کے حقوق و مراعات اور فرائض کے مستحق ہوں گے۔"

لیکن معاہدہ پر دستخط ہونے کے بعد حالات نے نیا موڑ لیا، پیہم نئی حکومتیں اس طرح تھوپی گئیں کہ ریاست کی داخلی خود مختاری بھی ختم ہو گئی۔ اور ان مہاجرین کو واپس لانے کی کوئی تدبیر بھی عمل میں نہیں لائی گئی۔

اس طرح ایک انسانی مسئلے کو کولڈ اسٹوریج میں ڈال دیا گیا۔ ایک لمبے عرصہ کے بعد ۱۹۷۵ء میں سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں جس کے نتیجہ میں صوبائی مقننہ کے دونوں ایوانوں نے ۱۹۸۲ء میں ان مہاجرین کی از سر نو آبادکاری سے متعلق ایک بل پاس کیا۔ یہ بل دوسری بار بھی پاس ہو گیا جب صوبائی دستور کے مطابق اسے قانونی شکل دینے میں ریاست کے گورنر نے چند تشریحات طلب کی تھیں۔ اب اس قانون کا نام بازآبادکاری قانون (Resettlement Act) ہے، اس طرح لمبے عرصے سے معرض التواء میں پڑے لاکھوں لوگوں کے حساس انسانی مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک امید کی کرن روشن ہوئی، لیکن حکومت ہند نے اس انسانی مسئلے کو حل کرنے کی پرواہ نہ کی اور ریاستی حکومت پر دباؤ ڈالا کہ اس ایکٹ کو نافذ نہ کیا جائے، اس قانون سے بچنے اور اس میں اڑچن ڈالنے کے لئے جو مقننہ کے طریقوں اور قانونی مطالبات پر مبنی تھا صدر جمہوریہ کے ذریعہ اسے سپریم کورٹ کو رائے زنی کیلئے بھیج دیا گیا، حالانکہ یہ مقننہ کی روایت کے خلاف ہے۔

مزید بارہ سال گزر جانے کے بعد ہند کی عدالت عالیہ اب تک ان لاکھوں لوگوں کے بارے میں اپنی رائے نہیں پیش کر سکی، اس قانون کو عدالت عالیہ کے کولڈ اسٹوریج میں گزشتہ بارہ سال سے صرف سیاسی نقطۂ نظر سے ڈالا گیا ہے اور لاکھوں لوگوں کی زندگی پر کوئی توجہ نہیں دی گئی ہے، کیا سپریم کورٹ کے نظریات اس قانون کو کسی بھی حیثیت سے متاثر کر سکتے ہیں؟ یہ الگ بحث کا موضوع ہے، کیونکہ اس قانون کی تشکیل تمام قانونی اور دستوری ضابطوں کی کاروائیاں پوری کرتی ہے اور دلی ایگریمنٹ ۱۹۵۲ء کے دستخط کے مطابق ہے جسے ہندوستانی پارلیمنٹ اور صوبائی مقننہ نے کشمیر کے بنیادی مسئلے کے سلسلہ میں کسی اندیشہ کے بغیر صحیح قرار دیا ہے، اسطرح لاکھوں لوگوں کی بازآبادکاری کا مسئلہ ۱۹۴۷ء سے معلق ہے۔ یہ لوگ گزشتہ ۴۷ سالوں سے پاکستان کے مختلف حصوں میں پناہ گزینوں کی حیثیت سے رہ رہے ہیں، جبکہ ان کی منقولہ و غیر منقولہ جائیدادیں جموں و کشمیر میں ہیں۔ جن کی نگرانی کسٹوڈین کے ذریعہ کی جا رہی ہے۔ لیکن ایک خالص انسانی مسئلہ ہونے کے باوجود اسے پوری توجہ نہیں مل سکی ہے۔

گزشتہ پانچ سالوں کے دوران کشمیری پنڈتوں کی آبادی کا ایک حصہ ہجرت کر کے چلا گیا اور اب وہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں رہ رہا ہے ان میں سے کچھ لوگ صوبہ جموں کے دوسرے ڈویژنوں میں ہیں، اسی دوران سرحد کے پاس رہنے والے مسلمان بھی سرحد کی دوسری طرف ہجرت کر گئے جنکی اصل تعداد معلوم نہیں ہے، حکومت ہند کے حکام مہاجر پنڈتوں کو واپس لانے کیلئے پریشان ہیں، جو مشکل سے پانچ سال پرانا مسئلہ ہے، لیکن ایک لفظ بھی ان لوگوں کے بارے میں نہیں کہا گیا ہے، جو گزشتہ ۴۷ سالوں سے پناہ گزینوں کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور جن کے بارے میں معاہدہ و قانون دونوں پاس ہو چکا ہے، اس کے علاوہ ان مسلمانوں کے بارے میں بھی مکمل سکوت ہے جو ان پانچ سالوں میں سرحد کے اس پار چلے گئے، ان کی بابت انسانی ہمدردی کے سارے مطالبے

(بقیہ ص ۳۸ پر)

وفیات

مولانا عبدالحمید رحمانی

پروفیسر رشید الظفر کی وفات

پروفیسر رشید الظفر رحمہ اللہ کی وفات علمی' انتظامی اور ملی دنیا کی ایک مایہ ناز شخصیت کی وفات کا حادثہ ہے' وہ ریاض (سعودی عرب) سے واپس اپنی قیام گاہ پٹرولیم یونیورسٹی ظہران جاتے ہوئے راستہ میں ایک کار اکسیڈنٹ میں وفات پاگئے۔ ان کی اہلیہ سخت زخمی ہوئیں' اور اس وقت امریکا میں زیر علاج ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں شفاء عطا فرمائے' رشید الظفر صاحب ایک ذہین' باحوصلہ اور اعلیٰ صلاحیت کے پروفیسر تھے' ان کی نشو ونما علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہوئی' وہیں انہوں نے اپنی تعلیم کی تکمیل کی اور صرف ۳۱ سال کی عمر میں انجینرنگ ڈپارٹمنٹ میں پروفیسر کے گریڈ پر پہونچ گئے' سترہ برس تک وہ پٹرولیم یونیورسٹی ظہران میں پروفیسر رہے' مارچ ۱۹۹۳ء میں انہوں نے جامعہ ہمدرد میں وائس چانسلر کی ذمہ داری سنبھالی۔ ڈیڑھ سال کی اس مختصر مدت میں انہوں نے جامعہ ہمدرد کو اپنی انتظامی صلاحیتوں کے ذریعہ کافی آگے بڑھا دیا' یہ ایک ڈیمڈ یونیورسٹی ہے' لیکن اسے خود کفیل بنانے اور آگے بڑھانے کے سلسلہ میں انہوں نے جو اہم خدمات انجام دیں انہیں یونیورسٹی کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا' انہوں نے اپنی خاص حکمت عملی کے ذریعہ یونیورسٹی میں گورنمنٹ کی ایڈ تیس فیصد سے بڑھا کر ستر فیصد کرائی' اور اس کے مختلف شعبوں کو منظم کیا نئے شعبے اور اقسام قائم کئے' اسلامک اسٹڈیز کے شعبہ کو زندہ کیا۔

سب سے پہلے پروفیسر رشید الظفر سے میری ملاقات ایک میڈیکل کیمپ کے افتتاح کے موقع پر مورخہ یکم اگست ۱۹۹۴ء کو ہوئی جو ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی کے نئے کیمپس جامعہ اسلامیہ سنابل اور معہد عثمان بن عفان میں قائم کیا گیا تھا اور اس کا افتتاح رشید الظفر رحمہ اللہ نے کیا تھا۔

کیمپ کے افتتاح کے بعد انہوں نے خواجہ محمد شاہد سابق رجسٹرار جامعہ ملیہ اسلامیہ اور ہمارے دوست ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی کے ساتھ مرکز اور اس کے سارے اداروں کا معائنہ کیا' یہ انہیں کی ہمت تھی کہ چھ چھ منزلہ بلڈنگوں پر چڑھے' اور ایک ایک شعبہ دیکھا' الطاف صاحب اور دوسرے احباب تھک گئے لیکن وہ اگست کی گرمی میں پسینہ سے شرابور بیشتر اداروں اور شعبوں کو دیکھے بغیر نہیں لوٹے' کئی گھنٹے انہوں نے اس میں صرف کئے' اور اپنے گرانقدر اور مفید مشوروں سے ہمیں نوازا۔

اس کے بعد سے انہوں نے ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر اور اس کے تعلیمی و تربیتی' تحقیقی و تصنیفی اور رفاہی اداروں کی ترقی میں دلچسپی لینا شروع کی' مرکز کے ساتھ ان کی محبت کا اندازہ ان کے درج ذیل مکتوب گرامی سے ہوگا جو انہوں نے ۷ر اگست ۹۴ء کو لکھا تھا۔

مکرمی جناب رحمانی صاحب

آپ کا مورخہ ۶ر اگست کا نوازش نامہ ملا۔

۱۔ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کرکے اور آپ کے اداروں کی تعلیمی کارکردگی دیکھ کر بے حد متاثر ہوا ہوں' یہ مجھ پر عیاں ہے کہ ان اصلاحی اور تعمیری کاموں کی روح رواں آپ کی ذات گرامی ہے" آج کے مایوس کن حالات میں جبکہ مسلمان اپنی جدید تعلیم کے قدیمی اداروں کے ساتھ' جن کو گرانقدر وسائل حکومت سے حاصل ہیں' انصاف نہیں کرپارہے ہیں' نئی تعلیمی تحریکیں دیکھ کر بڑی ہمت افزائی ہوتی ہے" ایسے دینی تعلیمی تحریکوں کے مراکز سے واپسی کے بعد دل چاہتا ہے ایسی ہی کسی تحریک سے منسلک ہو کر کچھ کام کیا جائے' اور یہ بھی دل چاہتا ہے کہ دینی

اداروں کے فارغ شدہ ہونہار اور ذہین طلبہ کسی نقطہ پر جدید اور صنعتی تعلیم سے افادہ حاصل کریں۔

۲۔ ابوالکلام آزاد اسلامیہ مرکز سے واپسی کے بعد آپ کی ذات گرامی پر بڑا رشک آیا اور جی چاہا کاش میں بھی آپ جیسے کسی بے غرض مقصد میں مصروف ہوتا۔

۳۔ منسلک تین درخواستیں ہمارے اساتذہ ہی کی ہیں 'مزید دو ریسرچ اسکالرس کی درخواستیں ایک ہفتہ میں آپ کو روانہ کردی جائیں گی۔

۴۔ میری دلی تمنا ہے کہ آپ کا ریفریشر کورس کامیاب رہے اور شرکت کرنے والوں کے لئے مفید تر ثابت ہو۔

ایک مرتبہ پھر آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

والسلام

رشید الظفر

وائس چانسلر جامعہ ہمدرد

اگست ۹۳ء میں "جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ" ریاض کی طرف سے "ابوالکلام آزاد اسلامک او یکننگ سنٹر" میں اساتذہ اور دعاۃ کے لئے بیس روزہ ریفریشر کورس منعقد ہوا تھا۔ اس میں بھی آپ نے اچھی خاصی دلچسپی لی۔ اور جامعہ ہمدرد کی طرف سے اساتذہ کو پورے کورس میں شرکت کے لئے بھیجا 'اور کورس کے اختتامی پروگرام منعقدہ "انصاری آڈیٹوریم" "جامعہ ملیہ اسلامیہ" میں بتاریخ ۲۰ر اگست ۹۳ء خود تشریف لائے اور حاضرین کو اپنے گرانقدر کلمات سے نوازا۔

اس پروگرام میں جناب ارجن سنگھ (مرکزی وزیر فروغ انسانی وسائل) اور سعودی عرب 'کویت 'قطر اور امارات کے سفراء نیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی 'جامعہ ملیہ اسلامیہ اور ملک کی دوسری یونیورسٹیوں اور اسلامی اداروں کے ذمہ داران نے حصہ لیا اور تقریریں کیں۔ ان میں پروفیسر رشید الظفر کی تقریر اپنی معنویت کے اعتبار سے بہت اہم رہی۔ ان کی تقریر کے چند اقتباسات کے ترجمے نذر قارئین ہیں۔

"سب سے پہلے میں جناب رحمانی صاحب اور منتظمین کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس اختتامی تقریب میں مجھے شرکت کی دعوت دی 'جامعہ ہمدرد کے کئی اسکالرس اور معروف حلقوں نے اس اعادی نصاب تعلیم (ریفریشر کورس) میں حصہ لیا ہے یعنی جامعہ ہمدرد اس پروگرام سے بلا واسطہ مستفید ہوئی ہے 'اس لئے میں خصوصی طور پر "ابوالکلام آزاد اسلامک او یکننگ سنٹر" اور پروگرام کے ڈائرکٹر جناب عبدالحمید رحمانی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اتنا عمدہ ریفریشر کورس کا انتظام کیا 'اس قسم کے پروگرام کی ضرورت اور کامیابی 'شرکاء کی وافر تعداد سے واضح ہے جنہوں نے اس میں حصہ لیا اور کورس کو مکمل کیا۔ میں کئی سالوں تک سعودی عرب میں رہا ہوں اور اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ مملکت کی یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں کا ہمدردانہ رویہ اس ملک کے تعلیمی اداروں کی طرف ہے۔

بلاشبہ عربی زبان معاصر زمانے میں کئی طریق سے (ایک اہم ترین زبان کی شکل میں) ابھر کر سامنے آئی ہے۔ مسلم آبادی عالمی آبادی کا ایک اہم حصہ ہے اور یہ زبان مسلمانوں کو اسلام کی بہتر سمجھ بوجھ پر قدرت عطا کرتی ہے۔ نیز اس وسیع زبان میں علم و ادب کا وافر ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ مغربی ایشیاء کے ابھرتے ہوئے نہایت اہم خطوں کے ساتھ باہمی عمل کے لئے یہ زبان نہایت ضروری ہے۔

مجھے اسلامی تعلیمات کے لئے "ابوالکلام آزاد سنٹر" کے زیر دست کارناموں کو دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ جو یہ سنٹر اس خطے کے مسلم بچوں کے لئے رحمدلی سے انجام دے رہا ہے اور ان سب سے اوپر جناب عبدالحمید رحمانی صاحب کا جذبہ قابل دید ہے جو اس ادارے کے فعّال روح رواں ہیں۔

میں ایک نکتے کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ جو میری نظر میں ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیم سے متعلق کافی اہمیت کا حامل ہے۔ موجودہ دور میں اس ملک میں مسلم تعلیم کے دو مساوی دھارے (نظام) کار فرما ہیں۔ ایک مدرسے کی تعلیم ہے جو بنیادی طور پر مذہبی تعلیم ہے اور دوسرا نظام عام اسکولوں کا یونیورسٹیوں میں رواں دواں ہے۔ بدقسمتی سے نظام تعلیم کے یہ دونوں دھارے کسی ایک نکتے پر نہیں ملتے۔ عدم اختلاط کا یہی نکتہ میری نظر میں نہ تو ہندوستانی مسلمانوں کے لئے مفید ہے اور نہ مجموعی طور پر پورے ملک کے لئے۔ اسلام میں تعلیم کا تصور کافی وسیع ہے۔ اس علم کا ایک حصہ ہمیں اپنے خالق کے ساتھ تعلقات

ستوار کرنے کے لائق بناتا ہے تاکہ ہم اپنی عبادات باوقار طریق پر انجام
یں تو اس علم کا دوسرا حصہ ہمیں معاشی استقلال بخشتا ہے تاکہ ہم سماج
کے مفید عضو بنیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان سنجیدگی سے ایک ایسے
موثر میکانزم کی ترویج پر غور کریں جو ان دونوں دھاروں کو ایک ساتھ ملا
ے۔ اس میکانزم پر تفصیلی بحث کی ضرورت ہے کہ اسے کیسے انجام دیا
ائے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ نکتۂ آغاز یہاں سے ہو کہ تین چار
نیورسٹیاں جن میں اسلامی رجحان پایا جاتا ہے۔ محتاط طور پر نصاب تعلیم
ضع کریں جس میں مدرسے کی تعلیم اور پیشہ ورانہ و صنعتی تعلیم ساتھ
ساتھ ان یونیورسٹیوں میں ہو۔ میرے خیال میں یہ کام باری باری سے
ہونا چاہئے تاکہ مدرسے کی صلاحیتوں کا استعمال مدرسے کی گرفت میں
سیع تر خطوں میں کیا جاسکے۔ اس طور پر بچوں کو اور ناخواندہ مسلمانوں کو
و گاؤں میں، چھوٹے قصبوں اور شہروں میں رہتے ہیں انہیں ہندوستانی
میت کے اہم تعلیمی و اقتصادی دھارے میں لایا جاسکتا ہے۔

میں ایک بار پھر محمد ابن سعود یونیورسٹی، سعودی عرب،
بوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، اس پروگرام کے ڈائرکٹر اور دیگر
تنظمین کو اور خاص کر جناب مولانا عبدالحمید رحمانی صاحب کو اس
یفریشر کورس کے لئے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اس قسم
کے کئی کورس زاور ہوں گے۔ عربی کے اساتذہ اور اسکالرس اس بہترین
وقع سے بہرہ ور و مستفید ہوں گے"۔

مرکز اور اس کے اداروں کے دیکھنے کے بعد انہوں نے کئی
رتبہ یہ تجویز پیش کی کہ مرکز کے مختلف تعلیمی اداروں کے اساتذہ اور
لباء کے لئے جامعہ ہمدرد میں اور جامعہ ہمدرد کے اسلامیات کے
روفیسران اور ریسرچ اسکالروں کے لئے مرکز کے تعلیمی اور تحقیقی
داروں میں تحقیقی اور مطالعاتی پروگرام، ثقافتی اور علمی لین دین کے نقطۂ
نظر سے خود ان کے اور جامعہ ہمدرد کے مصارف پر رکھے جائیں۔

اور یہ سلسلہ پائدار اور وقفہ وقفہ سے تسلسل کے ساتھ ہو،
س سلسلہ میں خاصی پیش رفت بھی ہو رہی تھی۔ لیکن چونکہ پروفیسر
رشید الظفر وائس چانسلر ہونے کے ساتھ ہی پٹرولیم یونیورسٹی ظہران،
سعودی عرب کے اصرار پر وہاں سے بھی وابستگی پر مجبور تھے اور جامعہ ہمدرد کی
وائس چانسلری اعزازی طور پر بغیر کسی تنخواہ کے انجام دے رہے تھے،
اس لئے ان کا قیام دہلی بہت کم ہوتا تھا، ادھر میں خود بھی مرکز اور اس کے
اداروں اور ملک کے مختلف علاقوں میں اس کی شاخوں کی نگرانی کے
سلسلہ میں دہلی سے باہر کے اسفار پر زیادہ رہتا ہوں، اس لئے اس مبارک
سلسلہ کی ابتداء میں تاخیر ہوئی۔

سنابل مقابل کالندی کنج نئی دہلی میں مرکز کی بڑی زمین پر جو
تقریباً بیس ایکڑ رقبہ پر مشتمل ہے اور جہاں فی الحال معہد عثمان بن عفان
برائے حفظ و تجوید قرآن، کلیۃ الشریعہ، ویکیشنل انسٹی ٹیوٹ اور مرکز کی
دہلی میں دوسری ڈسپنسری واقع ہے۔ اور جو سریتا وہار نوئیڈا اور اوکھلا نوئیڈا دو
قومی شاہراہوں کے درمیان واقع ہے، مجوزہ جامعہ اسلامیہ کے ماسٹر پلان
سے نہ صرف پروفیسر رشید الظفر رحمہ اللہ نے نہایت گہری دلچسپی لی، بلکہ
ایک کامیاب اور انٹرنیشنل معیار کے انجینئر ہونے کی حیثیت سے انہوں
نے مرکز کے آرکیٹیکٹ کے ساتھ باقاعدہ میٹنگ کر کے، تفصیلی گفتگو
کی، اور کئی مفید مشورے دیکر پلان میں مختلف ترمیمات کرائیں، اور خود
اس پلان کی مکمل نگرانی کا وعدہ کیا۔

وہ مالی اعتبار سے بہت اچھی حیثیت کے مالک تھے، دس بیس
لاکھ روپئے خرچ کرنا ان کے لئے معمولی بات تھی، انہوں نے مرکز کے
لئے کوئی مناسب بلڈنگ اپنے مصارف پر بنوا کر وقف کرنے کی بھی پیش
کش کی تھی۔

چند ماہ قبل جب انہوں نے جامعہ ہمدرد کے جلسۂ تقسیم اسناد
کی تقریب منعقد کی اور پرائم منسٹر نرسمہا راؤ کو اس میں دعوت دی، تو مجھ
ناچیز کو نہ صرف یہ کہ دعوت نامہ بھیجا، بلکہ فون پر کئی مرتبہ رابطہ قائم
کر کے شرکت کے لئے تاکید کی، اور اس مصروفیت کے عالم میں کار بھیجنے
کی پیش کش کی، جب میں پروگرام میں شرکت کے لئے پہونچا تو آگے
بڑھ کر استقبال کیا، ذمہ داران اور انتہائی اہمیت کے حامل مہمانوں سے
تعارف کرایا اور مرکز کی مبالغہ آمیز تعریف کی اور بنفس نفیس مجھ ناچیز کو
سیٹ پر بٹھانے سے لیکر الوداع کہنے تک بھرپور توجہ دیتے رہے۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس جگہ پروفیسر رشید الظفر رحمہ
اللہ کے سوانح سے متعلق روزنامہ "قومی آواز" سے چند اقتباسات نقل

کروں

"پروفیسر رشید الظفر رحمہ اللہ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کو ایک ایسے ممتاز گھرانے میں پیدا ہوئے جو اپنی سیاسی ' سماجی اور علمی حیثیت کی بناء پر علی گڑھ میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا' انہوں نے اپنی تعلیمی زندگی کے ہر مرحلے پر امتیازی شان سے قابل رشک کامیابی حاصل کی۔ ابتدائی ' ثانوی تعلیم کے مراحل طے کرنے کے بعد پروفیسر رشید الظفر نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہی سے بی۔ ایس۔ سی انجینیرنگ کی ڈگری بھی حاصل کی۔ اس کے بعد مرحوم نے رڑکی سے اسٹرکچرل انجینیرنگ میں ڈگری اور پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما حاصل کیا اور بعد ازاں صرف پچیس سال کی عمر میں لندن یونیورسٹی سے اسٹرکچرل انجینیرنگ میں ڈاکٹریٹ حاصل کی۔

پروفیسر رشید الظفر نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ' آئی۔ آئی۔ ٹی ' دہلی اور کنگ فہد یونیورسٹی آف پٹرولیم اینڈ منرلس (ظہران ' سعودی عرب) میں بڑی امتیازی حیثیت سے تدریس و تحقیق کی ذمہ داریاں انجام دیں ' ان کے علمی مرتبے تدریس و تحقیق میں ان کی بلند و بالا حیثیت اور ظہران میں ان کی ہردلعزیزی کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جامعہ ہمدرد کے وائس چانسلر کے منصب پر ان کی تقرری کے بعد کنگ فہد یونیورسٹی نے ان کو مستقلاً چھوڑنا گوارا نہیں کیا اور صرف اس شرط پر دہلی آنے کی اجازت دی کہ وہ وقفہ وقفہ سے وہاں جاکر یونیورسٹی کے علمی تحقیقی منصوبوں کی رہنمائی کا کام بدستور جاری رکھیں۔

پروفیسر رشید الظفر کا صرف ۳۱ (اکتیس) سال ہی کی عمر میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوا' وہ شعبۂ سول انجینیرنگ کے صدر ' مجلس تعلیمی کے رکن ' مجلس انتظامیہ کے منتخبہ رکن ' علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اسٹاف ایسوسی ایشن کے صدر ' علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے خازن اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تعمیرات کے ممبر انچارج رہے۔

"ستائیس سالوں سے زیادہ عرصے پر محیط اپنی تدریسی و تحقیقی زندگی میں مرحوم امریکہ ' یوروپ ' مشرق وسطی خصوصاً سعودی عرب میں اسٹرکچرل انجینیرنگ کے میدان میں اپنی مہارت کے لئے غیر معمولی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے اور جانے جاتے تھے ' ان کو اپنے اختصاص کے لئے ان گنت علمی اعزازات سے نوازا گیا انہیں بارہا علمی اور تکنیکی جلسوں کی صدارت کے لئے مدعو کیا گیا جس میں سول انجینیرنگ پر بحرین میں منعقد ہونے والی یونیسکو کی ۱۹۸۹ء میں پہلی علاقائی کانفرنس کے تکنیکی اجلاس کی صدارت بھی شامل ہے ' وہ تادم آخر بین الاقوامی اور علاقائی نوعیت کے مختلف تعمیراتی منصوبوں سے متعلق مشاورتی و مطالعاتی کمیٹیوں کے بھی رکن اور سربراہ رہے۔ سوا سو سے زائد موضوعات پر ان کے تحقیقی مضامین نہ صرف دنیا بھر کے مقتدر ترین جریدوں میں جگہ پاچکے ہیں بلکہ اہم ترین حوالوں کے طور پر استعمال کئے جارہے ہیں۔ انہوں نے بیس سے زائد تحقیقی کاموں کی کامیاب رہنمائی کی"۔

انہوں نے ۱۹۷۲ء کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایکٹ کے خلاف آواز اٹھا کر اور سینہ سپر ہو کر "فرض کفایہ" ادا کیا تھا اور اس کے لئے وہ معطل بھی کئے گئے۔

مرکز کے ایک مشفق مشیر اور مخلص بزرگ پروفیسر عثمان ادحمی (سابق پراکٹر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ' ڈائرکٹر ہمدرد اسٹڈی سرکل) نے مرکز کی ایک میٹنگ میں شرکت کے اثناء میں بتایا کہ پروفیسر رشید الظفر کا نام مستقبل قریب میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی وائس چانسلرشپ کے لئے تقریباً طے ہوچکا تھا

رشید الظفر [illegible] ڈھی ماں [illegible] زخمی بیوہ ' ان کے دو بیٹوں ' اکلوتی بیٹی [illegible] بہن اور ان کے دوسرے قرابت داروں کا [illegible] کا غم ہے ' ملی دنیا کا غم ہے ' ایک ابھرتے ہوئے تعلیمی اور انتظامی رہنما کا غم ہے ' جامعہ ہمدرد کے اساتذہ طلباء اور کنگ فہد پٹرولیم یونیورسٹی ظہران (سعودی عرب) ان کے ہزاروں شاگردوں اور سیکڑوں دوستوں اور رفقاء کار کا غم ہے ' علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا غم ہے ' ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر ' اور اس کے مستقبل کے پروگراموں اور عزائم کے لئے یہ انتہائی جاں گسل حادثہ ہے۔

رب العالمین رشید الظفر رحمہ اللہ کی نیکیوں کو قبول فرمائے '

ان کی غلطیوں سے درگزر کرے' اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے' اور ان کے پسماندگان اور ہم سب کو صبر کی توفیق دے' اور ملت اسلامیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے' آمین۔

ایک باثروت مجاہد اور مبلغ خاتون کی وفات

مورخہ ۵؍ نومبر ۹۴ء صبح ۹؍ بجے جناب مولوی شاہد جنید صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس کی والدہ محترمہ صفیہ خاتون زوجہ حاجی محمد فاروق رحمہ اللہ اپنے اقرباء اور متعلقین کو روتا بلکتا چھوڑ کر اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

صفیہ رحمہا اللہ کے شوہر حاجی محمد فاروق رحمہ اللہ اپنے دور میں جماعت اہلحدیث کے باغیرت سرمایہ داروں میں سے تھے' مدنپورہ کی جامع مسجد اہلحدیث (طیب شاہ) ان کی یادگار ہے' جماعت اہلحدیث بنارس اور اس کے اطراف وجوانب میں ہر جگہ جماعتی مساجد واداروں میں حاجی فاروق رحمہ اللہ کی چھاپ دیکھی جاسکتی ہے ان کی یہ دوسری بیوی تھیں۔ ان کا تعلق ایک بریلوی خاندان سے تھا لیکن حاجی محمد فاروق رحمہ اللہ کی رفاقت نے ان کے عقیدہ وفکر کو یکسر بدل دیا اور یہ کندن بن کر ابھریں' جامع مسجد اہلحدیث مدنپورہ کے جمعہ کے خطبوں' مولانا عبدالمتین کے عالمانہ اسلوب اور استاذی العلام مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ کے توحید وسنت کے لئے غیر متمدنانہ موقف کے جو گہرے اثرات مدنپورہ میں بالخصوص اور پورے بنارس میں بالعموم اس دور میں ظاہر ہوئے' ان سے حاجی محمد فاروق رحمہ اللہ کی یہ بیوہ بھی بے انتہا متاثر ہوئیں اور عین عالم جوانی میں بیوگی کی مصیبت کا جو پہاڑ ان کے سر پر گرا اسے بڑے صبر وشکر کے ساتھ انہوں نے جھیلا اور اپنے شوہر کے ساتھ ان کی وفات کے بعد کامل وفاداری کے جذبہ سے سرشار انہوں نے اپنے آپ کو دین اور دینی کاموں کے لئے وقف کردیا' انہوں نے مسلک اہلحدیث کا مطالعہ کیا' کتاب وسنت کے تراجم پڑھے اور عورتوں میں پھیلی ہوئی جہالت' اور بدعات وخرافات اور مشرکانہ رسوم وعادات کے خلاف انہوں نے جہاد شروع کیا' وعظ کی مجلسیں قائم کیں' اس سلسلہ میں صرف بنارس ہی نہیں' اپنے اسفار میں کانپور وغیرہ میں بھی یہ فریضہ انجام دیتی رہیں' حج اور عمرہ کے لئے انہوں نے تقریباً پانچ سفر مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے کئے ان میں سے اپنے آخری اسفار میں مسجد حرام اور مسجد نبوی کی انتظامیہ کی اجازت سے وہ حرمین میں اردو سمجھنے والی عورتوں کو اپنے مواعظ اور رقت انگیز تقریروں سے نوازتی رہیں۔

صفیہ رحمہا اللہ کے بطن سے مولوی شاہد جنید سلمہ اللہ انکی اکلوتی اولاد ہیں' حاجی فاروق رحمہ اللہ کے بقیہ تین صاحبزادگان محمد صالح انصاری اور ہمارے دوست محمد سالم اور عزیزم محمد شعیب پہلی بیوی سے تھے' لیکن صفیہ رحمہا اللہ نے کبھی بھی انہیں سوتیلے پن کا احساس نہیں ہونے دیا' یہ بڑے ظرف اور حوصلہ کی بات ہے۔ ان کا سلوک اپنے شوہر کے بڑے بھائی حاجی محمد صدیق رحمہ اللہ کی اولاد ان کے صاحبزادگان اور صاحبزادیوں نیز مدنپورہ کے پورے خاندان کے ساتھ شفیق ماں کا تھا۔

مدنپورہ میں مکان کی تنگی کی وجہ سے ان کے چاروں صاحبزادگان اپنے ماحول سے دور ایک نئی جگہ للہ پورہ میں کوٹھیاں بنواکر منتقل ہوگئے تھے' جسے وہ پسند نہیں کرتی تھیں' وہ چاہتی تھیں کہ ان کا خاندان اپنے آبائی مکان میں اپنے صالح والد حاجی محمد فاروق رحمہ اللہ کی مسجد کے پڑوس میں مقیم رہے' لیکن دولت وثروت کی کثرت کی وجہ سے انسانی طبیعت ومزاج میں جو تبدیلیاں آتی ہیں اس سے ان کے صاحبزادگان بھی اپنے آپ کو نہ بچاسکے' شاہد جنید سلمہ بہت چھوٹے تھے تبھی وہ بیوہ ہوگئیں' جب تعلیم کا وقت آیا تو انہوں نے شاہد سلمہ کو جامعہ رحمانیہ میں استاذی العلام مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ کے پاس پڑھنے کے لئے بھیجا' ماڈرن اسکولوں سے انہوں نے انہیں بچایا' شاہد جنید غضب کے ذہین وفطین' ساتھ میں انتہائی باوقار اور سنجیدہ طالب علم تھے' چونکہ شاہد جنید سلمہ کو میں نے بھی پڑھایا تھا اس لئے وہ بار بار فون پر بھی اور ملاقاتوں کے اثناء میں بھی رو رو کر مجھ سے گزارش کرتی تھیں کہ کسی صورت سے ان کو ہمت دلاکر جامع مسجد مدنپورہ (طیب شاہ) میں ان سے خطبۂ جمعہ دلاؤ تاکہ میری آرزو کی تکمیل ہو' شاہد سلمہ بڑی صلاحیت کے نوجوان تھے اور طالب علمی کے دور میں جہاں تک مجھے علم ہے سلجھی ہوئی اچھی تقریر کرتے تھے' لیکن علمی سلسلہ ختم کرنے کے بعد جب تجارتی سلسلہ سے منسلک ہوئے تو تقریر ووعظ سے انس نہ ہوسکا۔

وہ کبھی کبھی فون پر گفتگو کرتی تھیں اور بہ الحاح کہتی تھیں کہ کسی صورت سے شاہد جنید کو راضی کرکے میری اس آرزو کی تکمیل کرادو' جب وہ اس سلسلہ کی ساری جدوجہد میں ناکام ہوگئیں اور شاہد سلمہ کا مہر سکوت نہ توڑ سکیں تو انہیں خود خطیب وواعظ ہونا پڑا۔

بنارس کی پوری جماعت سے میرے اور میرے خاندان کے انتہائی قریبی تعلقات میری طالب علمانہ زندگی ہی سے ہیں۔ اور یہ تعلقات صرف میری ذات تک محدود نہیں ہیں' بلکہ میری رفیقہ حیات اور بچوں سب کے ساتھ یہ تعلقات ہیں اور خالص جماعتی اور مسلکی بنیاد پر ہیں' یہ لوگ ہمارے عزیز ہیں اور ہم ان کے عزیز۔

ہمیشہ ہمارے خاندانوں میں ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے' صفیہ رحمہا اللہ سے ہمارے تعلقات اسی نوعیت کے تھے' میری رفیقہ حیات انہیں ماں اور میری اولاد انہیں دادی کہہ کر پکارتے تھے' اس حادثہ کی خبر ہمیں اس وقت برادرم عبداللطیف کے فون کے ذریعہ ملی جب تجہیز و تکفین عمل میں آچکی تھی' اس لئے ہم لوگ ان کی تجہیز و تکفین میں شرکت نہ کرسکے' مجھے' میری بیوی' بچی او بچوں کو اس کا بڑا دکھ ہوا مگر ہم کر کیا سکتے تھے۔

صفیہ رحمہا اللہ ایک لمبی مدت سے بیمار چل رہی تھیں' بہت سے عوارض میں مبتلا تھیں' بیماری مومن کے لئے کفارۂ سئیات اور رفع درجات کا ذریعہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کے گناہوں سے درگزر کرے اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ (آمین)

صفیہ رحمہا اللہ چل بسیں ان کا خاندان بالخصوص حاجی محمد فاروق رحمہ اللہ اور دوسرے بڑوں کی وفات کے بعد مغربی تہذیب کی یلغار کا جس طرح شکار ہو رہا ہے اس سے وہ بہت دکھی تھیں۔

اگر ان کے صاحبزادگان میں ان سے سب سے زیادہ قریب رہنے والے ہمارے دوست محمد سالم حفظہ اللہ اور برادر عزیز شاہد جنید سلمہ اللہ والدہ رحمہا اللہ کی وفات کے بعد ان کے ساتھ وفا اور اعلیٰ اسلامی اقدار کو ملحوظ رکھنے کے جذبہ کے ساتھ اپنے خاندان کو بہترین ماضی کی طرف لوٹانے کی جدوجہد کرسکیں تو یہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا جہاد ہوگا۔

میں اپنا یا کسی اور کا تزکیہ نہیں کرنا چاہتا اور اپنے آپ کو بہت گنہ گار سمجھتا ہوں' لیکن تقریباً ایک صدی سے مسلکی غیرت اور اسلامی اقدار کے حامل اس خاندان سے مجھے جو محبت ہے اس سے مجبور ہوکر میں نے یہ گزارش کی ہے اور امید ہے کہ میری یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہوگی۔

خاندان مدنپورہ کی ایک اور بزرگ خاتون کی وفات

صفیہ رحمہا اللہ کی نسبتی بہن یعنی ان کے شوہر کی سب سے بڑی بہن جو حاجی محمد صدیق رحمہ اللہ سے بھی بڑی تھیں اور مولانا عبدالمجید حریری رحمہ اللہ کے بھائی کی زوجیت میں تھیں (اور جن کے صاحبزادہ گرامی محمد اسحاق صاحب ہمارے دوستوں میں سے ہیں) کی وفات صفیہ رحمہا اللہ سے صرف ایک دن پہلے ہوئی' وہ عمر طبعی کو پہنچ چکی تھیں' ان کا وجود پورے خاندان میں سب سے معمر اور بزرگ خاتون کی حیثیت رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے (آمین)

ایک اور بزرگ خاتون کی وفات

مورخہ ۴ر اکتوبر ۹۴ء بوقت ۱۰-۱۱ بجے شب جناب حاجی محمد وکیل احمد صاحب نئی بازار بھدوہی کی والدہ محترمہ صابرہ خاتون اس دار فانی سے کوچ کرگئیں' اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مورخہ ۵ر اکتوبر ۹۴ء ڈھائی بجے دن میں ان کی تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔

محترمہ صوم وصلوٰۃ کی پابند' علم دوست اور علماء دین کی قدرداں خاتون تھیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ محترمہ کی مغفرت فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے (آمین) ادارہ ان کی وفات کے غم میں حاجی وکیل احمد اور ان کے خاندان کے ساتھ برابر کا شریک ہے اور ان کی والدہ کی مغفرت کے لئے دعائیں کرتا ہے۔

بقیہ: خلافت وسیاست

رسولوں اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان کیوں کہ ایسے انکار سے انسان کافر ہوجاتا ہے اسی طرح اس سے بھی انسان کافر ہوجاتا ہے کہ وہ نصوص ظاہرہ متواترہ میں جن چیزوں کو واجب قرار دیا گیا ہے وہ ان پر اعتقاد نہ رکھے یا نصوص ظاہرہ متواترہ میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے ان کو حرام نہ جانے۔ (جاری)

مزمل حسین قاسمی

خبرنامہ

عراق پر پابندی جاری

اقوام متحدہ : ۱۴ر نومبر۔(اے۔پی) سلامتی کونسل نے عراق پر عائد اقتصادی پابندی کو ہٹانے سے انکار کردیا ہے۔گو کہ عراق نے کویت کو ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے طور پر تسلیم کرلیا ہے۔۱۵ رکنی کونسل نے عراق کے اس دعوے کو مسترد کردیا کہ اس نے ۱۹۹۰ء میں کویت کے حملہ کے بعد لگائی گئی پابندیوں کو ہٹوانے کی تمام شرائط پوری کردی ہے۔ ان پابندیوں کی وجہ سے اشیاء کی قلت ہو گئی ہے جس سے لوگوں کو بے حد پریشانیوں کا سامنا ہے حتیٰ کہ ادویات کی کمی سے اموات تک ہو رہی ہیں۔

امریکی سفیر میڈیلین البرائٹ نے کونسل کو عراق میں سیٹلائٹ سے کھینچی گئی ایک درجن تصاویر دکھایا اور پابندیوں کی وجہ سے صعوبتیں جھیلنے کے دعوے کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔انہوں نے کہا کہ ان تصاویر میں صدام حسین کے ذریعہ تعمیر کردہ نئے محل ہیں جس میں ایک محل تو وہائٹ ہاؤس سے تین گنا بڑا ہے۔انہوں نے یہ بھی الزام لگایا کہ دیگر اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ عراق 'شراب' فر کے کوٹ اور آئس کریم درآمد کر رہا ہے۔ان کی حامی بھرتے ہوئے برطانوی سفارت کار سر ڈیوڈ ہنائے نے کہا کہ یہ تصاویر غیر معمولی اسراف کو ظاہر کرتی ہیں۔مسٹر ہنائے نے یہ بھی بتایا کہ عراق نے گزشتہ ماہ برطانیہ کے توسط سے تیل فروخت کرنے کی پیشکش کو ٹھکرادیا تھا نیز اقوام متحدہ کی نگرانی میں ایک ارب ڈالر کی قیمت کا تیل فروخت کرنے کی پیشکش کو بھی نامنظور کردیا تھا۔

عراق کے سفیر نائب وزیر اعظم طارق عزیز نے علاقہ کی تعمیر اور عیش و عشرت پر خرچ کے امریکی دعووں کو بکواس قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہم نے نہ صرف محل بلکہ جنگ کے دوران بمباری سے تباہ ہونے والے پل 'اسپتال' تیل صاف کرنے کے کارخانے اور بجلی گھر دوبارہ تعمیر کئے ہیں۔روس اور فرانس کے سفیروں پر بھی ان تصاویر کا کوئی اثر نہ تھا وہ آخر تک انسانی ہمدردی کے ناطے عراق سے پابندی ہٹانے پر مصر تھے۔ امریکہ و برطانیہ کا کہنا ہے کہ یہ پابندیاں اس وقت تک ختم نہیں ہونی چاہئیں جب تک کہ عراق تمام شرائط پوری نہ کردے۔اس میں شیعوں اور کردوں کے خلاف انتقامی کارروائی بند کرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی قیدیوں کی رہائی بھی شامل ہے۔

ندوہ میں پولیس کی بے جا مداخلت

لکھنؤ ۲۴ر نومبر۔ دہلی پولیس ،انٹلی جنس بیورو اور مقامی پولیس پر مشتمل ایک دستے نے پیر کی شب میں پونے دو بجے ندوۃ العلماء کے اطہر ہوسٹل پر چھاپہ مارا اور بغیر کوئی وجہ بتائے سات طلباء کو گرفتار کر لیا۔طلبہ کے احتجاج پر پولیس نے گولیاں چلائیں جس سے دو طلبہ زخمی ہوگئے۔جرم ثابت نہ ہونے پر منگل کو گرفتار شدگان کو رہا کر کے ندوہ پہونچادیا گیا۔

رپورٹ کے مطابق پولیس کے بعض جوان احاطہ کی چہار دیواری پھلانگ کر اندر گھس آئے اور چوکیدار کو دبوچ لیا۔انٹرکام کے تار کاٹ دئے اور چوکیدار کو دروازہ کھولنے پر مجبور کیا جب اس نے دروازہ کھولا تو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ۲۰ جوان اندر گھس آئے۔ پولیس نے ہوسٹل کے تمام کمروں کو باہر سے بند کردیا اور کمرہ نمبر ۲۰ کے دروازے پر دستک دی۔دروازہ کھولنے میں دیر ہوئی تو پولیس والوں نے اس کمرے کے تمام شیشے توڑ پھوڑ ڈالے بعد میں طلباء نے دروازہ کھول دیا۔اندر کے پانچ طلباء اور احتجاجیوں میں سے دو طلباء کو پکڑ لیا۔صدر مدرس مولانا رابع ندوی اور نائب صدر مدرس مفتی محمد ظہور کی بھی کوئی سنوائی نہ کی اور ساتوں طلباء کو گرفتار کر کے لے گئے۔کمرے کی چیزوں کو تہس نہس کردیا۔پولیس کسی خورشید نامی کشمیری نوجوان کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔سینئر ایس۔پی مسٹر گردرشن سنگھ کی کوشش سے طلباء

رہا ہوئے اور انہیں ندوہ پہونچادیا گیا۔

واقعے کی مذمت

ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے اس چھاپہ اور گرفتاری پر ریاستی حکومت سے سخت احتجاج کیا ہے۔ ریاستی حکومت نے اس واقعہ سے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ لکھنؤ رینج کے ڈپٹی انسپکٹر آف جنرل نے نامہ نگاروں سے بات کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا کہ پولیس سے غلطی ہوئی ہے۔ دہلی کے پولیس کمشنر مسٹر مکند بہاری کوشل نے بتایا کہ ہوسٹل میں تلاشی کے بعد جن چار طلباء سے پوچھ تاچھ کی گئی ان کا کشمیری دہشت گردوں سے کوئی تعلق ثابت نہیں ہوا ہے۔ مرکزی امور مملکت مسٹر راجیش پائلٹ نے پورے معاملے کی جانچ کرانے کا حکم دیا اور کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تلاشی لینے والی پولیس اور اسلامی ۔یونیورسٹی کے حکام کے درمیان رابطہ کا فقدان تھا۔ مولانا رابع ندوی نے ادارہ کے حکام کو اعتماد میں لئے بغیر اس غیر ضروری اور غیر قانونی چھاپہ کے لئے مرکزی وزارت داخلہ پر شدید نکتہ چینی کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس ادارہ کی ہر چیز سرکاری حکام کے لئے کھلی کتاب کی طرح ہے۔ اگر انہیں ہوسٹل کی تلاشی لینی تھی تو ہم ان کے ساتھ پوری طرح تعاون کرنے کو تیار تھے۔ علی میاں نے کہا کہ جس طرح اچانک چھاپہ مارا گیا اس کا مقصد ادارہ کے وقار کو مجروح کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ مذہبی اداروں کے خلاف سازش ہے پولیس کی کارروائی کی مذمت تقریباً سبھی علمی حلقوں نے کی ہے۔

فہرست رائے دہندگان سے ناموں کی کٹوتی: ایک سروے

نئی دہلی ۲۳؍ نومبر۔ این سیشن کی ہدایت کے مطابق دہلی میں فہرست رائے دہندگان کی از سر نو تکمیل کی جارہی ہے۔ یوں تو گزشتہ کئی ہفتوں سے یہ خبر گرم ہے کہ نئی فہرست میں اقلیتی فرقہ کے لوگوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے اور ان کے نام فہرست سے اڑادئے جاتے ہیں لیکن فہرست بنانے والوں کا ایک نیا کمال شاہدرا کی شری رام کالونی میں دیکھنے کو ملا جو کراول نگر اسمبلی حلقہ میں پڑتا ہے یہاں کے ووٹر لسٹ میں باپ کو ہندوستانی اور بیٹے کو غیر ملکی یا بالعکس مثالیں ملتی ہیں (حوالہ سانندھیہ مہا لکشمی بھاگیہ پودے مورخہ ۲۲؍ نومبر ۱۹۹۴ء)

چونکہ زیادہ رائے دہندگان ناخواندہ ہیں۔ ان کے پاس کوئی ایسی سند نہیں ہے کہ اپنے آپ کو ہندوستانی ثابت کرسکیں۔ ان کے پاس راشن کارڈ بھی ہے لیکن اسے کوئی وقعت نہیں دی جارہی ہے۔ زیادہ تر لوگ اتر پردیش، بہار اور مدھیہ پردیش کے گاؤں سے آکر بسے ہیں لیکن ان کے پاس کسی اسکول یا کالج کا سرٹیفکٹ نہیں ہے کہ اپنے کو ہندوستانی ثابت کرسکیں حالانکہ کئی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے گذشتہ پانچ یا چھ الیکشنوں میں ووٹ ڈالا ہے۔ اب ان کے لئے صرف ایک راستہ رہ گیا ہے کہ اپنے آبائی گاؤں سے گرام پنچایت یا مکھیا سے لکھوا کر لائیں لیکن یہاں زیادہ تر لوگ غریب ہیں سرٹیفکٹ لانے کے لئے سیکڑوں روپئے خرچ کرنے کی حالت میں بھی نہیں ہیں۔ نیز آفیسوں کے لئے ان ثبوتوں کو جھٹلانا بھی بعید از قیاس نہیں ہے۔ امید کہ دلی کی صوبائی حکومت ان مسائل پر خصوصی توجہ دے گی اور بمبئی کی مثال نہیں دہرائیگی جہاں چار لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو ووٹر لسٹ سے خارج کردیا گیا ہے۔

بقیۃ : مکتوب بنام وزیر اعظم

پادر ہوا ہو گئے۔

اب جبکہ حکومت ہند مہاجر کشمیری پنڈتوں کو واپس لانے میں کافی دلچسپی لے رہی ہے اور کشمیر کے بنیادی مسئلہ کا اندیشہ کئے بغیر انہیں وادی میں لوٹنے کی ترغیب دے رہی ہے انسانی حقوق کا تقاضہ ہے کہ ان کی باز آبادکاری سے پہلے ان لوگوں کی باز آبادکاری کا اقدام کیا جائے جو ۱۹۴۷ء میں جموں و کشمیر سے ہجرت کرگئے جبکہ ریاستی مقننہ نے ان کی باز آبادکاری کا قانون بھی پاس کر رکھا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ کشمیری پنڈتوں کے ساتھ ان مسلمانوں کو بھی واپس لوٹنے کی ترغیب دی جائے جو گزشتہ پانچ سالوں کے دوران سرحد پار چلے گئے یہی موقف مہاجر عوام کے سبھی فرقوں کے انسانی حقوق کے تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے۔

یہ امید کی جاتی ہے کہ مہاجرین کے مسئلے پر مہاجرین کے مسئلے کی حیثیت سے غور کیا جائیگا خواہ وہ کسی مذہب یا عقیدہ سے متعلق ہوں۔

مہربانی کرکے خط کی وصولیابی کی اطلاع دیں۔

خلوص کیش

شیخ غلام رسول آزاد

اپیل

رمضان ۱۴۰۰ھ جولائی ۱۹۸۰ء میں ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں "ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر" کے نام سے ایک دینی، تعلیمی، تربیتی، دعوتی اور رفاہی ادارہ قائم کیا گیا۔ اللہ کی توفیق و نصرت سے اب یہ ملک کا ایک نمایاں ادارہ بن چکا ہے اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلامی اور عربی علوم و معارف کے ساتھ اس میں عصری علوم و فنون کی تدریس و تعلیم بھی ہوتی ہے۔ یہاں نونہالان ملت کی دینی تربیت اور ان کی اخلاقی نشو ونما پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ اللہ کا بے پایاں شکرواحسان ہے کہ اس وقت سنٹر کے ماتحت حسب ذیل ادارے دہلی اور دہلی سے باہر پورے ملک میں اپنی بساط بھر اسلام اور اس کی سچی تعلیمات کی نشرواشاعت کے لئے سرگرم عمل ہیں۔

سنٹر کے موجودہ شعبہ جات وادارے۔

دہلی میں (۱) جامعہ اسلامیہ سنابل (۲) معہد التعلیم الاسلامی، جوگابائی (۳) معہد عثمان بن عفان لتحفیظ القرآن الکریم، سنابل (۴) ابوالکلام آزاد بوائز اسکول، جوگابائی (۵) خدیجۃ الکبریٰ گرلس اسکول، جوگابائی (۶) شعبۂ صنعت وحرفت (معہد المھن والصناعات) سنابل (۷) شعبۂ کمپیوٹر (عربی، انگلش، اردو) جوگابائی (۸) شعبۂ آڈیو، ویڈیو، جوگابائی (۹) تعلیمی و تربیتی کمیٹی، جوگابائی (۱۰) مجمع البحوث العلمیہ الاسلامیہ (اسلامک سائنٹیفک ریسرچ اکیڈمی) جوگابائی (۱۱) مجلس الفقہ الاسلامی، جوگابائی (۱۲) شعبۂ دعوت و تبلیغ، جوگابائی (۱۳) ادارہ بناء المساجد و تدریب الائمہ والخطباء، جوگابائی (۱۴) جمعیۃ خیریہ اسلامیہ (اسلامک ویلفیر سوسائٹی) جوگابائی (۱۵) ابوالکلام آزاد ریلیف کمیٹی، جوگابائی (۱۶) چیری ٹیبل ڈسپنسری، جوگابائی (۱۷) چیری ٹیبل ڈسپنسری، سنابل (۱۸) جنرل لائبریری، ذاکر نگر (۱۹) شعبۂ اکاؤنٹ، جوگابائی (۲۰) شعبۂ قانونی امور، جوگابائی (۲۱) شعبۂ تعمیرات وجائداد، جوگابائی

بیرون دہلی (۱) شعبۂ تعلیم ودعوت و تبلیغ ورفاہ عام، بمبئی (مہاراشٹر) (۲) معہد التعلیم الاسلامی، بستی (یوپی) (۳) ابوالکلام آزاد بوائز اسکول، بستی (یوپی) (۴) خدیجۃ الکبریٰ گرلس اسکول، بستی (یوپی) (۵) کوچنگ کلاس برائے اسلامیات، بستی (یوپی) (۶) چیری ٹیبل ڈسپنسری، بستی (یوپی) (۷) کلیۃ البنات الاسلامیہ، گینسڑی بازار گونڈہ (یوپی) (۸) دارالعلوم، جوریہ (آسام) (۹) مدرسہ سلفیہ، تندوا، سدھارتھ نگر (یوپی) (۱۰) مدرسہ مصباح العلوم، تلسڑی (یوپی) (۱۱) معہد التعلیم الاسلامی موراکیہار (بہار) (۱۲) جامع مسجد و مدرسہ محمدیہ، گور، بستی (یوپی) (۱۳) المعہد العالی للدعوۃ الاسلامیہ، علی گڑھ (یوپی) (۱۴) معہد الصالحات، اونرہوا گونڈہ (یوپی)

مذکورہ بالا اداروں میں ایک سو ستہتر (۱۷۷) اساتذہ اور دوسرے کارکن پوری دلچسپی اور لگن کے ساتھ کام کررہے ہیں اور تقریباً ڈھائی ہزار بچے اور بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ اور پانچ سو چار بیرونی طلباء ہیں جن کی مکمل کفالت مرکز کرتا ہے۔ مرکز کا اس سال کا سالانہ تعلیمی بجٹ ساٹھ لاکھ (=/۶۰۰۰۰۰۰) روپے ہے۔ اس بجٹ کی فراہمی کے لئے امسال رمضان کے مبارک مہینہ میں سنٹر کے درج ذیل نمائندے ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ کریں گے۔ انشاء اللہ

مولانا یار محمد صاحب سلفی

دہلی، آگرہ، مالیگاؤں، ناندیڑ، اورنگ آباد، احمد نگر، شولاپور، تھانہ، بھیونڈی، تکولی، مہسلہ، پابد، نگڑی، مجگاؤں، سروا، روہا، کھیرا، چوروڈا، بمبئی و مضافات۔

مولانا نثار احمد صاحب سلفی

(مشرقی یوپی میں) مئوناتھ بھنجن کلاں گوپال گنج نرائن نگر بنارس گھوسیا مبنی پور روہتا مئو آئمہ املو مبارکپور۔
(بنگال میں) آسنسول کلکتہ (مغربی یوپی میں) میرٹھ سکندر آباد بلند شہر حاتم آباد ٹیالہ بھوجپور مراد آباد شکوہ آباد اٹاوہ قنوج کانپور لکھنؤ وغیرہ۔

مولانا اشیر الدین صاحب سلفی

دھولپور باڑی گنگاپور سٹی سوائی مادھوپور کیشورائے پاٹن کوٹہ ساکیت بیگود بھیلواڑہ گلاب پورہ بھنائے کیکڑی سرواڑ نصیر آباد جے پور جھنجھنو کھنڈیلہ فتح پور سیکر لاڈنو ڈیڈوانہ مکرانہ جیتارن جودھپور وہریانہ کے علاقے۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب سلفی

آرہ داناپور پٹنہ مظفرپور سیتامڑھی دربھنگہ مدھونی بھوارہ مدھوپور گریڈیہہ ڈابھاکینڈ رام پورہ نرائن پور کھیریاواں پوکھریا دھنباد مدن پور وبہار کے دیگر علاقے۔

امید کہ رمضان کے اس بابرکت مہینہ میں آپ اور دیگر ہمدردان و مخلصین جماعت وملت خود بھی بھرپور تعاون کریں گے۔ اور اپنے احباب و متعارفین کو بھی زیادہ سے زیادہ تعاون پر آمادہ فرمائیں گے۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَخَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا (المزمل: ۲۰)
(جو خیر تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں زیادہ پاؤ گے)

اپیل کنندگان

۱۔ عبدالحمید رحمانی صدر ۲۔ سید عبدالقدوس نقوی (دہلی) ممبر ۳۔ محمد یونس (بنارس) نائب صدر
۴۔ عاشق علی اثری جنرل سکریٹری ۵۔ عبداللطیف (بنارس) نائب سکریٹری ۶۔ شیخ عطاء الرحمٰن مدنی خازن
۷۔ ڈاکٹر زاہد حسین خان (دہلی) ممبر ۸۔ شیخ صلاح الدین مقبول احمد ممبر ۹۔ شیخ عمر بن احمد ملیباری ممبر
۱۰ الحاج محمد عبیداللہ (مدراس) ممبر ۱۱۔ سید محمد عبدالسمیع مدنی (بہار) ممبر ۱۲۔ عبدالستار رحمانی (مالدہ) ممبر
۱۳۔ فرید احمد (بستی) ممبر ۱۴۔ فصیح الدین خان (گونڈہ) ممبر ۱۵۔ عبدالکریم سلفی (دہلی) ممبر

مرکز کا اکاؤنٹ نمبر اور بینک

صرف درج ذیل نام ہی سے ڈرافٹ یا چک بنوایا جائے۔

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر	ABULKALAM AZAD ISLAMIC AWAKENING CENTRE
اکاؤنٹ نمبر ۷۳۴	A/C734
سنٹرل بینک آف انڈیا	CENTRAL BANK OF INDIA
جامعہ نگر نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵	JAMIA NAGAR NEW DELHI-110025

مراسلت کا پتہ: دفتر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر ۴ جوگابائی نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
ABUL KALAM AZAD ISLAMIC AWAKENING CENTRE
4-JOGABAI NEW DELHI-110025 PH: 6842920, 6821856

بدل اشتراک
خصوصی ممبر (سالانہ) ۱۵۰۰/۰۰ روپے
ہمدرد (سالانہ) ۵۰۰/۰۰ روپے
عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۰۰/۰۰ روپے
ششماہی ۵۵/۰۰ روپے
پاکستان وبنگلہ دیش
عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۲۵/۰۰ روپے
غیر ممالک سے
۳۵ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی

خط وکتابت کا پتہ
ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی
۳-c/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵
AL-TAUTYAH Monthly
161/c-3 Joga Bai
New Delhi-110025
فون: ۶۸۲۱۸۲۷

پرنٹر پبلشر محمد الیاس سلفی نے الفا آفسیٹ پرنٹنگ پریس سے چھپواکر ماہنامہ "التوعیہ" ۳-c/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب

فکر ونظر

مقالات

نظم

متفرقات

فکرونظر

ابن احمد نقوی

شکست کے بعد

کرناٹک اور آندھرا کے اسمبلی انتخابات میں کانگریس کی عبرتناک شکست نے نہ صرف وزیر اعظم اور صدر کانگریس نر سمہاراؤ کی پوزیشن کو خراب اور قیادت کو متزلزل کردیا ہے بلکہ ملک میں کانگریس کے مستقبل پر بھی گہرا سوالیہ نشان لگادیا ہے اور پارٹی ایک ایسے ہی انتشار سے دوچار ہوگئی ہے جیسے کہ وہ اندرا گاندھی کے دور میں شکست سے ہوئی تھی لیکن اس وقت اندرا گاندھی اپنی کرشمہ ساز شخصیت کے ساتھ موجود تھیں انہوں نے اس شکست کے بعد بھی پارٹی کو سنبھال لیا اور کانگریس پھر ایک بار پورے ملک پر چھاگئی۔ نر سمہاراؤ کی شخصیت میں نہ وہ کرشمہ ہے نہ ان کے پیچھے وہ عظیم ملکی خدمات ہیں جو نہرو خاندان کا ورثہ رہیں اور جس کے سبب اس خاندان کو آج بھی عقیدت و احترام حاصل ہے۔ اس لئے اب پارٹی میں کھل کر یہ سوال پوچھا جارہا ہے کہ ان حالات میں پارٹی کو کون سہارا دے گا اور اس کے جواب میں بہت سی نگاہیں اور ہاتھ نمبر ۱۰ جن پتھ کی طرف اشارہ کررہے ہیں جو مقتول وزیر اعظم راجیو گاندھی کی بیوہ مسز سونیا گاندھی کی رہائش گاہ ہے۔ نہ صرف نگاہیں ادھر اٹھ رہی ہیں بلکہ مطالبے بھی شروع ہوگئے ہیں کہ اگر کانگریس کو بچانا ہے فروری ۹۵ء کے صوبائی الیکشنوں اور ۱۹۹۶ء کے عام انتخابات میں اسے کامیاب کرانا ہے تو نہرو خاندان کو قیادت کا علم دینا ہوگا اور مسز سونیا گاندھی کو یہ ذمہ داری قبول کرنی چاہئے نر سمہاراؤ وزیر اعظم اور صدر کانگریس رہیں لیکن کارگزار صدر کسی کرشمہ ساز اور عوامی مقبولیت و عقیدت رکھنے والی شخصیت کو بنایا جائے۔

سونیا گاندھی اب تک سیاست سے کنارہ کش رہی ہیں اور انہوں نے عملی سیاست میں آنے کے مطالبات کو منظور نہیں کیا ہے۔ ایک تو وہ سیاسی مزاج کی نہیں ہیں دوسرے نسلاً ہندوستانی نہیں اطالین ہیں۔ راجیو گاندھی سے شادی کے بعد بھی وہ سیاست میں ان کی شمولیت کے خلاف تھیں بلکہ بات یہاں تک بڑھی کہ وہ اپنے شوہر کو جب سیاست کے سمندر میں غوطہ لگانے سے نہ روک سکیں تو ان سے علیحدگی تک کی دھمکی دینے لگی تھیں۔ راجیو گاندھی ملک کے پر پیچ اور گندی سیاست کے مرد میدان نہیں تھے وہ فطرتاً راست باز اور سادہ طبیعت انسان تھے انہیں خود ان کے حاشیہ برداروں نے دھوکہ دیا اور وہ جو ملک کی امیدوں کا نشان بن کر ابھرے تھے۔ بوفورس توپوں کی باڑھ کا شکار ہوکر ختم ہوگئے لوگوں نے راجیو کے بعد جانا کہ راجہ وی پی سنگھ جو بوفورس اور بی جے پی کے کندھوں پر سوار ہوکر اقتدار کی کرسی تک پہونچے تھے ان کی قیادت کتنی کمزور اور بے بنیاد تھی۔ ۱۹۹۱ء کے انتخابات میں راجیو گاندھی پھر ابھرے اور انہوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ اعلان کیا تھا کہ میں پھر وزیر اعظم بنوں گا لیکن سری پیرم بدور میں ان کی زندگی کا آخری باب لکھ دیا گیا۔ الیکشن میں کانگریس جیت تو نہ سکی تاہم سب سے بڑی پارٹی کے ناطے اسے وزارت سازی کا موقع مل گیا۔ اس وقت پارٹی اپنی زندگی کے بدترین انتشار سے دوچار تھی۔ راجیو گاندھی کے قتل نے کانگریس کو بالکل بے دست وپا کردیا تھا۔ کانگریس آزادی کے بعد سے اب تک صرف نہرو خاندان کی چھتر چھایا میں پل رہی تھی یہ پہلا موقع تھا کہ اس خاندان کا کوئی فرد اسے سنبھالنے یا سہارا دینے کو موجود نہیں تھا۔ جواہر لال مرے تو اندرا گاندھی موجود تھیں جنہوں نے کچھ ہی عرصہ میں قیادت کا سنگھاسن سنبھال لیا۔ ایمرجنسی کے دور میں انہوں نے سنجے گاندھی کو مستقبل کے نیتا کے طور پر ابھارا اور قوم نے سنجے کو اسی طرح قبول کرلیا جب سنجے چل بسے تو راجیو نے اپنی ماں کا بوجھ بٹایا اور ان کے بعد وہی ملک کے وزیر اعظم بنے لیکن

ان کی بے وقت موت سے کانگریس یتیم ہوگئی پر یہ نیکا اور راہل ولی عہد کے طور پر تو ابھارے جاسکتے تھے اگر راجیو گاندھی دس بیس سال اور جیتے تو کانگریس کو نہرو خاندان سے دو اور ابھرتے ہوئے لیڈر مل سکتے تھے۔ ویسے سنجے کے بعد سنجے وچار منچ بنایا گیا تھا اکبر ڈمبی جیسے لوگوں نے ان کی امیج ابھارنے کی کافی کوشش کی لیکن سنجے کی بیوہ مینکا گاندھی نہرو خاندان کی وارث نہ بن سکیں نہ ان کے بیٹے ورن کو وہ مقام مل سکا جو راجیو کی اولاد کو ملا۔ راجیو گاندھی کے بعد جب کانگریس کی قیادت اور ملک کی وزارت عظمیٰ سنبھالنے کا مسئلہ آیا تو کافی کشمکش ہوئی۔ ارجن سنگھ اس کے دعویدار تھے۔ شرد پوار جنہوں نے مہاراشٹر میں کانگریس کو کامیابی دلائی تھی وہ بھی مضبوط امیدوار تھے لیکن انتخاب جنوبی ہند کے نرسمہا راؤ کا ہوا حالانکہ وہ اپنی کبر سنی کے سبب سیاست سے سنیاس لینے کا ارادہ کر چکے تھے اور ۱۹۹۱ء کے الیکشن میں امیدوار بھی نہیں بنے تھے۔ اب چونکہ قیادت کا لبادہ ان کے کندھوں پر ڈال دیا گیا اس لئے وہ سنیاس تیاگ کر میدان میں آگئے۔

یہ تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ جنوب کو ملک کی قیادت کا بوجھ سنبھالنا پڑا۔ اب تک مرارجی ڈیسائی کو چھوڑ کر سارے وزیر اعظم شمال یعنی اتر پردیش کے ہوئے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ جنوب میں ابھی سیاسی کرپشن شمال جیسی نہیں ہے اس لئے ملک کے لئے یہ اچھا شگون ہے کہ جنوب کا ایک تجربہ کار سیاستداں ملک کا وزیر اعظم بن رہا ہے۔ نرسمہا راؤ وزیر اعظم بن گئے تو جنوب میں فخر کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جب وزیر اعظم نے آندھرا سے لوک سبھا کی ممبری کے لئے الیکشن لڑنے کا ارادہ کیا تو آندھرا میں کانگریس کی سب سے بڑی حریف پارٹی تیلگو دیشم کے سربراہ این ٹی راما راؤ نے اعلان کیا کہ چونکہ ملک میں پہلی بار آندھرا کا بیٹا وزیر اعظم بنا ہے اس لئے تیلگو دیشم نرسمہا راؤ کے مقابلہ میں امیدوار کھڑا نہیں کرے گی اس طرح نرسمہا راؤ بغیر کسی پریشانی کے لوک سبھا کے ممبر منتخب ہوگئے ملک کو راجیو گاندھی کی طرح نرسمہا راؤ سے بھی بڑی امیدیں تھیں۔ لیکن جلد ہی لوگوں کی امیدیں مایوسی میں بدل گئیں۔ اور جب ان کی زندگی کے واقعات سے پتہ چلا کہ نظام شاہی دور میں انہیں ریاست بدر ہونا پڑا تھا تو وہ ناگپور چلے گئے (جو آر ایس ایس کا ہیڈ کوارٹر ہے) اور وہاں آر ایس ایس سے کافی قریب رہے تو بہت سے لوگوں کا ماتھا ٹھنکا کہ ماضی کی قربت کے جراثیم ابھی زندہ ہوسکتے ہیں۔ ۶؍ دسمبر ۱۹۹۲ء کو جو کچھ ہوا اس نے اس بات کی کافی حد تک تصدیق کردی کہ لوگوں کا اندیشہ غلط نہیں تھا۔ کانگریس کے وزیر اعظم نے اس تاریخ کو وہی کیا جو آر ایس ایس (بی جے پی) کا وزیر اعظم کر سکتا تھا۔ آزاد ہندوستان کی تاریخ کا یہ بدترین حادثہ گذر گیا لیکن اپنے پیچھے نفرت، تلخی بیزاری کے جو اندھیرے چھوڑ گیا اس سے ملک ابھی تک نہیں نکل سکا ہے۔

وزیر اعظم نے اس حادثہ کے بعد قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بابری مسجد اسی مقام پر دوبارہ تعمیر کی جائے گی مگر جلد ہی وہ اپنا وعدہ بھول گئے اور اب ان کی زبان پر صرف ایک ہی وعدہ رہ گیا کہ رام مندر ضرور بنے گا۔ ان کے اس طرح رنگ بدلنے نے مسلمانوں کو ان کی پارٹی سے بالکل منحرف کردیا، بابری مسجد کے بعد ان کی سرکار نے ملک کو ٹاڈا کا تحفہ دیا اور ہزاروں اقلیتی افراد اس کے شکنجے میں اب بھی کسے ہوئے ہیں۔ اسی کے ساتھ سنگھ پریوار نے بنگلہ دیشیوں کے پردے میں غریب اور پسماندہ مسلمانوں کو پریشان کرنے کی ملک گیر مہم شروع کی اور کانگریس نے اس کا ساتھ یوں دیا کہ مہاراشٹر میں جہاں شرد پوار کی سربراہی میں کانگریسی حکومت ہے اور حکم شوسینا کے بال ٹھاکرے کا چلتا ہے، لاکھوں مسلمانوں کو نوٹس جاری کئے گئے کہ وہ اپنے ہندوستانی ہونے کا دستاویزی ثبوت پیش کریں۔ آئی ایس آئی کی سرگرمیوں کے نام پر بھی نہ جانے کتنے پکڑے گئے اور اب دینی مدارس پر چھاپے مارے جانے لگے۔ غرض ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف ایک ہمہ جہتی مہم شروع کردی گئی۔ ان حالات میں اگر مسلمان کانگریس سے برگشتہ ہوئے تو اس میں ان کا کیا قصور ہے۔ اقلیتی مالیاتی کارپوریشن اور ریزرویشن جیسے سنہرے وعدوں یا کھلونوں سے مسلمانوں کے وہ زخم مندمل نہیں ہوسکتے جو بابری مسجد کے انہدام، ٹاڈا اور شہریت کے ثبوت جیسی دل آزار کارروائیوں سے لگے ہیں ارجن سنگھ نے بابری مسجد کے انہدام کے بعد تجویز کیا تھا کہ کانگریس کو اس معاملے میں اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے مسلمانوں سے معافی مانگنی چاہئے۔ ان کی اس تجویز کو کانگریس ورکنگ کمیٹی (سی ڈبلیو سی) میں رد کردیا گیا اور دلیل یہ دی گئی کہ کانگریس

اس میں ملوث ہی نہیں ہے یہ تو بی جے پی سرکار کی کاروائی تھی۔ ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا سابق وزیر اعلیٰ بہار ایک عرصہ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ کانگریس کو سیاسی مفاد اور مصلحت سے بلند ہو کر بابری مسجد کی اسی جگہ تعمیر کرانی چاہیے خواہ اس کے لئے پارٹی کو انتخابی شکست کا وقتی زخم ہی کیوں نہ سہنا پڑے' آج تک ڈاکٹر مشرا کی بات کو در خور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں شکوہ کیا گیا کہ جنوبی ہند میں ملائم سنگھ یادو نے کانگریس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا کہ بابری مسجد کانگریس نے گروائی اور ندوۃ العلماء پر چھاپہ بھی مرکز کے اشارے پر مارا گیا۔ لیکن شکوہ کرنے والوں میں یہ حوصلہ نہیں تھا کہ وہ اعتراف کرسکتے کہ اقلیتوں کو کانگریس سے جو شکایت ہے اس کا ازالہ ہونا چاہئے اور کانگریس واقعی بڑی حد تک قصوروار ہے۔ ورکنگ کمیٹی نے مسلم وزراء اور ممبران پر مشتمل ایک پینل بنایا تاکہ وہ اقلیت اور کانگریس کے درمیان پیدا شدہ خلیج کو پر کرنے کے لئے تجاویز پیش کرے۔ پینل نے بابری مسجد 'ٹاڈا اور شہریت کے ثبوت کو اس مغائرت کی اصل بنیاد قرار دیا ہے۔ ٹاڈا کو ختم کرنے کا مطالبہ ہر انصاف پسند ہندوستانی کر رہا ہے قومی حقوق انسانی کمیشن کے چیئرمین جسٹس رنگاناتھ مشرا نے کھل کر اسے بنیادی حقوق کے خلاف بتایا ہے اور پھر سپریم کورٹ میں اسے چیلنج کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے لیکن وزیر داخلہ چوہان نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا ہے کہ ٹاڈا کو ختم نہیں کیا جائے گا مسلمان یہ پوچھتے ہیں کہ اس کالے قانون کا شکار صرف مسلمان ہی کیوں ہیں' بال ٹھاکرے جس نے بمبئی میں قتل عام کیا اس پر اس کا اطلاق کیوں نہیں ہوتا سنگھ پریوار کے بجرنگ دل دہشت گرد اور اوما بھارتی جیسے شورش پسند اس کے زیر سایہ کیوں نہیں آتے۔ اگر مسلمان یہ کہتے ہیں کہ سنگھ پریوار کی سرکار ہوتی تو وہ بھی ان کے خلاف اس سے زیادہ اور کیا کرتی' تو ظاہر ہے ان کا کہنا بے جا نہیں ہے آخر بال ٹھاکرے اور شرد پوار میں کیا فرق ہے؟ اگر مہاراشٹر میں شوسینا کی حکومت ہوتو وہ بھی مسلمانوں کو ایسے ہی نوٹس دیتی جیسے شرد پوار کی کانگریس سرکار نے دئے ہیں۔ اب حالات یہی رخ اختیار کر رہے ہیں کرناٹک میں ہبلی کی عید گاہ پر یلغار کرکے اور اردو خبروں کے خلاف شورش پھیلا کر بی جے پی چالیس سیٹیں لے گئی اور دوسری بڑی پارٹی بن گئی جب کہ کانگریس ۳۵ سیٹوں سے زیادہ حاصل نہ کر سکی۔

گوا کی چالیس ممبران کی اسمبلی میں بھی بی جے پی ۴ سیٹوں پر جیتی ہے۔ فروری کے انتخابات میں وہ گجرات میں زیادہ پاؤں پھیلانے کی کوشش کرے گی وہاں ہندوتو کا اثر پہلے ہی زیادہ ہے۔ کانگریس شکست کے ساتھ ہی بینک سکنڈل اور شکر سکینڈل میں پھنسی ہوئی ہے۔ شنکر آنند' اور کلپ ناتھ رائے کے نام ان گھپلوں میں علانیہ لئے جارہے ہیں۔ کانگریس اس وقت بے حوصلہ ہو رہی ہے۔ اور سہارا ڈھونڈ رہی ہے' سب سے بڑی مایوسی کی بات یہ ہے کہ وزیر اعظم خود اپنے گھر آندھرا پردیش میں ہی کانگریس کو نہیں جتاسکے۔ ان کا اپنا بیٹا بھی الیکشن میں ہار گیا۔ تیلگو بدا کا نعرہ کوئی کرشمہ نہیں دکھا سکا۔ اور شکست کے لئے عذر یہ تراشا جارہا ہے کہ این ٹی راما راؤ نے ۲ روپئے کلو چاول دینے کا جھانسہ دے کر الیکشن جیتا ہے۔ اس سے پہلے ہریانہ میں دیوی لال نے کسانوں کے قرضے معاف کرنے کا نعرہ دے کر کانگریس کو ہرایا تھا شعبدہ بازی ہماری قومی سیاست کی شناخت ہے کانگریس اس کا شکوہ نہیں کر سکتی کہ وہ شعبدوں اور ان کی کشش سے بے خبر ہے۔ اصل یہ ہے کہ اقلیتوں کی کانگریس سے بیزاری اور پسماندہ طبقات کی بے رخی نے کانگریس کو زوال آشنا کیا ہے پھر مرکزی قیادت کا ریاستی کانگریس پر جبر بھی اس کا ذمہ دار ہے۔ کانگریس میں اندرونی جمہوریت نہ ہونے کی بات ڈھکی چھپی نہیں ہے اس سے ریاستی کارکنوں میں بددلی پھیلتی ہے خویش پروری دوسروں میں حق تلفی کی تلخی پیدا کرتی ہے اور وہ اندر اندر پارٹی کے خلاف کام کرتے ہیں۔ جنتادل کی مرکزی قیادت نے امیدواروں کے انتخاب کا معاملہ ریاستی یونٹ پر چھوڑ دیا جبکہ کانگریس کی مرکزی قیادت خود ٹکٹ بانٹتی رہی اور نتیجہ سامنے ہے۔ جنتادل پچھلے سال یوپی اور دیگر ریاستوں میں شکست کے بعد مردہ ہو گیا تھا اور بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ قومی سیاست میں اس کا کردار ختم ہو گیا لیکن کرناٹک میں جیت کر اس نے پھر زندگی کی پھریری لی ہے۔ اڑیسہ اور بہار میں اگر وہ اپنا اقتدار قائم رکھ سکا تو وہ پھر کانگریس کا متبادل بننے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ کانگریس کو اگر کوئی مسیحا مل گیا تو شاید وہ دوبارہ کھڑی ہو سکے ورنہ دوسری جگہ بھی اس کا حشر یوپی' آندھرا اور کرناٹک جیسا ہو سکتا ہے۔

ندوۃ العلماء پر چھاپہ

ندوہ پر انٹلی جنس بیورو (آئی بی) کی یلغار نے قومی سیاست میں خاصی ہلچل مچادی ہے۔ بی جے پی اپنی سرشت کے مطابق اس مسئلہ کو بھی مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کے لئے استعمال کر رہی ہے اس کے بڑے بڑے لیڈر یہ تاثر دے رہے ہیں کہ مسلمانوں کے دینی تعلیمی ادارے پاکستان کی آئی ایس آئی کے ایجنٹوں کا مامن و مسکن بن گئے ہیں۔ پارلیمنٹ میں جب چند مسلم ممبران نے ندوہ پر چھاپے پر تشویش کا اظہار کیا تو بی جے پی کے "مسلم دوست" نیتا اٹل بہاری باجپئی نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ یہ مسئلہ اس انداز سے اٹھایا جارہا ہے گویا ہندوستان میں اسلام خطرے میں ہے۔ سنگھ پریوار کو اس سے بڑی تکلیف پہنچی ہے کہ مرکزی اور ریاستی سرکاروں نے اس کاروائی پر معذرت کا اظہار کیا ہے وہ اسے بھی حضرت بل جیسا واقعہ قرار دے رہے ہیں جہاں بقول سنگھ پریوار بھارت سرکار نے آتنک وادیوں کو بریانی کھلائی تھی اور ان کی خوشامد (اپیزمنٹ) میں بچھ گئی تھی۔ آر ایس ایس کی شاکھاؤں اور سنگھ پریوار کے حلقوں میں مسلمانوں کی اپیزمنٹ (خوشامد) کا لفظ ایک سکہ بند اصطلاح ہے ہر فسطائی ہر موقعہ پر اسی کی رٹ لگاتا ہے، ندوہ کے معاملے میں بھی سنگھیوں کو اپیزمنٹ ہی دکھائی دی۔ انہیں اس بات پر کوئی افسوس نہیں ہے کہ پولس نے نہتے طلبہ پر گولی چلائی، ہاں اس کا ماتم ضرور ہے کہ جو طلبہ پکڑے گئے انہیں رہا کیوں کیا گیا ندوہ پر چھاپہ غلط تھا یا صحیح اس پر اب بھی بحث جاری ہے کچھ ماہرین اسے قانونی پہلو سے دیکھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ انٹلی جنس بیورو کو اس کا حق ہے کہ وہ کسی بھی مشتبہ یا مطلوب شخص کو گرفتار کرنے کے لئے کسی بھی جگہ چھاپہ مار سکتا ہے اس کے لئے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے جب کہ مرکزی اور ریاستی سرکاروں کا کہنا یہ ہے کہ سرکاری منظوری کے بغیر اس قسم کی کاروائی نہیں کی جانی چاہئے۔ مرکز و ریاست دونوں نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ انٹلی جنس کے ذمہ داروں نے ندوہ پر چھاپہ مارنے کے لئے انہیں مطلع کیا تھا یا ان سے اجازت مانگی تھی۔ ظاہر ہے ماہرین کے مقابلے میں سرکاری رائے زیادہ معقول ہے۔ تعلیمی اداروں کا وقار اور خود اختیاری (آٹونومی) کا لحاظ ایک اہم جمہوری روایت ہے۔ یونیورسٹیوں کی کیمپس میں وی سی کی اجازت یا طلب کے بغیر پولس داخل نہیں ہوسکتی۔ تعلیمی اور انتظامی امور میں بھی سرکاری مداخلت کو ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ یونیورسٹیوں میں طلباء کی شورش ہوتی ہے، ہنگامے ہڑتالیں ہوتی ہیں بعض اوقات مجرمانہ وارداتیں بھی ہوتی ہیں لیکن ان سب سے نمٹنا یونیورسٹی کے ذمہ داروں کے سر ہوتا ہے۔ پولس براہ راست دست اندازی نہیں کرتی اور جب یونیورسٹی کے ارباب اختیار کے طلب کرنے پر پولس کیمپس میں داخل ہوتی ہے تو بھی کاروائی میں احتیاط کا دامن نہیں چھوڑتی کیونکہ طالب علم قوم کی امانت ہوتے ہیں اور ملک و قوم کے مستقبل کے امین، ان سے اسی طرح برتاؤ کیا جاتا ہے جس طرح والدین اپنی سرکش اولاد سے کرتے ہیں اور حتی الامکان سمجھا بجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان اداروں میں یہی طرز عمل مناسب بھی ہے لیکن ندوہ میں ایسا کچھ نہیں کیا گیا نہ وہاں کے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی نہ طلباء سے نرمی کا برتاؤ کیا گیا پولس اس طرح اسلحہ سے لیس ہوکر گئی جیسے خونخوار اور خطرناک دہشت گردوں کے مقابلے میں جارہی ہو۔ طلبہ کو گرفتار کئے جانے کی دیگر طلبہ کی طرف سے مزاحمت بالکل فطری بات تھی لیکن نہتے طلبہ کو منتشر کرنے کے لئے گولی چلانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ مزاحمت کرنے والے مسلح نہیں تھے اس لئے یہ عذر نہیں تراشا جاسکتا کہ پولس نے اپنی حفاظت کے لئے گولی چلائی۔ ذرا سوچئے کیا پولس اور آئی بی لکھنؤ یونیورسٹی کے کسی ہوسٹل پر اس طرح چھاپہ مار سکتی تھی۔ کیا بنارس ہندو یونیورسٹی کے طلباء پر گولی چلانے کی اتنی آسانی سے ہمت کرسکتی تھی اور کیا ان یونیورسٹیوں پر چھاپہ مار کر یا گولی چلا کر وہ پورے ملک کی طلباء برادری کے غیظ و غضب سے محفوظ رہ سکتی تھی اور کیا بنارس میں ہوئے ایسے واقعہ پر سنگھ پریوار پولس اور انٹلی جنس کی اس طرح حمایت کرسکتا تھا ہماری سیاست انتظامیہ اور معاشرے میں یہ دھرے معیار اب اتنے عام ہوگئے ہیں کہ اس پر نہ کسی کو تشویش ہوتی ہے نہ ندامت۔ طلباء برادری کا اتحاد بڑا اٹوٹ مانا جاتا ہے کئی بار ایسا ہوا کہ مغرب کی کسی یونیورسٹی میں طلباء نے احتجاج کیا تو ہندوستانی یونیورسٹیوں کے طلبہ نے ان کی حمایت و ہمدردی میں آواز بلند کی۔

کیونکہ طلباء عالمی برادری کا رشتہ مانتے ہیں لیکن جب ندوہ پر چھاپہ مارا گیا تو نہ لکھنؤ یونیورسٹی کے طلباء نے احتجاج کیا نہ بنارس ہندو یونیورسٹی سے کوئی آواز اٹھی۔ احتجاج ہوا تو صرف علی گڑھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ سے۔ یعنی اب طلبہ کی برادری بھی فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم ہو گئی ہے۔ اور چونکہ سنگھ پریوار اور انتظامیہ میں موجود اس کے ہمدردوں نے یہ بات سب کے دماغوں میں بٹھا دی ہے کہ مسلمانوں کے تمام تعلیمی ادارے خصوصاً مدرسے آئی ایس آئی کی ایجنٹوں کی پناہ گاہ بن گئے ہیں اس لئے مدرسے پر چھاپہ مارے جانے کو اکثر لوگ ایک کارنامہ سمجھتے ہیں اور آنکھیں بند کر کے پولس کی کاروائی کی حمایت کرنے لگتے ہیں مغائرت بے نیازی اور بے مہری کے یہ مظاہرے بھی اب ہمارا قومی مزاج بن چکے ہیں اور سب جان گئے ہیں کہ اپنی صلیب خود ہی اٹھانی ہے اس لئے اب کوئی کسی سے شکوہ بھی نہیں کرتا۔ مسلمانوں کے لئے یہ دوہرا عذاب ہے بابری مسجد کے انہدام نے انہیں آزمائش کے ایک بیکراں سمندر میں ڈھکیل دیا ہے۔ بابری مسجد توڑنے والے کارسیوک تو ہار پھول پہن کر بحفاظت تمام اپنے گھروں کو پہونچا دئے گئے مگر مسلمانوں کے لئے ٹاڈا اور آئی ایس آئی کا شکنجہ تیار کر دیا گیا اب جسے چاہو آئی ایس آئی کا ایجنٹ کہہ کر ٹاڈا میں پکڑ لو نہ داد نہ فریاد۔ اندرا گاندھی نے ایک بار کلکتہ میں فرقہ واریت کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہندوستان میں مسلمان پاکستان کے ایجنٹ نہیں ہو سکتے اس لئے کہ اقلیت میں ہونے کے سبب ہر وقت سب کی نگاہ ان پر رہتی ہے ۔ لیکن آج کے سیاستدانوں' یا ارباب اقتدار میں یہ صداقت تسلیم کرنے کی ہمت نہیں ہے وہ تو سنگھ پریوار کا فلسفہ ہی سمجھتے ہیں کہ مسلمان حملہ آوروں کی اولاد ہیں اور دیش بھگت نہیں ہیں۔ اور اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آر ایس ایس کا فلسفہ ہی ہمارا قومی فلسفہ بنتا جا رہا ہے۔ ان حالات میں دینی مدارس کے طلباء' اساتذہ اور ذمہ داروں کے لئے کیا لائحہ عمل ہونا چاہئے یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر علماء اور مدارس کے ذمہ داروں کو سنجیدگی اور گہرائی سے سوچنا چاہئے۔ اس میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ مرکز اور ریاستوں میں ہر جگہ اور ہر سطح پر سنگھ پریوار کے ہمدرد اور تابعدار افراد موجود ہیں۔ اور وہ وہی کرتے ہیں جو بچپن سے ان کے ذہنوں میں بٹھلا دیا گیا ہے ہر جگہ کی انتظامیہ میں وہ گروہ موجود ہے جو شاکھاؤں اور ودیا مندروں میں پروان چڑھا ہے۔ مذہبی تفریق اور فرقہ وارانہ منافرت ان کے خون میں دوڑا دی گئی ہے۔ فسطائی اس منافرت کو حصول اقتدار کے لئے زندہ ہی نہیں رکھتے بلکہ اس کی وہ پوری منصوبہ بندی سے آبیاری کرتے ہیں اور اس سے فوری فائدہ بھی حاصل کرتے ہیں۔ ہبلی کی عیدگاہ کے میدان میں قومی جھنڈا لہرانے کے سوال پر ہنگامہ کر کے انہوں نے کرناٹک میں چالیس سیٹیں جیت لیں۔ شہریت کا تنازعہ کھڑا کر کے لاکھوں مسلمانوں کو ووٹ کے حق سے محروم کرا دیا اس طرح مسلمانوں کے جو ووٹ سیکولر پارٹیوں کو مل سکتے تھے وہ کٹ گئے اور سنگھ پریوار کے ووٹوں کا تناسب اسی اعتبار سے بڑھ گیا اب فروری کے ریاستی انتخابات میں وہ ندوہ پر چھاپہ کو موضوع بنائیں گے اور ملک کے تمام دینی مدرسوں کو آئی ایس آئی کی چوکیاں قرار دیں گے۔ ان کی کوشش یہ ہوگی کہ اس مسئلہ پر فرقہ وارانہ کشیدگی پھیلائی جائے ممکن ہو تو فساد بھی کرا دیا جائے تاکہ ان کے اقتدار کی راہ آسان ہو جائے۔ ندوہ پر چھاپہ کے بارے میں مرکز کی طرف سے جو تحقیقات ہو رہی ہیں اس سے صورت حال پر زیادہ اثر نہیں پڑے گا۔ فسطائی ذہن مسلم اقلیت کے بارے میں اپنی فکر نہیں بدلے گا کیونکہ یہی اس کی زندگی کی شہ رگ ہے۔ مسلمانوں اور خصوصاً ان کے دینی اداروں کو ان ہی طوفانی تھپیڑوں میں جینا ہے اب انہیں اس نئی آزمائش کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ فسطائیوں کی نگاہوں میں یہ مدرسے اس لئے اور کھٹکتے ہیں کہ اسلامی روح اور دینی جذبہ زندہ رکھنے کا یہ سب سے اہم وسیلہ ہیں ان مدرسوں سے ملت کی دینی شناخت قائم ہے جو فسطائیت کی راہ کا سب سے بڑا پتھر ہے یہی مدرسے مسلمانوں کی نئی نسل پر وہ رنگ غالب نہیں آنے دیتے جو دیگر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ذریعہ نئی نسل پر چڑھایا جا رہا ہے۔ ٹی وی کے اساطیری سیریل جو عمومی ذہن پیدا کرنا چاہتے ہیں اور غالب کلچر کے ذریعہ انجذاب کا جو عمل شروع کیا گیا ہے وہ ان مدرسوں کی بنیادیں متزلزل نہیں کر سکا اس لئے اب براہ راست ان پر یلغار کی جا رہی ہے۔ پاکستان اپنی روش نہیں بدلے گا کشمیر کا تنازعہ خدا معلوم کیا رخ اختیار کرے گا۔ آئی ایس آئی کا سفاک کھیل جاری رہے گا اور ہم ہندوستانی مسلمان چکی کے ان پاٹوں میں پستے رہیں گے۔ بظاہر اس

منظرنامے کے تبدیل ہونے کا مستقبل قریب میں امکان نظر نہیں آتا اس لئے دینی اداروں پر یہ اہم ترین ذمہ داری ہے کہ وہ ہر قدم احتیاط اور کمال ہوشمندی اور دیانتداری سے اٹھائیں۔ طلباء اور بالخصوص غیر ملکی طلبہ کے بارے میں حتی الامکان پوری چھان بین کریں بلکہ ممکن اور مناسب ہو تو مقامی انتظامیہ سے ان کے کاغذات کی جانچ اور تصدیق بھی کرالیں تاکہ پولس اور انتظامیہ ان کے بارے میں مطمئن ہوجائے۔
ندوہ میں ابوبکر نام گیانا (جنوبی امریکہ) کے باشندے کا نام آیا جس پر آئی بی کو غیر ملکی سیاحوں کے اغوا کا شبہ تھا۔ مرکز کی جانب سے کرائی گئی تحقیقات اس بارے میں کیا کہتی ہے یہ تو رپورٹ آنے پر ہی پتہ چلے گا تاہم کسی بھی ادارہ میں غیر ملکی طلبہ کے بارے میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے طلبہ کی غالب اکثریت تعلیم کے لئے آتی ہے اور غلط سرگرمیوں یا کاروائیوں میں ملوث نہیں ہوتی ابوبکر یا خورشید احمد جیسے مشتبہ افراد ہر جگہ نہیں ہوتے لیکن اگر ہوتے ہیں تو ان کو اجازت نہیں دی جانی چاہئے کہ وہ ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہوں جو ملک، قوم اور اس ادارہ کے مفاد کے خلاف ہو۔ طلبہ کو بھی یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ان کی جذباتی یا غیر محتاط روش کتنے المناک نتائج پیدا کرسکتی ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو ہنگامہ پسند ہوتے ہیں لیکن دینی درسگاہوں کا ماحول اور مزاج بالکل جدا ہوتا ہے۔ پاکیزگی، راست روی، مقصد کی لگن اور ملی و دینی مفاد اور وقار کی نگہداشت ان مدارس کا امتیازی وصف رہا ہے۔ آزادی کی جدوجہد کے دور میں دینی مدارس کے طلبہ نے صلیبی استعمار کے خلاف جدوجہد کی اور یہ ہماری ملی تاریخ کا ایک تابناک باب ہے اب کوئی ایسی بات ہرگز نہیں ہونی چاہئے جو اس تابناک ماضی کو داغدار کرے فسطائیوں کو انگشت نمائی کا موقعہ دے۔

وجہ نزاع

ایک پرانی کہاوت ہے کہ۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اس بات کو اب پاکستانی دیدہ ور بھی تسلیم کرنے لگے ہیں کہ پاکستان کا وجود غلط سیاسی فکر کا نتیجہ ہے۔ مسلم لیگ نے مسلمان جاگیر داروں کے مفاد کی خاطر فرقہ وارانہ منافرت کو ہوا دی۔ دو قومی نظریہ کا سہارا لیا اور ملک تقسیم کرادیا۔ اپنے وجود سے آج تک پاکستان کبھی سیدھے راستے پر نہیں چلا۔ جناح صاحب کی سیکولر فکر پاکستان کے طبقہ علماء سے ٹکرائی۔ علماء شرعی نظام کی بات کرتے تھے اور جناح اس سے متفق نہیں تھے ان کے بعد پاکستان بیوروکریٹوں (افسر شاہی) اور فوجی آمریت کے شکنجے میں جکڑ دیا گیا۔ برسوں مارشل لا لگا رہا۔ غلام محمد اور سکندر مرزا جیسے بدباطن سربراہ مملکت بنے۔ پھر بھٹو اور مجیب ابھرے اور پاکستان دولخت ہوگیا ضیاء الحق آئے انہوں نے بھٹو کو دار پر لٹکادیا۔ وہ منظر سے ہٹے تو بے نظیر بھٹو آگئیں اور ملک پر فوج کی گرفت مضبوط تر ہوگئی۔ پاکستان کے ہر حکمراں نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے ملک کو تباہ کیا انہیں غلط کار سیاستدانوں اور حکمرانوں کے زیر سایہ معاشرہ میں نسلی افتراق، مقامی اور غیر مقامی کا تنازعہ شیعہ سنی اختلاف اور سندھی مہاجر تصادم جیسی تباہ کن روش اور ذہنیت پرورش پاتی رہی اور اب حال یہ ہے کہ کراچی میں ایک مدت سے مہاجر اور سندھیوں کے درمیان حالت جنگ قائم ہے سپاہ صحابہ اور سپاہ محمد (شیعہ) کے درمیان قتل غارت گری کا یہ عالم ہے کہ مسجدوں میں گھس کر نمازیوں کو شہید کیا جارہا ہے شیعہ اور سنی گویا ایک کبھی ختم نہ ہونے والے جہاد میں مصروف ہیں اور کلمہ گویوں کے خون میں غوطے لگا رہے ہیں۔ شیعوں کا مطالبہ ہے کہ فقہ جعفریہ کا نفاذ کیا جائے (تحریک نفاذ فقہ جعفریہ) سپاہ صحابہ کا اصرار ہے کہ قادیانیوں کی طرح شیعوں کو بھی غیر مسلم قرار دیا جائے۔ دونوں فریق اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے اور اپنی برتری کی دھاک جمانے کے لئے ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملہ کررہے ہیں۔ روسی افغانی تنازعہ کے سبب پاکستان میں اسلحہ کی دستیابی کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ہتھیار سبزی کے بھاؤ بکتے ہیں لہٰذا سندھی، مہاجر، شیعہ، سنی سب ہی یہ سبزی خریدتے ہیں اور ایک دوسرے کا خون بہاکر سرخ رو ہوتے ہیں پاکستانی حکومت کی ساری توجہ مسئلہ کشمیر پر مرکوز ہے کوئی مجلس، کوئی کانفرنس، کوئی موقعہ ایسا نہیں جاتا جو پاکستانی حکمراں کشمیر کا راگ نہ چھیڑتے ہوں اور پھر خجالت اٹھاکر نہ لوٹتے ہوں۔ ان حقیقت

فراموش لیڈروں کی نگاہ کراچی میں بہتے خون پر نہیں جاتی مگر کشمیر میں آئی ایس آئی کے ذریعہ دہشت گردی کے فرض سے غافل نہیں رہتے۔ چونکہ شروع سے ہی قوم کا مزاج ایسا بنادیا گیا ہے جس میں تحمل اور برداشت کے لئے کوئی جگہ نہیں، اور استحصال ہی لیڈروں کی اصل شناخت بن گیا ہے اس لئے ہر طبقہ دوسرے طبقہ کا استحصال کرنے کے لئے آزاد ہے۔ پنجاب سب سے بڑا صوبہ ہے جہاں ملک کی ساٹھ فیصدی آبادی رہتی ہے اس لئے پنجابیوں کا ہر جگہ غلبہ ہے خصوصاً پاکستانی فوج جو وہاں اصل حکمراں ہے اس پر پنجابی چھائے ہوئے ہیں۔ کراچی میں مہاجروں کو کچل ڈالنے کے لئے طویل عرصہ تک فوج مسلط رہی اور بیچ بیچ مہاجروں کا قتل عام کیا گیا اب وہاں سے فوج ہٹائی گئی تو سندھی اور مہاجر ایک دوسرے کا خون بہانے لگے۔ یہ مہاجر وہ ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ہم نے قربانیاں دے کر پاکستان بنایا ہے جب کہ پنجابی اور سندھی ان مہاجروں کو را کا ایجنٹ کہتے ہیں۔ سندھیوں کا کہنا ہے کہ مہاجروں نے سندھ میں ان کے حقوق پامال کردئے۔ مہاجروں کا مطالبہ ہے کہ ان کا الگ صوبہ بنایا جائے جو کراچی اور حیدر آباد پر مشتمل ہو۔ یہ کشمکش برسوں سے جاری ہے اور چونکہ مہاجر مملکت خداداد میں سبزۂ بیگانہ ہیں لہٰذا کوئی ان کا ہمدرد نہیں وہ سندھیوں اور پنجابیوں سے تنہا برسرپیکار ہیں اور کوستے ہیں اس دن کو جب ان کے باپ دادا مسلم لیگ کے جھانسے میں آگئے تھے۔

بہرحال یہ تو نسلی تنازعہ ہے اور ہر جگہ کسی نہ کسی انداز میں موجود ہے پاکستان میں اس کی شدت اس لئے زیادہ افسوسناک ہے کہ یہ ملک اسلام کے پرنام حاصل کیا گیا اور اسلام کی رسوائی سب سے زیادہ وہیں ہورہی ہے۔ شیعہ سنی تنازعہ بھی دین کی رسوائی کا ایک بدترین مظہر ہے اور اس سے بھی زیادہ عبرت کی بات یہ کہ اس پر کسی کو زیادہ تشویش بھی نہیں۔ گذشتہ فروری میں فلسطین میں مسجد خلیل کے اندر نماز پڑھتے ہوئے مسلمانوں پر ایک جنونی یہودی نے گولیاں برساکر ۵۰ سے زیادہ مسلمانوں کو شہید کردیا تھا تو ساری دنیا میں اس پر احتجاج کیا گیا خود بعض یہودیوں نے اپنے کرب کا اظہار کیا کہ ان عرب مسلمانوں کو ایسی حالت میں قتل کیا گیا جب کہ وہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز تھے۔ پاکستان میں اس خونی منظر کی کتنی بار ریہرسل ہوچکی ہے اور ہبرون سے زیادہ نمازی شہید ہوچکے ہیں مگر کوئی خاص اضطراب نہیں۔ گویا سب کچھ منصوبہ بند پالیسی کے مطابق ہورہا ہے ہندوستان میں کسی نے کبھی آریہ سماجی اور سناتن دھرمی ہندوؤں کے درمیان تصادم کی خبر نہیں سنی ہوگی۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے خونی جھگڑے بھی ماضی کی داستان بن چکے ہیں یہودیوں میں بھی عقیدہ کی تفریق موجود ہے لیکن جنگ ان کے درمیان بھی نہیں ہوتی۔ مگر مسلمان اپنی فرقہ بندیوں کے میدان جنگ سے آج بھی پیچھے ہٹنے یا جنگ بندی کی لئے تیار نہیں ہیں پاکستان میں سنی اکثریت میں ہیں لہٰذا شیعہ ستم کا نشانہ ہیں ایران میں شیعوں کی اکثریت اور فقہ جعفریہ نافذ ہے وہاں سنی اقلیت پر بیداد جاری ہے دونوں جگہ فی سبیل اللہ فساد ہورہا ہے اور مغرب دنیا کو یہ دکھارہا ہے کہ اسلام بنیاد پرستی اور دہشت گردی سکھاتا ہے۔ کوئی مجاہد یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ ان سفاکیوں سے اسلام لہولہان ہورہا ہے جو مذہب امن اور عقل کی تلقین کرتا ہے تدبر اور تفکر پر زور دیتا ہے اس کے ماننے والے ہی اگر امن، عقل اور فکر سے بیزار ہوجائیں تو اس سے دین کی عظمت اور صداقت پر حرف آتا ہے پاکستان اور ایران میں شیعہ اور سنی جو کچھ کررہے ہیں اسے دیکھ کر کون مغرب کے پروپیگنڈہ کا شکار نہیں ہوگا اور مسلمانوں کو انتہاپسند اور بنیاد پرست کہنے میں کیا چیز مانع ہوگی۔

صدیوں سے شیعہ سنیوں کی یہ خونی کشمکش جاری ہے۔ وفات نبوی (علیہ الصلوۃ والتسلیم) کے بعد سے یہ داستان شروع ہوتی ہے۔ جس نے دھیرے دھیرے عقیدہ اور بنیادی اختلاف کی شکل اختیار کرلی اب چند دہائیوں کے بعد اس پر ڈیڑھ ہزار سال بیت جائیں گے دونوں فرقوں نے اس تنازعہ پر جتنا کشت و خون کیا ہے اس سے تاریخ کے صفحات رنگے ہوئے ہیں۔ آج جبکہ دنیا اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ایک گاؤں کی طرح ہوگئی ہے کہ ہر گوشے اور ہر جگہ رونما ہونے والے واقعات کی چند لمحوں میں ساری عالمی آبادی کو خبر ہوجاتی ہے اور حقوق انسانی کے تحفظ اور بحالی کا مسئلہ عالمی موضوع سخن بن چکا ہے یہ دونوں فرقے اپنے اختلافات کو ختم کرنے یا کم از کم انہیں تصادم اور قتل

وغارت گری کی حد تک نہ لے جانے پر آمادہ نہیں ہیں اس غارت گری کو دین کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے ہیں اور ساری دنیا کو اپنی بے شعوری کا تماشہ دکھاتے ہیں۔(پاکستان میں ایک دور وہ بھی تھا جس کا ذکر مولانا عبدالقادر صاحب امام شاہی جامع مسجد لاہور نے اپنے ایک مضمون میں کیا تھا جنرل اسکندر مرزا کے عہد اقتدار میں ایک خفیہ سرکلر کے ذریعہ ریڈیو پاکستان کو ہدایت کی گئی تھی کہ عشرہ محرم کے دوران ریڈیو کے کسی بھی اسٹیشن سے خلیفہ ثانی (حضرت) عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام نشر نہ کیا جائے برسوں یہ شرمناک اور دل آزار خفیہ حکم نافذ رہا۔ صدر ضیاء الحق کے دور میں مولانا عبدالقادر نے صدر ضیاء الحق کو اس کی طرف توجہ دلائی تب جاکر اسے منسوخ کیا گیا)۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب خلفائے بنی امیہ نے اقتدار حاصل کرلیا تو انہوں نے خطیبوں کو حکم دیا کہ وہ خطبے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کریں اور ان کی شان میں نازیبا کلمات ادا کریں۔ یہ مذموم رسم کئی خلفاء کے دور تک جاری رہی۔ جب خلیفہ مہدی حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور آیا تو آنجناب نے اس قبیح رسم کو ختم کردیا اور اس کی جگہ خطبہ میں قرآن مجید کی آیت إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ پڑھنے کا حکم دیا اس عہد مسعود سے آج تک خطبہ میں یہ آیت کریمہ پڑھی جاتی ہے اور ہر مسلمان کے دل سے اللہ کے اس بندہ متقی اور عظیم المرتبت خلیفہ راشد کے لئے دعا نکلتی ہے جس نے دین میں ایک مذموم روایت کو ختم کردیا۔ بدقسمتی سے حضرات اہل تشیع میں کسی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس عظیم کارنامہ پر غور فرما کر اس کی پیروی کی کوشش نہیں کی ورنہ جس طرح خلیفہ اموی نے اپنے اجداد کی غلطی کی اصلاح کی علماء شیعہ بھی شیخین اور حضرت عائشہ پر تبرا کی مذموم رسم ختم کراسکتے تھے۔ اس سے مسلمانوں میں نزاع وقتال کا ایک بہت بڑا سبب ختم ہوجاتا شیعہ ہو یا سنی ہر شائستہ اور ذی ہوش انسان ان باتوں کو بے مقصد اور افسوسناک سمجھتا ہے۔ لیکن کسی میں ہمت نہیں کہ اس مذموم روایت کو ختم کرانے کے لئے آواز اٹھاسکے۔ ایران میں آیت اللہ العظمیٰ محمد علی اراکی کے انتقال کے بعد آیت اللہ علی خامنہ ای کو مرجعیت کا منصب دیا گیا ہے۔ یعنی وہ اب دنیا بھر کے اہل تشیع کے مرشد اعلیٰ ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ جناب علی خامنہ ای اس خونچکاں مسئلہ پر غور فرمائیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عظیم سنت کو تازہ کریں۔ انہیں یہ منصب حاصل ہے کہ وہ اپنے فرقہ کو ایسی تلقین کرسکتے ہیں اور یقین ہے کہ وہ تمام شیعہ علماء' دیدہ ور' دانشور اور عوام جنہیں اتحاد بین المسلمین عزیز ہے اور جو ایک معبود ایک قبلہ ایک رسول اور ایک کتاب کی بنیاد وحدت ملی کی تمنا کرتے ہیں حجۃ الاسلام خامنہ ای کی آواز پر لبیک کہیں گے اور خوش ہوں گے کہ افتراق بین المسلمین کا سب سے پرانا ناسور مندمل ہوگیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب دیئے جانے کا تنازعہ صدیوں عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان وجہ منافرت بنا رہا۔ انجیل میں کھل کر یہودیوں کو مجرم قرار دیا گیا ہے کہ انہوں نے پیلاطوس کو مجبور کردیا کہ وہ اللہ کے اس معصوم پیغمبر کو صلیب دے اس کے باوجود پوپ نے ایک فرمان کے ذریعہ آج کے یہودیوں کو اس جرم کے الزام سے بری کردیا۔ اب کہیں بھی صلیبی اور یہودی اس مسئلہ پر نبرد آزما نہیں ہوتے۔ جبکہ مسلمان مفروضوں کی بنیاد پر صدیوں سے صف آرائی کی حالت میں ہیں۔ کیا ہم صلیبوں اور یہودیوں سے بھی کچھ سبق نہیں لے سکتے۔ آخر مسلمانوں میں امن اور وحدت کا صحیح شعور کب پیدا ہوگا اور وہ دین کو اختلافات کی بنیاد بنانے کی پرانی بیماری سے کب نجات حاصل کریں۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ۔

وقت نزاع باہم ہرگز نہیں ہے یارو
اللہ کو پکارو اللہ کو پکارو

بقیہ: تعارف وتبصرہ

جامعہ سلفیہ مبارکباد کی مستحق ہے کہ اس نے ایک بڑی مفید کتاب شائع کی ہے۔ ضرورت ہے کہ دینی مدارس کے اساتذہ وطلبہ اور علوم دین سے شغف رکھنے والے اسے اپنے مطالعہ میں رکھیں تاکہ کلام مجید کے موضوعات پر ان کی نگاہ گہری ہو کتاب کے سلسلہ میں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ علامہ ابو المعالی محمد علی فیضی رحمہ اللہ اردو کے ممتاز اور بزرگ شاعر حضرت فضا ابن فیضی کے جد بزرگوار (دادا) تھے۔

ابو صادق عاشق علی اثری

حقوق والدین

(۹)

خدمت والدین گناہوں کا کفارہ ہے:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

إنَّ رجلاً أتى النبي صلى الله عليه وسلّم فقال: يا رسول الله! إني أصبت ذنبًا عظيمًا، فهل لي توبة؟ قال: هل لك من أم؟ قال: لا، قال: هل لك من خالة؟ قال: نعم، قال فبرّها (۱)

ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا' یا رسول اللہ! میں ایک بڑے گناہ کا مرتکب ہو گیا ہوں' کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آپ نے پوچھا کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ انہوں نے کہا نہیں' پھر آپ نے پوچھا کیا تمہاری خالہ زندہ ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں' تو آپ نے فرمایا' جاؤ اس سے حسن سلوک کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خالہ کے ساتھ حسن سلوک سے بڑے بڑے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اور جب خالہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا اتنا بڑا اجر و ثواب ہے تو والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور ان کی خدمت و اطاعت سے بدرجہ اولیٰ گناہوں کی مغفرت ہو سکتی ہے اور سر پر آئی ہوئی بڑی بڑی مصیبتیں بھی ٹل سکتی ہیں۔

خدمت والدین دافع بلا ہے:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

گذشتہ زمانہ میں تین آدمی سفر کر رہے تھے کہ بادوباراں کے طوفان نے انہیں آگھیرا' طوفان سے بچنے کے لئے ان لوگوں نے پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لیا' اچانک پہاڑ کا ایک بھاری پتھر غار کے دروازہ پر آپڑا اور اس کا منہ بند کر لیا' ان کے لئے دنیا تاریک ہو گئی اور زندگی سے مایوسی ہو گئی' لیکن اس مایوسی کے بادل میں امید کی ایک کرن نکل آئی' اور رہائی کی ایک صورت ان کے ذہن میں آگئی اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ان اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ عزوجل سے دعا مانگو جو خالص اللہ کے لئے کئے ہو۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس مصیبتِ عظمیٰ سے نجات دے۔

ان میں سے ایک نے کہا اے اللہ! میرے پاس بوڑھے ماں باپ اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے' میں بکریاں چرایا کرتا تھا اور ان کے دودھ سے والدین کا پیٹ بھرتا تھا' میرا روز کا یہی معمول تھا کہ شام کو میں بکریاں چرا کر واپس آتا اور دودھ دوہتا اور سب سے پہلے اپنے بوڑھے ماں باپ کو پلاتا' پھر بچوں کو اور دوسرے لوگوں کو دیتا' ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ میں بکریاں چراتا ہوا دور نکل گیا اور وقت پر واپس نہ آسکا یہاں تک کہ شام ہو گئی' جب گھر پہونچا تو والدین سو چکے تھے' میں نے حسب معمول دودھ دوہا' پھر دودھ کا برتن لے کر ان کے پاس آیا اور ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا' میں نے ان کو جگانا پسند نہ کیا' اور ان سے پہلے بچوں کو دودھ پلانا بھی مناسب نہیں سمجھا حالانکہ میرے بچے میرے پیروں کے پاس بلک رہے تھے اور بھوک سے بیتاب ہو کر چیخ رہے تھے۔ میری بھی

(۱) جامع ترمذی البر والصلۃ باب فی بر الخالۃ ۶ ح ۱۹۱۸' الترغیب والترہیب البر والصلۃ ح ۳۴۰۸' حافظ منذری نے کہا اس کی روایت ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے بھی کی ہے اور حاکم نے کہا ہے صحیح علی شرط الشیخین۔ شعیب ارناؤوط نے اسے حسن کہا ہے (تعلیق علی شرح السنہ ۱۳ ح ۳۴۲۳)

یفیت صبح تک باقی رہی۔ یعنی میں دودھ لئے کھڑا رہا اور بچے بلکتے رہے
ر ماں باپ سوتے رہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میں نے
ں تیری رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا تھا تو تو اس
ن کو اتنا ہٹادے کہ ہم آسمان دیکھ سکیں' اس کی دعا قبول ہوئی اور اللہ
الیٰ نے غار کا منہ اتنا کھول دیا کہ آسمان نظر آنے لگا۔

دوسرے شخص نے یوں عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ! میری
ک چچازاد بہن تھی جس سے میں بہت زیادہ محبت کرتا تھا ایسی محبت
سی مرد عورتوں سے کرتے ہیں' میں نے اس سے خواہش نفس پوری
رنے کا مطالبہ کیا مگر وہ تیار نہ ہوئی جب تک کہ میں اسے سو دینار نہ
ے دوں۔ مقصد بر آری کے لئے میں نے کوشش شروع کردی اور سو
ردے کر اس کے ساتھ برائی پر آمادہ ہوگیا۔ جب میں اس کے ساتھ
ت میں گیا تو وہ مجھے نصیحت کرنے لگی اور کہا: اے اللہ کا بندہ! اللہ سے
، اور مہر کو توڑ کر اللہ کی امانت میں خیانت نہ کر' اس کی زبان سے نکلی
ئی یہ بات میرے دل میں اتر گئی اور میں اللہ کے خوف سے فوراً اٹھ کھڑا
ا اور وہ سونا اسے دے کر چلا آیا۔ سچ ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

ے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہ کام محض تیری رضامندی کے لئے تھا
ؤ اس چٹان کو ہٹادے اور اس آفت کبریٰ سے نجات دے۔ اس کی دعا
ی قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا اور ہٹادیا۔

اب تیسرا شخص اٹھا اور کہا اے اللہ تعالیٰ! میں نے ایک
ق (۱) چاول کے بدلے ایک مزدور رکھا تھا' جب وہ اپنا کام ختم کرچکا تو
، سے اپنی مزدوری طلب کی' جب میں اس کی اجرت دینے لگا تو وہ چھوڑ
، چلا گیا اور اپنا حق لینے کے لئے کوئی توجہ نہیں کی' میں نے اس کی
دوری سے کاشت کرنا شروع کردیا اور برابر کاشت کرتا رہا یہاں تک کہ
ں سے میں نے بہت سے بیل گائے اور ان کے چرواہے جمع کرلئے۔
ہ دنوں کے بعد وہ مزدور دوبارہ میرے پاس آیا اور کہا' اللہ سے ڈرو'
میرے اوپر ظلم نہ کرو اور میرا حق مجھے دے دو' میں نے ان بیلوں اور
چرواہوں کی طرف اشارہ کرکے کہا' کہ ان کو لے جاؤ وہ سب تیرے ہیں'
اس نے کہا' اللہ سے ڈرو اور مجھ سے مذاق نہ کرو میں نے کہا کہ میں مذاق
نہیں کرتا ہوں' ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جاؤ وہ تیرا حق ہے چنانچہ وہ
ان سب کو لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر میرا یہ کام تیری رضاجوئی کے
لئے تھا تو اس چٹان کو پورا پورا ہٹادے اور اس مصیبتِ عظمیٰ اور آفت
کبریٰ سے نجات دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا بھی سن لی اور اس پتھر کو
پورا ہٹا کر راستہ کھول دیا اور وہ لوگ وہاں سے بسلامت نکل گئے۔ (۲)

اس واقعہ سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی خدمت
واطاعت اور ان کی دلجوئی ورضامندی سے شدائد کے بادل چھنٹ سکتے
ہیں اور مصائب کے پہاڑ ٹل سکتے ہیں۔ وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں
کے بقایا اور ان کے حقوق ادا کرنے اور محض رضائے الٰہی کی خاطر غلط
کاری سے توبہ کرلینے سے بھی پہاڑ جیسی مصیبتیں اور آفتیں ٹل سکتی
ہیں۔

آج ہم مختلف قسم کے شدائد ومصائب سے دوچار ہیں' کوئی
عزت ووقعت نہیں ہے۔ لیکن لوگوں کے حقوق ادا کرکے' گناہوں سے
توبہ کرکے اور ماں باپ کی خدمت واطاعت کرکے ان شدائد ومشکلات
سے نکل سکتے ہیں۔ اور کھویا ہوا وقار واپس لاسکتے ہیں۔ (جاری)

---

(۱) فرق ایک پیمانہ ہے جس میں تین صاع کی گنجائش ہوتی ہے۔

(۲) صحیح بخاری الادب ۷۸ باب اجابۃ دعاء من برّ والدیہ ۵ ح ۵۹۷۴' البیوع ۳۴ باب ۹۸ ح ۲۲۱۵' الاجارہ ۳۷ باب ۱۲ ح ۲۲۷۲' الأنبیاء ۶۰ باب ۵۳ ح ۳۴۶۵' صحیح مسلم الذکر والدعاء باب ۲۷ ح ۲۷۴۳

بقیۃ : نادی الطلبہ . . .

۳۔ عبدالرحمٰن	محمد رضا	سوم
۴۔ عبدالملک	ابوالکلام	سوم

مقابلہ انگریزی تقریر ثانویہ مرحلہ عالیہ تعداد شرکاء: ۲

۱۔ عبدالحفیظ	محمد یونس	اول
۲۔ نسیم الدین	مشیر الدین	دوم

عبدالحفیظ محمد یونس

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری
مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ

مولانا ابوالکلام آزاد کا تصور وحدتِ دین اور اس کا ماخذ

مولانا ابوالکلام آزاد کا "ترجمان القرآن" اپنی گوناگوں خصوصیات کی بناء پر قرآن کریم کے تفسیری ادب میں ایک ممتاز و منفرد مقام رکھتا ہے۔ اسے اردو تفاسیر کا شاہکار اور اردو نثری ادب کا بہترین نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ کئی حیثیات سے اسے اولیت کا شرف بھی حاصل ہے۔ اس میں مولانا نے ایسے متعدد مسائل اٹھائے ہیں جو بنیادی اہمیت کے حامل ہیں لیکن تفاسیر ما قبل و مابعد میں دیکھنے میں نہیں آتے اور جو ملتے بھی ہیں تو مولانا نے ان سے اختلاف کرکے اپنی انفرادیت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ مولانا نے ایسے تمام مسائل پر تفصیل سے بحث کرکے اپنے مطالعہ کی گہرائی، معلومات کی وسعت، فکر کی بلندی اور ژرف نگاہی کا سکہ جمادیا ہے۔ ان میں خصوصیت سے دو مباحث ایسے ہیں جو سب سے پہلے ہمارے دامن دل کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ ان میں سے ایک ہے تصور وحدت دین اور دوسرا سورۂ کہف کی تفسیر کے تحت سکندر ذوالقرنین کی شخصیت کا تعین۔ ذوالقرنین کے سلسلہ میں مولانا نے جس تحقیق و تدقیق اور وسعت مطالعہ کا ثبوت دیا ہے اور جس مدلل انداز میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے، وہ صرف ان ہی کا حصہ ہے۔ انھوں نے پیشرو مفسرین سے اختلاف کیا ہے اور جدید تحقیقات کی روشنی میں اپنا نظریہ پیش کیا ہے۔ بعد کے مفسرین میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ نے کسی نہ کسی حیثیت سے مولانا کے ہی دلائل سے استفادہ کیا ہے اور علماء میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی نے قصص القرآن میں ذوالقرنین کے حالات سے بحث کرتے ہوئے مولانا آزاد کی ہی تحقیق کو مستند مانا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ مسلمانوں کے بنیادی عقائد سے تعلق نہیں رکھتا تھا، بلکہ خالصۃً تاریخی اور تحقیقی نوعیت کا تھا، اس لئے عام طور پر لوگوں نے اس جانب توجہ نہیں کی، لیکن دوسرا مسئلہ یعنی وحدت دین کا تصور ایک اعتقادی معاملہ تھا، اس لئے لوگوں نے اس کا سختی سے نوٹس لیا اور اس سلسلہ میں مولانا کے نظریات کو ہدف تنقید بنایا۔ اور ان پر مختلف النوع اعتراضات کیے۔ لیکن ان تمام تحریروں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں صداقت کا فقدان اور تحقیق کی کمی ہے، نیز یہ کہ دلائل و براہین سے بھی کام نہیں لیا گیا ہے۔ صرف غیر ضروری جوش اور جذبات کی کار فرمائی ہے۔ اگر مولانا کی پوری بحث کو سنجیدگی سے پڑھا جائے اور غیر جانبدارانہ انداز میں اس پر غور و فکر کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ مولانا جو بات قاری پر واضح کرنا چاہ رہے ہیں، اس کا کوئی جزو بھی خلاف عقیدہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ پوری بحث جذبۂ اسلامی سے سرشار ہو کر کی گئی ہے اور اس کے پس منظر میں اسلام کی حقانیت، صداقت اور اس کی عالمگیر حیثیت کو اجاگر کرنے کا ہی جذبہ کار فرما ہے۔ لہٰذا یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ مولانا کے نقطۂ نظر سے تفصیلی گفتگو کی جائے تاکہ عام قاری کے ذہن میں جو شکوک و شبہات ہوں وہ رفع ہو جائیں اور اس نازک، نیز بنیادی اہمیت کے حامل مسئلہ سے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ دور ہو جائیں۔

وحدت دین کی بحث کو مولانا نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر کے ضمن میں اٹھایا ہے اور اس کے تمام ممکنہ پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ مولانا نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ دین تو اصلاً ابتدائے آفرینش سے ایک ہی رہا ہے، البتہ پیغمبروں کے ساتھ شریعتیں بدلتی رہی ہیں اور یہ تبدیلی حالات زمانہ اور عصری تقاضوں کے تحت واقع ہوتی رہی ہے جو ایک بالکل فطری بات تھی۔ مولانا فرماتے ہیں:

"یہ اصل دین کیا ہے؟ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ یہ کسی ایک گروہ ہی کی میراث نہیں ہے کہ اس کے سوا کسی اور انسان کو نہ ملی ہو۔ یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے اور چونکہ یہ اصل دین ہے اس لئے نہ تو اس میں تغیر

ہوا' نہ کسی کا اختلاف رونما ہوا۔ اعمال و رسوم فرع ہیں اس لئے ہر زمانے اور ہر ملک کی حالت کے مطابق بدلتے رہے اور جس قدر بھی اختلاف ہوا انہی میں ہوا" (ص ۱۸۹)

اس مرحلہ پر مولانا نے توحید' نبوت' آخرت اور اعمال صالحہ جیسے بنیادی عقائد پر تمام پیغمبروں کی تعلیمات میں ہم آہنگی اور یکسانیت تلاش کی ہے۔ یہی دینی وحدت' مولانا کے خیال میں اصلِ عظیم ہے اور یہی قرآنی دعوت کی اولین بنیاد ہے۔ اگر ہم اس سے صرف نظر کرلیں تو راہ استقامت او جھل ہوجائے گی اور شمع ہدایت بجھ جائے گی۔ اسی کے ساتھ مولانا نے نظام حق وصداقت' وحی الٰہی کی ناگزیر اہمیت اور رسولوں کو دنیا میں بھیجنے کی ضرورت اور ان کے سلاسل دعوت و تبلیغ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:

"وہ (قرآن) کہتا ہے " ابتدا میں جمعیت کا یہ حال تھا کہ لوگ قدرتی زندگی بسر کرتے تھے اور ان میں نہ تو کسی طرح کا باہمی اختلاف تھا' نہ کسی طرح کی مخاصمت۔ سب کی زندگی ایک ہی طرح کی تھی اور سب اپنی قدرتی یگانگت پر قانع تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ نسلِ انسانی کی کثرت اور ضروریات معیشت کی وسعت سے طرح طرح کے اختلافات پیدا ہوگئے اور اختلافات نے تفرقہ وانقطاع اور ظلم وفساد کی صورت اختیار کرلی۔ ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرنے لگا اور ہر زبردست زیردست کے حقوق پامال کرنے لگا۔ جب یہ صورت حال پیدا ہوئی' تو ضروری ہوا کہ نوع انسانی کی ہدایت اور عدل وصداقت کے قیام کے لئے وحی الٰہی کی روشنی نمودار ہو۔ چنانچہ یہ روشنی نمودار ہوئی اور خدا کے رسولوں کی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ وہ ان تمام رہنماؤں کو جن کے ذریعہ اس ہدایت کا سلسلہ قائم ہوا' رسول کے نام سے تعبیر کرتا ہے کیوں کہ وہ خدا کی سچائی کا پیغام پہنچانے والے تھے اور "رسول" کے معنی پیغام پہنچانے والے کے ہیں۔" (ص ۱۸۱)

اس کے بعد قرآنی دعوت کے مدارج کی تشریح کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

"اس سلسلہ میں قرآن نے جن مہمات پر زور دیا ہے' ان میں تین باتیں سب سے نمایاں ہیں:

(۱) انسان کی نجات و سعادت کا دار و مدار اعتقاد و عمل پر ہے' نہ کہ کسی خاص گروہ بندی پر۔

(۲) نوع انسانی کے لئے دین الٰہی ایک ہی ہے اور یکساں طور پر سب کو اسی کی تعلیم دی گئی ہے۔ پس یہ جو پیروان مذہب نے دین کی وحدت اور عالمگیر حقیقت ضائع کرکے بہت سے متخالف اور متخاصم جتھے بنالیے ہیں' یہ صریح گمراہی ہے۔

(۳) اصل دین توحید ہے یعنی ایک پروردگار عالم کی براہ راست پرستش کرنی' اور تمام بانیان مذاہب نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ اس کے خلاف جس قدر عقائد اور اعمال اختیار کرلئے گئے ہیں' اصلیت سے انحراف کا نتیجہ ہیں۔" (ص ۱۸۲)

مولانا فرماتے ہیں کہ دنیا میں جتنے بھی پیغمبر اور رسول آئے' چاہے وہ کسی بھی زمانے یا کسی بھی خطے میں رہے ہوں' سب نے رشد و ہدایت کا ایک ہی راستہ اختیار کیا اور سب نے ایک ہی پیغام دیا اور وہ تھا ایک خدا کی عبادت کرنا اور نیکی کا راستہ اختیار کرنا۔

"ہدایت ہمیشہ ایک ہی رہی اور وہ ایمان اور عملِ صالح کی دعوت کے سوا کچھ نہ تھی" کے ذیلی عنوان کے تحت مولانا لکھتے ہیں:

فطرت الٰہی کی راہ کائنات ہستی کے ہر گوشہ میں ایک ہی ہے۔ وہ نہ تو ایک سے زیادہ ہوسکتی ہے' نہ باہم دگر مختلف۔ پس ضروری تھا کہ یہ ہدایت بھی اول دن سے ایک ہی ہوتی' اور ایک ہی طرح پر تمام انسانوں کو مخاطب کرتی چنانچہ قرآن کہتا ہے' خدا کے جتنے پیغمبر پیدا ہوئے' خواہ وہ کسی زمانے اور کسی گوشہ میں ہوں' سب کی راہ ایک ہی تھی' اور سب خدا کے ایک ہی عالمگیر قانون سعادت کی تعلیم دینے والے تھے۔ یہ عالمگیر قانون سعادت کیا ہے؟ ایمان اور عملِ صالح کا قانون ہے۔ یعنی ایک پروردگار عالم کی پرستش کرنی اور نیک عملی کی زندگی بسر کرنی۔ اس کے علاوہ اور اس کے خلاف جو کچھ بھی دین کے نام سے کہا جاتا ہے' دین حقیقی کی تعلیم نہیں ہے۔" (ص ۱۸۳)

اس سلسلہ میں مولانا نے قرآن کریم کی حسب ذیل آیات سے استنباط کیا ہے:

(۱) وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِی كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ
(النحل:۳۶)

ترجمۂ مولانا: اور بلاشبہ ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک پیغمبر مبعوث کیا۔ (جس کی تعلیم یہ تھی کہ) "اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے (یعنی سرکش اور شریر قوتوں کے اغوا سے) اجتناب کرو"

(۲) وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ○
(الأنبياء:۲۵)

ترجمۂ مولانا: اور (اے پیغمبر) ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول دنیا میں نہیں بھیجا، مگر اس وحی کے ساتھ "کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو (ص ۱۸۳-۱۸۴)

اس کے بعد مولانا نے اپنے مخصوص مدلل انداز اور پرزور الفاظ میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی قوم کو ایک ہی دین کی پیروی کرنے کی تلقین کی۔ سب نے خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے، اس کی وحدت کا برملا اعلان کرنے اور نیک اعمال کرنے کی تعلیم دی۔ اور چونکہ ہر رسول اور ہر پیغمبر کی تعلیمات میں مماثلت اور یکسانیت تھی اس لئے سب کا دین ایک ہی ہوا، یہ دوسری بات ہے کہ ان سب کے طریق عبادت اور نظام پرستش مختلف تھے۔ سب نے محبت واخوت کو فروغ دینے اور جھگڑا وفساد اور ہر قسم کے اختلافات سے اپنے دامن کو بچائے رکھنے پر زور دیا اس لئے کہ یہی سلامتی اور عافیت کی راہ تھی۔ مولانا فرماتے ہیں:

وہ (قرآن) کہتا ہے "دنیا میں کوئی بانی مذہب بھی ایسا نہیں ہوا ہے جس نے ایک ہی دین پر اکٹھے رہنے اور تفرقہ واختلاف سے بچنے کی تعلیم نہ دی ہو۔ سب کی تعلیم یہی تھی کہ خدا کا دین بچھڑے ہوئے انسانوں کو جمع کر دینے کے لئے ہے "الگ کر دینے کے لئے نہیں ہے۔ پس ایک پروردگار عالم کی بندگی ونیاز میں سب متحد ہو جاؤ اور تفرقہ ومخاصمت کی جگہ باہمی محبت ویک جہتی کی راہ اختیار کرو۔

وَإِنَّ هٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ○ (المؤمنون:۵۲)

اور (دیکھو) یہ تمہاری امت فی الحقیقت، ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں۔ پس (میری) عبودیت ونیاز کی راہ میں تم سب ایک ہو جاؤ، اور) نافرمانی سے بچو۔ (ص ۱۸۴)

اس ضمن میں مولانا فرماتے ہیں کہ جیسے جیسے انسانی معاشرہ ترقی کرتا گیا اور اس میں وسعت پیدا ہوتی گئی، ویسے ہی اس میں تفرقہ پڑتا گیا اور اس میں درجہ بندی ہوتی گئی۔ نسلیں، قومیں اور فرقے بنتے گئے اور ان کی بنیادوں پر اختلافات پیدا ہوئے۔ پھر ذات پات، معاشرتی اونچ نیچ اور معاشی عدم مساوات نے نسل آدم کو مزید گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ہر فرقہ، ہر گروہ اور ہر قوم ایک دوسرے سے متصادم اور باہم دست وگریبان ہونے لگی، استحصال کی گرم بازاری ہونے لگی اور جنگ وجدال کی نوبت آ گئی۔ ان گروہوں میں بظاہر کوئی قدر مشترک نظر نہ آتی تھی۔ لیکن ایک بات سب نے اپنی نظروں سے اوجھل کر دی اور وہ یہ کہ ان تمام اختلافات کے باوجود ایک رشتہ ہمیشہ ایسا قائم رہا جس نے سب کو آپس میں جوڑے رکھا اور جب کبھی انسان نے اس رشتہ کو مضبوطی سے پکڑا تو راہ ہدایت پائی اور اپنی تمام معاشرتی وروحانی مصائب کا حل تلاش کیا وہ ابدی رشتہ ہے ایک معبود حقیقی کی پرستش کرنا اور صرف اسی کو اپنا ملجا وماویٰ تسلیم کرنا۔ اس مقدس رشتے کی بدولت بنی نوع انسان نے مساوات، انسانی ہمدردی، صلہ رحمی اور عالمگیر اخوت کا سبق پڑھا۔ سب نے ایک ہی معبود کے سامنے سر نیاز خم کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ زمانے کے تقاضوں اور حالات کی رعایت کے تحت یہ سبق مختلف زبانوں میں اور مختلف طریقوں سے پڑھا گیا۔ اسی لئے اظہار عبدیت کے طریقوں اور نظم عبادت وپرستش میں تبدیلی ہوتی رہی۔ دنیا میں جتنے بھی رسول اور پیغمبر بھیجے گئے سب نے ایک ہی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی۔ اس طرح سب کا دین ایک ہی رہا۔ مولانا کے الفاظ میں:

وہ (قرآن) کہتا ہے "خدا نے تمہیں ایک ہی جادۂ انسانیت دیا تھا، لیکن تم نے طرح طرح کے بھیس اور نام اختیار کر لئے اور رشتۂ انسانیت کی وحدت سیکڑوں ٹکڑوں میں بکھر گئی۔ تمہاری نسلیں بہت سی ہیں، اس لئے تم نسل کے نام پر ایک دوسرے

سے الگ ہوگئے ہو۔ تمہارے وطن بہت سے بن گئے ہیں۔ اس لئے اختلاف وطن کے نام پر ایک دوسرے سے لڑ رہے رہو۔ تمہاری قومیتیں بے شمار ہیں اس لئے ہر قوم دوسری قوم سے دست و گریبان ہو رہی ہے۔ تمہارے رنگ یکساں نہیں اور یہ بھی ایک دوسرے سے جدا رہنے کی بہت بڑی حجت بن گئی ہے۔ پھر ان کے علاوہ امیر و فقیر، نوکر و آقا، وضیع و شریف، ضعیف و قوی، ادنیٰ و اعلیٰ، بے شمار اختلافات پیدا کر لئے گئے ہیں اور سب کا منشاء یہی ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ اور ایک دوسرے سے نفرت کرتے رہو۔ ایسی حالت میں بتلاؤ وہ رشتہ کونسا رشتہ ہے، جو اتنے اختلاف رکھنے پر بھی انسانوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دے، اور انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانا پھر از سر نو آباد ہو جائے۔ وہ (قرآن) کہتا ہے، صرف ایک ہی رشتہ باقی رہ گیا ہے، اور وہ خدا پرستی کا مقدس رشتہ ہے۔ تم کتنے ہی الگ الگ ہو گئے ہو، لیکن تمہارے خدا الگ الگ نہیں ہو جا سکتے۔ تم سب ایک ہی پروردگار کے بندے ہو۔ تم سب کی بندگی و نیاز کے لئے ایک ہی معبود کی چوکھٹ ہے۔ تم بے شمار اختلافات رکھنے پر بھی ایک ہی رشتہ عبودیت میں جکڑے ہوئے ہو۔ تمہاری کوئی نسل ہو، تمہارا کوئی وطن ہو، تمہاری کوئی قومیت ہو، تم کسی درجے میں اور کسی حلقے کے انسان ہو، لیکن جب ایک ہی پروردگار کے آگے سر نیاز جھکا دو گے، تو یہ آسمانی رشتہ تمہارے تمام ارضی اختلافات مٹا دے گا، تم سب کے بچھڑے ہوئے دل ایک دوسرے سے جڑ جائیں گے۔ تم محسوس کرو گے کہ تمام دنیا تمہارا وطن ہے، تمام نسل انسانی تمہارا گھرانا ہے اور تم سب ایک ہی رب العالمین کی عیال ہو۔ (ص ۱۸۴)

اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں:

چنانچہ وہ (قرآن) کہتا ہے، خدا کے جتنے رسول بھی پیدا ہوئے، سب کی تعلیم یہی تھی "الدین" پر یعنی بنی نوع انسانی کے ایک ہی عالمگیر دین پر قائم رہو، اور اس راہ میں ایک دوسرے سے الگ الگ نہ ہو جاؤ! (ص ۱۸۴)

اس سلسلہ میں مولانا نے قرآن کریم کی سورۃ "الشوریٰ" کی حسب ذیل آیات سے استدلال کیا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ: ۱۳)

ترجمۂ مولانا: اور (دیکھو) اس نے تمہارے لئے دین کی وہی راہ قرار دی ہے جس کی وصیت نوح کو کی گئی تھی، اور جس پر چلنے کا حکم ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا (ان سب کی تعلیم یہی تھی) کہ "الدین" (یعنی خدا کا ایک ہی دین) قائم رکھو اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو جاؤ! (ص ۱۸۵)

اس موقع پر مولانا نے قاری کی نفسیات کو ذہن میں رکھ کر چند متوقع سوالات قائم کئے اور پھر خود ہی ان کے جوابات فراہم کئے ہیں اور اس طرح بحث کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر انتہائی مفصل اور مدلل انداز میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے۔ مثلاً ایک متوقع سوال یہ ہو سکتا تھا کہ جب اصل سب کی ایک ہے تو پھر یہ ظاہراً عمل اور طریق عبادت میں فرق کیوں کیا گیا اور پھر جب فرق واقع ہو گیا تو اصل ایک کس طرح برقرار رہی؟ اس کے جواب میں مولانا فرماتے ہیں کہ اس نوع کے اختلافات زمانہ اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر ضروری تھے، ورنہ دین جو فطرت کے عین مطابق ہے، جامد ہو کر رہ جاتا اور پھر اس کی حیثیت محض ایک رسمی چیز سے زیادہ نہ ہوتی۔ ہر پیغمبر کے عہد کے تقاضے مختلف تھے، زندگی گزارنے کے طریقے مختلف تھے، زبانیں مختلف تھیں، انداز معاشرت مختلف تھے، ان سب کی رعایت سے طریق عبادت میں اختلاف بھی ناگزیر تھا۔ لیکن مولانا فرماتے ہیں کہ اختلاف اصل دین میں نہیں تھا، بلکہ شریعتوں میں تھا۔ اسے بنیادی عقیدے میں اختلاف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ "الدین" اور "الشرع" کے بنیادی فرق کو واضح کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

"قرآن کہتا ہے، مذاہب کا اختلاف دو طرح کا ہے۔ ایک اختلاف تو وہ ہے جو پیروان مذاہب نے مذہب کی حقیقی تعلیم سے منحرف ہو کر پیدا کر لیا ہے۔ یہ اختلاف مذاہب کا اختلاف نہیں ہے، پیروان مذہب کی گمراہی کا نتیجہ ہے۔ دوسرا اختلاف

وہ ہے جو فی الحقیقت مذاہب کے احکام و اعمال میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک مذہب میں عبادت کی کوئی خاص شکل اختیار کی گئی ہے، دوسرے میں کوئی دوسری شکل، تو یہ اختلاف اصل و حقیقت کا اختلاف نہیں ہے، محض فروع و ظواہر کا اختلاف ہے اور ضروری تھا کہ ظہور میں آتا۔

وہ (قرآن) کہتا ہے 'مذاہب کی تعلیم دو قسم کی باتوں سے مرکب ہے۔ ایک قسم تو وہ ہے جو ان کی روح و حقیقت ہے۔ دوسری وہ ہے جن سے ان کی ظاہری شکل و صورت آراستہ کی گئی ہے۔ پہلی چیز اصل ہے، دوسری فروع ہے۔ پہلی چیز کو وہ "دین" سے تعبیر کرتا ہے، دوسری کو "شرع" اور "نسک" سے اور اس کے لئے منہاج کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ شرع اور منہاج کے معنی راہ کے ہیں اور نسک سے مقصود عبادت کا طور طریقہ ہے۔ پھر اصطلاح میں "شرع" قانون مذہب کو کہنے لگے اور "نسک" عبادت کو۔ وہ کہتا ہے مذاہب میں جس قدر بھی اختلاف ہے، وہ "دین" کا اختلاف نہیں ہے، محض شرع و منہاج کا اختلاف ہے، یعنی اصل کا نہیں ہے، فرع کا ہے، حقیقت کا نہیں ہے، ظواہر کا ہے، روح کا نہیں ہے، صورت کا ہے۔ اور ضروری تھا کہ یہ اختلاف ظہور میں آتا۔ مذہب کا مقصود انسانی جمعیت کی سعادت و اصلاح ہے۔ لیکن انسانی جمعیت کے احوال و ظروف ہر عہد اور ہر ملک میں یکساں نہیں رہے ہیں، اور نہ یکساں رہ سکتے تھے۔ کسی زمانے کی معاشرتی اور ذہنی استعداد ایک خاص طرح کی نوعیت رکھتی تھی، کسی زمانے میں ایک خاص طرح کی۔ کسی ملک کے حالات ایک خاص طرح کی معیشت چاہتے تھے، کسی دوسرے ملک کے حالات دوسری طرح کی۔ پس جس مذہب کا ظہور جیسے زمانے میں اور جیسی استعداد و طبیعت کے لوگوں میں ہوا، اسی کے مطابق شرع و منہاج کی صورت بھی اختیار کی گئی۔ جس عہد اور جس ملک میں جو صورت اختیار کی گئی، وہی اس کے لئے موزوں تھی۔ اس لئے ہر صورت اپنی جگہ بہتر اور حق ہے اور یہ اختلاف اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا جتنی اہمیت نوع بشری کے تمام معاشرتی اور طبعی اختلاف کو دی جاسکتی ہے"۔(ص ۱۸۶۔۱۸۷)

اس سلسلہ میں مولانا نے قرآن کریم کی سورۃ الحج کی مندرجہ ذیل آیت ۶۷ سے استدلال کیا ہے:

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكاً هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلاَ يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ط اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ O

ترجمہ مولانا: (اے پیغمبر!) ہم نے ہر گروہ کے لئے عبادت کا ایک خاص طور پر طریقہ ٹھہرا دیا ہے جس پر وہ چلتا ہے پس لوگوں کو چاہئے کہ اس معاملے میں تم سے جھگڑا نہ کریں۔ تم لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دو۔ یقیناً تم ہدایت کے سیدھے راستہ پر گامزن ہو"۔(ص ۱۸۷)

شریعتوں میں یہ اختلافات خدا کی حکمت کی عین مطابق تھے۔ خدا اگر چاہتا تو تمام امتوں کے لئے یکساں شریعت مقرر فرما دیتا مگر یہ بات فطرت کے خلاف ہوتی۔ اسی اختلاف میں عوام کے لئے بہتری ہے۔ افسوس کہ لوگوں نے دین اور شریعت کے فرق کو فراموش کر دیا اور شریعتوں کے اختلافات کو دین کا اختلاف سمجھ بیٹھے اور مذہب کے نام پر کشت و خون کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کر دیا اور اصل سے انحراف کر کے فروع پر سختی سے عامل ہو گئے اور اس کو ہی اصل مذہب تصور کرنے لگے۔ ہر گروہ اپنے مذہب کو درست اور باقی تمام مذاہب کو باطل سمجھ کر ان کے ماننے والوں سے برسرپیکار ہو گیا۔ قرآن نے آکر ان اختلافات کو دور کیا اور اس بات پر زور دیا کہ اصلاً تمام مذاہب برحق ہیں اور سب کی اصل ایک ہے۔ اس طرح اس نے تمام مذاہب کے برحق ہونے کا برملا اعلان کیا یہ اس کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ "جب سب ایک ہی خدا کے پرستار ہیں اور سب کو اپنے اپنے عمل کے مطابق نتیجہ ملنا ہے تو پھر دین کے نام پر نزاع کیوں" کے ذیلی عنوان کے تحت مولانا فرماتے ہیں:

"وہ (قرآن) کہتا ہے "اگر تمہیں اس بات سے انکار نہیں کہ تمام کارخانہ ہستی کا خالق ایک ہی خالق ہے، اور اسی کی پروردگاری یکساں طور پر ہر مخلوق کو پرورش کر رہی ہے تو پھر تمہیں اس بات سے کیوں انکار ہو کہ اس کی روحانی سچائی کا

قانون بھی ایک ہی ہے اور ایک طرح پر تمام نوع انسانی کو دیا گیا ہے؟ وہ کہتا ہے 'تم سب کا پروردگار ایک ہے 'تم سب ایک ہی خدا کے نام لیوا ہو 'تم سب کے رہنماؤں نے تمہیں ایک ہی راہ دکھلائی ہے۔ پھر یہ کیسی گمراہی کی انتہا اور عقل کی موت ہے کہ رشتہ ایک ہے 'مقصد ایک ہے' راہ ایک ہے 'لیکن ہر گروہ دوسرے گروہ کا دشمن ہے 'اور ہر انسان دوسرے انسان سے متنفر 'اور پھر یہ تمام جنگ و نزاع کس کے نام پر کی جارہی ہے؟ اسی خدا کے نام پر 'اور اسی خدا کے دین کے نام پر 'جس نے سب کو ایک ہی چوکھٹ پر جھکایا تھا اور سب کو ایک ہی رشتہ اخوت میں جکڑ دیا تھا؟ (ص ۲۰۴)

اس مرحلہ پر مولانا نے قرآن کریم کی حسب ذیل تین آیات کو بطور استدلال پیش کیا ہے:

(۱) قُلْ یَآ أَهْلَ الْکِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّآ اِلَّآ أَنْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَO (المائدۃ: ۵۹)

ترجمۂ مولانا: ان لوگوں سے کہو کہ اے اہل کتاب 'تم جو ہماری مخالفت میں کمر بستہ ہو گئے ہو 'تو بتلاؤ 'اس کے سوا ہمارا جرم کیا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور جو کچھ ہم پر نازل ہوا ہے 'اور جو کچھ ہم سے پہلے نازل ہو چکا ہے 'سب پر ایمان رکھتے ہیں (پھر کیا خدا پرستی اور خدا کے تمام رسولوں کی تصدیق تمہارے نزدیک جرم اور عیب ہے؟ افسوس تم پر!) تم میں اکثر ایسے ہی ہیں 'جو راہ حق سے یکسر برگشتہ ہیں (ص ۲۰۴)

(۲) وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ O (مریم: ۳۶)

ترجمۂ مولانا: دیکھو 'خدا تو میرا اور تمہارا 'دونوں کا پروردگار ہے۔ پس اسی کی بندگی کرو۔ یہی دین کی سیدھی راہ ہے!

(۳) قُلْ اَتُحَاجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ج وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ج وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ O (البقرۃ: ۱۳۹)

ترجمۂ مولانا: (اے پیغمبر ان سے) کہو 'کیا تم خدا کے بارے میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو' حالانکہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا پروردگار وہی ہے اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں 'تمہارے لئے تمہارے اعمال '(یعنی ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق نتیجہ ملنا ہے' پھر اس بارے میں جھگڑا کیوں ہو) (ص ۲۰۴-۲۰۵)

مولانا فرماتے ہیں کہ زندگی کے ہر مسئلہ کی طرح مذہب کے معاملے میں بھی قرآن جبر و تشدد سے اجتناب کرنے اور ہر قسم کے اختلاف کی مانند شریعتوں کے اختلافات میں بھی رواداری' حلم' وسیع النظری اور کشادہ قلبی کا درس دیتا ہے۔ یہ اختلاف فطرتِ بشری کے عین مطابق ہے۔ ہر شخص اپنی مخصوص فکر' مخصوص مزاج' مخصوص پسند و ناپسند اور منفرد طبیعت کا مالک ہوتا ہے۔ اس لئے دوسروں سے اختلاف کرنا ایک قدرتی امر ہے۔ لیکن اگر ان اختلافات کی بنیاد پر ظلم و تعدی کا بازار گرم کر دیا جائے اور تشدد کی آگ بھڑکا دی جائے تو یہ کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔ اس سے پورا معاشرہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اس میں صرف اہل ثروت اور اہل قوت ہی پنپ سکیں گے 'کمزور' زیردست اور تہی دست طبقے کو زندہ ہی نہیں رہنے دیا جائے گا۔ یا تو وہ اپنے ضمیر کی آواز کو کچل کر' ہر معاملے میں 'زبردستوں کی ہمنوائی کریں 'یا پھر ان کے ذریعہ جاری کئے گئے پروانہ موت پر 'بے چون و چرا' دستخط کر دیں' قرآن نے اس قسم کی تمام باتوں سے روکا' ظلم و تشدد سے منع کیا اور امن و اخوت' صلہ رحمی نیز رواداری کی تعلیم دی۔ مولانا کے الفاظ میں:

"یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جہاں کہیں قرآن نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اگر خدا چاہتا تو تمام انسان ایک راہ پر جمع ہو جاتے 'یا ایک ہی قوم بن جاتے جیسا کہ آیت مندرجہ صدر میں ہے 'تو ان سب سے مقصود اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ وہ چاہتا ہے 'یہ بات لوگوں کے دلوں میں اتار دے کہ فکر و عمل کا اختلاف طبیعتِ بشری کا قدرتی خاصہ ہے 'اور جس طرح ہر گوشہ میں موجود ہے 'اسی طرح مذہب کے معاملے میں بھی موجود ہے۔ پس اس اختلاف کو حق و باطل کا معیار نہیں سمجھنا چاہئے۔ وہ کہتا ہے 'جب خدا نے انسان کی طبیعت ہی ایسی

بنائی ہے کہ ہر انسان' ہر قوم' ہر عہد' اپنی اپنی سمجھ' اپنی اپنی پسند' اپنا اپنا طور طریقہ رکھتا ہے' اور ممکن نہیں' کسی ایک چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی تمام انسانوں کی طبیعت ایک طرح کی ہو جائے' تو پھر کیوں کر ممکن تھا کہ مذہبی اعمال و رسوم کی راہیں مختلف نہ ہوتیں اور سب ایک ہی طرح کی وضع و حالت اختیار کر لیتے؟ یہاں بھی اختلاف ہوتا تھا' اور اختلاف ہوا۔ کسی نے ایک طریقے سے اصل مقصود حاصل کرنا چاہا' کسی نے دوسرے طریقے سے' لیکن اصل مقصود' یعنی خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم' تو اس میں سب متفق رہے۔ پس جب اصل مقصود سب کا ایک ہے تو محض ظواہر و اعمال کے اختلاف سے کیوں ایک دوسرے کے مخالف و معاند ہو جائیں؟ کیوں ہر گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلائے؟ کیوں مذہبی سچائی کسی ایک ہی نسل و گروہ کی میراث سمجھ لی جائے؟

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ شریعتوں کے اس اختلاف ہی کے لئے نہیں' بلکہ فکر و عمل کے ہر اختلاف کے لئے رواداری اور وسعتِ نظری کی تعلیم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اس دعوت کے خلاف جبر و تشدد کام میں لا رہے تھے' ان کی طرف سے بھی اسے معذرت کرنے میں تامل نہیں۔ ایک موقع پر خود پیغمبر اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: تم جوش دعوت میں چاہتے ہو کہ ہر انسان کو راہ حقیقت دکھا دو' لیکن تمہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ اختلاف فکر و عمل طبیعتِ انسانی کا قدرتی خاصہ ہے۔ تم بہ جبر کسی کے اندر ایک بات نہیں اتار سکتے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ○ (یونس: ۹۹)

"اور اگر تمارا پروردگار چاہتا تو زمین میں جتنے انسان ہیں' سب ایمان لے آتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے) پھر کیا تم چاہتے ہو' لوگوں کو مجبور کر دو کہ مومن ہو جائیں"

(ص ۱۴۰-۱۴۱)

لیکن ان اخوت و بھائی چارہ' انسانی ہمدردی اور رواداری کی عالمگیر اور ابدی تعلیمات کے باوجود' پیروان اسلام کے علاوہ' دیگر مذاہب کے ماننے والوں نے قرآن کریم کی مخالفت کی اور اس کی تعلیمات کو ماننے سے انکار کر دیا' اس کا سبب مولانا نے یہ بتایا ہے کہ چونکہ قرآن کریم نے تمام صحف سماوی کی حقانیت کا اعلان کیا' اور کسی کو بھی جھٹلایا نہیں' بلکہ ان کے پیرووں پر زور دیا کہ وہ ان کی اصل تعلیمات کو اپنائیں اور ان پر عمل کریں' اس لئے تمام مذاہب کے پیرو اس سے ناراض ہو گئے در اصل یہ لوگ اس بات کے عادی تھے کہ اپنے مذہب کے سوا باقی تمام مذاہب کو باطل قرار دیں اور ان کی تکذیب کریں' نیز اپنے پیغمبر پر نازل ہوئے صحیفہ کے علاوہ باقی تمام آسمانی صحیفوں کو جھٹلائیں۔ اس کے برخلاف قرآن نے تمام صحف سماوی کو برحق اور تمام پیغمبروں کی تعلیمات کو درست اور قابل تقلید قرار دیا البتہ اتنا ضرور کہا کہ ان کے پیرووں نے' اپنے اپنے مقاصد کے پیشِ نظر' ان میں تحریف کر لی ہے اور ان کی اصل تعلیمات کو مسخ کر دیا ہے۔ قرآن کا یہ کہنا کہ سب کو سچ اور برحق مانو ان لوگوں کو پسند نہ آیا جو اپنے علاوہ سب کو بلا سوچے سمجھے' گمراہ قرار دیتے تھے۔ مولانا نے قرآن اور اس کے مخالفوں میں بناء نزاع' کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے' جس میں "پیروان مذہب کی مخالفت اس لئے نہ تھی جھٹلاتا کیوں ہے' بلکہ اس لئے تھی کہ جھٹلاتا کیوں نہیں" کے ذیلی عنوان کے تحت مولانا فرماتے ہیں:

اصل یہ ہے کہ پیروان مذاہب کی مخالفت اس لئے نہ تھی کہ وہ انہیں جھٹلاتا کیوں ہے' بلکہ اس لئے تھی کہ جھٹلاتا کیوں نہیں؟ ہر مذہب کا پیرو چاہتا تھا کہ وہ صرف اسی کو سچا کہے' باقی سب کو جھٹلائے اور چونکہ وہ یکساں طور پر سب کی تصدیق کرتا تھا' اس لئے کوئی بھی اس سے خوش نہیں ہو سکتا تھا۔ یہودی اس بات سے بہت خوش تھے کہ قرآن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتا ہے' لیکن وہ صرف اتنا ہی نہیں کرتا تھا' وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بھی تصدیق کرتا تھا' اور یہیں آکر اس میں اور یہودیوں میں نزاع شروع ہو جاتی تھی۔ عیسائیوں کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا کہ حضرت مسیح اور حضرت مریم کی پاکی و صداقت کا اعلان کیا جائے؟ لیکن قرآن صرف اتنا ہی نہیں کرتا تھا' وہ یہ بھی کہتا تھا کہ نجات کا دارومدار

اعتقاد و عمل پر ہے، نہ کہ کفارہ و اصطباغ پر اور قانون نجات کی
یہ عالمگیر وسعت عیسائی کلیسا کے لئے ناقابل برداشت تھی۔
اسی طرح قریش کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی دل
خوش صدا نہیں ہو سکتی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور
حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بزرگی کا اعتراف کیا جائے لیکن
جب وہ دیکھتے تھے کہ قرآن جس طرح ان دونوں کی بزرگی کا
اعتراف کرتا ہے، اسی طرح یہودیوں کے پیغمبروں اور
عیسائیوں کے داعی کا بھی معترف ہے تو ان کے نسلی اور جماعتی
غرور کو ٹھیس لگتی تھی۔ وہ کہتے تھے "ایسے لوگ حضرت ابراہیم
علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیرو کیوں کر
ہو سکتے ہیں، جو ان کی بزرگی اور صداقت کی صف میں دوسروں
کو بھی لا کھڑا کرتے ہیں"۔ (ص ۲۱)

اس کے بعد پوری بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ
قرآن کریم اور اس کے مخالفین میں اختلاف بنیادی طور پر تین اصولوں پر
تھا اور یہ ایسے اصول تھے جن پر اس کے مخالفین کسی بھی حال میں اس
سے متفق نہیں ہو سکتے تھے اس لئے کہ یہ ان کے باطل معتقدات پر
ضرب کاری لگاتے ہیں:

(۱) وہ مذہبی گروہ بندی کی روح کا مخالف تھا اور دین کی وحدت
یعنی ایک ہونے کا اعلان کرتا تھا۔ اگر پیروان مذہب یہ مان لیتے تو
انہیں یہ تسلیم کر لینا پڑتا کہ دین کی سچائی کسی ایک ہی گروہ کے
حصہ میں نہیں آئی ہے، سب کو یکساں طور پر ملی ہے۔ لیکن یہی ماننا ان کی
گروہ پرستی پر شاق گزرتا تھا۔

(۲) قرآن کہتا تھا، نجات اور سعادت کا دارومدار اعتقاد و عمل پر ہے۔
نسل، قوم، گروہ بندی اور ظاہری رسم ریت پر نہیں ہے۔ اگر یہ اصل وہ
تسلیم کر لیتے تو پھر نجات کا دروازہ بلا امتیاز تمام نوع انسانی پر کھل جاتا اور
کسی ایک مذہبی حلقہ کی ٹھیکہ داری باقی نہ رہتی۔ لیکن اس بات کے لئے
ان میں سے کوئی بھی تیار نہ تھا۔

(۳) وہ کہتا تھا، اصل دین خدا پرستی ہے۔ اور خدا پرستی یہ ہے کہ ایک
خدا کی براہ راست پرستش کی جائے لیکن پیروان مذاہب نے کسی نہ کسی
شکل میں شرک و بدعت پرستی کے طریقے اختیار کر لئے تھے اور گو انہیں
اس بات سے انکار نہ تھا کہ اصل دین خدا پرستی ہے، لیکن یہ بات شاق
گزرتی تھی کہ اپنے مالوف و معتاد طریقوں سے دست بردار ہو جائیں"۔
(ص ۲۲)

اس کے بعد مولانا نے ایک بہت ہی اہم سوال اٹھایا ہے۔ وہ یہ کہ جب
تمام مذاہب کا مقصد ایک ہی ہے اور جب تمام پیغمبروں نے ایک ہی
بنیادی سچائی اور ایک ہی دین کی پیروی کی تعلیم دی، تو پھر قرآن کے وجود
میں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ ایک سوال تھا جو وحدت دین کے سلسلہ
میں مولانا کے خیالات کا مطالعہ کرنے کے بعد عام قاری کے ذہن میں
خلجان پیدا کر سکتا تھا۔ مولانا کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے بحث کے اس پہلو
کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا اور ایک عامی کی نفسیات کو ذہن میں رکھ کر اس
بنیادی سوال کا بھی تشفی بخش جواب فراہم کر دیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ
بات تمام شکوک و شبہات سے بالاتر ہے کہ تمام مذاہب سچے اور برحق
ہیں۔ ان کی بنیادی تعلیمات کی صداقت میں کوئی کلام نہیں، لیکن اس
حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان پر عمل کرنے والوں نے رفتہ
رفتہ ان سے انحراف کیا اور بالآخر ان کو مسخ کر دیا۔ اور پھر وہ صراط مستقیم
سے بھٹک گئے۔ لہٰذا اس گمراہی اور ضلالت کو دور کرنے کے لئے
ضروری تھا کہ ایک آخری آسمانی صحیفہ نازل ہو جو اپنے سے پہلے نازل
ہونے والے تمام صحیفوں کی صداقت کا اعلان کرے "تمام مذاہب کو سچا
بتائے" اور تمام پیغمبروں کی تعلیمات پر مہر صداقت ثبت کرے، لیکن اسی
کے ساتھ اہل دنیا کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کرے کہ ان کے پیرو راہ
راست سے بھٹک گئے ہیں اور صریح گمراہی میں پڑ گئے ہیں، اور اسی کے
دوش بدوش یہ بھی بتائے کہ صراط مستقیم کیا ہے اور اس ضلالت و گمراہی
سے نکلنے کی راہ کیا ہے۔ یہ اہم کام قرآن نے انجام دیا اور یہ اس کا ایک
عظیم کارنامہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"اچھا، جب تمام مذاہب کا اصل مقصد ایک ہی ہے،
اور سب کی بنیاد سچائی پر ہے تو پھر قرآن کے ظہور کی ضرورت
کیا تھی؟"
وہ کہتا ہے "اس لئے کہ اگرچہ تمام مذاہب سچے ہیں، لیکن تمام
مذاہب کے پیرو سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اس لئے
ضروری ہے کہ سب کو ان کی گم شدہ سچائی پر از سر نو جمع کر دیا
جائے اس سلسلہ میں اس نے پیروان مذاہب کی تمام گمراہیاں
ایک ایک کر کے گنائی ہیں۔ وہ اعتقادی اور عملی دونوں طرح کی

ہیں۔ من جملہ ان کے ایک سب سے بڑی گمراہی جس پر جابجا زور دیتا ہے' وہ ہے' جسے اس نے تشیّع' اور تحزّب کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ عربی میں تشیّع اور تحزّب کے معنی یہ ہیں کہ الگ الگ جتھے بنالینا اور ان میں ایسی روح کا پیدا ہو جانا جسے اردو میں گروہ پرستی کی روح سے تعبیر کیا جاسکتا ہے:

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ (الانعام: ۱۵۹)

جن لوگوں نے اپنے ایک ہی دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور الگ الگ گروہ بندیوں میں بٹ گئے' تمہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کا معاملہ خدا کے حوالے ہے' جیسا کچھ ان کا عمل رہا ہے اس کا نتیجہ خدا انہیں بتادے گا۔

(۲) فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (المؤمنون: ۵۳)

ترجمہ: پھر لوگوں نے ایک دوسرے سے کٹ کر' جدا جدا دین بنالئے' ہر ٹولی کے پلے جو کچھ پڑگیا اسی میں مگن ہے (ص ۱۹۱۔۱۹۲)

اپنے نقطۂ نظر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

مذاہب عالم کا اختلاف صرف اختلاف ہی کی حد تک نہیں رہا ہے' بلکہ باہمی نفرت و مخاصمت کا ذریعہ بن گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ مخاصمت کیوں کر دور ہو؟ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تمام پیروان مذاہب اپنے دعوے میں سچے مان لئے جائیں کیونکہ ہر مذہب کا پیرو صرف اسی بات کا مدّعی نہیں ہے کہ وہ سچا ہے' بلکہ اس کا بھی مدّعی ہے کہ دوسرے جھوٹے ہیں۔ پس اگر ان کے دعاوی مان لئے جائیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر مذہب بیک وقت سچا بھی ہے اور جھوٹا بھی ہے۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ سب کو جھوٹا قرار دیا جائے کیوں کہ اگر تمام مذاہب جھوٹے ہیں تو پھر مذہب کی سچائی ہے کہاں؟ پس اگر کوئی صورت رفع نزاع کی ہو سکتی ہے' تو وہ وہی ہے جس کی دعوت لے کر قرآن نمودار ہوا ہے۔ تمام مذاہب سچے ہیں کیوں کہ اصل دین ایک ہی ہے اور سب کو دیا گیا ہے لیکن تمام پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں' کیوں کہ دین کی حقیقت اور وحدت ضائع کر دی ہے اور اپنی گمراہیوں کی الگ الگ ٹولیاں بنالی ہیں اگر ان گمراہیوں سے لوگ باز آجائیں اور اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر کار بند ہو جائیں تو مذاہب کی تمام نزاعات ختم ہو جائیں گی۔ ہر گروہ دیکھ لے گا کہ اس کی راہ بھی اصلاً وہی ہے' جو اور تمام گروہوں کی راہ ہے۔ قرآن کہتا ہے' تمام مذاہب کی یہی مشترک اور متفقہ حقیقت الدین ہے۔ یعنی نوع انسانی کے لئے حقیقی دین اور اسی کو وہ "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہے۔ (ص ۲۱۴)

مجدد ملت حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلوی نے بھی اس موضوع پر اظہار خیال فرمایا ہے آپ نے اپنی معرکۃ الآراء تالیف "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس اہم اور نازک موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد اور شاہ صاحب کے افکار و خیالات کا تقابلی مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دونوں میں حیرت انگیز طور پر ہم آہنگی اور یکسانیت ہے۔ اس کا بنیادی سبب غالباً یہ ہے کہ ہندوستان کے علماء و مشائخ میں مولانا سب سے زیادہ شاہ صاحب سے ہی متاثر نظر آتے ہیں۔ وہ شاہ صاحب کے نفوذ ذہن' اسلامی خدمات اور باطنی کمالات کے بے حد معترف ہیں۔ انہوں نے جہاں کہیں بھی اپنی تحریروں میں شاہ صاحب کا تذکرہ کیا ہے' وہاں ہر جگہ وہ آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ مثال کے لئے مولانا کی تالیف "تذکرہ" سے ایک مختصر سا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ شاہ صاحب کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

بارہویں صدی کا ایک عظیم ترین ظہور علم و معارف دیکھو۔ زمین بنجر ہو چکی تھی۔ پھر بھی کھیتوں کی سبزی اور چمنوں کی لالی سے کوئی گوشہ بالکل خالی نہ تھا۔ تیرہویں صدی کے تمام کاروبار علم و طریقت کے اکابر و اساتذہ اسی صدی میں سربرآوردہ ہوئے۔ بعض بڑے بڑے سلاسلِ درس و تدریس کی بنیادیں اسی میں استوار ہوئیں۔

بایں ہمہ معلوم ہے کہ جو دورۂ آخر کے "فاتح" اور "سلطانِ عصر" ہونے کا مقام تھا اور تعلیت وقت کا' وہ صرف حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ (رضی اللہ عنہ) ہی کے لئے تھا۔ اور لوگ بھی بے کار نہ رہے "کام کرتے رہے۔ مگر جو کام یہاں انجام پایا' وہ یہ صرف یہیں کے لئے تھا۔

فیضی احسنت ازیں عشق کہ دوراں امروز
گرم دارد زتو ہنگامہ رسوائی را(۱)

قارئین کرام محسوس کریں گے کہ مندرجہ بالا اقتباس کے جس حصہ میں شاہ صاحب کا تذکرہ ہے' اس کے ایک ایک لفظ سے مولانا کی بے پناہ عقیدت ٹپک رہی ہے۔ اس غیر معمولی ادب واحترام اور عقیدت کی روشنی میں اگر یہ کہا جائے کہ وحدت دین جیسے اہم مسئلہ پر مولانا نے شاہ صاحب سے براہ راست استفادہ کیا ہے' تو شاید بے جانہ ہوگا۔ لیکن مولانا کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر نظریہ اور ہر خیال کو' خواہ اس سلسلہ میں انہوں نے روشنی اپنے پیش رووں سے حاصل کی ہو' خواہ وہ خود ان کے نفوذ ذہن اور صدق کا نتیجہ ہو' وہ اسے بالکل نئے اور اور یجنل انداز میں پیش کرتے ہیں اور قاری کے ذہن میں یہی تاثر قائم ہوتا ہے کہ یہ مولانا کا اپنا ہی خیال ہے۔ مولانا نے زیر نظر بحث کو سورہ فاتحہ کی تفسیر میں اٹھا کر اور اس کے تمام پہلووں پر روشنی ڈال کر فن تفسیر کو نیا آہنگ عطا کیا ہے۔

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ کے مبحث ششم جس کا عنوان "مبحث السیاسات الملیہ" ہے' کے باب سوم (بیان ان اصل الدین واحد والشرائع والمناهج مختلفة) میں اس مسئلہ سے بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ تمام مذاہب وادیان کی اصل ایک ہے' اختلاف صرف شریعتوں اور نظم عبادت میں ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین کی بنیادی باتوں پر کلی اتفاق ہے البتہ مخصوص حالات اور عصری تقاضوں کے پیش نظر طریقۂ عبادت میں اختلاف ہوا جو کہ سرتاسر فطری بات تھی لیکن ان فروعی اختلافات نے کسی طرح بھی اصل کو متاثر نہیں کیا۔ اس ضمن میں شاہ صاحب نے تمام رسولوں اور پیغمبروں کی تعلیمات میں یکسانیت اور ہم آہنگی تلاش کی ہے اور بہ دلائل ثابت کیا ہے ان میں کسی طرح کا بعد یا اختلاف نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالی: (شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ) قال مجاهد: أوصيناك يا محمد واياهم دينا واحدا، وقال تعالى (وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ط فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ) يعني ملة الإسلام ملتكم فتقطعوا يعني المشركين واليهود والنصارى وقال تعالى (لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا) قال ابن عباس: سبيلا وسنة وقال تعالى: (لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ) يعني شريعة هم عاملون بها (ص: ۸٦)

ترجمہ' خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: خدا نے دین کا تم کو وہی راستہ بتایا ہے جس کی نوح کو وصیت کی تھی اور جو وحی ہم نے تجھ پر نازل کی۔ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی اسی کی وصیت کی تھی اور وہ یہی بات تھی کہ دین حق کو ٹھیک رکھیو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالیو۔ مجاہد کا قول ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تجھ کو اور نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی تھی اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے: (تم سب کی امت ایک ہی ہے۔ میں ہی تمہارا رب ہوں۔ اس سے ڈرتے رہو۔ پھر پھوٹ کر اپنے کام کو اُنہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اپنی اپنی باتوں پر ہر ایک فریق خوش ہوا کرتا ہے) یعنی تمہارا دین اسلام ہے۔ اس لئے مشرکین اور یہود ونصاریٰ سے الگ رہو اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے: (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک ایک طریق اور راستہ مقرر کر دیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کے معنی یہی کئے ہیں یعنی راستہ اور طریقہ نیز خدا تعالیٰ فرماتا ہے: (ہم نے ہر ایک امت کے لئے عبادت کے طریقے قرار دیے کہ وہ ان پر چلتی رہے) یعنی ان کے لئے شریعت اور راہیں

---

(۱) تذکرہ لاہور۔ انارکلی کتاب گھر ۱۹۹۹ء ص ۲۱۸-۲۱۹

مقرر کردیں کہ وہ ان پر عمل کریں۔(۱)

اس کے بعد دین کی وحدت اور شریعتوں کے اختلاف کی توضیح کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں:

(اعلم)أن أصل الدين واحد اتفق عليه الأنبياء عليهم السلام وانما الاختلاف فى الشرايع والمناهج، تفصيل ذالك أنّه أجمع الانبياء عليهم السلام على توحيد الله تعالىٰ عبادة واستعانة وتنزيهه عما لا يليق بجنابه وتحريم الالحادفى أسمائه وأن حق اللّه تعالىٰ على عباده أن يعظموه تعظيماً لا يشوبه تفريط وان يسلموا وجوههم وقلوبهم اليه وأن يتقربوا بشعائر اللّه الىَ اللّه (ص٨٦-٨٧)

ترجمہ: (معلوم کرو کہ) دین کی اصل ایک ہی شے ہے۔ تمام انبیاء اس پر متفق ہیں۔ اگر اختلاف ہے تو اس کی طریقوں میں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ عبادت اور استعانت صرف خدا تعالیٰ ہی سے ہے۔ جو امور کہ اس کی بارگاہ قدس کے مناسب نہیں ہیں، ان سے خدا کو منزہ سمجھیں۔ اس کے ناموں میں الحاد کو حرام سمجھیں اور بندوں پر خدا کا حق یہ ہے کہ اس کی نہایت درجہ تعظیم کریں۔ کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو اپنی ذاتوں اور دلوں کو خدا کے حوالے کردیں۔ خدا کے شعائر کے ذریعہ قرب خداوندی حاصل کریں۔ (ص ۳۵)

واللّه ينزل الكتاب على من يشاء من عباده ويفرض طاعته على الناس وأنّ القيامة حقّ والبعث بعد الموت حقّ والجنّة حقّ والنار حقّ وكذالك اجمعوا على انواع البر من الطهارة والصلاة والزكاة والصوم والحج والتقرّب الىٰ اللّه بنوافل الطاعات من الدعاء والذكر وتلاوة الكتاب المنزل من اللّه وكذالك اجمعوا علىٰ النكاح وتحريم السفاح وإقامة العدل بين الناس وتحريم المظالم وإقامة الحدود علىٰ اهل المعاصى والجهاد مع أعداءاللّه والإجتهاد فى اشاعة أمراللّه ودينه فهذا اصل الدين ولذالك لم يبحث القرآن العظيم عن لمية هذه الأشياء الاّ ما شآء اللّه فانها كانت مسلمة فى من نزل القرآن على ألسنتهم وانما الأختلاف فى صور هذه الأمور وأشباحها فكان فى شريعة موسىٰ عليه السلام الاستقبال فى الصلاة الىٰ بيت المقدس وفى شريعة نبينا صلى اللّه عليه وسلّم الىٰ الكعبة وكان فى شريعة موسىٰ عليه السلام الرجم فقط وجاءت شريعتنا بالرجم للمحصن والجلد لغيره وكان فى شريعة موسىٰ عليه السلام القصاص فقط وجاءت شريعتنا بالقصاص والدّية جميعاً وعلى ذالك اختلافهم فى أوقات الطاعات وآدابها واركانها،وبالجملة فالأوضاع الخاصّة التى مهدت وبنيت بها انواع البر والارتفاقات هى الشرعة والمنهاج واعلم ان الطاعات التى أمر اللّه تعالىٰ بها فى جميع الأديان إنما هى اعمال تنبعث من الهيئات النفسانية-(ص:٨٧)

ترجمہ: اور خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی کتاب نازل فرماتا ہے۔ اپنی اطاعت کو بندوں پر فرض کرتا ہے اور قیامت کا ہونا حق ہے بعد مرنے کے جی اٹھنا حق ہے۔ جنت و دوزخ حق ہیں۔ علیٰ ہذا۔ تمام انبیاء نیکی کے تمام اقسام

---

(۱) کتاب حجۃ اللہ البالغہ (اردو ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ) مترجم خلیل احمد۔ ص ۳۵

طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نوافل، طاعت، دعا، ذکر، کتاب
الہٰی کی تلاوت کے ذریعے خدا کی حضور میں تقرب حاصل
کرنے پر سب متفق ہیں نکاح کی حلت اور زنا کی حرمت پر سب کا
اتفاق ہے۔ سب کے نزدیک لوگوں میں انصاف قائم کرنا چاہئے
اور ظلم کی صورتوں کو سب حرام بتاتے ہیں۔ نافرمانوں پر حدود
سب مقرر کرتے ہیں۔ دشمنان الہٰی سے جہاد اور احکام الہٰی اور
دین خداوندی کی اشاعت میں نہایت درجہ کوشش کرتے
ہیں۔ یہ امور دین کی بیخ و بنیاد ہیں۔ قرآن پاک میں ان امور
کے قرار پانے کی وجہ نہیں بیان کی ہے۔ الاماشاء اللہ۔ اس لئے
کہ ان لوگوں کے نزدیک، جن کی زبان میں قرآن نازل
ہوا ہے، یہ سب امور مسلّم تھے۔ اختلاف اگر ہے تو ان امور کی
صورتوں اور شکلوں میں ہے اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ
السلام کی شریعت میں نماز کے وقت بیت المقدس کی جانب
رخ کرنا پڑتا تھا اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت
میں قبلہ رخ کھڑا ہونا چاہئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی
شریعت میں زانی کے لئے رجم (سنگساری) سزا تھی اور ہماری
شریعت میں محصن (شادی شدہ محصن) قابل رجم ہے اور
دوسرے کے لئے تازیانہ مارنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی
شریعت میں صرف قصاص کا ہی حکم تھا اور ہماری شریعت میں
قصاص کے ساتھ دیت بھی ہے اور ایسے ہی اطاعتوں کے
اوقات اور ان کے آداب اور ارکان میں بھی اختلاف کا حال
سمجھ لو۔ بہرحال نیکی اور تدابیر نافع کی جو خاص خاص صورتیں
مقرر کی گئی ہیں ان کا نام شریعت اور منہاج ہے اور یہ بھی
معلوم کرلینا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے جن عبادتوں کا عام مذاہب
میں حکم فرمایا ہے وہ انہیں اعمال کا نام ہیں جو نفس کی حالتوں اور
ہیئتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ (ص ۳۵-۳۶)

اس کے بعد شریعتوں میں اختلاف کے اسباب و وجوہ پر روشنی
ڈالتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں:

**واعلم انّه انّما اختلفت شرائع الأنبياء عليهم
السلام لأسباب ومصالح وذالك ان شعائر الله
انّما كانت شعائر لمعدات وان المقادير يلاحظه
فی شرعها حال المكلّفين وعاداتهم .
فلمّا كانت امزجة قوم نوح عليه السلام فی
غاية القوّة والشدّة كما نبه عليه الحقّ تعالىٰ
استوجبوا ان يؤمروا بدوام الصيام ليقاوم
سورة بهيميتهم، ولمّا كانت امزجة هذه الأمّة
ضعيفة نهوا عن ذالك وكذالك لم يجعل اللّه
تعالىٰ الغنائم حلالاً للاوّلين واحلها لنا لما رأى
ضعفنا وان مراد الأنبياء عليهم السلام اصلاح
ما عندهم من الارتفاقات فلا يعدل عنها الىٰ ما
يباين المألوف الّا ما شاء الله- وان مظان
المصالح تختلف باختلاف الأعصار والعادات
ولذالك صح وقوع النسخ وانّما مثله كمثل
الطبيب يعمد الى حفظ المزاج المعتدل فی جميع
الأحوال فتختلف احكامه باختلاف الأشخاص
والزمان فيأمر الشباب ويأمر فی الصيف بالنوم
فی الجو لما يرى أن الجو مظنّة الاعتدال حينئذ
ويأمر فی الشتاء بالنوم داخل البيت لما يرى
انه مظنّة البرد حينئذ (ص:۸۹)**

ترجمہ: اور جاننا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں
اختلاف اسباب اور مصلحتوں کی وجہ سے ہوگیا ہے اس لئے
شعائر خداوندی کا شعار قرار پانا معدات کی وجہ سے ہے اور
احکام کی مقداریں مقرر کرنے میں مکلفین کی حالت اور عادات
کا لحاظ کیا گیا ہے۔ چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے
مزاج نہایت سخت اور قوی تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔
اس لئے وہ اسی قابل تھے کہ ہمیشہ روزہ رکھنے کا ان کو حکم ہوا جاتا
تاکہ ان کی قوت بہیمی میں روزہ سے کسی قدر کمزوری اور
خاموشی پیدا ہو۔ اور ایسے امت محمدیہ کے مزاج ضعیف تھے
اس لئے ہمیشہ روزہ رکھنے سے منع کردیئے گئے۔ اور ایسے ہی

مال غنیمت کو خدا نے اگلے لوگوں کے لئے حلال نہیں کیا تھا' لیکن ہمارا ضعف دیکھ کر اس کو حلال کر دیا۔ انبیاء علیہم السلام کا بڑا قصد یہ ہوا کرتا ہے کہ ان تدابیر کی اصلاح ہو جائے جو لوگوں میں دائر و سائر رہا کرتی ہیں۔ لوگوں کے کسی مخالف طبع امر سے کبھی تجاوز نہیں کیا جاتا ہے۔ الا ماشاء اللہ اور مصلحتوں کے مواقع زمانوں اور عادتوں کے مختلف ہونے سے بدلتے رہا کرتے ہیں اور اسی بناء پر نسخ کا ہونا صحیح ہے۔ نسخ کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے کوئی طبیب اس امر کا قصد کرے کہ سب حالتوں میں مزاج حالت اعتدال پر محفوظ رہے۔ اسی واسطے شخصوں اور زمانے کے ہمرنگ نہ ہونے سے اس طبیب کے احکام ایک ڈھنگ کے نہیں ہوسکتے۔ وہ جوان کو ایسی باتیں بتائے گا کہ ان سے بوڑھے کو منع کردے گا' وہ یہ دیکھ کر کہ موسم گرما میں احتمال اعتدال باہر ہوا میں ہوتا ہے یہ حکم دے گا کہ اس موسم میں باہر سونا چاہئے اور موسم سرما میں سردی کا لحاظ کرکے یہ بتائے گا کہ اس موسم میں مکان کے اندر سونا چاہئے۔ (ص ۱۳۹۔۱۴۰)

فمن عرف اصل الدين اسباب اختلاف المناهج لم يكن عنده تغيير ولا تبديل ولذالك نسبت الشرائع الى اقوامها و رجعت الأئمة اليهم حين استوجبوا بها بما عند هم من الاِستعداد و يسألوها جهد سؤالهم بلسان الحال وهو قوله تعالىٰ(فَتَقَطَّعُوٓا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ) ولذالك ظهر فضل امّة نبيّنا صلى الله عليه وآله وسلّم حين استحقوا تعيين الجمعة لكونهم اميين برآء من العلوم المكتسبة واستحقت اليهود السبت لإعتقادهم انه يوم فرغ الله من الخلق وانه لحسن شئ لأداء العبادة مع ان كل بامر اللّٰه ووحيه،ومثل الشرائع فى ذالك كمثل العزيمة يؤمرون بها اولاً ثم يكون هنالك اعذار وحرج فتشرع لهم الرخص لمعنى يرجع اليهم فربما توجّه بذالك بعض الأئمة اليهم لكونهم استوجبوا ذالك بما عندهم (ص:۸۹)

ترجمہ: پس جو شخص اصلیت دین کو معلوم کرلے گا اور ان اسباب کو سمجھ لے گا جن کی وجہ سے مذہبی طریقے مختلف ہوا کرتے ہیں' تو اس کی نظر میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوگی۔ اسی بناء پر شریعت ہونے کا تعلق ان قوموں سے ہے جن میں وہ شریعت قائم کی گئی اور چونکہ اس قوم کی استعدادی حالت نے اس شریعت کے قابل ان کو بنا دیا تھا۔ اور انہوں نے بزبان حال نہایت اصرار سے گویا اس کی درخواست کی تھی۔ اس لئے وہی اسکے ہدف ملامت ہوا کرتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے: پھر لوگوں نے ایک دوسرے سے کٹ کر' جدا جدا دین بنالئے ہر ٹولی کے ملے جو کچھ پڑ گیا وہ اسی میں مگن ہے۔ اور اسی واسطے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ جمعہ کا دن ان کے حق میں معین کیا گیا اس لئے کہ وہ آگاہ نہ تھے اور تمام علوم کسبی سے علیحدہ تھے اور یہود کے لئے ہفتہ کا دن قرار دیا گیا اس لئے کہ یہودیوں کے اعتقاد میں تھا کہ ہفتہ ہی کے روز خدا دنیا کے پیدا کرنے کے کام سے فارغ ہوا تھا لہٰذا ادائے عبادت کے لئے یہی دن بہت اچھا ہے حالانکہ سب چیزیں خدا کے حکم اور وحی سے ہوا کرتی ہیں۔ اور شریعتوں کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی امر ماموربہ کی حالت ہوتی ہے' ان امور کا حکم دیا جاتا ہے' لیکن اس کے بعد عذر اور حرج پیش آجاتا ہے اس لئے ان لوگوں کی ذاتی حالت کے لحاظ سے اجازتیں اور رخصتیں مشروع ہو جایا کرتی ہیں تو اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنی ذاتی حالت کی وجہ سے خود کو اس امر کے قابل بنالیا تھا' وہی لوگ قابل ملامت ہوا کرتے ہیں۔ (ص ۱۴۰)

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دونوں کے نزدیک تمام پیغمبروں اور رسولوں نے بنیادی طور پر اپنی اپنی امتوں اور پیروؤں کو

(بقیہ ص ۳۲ پر)

ابن احمد نقوی

فکرِ اقبال

(۱۲)

جمال الدین افغانی نے کہا کہ مغربی سیاستدانوں نے اپنی سیاسی اغراض کے لئے اہل دین کو وطن پرستی کی تعلیم دی وہ تو اپنی طاقت کی مرکزیت کے لئے چالیں چل رہے ہیں اور مسلمان شام و فلسطین و عراق کی سرحدوں میں الجھے ہوئے ہیں اگر مسلمانوں میں بھلائی برائی کے امتیاز کا شعور ہے تو انہیں سنگ و خشت یعنی قوم و وطن کے جھگڑوں میں نہیں الجھنا چاہئے۔ دین کیا ہے؟ اپنی خاک سے بلند ہونا اور اپنے آپ کو پہچاننا ہے جب انسان اللہ ھو کہتا ہے تو وہ حدود و قیود سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ وطن کی اہمیت ان اقوام کے لئے ہے جن کا وجود جغرافیائی حدود میں اسیر ہے۔ جو آفاقی وسعت رکھتے ہیں ان کے لئے مشرق و مغرب کے حدود بے معنی ہیں سورج کو دیکھ لو اگرچہ وہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے یعنی اسے مشرق سے خاص نسبت ہے لیکن وہ مشرق و مغرب ہر طرف اجالا کرتا ہے اس کے لئے حدود و قیود کی کوئی شرط نہیں ہے اس کی روشنی اور گردش اس قسم کی تقسیم سے مبرا ہے

لرد مغرب آں سراپا مکر و فن
اہل دیں را داد تعلیمِ وطن
او بفکر مرکز و تو در نفاق
بگذر از شام و فلسطین و عراق
تو اگر داری تمیز خوب و زشت
دل نہ بندی با کلوخ و سنگ و خشت
چیست دیں برخاستن از روئے خاک
تا ز خود آگاہ گردد جان پاک
می نہ گنجد آنکہ گفت اللہ ھو
در حدودِ ایں نظامِ چارسو
آں کفِ خاکے کہ نامیدی وطن
ایں کہ گوئی مصر و ایران و یمن

بلوطن اہل وطن را نسبتے است
زانکہ از خاکش طلوع ملتے است
گرچہ از مشرق برآید آفتاب
با تجلی ہائے شوخ و بے حجاب
فطرتش از مشرق و مغرب بری ست
گرچہ او از روی نسبت خاوری ست

اشتراکیت و ملوکیت کے بارے میں افغانی نے کہا کہ اشتراکیت محض شکم پروری اور تن پروری سکھاتی ہے اور ملک میں مساوات کا تصور شکم کی بنیاد پر ہے اسی طرح ملوکیت بھی فربہی تن کا نام ہے اس کا سینہ بھی نور سے تہی ہے پھول کی طرح جس کا شہد مکھی چوس لیتی ہے۔ پھول کی پتیاں اس کا رنگ وہی رہتا ہے بلبل اسے دیکھ کر چہچہاتی ہے لیکن دراصل پھول کی روح نکل چکی ہوتی ہے۔ اشتراکیت اور ملوکیت دونوں ہی خدا ناشناس اور آدم فریب ہیں اشتراکیت شورش اور بغاوت سکھاتی ہے ملوکیت خراج کے نام پر لوٹ مار اور استحصال کرتی ہے اور ان دو پتھروں کے بیچ میں انسان شیشہ کی طرح ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

سعید حلیم پاشا نے کہا ترکی میں مصطفیٰ کمال جدیدیت اور مغرب پرستی کا راگ الاپ رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہر قدیم چیز کو مٹا دیا جائے لیکن اگر کعبہ میں افرنگ سے لا کر بت رکھ دیئے جائیں تو کعبہ میں جدت کا رنگ تو نہیں آجائے گا۔ ترک یہ نہیں جانتے کہ عیش و سرور میں زندگی نہیں ہے وہ جسے جدید اور نیا سمجھ رہے ہیں وہ مغرب کا فرسودہ نظام ہے۔ اگر تم مسلمان ہو اور دل زندہ رکھتے ہو تو اپنے باطن کا مشاہدہ کرو اور قرآن کا مطالعہ کرو۔ قرآن میں تمہیں سیکڑوں نکتے مل جائیں گے۔ اس کی ہدایتوں پر عمل کر کے عصر حاضر کو موجودہ بحران سے

...جاسکتا ہے۔ بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک اور ہر دور ...س کے لئے ایک قبا کی طرح ہے جب وہ جہاں (دور) پرانا ہو جاتا ہے کہ ...آن کے مطالعہ سے وہ ایک نئی دنیا ' ایک نیا عہد پیدا کر لیتا ہے۔

صاحبِ سرمایہ از نسلِ خلیل
یعنی آں پیغمبرے بے جبرئیل
زانکہ حق درباطل او مضمر است
قلب او مومن دماغش کافرست
غربیاں گم کردہ اند افلاک را
در شکم جویند جانِ پاک را
رنگ و بو از تن نگیرد جان پاک
جز بہ تن کارے ندارد اشتراک
دینِ آں پیغمبرے حق ناشناس
بر مساوات شکم دارد اساس
ہم ملوکیت بدن رافربہی ست
سینہ بے نور و از دل تہی ست
مثل زنبورے کہ برگل می چرد
برگ را بگذارد وشہدش برد
شاخ وبرگ رنگ وبوئے گل ہماں
برجمالش نالۂ بلبل ہماں

مرگ باطن گرچہ دیدن مشکل است
گل مخواں اورا کہ درمعنی گِل است

مصطفیٰ کو از تجدد می سرود
گفت نقش کہنہ را باید زدود
نو نگردد کعبہ را رخت حیات
گر زافرنگ آیدش لات ومنات
ترک را آہنگ نو درچنگ نیست
تازہ اش جز کہنۂ افرنگ نیست
چوں مسلماناں اگر داری جگر
در ضمیر خویش ودر قرآں نگر

صد جہان تازہ در آیات اوست
عصرہا پیچیدہ در آنات اوست
یک جہانش عصر حاضررا بس است
گیر اگر در سینۂ دل معنی رس است
بندۂ مومن زآیات خدا ست
ہر جہاں اندر برِ او چوں قباست
چوں کہن گردد جہانے دربرش
می دہد قرآں جہانے دیگرش

اقبال نے کہا کہ ہم خاکیوں کی کشتی کا کوئی ناخدا نہیں ہے اور کسی کو عالم قرآنی کا علم نہیں ہے افغانی نے کہا کہ یہ دنیا تو خود ہمارے اندر موجود ہے اور یہ عالم ایک آواز قُم کا منتظر ہے یہ ایک ایسی دنیا ہے۔ جس میں نسل وخون کا امتیاز نہیں ہے اور اس کی شام بھی صبح افرنگ سے روشن تر ہے۔ یہ ایسا عالم ہے۔ جس میں بندہ و آقا کی تمیز نہیں ہے۔ یہ دنیا ایک نگاہ کے فیض سے زندگی کو بدل دیتی ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ کے ساتھ ہوا۔ اس (یعنی قرآن) کے محکمات نو بنو ہیں اس کا باطن تغیر و تبدل سے آشنا نہیں ہوتا لیکن اس کا ظاہر ہر دم تغیر و تبدیلی سے آشنا رہتا ہے۔

عالمے در سینۂ ماگم ہنوز
عالمے در انتظار قم ہنوز
عالمے بے امتیاز خون ورنگ
شام او روشن تر از صبح فرنگ
عالمے رعنا کہ فیضِ یک نظر
تخم او افگند در جانِ عمرؓ
لایزال و وارداتش نوبنو
برگ وبار محکماتش نوبنو
باطن او از تغیر بے غمے
ظاہر او انقلاب ہردمے

علامہ جمال الدین محکمات عالم قرآنی کے تحت خلافت آدم' حکومت الٰہی' زمین کی ملکیت' اور حکمت کے بارے میں بیش قیمت

نکات بیان کرتے ہیں یہ کائنات ابن آدم کا ورثہ ہے "انی جاعل فی الارض خلیفہ" اس پر شاہد ہے اس کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے ہے۔ یہاں ہر چیز انسان کی دسترس میں ہے لیکن انسان کائنات کا اسیر نہیں ہے انسان کا مقام قدوسیوں سے بلند ہے اور انسان کا احترام ہی اصل تہذیب ہے۔

پھر اقبال افغانی کی زبان سے عورتوں کی عظمت بیان کرتے ہیں کہ ملت میں ان کا مقام کتنا اہم ہے اور خواتین کا حجاب میں رہنا کیوں ضروری ہے اس کے کیا فوائد ہیں خلوت اور جلوت کے اثرات انسان کے ذہن اور کردار پر کیا ہوتے ہیں۔ خلوت تخلیق کی علامت ہے اور جلوت تحقیق کی۔ دیکھو دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے ہر طرف خالق کی تخلیق و آفرینش کے جلوے ہیں لیکن خود خالق پس پردہ ہے۔

افغانی حکومت الٰہی کے رموز بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مرد حق نہ کسی کا غلام ہوتا ہے نہ اس کا کوئی غلام ہوتا ہے اس کا ملک و آئین خدا داد ہے اور اسی لاہوتی رہنمائی سے اس کا ہر کام روا ہوتا ہے۔ عقل خود بینی اور خود غرضی سکھاتی ہے جبکہ وحی الٰہی پوری انسانیت کی فلاح اور بہبودی کو پیش نظر رکھتی ہے

مرد حق کا مطمع نظر انصاف ہوتا ہے اس کا اصول "لا یراعی لا یخاف" ہوتا ہے غیر حق پرست جب اقتدار حاصل کرتا ہے تو کمزوروں کو ستاتا ہے مرد حق اپنی قاہری سے کمزوروں کو اپنا مشیر بناتا ہے۔ سیاست افرنگ نے ہمیں کیا دیا ہے۔ کمزور اس سے اور زیادہ کمزور ہو گئے سچی بات تو یہ ہے کہ ہم سودا (جنس) ہیں اور فرنگی سوداگر، جس طرح چاہتے ہمیں بیچتے اور خریدتے ہیں دولت کی ہوس نے ان کی آنکھوں سے مروّت اور انسانیت چھین لی ہے ان کی عورتوں کیلئے بچوں کی پرورش ایک ناگوار بوجھ بن گیا ہے فرنگی زندگی کے گوناگوں جلوے اور پہلو دیکھ کر مجھے عبرت کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔ اے مسلمان فرنگ کی تقلید سے اپنے آپ کو بچا اور قرآن کا دامن پکڑ کر آزاد ہو جا۔

وائے بردستور جمہور فرنگ
مردہ تر شد مردہ از صور فرنگ
فاش باید گفت سرّ دلبراں
مامتاع و ایں ہمہ سوداگراں

دیدہ ہا بے نم زحب سیم وزر
مادراں را بار دوش آمد پسر
گرچہ دارد شیوہ ہائے رنگ رنگ
من بجز عبرت نگیرم از فرنگ
اے بہ تقلیدش اسیر آزاد شو
دامنِ قرآں بگیر آزاد شو

ارض ملک خداست (زمین اللہ کی ملکیت ہے) کے تحت اقبال افغانی کی زبان سے اپنا معروف موقف بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ دنیا ایک ایسی دلہن ہے جس کے سینکڑوں شوہر ہیں اور یہ ہرجائی سب کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتی ہے۔ لیکن یہ زمین، یہ سنگ و خشت کیا ہیں؟ یہ سب جمادات ہیں اور مومن مسافر ہے جس طرح سیار کو ثابت سے نسبت نہیں ہوتی اس طرح مسلمان کو بھی ان جمادات میں دل نہیں الجھانا چاہئے اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسان کے لئے متاع قرار دیا ہے اور ہمارے لئے یہ متاع مفت عطا کی ہے۔ اے زمین دارو ایک نکتہ کی بات سنو۔ اس زمین سے صرف روزی اور گور حاصل کرو۔ مسلمان ایک عقاب کی مانند ہے اسے آسمان کی بلندیوں میں اڑنا چاہئے۔ خاک (زمین) کی پستیوں سے اسے کیا لینا ہے الارض للہ کا فلسفہ یہی ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ تم اپنے قصر و ایوان چھوڑ دو۔ یہ دنیا اس کا سارا کارخانہ تمہارے لئے ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ لیکن آزری کو پیشہ نہ بناؤ ان ایوان و قصور سے اپنا دل نہ الجھاؤ انہیں معبود مت بناؤ تمہارا دل حریم خداوندی ہے اس میں اس کے سوا کسی اور کا ٹھکانہ نہیں ہونا چاہئے۔ مال و اولاد کی محبت میں اپنی حقیقت کو فراموش کر دینا ایسا ہی ہے جیسے بے گور و کفن مرنا جس نے لا الٰہ کا راز پالیا وہ دنیا میں گم نہیں ہوتا بلکہ دنیا کو اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے فقر فاقہ کشی اور مفلسی نہیں ہے یہ رہبانی بھی نہیں ہے بلکہ اصل سلطانی یہی فقر ہے۔

حق زمین را جز متاع ما نہ گفت
ایں متاع بے بہا مفت است مفت
دہ خدایا! نکتہ از من پذیر
رزق و گور از وے بگیر اورا مگیر

تو عقابی طائف افلاک شو
بال و پر بکشا و پاک از خاک شو
باطن الارض للہ ظاہر است
ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است
من نگویم در گذر از کاخ و کوے
دوست تست ایں جہاں رنگ و بوئے
از طریق آزری بیگانہ باش
بر مراد خود جہان نو تراش
دل برنگ و بوئے کاخ و کو مدہ
دل حریم اوست جز با او مدہ
مردن بے برگ و بے گور و کفن
گم شدن در نقرہ و فرزند و زن
ہر کہ حرف لاالٰہ از بر کند
عالمے را گم بخویش اندر کند
فقر جوع و رقص عریانی کجاست
فقر سلطانی است و رہبانی کجاست

"حکمت خیر کثیر است" کے تحت علم کی عظمت و اہمیت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علم نطق کو پرواز عطا کرتا ہے وہ آسمانوں میں راہ بناتا ہے اور نجم و قمر سے آنکھیں ملاتا ہے۔ علم صحرا سے پانی کے چشمے نکالتا ہے اور سمندر کو صحرا کی طرح استعمال کرتا ہے۔ لیکن سوز دل کے بغیر علم فتنہ گری ہے اور اس کا نور تاریکی کی طرف لے جاتا ہے۔ سینۂ افرنگ میں اسی بے سوز علم کے سبب آگ بھڑک رہی ہے۔ اسی علم نے اسے سفاکی و غارت گری سکھائی ہے اس کے ہوائی جہاز باغوں اور کھیتوں پر بم برساتے ہیں اور اس کی قوت ابلیس کی شریک بن گئی ہے۔ ابلیس کو مارنا بڑا مشکل کام ہے کیونکہ وہ دلوں کے اندر چھپا ہوا ہے بہتر یہ ہے کہ قرآن کی شمشیر سے ابلیس کا مقابلہ کرو اور اسے مسلمان بنالو جس علم میں عشق (سوز دل) کی لذت نہ ہو وہ شیطانی علم اور جو علم عشق کی آمیزش رکھتا ہے وہ ملکوتی ہے۔ عشق کے بغیر علم و حکمت مردہ ہیں۔ اس لئے علم کو جلوہ عشق سے بینائی عطا کرو اور اس بولہب کو حیدر کرار بنادو۔

کشتن ابلیس کارے مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماق دل است

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیر قرآنش کنی
علم بے عشق است از طاغوتیاں
علم باعشق است از لاہوتیاں
بے محبت علم و حکمت مردۂ
عقل تیرے بر ہدف ناخوردۂ
کور را بینندہ از دیدار کن
بولہب را حیدر کرار کن

اقبال نے علامہ افغانی سے کہا کہ آپ نے محکمات قرآنی کی تفسیر تو بیان کی لیکن وہ عالم ہے کہاں جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں ہمارے سامنے تو ایک خستہ و فرسودہ دنیا ہے اور ملت اسی میں آسودہ ہے اب تُرک اور کُرد دونوں کے دلوں کی آگ بجھ چکی ہے یا تو مسلمان مرگیا یا قرآن مردہ ہوگیا۔

رفت سوز سینۂ تاتار و کُرد
یا مسلمان مُرد یا قرآن مُرد

ترک رہنما سعید حلیم پاشا نے جواب دیا کہ ملاّ (علماء سوء) کی بداعمالیوں کے سبب دین حق رسوا ہو رہا ہے اس کی دین فروشیوں سے روح الامین بھی مضطرب ہیں۔ اس کے دل میں آخرت کا خوف نہیں ہے اور وہ قرآن کو اساطیر سمجھتا ہے وہ دین محمدی کی حکمت سے ناآشنا ہے اس کے آسمان یقین پر کوئی روشنی نہیں ہے وہ آوارہ، کور ذوق اور کم نظر ہے۔ اس کے قال اقول کی بحثوں سے ملت میں انتشار برپا ہے۔ یہ ملاّ اور اس کا مکتب بھلا کتاب حق کے اسرار کیا سمجھیں یہ تو ایسا ہی ہے جیسے ایک مادر زاد نابینا آفتاب کی روشنی سے کچھ حاصل نہیں کرسکتا۔ کافر زندگی کی جد وجہد میں مصروف ہے اور ملاّ کا دین یہ ہے کہ وہ اللہ کے نام پر تفرقہ انگیزی کرتا پھرتا ہے۔ میری طرف سے مسلمانوں کو پیغام دو کہ اگر تم مرد حق ہو تو کھل کر حرف حق کہو اور قرآن عظیم کی عظمت کا تحفظ کرو۔ تم کلیم ہو تو سرنگوں کیوں ہو۔ ید بیضا آستین سے نکالو اور ملت بیضا کا علم بلند کرو۔ اسوۂ مصطفوی سے اپنی زندگی میں اجالا کرو۔ مرد حق پھر حق سے فیض حاصل کرتا ہے۔ مرد حق کے کارواں کی منزل صرف حرم ہے۔

دین حق از کافری رسوا تر است
زانکہ ملاّ مومن کافر گر است

از شگرفیہائے آں ایماں فروش
دیدہ ام روح الامین را درخروش
زانسوئے گردوں دلش بیگانۂ
نزد او ام الکتاب افسانۂ
بے نصیب از حکمت دین نبی
آسمانش تیرہ از بے کوکبی
کم نگاہ وکورذوق وہرزہ گرد
ملت از قال اقولش فرد فرد
مکتب وملا واسرار وکتاب
کور و مادرزاد ونور آفتاب
دین کافر فکر وتدبیر وجہاد
دینِ ملا فی سبیل اللہ فساد
مرد حق جان جہان چار سوئے
آں بجلوت رفتہ را ازمن بگوئے
حفظ قرآن عظیم آئین تست
حرف حق را فاش گفتن دین تست
تو کلیمی چند باشی سرنگوں
دست خویش از آستین آور بروں
سر گذشت ملت بیضا بگوئے
باغزال از وسعت صحرا بگوئے
فطرت تو مستنیر از مصطفیٰ است
باز گو آخر مقام ماکجاست

علامہ افغانی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:
بدأ الاسلام غریبًا وسیعود کما بدأ اس نادر ارشاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اہل دین میں فقر آئے گا جس آدمی کو اللہ نے دین کا شعور عطا فرمایا ہے وہ جانتا ہے کہ غربت کا مطلب ندرت آیات کلامِ الٰہی ہے۔ ہر زمانے میں دین کی غربت کی نوعیت مختلف رہی ہے۔ قرآن مجید کی آیات پر پھر غور کرو تو تمہیں ان میں عصر حاضر کے مسائل کا حل بھی مل جائے گا کوئی کتابِ الٰہی کے اسرار ورموز پر گہرائی سے غور نہیں کرتا۔ روسیوں نے ایک نیا طرز ایجاد کیا ہے انہوں نے پیٹ کے لئے دین کو خیرباد کہدیا۔

از حدیث مصطفیٰ داری نصیب
دین حق اندرجہاں آمد غریب
باتو گویم معنی ایں حرف بکر
غربت دیں نیست فقر اہل ذکر
بہر آں مردے کہ صاحب جستجو است
غربت دیں ندرت آیات اوست
غربت دیں ہر زماں نوعے دگر
نکتہ را دریاب اگرداری نظر
دل بآیات مبیں دیگر بہ بند
تاںگیری عصر نو را در کمند
کس نمی داند ز اسرار کتاب
شرقیاں ہم غربیاں در پیچ وتاب
روسیاں نقش نوی انداختند
آب ونان بردند دیں درباختند (جاری)

بقیہ: دورۂ آسام

عمارت کے بارے میں گفتگو کی۔ بعد ازاں نو بجے مولانا فضل الکریم ویحیٰ خاں کے گھر پہونچے جہاں علاقہ کے علماء کرام جیسے مولانا بدرالدین صاحب، مولانا عبدالمنان صاحب، مولانا ابوبکر صدیق صاحب اور مولانا عبدالقادر صاحب وغیرہم سے آسامی مسلمانوں کے حالات اور اسلامی معاشرہ کی ترقی کے بارے میں گفتگو کی۔ دس بجے مرکز ابوالکلام کے مبلغ ونمائندہ برائے آسام مولانا ابوبکر صدیق صاحب سلفی کے گھر ہوتے ہوئے گوہاٹی کی جانب روانہ ہوئے۔ رشید الحق صاحب وزیر حکومت آسام نے شب میں بڑی شدت کے ساتھ نوگاؤں اپنے یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ ان کے نمائندہ کے ساتھ گیارہ بجے نوگاؤں سرکٹ ہاؤس میں ان سے ملاقات فرمائی اور آسام میں تعلیم اور آسامی مسلمانوں کے مسائل پر گفتگو کی اور وزیر موصوف کو عقیدہ وفکر اور عمل وسلوک کی بابت نصیحت کرتے ہوئے گوہاٹی کے لئے روانہ ہوگئے جہاں سے تین بجکر ۵۴ منٹ پر دہلی کے لئے روانگی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین۔

ابوبکر صدیق سلفی مبلغ برائے آسام
وفضل الکریم سلفی

ماابن فیضی

رباعیات

(بخطِ شاعر)

جاگیر

یہ دور بھی میرا، کس عجوبے سے ہے کم؟
جاہوں کی مسند پہ ہیں، کبر کس کے قدم
ناموسِ ہنر! تیرا، خدا ہی حافظ
بقالوں کی جاگیر ہوئے "لوح و قلم"

عصری تہذیب

بے شیوہ تمدن، یہ منافق تہذیب
یہ منکرِ اقدار و حقائق تہذیب
جمہور کی اصلاح و فلاح، اک فریب
فاسد ہے معاشرہ، تو فاسق تہذیب

ہوسِ بیجا

پستی میں ہیں، اور دیت ہوا بسکہ بلند
ہے تلمیح کہیں ماہ و سما، بسکہ بلند
انساں کی ہوس کی، کوئی حد ہے نہ حیا
بے قد ہے، یہاں سب کا عصا بسکہ بلند

خرپرست

یہ عقل کے کورے، یہ پراگندہ حواس
یہ کم نظر و دوں نفس و پست اساس
گدھوں کو تو پہناتے ہیں، دیبا و حریر
اور، لادتے ہیں پشت پہ ہرنوں کے، گھاس

وضعِ احتیاط

کیا کھولوں فرزہ، بے بصروں کے آگے؟
کیا کھینچوں نفس، بے اثروں کے آگے؟
کیوں اپنا صدف توڑ کے، باہر نکلوں؟
محتاط رہوں، بے گہروں کے آگے

صدر مرکز مولانا عبدالحمید رحمانی صاحب حفظہ اللہ کا

دورۂ آسام

مورخہ ۲۷ر نومبر ۹۴ء بروز اتوار مدرسہ دارالعلوم جوریا ضلع نوگاؤں (آسام) کی جدید تعمیر شدہ مسجد اور مدرسہ کے معائنہ کے سلسلے میں دارالعلوم کے وسیع صحن میں ایک جلسہ کا انعقاد عمل میں آیا جس میں حضرت مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی حفظہ اللہ صدر "ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سینٹر" نئی دھلی نے شرکت فرمائی۔ ۲۷ر نومبر کی صبح کو آپ گوہاٹی پہونچے جہاں مولانا ابوبکر صدیق سلفی نے مولانا موصوف کا خیر مقدم کیا' اور گوہاٹی سے ہاتھی گاؤں 'بھیجو باری میں جناب یحی خاں کے دولت کدے پر تشریف لائے۔ ان سے کچھ اہم دعوتی معاملات پر گفتگو کرنے کے بعد وہاں سے سوا دو بجے سینگی ماری ڈاک خانہ جوریہ ضلع نوگاؤں آسام پہونچے وہاں جامع مسجد اہل حدیث کی تعمیر کے بارے میں صلاح ومشورہ ہوا۔ سینگی ماری کے چند معتبر حضرات جناب سراج الدین 'جناب ابوالحسین سابق ایم ایل اے 'جناب علی حسین' جناب یوسف علی 'مولوی عبدالغنی صاحب اور دیگر منتظمین مسجد نے ایک جلسے کا انعقاد کیا تھا جس کا علم مولانا موصوف کو پہلے سے نہیں تھا۔ منتظمین اور جماعت کے اصرار پر آپ جلسہ گاہ میں تشریف لے گئے جلسہ کی کاروائی جناب ابوالحسین سرکار کی صدارت میں ہوئی۔ تلاوت کے فوراً بعد مولانا موصوف نے تقریر کی۔ چونکہ اسی روز آپ کو دو پروگراموں میں شرکت کرنی تھی۔ اس لئے آپ نصف گھنٹہ کی مختصر مدت میں توحید خالص' اسلامی معاشرہ' اتحاد و اتفاق جیسے اہم عناوین پر مختصر لیکن جامع و مانع تقریر فرمائی جسے سنکر لوگوں نے انتہائی خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور مولانا کی تشریف آوری پر تہ دل سے شکر گزار ہوئے۔

دارالعلوم جوریا 'نوگاؤں میں

سینگی ماری سے رخصت ہو کر مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی شام ساڑھے تین بجے مدرسہ دارالعلوم جوریا' نوگاؤں' آسام پہونچے اور مدرسہ کی مسجد کا جو کہ آپ ہی کے ادارہ "ادارۃ بناء المساجد" نئی دہلی کے زیر اہتمام تعمیر ہوئی تھی بنظر غائر معائنہ فرمایا۔ مولانا موصوف نے مدرسہ کی درسگاہ' مطبخ' دارالاقامہ اور چہار دیواریوں کا بھی معائنہ کیا اور بعد صلوٰۃ مغرب تھوڑی دیر استراحت فرما کر اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس جلسے میں صوبہ آسام کانگریس (آئی) کے وزیر جناب رشید الحق و دیگر سیاسی رہنما بھی رحمانی صاحب کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ جلسہ کی کاروائی جناب مولانا محمد اسحاق صاحب ریتاجہوری عالیاوی استاذ مدرسہ ھذا کی تلاوت قرآن پاک سے شروع ہوئی۔ اس کے بعد جناب ماسٹر عبدالقادر صاحب صدر منتظمہ کمیٹی مدرسہ ھذا نے جناب رشید الحق صاحب سے اظہار خیال کی گذارش کی۔ آنجناب نے آسامی زبان میں مدارس اسلامیہ کی ضرورت و اہمیت اور ان کی ترقی سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے مولانا رحمانی کا شاندار استقبال کیا۔ اخیر میں مولانا موصوف سے درخواست کی گئی کہ آپ سامعین کو اپنی تقریر سے نوازیں۔ چنانچہ موصوف نے شرک جلی و شرک خفی اور دین اسلام کی حقانیت و افادیت پر قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک پر مغز علمی تقریر عام فہم اسلوب میں کی جسے سامعین نے غور و فکر سے سنا۔ جلسے کا اختتام بھی آپ ہی کے دعائیہ کلمات پر ہوا۔ حاضرین کی طرف سے صدر جلسہ نے مولانا موصوف کا شکریہ ادا کیا اور جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

۲۸ر نومبر پیر کی صبح کو ۶ر بجے مدرسہ کی مسجد میں اراکین مدرسہ و اساتذہ کے ساتھ ایک میٹنگ ہوئی جس میں مختلف مواضعات جیسے سینگی باری 'بگوری گوری' لوبٹوی' ہروچلا' ٹوکہ پوری کے لوگوں نے شرکت کی۔ اس میٹنگ میں مدرسہ دارالعلوم کی ترقی و فروغ کے لئے مشورہ ہوا۔ ساڑھے آٹھ بجے بگوری گوری اہل حدیث جامع مسجد کا مولانا موصوف نے دورہ کیا۔ معتبر اشخاص سے مسجد کی ترقی و جدید

(بقیہ ص ۲۹ پر)

نادی الطلبہ کا سہ روزہ سالانہ اجلاس

اپنی سابقہ روایات کے مطابق اس سال بھی مرکز "ابوالکلام آزاد" للتوعیہ الاسلامیہ نئی دہلی کے تحت دہلی میں چلنے والے تعلیمی اداروں جامعہ اسلامیہ سنابل ' معہد التعلیم الاسلامی اور معہد عثمان بن عفان لتحفیظ القرآن الکریم کے طلبہ کی انجمن "نادی الطلبہ" کا سہ روزہ سالانہ تقابلی اجلاس ۹، ۱۰، ۱۱ دسمبر ۱۹۹۴ء منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں دہلی کے مختلف تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کے مشاہیر اساتذہ وعمائدین نیز ابوالکلام آزاد اسلامک او یکننگ سنٹر نئی دہلی کے ماتحت چلنے والے اداروں کے اساتذہ وکارکنان نے شرکت کرکے طلبہ کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

اجلاس کی مختلف نشستوں کی صدارت مولانا عاشق علی صاحب اثری جنرل سکریٹری ابوالکلام آزاد اسلامک او یکننگ سنٹر نئی دہلی' ڈاکٹر محمد مفضل صاحب مدنی استاذ جامعہ اسلامیہ سنابل اور مولانا عزیز احمد صاحب مدنی عمید جامعہ اسلامیہ سنابل وغیرہم نے فرمائی۔ حکم کے فرائض اساتذہ جامعہ و معہد کے علاوہ مولانا جمیل احمد صاحب مدنی مبعوث رابطۃ العالم الاسلامی ' محترم شریف محمد صاحب صومالی' ڈاکٹر عبداللطیف صاحب اعظمی ' ڈاکٹر عبدالعلاّم صاحب مجیبی انگلش ڈپارٹمنٹ جامعہ ملیہ اسلامیہ 'ڈاکٹر حبیب اللہ خاں عربک ڈپارٹمنٹ جامعہ ملیہ اسلامیہ 'ڈاکٹر توقیر احمد خاں صاحب عربک ڈپارٹمنٹ دہلی یونیورسٹی' قاری محمد قاسم صاحب استاذ مدرسہ حسین بخش دہلی 'قاری محمد شمیم صاحب مدرسہ عالیہ فتحپوری 'قاری معراج الحق صاحب قرول باغ' مولانا رفیق احمد صاحب سلفی ایڈیٹر ماہنامہ "التوعیہ" واستاذ جامعہ اسلامیہ سنابل' نئی دہلی 'مولانا ابوالبرکات صاحب اصلاحی اور مولانا عبدالمنان صاحب سلفی استاذ مدرسہ ریاض العلوم دہلی وغیرہم نے انجام دیئے۔ اول' دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ گراں قد انعامات سے نوازے گئے جن کی فہرست درج ذیل ہے:

نتائج معہد عثمان بن عفان لتحفیظ القرآن الکریم نئی دہلی

مقابلہ قرأت گروپ (الف) تعداد شرکاء: ۱۳

۱۔ شمیم احمد — محمد مسلم — اول
۲۔ بدر عالم — عبدالرشید — دوم
۳۔ لعل محمد — سیف الدین — سوم

مقابلہ قرأت گروپ (ب) تعداد شرکاء: ۲۷

۱۔ عبداللطیف — نصرالدین — اول
۲۔ محمد ارشد — محمد رفیق — دوم
۳۔ ابوبکر — ارشاد احمد — سوم
۴۔ عبدالقادر — جمشید علی — سوم

مقابلہ قرأت گروپ (ج) تعداد شرکاء ۱۳

۱۔ عبدالرحیم — عبدالجبار — اول
۲۔ صدیق احمد — نفیس احمد — اول
۳۔ تنویر عالم — عبدالمنان — دوم
۴۔ محمد منظر — محمد الیاس — سوم

نتائج معہد التعلیم الاسلامی جوگابائی نئی دہلی

مقابلہ قرأت قرآن مجید گروپ (الف) تعداد شرکاء: ۱۰

۱۔ اشتیاق احمد — وصی اللہ — اول
۲۔ شہاب الدین — رحمٰن بخش — دوم
۳۔ رئیس احمد — جمیل احمد — سوم

مقابلہ قرات قرآن مجید گروپ (ب) تعداد شرکاء: ۲۷

۱۔ کلیم الدین رحمت اللہ اوّل
۲۔ عبدالمالک عبدالمنان دوم
۳۔ محمد ادریس محمد انیس سوم

مقابلہ اردو تقریر اولیٰ متوسطہ بعنوان "صلوٰۃ کی اہمیت" تعداد شرکاء: ۲۷

۱۔ عبدالقیوم عبدالمبین اوّل
۲۔ محمد معروف انیس احمد دوم
۳۔ عبدالقوی عبدالحیٔ سوم

مقابلہ اردو تقریر ثانیہ متوسطہ بعنوان "سیرت طیبہ" تعداد شرکاء: ۱۸

۱۔ محمود عالم حفیظ اللہ اوّل
۲۔ کتاب الدین فضل حق دوم
۳۔ اعظم عبداللطیف سوم

مقابلہ اردو تقریر ثالثہ متوسطہ بعنوان "علم دین کی اہمیت" تعداد شرکاء: ۱۰

۱۔ شکیل احمد وکیل احمد اوّل
۲۔ محمد الیاس محمد شریف دوم
۳۔ ریاض الدین شمس الدین سوم

مقابلہ عربی تقریر۔ تعداد شرکاء: ۲۶

۱۔ صغیر احمد عبداللطیف اوّل
۲۔ محمد مصطفیٰ عبدالسلام دوم
۳۔ عبدالعزیز کریم بخش سوم

مقابلہ ہندی تقریر۔ تعداد شرکاء: ۱۲

۱۔ محمد عابد محمد یعقوب اوّل
۲۔ شبیر احمد محمد سلیمان دوم
۳۔ راشد حسین عبدالحمید سوم

مقابلہ انگریزی تقریر۔ تعداد شرکاء: ۱۰

۱۔ سہراب عالم محمد طاہر اوّل
۲۔ طفیل احمد بیت اللہ دوم
۳۔ کلیم الدین معین الدین سوم

نتائج جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی

مقابلہ اردو تقریر اولیٰ ثانویہ وثانیہ ثانویہ بعنوان "متقیوں کے اوصاف" قرآنی آیات کی روشنی میں تعداد شرکاء: ۱۸

۱۔ نذیر احمد غلام محی الدین اوّل
۲۔ محمد عمران محمد یوسف دوم
۳۔ محمد شفیع برکت اللہ دوم
۴۔ عبدالحلیم عبدالحمید سوم

مقابلہ اردو تقریر ثالثہ ثانویہ ومرحلہ عالیہ بعنوان "تصوف کی حقیقت" اسلام کی نظر میں تعداد شرکاء: ۹

۱۔ عبدالباری ناصر حبیب اللہ اوّل
۲۔ جمیل احمد برکت اللہ اوّل
۳۔ محمد تمیم سخاوت علی دوم
۴۔ علیم اللہ شمس الحق سوم

مقابلہ عربی تقریر اولیٰ ثانویہ وثانیہ ثانویہ بعنوان " اهمية الصلاة في الإسلام"، تعداد شرکاء: ۱۳

۱۔ عبیداللہ محمد اسمٰعیل اوّل
۲۔ محمد شعبان عبدالقدوس دوم
۳۔ نذیر حسین تجمل الحق سوم

مقابلہ عربی تقریر ثالثہ ثانویہ ومرحلہ عالیہ بعنوان " اهمية الجهاد في الاسلام" تعداد شرکاء: ۶

۱۔ عبدالاول محمد یحییٰ اوّل
۲۔ نذیر احمد محمد لقمان دوم
۳۔ عبدالمتین عبدالمنان سوم

مقابلہ انگریزی تقریر اولیٰ ثانویہ وثانیہ ثانویہ تعداد شرکاء: ۱۰

۱۔ نواب عالم عبدالرزاق اوّل
۲۔ شفیق عالم مختار حسین دوم
۳۔ محمد انور محمد مصطفیٰ سوم

(بقیہ ص۱۱ پر)

ابوالکلام آزاد اسکول گاندھی نگر بستی میں تعلیمی و تربیتی مقابلے اور ششماہی امتحانات

۱۵ر ۱۶ر نومبر ۱۹۹۴ء بروز چہار شنبہ و جمعرات کو بستی کے اہم اسکولوں کا ایک تقابلی پروگرام ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی کی شاخ "ابوالکلام آزاد اسکول" بستی میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوا۔ جس میں دارالعلوم بستی، خیرالعلوم بستی اور ابوالکلام آزاد اسکول بستی کے طلبہ کے مابین قرأت، دینیات، جنرل سائنس، اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں تحریری مقابلے ہوئے۔ نیز کھیل کود میں بھی مقابلہ ہوا۔

بحمد للہ "ابوالکلام آزاد اسکول" بستی کے طلبہ نے قرأت، دینیات، جنرل سائنس اور انگریزی میں امتیازی پوزیشن حاصل کی، جب کہ اردو ہندی تحریر میں اور کھیل کود میں دوسرے نمبر پر رہے۔

چونکہ یہ مقابلہ پہلی مرتبہ ہوا۔ اور کھیل کود کو ہم نے زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھی نیز دوسرے اسکولوں کے بچے ہمارے اسکول کے بچوں سے کافی بڑے تھے اس لئے کھیل کود کا رزلٹ بہتر نہ رہا۔ انشاء اللہ آئندہ اس کی تلافی کی کوشش کی جائے گی۔

اسکول کے ششماہی امتحانات ۱۵ر دسمبر سے شروع ہونگے اور ۲۳ر دسمبر کو ختم ہوں گے۔ ۲۴ر دسمبر کو نتائج کا اعلان کیا جائے۔ إن شاء الله۔

عبدالحق
ہیڈ ماسٹر ابوالکلام آزاد اسکول گاندھی نگر بستی یوپی

بقیہ : مولانا ابوالکلام آزاد...

یکساں تعلیمات دیں۔ یہ تعلیمات تھیں اللہ کو ایک ماننا اپنے قول اور عمل سے اس کی وحدت کا اقرار کرنا، اس کے ہی بتائے ہوئے راستہ پر چلنا، اس کی ہی عبادت کرنا لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور صلہ رحمی سے پیش آنا، حیات بعد الموت کو برحق جاننا اور آخرت پر یقین رکھنا۔ اس عمل اور بنیادی عقیدہ کا نام ان دونوں بزرگوں کے نزدیک دین ہے۔ اس کے علاوہ ان امتوں کے نظم عبادت میں جو فرق نظر آتا ہے، ان دونوں بزرگوں کے نزدیک دین میں اختلاف نہیں ہے، بلکہ شریعتوں میں اختلاف ہے جو عین فطرت کے مطابق ہے۔ اس میں امتوں کی صلاحیتوں اور زمانے کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے، اس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی شاہ صاحب نے یہ بحث بڑے جامع اور مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔ مولانا آزاد کے وحدت دین کے تصور کا سرچشمہ شاہ صاحب کا یہی نظریہ ہے۔ لیکن موقع و محل کی مناسبت اور سیاق سباق کی رعایت سے مولانا نے اس میں چند مباحث اضافہ کرکے اسے نئے ابعاد سے روشناس کرادیا ہے جس سے پوری بحث میں مزید جامعیت اور ہمہ گیری پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے ذریعہ مولانا نے کسی بھی مزید امکانی سوال یا دور از کار شکوک و شبہات کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کردیے۔ اب یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ مولانا نے اپنے مخصوص اسلوب بیان، طرز استدلال اور محکم امثال سے نظریہ وحدت دین کو ایک منظم مربوط اور منضبط شکل عطا کردی ہے۔

کتابیات

۱۔ آزاد، ابوالکلام = ترجمان القرآن جلد اول (مع تفسیر سورۂ فاتحہ)۔ لاہور، مشتاق پبلشرز، ب ت ۵۷۴ص۔
۲۔ آزاد، ابوالکلام = تذکرہ لاہور، انارکلی کتاب گھر ۱۹۹۹ء، ۳۳۵ص۔
۳۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی = حجۃ اللہ البالغہ الجزء الاول۔ مصر، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۵۲ھ ۱۹۸ص۔
۴۔ خلیل احمد اسرائیلی (مترجم) = آیات اللہ الکاملہ اردو ترجمہ کتاب حجۃ اللہ البالغہ لاہور، مکتب خانہ اسلامی، ۱۸۹۷ء، ۳۲۰ص۔

بقیہ : خبرنامہ

اور آزادی کا اعلان کیا۔ صدارتی انتخاب میں ۸۷ فیصد ووٹ حاصل کرکے صدر بن گئے۔ روس تبھی سے اسے ہڑپنے کی سازشیں کرتا ہے۔ ایک ماہ قبل اس کے دارالحکومت گروزنی پر حملہ بھی کیا تھا جو ناکام رہا اور ۷۰ روسی فوجی گرفتار ہوگئے۔ دودائف نے ان گرفتار شدہ روسیوں کو گولی ماردینے کا اعلان کیا تو صدر یلتسن نے روسی فیڈریشن اتحاد کا بہانہ لیکر فوج کشی کردی۔ روسی طیارے شہر پر بمباری کررہے ہیں اور بری فوج اپنی گرفت مضبوط کررہی ہے۔ روس نے اپنی ۴۰ ہزار فوج چیچنیا میں داخل کردی ہے، لیکن گروزنی کے نوجوان اپنے وطن کی آزادی کے لئے سربکفن ہیں اور گوریلا جنگ کا منصوبہ بنا چکے ہیں۔ حملے کی وجہ سے جہاں دیگر ممالک و اسلامک کانفرنس نے اپنی تشویش ظاہر کی ہے وہیں روسی فوج میں بغاوت کے آثار بھی پیدا ہو چکے ہیں۔ محاصرہ کردہ فورس کے ایک تہائی حصہ کے کمانڈر میجر جنرل ایوان بابلی چیف نے شہریوں پر چڑھائی کرنے سے صاف انکار کردیا ہے کہ یہ اقدام خود روسی آئین کے خلاف ہے۔

تعارف وتبصرہ

نام : نظم البیان بلطائف القرآن
تالیف : علامہ ابو المعالی محمد علی فیضی رحمۃ اللہ علیہ
صفحات : ۲۳۳
ملنے کا پتہ : مکتبہ سلفیہ مرکزی دار العلوم ریوڑی تالاب وارانسی یوپی

مئو ناتھ بھنجن مشرق یوپی کا بڑا مردم خیز خطہ ہے۔ خصوصاً جماعت اہلحدیث کو اس بستی سے بہت سے گوہر گرانمایہ ملے ہیں جن کے علم وفکر کی تابانی نے ایک جہان معنی روشن کیا ہے اور آج اس گئے گذرے دور میں بھی جماعت ان کے علمی کارناموں پر فخر کرسکتی ہے۔ علامہ ابو المعالی محمد علی فیضی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی ایک مایہ ناز عالم تھے زیر نظر کتاب ان کی ایک بڑی مفید اور قابل قدر تالیف ہے۔ قرآن مجید کے مختلف موضوعات ارشادات وہدایات' ترغیب وترہیب' انبیاء ورسل کے تذکرے' اخلاقیات' عبادات ومعاملات' غرض جملہ امور وعناوین اس کتاب میں مختلف ابواب کے تحت جمع کردئے گئے ہیں اور جدول اس طرح بنائی گئی ہے کہ موضوع جس پارے اور سورہ میں بیان کیا گیا ہے پہلے اس کا نام پھر رکوع اور آیت کا نمبر پھر آیت شریفہ کا خلاصۂ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب مطالب ولطائف قرآن مجید پر ایک مختصر قاموس بن گئی ہے جو بطور ایک کتاب حوالہ (ریفرنس والیوم) بہت اہمیت رکھتی ہے خطباء' واعظین اور قرآن مجید کے موضوعات پر تحقیق وتالیف کا کام کرنے والوں کے لئے یہ بطور خاص بڑی اہم دستاویز ہے۔ اس میں مختلف مضامینِ قرآنی کو اس انداز سے یکجا کیا گیا ہے کہ اس سے اس صحیفۂ ربانی کا اجمالی خاکہ سامنے آجاتا ہے۔ اس کی ترتیب کے مطابق اگر قرآن مجید کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو ایک ہمہ جہتی استحضار حاصل ہوسکتا ہے یہ کتاب کسی لائبریری میں ریفرنس سوس کے لئے بڑی اہم اور کامیاب ہوگی۔ کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ علامہ کے اپنے قلم کی ہی تحریر کردہ ہے یعنی کتابت خود علامہ کے ہاتھ کی ہے۔ کسی زمانے میں فن خوشنویسی شاہی فن مانا جاتا تھا سلطان ناصر الدین اور نگ زیب عالمگیر جیسے متدین بادشاہ قرآن مجید کی کتابت سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے علامہ فیضی نے بھی یہ فن بڑی عرق ریزی سے سیکھا ہوگا۔ آج کل جب ٹائپ اور کمپیوٹر کا دور ہے نئی نسل کے لئے یہ باور کرنا مشکل ہوگا کہ ماضی میں کاتب اور خوشنویس کا کیا درجہ تھا اور شاہی درباروں میں ان کا کیا مقام ہوتا تھا۔

(بقیہ صـ۹ پر)

مولانا عبد المبین منظر کے بڑے صاحبزادہ مولوی عبد الہادی رحمہ اللہ کی وفات

مورخہ ۴ر دسمبر ۹۴ء بروز اتوار ۱۲ بجے دن مولوی عبد الہادی اپنے اقرباء ومتعلقین کو چھوڑ کر اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ۵ر دسمبر ۹۴ء کو ڈیڑھ بجے کے قریب ان کی تجہیز وتکفین عمل میں آئی۔ صلوٰۃ جنازہ میں تقریباً چھ' سات سو لوگوں نے شرکت کی جن میں مولانا عبد الرؤف صاحب رحمانی اور مولانا عبد القیوم صاحب رحمانی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

مولوی عبد الہادی مولانا عبد المبین منظر رحمہ اللہ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے ان کی پیدائش ۱۳۶۴ھ میں ہوئی مولانا ابو القاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ نے ان کا تاریخی نام "صداقت حسن خاں" رکھا تھا۔ انہوں نے مدرسہ شمس العلوم سمرا میں پانچویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ اور اپنے والد محترم مولانا عبد المبین منظر رحمہ اللہ کے زیر تربیت ان کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد اب تک تقریباً ۲۱ سال پرائمری درجات میں تدریس کی خدمات انجام دیں۔

ان کے پسماندگان میں دو چھوٹے بھائیوں مولوی عبد الباقی مظہر اور عبد الباری اور ایک بہن کے علاوہ بیوی چار لڑکے: محمد سالم (۲۰ سال) محمد قاسم (۱۷ سال) محمد ہاشم (۱۱ سال) محمد عاصم (۵ سال) اور چار لڑکیاں ہیں (جن میں دو شادی شدہ ہیں)۔

اللہ تعالیٰ ان کے پسماندگان بالخصوص ان کی اہلیہ محترمہ اور ان کے بچوں اور بچیوں کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

مرکز ابو الکلام آزاد' للتوعیہ الاسلامیہ " نئی دہلی' اور ادارہ "التوعیہ" مرحوم کے برادران مولوی عبد الباقی مظہر' عبد الباری' ان کی اہلیہ' بچوں اور بچیوں اور ان کے تمام اقرباء اور تمام پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ اور عبد الہادی رحمہ اللہ کے لئے دعاء مغفرت کرتا ہے۔

مزمل حسین قاسمی

خبرنامہ

اسلامی کانفرنس تنظیم کے وزراء خارجہ کا اجلاس
مسلمانوں کے بحرانی مسائل پر مسودات

کاسابلانکا: آج ۱۳ر دسمبر ۱۹۹۴ء کو اسلامی کانفرنس تنظیم کے وزراء خارجہ کا اجلاس شروع ہوا' جس میں ایشیا و یورپ کے مسلم مسائل پر خصوصی توجہ دی گئی۔ مسئلۂ کشمیر کے پرامن تصفیہ کی اپیل' بابری مسجد کی شہادت و از سر نو تعمیر' ہندوستان' چین' سری لنکا' برما' دولت مشترکہ' یورپ و امریکہ میں مسلمانوں کو درپیش مسائل پر اسلامی کانفرنس وزرائے خارجہ کی ۲۲ ویں میٹنگ میں اعلامیہ کے مسودات تیار کئے گئے۔ یہ مسودات تنظیم اسلامی کانفرنس کی ساتویں سربراہ اجلاس میں رکھے جائیں گے جو آج رات یہاں شروع ہونے والا ہے۔ جس میں ۵۲ اسلامی ممالک کی شرکت متوقع ہے۔

تنظیم اسلامی کانفرنس نے مسئلۂ کشمیر کا پرامن حل اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق نکالنے کی اپیل کی ہے۔ ہندوستان سے اپیل کی گئی ہے کہ انسانی حقوق کے متعلق تنظیموں اور اداروں کے نمائندوں کو جموں و کشمیر کا دورہ کرنے کی اجازت دے۔ اپنے اراکین ممالک پر زور دیا ہے کہ وہ ہندوستان کو آمادہ کریں کہ اقوام متحدہ سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق کشمیری عوام کو اپنی حق خود ارادیت کا استعمال کرنے دیا جائے اور ان پر کی جارہی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو بند کیا جائے۔ ہندوپاک کے درمیان کشیدگی برصغیر کی امن وسلامتی کے لئے خطرناک ہے۔ ہندوستان و پاکستان سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی فوجوں کو جنگ سے قبل کی جگہوں پر تعینات کریں۔ ممبر ممالک اس مسئلہ پر آپس میں رابطہ رکھیں اور اقوام متحدہ' جنرل اسمبلی' انسانی حقوق کمیشن اور دوسرے بین الاقوامی فورموں میں مشترکہ قدم اٹھائیں تاکہ کشمیری عوام کے بنیادی حقوق کے تحفظ کی راہ ہموار ہوسکے۔

تنظیم اسلامی کانفرنس کے سکریٹری جنرل حامد الغابد نے کہا کہ حکومت ہند کو مسلمانوں کی جان ومال کی حفاظت کرنا چاہئے' مساجد کو دستور کے مطابق محفوظ رکھا جائے۔ کانفرنس نے حکومت ہند سے اپنے اس مطالبے کا اعادہ کیا کہ بابری مسجد کو اس کے اصل مقام پر دوبارہ تعمیر کیا جائے۔

سکریٹری جنرل کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ گذشتہ چند برسوں میں پوری دنیا میں اسلام کے مقدس مقامات پر حملوں کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ رپورٹ کے مطابق ایشیا کے بیشتر مسلمانوں کو زبردست مشنری سرگرمیوں اور معاندانہ رویوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ہبرون کی الابراہیم مسجد کا واقعہ اور اجودھیا کی بابری مسجد کا انہدام قابل ذکر ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ تقسیم کے بعد ہندوستانی مسلمان دشوار حالات میں زندگی گذار رہے ہیں۔ بغیر کسی وجہ کے انہیں دھمکیوں اور جارحانہ صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہندوستان کے سیاسی افق پر انتہاپسند ہندو رجحان نمودار ہوا ہے جس کا ثبوت اجودھیا میں بابری مسجد کا انہدام ہے۔ اس مسجد کے انہدام کے لئے اس وقت کی اترپردیش کی بھارتیہ جنتا پارٹی حکومت اور مرکزی حکومت کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ انہدام کے بعد ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کا ذکر کیا گیا ہے اس وقت سے مسلمانوں کی جان ومال اور ان کے مذہبی وسیاسی حقوق خطرے میں پڑ گئے ہیں۔

رپورٹ میں چین' سری لنکا' برما' آزاد ملکوں کی دولت مشترکہ یورپ اور امریکہ میں مسلمانوں کو درپیش مسائل کا بھی ذکر ہے۔ یہ بھی ذکر ہے کہ دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ مسلم آبادی پر مشتمل ہے اور ۳۶

کروڑ اسی لاکھ مسلم تنظیم کے باہر کے ملکوں میں آباد ہیں۔ رپورٹ میں ان مسلم طبقوں سے خاص طور پر اطلاعات، ثقافت اور ادب کے شعبوں میں اتحاد قائم کرنے کے متعدد اقدامات کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں تنظیم کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ اسلامی ڈیولپمنٹ بینک (IDB) سے ان ممالک کے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہونچے جو اس کے ممبر نہیں ہیں یا تنظیم کے باہر کے ممالک میں آباد ہیں تاکہ اطلاعاتی، ثقافتی اور ادبی شعبوں میں مسلمانوں کے مابین اتحاد قائم ہو

انٹرپول کانفرنس کی اپیل

نئی دہلی ۱۶ دسمبر، ۱۳ویں ایشیائی علاقائی انٹرپول کانفرنس آج اس اپیل کے ساتھ ختم ہوئی کہ ممبران ممالک نیوکلیائی سازو سامان کی اسمگلنگ جیسے نئے جرائم میں ملوث جرائم پیشہ افراد کے بارے میں اطلاعات کا تبادلہ کریں۔ جرائم پیشہ افراد اور جرائم پیشہ گروپوں کی ایک فہرست تیار کی جائے اور تمام ایشیائی علاقائی ممالک اپنے منشیات کنٹرول بیورو یونٹوں کو مضبوط کریں اور منشیات کے اسمگلروں، ان کے بعض دہشت گرد تنظیموں کے ساتھ امکانی رابطوں کے بارے میں بھی اطلاعات کا تبادلہ کریں۔

عالمی بینک کی رپورٹ پر ایک نظر

واشنگٹن میں شائع عالمی بینک کی رپورٹ کے انکشاف کے مطابق پوری دنیا میں تقریباً ایک ارب لوگ تین اہم غذائی اجزاء اور حیاتین کی کمی کی وجہ سے علیل ہیں یا جسمانی طور پر معذور ہو چکے ہیں۔ یہ اجزاء ہیں وٹامن اے، آیوڈین اور فولاد جن کی کمی سے طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں جیسے بینائی کا ختم ہونا، خون کی کمی، نقاہت وغیرہ عالمی بینک کے ماہر تغذیہ ایلن برگ نے کہا ہے کہ ان اجزاء و حیاتین کی کمی کے سماجی و معاشی نتائج بھی ہولناک ہیں۔ عالمی بینک ایک سروے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ وٹامن اے کی کمی نے ایک کروڑ تیس لاکھ لوگوں سے ان کی بینائی چھین لی ہے۔ اس کمی سے ہونے والی بیماری میں مبتلا ہر دس اسکولی بچوں میں چھ کی موت ہو جاتی ہے۔ تقریباً ایک ارب افراد میں آیوڈین کی کمی ہے جس سے ہر ایک ہزار نومولود بچوں میں پانچ سے دس بچے فوت ہو جاتے ہیں جبکہ دیگر یا تو جسمانی نقاہت کا شکار ہو جاتے ہیں یا ان کی قوت گویائی یا سماعت سلب ہو جاتی ہے، تقریباً اتنی ہی تعداد میں لوگ خون کی کمی سے دوچار ہیں۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں عام طور پر نقص تغذیہ سے ہونے والی کمی کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ میں آیوڈین آمیز نمک استعمال کی جاتی ہے جو آیوڈین کی کمی پورا کرنے کا آسان نسخہ ہے "گذشتہ سال مالدیپ میں یہ تجربہ کیا گیا اور وہاں آیوڈین کی کمی کی سطح ۹۴ فیصد سے گھٹ کر صرف ۴۰ فیصد رہ گئی ہے، جبکہ ایک فرد پر صرف دس پرسینٹ کا خرچ آیا۔ اسی طرح اگر اس پر قابو پانے یا اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے تو ایک متاثرہ شخص پر ایک سال میں ایک ڈالر خرچ آئے گا۔ برگ کا کہنا ہے کہ عالمی تغذیہ پر ہر سال کروڑوں خرچ کئے جاتے ہیں جو تحقیق میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جبکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مقامی حکومتوں کو ان پروگراموں پر عمل کے لئے پابند بنایا جائے، صارفین کو خطرات سے آگاہ کیا جائے۔

ہندوستان میں گاجر، مولی، ساگ اور ہری سبزیاں بکثرت ہوتی ہیں جو ان حیاتین کی کمی کو دور کر سکتی ہیں لیکن لوگوں میں صحت عامہ کی جانکاری نہیں کے برابر ہے۔ جس کی وجہ سے ہندوستان کی نصف سے زائد آبادی میں ان کی کمی پائی جاتی ہے۔

گیٹ کی رکنیت پر چین و امریکہ کا تنازعہ

بیجنگ ۲۶ دسمبر عالمی تجارتی ادارہ (W.U.T.O) جو یکم جنوری سے گیٹ (GATT) کی جگہ لے گا اور کثیر ملکی کمپنیوں کے لئے آسان تجارتی منڈیوں کی راہ ہموار ہو جائیگی۔ اس میں چین کی کوشش ہے کہ اسے مؤسس رکن کی حیثیت سے قبول کیا جائے جبکہ امریکہ نے حقوق املاک دانش کے تنازعہ پر تجارت و محصولات سے متعلق ممبری معاہدے (GATT) میں اس کے داخلے کو روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ امریکہ کا مطالبہ ہے کہ چین ان ۲۹ فیکٹریوں کو بند کرے جن میں غیر قانونی طور پر کروڑوں کمپیکٹ ڈسکس (Compact Discs) تیار کی گئی ہیں اور ان کو فروخت کیا گیا ہے۔

بہار میں قبرستانوں پر قبضہ آئندہ الیکشن میں حصول اقتدار کا ذریعہ

بہار میں لالو پرساد کی حکومت کو بدنام کرکے مسلمانوں کو ان کے خلاف صف آرا کرنے کا فرقہ پرست طاقتوں نے بہترین ذریعہ ڈھونڈھ نکالا ہے اس میں مسلمانوں کے قبرستانوں پر قبضہ کرکے ہریجن بساؤ کی مہم بی جے پی اور اس کی ہمنوا پارٹیوں نے شروع کرر کھی ہے۔ یہ ایک دودھاری تلوار ہے جس سے مسلمان جنتا حکومت سے بد دل ہوجائیں اور دوسری طرف ہریجنوں کا ووٹ بینک بھی فرقہ پرستوں کی جھولی میں آجائے جس کی ابھی تک جنتا حکومت دعوے دار تھی۔

نئی دنیا کی ایک رپورٹ کے مطابق بہار میں دو سو سے زائد قبرستان، عیدگاہیں، امام باڑے فرقہ پرستوں کی نگاہ کا کانٹا بنے ہوئے ہیں۔ فی الحال ۷۰ سے زائد قبرستانوں کی حدبندی میں رکاوٹ، قبرستان کے بیچ بیچ سے راستے کی مانگ، قبرستان کو کھیل کا میدان بنانے یا پوجا استعمل میں تبدیل کرنے کی مانگ شروع ہوچکی ہے۔ گیا کے ٹکاری قبرستان پر قبضہ کرنے کی کوشش جاری ہے۔ گیا کہ محلہ پہسی کے قبرستان پر ہریجنوں کے مکان بن چکے ہیں۔ مصطفیٰ آباد (گیا) کے قبرستان میں انوگرہ نارائن کالونی کے درمیان کچھ سرکاری عمارتیں بن چکی ہیں۔ نوادہ میں چھوٹی چھت پورہ قبرستان فرقہ وارانہ تناؤ کا شکار ہوگیا ہے۔ بیگوسرائے ضلع کا تیگھرا بازار (جو بھاجپا کا گڑھ ہے) کے قبرستان پر ہریجن قابض ہورہے ہیں۔ بھاگل پور کے قبرستان کے سامنے رکھی گئی مورتی آج تک نہیں ہٹائی گئی ہے۔ دربھنگہ کے حیا گھاٹ اور بہار شریف کے قبرستان کے معاملات آج تک نہیں سلجھے۔ نوادہ کے پورہ گاؤں قبرستان کو توڑ کر نصف کو کھلیان بنادیا گیا ہے اور نصف قبرستان کو عام راستہ قرار دیا گیا ہے۔ اس گاؤں کے مسلمان اپنے مردوں کی تدفین یہاں سے پانچ کلو میٹر دور باگی بڈہیایا (قادر گنج) میں کرتے ہیں گذشتہ ہفتہ حاجی پور کے قبرستان میں مسلمانوں کو لاش دفنانے نہیں دی گئی کہ دہاں چہار دیواری کا تنازعہ ہے اور قبرستان کی وسط میں راستہ بنادیا گیا ہے۔ چنانچہ لاش پٹنہ لایا گیا اور پھلواری شریف قبرستان میں تدفین ہوئی۔ بہٹہ تھانہ کے لوئی گاؤں کے قبرستان کا معاملہ بھاجپا نے کھڑا کر رکھا ہے۔ بھاجپا کے بھومیہار لیڈر رام جنم شرما کے ذریعہ قبرستان کی زمین پر ہریجنوں کو بسانے اور ان کی جھونپڑیاں تعمیر کراکر قبرستان کا وجود ختم کرانے کی سازش سے یہاں فرقہ وارانہ کشیدگی کی فضا پیدا ہوگئی ہے۔ ان حالات میں بہار کے مسلمانوں کو زیادہ سوجھ بوجھ سے کام لینا ہوگا۔ ایک طرف تو قبرستانوں اور امام باڑوں سے متعلق حق ملکیت کے کاغذات تیار کرنا اور دوسری طرف فرقہ پرستی کی ہوا کو لگام دینا از حد ضروری ہیں۔

فارسی بین الاقوامی کانفرنس

علی گڑھ۔ ۱۹ر دسمبر۔ آج شعبہ فارسی کے تحت فارسی کی بین الاقوامی کانفرنس علی گڑھ میں شروع ہوئی۔ کانفرنس کا افتتاح اسلامی جمہوریہ ایران کے سفیر علی رضا شیخ عطار نے کیا اور کہا کہ ہندوستان کی ثقافت میں فارسی زبان وادب کا جو حصہ ہے اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ فارسی ہندوستانی ثقافت کا ایک اٹوٹ حصہ ہے۔ برطانوی حکمرانوں نے اپنے ذاتی سیاسی اغراض ومقاصد کی خاطر برصغیر میں ہند، ایرانی ثقافت کو مٹانے کی بھرپور کوششیں کیں۔ انہوں نے کہا کہ کوئی بھی ملک اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک کہ اس کی پہچان باقی رہے۔

ہندوستانی شناخت کے لئے فارسی علوم کی تعلیم بہت ضروری ہے۔ ممتاز اسکالر پدم شری پروفیسر نذیر احمد نے اپنے کلیدی خطبہ میں کہا کہ فارسی کے دانشوروں نے رامائن 'مہابھارت' اپنشد اور کلیلہ ودمنہ جیسی اہم کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ کل ہند فارسی اساتذہ ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر حافظ محمد طاہر علی نے کہا کہ اس تنظیم کا بنیادی مقصد سبھی زبانوں کے دانشوروں کے ساتھ تعاون کرنا اور انہیں قریب لانا ہے تاکہ ہم آہنگی کی فضا پیدا کی جاسکے۔

چیچنیا پر روسی حملہ

جنوبی روس کے شمالی کیشیا کے علاقے میں چیچنیا ایک آزاد جمہوریہ ہے جو ۱۹۹۱ء میں روس سے علیحدگی اور اپنی آزادی کا اعلان کرچکا ہے۔ ساڑھے سات ہزار مربع میل رقبے میں پھیلی یہ ریاست مسلم اکثریت آبادی پر مشتمل ہے، ۱۹۴۴ء میں اسٹالن نے چیچنیا کے مسلمانوں کو جبراً وطن بدر کرکے قزاقستان بھیج دیا تھا۔ جنہیں ۱۹۵۷ء میں پھر اپنے وطن واپس جاکر رہنے کی اجازت دی گئی۔ ۱۹۹۱ء میں جنرل دودائف نے مسلمانوں کو وحدتِ کلمہ کی بنیاد پر متحد کیا۔ روس سے علیحدگی

(بقیہ صفحہ ۴۲ پر)

اپیل

رمضان ۱۴۰۰ھ ' جولائی ۱۹۸۰ء میں ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں "ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر" کے نام سے ایک دینی 'تعلیمی ' تربیتی ' دعوتی اور رفاہی ادارہ قائم کیا گیا۔ اللہ کی توفیق و نصرت سے اب یہ ملک کا ایک نمایاں ادارہ بن چکا ہے اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلامی اور عربی علوم و معارف کے ساتھ اس میں عصری علوم و فنون کی تدریس و تعلیم بھی ہوتی ہے۔ یہاں نونہالان ملت کی دینی تربیت اور ان کی اخلاقی نشو و نما پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ اللہ کا بے پایاں شکر و احسان ہے کہ اس وقت سنٹر کے ماتحت حسب ذیل ادارے دہلی اور دہلی سے باہر پورے ملک میں اپنی بساط بھر اسلام اور اس کی سچی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے لئے سرگرم عمل ہیں۔

سنٹر کے موجودہ شعبہ جات و ادارے۔

دہلی میں (۱) جامعہ اسلامیہ سنابل (۲) معہد التعلیم الاسلامی ' جوگابائی (۳) معہد عثمان بن عفان لتحفیظ القرآن الکریم ' سنابل (۴) ابوالکلام آزاد بوائز اسکول ' جوگابائی (۵) خدیجۃ الکبریٰ گرلس اسکول ' جوگابائی (۶) شعبۂ صنعت و حرفت (معہد المھن والصناعات) سنابل (۷) شعبۂ کمپیوٹر (عربی ' انگلش ' اردو) جوگابائی (۸) شعبۂ آڈیو ' ویڈیو ' جوگابائی (۹) تعلیمی و تربیتی کمیٹی ' جوگابائی (۱۰) مجمع البحوث العلمیہ الاسلامیہ (اسلامک سائنٹیفک ریسرچ اکیڈمی) جوگابائی (۱۱) مجلس الفقہ الاسلامی ' جوگابائی (۱۲) شعبۂ دعوت و تبلیغ ' جوگابائی (۱۳) ادارہ بناء المساجد و تدریب الائمہ والخطباء ' جوگابائی (۱۴) جمعیہ خیریہ اسلامیہ (اسلامک ویلفیر سوسائٹی) جوگابائی (۱۵) ابوالکلام آزاد ریلیف کمیٹی ' جوگابائی (۱۶) چیری ٹیبل ڈسپنسری ' جوگابائی (۱۷) چیری ٹیبل ڈسپنسری ' سنابل (۱۸) جنرل لائبریری ' ذاکر نگر (۱۹) شعبۂ اکاؤنٹ ' جوگابائی (۲۰) شعبۂ قانونی امور ' جوگابائی (۲۱) شعبۂ تعمیرات و جائداد ' جوگابائی

بیرون دہلی (۱) شعبۂ تعلیم و دعوت و تبلیغ و رفاہ عام ' بمبئی (مہاراشٹر) (۲) معہد التعلیم الاسلامی ' بستی (یوپی) (۳) ابوالکلام آزاد بوائز اسکول ' بستی (یوپی) (۴) خدیجۃ الکبریٰ گرلس اسکول ' بستی (یوپی) (۵) کوچنگ کلاس برائے اسلامیات ' بستی (یوپی) (۶) چیری ٹیبل ڈسپنسری ' بستی (یوپی) (۷) کلیہ البنات الاسلامیہ ' گینسڑی بازار ' گونڈہ (یوپی) (۸) دارالعلوم ' جوریہ (آسام) (۹) مدرسہ سلفیہ ' تندوا ' سدھارتھ نگر (یوپی) (۱۰) مدرسہ مصباح العلوم ' تلسڑی (یوپی) (۱۱) معہد التعلیم الاسلامی ' بورا ' کٹیہار (بہار) (۱۲) جامع مسجد و مدرسہ محمدیہ ' گور ' بستی (یوپی) (۱۳) المعہد العالی للدعوۃ الاسلامیہ ' علی گڑھ (یوپی) (۱۴) معہد الصالحات ' اونرہوا ' گونڈہ (یوپی)

مذکورہ بالا اداروں میں ایک سو ستہتر (۱۷۷) اساتذہ اور دوسرے کارکن پوری دلچسپی اور لگن کے ساتھ کام کر رہے ہیں اور تقریباً ڈھائی ہزار بچے اور بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ اور پانچ سو چار بیرونی طلباء ہیں جن کی مکمل کفالت مرکز کرتا ہے۔ مرکز کا اس سال کا سالانہ تعلیمی بجٹ ساٹھ لاکھ (=/۶۰۰۰۰۰۰) روپئے ہے۔ اس بجٹ کی فراہمی کے لئے امسال رمضان کے مبارک مہینہ میں سنٹر کے درج ذیل نمائندے ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ کریں گے۔ انشاء اللہ

مولانا یار محمد صاحب سلفی

دہلی ' آگرہ ' مالیگاؤں ' ناندیڑ ' اورنگ آباد ' احمد نگر ' شولاپور ' تھانہ ' بھیونڈی ' کلول ' مہسلہ ' پابمہ ' کھڑی ' بجگاؤں ' سروا ' روہا ' کھیرا ' چورڈا ' بمبئی و مضافات۔

مولانا نثار احمد صاحب سلفی

(مشرقی یوپی میں) مئوناتھ بھنجن کال گوپال گنج' نرائن گر' بنارس' گھوسیا' بینی پور' روہتا' مئو آئمہ' املو' مبارکپور۔
(بنگال میں) آسنسول' کلکتہ' (مغربی یوپی میں) میرٹھ' سکندر آباد' بلند شہر' حاتم آباد' ٹیالہ' بھوجپور' مراد آباد' شکوہ آباد' اٹاوہ' قنوج' کانپور' لکھنؤ وغیرہ۔

مولانا اشیر الدین صاحب سلفی

دھولپور باڑی' گنگاپور سٹی' سوائی مادھوپور' کیشورائے پاٹن' کوٹہ' ساکیت' بیگود' بھیلواڑہ' گلاب پورہ' بھنائے' کیکڑی' سرواڑ' نصیر آباد' جے پور' جھنجھنو' کھنڈیلہ' فتح پور' سیکر' لاڈنو' ڈیڈوانہ' مکرانہ' جیتارن' جودھپور' و ہریانہ کے علاقے۔

مولانا فضل الرحمن صاحب سلفی

آرہ' داناپور' پٹنہ' مظفرپور' سیتامڑھی' دربھنگہ' مدھوبنی' بھوارہ' مدھوپور' گریڈیہہ' ڈابھاکینڈ' رام پورہ' نرائن پور' کھیریاواں' پوکھریا' دھنباد' مدن پور و بہار کے دیگر علاقے۔

امید کہ رمضان کے اس بابرکت مہینہ میں آپ اور دیگر ہمدردان و مخلصین جماعت و ملت خود بھی بھرپور تعاون کریں گے۔ اور اپنے احباب و متعارفین کو بھی زیادہ سے زیادہ تعاون پر آمادہ فرمائیں گے۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا (المزمل: ۲۰)
(جو خیر تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں زیادہ پاؤ گے)

اپیل کنندگان

۱۔ عبد الحمید رحمانی صدر ۲۔ سید عبد القدوس نقوی (دہلی) ممبر ۳۔ محمد یونس (بنارس) نائب صدر
۴۔ عاشق علی اثری جنرل سکریٹری ۵۔ عبد اللطیف (بنارس) نائب سکریٹری ۶۔ شیخ عطاء الرحمن مدنی خازن
۷۔ ڈاکٹر زاہد حسین خان (دہلی) ممبر ۸۔ شیخ صلاح الدین مقبول احمد ممبر ۹۔ شیخ عمر بن احمد ملیباری ممبر
۱۰ الحاج محمد عبید اللہ (مدراس) ممبر ۱۱۔ سید محمد عبد السمیع مدنی (بہار) ممبر ۱۲۔ عبد الستار رحمانی (مالدہ) ممبر
۱۳۔ فرید احمد (بستی) ممبر ۱۴۔ فصیح الدین خان (گونڈہ) ممبر ۱۵۔ عبد الکریم سلفی (دہلی) ممبر

مرکز کا اکاؤنٹ نمبر اور بینک

صرف درج ذیل نام ہی سے ڈرافٹ یا چک بنوایا جائے۔

ابو الکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر	ABULKALAM AZAD ISLAMIC AWAKENING CENTRE
اکاؤنٹ نمبر ۷۳۴	A/C734
سنٹرل بینک آف انڈیا	CENTRAL BANK OF INDIA
جامعہ نگر نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵	JAMIA NAGAR NEW DELHI-110025

مراسلت کا پتہ: دفتر ابو الکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر ۴ جوگابائی نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
ABUL KALAM AZAD ISLAMIC AWAKENING CENTRE
4-JOGABAI NEW DELHI-110025 PH: 6842920, 6821856

ماہنامہ التوعیۃ نئی دہلی

جنوری ۱۹۹۵ء مطابق شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ

ایڈیٹر

جلد ۹ رفیق احمد سلفی شمارہ ۹

بدل اشتراک

خصوصی ممبر (سالانہ) ۱۵۰۰/۰۰ روپے

ہمدرد (سالانہ) ۵۰۰/۰۰ روپے

عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۰۰/۰۰ روپے

ششماہی ۵۵/۰۰ روپے

پاکستان وبنگلہ دیش

عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۲۵/۰۰ روپے

غیر ممالک سے

۳۵ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی

خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی

۳-c/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

AL-TAUIYAH Monthly

161/C-3 Joga Bai

New Delhi - 110025

فون: ۶۸۲۱۸۲۷

پرنٹر پبلشر محمد الیاس سلفی نے الفا آفسیٹ پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر ماہنامہ "التوعیہ" ۳-c/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب

فکر ونظر

مقالات

نظم

متفرقات

فکرونظر

ابن احمد نقوی

اسلام اور سیاسی وحدت

صلیبی مغرب نے اسلام کے خلاف جو منظم پروپیگنڈا کیا اس میں ذہنی اور نظریاتی محاذ پر مختلف مفروضات اور آراء مرتب کی گئیں اور دنیا کو باور کرایا گیا کہ ان تمام امور میں اسلام کوئی رہنمائی نہیں کرتا اور اس محاذ پر وہ بالکل ناکام ہے۔ ان میں سے ایک مفروضہ قومیت اور قومیت کی بنیاد پر سیاسی وحدت قائم کرنے میں اسلام کی ناکامی ہے۔ مغرب نے قومیت اور وطنیت کا نظریہ اس انداز سے اٹھایا کہ مغرب سے زیادہ مشرق میں اسے دیوانگی کی حد تک قبول عام حاصل ہوا۔ بیشتر ایشیائی اور افریقی اقوام صلیبی مغرب کی غلام تھیں اور سیاسی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہی تھیں اس جدوجہد کو سرگرم عوامی تحریک بنانے کے لئے ضروری تھا کہ قوم اور وطن کا تصور بھرپور طریقہ سے ابھارا جائے تاکہ ہر شخص کے دل ودماغ میں یہ خیال ایک عقیدہ کی طرح جاں گزیں ہو جائے کہ ہم ایک علیحدہ قوم ہیں جو ایک مخصوص جغرافیائی خطے میں پیدا ہوئے یہ خطہ ہمارا وطن ہے اور ہمیں اپنے وطن کو دوسروں کی غلامی سے آزاد کرانا ہے تاکہ ہم اپنی قسمت اور اپنی ارض وطن کے خود مالک بن سکیں ظاہر ہے یہاں تک کوئی غلط بات نہیں تھی ایک جغرافیائی خطے میں رہنے والے "ایک مذہب رسم ورواج اور سماجی اقدار کو ماننے والے ایک زبان بولنے والے بلاشبہ ایک مخصوص قوم ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور انہیں اس بات کا حق ہے کہ جس علاقہ میں وہ رہتے ہیں اسے غیروں کے اقتدار سے آزاد کرائیں اور عالمی برادری میں ایک آزاد وخود مختار قوم کی طرح سربلند ہو کر بیٹھیں۔ لیکن اس تصور نے جب ایک عقیدہ کی شکل اختیار کی تو قومی عظمت کا پندار اور اپنے وطن کو ساری دنیا سے بہتر اور برتر سمجھنے کا جذبہ بھی ابھرا یورپ نے گوری قوم کو دنیا کی ممتاز اور حکمراں قوم کی حیثیت سے ابھارا۔ کالے اور رنگ دار باشندے گوروں کے غلام بنائے گئے۔ گوری قوم مہذب ٹھہرائی گئی بقیہ دنیا جاہل اور غیر مہذب قرار پائی۔ یورپ کا خطہ اس کا مستحق ٹھہرایا گیا کہ ساری دنیا کا سیاسی مرکز قرار دیا جائے۔ یہ جنون اتنا بڑھا کہ جرمنی میں نازیت کو فروغ ہوا ہٹلر نے آریوں (جرمن قوم) کو دنیا کی سب سے معزز اور محترم قوم قرار دیا۔ جو دنیا پر حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے اس نے گوری قوم کی عظمت کے تصور کو صرف اپنی قوم کے لئے مخصوص کر دیا اس فلسفہ کے تحت خود گورے (غیر جرمن یوروپی اقوام) بھی جرمنوں کے غلام بنے اور مغرب کا ہتھیار خود اس پر ہی آزمایا گیا۔ ہٹلر نے فرانس پولینڈ اور مشرقی یوروپ کے متعدد ملکوں کو غلام بنا لیا۔ انگلینڈ کی سامراجی عظمت بھی ہٹلر کے حملوں کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوئی اور جرمن فوجیں ماسکو کے دروازے تک پہنچ گئیں۔ اٹلی میں مسولینی نے فاشزم کے نظریہ کو فروغ دیا اور افریقہ کی طرف پاؤں پھیلائے۔ یہ سفاک آمریت یوروپ کے اپنے سامراجی عزائم کا ہی رد عمل تھی۔ بہرکیف حالات نے پلٹا کھایا اتحادیوں نے نازیوں کو کچل دیا اور مسولینی بھی عبرتناک انجام سے دوچار ہوا تاہم مغرب نے قومیت کے جس تصور کی آبیاری کی تھی وہ پھولتا پھلتا رہا۔ ہمارے ہندوستان میں جہاں مظاہر قدرت کی پرستش کی جاتی ہے وطن بھی ایک معبود بن گیا عرب میں قبائلی نظام کی جڑیں بہت گہری ہیں وہاں بھی قوم ووطن کا یہ مغربی تصور برگ وبار لایا مغرب نے اسے اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا۔ پہلی جنگ عظیم میں ترک اتحادیوں کے ساتھ نہیں تھے اور یورپ کے خاصے بڑے علاقے ان کے اقتدار کے تحت تھے۔ بلقان کی عیسائی ریاستوں میں ترکی کے اقتدار کے خلاف آزادی کی تحریکیں جاری تھیں۔ فاتح صلیبیوں نے انہیں سہارا دیا اور یہ ریاستیں عثمانی اقتدار سے آزاد ہو گئیں پھر عربوں کا

نمبر آیا۔ ظاہر ہے عرب اگرچہ مسلمان تھے اور ترکی میں خلیفۃ المسلمین کی حکومت تھی خطۂ عرب شروع سے ہی خلیفۃ المسلمین کے تحت رہا تھا خواہ وہ خلافت راشدہ ہو، خلافت بنو امیہ یا خلافت عباسیہ، خلیفہ کا اقتدار دینی و سیاسی دونوں طرح کا اقتدار ہوتا تھا۔ جب ترکوں نے اسلام قبول کیا اور سلطنت حاصل کی تو خلافت بھی ان کے قبضہ میں آئی۔ تاہم وہ غیر عرب تھے بنو امیہ یا بنو عباس کی طرح خطۂ عرب سے ان کا تعلق نہیں تھا اس لئے اسلامی رشتہ کے باوجود عربوں میں یہ احساس ہونا فطری بات تھی کہ وہ ایک غیر عرب قوم کے ماتحت ہیں جن کی زبان اور تہذیب ان سے مختلف ہے یہ احساس بالکل اسی انداز کا تھا جیسے ایران پر اسلامی اقتدار اور ایرانیوں کی غالب اکثریت کے مسلمان ہونے کے باوصف انہیں عرب مسلمانوں کا اقتدار پسند نہیں تھا۔ عباسیوں نے اسی قومی جذبہ کو ابھارا اور آل فاطمہ کی خلافت کی تحریک کو اپنے سیاسی مقصد کے لئے استعمال کرکے بنو امیہ کو اقتدار سے خارج کردیا اور پھر خراسانیوں اور آل فاطمہ کو بھی کچل ڈالا تاکہ عباسی اقتدار کو چیلنج کرنے والا کوئی نہ رہے مغرب کے صلیبیوں نے ترکوں کے خلاف عربوں کی بے چینی سے فائدہ اٹھایا اور جنگ عظیم کے بعد نہ صرف ترکی سے خلافت اور اسلامی ثقافت کو اکھاڑ دیا بلکہ عربوں کو بھی ترکوں کے پرچم سے آزاد کراکے صلیبی اقتدار کے شکنجے میں جکڑ دیا اور عرب جو پہلے ایک مسلم قوم کے زیر سایہ تھے اب انگلینڈ، فرانس اور اٹلی تین مختلف صلیبی قوموں کے غلام بن گئے دوسری جنگ عظیم کے بعد جب صلیبی مغرب کے سامراجی شکنجے ڈھیلے ہوئے تو دیگر افریشیائی اقوام کی طرح عرب علاقے بھی آزاد ہوئے اور بجائے ایک آزاد متحدہ عرب مملکت قائم ہونے کے متعدد آزاد جغرافیائی خطے قائم ہوگئے۔ جن کا مذہب زبان، تہذیب تاریخ اور معاشرہ ایک تھا سب عرب تھے تاہم حکمرانوں کے سیاسی عزائم اور سابق آقاؤں کی پس پردہ گرفت کے سبب سب نے اپنی الگ جغرافیائی شناخت کو پسند کیا اور کئی آزاد سیاسی اکائیاں خطۂ عرب میں ابھریں عرب حکمرانوں کے تاریخی مزاج کے مطابق وہاں باہمی افتراق و انتشار شروع سے ہی رہا۔ صلیبیوں نے فلسطین میں یہودیوں کا اقتدار قائم کرکے عربوں میں ایک ابدی اختلاف کا بیج بودیا۔ متعدد سامراج دوست حکمراں کٹھ پتلیوں کی طرح صلیبیوں کی ڈوری پر متحرک رہے تھے عرب عوام اپنی قومی تذلیل پر مشتعل تھے عرب افواج فلسطینی محاذ پر اپنی شکست پر حکمرانوں سے خار کھا رہی تھیں چنانچہ مصر کے شاہ فاروق اردن کے شاہ عبد اللہ، عراق کے نوری سعید، عبد اللہ، فیصل، لیبیا کے شاہ ادریس یہ سب انقلابیوں کے ہاتھوں مارے گئے یا جلاوطن کردئے گئے اس کے بعد بھی عرب دنیا میں امن و اتحاد کا سورج طلوع نہیں ہوا صلیبی اور صیہونی سازشیں اپنا کام کرتی رہیں۔ اردن میں شاہ عبد اللہ مارے گئے تو ان کے پوتے شاہ حسین تخت نشیں ہوئے جو اپنے دادا کی طرح مغرب پرست بنے رہے۔ مراکش میں شاہ حسین نے خفیہ و علانیہ صیہونیوں کا ساتھ دیا۔ لبنان کی عیسائی سیاست ہمیشہ یہودیوں کے مفاد کی نگہبان رہی۔ فلانجسٹوں (کتائب) نے یہودیوں کے ساتھ مل کر فلسطینیوں کا قتل عام کیا پیری جمیل، بشیر جمیل، امین جمیل، سعد حداد یہ سارے لبنانی صلیبی صیہونی ایجنٹ کے طور پر کام کرتے رہے۔ صیہونیوں نے جنوبی لبنان پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے سعد حداد کو استعمال کیا آج بھی جنوبی لبنان کی عیسائی فوج اسرائیلی ہراول کا کام کرتی ہے اور علاقہ کے لبنانی شیعوں (حزب اللہ) سے یہودیوں کے ساتھ لڑتی ہے۔ صدام حسین نے کویت پر حملہ کرکے عرب اتحاد، عرب امۃ، اسلامی اخوت جیسی تمام اصطلاحیں حرف غلط کی طرح مٹادیں حالانکہ صدام حسین کی بعث پارٹی کا نعرہ ہے "امۃ عربیہ واحدہ۔ ذات رسالۃ خالدہ" لیکن اپنے اقتدار کے پاؤں پھیلانے کے لئے انہوں نے وحدت امت عربیہ کا تار و پود بکھیر دیا اور مغرب نیز ان کی فکر کے پروردہ افراد کو یہ کہنے اور دنیا کو جتانے کا موقع مل گیا، کہ اسلام مغربی ایشیا کے مسلمانوں کو متحد کرنے میں ناکام رہا ہے، ان خطوں میں مسلمان ایک دوسرے سے لڑتے ہیں اور ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں "اسلام اور سیاسی وحدت کے بارے میں یہ رائے مسٹر کے ایم پانیکر نے اپنے ایک مضمون مغربی ایشیا میں ایران کا کردار (قومی آواز مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۹۴ء) میں ظاہر کی ہے شاید مسٹر پانیکر نے نہ تو اس موضوع پر اسلامی فکر کا مطالعہ کیا ہے نہ انہیں سیاسی قومیت اور سیاسی وطنیت کے بارے میں اسلام کے موقف کا صحیح علم ہے۔ صلیبی مغرب نے اسلام کے خلاف جو فرد جرم عائد کر رکھی ہے اسی میں سے ایک الزام انہوں

نے اپنے دعوے کے ثبوت کے طور پر پیش کردیا اور عربوں کے افتراق وانتشار کی بدبختانہ روش کا مجرم اسلام کو قرار دے دیا۔ ویسے دیکھئے تو اس میں پائیکر صاحب کا زیادہ قصور نہیں ہے۔ آج کم وبیش ساری دنیا اکثر چیزوں کو اور خصوصاً اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ہر بات کو صلیبی عینک سے دیکھتی ہے کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ اسلام کے اصول اور عربوں یا مسلمانوں کی نفسیات کو سمجھنے کے لئے اسلام کی بنیادی کتب اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرے۔ اور دیکھے کہ اسلام اور مسلمان بالکل الگ بلکہ عصری تناظر میں بڑی حد تک متضاد چیزیں ہیں۔ آج کا مسلمان شاید دس فیصد بھی اسلام کے اصولوں پر کاربند نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کی اجتماعی یا انفرادی بے راہ روی ' بے عملی یا بد عملی کا الزام اسلام کے سر نہیں تھوپا جانا چاہئے کیا ہم صلیبی مغرب کے کردار کو حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کے معیار پر جانچتے ہیں۔ حضرت مسیح کا قول ہے کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو تو دوسرا گال بھی پیش کردے۔ صلیبی اس فرمان کو بڑے فخر سے ساری دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں انہیں "شہزادۂ امن" کا خطاب دیتے ہیں اور ساری مسیحی دنیا کو اسی ملکوتی جذبہ کا حامل بتاتے ہیں لیکن کیا اس سطح ارض پر سانس لینے والا کوئی بھی باشعور انسان اس بات کی تائید یا تصدیق کرسکتا ہے کہ صلیبی واقعی اپنے پیغمبر کے اس فرمان پر عمل کرتے ہیں پھر کوئی دانشور یہ کیوں نہیں کہتا کہ عیسائیت صلیبیوں کو انسان بنانے میں ناکام رہی ہے۔ گورے صلیبی کل بھی بھیڑیے تھے اور آج وہ کل سے بھی زیادہ خونخوار ہیں وہ مسیح علیہ السلام کے قول پر اس طرح عمل کرتے ہیں کہ ساری انسانیت کے گال پر طمانچے مارتے رہتے ہیں اور تقاضہ کرتے ہیں کہ دوسرا گال بھی ان کے سامنے پیش کیا جائے۔

مگر اسلام کے بارے میں اس عام غلط فہمی کا الزام سب سے پہلے خود مسلمانوں پر آتا ہے۔ انہوں نے دنیا کو اسلام سے متعارف کرانے کی کوئی منصوبہ بند اور ہمہ جہتی انداز کی کوشش نہیں کی۔ انفرادی طور پر بلاشبہ کام ہوا اور ہو رہا ہے بلکہ کسی حد تک اب منصوبہ بند طریقہ پر بھی کوشش کی جارہی ہے کہ اسلام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کی جائے مگر صلیبی مغرب بھی اسلام کے خلاف پروپیگنڈے میں پہلے سے زیادہ مستعد اور منہمک ہے۔ صلیبی اور صیہونی اس وقت الیکٹرانک میڈیا کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کررہے ہیں۔ ان کے اخبارات، رسائل، کتابیں، ریڈیو، ٹی وی سب اسلامی بنیاد پرستی دہشت گردی، مغرب دشمنی کے حقیقی و فرضی واقعات اس انداز سے اچھال رہے ہیں کہ اکثر سادہ لوح افراد مسلمان اور بنیاد پرست یا دہشت گرد کو ہم معنی لفظ سمجھنے لگے ہیں۔ یہ بدباطن صلیبی اس تاثر کو پختہ تر کرنے کے لئے کسی بھی مذموم حرکت سے گریز نہیں کرتے۔ پچھلے سال امریکہ میں حج پر ایک کتاب شائع ہوئی۔ ٹائیٹل پر انگریزی میں حج اس ڈیزائن سے لکھا گیا کہ حرف J کو خنجر ([illegible]) کی شکل بنا کر پیش کیا گیا تھا۔ ذرا سوچئے کہ ایک اجنبی جو حج کے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو وہ ٹائیٹل پر خنجر کی تصویر دیکھ کر حج کا کیا تصور قائم کرے گا۔ جب ٹائیٹل کا انداز یہ ہے تو پوری کتاب کا کیا انداز ہوگا۔ اس کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ک ضرورت ہے سیاسی ضرورت کے لئے کلنٹن بھی اعلان کرتے ہیں کہ ہ اسلام اور دہشت گردی کو لازم وملزوم نہیں مانتے فرانس کے وزیر داخلہ چارلس پاسکوا نے ریاض میں کہا کہ میں اسلام کو فرانسیسی سوسائٹی میں استحکام کا عنصر تسلیم کرتا ہوں۔ بدقسمتی سے میرا مذہب عیسائیت اسلام کے مقابلے زیادہ حرکی نہیں ہے۔ وزیر داخلہ نے یہ بھی اعلان کیا کہ فرانس جامعہ ازہر کے علماء کو اپنے ہاں بلائے گا تاکہ وہ ایک غیر مسلم ملک میں مسلمانوں کے طرز عمل کی بابت اسلام کی پوزیشن کی وضاحت کریں (فرانس میں اس وقت) سرکاری اسکولوں میں مسلم بچیوں کے حجاب (ڈھانپے) کا مسئلہ تنازعہ کا سبب بنا ہوا ہے۔ برطانیہ کے ولی عہد شہزا چارلس پچھلے سال اسلام کے بارے میں بڑی فاضلانہ تقریر کرچکے ہیں۔ لیکن ان تمام تقریروں اور ستائش کے باوجود صلیبی مغرب کا بنیادی کردا اسلام دشمنی پر قائم ہے فلسطین اور بوسنیا اس کی واضح مثالیں ہیں۔

بدقسمتی سے کچھ دینی جماعتوں کے سیاسی عزائم اور ان کی تع کے لئے پُرتشدد جدوجہد کے سبب ایک عام تاثر یہ قائم ہوگیا ہے ک اسلام سیاسی اقتدار کا ایک آلہ (ہتھیار) ہے اور ہر دہشت گردی کو ج میں مسلمان شامل سمجھے جائیں اسلامی اقتدار پرستی کا نام دیدیا جاتا۔ اگرچہ اسلام قومیت کے تصور سے انکار نہیں کرتا تاہم وہ قومیت کو کو

اعزاز ووقار عطا نہیں کرتا۔ قرآن مجید نے انسانوں کی گروہی اور قبائلی تقسیم کو عمل خداوندی قرار دیا ہے اور اسے باہمی تعارف کا ایک ذریعہ بتایا ہے۔ اس تقسیم سے کوئی امتیاز واکرام مقصود نہیں ہے اصل اکرام اور اعزاز تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ (الحجرات: ۱۳)

اسلام کا عظیم انسانی منشور ہے۔ اسلام دین فطرت ہے' وہ انسانوں کی فطرت کو جانتا ہے کہ نسل' قرابت' زبان' اور معاشرت کی ہم رنگی انسان میں یگانگت پیدا کرتی ہے' اسی عصبیت سے خاندان بنتے ہیں خاندان پھیلتے ہیں تو شعوب وقبائل بنتے ہیں شعوب وقبائل مزید پھیلتے ہیں تو قومیں بنتی ہیں یہ انسانی فطرت کا ایسا عمل ہے جسے روکا نہیں جاسکتا رد نہیں کیا جاسکتا اسلام نے اس انسانی جذبہ کو دبایا یا کچلا نہیں بلکہ انسانی معاشرہ کی بنیادی تقسیم کے طور پر تسلیم کرکے اسے اس طرح مشروط کردیا کہ یہ طبقاتی عمل عجب وپندار کی بنیاد نہیں بن سکتا کوئی شخص کسی گروہ یا قبیلے کی نسبت سے کسی اکرام کا دعویٰ نہیں کرسکتا عزت وکرمت صرف پاکیزگی کردار وعمل پر موقوف ہے اسی کی مزید وضاحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمائی جب آپ نے اعلان کیا۔

یا ایھاالناس ألا انّ ربکم واحدو انّ اباکم واحد ألا لا فضل لعربی علی اعجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی أسود ولا أسود علی احمر إلاّ بالتقویٰ

(مسند احمد ۵/۴۱۱)

جب اسلام انسان کی قبائلی یا قومی تقسیم کو تسلیم کرتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ یہ تسلیم نہ کرے کہ ہر قبیلہ (قوم) کو اپنا الگ سیاسی وجود یا اپنی آزادانہ شناخت قائم کرنے کا حق ہے۔ اسلام کسی پر جبرا یہ پابندی عائد نہیں کرتا کہ وہ کسی مخصوص قبیلہ یا قوم کے محکوم ہو کر رہیں۔ یہ چیز انسانی فطرت کے خلاف ہے غلامی یا سامراج انسانیت کے دامن کے بدنما داغ ہیں۔ اسلام نے سب سے پہلے غلامی کا داغ مٹانے

کی کوشش اس طرح کی کہ غلاموں کو بہ حیثیت انسان دوسروں کے برابر حق دئے انہیں مکاتبت کے ذریعے آزادی کا حق دیا۔ اور اس پر عمل کرایا امیر المومنین حضرت عمر فاروق کے عہد میں ایک غلام نے اپنے آقا سے مکاتبت کی درخواست کی آقا نے انکار کیا غلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی آپ نے آقا کو طلب کیا جو کہ ایک ممتاز صحابی تھے اور انہیں سخت سرزنش کی اور اپنے غلام کی بات ماننے پر مجبور کردیا ظاہر ہے جب اسلام انفرادی غلامی کو بھی پسند نہیں کرتا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ قوموں کی اجتماعی غلامی یا محکومی کو سند جواز عطا کرے گا۔ دوسرے اسلام کوئی سیاسی وحدت یا سلطنت قائم کرنے کے لئے نہیں آیا۔ اسلام اللہ کی وحدت اور انسانی اخوت کا پیغام لے کر آیا۔ سیاسی وحدت اکثر سیاسی غلبہ سے حاصل ہوتی ہے۔ زبردست گروہ کمزور گروہ کو دبا کر سیاسی وحدت یا سلطنت قائم کرتا ہے جو اسلام کے بنیادی اصول انسانی اخوت ومساوات کے منافی ہے۔ اسلام جب رنگ ونسل کے امتیاز کو تسلیم نہیں کرتا تو سیاسی برتری کے امتیاز کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ خلفائے راشدین کے دور میں جب اسلامی فوجیں کسی علاقہ میں پہنچتی تھیں تو وہاں کے لوگوں کے سامنے اسلام پیش کرتی تھیں کہ اسلام قبول کرلو تو تم ہمارے اسلامی بھائی ہو جاؤ گے۔ بعد کو جو ریاست قائم ہوئی وہ مسلمانوں کے سیاسی مصالح وعزائم کا ثمر تھی۔ جس نے تھوڑی ہی مدت میں قیصری انداز اختیار کرلیا۔ خانہ جنگیاں ہوئیں' خون خرابہ ہوا۔ ایک خاندان برسر اقتدار آتا تو اسے ہٹا کر دوسرے خاندان اقتدار پر قابض ہوتے اور اس طرح وہی پرانا جاگیرداری اور شاہی نظام برپا ہوگیا۔ خلافتیں بنیں' بگڑیں' سلطنتیں قائم ہوئیں تباہ ہوئیں۔ لیکن اسلام کا آفاقی پیغام یعنی وحدانیت پروردگار اور مساوات نوع بشر کبھی بھلایا نہیں جاسکا۔ جہاں مسلمان رہے یا گئے یہ شمع ساتھ لے گئے اسلام نے سیاسی اقتدار کے لئے کسی کو پروانہ نہیں دیا۔ ایرانیوں نے عرب اقتدار سے گلو خلاصی حاصل کرلی۔ اپنی قومی حکومت قائم کرلی مصریوں نے بھی عرب تسلط سے چھٹکارا پالیا۔ ترک بھی اپنی قسمت کے آپ مالک بن گئے وہ عظیم ریاست جو حضرت عمر کے عہد میں قائم ہوئی عباسیوں کے دور میں شان وشوکت کے نصف النہار پر پہنچی' سب بکھر کر رہ گئی اگر اسلام ایسی

سلطنت کا داعی ہوتا تو اس کا زوال خود (نعوذ باللہ) اسلام کا زوال بن جاتا جبکہ اسلام سیاسی عروج و زوال سے بے نیاز رہا ہے۔ عباسیوں کا زوال بڑا عبرت ناک اور المناک تھا آج بھی مسلم تاریخ کے صفحات اس داستان سے خونچکاں ہیں۔ اسلام اس طوفان میں بھی سربلند رہا اور کچھ ہی مدت میں وحشی تاتاری اسلام کی آغوش میں آگئے۔ پھر مغل یلغار کرتے ہوئے آئے اور وہ بھی اسلام کے دامن رحمت میں آگئے۔ مسلمان ہندوستان کی طرف بڑھے اس پر قابض ہوگئے اسلام سیاسی غلبہ سے بے نیاز' اپنا کام کرتا رہا۔ مسلمانوں کی سلطنتیں بنتی بگڑتی رہیں ترک' افغان' پٹھان' مغل سب نے اپنے اقتدار کا نقارہ بجایا اور فنا ہوگئے مگر اسلام کا دائرۂ اقتدار پھیلتا رہا اور جب انیسویں صدی میں برصغیر سے مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ختم ہوا تو بھی ہندوستان دنیا بھر میں مسلمانوں کی آبادی کا سب سے بڑا ملک تھا۔ اور اگر مسلم لیگ اپنی بے بصیرتی سے اسلام کی رسوائی اور مسلمانوں کی تباہی کا سامان نہ کرتی تو آج بھی ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کا کارواں کامیابی سے رواں دواں ہوتا۔ تاہم سہ رُخی تقسیم کے باوجود ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی انڈونیشیا کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ ہے مسلم بادشاہوں نے ہندوستان کو قطب مینار' تاج محل لال قلعہ اور جامع مسجد جیسی نشانیاں دیں۔

اسلام نے انسانی مساوات کا تصور عطا کیا اس خطہ میں جہاں طبقاتی تقسیم نے مذہبی عقیدہ کی شکل اختیار کرلی تھی اور "شودر" کو انسان بھی نہیں مانا جاتا تھا وہاں تمام انسانوں کی برابری کا عقیدہ ایک انقلابی عقیدہ تھا جس نے کروڑوں انسانوں کی زندگی کا رخ بدل دیا۔ اسلام کی اسی تعلیم نے اسے سب سے زیادہ پیروکار عطا کئے۔ یہاں کروڑوں دیوتاؤں کی عبادت کا عقیدہ تھا۔ اسلام نے اس کے مقابل توحید کا تصور پیش کیا جس نے ہندو دھرم پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ توحید و مساوات کی روشنی کے اثر سے ہی ہندوؤں میں ایک نیا مذہب (سکھ دھرم) پیدا ہوا جس میں نہ ذات پات ہے نہ مورتی پوجا ہے نہ دیوی دیوتا ہیں نہ اوتار واد ہے۔ ایک اونکار (خدائے واحد) کا تصور اس کی بنیاد ہے۔ آریہ سماج میں بھی توحید کا تصور اور اوتار واد' مورتی پوجا اور دیوی دیوتا سے اجتناب کا فلسفہ اسلامی اثرات کی نشان دہی کرتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو یہاں اسلام اور مسلم حکمرانوں کا کردار بالکل الگ بلکہ متضاد سا معلوم ہوتا ہے۔ اسلام نے انسانی مساوات کا تصور عام کیا لیکن حکمرانوں نے بادشاہت اور جاگیرداری کی بقاء کے لئے مقامی طبقہ داری تقسیم کو مسلمانوں میں بھی پھیلادیا' اسلام نے غیر مسلموں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے سے منع کیا ہے۔ لیکن بعض بادشاہوں نے اسلام کی اس تعلیم کا پاس نہیں کیا۔ بلکہ اپنی غیر محتاط روش سے اسلام کی رسوائی کا باعث بنے۔ اگر یہ بادشاہ اور سلاطین اپنی سلطنت قائم کرنے کے لئے فوجی یلغار نہ کرتے تو عین ممکن تھا کہ انڈونیشیا کی طرح ہندوستان میں بھی پیروان اسلام کی کثرت ہوتی برٹش انڈیا میں مسلم لیگ نے اسلام کا نام لے کر مسلمانوں کو ورغلایا اور ملک تقسیم کرالیا لیکن اسلام کے نام پر یہ مصنوعی سیاسی اتحاد دو دہائی سے زیادہ نہیں چل سکا اور آج خود پاکستان کا اپنا وجود سیاسی اور جغرافیائی انتشار کے دہانے پر پہنچ گیا ہے۔ ظاہر ہے پاکستان کے انتشار کی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے۔ بہرحال اسلام کو سیاسی اقتدار یا سیاسی وحدت کا نہ کبھی دعویٰ تھا نہ یہ اس کی پاکیزہ تعلیمات میں شامل ہے وہ صرف انسانی اتحاد اور اخلاقی و روحانی پاکیزگی کا علمبردار ہے یہ پرچم کل بھی سربلند تھا آج بھی ہے اور مستقبل میں بھی رہے گا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اسلام عربوں کو متحد کرنے میں ناکام رہا محض ایک صلیبی مفروضہ ہے۔ جس کی کوئی بنیاد نہیں اسلام انسانی مساوات اور توحید کا عقیدہ لے کر آیا تھا۔ یہی عقیدہ آج مغربی ایشیا کی غالب آبادی کا دین اور اس کی شناخت ہے۔ اسلام اسی وحدت کا علمبردار ہے اور جہاں بھی اسلام پہنچا اس نے اسی کو عام کیا اور ہر جگہ کامیاب رہا۔ ایشیا' افریقہ کے وسیع علاقے اسی وحدت سے مربوط ہیں۔ یہی اسلام کا مدعا تھا جسے اس نے حاصل کیا اور مغرب میں بھی رفتہ رفتہ حاصل کررہا ہے۔

مسٹر پانیکار کے اس نظریہ کے تناظر میں ان سے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ کیا اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب اپنے پیروکاروں میں سیاسی اتحاد قائم کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ کیا صلیبی ایسا دعویٰ کرسکتے ہیں کیا بودھ تاریخ ایسا حوالہ پیش کرسکتی ہے؟ کیا ہندو دھرم میں یہ طاقت ہے؟ پہلے مسیحیت کو دیکھئے۔ سارا یوروپ صدیوں سے تثلیث کے زیر سایہ ہے مگر سیاسی وحدت وہاں کبھی قائم نہیں ہوسکی جب تک پوپ کا استبداد

تھا یہ ملک کسی حد تک دبے رہے پھر آپس میں خونریز جنگیں ہوئیں۔ عیسائیوں نے ایک دوسرے کا جتنا خون بہایا ہے دوسری کسی قوم نے نہیں بہایا۔ خود بیسوی صدی میں جو دو عالمی جنگیں ہوئیں وہ عیسائیوں کے سامراجی عزائم کا نتیجہ تھیں۔ یہ سب مسیح کے ماننے والے اور گوری نسل کے یوروپی ہیں مسیحیت کو اپنا قومی مذہب مانتے ہیں۔ مگر سیاسی اتحاد نہ ماضی میں کبھی ہوا نہ مستقبل میں امکان ہے۔ یوروپین یونین مشترکہ یوروپی منڈی وغیرہ کا جو تصور اب ابھر رہا ہے۔ وہ صلیب پہننے والے تھے۔ لیکن عقیدہ کا اتحاد ان میں سیاسی اتحاد کبھی پیدا نہیں کرسکا۔ آج بھی فرانس 'اسپین' پرتگال اور اٹلی وغیرہ سب کیتھولک عیسائی ہیں ان کی سرحدیں بھی آپس میں ملتی ہیں۔ مگر سب الگ الگ اپنی جغرافیائی حد بندیوں میں رہتے ہیں۔ انگلینڈ نے جب کیتھولک چرچ سے ناطہ توڑا اور اپنا کلیسا الگ بنالیا تو آئرلینڈ کے کیتھولک صلیبی اس سے الگ ہوگئے شمالی آئرلینڈ پر اب بھی برطانیہ کا قبضہ ہے مگر وہاں کے کیتھولک آزادی کے لئے برسرپیکار ہیں۔ یہ سب

مسجد حرام کے سابق امام وخطیب

علامہ عبداللہ الخیاط کی رحلت کا سانحۂ عظیم

دنیائے اسلام میں یہ خبر وحشت اثر بڑے رنج وغم کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ عالم اسلام کے ایک صاحب ورع وتقویٰ عالم اور ممتاز داعی ورہنما مسجد حرام کے امام وخطیب اور شاہی خانوادے کے اتالیقِ خاص فضیلۃ الشیخ عبداللہ عبدالغنی الخیّاط بتاریخ ۸ر جنوری ۹۵ء بروز یکشنبہ بوقت ۸ر بجے صبح اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرماگئے۔

علامہ عبداللہ الخیّاط کی وفات دنیائے اسلام کے لئے ایک زبردست علمی ودعوتی سانحہ ہے آپ سعودی عرب کے ان سرخیل علماء اور اساطین علم وفضل اور تقویٰ میں سے تھے جو ساری دنیا کے مسلمانوں میں بڑی عقیدت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے

آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ۲۹ر شوال ۱۳۲۶ھ میں ایک متوسط علمی گھرانے میں ہوئی آپ کے والد ماجد عالم دین تھے انھیں تفسیر وحدیث اور فقہ میں خاصی مہارت حاصل تھی۔

ابتدائی تعلیم آپ نے مدرسہ خیاط میں حاصل کی پھر ہاشمی حکومت کے عہد میں مدرسہ راقیہ میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۰ھ میں سعودی عرب کے معہد علمی سے سند فراغت حاصل کی اس کے بعد مدرسہ حارۃ الباب مکہ اور پھر مدرسہ الامراء ریاض کے مدیر رہے ۱۳۶۲ھ میں وزارت تعلیم مکہ مکرمہ کے ایڈوائزر مقرر ہوئے ۱۳۶۷ھ میں ادارۂ تعلیم کے نگراں اور پھر کلیۃ الشریعۃ مکہ مکرمہ کے پرنسپل بنادیئے گئے اس دوران آپ متعدد مسجدوں کے امام وخطیب اور مختلف تنظیموں اور اداروں کے نگراں وسرپرست رہے

۱۳۷۳ھ میں ایک شاہی آرڈر کے ذریعہ مسجد حرام میں امام وخطیب کی حیثیت سے آپ کی تقرری عمل میں آئی اسی طرح آپ سعودی عرب میں علماء کی اعلیٰ کونسل کی تاسیس کے وقت ہی سے اس کے رکن رہے رابطہ عالم اسلامی کی کلچرل کمیٹی اور مجلس تحقیقات ودراسات اسلامی کی انعام کمیٹی (لجنۃ جائزۃ تقدیریہ للبحوث والدراسات الاسلامیۃ) کے بھی اول یوم سے رکن رہے آپ کی کئی اہم تصنیفات بھی ہیں۔

ہم کوشش کریں گے کہ "التوعیہ" کے آئندہ کی کسی قریبی اشاعت میں آپ کی سیرت وسوانح پر ایک جامع مقالہ شائع کریں اہل علم اور مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں مقیم وہاں کی جامعات کے فضلاء سے علامہ خیاط رحمہ اللہ کی سوانح پر اردو میں مقالہ کی درخواست ہے امید کہ ہماری یہ درخواست ان کی بارگاہ میں شرف باریابی حاصل کرے گی

(ادارہ)

تجارتی اور معاشی مفاد کی بنیاد پر ہے مسیحیت کا اس میں کوئی اہم کردار نہیں ہے۔

بودھ دھرم مشرق کے عظیم مذاہب میں رہ چکا ہے آج بھی ہندوستان کے مشرق میں ہند چینی میں بودھوں کی اکثریت ہے۔ تھائی لینڈ' لاؤس' کمبوڈیا' جاپان' برما' (میانمار) وغیرہ میں بودھ اکثریت ہے کئی ملکوں کی سرحدیں بھی مشترک ہیں مگر سیاسی اتحاد کہیں بھی نہیں ہے۔ سب اپنے علیحدہ قومی وجود کی بقا اور شناخت پر اصرار کرتے ہیں بودھ دھرم سب کی مشترکہ میراث ہے مگر یہ انہیں سیاسی وحدت عطا نہیں کر سکا۔

ہندو دھرم ہندوستان کی غالب اکثریت کا مذہب ہے۔ ہزاروں سال سے ہندو یہاں آباد ہیں لیکن سیاسی وحدت مسلمانوں سے پہلے کبھی قائم نہیں ہوئی سارا ملک چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستوں میں بٹا رہا۔ جو ریاست طاقتور ہوتی دوسری کمزور ریاستوں کو دبالیتی موقع ملتے ہی بغاوتیں ہوتیں اور اپنی علاقائی آزادی بحال کرلی جاتی کسی نے نہیں سوچا کہ ہم مہاراج ادھیراج کی چھتر چھایا میں ہندو دھرم کے نام پر محکوم رہیں۔ مغلوں نے سب سے پہلے ایک وسیع اور متحدہ ہندوستان کی تشکیل کی۔ اورنگ زیب کی سلطنت کابل سے اراکان تک پھیلی ہوئی تھی جو اب پانچ ملکوں یعنی افغانستان' پاکستان' ہندوستان' بنگلہ دیش اور برما میں تقسیم ہو چکی ہے۔ نیپال میں بھی غالب ہندو اکثریت ہے لیکن نیپالی ہندوؤں نے کبھی ہندوستان کا غلبہ قبول نہیں کیا اگر ہندو دھرم سیاسی وحدت عطا کرنے میں کامیاب ہوتا تو نیپال کو ہندوستان کا ایک صوبہ ہونا چاہئے تھا کیونکہ دونوں ہندو ہیں۔ خود ہندوستان میں ہندو دھرم کے پیروؤں میں بھی سیاسی وحدت کا تصور نہیں رہ گیا ہے پسماندہ طبقات اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کا تسلط برداشت کرنے کو آمادہ نہیں ہیں۔ آج جو کشمکش پورے ملک میں جاری ہے وہ سیاسی اقتدار کے خلاف بغاوت ہے۔ ملک کے موجودہ جغرافیائی اتحاد میں جہاں ہندو اکثریت نہیں ہے مثلاً تامل ناڈو' پنجاب' کشمیر' ناگالینڈ' میزورم وغیرہ وہاں کے باشندوں کا رجحان اپنی علیحدہ شناخت کی طرف زیادہ ہے۔ اشتراکیت بھی اس دور میں محنت کش عوام کے عقیدے کے طور پر ابھری مگر سیاسی وحدت یہ انقلابی نظریہ (ازم) بھی نہیں دے سکا۔ سوویت یونین کے بکھراؤ کے ساتھ بالٹک ریاستیں اور مشرقی یورپ کے سارے اشتراکی ملک سوویت یونین سے الگ اور اشتراکیت سے تائب ہو گئے۔ چین اور ویت نام میں اشتراکیت بر سر اقتدار ہے مگر ویت نام اشتراکی وحدت کے نام پر چین سے سیاسی اتحاد یا اس کی محکومی قبول نہیں کر سکتا۔ جب دنیا کا کوئی مذہب کوئی ازم اپنی تمام تر روحانی اور انقلابی اسپرٹ کے باوجود سیاسی اتحاد قائم نہیں کر سکا تو صرف اسلام کو ہی اس کے لئے مطعون کیوں کیا جاتا ہے اگر کوئی دوسرا مذہب یہ کارنامہ انجام دے چکا ہوتا تو اسلام پر انگشت نمائی کا کچھ جواز بھی ہو سکتا تھا۔

بقیہ: مروان بن حکم اموی

نے حضرت مروان کے پاس جا کر حضرت ابو سعید کے رویّہ کی شکایت کی اور حضرت ابو سعید بھی نوجوان کے پیچھے پیچھے حضرت مروان کے پاس پہونچے۔ تو انہوں نے پوچھا کہ: ابو سعید آپ کا اور آپ کے بھتیجے کا کیا معاملہ ہے! حضرت ابو سعید نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میں سے کوئی کسی شے کو سترہ بنا کر اس کی اوٹ میں نماز پڑھے اور کوئی اس کی سامنے سے گذرنا چاہے تو اس سے اپنا دفاع کرے اور اگر وہ انکار کرے تو اس سے لڑے کہ وہ شیطان ہے حضرت مروان نے حدیث نبوی سننے کے بعد حضرت ابو سعید خدری سے کچھ بھی تعرض نہ کیا۔ (۲۵)

حضرت مروان کا اپنا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت زید بن ثابت نے کہا: آپ مغرب میں صرف چھوٹی سورتیں (قصار) پڑھتے ہیں جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کو طویل سورتیں (طول الطولیین) پڑھتے دیکھا ہے۔ امام نسائی نے اپنی روایت میں تصریح کی ہے کہ حضرت مروان نے قل ھو اللہ احد اور انا اعطینٰک الکوثر پڑھی تو حضرت زید نے ان کو بتایا کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو المٓصٓ (سورہ اعراف) پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ امام ابوداؤد نے ایک روایت میں اعراف وانعام اور دوسری میں مائدہ واعراف کی قرأت نبوی کا حوالہ دیا ہے (۲۶) امام ابوداؤد کا ہی بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے ثلاثہ سورہ فاتحہ کی تیسری آیت میں "مالک یوم الدین" پڑھا کرتے تھے جبکہ حضرت مروان پہلے شخص تھے جنہوں نے اس کو "ملک یوم الدین" پڑھا۔ لیکن اسی کے بعد جو روایت نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نبوی قرأت بھی تھی۔ (جاری)

ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی
پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

حضرت مروان بن حکم اموی
سیرت و کردار کے دو رخ

(۱)

اسلامی تاریخ کو مسخ اور اسلامی شخصیات کو مطعون کرنے کا کارنامہ سیاہ ہر زمانے اور ہر طبقے کے مورخوں' تذکرہ نگاروں' سوانح نویسوں اور "قلمکاروں" نے انجام دیا ہے۔ بقول مولانا شبلی نعمانی ہماری روسیاہی کے لئے سیاہی ہمارے ماٰخذ و مصادر نے فراہم کی ہے۔ پہلی صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی) کے اواخر سے ہی جانبدار' بے اصول اور متعصب رواۃ و اخباریوں نے اپنے مذموم مقاصد کے لئے روایات گھڑنے کا فریضہ انجام دینے کا کاروبار شروع کردیا تھا جو حولیات نگاروں (خاص واقعہ نگاروں) بالخصوص ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی (متوفی ۱۵۷ھ ۷۷۴ء) اور سیف بن عمر تمیمی (متوفی ۱۸۰ھ ۷۹۶ء) جیسے راویوں نے عروج وضع پر پہونچا دیا۔ ہمارے ابتدائی مخلص و مومن مورخوں نے زیادہ سے زیادہ روایات جمع کرنے کے دھوکے اور ہوس میں ان واہی تباہی اور من گھڑت افسانوں کو اپنے تاریخی مصادر میں بار عطا کردیا۔ اور اس سے بڑا ظلم یہ کیا کہ ان پر نقد و تنقید اور تجزیہ و تحلیل کئے بغیر ان کی چھان پھٹک کا کام قارئین اور مورخین کے لئے چھوڑ دیا اور سب کی گمراہی اور ذہنی کجروی کا سامان کردیا۔ غیر اسلامی عناصر نے جن من گھڑت روایات کو کھوٹا سکہ سمجھ کر چلایا تھا مسلم مستند مورخین نے ان کو سکۂ رائج الوقت بنادیا اور جدید و متوسط ادوار کے مورخین خاص کر مسلم مفکرین اور سیاسیات اسلامی کے ماہرین اور نظریہ سازوں نے اسلامی تاریخ کی تطہیر اور صحیح اسلامی تاریخ نگاری کے جوش بے ہوش میں اور زیادہ ترانی نظریہ سازی کے زعم میں انہیں مسخ شدہ اور موضوع روایات کی بنا پر اپنے ہاتھوں دشمن اسلام مستشرقین کے پھیلائے ہوئے دام تزویر میں بخوشی اپنے آپ کو پھنسا کر ان کے مذموم مقاصد کی بھرپور تکمیل کردی۔ ان کے علاوہ متعدد جدید مسلم و غیر مسلم مورخوں نے اپنا یہ وطیرہ بنالیا ہے کہ وہ امت اسلامی میں احساس شکست اور روح بے عملی پیدا کرنے کے لئے غلط روایات پر مبنی اسلامی تاریخ کے ان پہلوؤں کو اور شدومد سے پیش کرتے ہیں اور اسی کو صحیح تاریخ اسلامی اور قطعی تہذیب اسلامی ثابت کرتے ہیں۔(۱)

اسلامی تاریخ و شخصیات میں سے جن مظلوم و مطعون اکابر کے نام آتے ہیں۔ ان میں حضرت مروان بن حکم اموی سر فہرست نظر آتے ہیں۔ ان پر طعن و تنقید کی بنیاد تو ان کا اموی خاندان سے متعلق ہونا ہے پھر ان کے والد ماجد حضرت حکم بن عاص اموی کے بارے میں ایک بے سروپیر کی روایت ہے کہ ان کی بعض ناشائستہ حرکات بالخصوص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رازدارانہ باتوں کو چرانے اور افشا کرنے اور آپ کی نقلیں اتارنے کے سبب ان کو عہد نبوی میں مع ان کے فرزند دلبند حضرت مروان کے طائف جلا وطن کردیا گیا تھا جہاں انہوں نے عہد صدیقی اور خلافت فاروقی کا پورا وقت گذارا اور پھر عہد عثمانی میں ان کو خلیفۂ وقت حضرت عثمان بن عفان اموی نے واپس مدینہ منورہ بلالیا۔ پھر عہد عثمانی میں حضرت مروان کو بطور کاتب یا سکریٹری خلیفہ ناگفتہ بہ حرکات' خلافت علوی میں جنگ جمل اور جنگ صفین میں ان کا مبینہ مذموم کردار اور خلافت معاویہ و یزید میں ان کی خلاف سنت و کتاب زندگی اور وفات یزید کے بعد خلافت اسلامی کے لئے تلوار کا استعمال اور حصول خلافت کے بعد غیر اسلامی حکومت دوسرے الزامات میں ان کی زندگی کا یہ رخ اور تصویر کا یہ پہلو سخت مکروہ بنا کر پیش کیا گیا ہے(۲)

حضرت مروان بن حکم کی سیاہ بختی اور سیاہ کرتوت کا نمائندہ بیان پورے جوش و آہنگ اور حقارت و تمسخر کے ساتھ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب غیر مستطاب خلافت و ملوکیت میں ملتا ہے جس کے

بعض اقتباسات ذیل میں دیئے جاتے ہیں:
"۔۔۔ اس معاملہ میں مثال کے طور پر مروان بن حکم کی پوزیشن دیکھئے۔ اس کا باپ حکم بن ابی العاص، جو حضرت عثمان کا چچا تھا، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا تھا اور مدینہ آکر رہ گیا تھا، مگر اس کی بعض حرکات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مدینہ سے نکال دیا تھا اور طائف میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکابر صحابہ کے ساتھ راز میں جو مشورے فرماتے تھے ان کی کسی نہ کسی طرح سن گن لے کر وہ انہیں افشا کر دیتا تھا اور دوسری وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتارا کرتا تھا حتی کہ ایک مرتبہ حضور نے خود اسے یہ حرکت کرتے دیکھ لیا۔ بہرحال کوئی سخت قصور ہی ایسا ہو سکتا تھا جس کی بنا پر حضور نے مدینہ سے اس کے اخراج کا حکم صادر فرمایا۔ مروان اس وقت ۷-۸ برس کا تھا اور وہ بھی اس کے ساتھ طائف میں رہا۔ جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو ان سے عرض کیا گیا کہ اسے واپسی کی اجازت دے دیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عمر کے زمانہ میں بھی اسے مدینہ آنے کی اجازت نہ دی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس کو واپس بلا لیا اور ایک روایت کے مطابق آپ نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کی تھی اور حضور نے مجھ سے وعدہ فرما لیا تھا کہ اسے واپسی کی اجازت دے دیں گے۔ اس طرح یہ دونوں باپ بیٹے طائف سے مدینہ آگئے۔ مروان کے اس پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس کا سکریٹری کے منصب پر مقرر کیا جانا لوگوں کو کسی طرح گوارا نہ ہو سکتا تھا۔ لوگ حضرت عثمان کے اعتماد پر یہ تو مان سکتے تھے کہ حضور نے ان کی سفارش قبول کر کے حکم کو واپسی کی اجازت دینے کا وعدہ فرمالیا تھا اس لئے اسے واپس بلا لینا قابل اعتراض نہیں ہے۔ لیکن یہ مان لینا لوگوں کے لئے سخت مشکل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی معتوب شخص کا بیٹا اس بات کا بھی اہل ہے کہ تمام اکابر صحابہ کو چھوڑ کر اسے خلیفہ کا سکریٹری بنا دیا جائے خصوصاً جبکہ اس کا وہ معتوب باپ زندہ موجود تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعہ حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہو سکتا تھا"۔

"دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سکریٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن حکم کی ماموریت تھی۔ ان صاحب نے حضرت عثمان کی نرم مزاجی اور ان کے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر بہت سے کام ایسے کئے جن کی ذمہ داری لامحالہ حضرت عثمان پر پڑتی تھی حالانکہ ان کی اجازت اور علم کے بغیر ہی وہ کام کر ڈالے جاتے تھے۔ علاوہ بریں یہ صاحب حضرت عثمان اور اکابر صحابہ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے تاکہ خلیفۂ برحق اپنے پرانے رفیقوں کے بجائے ان کو اپنا زیادہ خیر خواہ اور حامی سمجھنے لگیں۔ یہی نہیں بلکہ متعدد مرتبہ انہوں نے صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں طلقاء کی زبان سے سننا سابقین اولین کے لئے بمشکل ہی قابل برداشت ہو سکتا تھا۔ اسی بنا پر دوسرے لوگ تو درکنار، خود حضرت عثمان کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ بھی یہ رائے رکھتی تھیں کہ حضرت عثمان کے لئے مشکلات پیدا کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری مروان پر عائد ہوتی ہے حتی کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا کہ "اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرا کے چھوڑے گا۔ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے نہ ہیبت نہ محبت" (۳)

حضرت مروان کی یہ مکروہ تصویر صرف ایک ہی اہل قلم کی نہیں ہے بلکہ کم و بیش ایسی ہی تصویر دوسروں نے بھی پیش کی ہے مولانا شاہ معین الدین ندوی نے مولانا مودودی کی طرح باپ بیٹے کے جرائم زدہ حالات بیان کر کے مزید اضافہ یہ کیا ہے کہ "آپ (حضرت عثمان) کو حکم اور مروان دونوں سے بڑی محبت تھی، حکم کی موت کے بعد مروان کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اسے اپنا سکریٹری بنا لیا تھا۔ آپ کی مہر وغیرہ اسی کی تحویل میں رہتی تھی۔ اسی نے حضرت عثمان کی طرف سے مصر کے والی کو لکھ دیا تھا کہ مصری باغیوں کے سرغنہ پکڑ کر قتل کر دئے جائیں جس کے نتیجہ میں حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ جنگ جمل اور صفین کے معرکوں میں حضرت عائشہ اور امیر معاویہ کے ساتھ تھا۔ امیر معاویہ نے اپنے زمانے میں اسے مدینہ کا والی بنایا تھا، ابن زبیر کے دعوی خلافت تک وہ اسی عہدہ پر رہا"۔

مروانی دور خلافت پر شاہ ندوی نے بھی دوسروں کی طرح تبصرہ کیا ہے اور حضرت مروان بن حکم کے عہد کو بلا واقعہ اور غیر اہم قرار دے کر ان کی موت کو قتل یا زہر خورانی کا شاخسانہ

بتایا ہے کہ سابق اموی خلیفہ یزید بن معاویہ کے فرزند حضرت خالد بن یزید کی تذلیل و تحقیر کے لئے ان کی بیوہ ماں سے شادی کی اور "دونوں کے لئے نازیبا کلمات استعمال کئے "لہذا ام خالد اور زوجہ مروان نے ان کا کام تمام کردیا۔(۴) علامہ جلال الدین سیوطی نے سرے سے حضرت مروان بن حکم اموی کو خلیفہ ہی نہیں تسلیم کیا لہذا ان کا ذکر خیر ہی نہیں کیا۔ البتہ حضرت عثمان کے عہدِ خلافت میں ان کا جابجا ذکر ہے اور وہ ناکافی ہے (۵) بہر حال ہماری بیشتر مستند اول تاریخی کتابوں میں (۶) عام نہج یہی ہے کہ حضرت مروان بن حکم کا تذکرہ ایک بدترین شخص کے روپ میں کیا جاتا ہے جن کو نہ خوف الہٰی تھا نہ پاس اخلاق اور نہ ہی لحاظِ آدمی۔ ان کو سراپا پیکر شر بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور ان کے لئے صیغہ واحد غائب کا تحقیر آمیز فعل و ضمیر و اسم استعمال کیا جاتا ہے اور پوری کوشش کی جاتی ہے۔ کہ ان کے لئے کہیں بھی شائستہ انداز اختیار نہ کیا جائے اور کہیں بظاہر کیا جاتا ہے تو اس میں زہرناک نشتریت اور سم آلود طعن و تشنیع موجود ہوتی ہے۔

(۲)

حضرت مروان بن حکم اموی کی جو مکروہ مذموم اور بدنما تصویر ہمارے اسلامی مورخوں اور دینی مصوروں نے پیش کی ہے اس کا سارا انحصار ہمارے غلط و صحیح روایات اور سقیم و شریف اخبار پر مشتمل چند مصادر و مآخذ تاریخ و سیرت ہیں۔ مولانا مودودی نے اپنا سارا مواد رنگ آمیزی ابن عبد البر کی الاستیعاب (۱؍۹-۱۱۸، ۲۴۳) ابن حجر کی الاصابہ (۳؍۴۴۵) محب الدین طبری کی الریاض النضرۃ (۲؍۱۴۳) ابن سعد کی الطبقات الکبری (۵؍۳۶) ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ (۷؍۳-۱۷۲ اور ۸؍۲۵۹) اور طبری کی تاریخ (۴؍۷-۳۹۹) سے حاصل کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ بھی چند مفید مطلب روایات موافق طبیعت اخبار اور مطابق نظریہ معلومات کی بنا پر بہر حال یہ ان کے شرف علم کی بات ہے کہ انہوں نے اپنے مآخذ کے حوالے تو دئے ہیں۔ ان کے برخلاف شاہ معین الدین ندوی مرحوم نے اپنے "ترجمہ مروان بن حکم" میں سرے سے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ البتہ بعض سیاسی اقدامات کے لئے ابن اثیر اور یعقوبی کا حوالہ بقید جلد و صفحہ دیا ہے تاہم ان کی وفات اور اس کے پس منظر کے بارے میں "طبری و یعقوبی وغیرہ" کہہ کر بات ہی ختم کردی ہے۔ بانی خلافت مروانی اور خلیفہ خلافت اسلامی کی تصویر کی "مکروہ سازی" اور اس کے مصادر و منابع کی روایات کا تجزیہ مختلف اسلامی مورخوں اور دینی ناقدوں نے کیا ہے اور ان روایات و آثار اور ان کی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔ ان میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی مولف "عثمان ذوالنورین" "حافظ صلاح الدین یوسف مولف "خلافت و ملوکیت کی شرعی حیثیت" اور مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی مولف "اظہار حقیقت" سرفہرست ہیں۔(۷) ان کے علاوہ بعض دوسرے اہم اہل علم ہیں جن کے نام اختصار کی خاطر نظر انداز کئے جارہے ہیں۔ ہمارا مقصد چونکہ ان روایات خانہ ساز اور اخبار بدذات کی تحلیل و تجزیہ نہیں ہے لہذا مذکورہ بالا کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے مختصراً یہ عرض کردیتے ہیں کہ مذکورہ بالا تمام روایات و آثار و اخبار بلا سند، بے سر پیر اور قطعی موضوع اور بالکل جعلی ہیں۔ اور حیرت ہے کہ سیرت اسلامیان اور تاریخ اسلامی کو مسخ کرنے والوں نے ان روایات و اخبار بلکہ احادیث کو کیوں نظر انداز کردیا جو مروان بن حکم اموی کو حضرت مروان بن حکم اموی رضی اللہ عنہما بتاتی ہیں۔

(۳)

حضرت مروان اول کی تصویر کا دوسرا رخ پیش کرنے سے قبل اس کے مصادر رنگ و روغن اور منابع خط و خال کے بارے میں چند نکات اور ابتدائی و تمہیدی نقاط پیش کرنا ضروری معلوم ہوتے ہیں کہ لازمی معلومات معہ حواشی بعد میں آتے رہیں گے۔ ہمارے تاریخی مصادر و سیرتی مآخذ میں ان خانہ ساز اور من گھڑت روایات کے سوا جو تاریخ ساز اور نظریہ نگار استعمال کرتے ہیں صحیح معلومات، شریف آثار اور مستند اخبار بھی موجود ہیں لیکن ان کو استعمال کرنا تو درکنار ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا کہ وہ ان کے رجحان طبع کے خلاف ناپسند خاطر کے منافی اور نظریہ و عقیدہ کی بت شکن ہیں۔ اور ایسا بھی نہیں کہ ان پر نظر نہ گئی ہو یا ان کا علم و یقین نہ ہو کیونکہ یہ تمام نظریہ ساز علمائے دین اور تطہیر تاریخ اسلامی کے ماہرین تاریخ صاحبان علم و فضل اور ارباب معرفت و ایقان ہیں "لہذا ان سے گریز و اجتناب اور پہلو تہی کا صرف اور صرف ایک سبب ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ دانستہ و دیدہ ان سے صرف نظر کرکے علمی بددیانتی اور اسلامی خیانت کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

پھر ان تمام صاحبان علم و فضل اور قلمکاران تحریر و انشا کو بہت

سوں کے مقابلہ میں زیادہ علم و معرفت ہے کہ اسلامی تاریخ اور تذکرہ و سیرت کا سارا مواد تاریخ و سیرت اور تذکرہ و طبقات کی کتابوں میں محصور نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث اور آثار و اخبار صحابہ و تابعین میں بھی موجود ہے خاص کر کتب حدیث و آثار میں۔ اور وہ یہ بھی جانتے و مانتے ہیں کہ تاریخی اخبار و روایات کے بالمقابل حدیث و آثار کی معلومات زیادہ مستند اور زیادہ صحیح اور زیادہ قابل قبول ہیں۔ اور اگر تاریخی روایات اور حدیثی معلومات میں تناقض و اختلاف اور تصادم و تکرار نظر آئے تو یا تو ان میں اصول تطبیق کے مطابق ربط و ارتباط پیدا کیا جائے گا یا عدم امکان کی صورت میں احادیث و آثار کو تاریخی روایات پر ترجیح دی جائے گی۔ تاریخ نگاری اور سیرت نویسی میں دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے(۸) لیکن انہوں نے ایسا توازن و اعتدال قائم نہیں رکھا۔ اس مقالہ میں ان روایات تاریخ اور معلومات حدیث کو پیش کیا جاتا ہے جن کو ان اکابر تطہیر تاریخ نے نظر انداز کر دیا ہے۔

(۴)

حافظ ابن کثیر نے حضرت مروان بن حکم اموی کے سوانحی خاکہ کا عنوان ان کے نام نامی سے قائم کر کے کیے "از خلفائے اموی" کا اضافہ کر کے ان کے سوانحی حالات، سیرت و کردار سے متعلق واقعات کا ذکر کیا ہے۔ جس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔(۹) ان کا نام و نسب اور کنیت ابو عبد الملک اور بعض دوسری کنیتوں کا ذکر کر کے کہا ہے کہ وہ ایک کثیر جماعت کے نزدیک صحابی ہیں کیونکہ وہ عہد نبوی میں پیدا ہو چکے تھے اور آپ سے صلح حدیبیہ کی حدیث روایت کی ہے اور صحیح بخاری کی ایک روایت حضرات مروان اور مسور بن مخرمہ نے ایک جماعت صحابہ کی سند پر پوری تفصیل کے ساتھ نقل کی ہے۔ حضرت مروان نے دوسرے صحابہ کرام جیسے حضرت عمر، عثمان، علی، زید بن ثابت، بسیرہ بنت صفوان ازدی جو ان کی پھوپھی رخالہ رحماۃ رخالہ تھیں اور سہل بن سعد سے احادیث بیان کی ہے اور ان سے ان کے فرزند حضرت عبد الملک کے علاوہ کئی اکابر تابعین جیسے سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، علی بن الحسین زین العابدین، اور مجاہد وغیرہ نے روایات و احادیث روایت کی ہیں واقدی اور ابن سعد کا کہنا ہے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پایا لیکن آپ سے کوئی روایت محفوظ نہیں رکھی کیونکہ وفات نبوی کے وقت ان کی عمر آٹھ برس تھی۔ اسی بنا پر ابن سعد نے ان کو تابعین کرام کے طبقۂ اولیٰ میں ذکر کیا ہے(۱۰) بلاشبہ حضرت مروان قریش کے سرداروں (سادات) اور فضلاء میں سے ایک تھے۔ ابن عساکر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ایک عظیم عورت نے جس کی بیٹی کے لئے حضرت عمر فاروق نے پیغام دیا تھا حضرت مروان بن حکم کو "سید شباب قریش" کہہ کر ان کا نام پیغام دینے والوں میں لیا تھا۔ حضرت عثمان ان کا اکرام و احترام کرتے تھے اور وہ ان کے کاتب الحکم تھے امام ابو الحکم نے امام شافعی سے ان کا یہ قول سنا تھا کہ جنگ جمل کے دن جب فوجوں کو شکست ہو گئی تو حضرت علی حضرت مروان کے بارے میں بہت پوچھتے رہے تو ان سے کہا گیا کہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔ فرمایا: رحمت قرابت مجھے ان کے بارے میں محبت پر مجبور کرتی ہے وہ نوجوانان قریش کے ایک سردار ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن المبارک روایت کرتے ہیں کہ حضرت قبیصہ بن جابر نے حضرت معاویہ سے کہا: آپ نے اس امر (خلافت) کے لئے اپنے بعد کس کو چھوڑا ہے؟ فرمایا: اس کو جو کتاب اللہ کا قاری، دین ربانی کا فقیہ اور حدود الٰہی میں سخت ہے اور جن کا نام مروان بن حکم ہے۔ حضرت معاویہ نے ان کو مدینہ کا والی کئی بار بنایا وہ ان کو معزول کرتے پھر مقرر کرتے تھے وہ کئی برسوں تک حج کی امارت کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ حضرت حنبل امام احمد بن حنبل کا قول نقل کرتے ہیں کہ حضرت مروان قضاء کے ماہر تھے اور حضرت عمر بن خطاب کے فیصلوں اور قضایا کی اتباع کرتے تھے امام ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت مروان کا ذکر آیا تو انہوں نے ان کا قول سنایا کہ میں نے کتاب اللہ کو چالیس سال تک پڑھا تھا اور اب خون بہانے، اور موجودہ حالت کی کیفیت میں ہوں۔

امام ابن کثیر نے مدائنی سے ابراہیم بن محمد کی روایت جعفر بن محمد کی سند پر نقل کی ہے کہ حضرت مروان نے حضرت زین العابدین علی بن حسین کو چھ ہزار دینار ان کے والد ماجد حضرت حسین کی شہادت کے بعد اپنی مدینہ واپسی تک کے لئے دئے تھے انہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے فرزند عبد الملک کو وصیت کی تھی کہ حضرت علی بن حسین سے کچھ واپس نہ لیں اور جب حضرت موصوف نے وہ رقم عبد الملک کو بھیجی تو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اصرار کر کے حضرت علی زین العابدین کو قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ انہیں جعفر بن محمد کی روایت یہ بھی ہے کہ حضرات حسنین حضرت مروان کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے

تھے اور ان کو صحیح سمجھتے تھے اور دہراتے نہ تھے متعدد راویوں کا بیان ہے کہ جب وہ والی مدینہ تھے تو ہر مشکل کے وقت وہ صحابہ کرام کو جمع کرتے اور ان کے بارے میں مشورے کیا کرتے تھے انہوں نے تمام قسم کے صاعوں کو جمع کرکے ان میں سے سب سے زیادہ صحیح (اعدل) کو اختیار کرکے نافذ کیا تھا جو ان کے نام سے منسوب "صاع مروان" کہلاتا تھا حضرت ابو سعید خدری کی سند پر زبیر بن بکار نے نقل کیا ہے کہ سب لوگوں کے سامنے حضرت مروان نے سو غلام آزاد کئے۔ قبیلہ بنو کلب کے سردار اور خالد بن یزید اموی کے ماموں حسان بن مالک کے مشورے اور اتفاق سے حضرت مروان نے خالد کو خلافت کی ولی عہدی سے محروم کرکے اپنے دو فرزندوں۔ عبد الملک اور عبد العزیز کو یکے بعد دیگرے نامزد کیا تھا کہ وہ دونوں خالد کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے حضرت مروان کا نقش خاتم "العزۃ للہ" اور بروایت دیگر "آمنت بالعزیز الرحیم" تھا نوماہ اٹھارہ دنوں کی خلافت کے بعد جب تریسٹھ سال کی عمر میں ۳ رمضان ۶۵ھ کو ان کی وفات ہوئی تو ان کی زبان پر کلمہ تھا: جس نے جہنم کا خوف کیا اس کے لئے جنت واجب ہوئی۔

ابن سعد نے علماء کی جماعت کثیر کے برخلاف حضرت مروان کو مدینہ منورہ کے تابعین کرام کے اول طبقہ میں شمار کیا ہے ان کا نام ونسب اور اولاد و ازواج کا ذکر کرنے کے بعد وہ راویوں کا نام لئے بغیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت مروان آٹھ برس کے تھے اور وہ برابر اپنے والد ماجد کے ساتھ مدینہ میں رہے یہاں تک ان کے باپ حکم بن ابی العاص کی وفات حضرت عثمان بن عفان کی خلافت میں ہو گئی پھر وہ برابر اپنے ابن عم حضرت عثمان بن عفان کے ساتھ رہے اور وہ ان کے کاتب تھے۔ حضرت عثمان نے ان کو مال دینے کا حکم دیا اور اس باب میں وہ صلہ رحمی اور قرابت و عزیزداری کی تاویل و توجیہ کیا کرتے تھے۔(۱۳)

طبری نے حضرت مروان کے بارے میں ابن عبد البر، ابن حجر اور ابن اثیر وغیرہ کی مانند صرف تاریخی تفصیلات دی ہیں اور اسی رنگ و آہنگ اور طعن و تشنیع کے ساتھ جس کی بنا پر ان کی روسیاہی اور ہماری اسلامی تاریخ کی بدنامی کا انتظام کیا گیا ہے لیکن یہ خالص سیاسی کردار سے متعلق ہیں۔ البتہ جابجا انہوں نے بھی حضرت مروان کے بارے میں بہت سی اچھی روایات بھی نقل کی ہیں۔(۱۳) اگرچہ بلاذری کے ہاں بھی زیادہ تر زور ان کے تاریخی کردار و عمل پر ہے تاہم بعض روایات بہرحال ان کے ذاتی کردار و سیرت کے بارے میں بھی مل جاتی ہیں۔ اور ان میں ایک مدائنی کی اپنے مشائخ سے مروی روایت ہے کہ حضرت مروان اکابر قریش میں سے تھے اور قرآن کریم کے سب سے عظیم قاری تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قرآن میں کبھی خلل نہیں ڈالا یعنی میں کبیرہ گناہوں اور فحش باتوں کے قریب کبھی نہیں گیا۔(۱۴) ان میں بلاذری کی ایک اور روایت ہے کہ کسی نے حضرت سعید بن المسیب سے قریش کے خطیبوں کی بابت پوچھا تو انہوں نے دوسروں کے علاوہ حضرات معاویہ اور ان کے فرزند یزید، مروان اور ان کے فرزند عبد الملک اور سعید بن العاص اور ان کے فرزند کا نام لیا۔ حافظ مغلطای نے اپنی مختصر کتاب سیرت و تاریخ میں حضرت مروان کی خلافت کے ذکر میں ان کے لئے "الموتمن کا لقب" استعمال کیا ہے(۱۵)

ان کے کردار و سیرت کے بارے میں سہیلی کی کتاب سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ اپنی آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور اسی عالم نابینائی و بے بصری میں وہ واقعہ حرہ کے زمانے میں مدینہ منورہ کی گلیوں میں گھوم رہے تھے اور لوگوں کو مدینہ منورہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا رہے تھے کہ جس نے مدینہ کو خوف و ہراس میں مبتلا کیا اس نے میری ذات کو کیا تو بعض لوگوں نے ان پر حملہ کرکے ان کو قتل کرنا چاہا لیکن حضرت مروان نے ان کو بروقت بچالیا اور اپنے گھر میں پناہ دی اور پورے عہد میں ان کی حفاظت کی(۱۶) روایت ہے کہ حضرت مروان بن حکم اموی اور حضرت علی بن حسین کے درمیان مواخات و محبت تھی اور اس کے مظاہرہ کا ثبوت یہ ہے کہ جب خلافت عبد اللہ بن زبیر بن بنو امیہ کو مدینہ منورہ سے نکالا گیا تو حضرت زین العابدین نے ان کو پناہ دی اور جب حضرت زین العابدین پر واقعہ حرہ کے دوران برا وقت پڑا تو حضرت مروان نے ان کو اور دوسرے بنو عبد المطلب کو پناہ دے کر اپنا فرض ادا کیا طبری کا بیان ہے کہ حضرت مروان نے حرہ کے واقعہ کے ایک دن بعد دو قریشی اکابر کے قتل پر مسلم بن عقبہ کو سخت سرزنش کی تھی اور بروایت عوانہ ان سے دھمکی بھی سنی تھی(۱۷)

تاریخی مصادر و مآخذ کے بالمقابل یا ان سے زیادہ حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کی جو تصویر امت اسلامی کے عظیم الشان اور جلیل

القدر محدّثین کرام نے پیش کی ہے وہ کہیں زیادہ خوبصورت 'موہنی' عظیم الشان اور اسلامی نظر آتی ہے۔ اور کوئی اس سے اتفاق کرے یا نہ کرے لیکن یہ حقیقت سب کو چارو ناچار تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ حدیثی روایات کو بہرحال تاریخی روایات پر فوقیت حاصل ہے اور ان سے زیادہ معتبریت بھی۔ مختلف محدّثین کرام کی روایات کو الگ الگ پیش کرنے میں موضوعات کی تکرار ہوتی نظر آتی ہے اس لئے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ موضوع و مضمون وار ان روایات کو پیش کر دیا جائے۔ اس سے حضرت مروان کے بارے میں مختلف النوع معلومات ملیں گی اور قرآن وحدیث اور فقہ واجتہاد پر ان کے علمی تبحر کے علاوہ ان کی اتباع سنّت وکتاب اور اسلامی طریقت و منہاج کا بھی بخوبی علم ہو گا۔

لیکن اصل روایات کے پیش کرنے سے قبل دو ایک نکات ان کے نقل کرنے والے عظیم علماء و محدّثین کے بارے میں جیسا کہ حافظ ابن کثیر اور ان سے قبل امام ابن سعد کے بیانات سے واضح ہو چکا ہے کہ حضرت مروان متعدد صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں اور خود ان سے روایت کرنے والوں میں تابعین عظام بلکہ ان کے اوّلین طبقہ کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت تابعین کے ساتھ حضرت سہل بن سعد ساعدی جیسے صحابۂ کرام بھی روایت کرتے ہیں (۱۸) اس سے ایک حد تک ہی سہی یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت مروان کا شمار بھی حضرات عبداللہ بن زبیر 'حسن بن علی' حسین بن علی 'انس بن مالک اور دوسرے اصاغر صحابہ کی مانند صحابہ ہی میں ہوتا تھا۔ پھر امام بخاری نے ان سے روایت قبول کرکے ان کی معتبریت وثقاہت تو قائم ودائم ہی کی ہے اس کے ساتھ ساتھ ان کی روایات کو متصل ومرفوع قرار دے کر اور ان کو "رضی اللہ عنہ" کہہ کر ان کی صحابیت کی بھی تصدیق کر دی ہے (۱۹) امام موصوف نے ان کی ایک دو روایات ہی مختلف کتب اور ابواب میں نقل کی ہیں اور صلح حدیبیہ کی تفصیلات حضرت مسور بن مخزمہ کے ساتھ ان سے نقل کی ہیں (۲۰) اسی طرح دوسرے محدثین کرام جیسے امام مالک 'امام ابوداؤد 'امام مسلم 'امام نسائی 'امام ابن ماجہ اور امام ترمذی نے بھی ان کی روایات لی ہیں یا ان کا ذکر خیر اپنی روایات میں کیا ہے اور ان سے استناد واستنباط بھی کیا ہے۔

چونکہ حدیثی روایات کا زیادہ تر تعلق فقہ اسلامی اور اجتہاد دینی سے ہے اس لئے موزوں بھی لگتا ہے کہ حضرت مروان کے بارے میں ان کا آغاز اسی کے مطابق کیا جائے اور اس میں بھی باب الطہارۃ سے کہ وہی نقطۂ آغاز وتمہید کتاب ہوتا ہے امام بخاری نے حضرات مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم دونوں کی مجموعی اور مشترکہ حدیث صلح حدیبیہ کو کتاب الوضوء میں یہ مسئلہ بیان کرنے کے لئے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی تھوک، بلغم وغیرہ تھوکتے تھے وہ آپ کے صحابۂ کرام میں سے کسی نہ کسی کے کف دست میں گرتا تھا اور جسے وہ مارے محبت وعقیدت کے اپنے جسم وجلد پر مل لیتے تھے۔ اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ آپ کا تھوک پاک وطاہر تھا (۲۲)

امام مالک وغیرہ متعدد محدّثین کرام نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت مروان بن حکم اموی اور کئی دوسرے صحابۂ عظام اور تابعین اسلام کا فقہی مسلک تھا کہ "مسّ ذکر" سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ مسلک انہوں نے حضرت عروہ بن زبیر سے بحث ومباحثہ کے دوران ظاہر کیا تھا۔ حضرت عروہ کے استفسار پر کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا حضرت مروان نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت بسرہ بنت صفوان نے حدیث مرفوع بیان کی کہ جب کوئی اپنے عضو خاص کو چھوئے تو وضو ضرور کرے۔ اس حدیث کی کئی متابعات وغیرہ بھی ہیں۔ بعض صحابہ کرام اور تابعین عظام بھی اس مسلک کے قائل اور عامل تھے لیکن دوسری حدیث نبوی کا جب انہیں علم ہوا تو اس سے رجوع کر لیا۔ (۲۳) لیکن یہ مسئلہ صحابہ کرام اور علماء اسلام کے درمیان اختلافی رہا اور بعد کے خلفاء وامراء بھی اس پر عمل کرتے رہے اس باب میں دلچسپ بات ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی اپنے دادا حضرت مروان کے مسلک کے قائل تھے (۲۴)

نماز کے بارے میں حضرت مروان بن حکم اموی کی روایات 'اجتہادات اور تمسک بالکتاب والسنۃ کے شواہد زیادہ ملتے ہیں لیکن ان کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے گویا وہ سنّت کی مخالفت کرتے تھے اور زیادہ تر ایسی روایات ادھوری پیش کی جاتی ہیں ابو صالح سمان کی روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری کو جمعہ کے دن ایک سترہ کی اوٹ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور اسی دوران بنو ابی معیط کے ایک نوجوان نے ان کے سامنے سے گذرنا چاہا۔ حضرت ابو سعید نے اس کے سینے کو دھکا دیا۔ نوجوان نے ادھر ادھر دیکھا اور کوئی راستہ نہیں پایا سوائے ان کے سامنے سے گذرنے کے تو اس نے دوبارہ وہاں سے گذرنا چاہا حضرت ابو سعید نے اس کو پہلے سے زیادہ زور سے دھکا دیا تو نوجوان کو خاصا برا لگا اور اس

(بقیہ ص ۸ پر)

ابو صادق عاشق علی اثری

حقوق والدین

(۱۰)

خدمت والدین عمر میں زیادتی اور رزق میں کشادگی کا باعث ہے

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

من سره أن يبسط له في رزقه، وأن ينسأله في أثره، فليصل رحمه (۱)

جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں کشادگی ہو اور عمر زیادہ ہو تو اسے صلہ رحمی کرنا چاہئے اور رشتے ناطے کو جوڑنا چاہئے۔

○ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أحب أن يبسط له في رزقه، وينسأله في أثره، فليصل رحمه (۲)

جسے یہ بات محبوب ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور کشادگی ہو اور اس کی عمر زیادہ ہو تو چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔

○ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

إنّ الله ليعمّر بالقوم الديار، ويثمر لهم الأموال، وما نظر اليهم منذ خلقهم بغضًا لهم، قيل: وكيف ذلك يارسول الله؟ قال: بصلتهم أرحامهم (۳)

اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے شہروں کو آباد فرماتا ہے اور ان کے لئے مال بار آور بناتا ہے اور جب سے انہیں پیدا فرمایا ہے ان کو نفرت سے دیکھا ہے۔ آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ! یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: صلہ رحمی کی وجہ سے۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تعلموا من أنسابكم ماتصلون به أرحامكم، فإن الرحم محبة في الأهل، مثراة في المال، منسأة الأثر (٤)

اپنے انساب کا علم حاصل کرو تاکہ تم صلہ رحمی کر سکو کیونکہ رحمی گھر والوں میں محبت کا ذریعہ، مال میں زیادتی کا سبب اور درازی کا باعث ہے۔

○ نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صدقة السرّ تطفئ غضب الرب، وصلة الرحم تـ في العمر، وفعل المعروف يقي مصارع السوء (٥)

مخفی طریقہ پر صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کو بجھا دیتا ہے ا رحمی عمر میں زیادتی کرتی ہے اور اچھا عمل بری موت سے بچاتا ہے۔

○ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ عل نے فرمایا:

صلة الرحم تزيد في العمر، وصدقة السرّ تط غضب الربّ (٦)

صلہ رحمی عمر میں زیادتی کرتی ہے اور مخفی طریقہ پر صدقہ کرنا اللہ غضب کو بجھاتا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری الأدب ۷۸ باب من بسط له في الرزق بصلة الرحم ۱۲ ح ۵۹۸۵،
(۲) صحیح بخاری الأدب ۷۸ باب ۱۲ ح ۵۹۸۶، صحیح مسلم البر والصلة ۴۵ باب صلة الرحم وتحریم قطیعتہا ۶ ح ۲۱ (۳) بغیة الرائد في تحقیق مجمع الزوائد البر والصلة باب صلة الرحم وقطعہا ح ۱۳۳۵۵ وقال الہیثمي رواہ الطبرانی وإسنادہ حسن

(۴) صحیح الجامع ۲۹۶۵ بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ (۵) صحیح الجامع بروایت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (۶) حوالہ مذکورہ ۳۷۶۱

○ نیز آپ نے فرمایا:
صلة الرحم، وحسن الخلق، وحسن الجوار، يعمّرن الديار، ويزدن في الأعمار (١)
صلہ رحمی وخوش خلقی اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا شہروں کو آباد کرتے ہیں اور عمروں میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

○ نیز آپ نے ارشاد فرمایا:
صلة القرابة مثراة في المال، محبة في الأهل، منسأة في الأجل (٢)
قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا مال میں زیادتی کا سبب گھر والوں میں محبت کا ذریعہ اور عمر میں درازی کا باعث ہے۔

○ اور ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
صنائع المعروف تقي مصارع السوء وصدقة السر تطفئ غضب الربّ وصلة الرحم تزيد في العمر (٣)
اچھے کام بری موت سے بچاتے ہیں اور چھپ چھپا کر صدقہ کرنا اللہ کے غضب کو بجھاتا ہے اور صلہ رحمی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔

○ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
صنائع المعروف تقي مصارع السوء والصدقة خفياً تطفئ غضب الربّ وصلة الرحم زيادة في العمر، وكل معروف صدقة، وأهل المعروف في الدنيا هم أهل المعروف في الآخرة وأهل المنكر في الدنيا هم أهل المنكر في الآخرة (٤)
اچھے کام بری موت سے بچاتے ہیں اور چھپا کر صدقہ کرنا اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور صلہ رحمی عمر میں اضافہ کرتی ہے' اور ہر بھلی چیز صدقہ ہے اور دنیا میں اچھا کام کرنے والے آخرت میں اچھے کام کا انعام پانے والے ہوں گے اور دنیا میں برا کام کرنے والے آخرت میں برائی کا بدلہ پانے والے ہوں گے۔

○ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:
من سرّه أن يمدّ في عمره، ويوسع عليه في رزقه، ويدفع عنه ميتة السوء، فليتق الله، وليصل رحمه (٥)
جسے یہ بات اچھی لگے کہ اس کی عمر لمبی ہو اور اس پر اس کی روزی کشادہ ہو اور اس سے بری موت ٹالی جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور صلہ رحمی کرے۔

○ اور ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
إن الرجل ليحرم الرزق بالذنب يصيبه، ولا يرد القدر إلا الدعاء، ولا يزيد في العمر إلا البرّ (٦)
آدمی ایسے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے جس سے روزی سے محروم ہو جاتا ہے اور تقدیر صرف دعا سے بدل سکتی ہے اور عمر میں اضافہ صرف نیکی اور حسن سلوک سے ہو سکتا ہے۔

○ نیز آپ نے ارشاد فرمایا:
لا يردّ القضاء إلا الدعاء ولا يزيد في العمر إلاّ البرّ (٧)
قضائے الٰہی صرف دعا سے بدل سکتی ہے اور عمر میں زیادتی صرف نیکی سے ہو سکتی ہے۔

ان حدیثوں میں مطلق صلہ رحمی کا انعام عمر میں درازی' رزق میں کشادگی اور بری موت سے حفاظت بتایا گیا ہے' جس میں والدین' بھائی' بہن' چچا' بھتیجہ' پھوپھی' خالہ وغیرہ کے ساتھ صلہ رحمی شامل ہے اور بعض دوسری حدیثوں میں صراحت کے ساتھ والدین کی صلہ رحمی کا

---

(۱) حوالہ مذکورہ ۳/۶۷۶ بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا
(۲) حوالہ مذکورہ (صحیح الجامع) ۳/۶۷۸ بروایت عمرو بن سہل رضی اللہ عنہ
(۳) حوالہ مذکورہ ۳/۶۷۹
(۴) حوالہ مذکورہ ۳/۶۹۱
(۵) بغیۃ الرائد فی تحقیق مجمع الزوائد البر والصلۃ باب صلۃ الرحم و قطعہا ۳/۲۴۵ و قال الہیثمی رواہ عبداللہ بن احمد والبزار والطبرانی فی الأوسط ورجال البزار رجال الصحیح غیر عاصم بن حمزہ و ھو ثقۃ
(۶) الترغیب والترہیب ۵/۲۱۶ ح ۳۶۹۲ و قال المنذری: رواہ ابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ والحاکم و قال: صحیح الإسناد۔ (۷) صحیح الجامع ۶/۱۸۷ بروایت سلمان رضی اللہ عنہ

یہ انعام بتایا گیا ہے۔

○ جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من سرّہ أن یمدّله فی عمرہ، ویزاد فی رزقہ، فلیبر والدیه ولیصل رحمه (۱)

جسے یہ بات اچھی لگے کہ اس کی عمر لمبی ہو اور اس کی روزی زیادہ ہو اسے چاہئے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اور اپنے رشتے ناطے کو جوڑے۔

○ اور معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من برّ والدیه طوبیٰ له، زاد اللہ فی عمرہ (۲)

جو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اس کے لئے مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں اضافہ فرمائے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہ احادیث بظاہر فرمان الٰہی (فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَایَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَایَسْتَقْدِمُوْنَ) ○ (النحل: ٦١)

یعنی جب ان کی موت کا وقت آجائے گا تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

سے متعارض ہیں کیونکہ آیت کریمہ کی رو سے موت کا وقت مقرر ہے جس میں کمی بیشی کا امکان نہیں ہے۔

مذکورہ بالا احادیث اور آیت کریمہ میں تطبیق کی دو صورتیں ہیں:

① ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ صلہ رحمی اور خدمت والدین اطاعت الٰہی کی توفیق اور معصیت الٰہی سے حفاظت کا سبب اور ذریعہ ہے۔ لہٰذا معصیت سے بچتے ہوئے اطاعت کے راستہ پر چل کر آدمی نیک نامی حاصل کر سکتا ہے جو اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے تو گویا اس کی عمر لمبی ہوئی اور وہ مرنے کے باوجود زندہ رہا۔

② زیادتی عمر سے حقیقی زیادتی مراد ہے اور یہ اس فرشتہ (ملک الموت) کے علم کے لحاظ سے ہے جو لوگوں کی روحیں قبض کرنے پر متعین ہے' اور آیت کریمہ سے جو چیز ثابت ہوتی ہے۔ وہ اللہ کے علم کے لحاظ سے ہے جس میں کوئی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی ہے۔ مثلاً ملک الموت سے ایک شخص کی عمر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ صلہ رحمی کرے گا تو اس کو سو سال کی عمر ملے گی اور اگر قطع رحمی کرے گا تو ساٹھ سال کی عمر۔ چونکہ اللہ کو پہلے سے معلوم ہے کہ وہ صلہ رحمی کرے گا یا نہیں کرے گا لہٰذا اس کے علم کے لحاظ سے کوئی کمی اور زیادتی نہیں ہوئی' البتہ فرشتے کو اس بات کا سابقہ علم نہیں ہے کہ وہ صلہ رحمی کرے گا یا نہیں۔ اس لئے اس کے علم کے لحاظ سے عمر میں کمی اور زیادتی ہوئی۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

یَمْحُو اللّٰهُ مَایَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْکِتَابِ○ (الرعد: ۳۹)

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔

اس آیت کریمہ میں محو اور اثبات فرشتے کے علم کے لحاظ سے ہے اور جو ام الکتاب میں ہے وہ اللہ کے علم میں ہے۔ جس میں محو کی کوئی گنجائش نہیں اور اسی کو "قضاء مبرم" کہتے ہیں اور جس میں تبدیلی یا محو کا ذکر ہے اسے "قضاء معلق" کہتے ہیں۔

والدین کا فرماں بردار انبیاء اور شہداء کے ساتھ ہو گا

عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

جاء رجل إلی النبي صلی اللہ علیه وسلّم فقال: یا رسول اللہ! شهدت أن لا إله إلاّ اللہ، وأنك رسول اللہ، وصلیت الخمس، وأدیت زکوة مالي، وصمت رمضان، فقال النبي صلی اللہ علیه وسلّم: من مات

(بقیہ صـ۲۹ پر)

(۱) الترغیب والترہیب جـ ۳ ص ۳۳۵ و قال المنذری رواہ احمد ورواتہ محتج بہم فی الصحیح (۲) حوالہ مذکور ج ۳ ص ۳۳۵ و قال المنذری رواہ ابو یعلی والطبرانی والحاکم والاصبہانی کلہم من طریق زبان بن فائد عن سہل بن معاذ عن ابیہ و قال الحاکم: صحیح الاسناد۔

صبیح الدین انصاری

اسلامی خلافت وسیاست
(ایک مکالمہ)
(۵)

س : براہ کرم علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے آخری اقتباس کی مزید تشریح فرمادیجئے خاص طور پر "کفر بواح" کے حوالہ سے۔ یہ بھی بتائیے کہ کیا اسلام اور ایمان ایک ہی چیز ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے؟

ج : جیسا کہ میں پہلے ہی عرض کرچکا ہوں "کفر بواح" کے معنی ہیں: علانیہ کفر۔ اس کو یوں سمجھئے کہ انسان جن باتوں یا اعمال کی بجا آوری کا اقرار واعلان کرکے جماعۃ المسلمین میں داخل ہوتا ہے ان میں سے بعض یا سب کا انکار کرکے وہ اس سے خارج ہوجاتا ہے۔

لفظ اسلام سے کبھی تو مراد وہ تمام عقائد وعبادات اور اوامر ونواہی ہوتے ہیں جن کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے' اور کبھی یہ لفظ ایمان کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔

صحیح مسلم کی ایک مشہور حدیث جو حدیث جبرئیل کے نام سے معروف ہے اس میں جبرئیل علیہ السلام کے سوالات کے جواب میں اسی دوسری تقسیم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان اسلام واجزائے ایمان کی تشریح فرمائی ہے۔

حدیث کے متعلقہ حصے اس طرح ہیں:

قال (جبريل) :يا محمد اخبرني عن الإسلام؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: الإسلام أن تشهد أن لا إلـه إلاّ الله وأنّ محمداً رسول الله وتقيم الصلاة وتؤتي الزكاة وتصوم رمضان وتحجّ البيت إن استطعت إليه سبيلاً، قال........صدقت۔

جبرئیل علیہ السلام نے کہا: مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے (کہ وہ کیا ہے؟)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں' صلوٰۃ قائم کرو' زکوٰۃ دو' رمضان کے صوم رکھو' اور بشرط استطاعت حج بیت اللہ کرو۔

جبرئیل نے کہا: آپ نے سچ کہا۔

جبرئیل علیہ السلام کا اگلا سوال ایمان کے بارے میں تھا

قال :فأخبرني عن الإيمان؟

قال أن تؤمن با لله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر وتؤمن بالقدر خيره وشرّه۔

قال :صدقت

(صحيح مسلم عن عمر رضى الله عنه)

جبرئیل علیہ السلام نے کہا: اب بتائیے کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ایمان یہ ہے کہ تم کہو کہ میں ایمان لایا اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی (نازل کردہ) کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' یوم آخرت پر' اور ایمان لایا اس بات پر کہ تقدیر اچھی ہو یا بری اللہ ہی کے حکم سے ہے۔

جبرئیل نے کہا: آپ نے سچ کہا۔

تو یہ ہیں وہ ارکان اسلام واجزاء ایمان۔ ارکان اسلام میں سے چار فعلی ہیں یعنی صلوٰۃ' صوم' زکوٰۃ' حج اور ایک قولی۔ اجزاء ایمان میں دو تو وہی ہیں جو ارکان اسلام میں شامل ہیں یعنی اللہ اور اس کے رسول

(رسولوں) پر ایمان باقی چار اور ہیں جو سب کے سب قولی ہیں۔ ان سب پر ایمان واجب ہے۔ اس کے علاوہ سنت متواترہ سے جن چیزوں کی حرمت ثابت ہے ان کو حرام جاننا اور جن چیزوں کی حلت یا وجوب ثابت ہے انہیں حلال اور واجب جاننا۔ مثلاً شراب نوشی، چوری، زنا اور رشوت ستانی کو حرام جاننا اور جہاد کے متعلق یقین کرنا کہ یہ کبھی فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ، وغیرہ وغیرہ ان کا انکار "کفر بواح" کے دائرے میں ہوتا ہے اور اس انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اور مسلمان مرتد ہو جاتا ہے، چاہے وہ حاکم ہو یا محکوم۔ اگر حاکم سے اس طرح کا "کفر بواح" سرزد ہو تو لوگوں نے اس کی اطاعت کی جو بیعت کی تھی وہ فسخ ہو جاتی ہے اور ان پر واجب ہو جاتا ہے کہ اسے معزول کر کے دوسرا امام اور حاکم مقرر کریں۔

یہی مطلب ہے علامہ ابن تیمیہ کے اس قول کا کہ:

"اہل السنت والجماعت کا یہ متفق علیہ موقف ہے کہ وہ گناہ کی بناء پر اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے اور اسلام میں ممنوع کسی فعل کے ارتکاب کے نتیجہ میں وہ اسے دین سے خارج نہیں کرتے مثلاً زنا یا چوری کے ارتکاب سے یا شراب پینے سے جب تک کہ اس کا یہ فعل ترکِ ایمان پر مشتمل نہ ہو، یا اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں پر ایمان کا حکم دیا ہے ان میں سے کسی کا انکار نہ کرے، مثلاً اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان کیوں کہ ایسے انکار سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے کہ وہ نصوص ظاہرہ متواترہ میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے ان کو حرام نہ جانے۔

س : آپ کے بتانے سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ اسلام میں اطاعت امیر کی بڑی اہمیت ہے، اور اس اطاعت سے باہر نکلنے والوں کے لئے سخت وعیدیں ہیں، مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسا کیوں ہے؟ کیا حاکم وقت ہی انسان ہے کہ ہر حال میں اس کی اطاعت کی جائے؟ کیا جو محکوم ہے وہ انسان نہیں ہے؟ آخر ایسا کیوں ہے کہ محکوم کو اس بات کا نہ حق ہے نہ اجازت کہ وہ اطاعت امیر سے انحراف کر سکے؟

ج : بے شک اسلام نے حاکم، امیر یا خلیفہ کی اطاعت پر بڑا زور دیا ہے، بلکہ قرآن کریم نے تو اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ ساتھ متصلاً حاکم وقت کی اطاعت کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ○(النساء: ۵۹)

یعنی اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان حکام کی جو تم میں سے ہوں۔ پس اگر تم میں کسی چیز پر اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی بات اچھی ہے اور اسی کا انجام بہتر ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من خلع يدًا من طاعة لقى الله يوم القيامة لا حجّة له ومن مات ليس فى عنقه بيعةٌ مات ميتةً جاهليةً (صحيح مسلم: كتاب الإمارة)

یعنی جس نے اطاعتِ امیر سے ایک ہاتھ بھی کھینچا، وہ قیامت کے دن اللہ کے حضور اس حال میں پیش ہوگا کہ اس کے پاس (اپنے دفاع میں) کوئی دلیل نہ ہوگی۔ اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت (امام) نہیں تھی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سلمہ بن یزید الجعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس معاملہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے کہ اگر ہمارے اوپر ایسے حکام مسلط ہو جائیں جو اپنے حقوق تو ہم سے طلب کریں مگر ہمارے حقوق نہ دیں تو ہمیں کیا کرنا چاہئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کی طرف سے اعراض کیا (کچھ جواب نہ دیا) اس نے دو تین دفعہ یہی سوال دہرایا اور آپ نے ہر دفعہ اسی طرح اعراض کیا آخر کار اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے سائل (الجعفی) کو اپنی طرف کھینچ لیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم صرف سنو اور اطاعت کرو کیونکہ جو چیز ان کے سپرد ہے وہ اس کے لئے جواب دہ ہیں اور جو چیز تمہارے سپرد ہے اس کے لئے

تم جواب دہ ہو۔

(سأل سلمة بن يزيد الجعفي رسول الله صلى الله عليه وسلّم فقال يا نبي الله إن قامت علينا أمراء يسألونا حقّهم ويمنعونا حقّنا، فما تأمرنا؟ فأعرض عنه، ثم سأله في الثانية أو في الثالثة فجذبه الأشعث بن قيس فقال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: اسمعوا وأطيعوا فإنما عليهم ما حمّلوا وعليكم ما حمّلتم)[مختصر المسلم(المنذری)]

یہ ہیں اطاعتِ امیر کے سلسلہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا ایک نمونہ۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے تو ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہونا چاہئے کہ قرآن وحدیث نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی بے چون وچرا تعمیل کا حکم خود قرآن کریم نے دیا ہے۔ ملاحظہ ہوں ارشادات باری تعالیٰ:

(۱)فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيمًا ۝(النساء:٦٥)

یعنی "پس تمہارے رب کی قسم وہ کبھی ایمان والے نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنے باہمی جھگڑے میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو فیصلہ تم کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور خوش دلی کے ساتھ اسے تسلیم کرلیں۔ اور

(۲)وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝(الاحزاب:٣٦)

یعنی "کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لئے گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کردیں تو پھر ان کے لئے اس میں اختیار باقی رہے، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں پڑے گا"۔

تو اس معاملہ میں، جیسا کہ آپ نے دیکھ ہی لیا، اللہ اور اس کے رسول کی صاف صاف ہدایات اور تنبیہات موجود ہیں کہ ہم اپنے امیر، حاکم یا خلیفہ وقت کی اطاعت اور اس کی خیر خواہی سے ہرگز ہرگز دست کش نہ ہوں۔ رہی یہ بات کہ وہ خود حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہوں تو اس کی حساب فہمی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے اور ہمیں حکم دیا ہے صبر پر کاربند رہنے کا۔

جہاں تک سوال ہے ان ہدایات میں شامل مصالح اور حکمتوں کا تو اس سلسلہ میں واضح اشارات خود کتاب وسنّت میں بھی موجود ہیں اور علمائے حق نے بھی ہر دور میں ان کی وضاحت کا حق ادا کیا ہے۔

سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا

جیسا کہ ہم اور آپ سب جانتے ہیں ملّت افراد سے بنتی ہے اور ملّت کی شیرازہ بندی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے افراد میں باہمی محبّت ویگانگت، خیر خواہی اور نظم وضبط ہو۔ اس یگانگت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ لوگ اپنے شخصی مفادات اور ذاتی انا کو اجتماعی مصالح پر قربان کردیں اور ایک مرکز کی اطاعت قبول کرلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر یا حاکم کو ایک چرواہے سے اور افراد ملّت کو بھیڑوں کے گلّے سے تشبیہ دی ہے۔ چرواہے کا فرض یہ بتایا ہے کہ وہ گلّہ میں شامل تمام اکائیوں کا یکساں خیال رکھے، مگر گلّہ کی بھیڑوں (ملّت کے افراد) کے لئے یہ تنبیہ جاری فرمائی ہے کہ من شذّ شذّ في النّار (جو کوئی بھی گلّہ سے بھٹکا یا الگ ہوا تو وہ آگ میں گرے گا) مطلب یہ ہے کہ جس طرح چرواہے سے بغاوت کرکے بھیڑ ضرور بالضرور بھیڑیئے یا کسی دوسرے جنگلی جانور کا شکار بنے گی، اسی طرح امّت کا کوئی فرد یا چند افراد مرکز سے بغاوت کرکے اس کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتے کہ کسی حریص دشمن اسلام طاقت کا نرم چارا بن جائیں اس طرح نرم چارہ بننے کو قرآن ہوا اکھڑنے سے تعبیر کرتا ہے"

وَاَطِیْعُوا اللہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللہَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ٥ (الأنفال: ٤٦)

یعنی "اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم پست ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات میں بار بار التزام جماعت کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ إنّ يد الله مع الجماعة (بے شک جماعت کے ساتھ اللہ کا ہاتھ ہے)

قوم عرب، طلوع اسلام سے پہلے اقوام عالم کی برادری میں کسی مقام اور حیثیت کی مالک نہ تھی، اس کی یہ وجہ تو بے شک تھی کہ عقیدہ کی سطح پر وہ لوگ شرک میں گرفتار تھے اور اخلاق کی سطح پر نہایت پست تھے۔ مگر ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے یہاں قبائل آپس میں ہمیشہ ایک دوسرے سے نبرد آزما رہتے تھے۔ دستور کی حکمرانی مفقود تھی جنگل کا قانون چلتا تھا۔ جس کا جہاں بس چلتا قتل وغارت گری کرتا اور قافلے کے قافلے لوٹ لیتا۔ نہ کوئی فریاد سننے والا مرکز تھا نہ دادرسی کرنے والی کوئی اتھارٹی۔ اسلام ان کا نجات دہندہ بن کر آیا۔ اس نے انہیں ایک اللہ کی عبادت، ایک قرآن کی تلاوت اور ایک رسول کی اطاعت پر مجتمع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں وہ ایک ایسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے کہ جو باطل قوت اس سے ٹکرائی پاش پاش ہو گئی۔ ملت کے اس ائتلاف یا شیرازہ بندی کو قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم انعام کے طور پر ذکر کرتا ہے اور امتِ محمدیہ کو حکم دیتا ہے کہ وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہیں اور اپنی صفوں میں انتشار کو راہ پانے نہ دیں۔ ملاحظہ ہو ارشاد ربانی:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ٥

(آل عمران: ۱۰۳)

یعنی "اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور پھوٹ نہ ڈالو" اور اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ پس تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے دہانے پر کھڑے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ پاؤ۔

ظاہر ہے، ابلیس کو امت کا یہ اتحاد پسند نہیں آسکتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے فوراً بعد ہی وہ اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گیا۔ دلوں میں ڈالے ہوئے ابلیسی وسوسوں ہی کے تحت کبھی فتنۂ ارتداد اٹھا، کبھی فتنۂ مجوس، کبھی عبداللہ بن سبا یہودی کی تحریفات کے بطن سے مختلف فرق باطنیہ پیدا ہوئے کبھی خوارج غلو فی الدین کا وہ فتنہ لے کر اٹھے کہ انہوں نے بڑے بڑے اجلۂ صحابہ کی تکفیر کے فتوے جاری کر کے امت کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونک دیا۔

تین خلفائے راشدین، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید کر دیئے گئے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مبارک زندگی ہی میں اسلام کے پودے کو ایک تناور درخت بنا کر چلے گئے تھے۔ اس کے بعد آپ کے جاں نثار صحابہ نے اس کی مزید آبیاری کی اور حدیثِ نبوی کے عین مطابق اسلام کی چکی عرصہ دراز تک چلتی رہی۔

چھ سو سال تک حکومت قریش کے پاس رہی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے خاندان اور قبیلہ کے لوگ تھے۔ پہلے بنو امیہ کو اللہ تعالیٰ نے تمکن فی الأرض اور شوکت عطا کی جو تقریباً بانوے سال چلتی رہی۔ پھر خلافت بنو عباس کی طرف منتقل ہوئی۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد اور بنو امیہ ہی کی طرح قریش عرب تھے۔ ان کی حکومت کم و بیش پانچ سو سال تک چلی۔ اس کے بعد سلجوقی ترک اٹھے اور چار سو سال تک مراکز اسلام کی حفاظت اور پاسبانی کرتے رہے، بالآخر بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی گزرنے سے پہلے پہلے ۱۹۲۴ء میں

انہوں نے خود الخفائے خلافت کا اعلان کردیا۔

عباسی سلطنت کے عروج کے بالکل متوازی امویوں کی ایک حکومت اسپین میں آٹھویں صدی کے آغاز سے کم وبیش پندرہویں صدی کے اختتام (۷۱۱-۱۴۹۲) تک چلتی رہی۔ بالآخر وہ بھی اختتام پذیر ہوئی۔ ہندوستان میں اسلام کے قدم اموی دور میں محمد بن قاسم کے ذریعہ سندھ میں اور مالابار وغیرہ میں عرب تاجروں کے ذریعہ پہونچے اور کئی طرح کے نشیب وفراز کے ساتھ مسلمانوں کی حکومت کسی نہ کسی شکل میں ایک ہزار سال تک چلتی رہی بالآخر انیسویں صدی کے آتے آتے محض ایک علامتی شکل اختیار کرچکی تھی۔ یہ بھی ۱۸۵۷ء کی شورش کے دوران مکمل طور پر ختم ہوگئی اور انگریز بلا شرکت غیر اس برصغیر کا مالک بن گیا۔

ترکی کی خلافت کے خاتمہ سے پہلے اور بعد انگریز بھی دوعالم گیر جنگوں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اقتصادی اور سیاسی صورت حال کے پیش نظر اپنے مقبوضہ اور زیر اثر علاقوں پر تسلط برقرار نہ رکھ سکے اور عرب وعجم میں مختلف چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستیں وجود میں آگئیں۔ خود برصغیر ہند کو جب ۱۹۴۷ میں انگریزی تسلط سے آزادی ملی تو دو مسلم اکثریتی علاقے بھی ایک ہی ملک کے نام سے اور ایک ہی جھنڈے تلے آزاد ہوئے ایک بھارت کے شمال مغرب میں (مغربی پاکستان) اور دوسرا مشرق میں (مشرقی پاکستان) اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں ایک مختصر سی مسلح جنگ کے بعد مشرقی بازو اپنے مغربی مرکز (پاکستان) سے علیحدہ ہوکر ایک الگ ملک بنگلادیش بن گیا۔

اس طرح اسلامیان عالم کی تاریخ پر ایک سرسری نظر بھی اگر ڈالی جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ مسلمان کو بحیثیت قوم جب بھی نقصان پہونچا وہ داخلی انتشار اور ریشہ دوانیوں سے پہونچا۔

تاریخ اسلامی نے سب سے پہلے اس وقت ایک بڑا افسوس ناک موڑ لیا جب خلیفۂ ثالث، داماد رسول، ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن سبا یہودی کی برپا کی ہوئی سازش کے نتیجہ میں شہید کردیئے گئے۔ قرآن کریم نے جو امت محمدیہ سے تمکن فی الارض اور استخلاف کا وعدہ سورۂ نور میں کیا تھا کہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (النور: ۵۵)

وہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔ مسلمان کم وبیش ایک ہزار سال تک پوری دنیا میں سب سے بڑی عسکری قوت اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ تہذیبی اکائی بن کر رہے۔ مگر قتل عثمان رضی اللہ عنہ ایک ایسا الم ناک سانحہ تھا جس نے اسلامی خلافت کی جڑ اور بنیاد کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اسی شہادت کے نتیجہ میں رونما ہونے والے سلسلۂ واقعات کے نتیجہ میں چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساڑھے چار سال کا پورا عرصۂ خلافت داخلی بدامنی اور خانہ جنگی کا شکار رہا تا آنکہ آنجناب کی شہادت کے بعد جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ (جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ إنّ ابني هذا سيد ولعلّ الله تعالىٰ أن يُصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين. (بخاری)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تو ملت کا امن واستقرار دوبارہ لوٹ آیا۔ آپ کے انتقال کے بعد اگرچہ مرکز خلافت بحیثیت مجموعی محفوظ ومامون رہا۔ مگر عبد اللہ بن سبا نے جو افتراق کا بیج بویا تھا وہ برگ وبار لاتا رہا اور سارے اموی اور عباسی دور خلافت میں مرکز گریز طاقتیں کبھی حقوق اہل بیت کی پامالی کا نعرہ لگا کر، کبھی نسلی اور خاندانی برتری کے عنوان سے اور کبھی خلافت کو سلطنت وبادشاہی میں تبدیل کرنے کے کردہ اور ناکردہ گناہوں کا ہوا کھڑا کرکے مرکز حکومت وخلافت کو کمزور کرنے کی سازشیں کرتی رہیں۔

اموی اور عباسی دور میں ابن سبا اور اس کے حواری سارے مسلم خلفاء کو اس لئے غاصب اور جابر کہتے رہے کہ ان کے خیال میں

حکومت و سلطنت صرف اور صرف بنو ہاشم یعنی علی رضی اللہ عنہ اور اولاد علی کا حقہ تھی، حالانکہ نصوص صریحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالی کی مشیئت نہیں تھی کہ نبوت و خلافت دونوں کو ایک ہی گھر میں جمع کردیا جائے۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہوں دو حوالے:

۱۔ مسند احمد، بزار اور طبرانی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے بعد کون امیر ہوگا؟ آپ نے فرمایا:

إن تؤمَّروا أبا بكر تجدوه أميناً زاهداً في الدّنيا راغباً إلى الآخرة وإن تؤمّروا عُمرَ تجدوه قويًاأميناً لا يخاف في الله لومة لائم، وإن تؤمّروا عليًا، ولا أراكم فاعلين، تجدوه هاديًا مهديًا يأخذبكم الطريق المستقيم۔

(اگر تم ابوبکر کو امیر بناؤ گے تو انہیں امین، دنیا سے کم رغبت رکھنے والے اور آخرت کی طرف راغب پاؤ گے، اور اگر عمر کو امیر بناؤ گے تو انہیں قوت والا، امانت دار اور اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے پرواہ پاؤ گے، اور اگر علی کو امیر بناؤ گے، اور میں نہیں سمجھتا کہ تم ایسا کرو گے تو انہیں ہدایت یافتہ اور ہدایت بخش پاؤ گے، جو تم کو سیدھے راستہ پر چلائے گا)

۲۔ اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ فرماتے ہیں:

إن الله عزوجلّ خيّر نبيه صلوات الله عليه بين الآخرة والدنيا فاختار الآخرة ولم يرد الدنيا وإنّك بضعة من رسول الله صلى الله عليه وسلّم والله لا يليها أحد منكم وما صرفها الله عنكم إلا للذى هو خير لكم............

وما كان الله ليجمع لكم بين النبوة والخلافة (المقريزى: النزاع والتخاصم فيما بين بنى امية وبنى هاشم ص۶۲)

یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جب عراق کی طرف روانہ ہو کر امیر یزید کا تختہ الٹنے کا منصوبہ بنایا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی اور کہا: "اللہ عزوجل نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا تھا کہ وہ دنیا اور آخرت میں سے اپنے لئے ایک چیز پسند کرلیں۔ پس آپ نے آخرت کو اختیار فرمالیا اور دنیا کو پسند نہیں فرمایا۔ اور (اے حسین) آپ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ایک ٹکڑا ہیں۔ قسم ہے اللہ کی وہ آپ کو وہی چیز دے گا اور اسی چیز سے دور رکھے گا جس میں آپ کی بھلائی ہوگی ...... اور اللہ ہرگز ایسا کرنے والا نہیں ہے کہ آپ لوگوں کے لئے نبوت اور خلافت دونوں کو یکجا کردے"۔

اس طرح کی واضح نصوص کے باوجود عجمی ذہن اپنی سازشوں میں مشغول رہا اور عبداللہ بن سبا کے شاگرد بار بار کسی نہ کسی مدعی خلافت کو ورغلا کے سامنے لاتے رہے۔ اور مرکز کو کمزور سے کمزور کرنے کی سازشیں کرتے رہے۔ دور عباسی میں یہی عجمی النسل برامکہ وغیرہ بڑے بڑے مناصب وزارت پر فائز رہے اور اپنے آقاؤں یعنی خلفائے عباسیہ کے خلاف سازشیں کرتے رہے یہاں تک کہ ۶۵۶ھ میں دھوکہ سے ہلاکو خاں کے ہاتھوں المستعصم باللہ کو شہید کرادیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

آسماں را حق بود گر خوں بہ بارد بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنیں

آپ غور کریں تو آپ بھی اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ اعدائے اسلام نے جب بھی کسی مرکز اسلام کو منہدم کرنے کی سازش کی اس کے لئے دست وبازو خود امتِ مسلمہ ہی نے فراہم کئے۔ اسی طرح عبداللہ محمد وغیرہ کی خود غرضی، کوتاہ نظری اور مرکز مخالف سازشوں نے اسپین سے اسلامی خلافت کو ختم کرکے انتہائی سنگ دل اور متعصب صلیبی حکومت کو مسلط کردیا۔

میر جعفر نے بنگال میں سراج الدولہ اور میر صادق نے دکن میں ٹیپو سلطان کے ساتھ غداری کی اور ان کی سلطنتوں کو ختم کراکے پورا ہندوستان انگریزوں کی گود میں ڈال دیا۔

اسی طرح نوزائیدہ ملک پاکستان کی نصف صدی کی مختصر سی تاریخ میں متعدد اچھے، محب وطن اور انتظامی صلاحیتوں کے مالک سنی حکمراں آئے مگر سرحد پار غیر مسلم آقاؤں کے اشارے پر ان کو قبل از وقت ہی یا تو معزول کرادیا گیا یا قتل کرادیا گیا۔ گزشتہ چالیس بیالیس سال میں یوں تو عراق و شام کے کئی فرماں روا، پاکستان کے نواب زادہ لیاقت علی خاں، نائیجیریا کے احمد و بیلو، مصر کے انور السادات، بنگلادیش کے ضیاء الرحمن سبھی قتل کئے گئے مگر دو سانحے ایسے ہوئے جن پر ملت اسلامیہ کی آنکھیں جس قدر بھی خون بہائیں کم ہیں، ایک مملکت سعودیہ عربیہ کے ملک فیصل شہید اور دوسرے مملکت خداداد پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم۔

ان میں سے بعض کے لئے اشارے تو بے شک غیر ملکی آقاؤں کے تھے مگر جن ہاتھوں کو استعمال کیا گیا وہ ملکی تھے اور اپنے تھے۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ ان میں سے بعض کاروائیوں کو براہ راست یا بالواسطہ رموز سیاست سے نا آشنا مگر سیاسی عزائم رکھنے والے، غلو فی الدین کے شکار علمائے وقت کی تائید و آشیرواد بھی حاصل رہی ہے۔ اس سے ان ممالک کی ترقی، سالمیت اور ان کی بین الاقوامی ساکھ کو جو نقصان پہونچا وہ سب کے سامنے ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ سعودی عرب میں آج تک شاہ فیصل مرحوم کی، نائیجیریا میں احمد و بیلو کی اور پاکستان میں جنرل محمد ایوب خاں اور ضیاء الحق کی کمی محسوس کی جارہی ہے۔

اگر ہم صرف برصغیر ہند و پاک ہی کے سیاسی منظر نامہ پر غور کریں تو ہم پائیں گے کہ بنگلادیش کے مرحوم صدر کے انتقال کے بعد جو سلسلۂ حوادث شروع ہوا اس کے نتیجہ میں ایک خاتون وزیر اعظم ہیں اور نظام اسلام اور شریعت اسلامیہ کے نفاذ کی دن رات دہائی دینے والوں کی تائید و حمایت سے ہیں۔ پاکستان میں صلاح الدین ایوبی وقت اور شہید افغانستان جنرل محمد ضیاء الحق اور وزیر اعظم محمد نواز شریف کے خلاف جو بین الاقوامی سازشیں بروئے کار لائی گئیں ان کے شاخسانہ میں دو بار ایک مغرب نواز، رموز جہاں بانی سے نا آشنا اور شعائر اسلامی سے نابلد شیعہ خاتون مسند وزارت عظمیٰ پر رونق افروز ہوئیں اور بڑے بڑے علمائے دین اور مفتیان شرع متین، جو کل تک عورت کی سربراہی کو شراب اور خنزیر کی طرح نجس اور حرام کہتے تھے۔ وہی علماء دین خوشی سے بغلیں بجاتے اور محترمہ کے سامنے نیازمندانہ کورنش بجاتے نظر آئے۔

دین اور شعائر دین سے ان کی بے خبری کا یہ عالم ہے کہ انہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ پارلیمانی طرز جمہوریت اور ڈکٹیٹر شپ وغیرہ کے جو نعرے انہیں غیر مسلم یورپ نے سکھائے ہیں اور جنہیں یہ عین اسلام بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ قرآن و سنت میں ان کا دور دور تک پتہ نہیں ہے۔

اسی طرح کے نعرے بعض عجمی مبشرین اور مؤرخین نے صحابی رسول، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفائے بنی امیہ کے خلاف بھی تراشے تھے۔ اس وقت جمہوریت اور ڈکٹیٹر شپ کی بجائے خلافت اور سلطنت (ملک) کی اصطلاحیں استعمال کی گئی تھیں، حالانکہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ہادی برحق، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصطلاحوں کو نہ مذمت کے طور پر خود استعمال کیا نہ ان کے استعمال کی کسی کو اجازت دی۔

شریعت اسلامیہ کی رو سے بالکل جائز ہے کہ آپ داؤد علیہ السلام کو چاہیں تو خلیفہ کہہ لیں اور چاہیں تو ملک کے نام سے یاد کرلیں۔ اسی طرح بالکل جائز ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چاہے خلیفہ کہہ لیں چاہے امیر المومنین کے نام سے یاد کرلیں۔ اسی طرح ترک حکمرانوں کو آپ چاہے سلاطین کہہ لیں چاہے خلفاء کہہ کر پکار لیں جہاں تک سوال ہے برطانوی طرز کی جمہوریت کا جس پر ہمارے موجودہ دور کے علماء دین کچھ زیادہ ہی فدا ہیں تو اس کا نہ قرآن کریم میں کہیں ذکر ہے نہ سنت نبوی میں۔ نہ یہ اولین خلفائے ثلاثہ کے اسوہ سے ثابت ہے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے طریقہ انتخاب اور طرز حکومت سے کوئی مطابقت رکھتی ہے۔

ہمارے دینی اجارہ دار جب کسی حاکم وقت کو مطعون کرنا چاہتے ہیں تو اسے کبھی فوجی حکمراں اور کبھی آمر کے لقب سے یاد کرتے ہیں قرآن و سنت کی روشنی میں کوئی ان سے پوچھے کہ اسلامی افواج کا سربراہ ہونا کب سے گناہ عظیم شمار ہونے لگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

بات تو فی الحال جانے دیں کہ وہ تو ایسے جامع صفات تھے کہ نہ ان سے پہلے کوئی ہوا نہ قیامت تک ہوگا۔ بات کریں امتیوں کی۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ امیر المومنین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زبردست مجاہد، فوجی سپہ سالار اور حربی فنون و حکمت عملی کے مالک تھے؟ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین بننے سے پہلے اور بعد میدان جنگ میں بار بار داد شجاعت دے چکے تھے اور دیتے رہے وہ اسلام کے نہایت جاں باز اور سرفروش سپاہی تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کے پہلے انتہائی کامیاب اور قابل فخر امیر البحر تھے اگر ان برگزیدہ ہستیوں کے لئے فوجی پس منظر باعث افتخار تھا تو ہمارے لئے کیوں نہیں ہو سکتا؟

ایک اور اصطلاح جسے ہمارے علماء آئے دن سیاسی گالی کے طور پر استعمال کرتے ہیں وہ ہے آمر کی۔ کہتے ہیں فلاں پابند صوم وصلوٰۃ حاکم کے خلاف تحریک چلاؤ کیوں کہ وہ ڈکٹیٹر ہے۔ فلاں مسلمان کا تختہ الٹ دو کہ وہ آمر ہے۔ پتہ نہیں آمریت سے ہمارے علماء کو کس حدیث یا آیت قرآنی کی روشنی میں الرجی ہے۔

آمر کا لفظ بنا ہے امر سے۔ آمر کے معنی ہیں حکم یا حکومت۔ اسی سے ایک دوسرا اسم فاعل بھی بنتا ہے، یعنی امیر۔ آمر اور امیر دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی حکم دینے والا، حاکم۔ بلکہ عربی لغت اور محاورے کے اعتبار سے لفظ امیر میں آمر سے کہیں زیادہ مبالغہ ہے۔ پھر ایسا کیوں ہے کہ امیر جماعت، امیر شریعت، امیر حلقہ اور امیر المومنین کے الفاظ تو آپ کو مرغوب و محبوب ہیں۔ مگر لفظ آمر کے آتے ہی آپ۔

من دگر زومیدان وافرا سیاب

کی تصویر بن جاتے ہیں

چلئے قرآن حکیم کو حکم بنالیں۔ اس معجزنما کتاب میں شروع سے آخر تک لفظ امیر آپ کو کہیں نہیں ملے گا، جب کہ لفظ آمر (جمع کے صیغہ میں) ایک بہت ہی معتبر اصطلاح کی صورت میں آپ کو نظر آئے گا۔ فرمایا گیا:

الآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ○
(التوبۃ: ۱۱۲)

یعنی "مژدہ ہو ان لوگوں کے لئے جو (من جملہ دیگر اوصاف کے) حکم کرنے والے (آمرون) ہیں بھلائی کا اور روکنے والے (ناھون) ہیں برائی سے، خیال رکھنے والے ہیں اللہ کی حدود کا۔ اور خوش خبری دے دو مومنین کو"۔ ہمیں بتائیں ہمارے علمائے دین کہ لفظ "آمر" کب مذمت کے لئے استعمال ہوا قرآن یا حدیث میں، اور آمریت کے میلانات اگر پائے جائیں کسی مسلمان حاکم میں تو قرآن کریم یا حدیث نبوی کی کس نص کے ذریعہ وہ گردن زنی ٹھہرتا ہے؟

لیکن ہمارے علماء کی طرف سے اس طرح کی اصطلاحیں برابر استعمال کی جاتی رہی ہیں اور کی جارہی ہیں اور اسے عین تقاضائے اسلام بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔ ہمارے علماء کو اس سے بھی بحث نہیں ہے کہ ان کی مرکز گریز تحریکوں کے کیا اثرات مرتب ہوں گے اور اس اکھاڑ پچھاڑ کے نتیجہ میں خود ملکی استحکام اور اسلام کے کاز کو کس قدر نقصان پہونچے گا جس کی پاسداری کا ان کو دعویٰ ہے۔

تاریخ اسلام میں علمائے حق نے ہر دور میں اس طرف اشارے کئے ہیں کہ حکام کے خلاف بلا جواز خروج سے ملک کی ترقی نہ صرف یہ کہ رک جاتی ہے بلکہ اس کا پہیہ معکوس سمت میں پھرنا شروع ہوجاتا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کچھ گرم جوش نوجوان اٹھے۔ انہوں نے کسی نیم سیاسی، نیم دینی لٹریچر کا سرسری سا مطالعہ کیا اور اس کے نتیجہ میں ان کے ذہن میں یہ بات یا تو خود آگئی یا بٹھادی گئی کہ حاکم وقت بے دین ہے، منافق ہے، کافر ہے۔ لہٰذا اس کے خلاف جہاد کرنا چاہئے۔ اب ایک طرف چند جوشیلے نوجوان ہیں جن کے پاس نہ معقول مقدار میں اسلحہ ہے نہ فنون حرب سے انہیں واقفیت ہے اور انہوں نے حکومت کے عمال کے خلاف بزن بول دیا۔ دوسری طرف ایک جمی جمائی حکومت ہے اس کے پاس بے پناہ جنگی اسلحہ، فوج اور پولیس ہے ان کو حرکت میں لاکر اس نے ان کی تحریک کو کچلنا شروع کردیا۔ دونوں طرف سے خوب خوب دل کے حوصلے نکالے گئے اور متحارب گروہوں کے علاوہ بے شمار

(بقیہ ۲۹ پر)

فضا ابن فیضی

رباعیات

(بخطِ شاعر)

کارِ ثواب

ملزم کی شفاعت بھی ہے اک کارِ ثواب
جھوٹوں کی وکالت بھی ہے، اک کارِ ثواب
خود جیب ہے، مگر، اس کا عمل کہتا ہے
فاسق کی حمایت بھی ہے، اک کارِ ثواب

فضیلت

توقیرِ ادب، منصبِ افکار ہی کیا
ناموسِ قلم، حرمتِ دستار ہی کیا
معیارِ فضیلت ہیں یہاں "لقمۂ و زر"
اس شہر میں، تیرا مرا کردار ہی کیا؟

غلط بخشی

میراثِ چمن، کانٹوں میں تقسیم ہوئی
جاگیرِ سحر، راتوں میں تقسیم ہوئی
تابندگیاں، سورج کا مقدر ٹھہریں
جو روشنی تھی، اندھوں میں تقسیم ہوئی

خدمتِ خلق

وعظ اور نصیحت، وہ بہت کرتا ہے
ذکرِ غمِ ملت، وہ بہت کرتا ہے
ہے خدمتِ خلق، اس کا وظیفہ، لیکن
خود اپنی بھی خدمت، وہ بہت کرتا ہے

صورتِ حال

بے آب ضمیر و ذہن، چہرے سرسبز
سینے میں نفس گرم، نہ سینے سرسبز
ہم، اپنے بیاباں کا، ایسا ہیں شجر
ہیں جس کی جڑیں کھوکھلی، پتے سرسبز

ابن احمد نقوی

تعارف وتبصرہ

کتاب : تاریخ اسلام 'خلافت راشدہ اور بنو امیہ کی مختصر تاریخ
تالیف : جناب سلام اللہ صدیقی
صفحات : ۲۵۵
ناشر : ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس

تاریخ نویسی بڑا مشکل فن ہے۔ صرف واقعات کو یکجا کر دینا یا ان پر موافقانہ و مخالفانہ انداز سے رائے زنی کر دینے سے تاریخ کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام واقعات کو غیر جانبداری اور غیر جذباتی انداز میں ترتیب دیا جائے کسی اہم واقعے کو نظر انداز نہ کیا جائے اخذِ نتائج میں احتیاط سے کام لیا جائے۔ انشاء پردازی اور عبارت آرائی جیسی باتوں سے پرہیز کیا جائے تحریر میں تاریخ اور سنہ کی صحت کا خاص خیال رکھا جائے کیونکہ اگر سال اور تاریخ کے اندراج میں غلطی ہو تو سارا سلسلۂ واقعات الجھ کر رہ جاتا ہے اور سب کچھ درجۂ اعتبار سے گر جاتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب سلام اللہ صدیقی نے ترتیب دی ہے جس میں بہت سی اہم باتوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کتاب کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں پھر بھی کسی نے ان فروگذاشتوں کو دور کرنے اور کتاب پر نظرِ ثانی کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ پہلی بار یہ کتاب ۱۹۸۶ء میں لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ اور وہیں اس کے دو اور ایڈیشن بھی بالترتیب ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئے معلوم نہیں جامعہ سلفیہ میں اس کتاب پر نظرِ ثانی کی گئی یا نہیں یا محض کتاب کو بجنسہٖ نقل کر کے شائع کر دیا گیا۔

سب سے پہلے جس اہم فروگذاشت پر نظر پڑتی ہے وہ ہے واقعۂ غار حراء یعنی پہلی وحی کے نزول کا ذکر نہ ہونا۔ کتاب کے عنوانات عہد جاہلیت سے شروع ہوتے ہیں اور امیہ ہاشم ج ۱ (؟) سے گذرتے ہوئے یمن اور شام کے سفر اور نکاح اور امین کے خطاب تک پہنچ کر اشاعتِ اسلام پر آجاتے ہیں اور ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ۴۰ سال کی عمر میں آپ نے اعلانِ نبوت فرمایا اس اعلان نبوت کی بنیاد کیا تھی؟ کب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے؟ کب اشاعت اسلام پر مامور ہوئے؟ پہلی وحی کیا تھی؟ آپ پر اس کا کیا ردِ عمل ہوا؟ آپ کی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کس طرح آپ کی دل جوئی کی؟ ابن نوفل نے جو کتب سماوی کے عالم تھے کس طرح اس وحی کی تصدیق کی؟ وغیرہ۔ یہ کتاب (تاریخ اسلام) اس بارے میں خاموش ہے۔ پھر کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے اور آپ کی وفات ۸ر جون ۶۳۲ء کو ہوئی اور تدفین ۹ر جون ۶۳۲ء کو عمل میں آئی (ص ۴۷) حضرت عمر ۶۱۵ء میں ایمان لائے ص ۲۷ (گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے ۵۶ سال قبل) اسے محض کتابت کی غلطی کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کتاب جیسا کہ مقدمہ میں بتایا گیا ہے جامعہ سلفیہ کے نصاب میں داخل ہے' فرض کیجئے اگر جامعہ کا کوئی ابتدائی درجات کا طالب علم اپنی جواب میں یہ تحریر کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۶۳۲ء میں ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۶۱۵ء میں مسلمان ہوئے تو ممتحن اسے غلط بیانی کا مرتکب کیسے قرار دے سکتا ہے جب کہ اس کا جواب نصاب میں داخل کتاب کی مندرجات کے مطابق ہے۔

کتاب میں تبصرہ کا جو انداز ہے وہ بھی غیر حقیقت پسندانہ ہے خلافت راشدہ کے بارے میں مؤلف کا تجزیہ ہے 'خلافت راشدہ کا نظامِ حکومت نہ شخصی کہا جا سکتا ہے نہ جمہوری' (ص ۱۳۹) پھر ارشاد ہے 'خلفائے راشدین کو قانون شریعت صحیح طور پر سمجھنے اور عمل در آمد میں مدد کے لئے مجلس شوریٰ موجود ہوتی تھی..... کبھی معاملے کے اہم ہونے کی صورت میں عام مسلمانوں سے بھی رائے لے لی جاتی تھی..... خلفائے راشدین کی زندگی میں شاہانہ جاہ و حشم کو دخل نہ تھا..... ان کا

رہن سہن امت کے ایک عام فرد کی طرح تھا۔ امیر ہو یا فقیر ان کی مجلس
میں یکساں مرتبہ کا حامل تھا ــــ خلفائے راشدین بیت المال کو قوم کی
ملکیت سمجھتے تھے۔ بجز مقررہ گذارہ اپنی ذات اور اپنے خاندان کے آرام
و آسائش کے لئے اس میں سے ایک پیسہ بھی نہ لیتے تھے۔ عام مسلمانوں
کی ضروریات سے باخبر رہنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ دار الخلافہ
میں خود ہی نمازوں کی امامت کرتے اور امارتِ حج کے فرائض بھی خود ہی
انجام دیتے تھے اس طرح انہیں عام مسلمانوں سے ملنے جلنے کا موقع ملتا
اور ہر شخص اپنی ضرورت اور شکایت ان سے بیان کر سکتا تھا عام حکم تھا
کہ جسے کسی افسر سے شکایت ہو وہ حج کے موقع پر آکر بیان کرے۔
گورنروں کو بھی حکم تھا کہ وہ ان شکایتوں کی جواب دہی کے لئے موقع پر
موجود رہیں" (ص ۱۳۱)

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف کے ذہن میں
جمہوریت (شورائیت) کا کوئی واضح تصور نہیں ہے اگر مندرجہ بالا تمام
باتوں یعنی مجلس شوریٰ، عام مسلمانوں کی شوریٰ، خلیفہ کی مجلس میں سب
کا یکساں مقام، عوامی ضروریات سے باخبر رہنے کا خلفاء کا طریقہ حج کے
دوران عام شنوائی وغیرہ اور پھر خلفاء کی عمومی بیعت اگر یہ سب مثالی
جمہوریت اور شورائیت کے اصول نہیں ہیں تو پھر شورائیت اور
جمہوریت کسے کہتے ہیں؟ اور اگر خلافت راشدہ کا نظام جمہوری اور
شورائی نہیں تھا تو گاندھی جی آزاد ہندوستان میں حضرت عمر فاروق کا
انداز حکومت دیکھنے کی تمنا کیوں کرتے تھے۔

اس کے بعد امیر معاویہ کے دور پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤلف
فرماتے ہیں "امیر معاویہ کی مجلس شوریٰ میں بڑے بڑے مدبر اور دانشمند
لوگ تھے اور نظام حکومت بقول فرانسیسی مورخ موسیو سیدیو قرآن کے
مطابق جمہوری تھا" (ص ۱۴۰)

یعنی امیر معاویہ کے لئے چونکہ مؤلف کو ایک مغربی مورخ کی
سند مل گئی لہذا وہ دور جمہوری قرار پایا لیکن خلافت راشدہ کے لئے کسی
موسیو سیدیو کا سرٹیفکٹ نہیں مل سکا لہذا وہ نظام حکومت نہ شخصی تھا نہ
قرآن کے مطابق جمہوری حالانکہ خلفائے راشدین کی مجلس شوریٰ میں
بھی عمر، عثمان، علی، جیسے عظیم مدبر موجود ہوتے تھے جو بعد کو خود امیر
بنے۔

مؤلف کا اسلوب نگارش بھی شتر گربگی کا شکار ہے۔ ہمارے
کئی مؤلف اور مصنف جن کا تعلق یوپی علاقوں سے ہے اپنی تحریر میں
بھی یوپی انداز اختیار کرنے لگتے ہیں مثلاً "انا کو ڈامار آگیا کہ وہ مرگئے" (ص
۱۷۸) حجاج نے حضرت انس صحابی کے ساتھ کچھ زیادتی کی عبد الملک کو
رپورٹ ملی تو اس کو لکھا "حضرت انس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت کی ہے ان کی پوری تعظیم کرو ورنہ ہم ایک ایسے شخص کو تم پر
مسلط کردیں گے جو تجھے خوب سزا دے گا اور تجھے ذلیل و خوار کرے گا تم
حضرت انس کی خدمت میں جاکر ان سے معافی مانگو پھر امیر المومنین کو ان
کی رضامندی کی جلد اطلاع دو" (ص ۱۹۲)

"یزید ثالث کا خطبہ ــــ "ہم نے فسق و فجور کا بازار گرم دیکھا اس
لئے یزید بن ولید کو قتل کیا اب ہمیں اگر تم لوگ خلیفہ رکھتے ہو تو ہم اللہ
اور رسول کے احکام کے مطابق کام کریں گے ورنہ مجھ سے اچھا کوئی
شخص تم لوگوں کی نظر میں ہو تو اس کو خلیفہ منتخب کرلو میں سب سے پہلے
اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں" (ص ۲۲۵)"

ایک ہی بیان میں کہیں تم کہیں "تو" کبھی "ہم" کبھی "میں"
یہ شتر گربگی کتاب کے معیار کو مجروح کرتی ہے۔ آج کل ایک لفظ "نہ
ہی" ہمارے ہاں رائج ہوگیا ہے بعض معتبر اہل قلم بھی بے تکلف میں
اسے لکھتے ہیں حالانکہ ابوالکلام آزاد، عبد الماجد اور رشید احمد صدیقی جیسے
مستند ادیبوں کی تحریر میں یہ لفظ نہیں ملے گا۔ اس کتاب میں بھی یہ لفظ
استعمال ہوا ہے۔

اس تاریخ کی کتاب میں انشاپردازی اور عبارت آرائی کی
ایک مثال ملاحظہ ہو۔

ہشام بن عبد الملک اموی کی ذات پر تبصرہ
ــــ نہ شاہانہ تزک و احتشام ہے نہ سجدۂ تعظیمی نہ جلوہ گاہ سے فرشی سلام
نہ الہام و وحی کا دعویٰ کرتا ہے نہ امامت و پیشوائی کا روپ بھرتا ہے ایک
خادم انسانیت ہے کہ امیر المومنین ہے کہ دنیا کو اپنی سرپرستی میں لے کر
امن و عدل و مساوات کی نعمتیں بخشتا ہے؟ (ص ۲۳۱) اسے آپ کچھ بھی
کہئے یہ تاریخ نویسی کا انداز نہیں ہے اور نہ مورخ کو ایسا غیر معتدل
اسلوب اختیار کرنا چاہئے۔

کتاب میں نقشے اور فوٹو بھی دئے گئے ہیں لیکن سب بھدے
اور بے تکے انداز کے ہیں شاید اصل کتاب کا چربہ ہیں حالانکہ اگر کسی
نقشہ نویس (کارٹوگرافر) سے بنوائے جاتے تو صاف اور واضح ہوتے۔
عمارتوں کے فوٹو بھی صاف نہیں آئے ہیں اسی طرح بھدی فوٹوگرافی

سے نقل کرلیا گیا ہے کہیں عبارت انگریزی میں ہے وہ غیر واضح بھی ہے (۹۵) پر صحیفۂ عثمانی کی زیارت کا فوٹو دیا گیا ہے جس میں لوگوں کو قرآن مجید کے نسخہ کی زیارت کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے نیچے عنوان ہے "پاکستان مسلم لیگ ہاؤس راولپنڈی میں حضرت عثمان کے قرآن پاک کے عکسی نسخہ کی زیارت کا ایک منظر" اسی صفحہ پر اوپر صحیفۂ عثمان کا فوٹو ہے جس پر خون کے دھبے دکھائے گئے ہیں اس اصل فوٹو کے ساتھ پاکستان مسلم لیگ ہاؤس کے فوٹو کو کتاب میں شامل کرنا بالکل فضول بلکہ بے احتیاطی کی بات ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کو جامعہ سلفیہ کے شعبۂ نشر واشاعت کے ذمہ داروں نے سنجیدگی اور توجہ سے دیکھے اور نظر ثانی کئے بغیر اپنے شعبۂ طباعت کے حوالے کردیا اور انہوں نے پاکستانی ایڈیشن کی ہو بہو نقل تیار کردی اور جامعہ سلفیہ کے ریکٹر نے عرض ناشر کے عنوان سے مقدمہ لکھ دیا اور یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ کتاب کا اسلوب اور معیار کیا ہے اس کتاب پر طویل تبصرہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بقول سلام اللہ صدیقی صاحب یہ کتاب جامعہ سلفیہ کے نصاب میں شامل کی گئی ہے۔ اگر نصابی کتابوں کی کتابت' پروف ریڈنگ اور انداز و اسلوب پر توجہ نہ دی جائے تو۔

کارِ طفلاں تمام خواہد شد

بقیہ : عقوق والدین

علی هذا كان مع النبيين والصديقين والشهداء يوم القيامة هٰكذا، ونصب أصبعيه، مالم يعق والديه (۵)

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی شہادت دی اور پنج وقتہ صلوات ادا کی اور اپنے مال کی زکوٰۃ دی اور ماہ رمضان کے صوم رکھے" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ان چیزوں پر انتقال کرے گا وہ بروز قیامت انبیاء' صدیقین اور اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش کرنے والوں کے ساتھ اس طرح ہوگا' اور آپ نے اپنی دونوں (بیچ کی اور شہادت کی) انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا۔ جب تک والدین کی نافرمانی نہ کرے۔

سبحان اللہ! ماں باپ کی خدمت واطاعت کرنے اور ان کی نافرمانی سے بچنے کا اتنا بڑا اجر وثواب کہ قیامت کے دن جس میں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا' نفسی نفسی کا عالم ہوگا' ہر شخص ایک دوسرے سے منہ چھپاتا پھرے گا۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

یقیناً آئے گا وہ دن کہ جب محشر بپا ہوگا
وہاں نہ باپ بیٹے کا نہ بیٹا باپ کا ہوگا
نہ ہمشیرہ برادر کی نہ زوجہ ہوگی شوہر کی
وہاں دہشت کے مارے بھائی سے بھائی جدا ہوگا
وہ دن آئے گا گھبرا جائیں گے جس میں پیمبر بھی
جلال حق کا طاری سب پہ اس دن دبدبہ ہوگا

ایسے حیرانی وپریشانی اور کس مپرسی کے دن میں والدین کے مطیع وفرماں بردار انبیاء' صدیقین شہداء اور صالحین کی معیت میں ہوں گے' جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام واکرام ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خدمت والدین کی توفیق دے اور قیامت کے دن انبیاء' صدیقین اور شہداء کے ساتھ رکھے (آمین) (جاری)

الترغیب والترھیب البر والصلۃ باب الترھیب من عقوق الوالدین ج ۳ ص ۳۲۲' حافظ منذری نے کہا رواہ احمد والطبرانی باسانید احدھا صحیح' ورواہ ابن خزیمہ و ابن حبان فی صحیحہما، بغیۃ الرائد فی مجمع الزوائد البر والصلۃ باب ما جاء فی العقوق ج ۸ ص ۲۴۹ امام ہیثمی نے کہا رواہ احمد والطبرانی باسانید ورجال احد اسنادی الطبرانی رجالہ رجال الصحیح۔

بقیہ : اسلامی خلافت وسیاست

غیر متعلقہ اور بے گناہ افراد اور خاندان بھی مارے گئے۔ اور نتیجہ کیا نکلا؟ صفر۔ اسی طرح کی مہم جوئی کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ ایں الفاظ تنبیہ فرمائی ہے:

لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (بخاری)

یعنی میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔

جب کسی ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ مسلمان آپس ہی میں لڑنے لگیں تو باہر والے اس کا خوب خوب فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دور صحابہ میں بھی اس طرح کی ریشہ دوانیوں کی کوششیں ہوئی تھیں مگر صحابہ کا ایمان تو پہاڑ جیسا تھا اس لئے اس سے ٹکرا کر ایسی تمام سازشیں چکنا چور ہو گئیں۔ (جاری)

مزمل حسین قاسمی

خبرنامہ

جنیوا ۱۳ر جنوری۔ دنیا بھر میں ایڈز کے آزار سے اموات کی تعداد ۱۰ر لاکھ سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔ جبکہ حقیقی تعداد اس سے کم از کم چار گنا زیادہ ہے۔ یہ اطلاع عالمی تنظیم صحت نے دی ہے۔ گذشتہ ۳۱ر دسمبر ۹۴ء تک حکومتوں کی طرف سے اقوام متحدہ کی صحت سے متعلق اس ایجنسی کو ۱۰۲۵۰۷۳ کیسوں کی اطلاع دی جا چکی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں اس مرض کی صحیح تشخیص نہ ہونے یا سرکار تک اطلاع نہ پہونچنے کی وجہ سے مذکورہ تعداد اصلیت کی عکاسی نہیں کرتی اور حقیقی تعداد غالباً ۴ء۵ یعنی ۴۵ لاکھ ہے۔ عالمی تنظیم صحت کے مطابق ایڈز کے جن کیسوں کی اطلاع دی گئی ہے۔ ان میں ۷۰ فیصد افریقہ کے ۹ فیصد امریکہ کے ۲ فیصد براعظم امریکہ کے دوسرے حصوں کے، ۶ فیصد ایشیا کے اور ۱۳ فیصد یورپ کے ہیں۔ ایڈز کے اعداد و شمار کا تعلق اموات سے ہے۔ ان میں ایڈز کے چھوت سے متاثر لوگوں کی تعداد شامل نہیں ہے۔ عالمی تنظیم صحت کا کہنا ہے کہ گذشتہ ۶ ماہ کے عرصہ میں پندرہ لاکھ افراد کو یہ چھوت کی بیماری لگ چکی ہے۔ اس کی وسعت کی شرح افریقہ میں مسلسل بڑھ رہی ہے۔ اس مرض سے متاثرہ افراد کی تعداد اب تک ۱۹۰۵ ملین (ایک کروڑ ساڑھے نوے لاکھ) ہو چکی ہے۔ ترجمان کرسٹوفر پامرل کا اندازہ ہے کہ اس دہائی کے آخر تک ایڈز سے متاثرہ لوگوں کی تعداد چار لاکھ کروڑ تک ہو جائے گی۔

روسی جارحیت کے خلاف مظاہرے

استنبول۔ کوالالمپور ۷ر جنوری، ترکی اور ملیشیا میں سیکڑوں مسلمانوں نے چیچنیا میں روسی فوجی کارروائی کے خلاف مظاہرے کئے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ ایک ہزار کے قریب مسلم حریت پسند مظاہرے میں حصہ لیتے ہوئے ترکی پولس سے متصادم ہو گئے۔ یہ مظاہرے کل جمعہ کی صلوٰۃ اور چیچنیا، بوسنیا اور فلسطین میں مارے جانے والے مسلمانوں کی غائبانہ صلوٰۃ جنازہ اور تعزیتی جلسے کے بعد شروع ہوئے تھے۔ کوالالمپور میں تقریباً ایک ہزار یونیورسٹی طلباء نے بھی جمعہ کی صلوٰۃ کی بعد ۲ گھنٹہ تک مظاہرہ کیا۔ مظاہرین نے بینر اور تختیاں اٹھا رکھیں تھیں جن میں روس کی مذمت کی گئی تھی اور فوری طور پر چیچنیا سے روسی فوجیں ہٹانے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ چیچنیا ایک مسلم اکثریتی جمہوریہ ہے جس نے ۱۹۹۱ء میں دیگر ممالک کی طرح روس سے آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ ۱۱ر دسمبر ۱۹۹۴ء کو روسی فوجوں نے اس پر روسی اتحاد کے لئے حملہ کر دیا تھا۔

دریں اثنا بورس یلتسن نے مکر و فریب کا سہارا لیتے ہوئے اپنی خفت مٹانے کے لئے کل ماسکو کے قومی سلامتی کونسل کے اجلاس میں یہ جاننا چاہا کہ بمباری روکنے کے ان کے حکم کے باوجود گروزنی پر حملے کیوں جاری ہیں۔ راجدھانی میں ہونے والی لڑائی میں روسی فوج کے ایک اعلیٰ کمانڈر میجر جنرل وکٹر ودرو بیوف پیش رفت کے دوران گولہ باری کی زد میں آکر ہلاک ہو گئے۔ یہ بھی خبر ہے کہ چیچن کے صدر جنرل دودائیف محل چھوڑ چکے ہیں۔ لیکن شہر میں موجود ہیں البتہ وہ کئی دن سے عوام کے سامنے نہیں آئے۔ تادم تحریر روسی فوجوں نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ صدر چیچن کے محل پر قابض ہو گئے ہیں لیکن اس کی تصدیق چیچن خبر رساں ایجنسی سے نہ ہو پائی ہے۔ ڈی پی اے کے مطابق ماسکو سے روس کی سو سے زیادہ مائیں اپنے نوجوان بیٹوں کو فوجی دستوں سے ہٹا کر انہیں جنگ سے دور لے جانے کے لئے چیچنیا کی راجدھانی گروزنی پہونچ گئی ہیں یہ بات فوجیوں کی ماؤں کی کمیٹی کے چیئرمین لیوبوف لیمارنے بتائی ہے۔

امریکی انتظامیہ کے ایک افسر نے بتایا کہ صدر بل کلنٹن نے مسٹر یلتسن کو بھیجے ایک خط میں ان سے اپیل کی ہے کہ چیچنیا میں بغاوت کی سرکوبی کے سلسلے میں بڑی تعداد میں بے قصور شہریوں کی ہلاکت نہ ہو۔ جنیوا سے موصول خبروں کے مطابق روس اور اقوام متحدہ نے چیچن کے پناہ گزینوں کو بین الاقوامی مدد ملنے میں تاخیر کیلئے ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرایا ہے۔ روس چاہتا ہے کہ امداد خود تقسیم کرے اور انہیں امداد نہ دے جو چیچن حکومت کے حامی ہیں۔ اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے پناہ گزیں کے ترجمان روتھ مارشل نے کہا ہے کہ امداد کی شرائط اقوام متحدہ کی ایک ٹیم کرے گی۔ ہمیں یقین ہونا چاہئے کہ امداد کی غیر جانبدارانہ تقسیم ہو۔ فی الحال اقوام متحدہ کے علاوہ ریڈ کراس ایک واحد تنظیم ہے جو جنگ سے متاثرہ لوگوں کی مدد کر رہی ہے۔

چیچن میں خاندانی قدروں کی پامالی مغربی تہذیب کی دین

بیجنگ ۵ر جنوری۔ (آئی پی۔ ایس) موصولہ اطلاعات کے مطابق اس وقت چین میں خاندانی قدروں کی پامالی ہو رہی ہے گھر گرہستی کے روایتی اقدار مٹ رہی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جوڑے شادی کے بغیر اکٹھے رہنے لگے ہیں۔ اور شادی شدہ جوڑوں میں تفریق وطلاق کی شرح میں اضافہ ہو رہا ہے اور موجودہ قانون نکاح پر نظر ثانی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ماہر عمرانیات اس صورت حال کو اس سماجی دباؤ کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کا نفاذ معاشی اصلاحات کے لئے ۱۹۴۸ء میں کیا گیا تھا۔

چین میں ہر سال طلاق کے لگ بھگ تین لاکھ واقعات پیش آتے ہیں جبکہ ۱۹۵۲ء میں طلاق و تفریق کے واقعات ۱ر لاکھ ستر ہزار تھے۔ سنگھائی کے ایک ماہر عمرانیات پروفیسر ڈینگ ییزی کا کہنا ہے کہ اگر پہلے دو انقلابوں کا تعلق سیاسی تغیرات سے تھا تو تیسرا انقلاب اصلاً ان اقتصادی اصلاحات کی وجہ سے رونما ہوا جو گذشتہ پندرہ برسوں سے لائی جارہی ہیں۔ طلاق و تفریق کے اکثر مقدمات ان عورتوں کی طرف سے دائر کئے گئے ہیں۔ جن میں اپنی شخصی اقدار کا شعور بیدار ہو گیا ہے۔ ڈینگ کا کہنا ہے کہ چینی شوہروں کی بڑھتی ہوئی تعداد "ماورائے نکاح" معاملات میں بھی ملوث ہوتی جارہی ہے۔ خصوصاً شہری علاقوں میں متمول اور کاروباری لوگ دوسرے تیسرے رشتے تک پہونچ رہے ہیں۔ ماضی میں جو لوگ (مرد و عورت) شادی شدہ جوڑوں سے جنسی تعلقات استوار کر لیتے تھے ان کو "فریق ثالث" کہا جاتا تھا اب وہ محض "ماورائے نکاح فریق" سمجھے جاتے ہیں یہ تغیرات چین میں اقدار کے بحران کے آئینہ دار ہیں۔

رابطہ عالمی اسلامی: نئے منصوبے

مکہ مکرمہ: رابطہ عالمی اسلامی گذشتہ سال کئی محاذوں پر سرگرم عمل رہا ہے جہاں ایک طرف اس نے سیاسی میدان میں مسلم ممالک کے مفاد کی ترجمانی کی اور بوسنیا، کشمیر، فلسطین اور اب چیچنیا کے مسلمانوں کے مسائل کی عالمی سطح پر وکالت کی ہے وہیں اقتصادی اور تہذیبی میدان میں بھی نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے۔

حال میں رابطہ کے ترجمان نے مسجد اقصیٰ کا سوال اٹھایا ہے جبکہ "معراج" اور "اسریٰ" کا سالانہ جشن قریب تر ہے اور اس کا تعلق مسجد اقصیٰ قبلہ اول کے ساتھ ہے جو اب بھی اسرائیلی کنٹرول میں ہے اور اس پر کھدائی کے ذریعہ یہودیوں کا حملہ جاری ہے۔ نیز اسرائیلی حکام کے ذریعہ اس کے اوقاف کو ضبط کیا جا رہا ہے۔ یہ تمام باتیں اقوام متحدہ کے قرارداد کی سخت خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ مسلم احساس کو مجروح کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں۔ ترجمان نے تنبیہاً وارننگ دی ہے کہ مسجد اقصیٰ اور اسلامی مقدسات کے خلاف اسرائیل کی جارحانہ پالیسی مقبوضہ فلسطین میں تشدد کو بڑھائے گی اور مطالبہ کیا کہ مسجد اقصیٰ ما قبل کی طرح مسلمانوں کی تحویل میں دے دی جائے۔

ثقافتی سطح پر رابطہ نے نئی اسلامی کتب کا سلسلہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ کتابیں "The Future Generation" (آنے والی نسل) کے عنوان سے شائع ہوں گی۔ جو نوجوان نسل کی دینی وثقافتی ضروریات کو پورا کریں گی۔ ڈاکٹر عبداللہ سعد کی تحریر کردہ The Basic Facts of Islam (مبادیات اسلام) اس سلسلے کی پہلی کتاب ہے۔ رابطہ انفارمیشن اینڈ کلچر کے جنرل ڈائرکٹر محمد محمود حافظ جن کی نگرانی میں یہ پروگرام شروع ہوا ہے کا کہنا ہے کہ اس پہلی کتاب میں اسلام سے متعلق ۳۰ حقائق کا بیان ہے۔

جدہ: اسلامی کانفرنس تنظیم کے تحت قائم شدہ اسلامی اتحاد فنڈ

(Islamic Solidarity Fund) جو دوسری اسلامی چوٹی کانفرنس کے دوران لاہور میں ۱۹۷۴ء میں قائم ہوا تھا۔ اب عالمی سطح پر مسلمانوں کی اقتصادی بہبودی میں لگا ہوا ہے۔ مساجد، اسکول، ہسپتال اور رفاہ عام کی تعمیرات میں شرکت کرکے مسلمانوں کی سماجی و ثقافتی سطح بلند کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اس فنڈ کے لئے ایک مستقل کونسل ہے۔ جس میں تیرہ اسلامی ممالک کے مندوبین شامل ہیں۔ اور یہ کونسل اسلامی کانفرنس تنظیم کے وزراء خارجہ کو جواب دہ ہے۔ یہ کونسل منصوبہ بناتی ہے اور اسے اسلامی کانفرنس تنظیم کی مجلس تنفیذی عمل میں لاتی ہے۔ مجلس تنفیذی کا ڈائرکٹر جنرل OIC کے ذریعہ مقرر کیا جاتا ہے۔ اس فنڈ کے ذرائع زیادہ تر ممبر ممالک کی زکوۃ سے حاصل شدہ رقوم ہیں۔ ISF کا ہیڈ کوارٹر جدہ میں ہے۔

اسلامی بینک کی جست

مکہ مکرمہ: اسلامی بینک اب عالم اسلام کی پچاس فیصد بچت کا انتظام وانصرام کر رہے ہیں۔ اسلامی بینکوں کی افزائش، اسلام کی بڑھتی ہوئی آگاہی یا اسلامی بنیاد پرستی کی عکاس نہیں ہیں بلکہ عالم اسلام میں اقتصادی ترقی کی آئینہ دار ہیں جس میں کثیر تیل کی دولت بھی شامل ہے۔ اسلامی بینکنگ اور اقتصاد کے سمنار میں تقریر کرتے ہوئے چیرمین و منیجنگ ڈائرکٹر جناب عدنان البحر نے انکشاف کیا کہ اب اسلامی بینکوں میں دنیا بھر کے صارفین حصہ لے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی بینک ایک صنعت بن چکی ہے۔ جو صرف پندرہ سال پرانی ہے لیکن تقریباً ۷۰ سے ۸۰ بلین ڈالر کا انتظام وانصرام کر رہی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ مغربی ممالک اور روایتی بینکوں کا نظریہ اسلامی بینک کے متعلق بدل رہا ہے متحدہ عرب امارات کے وزیر اقتصادیات و صنعت جناب محمد خلفان بن خرباش نے کہا کہ اب اسلامی بینک عالم معیشت میں ایک طاقت کی حیثیت سے ابھر رہے ہیں۔ اور یہ روایتی و کمرشیل بینکوں کے عین بالمقابل ہیں۔

ایم، اے، اے، ایس کی تقریب

بمبئی: حکومت ہند کے منصوبہ بندی کی کمیشن اور مشہور سائنس داں ڈاکٹر ظہور قاسم نے M.A.A.S. کی سالانہ تقریب جو سائنس کی تعلیم اور تحقیقات میں مصروف نوجوان اسکالرز اور سائنسدانوں کی حوصلہ افزائی کی غرض سے یہاں منعقد کی گئی تھی میں کہا کہ سائنس کے ذریعہ انسان کی زندگی میں سادگی اور آسانی آتی ہے۔ سائنس کی تیار کردہ چیزوں کو حاصل کرنے کی دھن میں لوگوں کی زندگی زیادہ سے زیادہ پیچیدہ اور دشوار ہو گئی ہے اور سائنسی انکشافات کا مفید پہلو اوجھل ہو کر رہ گیا ہے۔

ڈاکٹر قاسم نے عام تعلیم میں مسلمان بچوں کی بے توجہی اور عدم دلچسپی پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ابتدائی درجوں میں داخل ہونے والے مسلمان بچے اور بچیوں کی تعداد مشکل سے پانچ اور دو فیصد میٹریکولیشن تک پہونچ پاتی ہے۔ ورنہ باقی بیچ ہی میں پڑھائی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس سنگین صورت حال پر متعلقہ اداروں اور تنظیموں کو توجہ دینی چاہئے۔

مولانا بدرالزماں نیپالی کو صدمہ

مولانا بدرالزماں نیپالی ایم اے سابق مدرس جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی کے والد ماجد جناب محمد شفیع صاحب مورخہ ۱۵ر نومبر ۱۹۹۴ء بروز منگل تین بجے دن، عمر ۶۵ سال اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف سدھار گئے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

موصوف اسلامی احکام و شعائر کے پابند، نیک مزاج اور سلیم الطبع بزرگ تھے علم دین سے گہرا شغف رکھتے تھے اپنے گاؤں میں ایک عربی مدرسہ بھی قائم کیا تھا جس میں پرائمری کے ساتھ ابتدائی عربی درجات کی تعلیم کا نظم ہے۔

صدر مرکز حفظہ اللہ سے قرابت داری کا تعلق تھا مرکز کو اپنی تشریف آوری سے متعدد بار نواز چکے تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی سیئات کو درگذر فرمائے اور انہیں اعلی علیین میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے اللھم اغفرلہ ورحمہ۔

مرکز اور اس کے ادارے اور ادارہ "التوعیہ" مولانا بدرالزماں صاحب نیپالی کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

(ادارہ)

نادی الطلبہ
معہد ابی بکر صدیق گاندھی نگر بستی
کا یک روزہ سالانہ اجلاس

مرکز ابوالکلام آزاد للتوعیہ الاسلامیہ "نئی دہلی کے تحت چلنے والے ادارہ "جامعہ اسلامیہ سنابل "نئی دہلی کی شاخ معہد ابی بکر صدیق گاندھی نگر، بستی کے طلبہ کی انجمن "نادی الطلبہ" کا ایک روزہ سالانہ تقابلی اجلاس مورخہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۹۴ء بروز چہار شنبہ منعقد ہوا۔ اجلاس میں شہر بستی اور اس کے اطراف واکناف کے تعلیمی اداروں کے اساتذہ و معلمین نیز معہد ابی بکر صدیق گاندھی نگر، بستی وابوالکلام آزاد اسکول کے اساتذہ و کارکنان نے شرکت فرماکر طلبہ کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

اجلاس کی مختلف نشستوں کی صدارت مولانا عبدالحکیم صاحب سلفی، مولانا نورالہدی صاحب اور ماسٹر اکرام الحق صاحب نے کی۔ حکم کے فرائض اساتذہ معہد ابی بکر صدیق گاندھی نگر، بستی اور ابوالکلام آزاد اسکول گاندھی نگر، بستی کے علاوہ مولانا عبدالباری اور مولانا عبدالرحمن قاسمی وغیرھم نے انجام دیئے۔ اجلاس کا اختتامی پروگرام ۸ر بجے شب ہوا جس میں تلاوت قرآن مجید کے بعد "نادی الطلبہ" کا مختصر تعارف وسپاسنامہ پیش کیا گیا پھر طلبہ نے قرأت نیز عربی، اردو، ہندی اور انگریزی تقریروں کے چند نمونے پیش کئے اس کے بعد مہمانان گرامی نے طلباء کو اپنے گراں قدر نصائح سے نوازا۔ اول، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ انعامات سے نوازے گئے۔
جن کی فہرست حسب ذیل ہے:

مقابلہ "قرأت" ادنیٰ تعداد شرکاء: ۵

۱۔ کفایت اللہ — محب اللہ — اول
۲۔ صلاح الدین — شہاب اللہ — دوم
۳۔ عنایت اللہ — شوکت علی — سوم

مقابلہ "قرأت" اولیٰ متوسطہ تعداد شرکاء: ۴

۱۔ افکار احمد — شفیق اللہ — اول
۲۔ جاوید اختر — محمد شریف — دوم
۳۔ تبارک اللہ — رحمت اللہ — سوم

مقابلہ "اردو تقریر" ادنیٰ تعداد شرکاء: ۱۰

۱۔ محمد الیاس — محمد سہراب — اول
۲۔ ریاض احمد — عبدالحئی — دوم
۳۔ محمد احمد — شہاب الدین — سوم

مقابلہ "اردو تقریر" اولیٰ متوسطہ تعداد شرکاء: ۹

۱۔ فیضان احمد — محمد رضا — اول
۲۔ جاوید اختر — محمد شریف — اول
۳۔ ابرار احمد — بعیک اللہ — دوم
۴۔ عبدالمعبود — لعل زادے — دوم
۵۔ محمود احمد — شمس اللہ — سوم
۶۔ عبدالنور — عبدالقدوس — سوم

مقابلہ "ہندی" تقریر ادنیٰ و اولیٰ متوسطہ تعداد شرکاء: ۵

۱۔ محمد صابر — عبدالوہاب — اول
۲۔ عزیز الرحمن — عطاء اللہ — دوم
۳۔ صلاح الدین — کتاب اللہ — سوم

مقابلہ "انگلش" تقریر اولیٰ متوسطہ تعداد شرکاء: ۴

۱۔ فضل الرحمن — محمد عباس — اول
۲۔ مطیع اللہ — محمد نذیر — دوم
۳۔ محمد اشرف — محمد یعقوب — سوم

المعلن: فیضان احمد محمد رضا
ناظم نادی الطلبہ معہد ابی بکر صدیق بستی

مرکز "ابوالکلام آزاد" للتوعیۃ الاسلامیہ، نئی دہلی

کے ماتحت تعلیمی اداروں میں داخلے

برائے تعلیمی سال ۱۹۹۵ — ۱۹۹۶ء

جامعہ اسلامیہ - ابوالفضل انکلیو ۲ - نئی دہلی

اس سال جامعہ میں اولیٰ ثانویہ سے عالیہ تک داخلہ ہوگا۔
ثانویہ اور عالیہ کے آخری سال (چھٹی اور آٹھویں) میں داخلہ نہیں ہوگا۔

معہد التعلیم الاسلامی - جوگا بائی، نئی دہلی

اس سال معہد میں اولیٰ متوسط (پہلی جماعت) سے ثالثہ متوسط (تیسری جماعت) تک داخلہ ہوگا۔

شرائطِ داخلہ :-

(۱) اولیٰ متوسط (پہلی جماعت) کے امیدوار کے لیے جماعت ادنیٰ (عربی) درجہ ششم (پرائمری) کی لیاقت (قرآن پاک ناظرہ ختم، اردو لکھنے پڑھنے، ہندی، انگریزی، حساب، اور معلومات عامہ وغیرہ) ضروری ہے۔

(۲) پہلی جماعت میں ۱۱، دوسری میں ۱۲، تیسری میں ۱۳، چوتھی میں ۱۴، پانچویں میں ۱۵، ساتویں میں ۱۷ سال سے زائد عمر کا طالب علم نہیں لیا جائے گا۔

(۳) کسی بھی درجہ میں داخلہ کے لیے ضروری ہے کہ طالب علم معہد کے نصابِ تعلیم کے معیار پر پورا اترے۔

(۴) ہر امیدوار کو فارم داخلہ کے ساتھ اپنا خارجہ (T.C.) اور کیرکٹر سرٹیفکٹ سابق مدرسہ کے ناظم اور صدر مدرس کے دستخط کے ساتھ پیش کرنا ضروری ہے۔

(۵) امتحان داخلہ میں بیٹھنے کی اجازت صرف اس طالب علم کو ہوگی جو فارم داخلہ کی مکمل اور صحیح خانہ پُری کر چکا ہو۔ تحقیق کے بعد اگر اندراجات کے خلاف کوئی بات معلوم ہوئی تو داخلہ کالعدم کیا جا سکتا ہے۔

(۶) درجہ کی تعیین اور داخلہ کا قطعی فیصلہ امتحانی بورڈ کی رپورٹ ہی پر ہوگا۔

(۷) داخلہ کے وقت ہر طالب علم کو مبلغ دوسو روپے زرِ ضمانت اور ایک سو روپے نادی الطلبہ اور کھیل کی فیس جمع کرنا ہوگا۔

نوٹ :- امتحان داخلہ ۹ر شوال سے شروع ہوکر ۱۴ر شوال تک جاری رہے گا۔

معہد عثمان بن عفان لتحفیظ القرآن الکریم، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

شرائط داخلہ :-

(۱) اس مدرسہ میں وہی امیدوار لیا جا سکتا ہے جو قرآن مجید ناظرہ صحیح مخارج اور روانی کے ساتھ پڑھ سکے۔

(۲) ہر امیدوار کو فارم داخلہ کے ساتھ اپنا خارجہ (T.C.) اور کیرکٹر سرٹیفکٹ سابق مدرسہ کے ناظم اور صدر مدرس کے دستخط کے ساتھ پیش کرنا ضروری ہے۔

(۳) امتحان داخلہ میں بیٹھنے کی اجازت صرف اس طالب علم کو ہوگی جو فارم داخلہ کی مکمل اور صحیح خانہ پُری کر چکا ہو، تحقیق کے بعد اگر اندراجات کے خلاف کوئی بات معلوم ہوئی تو داخلہ کالعدم کیا جا سکتا ہے۔

(۴) داخلہ کے وقت ہر طالب علم کو مبلغ دوسو روپے زرِ ضمانت اور ایک سو روپے نادی الطلبہ اور کھیل کی فیس جمع کرنا ہوگا۔

نوٹ :- امتحان داخلہ ۹ر شوال سے شروع ہوکر ۲۰ر شوال تک جاری رہے گا۔

سکریٹری
ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر

[illegible]

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی
کے
مختلف اداروں کے لیے باصلاحیت افراد کی ضرورت

۱۔ جامعہ اسلامیہ سنابل

(الف) تفسیر اور علوم قرآن کی تدریس کے لئے ایک مدرس۔ — مشاہرہ ۳۰۰۰/- سے ۴۰۰۰/- روپے تک حسب صلاحیت و تجربہ

(ب) عربی زبان و ادب کی تدریس کے لئے ایک مدرس جسے عربی لکھنے اور بولنے اور انشاء و ترجمہ پر قدرت ہو۔ — 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

(ج) بی اے معیار کی انگریزی زبان و ادب کے لئے ایک مدرس۔ — 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۲۔ معہد التعلیم الاسلامی، جوگابائی

(الف) عربی قواعد (نحو و صرف) ترجمہ و انشاء کے لئے ایک مدرس۔ — مشاہرہ ۲۰۰۰/- سے ۳۰۰۰/- تک حسب صلاحیت و تجربہ

(ب) اسلامی علوم حدیث و فقہ و تفسیر اور توحید کیلئے ایک مدرس۔ — 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۳۔ معہد عثمان بن عفان لتحفیظ القرآن الکریم سنابل

دو حافظ و مجود جو حفظ و تجوید کا تجربہ رکھتے ہوں اور علم تجوید کی تدریس کا فریضہ انجام دے سکیں۔ — مشاہرہ ۲۰۰۰/- سے ۳۰۰۰/- تک حسب صلاحیت و تجربہ

۴۔ دفتر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی:

(الف) صدر کے آفس کے لئے ایک سکریٹری جو اردو، عربی اور انگریزی یا ان میں سے دو زبانوں میں خط و کتابت کی صلاحیت رکھتا ہو۔ خوشخط کو ترجیح دی جائے گی۔ — مشاہرہ ۲۰۰۰/- سے ۳۰۰۰/- تک حسب صلاحیت و تجربہ

(ب) دو آفس سکریٹری جو اردو، عربی، انگریزی یا تینوں میں سے دو زبانوں میں خط و کتابت کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ — 〃 ۲۰۰۰/- سے ۳۰۰۰/- تک 〃 〃 〃

(ج) ایک ٹائپسٹ جو عربی اور انگریزی کی ٹائپنگ میں مہارت رکھتا ہو۔ — 〃 ۱۵۰۰/- سے ۲۵۰۰/- تک 〃 〃 〃

(د) ایک شخص جو دفتری کاغذات کی فائلنگ کا تجربہ رکھتا ہو۔ — 〃 ۱۰۰۰/- سے ۱۵۰۰/- تک 〃 〃 〃

(ہ) ایک فاضل جو عربی اور انگریزی لکھنے اور دونوں زبانوں سے اردو اور اردو سے ان دونوں زبانوں میں ترجمہ کی صلاحیت رکھتا ہو۔ — 〃 ۳۰۰۰/- سے ۴۰۰۰/- تک 〃 〃 〃

(و) دفتر استقبالیہ کے لئے ایک ایسا فاضل جو اردو، عربی اور انگریزی بولنے پر قدرت رکھتا ہو۔ — 〃 ۳۰۰۰/- سے ۴۰۰۰/- تک 〃 〃 〃

(ز) ایک رابطہ آفیسر (مدیر علاقات عامہ) جو اردو، عربی اور انگریزی لکھنے اور بولنے پر قدرت رکھتا ہو۔ — 〃 ۳۰۰۰/- سے ۴۰۰۰/- تک 〃 〃 〃

(ج) شاخہائے مرکز (بستی، بمبئی، علی گڑھ اور لکھنؤ) کے لئے ایک ایک منیجر، ناظم جو عالم دین ہو اور جسے دینی اداروں کے نظم و انصرام (ایڈمنسٹریشن) کا تجربہ ہو۔ ۳۰ سال سے زیادہ عمر اور اردو کے ساتھ انگریزی اور عربی جاننے والے اور حساب و کتاب سے واقفیت رکھنے والے کو ترجیح دی جائے گی۔ — مشاہرہ ۲۵۰۰/- سے ۴۰۰۰/- تک — حسب صلاحیت و تجربہ

۵۔ شعبۂ تعمیرات :

(الف) دو تجربہ کار انجینئر (بی ٹی) جو سنٹر کی دہلی اور بیرون دہلی عام تعمیرات و مساجد کی فنی نگرانی اور بل کی چیکنگ کا تجربہ رکھتے ہوں۔ — مشاہرہ ۳۵۰۰/- سے ۵۵۰۰/- تک — حسب صلاحیت و تجربہ

(ب) تین سائٹ انچارج جو زیر تعمیر بلڈنگوں کی نگرانی کر سکیں۔ — 〃 ۱۰۰۰/- سے ۱۵۰۰/- تک — 〃 〃 〃

۶۔ مجلس الفقہ الاسلامی:

○ دو ایسے فاضل جو اسلامی موضوعات پر تصنیف و تالیف اور فقہ و فتاویٰ کا عمدہ ذوق رکھتے ہوں۔ — مشاہرہ ۳۰۰۰/- سے ۴۰۰۰/- تک — حسب صلاحیت و تجربہ

۷۔ آڈیو کیسٹ لائبریری:

(الف) ایک تجربہ کار ٹیکنیکل شخص۔ — مشاہرہ ۱۵۰۰/- سے ۲۵۰۰/- تک — حسب صلاحیت و تجربہ

(ب) ایک منیجر۔ — 〃 ۲۰۰۰/- سے ۴۰۰۰/- تک — 〃 〃 〃

سہولیات :

۱۔ مستقل ہونے کے بعد سالانہ اضافہ۔

۲۔ تنہا قیام و طعام اور سنٹر کی ڈسپنسری سے دوا و علاج اور مرکز کے ماتحت چلنے والے اسکولوں اور مدرسوں میں داخلہ کے لائق بچوں اور بچیوں کے لئے تعلیم کی سہولیات دی جائیں گی اور ان سب کے عوض صرف دس فیصد مشاہرہ سے وضع کیا جائے گا۔

نوٹ

(۱) عقیدہ و مسلک میں اہل حدیث امیدوار کو ترجیح دی جائے گی۔

(۲) خواہش مند حضرات اپنی درخواستیں اسانید کی نقول اور تین عدد فوٹو کے ساتھ سکریٹری کے نام درج ذیل پتہ پر ارسال کریں۔ اور اصل کاغذات ساتھ لائیں۔

(الف) جامعہ اسلامیہ، معہد التعلیم الاسلامی، معہد عثمان بن عفان لتحفیظ القرآن الکریم اور مجلس الفقہ الاسلامی کیلئے انٹرویو بروز سوموار ۶ر فروری ۹۵ء بوقت ۹ بجے دن ہوگا۔

(ب) شعبۂ تعمیرات کیلئے انٹرویو ۴ر فروری ۹۵ء بروز سنیچر بوقت ۱۰ بجے دن ہوگا۔

(ج) بقیہ شعبوں کے لئے انٹرویو ۷ر فروری ۹۵ء بروز منگل بوقت ۹ بجے دن ہوگا۔

(د) سارے انٹرویو مرکز کے ہیڈ آفس میں ہوں گے۔

سکریٹری ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر

۴۔ جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

فون : ۶۸۴۲۹۲۰ - ۶۸۲۱۸۵۶

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کی شاخ

معہد ابی بکر صدیق (متوسطۃ) بستی کے لیے

افراد کی ضرورت

۱۔ عربی قواعد (نحو و صرف و بلاغت) اور انشاء و ترجمہ کے لئے ایک مدرس۔ مشاہرہ ۱۵۰۰/= سے ۲۵۰۰/= تک حسب صلاحیت و تجربہ

۲۔ اسلامی علوم، حدیث و فقہ و تفسیر و توحید کے لئے ایک مدرس 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۳۔ عصری علوم کی تدریس کے لئے ایک مدرس۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۴۔ ایک حافظ و مجود جو تجوید کی تدریس کا فریضہ انجام دے سکے۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

سہولیات :

۱۔ مستقل ہونے کے بعد سالانہ اضافہ

۲ ۔ تنہا قیام و طعام اور بستی برانچ کی ڈسپنسری سے دوا و علاج اور مرکز کے اسکولوں اور مدرسوں میں داخلہ کے لائق بچوں اور بچیوں کے لئے مفت تعلیم کی سہولیات دی جائیں گی اور ان سب کے عوض دس فیصد مشاہرہ سے وضع کیا جائے گا۔

نوٹ:

(۱) عقیدہ و مسلک میں اہل حدیث امیدوار کو ترجیح دی جائے گی۔

(۲) خواہش مند حضرات اپنی درخواستیں اسانید کی نقول اور تین عدد فوٹو کے ساتھ انچارج ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر (بستی برانچ) گاندھی نگر نزد ٹاؤن کلب بستی ۲۷۲۰۰۱ (یوپی) فون نمبر ۲۲ کے پتہ پر بھیجیں اور انٹرویو کے وقت اصل کاغذات اپنے ساتھ لائیں۔

۳۔ انٹرویو ۱۶ر فروری ۹۵ء بروز جمعرات بوقت ۹ بجے دن بستی برانچ میں ہوگا۔

سکریٹری ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر
۴۔ جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

اسلامک ریسرچ اکیڈمی، نئی دہلی

کے لیے

افراد کی ضرورت

۱۔ دو ایسے افراد جو عربی اور اردو کتابوں کی پروف ریڈنگ اور پریس میں کام کرانے کا تجربہ رکھتے ہوں۔	مشاہرہ	=/۱۵۰۰ سے =/۲۵۰۰ تک	حسب صلاحیت و تجربہ
۲۔ ایک ایسا شخص جو مکتبہ چلانے کا تجربہ رکھتا ہو۔	"	=/۱۵۰۰ سے =/۲۵۰۰ تک	" " "
۳۔ ایک آدمی جو اردو، عربی اور انگریزی ٹائپنگ کا تجربہ رکھتا ہو۔	"	=/۱۵۰۰ سے =/۲۵۰۰ تک	" " "

سہولیات

۱۔ مستقل ہونے کے بعد سالانہ اضافہ۔

۲۔ تنہا قیام و طعام اور ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر کی ڈسپنسری سے دوا و علاج کی سہولیات دی جائیں گی۔ اور اس کے عوض دس فیصد مشاہرہ سے وضع کر لیا جائے گا۔

نوٹ

۱۔ عقیدہ و مسلک میں اہلحدیث امیدوار کو ترجیح دی جائے گی۔

۲۔ خواہش مند حضرات اپنی درخواستیں اسانید کی نقول اور تین عدد فوٹو کے ساتھ سکریٹری کے نام درج ذیل پتہ پر بھیجیں اور انٹرویو کے وقت اصل کاغذات ہمراہ لائیں۔

۳۔ انٹرویو ۱۵ فروری ۹۵ء بروز بدھ بوقت ۱۰ بجے دن ہوگا۔

سکریٹری اسلامک ریسرچ اکیڈمی

۱۶۱ سی-۳ جوگا بائی، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

فون : ۶۸۲۱۸۲۷

اپیل

رمضان ۱۴۰۰ھ ’جولائی ۱۹۸۰ء میں ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں ”ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر“ کے نام سے ایک دینی ’تعلیمی ’تربیتی ’دعوتی اور رفاہی ادارہ قائم کیا گیا۔ اللہ کی توفیق و نصرت سے اب یہ ملک کا ایک نمایاں ادارہ بن چکا ہے اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلامی اور عربی علوم و معارف کے ساتھ اس میں عصری علوم و فنون کی تدریس و تعلیم بھی ہوتی ہے۔ یہاں نونہالان ملت کی دینی تربیت اور ان کی اخلاقی نشو و نما پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ اللہ کا بے پایاں شکر و احسان ہے کہ اس وقت سنٹر کے ماتحت حسب ذیل ادارے دہلی اور دہلی سے باہر پورے ملک میں اپنی بساط بھر اسلام اور اس کی سچی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے لئے سرگرم عمل ہیں۔

سنٹر کے موجودہ شعبہ جات و ادارے۔

دہلی میں | (۱) جامعہ اسلامیہ ’سنابل (۲) معہد التعلیم الاسلامی ’جوگابائی (۳) معہد عثمان بن عفان لتحفیظ القرآن الکریم ’سنابل (۴) ابوالکلام آزاد بوائز اسکول ’جوگابائی (۵) خدیجۃ الکبریٰ گرلس اسکول ’جوگابائی (۶) شعبۂ صنعت و حرفت (معہد المهن والصناعات) سنابل (۷) شعبۂ کمپیوٹر (عربی ’انگلش ’اردو) جوگابائی (۸) شعبۂ آڈیو ’ویڈیو ’جوگابائی (۹) تعلیمی و تربیتی کمیٹی ’جوگابائی (۱۰) مجمع البحوث العلمیہ الاسلامیہ (اسلامک سائنٹیفک ریسرچ اکیڈمی) جوگابائی (۱۱) مجلس الفقہ الاسلامی ’جوگابائی (۱۲) شعبۂ دعوت و تبلیغ ’جوگابائی (۱۳) ادارہ بناء المساجد و تدریب الائمہ والخطباء ’جوگابائی (۱۴) جمعیہ خیریہ اسلامیہ (اسلامک ویلفیر سوسائٹی) جوگابائی (۱۵) ابوالکلام آزاد ریلیف کمیٹی ’جوگابائی (۱۶) چیری ٹیبل ڈسپنسری ’جوگابائی (۱۷) چیری ٹیبل ڈسپنسری ’سنابل (۱۸) جنرل لائبریری ’ذاکر نگر (۱۹) شعبۂ اکاؤنٹ ’جوگابائی (۲۰) شعبۂ قانونی امور ’جوگابائی (۲۱) شعبۂ تعمیرات و جائداد ’جوگابائی

بیرون دہلی | (۱) شعبۂ تعلیم و دعوت و تبلیغ و رفاہ عام ’بمبئی (مہاراشٹر) (۲) معہد التعلیم الاسلامی ’بستی (یوپی) (۳) ابوالکلام آزاد بوائز اسکول ’بستی (یوپی) (۴) خدیجۃ الکبریٰ گرلس اسکول ’بستی (یوپی) (۵) کوچنگ کلاس برائے اسلامیات ’بستی (یوپی) (۶) چیری ٹیبل ڈسپنسری ’بستی (یوپی) (۷) کلیہ البنات الاسلامیہ ’کینسرہی بازار ’گونڈہ (یوپی) (۸) دارالعلوم ’جوریہ (آسام) (۹) مدرسہ سلفیہ ’ستدوا ’سدھارتھ نگر (یوپی) (۱۰) مدرسہ مصباح العلوم ’تلسئری (یوپی) (۱۱) معہد التعلیم الاسلامی ’پورا کیبہار (بہار) (۱۲) جامع مسجد و مدرسہ محمدیہ ’گور ’بستی (یوپی) (۱۳) المعہد العالی للدعوۃ الاسلامیہ ’علی گڑھ (یوپی) (۱۴) معہد الصالحات ’اونرہوا ’گونڈہ (یوپی) (۱۵) دارالسلام ’گوہانہ

مذکورہ بالا اداروں میں ایک سو ستہتر (۱۷۷) اساتذہ اور دوسرے کارکن پوری دلچسپی اور لگن کے ساتھ کام کر رہے ہیں اور تقریباً ڈھائی ہزار بچے اور بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ اور پانچ سو چار بیرونی طلباء ہیں جن کی مکمل کفالت مرکز کرتا ہے۔ مرکز کا اس سال کا سالانہ تعلیمی بجٹ ساٹھ لاکھ (=/۶۰۰۰۰۰۰) روپے ہے۔ اس بجٹ کی فراہمی کے لئے امسال رمضان کے مبارک مہینہ میں سنٹر کے درج ذیل نمائندے ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ کریں گے۔ انشاء اللہ

مولانا یار محمد صاحب سلفی

دہلی ’آگرہ ’مالیگاؤں ’ناندیڑ ’اورنگ آباد ’احمد نگر ’شولاپور ’تھانہ ’بھیونڈی ’کلیان ’بسئی ’پالیہ ’نگوی ’بھاگاؤں ’سودا ’روہا ’کھیرا ’چوردا ’بمبئی و مضافات۔

مولانا نثار احمد صاحب سلفی

(مشرقی یوپی میں) مئوناتھ بھنجن کلال گوپال گنج نرائن گر بنارس گھوسی ابینی پور روہنا مئو آئمہ املو مبارکپور۔
(بنگال میں) آسنسول کلکتہ (مغربی یوپی میں) میرٹھ سکندر آباد بلند شہر حاتم آباد نیالہ بھوجپور مرلو آباد شکوہ آباد اٹاوہ قنوج کانپور لکھنؤ وغیرہ۔

مولانا شمیر الدین صاحب سلفی

دھولپور باڑی گنگاپور سٹی سوائی مادھوپور کیشورائے پاٹن کوٹہ ساکیت بیگوں بھیلواڑہ گلاب پورہ بھنائے کیکڑی سواز نصیر آباد جے پور جھنجھنو کھنڈیلہ فتح پور سیکر کاڑلو ڈیڈوانہ کرانہ جیتارن جودھپور و ہریانہ کے علاقے۔

مولانا فضل الرحمن صاحب سلفی

آرہ داناپور پٹنہ مظفر پور سیتامڑھی دربھنگہ مدھونی بھوارہ مدھوپور گریڈیہہ ڈالھا کینڈ رام پورہ نرائن پور گھیریاواں کھریا دھنباد مدن پور و بہار کے دیگر علاقے۔

امید کہ رمضان کے اس بابرکت مہینہ میں آپ اور دیگر ہمدردان و مخلصین جماعت وملت خود بھی بھرپور تعاون کریں گے۔ اور اپنے احباب و متعارفین کو بھی زیادہ سے زیادہ تعاون پر آمادہ فرمائیں گے۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا (المزمل: ۲۰)
(جو خیر تم اپنے لئے آگے بھیجوگے اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں زیادہ پاؤگے)

اپیل کنندگان

۱۔ عبدالحمید رحمانی صدر ۲۔ سید عبدالقدوس نقوی (دہلی) ممبر ۳۔ محمد یونس (بنارس) نائب صدر
۴۔ عاشق علی اثری جنرل سکریٹری ۵۔ عبداللطیف (بنارس) نائب سکریٹری ۶۔ شیخ عطاء الرحمن مدنی خازن
۷۔ ڈاکٹر زاہد حسین خان (دہلی) ممبر ۸۔ شیخ صلاح الدین مقبول احمد ممبر ۹۔ شیخ عمر بن احمد ملیباری ممبر
۱۰۔ الحاج محمد عبیداللہ (مدراس) ممبر ۱۱۔ سید محمد عبدالسمیع مدنی (بہار) ممبر ۱۲۔ عبدالستار رحمانی (مالدہ) ممبر
۱۳۔ فرید احمد (بستی) ممبر ۱۴۔ فصیح الدین خان (گونڈہ) ممبر ۱۵۔ عبدالکریم سلفی (دہلی) ممبر

مرکز کا اکاؤنٹ نمبر اور بینک

صرف درج ذیل نام ہی سے ڈرافٹ یا چیک بنوایا جائے۔

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر	ABULKALAM AZAD ISLAMIC AWAKENING CENTRE
اکاؤنٹ نمبر ۷۳۴	A/C734
سنٹرل بینک آف انڈیا	CENTRAL BANK OF INDIA
جامعہ نگر نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵	JAMIA NAGAR NEW DELHI-110025

مراسلت کا پتہ: دفتر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر ۴ جوگابائی نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

ABUL KALAM AZAD ISLAMIC AWAKENING CENTRE
4-JOGABAI NEW DELHI-110025 PH: 6842920, 6821856

ماہنامہ التوعیۃ نئی دہلی

فروری، مارچ ۱۹۹۵ء مطابق رمضان، شوال ۱۴۱۵ھ

بدل اشتراک

خصوصی ممبر (سالانہ) ۱۵۰۰/۰۰ روپے
ہمدرد (سالانہ) ۵۰۰/۰۰ روپے
عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۰۰/۰۰ روپے
ششماہی ۵۵/۰۰ روپے

پاکستان وبنگلہ دیش
عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۲۵/۰۰ روپے

غیر ممالک سے
۳۵ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی

خط وکتابت کا پتہ
ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی
۳-C/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵
AL-TAUIYAH Monthly
161/C-3 Joga Bai
New Delhi - 110025
فون: ۶۸۲۱۸۲۷

پرنٹر وپبلشر محمد الیاس سلفی نے الفا آفسیٹ پرنٹنگ پریس سے چھپواکر ماہنامہ "التوعیہ" ۳-C/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب

فکر و نظر

ابن احمد نقوی

چیچنیا - آزادی کا خواب

لوک مانیہ تلک نے کہا تھا "آزادی میرا پیدائشی حق ہے"۔ ان کا یہ مقولہ ہماری تحریک آزادی کا ایک انقلابی نعرہ بن گیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے جب وہ شدید بیماری کے عالم میں لندن کانفرنس میں شریک تھے انگریز مدبرین کے روبرو تقریر کرتے ہوئے کہا تھا "میں ایک غلام ملک (ہندوستان) میں واپس نہیں جاؤں گا۔ اگر آپ مجھے آزادی نہیں دیتے تو آپ کو اپنے ہاں مجھے ایک قبر کے لئے جگہ دینا ہوگی"۔ تقدیر کا کرشمہ دیکھئے کہ مولانا کا اسی دوران لندن میں انتقال ہوگیا اور اپنے اعلان کے مطابق وہ غلام ملک میں واپس نہیں لوٹے ان کی میت فلسطین لے جائی گئی اور وہیں ان کی تدفین عمل میں آئی اسے تقدیر کی بدترین ستم ظریفی ہی کہا جائے گا کہ جو شخص اپنے وطن کی غلامی کے سبب وہاں لوٹنا پسند نہیں کرتا تھا اور اس کے بالمقابل ایک آزاد ملک میں قبر کا طالب تھا وہ آج ایسی جگہ دفن ہے جہاں ایک مدت سے صہیونی غلامی کا پرچم لہرا رہا ہے اور خود اس کا وطن آزاد ہو چکا ہے۔ وہ مرد مومن جو سرتاپا جذبات تھا اسے صلیبی غلامی پسند نہ تھی آج اس کی خاک صہیونی غلامی کا آزار سہہ رہی ہے۔

آزادی کا جذبہ اجتماعی اور انفرادی سطح پر انسان کی سرشت کا سب سے طاقتور عنصر ہے۔ شروع سے آج تک جبکہ انسان ترقی کی محیّرالعقول منزلیں طے کر چکا ہے انسانی آزادی ہی وہ سب سے اہم تنازعہ ہے جو نسل انسانی کے درمیان بپا ہے۔ جب انسان جانوروں کی طرح بیچے اور خریدے جاتے تھے اور قومیں صبح و شام غلام بنائی جاتی تھیں تب بھی آزادی کا جذبہ اتنا ہی شدید تھا۔ رومی اور یونانی تہذیبیں جو قدیم دنیا کی طاقتور ترین سلطنتیں تھیں ان کے فروغ اور شکوہ کا مدار غلاموں کی کثرت پر تھا اور یہ غلام ایسی زندگی گذارنے پر مجبور تھے جس کا آج کی نام نہاد مہذب دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ان غلاموں نے بھی بارہا بغاوتیں کیں۔ اپنی آزادی کے لئے انفرادی اور اجتماعی لڑائیاں لڑیں۔ چونکہ کمزور اور نہتے تھے ایک سفاک اور طاقتور حریف سے مقابلہ تھا اس لئے انتہائی بے دردی سے یہ بغاوتیں اور تحریکیں کچل دی گئیں۔ ہزارہا غلام کتے بلیوں کی طرح نہیں کیڑوں مکوڑوں کی طرح مار ڈالے گئے۔ قوموں کی آزادی کا مسئلہ بھی ایسا ہی تھا ہر وقت کہیں نہ کہیں آزادی کے لئے خفیہ و علانیہ لڑائیاں جاری رہتی تھیں۔ جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں کسی بڑی طاقت کی باج گذار ہوتیں وہ بھی موقع کی تاک میں رہتی تھیں اور اپنی آزادی کے لئے مرجانے اور مار ڈالنے کے جذبے سے سرشار تھیں۔ ایسا تاریخ میں کم ہوا ہے کہ کسی کمزور قوم نے کسی دوسری طاقتور قوم کی اطاعت خوش دلی سے قبول کرلی ہو۔ سکندر جب ساری دنیا کو روندتا ہوا اور ایران میں دارا کی طاقتور سلطنت کو بکھیر کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو اسے ہر جگہ آسانی سے فتح حاصل نہیں ہوئی سکندر اعظم اپنے وقت کی سپر پاور تھا۔ شاید اس وقت یونانیوں کا کوئی حریف نہیں تھا۔ پھر بھی بغیر لڑائی کے اسے فتح حاصل نہیں ہوئی ہر قوم اور ریاست نے اپنی آزادی کے لئے وقت کے اس عظیم حکمراں اور دنیا کے ضرب المثل فاتح سکندر اعظم کا مقابلہ کیا۔ راجہ پورس نے شکست کھا کر بھی سکندر کے آگے سر نہیں جھکایا۔ وہ ایک آزاد حکمراں تھا آزاد قوم کا سردار۔ جب گرفتار ہو کر سکندر اعظم کے سامنے پیش کیا گیا تو نوعمر فاتح نے اس سے پوچھا تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ پورس نے اسی شاہانہ تمکنت سے جواب دیا "جیسا ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کے ساتھ کرتا ہے"۔ وہ جو مثل ہے "کلام الملوک ملوک الکلام" اس بیباکانہ اور شاہانہ وقار کے جواب نے سکندر کو مسحور کردیا اور اس نے پورس کے ساتھ ویسا ہی

سلوک کیا جیسا ایک بہادر اور باحمیت بادشاہ دوسرے بادشاہ کے ساتھ کرتا ہے اس نے پورس کو اعزاز کے ساتھ رہا کردیا اور اس کی سلطنت بھی واپس کردی۔ تاریخ نے "یہ تاریخ ساز" واقعہ اپنی اوراق پر سنہری حرفوں میں درج کرلیا سامراج کا طوفان ہر دور میں تلاطم خیزی کرتا رہا ہے۔ سفید صلیبی سامراج کا طوفان جب اٹھا تو اس نے کم وبیش ساری دنیا کو اپنے منحوس لپیٹے میں لے لیا۔ صلیبی سکندر کی طرح اقتدار کے حریص تو تھے لیکن اس کی طرح حوصلہ مند اور باحمیت اور باوقار نہیں تھے۔ انہیں سکندر کی طرح کسی ارسطو جیسے عظیم حکیم کی شاگردی کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا بلکہ انہوں نے سازش 'تزویر' مکرو کذب کے داؤ یہودیوں سے سیکھے جو صدیوں کی تہذیب کے بعد ان کے حلیف بن گئے تھے۔ انہوں نے ہلاکو کی طرح اقوام اور حکمرانوں کو ذلیل کیا اور بہیمانہ انداز سے قتل کیا۔ دلی کے اپنے ہی وظیفہ خوار بادشاہ بہادر شاہ کو گرفتار کرکے لے گئے تو اس ۸۰ سالہ بوڑھے معزول سلطان کے بیٹوں کے سر کاٹ کر طشت میں رکھ کر تیموری اقتدار کی مٹتی ہوئی نشانی کے سامنے پیش کئے گئے۔ آخری مغل تاجدار نے بھی باوقار انداز سے اپنے بیٹوں کے بریدہ سر طشت میں رکھے دیکھے اور کہا "الحمدللہ" "تیمور کی اولاد اسی طرح سرخرو ہو کر اپنے ماں باپ کے سامنے آتی ہے"۔ تاریخ نے حوصلہ اور وقار کا یہ جملہ بھی اپنے صفحات کے سنہری کلمات میں درج کرلیا۔ بہادر شاہ کا بھی قصور یہی تھا کہ وہ اپنی سلطنت اور اپنی آزادی کے لئے اپنی قوم کے مجاہدوں کا سرگروہ بن گیا تھا۔

روس میں بھی صلیبیوں کا اقتدار ہے زار روس کی سلطنت اپنے وقت کی طاقتور ترین سلطنتوں میں شمار ہوتی تھی اس کے مقابل مسلمان ترکوں کی عثمانی سلطنت تھی جو صدیوں مشرق و مغرب پر حکمراں رہی۔ زار شاہی دور کا روس سلطنت عثمانیہ کا سب سے اہم حریف تھا اور اکثر ان کے درمیان معرکے ہوتے رہتے تھے روسیوں نے اپنے آس پاس کے متعدد چھوٹے چھوٹے آزاد مسلم علاقوں پر بھی قبضہ کرلیا' قفقاز کے پہاڑی علاقے انیسویں صدی میں زار شاہی اقتدار کے تحت آئے۔ مسلمانوں نے اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگادی لیکن ظاہر ہے وہ روسی شہنشاہیت کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے نہ سلطنت عثمانیہ سے انہیں حفاظت و سرپرستی مل سکی اور یہ علاقے جو نسلی' مذہبی یا جغرافیائی اعتبار سے روس کا حصہ نہیں تھے روس کے ماتحت یا روسیوں کے غلام بن گئے لیکن اس تمام مدت میں ان علاقوں میں تحریک حریت کسی نہ کسی طور پر جاری رہی۔ زار کا اقتدار ختم ہوا اور بالشویک حکمرانی کا دور آیا تو بھی یہ علاقے اشتراکی مملکت کا حصہ بننے پر مجبور ہوئے بلکہ شالن کی سفاکی کا بدترین دور انہیں دیکھنا پڑا۔ اسٹالن کا طریق کار یہ تھا کہ جن علاقوں میں اس کے خلاف شورش ہوتی تھی وہ وہاں کے مجاہدین کو ان کے وطن سے نکال کر سائبیریا یا روس کے دیگر دور دراز علاقوں میں ہجرت پر مجبور کردیتا تھا۔ ہزارہا مسلمان اور دیگر قومیتوں کے افراد جو روسی اقتدار کی غلامی قبول کرنے کو تیار نہیں تھے قتل کردئے گئے یا ملک بدر کردئے گئے۔ ان میں سے بڑی تعداد مصائب و آلام جھیلتے ہوئے ختم ہوگئی یا سرحدی پالیسی کے تحت منظم طور پر ختم کردی گئی۔ چیچنیا بھی قفقاز کے علاقے میں ایک چھوٹی سی پہاڑی ریاست ہے۔ جس کی موجودہ آبادی ۱۲ لاکھ ہے جن میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے زار نے ۱۸۱۷ء میں اس ملک پر قبضہ کرلیا۔ اسی وقت سے وہاں جنگ آزادی جاری ہے یہ علاقہ بہت زرخیز اور شاداب ہے یہاں پٹرول بھی بڑی مقدار میں نکلتا ہے اس کی زرخیزی اور معدنی دولت کے سبب روس کے لئے اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے آج کل جس علاقے میں پٹرول ہے وہ سیال سونے کی کان ہے اپنے پرایوں سب کی حریص نظریں اس پر پڑتی ہیں۔ کویت صدام حسین کی حریص پیش قدمیوں کا شکار بھی پٹرول کی دولت کے سبب ہوا۔ امریکہ نے بیسویں صدی کی سب سے عظیم صلیبی جنگ بھی اسی پٹرول کی وجہ سے لڑی جو بقول جارج بش مغرب کے معیار زندگی کی بنیاد ہے۔ خلیجی جنگ کا تجزیہ کرتے ہوئے ایک مبصر نے لکھا تھا کہ اگر کویت میں پٹرول کے بجائے آلو یا ٹماٹر پیدا ہوتے تو نہ صدام حسین ام المحارب کا حوصلہ کرتے اور نہ امریکہ اپنے دو چار سپاہیوں کو بھی کویت کے دفاع کے لئے بھیجنے پر آمادہ ہوتا۔ روس کے لئے بھی چیچنیا کے پٹرول کی ویسی ہی اہمیت ہے جیسی عرب پٹرول کی مغرب کے لئے۔ جب اشتراکی روس (یو ایس ایس آر) منتشر ہوا تو وہ تمام نواحی علاقے جن پر روسی اشتراکیوں نے ۱۹۱۷ء کے انقلاب یا پھر دوسری جنگ عظیم کے بعد قبضہ کرلیا تھا۔ بڑی

آسانی سے آزاد ہوگئے بلکہ یوں کہئے کہ آزادی کی لاٹری کھل گئی۔وسطی ایشیا کے مسلم ممالک تاجکستان، ازبکستان، آذربائی جان، قزاغستان، ترکمانستان وغیرہ بغیر کسی مطالبے، تحریک یا قربانی کے آزاد ہوگئے اسے بیسویں صدی کے سیاسی تاریخ کا معجزہ کہہ سکتے ہیں وہ روس جو پون صدی تک دنیا پر چھایا رہا اور ہر محنت کش اور غریب کے دل کی دھڑکن بن گیا تھا۔ اشتراکیت جس نے ایک سیاسی نظریے سے بڑھ کر ایک عقیدے کی شکل اختیار کرلی تھی افغانستان پر یلغار کی نذر ہوگئی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد کی ایک سپرپاور پارہ پارہ ہوگئی۔ چیچنیا نے بھی اس انتشار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ ذاکر دودائیف جو کبھی روسی فضائیہ میں افسر تھے اور یلتسین کے قریب مانے جاتے تھے انہوں نے آزاد چیچنیا کے صدر ہونے کا اعلان کردیا۔ لیکن دوسری آزاد ریاستوں کی طرح چیچنیا کی آزادی کو کسی دیگر ملک نے تسلیم نہیں کیا نہ اقوام متحدہ میں اسے نشست ملی نہ کسی ملک نے بطور آزاد مملکت اس سے سفارتی تعلقات قائم کئے، ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۴ء تک چیچنیا جنرل ذاکر دودائیف کی سربراہی میں آزادانہ برقرار رہی روس جسے سوویت (اشتراکی) روس کے انتشار کے بعد روسی فیڈریشن کا نام دیا گیا اس دوران اندرونی اور بیرونی خلفشار کا شکار رہا۔ روسی پارلیمنٹ اور اقتدار کے دیگر اداروں پر کمیونسٹوں کا کنٹرول تھا اور وہ قدم قدم پر نئے صدر بورس نکولائی وچ یلتسین کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کررہے تھے انہی یلتسین کی مغرب پرستی، منڈی کی معیشت اور امریکہ کے دروازے پر دریوزہ گری سخت ناپسند تھی کل تک جو سپرپاور مغرب اور بالخصوص امریکہ کی حریف اور طاقتور مدمقابل تھی وہ آج یوں کشکول گدائی لے کر اپنے دشمنوں سے بات کرے یہ ان کی غیرت کے لئے چیلنج تھا۔ وہ مغرب سے بات تو کرنا چاہتے تھے لیکن اس قدر جھک کر نہیں ایسے گدایانہ انداز سے سرمایہ دار طاقتوں کے پاس جانا اشتراکیوں کو کسی حال میں گوارہ نہ تھا چنانچہ یلتسین کی مخالفت میں اس قدر شدت پیدا ہوئی کہ طاقت آزمائی بلکہ خانہ جنگی کی نوبت آگئی یلتسین کے نائب جنرل رسکوئی اور سپریم سوویت کے اسپیکر خوشبولاتوف کھل کر یلتسین کی مخالفت کرنے لگے ادھر امریکہ اور اس کے مغربی حلیف روسی معیشت کے بکھراؤ کو دیکھ کر اپنی سامراجی اور سرمایہ دارانہ پالیسی کے تحت اسے زیادہ سے زیادہ دبانا اور اس سے حد سے زیادہ مراعات و تحفظات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہ یلتسین کو معاشی بحران سے نکالنے کے لئے روس کو گروی رکھنے کا مطالبہ کررہے تھے اس کشمکش میں بات یہاں تک بڑھی کہ یلتسین نے پارلیمنٹ کا فوجی محاصرہ کرلیا اور گولہ باری سے اقتدار کی اس سب سے اہم علامت کو برباد کرڈالا۔ فوج چونکہ صدر یلتسین کا ساتھ دے رہی تھی اس لئے حریف لیڈروں رسکوئی اور خوشبولاتوف وغیرہ کو پسپا ہونا پڑا وہ سب گرفتار کرلئے گئے، اور یلتسین سرمایہ دار مغرب کی توقعات کے مطابق نیا آئین نافذ کرکے جسے انہوں نے عوامی ریفرینڈم کے ذریعہ منظور کرالیا تھا آمر مطلق صدر بن گئے اور پھر مغرب سے بیش قرار مالی امداد ملنے لگی۔ چونکہ انہوں نے اشتراکیت کو شکست دی تھی اور رہاقی ماندہ اشتراکیوں کو بھی بے دخل کردیا تھا اس لئے مغرب کے وہ معتمد خصوصی بن گئے ان چند سالوں میں جبکہ ماسکو میں اقتدار کی کشمکش جاری تھی چیچنیا کی طرف کسی نے زیادہ توجہ نہیں کی اور دودائیف اطمینان سے قصر صدارت میں داد حکمرانی دیتے رہے۔ لیکن جب یلتسین اپنے حریفوں سے دنگل جیت گئے تو انہیں چیچنیا کا دھیان آیا اور انہوں نے ذاکر دودائیف پر دباؤ ڈالا کہ وہ ماسکو کی اطاعت قبول کرلیں۔ یلتسین روسی فیڈریشن کے اندر چیچنیا کی خودمختاری (آٹونومی) کو تسلیم کرنے کو تیار تھے لیکن فیڈریشن سے علیحدگی اور آزادی کا مطالبہ قابل قبول نہیں تھا۔ ادھر ذاکر دودائیف آزادی سے کم کسی بات پر تیار نہیں تھے نتیجہ ظاہر ہے ماسکو کے حکمراں فوجی یلغار کی تیاریاں کرنے لگے۔ چیچنیا جیسی چھوٹی سی ریاست ماسکو کے نزدیک چند گھنٹوں کا فوجی معرکہ تھا۔ روسی وزیر دفاع نے ایک محفل میں پرغرور لہجے میں دعویٰ کیا کہ چیچنیا کے دارالحکومت گروزنی پر ذرا سی دیر میں قبضہ کرلیا جائے گا۔ چیچنیا پر فوج کشی کے مسئلے پر روسی سیاستدانوں اور فوجیوں میں شدید اختلافات ہیں۔ سیاستدانوں کا ایک اہم طبقہ جس میں سابق وزیراعظم یگور گیدار نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اس سوال پر روس میں فوجی انقلاب آسکتا ہے وہ چیچنیا پر فوج کشی کے مخالفوں میں سے ہیں اور بہرحال پُرامن طور پر مسئلہ حل کرنا چاہتے ہیں انہیں خدشہ ہے کہ چیچنیا روس کے لئے دوسرا افغانستان ثابت نہ

ہو اور فوجی مداخلت سے روسی فیڈریشن میں بھی ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کا وہی عمل شروع نہ ہو جائے جو سابق صدر گورباچیف کے دور میں سوویت یونین کا ہوا۔ دوسری طرف ولادیمیر زیرونوسکی جیسے انتہا پسند سیاستداں ہیں جو زار روس کے دور کی شہنشاہیت کو زندہ کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں ان کا خیال ہے کہ یلتسین نے چیچنیا میں صحیح ڈھنگ سے مضبوط کاروائی نہیں کی۔ روسی پارلیمنٹ میں صدر یلتسین کے مخالفین کی بھی طاقتور لابی ہے وہ چیچنیا میں ان کی پُر تشدد کاروائی سے سخت برہم ہے۔ فوج میں بھی بہت سے سینئر جنرل ایسے ہیں جو چیچنیا میں جنگ کے قطعی خلاف ہیں کئی کمانڈروں نے اپنے دستے بھیجنے یا فوجی کاروائی کی قیادت کرنے سے انکار کردیا۔ جس کے سبب متعدد فوجی افسران کا کورٹ مارشل بھی کیا گیا۔ نائب وزیر دفاع کو بھی برخاست کیا گیا۔ سینئر فوجی برملا کہتے ہیں کہ روس کے نکمے سیاستدانوں نے حالات کو بگاڑ دیا اور اب وہ فوجی کاروائی کرکے تباہی کا الزام فوج کے سر ڈالنا چاہتے ہیں۔ لیکن صدر یلتسین کے فوجی ماہرین نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ فوری اور سخت فوجی کاروائی کرکے چیچنیا کی باغی حکومت کو ختم کردیں۔ چنانچہ یلتسین نے فوجی کاروائی کا حکم دیا اور چیچنیا کے دارالحکومت گروزنی پر ہوائی حملے ہوئے بری فوج نے یلغار کی اور پورے شہر کو کھنڈر بنادیا پھر بھی وہ چیچنیا کے مجاہدین کو پسپا نہیں کرسکے۔ صدر دزاکر دودائیف محل چھوڑ کر چلے گئے لیکن نہتے مجاہدین نے اس پامردی سے روس کی مسلح افواج کا مقابلہ کیا کہ ساری دنیا حیرت میں رہ گئی' چیچنیا کے مسلمانوں کے حوصلوں نے واضح کردیا کہ فوج' ٹینک اور جنگی جہاز ان کے جذبہ آزادی کو دبا یا کچل نہیں سکتے۔ ان مجاہدین نے ایسی جانبازی اور پامردی کا مظاہرہ کیا کہ روسی فوج کو پسپا ہونا پڑا اگر ہوائی طاقت کے ذریعہ مسلمانوں کی شہری آبادی کو برباد نہ کیا جاتا اور دارالحکومت پر بے دریغ بمباری نہ کی جاتی تو روسی فوج گروزنی پر قبضہ نہیں کرسکتی تھی۔ اس قبضہ کے لئے بھی روسی فوج کو جو جانی نقصان اٹھانا پڑا ہے اس سے سارے روس میں صف ماتم بچھ گئی ہے۔ خاص طور پر فوج کے وہ نئے رنگروٹ (نو عمر سپاہی) جنہیں چیچنیا کی جنگ میں ایندھن بنایا گیا ان کے ماں باپ اور بیشتر روسی عوام یلتسین سے پوچھ رہے ہیں کہ ہمارے بچے کب تک قتل ہوتے رہیں گے اور جب چیچنیا روسی فیڈریشن کا حصہ ہے اور وہاں کے عوام روسی شہری اور ہمارے بھائی ہیں تو کیا کوئی حکومت اپنے ہی شہریوں کو اس طرح قتل عام کرسکتی ہے اور کیا اپنے ہی شہروں پر بمباری کرکے انہیں کھنڈر بنا سکتی ہے۔ یلتسین کی مصیبت یہ ہے کہ فوج ان کے قابو میں نہیں ہے بہ حیثیت صدر مملکت وہ مسلح افواج کے کمانڈر انچیف بھی ہیں۔ لیکن جب انہوں نے چیچنیا میں فضائی حملے بند کرنے اور فوجی کاروائی روکنے کا حکم دیا تو اس کی تعمیل نہیں کی گئی۔ عالمی مبصرین کا کہنا ہے کہ یا تو واقعی صدر یلتسین کی فوج ان کے قابو سے باہر ہو گئی ہے یا پھر انہوں نے سنجیدگی سے فوجی کاروائی روکنے کا حکم ہی نہیں دیا ہے۔ چیچنیا کی جنگ سے روسی افواج کا رہا سہا بھرم بھی ختم ہو گیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ عالمی سپر پاور سوویت روس کی فوج جس طرح افغانستان میں بری طرح ناکام ہوئی تھی اسی سوویت روس کی وارث روسی فیڈریشن کی فوج اب اس درجہ ناکارہ اور بے حوصلہ ہے کہ چیچنیا جیسے چھوٹے سے علاقے کے نیم مسلح بلکہ بڑی حد تک غیر مسلح سپاہیوں کا مقابلہ بھی نہیں کرسکتی۔ در اصل صدر یلتسین اپنے غلط اندیش فوجی مشیروں کے جال میں پھنس گئے روسی فوج کا ایک طبقہ (حصہ) اب بھی افغانستان میں اپنی شرمناک پسپائی کو ہضم نہیں کرسکا اور چاہتا ہے کہ کسی طرح بدنامی کے اس داغ کو دھو ڈالے۔ ان جنرلوں کا زخمی پندار انہیں اکساتا ہے کہ وہ کوئی فوجی کارنامہ انجام دے کر رسوائی کے پرانے داغ کو دھو ڈالیں (جس طرح امریکہ نے کویت میں عراق کو پسپا کرکے ویت نام کی رسوائی کا داغ مٹانے کی کوشش کی) اس کا خیال تھا کہ چیچنیا میں فوجی اقدام کی کامیابی سے ان کا کھویا ہوا وقار کسی حد تک بحال ہو جائے گا۔ لیکن نتیجہ الٹا نکلا روسی فوج اپنی بچی کھچی ساکھ بھی کھو بیٹھی۔ جنونی فوجی جنرل ہوں یا طالع آزما سیاستداں' اپنی کھوئی ہوئی ساکھ بنانے کے لئے وہ پوری دنیا کو جہنم بنانے سے بھی نہیں چوکتے۔ پاکستانی فوج کو سابق مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں رسوا کن ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے نوے ہزار فوجیوں نے ہندوستانی جنرل کے آگے ہتھیار ڈالے اور جنگی قیدی بننے پر مجبور ہوئے۔ پاکستانی فوجی جنرل جو طویل مدت تک ملک کے بلا شرکت غیرے حکمراں رہے ہیں رسوائی کے اس چمکتے ہوئے داغ کو مٹانے کے

ن کر رہے ہیں پنجاب اور کشمیر میں آئی ایس آئی برسوں سے جو خونی
یل کھیل رہی ہے اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ پنجاب
ں نہ سہی کشمیر میں ہندوستانی فوج کو اس طرح ہراساں کیا جائے کہ وہ
حوصلہ ہو جائے اگر پسپا نہ ہو تب بھی اس قدر پریشان اور انتشار زدہ
جائے اور نقصانات سے اتنی دل شکستہ ہو جائے کہ اس کا حوصلہ ٹوٹ
ئے۔ ہندوستانی فوج کے اس نقصان اور بے حوصلے ہونے سے پاکستانی
لوں کے ان دہکتے زخموں میں ٹھنڈک پڑتی ہے جو سابق مشرقی پاکستان
ں انہوں نے اس کے ہاتھوں کھائے۔ اس انتقامی صف بندی میں
ل نقصان معصوم اور بے قصور عوام کا ہوتا ہے آئی ایس آئی کی اس
ک مہم جوئی کے سبب کشمیریوں کی نوجوان نسل کا ایک بڑا حصہ تباہ
لیا۔ آئی ایس آئی کشمیر کی نوخیز مسلمان نسل کو ایندھن کے طور پر
ستعال کر رہی ہے۔ بہت سے پُرجوش نوجوان آزادی اسلام 'ملّی وقار'
یاد جیسے پُرکشش مگر پُرفریب نعروں سے مسحور ہو جاتے ہیں آئی ایس آئی
ہیں سبز باغ دکھا کر ہندوستانی فوج کے آگے دھکیل دیتی ہے اور وہ خاک
ن میں تڑپ کر ٹھنڈے ہو جاتے ہیں آزادی آج کے دور میں ایسا
حور کن نعرہ بن گیا ہے کہ گرم خون کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچ
تا ہے۔ کچی عمر' جوش اور جذبات کے ہیجان میں یہ نوجوان نہیں سوچ
تے کہ آزادی کا نعرہ لگانے والے انہیں کیسے آزادی دلا سکتے ہیں'
اب میں خالصتان کے نام سے آزادی کی تحریک اٹھی 'کنیڈا' برطانیہ
ر امریکہ کی محفوظ پناہ گاہوں میں بیٹھے ہوئے کچھ سکھ طالع آزماؤں نے
س نعرہ کو ہوا دی 'پاکستان نے پنجاب میں شورش بھڑکانے میں بھرپور
لیا تاکہ پاکستان توڑنے کا بدلہ لے اور ہندوستان کو بتائے کہ اگر تم
ہ دیش بنا سکتے ہو تو ہم بھی خالصتان بنوا سکتے ہیں۔ کچھ امریکی ممبرانِ
ریس نے سکھوں کی حمایت میں بیانات دے دئے اور بس دنیا کو باور
رایا جانے لگا کہ اب خالصتان کا خواب حقیقت بننے ہی والا ہے۔
اب میں بھی کشمیر کی طرح ہی نوجوان سکھوں کی ایک نسل ان سفاک
استدانوں کے احمقانہ کھیل کی بھینٹ چڑھ گئی۔ پنجاب اور کشمیر کے یہ
جوان سکھ اور مسلمان اگر گمراہ نہ کئے جاتے 'سیاستدانوں کی خونی پیاس
ے لئے قربان نہ ہوتے تو اپنی قوم اپنے فرقہ کا بیش قیمت سرمایہ ہوتے۔

آئی ایس آئی ہندوستانی فوج کو پنجاب یا کشمیر کہیں بھی پسپا نہ کر سکی ہاں
ہندوستان کی دونوں بڑی اور اہم ترین اقلیتوں یعنی مسلمانوں اور سکھوں
کی پوری ایک نسل کو تباہ کر دیا نہ خالصتان بنا نہ کشمیر آزاد ہوا' اور
ہزاروں نونہال گاجر مولی کی طرح کٹ گئے۔ کون ہے جو سکھوں اور
مسلمانوں کے دلوں کے زخم دیکھے جن کے بچے مر گئے یا جو ٹاڈا کی چکی میں
پس رہے ہیں۔ پاکستانی جنرل اپنی عیش گاہوں میں پڑے ہیں وہاں کے
سیاستداں فوج کے مرغ دست آموز ہیں سیاسی اقتدار کے تخت پر وہ بیٹھے
ہیں اور فوجی آمریت کی تلوار ڈیما کلیس کے خنجر کی طرح ان کے سروں پر
جھول رہی ہے۔

ذاکر دودا یئف نے بھی چیچنیا کے مسلمانوں کو آزادی کا نعرہ
دیا۔ ۱۹۹۱ء میں اشتراکی روس کے انتشار اور دوسری روسی ریاستوں کی
آزادی کی طرح انہوں نے بھی اعلانِ آزادی کر دیا لیکن وہ کسی سے بھی
اپنی آزادی تسلیم نہیں کرا سکے صلیبی مغرب تو کیا پڑوسی مسلم ملکوں اور
نو آزاد وسط ایشیائی مسلمان مملکتوں نے بھی چیچنیا کی آزادی کو تسلیم
نہیں کیا غالباً ذاکر دودا یئف یہ سمجھ رہے تھے کہ جس طرح کویت کو بچانے
کے لئے امریکہ تیس ملکوں کا فوجی کارواں لے کر میدان میں آگیا تھا تاکہ
کویت کا پٹرول اور عرب سرمایہ مغرب کے ہاتھوں سے نہ نکل جائے اسی
طرح چیچنیا کے پٹرول کے لالچ میں مغرب ان کا بھی ساتھ دے گا اور ان
کی آزادی برقرار رہے گی۔ اگر سوچنے کا یہی انداز ہے تو ظاہر ہے ان کا
انجام بھی صدام حسین سے مختلف نہیں ہوگا۔ مغرب نے چیچنیا کے
سوال پر روس سے جو احتجاج کیا ہے اور یلتسین کی پالیسیوں کی جو نکتہ
چینی کی ہے اس میں چیچنیا سے ہمدردی کا کوئی عنصر نہیں ہے مغرب کی
تشویش کے دو اہم سبب ہیں اول تو یہ کہ اس جنگ کی وجہ سے مغرب کی
وہ مالی امداد جو اس نے یلتسین کو سہارا دینے یا بالفاظ دیگر انہیں خریدنے
کے لئے روس کو دی ہے وہ غارت ہو جائے گی۔ اخباری اطلاع کے
مطابق چیچنیا کے مہم پر اب تک روس کے دو ارب ڈالر خرچ ہو چکے ہیں
اور جنگ ختم ہونے کے آثار نہیں ہیں فوجی ماہرین کا خیال ہے کہ چیچنیا
کے مجاہدین پہاڑوں میں چھپ کر برسوں گوریلا جنگ لڑ سکتے ہیں اور
افغانستان جیسی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے اگر یلتسین کی ساری توجہ

اس فوجی مہم پر لگی رہی تو روس میں آزاد معاشی نظام کی اسکیم فیل ہوجائے گی اور مغرب کا سرمایہ ڈوب جائے گا مغرب کے سفید بنئے مہاجنی سود کے سنہرے خواب دیکھ رہے تھے مگر چیچنیا کی مہم سے ان کی اصل رقم ہی ڈوب رہی ہے اس لئے وہ شور مچا رہے ہیں کہ روس میں اقتصادی اور جمہوری نظام کو خطرہ لاحق ہے اور بلاشبہ یلتسین کی نام نہاد جمہوریت کو فوجی انقلاب کا بھی خطرہ ہے جس کا انتباہ سابق وزیر اعظم روس گیدار نے بھی دیا ہے مغرب کی دوسری تشویش یہ ہے کہ اگر یلتسین ناکام ہوتے ہیں تو کیمونسٹ پھر اقتدار پر قبضہ کرسکتے ہیں۔ مشرقی یوروپ کے کئی ملکوں میں اشتراکیوں نے اقتدار میں واپس آنا شروع کردیا ہے اگر روس میں ولادی میر زیرونوسکی جیسے انتہا پسند فوج کا سہارا لے کر برسر اقتدار آگئے تو مغرب کے لئے ایک عذاب بن جائیں گے زیرونوسکی جنون کی حد تک انتہا پسند ہے کئی مغربی ملکوں نے اس کا داخلہ اپنے ہاں بند کررکھا ہے بوسنیائی سربوں کا سب سے بڑا ہمدرد اور حامی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ روسیوں کے دو دشمن ہیں ایک مغرب دوسرا اسلام۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر اس کی انتہا پسند قوم پرست پارٹی اقتدار میں آگئی تو وہ تمام سابق روسی جمہوریتوں کو روس میں شامل کرنے کی پوری کوشش کرے گا۔ یلتسین جس بُری طرح ناکام ہوئے ہیں اس سے ان کے آئندہ صدر منتخب ہونے کے امکانات معدوم ہوگئے ہیں ویسے بھی وہ دائم الخمر ہیں اور اس کی وجہ سے عالمی سیاست میں کافی رسوا ہوچکے ہیں۔ اشتراکی روس کے آخری صدر میخائل گورباچوف اور ولادی میر زیرونوسکی دونوں ہی آئندہ صدارتی امیدوار بننے کے لئے پرتول رہے ہیں۔ کیمونسٹ بھی غافل نہیں ہیں اور اپنی طاقت مجتمع کررہے ہیں اس طرح روس کا مستقبل کافی غیر یقینی سا ہوگیا ہے چیچنیا نے بہت سے سوالیہ نشانات لگا دیئے ہیں۔ سینٹر اور سنجیدہ روسی مبصرین کا کہنا ہے کہ گروزنی پر حملہ کرکے یلتسین نے روسی فیڈریشن کی دیگر مسلم جمہوریاؤں انگیشیا' تاتارستان' داغستان وغیرہ میں بھی بے چینی پیدا کردی ہے اس سے وہاں مسلم انتہا پسندی اور بنیاد پرستی کو فروغ ملے گا اور یہ روسی فیڈریشن کے انتشار کے آغاز کا سبب بھی بن سکتی ہے وسط ایشیا کی سابق روسی مسلم جمہوریاؤں میں بھی ان مسلمان قوم پرستوں کے لئے ہمدردی کے جذبات ابھریں گے اور ان کی تحریک آزادی روسیوں کے لئے ایک لاینحل مسئلہ بن جائے گی یلتسین کی مصیبت یہ ہے کہ اگر وہ چیچنیا کی آزادی تسلیم کرلیں تو دیگر مسلم علاقے بھی ایسا ہی مطالبہ کرسکتے ہیں کسی بھی ملک کے لئے اپنے کسی علاقہ کی آزادی اور علیحدگی کو آسانی سے تسلیم کرلینا ممکن نہیں ہوسکتا۔ پھر چیچنیا کی علیحدگی اور آزادی کی دنیا کے کسی ملک نے حمایت نہیں کی ذاکرودایئف نے مسلم ملکوں سے حمایت وہمدردی کی اپیل کی روسی فوجی یلغار کی سب نے نکتہ چینی کی لیکن چیچنیا کی آزادی کی حمایت کسی نے نہیں کی۔ پاکستان کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے کچھ تیز بیان دے دیا تھا مگر فوراً انہوں نے سجدہ سہو کرلیا۔ کہ وہ چیچنیا کو روس کا داخلی معاملہ سمجھتی ہیں۔ یہی محترمہ کشمیر کے سوال پر ساری دنیا میں شور مچاتی پھرتی ہیں کہ کشمیر میں مسلمانوں کو حق خود اختیاری دیا جائے اور ان پر ظلم وستم بند کیا جائے لیکن چیچنیا کے مسلمانوں پر ظلم اور ان کی تین سالہ آزادی کو برقرار رکھنے یا تسلیم کئے جانے کے لئے کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں رکھتیں کیونکہ انہیں روس سے ہتھیار خریدنے ہیں روس سیکورٹی کونسل کا مستقل ممبر ہے اور عالمی سیاست میں کچھ نہ کچھ اثر اب بھی رکھتا ہے۔ اسلامی ملکوں کی تنظیم کشمیر کے سوال پر پاکستان کے دباؤ میں آکر نہ جانے کتنے ریزولوشن پاس کرچکی ہے مگر چیچنیا کے لئے یہ تنظیم کچھ نہیں بول سکتی۔ آخر جو کچھ کشمیر میں ہورہا ہے وہی چیچنیا میں ہو رہا ہے جو مطالبہ کشمیری مسلمانوں کا ہے وہی چیچنیائی مسلمانوں کا ہے ایک کے بارے میں اتنا شور دوسرے پر اتنی خاموشی یا آں شوراشوری یا بہ ایں بے نمکی۔

اسلامی ملکوں کی تنظیم نے بھی ترکی کے کُردوں کے لئے بھی ہمدردی کا ایک لفظ نہیں بولا حالانکہ ترکی میں کُرد مسلمانوں پر جتنا ظلم ہو رہا ہے اس کی نظیر کم ملے گی۔ ابھی پچھلے دنوں ترکی پارلیمنٹ کے چھ کُرد ممبران کو کُرد علیحدگی پسندوں کا حامی قرار دے کر طویل مدت کی سزا سنادی گئی مغرب نے اس دھاندلی پر احتجاج کیا لیکن اسلامی ملکوں کی تنظیم یا پاکستان نے اس پر کچھ نہیں کہا۔ یہ کُرد مسلمان ہیں صلاح الدین ایوبی بھی کُرد تھے جنہوں نے فلسطین کو صلیبیوں سے آزاد کرایا تھا۔ آج کُرد ترکی' ایران' عراق اور شام کے ممالک میں منتشر ہیں وہ اپنی قومی شناخت

کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ اور فرانس نے عراق
کردوں کی حمایت کا بہانہ بنا کر عراق میں ایک غیر جانبدار زون بنا دیا وہاں
ان کی فوجیں رہتی ہیں عراقی طیارے اس علاقے پر پرواز نہیں کر سکتے۔
مغربی صلیبیوں کے پیٹ میں عراقی کردوں کی ہمدردی کا مروڑ لا یطاق اس
لئے اٹھا تاکہ وہ عراق کی سرزمین پر اپنے اڈے بنا سکیں۔ خلیجی جنگ نے
انہیں یہ موقع دیدیا ترکی ناٹو کا ممبر ہے۔ مغرب دوستی کا طوق زریں گلے
میں ڈال کر فخر کرتا ہے اور بقول شخصے یوروپ سے زیادہ یوروپین ہونے کا
دم بھرتا ہے تاکہ اسے یوروپی مارکیٹ کی ممبری کا اعزاز نصیب ہو جائے۔
ترکی میں کرد مکھی مچھروں کی طرح مارے جاتے ہیں مغرب زبانی احتجاج
سے آگے نہیں بڑھتا اسلامی ملکوں کی تنظیم اسے اپنے ایک ممبر ملک کا
اندرونی معاملہ سمجھ کر خاموش رہتی ہے۔ الجزائر میں اسلام پسندوں کا
قتل عام ہو رہا ہے۔ الجزائر کے فوجی حکمراں اپنے سابق آقا فرانس کے
اشارے پر اپنے ہی شہریوں کو بے دردی سے مار رہے ہیں مگر اسلامی
تنظیم کے لئے یہ بھی وہاں کا داخلی معاملہ ہے۔ ایسے دوہرے اور دوغلے
معیاروں کے سبب اسلامی ملکوں کی تنظیم اور اقوام متحدہ سب ہی اپنا
اعتبار کھو چکے ہیں۔

ان حالات میں جبکہ عالمی برادری میں کوئی بھی چیچنیا کی
آزادی کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں اور یہ روس کا داخلی معاملہ قرار دیا گیا
ہے صدر زاکر دودائیف کا یلتسین کو چیلنج کرنا یا بات چیت کی دعوت کو
مسترد کرنا دانشمندی نہیں تھی اب جبکہ روسی وزیر اعظم چرنو مردین نے
جنگ بندی کی شرط کے طور پر ذاکر دودائیف سے بات کرنے کی تجویز
منظور کرلی تو صدر یلتسین نے ذاکر دودائیف سے بات کرنے سے انکار
کر دیا کیونکہ بقول ان کے وہ اپنے عوام کے قاتل ہیں۔ یہ روسی سیاست
کی طوائف الملوکی ہے کہ وہاں ہر آدمی اپنے اپنے رخ پر جا رہا ہے۔ وزیر
اعظم کچھ کہتا ہے صدر کا موقف کچھ اور ہے 'عوام کی رائے الگ ہے ان
حالات میں چیچنیا کا مسئلہ حل ہونا اور بھی دشوار ہے۔ ایک خوش آیند
بات یہ ہے کہ عوام نے چیچنیا میں فوج کشی کی شدید مخالفت کی۔ اور
یلتسین کی آمریت پر نفریں کی۔ فوج کے سینئر کمانڈروں نے اس جنگ
میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ روس کے نوبل انعام یافتہ ادیب سخاروف
کی بیوہ نے صدر کلنٹن سے اپیل کی کہ یلتسین پر دباؤ ڈال کر چیچنیا میں
جنگ بند کرائیں انہوں نے اس خدشہ کا اظہار بھی کیا کہ روسی افواج
چیچنیا کی جنگی قیدیوں کا قتل عام کر سکتی ہیں۔ بہت سے روسیوں نے کہا
کہ چیچنیا کے عوام ہمارے بھائی ہیں ان کے خلاف فوجی کارروائی نہیں
ہونی چاہئے۔ یلتسین کے سینئر مشیر نے اس فوج کشی کے خلاف احتجاجاً
استعفے دیدئے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ روس میں سیاست اور قومی
پندار نے ابھی انسانیت کو بالکل کچل نہیں دیا ہے۔ ہم اس کا موازنہ اگر
اپنے ہاں کشمیر کے مسئلہ سے کریں تو بھی ایسا ہی نظر آئے گا فسطائیوں کو
چھوڑ کر تمام حلقے کشمیر میں فوجی کارروائی بند کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں
وہاں حفاظتی دستوں کے ہاتھوں ستم رانی کے جو واقعات ہوتے ہیں اس
پر حقوق انسانی کی ہندوستانی تنظیموں نے احتجاج کیا اور حکومت کو ان کی
بات سنی پڑی ہے ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسانیت ہر جگہ کسی نہ
کسی حد تک زندہ ہے اور قومی پندار نے سب کا ضمیر مردہ نہیں کر دیا ہے
مگر انجام کیا ہوگا کیا چیچنیا آزاد ہو جائے گا! کیا کشمیر کی آزادی کا کوئی
امکان ہے! اور وہ بھی طاقت کے ذریعہ 'مستحکم حکومتوں سے صف آرائی
کر کے؟ کیا ذاکر دودائیف گفت وشنید کے ذریعہ کوئی پُرامن راستہ نہیں
نکال سکتے۔ انتہا پسندی اور اعتدال پسندی میں بہت فاصلہ ہوتا ہے انتہا
پسندی نتائج کی پرواہ نہیں کرتی۔ گردوپیش پر نظر نہیں ڈالتی۔ امکانیات کو
بھی اہمیت نہیں دیتی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چیچنیا پر روسی تسلط کا کوئی
جواز نہیں ہے ۱۸۱۷ء سے جب کہ زار نے چیچنیا پر یلغار کی آج تک
وہاں کے عوام آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں سٹالن کے دور میں
ان پر الزام لگایا گیا کہ انہوں نے نازی جرمن حملہ آوروں کا ساتھ دیا اس
جرم میں انہیں نہ صرف قتل کیا گیا اور عبرتناک سزائیں دی گئیں بلکہ
ہزارہا کو دور دراز سائبیریائی اور دیگر علاقوں میں پھینک دیا گیا اشتراکی
روس کے بکھراؤ کے بعد بھی ان کی آزادی کو تسلیم نہیں کیا گیا اور وہ
روسی فیڈریشن یعنی باقی ماندہ روس کی ایک جمہوریہ کے طور پر روس کا
حصہ بنے رہے۔ عالمی سیاست کئی صدیوں سے مغربی صلیبیوں کے ہاتھ
میں ہے وہ جو چاہتے ہیں وہ ہوتا ہے۔ صلیبی آج بھی مسلمانوں کے دشمن
ہیں اور انہیں اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کو

رجھانے کے لئے صدر کلنٹن شہزادہ چارلس' صدر حتراں سب برملا اعلان کرتے ہیں کہ اسلام عظیم مذہب ہے وہ اسلامی دہشت گردی کو اسلام سے نہیں جوڑتے لیکن یہ سب ڈپلومیسی یعنی منافقت ہے یہ سب اسلام کو دبانے کے لئے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے خلاف اقدام کرنا وہی پرانی صلیبی ذہنیت ہے ان سے کوئی پوچھے کہ اگر تمہاری سامراجی حرکتیں نہ ہوں تو مسلم بنیاد پرستی اور دہشت گردی کیوں ابھرے الجزائر کے انتخابات میں اگر اسلام پسند عناصر جیت رہے تھے تو اس سے فرانس یا امریکہ کو کیا خطرہ تھا جو وہاں اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ انتخابی عمل مسترد کر کے فوج مسلط کر دی اب اگر اسلام پسند احتجاج کریں تو وہ دہشت گرد قرار دیئے جائیں۔ اگر اسرائیل واشنگٹن معاہدہ پر ایمانداری سے عمل کرے' غرب اردن کے فلسطینی علاقے سے فوج ہٹالے' صیہونی بستیاں نہ بسائے' فلسطینیوں کو داخلی اختیارات حسبِ وعدہ اور پروگرام منتقل کرنے میں دلیل و حجت اور بے ایمانی نہ کرے تو حمس یا اسلامی جہاد کے انقلابی کیوں انتقامی کاروائی کریں۔ صلیبی ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو سفاک دہشت گرد قرار دینے کے عادی ہیں ان کے نزدیک صحیح عمل یہ ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہیں ان کے مطیع و منقاد بن کر رہیں مغرب کے استحصال پر احتجاج نہ کریں کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے مغربی استعمار کے مفاد پر آنچ آئے۔

بوسنیا میں مغرب نے کیا کیا امریکہ اور مغربی صلیبیوں نے اشتراکی یوگوسلاویہ کے انتشار کی خاطر بوسنیا کی آزادی تسلیم کر لی پھر جب انہیں سربی صلیبیوں نے سبق پڑھایا کہ بوسنیا کے مسلمان یوروپ میں ایک اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے سربی قاتلوں کو کھلی چھوٹ دے دی کہ وہ مسلم بوسنیا کو کچل ڈالیں جب عربوں اور دیگر مسلم ممالک نے زور ڈالا کہ سیکورٹی کونسل اور امریکہ سربی دہشت گردی کو روکے تو ناٹو کے جہازوں کے ذریعے چند نمائشی حملے کر دیئے گئے۔ صدر کلنٹن نے بڑے طمطراق سے اعلان کیا کہ وہ سربی جارحیت کو روکنے کے لئے بوسنیا پر عائد ہتھیاروں کی پابندی ختم کر دیں گے۔ ساری دنیا نے امریکہ کے اس انصاف پسندانہ موقف کو سراہا لیکن برطانیہ اور فرانس نے جب کھل کر اس کی مخالفت کی تو صدر کلنٹن باعزت طور پر اپنے موقف سے پسپا ہو گئے برطانیہ اور فرانس کا کہنا ہے کہ بوسنیا کو ہتھیار ملنے سے وہاں جنگ تیز ہو جائے گی۔ اصل مطلب یہ ہے کہ سربیوں کو سربیا سے پوری فوجی امداد مل رہی ہے وہ جدید ترین ہتھیاروں سے مسلح ہیں مسلمان نہتے ہیں تھوڑے بہت معمولی سے ہتھیار کسی نہ کسی طرح ادھر ادھر سے حاصل کر لیتے ہیں اب اگر انہیں ہتھیار خریدنے کی آزادی مل جاتی ہے تو وہ بھی جدید اور موثر ہتھیاروں سے مسلح ہو کر سربی صلیبیوں کا مقابلہ کریں گے اب عملاً نہتے ہونے کے سبب مسلمان سربیوں سے پٹ رہے ہیں پھر جب وہ خود مسلح ہو جائیں گے تو سربی صلیبی پٹنے لگیں گے اور صلیبی مغرب یہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا کہ مسلمان طاقتور ہوں یا صلیبیوں کے مقابل ہونے کی پوزیشن حاصل کریں روس کھل کر سربی جارحیت کی حمایت کر رہے ہیں سیکورٹی کونسل نے بڑے جوش و خروش سے سربیوں پر جنگی جرائم کا مقدمہ چلانے کا اعلان کیا ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹا گیا لیکن پھر خاموشی سے اسے دبا دیا گیا۔ سفید صلیبیوں کا یہ رویّہ اس مسلم ملک کے ساتھ ہے جس کی آزادی وہ تسلیم کر چکے ہیں وہ عالمی ادارہ کا ممبر ہے اور تمام اسلامی ممالک اور دنیا بھر کے مسلمان اور دیگر انصاف پسند غیر مسلم اس کی مظلومیت کو مانتے ہیں لیکن مغرب اس کو آہستہ آہستہ مٹا ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے پھر چیچنیا کی حمایت کون کرے گا جس کی آزادی کسی نے تسلیم ہی نہیں کی ہے۔ ذاکر دودائیف کے پاس نہ فوجی طاقت ہے نہ ہتھیار ہیں نہ باہر سے انہیں ہتھیار مل سکتے ہیں فضائی طاقت کا تو سوال ہی نہیں ہے طیارہ شکن توپیں بھی شاید ہی ان کے پاس ہوں ان حالات میں چیچنیا کی آزادی کا کیا امکان ہے۔ گروزنی سے پسپا ہو کر پہاڑوں میں صف بندی کر کے گوریلا جنگ سے بھی کیا حاصل ہو گا۔ گفتگو کے ذریعہ مفاہمت کی راہ نکل سکتی ہے مکمل آزادی نہ سہی اندرونی آزادی' داخلی خود مختاری' اپنا دینی اور قومی تشخص برقرار رکھنے کا حق حاصل کیا جا سکتا ہے دفاع اور خارجی امور کو چھوڑ کر دیگر معاملات اپنے ہاتھ میں لئے جا سکتے ہیں یہ وہ طریقہ ہے جس سے کچھ حاصل ہو سکتا ہے صدر ذاکر دودائیف کا یہ موقف کہ آزادی سے کم کسی بات پر تصفیہ نہیں ہو سکتا مصلحت اور دانشمندی کے خلاف ہے اس سے چیچنیا کے بے گناہ مسلمان مارے جائیں گے۔ آپ سیاسی آزادی کے

لئے جہاد کرتے رہیے ۲۰لاکھ کی مختصر سی آبادی میں سے ۲۰لاکھ جانبازوں کی قربانی دید یجئے دنیا آپ کی ہمدردی میں چیختی رہے گی لیکن آپ کی آزادی کے لئے کوئی آپ کا ساتھ نہیں دے گا۔

ہر ملک میں اس قسم کی تحریکیں جاری ہیں۔ ہر جگہ اکثریت کا تسلطائی عنصر اقلیتوں کو دبانے اور مٹانے کے لئے سرگرم ہے ہر نسلی لسانی یا مذہبی اقلیت اپنا آزاد سیاسی وجود چاہتی ہے لیکن کوئی ملک اپنے کسی حصّے کو علیحدہ یا آزاد ہونے یا موجودہ سرحدوں میں تبدیلی کی اجازت نہیں دے سکتا خواہ اس کے لئے اسے تباہ کن جنگ کا خطرہ ہی کیوں نہ مول لینا پڑے کم و بیش ہر ملک میں ایسے داخلی تنازعات موجود ہیں اگر پاکستان آپ کی حمایت کرے تو روس سندھ کی آزادی کی حمایت شروع کر دے گا ترکی آپ کے حق میں بولے تو ماسکو کُردوں کا ساتھ دینے لگے گا صلیبی مغرب آپ کے حق میں نہیں بولے گا اور جب تک مغرب آپ کا ساتھ نہیں دیتا کچھ بھی نہیں ہوگا جب یا سر عرفات نے فلسطینی ریاست کے قیام کا اعلان کیا تو بیشتر مسلم اور ایشیائی افریقی ممالک نے اسے تسلیم کر لیا اور چیئرمین یا سر عرفات فلسطین کے صدر بن گئے ایک پریس کانفرنس میں ایک سینئر اسرائیلی افسر سے اخبار نویسوں نے فلسطینی ریاست کے بارے میں سوال کیا تو اس نے اخبار نویسوں سے پوچھا کہ مغربی یوروپ کے کتنے ملکوں نے فلسطینی ریاست کو تسلیم کیا ہے اخبار نویسوں نے کہا کسی نے بھی نہیں۔ اس پر اس یہودی نے مسکرا کر کہا کہ پھر ہماری صحت پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اور یہی ہوا چند دن کی گہما گہمی کے بعد فلسطینی ریاست کی بات جہاں سے چلی تھی وہیں رک گئی ہندوستان میں ہم مسلمان حسبِ عادت چیچنیا کے سوال پر بھی جذباتی ہیجان کا شکار ہیں۔ اردو اخبارات مسلم مجاہدین کی جانبازی کی ولولہ انگیز داستانیں بیان کر رہے ہیں ان نہتے سرفروشوں نے جس طرح روسی فوج کو پسپا کیا ہے اس سے امّت کا سر فخر سے بلند ہو گیا ہے کہ دیکھو مسلمان کیسی بے جگری اور جانبازی سے لڑتے ہیں۔ بس اس سے آگے ہم کیا کر سکتے ہیں روسی سفارتخانہ پر مظاہرہ کر سکتے ہیں جب ترکی صلیبیوں نے یلغار کی تھی تو ہندوستانی مسلمان ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے لیکن بے بسی اور لاچاری کے سبب کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ مرحوم اکبر الٰہ آبادی نے ایک قطعہ میں اس کا نقشہ کھینچا ہے۔

نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور
کہ ترکی دشمن سے جا کر لڑیں
شب و روز ہم کوستے ہیں مگر
کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

ہماری لاچاری اور بے بسی کا آج بھی وہی عالم ہے۔ آج بھی ہم سوائے احتجاج و ماتم کے کچھ اور نہیں کر سکتے۔ ہم نے ترکی میں خلافت کی بقاء کے لئے پورے برصغیر میں طوفان اٹھایا لیکن ہوا وہی جو صلیبی چاہتے تھے ہم نے فلسطین میں صہیونی و صلیبی سازش کے خلاف عربوں سے کم احتجاج نہیں کیا یوروشلم کی واپسی کے لئے ہمارا جذبہ فلسطینیوں سے کم نہیں ہے لیکن مغرب نہ ہمارے اضطراب سے باخبر ہے نہ اسے ہماری پروا۔ ہم نے بابری مسجد کی بقاء کیلیے قربانیاں دیں سردھڑ کی بازی لگادی مگر حاصل کیا ہوا۔ وقت اور تاریخ اپنا راستہ خود بناتے ہیں جب تک وقت کا دھارا موڑنے اور تاریخ اپنے خون سے خود لکھنے کا حوصلہ نہ ہو کچھ نہیں ہوتا اس کے لئے طوفان کی طرح اٹھنا اور دشمن کے کلیجے میں وار کرنا ہوتا ہے صلیبی یہ ہنر جانتے ہیں سوویت روس کو توڑنے کے لئے مغرب نے کیسی منصوبہ بندی کی اور اس کی غلطیوں سے کس طرح فائدہ اٹھایا۔ صدام حسین کی مہم جوئی کو صلیبیوں نے کس طرح اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا طوفان کی مانند متحد ہو کر اٹھے اور آج پورا جزیرہ عرب عملاً ان کی جاگیر بن گیا۔ ملّت اسلامیہ صدیوں سے پسپائی کی راہ پر گامزن ہے اتحاد و اقدام کے الفاظ شاید ان کی لغت سے خارج ہو گئے ہیں نہ وہ فلسطین کے معاملے میں متحد ہو سکتے ہیں نہ کویت کے معاملے میں نہ ایران عراق کے سوال پر 'اشتراکی روس کے انتشار کے بعد تمام مشرقی یوروپ میں تعمیر و ترقی کا دور شروع ہو گیا ہے وقتی ہیجان' اضطراب اور نزاع کے شعلے بجھ گئے ہیں مگر افغانستان جو اشتراکی روس کے انتشار کی اصل بنیاد تھا آج بھی خانہ جنگی کی آگ میں جل رہا ہے حکمت یار اور برہان الدین ربانی کی جنگ زرگری کا شکار ہزارہا افغانی مسلمان ہو رہے ہیں امن و مصالحت کی کوششیں آج بھی لڑکھڑا رہی ہیں مسئلہ صرف یہ ہے کہ کرسی کس کے حصّہ میں آئے۔ جو امت اپنے اختلافات شعور اور

(بقیہ صفحہ ۲۸ پر)

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی
پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ،
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

حضرت مروان بن حکم اموی

سیرت و کردار کے دو رخ

(۲)

حدیث نبوی کی تشریح و تعبیر میں اختلاف تو محدثین صحابہ
رام میں بھی پایا جاتا تھا اور بعد کے دوسرے امامانِ وقت کے ہاں بھی۔
س قسم کا ایک اور اختلاف یہ منقول ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے حضرت
روان سے ایک حدیث بیان کی کہ نمازِ فجر کی دو سنتیں پڑھنے کے بعد
ازی کو اپنے داہنے پہلو پر سنّتِ نبوی کے مطابق لیٹ جانا چاہئے۔
ضرت مروان نے پوچھا اگر وہ مسجد میں آکر داہنی کروٹ لیٹ جائے تو
ں نہ ہو گا؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا حضرت عبد اللہ بن عمر کو جب
علوم ہوا تو فرمایا کہ ابو ہریرہ نے اپنے آپ پر زیادتی کی۔ ان سے پوچھا گیا
ہ انہیں ان کی بیان کردہ روایت سے اتفاق نہیں تو فرمایا کہ ایسا نہیں
ے لیکن انہوں نے جسارت سے کام لیا ہے جبکہ حضرت ابو ہریرہ حضرت
ن عمر کے تبصرہ کو ان کے نسیان پر محمول کرتے تھے اور اپنی روایت کی
نت پر اصرار کرتے تھے اس باب میں اصل بات یہ ہے کہ سنّتوں کے
د لیٹنا عادی سنت ہے، سنت تعبدی نہیں ہے۔ اور نہ وہ نماز کا کوئی حصہ
ہے۔ حضرت ابن عمر کا تبصرہ صحیح ہے۔ طبری کا بلا سند بیان ہے کہ حضرت
عاویہ کی طرح حضرت مروان نے بھی مقصورہ بنایا تھا۔ (۲۹)

امام ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت مروان جمعہ کا خطبہ دے
ہے تھے کہ حضرت ابو سعید خدری مسجد میں داخل ہوئے اور نماز پڑھنے
کے لئے کھڑے ہو گئے۔ محافظ دستوں (الحرس) نے ان کو بٹھانا چاہا لیکن
ہوں نے انکار کیا اور نماز پڑھ ہی لی۔ نماز کے بعد جب وہ واپس ہوئے تو
وی حدیث سمیت کئی لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان
سے عرض کیا کہ اللہ آپ پر رحم کرے ان لوگوں نے تو آپ پر حملہ ہی
کر دیا تھا۔ فرمایا کہ میں ان دونوں (رکعتوں) کو کیسے چھوڑ سکتا تھا جبکہ
ں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کا عینی مشاہدہ کیا
۔ ایک شخص خاصی رذی حالت میں جمعہ کے دن آیا اور آپ صلی اللہ
یہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اور آپ نے اس کو دو رکعتیں پڑھنے کا
حکم دیا۔ اور انہوں نے اس حال میں دو رکعتیں پڑھیں کہ آپ خطبہ
دے رہے تھے (۳۰) ظاہر ہے کہ یہ ایک استثنائی مسئلہ ہے اگر کسی شخص
نے نمازِ جمعہ سے قبل دو یا چار رکعات سنت نہیں پڑھی ہے تو اس کو خطبہ
کے دوران نمازِ سنت پڑھنے کی اجازت ہے لیکن کئی علماء کے نزدیک خطبہ
کے دوران ہر طرح کی عبادت و حرکت ممنوع ہے۔ (۳۱)

خطبہ کے سلسلہ میں حضرت مروان کی ایک خلاف ورزی
سنت کا ذکر بہت زیادہ شدّ ومدّ سے کیا جاتا ہے۔ اصل روایت یہ ہے کہ
حضرت ابو سعید خدریؓ کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں عید گاہ / نماز گاہ جاتے تو پہلی چیز جو شروع
کرتے وہ نماز تھی پھر نماز ختم کر کے لوگوں کے سامنے / بالمقابل ہوتے
بایں طور کہ لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے اور آپ ان کو نصیحت
کرتے، وصیت و پند کرتے اور حکم احکام دیتے اور اگر کوئی جماعت یا
سریہ بھیجنا ہوتا تو اسے روانہ کرتے یا کسی شی کا حکم دینا ہوتا تو دیتے پھر
واپس ہوتے۔ یہ طریقہ جاری رہا یہاں تک کہ میں امیر مدینہ حضرت
مروان کے ساتھ عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں روانہ ہوا اور جب ہم عید گاہ
پہونچے تو دیکھا کہ ایک منبر موجود ہے جس کو کثیر بن صلت نے تعمیر کیا تھا۔
اور اسے دیکھ کر حضرت مروان نے اس پر نماز سے قبل چڑھنا چاہا تو میں
نے ان کا کپڑا پکڑ لیا لیکن انہوں نے اس کو چھڑا لیا اور منبر پر چڑھ گئے اور
نماز سے قبل خطبہ دیا۔ میں نے ان سے کہا اللہ کی قسم تم نے بدل ڈالا۔
انہوں نے جواب دیا: ابو سعید! جو تم جانتے تھے وہ تو ختم ہو چکا۔ میں نے
کہا کہ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ اللہ کی قسم میری ناواقفیت سے بہتر ہے اس
پر انہوں نے کہا کہ نماز کے بعد لوگ ہمارے لئے نہیں بیٹھتے تھے لہٰذا میں
نے خطبہ نماز سے قبل کر دیا۔ یہ امام بخاری کی روایت ہے۔ دوسرے

ئمہ کرام جیسے مالک بن انس، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، وغیرہ کے ہاں کافی ختلافات پائے جاتے ہیں لیکن ان سب کا واحد مطلب یہ ہے کہ حضرت روان نے نماز سے قبل خطبہ دیا۔(۳۲)

حضرت ابو سعید خدری ہی کی روایت ہے کہ ہم ایک جنازہ ں گئے۔ حضرت ابو ہریرہ نے حضرت مروان کا ہاتھ پکڑا اور دونوں جنازہ رکھے جانے سے قبل بیٹھ گئے۔ حضرت ابو سعید خدری نے حضرت روان کا ہاتھ پکڑا اور کہا: کھڑے ہو جائیں۔ اللہ کی قسم یہ (حضرت بو ہریرہ) جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس جنازہ کے رکھے جانے سے قبل بیٹھنے) سے منع کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ وہ سچ کہتے ہیں۔(۳۳) اسی سے متعلق حافظ ابن کثیر نے سالم بو النضر کی سند پر ان کی عینی شہادت نقل کی ہے کہ حضرت مروان ایک جنازے میں شریک ہوئے اور نماز پڑھانے کے بعد واپس ہو گئے۔ حضرت ابو ہریرہ نے تبصرہ کیا کہ ان کو ایک قیراط ثواب ملا اور ایک قیراط سے محرومی ہوئی۔ حضرت مروان کو اس کی خبر کی گئی تو دوڑتے ہوئے واپس آئے حتیٰ کہ ان کے گھٹنے کھل گئے اور اجازت ملنے تک بیٹھے رہے۔ جبکہ طبری نے ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ امیر مدینہ حضرت سعید بن العاص جنازہ کی تدفین کے وقت بیٹھے تھے اور حضرت مروان کھڑے ہوئے تھے(۳۴)

تاریخی روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت حسن بن ابی طالب ہاشمی کی وفات ہوئی تو حضرت سعید بن العاص اموی نے بحیثیت میر مدینہ ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی امامت میں حضرت حسین اور تمام دوسرے صحابہ کرام اور تابعین عظام نے ادا کی کہ بقول حضرت حسین یہی سنت نبوی تھی۔ حضرت حسین کی شہادت کے بعد جب ان کا سر اقدس بروایت ابو مخنف دمشق لایا گیا تو حضرت مروان نے کوئی سالاروں سے پوچھا کہ کیا کیا ہے؟ انہوں نے جب اپنی کارگذاری بتائی کہ اتنے قیدی اور سر اقدس لائے تو حضرت مروان اٹھ کر چلے گئے(۳۵)

دوسری عبادات اسلامی میں ایک دلچسپ اور اہم روایت روزہ کے بارے میں امام بخاری وغیرہ متعدد محدثین کرام نے نقل کی ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن حارث کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ دونوں نے ان کو بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحالت جنابت روزہ رکھ لیتے اور فجر کے بعد غسل کرتے تھے اور روزہ جاری رکھتے تھے۔ جب انہوں نے حضرت مروان کو اس حدیث صحیح سے باخبر کیا تو انہوں نے حضرت عبد الرحمٰن کو قسم دی کہ وہ حضرت ابو ہریرہ کو ضرور اس سے آگاہ کریں۔ اگرچہ حضرت عبد الرحمٰن کو ایسا کرنا ناگوار ہوا لیکن تقدیر الٰہی کہ ذوالحلیفہ کے مقام پر جہاں حضرت ابو ہریرہ کی کچھ زمین تھی ان کی ملاقات صحابی موصوف سے ہو گئی اور ان سے انہوں نے کہا کہ میں آپ سے ایک بات کہنی چاہتا ہوں اور اگر حضرت مروان نے اس باب میں مجھے قسم نہ دی ہوتی تو اس کا آپ سے ذکر نہ کرتا۔ پھر ان سے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ کا قول بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ ایسا فضل بن عباس نے مجھ سے بیان کیا تھا اور وہی زیادہ جانتے ہیں۔ امام ہمام اور حضرت عبد اللہ بن عمر کے فرزند گرامی کا بیان ہے کہ ابو ہریرہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی کو افطار کا حکم دیتے تھے لیکن امام بخاری نے اول الذکر موقف کو زیادہ صحیح کہا ہے۔ اسی حدیث کو امام مالک اور امام مسلم وغیرہ نے مختلف انداز سے بیان کیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کے فتویٰ کے بعد دونوں ام المومنین سے فتویٰ حضرت مروان نے پوچھوایا(۳۶)

حضرت مروان بن الحکم اموی نے اپنی دوبار کی امارت مدینہ (۴۹ھ - ۴۲ھ اور ۵۸ھ - ۵۴ھ) کے دوران متعدد جنازوں کی نماز پڑھائی اور بہت سے اکابر صحابہ و تابعین کی نماز جنازہ کی امامت کا شرف پایا۔ ان میں امہات المومنین، بدری صحابہ کرام سابقین اسلام اور اکابر اسلام شامل تھے۔ امہات المومنین میں سے حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب عدوی (م ۴۵ھ) حضرت جویریہ بنت حارث خزاعی (م ۵۶ھ) کے بارے میں ابن سعد نے لکھا ہے کہ امیر مدینہ حضرت مروان بن حکم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان اموی (م ۴۴ھ) کی وفات امارت حضرت مروان کے دوران ہوئی تھی۔ اس لئے امکان ہے کہ انہوں نے ہی یہ فرض انجام دیا ہوگا کیونکہ ابن سعد نے ان کی نماز جنازہ کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہوگا۔ امکان یہ بھی ہے کہ حضرت مروان کے نائب نے پڑھائی ہو جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر

صدیق تیمی (م ۱۷ر رمضان ۵۸ھ) کے بارے میں مذکور ہے کہ ان کی نماز جنازہ نائب امیر مدینہ حضرت ابو ہریرہ نے پڑھائی تھی۔ کیونکہ امیر مدینہ حضرت مروان بن حکم اموی اس وقت عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیوی حضرت سودہ بنت زمعہ (م ۵۴ھ) کی وفات بھی ان کی امارت کے زمانے میں ہوئی تھی اور ممکن ہے کہ ان کی نماز جنازہ حضرت مروان ہی نے پڑھائی ہو اگرچہ ابن سعد کے ہاں اس کا حوالہ نہیں ہے۔

حضرت زینب بنت جحش اسدی کی وفات و تدفین کے ضمن میں ابن سعد نے ایک دلچسپ روایت یہ نقل کی ہے کہ انہوں نے اپنی وفات سے قبل وصیت کی تھی کہ ان کا جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سریر مبارک پر اٹھایا جائے جس طرح اس سے قبل حضرت ابو بکر صدیق کا اٹھایا گیا تھا چنانچہ ان کی وصیت کی تعمیل کی گئی۔ اور اس کے بعد یہ روایت چل پڑی کہ جب کسی عورت کا انتقال ہوتا تو اسی پر جنازہ لے جایا جاتا۔ حضرت مروان بن حکم کا دور آیا تو انہوں نے سریر نبوی کو "رجل شریف" کے لئے مخصوص کردیا اور عام مردوں کے جنازے کے لئے مدینہ منورہ کے مختلف محلوں میں متعدد چارپائیاں یا تخت تقسیم کردئے۔

جن اکابر صحابہ کی نماز جنازہ حضرت مروان بن حکم اموی نے بطور امیر مدینہ پڑھائی ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص زہری (م ۵۵) شامل ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ روایت ابن سعد نے یہ نقل کی ہے کہ حضرت ارقم بن ابی ارقم مخزومی (م ۵۵ھ) نے حضرت سعد سے قبل وفات پائی اور اس سے پہلے وصیت کردی تھی کہ میری جنازہ حضرت سعد پڑھائیں جبکہ حضرت مروان بن حکم حضرت معاویہ کی طرف سے والی مدینہ تھے۔ حضرت ارقم کا جب انتقال ہوا تو حضرت سعد عتیق نامی لبستی میں تھے اور ان کے انتظار میں ان کا جنازہ روکا گیا۔ حضرت مروان نے کہا کہ کیا کسی غائب شخص کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کو روکے رکھا جائے گا اور ان کی نماز جنازہ پڑھانی چاہی لیکن حضرت عبید اللہ بن ارقم مخزومی نے بنو مخزوم کے ساتھ مل کر ان کی مخالفت کی۔ پھر حضرت سعد پہونچے اور انہوں نے ان کی نماز پڑھائی اور دلچسپ بات ہے کہ ان امام نماز جنازہ کی نماز حضرت مروان بن حکم ہی نے پڑھائی۔

ابن سعد نے حضرت سعد بن ابی وقاص زہری کی صاحبزادی حضرت عائشہ بنت سعد سے روایت لی ہے کہ حضرت سعد نے اپنے راس المال کی زکوٰۃ پانچ ہزار درہم حضرت مروان بن حکم کے پاس بھیجی تھی۔

حج قران اور حج تمتع کے بارے میں اکابر صحابۂ کرام کا اختلاف تھا اور دونوں کے پاس سنت نبوی کے دلائل و شواہد موجود تھے حضرات عثمان بن عفان اموی اور معاویہ بن ابی سفیان اموی کی مانند حضرت مروان اموی کا مسلک تھا کہ وہ حج تمتع کے قائل نہ تھے اور اس سے لوگوں کو روکا کرتے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولین خلفاء کرام جیسے حضرت عمر فاروق بھی اس کی ممانعت کے قائل تھے اگرچہ یہ روایات مجروح یا منسوخ ہیں (۳۷) امام ابوداؤد نے حضرت مروان بن حکم کے فرستادہ (رسول) سے حج کے بارے میں ایک روایت لی ہے جس کے مطابق حضرت معقل بن یسار نے اپنی اونٹنی فی سبیل اللہ وقف کردی تھی مگر ان کی اہلیہ حضرت ام معقل کو اپنے فرض حج کے لئے کسی سواری کی ضرورت تھی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ وقف اونٹنی ان کو دلوادی تھی کہ حج بھی فی سبیل اللہ ہی کے زمرہ میں آتا ہے۔(۳۸)

امام مالک نے اس سلسلہ میں ایک دلچسپ روایت یہ نقل کی ہے کہ حضرت سعید بن حزابہ مخزومی بحالت احرام مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ میں بیمار ہوگئے۔ انہوں نے مسئلہ معلوم کرنے کے لئے علماء وقت سے رجوع کیا جن میں حضرات عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر کے ساتھ حضرت مروان بھی شامل تھے اور وہ تینوں ساتھ ساتھ سفر حج کے لئے رواں دواں تھے۔ تینوں نے متفقہ طور سے فتویٰ دیا کہ وہ اپنی بیماری کا ضروری علاج کریں اور صحت ہوجانے پر عمرہ کرکے احرام کھول دیں اور اگلے سال حج ادا کریں اور اپنی بساط بھر قربانی ضرور کریں۔(۳۹)

دوران حج شکار کے گوشت سے متعلق ایک اہم روایت امام مالک نے یہ بیان کی ہے کہ اہل حجاز کے کچھ لوگ حضرت مروان بن حکم

کے پاس پہونچے اور ان سے سمندر کی پھینکی ہوئی چیزوں کے بارے میں پوچھا کہ ان کا استعمال کیسا ہے؟ حضرت مروان نے کہا کہ کچھ حرج نہیں اور پھر ان لوگوں کو حضرات زید بن ثابت اور ابو ہریرہ کے پاس بھیجا کہ ان سے اس باب میں مسئلہ ضرور معلوم کریں اور پھر ان کے فتوی سے انہیں باخبر کریں۔ ان دونوں صحابیوں نے بھی حضرت مروان کی تائید کی اور جب ان لوگوں نے حضرت مروان کو ان کے قول سے آگاہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں سے پہلے ہی کہا تھا۔ امام مالک نے اسی مسئلہ کی تائید میں مزید تین روایات حضرات عبد اللہ بن عمر، زید بن ثابت اور ابو ہریرہ سے نقل کی ہیں۔(۴۰)

نذر پوری کرنے کے مسئلہ پر حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت مروان بن حکم نے الگ الگ مسلک اختیار کیا۔ حافظ ابن کثیر کے مطابق ایک عورت نے خانہ کعبہ کے قریب اپنے فرزند کو قربان کرنے کی نذر مان لی اور پھر اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے فتوی پوچھا تو انہوں نے حضرت عبد المطلب ہاشمی کے فعل سے استناد کرتے ہوئے اسے سو اونٹوں کی قربانی کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے پوچھا تو انہوں نے توقف کیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت مروان کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ دونوں کا مسلک صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے اس عورت کو اپنی بساط بھر نیکی کرنے کا حکم دیا اور اونٹوں کی قربانی سے روک دیا اور ساتھ ہی فرزند کی قربانی سے بھی منع کیا۔ حضرت قبیصہ بن ذویب کا بیان ہے کہ علماء اور عوام نے حضرت مروان کا فتوی قبول کیا۔ حضرت مروان بن حکم نے بطور امیر حجاز کئی بار حج کی امارت کی۔ طبری کے بقول ان میں ۴۳ھ کا حج بھی شامل تھا۔(۴۱)

نکاح و طلاق کے کئی مسائل کے حوالہ سے حضرت مروان بن حکم اموی کا ذکر خیر متعدد روایات حدیث و تاریخ میں آتا ہے امام ابوداؤد کی ایک روایت کے مطابق حضرت مروان نے بحیثیت امیر مدینہ خلیفۂ وقت حضرت معاویہ اموی کے حکم سے حضرات عبد الرحمٰن بن حکم اور عباس بن عبد اللہ بن عباس کی ایک دوسرے کی دختروں سے تبادلہ کی شادی فسخ کرا دی تھی کہ یہ نکاح شغار تھا جس کی ممانعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔(۴۲)

امام مالک کا بیان ہے کہ حضرت مروان اموی "طلاق البتہ" (قطعی طلاق) کو طلاق ثلاثہ (تین طلاقوں) کے مانند سمجھتے تھے اور اسی کے مطابق فیصلے کرتے اور فتاوی دیتے تھے۔ امام مالک ان کے فتوی کو اس باب میں پسندیدہ ترین سمجھتے تھے(۴۳) امام مالک ہی کی روایت ہے کہ ایک ثقفی شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق تملیک دی۔ پھر میاں بیوی میں اس پر اختلاف ہوا کہ کتنی طلاقوں کی تملیک کی گئی تھی۔ مقدمہ حضرت مروان کی عدالت عالیہ میں پہونچا۔ انہوں نے شوہر سے اس بات پر حلف اٹھوایا کہ اس نے صرف ایک طلاق دینے کا حق بیوی کو دیا تھا۔ جبکہ بیوی زیادہ طلاقوں کی طالب تھی۔ حضرت مروان نے شوہر کے قسم کھانے کے بعد اس کی بات مان لی اور اس کو اس کی طلاق رجعی شدہ بیوی واپس لوٹا دی۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر اور حضرت امام مالک دونوں کو حضرت مروان کا فیصلہ مرغوب تھا(۴۴) ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے اسی قسم کا ایک فیصلہ/فتوی محمد بن ابی عتیق نامی ایک تابعی اور ان کی اہلیہ محترمہ کے بارے میں دیا تھا۔(۴۵) اور اس سے حضرت مروان کے فتوے اور فیصلے کی تائید مزید ہوتی ہے۔

ایلاء سے متعلق ایک روایت موطا امام مالک کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ایلاء کرے اور اس پر چار ماہ کی مدت گذر جائے تو حضرت مروان اس کو ایک طلاق قرار دیتے اور دوران عدت شوہر کو حق دیتے کہ وہ چاہے تو رجوع کرلے۔ امام مالک کے مطابق امام زہری کی بھی یہی رائے اور فتوی تھا البتہ خود امام مالک کا فتوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق تھا۔ جس کے مطابق دوران عدت رجوع کا حق حاصل نہ تھا۔(۴۶) بہرحال یہ دونوں مسالک کا اجتہادی اختلاف تھا اور دونوں کے پاس ان کے اپنے اپنے دلائل اور شواہد تھے۔(۴۷)

طلاق، مطلقہ کے حق متاع، اور اس کے عرصۂ عدت گذارنے کے مقام کے بارے میں بعض صحابہ کرام اور تابعین کا اختلاف تھا اور ان میں سے بعض امور پر آج تک علماء کے درمیان اختلافِ نظر و فکر چلا آرہا ہے۔ اور ان کے پاس حدیث و سنت کے دلائل موجود ہیں اس باب میں اصل روایت یا واقعہ حضرت فاطمہ بنت قیس کا

ہے۔ عہد نبوی میں ان کو ان کے شوہر نامدار نے طلاق دے دی تھی اور چونکہ ان کے شوہر کا گھر مدینہ منورہ کے کنارے پر تھا جہاں تحفظ وحفاظت کا انتظام کافی نہیں تھا اس لئے ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایک عزیز کے گھر عدت گذارنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت فاطمہ بنت قیس اس کو سنّت نبوی اور مسئلہ شرعی سمجھ کر بیان فرماتی تھیں۔ حضرت مروان بن حکم کی امارت مدینہ منورہ کے دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت یحییٰ بن سعید بن العاص اموی نے عبد الرحمٰن بن حکم کی دختر کو طلاق دے دی اور ان کے والد عبد الرحمٰن نے مطلقہ کو شوہر کے گھر سے منتقل کر دیا۔ حضرت عائشہ کو معلوم ہوا تو حضرت مروان کو لکھ بھیجا کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور مطلقہ کو اس کے گھر واپس بھیجو (جہاں وہ عدت گذارے)۔ سلیمان راوی کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت مروان نے فرمایا کہ عبد الرحمٰن بن حکم نے مجھ پر غالب آکر یہ فیصلہ کرا لیا۔ حضرت قاسم بن محمد نے فرمایا: کیا تم کو فاطمہ بنت قیس کے معاملہ کی خبر ہے؟ تو اس عورت مطلقہ نے کہا اگر آپ فاطمہ کی حدیث نہ بیان کریں تو آپ کو کیا نقصان ہوگا؟ حضرت مروان نے کہا کہ اگر تمہارے ساتھ کوئی برائی ہے اور ان دونوں برائیوں میں ایک تمہارے لئے کافی ہے اور حضرت عائشہ کے حکم اور سنّت نبوی کے مطابق مطلقہ کو ان کے شوہر نے عدت گذارنے کا حکم دیا اور اپنے حکم کو فوری طور سے نافذ کیا۔ (۴۸)

امام نسائی نے امارت مروان بن حکم سے متعلق طلاق کی عدت گذارنے کا ایک دوسرا واقعہ یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عثمان نوجوان آدمی تھے اور انہوں نے حضرت سعید بن زید کی دختر کو جو قیس کی دختر تھیں "طلاق البتہ" دے دی۔ ان کی خالہ حضرت فاطمہ بنت قیس نے ان کے شوہر عبد اللہ بن عمرو کے گھر سے منتقل ہونے کا حکم دیا۔ حضرت مروان کو جب اس کی خبر لگی تو دختر سعید کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر لوٹ جائیں اور وہیں عدت گذاریں اور ان سے منتقلی کی وجوہ کے بارے میں بھی پوچھ گچھ کی۔ انہوں نے حضرت مروان کو بتایا کہ ان کی خالہ حضرت فاطمہ بنت قیس نے ان کو ایسا حکم دیا تھا۔ اور ان کی پوری حدیث سننے کے بعد حضرت مروان نے کہا کہ تم سے پہلے میں نے کسی اور سے یہ حدیث نہیں سنی اور میں تو وہی فیصلہ کروں گا جو لوگوں کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہے اور اہل علم جس سے تمسک کرتے ہیں (۴۹)

خرید و فروخت کے معاملات اور کتاب الیبوع کے مسائل و امور میں بعض روایات حضرت مروان بن حکم اموی اور ان کی پیروی کتاب و سنت سے متعلق نظر آتی ہیں۔ امام مسلم وغیرہ کی روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے حضرت مروان سے کہا کہ آپ نے سود کی فروخت کی اجازت دے دی ہے۔ حضرت مروان نے انکار کیا تو حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ آپ نے سندر چٹھیوں (صکاک) کی بیع و شراء کی اجازت دے دی جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلّہ (طعام) کی خرید و فروخت سے اس وقت تک منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ مکمل نہ ہو جائے (یعنی مال پر قبضہ نہ ہو جائے) راوی کا بیان ہے کہ حضرت مروان نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور اس کی خرید و فروخت سے روک دیا۔ امام سلیمان کا بیان ہے کہ میں نے محافظ دستوں کو دیکھا کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں سے ایسی ممنوع اشیاء لے رہے تھے۔ (۵۰)

اسلامی حدود و تعزیرات کے نفاذ کے بارے میں حضرت مروان کی پالیسی تمام سابقہ خلفائے کرام کی مانند رہی تھی۔ ان کے پوتے حضرت عمر بن عبد العزیز کے ایک فیصلہ کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف حضرت عمر ثانی نے بہتان تراشی کے الزام میں ایک غلام کو اسّی کوڑوں کی سزا دی تھی۔ حضرت ابو الزناد نے اس مسئلہ کی تحقیق حضرت عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ سے کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان اور ان کے بعد کے تمام خلفاء کا زمانہ پایا اور کسی کو بہتان تراشی میں چالیس سے زیادہ کسی غلام کو کوڑے لگواتے نہیں دیکھا یہ حضرت امام مالک کی روایت ہے۔ (۵۱)

امام مالک ہی کے مطابق حضرت طریف مرّی کو حضرت مروان نے حضرت عبد اللہ بن عباس کے پاس دانت توڑنے (ضرس) کی دیت کے بارے میں حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے بتایا کہ اس میں پانچ اونٹوں کی دیت ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت مروان نے ان کو دوبارہ حضرت ابن عباس کے پاس بھیجا اور پوچھوایا کیا آپ منہ کے اگلے حصہ کو دانتوں کے مانند سمجھتے ہیں۔ حضرت ابن

عباس نے جواب میں فرمایا کہ ان دونوں میں محض چند انگلیوں کا فرق ہے اور ان کی دیت یکساں ہے۔ امام مالک کا فتویٰ ہے کہ ہمارے نزدیک مقدمۂ چہرہ، دانت اور داڑھیں سب برابر ہیں اور ان کی دیت یکساں ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دانت میں پانچ اونٹوں کی دیت ہوتی ہے اور ضرس اونٹ کے دانتوں میں ایک دانت ہی ہے اور ان میں سے کچھ کو کچھ پر ترجیح و فضیلت نہیں دی جاسکتی (۵۲) امام مالک کا یہ بھی فتویٰ ہے کہ حضرت مروان بن حکم کسی زخمی غلام کی دیت اس کے زخم کے سبب اس کی مالیت اور قیمت میں کمی ہو جانے کے بقدر مقرر کرتے تھے اور یہی امام مالک کو پسند تھا۔ (۵۳) حضرت مروان نے اپنی امارت مدینہ ہی کے زمانے میں حضرت معاویہ خلیفۂ وقت سے ایک مجنون و پاگل قاتل کے بارے میں استفتا مانگا تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ اس پر حد اسلامی جاری نہیں کی جاسکتی اور تم امیر مدینہ کی حیثیت سے اس کی طرف سے مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کردو اور حضرت مروان نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ جبکہ حضرت معاویہ کے حکم کے مطابق حضرت مروان نے شرابی قاتل کو قتل کرادیا تھا۔ (۵۴)

چوری کے دو تین معاملات سے متعلق حضرت مروان کے فیصلہ اور اسلامی حدود کے نفاذ کا علم محدثین کرام کی روایات سے ہوتا ہے امام مالک کا بیان ہے کہ ایک غلام نے ایک شخص کے باغ سے (ودی) چرائی اور اپنے آقا کے باغ میں لگادی۔ مالک باغ کو جب اپنی چیز کی گمشدگی کی خبر ہوئی تو وہ اس کی تلاش میں نکلے اور مجرم کو پکڑ کر حضرت مروان کی عدالت میں پیش کیا۔ حضرت مروان نے غلام کو قید کردیا اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ غلام کا مالک حضرت رافع بن خدیج کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اس باب میں مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ پھل وغیرہ میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔ تب مالکِ غلام نے ان کو سارا واقعہ سنایا اور ان کو حضرت مروان کے پاس لایا اور جیسے ہی حضرت مروان نے حدیث نبوی سنی مقید غلام کو رہا کردیا۔ (۵۵) ایسا ہی ایک اور واقعہ امام زہری نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے کچھ سامان اچک لیا (اختلس)۔ اس کو گرفتار کرکے حضرت مروان کے پاس لایا گیا اور انہوں نے اس کو قطعِ ید کی سزا دینی چاہی لیکن اس سے قبل حضرت زید بن ثابت سے فتویٰ پوچھا اور انہوں نے فرمایا کہ (خلسہ) میں قطعِ ید نہیں ہے (۵۶) ان دونوں واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مروان نے عام حکم پر عمل کرکے کتاب و سنت کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہا تھا لیکن ان کے شرف کی بات ہے کہ انہوں نے اس باب خاص میں تحقیق کرنے کے بعد ہی کسی قسم کا اقدام کرنا چاہا تھا اور جب صحیح حکم نبوی معلوم ہوگیا تو انہوں نے اسی کے مطابق عمل کیا اور اپنے پہلے فیصلہ یا فتویٰ سے رجوع کرلیا۔ پہلے واقعہ کے بارے میں امام ابوداؤد نے وضاحت کی ہے کہ حضرت مروان نے اگرچہ مجرم غلام کو قطعِ ید کی سزا نہیں دی تھی تاہم اس کو چند کوڑوں کی سزا ضرور دی تھی تاکہ قانون کا تقاضا پورا ہوجائے اور یہی سزا بعض دوسرے معاملات میں بھی بعض روایات میں مذکور ہے۔ (۵۷)

مقدمات و قضایا کے باب میں محدثین کرام نے کئی روایات واحادیث حضرت مروان بن حکم اموی کے حوالہ سے بیان کی ہیں جن سے ان کی سوجھ بوجھ، فنی مہارت، کتاب و سنت کی اتباع اور عوامی مقبولیت اور اہل علم کے نزدیک ان کی معتبریت معلوم ہوتی ہے ایک مکان / احاطہ کے بارے میں حضرات زید بن ثابت صحابی اور عبداللہ بن مطیع تابعی کے درمیان اختلاف ہوا اور مقدمہ حضرت مروان کی عدالت تک پہونچا۔ حضرت مروان نے فیصلہ کیا کہ حضرت زید بن ثابت منبر پر بیٹھ کر حلف اٹھائیں لیکن حضرت زید نے اپنی جگہ تو قسم کھالی مگر برسر منبر حلف اٹھانے سے انکار کردیا جس پر حضرت مروان کو سخت تعجب ہوا۔ حضرت امام مالک کا فتویٰ ہے کہ چوتھائی دینار یعنی تین درہم سے زیادہ کی مالیت ہی کی چیز پر برسر منبر حلف اٹھوایا جاسکتا ہے مگر دوسرے محدثین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ مقامِ حقوق ہی پر حلف اٹھانا اور اٹھوانا چاہئے۔ البتہ بعض محدثینِ کرام نے حضرت مروان کے فیصلہ کی توثیق کی ہے اور خلفاء کرام کی سنت سے اسکو مدلل کیا ہے مثلاً امام بخاری نے ایک باب میں منبر نبوی کے پاس حضرت عمر کے لعنت کرنے مسجد کے اندر شریح، شعبی اور یحیٰ بن یعمر کے مقدمات کے فیصلے کرنے کے علاوہ حضرت مروان کا منبر کے پاس حضرت زید بن ثابت سے قسم اٹھوانے کا ذکر کیا ہے جو بہت اہم ہے (۵۸)

آراضی سے متعلق ہی ایک اور مقدمہ کا فیصلہ حضرت مروان کے حوالہ سے یوں مذکور ہے کہ ایک خاتون اروی بنت اویس نے عظیم صحابی حضرت سعید بن زید عدوی کے خلاف حضرت مروان کی عدالت میں دائر کیا۔ فریقین جب حاضر ہوئے تو حضرت سعید نے فرمایا: کیا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ حکم و فرمان سننے کے بعد کہ "جس نے بالشت بھر زمین بھی ظلم وتعدی سے حاصل کی اس کی گردن میں سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا" ایسی حرکت کا ارتکاب کر سکتا ہوں۔ حضرت مروان نے مقدمہ کا فیصلہ حدیث نبوی سننے کے بعد کردیا اور حضرت سعید سے عرض کیا کہ میں اس کے بعد آپ سے کوئی شہادت نہیں طلب کروں گا۔ (۵۹) اس فیصلہ سے حضرت مروان کی اتباع کتاب وسنت، احترامِ فرمان نبوی، توقیرِ صحابہ کے علاوہ ان کی اجتہادی بصیرت و قانونی مہارت کا ثبوت ملتا ہے امام بخاری نے ایسا ہی ایک اور مقدمہ یوں نقل کیا ہے کہ مشہور جاہلی سردار عبداللہ بن جدعان تیمی کے ایک مولیٰ حضرت صہیب کے دو فرزندوں نے حضرت مروان کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیب کو دو گھر اور ایک حجرہ عطا فرمایا تھا جس پر دوسروں نے قبضہ کرلیا تھا یا ان کے مدعی تھے۔ حضرت مروان نے ان دونوں سے شہادت طلب کی اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر کی گواہی پیش کردی اور حضرت مروان نے ان کی شہادت پر مدعیوں کے حق میں فیصلہ صادر کردیا۔ (۶۰)

چوری، چوری کے مال کی بازیابی اور مجرم کی سزا وغیرہ جیسے امور سے متعلق ایک اہم مسئلہ قضا کا ذکر امام نسائی نے کیا ہے حضرت مروان بن حکم نے امیر مدینہ کی حیثیت سے یمامہ کے عامل حضرت اسید بن حضیر انصاری کو لکھا کہ خلیفۂ وقت حضرت معاویہ کا حکم و فیصلہ ہے کہ اگر کوئی چور کسی کا مال چرا کر کسی کے ہاتھ بیچ دے اور پھر وہ مال اس کے اصل مالک کو مل جائے تو اسے جہاں ملے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے حضرت اسید بن حضیر کو اس سے اختلاف ہوا اور انہوں نے حضرت مروان کو اپنی سماعت کردہ حدیثِ نبوی لکھ بھیجی کہ جس شخص نے کسی چور سے بلا جانے بوجھے مال خرید لیا ہو تو پتہ لگنے پر مالک کو یہ حق دیا جائے گا کہ وہ چاہے تو مسروقہ مال کی قیمت لے لے یا چور کا تعاقب کرے۔ اسی پر اولین تین خلفائے کرام۔ حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان۔ نے عمل کیا ہے۔ حضرت مروان نے حضرت اسید کا خط خلیفۂ وقت کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت معاویہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ ان معاملات میں نہ ہمارا فتویٰ فیصلہ کن ہے اور نہ اسید کا۔ میں نے جن مناصب عمل پر تم دونوں کو مامور کیا ہے ان کے بارے میں میرا ہی فیصلہ ہوگا اور اسی کو نافذ کرنا ہوگا۔ حضرت مروان نے معاویہ کا فرمان حضرت اسید کے پاس بھیج دیا جن کو حضرت معاویہ کے فیصلہ سے اختلاف برقرار رہا کہ وہ اپنے قول کو زیادہ صحیح سمجھتے تھے۔ (۶۱)

حضرت مروان بن حکم کا ایک اور فیصلہ غلام کی مکاتبت کی رقم سے متعلق ہے۔ ایک حنفی (بنو حنیفہ کے) شخص فرافصہ بن عمیر کے غلام نے اپنے آقا سے مکاتبت کی اور پوری رقم مکاتبت ادا کرنے کی شرط پر آزادی طلب کی لیکن آقا نے انکار کردیا۔ چنانچہ مقدمہ حضرت مروان کی عدالت میں پہونچا۔ انہوں نے غلام کے مالک کو بلایا اور اس کو رقم ومال لے کر اسے آزاد کرنے کا حکم دیا لیکن آقا نے ضد کھائی اور فیصلہ ماننے سے انکار کردیا۔ حضرت مروان نے فیصلہ کیا کہ مکاتب غلام سے رقم مکاتبت لے کر بیت المال میں داخل کردی جائے اور غلام کو آزاد کردیا۔ مالک نے دیکھا کہ مال وغلام دونوں ہاتھ سے جارہے ہیں تو اس نے مال قبول کرلیا۔ امام مالک نے حضرت مروان کے فتوے اور فیصلے کو قبول کیا ہے۔ خود حضرت مروان غلام خرید کر آزاد کردیا کرتے تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ انہوں نے ابو حفصہ یمانی اور ان کے اہل وعیال کو خرید کر آزاد کردیا تھا اور ان آزاد کردہ غلاموں نے اپنے سابق آقا کے ساتھ مل کر حضرت عثمان کی حفاظت کی تھی۔ (۶۲)

حضرت مروان بن حکم اموی کو جن انتظامی معاملات اور ریاستی امور میں مطعون وبدنام کیا گیا ہے ان میں سے کچھ کا تعلق تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ سوئم کے عہد میمنت لزوم میں ان کے منصب کتابت (سکریٹری) سے ہے اور کچھ کا ان کے دورِ امارتِ مدینہ سے ہے۔ اگرچہ ان کا عہد خلافت خاصا مختصر رہا تاہم بعض انتظامی اور سرکاری "بدعات" اس سے بھی منسوب ضرور کی جاتی ہیں۔ ان میں سے دو اہم معاملات کا تعلق بالترتیب آراضی فدک کی تنظیم اور

ولی عہدو جانشینِ خلافت کی تقرری سے ہے۔

آراضی فدک کا مسئلہ خاصا اہم اور مفصل بحث کا متقاضی ہے جو بعد میں کسی وقت پیش کیا جائے گا۔ مختصراً یہ معاملہ یوں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ۔ ۶۲۹ء میں جب خیبر، فدک، وادی القریٰ اور تیماء کی یہودی بستیاں فتح کیں تو مفتوحہ آراضی کی اسلامی ملکیت کا نظریہ واصول تسلیم کرانے کے بعد انہیں ان کے سابقہ مالکوں یعنی یہودی کاشتکاروں کے قبضہ میں چھوڑ دیا اور ان سے پچاس فیصد پیداوار کے خراج پر معاہدہ کرلیا۔ اس مسلم پچاس فیصد خراج میں چار حصے تو مسلم مجاہدین کے تھے جنہوں نے وہ آراضی حاصل کی تھی اور ایک حصہ خمس کہلاتا تھا وہ اسلامی ریاست کا حصہ تھا۔ اس کی صرف پیداوار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آتی تھی اور آپ بحیثیت حکمراں اس کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ آراضی یہودی کاشتکاروں کے قبضہ میں ہی رہی۔ اگرچہ ملکیت کے حقوق نبوی حکومت کو تھے وفاتِ نبوی کے بعد خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبوی طریقہ کار جاری رکھا جس سے حضرت فاطمہ کو اختلاف ہوا کہ وہ دخترِ نبوی ہونے کے سبب اس کی ملکیت اور پیداوار کے قبضہ کی طالب تھیں لیکن حضرت ابو بکر صدیق اس کو ریاستی ملکیت سمجھتے تھے اور بطور خلیفہ اس کے متولی تھے خلافتِ فاروقی میں کچھ مدت کے لئے فدک کی تولیت نیابتاً حضرات عباس بن عبد المطلب ہاشمی اور علی بن ابی طالب ہاشمی کو ضرور دی گئی لیکن آراضی کی ملکیت اور پیداوار کی تقسیم وقبضہ اسلامی خلیفہ کا حق رہا۔ یہی صورت حال حضرات عثمان، علی، حسن، معاویہ، یزید اور معاویہ ثانی یعنی تمام خلفاء پیشیں کے عہد میں رہی۔ حضرت مروان نے اپنے عہد میں آراضی فدک کو اقطاع پر دوسروں کو دے دیا تاکہ اس کی پیداوار میں اضافہ ہو۔ امام ابوداؤد کا بیان ہے کہ عہد عمر بن عبد العزیز اموی کے آغاز تک اس کے غلّہ کی مالیت چالیس ہزار دینار تھی۔ لیکن جب حضرت عمر ثانی نے اس کی تولیت بنو ہاشم کو دے دی تو دو برسوں کے اندر اندر اس کی قیمت پیداوار صرف چار سو دینار رہ گئی اور بقول امام موصوف اگر حضرت عمر ثانی مزید زندہ رہتے تو اس سے بھی کم ہو جاتی۔ دراصل حضرت مروان کا اقدام ایک انتظامی مدبرانہ فعل تھا۔ انہوں نے اس کو اپنی ذاتی جاگیر یا ملکیت نہیں بنالیا تھا جیسا کہ عام طور سے سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے۔ (۶۳)

جانشینوں کی نامزدگی کے سلسلہ میں یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ حضرت مروان نے معاہدۂ جابیہ کی خلاف ورزی کر کے خالد بن یزید اموی اور عمرو بن سعید اموی کو ان کے حق سے محروم کر کے اپنے فرزندوں عبد الملک اور عبد العزیز کو بالترتیب جانشین وولی عہد نامزد کیا تھا اور اس روایت کے مقصود کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نامزدگی محض خاندانی وجاہت اور وراثت کی بنا پر نہیں کی جاتی تھی بلکہ صلاحیت ولیاقت کو بنیادی اہمیت دی جاتی تھی۔ حضرت مروان کو کچھ مدت کے بعد احساس ہوا جس میں خالد بن یزید اموی کے سخت وفادار اور بیکراں حامی حسان بن مالک بن محدل کلبی بھی شامل تھے کہ نامزد ولی عہدوں میں سے کوئی بھی خلیفہ بننے کا اہل نہیں لہٰذا انہوں نے باہمی مشورہ اور اہل رائے کی مشاورت کے بعد ہی عبد الملک اور عبد العزیز کو بالترتیب جانشین اوّل ودوم مقرر کیا تھا۔ اور ان کی تقرری میں ان کی صلاحیت ولیاقت اور سیرت وکردار کو بنیادی دخل تھا۔ (۶۴)

ان فقہی اور انتظامی اور سیاسی معاملات کے علاوہ حضرت مروان کا ذاتی کردار بعض دوسرے امور کے حوالہ سے بھی بہت بلند، خلیفہ اسلام کے لائق اور اسلامی آدرش کے مطابق نظر آتا ہے جس کا ان کے مبینہ سیاسی کردار سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ ان میں ایک تو اہم انتظامی معاملہ یہ ہے کہ حضرت مروان جب بھی مدینہ منورہ سے باہر جاتے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے محدّث صحابی کو اپنا نائب اور خلیفہ امیرِ مدینہ بنا کر جاتے۔ اور ایسا ایک دو موقعہ پر نہیں ہوا نہ ہی کچھ مدّت کے لئے بلکہ کئی بار ہوا اور کافی طویل مدّتوں کے لئے کہ اس زمانے میں سفر میں کافی وقت لگتا تھا (۶۵) اسی طرح حضرت مروان کے مختصر عہد خلافت کے والیوں، عاملوں اور کارکنوں اور قاضیوں کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ان میں متعدد صحابۂ کرام و تابعینِ عظام نظر آتے ہیں جو سب کے سب بلند کردار کے افراد تھے (۶۶) ان کے دوسرے انتظامی امور میں ایک تو صاع مدینہ کی اصلاح تھی کہ تمام اوزان وماپوں کو جمع کر کے ان میں سے ایک کو جو "اعدل" تھا اختیار کر کے رواج دیا اور دراصل صاع نبوی کو پھر مقبول بنایا کہ ان کا صاع دراصل نبوی صاع تھا جیسا کہ ابن سعد وغیرہ نے تصریح کی ہے (۶۷) اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ اپنی امارت مدینہ کے دوران شہر نبوی کے تمام اکابر اور اہل رائے صحابۂ کرام کو جمع کر کے ان سے مشورہ کرتے تھے اور ان کے مشوروں پر عمل بھی کرتے تھے اور کہا

جاسکتا ہے جیسا کہ تاریخی شواہد و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی مختصر خلافت کے دوران بھی مشورہ اور شوریٰ کو نظرانداز نہیں کیا تھا۔ مثال میں مرج راہط، معاہدۂ جابیہ اور ولی عہدی کے واقعات کو پیش کیا جاسکتا ہے(۶۸)

حضرت مروان کے تقویٰ و ورع اور احتیاط و احتراز کا ایک واقعہ امام مالک نے ان کے فرزند گرامی حضرت عبدالملک کے حوالہ سے یوں نقل کیا ہے کہ خلیفۂ وقت عبدالملک اموی نے اپنے کار کن ساتھی / دوست (صاحب) کو ایک باندی عطا کی اور پھر اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ اسے اپنے فرزند کو ہبہ کردوں اور وہ اس کے ساتھ یہ اور یہ کرے (یعنی مباشرت کرے) اس پر عبدالملک نے کہا: "حضرت مروان البتہ تم سے زیادہ متقی تھے کہ انہوں نے اپنے فرزند کو ایک کنیز دی تو ہدایت بھی ساتھ ہی کی کہ اس کے قریب نہ جانا کیونکہ میں نے اس کی پنڈلی کھلی ہوئی دیکھ لی ہے"۔(۶۹)

ان کے کردار کی عظمت کا ایک اہم ثبوت یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام سے ان کے قریبی تعلقات تھے اور وہ ان سے ریاستی امور و مسائل میں صلاح و مشورہ کرنے کے علاوہ کتاب و سنت کے مختلف پہلوؤں پر بحث و مباحثہ کرتے اور تحقیق مسائل کیا کرتے تھے۔ سنت و حدیث سے ان کو بے انتہا شغف تھا اور وہ برابر زندگی اور سیاست کے معاملہ میں اس کی روشنی حاصل کرنے کی فکر میں رہتے تھے طبری نے حضرت سعید بن مسیب کی عینی شہادت نقل کی ہے کہ ہم حضرت مروان کے پاس بیٹھے تھے کہ صاحب نے بتایا کہ حضرت ابو خالد حکیم بن حزام تشریف لائے ہیں۔ حضرت مروان نے ان کو پورے اعزاز و اکرام سے اندر بلایا اور صدرِ مجلس میں ان کے لئے جگہ بنائی اور پھر ان سے غزوۂ بدر کی تفصیل سنانے کی فرمائش کی تو انہوں نے سنائی[۷۰] امام مالک نے ابو المثنیٰ جہنی کی عینی شہادت نقل کی ہے کہ میں حضرت مروان بن حکم کے پاس تھا کہ حضرت ابو سعید خدری تشریف لائے۔ حضرت مروان نے ان سے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے پینے کی چیز (شراب) میں یا پیتے وقت پھونکنے سے منع فرمایا ہے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دے کر واقعہ بیان کیا کہ ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں ایک سانس میں سیراب نہیں ہوتا ہوں آپ نے اس سے فرمایا کہ برتن اپنے منہ سے ہٹالیا کرو پھر سانس لیا کرو۔ اس نے پھر پوچھا اگر اس میں کوئی گندگی دیکھوں تو؟ فرمایا کہ اس کو بہادیتا(۷۱)

متعدد محدثین کرام نے بیان کیا ہے کہ حضرت مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ خوف پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تھا اور صحابی موصوف نے اپنی عینی شہادت کی بنیاد پر نبوی صلوٰۃ الخوف کی پوری کیفیت مع جملہ مسائل بیان کی تھی (۷۲) حضرت ابو ہریرہ ہی سے حضرت مروان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ اور خاص کر اس کی دعائے نبوی کے بارے میں سوال کیا تھا اور حضرت ابو ہریرہ نے ان کو ایک جنازہ کی دعائے نبوی کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔ جنازہ کی نماز، مشایعت، اور تدفین میں شرکت وغیرہ کے بعض واقعات کا ذکر اوپر آچکا ہے(۷۳)

امام مسلم نے حضرت نافع بن جبیر کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک بار حضرت مروان بن حکم نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا تو اس میں مکہ مکرمہ، اس کے اہل اور اس کی حرمت و تقدس کا ذکر کیا۔ لیکن مدینہ منورہ اور اس ساکنان پاک حرم محترم اور حرمت و تقدس کا ذکر نہیں کیا۔ تو حضرت رافع بن خدیج نے ان کو پکار کر کہا کہ کیا بات ہے آپ نے مکہ اور اس کے باشندوں اور اس کی حرمت کا ذکر تو کیا لیکن مدینہ اور اس کے اہل و تقدس کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دونوں لاووں (لابتیھا) کے درمیان واقع علاقہ کو حرم قرار دیا ہے اور یہ ہمارے پاس ایک خولانی چمڑے پر لکھا ہوا بھی ہے۔ اگر آپ چاہئیں تو میں آپ کو پڑھوا دوں۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت مروان تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا: ہاں میں نے اس کے بارے میں کچھ سنا ہے۔ (۷۴) حضرت مروان کا مدینہ منورہ کی حرمت و تقدس کے بارے میں سکوت اختیار کرنا اس بنا پر نہ تھا کہ وہ اس کے قائل نہ تھے بلکہ وہ دراصل حج کے ضمن میں مکہ کی فضیلت بیان کر رہے تھے جیسا کہ امام مسلم کی کتاب کے عنوان سے واضح ہوتا ہے۔ اسی ضمن میں طبری کی ایک روایت بھی نقل کرنی ضروری ہے کہ جب عمرو بن سعید نے خلافت یزید میں ۶۰ھ میں حضرت ابن زبیر کے خلاف مکہ پر اقدام کرنا چاہا تو حضرت مروان نے ان کو منع کرتے ہوئے کہا: اللہ سے ڈرو اور مکہ پر حملہ نہ کرو اور ابن الزبیر کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اس وقت وہ پینسٹھ سال کے ہیں وہ ضدی آدمی ہیں۔ اللہ کی قسم اگر تم ان کو قتل نہ کرو گے تو وہ خود مرجائیں گے۔ تم بیت اللہ کی حرمت کو پامال نہ کرو۔ لیکن جب عمرو بن الزبیر نے ان سے جنگ کرنے کا عزم ظاہر کیا تو حضرت مروان یہ کہہ کر الگ ہو گئے اللہ کی قسم اس سے مجھے تکلیف

لی۔(۷۵)

احادیث میں زیادہ تفصیل کے ساتھ اور قرآنی آیات میں
مار کے ساتھ علاماتِ قیامت اور آثارِ آخرت کا ذکر آیا ہے۔ حضرت
ان کو حدیث و کتاب سے شغف کے سبب ان سے بھی دلچسپی تھی۔
ں محدثین کرام کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار قیامت کی
نیوں کے بارے میں مذاکرہ جناب مروان میں ہو رہا تھا تو حضرت مروان
فرمایا کہ اوّلِ علامت دجال کا خروج و ظہور ہوگا۔ راوی حدیث
رت ابو زرعہ حاضر مجلس تھے اور وہ جب اٹھے تو سیدھے حضرت
اللہ بن عمرو کے پاس گئے اور ان سے حضرت مروان کے مقولہ اور
ال کا ذکر کیا انہوں نے فرمایا کہ کچھ نہیں کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی
علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ علامات و آیاتِ قیامت میں سے
اعتبار ظہور اوّلین علامت مغرب سے سورج کا طلوع ہوگا یا بوقت
شت جانور (دابہ) کا لوگوں کے سامنے ظہور ہوگا۔ ان میں سے اوّلین
ئی بھی ہو مگر دوسری پہلی کے فوراً بعد ظہور میں آئے گی۔ بہرحال
رت عبداللہ بن عمرو جو عالم کتبِ سماوی تھے یہ خیال و گمان رکھتے تھے
اوّلین علامتِ قیامت مغرب سے طلوع شمس ہی ہوگا۔ مذکورہ بالا
ایت میں اختلاف اور شک کے باوجود یہ معاملہ دراصل معلومات کے
لاف کا تھا۔ حضرت مروان کا خیال دوسروں سے مختلف تھا اور اس کی
اد بھی کوئی منقول روایت ہی رہی تھی۔(۷۶)

روایات و آثار کا اتفاق ہے کہ حضرت مروان بن حکم اموی کو
تابِ الٰہی اور قرآن مجید سے بے انتہا شغف تھا اور وہ اس کے قاری،
لم، ماہر مفسر اور عامل تھے۔ اور یہ رائے حضرت معاویہ بن ابی سفیان
ضی اللہ عنہ جیسے کاتبِ وحیِ الٰہی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
تندِ خاص کی رائے تھی۔ کسی عام شخص کا خیال نہ تھا(۷۷) اس کی
مدیق متعدد روایات سے ہوتی ہے اور ان سے مزید علم ہوتا ہے کہ
ضرت مروان قرآن مجید کی آیات و بیانات میں مسلسل تدبّر و تفکر کرتے
ہتے تھے اور مفسرین صحابۂ کرام سے برابر رجوع بھی کیا کرتے تھے۔

حضرت مروان بن حکم نے بعض آیات قرآنی کی شان نزول
ے بارے میں بھی روایات صحابۂ کرام سے نقل کی ہیں۔ ان میں سے
یک امام بخاری نے حضرت سہل بن سعد ساعدی صحابی رسول سے یوں
قل کی ہے کہ میں نے حضرت مروان کو مسجد میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں
بی ان کے پہلو میں جا کر بیٹھ گیا۔ تب انہوں نے بتایا کہ حضرت زید بن
ثابت نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آیت کریمہ

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (النساء: ۹۵)

املا کرائی ہی تھی کہ اسی وقت حضرت ابن ام مکتوم آ گئے اور آپ ابھی املا کرا رہے تھے تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر جہاد کی استطاعت ہوتی تو میں ضرور جہاد کرتا۔ وہ دراصل نابینا شخص تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ اس وقت آپ کی ران میری ران پر تھی اور وہ اس قدر بوجھل ہو گئی کہ میں اپنی ران کے ٹوٹ جانے کا خدشہ میں مبتلا ہو گیا۔ پھر نزولِ وحی کی کیفیت جاتی رہی اور اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: غیر اولی الضرر یعنی حضرت ابن ام مکتوم کی درخواست و عرض پر اللہ تعالیٰ نے تمام معذور لوگوں کو اس سے مستثنیٰ فرما دیا تھا۔(۷۸)

صلح حدیبیہ کی طویل حدیث حضرات مروان بن حکم اموی اور مسور بن مخرمہ سے متفقہ طور سے مروی ہے۔ اس میں صلح کی تفصیلات، غزوہ کے واقعات، اسلامی قوانین واحکام کے علاوہ بعض آیات قرآنی کے نزول کا بھی ذکر ہے۔ خاص کر معاہدۂ صلح کی اس شق کے بارے میں جس کے مطابق مسلمانوں کو مکہ سے آنے والے تمام مسلمانوں کو واپس کرنا پڑتا تھا لیکن جب حضرت ام کلثوم بنت عقبہ اموی نے مجاہدانہ و سرفروشانہ ہجرت کی تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ ممتحنہ کی آیات کریمہ نازل کر کے اس شق کو مومنات کے حق میں منسوخ کر دیا اور اہل مکہ کو اسے تسلیم کرنا پڑا۔(۷۹)

(جاری)

بقیۃ : خبرنامہ

میں مکمل نیوکلیائی ترک اسلحہ پر زور دیا گیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس دھرتی کو امن کا گہوارہ بنایا جاسکے گا؟ امریکہ اور دیگر نیوکلیائی طاقتوں کی پالیسی میں تبدیلی اس بات کی غماز ہے کہ وہ چھٹی شق کے تحت اپنی ذمہ داری نبھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق نیوکلیائی حکمت عملی کو تیسری دنیا سے منسلک کرنا نیوکلیائی اسلحوں کے کردار میں توسیع ہے تخفیف نہیں۔

شیخ سعود ابراہیم شریم
امام وخطیب مسجد حرام کی تصنیف
المنہاج للمعتمر والحاج کے ترجمہ کا ایک باب
ترجمہ: رفیق احمد سلفی

سفر اور اس کے آداب

ارشاد باری ہے :

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ　(الذاریات : ۲۰، ۲۱)

اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں تم دیکھتے نہیں؟

اور ارشاد ہے :-

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ۔ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.(آلعمران: ۱۹۰، ۱۹۱)

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے ادل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں کے بل (لیٹے) ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے پروردگار! تونے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا پاک ہے تیری ذات پس تو جہنم کے عذاب سے ہمیں بچالے۔

اور ارشاد ہے :

فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ　(التوبة:۲)

پس تم چل پھر لو زمین میں۔

نیز ارشاد ہے :

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا　(الملك:۱۵)

وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو نرم کیا پس تم اس کے راستوں پر چلو پھرو۔

ان آیات کی روشنی یہ بات جانی چاہئے کہ زمین کی سیاحت اور عجائب خلقت میں غور وفکر ان اشیاء میں سے ہے جن سے حق تعالیٰ کی معرفت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس یقین میں پختگی پیدا ہوتی ہے کہ اس کائنات کا تنہا ایک ہی مدبر ہے اس کے علاوہ کوئی خالق ہے نہ معبود برحق۔

مسافر جب اللہ کی کاریگری کے عجائبات اور اس کی قدرت کاملہ کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس میں غور وفکر پر مجبور ہوتا ہے اور اس عظیم ہستی کی ہیبت پورے طور سے دل میں سما جاتی ہے۔

فيا عجبا كيف يُعصى الإلٰه
أم كيف يجحده الجاحد

ہائے تعجب کیونکر معبود کی نافرمانی کی جاتی ہے اور انکار کرنے والے کیونکر اس کا انکار کرتے ہیں

وفي كل شيء له آية
تدل على أنه واحد

اور حال یہ ہے کہ ہر شئی میں اس کی نشانی موجود ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ تنہا واکیلا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی جو زمین کی سیاحت کرتے ہیں لیکن اس کی مخلوقات میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے سرزنش فرمائی ہے۔ ارشاد باری ہے :

وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ

عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (يوسف:١٠٥)

آسمانوں اور زمین میں کتنی نشانیاں ہیں جن سے لوگ منہ پھیر کر گذر جاتے ہیں۔

ابونواس کہتا ہے :

تأمل فی نبات الأرض وانظر
إلی آثار ما صنع المليك

زمین کے پودوں میں غور کر اور ان آثار و نقوش کو دیکھ جو بادشاہ حقیقی کی کاریگری کا کرشمہ ہیں۔

عيون من لجين شاخصات
بأحداق هی الذهب السبيك
علي قضب الزبرجد شاهدات
بان الله ليس له شريك

سبز شاخوں پر نرگس کی سفید پتیاں اور ان کے بیچ سنہرے رنگ کی ابھری ہوئی گول شئی ایسے لگتی ہے گویا زبرجد کے ٹکڑوں پر سونے کی آنکھیں ہیں جو چاندی کے فریم میں فٹ ہیں یہ ساری چیزیں اس بات کی گواہ ہیں کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔

لوگوں کو اپنی ضروریات زندگی کے لئے خواہ وہ مادی ہوں یا معنوی اکثر سفر کا واسطہ پڑتا رہتا ہے اس کے باوجود انسان کی اپنے گھر و وطن اور احباب سے جدائی اور جاگنے سونے، کھانے پینے وغیرہ امور میں خلاف عادت امور کا سامنا سفر کو مسلمان کے لئے اس کی زندگی میں زبردست اہمیت کی حامل چیز بنا دیتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے عہد شباب میں نبی ہونے سے قبل اور نبوت کے بعد کئی دفعہ سفر کا واسطہ پڑا ہے، سفر انسان کے اس خول کو جس میں اس کی فطرت چھپی ہوتی ہے اس سے عموماً اتار پھینکتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ سفر انسان کی سیرت و کردار کو عیاں کرتا ہے۔ سفر میں دو طرح کی حالتیں پیش آتی ہیں۔

۱۔ حالت مدح : یہ حالت اس سفر کی ہوتی ہے جو کسی خاص جگہ پر لمبے قیام کے سبب پیدا شدہ آزردگی، اکتاہٹ اور مایوسی و افسردگی سے نجات پانے کے لئے کیا گیا ہو۔ اسی وجہ سے کچھ لوگ سفر کی مدح و ستائش کرتے ہیں۔ سامون کہتا ہے :

لاشیء ألذ لی من السفر لأننی انزل مكاناً لم اكن رأيته من قبل، وأتعرف علی أناس لم أكن اعرفهم من قبل،

سفر سے زیادہ لذت آگیں میرے لئے کوئی چیز نہیں کیونکہ سفر میں ایسی جگہوں پر قیام کے مواقع میسر آتے ہیں جنہیں اس سے قبل دیکھنے کا سابقہ نہیں ہوتا اسی طرح ایسے لوگوں سے تعارف حاصل ہوتا ہے جن کو میں اس سے پہلے نہیں جانتا تھا۔

شاعر کہتا ہے :

سافر تجد عوضًا عمن تفارقه
وانصب فإن لذيذ العيش فی النصب

سفر کر (سفر میں تو) جن احباب سے جدا ہوتا ہے ان کا بدل پائے گا نیز سفر کی کلفتیں اٹھا کیونکہ لطف زندگی انہیں کلفتوں میں ہے۔

إنی رأيت وقوف الماء يفسده
إن سال طاب وإن لم يجر لم يطب

میں نے دیکھا ہے کہ پانی کا کسی جگہ لمبے عرصے تک ٹھہرا رہنا اسے فاسد کر دیتا ہے بہتا رہے تو وہ خوشگوار رہتا ہے اور اگر زیادہ دنوں تک نہ بہے تو بدبودار اور گدلا ہو جاتا ہے۔

والشمس لو بقيت فی الأفق واقفة
لملها الناس من عجم ومن عرب

سورج اگر افق پر ٹھہرا رہے تو سارے لوگ خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے اس سے آزردگی اور اکتاہٹ محسوس کرنے لگ جائیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

السفر قطعة من العذاب (بخاری ومسلم)

سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔

آپ سوال کر سکتے ہیں کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے دل کو تشویش لاحق ہوتی ہے اور ذہن احباب و رفقاء اور اہل و عیال کی جدائی سے افسردہ و مضمحل ہو جاتا ہے امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی سے پوچھا گیا :

لم كان السفر قطعة من العذاب؟

سفر عذاب کا ٹکڑا کیوں ہے۔

توانہوں نے برجستہ کہا :

لأن فيه فرقة الأحباب

کیونکہ دل فراق یار کے تصور سے تڑپ اٹھتا ہے

کہا جاتا ہے کہ ایک بدوی نے سفر کا ارادہ کیا تو اپنی رفیقۂ حیات سے یوں گویا ہوا :

عدى السنين لغيبتي وتصبري
وذري الشهور فإنهن قصار

میری غیبوبیت کا شمار سالوں سے کرنا اور صبر کا دامن مت چھوڑنا مہینوں کو نظرانداز کردینا کیونکہ وہ مختصر ہوتے ہیں۔

تو اس نے برجستہ جواب میں کہا :

فاذكر صبابتنا إليك وشوقنا
وارحم بناتك إنهن صغار

اپنے لئے ہماری تڑپ اور شوق کو تم یاد کرنا اور اپنی بچیوں پر رحم کھانا کیونکہ وہ کمسن ہیں۔

اپنی بیوی کی یہ تڑپ دیکھ کر اس کا دل نرم پڑگیا اور ارادۂ سفر سے وہ باز آگیا اور اپنے وطن ہی میں مقیم رہا۔

ان سب باتوں کے باوجود کچھ سفر ضروری اور ناگریز ہوتے ہیں جن سے اکثر لوگوں کے لئے بے نیازی ممکن نہیں ہوتی مثلاً زیارت یا حج بیت اللہ کا سفر ہو یا کسی قرابت دار عزیز کی صلہ رحمی کے لئے ہو یا رزق حلال کے کسب یا علم کے طلب کیلئے ہو یا اس کے علاوہ کسی اور اہم مقصد کے لئے ہو۔

سفر عموماً فوائد سے خالی نہیں ہوتا اس کے بیشمار فوائد ہیں امام شافعی رحمہ اللہ نے ان میں سے چند کا ذکر اپنے ان اشعار میں کیا ہے وہ فرماتے ہیں :

تغرب عن الأوطان فى طلب العُلىٰ
وسافر ففى الأسفار خمس فوائد

وطن کو رفعت و عظمت کے حصول کے لئے خیرباد کہہ اور سفر کر کیونکہ سفر میں پانچ فوائد ہیں۔

تفرُّج هم واكتساب معيشة
وعلم وآداب وصحبة ماجد

ازالۂ غم، اکتساب رزق، حصول علم، حصول ادب اور بزرگوں کی صحبت۔

اس زمانے کا سفر پرانے زمانے کے سفر سے بہت بدل گیا ہے سڑکیں اور کشادہ شاہراہیں بن گئی ہیں جن پر مختلف ماڈل کی آرام دہ سواریاں دندناتی پھرتی ہیں آپ چاہیں تو زمین کی سیاحت کریں اور چاہیں تو فضا میں اڑیں اور دریا و سمندر میں تیریں۔ اسی طرح وقت اور زمانے بھی سکڑ گئے ہیں جو سفر ہزاروں دقتوں کے ساتھ مہینوں میں طے ہوتے تھے وہ چند دنوں میں بلکہ چند گھنٹوں میں بلا کسی الجھن و پریشانی کے طے ہو جاتے ہیں۔

ان آسانیوں اور آسائشوں کے باوجود وہ خطرات جو خشکی، تری اور فضا میں پھیلے ہوئے ہیں معدوم نہیں ہوئے ہیں بلکہ پہلے سے زیادہ بڑھ گئے ہیں یہ خطرات ہمیں اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ ہم ہمیشہ اللہ کے حفظ و امان میں ہوتے ہیں اور ہر وقت ہمیں اسی کے لطف و کرم پر بھروسہ کرنا چاہئے اور اسی کی طرف پناہ ڈھونڈنی چاہئے۔

فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے اپنے شہر اور وطن کو خیرباد کہہ کر سفر پر روانگی آخرت کے سفر کو یاد دلاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے لئے مقدر فرمادیا ہے۔ موت ایک جام ہے جسے ہر شخص کو پینا پڑے گا۔ یہاں ہر شخص مہمان ہے اور ہر مہمان کو کوچ کرنا پڑتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۔ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۔ (الرحمن:۲۶،۲۷)

جو مخلوق زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات بابرکت جو صاحب جلال و عظمت ہے باقی رہے گی۔

نیز ارشاد ہے :

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران:۱۸۵)

ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

سلف میں سے ایک بزرگ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہتے ہیں

یابنی جدّد السفینة فإن البحر عمیق، وأکثر الزاد فإن السفر بعید وأحسن العمل فإن الناقد بصیر

بیٹے! کشتی نئی بنالے کیونکہ دریا اتھاہ ہے اور زادہ راہ بڑھالے کیونکہ سفر دور ہے اور عمل کو سنوار لے کیونکہ پرکھنے والا بہت ماہر ودور بیں ہے بندہ آخرت کے لئے جو زادہ راہ جمع کرتا ہے اس میں سب سے بہتر زاد راہ اللہ کا خوف اور عمل صالح ہے۔

اس باب کے خاتمہ پر بہتر ہوگا کہ میں حجاج کرام کے استفادے کے لئے ان آداب کا ذکر کروں جن کو پیش نظر رکھنا عموماً ہر مسلمان کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ حج کا سفر بھی اسی عموم میں داخل ہے۔ یہ آداب درج ذیل ہیں۔

۱۔ جب انسان سفر کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ استخارہ کرلے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب تم میں سے کوئی کسی اہم معاملہ کا ارادہ کرے تو فرض صلوات کے علاوہ دو رکعت نفل پڑھے پھر یوں دعا کرے :

اللّٰهم إنّی استخیرك بعلمك واستقدرك بقدرتك وأسألك من فضلك العظیم، فإنك تقدر ولا أقدر وتعلم ولاأعلم وأنت علام الغیوب اللهم إن کنت تعلم أن هذا الأمر -قال ویسمی حاجته- خیر لی فی دینی ومعاشی وعاقبة أمری أو قال فی عاجل أمری وآجله فاقدره لی ویسره لی وبارك لی فیه، وإن کنت تعلمه شرًّا لی فی دینی ومعاشی وعاقبة أمری أو قال فی عاجل أمری وآجله، فاصرفه عنی واصرفنی عنه واقدر لی الخیر حیث کان رضّنی به (بخاری وغیرہ)

اے اللہ! میں تیرے علم کے سہارے خیر طلب کرتا اور تیری قدرت کے سہارے قدرت طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیرا فضل عظیم مانگتا ہوں تو قدرت رکھتا ہے میں قدرت نہیں رکھتا، تو جانتا ہے میں جانتا نہیں تو ہی غیب کا علم رکھنے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ چیز (آپ نے فرمایا اور وہ اپنی حاجت کا نام لے۔) میرے دین، دنیا آخرت اور انجام کار کے لئے بہتر ہے تو تو مجھے اس پر قادر بنادے۔ میرے لئے اسے آسان کردے، اور میرے لئے اس میں برکت عطا فرما، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ چیز میرے دین، دنیا، آخرت اور انجام کار کے لئے بری ہے تو تو اس کو مجھ سے اور مجھ کو اس سے ہٹادے اور مجھے خیر پر جہاں بھی ہو قادر بنا اور اس پر مجھے خوش رہنے کی توفیق دے۔

جاہلیت میں پرندہ اڑانے اور تیروں سے شگون لینے کا جو طریقہ رائج تھا اس کے بدلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو استخارہ کا حکم فرمایا ہے۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان "إذاهم احدکم بالأمر" میں جس امر کا ذکر فرمایا ہے اس کے عموم میں سفر بھی داخل ہے۔

۲۔ مسافر کو سفر پر روانہ ہونے سے پہلے اپنی وصیت لکھ دینا چاہئے کیونکہ زندگیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِأَیِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ ۔ إِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ○ (لقمان: ۳۴)

اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ کس سرزمین میں اسے موت آئیگی بیشک اللہ ہی جاننے والا اور خبردار ہے۔

اس لئے موت سے قبل قرض، وصیت اور دوسرے حقوق کا بخوبی علم ہونا چاہئے۔ وصیت ہر اس شخص کے لئے مشروع ہے جس کے پاس وصیت کے لائق کوئی چیز ہو۔ خواہ وہ سفر کا ارادہ رکھتا ہو یا نہ لیکن اگر مسلمان اس سے غفلت میں رہا ہے تو اس کے حق میں یہ اس وقت مؤکد ہوجاتا ہے جب وہ سفر کا ارادہ کرے کیونکہ سفر میں جو خطرات اور پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں ان سے ہمہ وقت ہلاکت اور موت کا اندیشہ لگا رہتا ہے، وصیت کی مشروعیت کی دلیل وہ حدیث ہے جو نبی صلی اللہ علیہ

وسلم سے صحیح سند سے ثابت ہے آپ فرماتے ہیں :

ما حق امرئ مسلم له شيء يوصي فيه يبيت ليلةً او ليلتين إلا ووصيته مكتوبة عنده (بخاری ومسلم)

کسی مسلمان کو جس کے پاس وصیت کے قابل کوئی چیز ہو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایک رات یا دو رات گذارے مگر حال یہ ہو کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی رکھی ہو۔

۳۔ جمعرات کو دن کے ابتدائی حصہ میں سفر کے لئے نکلنا مستحب ہے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت ہے وہ فرماتے ہیں :

لقلما كان رسول الله صلى الله عليه وسلّم يخرج إلا في يوم الخميس (بخاری ومسلم)

جمعرات کے علاوہ کم ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر نکلتے تھے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ فرماتے ہیں :

اللهم بارك لأمتي في بكورها(أبو داؤد وترمذی)

اے اللہ! میری امت کے لئے ان کے ابتدائی حصہ میں برکت عطا فرما۔

بکور کے معنی دن کے ابتدائی حصہ کے ہیں۔

اور عہد حاضر میں اس سنت کی تطبیق صرف وہی لوگ کرسکتے ہیں جو خشکی کے راستوں سے سفر کرتے ہوں۔ رہے وہ لوگ جو فضائی یا بحری راستوں سے سفر کرتے ہیں تو وہ اپنے ریزرویشن کے پابند ہوتے ہیں اگر اس مستحب وقت میں ان کے ٹکٹ کنفرم ہو جائیں تو وہی وقت ان کے لئے افضل ہوگا ورنہ نیت عمل کے قائم مقام ہوگی' انشاء اللہ۔

اللہ کی بندہ پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

۴۔ مسافر کے لئے مستحب ہے کہ جب وہ سفر کا ارادہ کرے تو اپنے اہل وعیال' اقارب اور اخوان کو وداع کرتے وقت وہی الفاظ کہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے کہتے تھے آپ سے ثابت ہے کہ جب آپ کسی صحابی کو وداع کرتے تو فرماتے :

أستودع الله دينك وأمانتك وخواتيم عملك

میں تمہارا دین' تمہاری امانت اور تمہارا انجام کار اللہ کی حفاظت میں دیتا ہوں۔

اس حدیث کو احمد و ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ہے۔

اور اگر مسافر سفر سے پہلے نیکوکار اور بزرگ لوگوں سے اپنے لئے وصیت کی درخواست کرے تو یہ بہتر بات ہوگی کیونکہ ترمذی اور حاکم نے حسن سند سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا۔

يا رسول الله إني أريد سفراً فزوّدني

اللہ کے رسول! میں سفر پر جانا چاہتا ہوں مجھے آپ زاد راہ عطا فرمادیں۔

تو آپ نے یوں دعا فرمائی

زوّدك الله التقوىٰ

اللہ تقویٰ کو تمہاری زاد راہ بنائے اس پر اس نے کہا کچھ مزید اضافہ فرمائیں تو آپ نے فرمایا۔

غفر ذنبك

اللہ تمہاری لغزشیں معاف کرے

اس نے اس پر بھی مزید کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا :

ويسّر لك الخير حيثما كنت

اور تمہارے لئے تم جہاں کہیں رہو خیر کو آسان فرمادے۔

نیز آپ سے ایک شخص نے کہا میں سفر پر جانا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا :

اوصيك بتقوىٰ الله والتكبير على كل شرف

میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور ہر چڑھائی پر چڑھتے وقت اللہ اکبر کہنے کی وصیت کرتا ہوں۔

جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو آپ نے اس کے لئے یہ دعا فرمائی۔

اللهم ازوله الأرض وهوّن عليه السفر

اے اللہ! اس کے لئے زمین کو سمیٹ دے اور اس کا سفر آسان فرما۔

اس حدیث کو ترمذی' ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا ہے اور

اس کی سند حسن ہے آپ کے ارشاد "عَلٰی کُلِّ شَرَفٍ" کا مطلب ہر فراز پر چڑھائی ہے۔

۵۔ مسافر سفر پر روانگی کے لئے جب بس، ہوائی جہاز، کشتی یا کسی اور سواری پر سوار ہو تو یہ دعا پڑھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا پڑھنا ثابت ہے جب آپ سفر پر روانگی کے لئے اونٹ پر بیٹھ جاتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے پھر یہ دعا پڑھتے :

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ. اللهم إنا نسألك فى سفرنا هذا البر والتقوى ومن العمل ما ترضى، اللهم هوّن علينا سفرنا هذا واطو عنا بعده، اللهم أنت الصاحب فى السفر، والخليفة فى الأهل اللهم إنى أعوذبك من وعثاء السفر وكآبة المنظر وسوء المنقلب فى المال والأهل. (مسلم)

پاک ہے وہ ذات جس نے اسے زیر فرمان بنایا ہم میں طاقت نہیں تھی کہ اسے اپنے بس میں کرتے ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں خیر و تقویٰ اور ایسے کاموں کی توفیق مانگتے ہیں جنہیں تو پسند کرتا ہے' اے اللہ! ہمارا یہ سفر آسان فرما اور اس کی دوری لپیٹ دے' اے اللہ! تو ہی سفر میں ساتھی ہے اور اہل میں میرا خلیفہ ہے' اے اللہ! میں سفر کی کلفتوں اور دردناک منظر اور اہل و عیال میں بری واپسی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

"مقرنین" کے معنی قدرت رکھنے والے اور "وعثاء" کے معنی مشقت اور تکلیف کے ہیں اور "کآبہ" کے معنی رنج و غم اور دل شکستگی اور "منقلب" کے معنی مرجع کے ہیں۔

مسلم کی ایک دوسری روایت میں الفاظ یوں آئے ہیں :

انه كان اذا سافر يتعوذ من وعثاء السفر وكآبة المنظر والحور بعد الكور ودعوة المظلوم وسوء المنظر فى الأهل والمال

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر روانہ ہوتے تو سفر کی کلفتوں' دردناک منظر' ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے' مظلوم کی بددعا اور اہل و عیال اور مال کسی کو ناخوش گوار حالت میں پانے سے پناہ مانگتے تھے۔

لہٰذا ان الفاظ سے دعا کرنا بھی مسنون ہے۔

حاجی کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اس دعا کو اجتماعی طور سے اس طرح پڑھنا کہ ایک آدمی پڑھے اور باقی لوگ اس کے پیچھے اسے دہرائیں مشروع نہیں البتہ اگر کوئی تعلیم کی غرض سے ایسا کر رہا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ تعلیم لینے والا اپنی آواز ہلکی رکھے۔

سفر کی اور بھی صحیح دعائیں ہیں بخوف طوالت میں یہاں صرف اسی پر اکتفا کر رہا ہوں اگر کوئی مزید دعائیں جاننا چاہے تو اسے دواوین سنت کی جانب رجوع کرنا چاہئے۔

۶۔ کسی گھاٹی یا چڑھائی پر چڑھتے وقت اللہ اکبر کہنا اور کسی وادی میں یا نشیبی جگہ پر اترتے وقت بلند آواز سے بغیر مبالغہ کے سبحان اللہ کہنا۔

کیونکہ بخاری میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں :

كنا اذا صعدنا كبّرنا واذا نزلنا سبّحنا

جب ہم کسی چڑھائی پر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر اور جب نشیب میں اترتے تو سبحان اللہ کہتے تھے۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں۔

كنا مع النبى صلى الله عليه وسلم فى سفر فكنا اذااشرفنا على وادٍ هلّلنا وكبّرنا وارتفعت أصواتنا

ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ہوتے جب ہم کسی وادی پر چڑھتے تو تہلیل و تکبیر کہتے اور ہماری آوازیں بلند ہوتیں۔

اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ياايها الناس أربعوا على أنفسكم فإنكم لا تدعون أصمّ ولاغائبًا إنه معكم ، إنه سميع

قریب (متفق علیہ)

لوگو! آہستگی اختیار کرو کیوں کہ تم کسی بہرے یا کسی ایسے کو جو موجود نہ ہو نہیں پکارتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے 'بیشک وہ سننے والا' قریب رہنے والا ہے۔

آپ کے قول "اربعوا" کے معنی آہستگی اختیار کرنے کے ہیں۔

۷۔ عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے کیونکہ مسلمان کو اپنے بال بچوں کے تئیں غیرت مند ہونا چاہئے اسے اپنی ماں 'بیوی 'بیٹی یا بہن یا دیگر محرمات میں سے کسی کو بغیر محرم کے سفر نہیں کرنے دینا چاہئے 'نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

لایخلونّ رجل بامرأة إلا ومعها ذومحرم ولا تسافر المرأة إلاّ مع ذومحرم

کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے مگر حال یہ ہو کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو اور کوئی عورت بغیر کسی محرم کے سفر نہ کرے۔

یہ ارشاد سنکر ایک آدمی بولا :۔

یارسول الله إن إمرأتی خرجت حاجة وإنی اکتتبت فی غزوة کذا وکذا؟

اللہ کے رسول! میری بیوی حج کو جارہی ہے اور میں نے فلاں اور فلاں غزوہ میں جانے کے لئے اپنا نام لکھوادیا ہے۔

اس پر آپ نے فرمایا :

انطلق فحجّ مع امرأتك (متفق علیه)

جا اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔

غور کیجئے یہ ایک ایسا شخص ہے جس کو اللہ کی راہ میں جہاد جو "ذروہ سنام اسلام" ہے کا حکم دیا گیا ہے اور امام نے خاص طور سے اسے جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے اور یہ بدیہی امر ہے کہ جب امام کسی مسلمان سے جہاد کے لئے نکلنے کا مطالبہ کرے تو اس پر جہاد واجب ہو جاتا ہے اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لئے جانے اور اسے تنہا بغیر محرم کے نہ چھوڑنے کا حکم فرمایا کیونکہ عورت کے بلا محرم سفر کرنے میں جو مفسدہ ہے وہ کسی ایک آدمی کے جہاد پر نہ جانے میں نہیں ہے حجاج کرام کو یہ نکتہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔

۸۔ مسافر کو اس بات کا حریص ہونا چاہئے کہ وہ اسراف اور فضول خرچی سے بچے یہ فضول خرچی خواہ مال میں ہو یا کھانے پینے کی چیزوں میں کیونکہ اللہ کا یہ ارشاد عام ہے :

وَلاَ تُسْرِفُوْا إِنَّهُ لاَيُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الأعراف: ۳۱)

اسراف نہ کرو وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

نیز ارشاد ہے :

وَلاَتُبَذِّرْ تَبْذِيْراً ○ إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْآ اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ (الإسراء: ۲۷)

فضول خرچی نہ کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں۔

اسراف مسرف کو محتاجی و ندامت کی جانب لے جاتا ہے کیونکہ وہ ایک قبیح عادت ہے جیسا کہ بخل قبیح ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول :

اللهم إنی اعوذبك من الجبن والبخل (البخاری)

اے اللہ میں بزدلی اور بخل سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

میں بخل سے پناہ مانگا ہے۔

میانہ روی کا راستہ بہتر راستہ ہے ارشاد باری ہے :

وَالَّذِيْنَ إِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَاماً (الفرقان: ۶۷)

اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں نہ تنگی کا مظاہرہ کرتے ہیں بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔

یہ ضروری ہے کہ حج کے لئے جو مال خرچ کیا جائے وہ مال حلال ہو کیونکہ اللہ پاک ہے اور پاکیزہ شئی ہی کو پسند فرماتا ہے۔

۹۔ مسافر کو تنہا سفر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

إن الواحد شيطان والإثنان شيطانان والثلاثة ركب

اکیلا شخص شیطان ہے اور دو بھی دو شیطان ہیں اور تین گویا قافلہ ہیں۔

اس کی تخریج مالک ' احمد اور ابوداؤد وغیرہم نے کی ہے۔

۱۰۔ مسافر کے لئے مستحب ہے کہ وہ سفر کے دوران کسی مقام پر پڑاؤ ڈالے تو وہی کہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں وارد ہے آپ فرماتے ہیں کہ کسی مقام پر پڑاؤ ڈالتے وقت اگر کوئی یہ دعا پڑھ لے :

اعوذ بكلمات الله التامات من شرّ ما خلق فإنه لايضره شيء حتى يرتحل منه

اللہ کے موذی مخلوق کے شر سے میں اللہ کے کامل کلمات کے ذریعہ پناہ چاہتا ہوں۔

تو وہاں سے جب تک وہ کوچ نہیں کرتا کوئی چیز اسے ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں یا کسی غزوہ میں جب تشریف لے جاتے اور رات ہو جاتی تو یوں فرماتے :

يا أرض ربى وربك الله، أعوذ بالله من شرك وشرما فيك ، وشر ما خلق فيك وشر ما دبّ عليك ، أعوذ بالله من شر كل أسد وأسود وعقرب ومن شر ساكن البلد، ومن شر والد ، وما ولد

اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے میں تیری برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر ہے اور ان کی برائی سے جو تیرے اوپر رینگتے ہیں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ نیز میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ہر قسم کے درندوں سانپ ' بچھو اور اس علاقہ میں رہنے والے کیڑے مکوڑوں کی برائی سے اور جننے والے اور جس کو جنا جائے اس کی برائی سے۔

اس کی تخریج احمد و ابوداؤد نے کی ہے حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے اسے حسن کہا ہے۔

اگر کوئی اس دعا کو پڑھتا رہے تو اس کو اللہ کے حکم سے کوئی زہریلا جانور ڈنک نہیں مار سکتا اور اگر مارے گا بھی تو حکم خداوندی سے اسے کوئی ضرر نہیں پہونچ سکتا جب تک کہ وہ اس دعا کو پڑھتا رہے گا۔

امام قرطبی کا بیان ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کی صداقت دلیل و تجربہ سے مجھ پر ظاہر ہو گئی ہے جب سے میں نے یہ حدیث سنی ہے میرا اس پر عمل رہا ہے مجھے کبھی کوئی گزند نہیں پہونچا سوائے ایک دفعہ کے کہ مجھے ایک رات ایک بچھو نے ڈنک مار دیا میں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ اس رات میں نے یہ دعا نہیں پڑھی تھی۔

مسافر کے لئے مستحب ہے کہ جب فجر ظاہر ہو اور وہ سفر میں ہو تو وہی کہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے' جب طلوع فجر ہوتی تو آپ فرماتے :

سمع سامع بحمد الله وحسن بلائه علينا ربنا صاحبنا وأفضل علينا عائذا بالله من النار

سن لیا سننے والے نے اللہ کی حمد اور اس کے حسن بلا کو اے ہمارے رب ہمارے ساتھ رہ (یعنی اپنی مدد سے) اور فضل کر ہم پر میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم سے۔

بقیہ : فکر و نظر

سنجیدگی سے حل نہیں کر سکتی وہ بوسنیا یا چیچنیا کے مسئلے کیا حل کرے گی۔ میانمار میں روہنگیہ مسلمانوں پر کیا بیت رہی ہے عالمی اسلامی تنظیم ان کے لئے کیا کر سکی۔ بنگلہ دیش میں ۲۴ سال سے کس مپرسی کے عالم میں پڑے ہوئے بہاری مسلمانوں کو جو پاکستانی شہری ہیں او آئی سی نے کیا راحت پہنچائی۔ پاکستان نے مسلم ممالک تنظیم کو صرف یہ سمجھایا ہے کہ دنیا میں صرف کشمیر کا مسئلہ ہے اور باقی ہر جگہ خیریت ہے۔ ان حالات میں چیچنیا کے مسلمانوں کی تحریک آزادی کا کیا انجام ہو گا اس کے بارے میں کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے!

> مسلمان وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔
> (بخاری)

ابو صادق عاشق علی اثری

حقوقِ والدین

(۱۱)

خدمت والدین جہاد سے افضل ہے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان کارزار میں نکلنا اور جام شہادت نوش کرنا مومن کی سب سے بڑی سعادت اور کامیابی ہے۔

مرے شہید ہے مارے تو پھر وہ غازی ہے
یہ راہ وہ ہے کہ دونوں میں سرفرازی ہے

لیکن بعض مواقع پر جب اسلام کو دشمنان اسلام سے زیادہ خطرہ نہ ہو اور سب کا نکلنا ضروری نہ ہو تو جہاد میں جانے سے افضل و بہتر ماں باپ کی خدمت ہے۔ جیساکہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

○ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

سألت النبی صلی اللہ علیه وسلم أیّ العمل أحب إلی اللہ؟ قال: الصلاة علی وقتها، قال: ثمّ أیّ؟ قال: برّ الوالدین، قال: ثم أیّ؟ قال: الجهاد فی سبیل اللہ(۱)

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب اور پسندیدہ عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا وقت پر صلوٰۃ پڑھنا، میں نے پوچھا پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا ماں باپ کی خدمت واطاعت کرنا، میں نے پوچھا پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

○ معاویہ بن جاہمہ سلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے باپ جاہمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! أردت أن أغزو، وقد جئت أستشیرك، فقال: هل لك من أمّ؟ قال: نعم، قال: فالزمها فإن الجنة تحت رجلیها(۲)

اے اللہ کے رسول! میں جہاد کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ سے مشورہ کی غرض سے حاضر خدمت ہوا ہوں، آپ نے دریافت فرمایا کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں، آپ نے فرمایا ماں کی خدمت کو لازم پکڑو کیونکہ جنت ماں کے دونوں پیروں کے نیچے ہے۔

○ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے کہا کہ:

أقبل رجل إلی النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال: أبایعك علی الهجرة والجهاد، أبتغی الأجر من اللہ، قال: فهل من والدیك أحد حیّ؟ قال نعم. بل کلاهما. قال: فتبتغی الأجر من اللہ؟ قال: نعم. قال: فارجع إلی والدیك فأحسن صحبتهما(۳)

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ہجرت و جہاد پر آپ سے بیعت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا طالب ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں، ماں باپ دونوں زندہ ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا واقعی اللہ تعالیٰ سے اجر چاہتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں تو آپ

---

(۱) صحیح بخاری مواقیت الصلوٰۃ ۹ باب فضل الصلوٰۃ لوقتہا ۵ ح ۵۲۷، الأدب ۷۸ باب البر والصلۃ ۱ ح ۵۹۷۰، صحیح مسلم الایمان باب بیان کون الایمان باللہ افضل الاعمال ۳۶ ح ۱۳۹۔

(۲) سنن نسائی مع التعلیقات السلفیہ الجہاد باب الرخصۃ فی التخلف لمن له والدة ح ۳۱۰۶۔ علامہ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے ارواء الغلیل ۱۱۹۹۔

(۳) صحیح مسلم البر والصلۃ ۱ باب بر الوالدین ح ۶۔

نے فرمایا اپنے والدین کے پاس واپس جاؤ اور ان کی صحبت میں رہ کر ان کے ساتھ احسان و سلوک کرو۔

○ انہیں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلّم فاستأذنه في الجهاد فقال: أحيّ والداك؟ قال: نعم. قال: ففيهما فجاهد (١)

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی' آپ نے پوچھا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں' آپ نے فرمایا ان کے پاس رہ کر ان کی خدمت کرو تمہارے لئے یہی جہاد ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کہتے ہیں کہ اگر والدین مسلمان ہیں تو بغیر ان کی اجازت کے جہاد کرنا حرام ہے' کیونکہ خدمت والدین فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ۔ لیکن جب اسلام خطرہ میں ہو اور مجاہدین کی زیادہ ضرورت ہو تو اجازت کی ضروت نہیں ہے۔ (۲)

والدین کی اجازت کے بغیر ہجرت کرنا جائز نہیں

○ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إن رجلاً هاجر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلّم من اليمن، فقال هل لك احد باليمن؟ قال: أبواى، فقال: أذنالك؟ قال: لا، قال: إرجع إليهما فاستأذنهما، فإن أذنالك فجاهد وإلّا فبرهما (٣)

ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے اس سے پوچھا کیا یمن میں تمہارا کوئی ہے؟ اس نے کہا میرے ماں باپ ہیں' آپ نے پوچھا انہوں نے تجھے ہجرت کی اجازت دی ہے؟ عرض کیا نہیں' تو آپ نے فرمایا ان کے پاس واپس جا اور ان سے اجازت لے' اگر اجازت دیدیں تو جہاد کر' ورنہ ان کی خدمت میں لگا رہ۔

○ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

إن رجلاً اتى النبى صلى الله عليه وسلّم فقال: إنى جئتك أبايعك على الهجرة ولقد تركت أبوى يبكيان، قال: إرجع اليهما، فاضحكهما كما أبكيتهما (٤)

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: کہ میں آپ سے ہجرت پر بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں' لیکن ماں باپ کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا ان کے پاس واپس جا اور جیسے رلایا ہے ویسے ہی ہنسا کر انہیں خوش کر۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جہاد کرنا اور اللہ کے دین پر مکمل عمل داری کے لئے ترک وطن کرنا کتنا اونچا مقام ہے پھر بھی والدین کی اجازت کے بغیر اس کے لئے نکلنا اور سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن افسوس آج اگر والدین غلط جگہوں اور برے مقامات پر یعنی میلوں اور ناچ گانے کی محفلوں اور سینما ہالوں میں جانے سے منع کرتے ہیں تو ہم ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے اور ان کے حکموں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

یاد رکھئے! یہ چیزیں باعث ہلاکت و بربادی ہیں۔ والدین کے صحیح مقام کو پہچانئے اور دنیا و آخرت کو سنوارنے کے لئے ان کی اطاعت اور خدمت میں لگے رہئے۔

ماں کا حق سب پر مقدم اور سب سے زیادہ ہے

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلّم فقال: يا رسول الله! من احق بحسن صحابتي؟ قال أمّك، قال ثم من؟ قال: أمّك، قال: ثم من؟ قال: أمّك، قال: ثم من؟

---

(۱) صحیح بخاری الجہاد ۵٦ باب الجہاد باذن الأبوين ۱۳۸ ح ۳۰۰۴' صحیح مسلم البر والصلۃ ۴۵ باب بر الوالدین ۱ ح ۵

(۲) فتح الباری ۱۳۰/۶۔

(۳) سنن ابی داؤد الجہاد باب الرجل یغزو وابواہ کارھان ح ۲۵۳۰' مسند احمد ۷۵/۳' صحیح الجامع ۹۰۵' ارواء الغلیل ۱۹۹۔

(۴) سنن نسائی البیعۃ باب البیعۃ علی الہجرۃ ح ۴۱۶۹' سنن ابی داؤد الجہاد باب الرجل یغزو وابواہ کارھان ح ۲۵۲۸' صحیح سنن ابن ماجہ الجہاد ۲۳ باب ۱۲' مسند احمد ۱۶۰/۲' ۱۹۴' ۱۹۸' ارواء الغلیل ۱۹۹۔

قال: أبوك(۱)

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا یا رسول اللہ! میرے احسان اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیری ماں' اس نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تیری ماں' اس نے عرض کیا پھر کون؟ آپ نے فرمایا پھر تیرا باپ۔

○ انہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ:

قال رجل: یارسول اللہ! من أحق بحسن الصحبة؟ قال: أمك. ثم أمك. ثم أمك. ثم أبوك. ثم أدناك أدناك(۲)

ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے تین مرتبہ فرمایا تیری ماں' پھر چوتھے مرتبہ فرمایا تیرا باپ' پھر تیرا اقریبی رشتہ دار۔

○ بہز بن حکیم کے دادا معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

یا رسول اللہ! من أبر؟ قال: أمك، قال: قلت: ثم من؟ قال: أمك قال: قلت: ثم من؟ قال: أمك، قال: قلت ثم من؟ قال ثم أباك، ثم الأقرب فالأقرب(۳)

اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ میں نے کہا پھر کس کے ساتھ؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ' میں نے پوچھا پھر کس کے ساتھ؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ' میں نے کہا پھر کس کے ساتھ؟ آپ نے فرمایا پھر اپنے باپ کے ساتھ پھر جو تیرے دوسرے رشتے دار ہیں ان کے ساتھ۔

---

(۱) صحیح بخاری الأدب ۸۷ باب من احق بحسن الصحبۃ ۲ ح ۷۱ ۵۹' صحیح مسلم البر والصلۃ ۴۵ باب بر الوالدین ۱ ح ۱۔

(۲) صحیح مسلم حوالہ مذکور ح ۲۔

(۳) جامع ترمذی البر والصلۃ باب ماجاء فی بر الوالدین ۱ ح ۱۸۹۷' امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے' سنن ابی داؤد الأدب باب فی بر الوالدین ۱۲۰ ح ۵۱۳۹۔ صحیح الأدب المفرد للألبانی باب ۲ بر الام ح ۳ ص ۳۔

○ کلیب بن منفعہ اپنے دادا بکر بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أنه أتى النبي صلى الله عليه وسلّم فقال: يارسول الله من أبر؟ قال: امّك وأباك وأختك وأخاك ومولاك الذي يلي ذلك حقاً واجبًا ورحماً موصولة(٤)

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ اور اپنے باپ کے ساتھ اور اپنی بہن کے ساتھ اور اپنے بھائی کے ساتھ اور اپنے قریبی رشتے داروں کے ساتھ یہ ایسا حق ہے جو واجب ہے اور ایسا رشتہ ہے جس کا جوڑنا لازم ہے۔

○ مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن الله يوصيكم بأمهاتكم ثلاثاً، إن الله يوصيكم بآبائكم، إن الله يوصيكم بالأقرب فالأقرب(٥)

اللہ تعالیٰ تمہاری ماؤں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے تین مرتبہ آپ نے یہ بات فرمائی' اللہ تعالیٰ تمہارے باپوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیتا ہے' اللہ تعالیٰ تمہارے قریبی عزیزوں اور رشتے داروں کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیتا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ رب العالمین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بعد ماں کا حق سب سے زیادہ اور سب پر مقدم ہے' باپ اور دوسرے قرابت داروں کے مقابلہ میں ماں کا تین گنا حق ہے کیونکہ ماں اولاد کے تعلق سے تین چیزوں میں بالکل منفرد پڑجاتی ہے۔ حمل' ولادت اور رضاعت۔ باقی تربیتی امور میں باپ کے ساتھ شریک رہتی ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْناً عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ (لقمان: ١٤)

---

(۴) سنن ابی داؤد الأدب باب فی بر الوالدین ۱۲۰ ح ۵۱۴۰' صحیح الجامع ۱۴۰۰۔

(۵) صحیح سنن ابن ماجہ الأدب ۳۳ باب بر الوالدین ۱ ح ۲۹۵۳' صحیح الجامع ۱۹۲۴۔

ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے حق میں نیک سلوک کرنے کا حکم
۔اس کی ماں نے اس کو تھک تھک کر (اپنے پیٹ میں) اٹھایا اور دو
ں میں اس کا دودھ چھوٹا۔
فرمایا:
صَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا
ضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ
رًا (الأحقاف: ۱۵)
ہم نے آدمی کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے۔ماں
تکلیف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور تکلیف اٹھا کر اس کو جنا۔اور
کا پیٹ میں رہنا اور دودھ تیس مہینے میں پورا ہوتا ہے۔

یہ مشاہدہ کی بات ہے کہ ماں سارے خویش و اقارب اور
تے داروں میں بچے کے سلسلہ میں سب سے زیادہ مشقت اور تکلیف
شت کرتی ہے۔ وقت حمل ہی سے مشقت اور تکلیف کا سلسلہ
وع ہوجاتا ہے۔نو مہینے تک بچہ کا بار گراں اپنے پیٹ میں لئے پھرتی
پھر وضع حمل کی ناقابل برداشت تکلیف سے دوچار ہوتی ہے اور بسا
ات اسی عالم میں اپنی جان جان آفریں کے حوالہ کردیتی ہے اور جننے
بعد بے پرواہ نہیں ہوجاتی بلکہ اپنا خون جگر پلا کر بڑا کرتی ہے اور اس
سلہ میں اپنا حسن و جمال تک کھو بیٹھتی ہے اور اپنے ہاتھوں سے اس کا
ل و براز اور پیشاب و پاخانہ صاف کرتی ہے اور بچہ کے آرام و راحت کی
طر اپنا سکھ چین بھول جاتی ہے۔خود بھیگے ہوئے بستر پر بیٹھ کر جاڑے کی
ری رات گذار دیتی ہے لیکن بچہ کے لئے خشک اور آرام دہ بستر کا
تظام کرتی ہے۔

غرضیکہ جب بچہ آنکھیں کھولتا ہے تو ہر چیز سے عاجز اور
ضعیف ہوتا ہے اس کی ماں ہی اس کا سب کچھ ہاتھ، پیر، منہ، زبان، ناک
، کان ہوتی ہے۔ اس کو کسی چیز کا شعور اور اچھے برے کی تمیز اور نفع
نقصان کا احساس نہیں ہوتا ہے سب کچھ اس کی ماں کرتی ہے۔بخلاف
س کے باپ کا تعلق زیادہ تر کھلانے پلانے اور پہنانے اوڑھانے سے
ہوتا ہے۔

لیکن ہائے رے انقلاب زمانہ! جب والدین اپنی قربانیوں کا
صلہ اور مشقتوں کا ثمرہ دیکھنا چاہتے ہیں تو زمانہ عقل و شعور کو پہونچنے اور
بازوؤں میں طاقت و قوت آنے اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے بعد
وہی بچے ماں باپ کے سارے احسانات کو فراموش کرکے، ان کی تمام
آرزوؤں اور تمناؤں پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ اور ان کے احسانات کا بدلہ
خدمت و اطاعت اور ادب و احترام اور دلجوئی و دلداری کے بجائے گالی
گلوج اور ڈانٹ و پھٹکار سے دیتے ہیں۔باپ کا ادب و احترام تو کسی قدر
باقی بھی رکھتے ہیں، کیونکہ وہ مار پیٹ بھی دیتا ہے۔ لیکن ماں جس کا حق
سب سے بالا اور اس کے احسانات سب سے زیادہ ہیں، اس کو خاطر میں
نہیں لاتے۔

عزیزو! اگر دنیا و آخرت کی کامیابی چاہتے ہو تو ماں باپ کی
خدمت میں کوتاہی اور کمی نہ کرو۔ (جاری)

ترجمہ : نعیم الحسن چمپارنی

صوم

دل میں رقت وخشیت پیدا کرتا اور طاعت پر ابھارتا ہے

ذیل میں ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان رکن کونسل برائے علماء کبار سعودی عرب ورکن ادارہ افتاء ورکن فقہ اسلامی کمیٹی سعودی عرب سے لئے گئے ایک انٹرویو کا خلاصہ قارئین کے استفادہ کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔ جس میں انہوں نے رمضان اور اس کے صوم سے متعلق بعض احکام کی وضاحت کی ہے (ادارہ)

س : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرة:۱۸۳)

(مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔)

کیا امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو صوم فرض کیا گیا ہے وہی صوم سابقہ امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا؟

ج : اس مسئلہ میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ ہمارے صیام اپنی مقدار اور اوقات میں سابقہ امتوں کے صیام کے عین مشابہ ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ پر بھی رمضان کے صوم فرض کئے تھے لیکن ان لوگوں نے اسے بدل دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ صرف فرضیت کے اعتبار سے دونوں مشابہ ہیں۔ یعنی ہماری ہی طرح سابقہ امتوں پر بھی صیام فرض کئے گئے تھے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ صرف صفات اور خصوصیات میں دونوں یک دوسرے کے مشابہ ہیں یعنی وقت مقررہ میں کھانا، پینا وغیرہ ترک کردینے کے اعتبار سے دونوں میں مشابہت ہے۔

تو پہلے قول کے مطابق اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر صوم ایسے ہی فرض کیا ہے جیسے سابقہ امتوں پر فرض کیا تھا۔ اور دوسرے قول کے مطابق اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر ٹھیک اسی طرح صوم کو واجب کیا ہے جیسے سابقہ امتوں پر واجب کیا تھا۔ اور تیسرے قول کے مطابق اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر صوم کو توڑنے والے امور مثلاً کھانے پینے وغیرہ سے رکنے کو ایسے ہی لازم کیا ہے جیسا کہ اس نے سابقہ امتوں پر لازم کیا تھا۔

صوم کے فوائد

س : صوم کی فرضیت میں کیا حکمت ہے؟

ج : صوم کی فرضیت میں پنہاں حکمت کو باری تعالیٰ نے آیت کے آخر میں یوں واضح کیا ہے: "لعلکم تتقون" (تاکہ تم پرہیزگار بنو) یعنی اللہ تعالیٰ نے صوم کو اس لئے فرض کیا تاکہ وہ تمہیں اللہ کی ذات سے ڈرنے کا عادی بنادے اس طور پر کہ تم اس کے احکام واوامر کو بجالاؤ اور اس کی منہیات سے بچو۔ اس لئے کہ صوم انسان کو بندگی کے اوپر آمادہ کرتا ہے اور گناہوں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ کیونکہ صوم دل میں خشیت ورقت پیدا کرتا ہے اور خواہشاتِ نفسانی کے غلبہ کو توڑتا اور اللہ کے راستہ میں صبر وتحمل کا عادی بناتا ہے اور باری تعالیٰ کی خوشنودی کو تلاش کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔ اس کے برخلاف صوم نہ رکھنے اور

شہوات میں ڈوبے رہنے سے دل سخت ہوجاتے ہیں اور وہ شرانگیزی اور فخرومباہات کے جذبات ابھارتے ہیں۔

بلاعذر صوم نہ رکھنا

س : بعض اسلامی ممالک میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو بلا عذر صوم نہ رکھنے اور کھلے عام کھانے پینے پر اصرار کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

ج : رمضان المبارک کے صیام ہر مسلمان عاقل وبالغ پر فرض ہیں۔ جس کی وضاحت قرآن کریم کی یہ آیت کرتی ہے

يَاَيُّها الَّذِيْن آمنوْا كُتب عليْكُمْ الصِّيامْ كما كُتب على الَّذِيْن منْ قَبْلكُمْ لعلَّكُمْ تتَّقُوْن (البقرة:۱۸۳)

یہاں "کُتب" سے صوم کی فرضیت مراد ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول :

فمنْ شهد منْكُمْ الشّهْر فلْيصُمْهُ ۔ ومنْ كان مريْضا اوْ علىٰ سفرٍ فعدَّةٌ منْ ايّام اُخر (البقرة:۱۸۵)

توجو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو چاہئے کہ پورے مہینے کے صوم رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (رکھ کر) ان کی گنتی پوراکرے۔

سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ امت مسلمہ پر صوم رکھنا فرض ہے۔ چاہے وہ مقیم وتندرست ہونے کی صورت میں اداکرے یا بیماری اور سفر کی حالت میں اس کی قضا کرے۔ صوم بہر صورت رکھنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے صوم کو ارکان اسلام میں شمار کیا ہے۔ جیساکہ آپ کا ارشاد گرامی ہے :

بنى الإسلام على خمس: شهادة ان لااله إلاّ اللّٰه وانّ محمدا رسول اللّٰه وإقام الصلوٰة وإيتاء الزكوٰة وصوم رمضان وحجّ البيت اللّٰه الحرام من استطاع إليه سبيلاً

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، صلوٰۃ قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان المبارک کے صوم رکھنا اور بیت الحرام کا حج کرنا اس شخص کیلئے جو وہاں تک پہونچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

الإسلام أن تشهد أن لااله الا اللّٰه وأن محمداً رسول اللّٰه وتقيم الصلوٰة وتوتى الزكوٰة وتصوم رمضان وتحج البيت إن استطعت إليه سبيلاً

اسلام یہ ہے کہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، صلوٰۃ قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان المبارک کے صوم رکھو، اور اگر تمہارے اندر استطاعت ہو تو بیت اللہ الحرام کا حج کرو۔

لہٰذا جو شخص بغیر کسی عذر شرعی کے جان بوجھ کر صوم ترک کرے وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا، اس کے اوپر توبہ کرنا واجب ہوگا اور اس کے اوپر ترک شدہ صیام کی قضا بھی واجب ہوگی۔ اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو جو شخص بھی اس کی حالت سے واقف ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی تنبیہ کرے اور اس کے بارے میں حکام کو آگاہ کرے تاکہ اس کی سرزنش کی جاسکے اور اسے صیام کا پابند بنایا جاسکے۔

س : اکثر اسلامی ممالک میں بہت سے ایسے ہوٹل اور کھانے پینے کے ریسٹورینٹ ہیں جن کے دروازے رمضان المبارک میں اس مبارک مہینے کا احترام کئے بغیر صوم ترک کرنے والوں کے لئے دن میں بھی کھلے رہتے ہیں، ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج : مسلم ممالک میں رمضان المبارک میں ہوٹلوں اور قہوہ خانوں کو دن میں بند رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ اس مہینہ کا احترام باقی رہے اور اسلامی شعائر کا اظہار ہوسکے اور رمضان المبارک میں دن میں صوم نہ رکھنے کے دواعی ووسائل ختم کردیئے جائیں۔ نیز مسلم ممالک میں جو غیر مسلم سکونت پذیر ہیں ان پر بھی یہ لازم کردیا جائے کہ وہ مسلمان روزہ داروں کے سامنے کھانے پینے سے احتراز کریں۔

مسلم اتحاد

س : رمضان المبارک کا یہ مہینہ مسلمانوں کو اسلامی اتحاد کا سبق یاد دلاتا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج : رمضان المبارک کا صوم مسلمانوں کی آواز کو ایک کرنے اور ان

میں اتحاد پیدا کرنے میں اہم اسلامی شعائر میں سے ایک ہے۔ اس لئے کہ سارے عالم کے مسلمان ایک ساتھ صوم رکھتے ہیں، ایک ساتھ افطار کرتے ہیں ٹھیک ویسے ہی جیسے کہ وہ ایک عقیدہ کے قائل ہیں اور ایک ہی قبلہ کی طرف رخ کرکے صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ شعائر ان کی جماعتوں اور سوسائٹیوں میں وحدت پیدا کرنے اور ان کے مابین مساوات پیدا کرنے میں سب سے بڑے وسائل ہیں۔

صوم کی قسمیں

س : اسلام میں صوم کی کتنی قسمیں ہیں؟

ج : اسلام میں صوم کی دو قسمیں ہیں :

۱۔ فرض ۲۔ نفل

فرض صیام کی چند قسمیں ہیں :

۱۔ رمضان المبارک کے صیام
۲۔ نذر کا صوم
۳۔ کفارہ کا صوم

نفل صیام کی بھی چند قسمیں ہیں :

۱۔ شوّال کے چھ صیام
۲۔ ہر ہفتہ دوشنبہ اور پنجشنبہ کا صوم
۳۔ ہر مہینہ کے تین صیام
۴۔ عشرہ ذی الحجہ کے صیام
۵۔ یوم عرفہ کا صوم
۶۔ نویں، دسویں یا دسویں اور گیارہویں محرم کا صوم
۷۔ اور ماہ محرم کا صوم

اس کے علاوہ جو شخص مزید صوم رکھنے کا خواہشمند ہو اور وہ اس کی استطاعت بھی رکھتا ہو تو وہ ایک دن کا صوم رکھے اور ایک دن افطار کرے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت رہی ہے۔

صلوٰۃ تراویح

س : بہت سے مسلمان تراویح میں طوالت کی شکایت کرتے ہیں تو کیا آپ اس کے بارے میں وضاحت کریں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیسے ادا کیا ہے اور اس کی کتنی رکعتیں پڑھی ہیں؟

ج : تراویح کی صلوٰۃ سنت مؤکدہ ہے اور باجماعت مسجد میں پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ یا تیرہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی ہے۔ اس صلوٰۃ میں آپ قیام، رکوع و سجود طویل کیا کرتے تھے۔

خوشبوؤں کا استعمال

س : کیا رمضان المبارک کے دنوں میں عطر اور خوشبوؤں کا استعمال کرنا جائز ہے؟

ج : صائم کا اپنے بدن اور کپڑوں میں عطر اور خوشبوؤں کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر خوشبو ایسی نہ ہو کہ اس کے ذرات ناک اور حلق میں پہنچے جیسے مشک اور پاؤڈر، یا دھویں کی شکل میں نہ ہو کہ ناک کے نتھنوں اور حلق میں داخل ہو جائے جیسے دھونی۔ لہٰذا صائم کو اس سے بچنا چاہئے اور قصداً اسے نہ سونگھنا چاہئے۔

رمضان المبارک میں مسلمانوں کے اوقات

س : رمضان المبارک میں صائم کو کن اصول وضوابط کی پابندی کرنی چاہئے؟

ج : صائم پر واجب ہے کہ وہ فعل حرام اور گندی باتوں سے پرہیز کرے۔ اس لئے کہ یہ صیام پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیونکہ صوم نام ہے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کاموں سے رکنے کا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد :

من لم يدع قول الزور والعمل به والجهل فليس لله حاجة فى أن يدع طعامه وشرابه

جو شخص جھوٹی بات، اس پر عمل اور جہالت کو ترک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ کھانا پینا ترک کرے۔

اس لئے کہ صوم صرف کھانا پینا چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے۔ اور صائم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے۔ اس کا ذکر کرے اور مساجد میں باجماعت صلوٰۃ پڑھنے کا اہتمام کرے۔ اور یہ کہ دن کو نہ سوئے اور شب بیداری کرے کیونکہ ایسا نہ کرنے سے اس مبارک مہینہ میں تقرب الی اللہ کے مواقع فوت ہو سکتے ہیں۔

س : رمضان المبارک کے دنوں میں کچھ لوگوں کے لئے دواؤں کا استعمال ضروری ہوتا ہے اور وہ صیام کی قضا کرنے پر بھی قادر نہیں

ہوتے۔ ایسے افراد کو کیا کرنا چاہئے؟

ج : جو لوگ دائمی مریض ہوں اور وہ ادا یا قضا کی صورت میں صوم کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو ان کے اوپر واجب ہے کہ وہ ہر صوم کے بدلے نصف صاع اس علاقے کے عام غذا سے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين ۔ (البقرۃ : ۱۸۴)

اور جو لوگ صوم رکھنے کی طاقت نہ رکھیں وہ صوم کے بدلے محتاج کو کھانا کھلادیں۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت شیخ کبیر اور دائمی مریض کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

دعاء قنوت

س : بعض ائمہ کرام صلوٰۃ تراویح کے بعد صلوٰۃ وتر میں دعاء قنوت پر مداومت برتتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ اور کیا یہ عمل مشروع ہے؟

ج : رمضان اور غیر رمضان میں رات کی صلوات کے بعد وتر میں دعاء قنوت کا پڑھنا مشروع ہے۔ نیز تراویح کے بعد اور رات کے آخری پہر میں قیام کے بعد وتر میں دعاء قنوت پڑھنا مشروع ہے۔ اور مداومت برتنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور کبھی چھوٹ جانے پر بھی کوئی ملامت نہیں۔ کیونکہ یہ واجب نہیں ہے۔

آخری عشرہ

س : رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی کیا فضیلت ہے اور ایک مسلمان کو ان دنوں میں کیا کرنا ضروری ہے؟

ج : رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی فضیلت زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ مہینے کے آخری ایام ہیں اور جہنم سے چھٹکارے کے دن ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عشرہ مبارکہ میں زیادہ جدوجہد کرتے تھے۔

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور کثرت اجر کی طلب نیز مہینہ کے ابتدائی ایام کے اعمال صالحہ کے بہتر اختتام کی خاطر اس عشرہ میں پوری دلجمعی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے فرمان کی بجا آوری میں لگا رہے۔

اعتکاف

س : مرد اور عورتوں کے لئے اعتکاف کا کیا حکم ہے؟ اس کی کیفیت کیا ہونی چاہئے؟ اور لیلۃ القدر کی کیا فضیلت ہے؟ اس کو پوشیدہ رکھنے میں کیا راز ہے؟ اور اس رات کی کوئی مخصوص دعا بھی ہے؟

ج : اعتکاف نام ہے مسجد کے ایک گوشے کو عبادات کے لئے خاص کر کے بیٹھ جانے کا، جس میں باجماعت صلوٰۃ ہوتی ہو۔ تاکہ صرف عبادت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرلیا جائے۔ اعتکاف کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے لیکن رمضان المبارک میں اعتکاف کرنا افضل ہے۔ یہ مرد اور عورت دونوں کے لئے مشروع ہے مگر عورت کے اعتکاف کے لئے شرط یہ ہے کہ فتنہ سے مامون ہو اور وہ کسی محفوظ جگہ پر پردے کے اندر بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو۔

لیلۃ القدر ایک عظیم اور بابرکت رات ہے جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کی ہے اور اس کی شان میں سورہ قدر ایک مکمل سورہ نازل فرمائی ہے۔ ”انا انزلنٰه فى ليلة القدر“ (القدر : ۱)

اللہ تعالیٰ نے اس رات کو لیلۃ القدر کا نام دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ ایک مبارک رات ہے اور ہزار راتوں سے بہتر ہے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

من قام ليلة القدر ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه

جو شخص ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کے صوم رکھتا ہے اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

لیلۃ القدر کو پوشیدہ رکھنے میں راز یہ ہے کہ مسلمان اس مہینہ کی ہر رات میں نیک عمل کرنے کی کوشش کرے تاکہ اس کا عمل صالح زیادہ سے زیادہ ہو اور اللہ کے نزدیک اس کا اجر بڑھے۔ ان راتوں میں دین و دنیا کی بھلائی کے لئے تمام مشروع دعائیں مانگیں جاسکتی ہیں۔ نیز اپنے والدین، اولاد اور دیگر مسلم بھائیوں کے لئے دعا کرے، خاص کر حکمراں طبقہ کے لئے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ انہیں سیدھی راہ پر گامزن رکھے اور حق کی اعانت کے کام ان سے لے، کیونکہ اس طبقہ کی ہدایت میں تمام مسلمانوں کی بھلائی اور کفار و منافقین کی ناراضگی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ : قربانی، اخلاص، نرمی، ملائمت، کشادہ دلی اور وسعت ظرف کا تقاضا کرتی ہے۔

اطہر نقوی

حضرت عثمان ذوالنورین

جہان جود وسخا ان کے نام پر قربان
وفورِ شرم وحیا اس کی ذات کی پہچان

کُلاہِ عظمتِ کونین تاجِ ذوالنورین
وفا ومہر کا اعلان بیعتِ رضوان

ہزار جور وستم جان ناتواں پہ سہے
مگر حصار عزیمت تھا صدق کا عرفان

دیا گیا تھا اسے پیرہن خلافت کا
اسی قبا کی حفاظت رسول کا فرمان

حدود کشورِ ملت کو وسعتیں بخشیں
مطیع خاکِ عرب ملک قیصر وخاقان

ہجوم ظلم وستم میں قتال سے پرہیز
وہ زیرِ سایۂ خنجر تلاوتِ قرآن

بہر وجوہ اسے صُلح وامن پر اصرار
دیار قدس کی حرمت پہ ہوگیا قربان

اسی کے خون کا محضر جمل بھی صفیں بھی
حدیثِ کرب وبلا کا یہ اوّلیں عنوان

وہی خلیفۂ راشد امیر کشور دیں
امامِ طبقۂ احرار حضرت عثمان

نورالحسن مدنی
مدرس جامعہ اسلامیہ، سنابل، نئی دہلی

علامہ عبدالرزاق عفیفی رحمہ اللہ

ولادت | آپ کی ولادت مصر کے صوبہ منوفیہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں شنشور میں ۱۳۲۳ھ میں ہوئی۔

نشو ونما اور حصول علم | شنشور کی فضا دینی تھی، آپ کی نشو ونما میں اس چھوٹے سے گاؤں کی سادگی اور اس کے دینی ماحول کا گہرا اثر پڑا اور شاید اسی کا یہ اثر تھا کہ آپ بچپن ہی سے حفظ قرآن کی طرف بے انتہا راغب تھے، اور لگتا تھا کہ حفظ قرآن کی آپ کی صلاحیتیں وہبی ہوں۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے وطن میں حاصل کی، اس کے بعد جامعہ ازہر سے بحیثیت طالب علم منسلک ہوئے اور فقہ واصول فقہ کے تخصص میں ایم۔اے اور پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

تدریسی خدمات | آپ نے حصول علم کے بعد معہد "شبین الکوم" میں تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ پھر معہد اسکندریہ سے بحیثیت مدرس منسلک ہوئے ۱۳۶۸ھ میں آپ مصر سے سعودی عرب منتقل ہوئے اور عنیزہ میں تدریسی خدمت انجام دی۔ دارالتوحید طائف کو بھی آپ کی تدریسی خدمات کا شرف حاصل رہا، ریاض میں المعہد العالی للقضاء ۱۳۸۵ھ میں قائم کیا گیا تو آپ کی خدمات وہاں منتقل کردی گئیں محولہ بالا ذمہ داریوں کے ساتھ آپ مسجد حرام میں حج کے موقع پر درس دیا کرتے تھے، نیز ریاض میں شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ کی مسجد میں صلوٰۃ عشاء کے بعد آپ قرآن کریم کی تفسیر کا درس دیتے تھے۔

طریقہ تدریس | آپ نے ثانوی، عالی اور تخصص ان سب مراحل میں تدریسی فریضہ انجام دیا ہے۔ تدریس میں آپ کا طریقہ نادر اور انوکھا تھا طلبہ کے ذہن میں معلومات منتقل کرنے میں آپ کو مہارت کاملہ حاصل تھی، آپ کا طریقۂ تدریس انتہائی سہل، پرکشش، متانت وسنجیدگی کا آئینہ دار، مناسب ظرافت کی آمیزش سے بھرپور اور دقت کی رعایت سے معمور ہوتا تھا۔ آپ کی انہی خوبیوں نے تدریس میں آپ کو مثالی اور قدوہ بنا دیا چنانچہ آپ کے تمام شاگردوں نے تدریس میں آپ کے طریقہ کو اپنانے کی کوشش کی۔

تصنیفی خدمات | بے پناہ علمی صلاحیتوں کے باوجود آپ کا میلان تالیف کی طرف نہیں تھا اور اس سلسلے میں آپ کا خیال یہ تھا کہ آج ہمیں تصنیف وتالیف کی حاجت اتنی نہیں ہے جتنی کہ ان کتابوں سے واقفیت کی کہ جن سے لائبریریاں اٹی پڑی ہیں، اور آج کل کی کتابیں چاہے وہ علوم شرعیہ سے متعلق ہوں یا زبان وادب سے زیادہ سے زیادہ وہ پرانی کتابوں کے جدید ایڈیشن ہیں کیونکہ اس دور کے سارے مصنفین متقدمین کے خوشہ چیں ہیں اس لئے ہر وہ کتاب جو منصۂ شہود پر آتی ہے اس سے بہتر کتاب مکتبہ میں پہلے سے موجود ہوتی ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ آپ کتابوں کی بہت زیادہ ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے تھے بلکہ ہر فن میں منتخب اور معدودے چند کتابیں رکھتے تھے کہ ضرورت پڑنے پر ان کی طرف رجوع کیا جاسکے اور آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ آج طالب علم کے نزدیک مکتبہ کا جو مفہوم ہے اس معنی میں میرے پاس مکتبہ نہیں ہے۔

تاہم آپ کی زندگی تصنیفی خدمات سے یکسر خالی بھی نہیں ہے بلکہ آپ کے علمی وتحقیقی مقالات وقتاً فوقتاً اللجنۃ الرائحۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء سے شائع ہوتے رہے ہیں، نیز درج ذیل مصنفات آپ کی تصنیفی خدمات کے طور پر قابل ذکر ہیں:

۱۔ مذکرۃ فی التوحید

۲۔ تحقیق وتعلیق علی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام للآمدی

۳۔ تفسیر جلالین کے اس حصہ پر تعلیق جو کہ علمی معاہد کے طلبہ کے نصاب میں داخل ہے۔

تدریس و تصنیف میں آپ کی خصوصیات | علمی مسائل کی تاصیل، فروعی مسائل کی تحلیل، مختلف فیہ مسائل میں مواضع اختلاف کی تحدید اور مختلف آراء کے درمیان توفیق و ترجیح آپ کے تدریس و تصنیف کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

آپ کی زندگی داعی، مبلغ اور مفتی کی حیثیت سے گذری۔ آپ کا تدریسی سفر ہو یا تصنیفی میدان یا مسندِ افتاء سب میں آپ کی سعی پیہم یہی رہی کہ صحیح اسلامی اسپرٹ لوگوں میں پیدا ہو۔ سلفی عقیدہ کے مطابق تعلیم و تربیت، بدعات و خرافات سے اجتناب اور کتاب و سنت کی طرف دعوت آپ کی زندگی کا جزو لاینفک تھا۔ آپ اپنی اس مہم کو جاری رکھنے اور فریضۂ دعوت کی انجام دہی میں مختلف شہروں کا سفر کرتے، کیونکہ مصر کی اکثر مسجدیں بدعات و خرافات کا گہوارہ تھیں اور مسلمانوں کے بیشتر طبقات اسلام کے صحیح عقیدہ سے نابلد اور ناواقف تھے۔ حالات کے اسی تقاضہ کے پیش نظر آپ کی توجہ اعتقادی مسائل کی تعلیم اور اسلام کے سرچشمہ صافی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرانے پر مرکوز رہی، جب کسی مسجد کی اصلاح کی راہ میں وہاں کے افراد حائل ہوتے اور اصلاح کی کوئی صورت باقی نہ رہتی تو آپ نئی مسجد قائم کرتے جس سے آپ کی سلفی تحریک دعوت و تبلیغ کے مختلف مراحل طے کرتی۔

آپ ہر چہار شنبہ کی شام شاہ اور وزراء کو پند و نصائح سے نوازتے تھے۔ آپ کے مواعظ کا شاہ اور ان کے وزراء پر اچھا اثر پڑتا تھا جیسا کہ ان کے چہروں سے عیاں ہوتا تھا۔

اس طرح آپ کی پوری زندگی دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت سے بھری پڑی ہے بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ سعودی عرب میں جتنے بھی علماء و فضلاء ہیں ان میں کی اکثریت آپ سے فیض یاب ہے، چاہے یہ استفادہ دروس کی شکل میں رہا ہو یا وعظ و نصیحت کی سبیل سے۔ آپ کی ان روشن خدمات کا اعتراف عالم اسلام کی مقتدر شخصیات نے کیا ہے محدثِ عصر علامہ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ جیسی شخصیات آپ کو خراجِ تحسین پیش کرنے والوں میں سے ہیں۔ علمی اور دعوتی مراکز نے بھی آپ کی خدمات کو سراہا ہے اس سلسلہ میں رابطہ عالم اسلامی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ذمہ داریاں

آپ کے ذمہ جو اہم کام تھے ان میں سے اہمیت کے حامل وظائف کا ہم ذیل میں تذکرہ کرتے ہیں:

۱۔ المعهد العالي للقضاء کے ڈائرکٹر اور پروفیسر

۲۔ دراسات علیا (ایم اے اور پی ایچ ڈی) کے نصاب کی تیاری

۳۔ ماجستیر اور دکتوراہ (ایم اے اور پی ایچ ڈی) کے مقالات (تھیسس) کی نگرانی اور مناقشہ

۴۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے نصاب کمیٹی کی رکنیت

۵۔ جب "الرئاسة العامة للكليات والمعاهد العلمية" کی شاہ عبدالعزیز آل سعود کے حکم سے داغ بیل ڈالی گئی تو آپ نے اس میں ہاتھ بٹایا اور اس کے مشیر (ایڈوائزر) رہے۔

۶۔ كلية الشريعة ریاض کے پروفیسر رہے۔

۷۔ دار الافتاء کے نائب صدر تھے

۸۔ "هيئة كبار العلماء" کے رکن تھے

۹۔ جماعت "انصار السنہ" مصر کے صدر تھے

صفات و اخلاق

اصول پسندی | آپ اصول و ضوابط کی سختی سے پابندی کرتے تھے آپ نے اپنے شب و روز کے اوقات مختلف کاموں کے لئے تقسیم کر رکھے تھے، صبح آپ آفس تشریف لے جاتے، وہاں ظہر کے بعد تک مسند افتاء کو رونق بخشتے۔ ظہر کے بعد آپ قیلولہ فرماتے۔ عصر بعد کا وقت مطالعہ، فتاویٰ اور علمی مقالات کی تحریر میں گذارتے، مغرب بعد سے عشاء تک آپ طلبہ اور زائرین کا استقبال کرتے، صلوٰۃ عشاء کے بعد کا وقت مطالعہ اور آرام کے لئے خاص تھا۔

تبحر علمی | آپ علم کے بحر بیکراں تھے، یوں تو آپ سبھی علوم میں اپنا مقام رکھتے تھے لیکن تفسیر اور عقیدہ میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

قوت حافظہ | آپ کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت اور قوت حفظ کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا مضبوط حافظہ کے طفیل آپ بغیر کتاب درس دیا کرتے تھے۔

تعریف وتنقید میں آپ کا موقف آپ جب کسی شخص یا موقف پر نقد کرتے تو اجمال سے کام لیتے کبھی صرف ناراضگی کے اظہار پر اکتفا کرتے، کبھی کوئی مجمل بات کہہ دیتے اور کبھی اشارہ سے کام لے لیتے، لیکن جب کسی شخص یا موقف کی تعریف کرنی ہوتی تو انتہائی مفصل اور واضح انداز میں کرتے۔

صبر ورضا بالقدر آپ صبر ورضا کے پیکر تھے۔ عمر کے آخری ایام میں آپ کو مختلف امراض لاحق ہوئے لیکن سارے حالات میں آپ صبر کا پتلہ بنے رہے یہی نہیں بلکہ آپ کے دو بیٹے عین عالم شباب میں آپ کو داغ مفارقت دے گئے لیکن آپ نے کوئی جزع فزع نہیں کی۔ یہاں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے احمد کی وفات کی خبر ملنے کے باوجود اپنے اس دن کے پروگرام کو جاری رکھا آپ عصر بعد ایم اے کے طلبہ کو لکچر دینے گئے۔ درس میں بیٹے کی وفات کا کوئی زیادہ اثر ظاہر نہیں ہوا طلبہ حسب معمول محاضرہ کے اختتام پر کیے بعد دیگرے آپ سے سوالات کرتے رہے آپ ہر سوال کا جواب انتہائی صبر وسکون سے دیتے رہے یہاں تک کہ جب طلبہ لکچر ہال سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک جم غفیر بیٹے کی وفات پر شیخ کی تعزیت کے لئے قطار در قطار باہر کھڑا ہے اس وقت طلبہ کو معلوم ہوا کہ شیخ کے بیٹے انتقال کر گئے ہیں یقیناً یہ صبر ورضا کا ایسا مثالی مظہر ہے جو علماء کے لئے عموماً اور اساتذہ کے لئے خصوصاً مشعل راہ ہے۔

کچھ اہم اوصاف آپ خاموش طبیعت، کم گو، غور وفکر کے عادی باریک بیں فہم وفراست اور دوررس نگاہ کے حامل تھے۔ آپ کے رفقاء مجلس یہ بات نوٹ کیا کرتے تھے کہ آپ کی گفتگو اور خاموشی مجالس اور حاضرین مجلس کے حالات کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے۔ اگر مجلس میں علمی موضوعات یا اجتماعی مسائل یا معاشرہ کی خرابیوں کے حل پر بحث ہوتی تو آپ اس میں بھرپور حصہ لیتے۔ لیکن اگر مجلس میں لوگوں پر تبصرہ ہوتا یا خالص دنیاوی گفتگو ہوتی تو آپ خاموش بیٹھے رہتے اور اپنے لبوں کو جنبش بھی نہ دیتے۔

آپ ٹھہر ٹھہر کر انتہائی سکون کے ساتھ گفتگو کرتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی جلدی لکھنے والا آپ کی تمام باتوں کو تحریر کرنا چاہتا تو اس کے لئے یہ ممکن تھا گفتگو میں آپ کا انداز ایسا ہوتا تھا گویا کہ آپ املاء کرا رہے ہوں، آپ علم کے بحر بیکراں، عمل کے شیدائی، اخلاص کے پیکر، عفت وپاکدامنی اور دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کے خواہش مند اور حلم وبردباری کا مجسمہ تھے غیض وغضب سے کوسوں دور اور ریاو نمود کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

الغرض آپ مکارم اخلاق اور ستودہ صفات سے متصف تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کو ہر جگہ مقبولیت حاصل تھی، آپ کے جنازہ میں جم غفیر کی شرکت، خاص کر علماء وفضلاء کی۔ اس بات کی بین دلیل ہے۔

تلامذہ سعودی عرب کے اکثر ممتاز علماء نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے ان میں سے چند کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

۱۔ شیخ عبدالعزیز آل الشیخ ۲۔ شیخ عبداللہ بن غدیان
۳۔ شیخ صالح اللحیدان ۴۔ شیخ صالح الفوزان
۵۔ شیخ عبداللہ بن حسن بن قعود ۶۔ شیخ ابراہیم آل الشیخ
۷۔ شیخ عبداللہ بن جبرین ۸۔ شیخ صالح الطرم
۹۔ ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی ۱۰۔ شیخ صالح السدلان
۱۱۔ شیخ راشد بن خنین ۱۲۔ شیخ علی رومی
۱۳۔ شیخ عبدالعزیز بن عبدالمنعم ۱۴۔ شیخ سعود الفنیان
۱۵۔ شیخ مناع القطان

وفات آپ بروز جمعرات ۲۵ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ بوقت سات بجے صبح اپنے لاکھوں چاہنے والوں کو داغ مفارقت دے گئے۔ آپ کے فرزند محمد کا بیان ہے کہ آپ انتقال کے وقت پورے شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی میں مشغول تھے ۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ بروز جمعہ جامع کبیر ریاض میں آپ کی صلوٰۃ جنازہ ادا کی گئی۔ جم غفیر نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی۔ اتنی کثیر تعداد کم ہی جنازوں میں نظر آتی ہے۔

> واللہ میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں فرق کرنے والوں سے ضرور لڑوں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسلام قبول کرنے والوں کے ذمہ جو حقوق ہوں گے ان کی ادائیگی کا مطالبہ ان سے بہر حال کیا جائے گا۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)

نور الحسن مدنی
مدرس جامعہ اسلامیہ، سنابل، نئی دہلی

امام مسجدِ حرام
علامہ عبداللہ عبدالغنی الخیاط رحمہ اللہ

تاریخ پیدائش | آپ کی ولادت ۱۳۲۱ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

نشو نما اور حصول علم | ابتدائی تعلیم مدرسہ خیاط میں حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ فخریہ عثمانیہ میں داخل ہوئے، وہاں آپ قاضی ابراہیم بن یوسف کے ہم سبق تھے، تعلیمی ایام میں دونوں میں منافست تھی کبھی آپ ان سے آگے ہوتے تو کبھی میدان ان کے ہاتھوں میں ہوتا تھا۔ سبقت لے جانے پر آپس میں تہنیت اور مبارکبادی کا تبادلہ ہوتا تھا، بغض وحسد اور کینہ کپٹ جو کہ آج کل کے طلبہ کا وطیرہ ہے اس سے یہ لوگ کوسوں دور تھے۔

مدرسہ فخریہ عثمانیہ کے بعد آپ مدرسہ صولتیہ سے بحیثیت طالب علم منسلک ہوئے اور وہاں سے ابتدائیہ وثانویہ کی سند حاصل کی، اس کی بعد مسجد حرام کے علماء وفضلاء سے فیضیاب ہوئے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) آپ نے تفسیر وحدیث کا علم شیخ عبدالقادر دہلوی اور شیخ عبیداللہ دہلوی سے حاصل کیا۔
(۲) فقہ میں آپ کے استاد شیخ عیسیٰ رواس رہے۔
(۳) علم نحو حاصل کرنے کے لئے آپ نے شیخ جمال مالکی اور شیخ محمد علوی مالکی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

۱۳۴۷ھ میں آپ مکہ مکرمہ میں "معہد علمی سعودی" سے بحیثیت طالب علم منسلک ہوئے اور ۱۳۵۰ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

اس کے علاوہ آپ نے علامہ محمد عثمان الشاوی اور شیخ عبداللہ بن حسن آل الشیخ سے سند واجازہ حاصل کیا۔

کچھ ساتھی اور ہم سبق شیخ احمد علی الکاظمی، شیخ حسن الشاط، شیخ سید علوی مالکی اور شیخ ابراہیم خان وغیرہم۔

کچھ اساتذہ | ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی، شیخ محمد عثمان الشاوی، شیخ عبداللہ بن حسن، شیخ جمال مالکی، شیخ محمد علوی مالکی وغیرہم۔

امراء آل سعود میں سے بعض شاگرد | امیر بندر بن عبدالعزیز، امیر ماجد بن عبدالعزیز گورنر مکہ مکرمہ، امیر بطام بن عبدالعزیز نائب گورنر ریاض، امیر نایف بن عبدالعزیز وزیر داخلہ، امیر احمد بن عبدالعزیز نائب وزیر داخلہ وغیرہم۔

تدریسی خدمات | تحصیل علم کے بعد آپ بحیثیت مدرس مدرسہ فخریہ عثمانیہ اور مدرسہ صولتیہ سے منسلک ہوگئے۔ آپ پوری دلجمعی کے ساتھ تدریس میں لگے رہے یہاں تک کہ اس میدان میں آپ کا طوطی بولنے لگا۔ اور آپ کی شہرت ملک عبدالعزیز رحمہ اللہ تک پہونچی، شاہ عبدالعزیز آل سعود نے مدرسہ امراء (شاہی اسکول) میں آپ کو بحیثیت مدرس ومدیر منتخب کرلیا، جہاں آپ نے آل سعود کے امراء کی تدریس وتربیت کے فرائض انجام دیئے۔

امامت وخطابت | سب سے پہلے آپ نے ۱۳۴۶ھ میں مسجد رشیدی میں امامت کی ذمہ داری سنبھالی، اس کے بعد ۱۳۷۷ھ میں مسجد حرام مکہ مکرمہ میں امامت وخطابت کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی اس طرح مسجد حرام کو ایک جلیل القدر عالم، فاضل مربی اور بہترین حافظ وقاری مل گیا۔ آپ کی امامت وخطابت ۱۴۰۵ھ تک جاری رہی۔

تلاوت کی خصوصیات | آپ کی آواز تاثیر سے بھرپور اور خشوع ورقت قلب کا مرقع تھی، آپ کی تلاوت میں انتہائی تدبر وتفکر کے ساتھ عجیب قسم کی سلاست تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ قرآن کی تفسیر کررہے ہیں درانحالیکہ آپ تلاوت کرتے تھے۔

ی کی خصوصیات | ایجاز واختصار کے ساتھ جامعیت وگہرائی، یہ اسلوب، دلکش انداز بیان، موضوعات کا حسن انتخاب، افہام م کا لاجواب پیرایہ، یہ وہ خوبیاں تھیں جن کی بدولت لوگ آپ کا سننے کے لئے سراپا اشتیاق بن جاتے تھے۔

عقائد کی ترویج | عقیدہ و منہج سلف صالح کی دعوت، بدعات ت سے اجتناب اور صالح اسلامی معاشرہ کی تشکیل کی ترغیب کے خطبہ کے خاص عنصر تھے۔

رنامے | آپ نے مسلمانوں میں دینی بیداری اور اسلامی اقدار ن کے سلسلے میں جہد مسلسل اور سعی پیہم کی، چنانچہ آپ کے علمی می مقالات چالیس سال سے زائد عرصے تک مجلات اور جرائد کی ت بنتے رہے، بہت سے مسائل جو عام طور پر مسلمانوں کو پیش آتے ن کی بابت آپ کی آراء اور فتوے آپ کی دینی اور اسلامی خدمات کا ن باب ہیں، نیز ریڈیو اور ٹی وی کے مختلف پروگراموں میں آپ کی ت قابل ذکر ہے، اسی طرح آپ کی تلاوت کلام پاک کی کیسٹیں چار عالم میں پھیل کر لوگوں کے لئے بہترین معلم ثابت ہو رہی ہیں۔

مندرجہ ذیل کتابیں اور رسالے آپ کی تالیف ہیں

ہادی السیرۃ النبویۃ، (۲) التفسیر المیسر (۳) ما یجب ان یعرفہ عن دینہ (۴) الخطب فی المسجد الحرام (۵) الرواد الثلاثۃ (۶) السلف (۷) دلیل المسلم (۸) صحائف مطویہ (۹) حکم وأحکام لسیرۃ النبویۃ (۱۰) تأملات فی دروب الحق والباطل (۱۱) أرکان م الخمسہ (۱۲) الاصول الثلاثۃ (۱۳) تحفۃ المسافر۔

ت سے آپ کا تعلق | آپ کا تعلق تقریباً تمام سعودی روز ں سے رہا آپ کی تحریروں نے جرائد و صحف کے معیار کو اونچا نے میں نمایاں خدمات انجام دیں، چنانچہ جریدہ "المدینۃ المنورۃ" میں ن "لمحات عن الماضی" برابر لکھتے رہے جس میں آپ اپنی یاد ں جو کہ مدرسہ "انجال الملک عبد العزیز" کی ادارت کی ذمہ داری م کی ہوا کرتی تھیں تحریر فرماتے تھے، نیز ملک عبد العزیز کی دور ں، مکارم اخلاق، حسن معاملات اور علم و معرفت کی نشر و اشاعت پ کی کوششوں کا دخل ہوتا تھا۔

آپ جریدہ "عکاظ" میں بعنوان "علی درب الخیر" روز آنہ علمی، اسلامی اور معاشرتی مقالے لکھا کرتے تھے۔ اور آپ کے اسلامی مقالے بعنوان "قال لی محدثی" جریدہ "الندوۃ" کی زینت بنا کرتے تھے۔

اعمال اور مناصب

(۱) ۱۳۴۶ھ میں "ہیئۃ الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر" کے رکن مقرر ہوئے۔

(۲) ۱۳۵۰ھ میں ہیئۃ الأمر بالمعروف کے نگراں مقرر ہوئے۔

(۳) ۱۳۵۴ھ میں مدرسہ فیصلیہ کے مدیر مقرر ہوئے۔

(۴) ۱۳۵۶ھ میں مدرسہ امراء ریاض کے مدیر مقرر ہوئے۔

(۵) ۱۳۷۲ھ میں وزارۃ المعارف مکہ مکرمہ میں مشیر کا عہدہ ملا۔

(۶) ۱۳۷۳ھ میں مسجد حرام میں امامت و خطابت کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی۔

(۷) ۱۳۷۶ھ میں آپ مکہ مکرمہ میں ادارہ تعلیم کے مشرف اور کلیۃ الشریعہ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔

(۸) ۱۳۸۹ھ میں دار الحدیث المکیہ کی مجلس ادارت کے مدیر مقرر ہوئے۔

(۹) ۱۳۹۱ھ میں جب "ہیئۃ کبار العلماء" کی تشکیل ہوئی تو آپ اس کے رکن منتخب ہوئے۔ جس سے آپ ۱۴۱۳ھ کے اوائل میں کبرسنی کی وجہ سے مستعفی ہو گئے۔

(۱۰) ۱۴۱۳ھ میں آپ کو ملک فیصل عالمی ایوارڈ ملا۔

(۱۱) رابطہ عالم اسلامی کے قسم الثقافہ کے رکن رہے۔

(۱۲) علمی و تحقیقی مقالات پر انعام متعین کرنے والی کمیٹی کے رکن رہے۔

(۱۳) وزارت معارف کی مجلس اعلی کے رکن تھے۔

(۱۴) رابطہ عالم اسلامی میں وزارت معارف کے نمائندہ تھے۔

(۱۵) مدارس ابتدائیہ و ثانویہ کے نصاب میں شامل دینی کتابوں پر نظر ثانی اور ثانویہ کے طلبہ کے لئے مناسب تفسیر کی تدوین آپ نے کی۔

(۱۶) کلیۃ الشریعہ مکہ مکرمہ اور دار التوحید طائف کے امتحانات کی کمیٹی کے صدر رہے۔

(۱۷) "المعہد العلمی السعودی" نے جب "المعہد" کے نام سے علمی مجلہ نکالنے کا تہیہ کیا تو بحیثیت مدیر آپ منتخب ہوئے۔

(۱۸) جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے چانسلر علامہ شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ کی وفات کے بعد آپ کو جامعہ اسلامیہ مدینہ کی چانسلری پیش کی گئی جس سے آپ نے معذرت کردی۔

صفات اور اخلاق

جود و سخا | جود و سخا میں اپنی مثال آپ تھے چنانچہ آپ کے جو مقالات صحف و جرائد کی زینت بنتے تھے ان کے عوض جو کچھ بھی آپ کو ملتا اسے غرباء اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے' نیز جو ماہانہ تنخواہ آپ کو ملتی تھی اس میں سے صرف اس قدر اپنے پاس رکھتے تھے جس سے آپ کی ضروریات زندگی پوری ہو سکیں بقیہ بیواؤں یتیموں اور ناداروں میں بانٹ دیا کرتے تھے۔

تواضع و انکساری اور زہد و تقویٰ | دنیا سے آپ کی بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ جو آپ کو ریڈیو اسٹیشن سے تلاوت کلام پاک کا معاوضہ پیش کیا گیا تو آپ نے سختی سے انکار کر دیا' آپ انتہائی ملنسار اور شیریں زباں تھے' آپ کو یہ بات سخت ناپسند تھی کہ سلام کے وقت کوئی آپ کے لئے کھڑا ہو' آپ کی تواضع و انکساری کا یہ عالم تھا کہ مکہ مکرمہ میں ادارہ تعلیم میں بحیثیت مشیر آپ جس آفس کو رونق بخشتے تھے اس کی حالت کچھ دگرگوں تھی اس لئے مساعد مدیر نے آپ کی شایان شان دوسرے آفس کا بندوبست کیا جب آفس تیار ہو گیا تو شیخ نے انتہائی تواضع و انکساری کے ساتھ مساعد مدیر کو لکھا کہ میرے لئے وہی پرانا آفس مناسب ہے میں اسی میں بیٹھوں گا۔

اسی ضمن میں ایک اور مثال پیش خدمت ہے' عمر کے آخری ایام میں آپ بعض فرائض شارع منصور پر واقع قدیم مسجد میں افریقی باشندوں کے درمیان پڑھتے تھے جب آپ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے لوگوں کو پریشانی ہو کیونکہ جب لوگ مجھے پہچان جائیں گے تو میرے ارد گرد اژدہام لگ جائے گا۔

اصول و ضوابط کی پابندی | آپ اپنی ضعیفی اور بڑھاپے کے دور میں کمزوری کے باوجود کسی بھی ملازم کے آنے سے پہلے صبح ساڑھے سات بجے آفس پہونچ جایا کرتے تھے اور قرآنی آیات کی تلاوت فرماتے تھے یہاں تک کہ تمام ذمہ دار اور ملازم حاضر ہو جائیں۔

اولاد |

(۱) ڈاکٹر عبد الرحمٰن عبد اللہ خیاط (۲) ڈاکٹر عبد العزیز عبد اللہ خیاط (۳) ڈاکٹر اسامہ عبد اللہ خیاط (۴) استاذ احمد عبد اللہ خیاط۔

یہ چاروں علمی میدان میں اپنا لوہا منوا کر مختلف عہدوں پر فائز ہیں نیز آپ کی چار بیٹیاں ہیں۔

وفات | بروز اتوار ۷ر شعبان ۱۴۱۵ھ کو آپ دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آخر میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو اپنے فضل و کرم سے جنت اور آپ کے اعزہ و اقارب اور تلامذہ و محبین کو صبر جمیل عطا کرے۔ نیز آپ کی وفات سے علمی اور اسلامی دنیا میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے اسے پر کردے۔ (آمین)

اعلامیہ بابت التوعیہ نئی دہلی

مطابق فارم نمبر ۴ رجسٹریشن و نیوز پیپر ایکٹ

نام رسالہ	:	التوعیہ
زبان	:	اردو
نوعیت	:	ماہنامہ
مقام اشاعت	:	۴۱۱۶ ری- ستو گہاٹی حبش دہلی ۱۱۰۰۰۶
پرنٹر پبلشر	:	محمد الیاس سلفی
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	۴۱۱۶ ری- ستو گہاٹی حبش دہلی ۱۱۰۰۰۶
ایڈیٹر	:	رفیق احمد سلفی
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	۴۱۱۶ ری- ستو گہاٹی حبش دہلی ۱۱۰۰۰۶
ملکیت	:	اسلامک ریسرچ اکیڈمی

۴۱۱۶ ری- ستو گہاٹی حبش دہلی ۱۱۰۰۰۶

میں محمد الیاس سلفی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا معلومات میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں۔

دستخط

محمد الیاس سلفی

ابن احمد نقوی

تعارف و تبصرہ

نام کتاب : نقوش شیخ رحمانی
صفحات : ۷۲
قیمت : ۷ روپئے
از : مولانا محمد اعظمی انصاری سابق شیخ الجامعۃ العالیۃ العربیۃ مئوناتھ بھنجن یوپی

مشاہیر کے خطوط کی اپنی ایک اہمیت ہوتی ہے اور وہ جس کے پاس اور جہاں بھی ہوں ایک بیش قیمت اثاثہ ہوتے ہیں۔ قدر شناس لوگ انہیں سینہ سے لگائے رکھتے ہیں۔ اردو میں خطوط نگاری کا آغاز غالب نے کیا اور بقول خود مراسلے کو مکالمہ بنادیا۔ عود ہندی غالب کے خطوط کا بڑا دلکش مجموعہ ہے اور ادب میں اس کا بلند مقام ہے بہت سے محققین نے غالب کے خطوط کی روشنی میں غالب شناسی کی کوشش کی ہے۔ غالب کے بعد اقبال کے خطوط کا بڑا ذخیرہ اشاعت پذیر ہوا ہے پاکستان میں اس پر بڑے جوش سے کام ہو رہا ہے ہندوستان میں جناب مظفر حسین برنی نے اقبال کے خطوط پر مشتمل ۳ ضخیم جلدیں شائع کی ہیں اور بڑی عرق ریزی سے حواشی اور متعلقہ افراد کا تعارف پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان خطوط کی تالیف و تحقیق میں برنی صاحب نے جتنی محنت کی ہے اس کا حوصلہ کم لوگ کرسکتے ہیں۔

مشاہیر کے خطوط کی اشاعت سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی نفسیات کے بہت سے گوشے ان کی ذات کے مختلف پہلو اور ان کے ذہن کے گوناگوں انداز سامنے آجاتے ہیں۔ ہزار احتیاط کے باوجود ہر شخص کسی نہ کسی طرح اپنے مراسلے میں کوئی ایسی بات کہہ جاتا ہے جو اسے سمجھنے اور پرکھنے میں معاون ہوتی ہے اور جسے اس کی زندگی میں دیکھنا یا سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ ابوالکلام آزاد نے غبار خاطر میں خطوط نما مضامین یا مضامین نما خطوط لکھے اس میں ان کی ذات اور صفات کو سمجھنے کے لئے بہت کچھ ہے اور کچھ لوگوں نے اس کی روشنی میں ان کی شخصیت کا جائزہ لینے کی کوشش بھی کی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک عہد آفریں شخصیت تھے ان کی علمی زندگی کم و بیش ۴۰ سال پر محیط ہے اس عرصہ میں انہوں نے نہ معلوم کتنے خطوط لکھے ہوں گے اور وہ کہاں کہاں اور کس کس کے پاس ہوں گے چند خطوط مولانا محمد انصاری اعظمی صاحب کے پاس تھے جسے انہوں نے بعجلت شائع کردیا ہے ان میں سے چند خطوط استفسارات کے جواب میں ہیں کچھ ذاتی نوعیت کے ہیں۔ اس کتابچے سے شیخ الحدیث کی علمی عظمت کچھ زیادہ نمایاں نہیں ہوتی ضرورت اس بات کی تھی کہ ایک جامع اور مبسوط کتاب شائع کی جاتی، شیخ الحدیث کے خطوط جن حضرات کے پاس ہیں ان سے رابطہ قائم کرکے وہ خطوط یا ان کی نقول جمع کی جاتیں، ضروری پس منظر بیان کیا جاتا، مطلوبہ وضاحتیں درج کی جاتیں اور جن حضرات کا خطوط میں تذکرہ ہے ان کا اجمالی تعارف بھی دیدیا جاتا۔ اس طرح متنوع موضوعات اور مختلف مواقع پر لکھے گئے ان کے خطوط کا ایک گرانقدر مجموعہ مرتب ہوجاتا۔ اس سے شیخ الحدیث کی شخصیت اور خیالات وافکار کے مختلف پہلو اجاگر ہوتے۔ یہ کتابچہ اس کوہ وقار شخصیت کی عکس ریزی کا حق ادا نہیں کرتا۔ بہتر ہو کہ مولانا محمد اعظمی صاحب جستجو اور تحقیق کا کام جاری رکھیں ان کے خطوط تلاش کرکے باقاعدہ ایڈٹ کرکے شائع کریں تاکہ ایک بیش قیمت علمی کام ہوسکے جس کی اہمیت بھی ہو اور افادیت بھی اور جو آئندہ نسلوں کے لئے چراغ راہ بھی بن سکے۔

> نہیں مقام کی خوگر طبیعت آزاد
> ہوائے سیر مثال نسیم پیدا کر
> ہزار چشمہ ترے سنگ راہ سے پھوٹے
> خودی میں ڈوب کے ضرب کلیم پیدا کر
>
> علامہ اقبال

ڈاکٹر سید احمد ناظم مدرسہ دارالتوحید میناعیدگاہ

کی

وفات حسرت آیات پر

مولانا عبدالحمید رحمانی صدر "ابوالکلام آزاد" اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی

کا تعزیتی بیان

یہ خبر جماعتی حلقوں میں انتہائی رنج وغم کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ مورخہ ۲۴ر جنوری ۹۵ء بروز سہ شنبہ بوقت سوا تین بجے دن ڈاکٹر سید احمد صاحب بعارضۂ قلب اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ڈاکٹر سید احمد ضلع بستی کے ایک مشہور اہل حدیث خانوادہ کے چشم وچراغ تھے ان کے پردادا مولانا لیاقت حسین ایک بڑے عالم وداعی اور مجاہد تھے بستی وگونڈہ اور نیپال کے ترائی علاقہ میں مسلک اہل حدیث کی نشرواشاعت میں ان کا زبردست حصہ ہے۔

ڈاکٹر سید رحمہ اللہ کا آبائی پیشہ طبابت تھا ان کے والد حکیم جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بستی وگونڈہ کے مشہور طبیب تھے علاقہ کے مسلم اور غیر مسلم سبھی طبقات کے لوگ ان کا ذکر خیر آج بھی عقیدت واحترام سے کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سید احمد رحمہ اللہ ان کے سب سے بڑے صاحبزادہ اور شرافت وسادگی اور انسانی ہمدردی اور خدمتِ خلق وغیرہ بہترین خصائل اور خوبیوں میں ان کے سچے جانشیں تھے۔

تقریباً ۲۰ سال سے اپنے والد کے قائم کردہ ادارہ معہد دار التوحید میناں عید گاہ کی نظامت کے فرائض انجام دے رہے تھے اور اس کی مالی حالت سدھارنے کے لئے بڑی جانفشانی کرتے تھے۔

مرکز اور اس کے خدام سے انہیں گہرا لگاؤ تھا مدرسہ شمس العلوم سمرا میں طالب علمی کے دور کے میرے سینئر ساتھی اور ننھیالی رشتہ سے میرے عزیز بھی ہوتے تھے' دار التوحید میناں عید گاہ سے میرے خاص تعلق کی وجہ سے مدرسہ کے مسائل اور اس کے مالی استحکام کے سلسلہ میں مشورہ کے لئے وہ اکثر میرے پاس دہلی آیا کرتے تھے ان کی اچانک وفات میرے لئے ذاتی طور پر انتہائی اندوہناک حادثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حادثہ فاجعہ پر ان کے غمزدہ خاندان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

میں میرے اہل خانہ نیز "ابوالکلام آزاد" اسلامک اویکننگ سنٹر کے دیگر خدام ڈاکٹر صاحب کے پس ماندگان' اعزہ واقارب اور مدرسہ دار التوحید میناں عید گاہ کے اساتذہ وطلباء اور دیگر کارکنان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

بار الٰہا تو ڈاکٹر سید کو اپنی بے پایاں رحمتوں میں ڈھانپ لے اور ان کے ساتھ ابرار وصالحین کا معاملہ فرما اور ان کی بچیوں کی غیب سے کفالت فرما۔ تو ہی ہم سب کا حامی وناصر ہے۔

کز" ابوالکلام آزاد" للتوعیۃ الاسلامیہ، نئی دھلی
کے
ماتحت تعلیمی اداروں میں داخلے
برائے تعلیمی سال ۱۹۹۵ - ۱۹۹۶ء

معہ اسلامیہ - ابوالفضل انکلیو ۲- نئی دہلی

ں سال جامعہ میں اولیٰ ثانویہ سے عالیہ تک داخلہ ہوگا۔
ویہ اور عالیہ کے آخری سال (چھٹی اور آٹھویں) میں داخلہ نہیں
۔

ہدالتعلیم الاسلامی - جوگا بائی، نئی دہلی

ں سال معہد میں اولیٰ متوسط (پہلی جماعت) سے ثالثہ متوسط
تیسری جماعت) تک داخلہ ہوگا۔

داخلہ :-

ٰ متوسط (پہلی جماعت) کے امیدوار کے لیے جماعت ادنیٰ (عربی)
پرائمری) کی لیاقت (قرآن پاک ناظرہ ختم، اردو لکھنے پڑھنے، ہندی،
حساب، اور معلومات عامہ وغیرہ) ضروری ہے۔
ی جماعت میں ۱۱، دوسری میں ۱۲، تیسری میں ۱۳، چوتھی میں
یں میں ۱۵، ساتویں میں ۱۷ سال سے زائد عمر کا طالب علم نہیں
۔
ی بھی درجہ میں داخلہ کے لیے ضروری ہے کہ طالب علم معہد کے نصاب
یار پر پورا اترے۔
امیدوار کو فارم داخلہ کے ساتھ اپنا خارجہ (T.C.) اور کیرکٹر
سابق مدرسہ کے ناظم اور صدر مدرس کے دستخط کے ساتھ پیش
ی ہے۔

(۵) امتحان داخلہ میں بیٹھنے کی اجازت صرف اس طالب علم کو ہوگی جو فارم داخلہ کی مکمل اور صحیح خانہ پُری کرچکا ہو۔ تحقیق کے بعد اگر اندراجات کے خلاف کوئی بات معلوم ہوئی تو داخلہ کالعدم کیا جاسکتا ہے۔

(۶) درجہ کی تعیین اور داخلہ کا قطعی فیصلہ امتحانی بورڈ کی رپورٹ ہی پر ہوگا۔

(۷) داخلہ کے وقت ہر طالب علم کو مبلغ دوسو روپے زرِ ضمانت اور ایک سو روپے نادی الطلبہ اور کھیل کی فیس جمع کرنا ہوگا۔

نوٹ :- امتحان داخلہ ۹ شوال سے شروع ہو کر ۱۴ شوال تک جاری رہے گا۔

معہد عثمان بن عفان لتحفیظ القرآن الکریم، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

شرائط داخلہ :-

(۱) اس مدرسہ میں وہی امیدوار لیا جاسکتا ہے جو قرآن مجید ناظرہ صحیح مخارج اور روانی کے ساتھ پڑھ سکے۔

(۲) ہر امیدوار کو فارم داخلہ کے ساتھ اپنا خارجہ (T.C.) اور کیرکٹر سرٹیفکٹ سابق مدرسہ کے ناظم اور صدر مدرس کے دستخط کے ساتھ پیش کرنا ضروری ہے۔

(۳) امتحان داخلہ میں بیٹھنے کی اجازت صرف اس طالب علم کو ہوگی جو فارم داخلہ کی مکمل اور صحیح خانہ پُری کرچکا ہو۔ تحقیق کے بعد اگر اندراجات کے خلاف کوئی بات معلوم ہوئی تو داخلہ کالعدم کیا جاسکتا ہے۔

(۴) داخلہ کے وقت ہر طالب علم کو مبلغ دوسو روپے زرِ ضمانت اور ایک سو روپے نادی الطلبہ اور کھیل کی فیس جمع کرنا ہوگا۔

نوٹ :- امتحان داخلہ ۹ شوال سے شروع ہو کر ۳۰ شوال تک جاری رہے گا۔

سکریٹری
ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر

مزمل حسین قاسمی

خبرنامہ

قاہرہ مذاکرات کھٹائی میں

قاہرہ ۳ تا ۱۲ر فروری ۹۵ء مصری دارالحکومت میں منعقدہ مغربی ایشیائی امن مذاکرات میں کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہوئی ہے۔ بظاہر صرف اتنی دستیابی ہو سکی ہے کہ اسرائیل اور قیام امن کے تین حامی مصر، اردن اور تنظیمِ آزادی فلسطین امن مذاکرات کے لئے یکجا ہوئے، ۲ر فروری کو پانچ گھنٹے کی اس سربراہ ملاقات کے بعد بھی شدت پسند فلسطینیوں کے اسرائیل پر حملوں کو روکنے اور علاقے کو ایٹمی ہتھیاروں سے پاک خطہ قرار دینے کے لئے کوئی منصوبہ نہ بن سکا۔

امن مذاکرات کے اختتام پر ان لیڈروں نے جن میں اردن کے شاہ حسین اور مصر کے صدر حسنی مبارک نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا جسے مسٹر موسیٰ نے پڑھ کر سنایا۔ اس میں کہا گیا ہے کہ دوران مذاکرات چار فریقوں نے پھوٹ پڑنے والے خون خرابے، دہشت اور تشدد کی مذمت کی اور ان تمام سرگرمیوں اور حرکتوں کے سدباب کا عہد کیا۔

اسرائیل پی. ایل. او بات چیت ۲۲ر جنوری کے بم دھماکے کے بعد ملتوی ہو گئی تھی جس میں ۲۱ اسرائیلی ہلاک ہو گئے تھے۔ اس واقعہ کی وجہ سے مسٹر اسحاق رابن اور مسٹر یاسر عرفات میں ایک دوسرے پر الزام عائد کرنے میں جھڑپ بھی ہو گئی۔ اسرائیلی ٹیلی ویژن نے اس کی اطلاع دیتے ہوئے بتایا کہ اسرائیلی وزیر اعظم نے فلسطینی لیڈر پر الزام لگایا تھا کہ وہ اسرائیلیوں پر اسلامی انتہاپسندوں کے حملوں کی روک تھام کے لئے کوئی خاص کارروائی نہیں کر رہے ہیں۔ اس پر مسٹر عرفات ناراض ہوئے۔ جس وقت دونوں لیڈروں نے ایک دوسرے پر الزامات عائد کئے مصر کے صدر حسنی مبارک اور اردن کے شاہ حسین دونوں کا منہ تکتے رہ گئے۔

اس سے قبل یروشلم میں مسٹر رابن نے یہ واضح کیا تھا کہ اسرائیلیوں پر ہونے والے حملوں کے انسداد پر ہی غرب اردن تک خود مختاری کی توسیع اور فلسطینی انتخابات کا انحصار ہے۔ مسٹر رابن اور یاسر عرفات دونوں امن معاہدے کے کلیدی عنصر ہیں۔ اس معاہدے کی وجہ سے ان کی عوامی ساکھ بھی گری ہے۔ اس معاہدے کی کامیابی ان کے سیاسی کیریر کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے طے پایا کہ دونوں ۹ر فروری جمعرات کو غزہ پٹی کے ایک سرحدی مقام پر ملاقات کریں گے۔

۹ر فروری کو اریز جنکشن سے موصولہ خبروں کے مطابق دونوں کی ملاقات کسی بنیادی مسئلے پر کسی اتفاق رائے کے بغیر ختم ہو گئی ڈھائی گھنٹے کی میٹنگ کے بعد دونوں لیڈروں کا ایک ساتھ پریس کے سامنے آنے کا پروگرام بھی منسوخ ہو گیا۔ فلسطینی ترجمان یاسر عبدربہ نے اسرائیل پر تعویق اور لیت و لعل کا الزام لگاتے ہوئے کہا کہ مسٹر رابن حفاظتی اقدامات کا بہانہ بنا کر معاہدے کے مطابق مغربی غزہ پٹی سے فوجوں کو واپس بلانے اور فلسطین میں انتخاب کرانے سے گریز کر رہے ہیں۔

سینئر اسرائیلی گفت و شنید کرنے والے مسٹر یوسی سرید نے کہا کہ دونوں لیڈران دوسرے ہفتے پھر ملاقات کریں گے اور اس کا اعتراف کیا کہ آج کی ملاقات کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا ہے۔ بہت سے مسائل ہیں جن کا حل باقی ہے۔

مسٹر رابن نے مسٹر عرفات کے اس مطالبے کو یکسر مسترد کر دیا کہ مغربی بینک اور غازہ پٹی سے ۱۹ روزہ ناکہ بندی اٹھالی جائے جو ۲۲ر جنوری کو اسلامی انتہاپسندوں کے ذریعہ بم دھماکے کے بعد نافذ کی گئی

تھی۔ مسٹر سرید نے کہا کہ اسرائیل اپنی پابندیوں کو ختم نہیں کر سکتا کیونکہ فلسطینی انتہاپسندوں نے اسرائیلیوں پر مزید حملوں کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ اسرائیلی حکومت کی پہلی ذمہ داری حفظ وامان کا برقرار رکھنا ہے۔

خبروں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب آج دونوں لیڈروں کی ملاقات جاری تھی فلسطینی پولیس نے غازہ پٹی میں اسلامی جہاد کے ہیڈ کوارٹر پر چھاپہ مارا جنہوں نے بم دھماکے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ فلسطینی پولیس نے حماس کے تین لیڈروں کو بھی گرفتار کرلیا ہے۔

نیوکلیائی پالیسی کا رخ

اقوام متحدہ ۲۷؍ جنوری۔ گرین پیس کی رپورٹ کا عنوان "بدلتے نشانے نیوکلیائی پالیسی کا رخ سرد جنگ سے تیسری دنیا کی طرف" ہے جو ان حکومتوں کے بیانات' فوجی اشاعتوں اور امریکی محکمہ دفاع (پینٹاگن) کی دستاویزات کے مدنظر تیار کی گئی ہے جس سے انکشاف ہوتا ہے کہ امریکہ فرانس اور برطانیہ نے تیسری دنیا کے بعض ممالک کو نیوکلیائی ہتھیاروں سے نشانہ بنانے کا منصوبہ تیار کر رکھا ہے۔ یہ الزام بین الاقوامی ماحولیاتی گروپ گرین پیس نے لگایا ہے اور یہ بات وثوق کے ساتھ کہی گئی ہے کہ امریکہ کی نیوکلیائی حکمت عملی کو وسیع کرکے ایسے ممالک کے خلاف نیوکلیائی طاقت کے ممکنہ استعمال کی گنجائش پیدا کرلی گئی ہے جو اجتماعی تباہی کے اسلحہ جات حاصل کررہے ہیں۔ یہ انکشاف کرسٹین سین نے آئی پی ایس خبر رساں ایجنسی کے ایک انٹرویو میں کیا ہے۔

آئی پی ایس کے مطابق لندن سے شائع شدہ فوجی جریدہ جینس ڈیفنس ویکلی کے گذشتہ شمارے میں یہ بات کہی گئی ہے کہ امریکی حربی کمان نے نیوکلیائی اور روایتی دونوں نوعیت کے کم وبیش سبھی ہتھیاروں کا ایک نشانہ مقرر کیا ہے۔ اور ایک فہرست باقاعدہ طور پر مرتب کی گئی ہے۔ ان ہتھیاروں کو بعض ممالک کے خلاف تعینات اور استعمال کیا جاسکتا ہے ان میں چار ممالک کی باضابطہ شناخت ہے وہ ہیں عراق' ایران' لیبیا اور شمالی کوریا۔

مسٹر کرسٹین سین نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ فرانس جیسا ملک بھی جس نے ۱۹۹۱ء کی خلیجی جنگ میں عراق کے خلاف نیوکلیائی ہتھیاروں کے استعمال کو خارج کردیا تھا اب اپنی نیوکلیائی پالیسی کو تبدیل کردیا ہے۔ واضح رہے کہ خلیجی جنگ کے دوران فرانسیسی صدر متراں نے نیوکلیائی ہتھیاروں کے استعمال کی تجویز کو وحشیانہ قرار دے کر مسترد کردیا تھا۔ لیکن اب فرانسیسیوں کے تیور بدل چکے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ نیوکلیائی اسلحہ ان ممالک کے خلاف بطور تدارک استعمال کیا جانا چاہئے جو جنونی ہیں۔

مسٹر کرسٹین کا کہنا ہے کہ فرانس سردست لفظی بازی گری سے کام لے رہا ہے۔ امریکہ' برطانیہ' فرانس' چین اور روس اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے مستقل ارکان ہیں جنہیں حق استرداد (ویٹو پاور) حاصل ہے اور جو دنیا کی عظیم نیوکلیائی طاقتیں بھی ہیں۔ یہ پانچ نیوکلیائی طاقتیں نیوکلیائی ہتھیاروں کی روک تھام سے اپنی توجہ ہٹا کر اجتماعی تباہی کے ہتھیاروں کے پھیلاؤ کے تدارک کے لئے نیوکلیائی اسلحہ کے استعمال کی طرف مبذول کررہی ہیں۔ رپورٹ میں وضاحت کی گئی ہے کہ سرد جنگ جب نقطۂ عروج پر تھی تو امریکہ' برطانیہ اور فرانس کی حکمت عملی یہ تھی کہ روس اور چین کو نیوکلیائی ہتھیاروں کے استعمال سے باز رکھا جائے۔ اب ان کا نشانہ بدل گیا ہے اور ہٹ لسٹ میں عراق' ایران' لیبیا اور شمالی کوریا خاص طور سے زد پر ہیں۔

امریکی جوائنٹ چیف آف اسٹاف کی ایک دستاویز میں کہا گیا ہے کہ امریکہ کی نیوکلیائی صلاحیتوں کا بنیادی مقصد ڈبلیو ایم ڈی (WMD) بالخصوص نیوکلیائی ہتھیاروں کو روکنا ہے۔ پینٹاگن نے WMD کی جو تشریح کی ہے اس میں نیوکلیائی ہتھیاروں کے علاوہ جراثیمی وکیمیاوی اسلحہ بھی شامل ہیں۔ جو تیسری دنیا کے کئی ممالک نے مبینہ طور پر چوری چھپے حاصل کرلیا ہے۔

یہ رپورٹ اس وقت سامنے آئی ہے جبکہ انجمن اقوام متحدہ ترک اسلحہ پر غور کررہی ہے۔ یہاں ایک ہفتے تک کی میٹنگ میں اس کانفرنس کی تیاری پر تبادلہ خیال کیا گیا جو مارچ میں نیویارک میں منعقد ہوگی جس میں نیوکلیائی ہتھیاروں کی توسیع کی روک تھام سے متعلق معاہدے کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اس معاہدے کی چھٹی شق

(بقیہ ص ۲ پر)

اپریل ۱۹۹۵ء مطابق ذی القعدہ ۱۴۱۵ھ

بدل اشتراک

خصوصی ممبر (سالانہ) ۱۵۰۰/۰۰ روپے
ہمدرد (سالانہ) ۵۰۰/۰۰ روپے
عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۰۰/۰۰ روپے
ششماہی ۵۵/۰۰ روپے

پاکستان وبنگلہ دیش
عام بدل اشتراک (سالانہ) ۱۲۵/۰۰ روپے

غیر ممالک سے
۳۵ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی

خط وکتابت کا پتہ
ماہنامہ "التوعیہ" نئی دہلی
۳-ج/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵
AL-TAUIYAH Monthly
161/C-3 Joga Bai
New Delhi - 110025
فون: ۶۸۲۱۸۲۷

پرنٹر وپبلشر محمد الیاس سلفی نے الفا آفسیٹ پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر ماہنامہ "التوعیہ" ۳-ج/۱۶۱ جوگا بائی، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب

فکر و نظر

ابن احمد نقوی

سفر اور ہم سفر

اگر کوئی شخص عمر طبیعی کو پہنچ چکا ہو۔ قویٰ میں اضمحلال، حواس میں اختلال، اعصاب میں ارتعاش پیدا ہو چکا ہو اور پھر بھی وہ بے اعتدالی اور بے احتیاطی سے باز نہ آئے تو اس کے بارے میں انگریزی کے محاورے میں بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے گنے چنے دن باقی رہ گئے ہیں یا بقول میر۔

صبح گیا یا شام گیا

کچھ ایسی ہی حالت انڈین نیشنل کانگریس کی ہو چکی ہے جو اپنی عمر کے ایک سو دس سال پورے کر رہی ہے۔ زندگی کا نصف سے زیادہ حصہ مشقتوں میں گذرا دنیا کی سب سے بڑی طاقت یعنی صلیبی سامراج سے ٹکرلی، دار و رسن، مقتل و زنداں، دربدری و جلاوطنی کے مرحلوں سے گذری اور بالآخر ملک معظم شہنشاہ برطانیہ عظمیٰ قیصر ہند، جن کے اقتدار کا آفتاب ظلمت باز کبھی غروب نہیں ہوتا تھا، انہیں برصغیر سے اپنی طاقت کا پشتارہ لپیٹ کر رخصت ہونے پر مجبور کر دیا۔ پھر ایک طویل عرصے تک یہی کانگریس بلا شرکت غیرے اقتدار کی مالک رہی اور کئی دہائیوں تک اس کا آفتاب اقبال نصف النہار پر رہا۔ نشہ ہر قسم کا بُرا ہوتا ہے اور سب سے زیادہ بُرا نشہ اقتدار کا ہوتا ہے یہ ایسا نشہ ہے کہ انسان کو فرعون بنا دیتا ہے اور وہ اپنے قول و عمل سے اَنَا رَبُّکُمُ الاَعلٰی کی منہ بولتی تصویر بن جاتا ہے اور یہیں سے اس کے زوال کا آغاز ہوتا ہے۔ کانگریس نے بھی نصف صدی تک ہندوستان پر حکومت کرتے ہوئے بد اندیش حکمرانوں کی ساری برائیاں اپنے اندر پیدا کر لیں۔ ان کی زبانوں پر گاندھی جی کا نام ہوتا تھا لیکن قدم اس راہ پر چلتے تھے جو گاندھی جی کے قاتل گوڈسے کی راہ تھی۔ وہ سیکولرزم کی قسمیں کھاتے تھے مگر عملاً فرقہ پرست فسطائیوں کی پشت پناہی کرتے تھے۔ بظاہر اقلیتوں کی ہمدردی کا دم بھرتے تھے ان کے محافظ اور ان کے حقوق کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن در حقیقت انہوں نے ایک منصوبہ بند سازش کے تحت اقلیتوں کو تباہ کیا سکھوں کے سورن مندر کی تباہی ہو یا بابری مسجد کی مسماری سب کچھ ان ہی کے دورِ اقتدار میں اور ان کی نگرانی میں ہوا۔ پھر بھی وہ یہی کہتے رہے کہ کانگریس اقلیتوں کی ہمدرد ہے اور ان کا مستقبل صرف کانگریس کے زیرِ سایہ ہی محفوظ رہ سکتا ہے لیکن شعبدہ بازی، فریب دہی اور سخن سازی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ بعض اوقات اہل ستم کی ٹھوکریں بھی وہ کام کر جاتی ہیں جو ہمدردوں اور مصلحین کی صدائیں اور نعرے بھی نہیں کر سکتے۔ یہ ٹھوکریں غفلت سے بیداری کا پیغام بن جاتی ہیں۔ جگر نے کہا تھا۔

میری زباں پہ شکوۂ اہل ستم نہیں
مجھ کو جگا دیا یہی احسان کم نہیں

کانگریسی حکمرانوں کی ایسی ہی ٹھوکروں نے اقلیتوں کو بیدار کر دیا اور انہیں دوست دشمن کی پہچان کا شعور عطا کیا۔ بابری مسجد کا انہدام مسلمانوں کی ہی نہیں، ملک کی قومی سیاست میں اہم ترین موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس حادثہ کی تاریکی سے مسلمانوں میں احساس کی نئی کرنیں ابھریں انہیں شاید پہلی بار اندازہ ہوا کہ کانگریس ان کے ساتھ کس قدر سفاکانہ سلوک کر سکتی ہے اور عملاً فسطائیوں اور کانگریسیوں میں کوئی بہت زیادہ فرق نہیں ہے ایک کھلا ہوا بھیڑیا ہے دوسرے نے بھیڑ کی کھال اوڑھ رکھی ہے۔ اپنی غراہٹ کو "ایشور اللہ تیرے نام" کے بھجن کی لے میں چھپا لیا ہے۔ بابری مسجد کے انہدام سے اس بھیڑ نما بھیڑیے کی کھال اتر گئی اور سہمی ہوئی اقلیتوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اب تک وہ جو کچھ دیکھ اور سمجھ رہے تھے وہ کتنا غلط اور پُر فریب تھا۔ اس دہلا

دینے والے انکشاف کے بعد اقلیتوں کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے آپ کو مزید دھوکے میں رکھیں ان کا ردِ عمل بالکل فطری تھا۔ دو بھیڑیوں کے درمیان گھری ہوئی بھیڑ کو ظاہر ہے دونوں میں سے کسی ایک کی پناہ میں آنا ہی تھا۔ ایک کو وہ نصف صدی سے آزما چکے تھے اور سوائے زخموں کے اور کچھ نہیں ملا تھا۔ دوسرا ان کا کھلا دشمن تھا مگر اسے انہوں نے آزمایا نہیں تھا ہاں زخم اس سے بھی کھائے تھے۔ وہ دونوں کے ہاتھوں اتنے زخم کھا چکے تھے اس قدر لٹ پٹ چکے تھے کہ اب ان کے پاس کھونے کو زیادہ کچھ نہیں تھا اب ان کے پاس کھونے کے لئے ایک جانِ ناتواں کے سوا کچھ باقی بھی نہیں بچا تھا لہٰذا انہوں نے سوچا کہ اپنا گوشت پوست تو سب اسے نذر کر چکے جسے وہ اپنے قبیلے کی ہی ایک بھیڑ سمجھتے رہے تھے اب اصل حقیقت منکشف ہونے کے بعد بھی اگر فریب میں مبتلا رہے تو ان کی سادہ لوحی پر کوئی افسوس کرنے والا بھی نہیں بچے گا اور یہ جو چند سانسیں رہ گئی ہیں یہ بھی اسی سفاک خوش فہمی کی نذر ہو جائیں گی اس لئے انہوں نے سنگین حقیقتوں کا سامنا کرنے اور سنگلاخ راستے پر چلنے کا فیصلہ کر لیا اور دوسرے بھیڑیئے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا بلا سے ایک سانس کی ڈوری رہ گئی ہے اسے بھی ٹوٹنا تو ہے ہی تو پھر کیوں نہ دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور اس کے قدم بقدم چل کر دیکھ لیں آخر یہ دوسرا اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہے جو پہلا ان کی دو تین نسلوں کے ساتھ کرتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہ فیصلہ کر لیا جسے آزاد ہندوستان کی نصف صدی کی تاریخ میں ان کے ملی وجود کا سب سے زیادہ متنازعہ فیہ اور سفاک فیصلہ کہا جا سکتا ہے اس فیصلہ کے نتیجہ میں گجرات اور مہاراشٹر میں کانگریس کے اقتدار کی ارتھی اٹھ گئی۔ کانگریس کے لئے شاید اس کی زندگی کا یہ تاریک ترین دن تھا جب اسے اقلیتوں کے عمومی اعتماد سے محروم ہونا پڑا اپنی سو سال سے زیادہ کی عمر میں کانگریس نے اپنی سیکولر اور اقلیت دوستی کی شبیہ کسی نہ کسی حد تک بچائے رکھی تھی۔ یہ پارٹی کئی بار گری لیکن پھر سنبھل گئی۔ جواہر لال نہرو اور ان کی اولاد پر کوئی بھی الزام لگایا جائے لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ فسطائی نواز یا اقلیت دشمن تھے۔ یہ ضرور ہے کہ ان کی بعض کمزور پالیسیوں کے سبب اقلیتوں کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ سیاسی مفاد کے پیش نظر ان کے تذبذب کی وجہ سے بھی فسطائیوں کو نئی توانائی ملی۔ راجیو گاندھی جیسے صاف ذہن فراخ دل اور انسانیت دوست لیکن سیاسی طور پر ناتجربہ کار لیڈر کو ان عیار کانگریسیوں نے ہی گمراہ کیا اور اسے اندھیرے میں رکھ کے ایسے کام کر لئے جو فسطائیوں کو سہارا دینے والے تھے اجودھیا میں شیلانیاس جیسی کاروائیاں اور اس سے پہلے بابری مسجد میں پوجا اور درشن کی عام اجازت دے کر فسطائیوں کے اقتدار کی راہ ہموار کی گئی اور کانگریس کے تحت اقتدار کی چولیں ڈھیلی کی گئیں۔ راجیو گاندھی کو ان لوگوں کی عیاریوں اور اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا تھا کئی افراد کی وزارت سے علیحدگی اسی احساس کا ہی ردِ عمل تھی۔ مگر جب راجیو گاندھی نے خود کو سنبھالنا چاہا تو راجہ وی پی سنگھ نے ان پر بوفورس توپوں کی باڑہ مارنی شروع کر دی ہندوستان کی تاریخ میں ایک کردار میر جعفر کا ہے جس نے بنگال کا نواب بننے کے لئے اپنے ولی نعمت نوعمر اور ناتجربہ کار سراج الدولہ سے غداری کی اور انگریزوں سے ساز باز کر کے بنگال پر ان کا قبضہ کرا دیا خود چند دنوں کے لئے ان کا نمک پروردہ غلام بن کر نواب بنگالہ کا لقب حاصل کر لیا لیکن پورے ہندوستان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑوا دیا۔ اگر کوئی پوچھے کہ کانگریس کا میر جعفر کون ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ راجہ وی پی سنگھ' ان راجہ صاحب نے وزیر اعظم بننے کا ارمان پورا کرنے کی غرض سے نوعمر اور ناتجربہ کار راجیو گاندھی کو دھوکا دیا۔ اس سیدھے سادھے شریف انسان کو شکست دینے کے لئے فسطائیوں سے دوستی کر لی اور ان کے کندھوں پر بیٹھ کر وزارت عظمیٰ کے تخت طاؤس پر براجمان ہو گئے ادھر لال قلعہ کی فصیل پر چڑھ کر مسلمانوں کو عید میلاد النبی کی سرکاری تعطیل کا مژدہ سناتے رہے دوسری طرف خلوت میں فسطائیوں کو سمجھاتے رہے کہ ارے بھائی وہ مسجد ہے ہی کہاں! اس طرح انہوں نے فسطائیوں کو کھلی چھوٹ دے دی کہ وہ سومناتھ سے اجودھیا تک جلوس نکالیں اور پورے ملک میں فرقہ وارانہ ماحول کو زہر آلود کر دیں کچھ بھی ہو مگر کسی طرح ان کے اقتدار کو سہارا دیتے رہیں۔ اگر راجہ وی پی سنگھ ملائم سنگھ یادو اور لالو پرشاد یادو جیسی جرأت کا مظاہرہ کر سکتے اور اقلیتوں سے دکھاوے کے بجائے سچی ہمدردی کا جذبہ ان میں ہوتا تو یقیناً فسطائی عناصر کے حوصلے اتنے بلند نہ ہوتے لیکن

ان کی طبیعت کی کمزوری تذبذب اور فرقہ وارانہ مسائل میں نیمے دروں نیمے بروں ذہنیت کے سبب انہوں نے ملک کی سیاسی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ بعض مبصرین کی اس رائے میں کافی وزن ہے کہ اگر وی پی سنگھ کے بجائے چندر شیکھر کو شروع میں ہی وزیر اعظم بنادیا جاتا تو ملک کو وہ بُرے دن دیکھنے نہ پڑتے جو وی پی سنگھ کی غلط کاریوں کے سبب دیکھنے پڑے۔

بہرکیف وی پی سنگھ آئے بھی اور گئے بھی' ان کا فسانہ ختم ہوگیا۔ چندر شیکھر بہت دیر میں آئے ان کا عہد اقتدار ہرچند "کہیں کہ ہے 'نہیں ہے'" کا مصداق رہا۔ راجیو گاندھی "ایسے گئے کہ جاں سے ہی گذر گئے"۔ وہ خود تو گئے ساتھ میں کانگریس کو بھی لے گئے۔ سچ یہ ہے کہ راجیو گاندھی کے بعد کانگریس کانگریس نہیں رہی۔ ۱۹۹۲ء کے واقعات نے ثابت کردیا کہ مرکز میں کانگریس حکمراں نہیں ہے بلکہ اس پردۂ زنگاری میں کوئی اور ہے "جو صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں" کا تماشہ دکھا رہا ہے۔ راجیو گاندھی کے بعد کانگریس میں اقتدار کی کشمکش ہوئی۔ یہ اس پارٹی کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں تھی گاندھی جی کے دور میں بھی جب کانگریس اقتدار کے تخت پر نہیں بیٹھی تھی' نظریاتی کشمکش ہوتی رہتی تھی۔ تری پورہ اجلاس میں سبھاش چندر بوس کانگریس کے صدر بن گئے تو گاندھی جی نے اسے اپنی ذاتی شکست قرار دیا اور ایسی کشمکش ہوئی کہ سبھاش چندر بوس کو نہ صرف کانگریس کی صدارت بلکہ خود کانگریس سے بھی علیحدہ ہوجانا پڑا۔ آزادی کے بعد کانگریس کے دور اقتدار میں نہرو اور پٹیل کے درمیان نظریات اور اقتدار کی کشمکش خاصی نمایاں رہی۔ جب تک گاندھی جی رہے وہ نہرو کو سہارا دیتے رہے۔ پٹیل کو اپنا عزیز قرار دینے کے باوجود گاندھی جی ذہنی اور عملی طور پر پٹیل کی ہندو توکی پالیسی کے مقابلے میں جواہرلال کی سیکولرزم اور انسانیت دوست پالیسی کا ساتھ دیتے تھے گاندھی جی کے بعد جب پٹیل گروپ نے پرشوتم داس ٹنڈن جیسے کٹر قدامت پرست کو کانگریس کا صدر بنانے میں کامیابی حاصل کرلی تو جواہرلال اسے برداشت نہ کرسکے اور انہوں نے کانگریس ورکنگ کمیٹی سے استعفا دے دیا ان کے ساتھ مولانا آزاد بھی مستعفی ہوگئے۔ جواہرلال کا قومی سیاست میں اتنا وقار تھا کہ ان کی علیحدگی کو کوئی برداشت نہیں کرسکتا تھا چنانچہ ٹنڈن کو صدارت سے علیحدہ ہونا پڑا اور اس کے بعد جواہرلال نہرو ہی کانگریس کے صدر اور وزیر اعظم بنے۔

اندرا گاندھی وزیر اعظم بنیں تو مرار جی بھائی ان کے حریف تھے۔ کانگریس کے کئی سینئر لیڈروں نے ایک سنڈیکیٹ بنایا اور اس طاقتور گروپ نے اندرا گاندھی کو اقتدار سے خارج کرنا چاہا اندرا گاندھی نے کانگریس کے صدارتی امیدوار سنجیوا ریڈی کے مقابلے میں آزاد امیدوار وی وی گری کو صدر جمہوریہ بنا کر اس گروپ کو ختم کردیا۔ ایمرجنسی کے بعد جب وہ دوبارہ اقتدار میں آئیں تو دور دور تک کوئی ان کا حریف نہیں تھا۔ جب وہ قتل کردی گئیں اور نئے وزیر اعظم کے انتخاب کا معاملہ آیا تو پرنب مکھرجی جو کانگریس کے سینئر لیڈر اور وزیر خزانہ تھے انہوں نے راجیو گاندھی کے مقابلے میں آنے کی جرأت کی اور اس کی پاداش میں راجیو عہد میں وہ پس منظر میں گم ہوگئے۔ راجیو گاندھی کے بعد جب پھر کانگریس میں قیادت کا بحران پیدا ہوا تو ارجن سنگھ اور شرد پوار قیادت کے دعویداروں میں تھے لیکن قرعہ ایک غیر متنازعہ اور گوشہ نشین لیڈر نرسمہا راؤ کے نام نکلا حالانکہ وہ اپنی کبر سنی کے باعث سیاست سے دست کش ہوچکے تھے اور ۱۹۹۱ء کے الیکشن میں حصہ بھی نہیں لیا تھا۔ بہرکیف کانگریس کو انتشار سے بچانے کے لئے وقتی طور پر نرسمہا راؤ کے نام پر سب متفق ہوگئے اس وقت کانگریس پر بہت بُرا وقت پڑا تھا آزاد ہندوستان تیسرے گاندھی کے قتل کا سوگ منا رہا تھا اور فسطائیوں کے سوا ہر شخص سراسیمہ تھا۔ اس لئے سب نے ہوشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے قیادت کے معاملے میں سمجھوتہ کرلیا اور کانگریس نے مرکز میں اقلیتی سرکار بنائی۔ ایوان میں کانگریس کو اکثریت حاصل نہیں تھی دوسری طرف راجہ وی پی سنگھ اور ایڈوانی کانگریس حکومت کو شکست دینے کے لئے بازو لہرا رہے تھے۔ حالت ایسی نازک تھی کہ سرکار کے بچنے کے آثار کم تھے تحریک عدم اعتماد کے بارے میں کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ کیا ہوگا۔ نرسمہا راؤ اور ان کے ساتھیوں نے کسی نہ کسی طرح تیلگو دیسم اور جھارکھنڈ کے ممبران سے جوڑ توڑ کرکے اپنی وزارت کو بچالیا پھر پنجاب میں الیکشن کے بعد مرکز میں کانگریس کو نئی زندگی ملی وہاں سے پورے بارہ ممبر اسے مل گئے اور نرسمہا راؤ سرکار

نے پہلی بار اعتماد کے ساتھ پارلیمنٹ کا سامنا کیا پھر نرسمہا راؤ نے شرد پوار کو وزیر دفاع کے عہدے سے ہٹا کر مہاراشٹر کا وزیر اعلیٰ بنا دیا اور اس طرح ایک حریف سے وہ مطمئن ہو گئے لیکن دوسرے اور زیادہ سخت جان حریف ارجن سنگھ مرکز میں ہی ڈٹے رہے نرسمہا راؤ کا بس چلتا تو وہ ڈگ وجے سنگھ کی جگہ ارجن سنگھ کو مدھیہ پردیش کا وزیر اعلیٰ بنا دیتے اور ان سے بھی نجات حاصل کر لیتے لیکن علاقائی سیاست کے بھی اپنے داؤ پیچ ہوتے ہیں۔ مرکز میں وی سی شکلا بھی موجود تھے وہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ ارجن سنگھ مدھیہ پردیش کے راجہ بن جائیں پھر ارجن سنگھ بھی مرکز سے ہٹنے کو آسانی سے تیار نہ ہوتے اس لئے یہ کشمکش اندر ہی اندر جاری رہی یہ بات ڈھکی چھپی نہیں تھی کہ ارجن سنگھ نرسمہا راؤ کے حریف ہیں اور کانگریس میں اپنا گروپ مضبوط کرنے کے لئے ہمہ جہتی پلان بناتے رہتے ہیں لیکن مشکل یہ تھی کہ نرسمہا راؤ کے ساتھ جنوب کے ممبران کا متحدہ گروپ ہے۔ تاریخ میں پہلی بار مرکز میں جنوب کو قیادت ملی اس سے جنوب کے ممبروں میں ایک نیا احساس' اعتماد بلکہ پندار ابھرا وہ کسی حال میں اسے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے اس پندار نے یہاں تک زور باندھا کہ جب سپریم کورٹ کے ایک جج جسٹس راما سوامی کے خلاف کرپشن کے الزامات کے تحت پارلیمنٹ میں ان کے مواخذہ کی تحریک پیش کی گئی تو جنوب کے سارے کانگریسی ممبران راما سوامی کی حمایت میں کھڑے ہو گئے ان کا موقف یہ تھا کہ جسٹس راما سوامی چونکہ جنوب کے ہیں اس لئے ان کے ساتھ زیادتی کی جا رہی ہے اس موقف کی وجہ سے کانگریس اس معاملے میں غیر جانبدار ہو گئی وہ کرپشن کے الزام سے دوچار جج کی کھل کر حمایت تو نہیں کر سکی لیکن تحریک مواخذہ پر رائے شماری میں حصہ نہیں لیا اور مذمت کی قرارداد پارلیمنٹ میں پاس نہیں ہو سکی۔ جنوب کے ممبروں نے دکھا دیا کہ اب اقتدار ان کے ہاتھ میں ہے اور جو وہ چاہیں گے وہی ہو گا۔ بابری مسجد کے انہدام کے بعد سارے ملک کی طرح کانگریس میں بھی کشمکش گہری ہو گئی کانگریس کے سینئر لیڈر ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا' مانی شنکر ایر اور ان جیسے صاف ذہن اور فراخ دل ممبران جن کا راجیو گاندھی سے قریبی تعلق تھا کھل کر اس موقف کا اظہار کر رہے تھے کہ بابری مسجد دوبارہ اسی جگہ تعمیر کی جائے۔

ڈاکٹر مشرا تو اس کے لئے بھی تیار تھے کہ کانگریس کو اس مسئلہ پر وقتی شکست کا خطرہ بھی قبول کر لینا چاہئے تاکہ اقلیتوں کے ساتھ ہوئی ناانصا کی تلافی کی جا سکے نرسمہا راؤ چونکہ برملا اعلان کر چکے تھے کہ بابری مسج دوبارہ اسی جگہ تعمیر کی جائے گی لہٰذا یہ ایک طرح سے کانگریس کا سرکار' موقف بھی بن گیا تھا۔ ارجن سنگھ بھی اسی گروہ میں شامل تھے جو اقلیتوا کے ساتھ ہوئی ناانصافی کا مداوا کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے تجویز پیش کی ک بابری مسجد کے انہدام کے لئے سرکار مسلمانوں سے معافی مانگے ان ک اس بات سے کانگریس میں خاصی ہلچل مچی اور اکثر ممبران نے یہ دلیل دی کہ بابری مسجد بی جے پی سرکار نے گرائی ہے لہٰذا مرکزی سرکار کانگریس کے معافی مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ارجن سنگھ کے اا بیانات سے اقلیتوں میں ان کے لئے خیر سگالی کے جذبات زیادہ گہرے ہو گئے ویسے بھی وہ ان صاف ذہن سینئر کانگریسی لیڈروں میں شمار کئے جاتے ہیں جن کے دامن پر فرقہ پرستی کے داغ نہیں ہیں اور جو اقلیتوا کے ہمدرد مانے جاتے ہیں ارجن سنگھ وقتاً فوقتاً صدر کانگریس کو طویل مراسلے لکھتے رہتے تھے جن میں پارٹی میں جمہوریت کی بحالی اور اقلیتوں اعتماد دوبارہ حاصل کرنے پر زور' بوفورس کے معاملے میں موثر کارروائی تمسکات کے گھپلے میں فیصلہ کن اقدام اور راجیو گاندھی قتل کیس میں تفتیش اور عدالتی کارروائی میں عدم دلچسپی کا شکوہ کرتے تھے۔ پھر جب پا ریاستوں میں اسمبلی الیکشن نزدیک آئے تو انہوں نے اچانک وزارت سے استعفیٰ دے دیا اور صدر کانگریس کو مذکورہ بالا امور پر خطوط لکھنے کے علاوہ بیانات بھی جاری کئے۔ صدر کانگریس کی طرف سے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ ان کے خلاف تادیبی کارروائی کی گئی اور بہت سے ضرور' اور جمہوری ضابطے نظر انداز کر کے انہیں ۶ سال کے لئے معطل کر د گیا۔ ارجن سنگھ نے اسی دوران ہنگامہ اور انتشار پیدا کرنے کے لئے بابری مسجد کے تنازعہ کو ابھارا اور دعویٰ کیا کہ انہیں چار دسمبر ۹۲ء کو یعنی بابری مسجد کے انہدام سے دو روز پہلے ہی اس بات کا پتہ چل گیا تھا' بابری مسجد گرا دی جائیگی اور انہوں نے اس وقت کے داخلہ سکریٹری' بولے کو تاکید کی تھی کہ وہ اس بارے میں سرکاری بیان تیار کریں۔ ارجن سنگھ یہ بات کہہ کر خود اپنے جال میں پھنس گئے ان سے پوچھا گیا

لکھنؤ میں کلیان سنگھ سے ملاقات کے بعد انہیں یقین ہو گیا تھا کہ
مسجد گرا دی جائیگی تو انہوں نے وزیر اعظم کو اس سنگین خطرے سے
رنا ضروری کیوں نہیں سمجھا یا وزیر داخلہ سے رابطہ قائم کیوں نہیں
ربات صرف ایک سینئر سرکاری ملازم تک کیوں محدود رکھی وہ اس
شافی جواب نہیں دے سکے اس کے نتیجہ میں انہیں نرسمہا راؤ کے
ڈمبوں نے ہدف تنقید بنایا سید سبط رضی اور دیگر کئی مسلمان کانگریسی ممبران
ن پر سنگھ پریوار سے درپردہ ساز باز کا الزام لگایا اور بابری مسجد کے
م میں انہیں شریک ٹھہرایا دوسری طرف ملائم سنگھ یادو نے ارجن
ر نارائن دت تیواری کے خلاف اعلان جنگ کر دیا انہوں نے
ں کو کھل کر غدار کہا اور ارجن سنگھ کے بارے میں انکشاف کیا کہ
نے نرسمہا راؤ سرکار کے خلاف پارلیمنٹ میں تحریک عدم اعتماد
کئے جانے کے موقع پر ایک قاصد کے ذریعہ ان سے خفیہ رابطہ قائم
ا اور زور دیا تھا کہ سماج وادی پارٹی کے ممبران نرسمہا راؤ کی حمایت
وٹ نہ دیں۔ ملائم سنگھ یادو نے یہ بھی دھمکی دی کہ اگر ضرورت
ائی تو وہ اس قاصد کے نام کا بھی انکشاف کر دیں گے۔ ملائم سنگھ کے
غضب کا اصل سبب یہ ہے کہ نارائن دت تیواری اترا کھنڈ کے
پر یوپی سرکار کو برخاست کئے جانے کے لئے زور دیتے رہے ہیں
اس مطالبے میں شدت پیدا کرنے کے لئے انہوں نے یوپی
یس کی صدارت سے بھی استعفا دے دیا۔ جتندر پرشاد صدر بنے تو
نے کانگریس پارلیمانی پارٹی کے ممبران کے اصرار پر مرکز پر زور دیا
ملائم سنگھ سرکار کی حمایت سے دستکش ہو جائے اور بالآخر وہ اپنی
ہم میں کامیاب ہو گئے اور ہائی کمان نے اسمبلی میں ملائم سنگھ کی
سے دستبرداری کا اعلان کر دیا لیکن اس کے باوجود ملائم سنگھ سرکار
ڑ توڑ کر کے گورنر کے خطبہ پر شکریئے کی تحریک پاس کرالی اور ایک
سے کانگریس کی حمایت کے بغیر اپنی سرکار کو فوری خطرے سے بچا
لئے۔ ارجن سنگھ نے وزارت سے علیحدگی کے بعد سونیا گاندھی کا
لینا چاہا وہ اس طرح نرسمہا راؤ کے لئے سب سے بڑا چیلنج بننا چاہتے
ر سونیا گاندھی ارجن سنگھ کی کھل کر حمایت کریں یا نہرو خاندان کے
وں کے مطالبہ کا پاس کرتے ہوئے سرگرم سیاست میں آنے کا

اعلان کر دیں تو نرسمہا راؤ کو اپنی قیادت کا علم بلند رکھنا ممکن نہیں تو بہت
دشوار ضرور ہو جائے گا نرسمہا راؤ کے باغی جانتے ہیں کہ عوام میں اب
بھی راجیو گاندھی کے لئے گہری ہمدردی اور عقیدت کا جذبہ موجود ہے
ان کی المناک اور بے وقت موت نے انہیں قومی سیاست کا سب سے
اہم شہید بنا دیا ہے لوگوں کو پوری امید تھی کہ دوبارہ اقتدار میں آکر
راجیو گاندھی اپنی پچھلی غلطیوں سے سبق حاصل کر کے ملک کو بہتر
انتظامیہ اور قیادت دے سکتے تھے۔ اب وہ نہیں تو ان کی بیوہ یا کم از کم ان
کی بیٹی ہی قیادت کی باگ سنبھال لے تاکہ وہ پرانے کانگریسیوں کو ان کے
زیر سایہ اکٹھا کر سکیں۔ اس میں شک نہیں کہ کانگریس میں نئی روح
پھونکنے کے لئے یہ نسخہ کافی کارگر بلکہ شاید اکسیر کا کام کر سکتا ہے لیکن
سونیا گاندھی جو اپنی ساس اور شوہر کا المناک انجام دیکھ چکی ہیں اس
سفاک سیاست کے میدان میں قدم رکھنا نہیں چاہتیں انہوں نے یہاں
تک کہہ دیا کہ وہ دلی کی سڑکوں پر بھیک مانگنا پسند کریں گی لیکن سیاست
میں آنا پسند نہیں کریں گی ان کے اس دو ٹوک انکار سے ارجن سنگھ
گروپ کو کافی مایوسی ہوئی ہے ادھر جب سنگھ پریوار نے دیکھا کہ سونیا
گاندھی کو سیاست میں لانے کی کوشش کی جا رہی ہے تو ان کے قدموں
سے زمین کھسکنے لگی اور اپنی ذہنیت کے عین مطابق اوچھے ہتھیاروں پر
اتر آئے اور پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ ہم تو بھارت میں رام راج لانا
چاہتے ہیں لیکن کانگریس روم (اٹلی) راج لانا چاہتی ہے (سونیا گاندھی
پیدائشی طور پر اطالین ہیں) اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سنگھ پریوار
سونیا گاندھی کو پریشان کرنے کے لئے کہاں تک جا سکتا ہے تاہم سونیا
گاندھی کا اب بھی کانگریس میں اتنا اثر اور وقار ہے کہ خود نرسمہا راؤ وقتاً
فوقتاً ان سے نیاز مندانہ ملاقات کر کے پارٹی امور پر ان سے مشورہ کرتے
رہتے ہیں۔ اسمبلی انتخابات کانگریس کے لئے بڑا سخت امتحان ہوئے ہیں
پچھلے انتخابات میں کانگریس نے آندھرا اور کرناٹک کھو دیئے۔ آندھرا
وزیر اعظم کا اپنا گھر ہے وہاں ان کی پارٹی کی شکست کو ان کی ذاتی شکست
قرار دیا گیا ایک مرکزی وزیر کمارا منگلم نے دہلی' آندھرا اور کرناٹک میں
ہزیمت کے بعد قیادت پر نکتہ چینی کی اور اس کی پاداش میں وہ وزارت
سے نکال دیے گئے۔ ان حوصلہ شکن حالات میں ہماچل پردیش اور پھر

مدھیہ پردیش میں کانگریس کی کامیابی نے پارٹی کی ڈوبتی نبضیں سنبھال دیں اور نرسمہا راؤ کی ڈوبتی کشتی بھی سنبھل گئی اب حالیہ الیکشن میں مہاراشٹر کی شکست کانگریس کے لئے بڑا کاری زخم ہے آزادی کے بعد پہلی بار مہاراشٹر کانگریس کے ہاتھ سے نکلا ہے اگرچہ ۸۱ سیٹیں جیت کر وہ اب بھی ایوان میں سب سے بڑی پارٹی کی پوزیشن برقرار رکھ سکی ہے تاہم شیوسینا اور بی جے پی کے اتحاد نے اتنی سیٹیں حاصل کرلیں کہ کچھ آزاد ممبران کو ملا کر انہوں نے وزارت بنالی ہے۔ کانگریس کے ۱۲ باغی ممبران جیتے ہیں اگر انہیں بھی پارٹی میں شامل کرلیا جائے پھر بھی کانگریس سرکار بنانے کی پوزیشن میں نہیں آسکتی۔ گجرات میں نتیجہ پہلے ہی کانگریس کے برخلاف ہونا متوقع تھا۔ اب کانگریس کی ڈوبتی کشتی کو اڑیسہ میں اس کی غیر متوقع کامیابی نے تھوڑا سہارا دے دیا اگرچہ اس سے مہاراشٹر کے کاغم غلط نہیں ہوگا تاہم کانگریس یہ کہہ سکتی ہے کہ اگر اس نے بہت کچھ کھویا ہے تو کچھ پایا بھی ہے اڑیسہ اس نے جنتادل سے چھینا ہے جہاں بیجو پٹنائک تاناشاہ بن گئے تھے۔ اڑیسہ میں کامیابی کے باوجود کانگریس کا سر جھکا ہوا ہے سابقہ اور حالیہ ہزیمتوں کے باوجود یہ کہنا غلط ہوگا کہ کانگریس کا صفایا ہوگیا ہے۔ کانگریس بگڑ کر بنی اور بن کر بگڑی ہے جو ریاستیں آج اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہیں کل وہ پھر اسے مل سکتی ہیں بشرطیکہ عوامی رابطہ اور کانگریس کی سچی اسپرٹ کو برقرار رکھ سکیں۔ مہاراشٹر میں فسطائیوں کی کامیابی بقول جیوتی باسو قوم کے لئے ایک تشویشناک بات ہے۔ شوسینا کی کامیابی میں مسلمانوں کا کردار بڑا اہم رہا ہے شرد پوار کی سرکار نے مسلمانوں پر جو ستم رانیاں کیں ان کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ٹاڈا میں کتنے بے گناہ مسلمان پکڑے گئے شوسینا نے بابری مسجد کے انہدام کے بعد بمبئی میں مسلمانوں کا جو قتل عام کیا ان کی جائیدادیں تباہ کیں اس کے خلاف نائک یا پوار نے کوئی کارروائی نہیں کی بال ٹھاکرے نے کھل کر بابری مسجد کے انہدام کی تعریف کی اس نے کہا کہ اگر میں ملک کا وزیر اعظم ہوتا تو سرکاری طور پر بابری مسجد کو گروادیتا۔ بی جے پی والے پہلے پہل بابری مسجد کے انہدام کی ذمہ داری قبول کرنے سے کتراتے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ بال ٹھاکرے اور شوسینا ببانگ دہل مسجد گرانے کا سہرا اپنے سر باندھ رہے ہیں تو اڈوانی اینڈ کمپنی گھبرائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شوسینا ہیرو بن جائے اس لئے انہوں نے بھی پینترا بدلا اور اس پر فخر کرنا شروع کردیا کہ ہم نے غلامی کے اس داغ کو مٹایا ہے مطلب یہ تھا کہ ہندو بھائیو ووٹ دیتے وقت ہمیں مت بھول جانا ہم بھی کدال اور پھاوڑے لے کر اجودھیا گئے تھے چنانچہ بی جے پی اس بونس میں شریک ہوگئی مہاراشٹر میں شوسینا کے بعد اس نے سب سے زیادہ سیٹیں حاصل کی ہیں اور وہ حکومت میں شوسینا کی جونیر شریک بن گئی ہے۔ کانگریس کو ہرا کر مسلمانوں نے کانگریس سے ٹاڈا، بابری مسجد، شہریت کے ثبوت کے نام پر ستائے جانے کا بدلہ لے لیا ہے یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ مسلمانوں نے شوسینا اور بی جے پی کو خوش دلی سے ووٹ دئے ہیں یہ دراصل منفی ووٹ ہے جو کانگریس کو سبق سکھانے کے لئے دیا گیا ہے مسلمانوں نے دکھادیا کہ اگر کانگریسی لیڈر انہیں ہراساں کرسکتے ہیں تو وہ بھی انہیں عرش سے فرش پر گراسکتے ہیں اپنی ہار کے بعد شرد پوار نے اعتراف کیا کہ ٹاڈا، بابری مسجد اور شہریت کے ثبوت جیسے معاملات ان کی پارٹی کی ہار کا اصل سبب بنے۔ شوسینا اور بی جے پی کی کامیابی اور تخت حکومت پر سرفرازی گویا۔

وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

کی مثال ہے ان فسطائیوں نے بابری مسجد کو توڑا مسلمانوں کا قتل عام کیا ان کی جائیدادیں تباہ کیں اور وہ سب کچھ کیا جس کی صرف چنگیز وہلاکو جیسے قاتلوں اور دہشت گردوں سے ہی توقع کی جاسکتی ہے پھر بھی مسلمانوں نے اپنے قاتلوں کے گلے میں ہار ڈالے سوچئے تو مجبوری، بے کسی، لاچاری کی اس سے عبرتناک تصویر مشکل سے ملے گی بعض اوقات انسان مایوسی، جھنجلاہٹ اور انتہائی بے بسی کے عالم میں خودکشی کرلیتا ہے یا پھر تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق مرنے مارنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ مہاراشٹر کے مسلمانوں کے اس اقدام کو کس خانے میں رکھا جائے شاید پہلے خانے میں۔ لیکن کیا اس کے لئے انہیں موردالزام قرار دیا جاسکتا ہے۔ انہیں فسطائیوں کا ساتھ دینے کے لئے کس نے مجبور کیا کیا کانگریسی حکمراں اپنے آپ کو اس سے بری الذمہ قرار دے سکتے ہیں۔ نصف صدی کے دور اقتدار میں انہوں نے مسلمانوں کو خوش نما اور پرفریب وعدوں کے کھلونے دینے کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ انہوں نے

اپنے درباری اور کاسہ لیس اقلیتی افراد کی کھیپ ضرور تیار کرلی مگر مسلمانوں میں باشعور قیادت کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا۔ بابری مسجد میں بت رکھے جانے سے لے کر مسجد کے انہدام تک ساری کاروائی کانگریسیوں کی بالواسطہ یا بلاواسطہ منظوری یا چشم پوشی سے ہوئی۔ ٹاڈا اور شہریت کا ثبوت جیسے ہتھیار کانگریس نے ڈھالے اور استعمال کئے۔ اور انہیں اقلیتوں کے خلاف بے دریغ استعمال کیا گیا قومی انسانی حقوق کمیشن کے چیئرمین جسٹس رنگناتھ مشرا کے بقول گجرات میں جہاں دہشت گردی کے کوئی خاص واقعات نہیں ہوئے وہاں بھی اقلیتوں کے خلاف ٹاڈا کا بے دردی سے استعمال کیا گیا اور ہزاروں بے گناہ اس چکی میں پیس ڈالے گئے گجرات اور مہاراشٹر دونوں جگہ کانگریس کی سرکار تھی نہ مرکز نے اس ستم رانی کے خلاف کوئی اقدام کیا نہ ریاستی کانگریس کے نیتاؤں نے سوچا کہ اس سے اقلیتیں کانگریس سے بے زار ہوجائیں گی۔ بمبئی میں شہریت کے ثبوت مانگنے میں اتنی دھاندلی کی گئی کہ اردو کے مشہور اشتراکی شاعر علی سردار جعفری جو آزادی سے پہلے سے بمبئی میں قیام پذیر ہیں اور ہندوستان کی جنگ آزادی کے مجاہدوں میں ان کا شمار ہوتا ہے اس ۸۰ سالہ بین الاقوامی شہرت یافتہ شاعر کو بھی نوٹس جاری کیا گیا کہ ثابت کرو کہ تم ہندوستانی شہری ہو۔ پولس نے اس معاملے میں اپنی روایتی ستم کیشی کا ثبوت دیا غریب مسلمانوں خصوصاً خواتین کو بہت زیادہ پریشانیاں اٹھانا پڑیں۔

ریاستی سرکار کا کہنا تھا کہ یہ کاروائی الیکشن کمیشن کے ذریعہ کی جارہی ہے الیکشن کمیشن کا کہنا تھا کہ انہوں نے پولس کو ایسی کوئی ہدایت نہیں دی ہے اگر سپریم کورٹ دادرسی نہ کرتی تو شرد پوار کی کانگریسی حکومت یا الیکشن کمیشن مہاراشٹر میں مسلمانوں کی زندگی حرام کردیتے۔ بنگلہ دیشی مسلمانوں کی آڑ لے کر ہندوستانی مسلمانوں کو پریشان کرنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد کو ووٹ کے حق سے محروم کردیا جائے فسطائیوں کا الزام ہے کہ مسلمان عام طور پر ان کے خلاف ووٹ دیتے ہیں اور چونکہ مسلمانوں کے ووٹ توازن کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے بیشتر سیکولر پارٹیوں کے امیدوار اقلیتوں کے ووٹوں اور ان کی آبادی والے حلقوں سے جیتتے ہیں لہٰذا فسطائیوں نے بنگلہ دیشی مسلمانوں کا شوشہ چھوڑا اور دعویٰ کیا کہ ڈیڑھ کروڑ سے دو کروڑ تک بنگلہ دیشی مسلمان ہندوستان میں غیر قانونی طور پر گھس آئے ہیں انہوں نے ووٹر لسٹوں میں اپنے نام درج کرا لئے ہیں اور دوسری پارٹیاں خصوصاً کانگریس ان کے ووٹوں سے جیتتی ہے۔

لہٰذا غریب بہاری اور بنگالی مسلمانوں کو جو دلی اور دیگر شہروں میں رکشہ چلاتے یا دیگر چھوٹے موٹے محنت مزدوری کرکے پیٹ پالتے ہیں پکڑ پکڑ کر ہندوستان سے دھکیلا گیا۔ ظاہر ہے ان بے پڑھے غریب' قوانین سے ناواقف لوگوں کے پاس ایسے کاغذات کہاں ہوتے ہیں جو شہریت' قومیت یا وطنیت ثابت کرسکیں۔ زیادہ سے زیادہ ان کے پاس راشن کارڈ ہوسکتے ہیں وہ بھی بہت سوں کے پاس نہیں ہوتے کسی ڈھابے میں کھانا کھاکر گذارہ کرلیتے ہیں۔ ٹیا محل جیسے مسلمانوں کی گنجان آبادی والے علاقے میں ہزاروں مسلمانوں کے نام ووٹر لسٹ سے غائب کردئے گئے۔ انتخابی حلقوں کی حد بندی اس طرح کی گئی کہ مسلم ووٹ منتشر ہوجائیں جن علاقوں میں مسلم ووٹروں کی معتدبہ تعداد تھی انہیں شیڈولڈ کاسٹ امیدواروں کے لئے مخصوص (ریزرو) قرار دے دیا گیا تاکہ مسلمان وہاں سے کھڑے ہی نہ ہوسکیں یہ اور ایسی تمام دل آزار کاروائیاں دلی میں بی جے پی سرکار نے کیں حالانکہ دلی مرکز کے زیر انتظام علاقہ ہے اور عملاً اختیارات لفٹنٹ گورنر کے ہاتھ میں ہیں جو براہ راست مرکزی وزارت داخلہ کے تحت کام کرتا ہے مگر مرکز نے ان تمام دھاندلیوں کو روکنے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے اگر شرد پوار نرسمہا راؤ یا ارجن سنگھ اقلیتوں سے یہ توقع رکھیں کہ وہ انہیں ووٹ دے دیں گے تو یہ ستم ظریفانہ خوش فہمی ہے۔ دلی اسمبلی کے انتخابات میں سکھوں نے اجتماعی طور پر کانگریس کے خلاف ووٹ دیا چونکہ ۱۹۸۴ء کے سکھ مخالف فسادات کے سلسلے میں کانگریسی سرکار نے کوئی کاروائی نہیں کی۔ ویسے دیکھا جائے تو مسلمان کانگریس سے بیزار نہیں ہیں ان کی ساری بیزاری کانگریسی حکمرانوں سے ہے کانگریس اپنے اصول' دستور' تاریخی پس منظر اپنے عظیم المرتبت رہنماؤں کے کردار کی بنیاد اور معیار کی روشنی میں ملک کی سب سے بہتر پارٹی ہے اس کے رہنماؤں میں گاندھی جی' دیش بندھو' چترنجن داس' جواہر لال نہرو'

اندرا گاندھی، راجیو گاندھی جیسے مایۂ ناز افراد اور ابوالکلام آزاد، مفتی کفایت اللہ، مولانا ابوالقاسم بنارسی، مولانا احمد سعید اور مولانا حفظ الرحمٰن جیسے جلیل القدر علماء شامل ہیں ان سب نے ملک کی آزادی، قومی اتحاد اور فرقہ وارانہ یک جہتی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔ بنگال کے عظیم رہنما دیش بندھو چترنجن داس نے فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل کے لئے مسلمانوں کو فراخ دلانہ مراعات دینے کی تجویز پیش کی تھی لیکن بعض تنگ نظر کانگریسیوں نے اسے بروئے کار نہیں آنے دیا مولانا آزاد علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "انڈیا ونس فریڈم" میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ گاندھی جی اور جواہر لال نہرو نے ۱۹۴۷ء کے خونیں طوفان میں مسلمانوں کو بچانے کے لئے جو جدوجہد کی اس کی شہادت بھی مولانا علیہ الرحمہ کی مذکورہ بالا کتاب میں موجود ہے مسلمانوں نے کانگریس کے جھنڈے تلے ملک کی آزادی کے لئے قربانیاں دی ہیں اس کے زیر سایہ مسلم لیگ سے لڑے ہیں انہیں مسلمانوں کی ہوشمندی کے سبب جناح اور ان کی مسلم لیگ کو مسلمانوں میں قبول عام نہیں ملا۔ اسے کسی معتبر عالم دین کی حمایت بھی نہیں حاصل ہو سکی۔ اس لئے مسلمانوں کو کانگریس سے جذباتی لگاؤ تھا اور اب بھی ہے لیکن آج گاندھی، نہرو، آزاد، چترنجن داس، حفظ الرحمٰن جیسے رہنماؤں کی کانگریس ہے کہاں اب تو وہ کانگریس ہے جس کی حمایت کے لئے آر ایس ایس کے سربراہ راجو بھیا ڈھکے چھپے اپیلیں جاری کرتے ہیں اس سے پہلے بالا صاحب دیورس کے بھائی بھی کانگریس کو حمایت کی پیشکش کر چکے تھے کانگریس اور آر ایس ایس دونوں ان باتوں کی تردید کرتی ہیں لیکن دونوں کی پالیسی کی یکسانیت کیا یہ نہیں بتاتی کہ پس پردہ روابط ضرور ہیں کانگریس کو اس کے بیٹوں نے ہی دغا دی ہے اس کی عظمت اور حرمت کو پامال کیا ہے تاہم اپنے ماضی کے تابناک پس منظر میں کانگریس دوبارہ اعتبار اور اعتماد حاصل کر سکتی ہے کانگریسیوں کی بد اعمالی سے کانگریس کی حرمت باطل نہیں ہونی چاہئے۔ جب نادر شاہ نے دلی میں قتل عام کرایا تو ننگی تلوار لے کر چاندنی چوک کی سنہری مسجد میں بیٹھ گیا تھا' اب اگر کوئی یہ تاویل کرے کہ نادر شاہ نے سنہری مسجد میں بیٹھ کر دلی والوں کا قتل عام کرایا تھا اس لئے سنہری مسجد قتل عام کی نشانی اور نا مسعود ہے تو ظاہر ہے اس کا یہ استدلال غلط اور غیر معقول ہوگا نادر شاہ نے سنہری مسجد میں بیٹھ کر قتل عام کرایا تو اسے زندہ ایران پہونچنا نصیب نہیں ہوا راستے میں ہی وہ قتل کردیا گیا اور کیفر کردار کو پہنچا بابری مسجد کے انہدام نے بھی بہت سے کانگریسیوں کے اقتدار کا جنازہ اٹھا دیا اگر کانگریس کے ایوان میں بیٹھ کر کوئی بابری مسجد کو منہدم کراتا ہے اقلیتوں کا قتل عام کراتا ہے تو اس کے لئے کانگریس پارٹی کو مورد الزام قرار نہیں دیا جاسکتا۔ آزادی کے بعد بھی کانگریس نے ملک کو ہیم وتی نندن بہوگنا، ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا، سدھارتھ شنکر رے جیسے مایۂ ناز فرزند عطا کئے ہیں جن کی انسانیت دوستی انصاف پسندی اور عظمت کردار پر انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی۔ آج کل اسپتالوں میں ایسا ہوتا ہے کہ اگر کسی مریض کا خون فاسد ہو جائے اور اس کے جانبر ہونے کی امید نہ رہے تو ماہر ڈاکٹر اس کے جسم کا سارا فاسد خون خارج کر کے صاف اور پاکیزہ خون داخل کر کے مریض کی زندگی بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور بعض اوقات مریض کو بچا بھی لیتے ہیں کانگریس کا مرض بھی ایسا ہی ہے اس کے جسم میں اس قدر فاسد خون جمع ہو گیا ہے جس نے اسے موت کے قریب پہنچا دیا ہے۔ اسے تازہ اور پاکیزہ خون کی فوری ضرورت ہے۔ تازہ خون کی کمی نہیں ہے ایسے معالج بھی موجود ہیں جو یہ عمل کامیابی سے کرسکتے ہیں لیکن کیا اس کے موجودہ وارث اور تیماردار ایسا کرنے دیں گے یا اسے مرجانے دیں گے یہ مستقبل قریب میں ہی پتہ چل جائے گا ۱۹۹۶ء دستک دینے لگا ہے۔ اب اس بات کا واضح امکان معلوم ہوتا ہے کہ فسطائی کانگریس کا قومی متبادل بننے میں کامیاب ہو جائیں گے جنتادل یا قومی مورچہ اس دوڑ میں ان سے بازی نہیں مار سکے گا۔ مہاراشٹر میں جنتادل نے تیسرا متبادل بننے کی کوشش کی لیکن باہمی نفاق اور ہوس اقتدار نے سارا پلان فیل کردیا اور فسطائیوں نے مورچہ مار لیا ساری سکولر پارٹیاں شور مچاتی ہیں کہ ملک کو فسطائیت کا خطرہ ہے لیکن جب اتحاد عمل کا موقع آتا ہے تو سیٹوں کی "بندر بانٹ" پر "جوتم پیزار" شروع ہو جاتی ہے اور معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ سیٹوں کی تقسیم پر فسطائیوں میں بھی تنازعہ ہوتا ہے لیکن وہ حالات کو سنبھال لیتے ہیں جبکہ کانگریس یا جنتادل میں سر پھٹول ہوتی ہے جنتادل بکھر رہا ہے جارج فرنانڈس نے سمتا پارٹی بنا کر اپنی جھونپڑی الگ کرلی ہے اب وہ بہار

میں لالو پرشاد کو ہرانا چاہتے ہیں قائد اعظم بھی ان کی باگ تھامے چل رہے ہیں۔۱۹۹۶ء کے انتخابات میں کانگریس کا حشر اچھا نہیں ہوگا مدھیہ پردیش اور اڑیسہ کو چھوڑ کر ملک کی ساری بڑی ریاستیں اس کے ہاتھ سے نکل چکی ہیں ان ریاستوں میں حکمراں پارٹی کے ممبران پارلیمنٹ میں آئیں گے اور ایک معلق پارلیمنٹ کے وجود میں آنے کا امکان ہے اگر بہار میں لالو پرشاد یادو جیت گئے تو جنتادل کو بڑا سہارا مل جائے گا اور اڑیسہ کا زخم کسی حد تک مندمل ہو جائے گا ورنہ اس کا مستقبل زیادہ روشن نہیں ہے۔ مسلمانوں کا مستقبل کی سیاست میں کیا کردار ہوگا اس کا اندازہ ابھی مشکل ہے بابری مسجد اپنی انہدام کے بعد بھی پوری توانائی کے ساتھ زندہ ہے چھٹی دہائی کے شروع میں افریقہ کے نو آزاد ملک کانگو میں ایک اشتراکی دوست رہنما پیٹرس لومباوزیر اعظم بنے وہ ایک روشن خیال اور آزاد فکر رہنما تھے سابق سامراجی آقاؤں سے بیزار اور روس سے قریب ان کی اس آزاد روی کے باعث سامراجی ایجنٹوں نے انہیں قتل کردیا۔ اس قتل کی گونج ساری دنیا میں سنی گئی اور تیسری دنیا میں اس کا بڑا سخت ردِ عمل ہوا جواہر لال نہرو نے اس قتل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ مقتول لومبا زندہ لومبا سے زیادہ طاقتور ہے۔ یہی بات بابری مسجد کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے کہ منہدم شدہ بابری مسجد اب اپنے سنگ و خشت کے وجود سے بھی زیادہ مضبوط و مستحکم ہے اس کے انہدام سے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ مسلمانوں کی ملی تاریخ میں بڑا اہم موڑ ثابت ہو سکتے ہیں اگر مسلمان جذباتیت، زود اشتعالی اور احتجاج و ہنگامہ آرائی کی راہ ترک کر کے تعمیری اور مثبت فکر و عمل کی راہ اپنالیں تو بابری مسجد کے نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے انہیں ذہنی طور پر کاشی اور متھرا کے حوادث کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے سنگھ پریوار جلد یا بدیر یہ فتنہ بھی اٹھائے گا۔ ابھی بی جے پی یہی الاپ رہی ہے کہ کاشی متھرا اس کے ایجنڈے میں نہیں ہیں جبکہ راجو بھیا سنگھ پریوار کے ہیڈ آف دی فیملی کی حیثیت سے وشو ہندو پریشد کو اس تحریک کے لئے اشیرواد دے چکے ہیں جب الاؤ گرم ہو جائے گا تو بی جے پی اور شوسینا بھی ان شعلوں کو مزید بھڑکانے کے لئے میدان میں کود پڑیں گے پہلے بابری مسجد گرانا بھی بی جے پی کے ایجنڈے میں شامل نہیں تھا مگر پس پردہ ساری ریہرسل میں وہ شریک رہی۔

مسلمانوں کو ان ہی ذہنی اور جذباتی صدموں کے ساتھ زندہ رہنا ہے شوسینا کے وزیر اعلیٰ منوہر جوشی نے کہا ہے کہ ان کی پارٹی مسلم دشمن نہیں ہے اور وہ اقلیتوں کو ساتھ لے کر چلیں گے اور شواجی کی سب سے دوستی کی پالیسی اپنائیں گے بظاہر یہ بڑا اچھا اعلان ہے مگر اسی کے ساتھ دوسری خبر یہ ہے کہ اورنگ آباد کا نام بدل کر سمباجی نگر رکھا جائے گا لیکن مرہٹہ واڑہ یونیورسٹی کا نام تبدیل کر کے باباصاحب امبیڈکر یونیورسٹی شرد پوار کی کانگریسی سرکار نے رکھا تھا اسے تبدیل نہیں کیا جائے گا جبکہ شوسینا نے اس پر بڑے ہنگامے اور فساد کئے تھے اور شرد پوار نے اپنی پارٹی کی ہار کا ایک سبب اس یونیورسٹی کے نام کی تبدیلی بھی بتایا ہے۔ شوسینا جانتی ہے کہ امبیڈکر کا نام ہٹانے سے پسماندہ ہندو اکثریت برہم ہو جائے گی لیکن اورنگ آباد کا نام بدلنے سے مسلمان شورش برپا کرنے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ فسطائیوں کی یہی تنگ نظری ان کی اولین شناخت ہے اگر وہ دہلی کے تخت پر بیٹھ گئے تو کیا لال قلعہ منہدم کریں گے جہاں سے اورنگ زیب نے ملک پر حکومت کی تھی۔ بہرکیف دیکھئے آئندہ پانچ سالوں میں شوسینا اور بی جے پی مہاراشٹر میں کیا کیا کرتے ہیں یوپی میں بی جے پی نے چند ماہ کے دور اقتدار میں بابری مسجد کو توڑا، تاریخ اور نصابی کتابوں میں اپنی ذہنیت کے مطابق تبدیلیاں کیں اور شہروں کے نام بدلنے شروع کئے غرض وہ ساری کاروائیاں کیں جن سے اقلیتوں اور سنجیدہ ذہن افراد کو اذیت پہنچے۔

مہاراشٹر میں بھی ایسا ہی امکان ہے مسلمانوں کا رد عمل کیا ہوگا۔ ان کا ایک طبقہ اس خیال کا حامی ہے کہ مسلمانوں کو اجتماعی طور پر شوسینا اور بی جے پی میں شامل ہونا چاہئے تاکہ ان پارٹیوں کی مسلم دشمنی کا خاتمہ ہو یا کم از کم اس میں اعتدال اور نرمی آئے نیز مسلمانوں میں خوف اور اضطراب کی نفسیات کا غلبہ ختم ہو۔ ظاہر ہے حالات کی مجبوری میں سوچنے کا یہ بھی ایک انداز ہے اس کا فائدہ اور نقصان یہ تو بعد میں ہی سامنے آئیں گے۔ ان لوگوں کا استدلال یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے خلاف فسادات میں فسطائی پیش پیش رہتے ہیں جب مسلمان ان کے ہم قدم ہو جائیں گے تو فسادات نہیں ہوں گے یا اتنے شدید نہیں ہوں گے مسلمانوں کو جانی مالی تحفظ اور سکون حاصل ہوگا۔ تو وہ اعتماد اور یکسوئی

سے اپنی تعمیری اور ترقیاتی سرگرمیاں شروع کرسکتے ہیں۔ مہاراشٹر کے مسلمان ایک نیا تجربہ کر رہے ہیں یوپی اور دوسری جگہ بھی کچھ مسلمان بی جے پی کے ساتھ ہو گئے ہیں مگر ابھی تک مسلمانوں کو فسطائیوں سے پروانہ امن نہیں ملا ہے۔ یوپی کے مسلمان بی جے پی کے مقابلہ میں ملائم سنگھ کی پارٹی سے زیادہ قریب ہیں مہاراشٹر میں سماج وادی پارٹی نے تین سیٹیں پہلی ہی یلغار میں حاصل کرلی ہیں لیکن وہاں شوسینا کا مقابلہ آسان نہیں ہے نہ شوسینا سماج وادی پارٹی کو وہاں پھیلنے دے گی وہ بی جے پی کو بھی اپنے سے آگے نہیں نکلنے دے گی اس لئے وہاں مسلمانوں کے پاس کانگریس کے خلاف کوئی تیسرا متبادل نہیں ہے۔ فسطائیوں کا ساتھ دینے میں ایک مشکل یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ملی تشخص سے بڑی حد تک دستبردار ہونا پڑے گا بابر یا اورنگ زیب کو کوئی مسلمان اپنا جدِ اعلیٰ (پوروج) یا آئیڈیل قرار نہیں دیتا لیکن فسطائیوں میں ایسے انتہاپسند ہیں جنہیں مسلمانوں کا مکہ کی طرف منہ کرکے صلاۃ پڑھنا یا حج کو جانا بھی ناپسند ہے ماضی میں یہ سب اعتراضات اخبارات میں آچکے ہیں ممکن ہے بدلے ہوئے حالات میں فسطائی ان اعتراضات کی لغویت کے قائل ہو گئے ہوں لیکن ان کا اصل مقصد مسلمانوں کو بھارتی سبھیتا میں اس طرح ضم کرلینا ہے کہ ان کی ملی شناخت ختم ہوجائے یہ فیوزن یا انضمام ان کی بنیادی پالیسی کا ایک حصہ ہے۔ بال ٹھاکرے جیسا جنونی اور اڈوانی جیسا انتہاپسند ان فسطائی پارٹیوں کے سربراہ ہی نہیں ان تنظیموں کے جنون' دہشت گردی اور انتہاپسندی کی شناخت اور علامت بھی ہیں۔ اگر ان کا بس چلے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ وہ سلوک کریں جو ہٹلر نے یہودیوں کے ساتھ کیا شوسینا اور بی جے پی بنگلہ دیشی کے نام پر صرف مسلمانوں کو کھدیڑنے کی بات کرتے ہیں اڈوانی کا کہنا ہے کہ بنگلہ دیش کے جو ہندو غیر قانونی طور پر بھارت میں رہ رہے ہیں وہ گھس پیٹھیے نہیں ہیں ہندوستان ساری دنیا کے ہندوؤں کا ایسا ہی وطن ہے جیسے اسرائیل ساری دنیا کے یہودیوں کا۔ اس پس منظر میں ٹھاکرے کی وہ دھمکی دیکھئے جو اس نے اپنی پارٹی کی حکومت ہونے پر بمبئی میں غیر قانونی طور پر قیام پذیر پاکستانیوں اور بنگلہ دیشیوں کو دی ہے کہ وہ فوراً شہر سے نکل جائیں ورنہ سرکار انہیں کھدیڑ دے گی اور بقول اس کے ٹھوکر مار کر نکال دیا جائے گا۔ ظاہر ہے ان میں سندھی یا بنگلہ دیشی ہندو شامل نہیں ہوں گے کیونکہ دونوں فسطائی ان کے ہمدرد ہیں عام غریب مسلمانوں پر ایک نئی آفت نازل ہوگی۔

شردپوار وہی کرتے تھے جو بال ٹھاکرے کی مرضی ہوتی تھی اور اب تو بال ٹھاکرے سپر چیف منسٹر یا بادشاہ گر ہیں۔ اب سفاکی دہشت گردی اور درندگی کے نئے ابواب لکھے جائیں گے بابری مسجد کے انہدام کے بعد جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہونے سے رہ گیا اس کی تکمیل کی جائے گی بمبئی کے مسلمانوں نے کانگریس سے انتقام تو لے لیا ان کا نیا تجربہ کیسا رہے گا اس کے آثار دکھائی دینے لگے ہیں۔ وہ مسلمان جو بی جے پی میں شامل ہیں یا جنہوں نے شوسینا کا ساتھ دیا ہے کیا ان میں اتنی ہمت اور حوصلہ ہے کہ اڈوانی اور بال ٹھاکرے کو غریب اور بے سہارا مسلمانوں کے خلاف بزن بولنے سے روک سکیں۔ بی جے پی میں شامل مسلمان یہ نہیں کرسکے کہ اپنی پارٹی کو بابری مسجد کے انہدام سے روکتے بلکہ اس کے برعکس وہ اس انہدام میں شریک ہوئے اور اطلاعات کے مطابق مسلمان کارسیوکوں کا جتھا لے کر اجودھیا پہنچے۔ اس غلامانہ اطاعت کیشی اور ان پارٹیوں کی بنیادی پالیسی کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی جاں فزا پیشین گوئی کی جاسکتی ہے!

ضروری اعلان

جملہ اخوان واحباب جماعت وملت کو اطلاع دی جاتی ہے کہ مرکز "ابوالکلام آزاد للتوعیہ الاسلامیہ" کے صدر، سکریٹری یا مرکز کے کسی بھی نمائندہ کی شرکت اپنے کسی اجلاس' کانفرنس یا دعوتی پروگرام میں ضروری سمجھتے ہوں تو ایک ماہ قبل مرکز کے شعبۂ دعوت وتبلیغ کے انچارج سے رجوع کریں۔

بغیر پیشگی منظوری کے مرکز کا کوئی بھی نمائندہ شرکت سے معذور ہوگا۔

سکریٹری

"ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر" سر جوگابائی' نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
فون: 6821856-6842920 فاکس: 6821856-6849538

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی
پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ،
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

حضرت مروان بن حکم اموی
سیرت وکردار کے دو رخ

(۳)

امام بخاری نے سورۂ احقاف کی ایک آیت کریمہ کے نزول وشان نزول کے سلسلہ میں ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ حضرت مروان حجاز کے والی تھے کہ ان کا تقرر حضرت معاویہ نے کیا تھا۔ حضرت مروان نے خطبہ دیا اور اس میں یزید بن معاویہ کا ذکر کیا تاکہ ان کے والد ماجد کے بعد ان کی بیعت کرلی جائے اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق نے ان سے کچھ کہا۔ حضرت مروان نے کہا کہ ان کو پکڑو لہٰذا وہ حضرت عائشہ کے گھر میں داخل ہوگئے اور وہ لوگ ان کو نہ پکڑ سکے۔ حضرت مروان نے تب فرمایا۔ یہ وہی شخص ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْ (الاحقاف: ۱۷)

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کے پیچھے سے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں سوائے میرا عذر نازل کرنے کے سوا اور قرآن کا کوئی حصہ نازل نہیں فرمایا۔ (۸۰) ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قرآن مجید کی زیادہ بڑی عالم اور ماہر مفسر تھیں تاہم بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مروان کی رائے بھی صحیح تھی کہ بعض مفسرین نے آیت کریمہ کی یہی شان نزول بیان کی ہے۔ (۸۱)

شیخین اور امام ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت مروان بن حکم اموی نے اپنے دربان (بواب) سے کہا۔ رافع! تم حضرت ابن عباس کے پاس جاؤ اور کہو کہ اگر ہر شخص جو اپنی عطا کردہ چیزوں پر خوش ہوتا ہے اور جو کام نہ کرے اس پر اپنی تعریف پسند کرتا ہے اس بنا پر عذاب کا مستحق ہوگا تو ہم سب کو عذاب ضرور دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تمہارا اس (آیت) سے کیا تعلق؟ صورت واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلا کر ان سے کسی چیز کے بارے میں سوال فرمایا تو انہوں نے اس کو چھپالیا اور دوسری بات بتادی۔ ان کو یہ بھی خیال ہوا کہ جو کچھ انہوں نے آپ کو بتایا ہے اس پر وہ آپ کی ستائش کے مستحق ہیں اور اصل بات چھپانے پر جو ان کو معلوم تھی خوش بھی ہوئے پھر حضرت ابن عباس نے تلاوتِ آیت کریمہ کی:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا ....

(آل عمران: ۸۸-۱۸۷)

علامہ سیوطی اور ان کے مترجم اردو محمد حلیم انصاری نے بلا سبب حضرت مروان کو اس آیت کریمہ کی تفسیر میں غلطی کے ارتکاب اور اس پر اصرار کا مجرم قرار دیا ہے جبکہ شیخین یا امام ترمذی کی روایات میں ایسی کوئی بات نہیں ہے (۸۳)۔ وہ تو درحقیقت ایک علمی مباحثہ تھا اور یہ حضرت مروان کے شرف کی بات تھی کہ انہوں نے ایک آیت قرآنی کی صحیح تفسیر حضرت ابن عباس جیسے عظیم مفسر صحابی سے معلوم کی تھی۔

دراصل روایات وبیانات کے الفاظ ومعانی کچھ ہوتے ہیں اور شارحین ومفسرین اور حاشیہ نگاران کو کچھ اور بنادیتے ہیں اور اس میں ان کے اپنے تعصبات وتحفظات کے علاوہ کچھ پیشکش کے اندازِ رنگین ادا کا بھی ہاتھ ہوتا ہے اور کچھ قارئین کرام کے اپنے محسوسات ومزعومات کا۔ ایسی دو ایک روایات حضرت مروان کے حوالہ سے یہاں مزید پیش کی جاتی ہیں۔

امام مسلم کی دو روایات کا ترجمہ حسب ذیل ہے: حضرت ابوزرعہ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوہریرہ کے ساتھ دارِ مروان (حضرت مروان کے گھر) میں داخل ہوا تو اس میں تصاویر دیکھیں۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے

ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے میری مخلوق کی طرح تخلیق کی؟ لہٰذا وہ ایک ذرہ پیدا کریں یا ایک دانہ پیدا کریں یا ایک جو پیدا کریں۔ دوسری روایت کا ترجمہ ہے: میں اور حضرت ابو ہریرہ ایک گھر میں داخل ہوئے جو مدینہ میں سعید یا موان کے لئے بنایا جا رہا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے ایک مصوّر کو گھر میں تصویر بناتے دیکھا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسی جیسی بات جو اوپر والی حدیث میں آچکی البتہ اس میں جو کے پیدا کرنے والا جملہ نہیں ہے۔ امام مسلم نے ان دونوں کو کتاب اللباس والزینہ کے باب ۲۶: باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان میں نقل کیا ہے (۸۴)۔ ایک تو اس حدیث میں یہ اضطراب ہے کہ وہ گھر حضرت موان کا تھا یا حضرت سعید کا پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہاں ممنوع اشیاء کی تصاویر تھیں۔ وہ تصاویر بیل بوٹوں اور دوسری آرائشی چیزوں کی بھی ہو سکتی ہیں بلکہ تھیں جن کی اسلامی شریعت میں اجازت ہے ورنہ ان کا ذکر ضرور ہوتا۔ اب رہا حضرت ابو ہریرہ کی روایت حدیث مذکورہ بالا کا معاملہ تو انہوں نے ایک عام اسلامی حکم موقعہ کی مناسبت سے بیان کردیا تھا تاکہ اسکی رعایت اس حال میں بھی رکھی جائے۔ اگر ممنوع تصاویر کا معاملہ ہوتا تو وہ عام حدیث نقل کرنے کی بجائے نقد فرماتے۔(۸۵)

امام بخاری کی روایت ہے کہ حضرت سعید اموی حضرات موان و ابو ہریرہ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ حضرت سعید نے حضرت ابو ہریرہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے کچھ لڑکوں (غلمۃ) کے ہاتھوں ہوگی۔ حضرت موان نے کہا: غلمۃ (لڑکوں)؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں ان کے نام بنو فلاں بنو فلاں کرکے بتادوں؟ اس روایت کی دوسری شکل یہ ہے کہ حضرت سعید راویٔ حدیث کا بیان یہ ہے: میں مسجد نبوی میں حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ مدینہ میں بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ حضرت موان بھی تھے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ میں نے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے بعض لڑکوں کے ہاتھوں ہو گی۔ حضرت موان نے کہا: اللہ تعالیٰ کی لعنت ان لڑکوں پر ہو۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں بنی فلاں بنی فلاں کا نام لوں تو لے سکتا ہوں۔ راوی کا تبصرہ یہ ہے کہ میں اپنے دادا (عمرو بن یحییٰ بن سعید) کے ساتھ شام گیا، جب وہاں بنو موان حاکم و بادشاہ ہوئے تو ان کو نوجوان لڑکے پایا تو دادا نے ہم سے کہا: شاید یہ لوگ انہیں میں سے ہیں ہم نے کہا: آپ زیادہ جانتے ہیں۔ امام بخاری نے دونوں روایات کتاب الفتن کے ابواب: باب علامات النبوۃ اور باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہلاک امتی الخ میں نقل کی ہیں۔(۸۶) جن سے واضح ہوتا ہے کہ پیشگوئیاں بھی علامات نبوت ہیں اور ان سے مراد بنو موان ہرگز نہیں ہیں کیونکہ تاریخی شواہد ان کے خلاف ہے ان کے دور میں امتِ مسلمہ کی ہلاکت نہیں ہوئی اور اب تک نہیں ہوئی ہے دراصل اس پیشگوئی کا تعلق قیامت کے قریب امت کی ہلاکت اور ان کے ہلاک کرنے والوں سے ہے مگر راویٔ گرامی نے اپنے ظن وخیال یا وہم وگمان کے سبب یہ تاثر دیا ہے کہ بنو موان ہلاکتِ امّت کے ذمہ دار تھے۔ ہشام بن عبدالملک اموی تک تمام بنو موان پکّی عمر کے افراد تھے، غلمۃ میں شمار نہ ہوتے تھے پھر ان کے عہد میں تو امّتِ اسلامی مضبوط و مستحکم اور خوشحال وخوش خرّم تھی (۸۷) لیکن ان تمام شواہد ونکات کو نظرانداز کرکے بعض تعصب زدہ اور عصبیت گزیدہ حضرات نے حضرت موان اور ان کے خاندانِ ذی شان کو اس نبوی پیشگوئی کا مصداق قرار دینے کی سعی لاحاصل کی ہے(۸۸)

اس کے برخلاف اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگاروں خاص کر ادارہ نے حضرت موان بن الحکم اموی کی ماہرانہ سیاست اور دور اندیشانہ حکمت کے جو اہم واقعات لکھے ہیں ان میں سے ایک اسلامی سکّہ کے اجرا کا کارنامہ ہے "موان بن الحکم پہلا مسلم حکمراں ہے جس نے اپنے مختصر عہد حکومت میں اسلامی دینار ضرب کرائے جن پر "قل ھو اللہ احد" لکھا ہوتا تھا"۔(۸۹) حضرت موان کے عہد حکومت اور ان کی صلاحیت کے بارے میں ایک اچھا تبصرہ بھی کیا گیا ہے کہ "موان بن الحکم نے اپنے آپ کو ایک اعلیٰ درجے کا مدبّر ثابت کیا۔ وہ حضرت امیر معاویہ کا ہم عصر تھا اور اس وقت سے تا سفیانیوں کی ماتحتی میں اسے ایک درخشاں ثانوی مرتبہ حاصل رہا ہے۔ خلافت اس نے حاصل تو کرلی مگر اس وقت جب اسے اس کی چنداں پروا نہ رہی تھی۔ جب اسے یہ رتبہ عالی مل گیا تو اسے وہی اصابت رائے اور برمحل اقدام کی قوت بھی میسر آگئی جس کی حضرت امیر معاویہ تعریف کرتے تھے۔ اس لئے حکمراں کو اتنی مہلت ضرور مل گئی کہ وہ بنو امیہ کی زوال پذیر حکومت کو تاریخ کے ایک مختصر دور کے لئے (استحکام بخش) دے اور اپنے خاندان کے) مستقبل کو بھی محفوظ کرلے۔ یہ کام اس نے

عزیز فرزند عبدالملک نے بھی جاری رکھا۔ بوڑھا مروان عبدالملک کو وارث بنانے کے فوائد پہلے ہی سمجھ گیا تھا چنانچہ اس نے خالد بن یزید اول کی جگہ جو استحکام سلطنت کے لئے زیادہ موزوں نہ تھا اس سے عمر میں بڑے عبدالملک ہی کو وارث سلطنت بنادیا۔ شاہی خلفاء میں اس کا مقام متعین کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ مستعدی اور فنِ حکمرانی سے آگہی میں مروان اپنے نامی گرامی رشتہ دار امیر معاویہ کی یاد دلاتا ہے۔ وہ ان کا ہم پلہ ہو جاتا اگر ان امتیازی صفات کے ساتھ ساتھ اسے خوش مزاجی اور فراست کا وہ امتزاج بھی حاصل ہوتا ہے جسے عرب حلم کہتے اور بہت پسند کرتے تھے۔ (اور حضرت امیر معاویہ میں پایا جاتا تھا) وہ نہایت نازک حالات میں خلیفہ بنا تھا اور اسے سب سے بڑھ کر مستقل مزاجی دکھانے کی ضرورت تھی۔۔۔ اگر وہ کچھ مدت اور زندہ رہتا تو ہم بخوبی باور کرسکتے ہیں کہ وہ اپنی شرافتِ مزاج میں پہلے اموی خلیفہ کا ہمسر ثابت ہوتا۔۔۔ (۹۰)

حضرت مروان کی سیاسی حکمت عملی اور شرافتِ حکومت کا ایک موثر بیان کندی نے ہمارے لئے محفوظ کیا ہے: جب فتح مصر کے بعد حضرت مروان نے اپنے دوسرے فرزند عبدالعزیز کو ولایتِ مصر سونپی تو فرزند نے درخواست کی کہ ایسے ملک میں کیسے رہوں گا جہاں میرے خاندان کے لوگ (بنی امیہ) نہیں ہیں۔ حضرت مروان نے ان کو نصیحت کی: فرزند! اپنے احسان کی ان پر بارش کر دو وہ تمہارے خاندانی بن جائیں گے اور تم ان سے خندہ پیشانی سے ملو جس سے ان کی محبت تمہیں ملے گی اور ہر سردار و رئیس کو یہ تاثر دو کہ وہ سب سے قریب اور خاص ہے وہ تمہارا مطیع و فرماں بردار اور اس کی قوم اطاعت گذار بن جائے گی۔ میں نے تمہارے بھائی بشر بن مروان کو تمہارا مونس و غمگسار اور موسیٰ بن نصیر کو وزیر و مشیر بنایا ہے۔ مصر سے واپسی پر حضرت مروان نے فرزند کو جو وصیت کی کہ وہ پہلی سے بھی زیادہ اہم ہے: "میں تم کو تمہارے ہر معاملہ میں خواہ خفیہ ہو یا علانیہ اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں اور احسان و بھلائی کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کی طرف بلانے والوں کو کوئی موقعہ نہ دینا کیونکہ موذنین اللہ کے اس فریضہ کی طرف بلاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نماز کی صورت میں وقت کے ساتھ فرض کی ہے۔ اور یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ ہر وعدہ وفا کرنا خواہ تمہیں کتنی تکلیف ہو اور یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ کسی فیصلے کے کرنے میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ مشورہ نہ کرلو کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس (مشورہ) سے مستغنی کیا ہوتا تو اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مستغنی کرتا جبکہ آپ کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ ان سے مشورہ کرتے رہو۔ (۹۱)

محاکمہ

جانبداری، یک طرفہ تحقیق، مسلکی عصبیت اور ذاتی عداوت ان خطرناک اسباب و محرکات میں سے چند ہیں جنہوں نے اپنے ذاتی اور جماعتی مفادات و مصالح کی خاطر اموی خلفائے کرام اور ان کے امرائے عظام کی تصویر بگاڑی تو بگاڑی پوری اسلامی تاریخ کو مسخ و مطعون کر کے رکھ دیا۔ لیکن ان میں خطرناک ترین اور زہرناک ترین سبب اور محرک وہ دعوائے اتقا اور تقاضائے تطہیر ہے جس کے تحت اسلامی تاریخ کو صحیح انداز سے پیش کرنے کی کوشش مردود کی جاتی ہے۔ قرآنِ کریم، حدیثِ مطہر اور تعلیماتِ بیضاء کے صحیح مطالعہ اور تحقیق کے نام پر جس طرح چند روایات و آثار کی بنا پر اسلامی شخصیات اور اسلامی تاریخ کی بیخ کنی کی گئی ہے اس کا ایک سیاہ شاہکار حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات ہے اور وہ پوری اموی تاریخ کو مطعون و مردود قرار دینے کی غیر اخلاقی اور غیر اسلامی طریقۂ تالیف و تحقیق کا ایک حصہ ہے۔ اور یہ سب کچھ محض غالب کی طرفداری میں کیا گیا ہے اس کا سخن فہمی سے کوئی علاقہ نہیں۔

اگر سخن فہمی ہوتی اور سخن طرازی کا اندھا جوش نہ ہوتا تو وہ روایات بھی نظر آجاتیں جو اسی صفحہ اور اسی روایت کے دوش بدوش موجود ہیں جن سے سیاہ کاری اور طعن و تشنیع آمیزی اور مسخ کرداری کا کام بڑی جسارت بے جا سے لیا گیا ہے۔ معروضیت اور صحیح اسلامی تاریخ نگاری کا دعویٰ کرنے والے ان مدعیانِ دیندار اور فنکارانِ تقویٰ نگار نے بالآخر ان روایات کو کیونکر اور کیسے نظر انداز کردیا جن سے خلفائے اسلام اور امرائے نظام کے کردار و سیرت خوبصورت، حسین، بے مثال اور قابلِ تقلید نظر آتے ہیں پھر یہ بات بھی نہ سمجھ میں آنے والی ہے کہ

اگر خلافتِ اسلامی اور خلفائے اسلام محض تیس سال کے بعد خاص کر اموی دور میں بلند اسلامی سطح سے گر گئے تھے اور نہ صرف گرے تھے بلکہ انہوں نے بدترین بادشاہت اور جابرانہ نظام برپا کردیا تھا تو پھر اسلامی نظام خلافت کیونکر اور کب قائم ہوگا خاص کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام اور ان کے تابعینِ عظام کے دور مبارک میں اس کی مبینہ ناکامی کے بعد اگر آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اصحابِ کرام اور ان کے جانشینوں نے اس نظام خلافت کو برباد کردیا تو اب کس مجدّدِ وقت اور اس کے پیروؤں میں تاب وتوانی ہے کہ وہ صحیح اسلامی نظام قائم کرسکے۔ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب ان کے پاس تو نہیں مگر اموی خلافت اس کا جواب مسکت فراہم کرتی ہے۔

اسلامی تاریخ وتہذیب کے صحیح مآخذ ومصادر اور دوسرے تمام تاریخی منابع اور سرچشموں کی روایات واحادیث کو ہی نظرانداز کرنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ حضرت مروان بن حکم اموی کی تصویر خاص کر اور دوسرے اموی خلفائے کرام اور ان کے امرائے عظام کی تصویر جان بوجھ کر مسخ کی گئی ہے حضرت مروان کے والد ماجد حضرت حکم بن العاص اموی کی طائف جلاوطنی اور ان کے مبینہ جرائم کے نتیجہ میں ان کی اور ان کے خاندان کی مردودیت کی کہانی روایتی اور درایتی دونوں لحاظ سے بے سند اور بے دلیل ہے۔ ابن سعد نے واضح طور سے کہا ہے کہ حضرت حکم اور ان کے فرزند حضرت مروان قبولِ اسلام کے بعد مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور رویت وصحبت نبوی سے مشرف ہونے کے سبب دونوں صحابیِ جلیل ہیں۔ ان کی صحابیت کے شرف کو حافظ ابن کثیر کے بقول علماء کی جماعت اکثر نے تسلیم کیا ہے اور محدّثینِ کرام نے ان کی روایات قبول کرکے اس کی تصدیق کردی ہے۔

عہدِ نبوی کے بعد خلافتِ شیخین کے دوران بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کے معتدبہ حصہ کے دوران حضرت مروان کی حیات وخدمات پر ابھی تک تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے اور جب تحقیق وتفتیش کی روشنی اس کو چاک کرے گی تو ان کے کردار کے مزید حسین پہلو سامنے آئیں گے۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کاتب وسکریٹری کے بطور ان کے کام وکارنامہ کی تحلیل وتجزیہ کی ضرورت ہے کیونکہ جن روایات کی بنا پر ان کی سیرت کو مسخ کیا گیا ہے انہیں میں اور بعض دوسری روایات واخبار میں بھی ان کے کردار کے خوبصورت گوشے پائے جاتے ہیں۔ یہی صورت حال حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعد میں پہلے اموی خلفاء کرام کے زمانے کے اخبار وآثار کے باب میں پائی جاتی ہے پھر حضرت مروان کے خلافت اسلامی کے عظیم نویں خلیفہ کی حیثیت سے ان کے کردار وعمل کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے اگرچہ کسی حد تک اس دور کا تجزیہ اس مقالہ میں آگیا ہے۔

گذشتہ صفحات میں حضرت مروان کی تصویر کا جو دوسرا رخ پیش کیا گیا ہے اس کی بنیاد عظیم محدثین کرام امامانِ عصر مالک بن انس، بخاری، مسلم، احمد بن حنبل، شافعی، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن کثیر وغیرہ کے دوش بدوش امامانِ تاریخ وسیرت طبری، یعقوبی، واقدی، ابن سعد، ابن اثیر، ابن کثیر، ذہبی، ابن قتیبہ، کندی وغیرہ کی روایات واحادیث کے تجزیاتی اور تحلیلی مطالعہ پر مبنی ہے ایک غیر جانبدار، متلاشی حق اور صحیح اسلامی روح والا شخص اگر ان دونوں تصویروں کا موازنہ کرے گا تو وہ یقیناً اس دوسرے حسین رخ کو پسند اور قبول کرے گا کہ یہی سچ ہے۔

تعلیقات وحواشی

(۱) اس پوری بحث کے لئے خاکسار کی حسب ذیل تحریریں مفید رہیں گی:
الہجمات المفرضۃ علی التاریخ الاسلامی، دار الصحوۃ قاہرہ ۱۹۸۱ء قضایا کتابۃ التاریخ وحلولہا، جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۸۱ء، اسلامی تاریخ پر فکری یورش، نقوش لاہور ۱۹۹۴ء، اسلامی تاریخ نگاری کے مسائل اور ان کا حل، مجلہ علوم اسلامیہ علی گڑھ ۸۷-۱۹۸۰ء ص ص ۱۰۴-۱۱۹

نیز ملاحظہ ہوں: مولانا شبلی نعمانی، سیرت النبی، اعظم گڑھ ۱۹۸۳ء اوّل کا مقدمہ، سعید احمد اکبر آبادی، عثمان ذوالنورین ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۸۳ء کا مقدمہ، نثار احمد فاروقی، ارلی مسلم ہسٹوریوگرافی (Early Muslim Historiography) ادارہ ادبیات دلی ۱۹۷۹ء فرانز روز نتھال (A History of Muslim Historiography) لائیڈن ۱۹۵۲ء

(۲) حیات وسوانح حضرت مروان بن حکم اموی کے لئے ملاحظہ ہوں: ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء پنجم ص ص ۳۵-۴۳، بلاذری، انساب الاشراف، یروشلم ۱۹۳۸ء، چہارم، پنجم ۸۷-۱۲۵ نیز ملاحظہ ہو پنجم ۲۵-۲۹ ومابعد، ابن عبد البر، الاستیعاب برحاشیہ ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر ۱۹۳۹ء، چہارم، ابن اثیر جزری، اسد الغابہ، طہران (غیر مورخہ) چہارم ص ص ۳۴۸-۹ نیز تاریخی مصادر جیسے طبری، تاریخ

الرسل والملوک، قاہرہ ۱۹۶۰ء، پنجم ۶۱۱۔۵۳۰، ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار صادر بیروت ۱۹۶۵ء سوم ۳۔۱۹۲ وغیرہ اور چہارم ۹۴۔۱۳۵ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، مکتبۃ السعادۃ قاہرۃ، ہشتم ۶۰۔۲۵۷، اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور "موان بن حکم" اور اس کے متعدد مصادر غیر عربی، نیز ملاحظہ ہو: ابن عبد ربہ، العقد الفرید، مکتبۃ الاستقامۃ مصر ۱۹۵۳ء، ۴؍۳۲۱، اصفہانی، الاغانی، الکندی (ابو عمر محمد بن یوسف) کتاب الولاۃ و کتاب القضاۃ بیروت ۱۹۰۸ء، ۴۲، ۴۸، ۱۳۔۳۱ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، دار صادر بیروت ۱۹۶۰ء، دوم ۷۵ اور ۵۸۔۲۵۵ ابن قتیبہ دینوری، المعارف، قاہرہ ۱۹۶۰ء ۵۵۔۳۵۳، ابن حجر، تہذیب حیدر آباد دکن دہم ۹۱، الذہبی، سیر اعلام النبلاء، دار المعارف قاہرہ ۱۹۵۷ء ۳؍۱۶۔۳۱۴، زرکلی، الاعلام ۸؍۹۴۔۳۔

(۳) سید ابو الاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۶۹ء ص ص ۱۱۰ اور ص ص ۱۱۶۔۱۱۵ اور ص ۸۷۔۱۸۴ اور دوسرے صفحات۔

مولانا مودودی نے حضرت حکم بن العاص اموی کے بارے میں جتنی روایات نقل کی ہیں۔ ان کا مآخذ واقدی کا بلاسند بیان ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے واضح کیا ہے اور یہی روایت ابن حجر نے اصابہ میں اور محب طبری نے الریاض النضرہ میں نقل کی ہے اور یہی مآخذ ابن عبد البر کی الاستیعاب اور ابن اثیر کی اسد الغابہ کی روایت کا بھی ہے۔ لہٰذا اس بلاسند روایتِ واقدی کا مقام و مرتبہ واضح ہے۔

دوسرے یہ کہ ابن سعد، شاگرد و کاتب واقدی نے یہ روایت نقل نہیں کی ہے بلکہ لکھا ہے کہ فتح مکہ کے بعد وہ مکہ میں رہے اور خلافت عثمانی میں مدینہ آئے، سوم ۴۴۔

تیسرے یہ کہ حافظ ابن کثیر کی البدایۃ والنہایۃ ۸؍۲۵۹ کے مخطوطہ مصریہ میں نہیں تھی۔ مرتبین نے اس کو کسی دوسرے نسخہ؍ مخطوطہ سے اضافہ کردیا ہے اور اس کی تصریح بھی نہیں کی ہے۔ لہٰذا وہ الحاقی بھی ہو سکتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یعقوبی جیسے شیعی مورخ نے بھی اس جلاوطنی کا ذکر نہیں کیا (دوم ۲۵۷)

چوتھے حافظ ابن کثیر نے حضرت حکم کی اولاد، اس کی تعداد، ان پر لعنت وغیرہ کی تمام روایات کو نہ صرف منقطع قرار دیا ہے بلکہ ان روایات کے تمام طرق کو ضعیف اور اس معنی کی بہت سی روایات کو موضوع قرار دیا ہے (ھذہ الطرق کلہا ضعیفۃ وورد فی ھذا المعنی احادیث کثیرۃ موضوعۃ (۸؍۲۵۹) نیز زبیری نسب قریش، قاہرہ ۱۹۵۳ء، ۱۱۰۔۱۰۹ نے خاندان کے بارے میں حضرات معاویہ و مروان کا اختلاف نقل کیا ہے۔ درایتی لحاظ سے بھی یہ روایت موضوع ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں، کافروں، منافقوں اور اسلام کے جانی دشمنوں تک کو معاف کردیا۔ اور کسی کو جلاوطن نہ کیا سوائے یہودیوں کے تین قبیلوں کے تو حضرت حکم تو مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کا جرم "رازوں کا افشا" بھی خانہ ساز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کون سے راز تھے خاص کر فتح مکہ اور وفات نبوی کے (۸۔۱۱ھ ۳۲۔۶۳۰ء) عرصہ میں کہ انہیں افشا کرتے، نقلیں کرنے کا الزام بھی مضحکہ خیز ہے۔

پھر حضرت حکم کی وفات ۳۱ھ مطابق ۶۵۱ء میں ہوئی اور ان کی وفات کے بعد حضرت مروان کا تقرر بطور کاتب ہوا۔ کاتب کا عہدہ بالکل اہم نہ تھا۔ اس کو مخالفین نے بہت اہم بنادیا ہے حالانکہ وہ عہد نبوی سے لے کر اموی دور کے اواخر تک ایسا اہم منصبی عہدہ نہ تھا۔

(۴) شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۸۸ء دوم ص ص ۶۸ اور ۴۷۔۱۷ موصوف نے بلا حوالہ لکھا ہے کہ "حکم کی موت کے بعد مروان کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اسے اپنا سکریٹری بنالیا تھا۔۔۔"

(۵) جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، مکتبہ اشاعت اسلام دہلی (غیر مورخہ) ص ص ۵۱۔۱۳۶ میں خلافت عثمانی میں ان کا ذکر ہے۔ لیکن عبد اللہ بن زبیر اور عبد الملک کے درمیان ان کا بطور خلیفہ ذکر نہیں ہے اور عبد الملک کے سوانحی خاکہ میں ان کو متغلب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ص ۱۹۶۔۲۰۰

(۶) دوسری تاریخی کتب جدید کے لئے ملاحظہ ہوں: قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کی تاریخ ملت، ندوۃ المصنفین ۱۹۵۱ء، حصہ سوم محمد اسلم جیراجپوری، تاریخ الامت، مکتبہ جامعہ، دہلی، حصہ سوم، اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام، دیوبند مرکز ادب دوم، ۱۱۔۱۰۰، مسعود الحسن، ہسٹری آف اسلام (انگریزی) اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۷ء اول ۶۵۔۱۴۳ نیز حضرت حکم کی جلاوطنی کے لئے ملاحظہ ہو ۱۹، اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ، لاہور مقالہ مروان بن حکم از لیمنس (Lammens) اور ادارہ۔

بہر حال بعض جدید مورخوں نے حضرت مروان اور ان کے والد کے بارے میں کچھ صحیح باتیں بھی لکھی ہیں۔ مثلاً دائرہ معارف کے مقالہ نگاروں نے

حضرت مروان کی مدبرانہ سیاست، شرافت و کردار کا ذکر کیا ہے جبکہ مسعود الحسن نے حضرت مروان کے گلا گھونٹ کر مار ڈالے جانے کو افسانہ اور جھوٹ قرار دیا ہے ان میں عمر فروخ کی کتاب العرب والاسلام بیروت ۱۹۶۱ء ص ص ۲ـ ۸۱ اور ۱۰۲ـ ۹۸ نسبتاً متوازن ہے

(۷) سعید احمد اکبر آبادی، ص ص ۲۱۸، ۲۰۵، صلاح الدین یوسف، مذکورہ بالا محمد اسحاق ندوی، مذکورہ بالا۔

افسوس کہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے بھی حضرت حکم کی جلاوطنی کی روایت کاذبہ بلا تحقیق قبول کرلی اور اس کی صحیح تنقیح نہیں کی۔

(۸) اس بحث کے لئے شبلی نعمانی اور سعید احمد اکبر آبادی کے مقدمات کتاب مذکورہ بالا کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(۹) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ہشتم ۲۶۰ـ ۲۵۷ کے اس ترجمۂ مروان کی کسی اچھی بات کا حوالہ ان کے ناقدوں میں سے کسی نے نہیں دیا ہے۔

(۱۰) ابن سعد، پنجم ۳۵۔ حضرت مروان کی تاریخ ولادت پر بالعموم اختلاف پایا جاتا ہے اور بقید ماہ و سنہ ذکر تقریباً عنقا ہے۔ صرف حافظ علاء الدین مغلطای بن عبداللہ بن قلیج (متوفی ۷۶۲ھ) نے اپنی مختصر کتاب سیرت مغلطای، مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۲۶ھ، ۵۴، نے غزوہ دومۃ الجندل کے بیان میں بیان کیا ہے کہ جمادی الاولی ۵ھ میں حضرت عثمان و رقیہ کے فرزند حضرت عبداللہ نے انتقال کیا اور حضرت مروان بن الحکم پیدا ہوئے۔

(۱۱) ابن کثیر، ہشتم ۲۶۰ـ ۲۵۷، کے اس طویل بیان کی تصدیق ابن سعد وغیرہ کے بیانات سے ہوتی ہے اور ان کا حوالہ مناسب موقعہ پر آئے گا حضرت مروان کی وفات، تاریخ وفات، عمر اور دوسرے متعلقہ واقعات پر روایات کا کافی اختلاف ہے۔ جس سے ہمیں سردست بحث نہیں ہے۔ البتہ یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات طبعی تھی اور وہ قتل نہیں کئے گئے تھے مسعود الحسن کے بقول چیچک کے مرض میں اور لیمنس کے بقول وبائی مرض میں ان کا انتقال ہوا تھا۔ طبری پنجم ص ۶۱۱۔ ۶۱۰ نے وبائی طاعون (طاعون جارف) کا ذکر کیا ہے جس نے بصرہ میں سخت تباہی مچائی تھی۔ حافظ ذہبی وغیرہ نے بھی طاعون کا ذکر کیا ہے زبیری، ۱۶۹ نے ام خالد بن یزید یعنی ام ہاشم سے حضرت مروان کی شادی کا ذکر کیا ہے مگر ان کے ہاتھوں قتل کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت مروان "سید شباب قریش" تھے امام شافعی کے حوالہ سے ذہبی سیر اعلام النبلاء، سوم ۴۷۷ نے بھی نقل کیا ہے اور حضرت عمر کے قضایا کے اتباع کرنے کا بھی۔

(۱۲) ابن سعد، پنجم ۳۶ـ ۳۵ کا مذکورہ بالا بیان کی کہ وہ "برابر اپنے والد ماجد کے ساتھ مدینہ میں رہے" حضرت حکم کی جلاوطنی کی کہانی کا تارو پود بکھیر دیتا ہے دوسری اہم بات یہ ہے کہ ان کی عمر آٹھ برس بوقت وفات نبوی بتائی گئی ہے۔ دائرۂ معارف کے مقالہ نگار نے ان کو پندرہ سولہ کے قریب کا نوجوان کہا ہے۔ ذہبی نے کبار تابعین میں اولین اور حضرت ابن زبیر سے چار ماہ چھوٹا بتایا ہے اور رویت نبوی کے احتمال کا ذکر "قیل" سے کیا ہے۔

(۱۳) طبری، تاریخ، پنجم ۳۰۵ـ ۵۳۰ نیز ۳۴۴ـ ۵۳۵ اور ۶۱۱ـ ۵۸۳ و مابعد۔ جلد چہارم ۲۵۶ تا ۵۵۵ حضرت عثمان اور حضرت معاویہ کے عہد کے واقعات میں ان کے کردار کا ذکر ہے۔ جس طرح جلد پنجم ۴۳ تا.... ان کے خلافت معاویہ کے زمانے کے واقعات کا ذکر ہے۔ بقول طبری پنجم ۲۷، سن ۴۲ھ میں پہلی بار حضرت معاویہ نے حضرت مروان کو امیر مدینہ بنایا۔ اور ۴۹ھ میں معزول کردیا (۲۳۱) پھر ۵۴ھ میں دوبارہ امیر مقرر کیا، طبری، پنجم ۵ـ ۲۹۳ ان کی دوبارہ تقرری کا سبب یہ بتایا ہے کہ حضرت سعید نے دار مروان نہیں منہدم کیا تو انہیں معزول کر کے حضرت مروان کو مقرر کردیا اور ان کو دار سعید منہدم کرنے کا حکم دیا۔ لیکن جب مروان کو معلوم ہوا کہ حضرت سعید نے ان کا مکان منہدم نہ کرنے میں خلیفہ کا حکم نہیں مانا تھا تو انہوں نے بھی ان کا مکان منہدم نہیں کیا اس بات میں ان کا احسان یاد رکھا۔ ۵۷ھ میں ایک روایت کے مطابق اور ۵۸ھ میں دوسری کے مطابق حضرت مروان امارت مدینہ سے دوبارہ معزول ہوئے، طبری پنجم ۹ـ ۳۰۸

(۱۴) بلاذری، انساب الاشراف، پنجم، ۱۲۵،

(۱۵) انساب الاشراف، چہارم ب، ص ۳ نیز مغلطای، کتاب سیرۃ مغلطای، ۹۸۔

(۱۶) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، قاہرہ ۱۹۵۵ء، دوم ۲۰۷ کا حاشیہ

(۱۷) طبری، پنجم ص ص ۵ـ ۸۳۔ ۴۸۳۔ ۴۹۳، انساب، چہارم ب، ۴۴ـ ۳۲، البدایۃ والنہایۃ، ہشتم ۹ـ ۲۱۷، ابن اثیر الکامل، چہارم ص ۱۳۰۔ نیز تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو خاکسار کی کتاب "بنو امیہ اور بنو ہاشم کے تعلقات" نقوش لاہور ۱۹۹۳ء کے متعلقہ مباحث۔ طبری اور ابن اثیر نے لکھا ہے: "وکان مروان شاکراً لعلی بن الحسین مع صداقۃ کانت بینھما قدیمۃ" جبکہ حافظ ابن کثیر کا تبصرہ ہے:

وکان عروانؓ سواد العلی بن الحسین۔ مروان کی مدینہ کی محصوری کے لئے ملاحظہ ہو طبری، پنجم ۸۲-۳۔ نیز سرزنش کے لئے ۹۳-۴۔

(۱۸) ابن سعد اور ابن کثیر کے حوالے حاشیہ ۱۱-۱۲ میں ملاحظہ ہوں۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی کے لئے ملاحظہ ہو: ابن اثیر 'اسد الغابہ' دوم ۷-۳۶۶ اور ابن سعد 'طبقات' ششم۔ حضرت سہل وفات نبوی کے وقت پندرہ سال کے تھے (ولادت ۶ نبوی پانچ برس قبل ہوئی اور طویل عمر پا کر ۸۸ھ میں بعمر چھیانوے سال میں مدینہ میں وفات پائی۔

(۱۹) حافظ ابن کثیر کا تبصرہ وخیال اوپر گذر چکا ہے جس کے مطابق حضرت مروان اکثریا ایک بڑے گروہ علماء کے نزدیک صحابی ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد تاریخی شواہد اور واقعاتی دلائل ان کی صحابیت کے حق میں ہیں۔ عام طور سے بلکہ خالصتاً اس بنیادی مزعومہ پر کہ فتح مکہ کے بعد ان کے والدِ ماجد کو جب طائف جلاوطن کیا گیا تو حضرت مروان بھی ساتھ ہی تارک وطن بنے کہ وہ بچے تھے اور مدینہ منورہ میں ان کو شرف صحبت نہیں ملا۔

اوّل تو حضرت حکم کی جلاوطنی کا قصہ ہی اساطیری اور موضوع ہے تاہم اگر اسے بفرض محال تسلیم کرلیا جائے تو یہ تو اسی قصہ سے بھی ثابت ہے کہ فتح مکہ کے زمانے میں مکہ مکرمہ میں انہوں نے اپنے والد کے ساتھ اسلام قبول کرنے کے علاوہ شرف دیدار وصحبت پایا۔ ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک ماہ کے قریب قیام نبوی کے دوران انہوں نے آپ کی بار بار زیارت کی تھی۔ اور روایات راجحہ کے مطابق ان کی عمر اس وقت کم از کم چھ سال تھی۔ دوسری روایات کے مطابق وہ زیادہ عمر کے یا نوجوان تھے۔

دوم مدینہ آنے کے بعد بہرحال کچھ مدت تک وہ اپنے والد ماجد کے ساتھ مدینہ میں قیام پذیر رہے تھے خواہ وہ عرصہ کتنا ہی مختصر رہا ہو کیونکہ اسی کے دوران ان کے والد کے مبینہ مکروہ جرم کا پردہ کھلا ہوگا۔ اس دوران انہوں نے انعام دیدار وشرفِ صحبت پھر حاصل کیا ہوگا۔

سوم یہ قرینہ کافی اہم ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضرت مروان اپنے والد حضرت حکم سمیت مکہ مکرمہ اور دوسرے مقاماتِ حج پر دیدار وصحبت نبوی سے مزید مشرف ہوئے ہوں گے کہ مدینہ سے جلاوطنی ہوئی تھی دوسرے شہروں میں آمد ورفت ممنوع قرار نہیں دی گئی تھی۔

ان کے علاوہ دوسرے قرائن وشواہد بھی ان کی صحبت کے ہیں۔ جہاں تک عمروسن کا تعلق ہے تو حضرات حسنین تو ان سے کم عمر تھے اور حضرات ابن زبیر وابن عباس ان کے ہم عمر یا کچھ بڑے تھے۔ اگر وہ صحابہ ہیں۔ تو حضرت مروان بھی صحابی ہیں۔ روایت کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونا صحابیت کے لئے ضروری نہیں، متعدد جلیل القدر صحابہ کی روایت ثابت نہیں۔ حضرت امام بخاری وغیرہ کا ان سے بطور صحابی روایت کرنا ان کی صحابیت کی عظیم ترین دلیلوں میں سے ہے۔ اس موضوع پر انشاء اللہ پھر کبھی مفصل ومدلل بحث کی جائے گی۔

(۲۰) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الوضوء، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والصلۃ وغیرہ متعدد کتب وابواب۔ دوسرے محدثینِ کرام کے حوالے آگے تفصیل کے ساتھ آرہے ہیں۔

نیز ملاحظہ ہو طبری، دوم، ۴۲۰ اور ۶۲۵-۷ ۶۳ جنہوں نے صلح حدیبیہ کے غزوہ کے مختلف مراحل کی روایات حضرت مروان کی سند پر ابن اسحاق اور محمد بن عبد الاعلی الصنعانی سے نقل کی ہیں۔ طبری، سوم ۴۳ نے صلح حدیبیہ کے بارے میں اس شرط کے بارے میں کہ جو چاہے مسلمانوں سے اور جو چاہے قریش سے معاہدہ کرلے کی سند سے متعلق لکھا ہے۔ عن عروۃ بن الزبیر عن المسور بن مخرمۃ ومروان بن الحکم وغیرہ من علمائنا۔ یعنی طبری کے نزدیک دوسرے اکابر کی مانند حضرت مروان ان کے علماء میں شامل تھے۔

(۲۲) بخاری، کتاب الوضوء (۱/۷۰-۶۹)

(۲۳) مالک بن انس، مؤطا، کتاب الطہارۃ، نسائی، سنن، کتاب الطہارۃ، الوضوء من مس الذکر، ابن ماجہ سنن، کتاب الطہارۃ وسننہا، باب الوضوء من مس الذکر، نیز ملاحظہ ہو: ابوداؤد، سنن، کتاب الطہارۃ، الوضوء من مس الذکر اور باب الرخصۃ فی ذلک (۱/۷-۴۶-۴۴) بروایت حضرت طلق۔

(۲۴) ابن سعد، پنجم، ۳۶۰۔

(۲۵) بخاری، ابواب سترۃ المصلی باب یرد المصلی من مر بین یدیہ (۱/۶-۷۳۵)، مسلم، کتاب الصلوۃ، باب منع المار بین یدی المصلی (۱/۳-۳۶۲)، ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب مایؤمر المصلی ان یدرأ عن الممر بین یدیہ (۱/۱۸۶)، ابن ماجہ، کتاب القسامہ، باب من اقتص واخذ حقہ دون السلطان (۸/۴۳-۱۱)

محدثینِ کرام کے عنوانات کتب وابواب اپنی علمی اور فنی اہمیت کے علاوہ ان کے ذہنی رجحان اور مسلکی خیال اور فقہی میلان کی بھی غمازی کرتے

ہیں۔ مثلاً اسی معاملہ میں امام ابن ماجہ کا باب و کتاب کا عنوان بہت دلچسپ ہے جو ایک دینی مسئلہ سے زیادہ قانونی حق ثابت کرتا ہے کہ بعض معاملات میں آدمی حکومت سے رجوع کئے بغیر اپنا حق لے سکتا ہے۔

(۲۶) بخاری 'کتاب مواقیت الصلوٰۃ' باب القرأۃ فی المغرب' مسلم 'کتاب الجمعۃ' باب ما یقرأ فی صلاۃ الجمعۃ' ابوداؤد 'کتاب الصلوٰۃ' باب قدر القرأۃ فی المغرب' نسائی 'کتاب الافتتاح' القراءۃ فی المغرب بالمص۔

امام ابوداؤد کا عنوانِ باب دونوں طرح کی قرأت یعنی طویل سورت اور مختصر سورت کی قرأت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۲۷) ابوداؤد 'کتاب الحروف والقراءات (۴ر۳۷)۔

(۲۸) ابوداؤد 'کتاب الصلوٰۃ باب الاضطجاع بعدھا (ای بعد رکعتی الفجر ۲ر۲۱)

(۲۹) تمام امامانِ فقہ و مسلک اس پر متفق ہیں۔

مقصورہ کی تعمیر کے لئے ملاحظہ ہو طبری 'پنجم' ۲۱۵۔

(۳۰) ترمذی 'سنن ر الجامع الصحیح' ابواب الصلوٰۃ' باب فی الرکعتین اذا جاء الرجل والامام یخطب۔

(۳۱) مثلاً ائمۂ احناف کے نزدیک خطبۂ امام سنناواجب ہے اور اس کے دوران صلوٰۃ دعا' کلام سب کچھ ممنوع ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل کے مرتبِ ابواب علامہ ساعاتی نے 'الفتح الربانی' ششم ۵ ۱۰۷۔۹ میں ایک باب باندھا ہے: باب المنع من الکلام والامام یخطب اور اس کے تحت فقہاء کے مذاہب پر کلام کیا ہے۔

(۳۲) بخاری 'کتاب العیدین' باب الخروج الی المصلی بغیر منبر (۲ر۲۲)' مسلم' کتاب صلوٰۃ العیدین اور کتاب الایمان' باب کون النہی عن المنکر من الایمان' ابوداؤد 'کتاب الصلوٰۃ' باب الخطبہ یوم العید' ترمذی 'ابواب الفتن' باب فی تغییر المنکر بالید او باللسان او بالقلب' اور باب ماجاء فی صلوٰۃ العیدین قبل الخطبہ' ابن ماجہ 'کتاب اقامۃ الصلوۃ' باب فی صلوٰۃ العیدین۔ امام ترمذی نے صلوٰۃ العیدین کے باب میں حضرت مروان کے صلوٰۃ سے قبل خطبہ پڑھنے کی روایت یا ان کی اوّلیت کا ذکر لفظ قال سے کیا ہے جو ان کے نزدیک ضعف کی نشانی ہے اور اوّلیت کا شرف کسی اور کو حاصل تھا۔

محدثینِ کرام کے عنوانات کتب و ابواب سے چند اہم حقائق و نکات واضح ہوتے ہیں: امام بخاری اس سے صرف یہ استنباط کرتے ہیں کہ عیدین کے لئے عیدگاہ بغیر منبر کے جانا چاہئے۔ امام مسلم اور امام ترمذی نے صلوٰۃ پہلے اور خطبہ بعد میں دینے کے علاوہ یہ استنباط بھی کیا ہے کہ غلط بات (منکر) کو روکنا خواہ کسی درجہ کا ہو ایمان کا شاہد ہے۔ جبکہ امام ابوداؤد کا خطبہ عید پر اور ابن ماجہ کا صلوٰۃ عیدین پر زور ہے حضرت مروان کے ناقدین کرام نے امام مسلم و امام ترمذی کے ابواب مطلب خیز سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔ حالانکہ محدثین کرام میں سے کسی نے بھی حضرت مروان کو اولیت کا شرف نہیں دیا ہے۔ امام مسلم کے ہاں وہ ابوبکر کی سند پر ضرور مروی ہے جو تحقیق طلب ہے۔

حیرت انگیز بات ہے کہ مولانا مودودی نے حضرت مروان پر الزام عائد کردیا کہ "عیدین میں صلوٰۃ سے پہلے خطبہ دینے کا طریقہ مروان نے اختیار کیا اور اس کے خاندان کے لئے مستقل سنّت بن گیا۔" (خلافت و ملوکیت ص ۱۸۷ بحوالہ طبری ۶ر۲۶' بدایہ و نہایہ ۸ر۲۵۸' ابن الاثیر ۳ر۳۰۰)۔ یہ بیان خاصا جارحانہ اور معاندانہ ہے۔ ان کا سارا دارومدار صرف ایک بار کے واقعہ پر ہے اور خاندانی سنّت کا الزام صرف ایک تاریخی کتاب کے بے سروپیر اور بلاسند حوالہ سے ہے جو انہوں نے لیا ہے

انہوں نے حوالہ ابن کثیر ۸ر۲۵۸' اور طبری ۶ر۲۶ کا بھی دیا ہے مگر اوّل الذکر میں ہے: اوّل من قدم الخطبہ علی الصلوۃ یوم العید مروان۔ یہی بات ابن اثیر ۳ر۱۹۴ نے کہی ہے۔ جبکہ تمام حدیثی روایات اور محدثین کے تبصروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک شاذ واقعہ تھا جس کا سلسلہ جاری نہیں رہا۔ بلکہ حضرت مروان نے بعد میں کبھی صلوٰۃ عیدین سے قبل خطبہ نہیں دیا۔ اس پر بحث مفصّل کی ضرورت ہے جو آئندہ پیش کی جائے گی۔ لیکن یہاں ایک دلچسپ حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جو مولانا موصوف کو نظر آیا یا نہیں آیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نہ صرف صلوٰۃ عیدین سے قبل خطبہ دیتے تھے۔ بلکہ اذان بھی دلواتے تھے۔ ان کی خلافت کی ابتداء میں حضرت ابن عباس نے ان کو ان دونوں سے منع کیا اور انہوں نے مان لیا۔ یہ روایت شیخین کی ہے ملاحظہ ہو: دونوں کے ابواب و کتب سابقہ نیز بخاری ۲ر۲۲' مسلم ۲ر۶۰۴ حضرت ابن زبیر تو خاندان مروانی کے فرد نہ تھے بلکہ خاندان مروان کے قیام سے قبل خلیفہ ہو چکے تھے۔

حضرت مروان نے صلوٰۃ عید سے قبل ایک بار جو خطبہ دیا تھا وہ تہدیدی نوعیت کا تھا کہ لوگ صلوٰۃ کے بعد خطبہ سننے کے لئے نہیں بیٹھتے تھے اور ان کا یہ فعل ایک اور صرف ایک امیر مدینہ کا تھا' کسی خلیفہ وقت کا نہ تھا۔ جبکہ بعض

پیشرو خلفائے وقت کے بارے میں روایات آئی ہیں کہ انہوں نے ایسا کیا تھا۔ ان پر محاکمہ بعد میں۔ سردست حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو: مسند امام احمد بن حنبل خاص کر احمد عبدالرحمٰن ساعاتی کا مرتب کردہ نسخہ بعنوان الفتح الربانی مصر ۱۳۵۵ھ، ششم، باب صلوٰۃ العیدر کعتین قبل الخطبۃ ۱۵۶-۱۳۶۔

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ اکابر محدثین میں سے امام نسائی نے اس روایت کو اپنے ہاں جگہ نہیں دی ہے۔ اور یہ خاصی معنی خیز بات ہے۔

(۴۳) بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب متی یقعد اذا قام للجنازۃ (۲/ ۱۰۷)

(۴۴) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ہشتم، ۲۵۸، طبری، پنجم، ۲۳۹۔ شاعر وقت ہمام بن غالب نے حضرت مروان کی اس بات پر تعریف کی تھی جبکہ حضرت مروان نے حضرت سعید بن العاص کے بارے میں بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

(۴۵) ابن اثیر، اسد الغابہ، دوم، ص ۱۵۔ اس روایت میں یہ جھوٹ بھی موجود ہے کہ حضرت حسن کے جنازے میں سوائے حضرت سعید بن العاص، امیر مدینہ کے اور کوئی اموی موجود و حاضر نہ تھا۔ طبری، پنجم، ۴۶۵، کی اس روایت میں ہے کہ حضرت مروان تو سن کر اٹھ گئے اور پھر جب ان کے چچا حضرت یحییٰ بن حکم نے تمام بات سنی تو فرمایا: تم قیامت کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روک دیئے گئے۔ تم سے اب کسی بات پر کوئی معاملہ نہیں رکھوں گا پھر وہ بھی اٹھ کر چلے گئے۔ نیز ابن سعد، ہشتم ۴۶۵، کا بیان ہے کہ حضرت سعید بن العاص نے حضرت ام کلثوم بنت علی اور ان کے فرزند حضرت زید بن عمر خطاب دونوں کی صلوٰۃ جنازہ پڑھائی اور ان کے پیچھے اسّی صحابہ کرام تھے۔ دوسری روایت ہے کہ حضرت ابن عمر امام تھے۔

(۴۶) بخاری، کتاب الصوم، باب الصائم یصبح جنباً (۳/ ۳۸)، مالک، موطا، کتاب الصیام، ماجاء فی صیام الذین یصبح جنباً فی رمضان (۱/ ۲۷۳-۲۷۲)، مسلم، کتاب الصیام، باب صحۃ صوم من طلع علیہ الفجر وھو جنب (۳/ ۷۷۹-۷۸۲)

امام مسلم کی روایت کی نوعیت یہ ہے کہ ابوبکر کا بیان ہے کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قصوں میں ایک قصہ یہ سنا کہ جس شخص کو بحالت جنابت صبح فجر پالے وہ صوم نہ رکھے۔ میں نے اس کا ذکر حضرت عبدالرحمٰن بن حارث سے کیا تو انہوں نے اس کی نکیر کی۔ پھر میں ان کے ساتھ دونوں امہات المومنین کے پاس گیا اور ان سے مسئلہ پوچھا۔ دونوں نے بتایا کہ ..... پھر ہم حضرت مروان کے پاس پہونچے اور حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت مروان سے خود یہ سارا ماجرا بیان کیا۔ تب حضرت مروان نے ان دونوں کو حضرت ابوہریرہ کے پاس بھیجا اور حضرت ابوہریرہ نے امہات المومنین کی حدیث مرفوع سن کر اپنے قول سے رجوع کرلیا۔

امام مالک کی روایت میں فرق یہ ہے کہ حضرات ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور ان کے والد عبدالرحمٰن بن حارث دونوں حضرت مروان کے پاس تھے اور ان دونوں سے حضرت مروان نے ابوہریرہ کا قول بیان کر کے دونوں امہات المومنین سے تحقیق مسئلہ کے لئے بھیجا اور دونوں نے الگ الگ دونوں امہات سے تحقیق کی اور حضرت مروان کو اس سے باخبر کیا اور حضرت مروان نے حضرت ابوہریرہ کے پاس دونوں کو اپنی سواری پر بھیجا اور انہیں اصل مسئلہ سے آگاہ کرایا۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مروان ہی نے صحیح مسئلہ کی تحقیق کرائی تھی اور غلط اجتہاد کا سدباب کیا تھا۔

ابن سعد، سوم، ۹۴۔ غالباً یہ ان کی وفات کے سال کی زکوٰۃ تھی کیونکہ اگلی روایت ان کے ترکہ سے متعلق ہے۔

(۴۷) بخاری، کتاب الحج، باب التمتع والاقران والافراد بالحج، فسخ الحج لمن لم یکن معہ ھدی (۲/ ۱۷۶-۱۷۵)، ابوداؤد، کتاب المناسک، باب فی افراد الحج (۲/ ۱۵۷)، ترمذی، ابواب الحج، باب ماجاء فی التمتع، نسائی، کتاب المناسک، القران (۵/ ۱۴۸)، ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب التمتع (۵/ ۴-۱۵۳)

(۴۸) ابوداؤد، کتاب المناسک، باب العمرۃ (۲/ ۲۰۴) نے کئی روایات اسی مفہوم کی نقل کی ہیں اور ان میں سے اہم ترین کے ابتدائی اسناد الفاظ ہیں... عن ابی بکر بن عبدالرحمٰن: اخبرنی رسول مروان الذی ارسل الی ام معقل، قالت: (... ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ مجھ کو مروان کے اس فرستادے نے خبر دی جن کو حضرت ام معقل کے پاس بھیجا گیا تھا، انہوں نے کہا) تکنیکی طور سے یہ روایت مجہول ہے کہ بیچ کی ایک سند نامعلوم ہے لیکن اہم بات یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے حضرت مروان کے نامعلوم "رسول" کی سند پر روایت قبول و بیان کی ہے۔

(۴۹) مالک، موطا، کتاب الحج، ماجاء فیمن احصر بغیر عدو (۱/ ۳۳۰) کی روایت کا اہم ترین جملہ ہے ... فسال عن الماء الذی کان علیہ من العلماء فوجد... ... (انہوں نے اس پانی (کے مقام) کے بارے میں دریافت کیا جہاں علماء ہوں تو انہوں نے وہاں پالیا.....)

(۴۰) مالک' موطا' کتاب الصید' ماجاء فی صید البحر (سہر ۳۴۳-۳۴۲)

(۴۱) طبری' دوم' ۲۴۰' نے لکھا ہے کہ لوگوں نے نہ صرف قول مروان کو پسند کیا بلکہ اس کو صحیح سمجھا اور انہیں کے قول پر برابر فتویٰ دیتے رہے کہ میت میں کوئی نذر واجب نہیں ہوتی' ابن کثیر' السیرۃ النبویہ' مرتبہ مصطفیٰ عبد الواحد' بیروت ۱۹۷۷ء' اول ص ۱۷۶۔ نیز ملاحظہ ہو حضرت مروان کی امارت حج کے لئے طبری' پنجم' ۲۲۱' ۲۲۴' ۲۳۲' ۲۹۸' ۳۰۰۔

(۴۲) ابوداؤد' کتاب النکاح' باب فی الشغار

(۴۳) مالک' موطا' کتاب الطلاق' ماجاء فی البتۃ (سہر ۸۰-۷۹)۔ امام مالک کا جملہ ہے: وھذا احب ما سمعت الیّ فی ذلک۔

(۴۴) مالک' موطا' کتاب الطلاق' ما یجب فیہ تطلیقۃ واحدۃ من التملیک (سہر ۸۲-۸۱)۔ امام مالک کا قول و تبصرہ ہے: وھذا احسن ما سمعت فی ذلک واحبہ الی۔

(۴۵) ایضاً۔ حوالہ سابقہ میں یہی روایت ہے۔

(۴۶) موطا' کتاب الایلاء' (سہر ۸۳)۔ امام مالک کا تبصرہ ہے: وعلی ذلک کان رای ابن شہاب۔ اس کے بعد ان کا اختلافی فتویٰ اور اس کی سند ہے۔

(۴۷) اس بحث کے لئے گذشتہ دونوں مباحث موطا میں ملاحظہ ہوں۔

(۴۸) مالک' موطا' کتاب الطلاق' ماجاء فی عدۃ المراۃ فی بیتہا اذا طلقت فیہ (سہر ۹۹-۹۷)' بخاری' کتاب الطلاق باب قصۃ فاطمہ بنت قیس' ابوداؤد' کتاب الطلاق' باب من انکر ذلک علی فاطمہ' نسائی' کتاب النکاح' تزویج المولیٰ القریبۃ (۶/ ۳۳-۳۴)' نیز کتاب الطلاق' نفقۃ الحامل المبتوتۃ' ابن ماجہ' کتاب الطلاق' باب ھل تخرج المراۃ فی عدتہا (۱/ ۱۵۵)۔

(۴۹) نسائی' کتاب النکاح' تزوج المولیٰ القریبۃ (۶/ ۳۳-۳۴)' نیز کتاب الطلاق' نفقۃ الحامل المبتوتۃ (۶/ ۲۱۱-۲۱۰)

مؤخر الذکر باب میں یہ مزید صراحت ملتی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کے حکم و فتوے سے جب ان کی مطلقہ بھانجی (دختر سعید بن زید) نے حضرت مروان کو باخبر کیا تو حضرت موصوف نے تحقیق حال و حدیث کے لئے اپنے فرستادے حضرت قبیصہ بن ذویب کو حضرت فاطمہ بنت قیس کے پاس بھیجا اور ان کے ذریعہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق کرلی تو اپنا فیصلہ نافذ کیا۔

(۵۰) مسلم' کتاب البیوع' باب بطلان بیع المبیع قبل القبض (سہر ۴۳)' مالک' موطا' کتاب البیوع' العینۃ وما یشبہہا (سہر ۲۴۲-۲۴۰)

(۵۱) مالک' موطا' کتاب الحدود' الحد فی القذف والنفی والتعریض (۳/ ۴۵)۔

(۵۲) مالک' موطا' کتاب العقول' العمل فی عقل الاسنان نیز ملاحظہ ہو جامع عقل الاسنان (سہر ۷-۲۶) جس کے مطابق حضرت عمر فاروق دانتوں کی دیت میں ایک اونٹ اور حضرت معاویہ پانچ اونٹوں کو دلواتے تھے حضرت سعید بن مسیب فرمایا کرتے تھے کہ فیصلہ فاروقی میں دیت کم اور قضائے معاویہ میں زیادہ ہے اور اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو دو اونٹوں کی دیت کا فیصلہ کرتا کہ وہ کافی بھی ہے اور مناسب بھی۔ امام مالک کو حضرت معاویہ کا فیصلہ زیادہ پسند تھا۔ یہی ابن عباس کا فتویٰ اور حضرت مروان کا فیصلہ تھا کہ وہ حدیث و سنت نبوی پر مبنی تھا۔

(۵۳) مالک' کتاب العقول' ماجاء فی دیۃ جراح العبد (سہر ۶۷)۔

(۵۴) مالک' موطا' کتاب العقول' ماجاء فی دیۃ العمد اذا قبلت وجنایۃ المجنون نیز القصاص فی القتل۔

(۵۵) مالک' موطا' کتاب الحدود' مالا قطع فیہ' ابوداؤد' کتاب الحدود' مالا قطع فیہ۔

(۵۶) مذکورہ بالا امام مالک اور امام ابوداؤد کے حوالے۔

(۵۷) مثلاً حضرت نعمان بن بشیر نے چوری کے ایک معاملہ میں صرف قید پر اکتفا کی تھی اور کوڑے بھی نہیں لگائے تھے ملاحظہ ہو نسائی' کتاب السارق' باب امتحان السارق بالضرب والحبس (۸/ ۶۸)

(۵۸) بخاری' کتاب الشہادات (سہر ۳۴۴)' کتاب الاحکام' باب من قضی ولاعن فی المسجد (۸/ ۸۵) مالک' موطا' کتاب الاقضیۃ' ماجاء فی الحنث علی منبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم (سہر ۲۰۴)

(۵۹) مسلم' کتاب المساقاۃ باب تحریم الظلم و غصب الارض وغیرہا (سہر ۴۳۰) نے مختلف روایات بیان کی ہیں ان میں بعض سامان عبرت بھی ہے۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ چنانچہ انہوں نے بددعا کی: اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو تو اسے اندھا کردے اور اسکو اسکی زمین میں ہی قتل کردے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ آخر میں نابینا ہو گئی تھی اور دیواریں ٹٹولتی پھرتی تھی اور کہتی تھی کہ مجھے حضرت سعید کی بددعا لگ گئی اور آخر کار اپنے گھر کے کنوئیں یا گڑھے میں گر کر ہی مری جو اس کی قبر بن گیا۔

(۶۰) بخاری' کتاب الہبۃ' باب (بلا عنوان سہر ۳۶۵) یہ روایت عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ کی سند پر ہے۔

(۶۱) نسائی کتاب البیوع، الرجل یبیع السلعۃ فیستحقہا مستحق (۷؍ ۳۱۳)

(۶۲) مالک، موطا، کتاب المکاتب، عتق المکاتب اذا ادّی علیہ ما علیہ قبل محلّہ (۳؍ ۲۳-۲۴) نیز طبری، چہارم ۳۷۹-۸۰ انہیں حضرت ابو حفصہ یمانی نے حضرت مروان کو زخمی ہو کر گرنے کے بعد اٹھا لے گئے تھے اور ان کا علاج کر کے ان کی جان بچائی تھی۔ حضرت مروان کی شجاعت و بہادری کا ذکر طبری کی اس روایت میں کافی مفصل پایا جاتا ہے ملاحظہ ہو ۳۸۱-۸۲ وما بعد۔

(۶۳) ابوداؤد، کتاب الخراج والامارۃ والفئی، باب صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳؍ ۱۴۳-۴۴) نیز ملاحظہ ہو: بخاری نیز طبری، پنجم ۲۳۱، سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ نے حضرت مروان کو اراضی فدک دے دی تھی اور ۴۸ھ کے واقعات کے ضمن میں طبری نے لکھا ہے کہ حضرت مروان کو اراضی فدک کی واپسی اور امارت مدینہ سے معزولی کا خدشہ ہو چلا تھا۔ اور ۴۹ھ میں ربیع الاوّل میں ان کی معزولی اور ان کے قاضی مدینہ حضرت عبداللہ بن حارث ہاشمی کی معزولی کا ذکر کیا ہے۔

(۶۴) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ہشتم ۲۵۸، نیز ملاحظہ ہو طبری، پنجم ۶۱۰ جس کے مطابق حضرت مروان کے بعد خلیفہ بننے کے متعلق بعض لوگوں نے افواہیں اڑانی شروع کی تھیں اور ان میں عمرو بن سعید الاشدق کا نام بھی گنایا ہے لہٰذا حضرت مروان نے حضرت حسان بن مالک کلبی کو بلا کر ان کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور روایت کے مطابق حسان کلبی نے عبدالملک اور عبدالعزیز کے ناموں کی تجویز رکھی اور ان کی بیعت لی تھی۔ نیز دیکھو یعقوبی، دوم، ۲۵۷۔

(۶۵) مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب اثبات التکبیر فی کل خفض ورفع فی الصلوٰۃ (۴؍ ۲۹۳) کتاب الجمعۃ، باب ما یقرا فی صلوٰۃ الجمعۃ (۴؍ ۵۹۷-۹۸) نسائی، کتاب الافتتاح، باب التکبیر للرکوع (۲؍ ۱۸۱) امام مسلم کا ایک اہم جملہ ہے: ان اباھریرۃ کان یستخلفہ مروان علی المدینۃ اذا قام ..

دوسری روایتِ مسلم میں حضرت مروان کے مکہ جانے اور حضرت ابوہریرہ کے نائب بنائے جانے کا ذکر ہے۔

(۶۶) حضرت ابوہریرہ کے علاوہ حضرت مروان کے ماتحتوں میں حضرت معقل بن یسار قاضی رعالِ یمامہ تھے جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے ان کے علاوہ عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی امارتِ مروانی میں مدینہ کے قاضی تھے اور ۴۲ھ تا ۴۹ھ تک اس عہدہ پر رہے۔ وہ حضرت مروان کے پہلے قاضی تھے اور بقول حضرت ابوہریرہ "اسلام کے پہلے قاضی" ملاحظہ ہو طبری، پنجم ۱۷۳ اور ۲۳۲، الکامل سوم، ص ۴۲۰، ابن سعد، پنجم ۲۱-۲۲ نیز ملاحظہ ہو زبیری، نسب قریش قاہرہ ۱۹۵۳ء ص ۸۶ کا بیان ہے عبداللہ بن نوفل، قضی فی خلافۃ معاویۃ بالمدینۃ لمروان بن الحکم، وھو اوّل قاض کان بالمدینۃ اور ان کے بھائی سعید بن نوفل کو "فقیہ" بتایا ہے۔ زبیری '۱۵۶' کے مطابق الاحوص بن عبد امیہ بن عبد شمس، بحرین پر حضرت معاویہ کے والی تھے اور انہوں نے حضرت مروان بن حکم کے لئے صدقات جمع کئے تھے (وھو الذی سعی بمروان بن الحکم) نیز زبیری ۴۱۷-۸، حضرت مروان نے خلافت معاویہ میں اپنے پولیس کے محکمہ کے افسر (شرطہ) کے بطور حضرت مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف زہری کو مقرر کیا تھا۔ زبیری کا بیان ہے کہ ان کی تقرری سے قبل اہل مدینہ سخت فتنہ وفساد مچاتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ حضرت مصعب نے اپنی تقرری کے بعد ان پر سختی کی اور ان کے مکاناتِ منہدم کر دیئے تو لوگ گھبرا گئے اور انہوں نے حضرت مروان سے ان کی شکایت کی۔ حضرت مروان ان کو معزول کرنا ہی چاہتے تھے کہ حضرت مسور بن مخرمہ نے ان کو روک دیا کہ وہ اچھے منتظم تھے۔ وہ حضرت معاویہ کی وفات تک مدینہ کے امیر شرطہ رہے۔ عہد یزیدی میں بھی اسی عہدہ پر تھے لیکن جب امیر مدینہ عمرو بن سعید نے حضرات حسین وعبداللہ بن زبیر کے خروج و انکار بیعت یزید کے بعد ان دونوں کے خاندانوں کے گھروں کے انہدام کا حکم دیا تو انکار کر دیا کہ ان کا کچھ قصور نہیں اور ان کے دفاع میں استعفا دے کر حضرت ابن زبیر سے جا ملے اور ان کے اوّل محاصرہ کے دوران ہی شہید ہوئے۔ وہ بہت بہادر اور سخت منتظم تھے۔ زبیری '۲۸۹' ان کے اور معاذ بن عبیداللہ تیمی کے درمیان غلط فہمی، اس کے ازالہ اور حضرت مصعب کے انصاف و تقویٰ کا ایک اور واقعہ لکھا ہے۔ حضرت مصعب کا ایک اور واقعہ زبیری '۱۷۳-۲' نے یہ لکھا ہے کہ حضرت مروان کے کہنے سے حضرت مصعب نے اپنے ایک مجرم کو معاف کر دیا تھا جبکہ حضرت معاویہ کی سفارش قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

زبیری '۳۹۵' نے حضرت مروان کے ایک "والی مساعی" حضرت حارث بن حاطب جمحی مہاجرین حبشہ اور اکابر صحابہ میں سے تھے۔ ابن حجر نے اصابہ ۱۳۸۷ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔

(۶۷) ابن سعد، پنجم ۳۴، ابن کثیر، ہشتم ۲۵۸

(۶۸) ابن سعد، پنجم ۴۳ کا جملہ بہت اہم ہے: وکان مروان فی ولایتہ علی

المدینة بجمع اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم یستشیرهم ویعمل بها بما یجمعون له علیه.

نیز ابن کثیر، ہشتم ۹-۲۵۸۔

(۶۹) مالک، موطا، کتاب النکاح، النہی ان یصیب الرجل امۃ کانت لابیہ (نمبر ۴۳)۔ حضرت عبدالملک کا تبصرہ ہے: "لمروان کان اورع منك وهب لابنه جاریةً ثم قال: لاتقربها فانی رأیت ساقها منکشفة"

(۷۰) اوپر متعدد واقعات واحادیث کا ذکر آیا ہے جن سے معلومات ملتی ہیں کہ حضرت مروان اپنے معاصر صحابۂ کرام خصوصاً حضرات ابو ہریرہ، ابو سعید خدری، زید بن ثابت، ابن عمر، ابن عباس، امہات المومنین حضرت عائشہ و حضرت ام سلمہ وغیرہ سے برابر رجوع کرتے تھے اور مختلف مسائل پر ان سے مشورہ کرتے تھے اور تحقیق حال کے بعد ہی فیصلے کرتے تھے۔

غزوۂ بدر کے لئے ملاحظہ ہو طبری، دوم، ۴۴۳۔ نیز سوم ۴۰۵، جس کے مطابق حضرت مروان نے حضرت قباث سے پوچھا تھا کہ کیا آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ انہوں نے خوبصورت جواب دیا: رسول اللہ مجھ سے بڑے ہیں اور میں ان سے زیادہ قدیم (اقدم) ہوں پھر حضرت مروان نے ان سے مزید معلومات حاصل کیں۔ واقدی کے مطابق غزوۂ بدر کے بارے میں حضرت حکیم بن حزام سے، قتل کعب بن اشرف کے بارے میں ابن یامین نصری سے تحقیق کی تھی اور خیبر کے طعمہ کے بارے میں اپنی تخییر کی حکمت عملی اختیار کی تھی۔ ملاحظہ ہو: کتاب المغازی، ۹۵، ۱۹۳-۱۹۲ اور ۷۲۰۔

(۷۱) مالک، موطا، کتاب الجامع، النہی عن الشرب فی آنیة الفضة والنفخ فی الشراب (نمبر ۱۰)

(۷۲) ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب من قال یکبرون جمیعًا (نمبر ۱۳)، نسائی، کتاب صلوٰۃ الخوف (نمبر ۱۷۳)

(۷۳) ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت (نمبر ۲۱۰)۔ حضرت ابو ہریرہ نے دعا کے جو الفاظ نقل کئے ہیں اس کے ابتدائی کلمات ہیں اللهم انت ربها، وانت خلقتها، وانت هدیتها للاسلام.....فاغفر له۔

حضرت مروان نے بطور امیر مدینہ مشہور صحابی حضرت محمد بن مسلمہ کی نماز جنازہ ۴۳ھ میں پڑھائی تھی، طبری، پنجم ۱۸۱۔

(۷۴) مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة (نمبر ۹۲-۴۹۱)

(۷۵) مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو امام نووی کی شرح مسلم، طبری، پنجم، ۳۴۴۔

(۷۶) مسلم، کتاب الفتن، اشراط الساعة، باب خروج الدجال ومکثہ فی الارض (نمبر ۲۳۶۰)

(۷۷) ابن کثیر، البدایة والنہایة، ہشتم ۲۵۷، بلاذری، انساب الاشراف، پنجم ۴۵

(۷۸) بخاری، کتاب التفسیر، سورة النساء (۶، نمبر ۶۰-۵۹)، نسائی، کتاب الجہاد، فضل المجاہدین علی القاعدین (۶، نمبر ۴-۱۰) موخر الذکر نے چار روایات میں سے دو میں حضرت مروان کا ذکر کیا ہے

(۷۹) بخاری، کتاب الشروط، باب مایجوز من الشروط فی الاسلام والاحکام والمبایعة (نمبر ۷-۴-۲۴۶)

(۸۰) بخاری، کتاب التفسیر، سورة الاحقاف (۶، نمبر ۶۷-۲۲۶)

(۸۱) حضرت مروان کی تائید میں جو روایات آتی ہیں ان میں سے اہم ترین روایت عوفی کی ہے، جو ابن عباس سے منقول ہے اگرچہ حافظ ابن کثیر نے اس کی صحت کو محل نظر بتایا ہے اور عام تبصرہ کیا ہے کہ جن لوگوں نے اس کی شان نزول یہ بتائی ہے کہ وہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی تو ان کا قول ضعیف ہے۔ ابن جریج اور مجاہد کی بیان کردہ روایت شان نزول کے بعد انہوں نے پھر دوسروں کا قول کہا ہے کہ وہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔ حافظ ابن کثیر نے امام بخاری کی مذکورہ بالا روایت کے علاوہ ابن ابی حاتم کی روایت بھی نقل کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ کے تبصرہ کے بعد حضرت مروان منبر سے اتر کر ان کے حجرہ کے دروازے پر گئے اور ان سے بات کرنے کے بعد واپس ہوئے حالانکہ اس روایت میں حضرت عبدالرحمٰن کی زبان سے حضرت مروان کو "ابن اللعین" کہلوایا گیا ہے کہ جس کے باپ کو لعنت کا مستحق قرار دیا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ غلط اور الحاقی جملہ ہے۔ اسی طرح کی امام نسائی کی ایک روایت کا ذکر بھی ہے۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، عیسی البابی الحلبی قاہرہ (غیر مورخہ) چہارم ۹-۱۵۸۔ ان روایات سے بہر حال یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو اس آیت کریمہ کی اسی شان نزول کا علم تھا اگرچہ وہ ان کی غلط فہمی، عدم واقفیت، عدم تحقیق پر مبنی تھا۔ اور حضرت مروان ان میں سے ایک تھے اور ان کو جب صحیح صورت معلوم ہوئی تو سکوت اختیار کیا

لو راپنی رائے سے رجوع کرلیا کہ اس کے بعد ان سے ایسا کچھ منقول ہونا مروی نہیں ہے۔

(۸۲) بخاری 'کتاب التفسیر' سورۃ آل عمران (۶/۵۱) مسلم 'کتاب صفات المنافقین واحکامہم (۴/۲۳۴۳)' ترمذی 'ابواب تفسیر القرآن' ومن سورۃ آل عمران (۴/۲۰۵-۲۰۶)

(۸۳) محمد حلیم انصاری 'الاتقان فی علوم القرآن' اردو ترجمہ 'نور محمد ناشر کتب' کراچی (غیر مورخہ) اوّل/۴۷-۴۹ کا جملہ ہے کہ مروان اس آیت کی تفسیر میں اسی غلطی پر قائم رہا تا آنکہ حضرت ابن عباس نے اس کو دور کیا۔

(۸۴) مسلم 'کتاب اللباس والزینۃ' باب تحریم صورۃ الحیوان

(۸۵) جیسا کہ عام طور سے صحابہ کرام کا طرز تنقید اور طریقۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا۔ وہ اس باب میں کوئی رو رعایت یا مداہنت کو روا نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ عید میں صلوٰۃ سے قبل خطبہ یا صلوٰۃ جنازہ کے بعد جنازہ رکھے جانے سے قبل حضرت مروان کے بیٹھ جانے پر حضرات صحابہ کرام کا نقد مروانی منقول ہے۔

(۸۶) بخاری 'کتاب الفتن' باب علامات النبوۃ' باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھلاک امتی الخ

(۸۷) بنو مروان کی خلافت اور ان کے خلفاء کی عمروں اور ان کے عہد میں اسلامی خلافت کے استحکام اور اسلام کی سربلندی کے لئے ملاحظہ ہو:

تاریخ طبری کے متعلقہ ابواب 'ابن کثیر 'البدایۃ والنہایۃ کی جلد ہشتم و نہم وغیرہ کے ابواب۔ مثلاً طبری وغیرہ کے مطابق تخت نشینی کے وقت عبد الملک کی عمر اتالیس سال کے قریب تھی' ان کے جانشین ولید اوّل کا سن تینتیس برس تھا' سلیمان بیالیس سال سے اوپر تھے' حضرت عمر ثانی سینتیس سال کے قریب تھے ان کے جانشین یزید ثانی بھی چھتیس سینتیس کے تھے۔ یہی عمر آخری عظیم اموی خلیفہ ہشام کی تھی۔ ولید ثانی اکتالیس سال کے تھے۔ یزید ثالث چونسٹھ برس کے بوڑھے تھے' اور آخری اموی خلیفہ مروان ثانی چھپن سال کے بزرگ تھے۔ ظاہر ہے کہ ان میں کوئی بھی "غلمۃ" کی تعریف میں نہیں آتا ہے۔

(۸۸) مولانا مودودی کا نشانۂ تحقیق اور ہدف تحریر بالکل یہی ہے کہ وہ حضرت حکم کی "مرودیت" کا ذمہ دار اور وارث حضرت مروان کو قرار دیتے ہیں حافظ ابن کثیر تفسیر ۳/۸۵-۱۸۶ نے لعنت زدہ اور لعنت زدگی کی جو روایات نقل کی ہیں وہ بھی اسی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

(۸۹) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ' مقالہ "مروان بن الحکم" بحوالہ الزرکلی' الاعلام ۸/۹۴

(۹۰) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ' مقالہ "مروان بن الحکم"

نیز عمر فروخ 'العرب والاسلام' نے حضرت مروان کو شیخ بنی امیہ اور دہاۃ العرب میں سے قرار دیا ہے (ص ۹۸) خلافت کے حوالہ سے ان کو تجربہ کار "شیخ" اور اپنے عہد میں بنو امیہ کا "بقیہ" اور "شیخ بنی عبد مناف" (التنبیہ ۳۲۱) بتانے کے علاوہ خالد بن یزید اور عمرو بن سعید کی تمنائے خلافت (الحرص علی الخلافۃ) کے سبب ان کی ولی عہدی تسلیم کرنے اور ان کی خلافت پر بنو امیہ کے اجماع کرنے اور ان کی موت کی دونوں روایات نقل کرنے کا مؤرخانہ کام کیا ہے۔

زبیری ۸۱-۱۸۰ کے مطابق عنبسہ بن سعید بن العاص اموی نے حضرت مروان کو "سید قوی" کہا تھا۔ انہوں نے حضرت مروان کا ایک واقعہ یہ نقل کیا ہے کہ عنبسہ نے حضرت مروان کو ان کے دونوں فرزندوں عبد الملک اور عبد العزیز کے ساتھ کھانے کی دعوت دی اور خاصا اہتمام کیا۔ حضرت مروان نے پیالہ میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ عنبسہ سے پوچھا کہ ان پر کچھ قرض تو نہیں؟ جب ان کو معلوم ہوا کہ ہے تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور فرزندوں کو بھی نہ کھانے دیا اور فضول خرچی کے بجائے قرض ادا کرنے کی نصیحت کی۔

(۹۱) کندی (ابو عمر محمد بن یوسف) کتاب الولاۃ وکتاب القضاۃ' بیروت ۱۹۰۸ء' ۴۸-۴۷ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت مروان مصر میں دو ماہ رہے اور یکم رجب ۶۵ھ کو وہاں سے واپس ہوئے۔ وصیتِ مروانی کی روایت حضرت عبد العزیز بن مروان نے بیان کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

"اوصیك بتقوی اللہ فی سر أمرك وعلانیتك فان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون واوصیك ان لا تجعل لداعی اللہ علیك سبیلاً فان المؤذنین یدعون إلی فریضۃ افترضھا اللہ علیك ان الصلٰوۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً واوصیك ان لا تعد الناس موعداً الا انفذته وان حملت علی الاسنة، واوصیك ان لا تجعل فی شی من الحکم حتی تستشیر فان اللہ عزوجل لو أغنی أحد عن ذلك لاغنی نبیه محمداً صلی اللہ علیه وسلم عن ذلك بالوحی الذی تاتیه: قال اللہ عزوجلّ: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ"

ابو صادق عاشق علی اثری

حقوقِ والدین

(۱۲)

اطاعت والدین طلاق کے معاملے میں : ماں باپ کی اطاعت کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر وہ رفیقۂ حیات کو طلاق دیکر الگ کرنے اور اس سے رشتۂ زوجیت منقطع کرنے کا حکم دیں تب بھی ان کا حکم رد نہیں کیا جاسکتا۔ بشرطیکہ حق والدین کی جانب ہو اور بیوی قصوروار ہو' چنانچہ

○ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں :

كانت تحتي امـرأة وكنـت أحبهـا وكـان عمر يكرههـا، فقال لي: طلقها، فأبيت، فأتى عمر النبي صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: طلقها(۱)

میری زوجیت میں ایک عورت تھی جس سے مجھے بے حد محبت والفت تھی اور (میرے ابا) عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے نفرت تھی' ایک بار انہوں نے مجھ سے کہا کہ اسے طلاق دیدو۔ لیکن محبت کی وجہ سے میں نے طلاق دینے سے انکار کیا' میرے والد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر میری شکایت کردی' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تم اس کو طلاق دیدو۔

○ ابو عبدالرحمٰن کہتے ہیں :

كان رجل منـا بـراً بوالديه فـأمراه أو أمره أحدهمـا أن يتزوّج فتزوج، فوقع بين أمه وبين امرأته شرّ، ووافقه أهله، فقالت له أمه: طلقها، قال: فاشتد عليه أن يطلق امرأته، واشتد عليه أن يعق أمه، قال: فرحل إلى أبي الدرداء، فقصّ عليه قصّته، فقال: ما كنت آمرك أن تطلق امرأتك، ولا أن تعق أمك، ولكن إن شئت حدثتك حديثاً سمعته من النبي صلى الله عليه وسلم الوالد أوسط ابواب الجنة، فحافظ إن شئت أو ضيّع، قال: فأنا أشهدكم أنها طالق، فرجع وقد طلق امرأته(۲)

ہم میں سے ایک آدمی اپنے والدین کا بڑا مطیع وفرمانبردار تھا' اس کے والدین نے یا دونوں میں سے کسی ایک نے اسے شادی کرنے کا حکم دیا تو اس نے شادی کرلی' پھر اس کی ماں اور اس کی بیوی میں اختلاف پیدا ہوگیا اور اس کی بیوی نے اس کی موافقت کی تو ماں نے اس سے کہا کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ اس پر بیوی کو طلاق دینا شاق گذرا اور اپنی ماں کی نافرمانی بھی دشوار ہوئی۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر وہ آدمی ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے اپنا واقعہ بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نہ تو تجھے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیتا ہوں اور نہ اپنی ماں کی نافرمانی کرنے کا۔ لیکن اگر تو چاہے تو میں تجھ سے ایک ایسی حدیث بیان کردوں جسے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ والدین جنت کے بہترین اور افضل دروازوں میں سے ہیں۔ اب اگر تو چاہے تو اس کی حفاظت کر یا اسے ضائع کردے۔ اس آدمی نے کہا کہ میں

---

(۱) سنن أبي داؤد الأدب باب في بر الوالدين ۳۳۲ ح ۵۸۵' جامع ترمذی الطلاق باب ما جاء في الرجل يسأله أبوه أن يطلق امرأته ح ۲۰۲' صحیح سنن ابن ماجہ الطلاق ۱۰ باب الرجل يأمره أبوه بطلاق امرأته ۳۶ ح ۱۶۹۸

(۲) شرح السنۃ باب بر الوالدین ح ۳۴۲۲' جامع ترمذی البر والصلۃ باب الفضل فی بر الوالدین ۳ ح ۱۹۶۲ وقال حدیث صحیح' صحیح سنن ابن ماجہ الطلاق ۱۰ باب ۳۶ ح ۱۶۹۹' صحیح الجامع ۵ ح ۷۳۰۔

آپ لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے طلاق دے دیا۔ پھر وہ واپس گیا اور اپنی بیوی کو طلاق دے دیا۔

○ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بایں الفاظ روایت کیا ہے :

أن رجلاً أتى ابالدرداء، فقال: إن ابى لم يزل بى حتى زوجنى، وإنه الآن يأمرنى بطلاقها، قال ما أنا بالذى آمرك أن تعق والديك، ولابالذى أمرك أن تطلق امرأتك، غير أنك إن شئت حدثتك بما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم ، سمعته يقول: الوالد أوسط أبواب الجنّة فحافظ على ذلك الباب إن شئت أو دع، قال: فأحسب عطاء قال: فطلقها(۱)

ایک شخص ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے والد ہمیشہ میرے پیچھے پڑے رہے یہاں تک کہ میری شادی کردی' اور اب بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیتے ہیں۔ ابودرداء نے کہا کہ میں تجھ کو نہ والدین کی نافرمانی کا حکم دیتا ہو اور نہ بیوی کو طلاق دینے کا۔ البتہ اگر تو چاہے تو تجھ سے ایک حدیث بیان کردوں جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ فرمارہے تھے کہ باپ جنت کا بہترین دروازہ ہے۔ پس اس کی حفاظت کر یا اس کو چھوڑ دے۔ راوی نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ عطاء نے کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا۔

○ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ :

أوصاني رسول الله صلى الله عليه وسلم بعشر كلمات، قال: لاتشرك با لله شيئاً وإن قتلت وحرقت، ولا تعقن والديك وإن أمراك أن تخرج من أهلك ومالك...الحديث(۲)

(۱) الترغیب والترہیب البر والصلۃ باب الترغیب فی بر الوالدین و صلتہما ج۳ ص۳۲۵' سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۹۱۴

(۲) مسند احمد ۵/۲۳۸ صحیح الترغیب والترہیب البر والصلۃ باب الترہیب من ترک الصلوٰۃ تعمداً ج۱/۵۶۷' ارواء الغلیل ۷/۸۹ رقم ۲۰۲۶ علامہ البانی نے ارواء الغلیل میں متعدد طرق نقل کرنے کے بعد لکھا ہے وجملۃ القول ان الحدیث بہذا الطرق والشواہد صحیح بلا ریب۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث ان طرق اور شواہد کی بنا پر بلاشبہ صحیح ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی' آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اگرچہ تجھے قتل کردیا جائے اور نذر آتش کردیا جائے اور اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرنا اگرچہ وہ تجھے اپنی بیوی اور اپنے مال سے نکل جانے کا حکم دیں۔

○ انہیں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا :

أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجل فقال: يا رسول الله! علمنى عملاً إذا أنا عملته دخلت الجنّة فقال: لاتشرك با لله شيئاً وإن عذبت وحرقت، أطع والديك وإن أخرجاك من مالك، ومن كل شئ هو لك، ولاتترك الصلوٰة متعمداً، فإن من ترك الصلوٰة متعمداً، فقد برئت ذمة الله...الحديث(۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا' یا رسول اللہ! مجھے ایسا کام بتادیجئے جس پر میں عمل کرکے جنت میں داخل ہوجاؤں۔ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اگرچہ تجھے عذاب دیا جائے اور جلادیا جائے۔ اپنے ماں باپ کی اطاعت کر اگرچہ وہ تجھے تیرے مال سے اور تیری مملوکہ ہر چیز سے نکال کر باہر کردیں۔ اور قصداً صلوٰۃ کو نہ چھوڑ کیونکہ جو جان بوجھ کر صلوٰۃ کو چھوڑے گا اس سے اللہ کی ذمہ داری ختم ہوجائے گی۔

○ امیمہ مولاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

كنت أصب على رسول الله صلى الله عليه وسلم وضوءه، فدخل رجل فقال: أوصنى، فقال: لاتشرك با لله شيئاً، وإن قطعت وحرقت بالنار، ولاتعص والديك، وإن أمراك أن تخلّى من أهلك ودنياك فتخلّ، ولاتشربن خمراً، فإنها مفتاح كل شرّ، ولاتتركن صلوٰة

(بقیہ ص ۳۰ پر)

(۳) صحیح الترغیب الصلوٰۃ ۵ باب الترہیب من ترک الصلوٰۃ تعمداً ۰ ص ۵۲۲

اطہر نقوی

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

علی بلاغتِ شعر وادب کا اک معیار
علی کی فکر بیاضِ سخن کا ہے شہکار

علی کو پرچمِ فتح وظفر نبی نے دیا
علی ہے فاتحِ خیبر، علی سپہ سالار

علی خلیفۂ رابع وراشد ومہدی
متاعِ اہلِ وقار اس کی عظمتِ کردار

علی نے فسخ عزائم سے رب کو پہچانا
علی ہے حکمت ودانش کے قصر کا مینار

علی وبسترِ نبوی ولیلۃ الہجرۃ
وہ جاں نثارِ نبی زیرِ سایۂ تلوار

علی کو تمغۂ نازِ ابو تراب ملا
علی کی خاکِ بدن سرمۂ اولوالابصار

علی شہید وفا ہے، علی چراغِ وفا
علی کی ذات نشانیِ شجاعت وایثار

علی صحیفۂ دین وادب کا حرفِ جلی
علی سے دانش وفکر ونظر ہوئے گلزار

چراغِ ذاتِ نبی سے کیا تھا کسبِ نور
دلیلِ راہِ وفا اس کی ذات پُر انوار

علیؓ عمر وابوبکر وعائشہ، عثمان
سپہرِ دیں کے یہ سب ثوابت وسیّار

ابن احمد نقوی

تعارف و تبصرہ

نام کتاب : مولانا ابوالکلام آزاد فکر و نظر کی چند جہتیں
مصنف : پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی
قیمت : ۴۰/= روپئے
پتہ : مکتبہ جامعہ نئی دہلی

مولانا ابوالکلام آزاد کی نابغہ روزگار شخصیت اور ان کی ہمہ جہتی خدمات پر اتنا کچھ لکھا جاچکا ہے کہ "ابوالکلامیات" ایک مستقل موضوع بن گیا ہے اور تحقیق و جستجو کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے، برصغیر کے بہت سے دانشور اور محقق اس عظیم المرتبت شخصیت کی فکر و نظر کی مختلف جہتوں کو نمایاں کرنے میں مصروف ہیں اور اردو ادب کو مالا مال کر رہے ہیں۔ پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی بھی ایک دیدہ ور عالم اور محقق ہیں۔ عمر عزیز کا بیشتر حصہ صحافت، تدریس و تحقیق اور تصنیف و تالیف نیز انتظام و انصرام میں گذرا۔ ابوالکلام آزاد کی فکر و نظر ان کے مطالعہ اور تحقیق کا خاص موضوع رہا ہے اس عنوان پر ان کے گرانقدر مقالات ملک کے مختلف موقر علمی جریدوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب ایسے ہی دس اہم مقالات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے ۱۹۶۸ء سے ۱۹۹۴ء کے دوران لکھے۔ پروفیسر فاروقی کو مولانا آزاد سے شرف نیاز بھی حاصل ہوا ہے، اور اس طرح ان کے مضامین دیدہ اور شنیدہ دونوں کیفیات کے حامل ہیں۔ اس کتاب میں پہلا مضمون خانقاہ عظمت اسلام اس انٹرویو کی روداد ہے جو انہوں نے ۱۹۵۰ء میں اخبار مدینہ بجنور کے معاون مدیر کی حیثیت سے نئی دہلی میں مولانا سے لیا تھا۔ اس میں مولانا نے متفرق مسائل پر اظہار خیال فرمایا ہے۔ کتاب کا سب سے طویل مقالہ مولانا آزاد۔ صحرا کی آواز ہے اس میں پروفیسر فاروقی نے مولانا کی کتاب انتقال اختیارات کی دستاویزوں، اور دیگر مصنفین کی کتابوں کے حوالے سے مولانا کی اس دیوانہ وار جدوجہد کا تذکرہ کیا ہے جو آزادی سے عین قبل ملک کی تقسیم کو روکنے کے لئے انہوں نے کی تھی۔ ان کے معتبر ساتھی گاندھی جی اور جواہر لعل نہرو بھی ان کا ساتھ چھوڑ چکے تھے اور ان کی ساری تگ و دو اور بحث و استدلال صحرا کی صدا بن کر رہ گیا تھا اس میں مولانا کے ذہنی کرب کے ساتھ پروفیسر فاروقی کا ذہنی کرب بھی شامل ہے ایک عقیدت مند وقائع نگار، کی حیثیت سے یہ بات بالکل فطری ہے۔ پروفیسر فاروقی نے اس مضمون میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ملک کی تقسیم کے لئے مسلم لیگ کے ساتھ کانگریس بھی برابر کی شریک جرم ہے بات چونکہ تاریخی اور دستاویزی حوالوں سے کہی گئی ہے اس لئے مبنی بر حقائق ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مسلم لیگ کی قیادت عظمیٰ کانگریس یا بالفاظ دیگر ہندوؤں سے جن حقوق اور تحفظات کا پُرشور مطالبہ کر رہی تھی اور جن کے لئے اس نے پوری قوم کو یرغمال بنالیا تھا کیا وہ اپنے ان مطالبات کے سلسلے میں مخلص تھی۔ کیا پاکستان بننے کے بعد وہاں ہندوؤں کو نہ سہی خود مسلمانوں کو وہ حقوق اور مراعات دی گئیں جن کے لئے مسلم لیگ لڑ رہی تھی اور جن کی خاطر اس نے اپنا الگ ملک بنایا۔ آخر مشرقی پاکستان مرکز سے کیوں ٹوٹا۔ باقی ماندہ پاکستان میں مہاجر سندھی تنازعہ، شیعہ سنی تصادم، پنجابی غیر پنجابی کشمکش اور دہشت گردی اور انارکی کی اصل بنیاد کیا ہے۔ آج اکیسویں صدی کی دہلیز پر پہنچ کر بھی وہاں عہد وسطیٰ کا سفاک جاگیردارانہ نظام اور ذہن مسلط ہے۔ بیوروکریسی، فوج جاگیردار اور سرمایہ دار ٹولے نے آکٹوپس کی طرح پورے ملک کو اپنے شکنجہ میں جکڑ رکھا ہے جمہوریت کا کوئی شائستہ تصور نہیں ہے جبکہ ہندوستان میں نہرو خاندان کی وراثت کے باوجود لال بہادر شاستری اور گیانی ذیل سنگھ جیسے عوام کے غریب ترین طبقے کے افراد

بھی وزارت عظمٰی اور صدارت کے عہدوں تک پہنچ چکے ہیں پسماندہ طبقات عملاً اقتدار کے دروبست پر قابض ہوتے جارہے ہیں لیکن پاکستان جو اسلام کے نام پر بنایا گیا وہاں خود مسلمانوں کو بھی بنیادی حقوق حاصل نہیں ہیں اور مملکت خداداد اسلام کے پاکیزہ دامن پر ایک بدنما داغ بن گئی ہے۔ مسلم لیگ کی بے بصیرت سیاست اور قیادت نے برصغیر کے مسلمانوں کو کہاں سے کہاں پہنچادیا اس خونچکاں داستان کو بیان کرنے کا حوصلہ کس میں ہے۔

آج یہ کہنا کہ ملک کی تقسیم کے لئے جواہر لعل کی ضد گاندھی جی کے موقف کی تبدیلی اور پٹیل کا ہندوتو ذمہ دار ہے واقعاتی طور پر صحیح ہوسکتا ہے مگر سیاسی سودے بازی کے تناظر میں اسے شاطرانہ حکمت عملی ہی کہا جائے گا مسلم لیگ نے اپنے مذموم مقاصد کے لئے مذہب کا نام استعمال کیا اس نے ایک طرح کانگریس (بقول لیگی حضرات ہندو کانگریس) کو نرغے میں لینے کی کوشش کی اس کا توڑ کرنے کے لئے کانگریس میں ہندوتو کی طاقتور لابی جس کے سربراہ سردار پٹیل تھے، کھل کر سامنے آگئی اس نے نہ صرف تمام قوم پرست طاقتوں کو پیچھے دھکیل دیا بلکہ گاندھی جی اور نہرو کو بھی بے دست وپا کردیا۔ ادھر مسلم لیگ نے سبزباغ دکھا کر مسلمانوں کو اپنے گرد اکھٹا کرلیا تھا۔ اس طرح پوری قوم فرقہ پرستی کی بنیاد پر دو صفوں میں تقسیم ہوگئی تھی اور سیکولر قوم پرست عناصر بالکل غیر موثر ہوکر رہ گئے تھے پروفیسر فاروقی نے کرپس کے نام گاندھی جی کے ایک خط کا حوالہ دیا ہے جو کیبنٹ مشن پلان کے سلسلے میں لکھا گیا تھا اس میں ہندو اور مسلم اکثریت کے صوبوں کے درمیان مساوات (پیرٹی) کے سوال پر گاندھی جی لکھتے ہیں:

"چھ ہندو اکثریت کے صوبوں اور پانچ مسلم اکثریت کے صوبوں کے درمیان پیرٹی (مساوات) ایک ایسا مشکل مسئلہ ہے جس کا کوئی حل نہیں ہے مسلم اکثریت کے صوبوں میں ۹ کروڑ سے کچھ اوپر اور ہندو اکثریت کے صوبوں میں ۱۹ کروڑ کی آبادی ہے یہ تو اصل میں پاکستان سے بھی بری صورت حال ہوگی اس کے بجائے تجویز یہ ہے کہ مرکزی قانون ساز جماعت کی تشکیل آبادی کی بنیاد پر ہو اور ایگزیکٹو کی بھی" (ص ۸۰)

اس حوالہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلم لیگ کی طرح کانگریس کی قیادت عظمٰی بھی سیاسی سودے بازی میں قومی مفاد سے زیادہ اپنے قبیلے کے مفاد کو سامنے رکھ رہی تھی، صرف مولانا آزاد تھے جو وقت کے اس طوفانی دھارے کے خلاف تن تنہا لڑ رہے تھے اس کا انجام جو ہونا چاہئے تھا وہی ہوا۔

کانگریس میں ہندوتو کی لابی کے بارے میں بہت کم لکھا گیا ہے۔ حالانکہ آزادی سے قبل بھی اس لابی کا زبردست اثر تھا اس نے گاندھی جی اور نہرو دونوں کو بے بس کررکھا تھا۔ ملک کی تقسیم کے بارے میں گاندھی جی کا اپنا موقف یہ تھا کہ تقسیم ان کی لاش پر ہی ممکن ہوسکے گی۔ لیکن پھر جلد ہی انہوں نے اپنا موقف تبدیل کرلیا ظاہر ہے کہ اس میں سردار پٹیل اور ان کی ہندو لابی کا زبردست دباؤ کار فرما رہا ہوگا۔ جواہر لال نہرو سوشلسٹ تھے ہندو لابی براہ راست انہیں مجبور نہیں کرسکتی تھی لہٰذا انہیں زیر کرنے کے لئے لیڈی ماؤنٹ بیٹن کو استعمال کیا گیا۔ مولانا آزاد سے ماؤنٹ بیٹن نے بھی دغا کی اور ان کے ساتھیوں نے بھی بے وفائی کی۔ مولانا نے ماؤنٹ بیٹن سے اصرار کیا کہ ملک کی آزادی صرف دو سال کے لئے موخر کردی جائے تاکہ فریقین باہمی مصالحت سے اپنے اختلافات کا کوئی حل تلاش کرسکیں۔ کانگریس اور ماؤنٹ بیٹن دونوں نے ہی مولانا کا ساتھ نہیں دیا ماؤنٹ بیٹن تو تقسیم کا پلان لے کر ہی آئے تھے وہ اپنے پلان کو ناکام ہوتے دیکھنا کیوں پسند کرتے انہوں نے آزادی کی آخری تاریخ جون ۱۹۴۸ء سے بھی بہت پہلے ملک کا تیا پانچہ کرکے رکھ دیا۔ مولانا آزاد کی آواز ہی صدا بصحرا نہیں ہوئی وہ خود بھی ایک جمود بن کر رہ گئے۔ ماؤنٹ بیٹن کو اپنی اسکیم میں ہندوتو لابی سے بڑی مدد ملی۔ اس نے راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ یعنی گاندھی جی کو ہموار کرلیا۔ اسی ہندوتو کی لابی نے گاندھی جی کو قتل بھی کرایا۔ راج گوپال اچاری کو ملک کا صدر جمہوریہ بنانے کی جواہر لال کی کوششوں کو ناکام بنادیا اور اپنے امیدوار ڈاکٹر راجندر پرشاد کو کامیاب کرایا۔ سوم ناتھ مندر کی تعمیر نو کے بعد سیکولر ہندوستان کے صدر سے اس کا افتتاح کرایا اور اس بارے میں جواہر لال کے اعتراض کو یکسر مسترد کردیا۔ اس لابی کے سرپرست پٹیل کے طنطنہ کا جو عالم تھا اس کا ذکر مولانا آزاد نے انڈیا ونس فریڈم میں کیا ہے جواہر لال سخت ذہنی کرب میں مبتلا تھے کہ دلی میں مسلمان کتے بلیوں کی طرح مارے جارہے ہیں اور وہ وزیر اعظم ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکتے۔ گاندھی جی بھی بہت زیادہ مضطرب تھے اور ان کی اس مسئلے پر پٹیل سے تکرار بھی ہوئی پٹیل کی جسارت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ انہوں نے گاندھی جی کو بھی جھڑک دیا اور ان کی باتوں پر کوئی دھیان نہیں دیا۔

انہی سردار پٹیل کو عبوری حکومت میں مسلم لیگ کے نمائندے نواب زادہ لیاقت علی خاں نے بطور وزیر خزانہ اتنا بے بس

کردیا تھا کہ وہ اپنی وزارت داخلہ میں ایک چپراسی کا تقرر بھی نہیں کرسکتے تھے پٹیل اس صورت حال سے اتنا عاجز آگئے تھے کہ ملک کو تقسیم کرکے مسلم لیگ سے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے۔ ہندوتو کے ایک کٹر حامی آنجہانی گری لال جین تقسیم ہند کے حق میں یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ اگر تقسیم نہ ہوتی تو ہندوستان میں لبنان جیسی خانہ جنگی ہوتی اور صورت حال کو سنبھالنا ناممکن ہوتا۔

گاندھی جی کے کردار کا ایک منظر نامہ یہ ہے کہ ہندو سماج کو تقسیم اور انتشار سے بچانے کے لئے انہوں نے انہیں ہر قسم کی مراعات اور تحفظات دینا منظور کیا اور ڈاکٹر امبیڈکر کو اپنے سے الگ نہیں ہونے دیا انہوں نے ان کی ہندو دھرم چھوڑ کر بودھ دھرم قبول کرنے کی بات بھی مان لی لیکن جب مسلمانوں کے حقوق و مراعات کی بات آئی تو انہوں نے تقسیم ملک کو منظور کرلیا لیکن مسلمانوں کو کوئی خاص رعایت یا تحفظ دینے کو تیار نہیں ہوئے۔ اب یہ تاریخ اور حالات کی ستم ظریفی ہے کہ جن ہریجنوں کو انہوں نے سینہ سے لگایا آج وہی شیڈولڈ کاسٹ بن کر انہیں گالیاں دے رہے ہیں۔

رہی گاندھی جی اور نہرو کے ساتھ چھوڑنے کی بات تو سیاست میں یوسف بے کارواں کا کیا وزن ہوسکتا ہے یہاں تو رہبر وہ ہوتا ہے جس کے پیچھے جم غفیر ہو۔ مسلم لیگ نے جذباتی نعروں کے ذریعہ مسلمانوں کا جم غفیر اپنے گرد اکٹھا کرلیا تھا اور گاندھی جی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ مسلمان کدھر جارہے ہیں ۱۹۴۵ء کے انتخابات کا نتیجہ دیکھ کر گاندھی جی کو ماننا پڑا کہ مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اب سیاسی مصلحت کا تقاضہ یہی تھا کہ مولانا آزاد اور ان کے ساتھ قوم پرست مسلمانوں کو نسبتاً چھوٹی بھیڑ کو نظرانداز کردیں یہ بات سیاسی میزان میں وزن کی تھی اخلاقیات کا معاملہ نہیں تھا ہاں یہ تکلیف دہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ گاندھی جی جو تمام عمر اخلاقی سیاست 'اصولوں اور اقدار کے تابع رہے مولانا آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کے آڑے وقت میں ان کا ساتھ چھوڑ گئے حالانکہ ان سب نے کانگریس کی حمایت میں مسلم لیگ کی سفاک جذباتی سیاست کا جیسی پامردی سے مقابلہ کیا تھا اس کی مثال بصیرت و عزیمت کی تاریخ میں کم ملے گی۔ لیکن بہرحال یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ گاندھی جی اور نہرو کو بھی بالکل اسی انداز سے سوچنا چاہئے تھا جیسے مولانا آزاد سوچ رہے تھے۔ ہر شخص کی اپنی فکر ہوتی ہے اپنی مصلحتیں اور مفاد ہوتے ہیں اور پھر سب سے بڑھ کر اپنا انا ہوتا ہے کوئی شخص ان سب سے دست بردار ہونے کو آسانی سے تیار نہیں ہوتا۔

پروفیسر فاروقی نے مولانا آزاد کی فکر و نظر کی مختلف جہتوں کی بڑی کامیاب عکاسی کی ہے۔ ان کی نظر مورخانہ اور انداز عالمانہ ہے۔ اس کتاب کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ پروفیسر فاروقی نے برملا اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ مولانا آزاد سلفی فکر اور عقیدہ سے متاثر تھے اور وہابی تھے۔ مولانا آزاد پر اب تک جتنی کتابیں اور مقالے لکھے گئے ہیں ان میں بیشتر نے اس حقیقت کو دبانے یا اس سے صرف نظر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک مولانا کی سلفیت یعنی اہل حدیث مسلک سے وابستگی کوئی ایسی بات نہیں جس کا نوٹس لیا جائے' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کے نصف اول میں اسلامیان ہند نے جو دو عظیم ترین ہستیاں پیدا کیں یعنی سرسید اور ابوالکلام آزاد' دونوں ہی مسلک سلف کے پابند تھے۔ مولانا آزاد سرسید کی اولاد معنوی تھے اور ایک لحاظ سے دوسرا پہلے کا تکملہ تھا کہ اس نے اپنے مرشد کے اس مشن کو جو صراط مستقیم سے بھٹک گیا تھا راہ راست پر لانے کی کوشش کی ممکن ہے مولانا آزاد نے سلفیت کا پہلا سبق سرسید کی فکر سے ہی لیا ہو پھر علامہ محمد یوسف رنجور کی صحبت اور قربت نے اس رنگ کو اتنا گہرا کردیا کہ وہ قلب و نظر میں جاں گزیں ہوگیا پروفیسر فاروقی مولانا کی سلفیت کے اعتراف میں کوئی جھجک یا شرمندگی محسوس نہیں کرتے انہوں نے مسئلہ امامت کے بارے میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا بھی تذکرہ کیا تھا جو مولانا کی وہابیت کے سبب ان کی امامت کے موید نہیں تھے پروفیسر فاروقی کے اس بیباک اعتراف کی اہمیت اس لئے اور بڑھ جاتی ہے کہ ایک خاص مسلک کا ایک گروپ مولانا کی کردار کشی میں مدتوں سے مصروف ہے مولانا کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانے' واقعات کو مسخ کرکے بیان کرنا اور مولانا کی شخصیت کو داغدار کرنا اس کا خاص شیوہ ہے اس گروہ نے بقول مولانا عبدالحمید رحمانی "خانقاہی نظام سے بغاوت کرنے پر آج تک مولانا آزلو کو معاف

نہیں کیا ہے"۔ مولانا کی بابت واقعات کو مسخ کرنے کی ایک مثال دلی اردو اکیڈمی کا "دلی والے" کے موضوع پر سیمینار ہے جس میں مولانا آزاد کے بارے میں دلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے ایک استاذ کا مقالہ شامل ہے اس میں ان صاحب نے ۱۹۴۹ء میں علی گڑھ یونیورسٹی کنووکیشن کے موقعہ پر طلباء یونین سے مولانا کے خطاب کی رپورٹنگ کی ہے۔ شاہ حسن عطا جو مولانا کی بابت بدگوئی میں شہرہ آفاق ہوچکے ہیں یونین کے عہدیدار تھے انہوں نے نہایت جذباتی اور غیر دانشمندانہ اور تلخ لہجہ میں تقریر کی اس کے بعد سیمینار کے مقالہ نگار کی رپورٹ ملاحظہ کیجئے۔

"لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے ذاکر صاحب کے چہرے سے بے چینی کے آثار نمایاں تھے۔ مولانا آزاد کے چہرے کا رنگ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا معلوم نہیں کون سا آتش فشاں پھٹ پڑے شاہ حسن عطا نے تقریر ختم کی تو مولانا آزاد لپک کر اٹھے اور جلسہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "مجھے یہ خیال تھا کہ آپ لوگ مجھ سے سنیں گے مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ مجھے سننا پڑے گا میں جن ترقی کے دروازوں کو کھلا دیکھ رہا تھا وہ تمہاری قسمت میں نہیں ہیں۔ وہ دروازے بند ہوچکے ہیں یہ اس شخص کی تحریر ہے جو ۱۹۴۹ء میں نو عمر تھا اور شعور و فہم کی اس منزل میں نہیں تھا کہ مولانا آزاد کی بات کو صحیح ڈھنگ سے پوری طرح سمجھ سکے لیکن اس کے دماغ میں مولانا کے خلاف جو تعصب تھا وہ عمر کی طویل منزلیں طے کرنے کے بعد بھی باقی رہا اس تعصب نے اسے اجازت نہیں دی کہ مقالہ لکھتے وقت مولانا کی تقریر کا ریکارڈ دوبارہ دیکھ لے اور اسے سنجیدگی سے سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کرے اور دیانتداری سے حق بات کہے جو کچھ فاسد مواد اس کے دماغ میں کئی دہائیوں سے بھرا ہوا تھا اسے بجنسہ نقل کردیا اب اس بارے میں پروفیسر فاروقی کا بیان ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ بات کیا تھی اور کیا کردی گئی۔

انہوں نے بدلے ہوئے حالات میں طلبہ کا حوصلہ بڑھایا اور خوش آئند امیدوں کے ساتھ مستقبل کا خیر مقدم کرنے اور بڑے بلیغ انداز میں مستقبل کے مسائل اور امکانات کی طرف کھلی آنکھوں سے دیکھنے اور آنے والے زمانے کی آواز سننے کی تلقین کی۔ انہوں نے کہا

مجھے علم نہیں کہ آپ کی ذہنی حالت کیا ہے میں نہیں جانتا مستقبل کے کون سے رنگ آپ کے سامنے ہیں کیا یہ دروازوں کے بند ہونے کا پیغام دیں گے یا نئے دروازوں کے کھلنے کا۔ جن کے وسیلے سے آپ نئے تجربات سے نئے مناظر سے روشناس ہوں مجھے معلوم نہیں آپ کے سامنے کون سے مناظر ہیں لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے کون سے مناظر دیکھے ہیں ہو سکتا ہے کہ آپ سوچیں جو دروازے کھلے ہوئے تھے اب بند ہوچکے ہیں مگر میں نے دیکھا ہے کہ جو دروازے مقفل تھے وہ اب کھل گئے ہیں......۔

تفاوت است میان شنیدن من وتو
تو بستن درو من فتح باب می شنوم (ص ۱۰۳)

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بھی اپنی کتاب میں مولانا کی تقریر اسی طرح نقل کی ہے۔ دیکھئے پروفیسر فاروقی کی کتاب سے مولانا پر لگائے اتہام کی حقیقت کس طرح ظاہر ہوگئی اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے پروفیسر فاروقی اور ان جیسے دیگر جری اور حق گو دانشوروں کو جو مولانا کے بارے میں کلمۂ حق کہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں اور اس راہ میں ایک عمر سے مصروف جہاد ہیں۔

افکار آزاد کی معنویت (ہندوستانی مسلمانوں کے حوالے سے) فکر انگیز مقالہ ہے۔ پروفیسر فاروقی کے الفاظ میں "مولانا آزاد کے نزدیک اسلام قومیت جمہوریت اور سیکولرزم کی راہ میں حائل نہیں ایک سچا مسلمان محب وطن رہ کر بھی مسلمان رہ سکتا ہے اور اسلام کی مہتم بالشان خدمت کرسکتا ہے (ص ۵۹)

غبار خاطر اور تذکرہ کے حوالے سے پروفیسر فاروقی کے دونوں مضامین مولانا آزاد کے علمی تبحر اور ادبی مرتبے کی آئینہ داری کرتے ہیں تذکرہ سے مولانا علیہ الرحمہ کا عظیم خاندانی پس منظر نمایاں ہوتا ہے اور غبار خاطر سے ان کا وہ ادبی اسلوب جس نے غبار خاطر کو اردو کے ادب عالیہ (کلاسیکل لٹریچر) میں جگہ دی ہے۔

۱۵۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ابوالکلامیات کے ذخیرہ میں قابل قدر اضافہ ہے اور اسے ہر معتبر قاری کے ہاتھوں میں پہنچنا چاہئے۔

نام کتاب : سبزۂ معنی بیگانہ
شاعر : فضا ابن فیضی
قیمت : ۲۵/=
ملنے کا پتہ : مکتبہ التوعیہ ۱۱۶مری-۳ جوگابائی
جامعہ نگر نئی دہلی-۲۵

سبزۂ معنی بیگانہ فضا کے طویل شعری سفر کی چھٹی منزل ہے ۵۰ سال سے زیادہ کے اس سفر کے دوران وہ فکر و فن کی جن سنگلاخ وادیوں سے گذرے ہیں۔ احساس وادراک کے جن تلخ اور زہرہ گداز راہوں کو طے کیا ہے۔ بے مہری و بے اعتنائی کے جن دل شکن تجربات سے دوچار ہوئے ہیں یہ ان کی کربلائے حیات کی داستان ہے اس کا ذکر ان کے کلام میں ہر جگہ ملتا ہے۔ کہیں تیز کہیں مدہم لے میں وہ اپنی ذات کا یہ کرب ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ ان تجربات واحساسات نے ان کے کلام میں تلخی بھی پیدا کی اور اعتماد و خود شناسی بلکہ تعلی اور انا کا گہرا رنگ بھی۔ شاید ہم عصر شعراء میں انا و تعلی کا جتنا واضح اور پرزور آہنگ ان کے ہاں ملتا ہے کسی اور کے ہاں نہیں ملے گا۔ کہیں کہیں تو اس میں مبارزت اور چیلنج کا رنگ آجاتا ہے۔ تعلی کا یہ انداز اور لہجہ کچھ فضا کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے ہر دور میں ہر بڑے شاعر نے اپنی عظمت کا اعتراف کرانے اور اپنے وجود کو منوانے کے لئے اپنی جلالت فن کا نقارہ خود ہی بجایا ہے۔ متنبی، فردوسی، حافظ خاقانی، حافظ عرفی، میر، انیس، غالب، اقبال وغیرہ سب کے ہاں تعلی اور انا کا ایسا ہی اظہار ملتا ہے۔

انا عزۃ الوادی اذا ما زوحمت
فاذا نطقت فاننی الجوزاء

بسی رنج بردم دریں سال سی
عجم زندہ کردم بدیں پارسی

سخن گفتن بہ کہ ختم است می گوئی وہی پرسی
فلک را بیں کہ می گوید بخاقانی بخاقانی

حسد چہ می بری اے ست نظم بر حافظ
قبول خاطر ولطف سخن خدا داد است

اقبال سکندر بجہاں گیری نظم
برداشت بیکدست قلم را وعلم را

مانہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما

مستند ہے میرا فرمایا ہوا
سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

مری قدر کر اے زمین سخن
تجھے بات میں آسماں کر دیا

ایک عظیم اور قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے فضا بھی اپنی فکری وفنی عظمتوں سے باخبر ہیں۔ عظمتوں کا یہی عرفان ان سے کہلواتا ہے۔

الجھ کے پاؤں میں کتنی زمینیں ٹوٹ گئیں
یہ کس بلندی پہ قائم ستارہ ہے میرا

سورج اسی زمین کا ہوں لیکن یقین کر
مجھ پر زوال دھول میں اٹ کر نہ آئے گا

میرے ہاتھوں کا قلم ہے یہ عصائے درویش
یہی اک دن مجھے خورشید کلا ہی دے گا

تیرے لفظوں کو خبر کیا کہ فضا ہے کیا چیز
اپنی میزان میں تو لا ہے معانی نے اسے

جہاں جہاں پہ گرا تھا مرے قلم کا لہو
فضا وہیں وہیں نقش کمال تازہ ہوا

قناعت اپنے ہی ناقص وجود پر کر لوں
کہاں تلاش کروں آخر اپنا ثانی میں

غالب نے اپنے آپ کو عندلیب گلشن نا آفریدہ کہا تھا جس کے نشاط تصور کی گرمی انھیں نغمہ سنج رکھتی تھی۔ فضا بھی خود کو ایسا تخم زمین قرار دیتے ہیں جسے موسم شاخ و شجر سے پکار رہا ہے۔

ہنوز تخم زمیں ہوں مگر مرا موسم
فراز شاخ و شجر سے پکار تا ہے مجھے

لیکن جس طرح غالب کو اپنا وجود منوانے کے لئے مطالبہ کرنا پڑا تھا۔

تو اے کہ محو سخن گستران پیشینی
مباش منکر غالب کہ در زمانہ تست

اسی طرح فضا بھی سوال کرتے ہیں کہ آخر ان کا عہد ان کا اعتراف کب کرے گا۔

میں کیسا سنگ ہوں میزان میں نہیں آتا
کرے گا عہد مرا اعتراف کب میرا

وہ چہرہ ہوں کہ بے چہرگی کی زد میں ہوں
مری شناخت نہ کر پائے گا ادب میرا

نظر انداز کئے جانے کے اسی دل شکن احساس کے تحت وہ اپنے فن کو رائگاں قرار دیتے ہیں اور ہنر پر خاک ڈالنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

مقدر اپنا ہے جب یونہی گرد گرد رہنا
یہی کروں کہ اب خاک اپنے ہنر پہ ڈالوں

فائدہ کچھ نہ ہوا علم و ہنر سے اپنے
دھوپ ہی دھوپ ملی ہم کو شجر سے اپنے

ورق ورق ہے وہی کرب رائگانی کا
مرا یہ دکھ کہ ہنر دوسرا نہ جانوں میں

فضا کہو نہ اسے تم حدیث شعر وادب
یہ جائزہ ہے سراپائے رائگانی کا

احساس کی اس تلخی اور شدت کے باوجود فضا اپنے فکروفن کو "رائگاں محض" نہیں سمجھتے انہیں اپنے معتبر قاری پر اعتماد ہے کہ وہ انہیں بھولیں گے نہیں۔

پھر بھی کب بھولیں گے میرے معتبر قاری مجھے
میں نے گو خود کو بساط رائگاں پر لکھ دیا

ذرا ذرا سہی محفوظ ہے کتابوں میں
یہ رائگاں نہیں سارا کہا سنا میرا

اپنے قلم اور اپنے ہنر کے بارے میں کتنے اعتماد سے کہتے ہیں۔

ہزار آشوب، میں اکیلا
مجھے قلم کی سپر ہے سب کچھ

خدا کرے، نہ اب اس سے چھوٹوں
یہ قید فکر ونظر ہے سب کچھ

فضا متاع قلم کو سنبھال کے رکھو!
کہ آفتاب اسی دُرجِ گہر سے نکلے گا

یعنی تمام تر تلخی و بدمزہ ہونے کے باوجود اور اپنے فکروفن کو رائگاں قرار دینے کے باوجود وہ اسے ترک کرنے یا اس سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہیں ہیں اور "شہرت شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن" کے اعتماد سے سرشار ہیں فضا کے اس مجموعۂ کلام میں افتادگی اور پسپائی کا وہ احساس نہیں ہے جس نے ان سے کہلوایا تھا۔

جھکا لو سر کوئی خنجر اگر بلند کرے
اس اعتراف میں امکان بہتری کا ہے

اس کے برعکس عزم اور حوصلہ کا ایک نیا اور زندگی بخش انداز ہے۔

عافیت تھوڑی بہت خنجر کھلا رکھنے میں تھی
کب نجات اپنی رویہ دوسرا رکھنے میں تھی

تاہم اس حوصلہ کے باوجود حالات کے جبر کا کرب اپنے عصر کے ہمہ جہتی زوال و انحطاط کا ماتم، اخلاقی اقدار کی تباہی کا غم، جو ان کی فکر اور کلام کی شناخت بن گیا ہے، ہر جگہ موجود ہے وہ تڑپتے دل، غمناک نگاہوں اور

المناک خاموشی سے اپنے گردوپیش تباہیوں اور بربادیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ احساس کی جان کنی کے اذیت ناک تجربوں سے گذرتے ہیں شکست وریخت کے ان مناظر کو دیکھ کر ان کی روح فریاد کرتی ہے اور وہ خود سراپا ماتم بن جاتے ہیں یہی ماتم اور الم ان کی فکر پر چھا جاتا ہے اور ان کی شاعری حدیث کرب وبلا بن جاتی ہے۔ لیکن فضا کا انداز یہ رہا ہے کہ وہ مایوسی کے اندھیروں میں بھی امید کی کرن دیکھ لیتے ہیں دل شکن حالات میں بھی عزم وحوصلہ کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیتے۔ خود جیتے ہیں اور دوسروں کو زندہ رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ رجائیت اور حوصلہ مندی بھی ان کی فکر کی پہچان ہے۔ وہ حقائق کی سنگینی سے آنکھیں بند نہیں کرتے مگر خود کو مایوسی کے حوالے بھی نہیں کرتے۔

زندگی شغل ہزیمت میں ہوئی صرف تمام
آخری تیر بھی اب لاؤ کماں سے چھوڑوں

امتیں ہاتھ میں کشکول لئے پھرتی ہیں
کس پیمبر کی بشارت ہوئی ٹکڑے ٹکڑے

شہر پھر جل اٹھے مبارک ہو
مدتوں سے پڑے تھے گھر تاریک

تمازت وقت ایسے محسوس کم ہو شاید
لہو میں اپنے بھگولوں چادر تو سر پہ ڈالوں

اسی کی روشنی میں ہم بھی نکلیں گے سفر کو
بچھڑ کر جانے والو' گھر کو جلتا چھوڑ جانا

آگ لگانے والوں کی فنکاری دیکھ
گھر جلتے ہیں شعلے پس منظر میں ہیں

لکڑی کی تلوار سنبھالے لشکر لشکر میں
شاید ہوں اگلے وقتوں کا کوئی سکندر میں

ان اشعار میں ان کے احساس کا کرب قاری کے ذہن میں بھی نشترزنی کرتا ہے لیکن امید کی روشنی اور حوصلہ اس چبھن کو کم بھی کردیتے ہیں۔

اس کا پتھر دریچے کھول گیا
نہ رہے اب دماغ وسر تاریک

رہا خموش نہ خوف فساد خلق سے میں
غبار دل میں جو تھا آئینوں پہ ڈال دیا

روکتی کیا مجھے حالات ومسائل کی گرفت
زندگی ہے تو یہ دلدل کا سفر ہے جاری

نواح دشت میں ہوں جلتے چراغ کی صورت
کسے دماغ ہوائے سحر میں رہنے کا

خزاں کی دھوپ ہوں میں سایۂ بہار نہیں
کہ دکھ اٹھاؤں کنار شجر میں رہنے کا

نہ رہی پاؤں تلے اس کی زمیں
میں ہوں اپنی جگہ اب بھی قائم

ہمارا درد ہواؤں سے پوچھتے کیا ہو
چراغ خود ہی کریں گے حفاظتیں اپنی

ابد تک صورت حرف ازل باقی رہوں گا
مجھے ہیرے سے اس نے وقت کے شیشے پہ لکھا ہے

ان شعروں میں نہ مرثیہ خوانی کا انداز ہے نہ لہجہ کی گھن گرج جھنجلاہٹ یا نعرہ بازی ہے۔ فضا کا لہجہ سدا ہی دھیما متوازن اور پُروقار ہوتا ہے مزاج وفکر کا یہ اعتدال ان کی زندگی میں بھی ہے اور شاعری میں بھی۔

فضا نے اپنے ہر مجموعے میں چند خاص الفاظ کی تکرار کی ہے جنھیں کبھی وہ علامتی انداز میں استعمال کرتے ہیں اور کہیں براہ راست لہجے میں۔ سفینۂ زر گل میں "صلیب و مقتل" "دار و زنداں" دوسرے مجموعے میں "کھنڈر اور خواب" اسی طرح زیر نظر کتاب میں "رائگانی" کا لفظ

بار بار آیا ہے ایک پوری غزل "رائگانی کا" کی ردیف میں ہے ان علامتوں یا لفظیات سے ان کے ذہن کی کیفیات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ رائگاں اور رائگانی کو انہوں نے اپنی اس مایوسی کے اظہار کے لئے استعمال کیا ہے جو انہیں اپنے فن کی ناقدری کے باعث ہوئی ہے اس میں بیزاری اور تھکن کا احساس بھی شامل ہے۔

مسودہ ہوں فضا میں بھی رائگانی فن کا
کہاں سنبھال کے رکھوں یہ انتخاب پرانے

بہت ہے اک یہی شغل رائگانی کا
میں سنگ سنگ بکھیروں لطافتیں اپنی

رائگانی کے سفر کی کچھ نشانی چاہئے
جمع کرلوں کچھ نقوشِ پا ذرا آہستہ چل

یہیں پر ختم ہے سارا تماشہ رائگانی کا
کہاں تک اپنے بازو اور پھیلائے سکت میری

یہی شگاف قلم ہے شگاف جاں یعنی
مجھے میرے ہنر رائگاں نے توڑ دیا

یہ اشعار فضا کی کتاب زندگانی کا المیہ کہے جاسکتے ہیں۔ عمر بھر قلم سے تیشہ زنی کرکے انہوں نے فکروفن کی جوئے شیر تو بنادی لیکن خسروان ادب کو ایک نگاہ بے محابا کی بھی فرصت نہ تھی اس لئے فضا کو تغافل ہائے تمکیں کا گلہ ہونا ہی چاہئے۔

دوسرا لفظ یا استعارہ جو انہوں نے استعمال کیا ہے وہ ہے "ہجرت" یہ لفظ بھی ان کے ہاں بار بار آیا ہے اور پہلی بار اسے انہوں نے کثرت سے استعمال کیا ہے۔ ہجرت۔ یہ لفظ اپنے اندر جو کرب اور یاس انگیزی رکھتا ہے وہ سب جانتے ہیں اسے اگر تقسیم وطن فسادات خوف اور بے چارگی کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اس کا تاثر اور بھی گہرا ہو جاتا ہے۔ فضا کے ہاں بھی اس کا استعمال اسی المناک پس منظر میں ہوا ہے۔

ہجرتوں کی آندھیاں ہیں تیز قدموں کو سنبھال
چیختا ہے گھر کا دروازہ ذرا آہستہ چل

سارے آہو تو کسی کے شہر ہجرت کر گئے
جز مرے، اب اور کیا تاتار میں رہ جائے گا

شہر مرحوم میں، جاں گسل ہجرتوں کے وہی سلسلے
یہ زمیں، کس کا ورثہ تھی اے آسماں، پھر ذرا سوچنا

زندگی، خیمۂ ہجرت کی طرح ہے خالی
ابھی لوٹے نہیں ہم لوگ، سفر سے اپنے

اسی کی روشنی میں ہم بھی نکلیں گے سفر کو
بچھڑ کر جانے والو گھر کو جلتا چھوڑ جانا

فضا کے کلام کی ایک خصوصیت اس کی لفظیات بھی ہے یہ شوکت الفاظ ان کی شاعری کو آہنگ وصوت کا ایک نیا شکوہ عطا کرتی ہے۔ ان کے یہاں جدید لہجہ کے ساتھ الفاظ کا استعمال اور انتخاب کلاسیکل انداز کا ہے جو انہیں ان کے بہت سے ہم عصر شعراء سے ممتاز کرتا ہے یہ اسلوبیاتی تنقید کا بھی ایک دلکش موضوع ہے تاہم اس کے ساتھ فضا نے کچھ ایسے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جنہیں محل نظر کہا جاسکتا ہے مثلاً۔

ع پھر وہی لفظیں وہی جملے پرانے
ع ہم ہیں کن سورجوں کی بستی میں

لفظیں اور سورجوں جیسی ترکیبیں نو عمر اور نو مشق شاعر اپنے آپ کو جدید لب ولہجہ کا شاعر بتانے کے لئے گھڑتے اور استعمال کرتے ہیں فضا جیسے قادر الکلام شاعر کو یہ انداز زیب نہیں دیتا۔

"سبزۂ معنیٔ بیگانہ" مجمع البحوث الاسلامیہ نئی دہلی نے بڑے اہتمام سے بہت خوبصورت اور دیدہ زیب کتابت وطباعت اور گیٹ اپ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ کتاب معنوی اور صوری دونوں اعتبار سے بڑی پُرکشش ہے۔ امید ہے کہ فضا کے دیگر شعری مجموعوں کی طرح اس کو بھی قبول عام حاصل ہوگا۔

بقیہ: آفتاب احمد کی وفات

نیز دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے سیئات سے درگزر فرمائے اور ان کے حسنات کو شرف قبولیت بخشے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر عطا فرمائے۔ (آمین)

مولانا عبدالحمید رحمانی

استاذی العلام نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادۂ گرامی آفتاب احمد رحمہ اللہ کی وفات کا حادثہ

اسلام دشمن طاقتوں اور برطانوی استعمار کی سازش کے نتیجہ میں ہندوستان کی تقسیم کا حادثہ جانکاہ پیش آیا اور اس نے ملت اسلامیہ کی کمر توڑدی' سلفیان ہند تو یکسر ٹوٹ کر رہ گئے' اس حواس باختگی کے عالم میں بنگلہ دیش (سابق مشرقی پاکستان) میں علامہ عبداللہ الکافی اور پاکستان (سابق مغربی پاکستان) میں مولانا محمد اسماعیل سلفی گجرانوالہ رحمہ اللہ اور ہندوستان میں علامہ نذیر احمد رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اپنے ملک میں کتاب اللہ' سنت رسول اور فہم صحابہ پر مبنی عقیدہ و منہج سلف اور توحید خالص اور اتباع رسول کے حامل مسلمانوں کے پاؤں جمانے' انہیں نیا حوصلہ بخشنے اور ان کے اندر غیرت حق کی اسپرٹ کی بقاء و تحفظ میں قائدانہ رول ادا کیا۔

سلفیان ہند کی حالت مزید ناگفتہ بہ تھی' ایک طرف یہ ملک کی اکثریت کے مظالم کا نشانہ تھے خود علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ اس دہشت گردی کا شکار ہوئے' جیل اور اس کی سختیاں جھیلیں' اور کسنوڈین کے فتنہ میں سالہا سال تڑپتے رہے۔

دوسری جانب مختلف افکار کے حامل مسلمان علماء اور تنظیموں نے سلفیت کی اس مظلوم تحریک کو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا' کسی نے اس پر "شیئی من سدر قلیل" کی پھبتی کسی' کسی نے اس کے محاذ کو تقسیم ملک کے بعد ٹوٹا پھوٹا قرار دیا' کسی نے اسے ایک خارجی فکر قرار دیا۔ اس کے طلباء سلفیت کے اہتمام میں بڑے بڑے تعلیمی اداروں سے نکالے گئے' روشن خیالی کے مدعی ایک بڑے تعلیمی ادارہ تک میں اس تحریک کی طرف منسوب طلباء کو تنگ کیا گیا۔ انہیں روحانی اور دماغی تکلیفیں تو پہونچائی ہی گئیں انہیں جسمانی اذیتیں بھی دی گئیں۔ اس ادارہ نے اپنی تیار کردہ کتابوں اور لٹریچر میں اس تحریک کو یکسر نظرانداز کیا اور اگر اس کا کہیں ذکر آیا تو اس کے اساطین پر تہمتیں لگائی گئیں' اسلامیان ہند کے کارناموں کی تاریخیں لکھی گئیں تو اتنی احتیاط برتی گئی کہ کہیں اس "زہریلی" تحریک کا ذکر نہ آجائے۔

ارباب شرک و بدعات اور قبروں اور درگاہوں کی کمائی کھانے والوں کے فتنے شب و روز بڑھتے رہے اور ان کی ٹکسال سے اس مظلوم تحریک اور اس کے حاملین کے لئے کفر کے فتوے ڈھلتے رہے۔

اس چو طرفہ حملہ اور ہمہ جہتی ظلم و جور کے بالمقابل پوری طاقت اور مضبوطی کے ساتھ کھڑا ہونے والا شخص ایک کمزور ڈھانچہ اور ہلکے جسم و جثہ کا مالک لیکن گہرے علم' وسیع مطالعہ' نقلی اور عقلی علوم کا جامع' تعلیم و تربیت کا ماہر' تحریر و تقریر اور زبان و ادب پر یکساں قادر' اعلیٰ اخلاق و کردار' ورع و تقویٰ' استغناء و خودداری اور غیرت و حمیت حق اور دعوت و عزیمت کا پیکر نذیر احمد رحمانی تھا' رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

اس نبض شناس جماعت و ملت نے عقیدہ و منہج صحابہ و سلف کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ کی سرکوبی کی' ردّ عقائد بدعیہ' انوار مصابیح' اہلحدیث اور سیاست' انتقاد صحیح جیسی علمی و فکری کتابیں تصنیف کیں' جو اپنے اپنے موضوع پر غیر مسبوق قرار دی گئیں۔

سلف صالح کے عقیدہ و منہج پر مبنی معیاری دینی نصاب "چمن اسلام" کی شکل میں پیش کرکے نئی نسل کی ذہن سازی اور دینی تعلیمی کونسل کی تاسیس میں قائدانہ شرکت اور اس کے پلیٹ فارم سے قائدانہ رول ادا کرکے مسلمان بچوں کو دیومالائی فکر سے بچانے کی راہ میں عملی جدوجہد فرمائی' مجلات و صحف میں "قومی دھارے" کے گمراہ کن تصور کے خلاف مقالات لکھ کر نئی نسل کو مرعوبیت سے بچانے کی ممکنہ کوشش کی' تقلید جامد اور بدعات و خرافات اور شرک و مظاہر شرک

کے منہ پھٹ قسم کے نمائندوں اور صحافیوں کو اپنی علمی گرفتوں سے خاموش کیا۔ ملک کی اپنے وقت کی سب سے معیاری درسگاہ جامعہ رحمانیہ میں مرض الموت تک صحیح بخاری و صحیح مسلم اور دوسرے علمی وفنی موضوعات کی تدریس کا اعلیٰ معیار قائم فرمایا' اور پچاسوں طلباء کی علمی اور اخلاقی تربیت کرکے انہیں مختلف میادین علم و عمل میں عقیدۂ و منہج سلف کی تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت کے قابل بنایا' تعلیم و تربیت' نظم و انصرام' ادارت و قیادت' دانش و بینش' علم و فضل' گہرائی وگیرائی' ورع و تقویٰ' زہد و استغناء' شرافت و نجابت' معاملہ فہمی و دور اندیشی' حق گوئی و بیباکی اور حق کی غیرت و حمیت میں نذیر احمد کی موجودہ دور میں مثال نہیں۔ (وَلَا أُزَكِّي عَلَى اللهِ أَحَدًا) رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

آج استاذِ محترم رحمہ اللہ کی یاد یوں آئی کہ ان کے بڑے صاحبزادہ برادرم آفتاب احمد املوی رحمہ اللہ اچانک دو دن بیہوش رہ کر مورخہ ۱۵ر مارچ ۱۹۹۵ء بروز بدھ رات کو دس بجکر دس منٹ پر تقریباً ۴۳ر سال کی عمر میں اس دار فانی سے رحلت فرمائے گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

جناب آفتاب احمد صاحب رحمہ اللہ صوم و صلوٰۃ کے پابند' نیک دل' سادہ طبیعت اور ملنسار انسان تھے' تعلیم تو ان کی میٹرک تک ہی تھی لیکن اپنی مستقل مزاجی اور تسلسل کے ساتھ اکاؤنٹ (حساب وکتاب) کا کام کرنے کی وجہ سے انہیں اس فن میں بڑی مہارت حاصل ہوگئی تھی' دس سال تک انہوں نے مئوناتھ بھنجن میں ہند مسی مسی میں اکاؤنٹنٹ کا کام کیا ۱۹۷۶ء میں وہ جامعہ سلفیہ بنارس سے وابستہ ہوگئے جہاں انہوں نے تقریباً ۱۸ سال اکاؤنٹنٹ کے فرائض انجام دیئے' اور دونوں جگہوں پر اپنی صداقت' امانت اور صبر و تحمل کے نہ مٹنے والے نقوش چھوڑے۔

استاذی العلام کے پورے خاندان سے بحمد اللہ مجھ سیہ کار کے اچھے تعلقات رہے ہیں' آفتاب احمد صاحب رحمہ اللہ سے بڑے بھائی ہونے کے ناطے یہ تعلقات زیادہ گہرے تھے۔

۱۱ر مارچ ۱۹۹۵ء بروز سنیچر آپ ڈیوٹی پر تھے' اسی شب میں آپ کی طبیعت خراب ہوئی' صبح بروز اتوار گیارہ بجے آپ کو گلوکوز کی پانچ بوتلیں چڑھائی گئیں' ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق آپ کا بلڈ پریشر ڈاؤن تھا' پھر پیٹھ کی بائیں جانب اور سر میں سخت درد ہوا' آپ یہ کہہ کر کہ مجھے موت کا احساس ہو رہا ہے بیہوش ہوگئے' سات بجے شام کو آپ کو بنارس ہندو یونیورسٹی کے اسپتال میں داخل کیا گیا۔ ڈاکٹروں نے "برین ہیمرج" بتایا۔ سوموار کو گیارہ بجے آپ کو ہیریج نرسنگ ہوم میں داخل کیا گیا' دو دن جنرل وارڈ میں رکھا گیا پھر C.C.U میں منتقل کردیئے گئے' لیکن آپ کی حالت بگڑتی گئی' جسم نیچے سے معطل ہوتا گیا اور بالآخر فرشتۂ اجل آپہونچا اور آپ بروز بدھ رات دس بجکر دس منٹ پر اپنے مولائے حقیقی سے جاملے۔

رات تین بجے جنازہ املو لایا گیا جہاں جمعرات کو بعد صلوٰۃ عصر ساڑھے چار بجے صلوٰۃ جنازہ ہوئی۔ جنازہ میں تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے شرکت کی۔

مجھے اطلاع بہت تاخیر سے مل سکی' جمعرات کو بڑی مشکل سے تقریباً ساڑھے بارہ بجے فلائٹ میں جگہ مل سکی' فلائٹ آگرہ اور کھجوراہو رکتی ہوئی تین بجے کے قریب بنارس ایرپورٹ پہونچی' وہاں سے کار لیکر بھاگم بھاگ املو پہونچا لیکن صلوٰۃ جنازہ اور تجہیز و تکفین ہوچکی تھی۔ پورا املو سوگوار تھا' سارے اعزہ و اقرباء جمع تھے برادرم مولانا ہلال احمد مدنی جو نائیجیریا میں مدرس ہیں اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقیم ہیں کے پہونچنے کی کوئی صورت نہیں تھی' لیکن ان کے ایک صاحبزادہ جو کانپور میں طالب علم ہیں موجود تھے۔

آفتاب احمد رحمہ اللہ کے پسماندگان میں دو چھوٹے بھائی مولانا ہلال احمد' نہال احمد اور دو بہنوں عابدہ و رضیہ کے علاوہ بیوی' چار لڑکے : خورشید انور' ضیاء الحسن جاوید' محمد اسلم' محمد اکرم اور ایک لڑکی سلطانہ ناظرہ بیگم ہیں۔

دعا ہے کہ رب العالمین آفتاب احمد رحمہ اللہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان بالخصوص ان کی اہلیہ محترمہ اور بچوں کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

ادارہ : "التوعیہ" کے جملہ کارکنان آفتاب احمد رحمہ اللہ کے اہل وعیال' برادران' اور دیگر پسماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں

(بقیہ صفحہ ۳۵ پر)

مزمل حسین قاسمی

خبرنامہ

سماجی بہبود پر بین الاقوامی سربراہ کانفرنس

کوپن ہیگن۔ ۵ر مارچ تا ۱۲ر مارچ ۹۵ء : سماجی بہبود اور معیار زندگی بہتر بنانے کے لئے بین الاقوامی سربراہ کانفرنس کوپن ہیگن میں منعقد ہوئی۔ ایک ہفتہ تک جاری اس کانفرنس کا انعقاد اقوام متحدہ کی طرف سے کیا گیا تھا جس میں دنیا کے ۱۸۴ ممالک کے نمائندوں نے شرکت کی۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی بین الاقوامی کانفرنس تھی جس میں سماجی بہبود اور سماجی ترقی کے لئے لائحہ عمل تیار کرنے کا منصوبہ پیش نظر تھا۔ اب تک اقوام متحدہ کی اکثر کانفرنس زیادہ تر سیاسی یا اقتصادی نوعیت کی ہوتی تھیں۔ اس کانفرنس کے نصب العین میں دنیا بھر سے غریبی' مفلوک الحالی اور بے روزگاری کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ سماجی توازن اور سماجی انصاف پر زور دیا گیا تھا اس لئے دنیا بھر کی نگاہیں بھی اس کے خاطر خواہ نتائج پر امید لگائے بیٹھی تھیں۔ لیکن کانفرنس ترقی یافتہ ممالک یا صنعتی طور پر امیر ممالک کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے محض نشستن و گفتن و برخاستن تک ہی محدود ہو کر رہ گئی۔

ترقی پذیر و ترقی یافتہ ممالک نے ۲۱ ویں صدی کی طرف بڑھتی ہوئی غریبی' مفلوک الحالی' بھوک مری' بے روزگاری اور سماجی عدم توازن سے پیدا شدہ ہولناک خطرات کو محسوس تو کر لیا ہے اور ان خطرات کو کم کرنے کے لئے بڑے پیمانے پر منصوبہ بند مسودوں کو منظوری بھی دے دی ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے اور انہیں مکمل کرنے لئے ذرائع آئیں گے کہاں سے؟

سات روزہ کانفرنس کے اختتام پر بطروس غالی نے نوے صفحات کی اس دستاویز کو منظوری دینے کا اعلان کیا۔ حد یہ ہے کہ پرانے کیونسٹ نظام کے کٹر حامی صدر فیڈل کاسترو اور بازار پر منحصر نظام کے دیگر حامیوں نے اس منصوبے کی تائید کر کے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔

سمجھوتے پر رضامندی تو ہوئی لیکن ۱۱ر مارچ کو مختلف مقررین کی تقاریر کے دوران مختلف معاملوں پر ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کے اختلافات بھی کھل کر سامنے آگئے۔ ترقی یافتہ ممالک کا کہنا تھا کہ غریب ممالک اپنے یہاں کرپشن اور بد نظمی کو ختم کر کے اپنی حالت سدھاریں جبکہ ترقی پذیر ممالک کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ترقی یافتہ ممالک کو ان کی ترقی میں مدد دینی چاہئے۔ اعلانیہ منظور کئے جانے کے ساتھ ہی چار مسلم ممالک مصر' جارڈن' پاکستان اور سعودی عرب اور چار رومن کیتھولک ممالک ایکواڈور' مالٹا' پیرو اور واٹیکن کے نمائندوں نے کہا کہ دستاویز میں ان کے اعتراضات شامل کئے جائیں۔ مسلم ممالک چاہتے تھے کہ اعلانیہ اسلامی قانون کی حمایت کرے کیونکہ اسلام نے سب سے پہلے عدل وانصاف اور مساوات پر قائم سماج کو فروغ دینے کی دعوت دی ہے۔ جبکہ کیتھولک ممالک کو تولید سے متعلق صحت کے موضوع پر اعتراض تھا۔

اہم مسائل پر شمال کے امیر ممالک جنوب کے غریب ممالک اور ترقی پذیر ممالک کی G-77 تنظیم میں بھی اختلاف رائے پایا گیا ترقی پذیر ممالک کو اس وقت سب سے بڑا صدمہ پہونچا جب سماجی بہبود کے لئے "بین الاقوامی فنڈ" قائم کرنے کی تجویز بھی امیر ممالک کی مخالفت اور بے توجہی کی نذر ہو گئی۔

دنیا میں تقریباً اس وقت بارہ کروڑ رجسٹرڈ بے روزگار اور ستر کروڑ جزوی کامگار مزدور ہیں جن کی حالت ناگفتہ بہ ہے پوری دنیا میں غریبوں کی تعداد کروڑوں میں ہے جن کی معیار زندگی غریبی کی سطح سے بھی نیچے ہے اور ان میں سے ۴۰ فیصد اکیلے ہندوستان میں رہتے ہیں۔

اس سلسلے میں ہندوستان کا مطمع نظر کافی واضح تھا کہ دنیا کی صرف بیس فیصدی آبادی والے ترقی یافتہ ممالک دنیا کی ستر فیصدی انرجی اور ۴۳ فیصدی ذرائع پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔ اس لئے امیری وغریبی کی اس عظیم خلیج کو پاٹنے کے لئے ایک تو امیر ممالک اپنے یہاں معیار صرف کم کریں اور دوسری طرف غریب ممالک کو مزید ذرائع مہیا کریں۔

لیکن اس کانفرنس میں غریبی کا خاتمہ اور سماجی بہبود کے لئے مزید ذرائع پر بھی غریب ممالک ترقی یافتہ ممالک سے کوئی وعدہ نہ لے پائے کانفرنس صنعتی طور پر ترقی یافتہ ممالک سے ماضی میں کیا گیا وہ وعدہ اور اسے وقت پر پورا کرنے کا عہد بھی نہ لے پایا کہ وہ اپنے کل گھریلو پیداوار GDP کا (0.7%)، S. سرکاری ترقی مدد (ODA) کی شکل میں دیں گے۔ اس پر رضامندی ستر کے عشرہ میں ہوگئی تھی مگر اپنی اقتصادیات کے لگاتار مضبوط تر ہوتے جانے کے باوجود امیر ممالک نے اپنا یہ وعدہ آج تک پورا نہیں کیا۔

یوں کہنے کو سماجی بہبود کی اس سربراہ کانفرنس میں ۲۳ صفحات پر مشتمل ایک دس نکاتی اصول وضع کر لیا گیا ہے اور ۶۵ صفحات پر مشتمل منصوبہ ولائحہ عمل بھی تیار کر لیا گیا ہے۔ کافی حیل وحجت، آپسی سرپھٹول، الزامات اور تردید الزامات کے دوران اس دستاویز میں غریبی مٹانے، مکمل روزگار کو بڑھاوا دینے، سماجی اتحاد کے لئے ایک استقلالی سماج کا قیام، انسانی قدروں کو بڑھاوا دینے، تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع فراہم کرنے، از سرنو اقتصادی تنظیم وتشکیل اور سماجی انصاف وسماجی ترقی کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے عہد کیا گیا، ۱۲۰ ممالک کے سربراہوں نے اس پر دستخط کئے مگر اس کی سفارشات ماننے کے لئے اس میں حصہ لینے والے ممالک کی حکومتوں کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

گو کہ یہ سربراہ کانفرنس اتنی کامیاب ثابت نہ ہوسکی جتنی کہ غریب ممالک کو توقع تھی پھر بھی سماجی فروغ اور غربت کے خاتمہ کے لئے سبھی ممالک کا اتفاق رائے ہونا ایک خوش آئند پہلو ہے۔ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اقوام متحدہ اپنی ۵۰ ویں جنرل اسمبلی میٹنگ میں اقوام متحدہ "غریبی کا خاتمہ" کے لئے ایک عشرہ سال ۱۹۹۷ء سے شروع کرے گا۔ تب تک شاید امیر ممالک بھی اپنی پالیسیوں میں نرمی کردیں اور وہ اپنے وعدے کے مطابق غریب ممالک کی امداد اپنی کل گھریلو پیداوار کے ذریعہ اعشاریہ سات فیصد سے بھی زائد کرنے پر راضی ہوجائیں۔

سال رواں ۹۶-۱۹۹۵ء کا بجٹ: نشانے اور توقعات

نئی دہلی ۱۵ر مارچ ۹۵ء : آج وزیر مالیات جناب منموہن سنگھ نے سال رواں کا بجٹ پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ بجٹ پیش کرتے ہوئے وزیر موصوف نے گذشتہ چار سالوں کی اقتصادی ترقی کا جائزہ لیا جب موجودہ حکمراں پارٹی نے حکومت کا عہدہ سنبھالا یعنی ۹۲-۱۹۹۱ء میں اقتصادی ترقی کی شرح ایک فیصد سے بھی کم ہوگئی تھی جو دو سال کے عرصہ میں ۴،۳ فیصد اور اب ۵،۳ فیصد تک پہونچ گئی ہے۔ صنعتی ترقی کی شرح نصف فیصد سے بھی کم تھی لیکن گذشتہ سال اپریل، نومبر کے دوران ۸،۷ فیصد تک پہونچ گئی اور اب صنعتی سکیٹر ۹،۳ فیصد کی شرح سے ترقی کررہا ہے اور سرمایہ کاری اشیاء کا سکیٹر ۲۴،۷ فیصد کی شرح سے بڑھ رہا ہے۔ اناج کی پیداوار ۱۸۵ ملین ٹن تک پہونچ گئی ہے اور اناج کا سرکاری ذخیرہ بھی یکم جنوری ۱۹۹۰ء کو ۳۱ ملین ٹن تک پہونچ گیا ہے، جو ۹۲-۱۹۹۱ء میں کل ۱۷ ملین ٹن تھا۔ ملازمت کے میدان میں بھی دوگنا اضافہ ہوا ہے جو ہر سال تین ملین سے بڑھ کر چھ ملین ہوگیا ہے۔ عدم پابندی اور کھلے بازار کی پالیسی نے ہماری خود اعتمادی کو فروغ دیا ہے۔ قبل ازیں ہمارے برآمدات درآمدات کے ۶۰ فیصد تک ہی تکمیل کر پاتے تھے اب نوے فیصد تک درآمدات کی تکمیل اپنے ہی برآمدات سے ہوجاتی ہے۔ بجٹ میں خسارے کا ذکر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے کہا کہ ۹۶-۱۹۹۵ء کے لئے مالی خسارہ کا تخمینہ موجودہ مالی سال کے مقابلہ میں نصف فیصد کم ہے۔ ۹۵-۱۹۹۴ء سال کے لئے یہ تخمینہ مجموعی گھریلو پیداوار کا چھ فیصد تھا۔ آمدنی اور اخراجات کے مطابق بجٹ خسارے کا اندازہ پانچ ہزار کروڑ روپیہ ہے۔ جہاں تک سرمایہ کاری کی رسیدات کا سوال ہے مارکیٹ سے قرضوں کا تخمینہ ۳۷۰۰ کروڑ روپیہ لگایا گیا ہے جبکہ درمیانی اور طویل المدت قرضوں کا اندازہ ۱۱۰۰۰ کروڑ روپئے ہے۔ مختصر المدت قرضوں کا اندازہ ۴۳۸۷ کروڑ روپیہ ہے جب کہ غیر ملکی امداد کا اندازہ ۴۴۵۶ کروڑ روپئے لگایا گیا ہے۔ اس طرح بین

الاقوامی برادری کو یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ اقتصادی اصلاحات کا عمل بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہے گا۔

مجموعی طور پر بجٹ میں عام آدمی کو کافی راحت دی گئی ہے۔ کثر محصولاتی و در آمداتی ٹیکسوں پر کمی کی گئی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ س بجٹ سے ہر آدمی کی قوت خرید بڑھے گی دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ افراط زر کی شرح جو تقریباً ۱۱ فیصد چل رہی ہے عام آدمی کتنا فائدہ اٹھاپاتا ہے۔ سی لئے بجٹ پر رد عمل ظاہر کرتے ہوئے مخالف پارٹیوں نے الزام لگایا ہے کہ بجٹ میں بڑھتی ہوئی افراط زر اور بے روزگاری پر قابو پانے کی کوئی ذبیر نہیں بتائی گئی ہے۔ اٹل بہاری باجپئی نے کہا کہ یہ ووٹروں کا بجٹ ہے جس کا مقصد سماج کے اعلیٰ طبقوں کو فائدہ پہونچانا ہے۔ مارکسی کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر سومناتھ چٹرجی نے کہا کہ بجٹ سے ترقی کے قاصد پورے نہیں ہوں گے اور اس سے عوام کو بچت کرنے میں مدد ہیں ملے گی اس میں ایسی کمپنیوں کو رعایتیں دی گئی ہیں جو ٹیکس کی چوری کرتی ہیں جبکہ عوام کی بچت صلاحیت لگاتار کم ہوتی جارہی ہے۔

مغربی طرز معاشرت کا خطرہ

ئی دہلی۔ ۲۳ مارچ۔ نامور سائنس داں اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے سابق صدر پروفیسر یشپال نے انسانیت پر کام کرنے والے محققین ند کے شہریوں سے اپیل کی ہے کہ وہ مغربی طرز معاشرت کی اندھادھند نقالی کے خلاف ایک مستقل مہم چلائیں اور معاشرے سے اس ناسور کو نکال پھینکیں جو قومی زندگی میں فساد اخلاق کا زہر گھول رہا ہے گاندھی پیس اؤنڈیشن میں "سائنس ان کلچر" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے نہوں نے کہا کہ جدید علمی تحقیق نے ثابت کردیا ہے کہ دماغ میں ایک علیحدہ خلیہ مادری زبان کے لئے مخصوص ہے۔ لیکن جب یہ خصوصی لیہ غیر ملکی زبان کو ترجیح دئے جانے کی وجہ سے استعمال نہیں کیا جاتا تو بچے کی فطری نشوونما کے مواقع ضائع ہوجاتے ہیں اور دماغ کا یہ عضو خاص زائل ہوجاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ متوسط الحال طبقہ ہی ہے جس کی یہ آرزو رہتی ہے کہ اس کے بچے انگریزی سیکھیں تاکہ معاشی طور پر ترقی کرسکیں اور سماج میں اپنے لئے اعلیٰ مقام بناسکیں لیکن اس قسم کا رویہ فطری نشوونما کے لئے سم قاتل ہے۔ اگر ارباب دانش عوام میں بڑھتے ہوئے سماجی' معاشی اور ثقافتی اضطراب پر توجہ نہ دیں گے تو وہ جلد ہی وطن کو صفحہ ہستی سے فنا ہوا دیکھیں گے۔

بقیة : حقوق والدین

متعمداً، فمن فعل ذلك فقد برئت منه ذمة الله وذمة رسوله... الحديث(۱)

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وضو کا پانی ڈال رہی تھی سامنے میں ایک شخص آیا اور کہا کہ مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر' اگرچہ تجھے بوٹی بوٹی کردیا جائے اور آگ میں جلادیا جائے۔ اور اپنے والدین کی نافرمانی نہ کر' اور اگر وہ تجھے اپنی بیوی اور اپنی دنیا کو چھوڑنے کا حکم دیں تو انہیں چھوڑ دے۔ اور شراب کبھی بھی نہ پینا کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے' اور جان بوجھ کر صلوٰۃ مت چھوڑنا اس لئے کہ جو ایسا کرے گا اس سے اللہ کی اور اس کے رسول کی ذمہ داری ختم ہوجائے گی۔

ضروری اعلان

ماہنامہ "التوعیہ" کے بہت سے اعزازی ممبران اور خریداران کو شکایت ہے کہ "التوعیہ" انہیں برابر نہیں پہنچتا ہے' ایسے تمام حضرات سے ہماری گذارش ہے کہ:۔

۱۔ وہ اپنا صحیح ایڈریس پن کوڈ کے ساتھ انگریزی کے کیپٹل لیٹر میں خریداری یا اعزازی نمبر کے حوالہ کے ساتھ ارسال فرمائیں تاکہ دفتر ایڈریس کی صحت کی تحقیق کرسکے۔

۲۔ اور اپنے مقامی پوسٹ آفس کو بھی ہدایت کریں کہ وہ ان کی ڈاک ان کے علاوہ کسی غیر متعلق شخص کو نہ دے۔

۳۔ اگر کوئی شمارہ نہ ملے تو ایک پوسٹ کارڈ کے ذریعہ دفتر کو اس کے نہ پہنچنے کی اطلاع اگلے ماہ کی بیس تاریخ تک ضرور دے دیں تاکہ انہیں دوبارہ پرچہ ارسال کیا جاسکے۔

امید کہ ہماری اس درخواست پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

منیجر ماہنامہ "التوعیہ" ۱۴۱ سی۔ ۳ جوگابائی' جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

Registered with the Registrar of Newspaper for India RN. No. 45764/86 DL-11283/94
APRIL 1995
POSTED AT N.D.P.S.O.
DATED 25, 26
AL-TAUIYAH MONTHLY
161/C-3, JOGA BAI, NEW DELHI - 110025

مولانا ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی
کے
علمی و اشاعتی ادارہ

مجمع البحوث العلمیۃ الاسلامیۃ

کی

ایک عظیم قرآنی خدمت

ترجمۂ معانی قرآن کریم مع مختصر تفسیر (اردو)

شاہ رفیع الدین دہلوی اور نواب وحید الزماں خاں حیدر آبادی کے دو ترجموں اور مولانا محمد عبدہ الفلاح سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد (پاکستان) کے تفسیری حواشی پر مشتمل معیاری کاغذ، بہترین کتابت، خوبصورت و دیدہ زیب طباعت کے ساتھ طبع ہو کر منظر عام پر آگیا ہے۔ جس کی خصوصیات درج ذیل ہیں :

☆ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ بے حد مقبول ہے علماء نے اسے الہامی ترجمہ کہا ہے۔
☆ نواب وحید الزماں کا ترجمہ سلیس و واضح ہونے کے ساتھ ساتھ مسلک سلف کا ترجمان ہے۔
☆ تفسیری حواشی ابن کثیر، فتح القدیر اور فتح البیان وغیرہ تفاسیر سے ماخوذ ہیں نیز ان کی تیاری میں کتب حدیث اور ان کے شروح سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔
☆ فوائد میں اہل الظن عقل پرستوں پر بھی تنقید کی گئی ہے جو قرآن کریم کی ترجمانی کے زعم میں احادیث صحیحہ کا انکار کرتے ہیں۔

ایک صاحب خیر نے مرکز کے زیر اہتمام اس کے کچھ نسخے اپنے مصارف پر طبع کرائے ہیں، جو شائقین و مستحقین کو لوجہ اللہ مفت دیے جا رہے ہیں۔

شائقین ڈاک خرچ بھیج کر یا خود آکر مرکز سے قرآن پاک مترجم کے یہ نسخے حاصل کر سکتے ہیں۔

سکریٹری

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، ۴- جوگا بائی، نئی دہلی- ۱۱۰۰۲۵